

تَفْسِیرُ کَمَالِیْنِ

شرح اُردو

تَفْسِیرُ جَلالِیْنِ

شرح
حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب
استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

تفسیر
علامہ جلال الدین محلی و علامہ جلال الدین سیوطی

دارالانشاء

مکتبہ دارالعلوم دیوبند، دیوبند، پاکستان 021-32213768

تَفْسِيرُ كَمَالِیْنَ

شرح اُردو

تَفْسِيرُ جَلَالِیْنَ

جلد ششم، ہفتم
پارہ ۲۵ تا پارہ ۳۰
بقیہ سورۃ فُصِّلَتْ (خم السجدہ)
تا
سورۃ الناس

تَفْسِیْرُ
عَلَامَہ جَلَالُ الدِّیْنِ مَحَلِّی و عَلَامَہ جَلَالُ الدِّیْنِ سُبُوْطِی

شرح
حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحبِ ظاہر
استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

مکتبہ
دارالاشاعت

اُردو بازار، اسماعیل چنگ روڈ کراچی پاکستان 2213768

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر

پاکستان میں جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین ۶ جلد مترجم و شارح مولانا نعیم الدین اور کچھ پارے مولانا انظر شاہ صاحب کی تصنیف کردہ کے جملہ حقوق ملکیت اب پاکستان میں صرف ظلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی کو حاصل ہیں اور کوئی شخص یا ادارہ غیر قانونی طبع و فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ سینٹرل کاپی رائٹ رجسٹرار کو بھی اطلاع دے دی گئی ہے لہذا اب جو شخص یا ادارہ بلا اجازت طبع یا فروخت کرتا پایا گیا اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ ناشر

انڈیا میں جملہ حقوق ملکیت وقار علی مالک مکتبہ تھانوی دیوبند کے پاس رجسٹرڈ ہیں

باہتمام : ظلیل اشرف عثمانی
طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء
ضخامت : ۶ جلد صفحات ۳۲۲۳

تصدیق نامہ

میں نے ”تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین“ کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔ اب الحمد للہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر جاریہ R.ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محمد اوقاف سندھ

23/08/06

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن و علوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ سیدہ سراجی
بیت القلم بیت بل اشرف المہدائیں مجلس اقبال بک کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
مکتبہ امدادیہ بی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار اوپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

یہ پاکستانی طبع شدہ ایڈیشن صرف انڈیا ایکسپورٹ نہیں کیا جاسکتا

اجمالی فہرست

جلد ششم و ہفتم پارہ نمبر ﴿۲۵ تا ۳۰﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
			پارہ الیہ یرو
۴۳	توبہ و انابت پر بشارت	۲۴	اللہ کا علم ذاتی دلیل توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے
۴۴	دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب	۲۴	انسان کی حرص و طمع لامحدود ہے
۴۹	شان نزول و روایات	۲۵	انہاں کی خود فریبی
۴۹	نعمت و مصیبت دونوں حکمت الہی کے تحت ہیں	۲۵	یاس اور دعائیں کوئی منافات نہیں
۵۰	ایک اور شبہ اور اس کا جواب	۲۵	فرمانبردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں
۵۰	تمام ایجادات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے	۲۶	ایک علمی اشکال کو جواب
۵۰	اخلاق فاضلہ	۳۳	فرشتوں میں جسم اور نقل ہوتا ہے
۵۱	مشورہ کے حدود	۳۴	استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے
۵۱	بدلہ کی حدود	۳۵	مکہ زمین کا نقطہ آغاز ہے
۵۱	معافی کی حدود	۳۵	دین و مذہب کا بنیادی پتھر
۵۲	پیغمبر کا کام سمجھانا ہے منوادی نہیں ہے	۳۵	دین و مذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے
۵۲	اولاد کی تقسیم حصر عقلی پر اشکال کا جواب	۳۵	دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں
۵۲	اللہ سے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں	۳۶	غیر متزلزل عزم اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت
۵۷	فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق	۳۶	اللہ کی میزان عدل و انصاف
۵۷	اولیاء کا فرشتوں سے ہمکلام ہونا	۳۷	خوف اور شوق دو طرح کے ہوتے ہیں
۵۸	وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل	۴۱	یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موبہوم پر کامل اعتمال ہے
۶۵	قرآن کی خرابیاں اور خصوصیات	۴۲	انسانیت و قرابت کا لحاظ کر کے ہی ظلم سے باز آنا چاہئے
۶۵	جو خالق ہے وہی معبود ہے	۴۲	محبت اہل بیت و جز و ایمان ہے
۶۶	اللہ کی شان میں حد و درجہ گستاخی	۴۳	چار مقدمات استدلال

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۱۰	ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے	۶۶	مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے
۱۱۰	ناز برداری سے انسان بگڑ جاتا ہے	۶۷	فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت
۱۱۰	نیک معاش اور بد معاش کا انجام	۶۷	مشرکین کی دلیل کا تار و پود
۱۱۴	ہومن و کافر فی دنیا و آخرت یکساں نہیں ہوتا	۶۷	اندھی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے؟
۱۱۶	عقل معاش معاذ کیلئے کافی نہیں ہے	۷۴	قرآن کو جادو بتلانے والے
۱۱۷	انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے	۷۴	ایک شبہ کا ازالہ
۱۱۷	اشکال کا جواب	۷۵	شبہ کا ازالہ
	پارہ حم	۷۵	شبہات کا جواب
۱۲۵	تحقیق و ترکیب	۷۵	ہدایت و گمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں
۱۲۶	ربط آیات	۸۱	فرعون کی ڈیگیں
۱۲۶	تشریح	۸۱	بھانت بھانت کی بولیا
۱۲۶	مشرکین کی حماقت	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے
۱۲۷	قرآن اور جادو میں فرق	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی حکمتیں
۱۲۷	نکتہ نادرہ و تحقیق لطیف	۸۳	حضرت عیسیٰ نے یہود کی اصلاح فرمائی
۱۲۸	ایک دقیق کا اشکال کا حل	۸۳	عیسائیوں کی چار جماعتیں
۱۲۸	ایک علمی تحقیق انیق	۸۸	اللہ کیلئے اولاد کا عقیدہ
۱۲۸	نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے	۹۴	قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب براءت میں
۱۲۹	پیغمبر آخر کی اطلاع پہلے سے چلی آرہی ہے	۹۴	قحط کا عذاب
۱۲۹	شاہد سے کیا مراد ہے	۹۵	دھوئیں کا عذاب
۱۳۰	اطائف سلوک	۹۵	سزا کے وقت توبہ بے فائدہ ہے
۱۳۲	تحقیق و ترکیب	۹۷	حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی
۱۳۲	شان نزول	۹۷	زمین و آسمان کا رونا
۱۳۲	تشریح	۱۰۱	تبع کون تھے؟
۱۳۲	پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے	۱۰۲	قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی
۱۳۵	دودھ پلانے کی مدت	۱۰۲	زقوم کی تحقیق
۱۳۵	چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے	۱۰۸	شان نزول
۱۳۵	نادان اولاد کا رویہ	۱۰۹	قرآن سے زیادہ سچی بات کوئی ہے

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۵۶	علامات قیامت	۱۲۶	لطائف سلوک
۱۵۶	پیغمبر کا استغفار کرنا *	۱۲۹	تحقیق و ترکیب
۱۵۷	لطائف سلوک	۱۲۳	ربط
۱۶۰	تحقیق و ترکیب	۱۴۲	شان نزول و روایات
۱۶۲	ربط	۱۴۲	تشریح
۱۶۲	شان نزول و روایات	۱۴۳	قوم عاد و ہود پر عذاب کا ہا دل
۱۶۳	تشریح	۱۴۳	انسان سے تو جنات ہی غنیمت نکلے
۱۶۳	جہاد کے فوائد و مصالح	۱۴۳	جنات کی نظر میں قرآن
۱۶۴	دلوں پر تالے	۱۴۴	اسلام لانے سے بچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں
۱۶۴	مخلص و منافق کی پہچان	۱۴۴	جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں
۱۶۵	کفر و نفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں	۱۴۴	اولوالعزم پیغمبر کون ہوتے ہیں
۱۶۵	فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات	۱۴۴	لطائف سلوک
۱۶۵	حنفیہ شوافع کا اختلاف	۱۴۷	تحقیق و ترکیب
۱۶۶	بزدل مسلمان کا شیوہ نہیں ہے	۱۴۸	ربط
۱۶۶	دنیا اور آخرت کا موازنہ	۱۴۹	تشریح
۱۶۷	ابام اعظم کی منقبت	۱۴۹	حق و باطل کی آویزش
۱۶۷	لطائف سلوک	۱۵۰	اسیران جنگ کی رہائی
۱۷۱	تحقیق و ترکیب	۱۵۰	جہاد کی حکمت عملی
۱۷۲	ربط	۱۵۰	اللہ کی مدد مسلمانوں کیلئے ہے
۱۷۴	شان نزول و روایات	۱۵۲	تحقیق و ترکیب
۱۷۵	تشریح	۱۵۳	ربط آیات
۱۷۵	فتح مبین	۱۵۴	شان نزول و روایات
۱۷۶	شاہانہ انعامات	۱۵۵	تشریح
۱۷۶	چار وعدے	۱۵۵	نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں
۱۷۷	فتح مکہ سبب مغفرت ہے	۱۵۵	جنت کی نہریں
۱۷۷	فتح مکہ میں عورتیں	۱۵۶	دوزخیوں کا حال
۱۷۸	بیعت جہاد اور بیعت سلوک	۱۵۶	منافقین کا دوغلا پن

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۰۱	ایک نفس علمی بحث	۱۷۹	منافقین کے حیلے بہانے
۲۰۲	تعظیم نبوی کی ترغیب	۱۸۰	منافقین کا پوسٹ مارٹم
	حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کیلئے نقطہ	۱۸۰	فتح خیبر
۲۰۲	عروج ہے	۱۸۱	ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں
۲۰۲	انتہائی ادب کا تقاضہ	۱۸۱	لطائف سلوک
۲۰۳	بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں	۱۸۵	تحقیق و ترکیب
۲۰۳	چند شبہات کا ازالہ	۱۸۹	تشریح
۲۰۴	خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے؟	۱۸۹	حدیبیہ فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا
۲۰۴	رسول ﷺ کی اطاعت	۱۸۹	سنة الله
۲۰۵	اسلام ایک دوامی قانون ہے	۱۸۹	حدیبیہ کی صلح میں مصالح
۲۰۵	مسلمانوں کے جھگڑوں کا حل	۱۹۰	چند شبہات کا ازالہ
۲۰۵	مسلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے	۱۹۱	مشرکین کی ہٹ دھرمی
۲۰۶	مسلمانوں کے اختلافات کرنے کے طریقے	۱۹۱	سچا خواب
۲۰۶	لطائف آیات	۱۹۱	حدیبیہ میں جنگ میں نہ ہونا ہی مصلحت تھا
۲۰۹	تحقیق و ترکیب	۱۹۲	دین متین اور فتح مبین
۲۱۰	شان نزول	۱۹۲	صحابہ کرام کی شان
۲۱۱	رابط آیات	۱۹۲	مدح صحابہ اور خلفاء راشدین کا امتیاز
۲۱۱	محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں	۱۹۳	تورات و انجیل کی تائید
۲۱۲	کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم ہے	۱۹۳	رد و انفض
۲۱۲	اختلاف کی کہانیاں	۱۹۳	لطائف آیات
۲۱۲	مختلف قسم کے گمان اور ان کے احکام	۱۹۷	تحقیق و ترکیب
۲۱۳	تجسس، غیبت، بہتان کے احکام	۱۹۸	شان نزول
۲۱۳	مدار فضیلت خاندانی اونچ نیچ نہیں، بلکہ ایمان و عمل ہے	۱۹۹	رابط آیات
۲۱۵	اسلام نازی کی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے	۱۹۹	تشریح
۲۱۵	آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ	۱۹۹	آداب نبوی ﷺ
۲۱۵	لطائف آیات	۲۰۰	آداب نبوی ﷺ کی کیفیت
۲۲۳	رابط آیات	۲۰۰	گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۵۲	انس و جن کی پیدائش عبادت کیلئے ہے	۲۲۳	تشریح
۲۵۲	عبادت سے اللہ کی غرض و ایستہ نہیں	۲۲۴	قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی
۲۵۳	لطائف سلوک	۲۲۴	ضدی آدمی ہرچی بات کا انکار کرتا ہے
۲۵۶	تحقیق و ترکیب	۲۲۴	آسمان نظر آتا ہے یا نہیں
۲۵۹	ربط آیات	۲۲۵	قیامت کے امکانات کی دلیل
۲۵۹	بشان نزول و روایات	۲۲۵	قیامت کے واقع ہونے کا بیان
۲۶۰	تشریح	۲۲۵	علم الہی اور کرنا کا تین دونوں اعمال کے نگران ہیں
۲۶۰	مختلف قسموں کی مناسبت	۲۲۵	اللہ کے دربار میں شیطان اور انسان کی نوک جھونک
۲۶۰	دوزخ میں کفار کی حالت ذار	۲۲۹	تحقیق و ترکیب
۲۶۱	جنتیوں کے مزے ذریعت کا مفہوم عام ہے	۲۳۰	روایات
۲۶۱	ذریعت کا مفہوم عام ہے	۲۳۱	تشریح
۲۶۱	قانون فضل و عدل	۲۳۱	شبہات اور جوابات
۲۶۲	لطائف سلوک	۲۳۲	لطائف سلوک
۲۶۲	تحقیق و ترکیب	۲۳۶	تحقیق و ترکیب
۲۶۶	تشریح	۲۳۸	ربط آیات
۲۶۶	مستقبل فیصلہ کن ہوگا	۲۳۸	تشریح
۲۶۷	اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے	۲۳۸	نظام عالم قیامت کی شہادت دے رہا ہے
۲۶۷	شرک کا بہترین اور عقلی رد	۲۳۹	سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے
۲۶۸	نبوت و رسالت عقلی دلیل کے آئینہ میں	۲۴۰	لطائف آیات
۲۶۹	دعوت و تبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش		بارہ قال فما خطبکم
۲۶۹	علم غیب سے کیا مراد ہے	۲۴۸	تحقیق و ترکیب
۲۶۹	معاندین کیلئے فرمائشی معجزات کا پورا کرنا مصلحت نہیں بلکہ	۲۴۹	مفسرین
	پورا نہ کرنا مصلحت ہے	۲۵۰	ربط آیات
۲۷۰	ضدی لوگوں کا علاج اللہ کے حوالہ کرنا ہے	۲۵۰	تشریح
۲۷۰	لطائف سلوک	۲۵۰	مجرمین کا انجام
۲۷۴	تحقیق و ترکیب	۲۵۱	اللہ کی کمال صناعی
۲۷۷	روایات	۲۵۱	دو شیعہ اور ان کا جواب

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۹۱	آنحضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے	۲۷۸	رابط آیات
۲۹۱	لطائف سلوک	۲۷۸	تشریح
۲۹۵	تحقیق و ترکیب	۲۷۸	انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آنحضرت ﷺ آفتاب ہدایت ہیں
۲۹۶	رابط آیات	۲۷۸	ایک شبہ کا ازالہ
۲۹۷	شان نزول و روایات	۲۷۹	آنحضرت نے جبرئیل کو مکمل طور پر شناخت کر لیا
۲۹۷	تشریح	۲۷۹	آنحضرت نے آنکھ اور دل دونوں سے جبرئیل کو پہچان لیا
۲۹۸	آنحضرت ﷺ کے معجزات سب سے افضل ہیں	۲۸۰	ہٹ دھرم کی حد ہو گئی
۲۹۸	سورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا	۲۸۰	چند شبہات کا ازالہ
۲۹۹	بطلموسی نظریہ پر چاند کا شق	۲۸۱	کوئی حد ہے ان کے عروج کی
۲۹۹	فلکیات میں فرق و التیام	۲۸۱	دیدار الہی اور تجلیات ربانی
۲۹۹	پتھروں پر جو تک نہیں لگتی	۲۸۲	محمل میں ٹاٹ کے بے جوڑ پیوند
۳۰۰	طوفان نوح	۲۸۲	کفر یہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے
۳۰۰	قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی	۲۸۳	کون سفارشی ہوں گے اور کن کیلئے سفارش ہوگی
۳۰۱	لطائف سلوک	۲۸۳	یہ آیت قیام و اجتہاد کے خلاف نہیں ہے
۳۰۳	تحقیق و ترکیب	۲۸۳	اعمال کی جزا و سزا
۳۰۵	رابط	۲۸۴	بڑے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگزر
۳۰۵	تشریح	۲۸۴	نہ مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقعہ
۳۰۵	مجرمین کو جلد معلوم ہو جائے گا	۲۸۴	حقیقۃً متقی کون ہے
۳۰۵	لطائف سلوک	۲۸۵	ایک نادر علمی تحقیق
۳۰۷	تحقیق و ترکیب	۲۸۵	جب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی
۳۰۸	رابط آیات	۲۸۵	لطائف سلوک
۳۰۸	روایات	۲۸۷	تحقیق و ترکیب
۳۰۹	تشریح	۲۸۹	رابط آیات
۳۰۹	کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا	۲۸۹	شان نزول و روایات
۳۰۹	انسان اور قرآن و بیان	۲۹۰	تشریح
۳۰۹	آسمان زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں	۲۹۰	آسمانی صحیفوں کی تعلیم
۳۱۱	اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے	۲۹۰	انسان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف میں ہیں

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۵۴	اہل ایمان کا جواب	۳۱۷	بیشمار نعمتوں کا تعلق مشرق و مغرب سے ہے
۳۵۴	قرآن اور ذکر اللہ کا اثر	۳۱۸	میٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں
۳۶۰	دنیا کی زندگی چار دن کی چاندنی	۳۱۸	سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں
۳۶۰	مایوسی اور ناز و دونوں بے جا ہیں	۳۲۳	اول کے دو باغ خواص کے لئے ہوں گے
۳۶۱	کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور کوہا ہی اتار	۳۲۳	تخصیص کے قرآن و دلائل
۳۶۱	اسلام نرمی و بہانیت سے روکتا ہے	۳۲۴	عام مؤمنین کیلئے دو باغ
۳۶۲	بدعت و رسوم میں فرق ہے	۳۳۲	اصحاب الیمین
۳۶۲	اہل کتاب ایمان لائیں تو دوسرا ثواب	۳۳۳	اصحاب الشمال
	پارہ قد سمع اللہ	۳۳۳	تحقیقی علمی
۳۷۷	ظہار کسے کہتے ہیں؟	۳۳۳	جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں
۳۷۷	احکام ظہار	۳۳۴	مشکل کا حل
۳۷۷	کفار ظہار میں سرزنش کا پہلو	۳۳۴	دو زنیوں کا حال پتلا ہوگا
۳۷۸	آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح	۳۴۰	سائنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہار کر رہی ہیں
۳۷۸	مشورہ اور ارکان شوریٰ	۳۴۰	آفاقی دلائل قدرت
۳۷۸	غیر مسلم کے سلام کا جواب	۳۴۱	قرآن کلام الہی ہے
۳۷۹	ہر گوشی کی حدود	۳۴۱	دنیا کا نظام محکم
۳۷۹	اہل مجلس کی رعایت	۳۴۱	باطنی نظام شمس
۳۷۹	رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مثالیں	۳۴۲	موت کا بھیان منظر
۳۸۸	شان نزول و روایات	۳۴۲	دنیا کی سب سے بڑی سچائی قرآن کریم ہے
۳۸۹	قیاس و اعتبار کسے کہتے ہیں	۳۴۲	مغربین اصحاب الیمین اصحاب الشمال کا ذکر
۳۹۰	جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے	۳۵۲	علم الہی کا احاطہ
۳۹۰	مال فتنے اور غنیمت میں فرق ہے	۳۵۲	مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو
۳۹۰	فتنے اور غنیمت کے احکام	۳۵۲	ایمان فطرت کی پکار ہے
۳۹۱	مسلمانوں کا امام کا کمانہ اختیار رکھنا ہے ناکہ مال کا نہ	۳۵۲	اللہ کی راہ میں مال لگانا
۳۹۱	حنفیہ کا مسلک	۳۵۳	ایمان کی تیز روشنی
۳۹۱	تفسیرات احمدیہ کی تحقیق ائینق	۳۵۳	جنت و دوزخ کے درمیان اعراف
۳۹۲	فاروق اعظم کی رائے	۳۵۴	منافقین کی چیخ و پکار

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	اللہ کے لئے مالک خرچ کرنے سے اللہ کا نہیں انسان	۳۹۲	حاصل کلام
۳۳۴	کافاندہ ہے	۳۹۶	آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا
۳۳۹	شان نزول روایات	۳۹۷	مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کہ
۳۳۹	انسان عالم صغیر اور خلاصہ کائنات ہے		کفار میں نہیں ہے
۳۴۰	قناعت ہی سے بڑی دولت و سلطنت ہے	۴۰۲	شان نزول
۳۵۰	شان نزول روایات	۴۰۳	ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب
۳۵۱	احکام و طلاق وعدت	۴۰۳	مسلمانوں کا قندہ بننا
۳۵۳	مذکورہ احکام کی علت	۴۰۹	شان نزول و روایات
۳۵۳	زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں	۴۱۰	امن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہئے
۳۶۱	شان نزول روایات	۴۱۰	اسلام عورتوں بچوں، کمزوروں سے حد درجہ رعایت کرتا ہے
۳۶۳	قسم کا حکم	۴۱۱	شبہ کا جواب
۳۶۳	آنحضرت ﷺ کی مروت	۴۱۱	قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا
۳۶۳	ان تنو با الی اللہ	۴۱۷	شان نزول
۳۶۴	گھریلو نازک پیچیدگیاں	۴۱۷	محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا
۳۶۴	نادر تحقیق	۴۱۸	حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کے
۳۶۵	انسان کا اپنا اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے		متعلق بشارت
۳۶۵	اچھی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں	۴۱۸	تمام آنبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنا لی
	پارہ تبو لٹ الذی	۴۱۹	سب سے بڑے ظالم
۴۷۸	فضائل و شان نزول	۴۲۴	شان نزول روایات
۴۷۸	آسمان موجود ہیں یا نہیں	۴۲۶	خاتم النبیین اور امام اعظم کے متعلق پیش گوئی
۴۸۰	نذر نے کا انجام	۴۲۷	علامات ولایت
۴۸۰	زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے	۴۲۷	نشان عداوت
۴۸۰	پرندے زمین پر گرتے نہیں ہیں	۴۲۸	اذان و جمعہ کا حکم
۴۸۱	ایک موحدا و مشرک کی چال الگ الگ ہے	۴۳۲	شان نزول
۴۸۱	مسلمان آبادیوں یا برباد کافروں کو کیا فائدہ؟	۴۳۳	جسوی قسموں کو آڑ بنانا
۴۸۹	شان نزول و روایات	۴۳۳	منافق پر لے درجے کا بزدل ہوتا ہے
۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانہ ہیں	۴۳۳	حقیقی عزت کا مالک

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۲۹	اسلام کا دوسرے مذہب سے امتیاز	۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم
۵۲۹	پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے	۴۹۱	مداہنت مذموم ہے لیکن ملاطفت و حکمت مستحسن ہے
۵۲۹	ابلاغ اور رسالت میں فرض	۴۹۱	مال و دولت کی بجائے اعمال و اخلاق لائق توجہ ہونے چاہئیں
۵۲۹	علم غیب کی بحث	۴۹۲	کیا پرہیزگار اور گناہ گار دونوں برابر ہو سکتے ہیں
۵۳۰	وحی کی حفاظت	۴۹۲	قیامت میں تجلی ساق
۵۳۸	شان نزول و روایات	۴۹۲	سجدہ نہ کرنے کی سزا
۵۳۹	وحی کا نقل	۴۹۳	حضرت یونس کا قہم
۵۴۰	رات کا جاگنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی	۴۹۳	آنحضرت ﷺ کو علی کنی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا
۵۴۰	شب بیداری کی تیسری حکمت	۵۰۰	نافرمان قوموں پر عذاب الہی
۵۴۱	اللہ کے باغی بچ کر کہاں جاسکتے ہیں	۵۰۱	ایک شبہ کا ازالہ
۵۴۲	دشواری کے بعد آسانی	۵۰۱	دوزخیوں کی درگت
۵۵۱	شان نزول و روایات	۵۰۲	قرآن کیا ہے
۵۵۳	کپڑوں اور نفیس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے	۵۰۲	دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے
۵۵۳	لاپچی کی نیت کبھی نہیں بھرتی	۵۰۳	جھوٹے اور سچے نبی کا فرق
۵۵۳	ولید پلید کی خباثتیں	۵۰۳	قرآنی حقائق کا سرچشمہ ہے
۵۵۴	قرآن کی ہر زمانے میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے کی تردید کرتی ہے	۵۰۶	قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا
۵۵۴	دوزخ میں انیس فرشتے کیوں مقرر ہیں؟	۵۱۰	انسان جی کچا اور بے صبر ہے
۵۵۵	دوزخ معمولاً انیس فرشتوں کی حکمت	۵۱۰	بروں کا ہٹا کر اللہ چھوں کو کھڑا کر سکتا ہے
۵۵۵	ایمان میں زیادتی و کمی	۵۱۶	مومن و کافروں کو اگرچہ موت آتی ہے مگر دونوں کے
۵۵۶	حاکمانہ جواب	۵۱۷	ثمرات الگ الگ ہیں
۵۵۶	مقرعین اور اصحاب الیمین	۵۱۷	ایک شبہ کا ازالہ
۵۵۷	کفار کیا فرعی احکام کے مکلف ہیں؟	۵۱۸	دلائل قدرت
۵۵۷	نخن سازی بہانہ بازی	۵۲۷	استدراج
۵۶۵	شان نزول و روایات	۵۲۷	شان نزول
۵۶۵	قصوں کی مناسبت	۵۲۷	انسان پہلے جنات سے ڈرا کرتے تھے
۵۶۶	اللہ کا کمال قدرت	۵۲۷	شبہات کا ازالہ
		۵۲۷	قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دوطرح کے ہوں گے

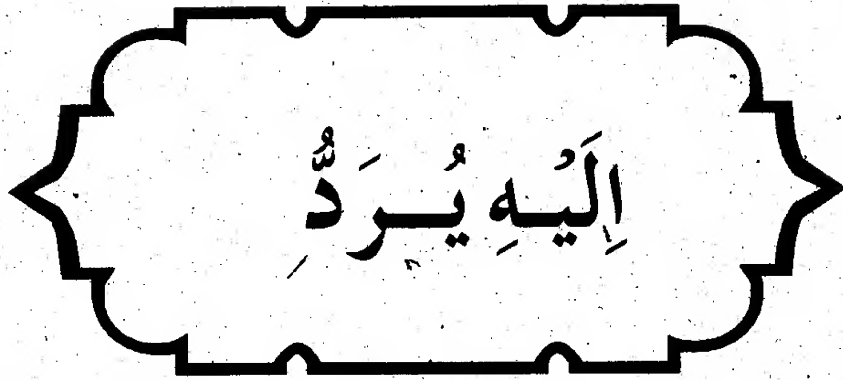
صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۰۳	بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے	۵۶۶	قیامت کے ڈر سے عیش میں کھنڈت پڑتی ہے
۶۰۳	دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں	۵۶۶	انسان کی حالت توحید کی دعوت ہے
۶۰۴	قیامت عقلاً بھی ضروری ہے	۵۶۷	کلام الہی مربوط ہٹ
۶۰۴	قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی	۵۶۷	انسان بالطبع غفلت پسند ہے
۶۰۴	کیا جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی	۵۶۷	جائگہ کا ہولناک منظر
۶۰۵	کیا کفر و شرک محدود اور سزا الہیہ ہے	۵۶۸	قیامت کی عقلی دلیل
۶۰۵	کفر و شرک کا تعلق دل سے پھر حسی سزائیں کیوں؟	۵۶۷	انسان کی فطرت یکساں طور پر رہنما ہے
۶۰۶	جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ	۵۷۷	دنیا میں ابرار کا حل اور آخرت میں ان کی شان
۶۰۶	دنیا اور جنت کے لہذا نڈ میں فرق	۵۷۷	جنت کی نعمتیں اور عیش و عشرت
	جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل	۵۷۷	قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اترا نہی حکمت و مصلحت ہے
۶۷۰	الہی سے ہوگا۔	۵۷۸	انسان کا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہے
۶۷۰	عروج سے کیا مراد ہے	۵۸۶	مختلف قسمیں اور ان کی مضمون قسم سے مناسبت
۶۸۰	شفاعت کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں	۵۸۶	قیامت کا ہولناک نقشہ
۶۸۰	قیامت کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے	۵۸۶	مقرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی
۶۱۸	اللہ کی ایک جہز کی	۵۸۷	مرکز جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھانا کیوں
۶۱۹	قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے		مشکل ہے
۶۱۹	امام راغب کی تحقیق ایک واضح مثال	۵۸۷	قیامت کی ہیبت و دہشت
۶۲۷	ایک واضح مثال	۵۸۸	دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل
۶۲۷	دوا اجتہاد		
۶۲۷	محققانہ کلام		پارہ عثم
۶۲۸	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ	۶۰۰	قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں
۶۲۹	بغیر قرآن چھوٹا جائز نہیں ہے	۶۰۰	قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی
۶۲۹	قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں	۶۰۱	ایک علمی نکتہ
۶۲۹	قرآن کا اوہیانہ طرز کلام	۶۰۱	زمین کی حرکت و سکون
۶۳۰	مفرد و انسان اپنے حقیقت پر نظر رکھے	۶۰۱	دنیاوی رشتے نا طے آخرت میں ایک حد تک ختم ہو جائیں گے
۶۳۰	انسان کی بے بسی	۶۰۲	دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت
۶۳۱	ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرگوبہ مگر انسان سرکش ہے	۶۰۲	جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت
		۶۰۳	نظام شمسی میں قوت الہی

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۶۴	اللہ کے عدل و انصاف کا تقاضا	۶۳۱	انسان کی بھلائی کے لئے سامان زندگی
۶۶۵	قرآن کے ادب کا تقاضا	۶۳۱	قدرت کی کرشمہ سازی
۶۷۱	اچھائی کے سوا ان میں کوئی برائی نہ تھی	۶۳۸	زمینی چیزیں بھی تہہ بالہ ہو جائیں گی
۶۸۲	عالم کی ہر چیز نہایت حکمت و دانائی سے بنائی ہے	۶۳۹	قیامت کا دوسرا مرحلہ
۶۸۳	بہار اور خزاں کی کرشمہ سازیاں	۶۳۹	زندہ درگولہ کیوں کی پتا
۶۸۳	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ	۶۳۹	ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان
۶۸۴	اصل کامیابی کس کی ہے	۶۴۰	اسلام کی عظیم الشان برکات
۶۹۸	دوزخیوں کا حال	۶۴۱	قیامت کی ہولناکی کا نقشہ
۶۹۰	جنتیوں کا حال	۶۴۲	جبریل امین اور رسول کریم
۶۹۰	قدرت کی کرشمہ سازیاں	۶۴۲	رسول کریم نہ اپنے وطن و قومین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان
۶۹۱	نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہئے		کرنے پر بخل کرتے ہیں
۶۹۹	قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے استدلال	۶۴۳	قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جاسکتا ہے
۶۹۹	عاد اور ارم کون تھے؟	۶۴۷	انسان کی خود فریبی
۷۰۰	سرکش قوموں کا انجام	۶۴۷	انسان خود فریبی کا شکار
۷۰۱	نال کی محبت ہی سب سے بڑا انتہہ ہے	۶۴۷	انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا
۷۰۱	نقص مطمئنہ کیا ہے	۶۴۸	انسان کی سازی زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے
۷۰۶	انسان کی دکھ بھری زندگی	۶۴۸	انسان کا حکم حامل فرشتوں کے سامنے رہتا ہے
۷۰۷	انسان کی بڑی بھول	۶۴۸	جنت اور اس کی بہار دائمی ہے
۷۰۷	انسان کی فضول خرچیاں	۶۵۵	لین دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے
۷۰۷	دشوار گزار گھاٹی	۶۵۶	تجمن کیا ہے اور کہاں ہے؟
۷۱۲۰	برائی اچھائی کا الہام	۶۵۶	قرآن افسانے کی کتاب نہیں ہے
۷۱۳	کون کامیاب ہے اور کون ناکام	۶۵۶	علمین کیا ہیں اور کہاں ہے؟
۷۱۳	کوئی چیز نیکی ہے اور کوئی بدی ہے	۶۵۷	دوسروں پر ہنسنے کا انجام بد
۷۱۳	ایک تاریخی نظیر	۶۵۷	ایک سبق آموز نصیحت
۷۱۴	فرمانشی معجزہ	۶۶۳	پورا کرۂ زمین ہموار میدان ہو جائے گا
۷۱۹	تین جامع بنیادیں	۶۶۳	انسان محنت کر کے اپنی عاقبت سنوارتا یا بگاڑتا رہتا ہے
۷۲۰	راستہ آسان ہونے کا مطلب	۶۶۴	نیکیوں اور بدوں کے مختلف انجام

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۷۶۰	زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اگل دے گی	۷۲۱	اللہ کا نام اور انعام
۷۶۱	قیامت کے روز زمین عالمی خیریں نشر کرے گی	۷۲۶	قسم اور جواب قسم میں مناسبت
۷۶۲	بلحاظ اعمال لوگوں کی ٹولیاں بنادی جائیں گی	۷۲۷	حالات کے مد و جزر کی مصالح
۷۶۲	زندگی بھر کا کچا چھاسا منے آ جائے گا	۷۲۷	حضور ﷺ پر انعامات الہی کی بارش
۷۶۵	انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے	۷۲۸	قیامتوں پر مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر
۷۶۶	انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا	۷۲۸	نازک مقام
۷۶۹	وزن اعمال	۷۲۹	ناداری کے بعد فنا
۷۷۲	فخر و مباهات کا انجام	۷۲۹	قیامتوں کا ٹھکانہ
۷۷۳	انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے	۷۲۹	سوال کا جواب تشفی بخش ہونا چاہئے
۷۷۴	نعمتیں کی پرش سب سے ہوگی	۷۳۳	نعمتوں کی شکرگزاری
۷۷۶	زمانہ کیا ہے	۷۳۳	شرح صدر کا مطلب کیا ہے
۷۷۷	زندگی کا نفع نقصان	۷۳۳	بوجھ اتارنے کا کیا مقصد
۷۷۷	زندگی خسران سے بچانے کیلئے چار باتیں ضروری ہیں	۷۳۴	فکر خدا اور ذکر رسول
۷۷۸	اعمال صالحہ	۷۳۴	حضور کی شہرت و مقبولیت
۷۸۰	بدخصلت انسان کے لئے تباہی ہے	۷۳۸	مشکلیں اتنی پڑیں کہ آسان ہو گئیں
۷۹۰	قریش کی تجارت اور اس کا پس منظر	۷۳۹	قیامت کا انکار باعث حیرت ہے
۷۹۱	جس گھر کی بدولت عزت و روزی اس کا حق ادا کرو	۷۴۵	شہنشاہ کائنات
۷۹۴	اخلاقی پستی کی انتہا	۷۴۵	خود اقراء بھی اقراء کے حکم میں داخل
۷۹۴	بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تمثیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے	۷۴۶	اسباب علم
۷۹۴	نمازیوں پر نماز کا روبرار	۷۴۷	مقام عبدیت سب سے عرفا ہے
۷۹۵	نماز بے حضوری	۷۵۰	نماز سب سے زیادہ قرب الہی کا ذریعہ ہے
۷۹۵	ریا کاری ایک طرح کا شرک ہے	۷۵۰	قرآن کب اور کتنی مدت میں نازل ہوا
۷۹۶	کنجوس کے لئے مال و جان آن سے بھی زیادہ عزیز ہے	۷۵۱	شب قدر پر دو اشکال اور ان کا جواب
۷۹۹	کوثر کیا ہے؟	۷۵۵	بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام فرق
۸۰۰	گرد و پیش کے حالات	۷۵۵	مراتب کفر بھی مراتب ایمان کی طرح مختلف ہیں
۸۰۰	پیش گوئی پوری ہوگئی	۷۵۶	اہل کتاب پر تمام حجت ہو چکا ہے
		۷۵۷	اہل ایمان کی بہترین مخلوق ہونے کی وجہ

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۸۲۳	خدا تعالیٰ جاہلانہ خیالات سے پاک ہے	۸۰۰	چند سال میں عرب کی کا یہ پلٹ
۸۲۹	پناہ میں آنے کے دو طریقے	۸۰۵	اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں
۸۲۹	مخلوق کا شر	۸۰۶	کلام میں تاکید اگرچہ بلاغت ہے لیکن تائیس الیق ہے
۸۳۰	اللہ کے تمام خیر افعال خیر ہیں	۸۱۱	فتح سے عام مراد لیٹنا زیادہ عمدہ ہے
۸۳۱	حضور ﷺ پر جادو کا اثر نبوت کے خلاف نہیں ہے	۸۱۱	اسلام کی فتح کا ایک اور پہلو
۸۳۲	جادو کے مقابلے میں وحی کے اثرات	۸۱۱	حضور کے استغفار کرنے کا مطلب
۸۳۲	پیغمبر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا	۸۱۸	برے وقت پر نہ مال کام آتا ہے اور نہ اولاد
۸۳۲	کافر حضور ﷺ کو سحر زدہ کہتے تھے	۸۲۱	بی جملہ لو کا کردار
۸۳۳	جادو محض شعبہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے		خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بناوہ تو ان چیزوں کا بنانے
۸۳۳	بعض جادو کفر ہے اور بعض معصیت	۸۲۱	والا سے
۸۳۳	جھاڑ پھونک پر اجرت کی اجازت	۸۲۱	اللہ کی احدیت اور واحدیت
۸۳۵	اصلی درجہ کا توکل	۸۲۲	فرق باطلہ پرورد
۸۳۵	سورۃ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت	۸۲۲	صوم کی جامع تفہیم
۸۵۴	نواہت و ضلالت کا فرق	۸۲۳	خدا کے بارے میں قدیم تصورات

پارہ نمبر ﴿۲۵﴾



فہرست پارہ الیہ یورد

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۴	دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب	۲۴	پارہ الیہ یورد
۴۹	شان نزول و روایات	۲۴	اللہ کا علم ذاتی دلیل توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے
۴۹	نعمت و مصیبت دونوں حکمت الہی کے تحت ہیں	۲۴	انسان کی حرص و طمع لامحدود ہے
۵۰	ایک اور شبہ اور اس کا جواب	۲۵	انسان کی خود فریبی
۵۰	تمام ایجادات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے	۲۵	یاس اور دعا میں کوئی منافات نہیں
۵۰	اخلاق فاضلہ	۲۵	فرمانبردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں
۵۱	مشورہ کے حدود	۲۶	ایک علمی اشکال کو جواب
۵۱	بدلہ کی حدود	۳۴	فرشتوں میں جسم اور نقل ہوتا ہے
۵۱	معافی کی حدود	۳۴	استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے
۵۶	پیغمبر کا کام سمجھنا ہے منوادی نہیں ہے	۳۵	مکہ زمین کا نقطہ آغاز ہے
۵۶	اولاد کی تقسیم حصہ عقلی پر اشکال کا جواب	۳۵	دین و مذہب کا بنیادی پتھر
۵۶	اللہ سے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں	۳۵	دین و مذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے
۵۷	فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق	۳۶	دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں
۵۷	اولیاء کا فرشتوں سے ہمکلام ہونا	۳۶	غیر متزلزل عزم اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت
۵۸	وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل	۳۷	اللہ کی میزان عدل و انصاف
۶۵	قرآن کی خرابیاں اور خصوصیات	۳۷	خوف اور شوق دو طرح کے ہوتے ہیں
۶۵	جو خالق ہے وہی معبود ہے	۴۱	یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موہوم پر کامل اعتمال ہے
۶۶	اللہ کی شان میں حد درجہ گستاخی	۴۲	انسانیت و قربت کا لحاظ کر کے ہی ظلم سے باز آنا چاہئے
۶۶	مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے	۴۲	محبت اہل بیت و جزو ایمان ہے
۶۷	فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت	۴۳	چار مقدمات استدلال
۶۷	مشرکین کی دلیل کا تار و پود	۴۳	توبہ و انابت پر بشارت
۶۷	اندھی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے؟		
۷۴	قرآن کو جادو بتلانے والے		

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۹۷	حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی	۷۴	ایک شبہ کا ازالہ
۹۶	زمین و آسمان کا رونا	۷۵	شبہ کا ازالہ
۱۰۱	تبع کون تھے؟	۷۵	شبہات کا جواب
۱۰۲	قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی	۷۵	ہدایت و گمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں
۱۰۲	زقوم کی تحقیق	۸۱	فرعون کی ڈیگیں
۱۰۸	شان نزول	۸۱	بھانت بھانت کی بولیا
۱۰۹	قرآن سے زیادہ سچی بات کونسی ہے	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے
۱۱۰	ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی حکمتیں
۱۱۰	ناز برداری سے انسان بگڑ جاتا ہے	۸۳	حضرت عیسیٰ نے یہود کی اصلاح فرمائی
۱۱۰	نیک معاش اور بد معاش کا انجام	۸۳	عیسائیوں کی چار جماعتیں
۱۱۳	مومن و کافر کی دنیا و آخرت یکساں نہیں ہو سکتی	۸۸	اللہ کیلئے اولاد کا عقیدہ
۱۱۶	عقل معاش معاد کیلئے کافی نہیں ہے	۹۳	قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب براءت میں
۱۱۷	انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے	۹۳	قحط کا عذاب
۱۱۷	اشکال کا جواب	۹۵	دھوکے کا عذاب
		۹۵	سزا کے وقت توبہ بے فائدہ ہے

إِلَيْهِ يُرَدُّ

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ مَنْى تَكُونُ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا أَوْ عِيَّتِهَا جَمْعُ كَمْ يَكْسِرُ الْكَافُ الْأَبْعِلْمِ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أَثْنَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا يَعْلَمُهُ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ آيْنُ شُرَكَاءِئِي قَالُوا ااذْنِكْ آيْ أَعْلَمْنَاكَ إِلَّا مَا مَنَّا مِنْ شَهِيدٍ ﴿٢٤﴾ آيْ شَاهِدْ بِأَنَّ لَكَ شَرِيكًا وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ يَعْبُدُونَ مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْأَصْنَامِ وَظَنُّوا أَيْقَنُوا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ﴿٢٥﴾ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَالنَّفْيِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَقِيلَ جُمْلَةُ النَّفْيِ سُدَّتْ مَسَدَ الْمُفْعُولَيْنِ لَا يَسْتَسْمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ آيْ لَا يَزَالُ يُسْأَلُ رَبُّهُ الْمَالُ وَالصَّحَّةُ وَغَيْرُهُمَا وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالشَّدَّةُ فَيَسْأَلُ قَنُوطَ ﴿٢٦﴾ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ وَهَذَا وَمَا بَعْدَهُ فِي الْكَافِرِينَ وَلَكِنْ لَمْ قَسَمِ اذْقَنَهُ آيْنَاهُ رَحْمَةً غَنَى وَصَحَّةً مَنَا مِنْ بَعْدِ ضُرَاءِ شِدَّةٍ وَبَلَاءِ مَسْتَهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي آيْ بَعَمَلِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَكِنْ لَمْ قَسَمِ رُجِعْتُ إِلَى رَبِّي إِنْ لِي عِنْدَهُ لِلْحُسْنَى آيِ الْجَنَّةِ فَلَنُنَبِّشَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾ شَدِيدٍ وَاللَّامُ فِي الْفَعْلَيْنِ لَمْ قَسَمِ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ الْحَسَنَ أَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَنَا بِحَاجَتِهِ ثَنَى عَطْفِهِ مُتَبَخِّرًا وَفِي قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيمِ الْهَمْزَةِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ غَرِيضٍ ﴿٥١﴾ كَثِيرٍ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ آيِ الْقُرْآنِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مِنْ آيِ لَا أَحَدٌ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ خِلَافٍ بِعَيْلٍ ﴿٥٢﴾ عَنِ الْحَقِّ أَوْقَعَ هَذَا مَوْقِعَ مِنْكُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ سَتَرِيهِمْ اِيْتِنَا فِي الْأَفَاقِ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنَ الْبُيُوتِ وَالنَّبَاتِ وَالْأَشْجَارِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ مِنْ لَطِيفِ التَّصْنُوعِ وَبَدِيعِ الْحِكْمَةِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ آيِ الْقُرْآنِ الْحَقُّ الْمُنَزَّلُ مِنَ اللَّهِ بِالْبُعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَيَعَايُونَ عَلَى كُفْرِهِمْ بِهِ وَبِالْحَاجَى بِهِ أَوْ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فَاعِلٌ يَكْفِ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

۵۳ شَهِيدٌ ۵۳ بَدَلٌ مِنْهُ اَيُّ اَوْلَمَ يَكْفِيهِمْ فِي صِدْقِكَ اَنَّ رَبَّنَا لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَيْءٌ مَا اَلَا اِنَّهُمْ فِي مَرِيَّةٍ
شَكٍّ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ لَانْكَارِهِمُ الْبُعْثَ اَلَا اِنَّهٗ تَعَالٰى بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ۵۴ عَلِمًا وَقُدْرَةً فَيَحْاَرِيْهِمْ
بِكُفْرِهِمْ

ترجمہ: قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟) اور کوئی پھر (ایک قرأت میں ثمرات ہے) اپنے خول سے باہر نہیں آتا (اکمام۔ کم بکسر الکاف کی جمع ہے۔ بمعنی برتن۔ اللہ ہی کے علم سے نکلتا ہے) اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنم دیتی ہے، مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس دن ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں (اب درخواست گزار ہیں) کہ ہم میں سے کوئی بھی دعویدار نہیں ہے (یعنی آپ کے شریک ہونے کا کوئی مدعی نہیں ہے) اور وہ سب غائب (لاپتہ) ہو جائیں گے جن جن کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ پہلے سے (دنیا میں رہتے ہوئے یعنی بت) اور یہ لوگ سمجھ لیں گے (جان جائیں گے) کہ ان کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں ہے (عذاب سے جھٹکارہ۔ بس مامنا اور مالہم میں دونوں جگہ نفی، لفظوں میں عمل نہیں کر رہی ہے اور بعض کے نزدیک جملہ نفی دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) انسان کا جی نہیں اکتا تا ترقی کی خواہش سے (یعنی ہمیشہ اللہ سے مال و دولت، صحت و تندرستی وغیرہ مانگتا ہی رہتا ہے) اور اگر اس کو کوئی تکلیف (فکر و تنگی) پہنچتی ہے تو ناامید اور ہراساں ہو جاتا ہے (اللہ کی رحمت سے مایوس، یہ اور اس کے بعد کی آیتیں کفار کے متعلق ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) ہم چکھا دیں (عنایت کر دیں) مزہ اپنی مہربانی (خوشحالی اور تندرستی) کا اس تکلیف (مضیبت اور تنگی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی تھی تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرے لئے (میرے کارناموں کی وجہ سے) ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا خیال نہیں کرتا۔ اور اگر (لام قسمیہ ہے) میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے وہاں سے بھی بہتری (جنت) ہے۔ سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کر تو ت ضرور بتا دیں گے اور ان کو سخت عذاب ہوگا (دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے) اور جب ہم انسان کو (کوئی بھی آذی ہو) نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے (شکر بجالانے سے) اور کروٹ لے لیتا ہے (اتراتے ہوئے پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ ایک قرأت میں نساء کی ہمزہ پہلے ہے) اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی (بکثرت) دعائیں کرنے لگتا ہے۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہ (قرآن) اللہ کے یہاں سے اگر آیا ہو (جیسا کہ آنحضرت کا دعویٰ ہے) پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا۔ (یعنی کوئی نہیں) جو مخالفت (اختلاف) میں پڑا ہودور دراز کی (حق سے بعید۔ مومن ہو الخ بجائے منکم کے ہے ان کی حالت کا بیان ہے) ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھلائیں گے جہاں بھر کی (آسمانوں اور زمین کے گرد و نواح کی، جیسے: چاند، سورج، ستارے، گھاس پھونس، درخت) اور خود ان کی ذات میں بھی (یعنی بہترین صنعت اور عمدہ حکمت) یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (یعنی قرآن) حق ہے (اللہ کی طرف سے قیامت، حجاب، عذاب کا بیان لایا ہے۔ لہذا ان باتوں کے اور ان کو پیش کرنے والے کے انکار پر ان کو سزا ہوگی) کیا آپ کے پروردگار کی یہ بات کافی نہیں ہے (یکف کا فاعل بربک کا ہے) کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے (یہ جملہ بربک کا بدل ہے۔ یعنی کیا آپ کے سچا ماننے کے لئے یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ آپ کے رب سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے) یاد رکھو کہ وہ لوگ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار کے روبرو جانے سے (قیامت کا انکار کرنے کی وجہ سے) یاد رکھو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے (بلحاظ علم و قدرت کے، لہذا ان کو ان کی سرالیقینا دے گا)۔

تحقیق و ترکیب:..... من ثمرۃ اکثر قراء کے نزدیک ثمرۃ ہے، لیکن نافع، ابن عامر اور حفص کے نزدیک ثمرات ہے۔
یوم یسادی ای اذکر اذناک۔ یعنی آپ کو ہمارے دلوں کی یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہم آپ کے لئے شریک نہیں مانتے
اپنے دلوں کا حال جاننے کو اپنی طرف نسبت کر دیا کہ گویا ہم نے آپ کو یہ بتلایا، اس توجہ کے بعد اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ اللہ تو پہلے
سے ہی جانتے ہیں۔ پھر ان کو بتلانا اعلام عالم ہے جو محال ہے اور الان کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ انشاء مراد ہے اخبار مراد نہیں۔
گویا یہ جملہ لفظاً خبر ہے اور معناً انشائیہ۔

من شہید۔ تفسیر میں عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنے شاہد ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ بت
چونکہ غائب ہو گئے، اس لئے ہم ان کے شاہد نہیں رہے اور بعض نے ان کو خود شرکاء کا قول کہا ہے یعنی شرکاء کہیں گے کہ ہم ان کافروں کے
برسر حق ہونے کی شہادت نہیں دے سکتے۔

مامنا من شہید اور مالہم من معیص دونوں جگہ مانا یہ ہے اور یہ دونوں فعل آذنا اور ظنوا متعدی بدو مفعول ہیں۔ اس
کے دونوں مفعول اور آذنا متعدی بہ مفعول ہیں اور اس کے مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام جملہ نفی ہے۔

لایسام الانسان۔ انسان اگرچہ جنس ہے، لیکن اکثریت میں کفار مراد ہیں۔ کیونکہ رحمت الہی سے مایوسی کفر ہے۔

فیئس قنوط۔ مایوسی بمعنی ناامیدی۔ یہ قلب کی صفت ہے اور چہرے وغیرہ پر اس کے آثار ظاہری کو قنوطیت کہا جاتا ہے۔

لیقولن۔ یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف کے قائم مقام ہے۔

ہذالی۔ لام استحقاقیہ ہے جس کو مفسر نے بعلمی سے ظاہر کیا ہے۔

واذا انعمنا الخ یہ انسان کی دوسری کوتاہی ہے کہ نعمت کی مستی میں منعم کو بھول جاتا ہے۔

ونا بجانبہ۔ ناء بروزن قال ہے۔ لیکن ابن عامر کی قرأت ابن ذکوان کی روایت سے یہ لفظ بروزن رای ہے اور باقاعدہ

کے لئے اس لئے بعد جانبہ معنی ہو گئے۔

عریض۔ اہل عرب طویل و عریض بول کر کثیر کے معنی لیتے ہیں۔ اطال فلان واعرض فی الدعاء۔ پس استعارہ تخیلیہ

ہو گیا کہ دعا کو مقداری چیز سے تشبیہ دی گئی اور چونکہ طول بہ نسبت عرض کے زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے کسی چیز کے عرض زیادہ ہونے سے

اندازہ ہو سکتا ہے کہ طول کس قدر ہوگا۔

ارایتہم۔ استفہام انکاری ہے اس لئے مفسر نے لا احد کہا ہے۔

ممن ہو فی شقاق۔ یہ عبارت بجائے منکم ہے۔ چنانچہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ موصول کو صلہ کی جگہ گمراہی زیادہ ہونے

کے لئے کہا گیا ہے۔

فی الافاق۔ افق کی جمع آفاق ہے۔ جیسے عنق کی جمع اعناق ہے۔ افق آفاق جیسے علم اعلام یہاں آیات آفاقہ

سے مراد حسی واقعات ہیں۔ جیسے فتوحات اسلامیہ خواہ وہ اس آیت سے پہلے ہوں یا بعد میں اور سنن ربہم میں سین استقبالیہ اطلاع

دینے کے اعتبار سے ہے نہ کہ بلحاظ وقوع اور عالم کبیر کی آیات کے بعد عالم صغیر یعنی آیات انفسی کا ذکر ہے۔

اولم یکف۔ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے واو عاطفہ ہے ای تحزن علی انکارہم ومعارضتہم لک ولم یکف الخ

اس میں استفہام انکاری ہے اور با فاعل ومفعول پر زائد ہو سکتا ہے۔

انہ علی کل۔ یہ بدل الکل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اتحزن علی کفرہم ولم یکفک شہادۃ ربک

لک و علیہم مفسرگی رائے پر تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ الم يعتبروا اولم یکفہم شہادۃ ربک لک بالصدق و علیہم بالتکذیب لیکن دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں استغناء انکاری ہے اور دوسری صورت میں تاکید ہے اور پہلی صورت میں بدل الکل اور دوسری صورت میں بدل الاشتمال ہے۔

من ل لقاء ربہم۔ یعنی انکار قیامت زبانی ہے اور چونکہ یہ انکار محض ان کے گمان میں ہے جو دلیل کے خلاف ہے اس لئے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ دل سے قیامت کے جب منکر تھے پھر کیسے ان کو مبتلاء شک کہا گیا۔
الا انہ اس میں آپ کو تسلی ہے۔

رابط آیات: پہلی آیات میں توحید اور قرآن کے مخالفین کو یوم الوعد کی دھمکی دی گئی تھی۔

آگے آیت الیہ یرد الخ سے توحید و رسالت اور قرآن کے منکرین سے ملا جلا خطاب اور کلام ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: اللہ کا علم ذاتی دلیل توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے۔ الیہ یرد بڑے سے بڑا پیغمبر یا فرشتہ بھی قیامت کی ٹھیک ٹھیک تعیین نہیں کر سکتا۔ اس کا صحیح ناپ تول صرف اللہ کو معلوم ہے۔ لیکن کسی چیز کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز موجود ہی نہیں۔ اور ایک قیامت کے علم ہی کی تخصیص کیا۔ اللہ کی وسعت علم کا حال تو یہ ہے کہ کوئی کھجور اپنے گاہے سے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو، اسی طرح جو بچہ عورت اور جانور کے پیٹ سے ہوتا ہے یا جاتا ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ گویا اللہ کا علم ذاتی صفت کمال ہونے کی وجہ سے جہاں دلیل توحید ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا کے نتیجے کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ گویا علم کی صفت ذاتیہ کی نسبت تمام تعلقات کے ساتھ مساوی ہونے کی وجہ سے یہ علم قیامت کی دلیل بھی ہوئی۔

چنانچہ آگے قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی ہو رہا ہے۔ کفار سے پکار کے فرمایا جائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک، اب بلاؤنا کہاں ہیں؟ وہ عرض کریں گے ہم میں سے کوئی بھی اس کا مدعی نہیں ہے کہ اقبال جرم ہونے کی حیثیت سے اس جرم کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہو، گویا نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کریں گے۔

یا کہا جائے گا کہ چونکہ وہ عالم حقائق ہوگا انہیں اپنے عقیدے کی غلطی مشکف ہو جائے گی اور غلطی کا یہ اقرار ایک طرح سے اضطرابی اقرار ہو گیا جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا اس سے نجات کی کچھ توقع کریں گے مگر لا حاصل اور بعض نے شہید کو شاہد کے معنی میں لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ ہم سے کوئی اس وقت ان شرکاء کو نہیں دیکھ رہا ہے کہاں غائب ہو گئے اور سمجھ جائیں گے جنہیں دنیا میں خدا کے شریک کی حیثیت سے پکارتے تھے۔ آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آئے۔ بس جی اب خدا کی سزا سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ یہاں وما مننا من شہید میں شرکاء کے حاضر ہونے کا انکار بظاہرہ آیت وقیل ادعوا شرکاء کم کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہا جائے گا کہ وہ پکارنا فرط حیرت اور بدحواسی سے ہوگا، اعتقاد سے نہیں ہوگا اور یہ انکار حق واضح ہو جانے کے بعد ہوگا۔ اب وہ اعتقاد زائل ہو جائے گا یا چونکہ شرکاء نفرت نہیں کر سکیں گے اس لئے اس اقرار پر مجبور ہوں گے۔

انسان کی حرص و طمع لا محدود ہے: آگے آیت لایسئم الانسان سے کفر و شرک کی نحوست کا اثر طبیعت انسانی پر بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید و ایمان سے بے بہرہ ہو جاتا ہے، اس کے عقائد، اخلاق، اعمال سب کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور اس کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچتی ہے اور کچھ ذرا عیش و آرام نصیب ہو جاتا ہے تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ ساری

دنیا کی بنیادوں، اس کی طمع کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر میں ڈال دے۔ لیکن پھر جہاں ذرا کوئی افتاد پڑی۔ تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی اور اللہ پر سے اعتماد اور بھروسہ یکسر اٹھ جاتا ہے اور ہمہ تن اسباب کی الٹ پلٹ میں کھو جاتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی ناشکری اور اللہ کی بدگمانی اور مشیت الہی سے سخت ناگواری کا پہلو ہوتا ہے۔

پھر بالفرض اگر اس مایوسی کے بعد اللہ اپنی مہربانی سے اس کی مصیبت دور کر کے عیش و آرام سے ہلکا کر دیتا ہے تو پھر اچانک اپنی لیاقت و قابلیت پر نظر چلی جاتی ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ میری تدبیر کا کرشمہ دیکھو کہ کیسی کا یا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ اسی لائق ہوں۔ یہ میرے ہی ہنر کی دین ہے۔ اب نہ خدا کی مہربانی یاد آتی ہے اور نہ مایوسی کی وہ کیفیت رہتی ہے جو ابھی چند منٹ پہلے اس پر طاری تھی اور اس تازہ عیش میں یہاں تک پھولتا اور بھولتا ہے اور خوشی و مسرت کے اس نشہ میں اتنا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت کا خطرہ نہیں رہتا اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب تو ہمیشہ یہی حالت رہے گی اور ایسے میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو بدستی میں کہہ اٹھتا ہے کہ یہ سب واہیات ڈھکولے ہیں۔ قیامت و یامت کہیں نہیں ہے۔

انسان کی خود فریبی: اور بالفرض اگر ایسا ہوا بھی تو یار لوگ وہاں بھی مزے اڑائیں گے، یہاں موجد کی ہے۔ کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک میں نالائق ہوتا تو یہیں کیوں آرام و عیش ملتی، اس لئے میرے تو وہاں بھی مزے ہی مزے ہوں گے۔ اس طرح قیامت کا انکار انتہائی کفر اور بر تقدیر فرض وہاں بھی اپنے لئے بہترائی کی امید، پرلے درجہ کی خود فریبی ہوگی۔

غرضیکہ کفر و شرک کے یہ نتائج و ثمرات ہیں اور قلب و نظر کا کھوٹ ہے۔ سو یہ لوگ یہاں جتنا چاہیں خوش ہولیں، مگر وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ کس طرح عمر بھر گے کر تو ت سامنے آتے ہیں اور کیسی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

یاس اور دعا میں کوئی منافات نہیں: آگے آیت واذا انعمنا الخ سے کفر و شرک کے آثار کا تہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس نالائق آدمی کی یہ کیفیت رہتی ہے کہ اللہ کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے وقت تو محسن حقیقی کی شکر گزاری سے کنارہ کش ہو کر خود نعمت میں کھو جاتا ہے اور پھر جب کوئی آفت آنے لگتی ہے تو پھر بے شری سے اس خدا کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتا ہے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا کہ کس منہ سے اب اس کو پکاروں اور طرفہ یہ کہ اسباب سے مایوسی کے باوجود بھی ایسے میں بدحواسی اور پریشانی میں بے اختیار اسی کی طرف ہاتھ اٹھنے لگتے ہیں۔ گویا دل میں مایوسی مگر زبان پر اللہ کا نام ہوتا ہے۔

یاس و دعا میں جو بظاہر تضاد ہوتا ہے وہ اس تقریر سے صاف ہو گیا۔ کیونکہ یہ دعا انجاء الی اللہ کے طور پر نہیں ہوتی، بلکہ اضطراب آہوتی ہے۔ جیسے اکثر عشاق دنیا کو دیکھا کہ ناگوار باتوں کے پیش آنے پر ہائے ہلا چاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں ہائے اللہ! اب کیا کروں۔ ہائے اللہ! اب کیا ہوگا۔ گویا یہ ایک تکیہ کلام ہوتا ہے کہ اللہ کا نام زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ ایسے موقعوں پر بے ماحتہ نکل ہی جاتا ہے۔ اس میں اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ یا جیسے بچہ کی زبان پر کسی بھی آفت کے وقت ابا اماں کے نام آ جاتے ہیں، وہ اضطراب آ جاتے ہیں۔ تاہم اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کو پکارنا اور یاد کرنا فطرت انسانیت ہے، مگر افسوس! کہ ناشکرے اس پہلو پر بھی دھیان نہیں دیتے۔

فرماں بردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں: البتہ ایمان کے آثار کفر و شرک کے آثار سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً حرص اور طمع کا نہ ہونا، اسی طرح ضرر و نقصان کی صورت میں مایوسی اور جزع و فزع نہ ہونا، علیٰ ہذا امن و عیش کے حالات

میں کفر و کفران نہ ہوتا۔

غرضیکہ انسان کی طبیعت کا عجیب و غریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت مؤثر انداز میں توجہ دلا کر آیت قل اراہم الخ میں قرآن اور پیغمبر قرآن کی طرف تلافی آمیز دعوت ہے کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں سے آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ خدا کی طرف سے ہے تم اس کو نہ مانو تو دیکھو کہ نقصان کس کا ہے؟ ایسی اعلیٰ نصیحتوں اور حکمتوں سے لبریز کتاب کا یا تمہارا اپنا؟ کم از کم تمہیں اس امکانی پہلو پر ہی غور کر کے اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ مگر تم ہو کہ حق سے ایک دم دور ہوتے چلے جا رہے ہو اور نہیں دیکھتے کہ اس سے بڑھ کر نقصان اور خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے اور مقدم قطعی کے محتمل ہونے کی صورت میں اگر چہ تالی بھی محتمل ہوتی ہے مگر تالی کا ترتیب مقدم پر واجب ہے۔

ایک علمی اشکال کا جواب: پس عقلاً اضلال کے احتمال سے بچنا بھی واجب ہے اور وہ وقوف ہے قرآن کے تدبر پر۔ پس واجب کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے تدبر بھی واجب ہوا۔ اس لئے قرآن کا انکار جلدی سے نہ کر ڈالو بلکہ سوچ سمجھ سے کام لو، تاکہ تم پر حق واضح ہو جائے اور قرآن کی حقانیت پر دوسرے دلائل تو بجائے خود ہیں۔ ہم تو ان منکروں کو خود ان کی اپنی جانوں میں اور ان کے گرد و پیش بلکہ سارے عالم میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلاتے ہیں، جن سے قرآن اور پیغمبر قرآن کی حقانیت و صداقت روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے اور اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآنی پیشگوئیاں واقعات کے مطابق ہو جائیں۔ پھر تو تم قرآن کو اللہ غیب دان کا کلام مانو گے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آیت سے مراد قدرت کی عام نشانیاں ہوں، خواہ وہ انفسی ہوں یا آفاقی۔ جب کہ وہ ان سنن الہیہ اور قوانین فطریہ کے موافق ہوں جو اس عالم تکوین میں کافر مایں اور چونکہ ان کا انکشاف دفعتاً نہیں ہوتا، بلکہ وقتاً فوقتاً تدبیراً ہوتا ہے۔ اس لئے سنن ربہم فرمادیا اور اگر قرآن کی صداقت کوئی نہ بھی مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا کم ہے، جو ہر چیز پر گواہ ہے اور غور کرنے سے ہر چیز میں اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ ابھی تک اسی مغالطہ اور غلط فہمی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ خدا کے پاس انہیں حاضر نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ ہر وقت، ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز بھی نہ ہو، مکانیات یا مکان۔ زمانیات یا زمان سب احاطہ وجود میں چونکہ داخل ہیں اور وجود حقیقی اللہ ہے۔ پس اللہ کے احاطہ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ اور جس طرح زندہ رہتے ہوئے باہر نہیں ہیں اسی طرح فنا ہونے کے بعد بھی ممکنات اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں ہیں۔ محالات اور تمتعات میں گفتگو نہیں ہے کہ وہ دائرہ سے باہر ہیں۔

سُورَةُ الشُّورَى

سُورَةُ الشُّورَى مَكِّيَّةٌ إِلَّا قُلَّ لَا أَسْأَلُكُمْ إِلَّايَاتِ الْأَرْبَعِ ثَلَاثٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ﴿۱﴾ عَسَقَ ﴿۲﴾ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمُرَادِهِ بِهِ كَذَلِكَ أَى مِثْلَ ذَلِكَ الْإِيحَاءِ يُوحَى إِلَيْكَ وَأَوْحَى إِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ فَاعِلُ الْإِيحَاءِ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿۳﴾ فَبِىْ صُنْعِهِ لَهُ مَا فِى السَّمَوَاتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا وَهُوَ الْعَلِىُّ عَلَى خَلْقِهِ الْعَظِيمِ ﴿۴﴾ الْكَبِيرُ تَكَادُ بِالنَّاءِ وَالْبَاءِ السَّمَوَاتُ يَغْطُرْنَ بِالنُّونِ وَفِى قِرَاءَةِ النَّاءِ وَالتَّشْدِيدِ مِنْ فَوْقِهِنَّ أَى تَنْشِقُ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوْقَ الَّتِى تَلِيهَا مِنْ عَظَمَتِهِ تَعَالَى وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ أَى مُلَا بِسِينَ لِلْحَمْدِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِى الْأَرْضِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا إِنْ اللَّهُ هُوَ الْغَفُورُ لَاوَلِيَّائِهِ الرَّحِيمُ ﴿۵﴾ بِهِمْ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَى الْأَصْنَامِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِیْظٌ مُحْصٍ عَلَيْهِمْ لِحَاجَتِهِمْ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۶﴾ تُحْصَلُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُمْ مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ وَكَذَلِكَ مِثْلَ ذَلِكَ الْإِيحَاءِ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِنُنْذِرَ تُخَوِّفُ أَمْ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا أَى أَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرِ النَّاسِ وَتُنْذِرُ النَّاسَ يَوْمَ الْجَمْعِ أَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ تَجْمَعُ فِيهِ الْخَلْقُ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهِ فَرِيقٌ مِنْهُمْ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِى السَّعِيرِ ﴿۷﴾ النَّارِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً أَى عَلَى دِينٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِى رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ الْكَافِرُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۸﴾ يَدْفَعُ عَنْهُمْ الْعَذَابَ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَى الْأَصْنَامِ أَوْلِيَاءَ أَمْ مُنْقِطَعَةٌ بِمَعْنَى بَلِ الَّتِى لِلْإِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْإِنْكَارِ أَى لَيْسَ الْمُتَّخِذُونَ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِىُّ أَى النَّاصِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْفَاءُ لِمُجَرَّدِ الْعَطْفِ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

وَقَدِيرٌ ﴿۱﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مَعَ الْكُفَّارِ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الدِّينِ وَغَيْرِهِ فَحُكْمُهُ مَرْدُودٌ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ قُلْ لَهُمْ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۱۰﴾ أَرْجِعْ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ مَبْدِعُهُمَا جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا حَيْثُ خَلَقَ حَوَاءً مِنْ ضِلْعِ آدَمَ وَمِنْ الْأَنْعَامِ
أَزْوَاجًا ذُكُورًا وَإِنَاثًا يُذَرُّوكُمْ بِالْمُعْجَمَةِ يَخْلُقُكُمْ فِيهِ فِي الْحَجَلِ الْمَذْكُورِ أَى يُكْثِرُكُمْ بِسَبَبِهِ
بِالتَّوَالِدِ وَالضَّمِيرِ لِلنَّاسِ وَالْأَنْعَامِ بِالتَّغْلِيبِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ الْكَافُ زَائِدَةٌ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَمْ يَمِثْلُ لَهُ
وَهُوَ السَّمِيعُ لَمَّا يُقَالُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾ بِمَا يَفْعَلُ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَى مَفَاتِيحُ خَزَائِنِهَا
مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا يَبْسُطُ الرِّزْقَ يَوْسَعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ امْتَحَانًا وَيَقْدِرُ يُضِيقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ ابْتِلَاءً
إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا هُوَ أَوَّلُ أَنْبِيَاءِ الشَّرِيعَةِ وَالَّذِى
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ هَذَا
هُوَ الْمَشْرُوعُ الْمُوصَى بِهِ وَالْمُوحَى إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيدُ كَبُرَ عَظَمَ عَلَى
الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ اللَّهُ يُجْتَبَى إِلَيْهِ إِلَى التَّوْحِيدِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدَى إِلَيْهِ مَنْ
يُنِيبُ ﴿۱۳﴾ يُقْبَلُ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَاتَفَرَّقُوا أَى أَهْلُ الْأَدْيَانِ فِي الدِّينِ بَانَ وَحَدَّ بَعْضُ وَكَفَرَ بَعْضُ الْأَمِنْ
بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيدِ بَغْيًا مِنَ الْكَافِرِينَ بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَأخِيرِ
الْحَزَاءِ إِلَى آجَلٍ مُسَمًّى يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَقَضَى بَيْنَهُمْ بِتَعَذُّبِ الْكَافِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا
الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهُمْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مُرِيبٌ ﴿۱۴﴾ مَوْعِ الرِّيَّةِ فَلِذَلِكَ التَّوْحِيدُ فَادْعُ يَا مُحَمَّدُ النَّاسَ وَاسْتَقِمَّ عَلَيْهِ كَمَا أَمَرْتُ وَلَا تَتَّبِعْ
أَهْوَاءَهُمْ فِى تَرْكِهِ وَقُلْ أَمِنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأَمَرْتُ لِأَعْدِلَ أَى بَانَ أَعْدِلَ بَيْنَكُمْ فِى
الْحُكْمِ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ فَكُلُّ يَحْزَى بِعَمَلِهِ لَا حُجَّةَ خُصُومَةٍ بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمْ هَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْجِهَادِ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا فِى الْمَعَادِ لِفَضْلِ الْقَضَاءِ وَإِلَيْهِ
الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾ الْمَرْجِعُ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِى دِينِ اللَّهِ نَبِيَّهُ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ بِالْإِيمَانِ لِيُظْهِرَ
مُعْجَزَتَهُ وَهُمْ الْيَهُودُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ بِاطْلَاءِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۱۶﴾
اللَّهُ الَّذِى أَنْزَلَ الْكِتَابَ الْفَرَّاسِيَّ الْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلِ وَالْمِيزَانَ وَالْعَدْلَ وَمَا يُدْرِيكَ يُعَلِّمُكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ أَى آتِيَانَهَا قَرِيبٌ ﴿۱۷﴾ وَلَعَلَّ مُتَعَلِّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ مَا بَعْدَهُ سُدَّ مُسَدِّ الْمَفْعُولَيْنِ يَسْتَعَجِلُ

بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا يَقُولُونَ مَتَىٰ تَأْتِيٰ ظَنَّا مِنْهُمْ أَنَّهُ غَيْرُ آتِيَةٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ خَائِفُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ إِلَّا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ يُجَادِلُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۱۸﴾
 اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ بَرَّهِمْ وَفَاجَرَهُمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْهُمْ جُوعًا بِمَعَاصِيهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ مِنْ كُلِّ مِثْمَلٍ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ عَلَىٰ مُرَادِهِ الْعَزِيزُ ﴿۱۹﴾ الْغَالِبُ عَلَىٰ أَمْرِهِ

ترجمہ: یہ سورہ شوریٰ مکہ ہے۔ جز آیت قل لا اسئلكم چار آیات کے۔ اس میں ۵۳ آیات ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم. حلم عسوق (اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) اسی طرح (جیسے یہودی ہے) آپ پر وحی بھیجتا ہے اور (وحی بھیجی ہے) جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اللہ نے (یہ فاعل ہے ایحاء کا) جو (اپنے ملک میں) زبردست (کارگیری میں) حکمت والا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب اسی کے قبضہ میں ہیں۔ سب اسی کی مخلوق ہے، سب اسی کے بندے ہیں) اور (اپنی مخلوق میں) وہی سب سے برتر اور عظیم الشان (لا اقل تعظیم) ہے۔ کچھ بعید نہیں (خا اور بلا کے ساتھ ہے) کہ آسمان پھٹ پڑیں (بفطران نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں تا اور تشدید کے ساتھ ہے) اپنے اوپر سے (یعنی ہر آسمان اور پر والا نخلے آسمانوں پر اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ کر گر پڑے) اور فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کرتے رہتے ہیں (یعنی اس کی تسبیح و حمد پر مشغول ہوتی ہے) اور اہل زمین (مسلمانوں) کے لئے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی (اپنے دوستوں کو) معاف کرنے والا (اور ان پر) مہربان ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بت) کا رسا بنار کھے ہیں، اللہ ان کی دیکھ بھال (نگرانی) کر رہا ہے (ان کو سزا دے گا) اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے (کہ آپ ان کو مطلوب تک پہنچا دیں اور آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے) اور اسی طرح (جیسے کہ یہودی ہے) ہم نے آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ اتارا ہے، تاکہ آپ ﷺ مکہ کے باشندوں کو ڈرائیں (خوف دلائیں) اور آس پاس کے رہنے والوں کو (یعنی مکہ اور تمام دنیا) اور (لوگوں کو) جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں (یعنی قیامت کے دن سے جس میں ساری مخلوق جمع ہو جائے گی) جس میں ڈر تردد (شک) نہیں ہے (ان میں کا) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور وہ ایک گروہ دوزخ (کی آگ) میں ہوگا اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی دین اسلام پر ہوتے) لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں (جو ان پر سے عذاب ہٹا سکے) کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بتوں کو) کا رسا قرار دے رکھا ہے (ام مقطوعہ بمعنی بسل ہے انتقال کے لئے اور بمعنی ہمزہ انکاری ہے یعنی یہ بناوٹی چیزیں کا رسا نہیں ہیں) سو اللہ ہی کا رسا ہے (مسلمانوں کا مددگار، اور فسائد محض عطف کے لئے ہے) وہی مردوں کو جلائے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس جس بات (دین وغیرہ) میں اختلاف کرتے ہو (کافروں سے) اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد (حوالہ) ہوگا (قیامت کے روز وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے) یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع (توجہ) کرتا ہوں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (بنانے والا) ہے۔ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے (حواء کو آدم کی پسلی سے پیدا فرمایا) اور موشیوں کے (نروادہ) جوڑے۔ تمہاری نسل چلاتا ہے (مذہب کم ذال کے ساتھ بمعنی یخلقکم) اس کے ذریعہ (مذکورہ طریقہ پر یعنی اسی سبب سے تمہیں پیدا کر کے تمہاری افزائش کردی اور ضمیر جمع مذکر انسانوں اور چوپاؤں کی طرح تغلیبا راجع ہے) کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے (اس میں کاف زائد ہے کیونکہ خدا کا کوئی مثل ہی نہیں ہے) اور وہی (ہر بات کا) سننے والا (ہر کام کا) دیکھنے والا ہے اسی کے اختیار میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں

(یعنی بارش، پیداوار وغیرہ کے ذخیروں کی چابیاں) جس کو چاہتا ہے (آزمائشی طریقہ پر) زیادہ روزی دیتا ہے اور کم دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے بطور آزمائش کے کم دیتا ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہی دین مقرر کیا ہے۔ جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا (جو پہلی شریعت لانے والے پیغمبر تھے) اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور جس کا ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (یہی حکم شریعت، وصیت اور آنحضرت ﷺ کے وحی ہے یعنی توحید) مشرکین کو وہ بات بڑی گراں (ناگوار) گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں (یعنی توحید) اللہ اپنی (توحید کی) طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے (اس کی فرمانبرداری کرے) اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے اور وہ لوگ باہم متفرق ہو گئے (یعنی اہل مذہب کہ بعض نے توحید برقرار رکھی اور بعض نے کفر اختیار کر لیا) اس کے بعد کہ ان کے پاس علم (توحید) آچکا تھا۔ محض (کافروں کی) آپس کی ضد اضدی سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات (تاخیر عذاب کی) پہلے سے قرار پانہ چکی ہوتی ایک معین وقت (قیامت) تک کے لئے تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں کافروں کی سزا کا) ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ آپ (حضرت محمد ﷺ) کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد (شبہ) میں ڈالنے والا ہے۔ سو آپ اسی (توحید) کی طرف بلائے جائیے (اے محمد! لوگوں کو) اور (اس پر) جھے رہئے جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے (ان کو چھوڑ دینے کے متعلق) اور آپ سنا دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان (فیصلہ کرنے میں) عدل (انصاف) رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے (یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے) اللہ ہم سب کو جمع کرے گا (قیامت کے روز فیصلہ کے لئے) اور اس کے پاس لوٹنا (واپس جانا) ہے اور جو لوگ اللہ کے (دین کے متعلق) جھگڑے نکالتے ہیں (اس کے پیغمبر کے ساتھ) اس کے بعد کہ اس کو قبول کر لیا گیا ہے (ایمان لا کر اس کے کھلے معجزہ کی وجہ سے اور جھگڑا ڈالنے والے یہود ہیں) ان لوگوں کی حجت ان کے پروردگار کے نزدیک (واہیات) ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے کتاب (قرآن) کو نازل کیا ہے برحق (اس کا تعلق انزل کے ساتھ ہے) اور ترازو (انصاف) کو اتارا ہے اور آپ کو کیا خبر (پتہ) عجب نہیں کہ قیامت (کا آنا) قریب ہے (لعل نے فعل کو ظاہر عمل سے روک دیا۔ یا کہا جائے کہ ان کے دونوں مفعول کے قائم مقام ہے) اس کا تقاضہ کرتے ہیں جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے (یہ گمان رکھتے ہوئے کہ قیامت نہیں آئے گی پوچھتے ہیں کہ کب آئے گی؟) اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے (خوف رکھتے ہیں) اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے متعلق جھگڑتے (لڑتے مرتے) ہیں وہ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے (نیک ہو یا بد۔ کسی کو بھی گناہ کی وجہ سے بھوکا نہیں مارتا) روزی دیتا ہے (ان میں سے ہر ایک کو) جس کو چاہتا ہے اور وہ (اپنے منصوبہ پر) قابو یافتہ زبردست ہے (اپنے کام میں غالب)۔

تحقیق و ترکیب: جَمَّ عَسَقَ۔ یہ دونوں لفظ اگر سورت کے دو نام ہیں تو دو آیتیں شمار ہوں گی اور دونوں کا الگ الگ لکھنا بھی اسی وجہ سے ہوگا اور دونوں مل کر ایک ہی نام اگر ہے تو پھر الگ الگ لکھنا اس لئے ہوگا کہ دوسرے حواصم کے ساتھ موافقت رہے۔ کَذَلِکَ۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ کاف منصوب ہے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے ای یوحیٰ ایسحاء مثل ذلک الا یسحاء اور مضارع حکایت حال ماضیہ کے طریقہ پر ہے۔

یتفطرون۔ ایک قرأت یتفطرون اور دوسری قرأت یتفطرون بھی ہے۔

تکاد کی دو قرأتیں مل کر چار قرأتیں نہیں، بلکہ تین قرأتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ تکاد کے ساتھ تو یتفطرون کی دو صورتیں ہیں اور تکاد کی صورت میں صرف یتفطرون پڑھا جائے گا۔

من فوقہن۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ضمیر سموات کی طرف راجع ہے۔ یعنی ہر اوپر والا آسمان نچلے آسمان پر ٹوٹ کر گر جائے اور سب ٹوٹ کر زمین پر آ رہیں۔ اس صورت میں زیادہ ہیبت و عظمت معلوم ہوتی ہے، لیکن بعض کی رائے میں ضمیر کفاز ارض کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔

یستغفرون۔ استغفار سے مراد یہاں شفاعت ہے اور من فی الارض سے مراد صرف مسلمان ہیں اور بعض کی رائے میں عام باشندگان سر زمین مراد ہیں۔ چنانچہ بیضاوی کا خیال بھی یہی ہے۔

حفیظ۔ مکمل نگرانی اور چوکی کرنے والا۔

ام القریٰ۔ مکہ کو ام القریٰ زمین کا وسط ہونے کی وجہ سے یا اول قطعہ یا اشرف بقعہ ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں اس معنی کر بھی ان کو انہی کہہ سکتے ہیں۔

ومن حولہا۔ مکہ کے ارد گرد اور ارد گرد کے ارد گرد، پھر آگے اسی طرح سلسلہ چلا جائے تو سارا عالم مراد ہوگا۔ جس سے آپ کی عموم بعثت ثابت ہوئی اور یہاں چونکہ کفار مخاطب ہیں اس لئے صرف آپ کے وصف بذریعہ ہونے پر اکتفا کیا گیا اور نہ آپ بشیر بھی ہیں۔

لاریب۔ متاثرہ یا یوم الجمع سے حال ہے۔

فوق۔ مبتداء اور فی الجنۃ خبر ہے اور تفصیل کے موقع پر مکررہ مبتداء ہو سکتا ہے۔

یحییٰ الموتی۔ یعنی مردہ کو جلانا صرف اللہ کی شان ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مردہ دلوں کو زندہ اور زندہ دلوں کو مردہ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔ اور واسطی فرماتے ہیں کہ دل حق الہی سے زندہ اور استعار سے مردہ ہو جاتے ہیں اور سہل فرماتے ہیں کہ بغیر موت کے حیات حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی نفس کے اوصاف کو مارنے سے حیات حاصل ہوتی ہے۔

ما اختلفتم ما شرطیہ یا موصولہ متبداء ہے من شی بیان ہے اور فحکمہ الخ خبر ہے۔

من انفسکم ای من جنسکم ازواجاً ای نساء

یذراء کم فیہ۔ اس میں فی اپنے ہی معنی پر ہے اور کم ضمیر انسان اور انعام دونوں کی طرف بطور تغلیب ہے۔ بقول زخمری یہ احکام ذات العلین میں سے ہے۔ یعنی حاضر و غائب میں حاضر کی تغلیب کر لی گئی ہے اور فیہ کی بجائے بہ کہنا چاہئے تھا۔ مگر اس تدبیر کو بیشتر نسل کا منفع قرار دیا گیا ہے۔ جیسے ولکم فی القصاص حیا قتل فی لایا گیا ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ فی کو معنی بالیا جائے بمعنی سبب اور ضمیر فیہ جعل یا مخلوق کی طرف راجع کی جائے اور بعض نے ضمیر فیہ کوطن یا رحم کی طرف راجع کیا ہے حکمانہ کو رہنے کی وجہ سے۔

لیس کمثلہ اس میں لفظ مثل مبالغہ کے لئے ایسے ہی ہے جیسے لا یفعل مثلاً اور لا مثل لہ میں ہے۔ یعنی کنا یہ ذات سے ہے، گویا جب مثل سے نفی کر دی گئی تو ذات سے نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی اور کاف تاکید کے لئے زیادہ ہے۔ اس لئے اب شبہ نہیں ہو سکتا کہ آیت میں تو اللہ کے مثل کے مثل کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے اللہ کے مثل کی نفی نہیں ہوئی بلکہ اس کا ثبوت ہو رہا ہے۔ حالانکہ اللہ کا مثل محالی ہے، لیکن مفسر نے جواب دے دیا کہ کاف زائد ہے، اس لئے مثل کی نفی ہو گئی۔ یہ توجیہ سب سے آسان ہے۔ ایک جواب یہ بھی

ہو سکتا ہے کہ لفظ مثل زائد ہے۔ لیکن اس میں دو خرابیاں لازم آئیں گے۔ ایک تو اسم کو زائد ماننا، دوسرے کاف کا ضمیر پر داخل ہونا جو شعر کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک جواب یہ بھی ہے کہ مثل بمعنی صفت ہے۔ یعنی کوئی چیز اللہ کی صفت جیسی نہیں ہے۔ لیکن دقیق جواب یہ ہے کہ نہ کاف زائد مانا جائے اور نہ مثل بلکہ کلام بطور کنایہ ہو۔ اہل عرب مثل کو نفس کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے: مثلک لا ینجل بالیس لاضحی زید اداخ۔ پس معنی یہ ہوں گے کہ جب اللہ کے مماثل کا مماثل بھی نہیں تو خود اس کا مماثل کس طرح ممکن ہے۔

نوحا۔ اکابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا، جس کو مستقل دین اور شریعت دی گئی ہے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام چونکہ اول شارع ہیں، ان سے پہلے صرف توحید و رسالت اور معاشیات کی تعلیم تھی۔ حتیٰ کہ اختلاف طہن کے ساتھ حقیقی بہنوں سے شادی جائز تھی، کیونکہ ابھی تک دنیا ہی آباد نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ابتداء آبادی سے متعلق احکام آئے اور جب آبادی بڑھ گئی تو پھر اللہ اور بندوں کے حقوق کا سوال کھڑا ہوا۔ اس لئے شارع کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں حرام کر دی گئیں اور دیانات و معاملات کے ابواب کھلے اور یہ سلسلہ ترقی پذیر ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر شارع مکمل ہو گئیں۔

ان اقیموا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ان تفسیر یہ ہے اور بقول کرخی ان مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے۔ محل رفع میں ہے مبتداء محذوف کی خبر کی وجہ سے ای ہوا ان اقیموا یا موصول سے بدل ہونے کی وجہ سے محل نصب میں اور الدین سے بدل مان کر محل جرم میں بھی مانا جاسکتا ہے۔

اللہ یحبیبی۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایک سالک ہوتا ہے جو اپنی محنت و مجاہدہ سے عشق کی لہائیاں طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ ارشاد ہے والذین جاهدوا الخ اور ایک مجذوب ہوتا ہے جس میں مغناجب اللہ جذب و کشش ہوتا ہے۔ وہ خود بخود اس کی طرف کھینچتا ہے۔ اس میں چونکہ شان اصطفاۃ و محبوبیت ہوتی ہے اس لئے یہ پہلے سے زیادہ عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ الیہ میں الی بمعنی لام ہے۔

کما امرت۔ خواہ رخصت سے پہلے مرتبہ عزیمت مراد ہے۔ جیسے اتقوا اللہ حق تقاۃ۔ یا رخصت کے بعد تسہیلی احکام مراد ہوں۔ جیسی فاتقوا اللہ ما استطعتم

لا عدل۔ لام بمعنی با ہے اور لام تعلیلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں امر کا صلہ مقدر ہوگا۔ ای امرت بالعدل لا عدل بینکم اور لام زائد مانا جائے تو فامقدر ہوگا۔

والذین یحاجون۔ مبتداء اول ہے اور حجتہم مبتداء ثانی ہے جس کی خبر داحضۃ ہے اور جملہ کر پہلے مبتداء کی خبر ہے۔ والیمیزان، میزان انصاف کا ذریعہ ہے۔ اس لئے انصاف کے معنی ہیں۔ میزان اتارنے کا مطلب حکم انصاف نازل کرنا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میزان اتاری گئی اور اوزان کی درستگی پر ذور دیا گیا۔

قریب۔ موصوف مؤنث ہو تو صفت بھی مؤنث ہونی چاہئے۔ مفسر نے اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے اور یہ جواب کہ قریب بروزن فعلیل ہے۔ جس میں سب مذکر مؤنث برابر ہوتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ فعلیل بمعنی فاعل ہے جس میں دونوں برابر نہیں ہوتے اور خطیب نے یہ توجیہ کی ہے کہ ساعت اگرچہ مؤنث ہے، لیکن بمعنی وقت اور بمعنی بعث ہے۔ اس لئے قریب لا نا صحیح ہو گیا۔ یا کہ قریب میں نسبت کے معنی لئے جائیں یعنی ذات قرب۔ ان سب صورتوں میں یہ استعمال درست ہو جائے گا۔ مفسر علام دوسری ترکیب یہ بتلا رہے ہیں کہ بیدریک فعل متعدی ہے۔ جس کے تین مفعول ہیں۔ مفعول اول کان ہے اور لعل الساعة مفعول ثانی اور قریب مفعول ثالث ہے۔

لطیف۔ یہ صفت اگرچہ اللہ کے لئے عموم ثابت کر رہی ہے اور آگے وزن کی تخصیص بظاہر اس کے منافی معلوم ہوتی ہے، لیکن

کہا جائے گا کہ رزق میں مرزوقین کی تخصیص مقصود نہیں، بلکہ حکمت کے مطابق توزیع و تقسیم کا اظہار پیش نظر ہے۔

رابط آیات: سورۃ الشوریٰ۔ چونکہ وامرہم شوریٰ میں مشورہ کا استحضار معلوم ہوا۔ اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ اس کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توحید کا بیان اور شرک کا بطلان۔ جس کے ذیل میں صفات کمالیہ اور افعال حکمت کا تذکرہ بھی ہے۔

۲۔ رسالت کی بحث اور اس کے ذیل میں مضامین تسلی بھی ہیں۔

۳۔ بعث و جزا کا بیان اور عذاب میں جلدی مچانے کا جواب مذکور ہے۔

۴۔ دنیا میں انتہاک کرنے کی مذمت اور طلب آخرت کی ترغیب ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے حسن اعمال اور حسن مال کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے بالتقابل کفار کی بد اعمالی اور بد مآلی کا تذکرہ ہے اور یہ سب مضامین متداول ہیں۔

اس سے پچھلی سورت کے ساتھ بھی ارتباط واضح ہو گیا ہے۔

روایات: ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ لیس من نبی صاحب کتاب الاوقد اوحی حم عسق۔ یعنی توحید و رسالت و

بعث یہ تینوں مضامین جو اس سورت کا نچوڑ ہیں وہی سب انبیاء کی مشترک دعوت ہے۔ نیز ابن عباسؓ یثغظون ای من الثقل فرماتے ہیں۔

امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سب سے اول جبریل علیہ السلام مجہد رہے ہوئے۔ پھر

میکائیل علیہ السلام و اسرافیل علیہ السلام و عزرائیل علیہ السلام علی الترتیب اور ان کے بعد دوسرے فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے مجہد

بجلائے اور من انفسکم ازواجہ کے تحت بقول جمل۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مجہد جمعہ کے روز زوال سے عصر تک ہوتا رہا۔ پھر

بحالت منام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا کی تخلیق ہوئی اور حوا کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ انہیں زندہ انسان سے پیدا کیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا تو ان کی جانب کش ہوئی، وہ ہاتھ بڑھانا ہی چاہتے تھے کہ فرشتوں نے روکا کہ پہلے ان کا مہر ادا کر دو۔

پوچھا کہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ محمد ﷺ پر تین دفعہ صلوٰۃ و سلام۔

نیز مجاہدؓ سے بذریعہ کم نسلاً بعد نسل منقول ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے نبی کہنے کی تائید میں حدیث بخاری ہے کہ شفاعت کے سلسلہ میں مخلوق حضرت نوح علیہ السلام

کے پاس حاضر ہو کر عرض کرے گی کہ سرزمین پر آپ رسول بن کر آئے تھے۔

کما اموت۔ اگر تقویٰ اور عبادت کا اعلیٰ مرتبہ مراد لیا جائے تو حدیث ششیسنی ہود و ماخواتہا میں یہی معنی ہیں کہ آپ کو

اس غم و فکر نے بوڑھا بنا دیا کہ میں حق ادا نہیں کر سکا۔

ولا تبتغ اھوائہم۔ روایات میں ہے کہ کفار نے خواہش کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے، ایک سال

ہم آپ کے خدا کی پرستش کریں گے۔

والذین یحاجون۔ یہود کہا کرتے تھے کتابنا قبل کتابکم و نبینا قبل نبیکم فنحن خیر منکم۔

﴿تشریح﴾: کذلک یوحی۔ حاصل یہ ہے کہ جن طرح اس صورت میں اعلیٰ مضامین آپ پر وحی کئے جارہے ہیں؛

اسی طرح دوسری سورتوں اور دوسرے انبیاء کے لئے بھی اللہ کی عادت و حکمت یہی رہی ہے۔ اللہ کی عظمت، شان کو اگر اہل زین

جانیں نہ مانیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آسمان پر فرشتے اس کثرت سے اس کو ماننے اور جاننے والے ہیں کہ آسمان ان کے بوجھ سے چڑچڑاتا اور پھٹ پڑنے کے قریب ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آسمان میں چار انگشت جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود نہ ہو یا اللہ کے ذکر کی کثرت کی تاثیر سے یا خود اللہ کی عظمت و جلال سے آسمان کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار کے شرکیہ اور گستاخانہ کلمات سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی بالاسطح پھٹ پڑے۔ مگر اللہ کی شانِ عفو و رحمت کے اثر سے آسمانوں کا یہ نظام تھا ہوا ہے۔ اہل زمین کی گستاخیوں کے اثرات کم کرنے کے لئے آسمانی فرشتے خود ان کے حق میں استغفار کرتے رہتے ہیں۔

فرشتوں میں جسم اور ثقل ہوتا ہے:..... فرشتوں کے بوجھ سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا بتلارہا ہے کہ فرشتوں میں ثقل ہوتا ہے اور یہ کچھ مستعید نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کے لئے جسم ہونا تو نصوص سے ثابت ہے اور اجسام میں ثقل ہونا قابلِ تعجب نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ ثقل کی وجہ تو مرکز کی طرف ہوا کرتی ہے اور فرشتوں کا میلان اجسام لطیفہ ہونے کی وجہ سے محیط کی جانب ہونا چاہئے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ دونوں باتیں ہی مسلم نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی جسم کو اس میلان کے خلاف پیدا کر دے تو اس کی نفی کی کیا دلیل ہے۔ دوسرے لطیف اجسام کا میلان محیط کی جانب اس لئے ہے کہ وہ اس کا چیز ہے۔ پس اصل میلان تو خیز کی طرف ہے اور چونکہ ہر آسمان کے فرشتوں کا چیز وہی آسمان ہے جس پر وہ رہتے ہیں۔ اس لئے اس طبعی قاعدہ کی بناء پر ان کا میلان اسی آسمان کی طرف ہوگا اور فرشتے چونکہ آسمانوں کی بالائی سطح پر رہتے ہیں۔ پس اس میلان کا وزن اور اثر آسمانوں کے اوپر ہی ہوگا اور میلان مرکز کی اصطلاح کی رو سے گواہ ثقل نہ کہا جائے مگر لغت کے لحاظ سے اس کو ثقل کہا جائے گا۔

استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے:..... بہر حال فرشتوں کے استغفار کی برکت سے اللہ نافرمانوں کو ایک وقت تک مہلت دے رہا ہے۔ ورنہ دنیا کا یہ سارا نظام چشم زدن میں درہم برہم ہو جانا چاہئے تھا۔ ویسے معمولی واقعات میں سزاؤں کا ہونا یا آخرت میں اصلی عذاب کا ہونا اس استغفار کے مفہوم سے خارج ہے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہتا۔ تاہم دنیا میں مخالفین کو مہلت دینے سے یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

اللہ حفیظ علیہم۔ یعنی ان کے سب اعمال و احوال ہمارے یہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیے کہ یہ مانتے کیوں نہیں، اور جب مانتے نہیں تو تباہ کیوں نہیں کر دیئے جاتے۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں، آپ تو پیغام پہنچا دینے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ہمارا کام ہے، ہم ان کا حساب کتاب وقت پر ضرور چکا دیں گے۔

مکہ زمین کا نقطہ آغاز ہے:..... مکہ کو ام القریٰ۔ بڑا گاؤں فرمایا۔ اللہ کا گھر وہیں ہے جس کی وجہ سے وہاں عرب کا اجتماع رہتا ہے اور وہی روئے زمین کی پہلی عبادت گاہ ٹھہری۔ بلکہ زمین کا نقطہ آغاز بھی یہی جگہ ہے جہاں سے زمین پھیلنی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی دعوت وہیں سے شروع ہوئی۔ پھر آس پاس عرب کے دوسرے خطوں میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس سے آپ کی عموم بعثت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے پیغام کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز ساری زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اس کا احساس یقین پہلے سے ہونا ضروری ہے، کیونکہ سارے انسان اپنے حالات کے لحاظ سے دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک حصہ جنتی ہوگا اور دوسرا دوزخی۔ اب تم خود سوچ لو کہ تمہیں کس طبقہ میں شامل ہونا ہے اور اس کے لئے کیا تیاری کرنی ہے۔ یوں تو اللہ سب کو ایک راستہ پر ڈال سکتا تھا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ شانِ جمال و جلال نمایاں ہو اور اس کی صفات و کمالات عیاں ہوں،

اس لئے اپنے بندوں کے حالات میں فرق رکھا کہ کسی کو مورد الطاف و عنایات قرار دیا اور کسی کو مستحق تعذیب و سزا گردانا۔

دین و مذہب کا بنیادی پتھر: و مساخلف قسم میں عقائد و اعمال، احکام و معاملات میں جہاں کہیں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ بلا جوں و چرا اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ توحید جو اس ساری تعمیر کا بنیادی پتھر ہے، اس کو کسی کے کہنے سننے سے کس طرح ہلایا جاسکتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر معاملہ میں میرا سہارا وہی ہے، مجھے اسی پر بھروسہ کرنا ہے، کیونکہ سارا جہاں اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ انسان کا وجود اور اس کی نسل کا سلسلہ اور مختلف جانوروں کے گلے سب اسی کی رحمت کا پرتو ہیں۔ اللہ کی ذات، صفات، کمالات و افعال اور احکام و فیصلے سب بے مثل ہیں۔ وہ مخلوق کی مماثلت و مشابہت سے بالکل پاک صاف ہے۔ پھر اس تک رسائی کیسے ہو؟ صرف ایک ہی راستہ معرفت کا ہے کہ اس کے کاموں سے اس کے کمالات و صفات کا اندازہ کیا جائے اور کمالات و اوصاف ذات کی طرف رہنمائی کریں۔ چنانچہ تمام نعمتوں کے خزانے اور ان کی کنجیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کم و بیش روزی کی تقسیم اس کی حکمت و مصلحت کے سراسر تابع ہے۔

دین و مذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے: بے شمار حسی نعمتوں کے ساتھ اللہ نے انسان پر ایک غیر معمولی انعام یہ بھی فرمایا کہ اس کی روحانی رہنمائی کے لئے سینکڑوں ہادی اور رہنماء وقتاً فوقتاً بھیجے۔ سب سے پہلے شائع حضرت نوح علیہ السلام سے آخری پیغمبر آنحضرت ﷺ تک انسانیت کی ارتقائی مدارج کی رعایت سے مختلف انبیاء شرائع و صحائف لے کر آتے رہے۔ جن میں سے پانچ تو اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ اور ان میں بھی تین تو ایسے رہے کہ ہر زمانہ میں ان کے نام ایوا بکثرت پائے گئے۔ حاصل یہ کہ دین سب کا قدرے مشترک ایک ہی رہا۔ صرف زمان و مکان کے لحاظ سے حسب مصلحت کچھ فرق رہا اور دین کو قائم کر رکھنے کے لئے کچھ طور طریق مختلف ہوئے۔ مگر اصل حقیقت سب جگہ محفوظ رہی اور حسب انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی کوشش سے انہی ہدایت رہی۔ بلکہ دین میں کسی طرح کی تفریق نہ ہونے دیں۔ تاہم دین کی متحدہ دعوت جس کی طرف آنحضرت ﷺ مشرکین کو بلارہے ہیں وہ ان کے گلے نہیں اتر رہی ہے اور انہیں بالکل انوکھی دکھائی پڑ رہی ہے۔ حالانکہ اس سے پرانی اور متفق علیہ بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مگر ان کی جہالت اور بد بختی کی حد ہو گئی۔

بات دراصل یہی ہے کہ ہدایت، دانائی اور سمجھ سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے جن کر اپنی طرف کھینچ لے اور محض اپنی عنایت سے مقام قرب پر فائز کر دے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اپنی صلاحیت و استعداد سے اللہ کی طرف جھکیں اور محنتیں کریں وہی ان کو کامیاب کرتا ہے اور اس طرح جذب و سلوک کی یہ دونوں منزلیں اپنی اپنی صلاحیت و قسمت کی رو سے خوش نصیب لوگ طے کرتے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں: و ماستغفروا۔ پھر بھی دین کی پختہ اور متفق علیہ بنیادوں میں جو لوگ رہنے ڈالتے رہے ہیں، وہ کسی غلط فہمی یا شبہ کی بنیاد پر نہیں، کیونکہ اصول دین سے بڑھ کر معقول اور سچی حقیقتیں اور کوئی نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ محض ضد و عناد، غرور نفس، مال و دولت کی محبت، رسم و رواج کی پابندی نے انہیں فریب نفس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ شروع میں یہ اختلاف فروغی رہے ہوں گے، مگر بڑھتے بڑھتے اصول تک نوبت جان پہنچی اور پھر جتھہ ہندی ہو کر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بنا لئے۔ پھر بعد کی آنے والی نسلیں خطہ اور الجھنوں میں پھنس کر رہ گئیں اور شکوک و شبہات کی ایسی اونچی دیواریں کھڑی کر لیں کہ ان سے پھلانگنا دو بھر ہو گیا اور آخر کار یہ لوگ دین ہی کو خیر باد کہہ بیٹھے اور اسے دھکوسلہ سمجھنے لگے۔ اللہ چاہتا تو یہ سارے اختلاف رونما ہی نہ ہوتے یا ہوتے تو دم کے دخت

کر دیے جاتے، مگر مصلحت خداوندی اور مشیت ایزدی سے انہیں مہلت اور ڈھیل ملی اور عملی فیصلہ ایک معین وقت تک کے لئے ملتوی رکھتا۔
 طے کر دیا گیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دو لوگ فیصلہ اب بھی ممکن تھا۔

غیر متزلزل عزم اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت: بہر حال آپ نہایت استقلال اور مضبوطی کے ساتھ اور غیر متزلزل عزم سے اس اجتماعی دین پر خود بھی جسے رہنے اور دوسروں کو بھی قول و عمل سے مسلسل دعوت دیتے رہیں۔ آپ معاندین کی بالکل پرواہ نہ کریں، بلکہ صاف اعلان کر دیں کہ میں پچھلی کتابوں اور صداقتوں کو جھٹلانے کے لئے نہیں، بلکہ سب کو تسلیم کرنے اور جمانے کے لئے آیا ہوں اور مجھے حکم ملا ہے کہ جو اختلاف تم نے ڈال رکھے ہیں، ان کا منصفانہ فیصلہ کروں اور احکام کی تبلیغ اور مقدمات نمٹانے میں انصاف و مساوات کا اصول قائم رکھوں اور سچائی جہاں بھی ملے اس کو قبول کر لوں اور خدا کی فرمانبرداری خود بھی کروں اور اس کا اطاعت گزار بندہ ہونا ثابت کروں اور تمہیں بھی اسی طرف لے چلوں۔ سب کا رب جب ایک ہے تو ہم سب کو اس کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے۔ تم اگر اس بات کو نہیں مانتے تو میری تمہاری الگ الگ راہ ہے۔ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا۔ آگے تم جانو، تمہارا کام جانے۔

ایک دوسرے کے عمل کے جوابدہ نہیں ہے۔ ہر ایک کو نتائج عمل کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس کے بعد لڑنے جھگڑنے کی اور بات بھی کیا رہ جاتی ہے۔ اللہ کے دربار میں سب کو حاضر ہونا ہے، وہاں ہر ایک کے سامنے آ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کیا کر لایا ہے۔
 والذین یحاجون۔ یعنی دین کی سچائی اتنی کھلنے کے بعد بھی جو لوگ بدستور کٹ جتنی میں لگے رہیں اور وہی مرغے کی ایک ٹانگہ ہانکتے رہیں، ان سے بحث و مباحثہ فضول ہے۔ انہیں خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہ سخت غضب اور دردناک عذاب کے ساتھ خود نمٹ لے گا۔

اللہ کی میزان عدل و انصاف: اللہ الذی انزل۔ ایک ترازو وہ ہوتی ہے جس میں اجسام تلتے ہیں۔ اور ایک ترازو وہ ہوتی ہے جس میں اعراض کا وزن ہوتا ہے۔ حرارت و برودت کی کیمت و کیفیت معلوم کر لی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ محبت و عداوت پیما آلات بھی ایجاد ہو گئے ہیں۔ جن سے جرائم کی تحقیقات میں بڑی مدد مل رہی ہے۔ لیکن ایک علمی اور اخلاقی ترازو بھی قدرت نے اتاری ہے۔ علمی ترازو انسانی عقل سلیم ہے اور اخلاقی ترازو عدل و انصاف ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑی ایک ترازو دین حق کی ہے۔ جس میں خالق و مخلوق اور بندوں کے باہمی حقوق ٹھیک ٹھیک تلتے ہیں، قیامت قائم ہونے پر اس کی مکمل شکل سامنے آ جائے گی۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال و احوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لیں۔ کیا معلوم قیامت کی گھڑی قریب ہی آگئی ہو۔ پہلے ہی کر لو جو کچھ کرنا ہے۔ پھر موقعہ نہیں رہے گا۔

حقوق العباد اگرچہ کتاب اللہ میں داخل ہیں۔ مگر میزان سے تعبیر کر کے ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس لئے بھی ہے کہ اس کی تصدیق سے کتاب کی طرف رغبت زیادہ ہوگی۔ کہ اس کے ماننے سے تو ہماری دنیوی مصالح کی حفاظت بھی رہے گی۔ ہاں! جن کو قیامت کا یقین نہیں وہ ہنسی ہی اڑاتے رہیں گے۔ ان کا کہنا تو یہی ہے کہ قیامت کہاں ہے؟ کب آئے گی؟ کیا دیر ہے؟ جلدی کیوں نہیں آ جاتی؟ البتہ جن کو اللہ نے ایمان و ایقان سے بہرہ ور کیا ہے وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے بھی کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے کسی کے نالے نہیں مل سکتی۔ اس لئے وہ اس کی تیاری میں بھی پورے طور پر لگے رہتے ہیں۔ مگر جس کو اس حقیقت کا یقین ہی نہیں وہ اس کی تیاری کیا خاک کرے گا۔ بلکہ جتنا مذاق اڑائے گا اتنا ہی گمراہی کی دلدل میں پھنستا چلا جائے گا۔

خوف اور شوق دو طرح کے ہوتے ہیں:..... خوف و شوق دو طرح کے ہوتے ہیں ایک خوف و شوق طبعی اضطرابی دوسرے خوف و شوق اعتقادی اختیاری۔ یہ دونوں طرح جمع بھی ہو سکتے ہیں اور الگ الگ بھی پائے جاسکتے ہیں۔ یہاں آیت میں جس خوف کا ذکر ہے وہ اعتقادی خوف ہے جو دو اعتقادوں کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک قیامت قائم ہونے کا اعتقاد، دوسرے یہ اعتقاد کہ نہ معلوم میرے اعمال رد ہوتے ہیں یا قبول۔ لیکن اگر اس اعتقاد اور اختیاری خوف کی ساتھ کسی کو موت یا قیامت کا شوق بھی غلبہ حال کے درجہ میں پہنچ جائے تو وہ طبعی اضطرابی شوق، اعتقادی اختیاری خوف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اسی طرح قبر میں بھی مردہ کا رب اقم الساعة کی درخواست کرنا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ برزخ میں زوال خوف کی یقینی بشارتیں سن کر اعمال کے رد ہو جانے کا کھٹکا نہیں رہتا۔ البتہ یہ خوف اور دُردنیا میں ہے اور یہ ہیبت امر عقلی ہے۔

• اللہ لطیف۔ یعنی باوجود مخالفین کی تکذیب و انکار کے اللہ کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ بلکہ جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ دنیا میں دینا اصول مکافات و مجازات کی رو سے نہیں ہوتا۔ بلکہ قانون حکمت و مصلحت کے پیش نظر ہوتا ہے۔

اطائف سلوک:..... اللہ یجتبیٰ۔ اس میں جذب و سلوک دومتوں کی طرف اشارہ ہے اول لفظ سے اول کی طرف اور دوسرے لفظ سے دوسرے کی طرف۔

لنا اعمالنا۔ اس میں کسی کی اصلاح اور قبول حق سے مایوسی کے وقت کیا جواب ہونا چاہئے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ بِعَمَلِهِ حَرْثَ الْآخِرَةِ أَيْ كَسَبَهَا وَهُوَ الثَّوَابُ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ بِالتَّضْعِيفِ فِيهِ الْحَسَنَةُ إِلَى عَشْرَةٍ وَأَكْثَرُ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا إِلَّا تَضْعِيفٌ مَافَسَمَ لَهُ وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مَنْ نَصِيبٌ ﴿۲۰﴾ أَمْ بَلْ لَهُمْ لُكْفَارٌ مَكَّةُ شُرَكَوْا هُمْ شِيَاطِينُهُمْ شَرَعُوا أَيْ الشُّرَكَاءَ لَهُمْ لِلْكَفَّارِ مِنَ الدِّينِ الْفَاسِدِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ كَالشُّرَكَاءِ وَإِنْكَارِ الْبَعْثِ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَضْلِ أَيْ الْقَضَاءِ السَّابِقِ بَانَ الْجَزَاءُ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَقَضَى بَيْنَهُمْ وَبَيَّنَّ الْمُؤْمِنِينَ بِالتَّعْذِيبِ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۱﴾ مُؤَلَّمٌ تَرَى الظَّالِمِينَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مُشْفِقِينَ خَائِفِينَ مِمَّا كَسَبُوا فِي الدُّنْيَا مِنَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يُحَازُوا عَلَيْهَا وَهُوَ أَيْ الْجَزَاءُ عَلَيْهَا وَاقِعٌ بِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا مُحَالَاةَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضِ الْجَنَّةِ أَنْزَلُهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى مَنْ دُونَهُمْ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۲۲﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ مِنَ الْبَشَارَةِ مُحَقَّقًا وَمُثَقَّلًا بِهِ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى تَبْلِغِ الرِّسَالَةِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ أَيْ لَكِنْ أَسْأَلُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا قَرَابَتِي الَّتِي هِيَ قَرَابَتُكُمْ أَيْضًا فَإِنَّ لَهُ فِي كُلِّ بَطْنٍ مِنْ قُرَيْشٍ قَرَابَةً وَمَنْ يَقْتَرِفْ يَكْتَسِبْ حَسَنَةً طَاعَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا بِتَضْعِيفِهَا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

لِلذُّنُوبِ شُكُورٌ ﴿۳۲﴾ لِنَلْقَلِيلٍ فِضَاعَهُ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا يَنْسِبُ الْقُرْآنَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَىٰ فَإِن يَشَأِ اللَّهُ يُخْتِمْ يَرْبِطْ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِالصَّبْرِ عَلَىٰ أَذَاهُمْ بِهَذَا الْقَوْلِ وَغَيْرِهِ وَقَدْ فَعَلَ وَيَمُحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ الَّذِي قَالُوهُ وَيُحَقِّقُ الْحَقَّ يُمْسِكُهُ بِكَلِمَتِهِ الْمُنْزَلَةِ عَلَىٰ نَبِيِّهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۳﴾ بِمَا فِي الْقُلُوبِ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ مِنْهُمْ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ الْمَتَابِ عَنْهَا وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۳۴﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالنَّبَاتِ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يُجِيبُهُمْ إِلَىٰ مَا يَسْأَلُونَ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۳۵﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَمَجِعُهُمْ لَبَغَوْا جَمِيعُهُمْ أَى طَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِن يُنْزِلُ بِالتَّخْفِيفِ وَضِدَّهُ مِنَ الْأَرْزَاقِ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ فَيَسْطُرُهَا لِبَعْضِ عِبَادِهِ ذُرًّا بَعْضٌ وَيَنْشَأُ عَنِ الْبَسْطِ الْبَغْيُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ الْمَطَرُ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا يَعْسُوا مِنْ زُرُوعِهِ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ يَسْطُرُ مَطَرَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْمُحْسِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ الْحَمِيدُ ﴿۳۷﴾ الْمَحْمُودُ عِنْدَهُمْ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَخَلْقُ مَا بَثَّ فَرَّقَ وَنَشَرَ فِيهِمَا مِنْ ذَاتِهِ هِيَ مَا يَدُبُّ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ عَلِيمٌ ﴿۳۸﴾ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ فِي الضَّمِيرِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ عَلَى غَيْرِهِ

ترجمہ: جو شخص (اپنے عمل سے) آخرت کا طلب گار ہو (یعنی آخرت کے پھل، ثواب کا) ہم اس کو اس کی بھتی میں ترقی دیں گے (ایک نیکی کا دس گنا اور اس سے بڑھ کر صلہ) اور جو دنیا کی بھتی کا جو یا ہوگا تو ہم اس کو کچھ اس میں سے دے دیں گے (اس کا مقررہ حصہ بغیر بڑھائے ہوئے) اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ کیا (ام، بمعنی بل) ان (کفار مکہ) کے کچھ شریک (یعنی شیاطین) ہیں جنہوں نے (یعنی شرکاء نے) ان (کفار) کے لئے ایسا (کھوٹا) مذہب مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی (جیسے شرک اور قیامت کا انکار) اور اگر ایک فیصلہ کن بات نہ ہو چکی ہوتی (یعنی یہ طے شدہ تقدیر کہ اصل صلہ قیامت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا (کہ کفار کو دنیا ہی میں سزا دے کر ان کے اور مسلمانوں کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا) اور ان ظالموں (کافروں) کو ضرور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ آپ ان ظالموں کو (قیامت میں) دیکھیں گے کہ ڈر رہے (خوف زدہ) ہوں گے اپنے اعمال سے (دنیا میں جو برائیاں کیں ان پر کہیں سزا ہو جائے) اور وہ (بدلہ) ان پر پڑ کر رہے گا (قیامت میں لامحالہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے (جو اپنے سے کتر لوگوں کے مقابلہ میں برتر ہوں گے) وہ جس چیز کو چاہیں گے ان کے پروردگار کی طرف سے ان کو ملے گی۔ یہی بڑا انعام ہے یہی ہے جس کی بشارت اللہ دے رہا ہے (بیشمار بشارات سے ماخوذ ہے تخفیف و تشدید کے ساتھ) اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ آپ کہنے کے میں تم سے (پیغام رسالت پہنچانے پر) اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے تعلق کے (یہ استثناء منقطع ہے یعنی البتہ میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو ہمارے تمہارے درمیان باہمی قائم ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی رشتہ داری قریش کی تمام شاخوں تک پھیلی ہوئی تھی) اور جو شخص کوئی نیکی (طاعت) کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے (ثواب بڑھا کر) بلاشبہ اللہ (گناہوں کا) بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے

(تھوڑے عمل کو بڑھا دیتا ہے) کیا (ام بمعنی بل) یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے (قرآن کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) سو اللہ اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے (کفار کی اس گفتگو اور دوسری باتوں پر آپ کو صبر دے دے چنانچہ یہ ہو گیا) اور اللہ باطل کو (جو یہ تک رہے ہیں) مٹا دیا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے (جو اس نے اپنے پیغمبر پر اتارے) ثابت کیا کرتا ہے بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے (جو سینوں میں ہوتی ہیں) اور وہ ایسا ہے کہ (ان میں سے) اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ گناہوں کو (جن سے توبہ کر لی جائے) معاف فرما دیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم یہ کرتے ہو (یا اور تمہارے ساتھ ہے) اور وہ ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (جو عوام میں مانگتا ہے ان کو پورا کرتا ہے) اور اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر اللہ اپنے (سب) بندوں کے لئے روزی فراخ کر دیتا ہے تو (سب) شرارت پر اتر آتے دنیا میں لیکن اتارتا ہے (سنون) تخفیف اور عدم تخفیف کے ساتھ ہے مراد روزیاں ہیں) اندازہ سے جتنا چاہتا ہے (چنانچہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور بعض کے لئے نہیں اور کشادہ کرنے سے شرارت پھیلتی ہے) اور وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے اور وہ ایسا ہے جو بارش (مینہ) برساتا ہے لوگوں کے (بارش سے ناامید) مایوس ہو جانے کے بعد اور اپنی رحمت (بارش) پھیلاتا ہے اور وہ کارساز (مومنین کا محسن) قابل حمد ہے (ان کے اعتقاد میں) اور جملہ اس کی نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے (اور پیدا کرنا ان جانداروں کا جو اس نے پھیلا رکھے) متفرق کر رکھے (ہیں آسمان و زمین میں ذابہ، افسان وغیرہ جاندار چیزیں جو زمین پر چلتی پھرتی ہیں) اور وہ (محشر میں) ان کو جمع کر لینے پر بھی چاہے قادر ہے (جمعہم کی ضمیر میں ذی عقل مخلوق کو غیر ذی عقل پر غالب کر لیا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: محشر بقول بغوی بمعنی کسب اور بقول زمخشری بمعنی رفع۔ قاموس میں ہے کہ حث کسب، مال کے جمع کرنے اور کھیتی پیداوار کو کہتے ہیں مجازاً ثواب مراد ہے۔

نؤتہ منها۔ اتیاء دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور من جمع ضمیر ہے۔

ام لہم۔ ام مطلقہ بمعنی بل ہے اور ہمزہ تقریر یا توجیح کے لئے ہے۔

د شربوا۔ اس کی اسناد شیطین و شرکاء کی طرف اسناد مجازی ہے سب گمراہی ہونے کی وجہ سے۔

مما کسبوا۔ مفسر نے ان بجایزوا کہہ کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای من جزاء ما کسبوا۔

وہو واقع۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اشفاق اور خوف آئندہ خطرہ کی توقع کو کہا جاتا ہے۔ پھر واقع کیسے کہا گیا۔ جب کہ اول

محتمل اور دوسرا یقینی ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خطرہ کے دور ہونے کی توقع پر انسان اس کے دفعیہ کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ناامیدی کی صورت میں محض ڈر ہی ڈر رہ جاتا ہے۔ خطرہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس لئے کوشش ترک کر دی جاتی ہے۔

فی روضۃ الجنۃ۔ انزہا الخ۔ تفسیری عبارت سے اشارہ ہے کہ جنت میں مختلف مراتب ہوں گے۔ ایمان اور عمل

صالح کے مجموعہ پر اعلیٰ مرتبہ اور ایمان بلا عمل پر ادنیٰ درجہ مرتب ہوگا۔

عند ربہم۔ عند مجازیہ ہے اور یشاؤن کا ظرف ہے۔

ذلک۔ یہ مبتداء ہے الذی الخ خبر ہے مفسر نے بہ عائد محذوف نکال دیا ہے اور یہ موصولہ ہونے کی صورت میں ہے البتہ

بقول یونسؑ مصدر یہی صورت میں عائد کی ضرورت نہیں رہتی۔ ای ذلک تبشیر اللہ عبادہ ابن عمرؓ، ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔

الا المودة فی القربی:

مفسرین کے تین قول ہیں:-

۱۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قریش کے وسط خاندان سے تھے۔ جس کی شاخیں سب طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ آیت میں صلہ رحمی اور قرابت داری کی رعایت کا واسطہ دیا گیا کہ اگر میری پیروی نہیں کر سکتے تو کم از کم خاندانی لحاظ ملاحظہ تو رکھو۔ اپنے نفع کی خاطر میرا نقصان تو گوارا نہ کرو۔

۲۔ ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو آپ ﷺ کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ حضرت انصارؓ نے جمع ہو کر آپ کے ساتھ کچھ حسن سلوک کیا اور کچھ رقم جمع کر کے پیش خدمت کی۔ مگر آپ ﷺ نے اپنی حوصلگی کی وجہ سے اس کو واپسی کر دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں انصارؓ کو خطاب ہے۔

۳۔ حسنؓ سے اس جملہ کے یہ معنی منقول ہیں کہ قرابت داری اور تعلقات کا اصل اور صحیح مصرف اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ دنیاوی غرض میں اس کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

الحاصل قربی پہلی صورت میں قرابت بمعنی رحم سے ہے اور دوسری صورت میں بمعنی اقارب ہے اور تیسری صورت میں قرب و تقریب کے معنی میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اہل قرابت بعض کے نزدیک فاطمہؓ و علیؓ و حسینؓ ہیں اور بعض کے نزدیک آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ، آل عباسؓ ہیں۔ مفسر علامؒ الا القربی کو استثناء منقطع کہہ رہے ہیں یعنی قل لا استلکم الگ ہے اور الا بمعنی لیکن ہے اور قرابت صورتہ اجر ہے حقیقہً اجر نہیں ہے۔

حسنة۔ بعض کے نزدیک قرابت رسول کی رعایت مراد ہے۔ یہ تو قیہ اگرچہ باعث فضیلت ہے۔ لیکن ظاہر حسنہ کو عام لینا ہے۔ شکور قدر دان، توبہ قبول کرنے والا، توبہ کی توفیق دینے والا اور بعض کے نزدیک اللہ کی صفت میں اس لفظ کے معنی طاعت کی ہمت، ثواب کی توفیق دینا لئے ہیں۔

یختم علی قلبک۔ یعنی آپ ﷺ کے دل کو مضبوط کر دینا جس سے آپ ناگوار باتوں پر صبر کر سکیں۔ چنانچہ بقول مجاہدؒ وعدہ پورا ہو گیا۔

وبسم اللہ۔ یہ مستقل جملہ ہے یختم پر عطف نہیں ہے۔ کیونکہ باطل کو مٹا دینے کا وعدہ مطلق ہے مشروط نہیں ہے اس لئے لفظ اللہ مکرر لایا گیا ہے۔

وینحق پر رفع آیا ہے اور بسم میں یدع کی طرح واو گر گیا ہے۔

عن عبادہ۔ یعنی عن بمعنی من ہے۔

یستجیب۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین زائد ہے تاکید فعل کے لئے ہے جیسے تعظم استعظم۔

الغیث۔ قط سالی کی وجہ سے چونکہ بارش کی طلب ہوتی ہے اس لئے بادل بارش کو غیث کہا جاتا ہے۔

فیہما من دابة۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں بھی تثنیہ سے مفرد مراد ہے۔ جیسے یخرج منهما اللؤلؤء میں ہے۔

چنانچہ دواب صرف زمین میں ہوتے ہیں۔ جیسے کہ موتی صرف دریا سے برآمد ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض نے معنی کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ کو قدرت ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں میں بھی دواب پیدا کر دے۔ جیسے کہ موتی مونگا دریائے شیریں میں بھی نکلتے ہیں۔

رابط آیات: پہلی آیات میں منکرین قیامت کی گواہی کا ذکر تھا۔ آیت من کان یزید سے انکار قیامت کی وجہ کا بیان ہے کہ وہ لوگ دنیا پر فریفتہ ہیں اور پھر اس فریفتگی کی برائی اور ان کا جواب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آخرت کی ترغیب کا ذکر ہے۔

اور چونکہ آیت مشرع حکم الخ میں دین حق یعنی توحید وغیرہ شریعت الہیہ ہونا بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے ام لہم شروءا سے دین باطل کا غیر مشروع ہونا ارشاد فرما رہے ہیں۔

اسی طرح آیت والذین یحاجون میں منکرین کا مستحق عذاب ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا بیان ہوا تھا۔ اور آیت من کان یرید میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے والوں کا ثواب سے محروم ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا صراحتہ بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے آگے بھی اسی کی تفصیل ہے اور اس مجموعی مضمون کے درمیان وحی کی حقانیت آیت قل لا اسئلكم سے بطور جملہ مقرر شدہ ارشاد ہے۔ اسی طرح آیت ام یقولون افنزی سے پھر وحی، توحید و رسالت تینوں مضامین کا اعادہ ہے۔

آیت الا المودۃ فی القربی کے متعلق ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سدی سے منقول ہے کہ یہ آل رسول کے متعلق نازل ہوئی۔ چنانچہ صاحب کشافؒ نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا۔ من قرابتک ہو لاء الذین وجبت علینا مودتہم؟ فقال علی وفاطمة وابناءہا۔ اس سے ان حضرات کی خصوصی تعظیم ثابت ہوئی۔ حتیٰ کہ جاہل تو حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے بھی افضل ماننے لگے جو صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے اس کے مصداق میں عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔

هو الذی یقبل التوبۃ کے ذیل میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گنہگار حق تعالیٰ کی جناب میں دوبارہ ہاتھ اٹھا کر التجا کرے گا۔ مگر اس کی طرف التفات نہیں ہوگا۔ تیسری بار ارشاد ہوگا۔ قد استحیت من عبدی ولیس لہ رب غیری فقد غفرت لہ واستجیب۔

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ ما من مسلم یصنّف وجہہ للہ فی مسئلۃ الا اعطاه ایاہا اما ان یعجلہا لہ واما ان یدخرہا لہ۔

بغویؒ نے انسؓ سے روایت کی ہے۔ ان من عبادی من لا یصلحہ الا الغنی ولو افتقرتہ لا فسدت علیہ دینہ وان منهم من لا یصلحہ الا الفقر ولو اغنیہ لا فسدت علیہ دینہ۔

﴿تشریح﴾: من کان یرید۔ یعنی دنیاوی عیش دلیل مقبولیت نہیں ہے اور نہ آخرت کی کامرانی کا باعث ہے۔ بلکہ اصل ضابطہ اور دستور یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں رہ کر آخرت کی کھیتی کا طالب ہوگا۔ یعنی ہر عمل میں اس کی نظر وہاں کے نتائج و ثمرات پر ہوگی۔ اس کے لئے آخرت کی نعمتیں ہوں گی اور بڑھ چڑھ کر ہوں گی۔ نیکیوں کا پھل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زائد ہوگا اور دنیا میں ایمان و عمل کی برکت سے جو انعامات ملیں گے وہ مزید برآں ہیں۔ البتہ جس کی ساری جدوجہد صرف دنیا کے لئے ہوگی۔ اس کے لئے آخرت میں تو یقینی محرومی ہے ہی۔ لیکن دنیا میں بھی اس کے لئے کوئی حتمی وعدہ نہیں ہے۔ قسمت میں ہوگا مل جائے گا اور نہیں۔

یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موہوم پر کامل اعتماد ہے: مگر لوگوں کا حال عجیب ہے کہ موہوم کے لئے تو جدوجہد یقینی اور یقین کے لئے محض تمنائیں اور خالی آرزوئیں۔ اللہ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا راستہ بتلادیا۔ پھر آخرت میں یقین کے لئے اس

راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہیں کہاں سے نکالی ہیں۔ اللہ کے علاوہ اور کون ہے جس کو حلال حرام کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ دنیا میں کھول کھول کر حق کو بیان کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی یہ نہیں مانتے تو عملی فیصلہ تو مقررہ وقت پر ہوگا۔ اس کا انتظار کریں سب کرنی سنائے آجائے گی۔ آج اگر نہیں ڈرتے تو اس وقت ڈریں گے مگر لا حاصل۔ اس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

والذین امنوا۔ البتہ جو ایمان دار نیکو کار ہوں گے۔ جنہوں نے دنیا میں ہر قسم کی صعوبتیں دین کی خاطر برداشت کیں۔ وہ آخرت کی جسمانی اور روحانی ہر قسم کی نعمتوں سے لذت آشنا ہوں گے۔ ان کی ہر تمنا ہر آرزو پوری کی جائے گی۔

ذلک البدی: سے جو مضمون بشارت آ رہا ہے۔ چونکہ کفار پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلا دینے کے خوگر تھے۔ اس لئے بشارت کا مضمون درمیان میں روک کر بطور جملہ معترضہ ان کو ایک دل گذار بات سنائی جا رہی ہے۔

انسانیت و قربت کا لحاظ کہہ کر ظلم سے باز آ جانا چاہئے: قُلْ لَا اسْتِغْفِرُ لَكُمْ۔ یعنی جو کچھ آپ ان کی خاطر مشکلات اٹھا رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ بلکہ صرف لعلہ اللہ تمہیں فلاح کا راستہ بتلا رہا ہوں۔ تم سے اس پر کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کم از کم خاندانی تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے بالکل بے مروتی پر تونہ اتراؤ۔ تم میری بات نہیں مانتے نہ مانو۔ میرا دین قبول نہیں کرتے نہ کرو، میری تائید و حمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی۔ لیکن قرابت داری کا خیال کر کے ظلم پر تونہ کمر نہ باندھو۔ ہر وقت کی ایذا و ہراسانی سے باز آؤ۔ اتنی تو آزادی دو کہ اللہ کا پیغام پہنچا تا رہوں کیا میں اتنی دوستی اور اتنی محبت و انصاف کا بھی حق دار نہیں ہوں۔ میری دشمنی اور عداوت میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے میری پوری بات سن لو اور واس کو عقل و دلیل کی میزان میں تول لو۔ اگر معقول ہو قبول کر لو۔ کچھ شبہات ہوں تو صاف کر لو اور بالفرض اگر غلط ہو تو مجھے سمجھا دو، راہ پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو وہ خیر خواہی اور خیر اندیشی سے ہو۔ یہ نہیں کہ بے سمجھے فوراً ہی بھڑک اٹھو۔ بلکہ سمجھانے پر بھی خلاف سے باز نہ آؤ۔ آخر رشتہ داری کا کیا فائدہ؟ جب ایک دوسرے کے اتنا بھی کام نہ آئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خالی رشتہ داری پیش نظر ہے اور اس کے بعد ایمان مطلوب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لطیف طریقہ سے تدبیر کی طور پر یہ ایمان ہی کی طرف لے جانے کا راستہ ہے۔

محبت اہل بیت جزو ایمان ہے: بعض حضرات نے مودت قربی کے یہ معنی لئے ہیں۔ کہ میں تم سے صرف اس صلہ کا خواہش مند ہوں کہ میرے خویش و اقارب کا خیال رکھو۔ اہل بیت کی محبت یقیناً جزو ایمان اور محبت نبوی کا شاخسانہ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ تفسیر۔ آیت کے شان نزول سیاق و سباق کے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ کے شایان شان بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی قربت اور صلہ رحمی کا لحاظ اور خیال رکھو اور باہمی حقوق کی پاسداری کرو۔

اور بعض نے قربی سے مراد قرب خداوندی لیا ہے یعنی ہر کام میں اصل دھیان قرب خداوندی کا ہونا چاہئے کیونکہ محبت الہی ہی اصل وظیفہ ہے۔ تاہم راجح تفسیر پہلی ہی ہے۔

ومن یقتصر الخ سے پھر وہی قانت مومنین کی بشارت کا تہہ ارشاد ہے کہ جو شخص بھلائی اور نیکی کا راستہ اپناتا ہے اللہ بھی اس کی بھلائی کو بڑھا دیتا ہے کہ آخرت میں اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے اور دنیا میں بھی اسے اچھی خصلت ملتی ہے اور اس کی لغزشیں معاف کر دی جاتی ہیں۔

چار مقدمات استدلال: ام یقولون۔ کفار آپ پر جھوٹا دعوائے نبوت کر دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ سوال کی یہ کوکب اس خود افتراء ہے چار مقدمات کی بنیاد پر۔

اول یہ کہ کسی خارق عادت معجزہ کا آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا نہ ہونا دونوں فی نفسہ ممکن ہوئے اور اللہ کی قدرت میں ہونے کے لحاظ سے اگرچہ برابر ہیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی عادت لوگوں کو تلمیذ سے بچانے کے لئے یہ ہے کہ وہ سچے کے ہاتھ معجزہ ظاہر کر دیتا ہے اور جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کرتا۔ پس آپ کا جھوٹا ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ لازم مکانہ ہونا ملزوم کے نہ ہونے کو مستلزم ہے۔

چوتھے یہ کہ آپ کی زبان سے معجزانہ کلام قرآن ظاہر ہوا ہے۔ پس لازم یعنی معجزہ کے نہ ہونے کی نفی ہوئی۔ اس لئے ملزوم یعنی جھوٹ کی بھی نفی ہو گئی۔ اس طرح آپ کا سچا اور مخالفین کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ”اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے۔“ اور فرشتہ آپ کے قلب پر یہ کلام معجز نہ اتار سکے۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہو جائے۔

حاصل یہ ہے کہ پہلے مقدمہ کی رو سے اللہ کو یہ قدرت ہر وقت حاصل ہے کہ یہ معجزانہ کلام صادر نہ ہوئے دے۔ اور دوسرے مقدمہ کی رو سے عادت الہیہ کے مطابق اللہ جھوٹے دعویٰ کو مٹا دیا کرتا ہے۔ جھوٹے کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ احکام تنزیلیہ اور تکوینیہ سے نبوت کے سچے دعویٰ کو ثابت اور غالب کر دیا کرتا ہے۔ اور تیسرا مقدمہ بدیہی اور چوتھا مقدمہ بالکل مشاہدہ ہے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ سچے اور مخالفین جھوٹے ہیں۔ اس لئے محض ان بد بختوں کی ناقدری اور وطن دشمنی کی وجہ سے فیضان کا یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کو جاری رکھے گا اور عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ دل پر اللہ نے مہر لگائی اور کون جھوٹا ہے اور اللہ سے ان کا کوئی حال تقابل مخفی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ دلی منصوبوں سے بھی واقف ہے۔ اس لئے وہ خود ان سے ثابت لے گا۔

تکوینی احکام سے مراد عادت الہیہ ہے اور عقلی احکام سے مراد انفسی اور آفاقی دلائل و براہین ہیں۔ آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ چنانچہ مفسر علامہ نے اس کو آنحضرت ﷺ کی تسلی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ میں صبر کا مادہ پیدا کر دے گا۔ جس سے آپ کا دل ایسا مضبوط ہو جائے کہ ان کی تکالیف کا اس پر اثر ظاہر نہ ہو۔ مگر سیاق و سباق کے مطلق وہی تفسیر ہے جو عرض کی گئی ہے۔

توبہ و انابت پر بشارت: لیکن جو لوگ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے اور مخالفت کی بجائے توبہ و انابت کی راہ اپنائیں گے۔ آیت و هو الذی یقبل سے ان کو بشارت سنائی جا رہی ہے کہ نبی تو اپنا کام کر چکے اب آگے تمہارا کام ہے۔ جیسا کرو گے تمہاری استعداد اور کام کے مطابق اللہ تعالیٰ آخرت میں معاملہ فرمائے گا۔ وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور کتنی غلطیوں کو جاننے کے باوجود معاف فرماتا ہے اور جو ایماندار نیک بندے اس کی سنتے ہیں وہ بھی ان کی سنتا ہے اور اطاعت و عبادت کو قبول کر کے اجر و ثواب عام ضابطہ سے بڑھ چڑھ کر عنایت کرتا ہے۔ البتہ جو اپنے انکار و کفر پر مرتے دم تک ڈٹے رہیں ان کے لئے سخت ترین سزائیں بھی تیار ہیں۔

دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب:..... والہو بسط اللہ الرزق. اللہ کے خزانوں میں اگرچہ کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ چاہے تو سب کو بے اندازہ دولت دے کر غنی بنا دے۔ مگر دنیا کو جس نظام پر چلانا منظور ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ غنا عام نہ کی جائے۔ بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو تاپ تول کر دیا جائے اور یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت بہتر اور اصلح ہے۔ کیونکہ سب حالات اسی کے سامنے ہیں۔

غنا کے عام نہ ہونے کی جس حکمت الہی کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سرمایہ داری عام ہو جائے اور کہیں بھی فقر نہ رہے۔ تو کسی کو کسی کی احتیاج نہ رہے گی۔ اور ہر طرف بے نیازی ہی بے نیازی عام ہو جائے گی اور احتیاج ہی ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے۔ کیونکہ لزوم عادی کے طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہوتی ہے۔ جو دوسرے کے پاس نہیں ہوتی۔ پس لامحالہ جس کے پاس چیز نہ ہوگی وہ اس کا محتاج ہوگا۔ جس کے پاس وہ چیز موجود ہے۔ اس احتیاج ہی کی بدولت ایک دوسرے سے وابستگی کا علاقہ رہے گا۔ لیکن اگر غنا اس طرح عام ہو جائے کہ کوئی کسی کا دستگیر نہ ہو تو کوئی کسی کی طرف جھکے گا نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر رہ جائے گا۔ اور اجتماعیت کا سارا شیرازہ کھڑ کر رہ جائے گا اور بغاوت عام ہو کر عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن بغاوت عامہ کی صورت غناء عام کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ اس کے برعکس اگر فقر عام ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کسی کے پاس کوئی چیز نہ رہے گی اس میں تکلیف تو سب کو ہو سکتی ہے مگر رغبت کسی کو نہ رہے گی جو جڑ ہے سارے فتنہ و فساد کی اور شاذ و نادر اگر کوئی چیز کسی کے پاس دوسرے کی رغبت کے لائق ہوگی بھی تو بہت کم ہوگی اس لئے بغاوت بھی کم ہوگی۔

بہر حال فقر و حاجت عام ہونے کی صورت میں بغاوت عام نہ ہوگی۔ اگرچہ دوسرے نقصانات ہو جائیں۔ مثلاً: سب بجائے خود ہلاک ہو جائیں اور یہی حکمت ہے فقر کے عام نہ ہونے کی۔ لیکن یہاں جس ضرر کا بیان ہے وہ محض ہے غنائے عام اور بسط عام کے ساتھ اور ہر چند کہ عام بغاوت کا انجام بھی وہی ہے۔ جو فقر عام کا نتیجہ ہے یعنی سب کا ہلاک ہو جانا۔ مگر مر جانا ہلاک ہوتا ہے بہ نسبت مارے جانے کے۔ اس لئے فقر عام کا نقصان بھی غناء عام کے نقصان سے کم ہوگا۔ اور ممکن ہے یہاں اسی لئے غنائے عام نہ ہونے کی حکمت تو بیان کی گئی ہے اور فقر عام نہ ہونے کی حکمت سے تعرض نہیں کیا گیا۔

حاصل یہ ہے کہ نہ سرتاسر سرمایہ داری اور غناء کو عام کیا گیا اور نہ فقر و احتیاج کو بلکہ ملی جلی حالت رکھی۔ تاکہ ایک دوسرے کی وابستگی رہے اور صبر و شکر کا ذریعہ تعلق مع اللہ بھی رہے۔ لیکن یہ تمام تر تقریر عام طبائع کی موجودہ فطرت و روش کے لحاظ سے ہے۔ لیکن اگر طبائع تبدیل کر دی جائیں جیسے: امام مہدی کے زمانہ میں جب کہ برکت عام ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ کوئی صدقہ قبول نہ کرے گا۔ یا جنت میں سب کے پاس نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی۔ مگر سلامتی طبع سے سب گھن رہیں گے۔ کوئی ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر عام طبائع نہ ہوں بلکہ مخصوص طبائع کے حضرات ہوں جیسے انبیاء و صلحاء تو وہاں اگرچہ بسط عام کی صورت میں بغاوت کا سبب موجود ہوگا۔ مگر ان کی سلامتی طبع مانع بھی ہوگی۔ اس لئے بغاوت مرتب نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ محض سبب کا ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ مانع کا نہ ہونا بھی ضروری ہے۔

انسان کی کوتاہ نظری کا حال تو یہ ہے کہ ذرا بارش میں دیر ہوئی تو بسا اوقات ایک دم مایوس ہو بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اللہ اپنی حکمت و مصلحت سے بارانِ رحمت نازل فرما دیتا ہے اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تاکہ بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کے اسباب جس کے قبضہ میں ہیں رزق بھی اسی کے قبضہ میں ہے اور جیسے وہ روزی ہر ایک کو ایک خاص انداز سے

عنایت فرماتا ہے۔ بارش بھی خاص انداز سے خاص اوقات میں برساتا ہے۔ کیونکہ سب کام اسی کے اختیار و حکمت سے ہوتے ہیں۔ سارے کائنات و مخلوق کا سرچشمہ وہی ہے۔ رزق، اس کے اسباب اور ان اسباب کے اسباب خواہ وہ سماویہ ہوں یا زمینی اور اس کے آثار و نتائج سب اسی کی مخلوق ہیں۔ سرتاسر مایوسی تو شیوہ کفار ہے۔ البتہ ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یا اس انگیز ہو سکتا ہے۔ وہو الذی۔ اس میں کئی حالت کا بیان نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی قرینہ کینت کا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ مایوسی سے پہلے بھی بارش ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ مایوسی ہو جانے کے بعد بھی نہیں ہوتی۔

و ما بت فیہما۔ کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔ پس جس ذات نے مخلوق کو سارے عالم میں بکھیرا ہے وہی قیامت میں سب کو اکٹھا کرے گا اور جانوروں کے زمین و آسمان میں ہونے کی دوسری توجیہ وہ ہے جو مفسر نے بیان کی ہے یعنی مجموعہ میں تحقیق کے لئے ایک جزو میں بھی تحقیق کافی ہوتا ہے۔ ہر جزو میں تحقیق ضروری نہیں۔ یہ دونوں توجیہات تو دابہ کو حقیقی معنی لینے کی صورت میں تھیں۔ اگر مجاز اذی روح مراد لی جائے تو ظاہر ہے کہ فرشتے بھی ذی روح ہوتے ہیں۔

لَطَافُ سُلُوكٍ: امام لہم شرکاء۔ اس میں شرک اور بدعت دونوں پر رد ہے۔

قُلْ لَا اسْتَعْلَمُ سَعَةَ مَعْلُومٍ ہوا کہ شیخ و مرشد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اعزاء و قرابتداروں سے محبت و تعلق ہو۔ کیونکہ جب شیخ سے محبت ہوگی تو اس کے اقارب سے قربت ہوگی۔

ترمذی میں حدیث مرفوع ہے۔ احبوا اہل بیٹی لہجی اور فرمایا۔ کہ ترک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی۔ فان یشاء اللہ یختم علی قلبک۔ یعنی بالفرض آپ کی زبان مبارک سے نائق بات نکلے تو ہم آپ کے دل پر مہر کر دیں گے۔ شیخ شبلی نے جب امام سے نماز میں یہ آیت سنی۔ تو غلبہ حال میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہنے لگے۔ اچھے لوگوں سے اس طرح خطاب ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احوال سلب ہو جانے سے ہر وقت ڈرتا رہے۔

ولو بسط اللہ اسی طرح بعض اوقات سالک کے لئے بسط مضر ہوتا ہے اور قبض مفید۔ تو اس کو مغموں میں ہونا چاہئے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مَخَطَابٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ مِّنْ مُّصِيبَةٍ بَلِيَّةٍ وَشِدَّةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ أَى كَسَبْتُمْ مِّنَ الذُّنُوبِ وَعُوبٍ بِالْأَيْدِي لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهَا وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۰﴾ مِنْهَا فَلَا يُحَازِي عَلَيْهِ وَهُوَ تَعَالَى أَكْرَمُ مِمَّنْ أَنْ يُثْنِيَ الْجَزَاءُ فِي الْأَجْرَةِ وَأَمَّا غَيْرُ الْمُذْنِبِينَ فَمَا يُصِيبُهُمْ فِي الدُّنْيَا لِرَفْعِ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْأَجْرَةِ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ اللَّهَ هَرَبًا فِي الْأَرْضِ فَتَقُولُونَ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ مِّنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۳۱﴾ يَذْفَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ وَمِنْ أَيْتِهِ الْجَوَارِ السُّفُنُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَغْلَامِ ﴿۳۲﴾ كَالْجِبَالِ فِي الْعَظَمِ إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ يَصْرَنَ رَوَاكِدَ نَوَابِتٍ لَا تَجْرِي عَلَى ظَهْرِهَا إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۳﴾ هُوَ الْمُؤْمِنُ يُصْبِرُ فِي الشَّدَةِ وَيَشْكُرُ فِي الرِّخَاءِ أَوْ يُوبِقُهُنَّ عَظْفٌ عَلَى يَسْكُنُ أَى يُغْرِقُهُنَّ بِعَصْفِ الرِّيحِ بِأَهْلِهِنَّ بِمَا كَسَبُوا أَى أَهْلُهُنَّ مِّنَ الذُّنُوبِ

وَيُعْطَىٰ عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۰﴾ مِنْهَا غَلَا يُغْرِقُ أَهْلَهُ وَيَعْلَمُ بِالرَّفْعِ مُسْتَأْنِفٌ وَبِالنَّصَبِ مَعْطُوفٌ عَلَىٰ تَعْلِيلٍ مُقَدَّرٍ أَيْ يُعْرِفُهُمْ لِيَتَّقَمَ مِنْهُمْ وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِيصٍ ﴿۳۱﴾ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَحِمْلَةَ النَّفْسِ سُدَّتْ مَسَدًا مَفْعُولِي يَعْلَمُ أَوِ النَّفْيِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ فَمَا أَوْتِيتُمْ حِطَابَ الْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِهِمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْ آثَاتِ الدُّنْيَا فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا يَتَمَتَّعُ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَزُولُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۳۲﴾ وَيُعْطَىٰ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَثِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ مُوجِبَاتِ الْخُدُودِ مِنْ عَطْفِ الْبَعْضِ عَلَى الْكُلِّ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾ يَتَحَارَّوْنَ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ أَجَابُهُ إِلَىٰ مَا دَعَاهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ وَالْعِبَادَةِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ آدَاءُ مَوْهَا وَأَمْرُهُم الَّذِي يَبْدُو لَهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ يُشَاوِرُونَ فِيهِ وَلَا يُعْجِلُونَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ أَعْطَيْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۴﴾ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَمَنْ ذَكَرَ صِفَتِ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ الظُّلْمُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۳۵﴾ صِنْفٌ أَيْ يَنْتَقِمُونَ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ بِمِثْلِ ظُلْمِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى وَجَزَاءُ أَوَّاسِيَّةٍ سَيِّئَةٍ مِثْلُهَا سَمِيتِ الثَّلَاثَةُ سَيِّئَةٍ لِمُشَابَهَتِهَا لِلْأُولَىٰ فِي الصُّورَةِ وَهَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا يُقْتَضُ فِيهِ مِنَ الْحَرَاحَاتِ قَالَ بَعْضُهُمْ وَإِذَا قَالَ لَهُ أَخْرَاكَ اللَّهُ فَيُحْيِيهِ أَخْرَاكَ اللَّهُ فَمَنْ عَفَا عَنْ ظَالِمِهِ وَأَصْلَحَ الْوَدَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ بِالْعَفْوِ عَنْهُ فَاجْرُهُ عَلَى اللَّهِ أَيْ أَنَّ اللَّهَ يَاجِرُهُ لَامِحَالَةَ أَنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۳۶﴾ أَيْ الْبَادِينَ بِالظُّلْمِ فَيُرْتَبُ عَلَيْهِمْ عِقَابُهُ وَلَمَنْ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ أَيْ ظَلَمَ الظَّالِمَ إِيَّاهُ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۳۷﴾ مُوَاحِدَةٌ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ يَعْْمَلُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بِالْمَعَاصِي أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۸﴾ مَوْلَمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ فَلَمْ يَنْتَصِرْ وَغَفَرَ تَجَاوَزَ إِنَّ ذَٰلِكَ الصَّبْرُ وَالتَّجَاوُزَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۳۹﴾ أَيْ مُعْزُومَاتِهَا بِمَعْنَى الْمَطْلُوبَاتِ شَرْعًا

ترجمہ: اور تمہیں (مسلمانوں) جب مصیبت (بلا اور سختی) پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے (یعنی تم نے جو گناہ کئے ہوئے ہیں اور اکثر کام چونکہ ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اس لئے ہاتھوں ہی کی طرف نسبت کر دی) اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر کر دیتا ہے (کہ ان پر دنیا میں سزا نہیں دیتا اور پھر آخرت میں اللہ پر سزا دینا اسکے کرم سے بعید ہوگا۔ البتہ یہ تصور لوگوں کو دینا میں جو مصیبتیں پیش آتی ہیں ان سے ان کے اخروی درجات بلند کرنے مقصود ہوتے ہیں) اور (اے مشرکین!) تم (اللہ کو) زمین میں ہر انہیں سکتے (کہ اس سے بچ نکلو) اور اللہ کے سوا (علاوہ) تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں ہے (جو تمہیں اس کے عذاب سے بچا سکے) اور تمہارا اس کی نشانیوں کے جہاز (کشتیاں) ہیں سمندر میں پہاڑ جیسے (پہاڑ برابر بڑے وہ اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ کھڑے کے کھڑے (بٹھہرے ہوئے) رہ جائیں سطح سمندر پر، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شا کر کے لئے (مومن

مراد ہیں جو مصیبت میں صبر اور عیش میں شکر ادا کرتے ہیں) یا ان جہازوں کو تباہ کر دے (اس کا عطف یسکن پر ہے یعنی ہواؤں کے جھکولوں سے جہازوں کو سواروں سمیت غرق کر دے) ان کے اعمال کی وجہ سے (سواروں کے گناہوں کے باعث) اور بہت سے لوگوں سے درگزر کر دے (ان کو غرق نہ کرے) اور معلوم ہونا چاہیے (بعلم رفع کے ساتھ مستأنفہ ہے اور نصب کی صورت میں علت مقدر پر معطوف ہے نقد پر عبارت اس طرح ہوگی یفسر قہم لیستقم منهم وبعلم) ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑا نکالتے رہتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ نہیں (عذاب ہے جھٹکارا۔ اور جھٹکا نہیں بعلم کے دونوں مفعولوں کے بجائے ہے یا حرف نفی کا لفظوں میں عمل نہیں ہے) سو تمہیں (مسلمانوں اور دوسروں کو خطاب ہے) جو کچھ (دنیا کا ساز و سامان) دیا دلا یا گیا ہے وہ شخص دنیاوی زندگی میں برتے کے لئے ہے (نفع اٹھانے کے بعد سب فنا ہو جائے گا) اور جو اللہ کے یہاں (ثواب) ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اگلے جملہ کا اس پر عطف ہے) اور جو کہ بچتے ہیں کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے (جن پر شرعی حدود واجب ہو جاتی ہے یہ بعض کا کل پر عطف ہے) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف (درگزر) کر دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا (توحید و عبادت کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں) اور نماز کے پابند ہیں (مستقل نمازی ہیں) اور ان کا ہر کام (جو انہیں درپیش ہوتا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے (باہمی صالح مشورہ کرتے ہیں) جلدی بازی سے کام نہیں لیتے (اور ہم نے جو کچھ عطا کیا (دیا) ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) جن لوگوں کا ذکر ہوا یہ ایک قسم ہے) اور جو لوگ ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں (یہ دوسری قسم ہوئی۔ یعنی جو شخص ان پر نا انصافی کرتا ہے تو وہ اس سے اتنا ہی انتقام لیتے ہیں جیسا کہ آگے ارشاد ہے) اللہ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے ہونا چاہیے (بدلہ کو برائی کہنا اس لئے ہے کہ صورت شکل میں پہلی برائی جیسا ہوتا ہے اور صورت یہ مشابہت ان زخموں میں ظاہر ہے جن میں قصاص کا حکم ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی اخزاک اللہ کہے تو اس کے جواب اخزاک اللہ کہنے کی اجازت ہے) پھر جو شخص معاف کر دے (ظالم کو) اور اصلاح کر لے (معاف کرتے ہوئے باہمی محبت بجال کر لے) تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے (یعنی ضرور اللہ اس کو اجر عطا فرمائے گا) واقعی ظالموں سے اللہ کا تعلق نہیں ہے (یعنی ظلم کی ابتداء کرنے والے کہ وہ مستحق سزا ہو جاتے ہیں) اور جو اپنے اوپر (ظالم کا ظلم) ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے۔ سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام (اعتراض) نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور سرکشی پھیلاتے (کرتے) ہیں زمین میں ناحق (شرعاً غلط طریقہ پر) ایسوں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اور جو شخص صبر کر لے (بدلہ نہ لے) اور معاف کر دے (درگزر کرے) یہ (صبر اور معافی) البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی لائق عزیمت ہے اس معنی کر کہ شرعاً مطلوب ہے۔)

تحقیق و ترکیب: الحوار۔ بظاہر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہاں موصوف محذوف ہوگا۔ حالانکہ جزی ان صفات میں سے نہیں ہے جو موصوف کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ اس لئے حذف محذوف جائز نہیں ہوگا۔ مفسر علامؒ نے اسی شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صفت پر اسمیت غالب آ جانے کی وجہ سے صفت قائم مقام موصوف کے نہیں ہوا کرتی۔ جیسے: ابرق، اطح، انجرع میں ہے ورنہ موصوف کا حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس لئے حوار کی تفسیر سفن کے ساتھ ہے اور السفن البحار یہ نہیں کہا۔

فیظللن۔ اصل معنی تو بمضین النهار ہیں۔ لیکن بصرون کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا دن رات میں کسی چیز کا ہونا مراد ہے۔

صبار شکور۔ ایمان کا نصف حصہ صبر ہے اور نصف شکر۔ دونوں مل کر ایمان کامل ہوتا ہے۔

یو یقفن۔ سکون رتج کی قید احترازی نہیں ہے اتفاقاً ہے کیونکہ کشتی اور اسباب سے بھی غرق ہو سکتی ہے جیسے ٹوٹ جانے یا

پانی بھر جائے۔

مالہم من محیص۔ مالہم خبر مقدم اور من محیص مبتداء مؤخر ہے من زائد ہے دوسری صورت یہ ہے کہ افعال قلوب کی خاصیت کے اعتبار سے کہا جائے کہ مانافہ میں تعلیق ہے یعنی لفظاً عمل معطل ہو گیا ہے۔ جس کے لئے شرط یہ ہے کہ استفہام اور نفی اور لام ابتداء سے پہلے ما ہو اور یعلم میں یہ شرط پائی جا رہی ہے۔

فما اوتیتہم۔ اس میں ما شرطیہ محل نصب میں ہے اوتیتہم کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے اور مفعول اول ضمیر ہے جو قائم مقام فاعل کے ہے اور مفعول ثانی صدارت کا کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور من شئی بیان ہے ماء کا۔

فمتاع۔ جواب شرط ہے ای ہو متاع اور ما عند اللہ مبتداء ہے اور حیو خبر ہے اور للذین متعلق ہے ابقی کے۔ یتوکلون۔ توکل کا ایک درجہ تو واجب اور ضروری ہے کہ نفع بخش اور ضرر رساں صرف اللہ کو مانا جائے اور ایک درجہ خصوصیت اور کمال ایمان کا ہے کہ تمام امور اللہ کے حوالہ کر دیئے جائیں۔

والذین یجتنبون۔ اس کا عطف اگر للذین آئنا پر ہے تب تو محل جر میں ہے ورنہ مدح کے اعتبار سے منصوب یا مفعول بھی ہو سکتا ہے۔

کبائر الاثم والفواحش۔ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شرعی وعید آئی ہو۔ اور فواحش جن پر حد شرعی قائم کی جائے یہ عطف خاص علی العام ہے۔

اذا ما غضبوا۔ یہ مبتداء خبر سے مل کر جزائے شرط ہے۔ ای ہم الاحقاء بالغفران عند الغضب۔

استجابوا۔ اس میں سین، تازائد ہیں۔

وامرہم شوری۔ شوری مصدر ہے جیسے بشری شرکت فی الرای کو کہتے ہیں۔ اصل میں شہد کی مکھیوں کا شہد نکالنا اور شہد جمع کرنا شوری کے معنی میں ہے۔

جزاء سیئۃ سیئۃ۔ برائی کا بدلہ اگرچہ فی الواقع برائی نہیں ہے مگر مشاکلت و مشابہت کی وجہ سے اس کو بطور استعارہ سیئۃ کہہ دیا گیا۔ تمام وہ جنایات جن میں قصاص آتا ہے ان میں یہ آیت ظاہر ہے۔ البتہ مجاہد اور سدی برے بھلے الفاظ کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں۔

فمن عفی۔ یعنی چونکہ بدلہ میں پوری یکسانیت اور برابری ضروری ہے اور وہ نہایت مشکل ہے اس لئے عفو در گزر رہی بہتر ہے۔ چنانچہ فالانے میں یہی نکتہ ہے اور اصلاح بھی چونکہ تمہ عفو ہے اس لئے اس میں بھی ترغیب کا پہلو ہے۔

اجره علی اللہ۔ اس کو مبہم لانے میں مبالغہ ہے۔

الظالمین۔ حدیث میں ہے البادی اظلم چنانچہ بطور شرعی بدلہ کے ظلم نہیں ہوگا۔

لمن انتصر۔ لام ابتداء یہ اور من شرطیہ ہے اور اولنک جواب شرط ہے یا من مبتداء ہے اور اولنک خبر ہے۔ بغیر الحق۔ لیکن اگر شرعی اجازت سے ہو تو پھر ناحق نہیں ہوگا۔

یغفون۔ یعنی کہ اگر اپنے معنی پر رکھا جائے تب تو بغیر الحق قید احترازی نہیں ہے اور یغفون کی اگر یعلمون کے معنی میں تجرید کر لی جائے تو پھر بغیر الحق تاکید ہوگا۔ ابو سعید قرشی کہتے ہیں کہ ناگواریوں کو برداشت کرنا علامات انتہاء میں سے ہے۔ جو شخص کسی حادثہ پر صبر کرے اور جزع نہ کرے اللہ اس سے راضی ہوگا۔ یہ بڑا عالی مقام ہے لیکن جو مصیبت پر شکوہ اور تنگی ظاہر کرے اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیتا ہے اور وہ ہمیشہ شکایت میں مبتلا رہتا ہے۔

رابط آیات: آیت وما اصابکم الخ کا وہی ربط ہے جو آیات ولو بسط الله الخ میں گزر چکا ہے۔ ان آیات میں نعمت و مصیبت کی حکمت ارشاد فرمائی جا رہی ہے۔

آیت من كان يريد. میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے کی برائی اور طلب آخرت کی ترغیب کا بیان تھا۔ آیات فما اوتيتم الخ میں اسی کی تائید کے لئے دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ذکر ہے اور عمدہ اعمال ذکر کر کے اس کی طلب کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور آیت ”وبسط“ میں کمی رزق کی حکمت اور ما اصابکم اور يعلم الذین میں گناہوں کی شامت اور نقصان کا بیان تھا۔ آگے یہی دنیا کا فانی ہونا اور اعمال و طاعت کی فضیلت و برکت ارشاد فرمائی جا رہی ہے اور ان میں باہمی مناسبت ظاہر ہے۔

شان نزول و روایات: آیت والذین استجابوا. انصار کے بارہ میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جب دعوت دی تو انہوں نے اس کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے بارہ نقیب مقرر فرمادیئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے ہوا۔ وامرهم شوری. آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار مدینہ دینی کام باہمی مشوروں سے کیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ اسی کی توصیف فرما رہے ہیں۔ آپ اگرچہ مشورہ کے محتاج نہیں تھے۔ لیکن صحابہؓ کی تالیف قلب کے لئے آپ کو حکم دیا گیا۔ بعض کے نزدیک آپ کے لئے یہ حکم وجوب تھا اور بعض کے نزدیک استحبابی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ برابر اجتہادی امور میں مشورہ پر کاربند رہے۔

فمن عفا. حدیث میں ارشاد ہے قیامت میں منادی ہوگی۔ من کلن له اجر علی الله فلیقم فلا یقوم الا من عفا. لمن عزم الامور. ابو سعید قرنیؓ فرماتے ہیں۔ الصبر علی المکارہ من علامات الانتباه فمن صبر علی مکروہ یصیبه ولم یجزع اورثه الله حال الرضا وهو اجل الاحوال ومن جزع من المصیبات وشکی وکله الله تعالیٰ لرمی نفسه ثم لم تنفاه شکواہ.

﴿تشریح﴾: نعمت و مصیبت دونوں حکمت الہی کے تحت ہیں: وما اصابکم الخ اسی طرح آیت ظہر الفساد فی البر الخ میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح نعمتیں ہماری خاص حکمت کی رون سے تقسیم ہوتی ہیں۔ اسی طرح مصائب بھی خاص اسباب اور ضوابط دونوں کے تحت آتی ہیں۔ کیف ما اتفق نہیں جیسے عام طور سے بیماریوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں کھون لگائی جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر آفت کے پیچھے انسان کا اپنا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر مصیبت کے نیچے سے خود اس کا اپنا کوئی نہ کوئی عمل ابھرتا ہے۔ گویا بادی النظر میں سرسری طور پر دکھائی نہ دے۔ بعض اوقات ماں کی بد پرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے۔ کبھی ایک شخص کی حماقت اور بے تدبیری سے پورے محلہ بلکہ سارے شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک شخص کا قول و عمل بسا اوقات پورے ملک بلکہ پوری دنیا کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیتا ہے۔

اور جس طرح مادی طور پر سبب قریب خود آدمی کی اپنی حرکت ہوتی ہے۔ اسی طرح روحانی اور باطنی آفات کا حال بھی سمجھنا چاہئے۔ انسان کے لئے ماضی کی غلطیاں مستقبل کے لئے سامان عبرت ہیں اور گرفت و مصیبت کا سلسلہ بھی بعض کوتاہیوں پر ہوتا ہے۔ اکثر غلطیاں تو نظر انداز کر دی جاتی ہیں ورنہ تو ہر غلطی پر اگر پکڑ ہونے لگے تو کوئی تنفس باقی نہیں رہ سکتا۔

انبیاء اور معصوم بچے اس میں داخل نہیں۔ یہ خطاب بالغ گنہگاروں کو ہے اور مصیبت سے مراد بھی حقیقہ مصیبت ہے اور ان قیود کا مقصد ایک سوال کے دو جواب ہیں۔

ایک اور شبہ اور اس کے دو جواب:..... سوال یہ ہے کہ لفظ صا کے عموم سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت گناہوں کی وجہ سے آتی ہے عام نہیں بلکہ صرف گنہگاروں کو خطاب ہے۔ اس لئے انبیاء و صلحاء کے متعلق شبہ نہیں رہا۔ دوسرا جواب یہ نکل آیا۔ کہ انبیاء و اولیاء پر جو بلائیں آتی ہیں وہ صورتہ مصیبت ہوتی ہیں۔ مگر حقیقہ مصیبت نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ ان کے حق میں نعمت ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان سے ان کے علوم و مدارج اور مراتب میں ترقی ہوتی ہے اور ان پر اسرار و حکم منکشف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ان میں سرور رہتے ہیں۔ ان کی دلجمعی میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔ اور وہ معصوم بچوں کی تکالیف یا تو اسباب نگوینی کے تحت ہوتی ہیں۔ جیسے: جانوروں وغیرہ میں اور یا ان کا سبب ان کے بڑے ہوتے ہیں اور وہی بالواسطہ بتلائے مصیبت ہوتے ہیں۔

تمام ایجادات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے:..... ومن ایاتہ الجوار۔ نزول قرآن کے وقت بادبانی جہاز اور کشتیوں کا رواج تھا۔ جن کا سارا مدار ہواؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ کہ ہوا کا رخ صحیح رہا تو منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ورنہ سارا سفر کا عدم ہو جاتا تھا۔ اس لئے آیت میں ہواؤں کو قدرت الہی کے تابع بتلایا گیا۔ لیکن اس سے موجودہ دور کے دخانی اسٹیم اور جہاز، اسی طرح فضائی پرواز کے سلسلہ میں جہاز، راکٹ، میزائل پرشبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو ہوا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لہذا وہ اللہ کے محتاج نہیں ہیں۔ کیونکہ جواب میں کہا جائے گا کہ گودہ ہوا کے تابع نہیں مگر اسٹیم اور بھاپ کے تابع اور کل پرزوں کے تابع تو ہیں اور وہ پھر محتاج قدرت ہیں اس لئے نتیجہ وہی رہا۔

رہا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ تو مشینوں کے بل بوتہ پر ہوتا ہے اور وہ انسان کی فٹ کی ہوئی ہے۔ اس میں قدرت کو کیا دخل؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خود انسان، اس کا دل و دماغ، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے بنائے ہوئے اور اس کے تابع ہیں۔ غرض کہ حاصل وہی رہا کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ سب مشینریاں اور کارخانے اللہ کے تابع ہیں۔ اور اگر ہوا کا مفہوم عام کر لیا جائے اسی طرح ہوا کے ٹھہرانے کے مفہوم کو بھی عام کر لیا جائے یعنی بخارات کا نہ چڑھنا تب بھی مشینری سے چلنے والی سب چیزیں بادبانی جہازوں کے حکم میں شامل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اسٹیم بننے میں جہاں پانی کو دخل ہے وہیں ہوا اور بھاپ کا بھی دخل ہے۔ غرض کہ پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔ دریائی اور فضائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا رہے وہ چاہے تو انسانی اعمال کی پاداش میں جہاز بھی تباہ کر سکتا ہے اور چاہے تو اسی تباہی کے وقت معاف بھی کر سکتا ہے۔ تاکہ بڑے بڑے جھگڑا بھی دیکھ لیں کہ خدا کی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اخلاق فاضلہ:..... فما اوتینم۔ میں اس فانی چند روزہ عیش پر انسان مغرور نہ ہو بلکہ یقین رکھے کہ ایمانداروں کو جو آخرت کا عیش ملے گا وہ دنیا کی چمک دمک سے بہتر بھی ہے اور پاکدار بھی۔ نہ اس میں کدورت ہوگی اور نہ زوال کا کھٹکا۔
والذین یجتنون۔ ان آیات میں مختلف اعمال کا ذکر ہے عقائد، فرائض، غیر فرائض اور سب پر باختلاف درجات اجر و ثواب مرتب ہے۔

کبائر الانثم۔ بڑے گناہ مراد ہیں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے عقائد بدعیہ۔ اور فواحش سے وہ گناہ

مراد ہیں جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالیوں کو دخل ہو اور قوت غصبیہ کی روک تھام ”واذا ما غضبوا“ میں کی گئی ہے۔

مشورہ کے حدود:..... و امر ہم شوری۔ میں مہمات امور مراد ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا معمول رہا۔ کہ دین کا کام ہوتا یا دنیا کا، باہمی مشورے سے انجام دیتے تھے۔ جنگی حالات اور مسائل و احکام میں بھی مشورے ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ خلافت راشدہ کی تو بنیاد ہی مشورے پر تھی۔ البتہ روزمرہ کے معمولی کاموں میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ اسی طرح منصوص احکام میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ امور خیر خواہہ و فرائض ہوں یا واجبات وغیرہ ان میں مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ”درکار خیر حاجت استخارہ نیست“ یا امور شرعیہ جن کی صراحتہ ممانعت ہے ان میں بھی مشورہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

نیز احادیث میں آتا ہے کہ زیرک اور دانش مند صالح سے مشورہ لینا چاہئے ورنہ بیوقوف اور بدنیت و بدطینت اور بددیانت کا مشورہ بربادی کا موجب ہوگا۔ غرض کہ مشورہ کی بڑی قیمت اور اہمیت ہے۔ مشورہ ہے کہ کوئی نہ ہو تو اپنے گھٹنے سے مشورہ لینا چاہئے۔ بدلہ کی حدود:..... ہم ینتصرون۔ انتقام کی اجازت ہے۔ لیکن انتقام میں صورتہ مشکاکہ اس وقت جائز ہوگی جب کہ مصیبت نہ ہو ورنہ جائز نہیں جیسے حرام کاری کے بدلہ میں حرام کاری کرنا، چوری کے بدلہ میں چوری کرنا اور الفاظ ینتصرون۔ جزاء سینۃ سینۃ۔ لمن انتصر میں بظاہر تکرار مضمون معلوم ہوتا ہے۔ لیکن متتصرین میں الفاظ کی حیثیت سے تعریف ہے اور جزاء سینۃ میں انتقام کا جائز ہونا پیش نظر ہے اور لمن انتصر میں انتقام کے حرام ہونے کی نفی کی جارہی ہے ان تینوں میں اگرچہ باہمی یہ ربط ہے کہ ہر پہلی بات سے پچھلی بات لازم آرہی ہے۔ مگر مستقل طور پر تصریح کرنے سے بلاغت بھی آگئی اور تکرار بھی نہ رہا۔

معافی کے حدود:..... اسی طرح ”ہم یغفرون“ میں ایسے لوگوں کی تعریف ہے اور ”من عفا“ میں اس کا ثواب پیش نظر ہے اور من صبر سے اس عمل کی تعریف کرنا ہے۔ اس لئے یہاں بھی تکرار نہیں ہے۔ معاف کرنے کے بھی کچھ اصول ہیں۔ مثلاً: جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے۔ یہ معاف کرنا محمود ہے۔ ایک شخص کی غلطی پر غصہ آیا اس نے نہایت ندامت سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ معاف کیا جاسکتا ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو وہاں بدلہ لے سکتے ہیں۔ ایک شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا جائے اور ظلم و جبر سے دبانے کی کوشش کرے یا اس کو جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا اس کو ڈھیل دینے میں دین کی اہانت اور دینداروں کی تذلیل ہوتی ہے تو بدلہ لینا مناسب ہے۔ مگر بقدر جرم و قصور اس سے زائد تعدی ہو جائے گی اور زیادتی اللہ کے یہاں کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

بہترین خصلت یہ ہے کہ حتیٰ الامکان درگزر کرے۔ بشرطیکہ درگزر کرنے سے بات سنوتی ہے۔ مظلوم ظالم سے بدلہ لے سکتا ہے مگر معاف کرنا افضل ہے۔ البتہ ابتداء زیادتی کرنا یا انتقام لینے میں حد سے بڑھنا یقیناً برا ہے۔ برائی کا بدلہ حقیقۃً تو برا نہیں اچھا ہے۔ مگر صورتہ برائی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے سیدہ کہہ دیا۔ البتہ غصہ کو پی جانا اور تکلیفیں برداشت کر کے غفودرگزر کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عدل و انصاف صبر و عفو کی اعلیٰ خوبیاں صرف اللہ کی توفیق سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس کی دشگیری کے بغیر کون انسان اخلاقی پستی سے نکل سکتا ہے۔

لطا ئف سلوک:..... آیت اذا ما غضبوا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے وقت معاف کر دینا قابل تعریف ہے اور والذین اذا اصابهم البغی الخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ظلم کا برابر بدلہ لے سکتے ہیں۔ گویا یہ دونوں حالتیں اپنے اپنے موقعہ اور محل کے لحاظ سے محمود و مستحسن ہیں اور اہل اللہ کی نظر اپنی مصلحت کی بجائے دونوں موقعوں پر صاحب جنایت کی مصلحت پر ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مَنْ بَعْدَهُ أَوْ أَحَدٌ يَلِي هِدَايَتَهُ بَعْدَ اضْطِلَالِ اللَّهِ إِيَّاهُ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَى مَرَدٍّ إِلَى الدُّنْيَا مِنْ سَبِيلٍ ﴿۳۳﴾ طَرِيقٍ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا آيَ النَّارِ خَشَعَيْنَ خَائِفِينَ مُتَوَاضِعِينَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ إِلَيْهَا مِنْ طَرَفٍ خَفِيَ ضَعِيفُ النَّظَرِ مُسَارِقَةً وَمِنْ ابْتِدَائِيَّةٍ أَوْ بِمَعْنَى الْبَاءِ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَتَخَلَّفُهُمْ فِي النَّارِ وَعَدِمَ وَصُولُهُمْ إِلَى الْحُورِ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ آمَنُوا وَالْمَوْصُولُ خَيْرٌ أَلَّا إِنَّ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ فِي عَذَابٍ مُقِيمٍ ﴿۳۴﴾ دَائِمٍ هُوَ مِنْ مَقُولِ اللَّهِ تَعَالَى وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْ غَيْرِهِ يَدْفَعُ عَذَابَهُ عَنْهُمْ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۳۵﴾ طَرِيقٍ إِلَى الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا وَإِلَى الْجَنَّةِ فِي الْآخِرَةِ اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ أَجِيبُوهُ بِالتَّوْحِيدِ وَالْعِبَادَةِ مَنْ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ لَأَمْرَدَلَهُ مِنَ اللَّهِ أَوْ أَنَّهُ إِذَا أَتَى بِهِ لَا يَرُدُّهُ مَا لَكُمْ مِنْ مَلَجٍ تَلَجُّونَ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ ﴿۳۶﴾ انْكَارٍ لِدُنُوبِكُمْ فَإِنْ أَعْرَضُوا عَنِ الْإِجَابَةِ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا تُحَفِّظُ أَعْمَالَهُمْ بِأَنْ تُوَافِقَ الْمَطْلُوبَ مِنْهُمْ إِنْ مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلْغُ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً نِعْمَةً كَالْغِنَى وَالصِّحَّةِ فَرِحَ بِهَا وَإِنْ تُصِيبَهُمُ الضَّمِيرُ لِلْإِنْسَانِ بِاعْتِبَارِ الْجَنَسِ سَيِّئَةً بَلَاءٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ أَوْ قَدَّمُوهُ وَعَبَّرَ بِالْأَيْدِي لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُرَاوِلُ بِهَا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ﴿۳۷﴾ لِلنِّعْمَةِ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنَ الْأَوْلَادِ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكَوْرَ ﴿۳۸﴾ أَوْ يَزْوِجَهُمْ أَوْ يَجْعَلُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا فَلَا يَلِدُ وَلَا يُولَدُ لَهُ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَخْلُقُ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ عَلَى مَا يَشَاءُ وَمَا كَانَ لِمَنْ لَبِشَ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُوحِيَ إِلَيْهِ وَحْيًا فِي الْمَنَامِ أَوْ بِالْإِلْهَامِ أَوْ الْإِسْمِ وَرَأَى حِجَابٍ بِأَنْ يُسْمَعَ كَلَامُهُ وَلَا يَرَاهُ كَمَا وَقَعَ لِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ إِلَّا أَنْ يُرْسِلَ رَسُولًا مَلَكًا كَجِبْرِيلَ فَيُوحِيَ الرَّسُولَ إِلَى الْمُرْسَلِ إِلَيْهِ أَوْ يُكَلِّمُهُ بِأَذْنِهِ أَيْ اللَّهُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ إِنَّهُ عَلِيُّ عَنْ صِفَاتِ الْمُحَدِّثِينَ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾ فِي صُنْعِهِ وَكَذَلِكَ أَوْ مِثْلَ إِسْحَاتِنَا إِلَى غَيْرِكَ مِنَ الرُّسُلِ أَوْ حِينًا إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ رُوحًا هُوَ الْقُرْآنُ بِهِ تُحْيِي الْقُلُوبَ مِنْ أَمْرِنَا الَّذِي نُوحِيهِ إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَدْرِي تَعْرِفُ قَبْلَ الْوَحْيِ إِلَيْكَ مَا الْكِتَابُ الْقُرْآنُ وَلَا الْإِيمَانُ أَوْ شَرَائِعُهُ وَمَعَالِمُهُ وَالنَّفْيُ مُعْلَقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ مَا بَعْدَهُ سُدَّ مَسَدَ الْمَفْعُولَيْنِ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ أَيْ الرُّوحَ أَوْ الْكِتَابَ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ

مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي تَدْعُو بِالْمُؤْخَى إِلَيْكَ إِلَى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾ دِينَ الْإِسْلَامِ
صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَلَكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا إِلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ
الْأُمُورُ ﴿۵۳﴾ تَرْجَعُ

۵۴

ترجمہ: اور اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں ہے (یعنی اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کوئی ایسا نہیں جس کی ہدایت اسے نصیب ہو سکے) اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہوگا۔ بول نہیں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی صورت ہے (دنیا میں) اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے وہ دوزخ (کی آگ) کے سامنے لائے جائیں گے جھکے ہوئے ہوں گے (خوفزدہ عاجزانہ) مارے ذلت کے دیکھتے ہوں گے (دوزخ کو) چپکے چپکے (چوری چھپے، اور من ابتدائیہ ہے۔ یا بمعنی یا ہے) اور اہل ایمان کہیں گے کہ پورے گھائے میں وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے (ہمیشہ جہنم میں رہنے اور جنت کی موعودہ جو رہے محرومی کی وجہ سے ایمان نہ لانے کی صورت میں اللہ میں خسروا خبر ہے ان کی) یاد رکھو کہ ظالم لوگ (کافر) دائمی عذاب میں رہیں گے (یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے) اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ان کی مدد کریں (یعنی اللہ کے سوا کوئی ان کا عذاب رفع کر سکے) اور جس کو اللہ گمراہ کر ڈالے اس کے لئے کوئی رستہ ہی نہیں (دنیا میں تو حق لی راہ اور آخرت میں جنت کی راہ) تم اپنے پروردگار کا حکم مان لو (توحید و عبادت کو اختیار کر کے) اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ٹپے گا نہیں (آنے کے بعد لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی) نہ تم کو کوئی پناہ ملے گی (جس کی پناہ میں تم جاسکو) اس روز اور نہ تمہاری نسبت کوئی انکار کرنے والا ہوگا (یعنی تمہارے گناہوں کا انکار کرنے والا) پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ (ماننے سے) تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا (کہ آپ ان کے اعمال کے اس طرح ذمہ دار ہوں کہ وہ حکم کے مطابق ہوں) آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور ہم جب آدمی کو کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں (جیسے خوشحالی اور تندرستی) تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے (ضمیر انسان کی طرف بلحاظ جس کے راجع ہے) ان کے اعمال کے بدلہ میں جو اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں (پہلے) اور ہاتھوں سے تعمیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر کام انہی سے ہوتے ہیں) تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے (خدا کی نعمت کی) اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (اولاد میں) بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے (یعنی ان کو پیدا کر دیتا ہے) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے (یعنی نہ عورت جن سکتی ہے اور نہ مرد جنوا سکتا ہے) وہ بڑا جاننے والا (کہ کیا پیدا کرنا ہے) بڑی قدرت والا ہے (اپنے چاہنے پر) اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو مگر یا تو (اس پر وحی اتارے) بطور وحی کے (خواب میں ہو یا بذریعہ الہام کے) کیا پس پردہ (اس طرح کہ اس کا کلام سنے مگر اس کو دیکھ نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا) کیا کسی فرشتہ کو بھیج دے (جیسے جبرائیل) کہ وہ پیغام پہنچا دے خدا کے حکم سے (فرشتہ پیغمبر کو پیغام پہنچا دے یعنی فرشتہ پیغمبر سے ہم کلام ہو) جو اللہ کو منظور ہو۔ بلاشبہ وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے) بڑی حکمت والا ہے (اپنی کارگیری میں) اور اسی طرح (جیسے کہ ہم نے آپ کے علاوہ اور پیغمبروں کو وحی کی ہے) ہم نے آپ کے پاس (اے محمد!) زندگی بھیجی ہے (قرآن جس سے دل زندہ ہوتے ہیں) یعنی اپنا حکم (جو آپ پر ہم نے وحی کیا ہے) آپ کو تو یہ خبر نہیں تھی (وحی آنے سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے) کہ کتاب (قرآن) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے (یعنی اس کے احکام اور علامات۔ اور نبی نے فعل کو لفظاً عمل سے روک دیا ہے اور یا کہا جائے کہ فعل کے بعد کا جملہ دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) اور لیکن ہم نے اس کو بنایا ہے (یعنی روح یا قرآن کو) نور جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ (دین

اسلام) کی ہدایت کر رہے ہیں (اپنی وحی کے مطابق دعوت دے رہے ہیں) یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے (اسی کے مملوک مخلوق بندے ہیں) یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب: تو اہم۔ رویت بصریہ ہے اس لئے حال ہے اور خاشعین بھی حال ہے علیہا کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے جو عذاب سے مفہوم ہو رہا ہے۔

من ظرف۔ گوشہ چشم اور بعض نے طرف کے معنی آنکھ لئے ہیں اور بعض اسی سے مصدر مراد لیتے ہیں کہا جاتا ہے۔ طرفت عینہ تظرف غرض کہ خائفانہ دیکھنا مراد ہے۔

یوم القیۃ۔ اگر یہ محسوس و کا ظرف ہے تب تو یہ قول دنیا میں واقع ہے اور اگر یقال کا ظرف ہے۔ تو اس کا وقوع آخرت میں ہوگا اور اہل سے مراد حوریں ہیں یا دنیاوی بیویاں۔

الا ان الظالمین۔ بعض کے نزدیک یہ جملہ بھی انہی کے کلام کا تتمہ ہے۔

استجیبوا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین طلب کا نہیں ہے۔

لا مرد۔ یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے۔

مالکم من نکیر۔ یا تو بقول مفسر گناہوں کے انکار کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں خود گواہی دیں گے۔ اور یا اہل جنت کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہونا مراد ہے کہ انہیں کامل آزادی ہوگی۔ نکیر بمعنی منکر ہے جیسے الیم بمعنی مولم۔

فما ارسلناک۔ یہ جملہ تعلیل ہے جواب محذوف کی ای فلا تحزن اولاً عتاب لک اولاً تکلف بشتی لا ننا ما ارسلناک الخ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ ان کو شریعت کے مطابق چلنے پر مجبور کریں۔

ان علیک۔ مفسر کا اس حکم کو منسوخ کہنا بلحاظ حصر ہے۔ ورنہ جہاد کی مشروعیت کے بعد بھی تبلیغ مامور بہ ہے۔

اذا اذقنا۔ نعمت کا آنا چونکہ یقینی ہے اور مصیبت آنا محض محتمل ہے۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اول اذا پھر ان لایا گیا اور چونکہ تمام تردیدناوی نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی مثل ہیں۔ اس لئے لفظ اذا استعمال فرمایا گیا۔

وان تصبہم۔ ضمیر جمع انسان کی طرف بلحاظ معنی ہے۔

بما قدمت۔ یعنی مصیبت کا سبب معصیت ہوتی ہے اور نعمت کا سبب محض فضل الہی ہے۔

فان الانسان۔ اسم ظاہر بجائے ضمیر لایا گیا۔ دراصل ”فانہ کفور“ ہونا چاہئے تھا اور ابوالبقاء ضمیر مقدر مانتے ہیں۔ ای

فان الانسان منهم۔ اور بقول کرئی بظاہر یہ جملہ جواب شرط ہے۔ مگر حقیقت جواب مقدر کی علت ہے۔ ای ان تصبہم سینۃ نسی نعمۃ راساً و ذکر البلیۃ یہ مخصوص حالت اگرچہ صرف مجرمین کی ہوتی ہے لیکن جنس کی طرف اسناد غلبہ کی وجہ سے بطور مجاز عقلی کے ہے

الانسان میں الف لام جنس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں ہے۔

لمن یشاء اناثا۔ ان چاروں احتمالات میں اناث کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ صرف اللہ کی مشیت چلتی ہے بندوں کی مشیت

اگر چلتی تو سب کی خواہش زینہ اولاد کی ہوتی ہے اور اناثا کو نکرہ اور الذکور کو معرف لانے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

او یزوجهم۔ یہاں واؤ کی بجائے او کے ذریعہ عطف لانے میں یہ نکتہ ہے کہ تقسیم اول کی دو قسموں کے بعد تقسیم ثانی کی یہ

قسمیں ہیں۔ ای یہب الاناث منفردات و ذکوراً منفردات لمن یشاء اور مع جمعین ای حال کو نہم ذکر او اناثا۔

من یشاء عقیما۔ مرد و عورت دونوں میں یہ نقصان ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فلائند عورت کے بانجھ ہونے کی طرف اشارہ ہے

اور تذکیر لفظ من کے اعتبار سے ہے۔ اگرچہ ایک نسخہ میں لا تلد بھی ہے اور لا یولد لہ، مرد کے ناکارہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ مصباح میں ہے کہ عقیقہ کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے جدید سائنسی نظریہ یہ ہے کہ مادہ منویہ میں نرمادہ دونوں قسم کے جراثیم

ہوتے ہیں۔ اختلاط نقطہ کے وقت ان زو مادہ جرثوموں کا اگر اختلاط ہو جاتا ہے تو تولید کی صورت ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ اور زو مادہ نیز ایک یا زائد بچوں کی تولید کا تعلق بھی انہی جرثوموں کے اختلاط سے وابستہ ہے۔ چنانچہ مشینوں میں رکھ کر تولیدی تجربات اس کے شاہد ہیں۔ تاہم قرآن وحدیث کی نصوص ان نظریات کی نمدی ہیں اور مخالف، آیات کی تفسیر ندان پر موقوف ہے اور نہ ان کی معارض۔ وحیا کے معنی الہام ہیں۔ بقول بیضاوی "کلام خفی بحدیثک بسرعة وحی کہلاتا ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کلمہ الہیہ جو انبیاء و اولیاء کی طرف القاء کیا جائے۔ جیسے حدیث میں ہے نفث فی روحی۔ یا خواب مراد ہیں۔ جیسے حدیث میں رؤیا الانبیاء وحی ہے۔ من وراء حجاب۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الہی سنا اور یہ حجاب حسی نہیں ہے جو اجسام کے لئے ہوتا ہے۔ بلکہ عدم رویت مراد ہے جو بندہ کا وصف ہے اللہ کا وصف نہیں ہے۔ گویا ناظر کے لئے حجاب مراد ہے جو سامع کو ہوتا ہے مگر رانی نہیں ہوتا۔ اویوسل۔ میں وحی بواسطہ فرشتہ مراد ہے۔

روحاً۔ جس طرح جسمانی روح، اجسام کے لئے منبع حیات ہوتی ہے۔ اسی طرح وحی و قرآن حیات روحانی ہیں اور بعض نے اس کے معنی جبرائیل لئے ہیں۔

ما الکتاب۔ بتقدیر المضاف ای جواب مال الکتاب ای جواب هذا الاستفهام۔ ولا الایمان۔ ایمان تفصیلی مراد ہے۔ کیونکہ اجمالی ایمان تو آپ کو نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔ نوراً۔ تشبیہاً فرمایا ہے۔ لفظ جعلناہ سے بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن مجہول ہے اور مجہول مخلوق ہوتا ہے حالانکہ حدیث میں ہے۔ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ جواب یہ ہے کہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ بمعنی صیور ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو کسی حالت پر کر دینا۔ چنانچہ یہاں قرآن کو نور کر دینا اور ہدایت بنا دینا یا اگلی آیت میں عربی زبان میں کر دینا مراد ہے کہ بجائے محجی زبان کے عربی زبان میں قرآن اتارا ہے اس لئے قرآن کو حادث کہنے والوں کا استدلال غلط ہو گیا۔ امام ہارثی نے اسی شبہ کا دوسرا جواب دیا ہے کہ اس سے کلام لفظی کا حادث ہونا معلوم ہوا۔ اس کو اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ کلام اللہ کلام نفسی کے مرتبہ میں قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی آیات میں طلب گاران آخرت کی خوش انجامی بیان ہوئی تھی۔ آیت ومن یضلل اللہ سے دنیا کے طلب گاروں کی بد انجامی بیان کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد ایمان نہ لانے پر عذاب قیامت کی وعید سن کر آیت استجیبوا سے وعید آنے سے پہلے ہی ایمان کی تیاری کا حکم دیا جا رہا ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے۔ آگے شرک کی تردید اور توحید کی تاکید کی جا رہی ہے۔ آیت للہ ملکت السموات سے اللہ کا اختیار کلی ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔ اس سلسلہ میں کفار یہ شبہ کرتے تھے کہ اللہ یا فرشتے ہم سے بالمشافہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ محمد ﷺ ہمارے پیغمبر ہیں۔

اس کے جواب میں وما کان لبشر آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾:..... وتروی الظالمین۔ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کفار وہی پرانی رٹ دہرائیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو اس دفعہ کچے نیک بن کر آئیں گے اور ایک سیہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف و دہشت کے مارے گردن نیچی ہوگی اور شرمساری اور ندامت کی وجہ سے آنکھ نہیں اٹھے گی۔ اس منظر کو دیکھ کر بے ساختہ اہل ایمان کی زبان پر ہوگا کہ وہ صاحب واہم تو ڈوبے ہی مگر اپنے ساتھ اور متعلقین کو بھی لے ڈوبے۔ فرماتے ہیں وہاں کا عذاب دنیا کی طرح نہیں کہل جائے۔ وہ آکر رہے گا، اللہ جس کی

راہ مار دے اسے سنبھالنے والا نہ دنیا میں کوئی ہے اور نہ عقیقی میں اس کی نجات ہے۔

وما لکم من نکیہ۔ یعنی اللہ کے آگے مکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہاں اوپر کے اور اجنبی سمجھ کر کوئی چھوڑ دے ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر موقع پر پہچان لئے جاؤ گے۔

پیغمبر کا کام سمجھانا ہے، منوادینا نہیں ہے:..... فان اعرضوا۔ اتنے سمجھانے پر بھی اگر یہ راہ راست پر نہیں آتے۔ تو آپ پر ذمہ داری نہیں کہ ضرور ہی ان کو منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا کام سمجھانا ہے وہ ہو رہا ہے اب نہ مانیں تو جائیں جہنم میں۔ آپ ان کی وجہ سے ممکن نہ ہوں۔ ان کی دو حالتیں ایسی ہیں جن سے خواہشات نفسانی کے ساتھ ان کا تعلق اور اللہ سے بے تعلقی کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا انعام ہونے کی صورت میں تو یہ اکڑنے اور اترانے لگتے ہیں۔ لیکن اپنے کروت سے کوئی آفت آتی ہے تو یک لخت ساری نعمتیں بھول کر ناشکر بن جاتے ہیں۔ گویا کبھی ان پر اچھا وقت آیا ہی نہیں تھا۔ خلاصہ یہ کہ اچھی بری حالت میں اپنی حد پر نہیں رہتے۔ اس لئے نہ آپ اپنے ذمہ داری میں کوتاہی کا اندیشہ کیجئے اور نہ ان کی حالت سے توقع رکھئے۔ مسلمانوں کی حالت ان کے برعکس ہے کہ وہ نعمت پر شکر گزار اور مصیبت میں صبر دار رہتے ہیں۔ کسی حال میں اللہ سے بے تعلق نہیں ہوتے۔

اولاد کی تقسیم:..... للہ ملک السموات۔ سارے عالم میں اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ جس کو جو چاہے دے جو چاہے نہ دے۔ کوئی سرے سے اولاد ہی سے محروم، کسی کو بیٹیاں ہی بیٹیاں، کسی کو بیٹے ہی بیٹے، کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ۔ غرض سب طرح اپنی کمال قدرت و عطا ظاہر کرتا ہے اور حکمت و مصلحت اسی کی چلتی ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے۔ ہر شخص کے مناسب حالات سے واقف اور علم و حکمت کے موافق تدبیر کرنے والا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ اس کے حکمت و ارادہ اور اس کی تقسیم پر حرف گیری کرے۔

حصر عقلی پر اشکال کا جواب:..... یوں تو تصرفات الہی، کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہیں۔ لیکن یہاں نرمادہ کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ وہ ہمہ وقت نظروں کے سامنے ہے اور انسان کی قریبی حالت ہونے کی وجہ سے استدلال میں سہولت ہے۔ آیت میں چاروں قسمیں بطور حصر عقلی ہیں۔ حمل گر جانے کی صورت سے اس پر اشکال نہ کیا جائے۔ کیونکہ بچہ میں جان پڑنے سے پہلے اگر اسقاط ہوا ہے۔ تب تو من یشاء عقیما میں داخل ہے اور جان پڑ جانے کے بعد اگر بچہ گرا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اعضاء بن چکے ہیں یا نہیں۔ اگر بن گئے ہیں تو نرمادہ کا فیصلہ انہی کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ البتہ بعض اعضاء بنے ہیں یا دونوں طرح کے اعضاء بن گئے ہیں۔ تو پھر واقعہ کے لحاظ سے یا تو بچہ ہوگا یا بچی۔ اگرچہ حسی طور پر اس کی تعین نہ کی جاسکے۔

وما کان لبشر میں کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے۔ لو لا انزل علینا الملائکہ او نریٰ ربنا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی ساخت پر راحت اور موجودہ قوی کے لحاظ سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس دنیا میں براہ راست اللہ اس سے بالمشافہ کلام کر لے اور وہ اس کا تحمل بھی کر لے۔

اللہ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں:..... اس لئے اللہ نے کلام کرنے کی تین صورتیں رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ براہ راست دل میں الہام کر دے یا خواب میں کچھ بتلا دے یا دکھلا دے۔ انبیاء کے لئے قطعی صورت میں اور دوسروں کے لئے غیر قطعی صورت میں۔ دوسری صورت میں کلام پس پردہ ہوتا ہے یعنی سامع کلام سے تولذت اندوز ہوتی ہے۔ مگر آنکھیں جمال و مشاہدہ سے سرشار نہیں ہوتیں۔ جیسے: حضرت موسیٰ سے کہ وہ طور پر آیا آنحضرت ﷺ سے شب معراج میں کلام ہوا۔ فہم یختصم الا علی۔

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں وکلم اللہ موسیٰ تکلیما ہے اور حدیث میں ہے۔ قسم اللہ رویتہ وکلامہ بین موسیٰ و محمد علیہما السلام ان دونوں نصوص سے کلام کرنے کی خصوصیت حضرت موسیٰ سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو اس قسم میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟

جواب یہ ہے ان دونوں نصوص میں کلام کی کسی خاص نوع کی تخصیص کی گئی ہے۔ جیسا کہ لفظ تکلیما اس کا قرینہ ہے وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن کلام وراء حجاب میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تقارض نہیں ہے۔

اس حجاب کا مطلب کسی جسم کا حائل ہونا نہیں ہے اور نہ یہ پردہ اللہ کی ذات اور نور کو چھپا سکتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ضعف و ادراک اللہ کی تجلی کے لئے رکاوٹ بنا ہوا ہے ورنہ اللہ کے نور کے کمال ظہور میں تو شمع بھر خفا نہیں ہے۔ سورج کی کمال روشنی کا قتل دیکھنے والے کی آنکھوں کی خیرگی نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی اور سورج نظر نہیں آتا۔ پس یہاں قصور سورج کا نہیں بلکہ دیکھنے والے کا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے لئے بھی یہی حجاب بشریت تھا جو دیدار الہی کا مانع بنا۔ لیکن آخرت میں یہ ضعف قوت سے بدل جائے گا اور مانع دور ہو جائے گا۔ اس لئے دولت دیدار میسر آ سکے گی اور دیدار کا قتل ہو جائے گا۔ فکشفنا عنک غطاء لک فبصر لک الیوم حدید۔ کفار کی نگاہیں جب طاقت ور ہو جائیں گی تو اہل ایمان کا کیا پوچھنا۔

غرض کلام کا یہ سننا بھی عام ہے انبیاء کے لئے قطعی اور اولیاء کے لئے غیر قطعی جیسے: علامہ شعرانی فاروق اعظمؓ کے لئے کہتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کے واسطے سے اللہ کلام فرمائے گو فرشتہ نظر نہ آئے۔ مگر فرشتہ یا اس کی آواز کا ادراک قلب ہی کرے۔ حواس ظاہرہ کا چنداں دخل نہ ہو۔ حدیث عائشہؓ یا تبی فی مثل صلصلة الجرس اور روایت بخاری کے الفاظ و هو اشدہ علی اور آیت نزل به الروح الامین۔ فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ میں اشارہ اسی قسم کی طرف ہے۔ یہ کیفیت چونکہ خود پیغمبر تمام تر گزرتی ہے اور اس کے وجود کے باہر کوئی ہستی علیحدہ نظر نہیں آتی اور نہ یہ کلام اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے: ایک آدمی دوسرے سے کلام کرتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے بھی سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے اس کو وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وحی میں اخفاء اور جلد اشارہ کے معنی ہیں۔

فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق:..... فرشتہ کی معرفت وحی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجسم فرشتہ نبی کے سامنے آ جائے اور رو برو پیغام الہی اس طرح پہنچائے۔ جیسے: کوئی ایک دوسرے سے بات کرتا ہے جیسا کہ جبرائیل امین دو مرتبہ اپنی اصل شکل میں اور اکثر دجیہ کلیٰ کی شکل و صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور کبھی غیر معروف صورت میں بھی حاضر ہوئے اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان آواز سنتے۔ بلکہ بعض اوقات پاس بیٹھنے والے بھی گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے ممکن ہے حدیث عائشہؓ میں جو دو صورتیں بیان ہوئی ہیں یہ ان میں سے دوسری صورت ہو اور اس آیت کے آخری حصہ اویرسل رسولنا الخ میں یہی صورت مراد ہو۔ باقی حجاب والی صورت نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے حدیث عائشہؓ میں ذکر نہیں کی گئی ہوگی۔

اولیاء کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا:..... انبیاء کے علاوہ دوسروں کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا جیسے حضرت مریمؑ کے ساتھ ہوا۔ اور شیخ اکبرؒ کی رائے یہی ہے کہ اس میں قطعی اور ظنی دونوں قسمیں ہوں گی۔ اگرچہ ایہام کی وجہ سے ظنی کو وحی کہنا جائز نہیں ہے۔ اور آیت میں ایک ہی قسم قطعی مراد ہے، دوسری قسم ظنی سے تینوں قسموں کا حصر متاثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقسم میں صرف قطعی مراد لے لی جائے گی اور ظنی قسمیں دوسرے مستقل دلائل سے ثابت ہو جائیں گی۔

حاصل یہ کہ اللہ سے ہم کلام کی صرف یہ تین صورتیں ہیں اور ان تینوں کو کلام کہنا بطور عموم مجاز ہے بالمشافہ اللہ سے کلام یہ انسانی طاقت

سے باہر ہے۔ پھر ان نالائقوں کو اس بے جا فرمائش کا کیسے حوصلہ ہوا۔ حالانکہ ان میں تو کفر کی وجہ سے ظنی طریقہ کلام کی بھی لیاقت نہیں ہے۔ ممکن ہے معترضین یہ کہیں کہ اچھا بالمشافہ نہ سہی۔ انہی مقررہ طریقوں میں کسی ایک طریقہ سے ہم سے بات کر لی جائے۔ اس کا جواب اس آیت میں ارشاد ہے۔ قالوا لن نؤمن حتیٰ نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته۔ اور کلام میں بشری تخصیص تخص اس لئے ہے۔ کہ گفتگو بشری کے بارے میں تھی۔ اور یہ ممکن ہے کہ فرشتوں کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہو کہ ان سے بالمشافہ کلام ہوتا ہوگا۔ اس پر اگرچہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

انہ علی حکیم۔ یہ جملہ پہلے مضمون کی علت ہے۔ علی تو مستثنیٰ منہ کی علت ہے۔ یعنی وہ اس قدر عالی شان ہے کہ بالمشافہ اس سے کلام کی طاقت کسی میں بحالت موجودہ نہیں ہے۔ تاوقتیکہ وہ طاقت نہ دے۔ اور حکیم مستثنیٰ کی علت ہے۔ یعنی اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ کلام کی بعض صورتیں تجویز کر دی جائیں۔ اور بحالت موجودہ کی قید اس لئے لگائی۔ کہ بعض اکابر معراج میں آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ کلام مانتے ہیں۔ اسی طرح حدیث جابرؓ میں فیکلمہ کفاحاً کے الفاظ ہیں۔ یا جنت میں اہل جنت کو شرف ہم کلامی نصیب ہوگا۔ ان صورتوں میں حجاب ضعیف نہیں رہے گا۔

اور حدیث جابرؓ میں جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے کسی اور سے رو برو کلام نہیں فرمایا۔ تو مطلب یہ ہے کہ ایسے درجہ کے کسی اور شخص سے ہم کلامی نہیں ہوئی۔ اس سے ان سے بڑے درجہ کے لوگوں سے نفی نہیں ہوئی۔

وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل: وکذلک اوحینا۔ یعنی ہم اسی قاعدہ کے مطابق آپ کے پاس بھی وحی بھیج رہے ہیں اور اس کے وحی ہونے پر دلائل قائم ہیں۔ جن سے آپ کی نبوت ثابت ہے۔ معترضین کی فرمائش کے مطابق نبوت اس پر موقوف نہیں کہ ہم لوگوں سے بالمشافہ کہیں۔ کیونکہ جب باوجود صلاحیت کے آپ سے بالمشافہ کلام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مقررہ طریقوں سے ہوتا ہے تو پھر یہ کس شمار میں ہیں۔

بعض حضرات نے روح سے مراد فرشتہ یعنی جبرائیل امین لیا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو روح کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے اور جو قومیں روحانی اور اخلاقی موت مرچکی ہوتی ہیں۔ قرآن ان میں جان تازہ ڈال دیتا ہے۔

قرآن کا ہدایت کبریٰ ہونا اس سے واضح ہے کہ پیغمبر جو ایمان و عمل کا منبع اور مخزن ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ساری تفصیلی بہار قرآن ہی کی بدولت ہے۔ اس سے پہلے آپ ان تفصیلات سے بے خبر تھے۔ اب آپ جس طرح اس پر خود کار بند ہیں دوسروں کو بھی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں۔ خواہ کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔ سیدھی راہ وہی ہے جس پر چل کر آدمی خدا تک پہنچتا ہے جو اس راہ سے بھٹکا۔ وہ خدا سے الگ ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ شروع سے انجام پر نظر رکھے اور خدا تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔

لطاائف سلوک: وما کان لبشر۔ اس میں انبیاء کے علاوہ اوروں سے بھی اللہ کی ہم کلامی کی بعض خاص صورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان گزر چکا ہے۔

وما کنت تدروی سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کامل اپنی ذات میں کمالات سے عاری ہے۔ سب کمالات عطیہ الہی ہیں۔ اور جس طرح اللہ کو عطا پر قدرت ہے، ان کے چھین لینے پر بھی قدرت ہے۔ اس لئے اپنے کسی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے۔

سُورَةُ الزُّحْرِفِ

سُورَةُ الزُّحْرِفِ مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ الْآ وَ سَلَّ مَنْ أَرْسَلْنَا الْآيَةَ تَسْعَ وَثَمَانُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْكِتَابِ الْقُرْآنِ الْمُبِينِ ﴿۲﴾ الْمُظْهِرِ طَرِيقَ الْهُدَى وَمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنَ
الْبَشْرِيَّةِ إِنَّا جَعَلْنَاهُ أَوْحَدَنَا الْكِتَابِ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا بِلُغَةِ الْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ تَعْقِلُونَ ﴿۳﴾
تَفْهَمُونَ مَعَانِيَهُ وَإِنَّهُ مُثَبَّتٌ فِي أَمِّ الْكِتَابِ أَصْلِ الْكِتَابِ أَيْ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ لَدَيْنَا بَدَلٌ عِنْدَنَا لَعَلِّي
عَلَى الْكِتَابِ قَبْلَهُ حَكِيمٌ ﴿۴﴾ ذُو حِكْمَةٍ بَالِغَةٍ أَفْضَرِبُ نُمِسْكَ عَنْكُمْ الذِّكْرَ الْقُرْآنَ صَفْحًا إِمْسَاكَ
فَلَا تُؤْمِرُونَ وَلَا تَنْهَوْنَ لِأَجْلِ أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ ﴿۵﴾ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ﴿۶﴾
وَمَا كَانَ يَأْتِيهِمْ أَتَاهُمْ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۷﴾ كَاسْتَهْزَأَ قَوْمُكَ بِكَ وَهَذَا تَسْلِيَةٌ لَهُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ مِنْ قَوْمِكَ بَطْشًا قُوَّةً وَمَضَى سَبَقُ فِي آيَاتٍ مَثَلُ
الْأَوَّلِينَ ﴿۸﴾ صِفْتُهُمْ فِي الْإِهْلَاكِ فَعَاقِبَةُ قَوْمِكَ كَذَلِكَ وَلَئِنْ لَمْ نَقْسِمِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ حُدِثَ مِنْهُ نُبُوهُ الرِّفْعِ لِتَوَالِي النُّونَاتِ وَوَاوِ الضَّمِيرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنِينَ خَلَقَهُنَّ
الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۹﴾ أَجْرُ حَوَائِبِهِمْ أَيْ اللَّهُ ذُو الْعِزَّةِ وَالْعِلْمِ زَادَ تَعَالَى الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا
فِرَاشًا كَالْمَهْدِ لِلصَّبِيِّ وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا طَرِيقًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ إِلَى مَقَاصِدِكُمْ فِي
أَسْفَارِكُمْ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ أَيْ بِقَدَرِ حَاجَتِكُمْ إِلَيْهِ وَلَمْ يَنْزِلْهُ طُوفَانًا فَانْشَرْنَا
أَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيِّتَةً كَذَلِكَ أَيْ مِثْلُ هَذَا الْأَحْيَاءِ تُخْرَجُونَ ﴿۱۱﴾ مِنْ قُبُورِكُمْ أَحْيَاءُ وَالَّذِي خَلَقَ
الْأَزْوَاجَ الْأَصْنَافَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ الْسُّفْنَ وَالْأَنْعَامَ كَالْإِبِلِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿۱۲﴾ حُدِثَ

الْعَائِدُ إِحْتِصَارًا أَوْ هُوَ مَجْرُورٌ فِي الْأَوَّلِ أَيْ فِيهِ مَنْصُوبٌ فِي الثَّانِي لِيَسْتَوُوا لِيَسْتَقَرُّوا عَلَى ظُهُورِهِ دُكِرَ
 الضَّمِيرُ وَجُمِعَ الظَّهْرُ نَظَرًا لِلْفِطْرِ مَا وَمَعْنَاهَا ثُمَّ تَذَكَّرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا
 سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱۳﴾ مُطِيقِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۱۴﴾
 لَمُنْصَرِفُونَ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۚ حَيْثُ قَالُوا الْمَلِكَةُ بَنَاتُ اللَّهِ لِأَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ وَ
 الْمَلِكَةُ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ إِنَّ الْإِنْسَانَ الْقَائِلَ ذَلِكَ لَكُفُورٌ مُبِينٌ ﴿۱۵﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ الْكُفْرِ أَمْ بِمَعْنَى هَمْزَةٍ
 الْإِنْكَارِ وَالْقَوْلُ مُقَدَّرٌ أَيْ اتَّقُولُونَ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ لِنَفْسِهِ وَأَصْفَكُمْ أَخْلَصَكُمْ بِالْبَيِّنِ ﴿۱۶﴾
 اللَّازِمُ مِنْ قَوْلِكُمْ السَّابِقِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمُنْكَرِ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا جَعَلَ
 لَهُ شِبْهًا بِنِسْبَةِ الْبَنَاتِ إِلَيْهِ لِأَنَّ الْوَلَدَ يَشْبَهُ الْوَالِدَ الْمَعْنَى إِذَا أُخْبِرَ أَحَدُهُمْ بِالْبَنَاتِ تَوَلَّدَ لَهُ ظَلٌّ صَارَ
 وَجْهُهُ مُسَوِّدًا مُتَغَيِّرًا تَغْيِيرًا مُغْتَمًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۱۷﴾ مُمْتَلِيٌّ غَمًّا فَكَيْفَ يُنْسَبُ الْبَنَاتُ إِلَيْهِ تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ
 أَوْ هَمْزَةُ الْإِنْكَارِ وَوَأَوَّلَ عَطْفٍ لِجُمْلَةٍ أَيْ يَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَنْ يُنْشِئُ أَيْ يُرَبِّي فِي الْحِلْيَةِ الرَّيَّةَ وَهُوَ فِي
 الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿۱۸﴾ مُظْهِرُ الْحُجَّةِ لِيُضَعِّفَ عَنْهَا بِالْأَثَرِ وَجَعَلُوا الْمَلِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ
 الرَّحْمَنِ إِنَّا أَشْهَدُوا حَضْرَتَهُمْ خَلَقَهُمْ سَتَكْتُبُ شَهَادَتَهُمْ بِأَنَّهُمْ إِنَاثٌ وَيُسْتَلُونَ ﴿۱۹﴾ عَنْهَا فِي
 الْآخِرَةِ فَيَتَرْتَّبُ عَلَيْهَا الْعِقَابُ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ أَيْ الْمَلِكَةُ فَعِبَادَتُنَا إِيَّاهُمْ بِمَشِيئَتِهِ
 فَهُوَ رَاضٍ بِهَا قَالَ تَعَالَى مَا لَهُمْ بِذَلِكَ الْمَقُولِ مِنَ الرِّضَا بِعِبَادَتِهَا مِنْ عِلْمٍ إِنَّ مَا هُمْ
 إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۲۰﴾ يَكْذِبُونَ فِيهِ فَيَتَرْتَّبُ عَلَيْهِمُ الْعِقَابُ بِهِ أَمْ أَتَيْنَهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ أَيْ الْقُرْآنَ بِعِبَادَةِ
 غَيْرِ اللَّهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿۲۱﴾ أَيْ لَمْ يَقَعْ ذَلِكَ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ مِلَّةٍ وَإِنَّا
 مَاشُونَ عَلَى أَثَرِهِمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۲﴾ بِهِمْ وَكَانُوا يَعْبُدُونَ غَيْرَ اللَّهِ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
 فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا مُتَعَمِّمُوهَا مِثْلَ قَوْلِ قَوْمِكَ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ مِلَّةٍ
 وَإِنَّا عَلَى أَثَرِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿۲۳﴾ مُتَّبِعُونَ قُلْ لَهُمْ أَتَتَّبِعُونَ ذَلِكَ وَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَى مِمَّا وَجَدْتُمْ
 عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قُلْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ أَنتَ وَمَنْ قَبْلَكَ كَافِرُونَ ﴿۲۴﴾ قَالَ تَعَالَى تَحْوِيلًا لَهُمْ
 ۸ فَأَنْتَقِمْنَا مِنْهُمْ أَيْ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ لِلرُّسُلِ قَبْلَكَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۵﴾

سورہ زخرف کی ہے اور ایک روایت میں واسئل من ارسلنا کے علاوہ۔ نواسی آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ:.....حم (اس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قرآن) واضح کی (جو ہدایت کی راہوں اور ضروریات

شریعت کو ظاہر کر دینے والی ہے) کہ ہم نے اس کو کر دیا ہے (کتاب کو موجود) قرآن عربی زبان (لغت عرب) میں تاکہ تم (مکہ والو) سمجھ سکو (اس کی مرادات) اور وہ (ثابت ہے) بنیادی (اصل) کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس (یہ بدل ہے بمعنی عندنا) بلند رتبہ ہے (پچھلی کتابوں پر) حکمت بھری (انتہائی حکمت والی) ہے۔ کیا ہم تم سے ہٹالیں گے (روک لیں گے) اس نصیحت (قرآن) کو (کہ نہ تمہیں کوئی حکم دیا جائے اور نہ تمہیں کسی چیز کی ممانعت کی جائے محض اس لئے) کہ تم حد سے گزرنے والے ہو اور کتنے پیغمبر ہم پہچلے لوگوں میں بھیجتے رہے اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے ٹھٹھانہ کیا ہو (جیسے: آپ کی قوم آپ کا ٹھٹھا کر رہی ہے۔ اس میں آنحضرت کو تسلی ہے) پھر ہم نے ان لوگوں کو غارت کر ڈالا جو ان (آپ کی قوم والوں) سے زیادہ زور آور (طاقت ور) تھے اور ہو چکی ہے (آیات میں گزر چکی ہے) پہلے لوگوں کی حالت (تباہی کی کیفیت، یہی انجام آپ کی قوم کا بھی ہو سکتا ہے) اور اگر (لام قمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کی ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے (لیقولن میں نون رفع تو تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اور واؤ ضمیر دوسرا کن جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے) کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے (یہاں تک ان کا جواب پورا ہو گیا۔ مراد اس سے اللہ ہے جو ذی عزت اور ذی علم ہے۔ آگے حق تعالیٰ اضافہ فرما رہے ہیں) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (جیسے: بچہ کے لئے جھولا اور پالنا ہوتا ہے) اور اس میں تمہارے لئے اس نے راستے بنا ڈالے۔ تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو (سفر میں جو تمہارے مقاصد ہوں) اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا (یعنی تمہاری ضرورتوں کے مطابق بارش ہوتی ہے۔ طوفانی صورت میں نہیں) پھر ہم نے اگایا (پیدا واری کر دی) اس کے ذریعہ مردہ زمین کو اسی طرح (یعنی اس جلائے کی طرح) تم نکالے جاؤ گے (اپنی قبروں سے زندہ کر کے) اور جس نے تمام اقسام (صنفیں) بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے (جیسے اونٹ) بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو (اس میں اختصار کے طود پر عائد کو حذف کر دیا گیا ہے اور وہ پہلے لفظ میں مجرور یعنی فیہ ہے اور دوسرے لفظ میں منصوب ہے) تاکہ تم اس کی پیٹھ پر جم کر (مضبوطی سے) بیٹھو، (ضمیر کو مذکر اور لفظ ظہر کو جمع لایا گیا۔ ہمارے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے) پھر جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے (طاقت ور) نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جزو ٹھہر ادیا (چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہی ہے۔ حالانکہ فرشتے خدا کے بندے ہیں) واقعی انسان (جس کا عقیدہ یہ ہو) صریح ناشکرا ہے (جس کا کفر واضح ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے اور قول مقدر ہے یعنی اتقولون) خدا نے پسند کیس (اپنے لئے) بیٹیاں اور تمہارے لئے خاص (انتخاب) کئے بیٹے (جو تمہارے پہلے قول سے لازم آ رہا ہے۔ اس لئے یہ بات بھی قابلِ رد ہے) حالانکہ جب تم میں سے کسی کو خوشخبری دی جاتی ہے اس چیز کے ہونے کی جس کو خدا نے رحمان کے لئے نمونہ بنا رکھا ہے (اللہ کے لئے لڑکیوں کی تجویز کرنا نمونہ ماننا ہے کیونکہ اولاد باپ کا نمونہ ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے) تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق (غم کے مارے کالا) رہتا ہے اور دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے (غم سے گھٹتا ہے، پھر خدا کی طرف نسبت کرنا کیسے ہے جب کہ وہ نفسِ اولاد ہی سے پاک ہے) کیا (ہمزہ انکار ہے اور واؤ جملہ کے عطف کے لئے ہے یعنی یہ جعلون للہ) جو کہ پرورش پائے (پلے) آرائش (زیب و زینت) میں اور مباحثہ میں قوت بیان نہ رکھے (صنف نازک ہونے کی وجہ سے دلیل کے اظہار میں کمزور ہو) اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ کیا یہ لوگ موجود (حاضر) تھے فرشتوں کی پیدائش کے وقت ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا ہے (کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) اور ان سے باز پرس ہوگی (اس کے متعلق آخرت میں۔

چنانچہ اس پر سزا ہوگی) اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے (یعنی فرشتوں کی، لہذا ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اللہ کے ارادہ سے ہے تو اس کی مرضی سے بھی ہوا۔ فرماتے ہیں) اس کو اس کی (اپنے پرستش کرنے کو اللہ کی رضا مندی کی دلیل کہنا) کچھ تحقیق نہیں ہے یہ محض بے تحقیق بات ہے (غلط بات کہہ رہے ہیں لہذا اس کی سزا پائیں گے) کیا ہم نے ان کو اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے (غیر اللہ کی پرستش کے متعلق) کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں (یعنی ایسے نہیں ہوا) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ (دستور) پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر راستہ چل رہے ہیں (چنانچہ پہلے لوگ غیر اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے) اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا (مالداروں نے جیسے آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں) کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ (دستور پر) پایا ہے اور ہم بھی انہی کے پیچھے پیچھے (پیروی میں) چل رہے ہیں۔ ان کے پیغمبران سے بولے کہ کیا (پھر بھی تم پیروی کرتے رہو گے) اگرچہ میں اس سے بہتر طریقہ تمہارے پاس لے کر آیا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہو وہ کہنے لگے کہ جس پیغام کو دے کر تمہیں (اور تم سے پچھلوں کو) بھیجا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہی نہیں (حق تعالیٰ ان کو دھوکا دے ہوئے فرماتے ہیں) سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا (جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والے تھے) سودیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟

تحقیق و ترکیب: المبین۔ قرآن کا واضح ہونا بلحاظ معانی اولیہ کے ہے اور اصول دینیہ کے ترغیبی ترہیبی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اسی حیثیت سے اس کو آسان اور سہل بھی کہا گیا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احکام و مسائل فرعیہ جزیعیہ کا استنباط بھی سہل ہے۔ تاکہ ہر شخص کو اجتہاد کا حق اور اجازت ہو جائے۔

انما جعلناہ۔ جیسا کہ ابھی گزرا کہ ان جیسے الفاظ معتزلہ خلق قرآن کے نظریہ پر استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں جعل بمعنی خلق نہیں۔ بلکہ بمعنی صہر ہے۔ کیونکہ سیاق کلام قرآن کی مخلوقیت کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی عربیت بیان کرنے کے لئے ہے کہ اول مخاطب کی رعایت سے اس زبان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ لعلکم تعقلون سے واضح ہے۔ اور بالفرض اگر مخلوق ہونے پر دلالت بھی ہو تب بھی کلام لفظی کے مرتبہ میں مخلوق ہونا معلوم ہوگا۔ جس کے اہل سنت منکر نہیں ہیں۔ البتہ حنابلہ کے خلاف ہوگا۔ بلکہ ام الكتاب کی تفسیر اگر علم الہی سے کی جائے تو آیت سے کلام نفسی کا قدیم ہونا ثابت ہو جائے گا۔

لدینا سے مراد مرتبہ صفات ہے جو ذات سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

لعلی کے معنی کونہ عالیا عن الحدوث اور حکیم کے معنی محکم کے ہیں اور قدیم ظاہر ہے کہ ناقابل تبدیل ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں مسئلے اگرچہ عقلی ہیں مگر اس سے نقل کی بھی تائید ہو رہی ہے۔

وانہ فی ام الكتاب: پہلے جواب قسم پر اس دوسرے جواب قسم کا عطف ہے اور مفسر نے مثبت سے جارحانہ خبر ان ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور لعلی خبر ثانی ہو جائے گی اور ام الكتاب سے مراد لوح محفوظ ہے وہی تمام کتب الہیہ کی بنیاد ہے۔ اور لدینا ام الكتاب سے بدل ہے اور قرآن ہر لحاظ سے دوسری کتب پر فائق ہے اس لئے اس کو علی کہا گیا۔ یہ دونوں لفظان کی خبر ہیں۔

افنضرب۔ استفہام انکاری ہے اور فامقدر کے لئے عاظف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ انہم ملکم۔

فنضرب اور ضرب کے معنی امسک کے ہیں۔ ضربت عنہ واضربت عنہ کہہ کر چھوڑنے کے معنی لئے جاتے ہیں اور زخمری مجازاً بعید کر دینے کے معنی لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ ضرب الغرائب من الحروض۔

صفحا مفعول مطلق ہے معنایضرب کا۔ کہا جاتا ہے۔ ضرب عن کذا واضرب عنہ۔ اعراض کرنے کے معنی ہیں اور

فَاعِل حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب مانا جاسکتا ہے بمعنی صاف حسین۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو۔ مضمون جملہ کی اس صورت میں عامل محذوف ہوگا جیسے: صنع الله۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ مفعول نہ کہا جائے مفسر نے فلا تو مروون الخ سے قاعدہ کی تفسیر نقل کی ہے۔ لیکن مجاہد و سدی اس طرح تفسیر کر رہے ہیں۔ افنعرض انکم ونترککم فلانعا فیکم علی کفرکم۔ وکم ارسلنا۔ کم خبر یہ ہے ارسلنا کا مفعول مقدم ہے اور من نبی تمیز ہے اور فی الاولین متعلق ہے۔ باتیہم۔ مفسر نے مضارع کو ماضی کے معنی میں ہونے کی طرف اشارہ ہے اور مضارع لانے میں اس صورت عجیبہ کا احتضار مقصود ہے۔

اشد منهم۔ یہ صفت ہے محذوف کی جو فی الحقیقت مفعول ہے۔ ای اہلکنا قوما ہم المستهزون برسلمہم اشد منهم ای من قومک۔

بطشا۔ اس کو تمیز ماننا بہ نسبت حال ماننے کے زیادہ اچھا ہے۔ مثل الاولین۔ قرآن میں گزشتہ تاریخی حالات جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔ اس جملہ میں وعدہ و وعید دونوں آگئے۔ ولنسن سالتهم۔ لام قسمیہ ليقولن جواب قسم ہے اور جواب شرط اسی کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ آخری جواب حذف کر دیا جاتا ہے۔

العزیز العلیم۔ یعنی کفار کا جواب اس پر ختم ہو گیا۔ اس لئے ابو حاتم اس پر وقف کرتے ہیں۔ کیونکہ اگلے جملوں میں بعثت کا اظہار ہے اور کفار کی طرف سے اس کا انکار تھا۔ اس لئے وہ جملے ان کے نہیں ہو سکتے۔ خلق الاوزاج۔ یعنی زوج کے مشہور معنی مراؤ نہیں بلکہ بمعنی صنف ہے۔

ما ترکبون۔ رکبت الدابة کہا جاتا ہے بقول زخمری تو کبوناہ کے معنی ہیں۔ یعنی متعدی بالواسطہ پر متعدی بلا واسطہ کی تقلیب کر لی گئی ہے اور عائد محذوف ہونے کا مطلب من الفلک سے ہے۔

علیٰ ظہورہ۔ لفظ ظہور جمع اور اس کے ساتھ ضمیر مفرد مذکر لائی گئی ہے۔ لفظ ما کی لفظی و معنوی رعایت کرتے ہوئے۔ ثم تذکروا۔ یعنی سواریاں نقل مکانی کے لئے ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے نقل عظمیٰ کی طرف رہنمائی ہونی چاہیے۔ یعنی انقلاب الی اللہ۔ چنانچہ طائوس فرماتے ہیں کہ مسلمان سوار ہونے کے وقت یہ الفاظ کہے اور یاد کرے کہ آخری وقت جنازہ پر سوار ہو کر اللہ کی طرف جانا ہوگا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ہر قسم کی سواری پر یہ الفاظ پڑھنے چاہئیں اور بعض کے نزدیک یہ جانور کی سواری کے لئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ وما کنا لہ مقرنین اس کا قریب ہے۔ کیونکہ سرکشی اور اطاعت جانوروں میں ہی ہو سکتی ہے نہ کہ کشتی، جہاز، موٹر، اسکوٹر، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ میں۔ اس پر سواری کے وقت بسم اللہ مجبوراً الخ پڑھنا چاہئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سواریوں کا قابو سے باہر ہو جانا جانور سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ الفاظ ہر طرح کی سواریوں میں پڑھنے چاہئیں۔

اور گود حدیث میں صرف جانور کی سواری میں اس کا پڑھنا منقول ہے۔ لیکن اول تو اس زمانہ میں کشتی میں سوار ہونے کا کم اتفاق ہوتا ہوگا۔ دوسرے کشتی میں پڑھنے کی نفی بھی کہیں نہیں ہے۔ بلکہ سیاق و سباق سے متبادر یہی ہے کہ کشتی وغیرہ میں بھی پڑھے۔

وجعلوا لہ۔ اس کا عطف مضمون سابق پر ہوگا۔ ای اعترفوا بخالقہ اللہ وجعلوا لہ الخ۔

جزء ۱۔ جعل کا مفعول اول ہے اور جعل سے مراد تصبیہ قولی ہے۔ ای حکموا اور سموا او اعتقدوا کے معنی میں

بھی ہو سکتا ہے۔ اور کفار سے اللہ کی جزئیات کا اعتقاد اگرچہ صراحۃً کہیں منقول نہیں۔ مگر اس کے لئے اولاد ہونے کے قائل تھے اور وہ معنی

حقیقی کے لحاظ سے مستلزم جزئیت ہی ہے۔

واصفاکم۔ یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے سے بطور لازم یہ مفہوم لازم ہو رہا ہے کہ ان کے لئے صرف زینہ اولاد مخصوص ہے۔
بما ضرب۔ ما موصولہ ہے ضرب بمعنی جعل ہے اس کا مفعول اول جو عائد بھی ہے محذوف ہے۔ ای ضربہ۔ اور مثلاً
مفعول ثانی ہے شبہا کہہ کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ مثل یہاں کہادت کے مشہور معنی میں نہیں ہے بلکہ مشابہ کے معنی میں ہے۔
او من ینشوء۔ عام قراءت تو ینشاء فتح پا اور سکون نون کے ساتھ ہے اور ضمہ یا اور فتح نون اور تشدید شین کے ساتھ ہے
بصیغہ مجہول لیکن قراءت شاذہ ضمہ یا کے ساتھ بحالت تخفیف ہے اور ینشاء مثل یقاتل مجہول ہے۔
غیر مبین۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ابان متعدی سے ماخوذ ہے۔

وجعلوا المملکة۔ فرشتے جو اعلیٰ ترین بندے ہیں ان کے لئے انوہیت کی خسیں صفت ثابت کرنا غلط ہے۔ چنانچہ
آنحضرت ﷺ نے جب ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے پتہ چلا ہے؟ تو کہنے لگے باپ دادا سے ایسے ہی سنتے چلے آ رہے ہیں اور ہم
اس کے شاہد ہیں کہ انہوں نے غلط بیانی نہیں کی ہوگی۔ اس پر مستکتب شہادتہم الفاظ نازل ہوئے۔

ما لہم بذلک من علم۔ یعنی مشیت الہی چونکہ فرشتوں کی پرستش نہ کرنے کی نہیں ہوئی۔ اس لئے کفار اس کو دلیل رضامندی
بنارہے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ دلیل بنانا غلط ہے۔ کیونکہ مشیت نام ہے ممکن کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کا خواہ وہ
مامور ہو یا ممنوع، مستحسن ہو یا غیر مستحسن۔ پھر مشیت کو دلیل بنانا کیسے صحیح ہوگا۔ معتزلہ اور اہل سنت کے نقطہ نظر میں بھی تقریباً یہی فرق ہے۔
ام اتینا ہم۔ یعنی کسی چیز کا ثبوت یا مشاہدہ سے ہوا کرتا ہے اور یا نقل سے اور یہاں دونوں ہیں۔

من قبلہ۔ یعنی مرجع اس کا قرآن ہے یا رسول۔
بل قالوا۔ یعنی عقلی، نقلی اور عینی اور عینی صورتیں ان کے پاس ثبوت کی نہیں لے دے کر صرف پرانی لکیر کے فقیر ہونا ہے۔
سواس کا حال آگے آ رہا ہے۔

علیٰ امة۔ بمعنی مقصد طریقہ ہے جیسے رحل بمعنی مرحول الیہ آتا ہے ایسے ہی امة بمعنی ملة ہے۔
وانا علیٰ اثارہم۔ مفسر نے متعلق کے محذوف ہونے اور اس کے خبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔
مہتدون۔ یہ خبر ثانی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ علیٰ اثار ہم حال ہے فاعل مہتدون سے کائناتیں علیٰ اثارہم۔
ما ارسلنا۔ یہ جملہ متانفہ ہے۔

اولو جنتکم۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ہمزہ فعل مقدر پر داخل ہے اور واو حالیہ ہے۔
اھدی۔ بلا دلیل محض اندھی تقلید اگر چہ غلط اور گمراہی ہوتی ہے۔ مگر آیت میں اس کو ہدایت کہنا بطور ارعاء و عنان ہے۔ تاکہ
یہ نرم روی مخاطب پر اثر انداز ہو جائے اور وہ نہ ماجائے۔ اس طرح نصیحت کا رگراور مفید ہو جاتی ہے۔

رابط آیات:..... اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے:-

۱۔ توحید کا اثبات۔

۲۔ شرک کا بطلان۔

۳۔ اور بتوں کے جہنم رسید ہونے پر کفار کے اعتراض کی لغویت۔

۴۔ وحی و رسالت کا اثبات۔

۵۔ اور رسالت سے متعلق بعض شبہات کا جواب۔

۶۔ اور آنحضرت ﷺ کا توسل اور درگزر کرنے کا حکم۔

۷۔ دنیا کی حقیر۔

۸۔ اور نبوت کے استحقاق و اہلیت میں مال کا ذیل نہ ہونا۔

۹۔ منکرین کے لئے تہدید۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام کے حالات جن سے توحید و رسالت کی تائید اور قائلین و منکرین قیامت کے لئے وعدہ و وعید کا بیان، نیز پچھلی سورت کے خاتمہ اور اس سورت کے افتتاح میں رسالت کا مضمون مشترک ہے۔

﴿تشریح﴾: والکضب السبین۔ یہاں قسم کا استعمال عرب کی عادت کے مطابق تاکید کلام کے لئے تو ہے ہی۔ لیکن خود جواب قسم کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ قرآن میں غور کرنے سے اس کا اعجاز ظاہر ہے اور وہ دلیل ہے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی۔ پس ایک ذات کی ایک صفت دوسری صفت کی دلیل ہے اور عربی زبان چونکہ اول مخاطبین کی مادری زبان ہے۔ ان کے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔ اس لئے اس سے قرآن کے خطاب عام پر اشکال نہ کیا جائے۔ اور لدینا شرف و خصوصیت کے اعتبار سے فرمایا۔ پس یہ قرب رتبی ہے قرب مکانی نہیں ہے۔

قرآن کی خوبیاں اور خصوصیات: انه فی ام الكتاب الخ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم بھی دوسری کتب سادہ کی طرح نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا تھا اور وجہ اعجاز اور اسرار و حکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے وہ نہایت بلند مرتبہ ہے اور تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے۔ اس کے دلائل نہایت مضبوط اور احکام غیر منسوخ ہیں۔ اس کا ہر حکم حکمت لئے ہوئے اور تمام مضامین اصلاح معاش و معاد کے سلسلہ میں اعلیٰ ترین ہدایات اور حسیمانہ خوبیوں سے لبریز ہیں اور ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی اپنا مشاہد ہے۔

المنضرب۔ یعنی باوجود تمہاری شرارتوں کے کتاب الہی کا نزول اور دعوت و نصیحت کا سلسلہ بند نہیں کیا جائے گا۔ اول تو بہت سی سعید روئیں اس سے مستفید ہوں گی۔ دوسرے منکرین پر کامل طور سے اتمام حجت بھی کرنا ہے اس لئے اللہ کی رحمت و حکمت کا یہ سلسلہ موقوف نہیں ہوگا۔ چنانچہ پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا۔ ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا۔ مگر اس کی وجہ سے پیغمبری کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اے منکرین! تم سے پہلے ان مکذبین کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ جو زور و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کس ہوا میں ہو؟

جو خالق ہے وہی معبود ہے: ولن سألهم سے اللہ کی عظمت و قدرت اور کمال تصرف کا ذکر ہے اور تخلیق میں اس کا

یگانہ ہونا اس کے الوہیت میں یگانہ ہونے کو تسلیم ہے۔ پس گویا اللہ کی الوہیت خود ان کے اقرار سے ثابت ہوگئی۔

خدا کے ان گنت انعامات میں سے زمین کا قابل رہائش بنادینا ہے۔ اس میں اللہ نے راستے بنادینے کی جہاں آبادیاں ہیں انسان چل پھر کر ایک دوسرے سے مل سکیں اور تمدن کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ وہ بارشیں برساتا ہے تو وہ بھی بے اندازہ نہیں۔ بلکہ اپنے علم و حکمت کے مناسب اندازوں کے ساتھ۔ اور جس طرح اللہ ہر فصل پر مردہ زمینوں میں باران رحمت کے ذریعے زندگی کی بہار دکھلاتا

رہتا ہے۔ اسی طرح مردہ جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق ہیں، جتنی قسمیں ہیں اور متماثل یا متقابل انواع و اصناف ہیں سب اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ انسان سے زیادہ طاقت ور، قوی الجشہ جانوروں کو اس کے قابو میں کرنا اور مختلف سوار یوں اور ان کے کل پرزوں کی ایجادات کا سہرا انسان کے سر باندھنا یہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اللہ کی اس تسخیری نعمت کا اعتراف و شکر گزاری انسان پر لازم ہے اور یہ شکر گزاری اسی طرح انسان کو اللہ کے آگے جھکا دیتی ہے۔ جیسے مصیبتوں میں صبر خدا کی طرف مڑنے پر انسان کو مجبور کرتا ہے۔ غرض کہ دنیا کے اس سفر سے سفر آخرت کو یاد کرو۔ آنحضرت ﷺ سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور احادیث میں اور دعائیں اور اذکار بھی آئے ہیں۔

اللہ کی شان میں حد درجہ گستاخی: وجعلوا له. یعنی افسوس کہ انسان اللہ کی صریح ناشکری پر اتر آیا۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور گستاخی اور کیا ہوگی کہ اس کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھا جو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ اولاد باپ کا جز ہوتی ہے۔ جس سے اللہ کا ذی اجزاء یعنی مرکب ہونا اور حادث ہونا لازم آتا ہے۔ دوسرے اولاد ماں باپ کی ہم جنس ہوتی ہے۔ اگر ہم جنس نہ ہو تو عیب ہے اور خالق و مخلوق میں جنسیت ہو تو کیسے؟ تیسرے یہ کہ اولاد میں یہ لوگ لڑکیوں کو کم درجہ سمجھتے ہیں اور یوں بھی تو اے جسمانیہ اور عقلیہ کے لحاظ سے عموماً لڑکیاں لڑکوں سے کم ہی ہوتی ہیں۔

پس گویا اللہ کے لئے اولاد بھی گھٹیا قسم کی تجویز کی۔ کیا تمہیں شرم نہیں آئی کہ اپنے لئے تو بڑھیا اولاد پسند اور خدا کے لئے گھٹیا اولاد۔ جو عقلاً عرفاً دونوں طرح غلط۔ جب کہ خود تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہیں بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی جائے تو مارے رنج اور غصہ کے پیشانی پر ہل پڑ جائیں اور یوں شرما حضور کی زبان سے کچھ نہ کہو۔ مگر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہو۔

مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے: یہاں تک الزامی رد تھا۔ آگے او من ینشوءا سے تحقیق رد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ گولڑی ہونانی نفسہ عار و ذلت کا باعث نہیں۔ جیسا کہ تم جہالت سے سمجھتے ہو۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عوارض سے قطع نظر لڑکی اپنی اصل وضع کے اعتبار سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے۔ آخر یہ اس کی نا سمجھی ہی تو ہے کہ عادتاً وہ آرائش و زیبائش پسند ہوتی ہے۔ زیورات اور سجاوٹ ہی میں اس کی نشو و نما ہوتی ہے جو دلیل ہے کم عقلی اور ضعف رائے کی۔ اور مباحثہ کے وقت قوت بیان نہیں رکھتی۔ جو دلیل ہے قوت فکر یہ کے ضعف کی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ عورتیں ہمیشہ ادھوری بات کہتی ہیں یا گفتگو میں فضول اور زائد باتیں ملادیتی ہیں۔ جن کا مطلب سے ادنیٰ تعلق نہیں ہوتا۔ اور مباحثہ کی تخصیص اس لئے کردی کہ عادتاً اس میں زیادہ زور دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ضرورت کے موقع پر بجز کلام سے تو بدرجہ اولیٰ ضعیف ہوگا۔ غرض کہ ہر طویل گفتگو میں وہ مات کھا جاتی ہیں اور معمولی جملوں کا عمدہ طریقہ سے ادا کر دینا قوت گویائی کی دلیل نہیں ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فی زمانہ عورتیں ہر میدان میں ترقی کا ریکارڈ قائم کر رہی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا یہ بیان بحالہ ایک حقیقت ہے۔ کیونکہ اول تو عورتوں کی تمام تر ترقیات خود ان کے ماضی کے اعتبار سے ہیں۔ مردوں کے مقابلہ میں نہیں۔ بلکہ ان ترقیات کے باوجود مردوں کے مقابلہ میں اب بھی ان میں فاصلہ ماننا پڑے گا۔ اور بالفرض اگر کسی وقت یہ فاصلہ نہ بھی رہے یا معاملہ برعکس ہو جائے تب بھی کلام الہی کی سچائی پر شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ گفتگو عوارض سے قطع نظر محض اصل وضع کے اعتبار سے ہے۔ لیکن عوارض کی رو سے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اگر یہ نسبت متاثر ہو جائے تو وہ عوارض کی بات ہوگی۔

رہا عورت کی طرف سے فی الخصام کے جواب میں یہ کہنا کہ وہ عارض ملکیت ہے جو جابر نقصان ہے۔ سو اس عارض کا موثر ہونا ان کو ثابت کرنا ہوگا ورنہ مطلق عارض کافی نہیں ہے۔

فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت: وجعلوا الملائكة. اس میں تیسری خوبی کا بیان ہے کہ فرشتوں کو عورتوں میں داخل کر کے دیویاں کہنا یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ فرشتے ہونے کے وقت یہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ جو انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ مرد نہیں عورت ہیں۔ بہت اچھا ان کی یہ گمراہی دفتر اعمال میں لکھی جا رہی ہے۔ اللہ کی عدالت عالیہ میں پیشی کے وقت ان سے جرح ہوگی۔ کہ تم نے یہ کیوں کہا تھا۔ اور کہاں سے کہا تھا؟

بہر حال یہ دعویٰ بلا دلیل غلط ہے جھوٹ ہے۔ خاص کر عقائد میں۔ اب پھر جب اس کے ساتھ اور بھی مفاسد ہوں تو کر بیلا اور نیم چڑھا ہے۔

مشرکین کی دلیل کا تار و پود: یہاں تک تو فرشتوں کے اولاد اور بیٹیاں ہونے کے بارہ میں گفتگو تھی۔ اب آگے و قالوا سے ان کی معبودیت کے متعلق کلام ہے کہ ملاحظہ ہو یہ لوگ اپنی مشرکانہ حرکتوں کے جواز میں کیا عمدہ دلیل عقلی پیش کرتے ہیں۔ کہ ہمارا فرشتوں کی پرستش کرنا اگر اللہ کو ناپسند ہوتا وہ کیوں ہمیں کرنا دیتا۔ مگر جب اس نے کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ راضی ہے۔

یہ بھی خوب رہی۔ اسی لئے فرمایا وما لهم بذلك من علم ان هم الا يخرصون یقیناً اس میں شبہ نہیں کہ کوئی کام اللہ کے چاہے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے اس کام کا پسندیدہ ہونا نہیں نکلتا۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو پھر دنیا میں کوئی کام بھی برا نہیں رہے گا۔ ہر جھوٹا، خونخوار، ظالم، چور، اچکا، بد معاش ہر ایک یہی کہہ دے گا کہ اگر خدا کو یہ کام ناپسند تھا تو مجھے نہ کرنے دیتا۔ لیکن جب کرنے دیا تو اس کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوا۔ اسی طرح عالم میں سب کچھ خیر محض ہی ہوگا۔ شر کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ پھر مخالفین شرک بھی اس دلیل کو اپنا کر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس سے ہمارے طریقہ کا برحق ہونا بھی معلوم ہوا۔ پس یہ دلیل گویا مستلزم نقیضین ہوگی کہ شرک حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ اسی طرح تو حید حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ یا یوں کہا جائے کہ توحید و شرک دونوں حق بھی ہیں اور ناحق بھی۔ بہر حال مشیت اور رضا میں کوئی نزوم عقلی علمی نہیں۔ بلکہ محض انکل پچ بات ہے۔

اندھی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے: ام اتینا ہم۔ یعنی ان کی عقلی دلیل کا تانا بانا تو معلوم ہو گیا۔ اب کیا کوئی نقلی گل افشانی کریں گے۔ کسی آسمانی کتاب یا صحیفہ میں شرک کا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونا لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نام کی کوئی بھی چیز ان کے پاس نہیں۔ اب لے دے کر سب سے بڑی دلیل پرانی ریت اور اپنے بڑوں کی اندھی تقلید رہ جاتی ہے۔ جو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کو دلیل تو کیا خلاف دلیل کہنا چاہئے۔

جس کے جواب میں پیغمبرانہ جواب یہی ہے کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے بھی اچھی راہ اگر تم کو بتلائی جا رہی ہے تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کو پیٹتے رہو گے؟ مگر برا ہو ہٹ دھرمی کا جب انسان کی مت ماری جاتی ہے تو کتنی ہی عمدہ بات کہی جائے مگر ایک مان کر نہیں دیتا۔ چنانچہ جواب الجواب میں بد بخت لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے اور پرانا آبائی طریقہ نہیں چھوڑ سکتے۔ (فوائد عثمانی)

وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لَآبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ اِنِّىۤ اَبْرَءُ اٰى بَرِىْءٍ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِلَّا الَّذِىۤ اَفْطَرَنِىْ خَلَقْنِىۤ فَاِنَّهٗ سَيِّدِىۤ ﴿٣٧﴾ يُرِشِدُنِىۤ لِدِيْنِهٖ وَ جَعَلَهَا اٰى كَلِمَةً التَّوْحِيْدِ الْمَفْهُومَةِ مِنْ قَوْلِهٖ اِنِّىۤ ذَاہِبٌ اِلَى رَبِّىۤ سَيِّهْدِيْنِ كَلِمَةً بَاقِيَةً فِى عَقِيْهِ دُرِّيْتهٖ فَلَا يَزَالُ فِيْهِمْ مَنْ يُوحِدُ اللّٰهَ لَعَلَّهُمْ اٰى اَهْلُ مَكَّةَ يَرْجِعُوْنَ ﴿٣٨﴾ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ اِلَى دِيْنِ اِبْرٰهِيْمَ اَيْمَهُمْ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ وَاٰبَاءَهُمْ وَ لَمْ اُعٰجِلْهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْاٰنُ وَ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٩﴾ مُّظْهِرٌ لَّهُمُ الْاَحْكَامَ الشَّرْعِيَّةَ وَ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْاٰنُ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاَنَا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَ قَالُوْا لَوْلَا هٰذَا نَزَلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتَيْنِ مِنْ اٰيَةٍ مِنْهُمَا عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ اٰى الْوَلِيْدُ بَنُ الْمُغِيْرَةِ بِمَكَّةَ وَ عُرُوَّةُ بِنْتُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيّ بِالطَّائِفِ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةً رَبِّكَ النَّبُوَّةَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ غَنِيًّا وَ بَعْضَهُمْ فَقِيْرًا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ بِالْغَنِيِّ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمُ الْغَنِيُّ بَعْضًا اَلْفَقِيْرَ سُخْرِيًّا مُّسَخَّرًا فِى الْعَمَلِ لَهٗ بِالْاَجْرَةِ وَ الْبِآءِ لِلنَّسَبِ وَ قُرِىۤ بِكُسْرِ السِّيْنِ وَ رَحِمْتُ رَبِّكَ اٰى الْحَنَّةُ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِى الدُّنْيَا وَ لَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلَى الْكُفْرِ لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِيُؤْتِيَهُمْ بَدَلًا مِّنْ لِّمَنْ سَقَفَا بَفَتْحِ السِّيْنِ وَ سُكُوْنِ الْقَافِ وَ بَضْمِهِمَا جَمْعًا مِّنْ فِضَّةٍ وَ مَعَارِجٍ كَالدَّرَجِ مِنْ فِضَّةٍ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٤٣﴾ يَّعْلُوْنَ اِلَى السَّطْحِ وَلِيُؤْتِيَهُمْ اَبْوَابًا مِنْ فِضَّةٍ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سُرُرًا مِنْ فِضَّةٍ جَمْعُ سَرِيْرٍ عَلَيْهَا يَتَكُوْنُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَ زُخْرَفًا ذَهَبًا اَلْمَعْنٰى لَوْلَا خَوْفُ الْكُفْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِ مِنْ اِعْطَاءِ الْكَافِرِ مَا ذَكَرَ لَا عَطِيَّاهُ ذٰلِكَ لِقَلَّةِ خَطَرِ الدُّنْيَا عِنْدَنَا وَ عَدَمِ حَظِّهٖ فِى الْاٰخِرَةِ فِى النَّعِيْمِ وَاِنْ مُحَقَّقَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا بِالتَّخْفِيْفِ فَمَا زَايَدَةُ وَ بِالتَّشْدِيْدِ بِمَعْنٰى الْاَفَاكِ نَافِيَةٌ مَّتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا يَتَمَتَّعُ بِهٖ فِيْهَا ثُمَّ يَزُوْلُ وَ الْاٰخِرَةُ الْحَنَّةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَ مَنْ يَّعِشْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ الْقُرْاٰنِ نَقِيْضٌ نُّسَبٌ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ ﴿٤٦﴾ لَا يَفَارِقُهُ وَاِنَّهُمْ اٰى الشَّيَاطِيْنِ لِيُضِلُّوْهُمْ اٰى الْعٰشِيْنَ عَنْ السَّبِيْلِ طَرِيْقِ الْهُدٰى وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٤٧﴾ فِى الْجَمْعِ رِعَايَةٌ مَعْنٰى مَنْ حَتّٰى اِذَا جَآءَنَا الْعٰشِىُّ بِقَرِيْنِهٖ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَالَ لَهٗ يَا لِلنَّبِيِّ لَيْتَ بَنِيَّ وَ بَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ اٰى مِثْلُ بَعْدِ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ فَيَنْسَخُ الْقَرِيْنَ ﴿٤٨﴾ اَنْتَ لِيْ قَالَ تَعَالٰى وَ لَنْ يَنْفَعَكُمْ اٰى الْعٰشِيْنَ تَمْنِيْكُمْ وَ نَدْمُكُمْ الْيَوْمَ اِذْ ظَلَمْتُمْ اٰى تَبَيَّنَ لَكُمْ ظُلْمُكُمْ بِالْاِشْرَاكِ فِى الدُّنْيَا اَنَّكُمْ مَعَ قُرٰنِكُمْ فِى الْعَذَابِ

مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۱﴾ عِلَّةٌ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ لِعَدَمِ النَّفْعِ وَإِذْ بَدَلْ مِنَ الْيَوْمِ أَهَانَتْ تُسْمِعُ الصَّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمَى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۲﴾ بَيِّنَ أَىٰ فَهَمْ لَا يُؤْمِنُونَ فَاِمَّا فِيهِ ادْغَامٌ نُونٍ اِنَّ الشَّرْطِيَّةَ فِي مَا الرَّائِدَةُ نَذَهَبْنَ بِكَ بِأَن نَّمِيتَكَ قَبْلَ تَعْذِيهِمْ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ﴿۳۳﴾ فِي الْآخِرَةِ أَوْ تُرِيَّتَكَ فِي حَيَاتِكَ الَّذِي وَعَدْنَهُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ عَلَىٰ عَذَابِهِمْ مُّقْتَدِرُونَ ﴿۳۴﴾ قَادِرُونَ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوْحِيَ إِلَيْكَ أَيُّ الْقُرْآنِ اِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّشَرَفٍ لِّكَ وَلِقَوْمِكَ لِنُزُولِهِ بِلَغَتِهِمْ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْقِيَامِ بِحَقِّهِ وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ أَىٰ غَيْرِهِ إِلَهًا يُّعْبَدُونَ ﴿۳۷﴾ قِيلَ هُوَ عَلَىٰ بَيِّنٍ ظَاهِرِهِ بِأَن جُمِعَ لَهُ الرُّسُلُ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ وَقِيلَ الْمُرَادُ أَمَمَ مَنْ أَىٰ أَهْلُ الْكِتَابِينَ وَلَمْ يَسْأَلْ عَلَىٰ وَاحِدٍ مِنَ الْقَوَلَيْنِ لِأَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْأَمْرِ بِالسَّوَالِ التَّفْرِيزُ لِمُشْرِكِي قُرَيْشٍ اِنَّهُ لَمْ يَأْتِ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ وَلَا كِتَابٌ بِعِبَادَةٍ غَيْرِ اللَّهِ

ترجمہ: اور (یاد کیجئے) جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں بیزار (بے تعلق) ہوں ان چیزوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا (بنایا) پھر وہی میری (دینی) رہنمائی کرتا ہے اور کر گئے ابراہیم اس کو (یعنی کلمہ توحید کو جو ان کے قول انسی ذاہب الی ربی سیہدین سے سمجھ میں آ رہا ہے) ایک قائم رہنے والی بات اپنی اولاد (نسل) میں (چنانچہ کوئی نہ کوئی ان کی نسل میں پرستار توحید رہتا ہے) تاکہ یہ لوگ (مکہ والے) بازر ہیں (اپنے موجودہ طریقہ سے اپنے آبائی دین ابراہیم کی طرف) بلکہ میں نے ان (مشرکین) کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا ہے (اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی) یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا (جو شرعی احکام ان کو بتلاتا ہے یعنی محمد ﷺ) اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے (کسی ایک میں) کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا (یعنی ولید بن مغیرہ پر مکہ میں یا عروہ بن مسعود ثقفی پر طائف میں) کیا یہ لوگ آپ کے وب کی رحمت (نبوت) تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے تو ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے دنیاوی زندگی میں (کہ ان میں سے کسی کو ہم نے امیر بنادیا اور کسی کو فقیر بنادیا) اور ہم نے ایک کو (خوشحالی سے) دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔ تاکہ ایک (امیر) دوسرے (غریب) سے کام لیتا رہے (اجرت کے ذریعہ کام پر مجبور ہو سکے۔ سخری میں یا نسبت کے لئے ہے اور یہ لفظ کسرہ سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور آپ پروردگار کی رحمت (جنت) بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ (دنیا میں) سمیٹتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ (کفر) پر ہو جاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے ان کے گھر کی (لمن میں من سے بدل ہے) چھتیں (سقف فتح سکون قاف کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ) چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (سبز حیاں بھی چاندی کی بنادیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے (چھت پر جانے کے لئے) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی (چاندی کے) اور (ہم نے ان کے لئے بنائے) تخت بھی (چاندی کے سر در جمع سریر کی ہے) جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی (حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ چیزوں

کے کافر کو دے دینے سے مومن کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ضرور کافر کو یہ ساری چیزیں دے ڈالتے۔ کیونکہ دنیا ہمارے نزدیک حقیر ہے اور آخرت میں اس کے لئے جنت کا حصہ نہیں ہے) اور یہ (ان خفیفہ ہے جو اصل میں مقلہ تھا) سب کچھ بھی نہیں (لما تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو مہما زائد ہوگا اور تشدید کی صورت میں بمعنی الا ہو کر ان نافیہ ہو جائے گا) صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے (جس سے نفع اٹھانے کے بعد ختم ہو جائے گی) اور آخرت (جنت) آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ذکر (قرآن) سے اندھا بن جائے (منہ موڑ لے) ہم اس پر (اس وجہ سے) ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے (کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا) اور وہ (یعنی شیطان) ان (دنیا داروں) کو راہ (ہدایت) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں (ضما نرجع لانے میں معنی مسن کی رعایت ہے) یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا (دنیا دار اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت میں) تو کہے گا (اس ساتھی سے) کہ اے کاش! (یسا تنبیہ کے لئے ہے) میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا (یعنی جس قدر دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے) سو برا ساتھی ہے (تو میرے لئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور ہرگز تمہارے کام نہ آئے گی یہ بات (دنیا دارو تمہاری تمنا اور ندامت) آج جب کہ تم ظلم کر چکے تھے (یعنی دنیا میں شرک کرنے کی وجہ سے آج تمہارا ظلم واضح ہو چکا ہے) یقیناً تم سب (مع اپنے ساتھیوں کے) عذاب میں شریک ہو (انکم الخ جملہ علت ہے عدم نفع کی تقدیر اللام اور اذ بدل ہے الیوم کا) سو کیا آپ ان بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی پر ہیں راہ پر لا سکتے ہیں (یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے) پھر اگر (اھا میں ان شرطیہ کے نون کا مازائدہ میں ادغام ہو گیا) ہم آپ کو اٹھالیں (کہ ان پر عذاب آنے سے پہلے آپ کی وفات ہو جائے) تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں (آخرت میں) یا اگر ہم آپ کو (آپ کی زندگی ہی میں) دکھلا دیں جس (عذاب) کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ تب بھی ہم کو ان (کے عذاب) پر ہر طرح کی قدرت (طاقت) ہے۔ سو آپ اس (قرآن) پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور آپ کی قوم کے لئے (ان کی مادری زبان میں اترنے کی وجہ سے) اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے (اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں) اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا (علاوہ) دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے یعنی واقعہ معراج میں سب پیغمبر اسی لئے جمع کئے گئے اور بعض کی رائے میں ان پیغمبروں کے امتی یعنی اہل کتاب مراد ہیں۔ تاہم دونوں صورتوں میں آنحضرت ﷺ نے کسی پیغمبر سے دریافت نہیں فرمایا۔ کیونکہ یہاں سوال کرنے کا منشاء مشرکین قریش پر یہ ثابت کرنا ہے کہ کوئی رسول اور کوئی کتاب غیر اللہ کی پرستش کے لئے نہیں آئی۔)

تحقیق و ترکیب: براء۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ بمعنی بری مصدر ہے جو صفت میں استعمال کیا گیا۔ اس میں واحد، مشنہ، جمع، مذکر، مؤنث یکساں ہوتے ہیں۔

الا الذی۔ استثناء کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ منقطع ہو۔ کیونکہ ابراہیمؑ کی قوم مشرک نہیں بلکہ دہریہ تھی۔ صرف بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کو مشرک مانتے ہوئے استثناء متصل مانا جائے۔ کیونکہ شرک کی صورت میں اللہ کی عبادت کا عدم ہے۔ تیسرے کہ اللہ کی صفت کے لئے بمعنی غیر ہو اور ما کمرہ موصوفہ ہے جیسا کہ بشریؑ کی رائے ہے۔

وجعلھا۔ ضمیر مستتر کا مرجع حضرت ابراہیمؑ ہیں اور لعلھم یوجعون اللہ کا ارشاد ہے اور اس کو مفسر کے قول مقدر اذ کر کی علت کہا جائے گا۔ اور ہا ضمیر کا مرجع کلمہ توحید ہے۔

لیکن خود قول مذکور بھی ہو سکتا ہے۔

بل متعت۔ یہ احزاب توقع کے لئے ہے قوم کے اتباع نہ کرنے پر۔ اور اسم اشارہ سے مراد آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مشرکین ہیں۔

حتیٰ جاء ہم۔ کشف وغیرہ میں اس کے تشع کی غایت پر یہ اشکال کیا گیا ہے ان دونوں میں کوئی تناسب نہیں۔ بلکہ ما بعد اور ماقبل کی مخالفت کی اس میں رعایت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ دنیا کا وہ اعتعال مراد ہے جو شکر منعم سے اعتراض کا سبب ہو۔ گویا عبارت یوں ہوگی۔ اشغلوا بہ حتیٰ جاء ہم الحق اور نفس الامری میں یہ غایت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حالت قابل زجر ہے۔ لیکن ان لوگوں کی سرکشی کے سبب اس کو برعکس کر دیا گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت وما تفرق الذین او تو الکتاب الا من بعد ما جاء تہم البینۃ میں ہے۔ وقالوا۔ یہ لوگوں کی بہت پرانی گمراہی ہے۔ کہ نبوت و رسالت کو شریف ترین منصب سمجھتے ہوئے یہ خیال کیا کرتے ہیں۔ کہ اس کا مستحق ایسا شخص ہونا چاہئے جو دنیاوی لحاظ سے بس کمزور اور مالدار ہو۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ اس معیار پر پورے نہیں اترے۔ اس لئے لگے اعتراض کرنے حالانکہ اللہ کے یہاں دوسرا معیار ہوتا ہے۔

اہم یقسمون۔ استفہام انکار تو تخی کے لئے ہے۔ یعنی نبوت کے معاملہ میں تمہارے مشورہ اور رائے کا دخل نہیں۔ اللہ جس کے قلب کو ازکی اور نفس کو پاکیزہ اور نسب کو اعلیٰ دیکھتا ہے۔ اس کو یہ خلعت پہنا دیتا ہے۔

نحن قسمنا۔ یعنی نبوت تو بڑی چیز ہے روزی رسانی جو اس سے کم درجہ ہے۔ ہم تو اس میں بھی ان کا عمل دخل نہیں رکھتے۔ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں اور دنیا میں اونچ نیچ، مال و دولت کے اعتبار سے کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہ مقبولیت کی علامت ہے اور نہ مردودیت کی بلکہ نظام تکوین کے مصالح کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے۔

سخریا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ سخری منسوب الی السخرۃ کے معنی میں ہے۔ زبردستی کام پر لگانا سخریا بمعنی استہزاء نہیں ہے۔

ولولا ان۔ مضاف محذوف ہے۔ ای لولا خوف ان یکون الناس الخ لیکن اللہ کے لئے خوف کا لفظ کچھ مناسب نہیں۔ اس لئے بیضاویؒ کی تقریر بہتر ہے۔ ای لولا ان یرغبوا فی الکفر اراد الکفار فی سعة وتنعم لہم الدنیا فیجتمعوا علیہ۔

سقفا۔ ابن کثیرؒ اور ابو عمروؒ کے نزدیک فتح سین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک ضممتین کے ساتھ ہے۔ معارج کی جمع ہے۔ میڑھی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ زینہ کی پٹریوں اور میڑھی کے ڈنڈوں پر چڑھنا ایسا ہوتا ہے۔ جیسے لنگڑا کر چلنا۔ وزخرفا۔ جعل کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے اور بقول زخمریؒ من فضة کے محل پر عطف کرتے ہوئے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ ای سقفا من فضة وذهب۔ زخرف کے معنی سونے کے ہیں۔ لیکن مجازاً زینت کے لئے بھی آتا ہے۔ وان کل۔ اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔ ان مخففہ ہے جس کا قرینہ لام ہے جو فارق ہوتا ہے مخففہ اور نافیہ میں اور عاصمؒ اور حمزہؒ کی قراءت تشدید کی ہے۔

ومن یعش۔ کہا جاتا ہے۔ عشوف الی النار اعشوا عشرا۔ جب کہ ٹھیک ٹھیک منزل مقصود کی طرف چلا جائے اور عشوف عنہا کے معنی اعراض کرنے کے ہیں اور فتح شین کے ساتھ اس کے معنی اندھے ہونے کے آتے ہیں عشی یعشی عشاء فهو عشی و امراة عشواء۔ (لغوی)

ذکر الرحمن. ذکر کی اضافت رحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سے اعراض کی وجہ سے اس ذات کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے جو سر تا پا رحمت ہے پس رحمٰن نے بھی جس کو ٹھکرا دیا۔ اس کے لئے کہاں پناہ گاہ ہو سکتی ہے۔

نفیض له. ابن عباس فرماتے ہیں۔ فھو معہ فی الدنیا والاخرۃ و یحلہ علی المعاصی.

وانھم. جن شیاطین چونکہ مراد ہے اس لئے ضمیریں جمع لائیں گئیں۔

ومن یعش. یہاں بھی تینوں ضمیریں ومن یعش کی طرف بلحاظ معنی جمع کے طور پر راجع ہیں۔ لیکن قاضیؒ کی رائے میں پہلی ضمیر عاشی کی طرف اور باقی ضمیریں شیاطین کی طرف راجع ہیں۔ یعنی دنیا پرست یہ سمجھتا ہے کہ شیاطین حق کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اذ جاءنا. کافر کے مع شیطان کے حاضر ہونے پر ابن کثیرؒ اور نافحؒ وابن عامرؒ و ابو بکرؒ کی قراءت اذ جاءنا انا تنزیہ کے ساتھ بھی دلالت کر رہی ہے۔

بعد المشرقین. قمرین، شمسین، عمرین کی طرف تغلیب کر لی گئی ہے۔

لن ینفعکم. مفسر نے قائل تنفع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اذ ظلمتم. اس پر یہ اشکال ہے کہ اذ ظرف ہے بلحاظ ماضی کے دنیا میں پھر الیوم جس سے مراد قیامت ہے بدل کیے ہو سکتا ہے۔ لیکن مفسر نے تین لکم الخ تفسیری عبارت سے اس کا ازالہ کر دیا کہ شرک تو دنیا میں کیا تھا۔ مگر اس کا ظلم ہونا قیامت میں واضح ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ خیر اپنی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اگرچہ وزن ماضی کا لایا گیا ہے۔ بلکہ مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقین ہونے کی وجہ سے۔

انکم فی العذاب. بقول یہ علت لن ینفعکم کی فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں بھی ہو سکتا ہے ای لن ینفعکم اشتراککم فی العذاب پہلی ترکیب کی تائید ابن عامرؒ کی قراءت سے ہوتی ہے۔ انکم کسرہ کے ساتھ ہے یعنی چونکہ کفر میں تم اور تمہارے قرین شریک رہے جو سب عذاب ہے۔ لہذا عذاب میں بھی شریک رہو۔

افانت. ہمزہ استفہامیہ ہے اور فا کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای انت ترید ان یحصل ایمانھم فانت تسمع

الصم ای انت لا تسمعھم.

فاما نذھبن. ای فان قبضناک قبل ان ینصرک عذابھم ونشفی بذلک صدرک و صدور المؤمنین فانا منھم منتقمون لا محالۃ فی الدنیا والاخرۃ. مفسر نے اگرچہ دشمنی کے اتباع میں محض عذاب آخرت پر اکتفا کیا ہے۔ جس کی تائید دوسری آیت او نتو فینک فالینا ینرجعون سے بھی ہو رہی ہے۔ اور بغویؒ نے صرف عذاب دنیا پر اکتفاء کیا ہے۔ ای ینتقمون بالقتل بعدک. لیکن بیضاویؒ نے دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب کے لئے عام رکھا ہے۔

مقتدرون. یعنی ہم بروقت انتقام پر قادر ہیں۔ جیسا کہ بدر میں ہو چکا۔

فاستمسک. ای دم علی التمسک یا آپ کی امت کو حکم ہے۔

وسئل. انبیاء علیہم السلام سے حقیقتاً سوال مقصود نہیں۔ بلکہ مجازاً ان کے مذاہب میں غور و خوض کرنا مراد ہے۔ کہ آیا کسی کے مذہب میں کبھی بھی بت پرستی اور شرک ہوا ہے یا نہیں؟ لیکن اس آیت میں اس کی تردید ہی انکا واضح ثبوت ہے کہ کسی صحیح آسمانی مذہب میں کبھی شرک نہیں ہوا۔ اس لئے کتب سابقہ اور ادیان سابقہ کے مطالعہ کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک حقیقت دریافت کرنا مراد ہے۔ چنانچہ واقعہ معراج میں انبیاء سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے وقت سوال کرنے کی بات چیت چلی تھی۔

رابط آیات: پہلی آیات میں توحید کا بیان تھا۔ آیت واذ قال ابراهيم الخ سے اس کی تائید کے لئے حضرت ابراہیم کی زبانی توحید کی تقریف نقل کی گئی۔ جس سے تقلید آباء کے بہانہ کا جواب بھی ہو گیا۔ پھر ان کی اولاد میں اس کا نقل ہوتے چلا جانا اور آخر میں حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا اس قدیم دعوت کو لے کر مبعوث ہونا اور ان کی نبوت سے متعلق مشرکین کے اعتراض کا جواب ارشاد ہے۔

اس کے بعد منکرین کے کفر و ضلالت کا بیان ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو رنج و الم تھا۔ آیت ومن یعش الخ سے اس کا ازالہ اور آپ کی تسلی کے لئے اس گمراہی کی علت کا بیان ہے۔ اسی سلسلہ میں مخالفین کو قیامت میں ندامت و خسارت کا ہونا اور عقوبت سے نہ بچ سکتا اور یہ کہ ان کی ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ نیز قرآن، اسلام، توحید کا نعمت اور برحق ہونا مذکور ہے۔ جس کو تسلی میں بڑا دخل ہے۔

رابط روایات: وقالوا لا انزل الخ مشرکین نے ولید اور عروہ کے دو نام پیش کئے تو ان کے نزدیک نبی کے لئے گویا شرافت ضروری ہوئی۔ یہاں تک تو صحیح بات تھی۔ مگر شرافت کو مال داری میں منحصر کرنے میں ان سے غلطی ہوئی۔ مال کو معیار بنانا اصولاً غلط ہے۔ اگلی آیات میں اسی کی وضاحت فرمائی۔

نقیض له شیطانا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ نسلطه عليه فهو معه في الدنيا والاخرة ويحمله على المعاصي۔ اذ جاءنا۔ مراد عیش کنندہ ہے۔ چنانچہ ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابو بکر کی قراءت جاءنا بصيغه تشييس کی مؤید ہے۔ جس میں عیش کنندہ اور اس کا قرین شیطان مراد ہے۔

واسئل۔ ابن عباسؓ سے اور زہریؓ، سعد بن جبیرؓ، ابن زیدؓ سے منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ انبیاء کا اجتماع بیت المقدس میں نماز کے وقت سات صفوں پر مشتمل ہوا۔ اور جس میں چار صفوف انبیاء کی اور تین صفوف رسولوں کی تھیں۔ اسی طرح کہ حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے پیچھے اور حضرت امام علیؑ دائیں، حضرت اسحقؑ بائیں، پھر ان کے پیچھے حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے فرمایا۔ ان ربي اوحى الى ان اسألكم هل ارسل احد منكم بدعوة الى عبادة غير الله فقالوا يا محمد انا نشهد انا ارسلنا اجمعين بدعوة واحدة ان لا اله الا الله وان ما يعبدون من دونه باطل و انك خاتم النبيين وسيد المرسلين قد استبان ذلك باما متك ايانا وانه لا نبى بعدك الى يوم القيامة الا عيسى بن مريم فله مامر ان يتبع اثرك۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل نے عرض کیا۔ سل يا محمد من ارسلنا من قبلك۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ لا اسأل فقد اكتفيت اور بعض حضرات نے اہل کتاب سے پوچھا مراد لیا ہے کہ وہی انبیاء سے سوال کے قائم مقام ہے۔

بلغویؒ نے ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ کی قراءت واسأل الذي ارسلنا اليهم قبلك من رسلنا بھی اس کی مؤید ہے۔ مگر بہر صورت آپ نے کسی سے دریافت نہیں کیا۔ کیونکہ حقیقۃً سوال مراد نہیں تھا۔ بلکہ مشرکین کو یقین دلانا تھا۔ کہ کسی نبی کی تعلیم بھی شرک کی نہیں ہے۔ قرآنی بیانات ہی اس کے لئے کافی ہیں۔

﴿تشریح﴾:..... حضرت ابراہیم کا واقعہ نقل کر کے یہ تاثر دینا ہے کہ جو مشرکین تقلید آباء کو بہانہ بناتے ہیں۔ ان کو اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم کی تقلید کرنی چاہئے جنہوں نے ناحق بات پر اپنے آباء کی تقلید چھوڑ دی اور دنیا میں حق و صداقت کا جھنڈا گاڑ کر اپنی اولاد کو وصیت کر دی۔ کہ میرے بعد اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ مجھے صرف ایک خدا سے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری منزل مقصود ہے جس پر مجھے وہ آخر تک لے چلے گا۔ میرے بعد یہی دلائل سن کر راہ حق کی طرف لوگ رجوع ہوتے رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کو لوگ بھول گئے اور ان کے مسلک کو چھوڑ بیٹھے۔ اللہ نے انہیں جو سامان عیش دیا۔ اسی کی مستی اور غفلت میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ انہیں کے سبق کو یاد دلانے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اللہ نے انہیں کی اولاد میں ایسا لائق پیغمبر بھیجا۔ جس نے روشن دلائل کے ساتھ پیغام حق سنایا۔ اللہ کے احکام سے صاف طور پر آگاہ کیا۔

قرآن کو جادو بتلانے والے:..... مگر ناجاروں نے قرآن کو جادو بتلایا اور پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے شخص کے اوپر اترتا۔ یہ کیا کہ بڑے بڑے دولت مندوں کو چھوڑ کر ایک کنگال شخص کو نبوت کے لئے منتخب کیا؟

فرمایا کہ نبوت و رسالت کیا تمہارے گھر کی چیز ہے جو اس کے انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔ نبوت و رسالت کا شرف تو بہت بڑی چیز ہے۔ ہم تو دنیاوی جاہ و مال بھی کسی کی تجویز سے نہیں بانٹتے۔ جسے چاہا ہم نے غنی کر دیا۔ جسے چاہا فقیر بنا دیا۔ ایک کو بے شمار دولت دے دی۔ ایک کو کنگال کر دیا۔ کسی کو تابع، کسی کو متبوع بنادیا۔ پھر مال و دولت تو کوئی معیار کمال اور مدار شرافت نہیں۔ وہ تو نہایت حقیر چیز ہے۔ نہ تو اس کا دیا جانا اللہ سے قربت و نزدیکی کی دلیل ہے اور نہ اس سے محروم ہونا دوری کا سبب ہے۔ اگر تکوینی خاص مصالح نہ ہوتیں تو ہم کافروں کے مکانات کی چھتیں، دروازے، زینے، چوکھٹ اور تالے، تخت و چوکیاں سب ہی سونے چاندی کی بنا ڈالتے۔ لیکن اس صورت میں لوگ یہ سمجھ بیٹھتے کہ یہ چیزیں کفر کے سبب سے اور کافروں ہی کو ملتی ہیں۔ اس لئے عموماً لوگ کفر کا راستہ اختیار کر لیتے اور یہ بات مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اگر دنیا کی قدر و قیمت ایک چھھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیا جاتا۔ پس جو چیز اللہ کے نزدیک اس درجہ حقیر ہو اس کو نبوت کا معیار بنانا کہاں تک درست ہوگا۔ والآخرۃ عند ربک۔ یعنی دنیا کی بہار میں سب اچھے برے شریک ہیں۔ مگر آخرت کی نعمتیں متقیوں کے لئے مخصوص ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:..... اور مشرکین کے لو لا انزل الخ کہنے سے شبہ نہ کیا جائے کہ ”بشریت اور نبوت“ میں منافات ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان کا ایک قول تو عقلی عقیدہ تھا اور ایک قول برسمیل تنزل تھا۔ اور ”قربتین“ کی تخصیص اس لئے کی۔ کہ قرب و جوار میں اور کوئی شہر نہیں تھا۔ رہ گئے دیہات ان کو وہ اس قابل نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ سلیقہ میں کمی کے علاوہ مال و جاہ میں بھی شہریوں سے کم سمجھے جاتے تھے۔ اور اس آیت کے جوابی مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیاء کرامؑ میں دنیاوی وجاہت اور وقار کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بقدر ضرورت انبیاءؑ میں وقعت و عزت کافی سمجھی جاتی ہے۔ یعنی عوام کی نظروں میں حقیر سمجھے نہ جائیں جو سبب بن جائے ان کی پیروی سے رکاوٹ کا۔

چنانچہ بخاریؒ کی روایت قصہ ہر قل کے یہ الفاظ ہیں۔ کذلک الرسل تبعث فی نسب قومها۔ اس سے زیادہ ترغیض ہے اور جس جاہ کی مذمت آئی ہے اس سے یہی دوسرا مرتبہ ہے نہ کہ پہلا مرتبہ۔ کیونکہ ضروریات تو مطلوب ہوتی ہیں نہ کہ ممنوع۔

شبہ کا ازالہ:..... اور لولا ان یکون الناس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بہت سے لوگ تو بالیقین اب بھی یہی جانتے ہیں کہ کافر ہو جانے سے دنیا خوب مل سکتی ہے۔ مگر پھر بھی ان کو اگر کوئی قتل بھی کر دے تو تب بھی کسی قیمت پر کافر نہ ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ الناس سے تمام انسان مراد نہیں بلکہ اکثریت مراد ہے اور گو کفار عددی لحاظ سے اب بھی اکثر ہیں مگر مطلق اکثریت مراد نہیں۔ بلکہ قریب کل کے جو اکثریت ہو وہ مراد ہے۔ یعنی اس طرح کہ مسلمان فی نفسہ بھی قلیل ہوتے۔ سو الحمد للہ یہ بات نہیں ہے۔ پس اس پر کوئی شبہ نہیں رہا۔

ومن یعش الخ جو شخص سچی نصیحت اور یاد الہی سے کنارہ کشی کرتا ہے۔ اس پر شیطان خصوصی طور پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ جو اس کے دل میں ہر وقت وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور دوزخ میں داخل کرا کے چھوڑتا ہے اور شیاطین اس کی راہ روکتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے پیروکاروں کی عقلیں ایسی مخ ہو جاتی ہیں کہ بھٹکی ہوئی راہ ہی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔ نیکی بدی کی تمیز بھی ان میں نہیں رہتی۔ لیکن جب اللہ کے آگے پیشی ہوگی اس وقت حقیقت حال کھلے گی۔ اس وقت حسرت و غصہ کی تصویر بن کر گمراہ انسان پکاراٹھے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تیرا ساتھ نہ ہوتا۔ کجخت اب تو دور ہو جا۔ انسان کا یہ براسا تھی انسان بھی ہو سکتا ہے اور جن بھی۔

شبہات کا جواب:..... اور شیطان کی نسبت اگر یہ شبہ ہو کہ احادیث میں تو یہ ہے کہ ہر شخص پر ایک شیطان مسلط ہے۔ پھر ومن یعش الخ کی کیا تخصیص؟ جواب یہ ہے۔ کہ حدیث میں عام شیطان مراد ہے اور یہاں خاص قسم کا شیطان مراد ہے۔ جس پر گمراہی ضرور مرتب ہو جائے۔ نیز قرین سے مراد چونکہ ہر وقت کا ساتھی ہے جو خاص ہے کفار کے ساتھ۔ کیونکہ مومن کا شیطان ذکر اللہ کے وقت ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ومن یعش سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل دونوں جانتے تھے اور یہ حسبون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطل کو حق جانتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اضطراراً تو حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتے تھے۔ مگر جان بوجھ کر کچھ مصلحتوں کی خاطر باطل کو حق کہتے تھے اور باطل پر جے ہوئے تھے اور من گھڑت مصلحتوں کو ضروری اور ان کی ضرورت کو حق جانتے تھے۔ اور واقعی حق کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ جیسے: اہل غرض ضدی لوگوں کا طریق ہوتا ہے اور حتیٰ اذا اجاء امرنا پر اگر یہ شبہ ہو کہ یہ پیشی قیامت کے روز ہوگی۔ حالانکہ حق و باطل مرتے ہی منکشف ہو جائے گا۔ اور جواب یہ ہے کہ صرف آخرت کا مقدمہ مراد ہے۔ اس لئے وہ بھی قیامت ہی میں شمار ہے۔ قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ دونوں متحد ہیں۔

ولن ینفعکم الیوم۔ دنیا میں تو ایک دوسرے کو تکلیف میں دیکھ کر کچھ ڈھارس مل جاتی ہے اور کچھ مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔ مگر دوزخ میں سب عذاب کے شریکوں کو دیکھ کر یہ فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ ایسی معمولی باتوں سے کچھ کام نہیں چلے گا۔ بلکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے مجھے عذاب میں ڈلوایا مگر خوب ہوا کہ خود بھی نہ بچا۔

ہدایت و گمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں:..... افاقت تسمع الخ یعنی اندھوں کو حق کا راستہ دکھلا دینا۔ بہروں کو حق کی آواز سنوا دینا، گمراہی میں بھٹکے ہوؤں کو اندھیرے سے نکال کر سیدھی سچی راہ پر چلا دینا یقیناً آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے بس میں ہے۔ وہ چاہے تو آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کر سکتا ہے اس لئے آپ اس غم میں نہ رہیں کہ یہ سب حق کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے۔ وہی ان کے کئے کی ان کو سزا دے گا۔ خواہ آپ کے سامنے یا آپ کے بعد، کچھ بھی

ہو یہ ہمارے قابو سے نکل نہیں سکتے اور نہ ہم ان کو چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ کا کام تو وحی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور اپنا فریضہ بدستور انجام دیئے جانا ہے۔ دنیا کہیں جائے مگر آپ بفضل الہی سیدھے راستے پر ہیں۔ جس سے بال برابر ادھر ادھر ہونے کی ضرورت نہیں۔

وانہ لذكر لك الخ یعنی قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے خاص شرف و فضل کا موجب ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت و خوش نصیبی ہوگی۔ کہ اللہ کا آخری کلام اور انسانیت کی نجات و فلاح کا ابدی دستور العمل قومی زبان میں اترے اور تم اس کے اول مخاطب قرار پاؤ۔ آخرت میں اس نعمت کی پوچھ ہوگی۔ کہ اس نعمت کی کیا قدر و منزلت کی گئی؟ اور اس فضیلت و شرف کا کیا شکر ادا کیا گیا ہے؟ پھر آپ کا راستہ کوئی نیا اور اجنبی نہیں ہے کہ لوگ بدکیں۔ بلکہ سابقہ انبیاء کی قدیمی راہ ہے اور اس کی تحقیق واقعہ معراج میں انبیاء سے ملاقات کے وقت ہو چکی ہے۔ اسی طرح مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور دیگر ذرائع تحقیق و تفتیش سے بھی ہو سکتی ہے کہ شرک کی اجازت کسی بھی دین سماوی میں نہیں ہوئی۔

لطائف سلوک: وقالوا لولا انزل الخ منكرين اولياء بھی اسی طرح ان کے کسی شرف و جاہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ولایت کا انکار کر دیتے ہیں۔

ولولا ان يكون الناس الخ میں ترغیب ہے دنیا اور اس کی زینت و آرائش سے بچنے کی۔
ومن يعش الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر معصیت پر ظاہری سزا نہ بھی ہو تب بھی یہ ایک مستقل سزا ہے کہ برائیوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ گویا یہ قہر بصورت مہر ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ أَيَّ الْقَبْطِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا الدَّالَّةِ عَلَىٰ رِسَالَتِهِ إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ الْعَذَابِ كَالْطُّوفَانِ وَهُوَ مَاءٌ دَخَلَ بُيُوتَهُمْ وَوَصَلَ إِلَىٰ خُلُوقِ الْحَالِسِينَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَالْجَرَادِ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتَيْهَا قَرِينَتَيْهَا الَّتِي قَبْلَهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٣٨﴾ عَنْ كُفْرِهِمْ وَقَالُوا لِمُوسَىٰ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَا أَيُّهَا السَّحَرُ أَيُّ الْعَالَمِ الْكَامِلِ لِأَنَّ السِّحْرَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ عَظِيمٌ اذْعُ لَنَا رَبِّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ مِنْ كَشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا إِنَّ آمَنَّا إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ﴿٣٩﴾ أَيُّ مُؤْمِنُونَ فَلَمَّا كَشَفْنَا بِدُعَاءِ مُوسَىٰ عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٤٠﴾ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ وَيُبْصِرُونَ عَلَىٰ كُفْرِهِمْ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ ائْتِخَارًا فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقُومُ الْيَسَ لِي مُلْكٌ مُضَرٌّ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ أَيُّ مِنَ النَّيْلِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَيُّ تَحْتَ قُصُورِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٤١﴾ عَظَمْتَنِي أَمْ تُبْصِرُونَ وَحِينَئِذٍ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَذَا أَيُّ مُوسَىٰ الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ضَعِيفٌ حَقِيرٌ وَلَا يَكَاذُ يُبَيِّنُ ﴿٤٢﴾ يُظْهِرُ كَلَامَهُ لِلتَّغْيَةِ بِالْحِمْرَةِ الَّتِي تَنَاوَلَهَا فِي صِغَرِهِ فَلَوْلَا هَلَّا أُلْقِيَ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ صَادِقًا أَسَاوِرُهُ مَنْ ذَهَبٍ جَمْعُ أَسْوَرَةٍ كَأَغْرَبَةٍ جَمْعُ سَوَارٍ كَعَادَتِهِمْ فِيمَا يَسْوُدُونَهُ أَنْ يَلْبَسُوهُ أَسْوَرَةً ذَهَبٍ وَيُطَوِّقُوهُ طَوْقَ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ لَهُ نَفْسٌ مَشْهُورَاتٌ مِنْ لَفْظِ "أَسَاوِرُهُ" كَمَا يَكُونُ فِي تَفْسِيرِ جَلَالِينَ كَمَا عَتَبَ كَرْتَمُ لَفْظُ "أَسَاوِرُهُ" هِيَ بِرَقَرَارٍ كَمَا لِي هِيَ ۱۳

الْمَلَائِكَةُ مُقَرَّرِينَ ﴿۵۳﴾ مُتَابِعِينَ يَشْهَدُونَ بِصَدْقِهِ فَاسْتَحَفَّ اسْتَفَزَ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ فَاطَاعُوهُ فِيمَا يُرِيدُ
 مِنْ تَكْذِيبِ مُوسَى إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّا اسْفُونا اَغْضَبُونَا اَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ
 اَجْمَعِينَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا جَمَعَ سَالِفٍ كَخَادِمٍ وَخَدِمَ اَي سَابِقِينَ عِبْرَةً وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿۵۶﴾
 بَعْدَهُمْ يَتِمَثَّلُونَ بِحَالِهِمْ فَلَا يُقَدِّمُونَ عَلَى مِثْلِ اَفْعَالِهِمْ وَلَمَّا ضُرِبَ جُعِلَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا حِينَ نَزَلَ
 قَوْلُهُ تَعَالَى اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ رَضِينَا اَنْ تَكُونَ الْهَيْتَا مَعَ
 عِيسَى لِاَنَّهُ عَبْدٌ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِذَا قَوْمُكَ الْمُشْرِكُونَ مِنْهُ مِنَ الْمِثْلِ يَصُدُّونَ ﴿۵۷﴾ يَضْجُونَ فَرَحًا بِمَا
 سَمِعُوهُ وَقَالُوا الْهَيْتَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ اَي عِيسَى فَرَضَى اَنْ تَكُونَ الْهَيْتَا مَعَهُ مَا ضَرَبُوهُ اَي الْمِثْلَ لَكَ
 الْاَجْدَلَا خُصُومَةً بِالْبَاطِلِ لِعِلْمِهِمْ اَنْ مَالِغَيْرِ الْعَاقِلِ فَلَا يَتَنَاولُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
 خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ شَدِيدُ الْخُصُومَةِ اِنْ مَا هُوَ عِيسَى الْاَعْبَدُ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ بِالنُّبُوَّةِ وَجَعَلْنَاهُ وَجُودَهُ مِنْ
 غَيْرِ ابٍ مَثَلًا لِّبَنِي اِسْرَآءِئِيلَ ﴿۵۹﴾ اَي كَالْمِثْلِ لِغَرَابَتِهِ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالَى عَلَى مَا يَشَاءُ
 وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ بَدَلَكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُقُونَ ﴿۶۰﴾ بِاَنْ نُهْلِكَكُمْ وَاِنَّهُ اَي عِيسَى
 لَعَلِمَ لِّلْسَاعَةِ تَعْلَمُ بِنُزُولِهِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا اَي تَشْكُنَّ فِيهَا حَذَفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ لِلْحَزْمِ وَ وَاوَالِ الصِّمِيرِ
 لِالْتِقَاءِ السَّاكِنِينَ وَقُلْ لَهُمْ اتَّبِعُونِ عَلَى التَّوْحِيدِ هَذَا الَّذِي اَمْرُكُمْ بِهِ صِرَاطٌ طَرِيقٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا
 يَصُدُّكُمْ بِضَرْفَتِكُمْ عَنْ دِينِ اللّٰهِ الشَّيْطَانُ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۲﴾ بَيْنَ الْعَدَاوَةِ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى
 بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُعْجَزَاتِ وَالشَّرَائِعِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ بِالنُّبُوَّةِ وَشَرِيعِ الْاِنْجِيلِ وَلَا بَيْنَ لَكُمْ
 بَعْضُ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ مِنْ اَحْكَامِ التَّوْرَةِ مِنْ اَمْرِ الدِّينِ وَغَيْرِهِ فَبَيَّنَ لَهُمْ اَمْرَ الدِّينِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
 وَاطِيعُونَ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ
 مِنْ بَيْنِهِمْ فَيَ عِيسَى هُوَ اللّٰهُ اَوْ ابْنُ اللّٰهِ اَوْ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ قَوْلٌ كَلِمَةٌ عَذَابٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا بِمَا
 قَالُوهُ فَيَ عِيسَى مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْيَوْمِ ﴿۶۵﴾ مَوْلَاهُمْ هَلْ يَنْظُرُونَ اَي كُفَّارٍ مَكَّةَ اَي مَا يَنْتَظَرُونَ اِلَّا
 السَّاعَةَ اَنْ تَأْتِيَهُمْ بَدَلٌ مِنَ السَّاعَةِ بَغْتَةً فَجَاءَهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۶﴾ بِوَقْتِ مَحِيَّتِهَا قَبْلَهُ الْاَخْلَاءُ
 عَلَى الْمَعْصِيَةِ فِي الدُّنْيَا يَوْمَ مِثْلٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۶۷﴾
 الْمُتَحَابِّينَ فِي اللّٰهِ عَلَى طَاعَتِهِ فَاِنَّهُمْ اَصْدِقَاءُ

میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ پھر جب موسیٰ ان کے پاس بھاری نشانیاں لے کر آئے (جو ان کے رسول ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں) تو وہ یکا یک ان پر لگے ہنسنے اور ہم ان کو جوشانی دکھلاتے تھے (عذاب کی نشانیاں میں سے مثلاً: طوفان کا پانی ان کے گھروں میں داخل ہوا اور ایک ہفتہ تک بیٹھنے والوں کے گلے گلے آتا رہا۔ اسی طرح نڈیوں کا عذاب) تو وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی (جو اس سے پہلے آچکی ہوتی) اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں (اپنے کفر سے) اور وہ لوگ بولے (عذاب آنے پر حضرت موسیٰ سے) اے جادوگر! (ماہر کامل کیونکہ جادو ان کی نظر میں سب سے بڑا علم تھا) اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے عذاب اٹھالیا جائے گا) ہم ضرور راہ پر آجائیں گے (ایمان لے آئیں گے) پھر جب ہم نے (موسیٰ کی دعا سے) ان سے وہ عذاب ہٹالیا تب بھی انہوں نے عہد توڑ دیا (اپنے کفر پر بدستور رہے) اور فرعون نے (فخریہ) اپنی قوم میں منادی کرائی، کہا اے میری قوم! کیا سلطنت مصر میری نہیں؟ اور یہ (دریائے نیل کی) نہریں (میرے محل کے) پائین میں بہہ رہی ہیں۔ کیا تم (میری عظمت کو) دیکھتے نہیں ہو! یاد کیج رہے ہو (اس صورت میں تو) میں بہتر ہوں اس (موسیٰ) سے جو گھٹیا درجہ کا ہے (کمزور حقیر ہے) اور قوت بیان بھی نہیں رکھتا (قادر الکلام۔ اس لکنت کی وجہ سے جو بچپن میں ان کی زبان میں چنگاری رکھنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی) سو اس کے سونے کے ٹکٹن کیوں نہیں ڈالے گئے (اگر وہ سچا تھا۔ اساور جمع اسورۃ کی جیسے اغریۃ اور اسورۃ جمع ہے سوار کی۔ امراء اپنی عادت کے مطابق سونے کے ٹکٹن اور ہار پہنا کرتے تھے) یا فرشتے اس کے جلو میں پرے باندھ کر آئے ہوتے (اس کی سچائی کی تصدیق کرنے کے لئے) غرض (فرعون نے) اپنی قوم کو دبا لیا (مغلوب کر لیا) سو وہ اس کے آگے جھک گئے (موسیٰ کی تکذیب کے سلسلہ میں) وہ لوگ تھے ہی شرارت کے بھرے ہوئے۔ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ (برہم کر دیا) تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو افسانہ (سلف جمع سالف کی ہے جیسے خادام کی جمع خدمۃ آتی ہے۔ یعنی مقدمہ عبرت) اور نمونہ بنا دیا آئندہ آنے والوں کے لئے (بعد کے لوگ ان کے حالات سے سبق لے کر ایسے کام نہیں کریں گے) اور جب ابن مریم کے لئے ایک مضمون بیان کیا گیا (جب یہ آیت نازل ہوئی۔ وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم تو مشرکین بولے کہ ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ کے ساتھ رکھے جائیں۔ کیونکہ ان کی بھی تو پرستش کی گئی ہے) تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ (مشرکین) چلانے لگے (اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ اس لئے ہم راضی ہیں کہ ہمارے معبود ان کے ساتھ رہیں (ان لوگوں نے) یہ بات (جو آپ سے بیان کی ہے تو محض جھگڑے کی غرض سے ہے) غلط بکواس ہے ورنہ یہ خوب جانتے ہیں کہ ما غیر عاقل کے لئے آتا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ اس میں آتے ہی نہیں) بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو (بات کا بنگلہ بنانے والے) عیسیٰ تو محض ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے (نبوت دے کر) فضل کیا تھا۔ اور ان کو (بلا باپ پیدا کر کے) بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا (عجیب غریب مثال جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے) اور اگر ہم چاہتے تو (تمہاری بجائے) تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے کہ زمین پر وہ یکے بعد دیگرے رہا کرتے (ہم تمہیں ہلاک کر دیتے) اور وہ (عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں (ان کے نازل ہونے کے بعد قیامت آئے گی) تو تم لوگ اس میں تردد نہ کرو (تمتروں اصل میں تمترون تھا تو ان رفع جزم کی وجہ سے اور وادۃ التوائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے اس میں سکون کیا جاتا ہے) اور (ان سے فرمائیے) کہ تم میری پیروی کرو (توحید کے متعلق) یہ (جو میں تمہیں بتلا رہا ہوں) سیدھا راستہ (طریق) ہے اور تمہیں شیطان روکنے نہ پائے (اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کر دے) بلاشبہ وہ تمہارا صریح (کھلا) دشمن ہے۔ اور عیسیٰ جب معجزات لے کر آئے (نشانات و احکام) کہنے لگے تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں (نبوت اور احکام انجیل) اور تا کہ بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں (یعنی تورات کے دین وغیرہ کے احکام بیان کر دوں) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مان لو۔ بلاشبہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ سو اسی کی عبادت کرو یہی ہے سیدھی راہ۔ سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا (حضرت عیسیٰ کے متعلق کہ آیا وہ اللہ ہیں یا اس کے بیٹے ہیں یا مجملہ تین خداؤں کے ایک ہیں) سو ان ظالموں کے لئے (جو عیسیٰ کے متعلق کفریہ کلمات کہتے

ہیں) بڑی خرابی ہے ایک پروردگار کے عذاب سے، یہ لوگ (کفار کہہ) نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ دفعۃً ان پر آ پڑے (ان تائبہم الساعة سے بدل ہے) اور ان کو (اس کے آنے کا پہلے سے) احساس بھی نہ ہوتا مگر دوست (دنیا میں گناہ کے سہمی) اس روز (قیامت میں، اس کا تعلق اگلے جملہ سے ہے) ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، بجز اللہ سے ڈرنے والوں کے (جو اللہ کی اطاعت میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ وہ آپس میں سچے دوست ہوں گے۔)

تحقیق و ترکیب: اذا هم منها. اذا مفا جاتیہ ہے۔

من ایہ. نو نشانیاں قوم موسیٰ کی مراد ہیں۔

الایہی اکبر. اضافی بڑائی بھی مراد ہو سکتی ہے اور فی نفسہ نشانیوں کا بڑا ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

من اختہا. جب دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں۔

یا ایہا الساحر. یہ نذرانہ تعظیم کے لئے ہے۔ ساحر سے مراد عالم ماہر ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یہ مذمت کے لئے نہیں کہا۔ اور یا خود کو بڑا سمجھتے ہوئے اس طرز سے گفتگو کی بنیت تحقیر۔

بما عہد. ما موصولہ ہے لیکن بیضاویؒ نے ما مصدریہ مانا ہے اور عہد سے مراد نبوت ہے اور مستجاب الدعوات ہونا یا عذاب کا موقوف ہو جانا مراد ہے۔

وہذہ الانہار. واو عاطفہ ہے یا حال ہے اور تجوی حال ہے یا خبر۔

ام انا خیر. ام متصلہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس سے مقصود کسی چیز کی تعین ہوتی ہے۔

یسکادیبن. لغتہ کہتے ہیں کہ زبان سے سین کی بجائے ثناء اور اداء کی بجائے غین نکلے یا لام یا یا نکلے یا کسی اور حرف کی بجائے اور حرف نکلے یا زبان حرف کی ادائیگی میں نہ اٹھ سکے اس میں ثقل ہو۔

اساور. سوار بر وزن کتاب یا غراب ہے جمع اسودۃ اساور، اساورۃ آتی ہے۔

اسفرنا. اسف سے منقول ہے غضب ناک ہو جانا۔

فاغر قناہم. جس ٹیل پر فرعون فخر کرتا تھا آخر کار وہی اس کو لے ڈوبا۔ اور حضرت موسیٰ کو حقیر سمجھا مگر وہی غالب رہے۔

مثلاً. یعنی جو خدا بے باپ پیدا کر سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اذا قومک. عبداللہ بن زبیریؓ مراد ہے اور نام کی تصریح شاید اس لئے مناسب نہ سمجھی کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔

یصدن. شور مچانا۔

ءالہتنا. تحقیق ہمز تین اور بغیر الف درمیان میں لائے۔ ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کے ساتھ دونوں قراءتیں مشہور ہیں اور قرأت شاذہ صرف ایک ہمزہ کے ساتھ اور اس کے بعد الف ہے اس صورت میں خبر ہوگی۔

الاعبد. جواب کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر تو اللہ کا انعام ہے ان کو عذاب کیسے ہوگا۔

لجعلنا منکم. من بدلہ ہے۔ جیسے: رخصیم بالنعیۃ الدنیا من الاخرۃ۔

یخلفون. انسانوں کی بجائے فرشتے زمین میں خلیفہ ہوں یا فرشتے باہم ایک دوسرے کے خلیفہ ہوں یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ سے پیدا کر دیا۔ اسی طرح انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ فرشتے اللہ کی اولاد نہیں ہیں۔

لعلم للساعۃ. علم سے مجازاً علاقہ مراد ہے اور ابن عباسؓ نے علم مبالغہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔

ولا بین لکم. یہ عطف جملہ سے ہے۔ ای جنتکم بالحکمۃ لا بین لکم اور عام محذوف پر بھی عطف ہو سکتا ہے۔

ای جنتکم لا ذکر کم ولا بین کذا الی کفار مکہ۔

تختلفون فیہ۔ یعنی دنیاویں کے مجموعی امور میں تم اختلاف کرتے ہو ان میں سے دین کو بتلانے کے لئے آیا ہوں۔
من بینہم۔ مفسر نے فرقہ یعقوبیہ، مرقوسیہ، مکانیہ کے عقائد کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے اور ایک فرقہ عیسائیوں کا صحیح
العقیدہ بھی تھا اور یہودی حضرت عیسیٰ کو ولد الزنا کہتے تھے۔
الا خلاء۔ مفسر کے مطابق اگر معصیت کی قید لگائی جائے تو پھر الا المتقون میں استثناء منقطع ہوگا اور مطلقاً دوستی مراد ہو تو
پھر استثناء متصل ہو جائے گا۔

رابط آیات:..... گذشتہ آیات میں کفار کے اس خیال کی بھی تردید تھی۔ کہ انبیاء کے لئے دنیاوی عرفی وجاہت و دولت ضروری
ہے۔ چنانچہ آیات ولقد ارسلنا موسیٰ الخ اور ولما ضرب ابن مریم الخ میں اس کی تائید کی جا رہی ہے کہ یہ دونوں حضرات ہر
چند کہ ان کے معیار کے مطابق نہیں تھے۔ مگر خدا کے فرستادہ تھے۔

شان نزول:..... توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں خصوصیت سے پیش نظر ہے۔ کفار
کے ایک معاندانہ شبہ کا جواب ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے قریش سے شرک کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ لیس احد یبعد من
دون اللہ فیہ حیر۔ اس پر بعض لوگ بولے کہ اس عموم میں تو عیسیٰ بھی آتے ہیں کہ ان میں بھی خیریت نہیں۔ آخر عیسائی ان کی پرستش
تو کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ ان کو نیک بندہ اور نبی مانتے ہیں۔ پس آپ کی ان دونوں باتوں میں تعارض ہو گیا۔ اس شبہ کے جواب میں
بقول ابن عباسؓ یہ آیات ولما ضرب ابن مریم نازل ہوئیں۔

حاصل اعتراض یہ ہوا کہ ہمارے معبودوں میں اگر خیر نہیں تو حضرت عیسیٰ میں بھی خیر نہیں ہوگی۔ حالانکہ آپ ان کو خیر پر مانتے
ہیں۔ پس ہمارے معبودوں کو بھی خیر پر ماننا پڑے گا؟ اور مشرکین کا مقصد اس معارضہ سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک آنحضرت ﷺ
کے ابطال شرک کا جواب اور دوسرے حضرت عیسیٰ کی معبودیت سے شرک کی صحت ثابت کرنا ہے۔

مشہور شان نزول یعنی ابن زبیری کا اعتراض جیسا کہ مفسر نے ذکر کیا اس لئے باعث اشکال ہے۔ کہ اس صورت میں آیت
انکم وما تعبدون کا نزول مقدم ماننا پڑے گا۔ اور ولما ضرب ابن مریم کا نزول مؤخر۔ حالانکہ تفسیر اتقان میں سورہ زخرف کو سورہ
انبیاء سے پہلے نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن پہلی تقریر پر اشکال لازم نہیں آتا۔

تاہم مشہور شان نزول کی یہ توجیہ روایات ذیل قال ابن الزبیری اهدنا ولا لہتنا ام لجمیع الامم فقال رسول اللہ ہو
لکم ولا لہتکم ولجمیع الامم فقال قد خصمتک ورب الکعبۃ الیست النصرانی المسیح والیہود یعبدون عزیزا۔ وبنو
ملیح یعبدون المملئکۃ فان کان ہو لاء فی النار فقد رضینا ان نکون نحن والہتنا معہم فسکت انتظار الوحی فظنوا انہ
الزمہ الحجۃ فضحکوا وارتفعت اصواتہم فظنوا ان محمد اصبار مغلوبا بهذا الجدال کی بناء پر کی جاسکتی ہے کہ سورہ زخرف
اکثر آیات کے اعتبار سے سورہ انبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہوگی۔ اور اگر انکم وما تعبدون کا نزول پہلے مان لیا جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا
ہے کہ ماکا استعمال غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے بت مراد ہیں۔ فرشتے اور حضرت عیسیٰ اس میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے
کہ حضور ﷺ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ کیونکہ آپ نے جواب ارشاد فرمایا تھا کہ بل ہم عبدو الشیاطین النی امرتہم بذلک۔

﴿تشریح﴾: فلما جأهم بأياتنا. یعنی دوسرے دلائل برنگ عقوبت ہم نے ظاہر کئے۔ جن کا بیان آیت ولقد اخذنا آل فرعون میں گزر چکا ہے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر پھر بھی ان کا مذاق اڑایا کہ یہ تو محض معمولی واقعات ہیں۔ قحط وغیرہ حوادث دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ مقامی قرائن سے ان کا عجیب اور خارق عادت ہونا معلوم تھا۔ مگر پھر بھی ایک سے ایک بڑھ کر نشانات کا مذاق اڑاتے رہے، یہ بطور محاورہ کے فرمادیا۔ ورنہ سب نشانیاں بڑی تھیں۔ اور اگر تفصیل جزئی کا خیال کیا جائے تو عرفی صحت کی بجائے صحت عقلی کے اعتبار سے بھی کہنا صحیح ہوگا۔ وہ نشانات جن کا ذکر ہمارے مسلمان علیہم الطوفان و الجوراد میں آچکا ہے۔ ایک طرف وہ دلائل نبوت تھے اور دوسری طرف نہ ماننے والوں کے لئے عقوبت و سزا بھی۔

وقالوا یا ایہا الساحر. ممکن ہے بعض نشانیاں جو صورت چھوٹی تھیں ان کو دیکھ کر ہنسی کی ہو اور بڑی نشانیاں دیکھ کر گڑ گڑانے لگے ہوں یا شروع میں سب کا مذاق اڑایا ہو اور بعد میں ان کے شدید و مدید ہونے پر منت خوشامد کرنے لگے ہوں۔ اور حضرت موسیٰ کو ساحر کہنا یا تو ماہر کے معنی میں ہو اور یا بدحواسی میں زبان پر چڑھا ہوا لفظ منہ سے نکل گیا ہو۔

فرعون کی ڈینگیں: و نادى فرعون. اپنی کوتاہ نظری سے فرعون دنیاوی طمطراق کو لازمہ نبوت سمجھ بیٹھا اور حضرت موسیٰ کو بھی اس پیمانہ سے ناپنا چاہا اور اپنے خوشامدیوں کے آگے ڈینگیں ماریں۔ کہ یہ دیکھو مصر کی ساری باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے اور یہ نہریں میری بنائی ہوئی ہیں۔ جو دریائے نیل سے نکالی گئی تھیں اور موسیٰ کے پاس کیا دھرا ہے کہ تم لوگ اس کے آگے گردنیں جھکاؤ، نہ اس کے پاس روپیہ پیسہ، نہ حکومت و عزت اور نہ دوسرا کوئی ظاہری کمال حتیٰ کہ زبان بھی صاف نہیں کہ سلیقہ سے گفتگو کر سکے لیکن ہم خود بھی سونے کے کنگن پہنتے ہیں اور جس امیر، وزیر پر مہربان ہو جائیں اس کو بھی سونے کے کنگن پہنا دیتے ہیں اور فوج فرا بھی ہمارے اعزاز دیئے ہوئے امیر کبیر کے آگے صف بستہ کھڑی رہتی ہے۔ ایک یہ موسیٰ ہیں کہ ان کو یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں۔ پھر کس برتے پر نبوت کا وعیدار ہے۔ غرض کہ اس طرح کی بد فریب باتوں سے فرعون نے سب کو التو بنا دیا۔ اس کی قوم کے لوگ پہلے ہی سے نافرمان تھے۔ اب اوکھٹے کو ٹھٹھٹے کا بہانہ ہو گیا۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو خدا کی انتقام حرکت میں آ گیا اور اسی نیل میں غرقاب کر دیا گیا جس پر اس کو ناز تھا۔ اب دنیا کے لئے یہ عظیم قوم محض ایک افسانہ عبرت بن کر رہ گئی۔

سلفاً. یعنی خاص طور سے معتقدین کے لئے۔ یعنی ان کا قصہ بیان کر کے لوگ عبرت دلاتے ہیں کہ دیکھو متقدمین میں ایسے ایسے مجرمین ہوئے ہیں جن کا یہ حال ہوا ہے۔ اور فرعون کا لاپسکاد بیبین کہنا یا تو نری غلط بیانی ہے اور اگر کچھ روانی میں کمی ہوگئی یا زبان میں کچھ بستی کا کچھا اثر رہ گیا ہو تو وہ منافی کمال نہیں۔ جس کو اس نے بڑھا چڑھا کر رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے۔

بھانستہ بھانت کی بولیاں: ولما ضرب ابن مريم. حضرت عیسیٰ کا جب ذکر آتا۔ تو مشرکین عرب قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ شان نزول کے ذیل میں ان کے جن دو مقصودوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں ان دونوں کا جواب ہے۔ پہلی بات کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ خیریت کی نفی میں جس سے شرک کا باطل کرنا مقصود ہے مقتضی ہے غیر اللہ کے معبود ہونے کو، لیکن مانع کی مابودگی میں مقتضی کا اثر نہیں رہا تھا اور حضرت عیسیٰ میں مانع موجود ہے۔

اور اعتراض کے دوسرے حصہ کا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی معبودیت اس لئے حجت ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشاء نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خود حضرت عیسیٰ کے خلاف ہیں اور جن باتوں سے پرستش کرنے والوں کو اشتباہ یا مغالطہ ہو سکتا تھا ان کا جواب دے دیا۔ بہر حال حضور ﷺ کا منشاء انکم وما تعبدون سے وہ چیزیں تھیں جن کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ مگر وہ خود اس پرستش سے

لوگوں کو نہ روکتے ہیں اور نہ اظہارِ بیزاری کرتے ہیں۔ مگر کٹ جیتی کرنے والوں کا مقصد ہی حق کو رانا اور جھگڑے نکالنا ہوتا ہے۔
 کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں بلکہ ہر سیدھی بات کو بھی جھگڑالو، اچھ پیچ میں ڈال دیتے ہیں اور دو راز کا مہمل بجٹیں لاکھڑی کر دیتے ہیں۔ بھلا کہاں شیاطین جو لوگوں سے پرستش کر اگر خوش ہوتے ہیں یا پتھر وغیرہ کی بے جان مورتیاں جو کفر و شرک سے کسی کو باز رکھنے پر اصلاً قادر نہیں اور کہاں حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیز جیسے پاک طینت جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا۔ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا۔ جنہیں خود بھی اپنی بندگی کا اقرار تھا۔ اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی کی دعوت دیتے رہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔
 قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کا تمام تر زور ہی اس کے خلاف ہے اور نہ یہ کہ شخص چند بیوقوفوں کے کسی کو معبود بنا لینے سے خدا کے ایک برگزیدہ مقبول بندے کو پتھروں یا شیروں کے برابر کر دے۔

حضرت عیسیٰ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے: رہا حضرت عیسیٰ کا بن باپ پیدا کرنا۔ سو اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔ اللہ چاہے تو تمہاری نسل سے فرشتے پیدا کر دے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں فرشتوں کے سے آثار تھے لیکن اتنی سی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں کو لا کر اللہ زمین پر بسا دے، آباد کر دے۔ اسے سب کچھ قدرت ہے۔ ان ہو الا عبد سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا۔ پہلی بات کا تو اس طرح کہ حضرت عیسیٰ پر چونکہ اللہ کا انعام ہے اس لئے وہ خیریت سے خالی نہیں ہو سکتے۔ اس مانع کے ہوتے ہوئے وہ مقتضی یعنی غیر اللہ کا معبود ہونا مؤثر نہیں ہوا۔ خیریت کی نفی میں۔ برخلاف شیاطین اور بتوں کے وہاں غیر مانع کے مقتضی موجود ہے۔ بلکہ شیاطین میں خیریت نہ ہونے کا ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے یعنی ان کا کفر۔
 خلاصہ یہ کہ ان کے فرضی خداؤں کا خیریت پر نہ ہونا حضرت عیسیٰ کے خیریت پر نہ ہونے کو مستلزم نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خیریت پر ہونا ان کے معبودوں کے خیریت پر ہونے کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح دوسری بات کا جواب بھی اس طرح نکل آیا کہ مطلق خیریت الوہیت کو مستلزم نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ باوجود منعم علیہ اور باخبر ہونے کے خدا کے بندے تھے۔ بلکہ ان کی خیریت کی بناء پر ہی ان پر اللہ کا انعام تھا۔ رہ گیا لوگوں کا ان کی پرستش کرنا، اس سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال اس لئے غلط ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشاء نہیں تھا۔ محض جبلاء کو ان کے بلا باپ پیدا ہونے سے اشتباہ ہو گیا۔ ورنہ صحیح الفکر لوگ اس وقت بھی کسی مغالطہ میں نہیں پڑے تھے۔ سو فی نفسہ بغیر باپ پیدا کرنا بھی اس بد عقیدگی کا صحیح منشاء نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی حکمتیں: ایسی پیدائش مختلف حکمتوں کے پیش نظر ہوئی۔ مثلاً: خدائی قدرت مطلقہ پر استدلال کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والے کی الوہیت پر استدلال کرنا انتہائی عنادت و بلادت کی بات ہے۔ وہ تو انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کر سکتا ہے اور پھر ان فرشتوں کی موت بھی انسانوں کی طرح ہو سکتی ہے اور یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ کیونکہ آدم و حوا کی پیدائش تو ان سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن فرشتوں کی پیدائش و وفات انسانوں کی طرح کبھی بھی نہیں ہوئی۔ مگر اللہ اس پر بھی قادر ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ کی یہ پیدائش منشاء عبادت نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ کی اس طرح پیدائش میں دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ قیامت کے یقینی ہونے کا ایک ذریعہ ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی پیدائش خاص طور پر بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت تھی۔ کہ اللہ نے عجیب و غریب خوارق دکھائے اور دوسری مرتبہ ان کا نزول قیامت کا نشان ہوگا۔ وہ قریبی علامات قیامت ہیں۔ لوگ سمجھ جائیں گے کہ قیامت اب بالکل قریب آگئی ہے۔ نیز قیامت کو لوگ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ہی تو بعید سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ کا دوبارہ دنیا میں آنا ہی تو خلاف عادت ہوگا۔ اس سے قیامت کا پکا یقین ہو جائے گا۔

مشرکین تو حید کی طرح چونکہ قیامت کے بھی منکر تھے۔ اس لئے اس دوسری حکمت میں جملہ معترضہ کے طور پر اس کی فہمائش تائید بھی ہوگئی۔ غرض کہ ان دونوں عقائد میں بلکہ جملہ عقائد و اعمال میں آنحضرت ﷺ کی پیروی کا حکم ہے کہ یہی سیدھی راہ ہے اس خلاف شیطانی راہ ہے جو انسان کا کھلا دشمن ہے۔

نرت عیسیٰ نے یہودی کی اصلاح فرمائی: ولما جاء عيسى. یہودیوں میں چونکہ سرکشی زیادہ تھی۔ ممکن ہے انہوں نے بعض ل چیزوں کو حرام اور بعض حرام چیزوں کو حلال کر لیا ہو اور بعض احکام بحالہ رہنے دیئے ہوں۔ اس لئے حضرت عیسیٰ نے تشریف لاکر محرف احکام کو بیان فرمایا ہو یا بقول حافظ ابن کثیر دنیاوی اور دینی احکام میں سے صرف دینی احکام کو بیان فرمایا ہو۔ جیسا کہ انبیاء کا طریقہ ہوتا ہے دنیاوی احکام سے تعرض نہیں کیا۔

هذا صراط مستقيم. یہ تھا حضرت عیسیٰ کی تعلیم کا خلاصہ جس میں توحید و اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔ اس لئے ان کے نام وں میں سے بعض نادانوں کے مشرکانہ طرز عمل سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا ”مدعی ست گواہ چست“ کا مضمون ہوگا۔

مائیوں کی چار جماعتیں: فاختلف الاحزاب. حضرت عیسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں اختلاف ہو گیا۔ یہودی کے منکر اور عیسائی ان کے قائل ہو گئے۔ پھر آگے چل کر عیسائیوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ تین فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک حضرت عیسیٰ مین خداؤں میں سے ایک کہتا ہے۔ اور کوئی خدا کا بیٹا مانتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے۔ غرض کہ ان میں سے ایک بھی عیسوی تعلیم پر انہیں رہا۔ اتنی واضح تعلیم کے بعد جب یہ راہ راست پر نہیں آئے۔ تو بس معلوم ہوتا ہے کہ آپ قیامت کے بگل کا انتظار کر رہے۔ جب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس روز کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔ سب دوستیاں اور محبتیں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی ن کے کام نہیں آئے گا۔ بلکہ بری دوستی پر انسان بچھٹائے گا۔ البتہ اللہ کے لئے دوستی یقیناً کام آئے گی۔

قَالَ لَهُمْ يَعْبَادُ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا نَعْتُ لِعِبَادِي بِإِيتِنَا نَرَانِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ مَبْتَدَأُ وَأَزْوَاجُكُمْ زَوْجَاتُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ رُؤُوفٌ وَتُكْرَمُونَ خَيْرَ الْمُبْتَدَأِ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَحَافٍ بِقِصَاصٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ جَمْعُ كُوبٍ سَوَاءٌ لَّاهُ لَعْرُوءَةٌ لَهُ لِيَشْرَبَ الشَّارِبُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ تَلَذُّذًا أَوْ تَلَذُّ الْأَعْيُنِ رَأَوْا أَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أَوْرَثْنَاهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا أَكْهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا أَى بَعْضُهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ وَمَا يُؤْكَلُ يَخْلِفُ بَدَلَهُ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ هُمْ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفْتَرُ يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ سَاكِتُونَ سَكُوتَ يَاسٍ وَمَا لَمْ يَنْهَمُ وَلَكِنْ كَانُوا هُمْ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَمْلِكُ هُوَ خَازِنُ النَّارِ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ تَنَا قَالَ بَعْدَ أَلْفِ سَنَةٍ إِنَّكُمْ مَّكْثُونَ ﴿٧٧﴾ مُقِيمُونَ فِي الْعَذَابِ دَائِمًا قَالَ تَعَالَى لَقَدْ جِئْتُكُمْ أَى مَكَّةَ بِالْحَقِّ عَلَى لِسَانِ الرُّسُلِ وَلَكِنْ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَرْهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَى كُفَّارُمَكَّةَ

أَحْكُمُوا أَمْرًا فِى كَيْدِ مُحَمَّدٍ النَّبِىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ مُخَكِّمُونَ كَيْدَنَا فِى
 إِهْلَاكِهِمْ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ مَا يُسِرُّونَ إِلَىٰ غَيْرِهِمْ وَمَا يُحْهَرُونَ بِهِ بَيْنَهُمْ
 بَلَىٰ نَسْمَعُ ذَلِكَ وَرُسُلُنَا الْخَفِظَةُ لَدَيْهِمْ عِنْدَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ ذَلِكَ قُلُوبُ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ
 فَرَضْنَا فَنَّا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ ﴿٨١﴾ لِلْوَلَدِ لَكِنْ ثَبَتَ إِنْ لَا وَلَدَ لَهُ تَعَالَىٰ فَانْتَفَتْ عِبَادَتُهُ سُبْحَنَ رَبِّ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ الْكُرْسِيِّ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ يَقُولُونَ مِنَ الْكُذْبِ بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ إِلَيْهِ
 فَذَرَهُمْ يَحْوَضُوا فِى بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوا فِى دُنْيَاهُمْ حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِى يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾ فِىهِ
 الْعَذَابُ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَهُوَ الَّذِى هُوَ فِى السَّمَاءِ إِلَهُ تَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَاسْقَاطِ الْأُولَىٰ وَتَسْهِيلِهَا
 كَالْيَاءِ أَىٰ مَعْبُودٌ وَفِى الْأَرْضِ إِلَهُ وَكُلٌّ مِنَ الظَّارِفِينَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهُ وَهُوَ الْحَكِيمُ فِى تَدْوِيرِ خَلْقِهِ
 الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ بِمَصَالِحِهِمْ وَتَبَرَّكَ تَعَظُّمُ الَّذِى لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ
 عِلْمُ السَّاعَةِ مَتَىٰ تَقُومُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَعْبدُونَ أَى
 الْكُفَّارُ مِنْ دُونِهِ أَى اللَّهِ الشَّفَاعَةُ لِأَحَدٍ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ أَى قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ
 يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ بِقُلُوبِهِمْ مَا شَهِدُوا بِهِ بِالسِّتَةِمْ وَهُمْ عِيسَىٰ وَعَزِيزٌ وَالْمَلَكَةُ فَإِنَّهُمْ يَشْفَعُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ
 وَلَسِنْ لَمْ قَسَمَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ حُذِفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ وَوَاوُ الضَّمِيرِ فَانَّى
 يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ يُصَرِّفُونَ عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَقِيلَهِ أَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ النَّبِىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَصْبُهُ
 عَلَى الْمَصْدَرِ بِفَعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَى وَقَالَ يَرْبِّ إِنْ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ قَالَ تَعَالَىٰ فَاصْفَحْ أَعْرِضْ
 عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ مِنْكُمْ وَهَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِقِتَالِهِمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ بِالْيَاءِ وَالنَّاءِ تَهْدِيدٌ لَهُمْ

ترجمہ: (اور ان متقیوں سے فرمایا جائے گا کہ) اے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم تمکین ہو گے۔ وہ بندے جو ایمان لائے (عبادی کی صفت ہے) ہماری آیات (قرآن) پر اور وہ فرمانبردار تھے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ (انتم مبتداء ہے) اور تمہاری بیویاں خوش بخوش ہوں گی (سرت اور اکرام کے ساتھ یہ خبر ہے مبتداء کی) پیش کئے جائیں گے ان کے پاس سونے کے پیالے (بادیے) اور گلاس (اکو اب کو ب کی جمع ہے ایسا برتن جس میں پکڑنے کا حصہ نہ ہو۔ تاکہ پانی پینے میں آزادی رہے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا (مزے کے لئے) اور جن سے آنکھوں (نظر) کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنت ہے جس کے مالک تم بنادیئے گئے اپنے اعمال کے عوض۔ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے (بعض کو) تم کھا رہے ہو (اور جو پھل کھاتے ہو اس کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہو جاتا ہے) بے شک نافرمان ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس (چپ یاس میں ڈوبے ہوئے پڑے رہیں گے) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ مگر یہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے اے مالک! (داروغہ جہنم) تمہارا پروردگار ہمارا قصہ ہی ختم کر دے (ہمیں موت دے دے) وہ (ہزار سال بعد جواب دے گا) کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (دائم عذاب میں رہو گے حق تعالیٰ فرمائیں گے) ہم نے تمہارے پاس (مکہ والو) سچا دین پہنچایا (انبیاء

کے ذریعہ) مگر تم میں اکثر لوگ سچے دین سے نفرت رکھتے رہے۔ ہاں! کیا (مکہ کے کافروں نے) کوئی انتظام درست کیا (محمد ﷺ کے لئے سازش کے سلسلہ میں) سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کر رکھا ہے (ان کی تباہی کا فیصلہ کر دیا ہے) ہاں کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگرمیوں کو (جو دوسروں سے چپکے چپکے اور آپس میں کھلم کھلا مشورے کرتے ہیں) سنتے نہیں، کیوں نہیں! (ہم ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے جو فرشتے (محافظ) ان کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں (یہ سب باتیں) آپ کہئے کہ اگر خدائے رحمن کے اولاد ہو (بالفرض) تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں (مگر چونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کی اولاد نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کا بھی کوئی سوال نہیں) آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش (کرسی) کا بھی مالک ہے۔ ان باتوں سے منزہ ہے جو لوگ بیان کر رہے ہیں (اولاد کی جھوٹی نسبت اس کی طرف کر رہے ہیں) تو آپ ان کو اسی شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں رہنے دیجئے۔ یہاں تک کہ ان کو اس دن سے سابقہ پڑے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (کہ اس میں عذاب ہوگا یعنی روز قیامت) اور وہی ذات ہے (وہ) جو آسمانوں میں بھی قابل عبادت ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور پہلی ہمزہ گرا کر اور اس کی تسہیل کرتے ہوئے مثل یا کے یعنی معبود ہے) اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے (فی السماء اور فی الارض دونوں ظرف اللہ سے متعلق ہیں) اور وہی بڑی حکمت والا ہے (مخلوق کی تدبیر میں) بڑا جاننے والا ہے (ان کی مصالحوں کو) اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے (باعظمت) ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے سلطنت ثابت ہے اور اس کو قیامت کی خبر ہے (کہ کب آئے گی؟) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (نسا اور یا کے ساتھ ہے) اور جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں (کفار بندگی کرتے ہیں) اسی (اللہ) کے سوا وہ (کسی کے لئے) سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے۔ ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا تھا (یعنی لا الہ الا اللہ کا) اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے (دل سے) مگر چڑبان سے نہ کہا ہو۔ جن سے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب مومنین کی سفارش کریں گے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو یہی جواب دیں گے۔ کہ اللہ نے (لیقولین سے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے اور واد خبر حذف کر دیا گیا ہے) سو یہ لوگ کدھرا لئے چلے جا رہے ہیں (اللہ کی عبادت سے روگردانی کر رہے ہیں) اور اس کے رسول کے کہنے کی (یعنی آنحضرت ﷺ کے فرمانے کی اور قبیل مصدر منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے یعنی قال کے سبب) کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) تو آپ ان سے بے رخ (بے توجہ) رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تمہیں سلام ہو (یہ جہاد کی اجازت سے پہلے کا حکم ہے) سو ان کو بھی معلوم ہو جائے گا (یاء اور قاء کے ساتھ ان کے لئے تہدید ہے۔)

تحقیق و ترکیب: یا عباد۔ یہ خدا جنتیوں کی تشریف و تکریم کے لئے ہوگی۔ جس میں چار باتیں ہوں گی خوف کی نفی، حزن کی نفی، جنت میں داخلہ، سرور کی بشارت، عاصم کی قرأت میں یا عبادی فتح یا کے ساتھ اور ابن کثیر و حفص و صل و وقف دونوں حالتوں میں حذف یا کرتے ہیں اور باقی قراء یا کے ساکنہ پڑھتے ہیں۔ اور لا خوف میں عام قراءت رفع اور تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ابن کثیر "بغیر تنوین کے حذف مضاف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

الذین آمنوا عبادی کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب الحکل ہے، کیونکہ عبادی منادی مضاف ہے اور یا مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔

تجبرون۔ یہ خبر ہے انتم مبتداء کی۔ اور ازواجکم اگر معطوف ہے ضمیر ادخلوا پر اور فصل کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے تو پھر تجبرون حال ہو جائے گا۔

بصحا ف۔ کسائی کہتے ہیں کہ سب سے بڑے باویہ کو حذف کہتے ہیں۔ اس سے کم کو فصیح کہتے ہیں۔ جس میں دس آدمی شکم سیر ہو جائے اور اس سے چھوٹے کو مصحف کہتے ہیں جس میں پانچ آدمی سیر ہو جائیں۔ پھر اس سے چھوٹا میلکہ ہوتا ہے جس میں دو تین آدمی پیٹ بھر لیں۔ اکواب۔ کوب کہتے ہیں پیالہ کو جس میں پکڑنے کا حصہ نہ لگا ہو۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ. یہ مبتداء خبر ہے۔ اور یا جنت کو صفت اور ”التی اور تسموها“ کو خبر کہا جائے اور ”بما کنتم“ باسبیہ ہے۔ حدیث میں جولن یدخل احدکم الجنة بعملہ بل برحمة اللہ فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد مستقل سبب کی نفی ہے۔ یہاں فی الجملہ عمل کو سبب کہا جا رہا ہے اور بعض نے یا ملا بست یا مقابلہ کے لئے مانی ہے اور بعض کے نزدیک دخول جنت تو فضل الہی ہوگا اور مراتب و درجات اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔ یا کہا جائے کہ عمل کا سبب ہونا بھی تو اللہ کی رحمت سے ہے۔

منہا تا کلون۔ من تعبیضہ ہے۔ کیونکہ تمام پھل کھائے جاتے ہیں۔ جنت کے پھل بارہ ماہی ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ مبلسون۔ ابلاس کے معنی سکوت اور انقطاع حجت کے ہیں۔ شروع میں مایوس ہو کر جہنمی خاموش ہوں گے۔ لیکن بعد مجبور ہو کر پھر داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔ ونا دوا یا مالک۔ بہر حال قیامت کے طویل وقفہ میں مختلف حالات میں پیش آئیں گے۔ لقد جئناکم۔ یہ مالک جہنم کے جواب کی وجہ سے بیان فرمائی گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلام بھی مالک ہی کا ہو۔

اکثرکم بمعنی کلکم لان للاکثر حکم الکمل

ابرموا۔ ابرام کہتے ہیں ڈور ابنانا، بننا لیکن مراد تدبیر اور مضبوطی ہے۔ ابرم الحبل۔ ڈبل کرنا۔

ان کان۔ یعنی بالفرض اگر اللہ کے اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کو مانتا اور لازم نہیں اس لئے ملزم بھی نہیں۔ یہ قیامت نامی ہے۔ جس میں نقیض مقدم کا استثناء کیا گیا۔ جس کا نتیجہ نقیض تالی ہوتا ہے۔ یعنی چونکہ اس کے اولاد نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کا بھی سوال نہیں۔ اس طرح ابلغ طریقہ پر اولاد کی نفی ہوگئی۔

رب السموات۔ یعنی اللہ خالق عالم ہے اس لئے جسم نہیں۔ اگر جسم ہوتا تو عالم کی تخلیق نہ کر سکتا اور جب جسم نہیں تو اس لئے اولاد کا بھی سوال نہیں ہوتا۔ کیونکہ والد و تناسل جسم کی شان ہے۔

فی السماء اور فی الارض کا مطلب ہے کہ عالم علوی، عالم سفلی سب کا معبود ہے۔ یہ دونوں لفظ ترکیب میں حال نبید بلکہ الہ کے متعلق ہیں۔

ترجعون۔ نافع، ابن عمر، ابن عاصم، ابن عامر کی قراءت تا کے ساتھ بطور التقات کے اور باقی قراء کے نزدیک یا کے ساتھ ہے الا من شہد۔ یعنی فرشتے، حضرت عیسیٰ، حضرت عزیز صرف شفاعت کریں گے۔ اور وہ بھی صرف مومنین کی گویا شافعہ بھی خاص ہیں۔ اور مشفوع لہ بھی مخصوص نہ بت سفارش ہوں گے اور نہ کفار کے حق میں سفارش ہوگی۔

الذین یدعون۔ سے مراد اگر عام ہے۔ تو ”الا من شہد“ استثناء متصل ہے۔ اور اگر صرف بت مراد ہوں تو پھر اتہ منفصل ہوگا۔ مفسر گارہ جان پہلے احتمال کی طرف ہے۔ یدعون صلہ ہے جس کا عائد محذوف ہے۔

وہم یعلمون۔ ضمیر ہم کا مرجع من ہے اور جمع کا لانا بالحاظ معنی من ہے۔ تفسیری عبارت ہم عیسیٰ الخ میں بھی یہی توجیہ ہوگی ولئن سالتہم۔ ضمیر جمع سے مراد عابدین اور معبودین سب ہیں۔

لیقولن اللہ۔ جواب قسم ہے اور حسب قاعدہ جواب شرط محذوف ہے لفظ اللہ فاعل ہے۔ جیسے دوسری آیت لیسقو خلقہن العزیز میں ہے۔ اس لئے مبتداء کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

فانی یؤفکون۔ یعنی تنہا خالق مان کر تنہا معبود ماننے سے انکار باعث تعجب ہے۔

وقیلہ۔ قیل بمعنی قول منصوب بناء بر مصدر ہے قول، قیل، قال، مقالة سب مصادر ہیں باہم مرادف۔ نداء اور اس بعد قیل کا معمول ہے۔

قیل سرہم ونحوہم پر عطف کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ یا ”محل الساعة“ پر عطف کیا جائے۔ حمزہ اور عاصم حمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں ”الساعة“ پر عطف ہو جائے گا۔ دوسری ترکیب اس وقت واو قسمیہ کی بھی ہو سکتی ہے جواب قسم یا محذوف ہے۔ ای لا فعلن بہم ما اریدیا ان ھو لا ھو لا قوم لا یؤمنون کو جواب قسم مانا جائے۔ (زخشری)

اعرج، ابوقلابہ، مجاہد حسنؒ اس کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ ”علم الساعۃ“ پر عطف کرتے ہوئے مضاف مقدر مان کر ای و عندہ علم قبلہ۔ پھر حذف کر کے اس کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ یا کہا جائے کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور جملہ ”یارب ان ھو لاء الخ“ اس کی خبر ہے۔ یا خبر کو محذوف مانا جائے ”ای وقیلہ وکیت وکیت مسموع او متقبل“ مفسر علامؒ، ”قول محمدؐ“ کہہ کر مضاف مضاف الیہ دونوں کی تفسیر کر دی اور ”نصبہ“ کا مطلب نصب لام لام قبل ہے اور ضمیر پر رفع ہوگا۔

سلام۔ یہ سلام مشارکت ہے سلام تحیہ نہیں ہے۔ ترکیب میں یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی۔ ای امیری سلام منکم۔ اگر اس سے مراد کفار نے نزاعی گفتگو سے روکنا ہو تو پھر آیت کو منسوخ کر کے ماننے کی ضرورت نہیں۔
ربط آیات:..... آیت الا خلاء یومئذ میں قیامت کے روز کفار کی باہمی دشمنی سے متعین کے استثناء کا ذکر تھا آیت یاعبادی الخ سے انہی کی بشارت کا بیان ہے۔

پھر آگے آیت لقد جئناکم بالحق سے کفار کے جرائم کا تفصیلی اور سزا کا اجمالاً ذکر ہو رہا ہے۔ جرائم کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ شرک اور رسول کی نافرمانی۔ جرم شرک کے سلسلہ میں اور عذاب کی تائید کے لئے توحید کے مضامین بھی آگئے اور رسول کی نافرمانی بلکہ دونوں مضامین کے تعلق سے بطور تسلی کفار سے بے تعلقی اور ان کے لئے شفاعت کا نہ ہونا تاکید عذاب کے لئے آگیا۔

روایات:..... مقاتلؒ کا بیان ہے کہ قیامت میں جب حق تعالیٰ یا عبادی الخ فرمائیں گے تو تمام اہل محشر سر اٹھا کر اوپر دیکھیں گے۔ فرمایا جائے گا ”الذین آمنوا الخ“ تو یہ سن کر دوسرے مذاہب والے گز نہیں بچیں گے۔

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظی سے روایت نقل کی ہے دو قریشی اور ایک ثقفی یا ایک قریشی اور دو ثقفی کا فر کعبہ اور غلاف کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ زور سے باتیں کرنے سے اللہ سن لیتا ہے آہستہ باتیں کرو کہ وہ نہیں سن سکتا۔ اس پر آیت ام تحسبون انا لا نسمع الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾..... الذین آمنوا بآیتنا وکانوا مسلمین سے ایمان اور اسلام کا فرق معلوم ہوتا ہے اور اہل ایمان کے خوف و حزن نہ ہونے اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت، نافرمان مسلمانوں کو عذاب و سزا ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اور یہ چیزیں کلیات مشککہ ہیں۔ ایمان اکمل کی صورت میں فوراً جنت میں داخلہ ہو جائے گا اور مطلق ایمان کی صورت میں مطلقاً جنت میں داخلہ کا استحقاق ہوگا جو اہل سنت کا مسلک ہے۔

اور تمسوها۔ یعنی جنت تمہارے باپ کی میراث تمہیں واپس مل گئی۔ جو تمہارے اعمال کا نتیجہ اور ثمرہ ہے جس کا حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے۔ اعمال کی ظاہری سبب بھی فضل الہی اور توفیق الہی کی محتاج ہے۔

منھاتنا کلون۔ جنت کے پھلوں کو چن چن کر کھاتے رہو۔ لیکن جنتیوں کے برخلاف دوزخیوں کو دائمی عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جو نہ ہلکا ہوگا اور نہ ملتوی۔ دوزخی مایوس ہو جائیں گے۔ کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔

وما ظلمناھم۔ دنیا میں ہر طرح نرم گرم کر کے سمجھا دیا اور انبیاء کے ذریعہ اتمام حجت کر دیا۔ کوئی معقول عذر نہیں چھوڑا۔ پھر بھی کوئی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے تو اس صورت میں سزا کو کون نا انصافی کہہ سکتا ہے۔

ونادوا۔ دوزخی چھکارہ پانے سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کر پں گے۔ ہزار سال چلانے پر صرف یہ جواب ملے گا۔ کہ چلانے سے کوئی فائدہ نہیں چپ رہو۔ تمہاری اکثریت کا یہ حال تھا کہ تمہیں سچائی سے چڑھی اور اندھوں کی طرح ناحق لوگوں کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ اکثریت اس لئے کہا کہ بعض لوگ علم الہی کے مطابق ایمان لانے والے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض لوگ محض لوگوں کی دیکھا دیکھی ان کے پیچھے ہو لئے۔ پہلی صورت میں اعتقادی نفرت مراد ہوگی اور دوسری صورت میں طبعی کراہت۔ بہر صورت اس حق

سے روگردانی میں شرک اور معصیت رسول دونوں آ گئے۔ جس کی تفصیل ام ابرہہ سے بیان ہو رہی ہے۔ کہ ہر چند انہوں نے پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں، تدبیریں کیں۔ مگر اللہ کی مخفی تدبیر نے سب کا تار و پود بکھیر دیا اور سارے منصوبے دھرے رہ گئے۔ جیسا کہ سورہ انفال کی آیت اذیمکربلث الذین میں گزر چکا ہے اللہ سب کے دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اور ان کے خفیہ مشورے بھی معلوم ہیں، اور انتظامی ضابطے کے لحاظ سے ان کی مسل کی تیاری پر بھی فرشتوں کا عملہ لگا رہتا ہے۔ یہ ساری مسل قیامت میں پیش ہو جائے گی۔ اللہ کے بارے میں ان کا یہ گمان یا تو تھوہیہ ہوگا۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ یا کہا جائے کہ ان کی جرأت آمیز حرکتوں سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا سمجھتے ہیں۔ گویا حسان سے مراد مجازی معنی ہیں۔ دو آدمیوں کے درمیان سرگوشی کو ”سر“ اور دو سے زائد کے درمیان سرگوشی کو ”نجوی“ کہا جاتا ہے۔

اللہ کے لئے اولاد کا عقیدہ..... پیغمبر کی خلاف ورزی کے بعد آیت قل ان کسان الخ سے شرک کا رد ہے۔ یعنی جس طرح تم فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ اسی طرح اگر بالفرض اللہ کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا۔ مگر سرے سے یہ بات ہی بے اصل و بے بنیاد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھے تمہاری طرح حق بات ماننے سے انکار نہیں۔ لیکن اولاد کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم ثابت کر دو تو پھر میری عبادت کا سوال بھی ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے لئے اولاد محال ہے۔ اس لئے غیر اللہ کی پرستش بھی محال۔ پس اس میں شرک کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ چونکہ معبودیت وجود کے واجب ہونے کے خواص میں سے ہے۔ اس لئے اللہ کی اولاد کے لئے واجب الوجود ہونا بھی لازم ہوتا۔ جس کی وجہ سے اولاد مستحق عبادت ہوتی۔ لیکن اولاد کا واجب الوجود ہونا محال ہے۔ اس لئے استحقاق عبادت بھی ناممکن اور شرک محال۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں یا حضرت عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کی پرستش واجب الوجود نہ ہونے کے باوجود زنی حماقت و جہالت ہے۔

اور بعض حضرات نے عابد کے معنی جاحد کے لئے ہیں۔ یعنی میں سب سے پہلے اس فاسد عقیدہ کا منکر ہوں۔ اور بعض کے نزدیک ان نافیہ ہے۔ یعنی رحمن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مگر یہ کچھ زیادہ مضبوط وجہ نہیں ہے اور بھی کچھ احتمالات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ فلو ہم۔ غفلت و حماقت کے نشہ میں جو کچھ یہ بک رہے ہیں اس پر توجہ نہ کیجئے۔ چند روزہ عیش پر اتر آئیں۔ آخر وہ دن بھی آنے والا ہے جس میں ان کی یہ سب خرمستیاں نکل جائیں گی اور ایک ایک گستاخی اور شرارت کا مزہ چکھایا جائے گا۔ چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو نصیحت و فہمائش بھی نہ کی جائے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ان کی مخالفت سے رنجیدہ نہ ہو جائے اور ایمان نہ لانے پر تمکین نہ ہو جائے۔ اسی کے ساتھ وظیفہ تبلیغ بدستور رکھے اور ہر چند کہ نظر انداز کرنا موت تک ہوتا ہے۔ لیکن موت مقدمہ آخرت ہے اس لئے یوم موعود کہہ دیا۔

وہو الذی۔ زمین، آسمان، ساری کائنات کا اکیلا مالک اور اس عالم کون و فساد میں با اختیار متصرف تھا اللہ ہے۔ اس سے شرک کے جرم کو شدد بد بتلانا ہے اور یہ کہ اس کی سزا بھی انتہائی سخت ہوگی۔ کہ اللہ سے اوپر کوئی طاقت نہیں جو اس کے مجرم کو چھڑا سکے۔ الا من شہد۔ یعنی سفارش کرنے والے بھی اہل علم صالح ہوں گے اور جن کی سفارش ہوگی۔ وہ بھی اہل ایمان ہوں گے۔ نہ بت سفارش کے اہل اور نہ شرک اس کے مستحق۔

فانی یؤفکون۔ یعنی جب اللہ صرف خالق و مالک ہے۔ پھر دوسروں کی عبادت کیسی؟ گویا سارے مقدمات تسلیم مگر نتیجہ کا انکار۔ فاصفح۔ یعنی نہ ان کے زیادہ پیچھے پڑیے اور نہ غم کھائیے، فریضہ تبلیغ انجام دیتے رہئے اور ان کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ اور کہہ دیجئے کہ نہیں مانتے تو ہمارا اسلام۔

سُورَةُ الدُّخَانِ

سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ إِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ آيَةً وَهِيَ سِتُّ أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْكِتَابِ الْقُرْآنِ الْمُبِينِ ﴿١﴾ الْمَظْهَرُ لِلْحَلَالِ مِنَ الْحَرَامِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَزَلَ فِيهَا مِنْ أَمِّ الْكِتَابِ مِنَ السَّمَاءِ السَّلَامَةُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ﴿٢﴾ مُخَوِّفِينَ بِهِ. فِيهَا أَيْ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ يُفَرِّقُ بَيْنَ كُلِّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٣﴾ مُحْكَمٍ مِنَ الْأَرْزَاقِ وَالْأَحَالِ وَغَيْرِ هُمَا الَّتِي تَكُونُ فِي السَّنَةِ إِلَى مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ أَسْرَأَ فَرَقًا مَنْ عِنْدَنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٤﴾ الرُّسُلَ مُحَمَّدًا وَمَنْ قَبْلَهُ رَحْمَةً رَافَةً بِالْمُرْسَلِ إِلَيْهِمْ مَنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْغَالِيهِمْ ﴿٥﴾ بِأَفْعَالِهِمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يُرْفِعُ رَبُّ خَبَرٍ ثَالِثٌ وَبِحَجَرِهِ بَدَلَ مَنْ رَبِّكَ إِنْ كُنْتُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ مُوقِنِينَ ﴿٦﴾ بِأَنَّهُ تَعَالَى رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَاتَّقُوا بَانَ مُحَمَّدًا رَسُولَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧﴾ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنَ الْبُعْثِ يُلْعَبُونَ ﴿٨﴾ اسْتَهْزَأَ بِكَ يَا مُحَمَّدٌ فَقَالَ اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَيْهِمْ بِسَبْعِ كَسْبَعِ يُوسُفَ قَالَ تَعَالَى فَارْتَقِبْ لَهُمْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ﴿٩﴾ فَاجْدَبَتِ الْأَرْضُ وَاشْتَدَّتْ بِهِمُ الْجُوعُ إِلَى أَنْ رَأَوْا مِنْ شِدَّتِهِ كَهَيَاةِ الدُّخَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ يَغْشَى النَّاسَ فَقَالُوا هَذَا عَذَابٌ إِلِيمٌ ﴿١٠﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ مُصَدِّقُونَ بِنَبِيِّكَ قَالَ تَعَالَى إِنِّي لَهُمُ الدَّكَرَى أَيْ لَا يَنْفَعُهُمُ الْإِيمَانُ عِنْدَ نَزُولِ الْعَذَابِ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ﴿١٢﴾ بَيْنَ الرُّسُلَةِ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلِّمٌ آءٌ يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنَ بُشْرًا مُجْنُونٌ ﴿١٣﴾ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ أَيْ الْجُوعَ عَنْكُمْ زَمَنًا قَلِيلًا فَكَشَفَ عَنْهُمْ

اَنۡتُمْ عَانِدُونَ ﴿۱۵﴾ اِلٰی کُفِّرۡکُمْ فَعَادُوا۟ اِلَیْهِ اُذۡکُرۡ یَوْمَ نَبۡطِشُ الْبَطۡشَ الْکُبۡرٰی ۚ هُوَ یَوْمَۤیۡمَۡ بَدِیۡرٍ اِنۡمُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ مِنْهُمۡ وَالْبَطۡشُ الْاِخۡذُ بِقُوَّةٍ وَّلَقَدْ فِتۡنَاۤ اَبۡلَوۡنَا قَبۡلَهُمۡ قَوْمَۡ فِرْعَوۡنَ مَعَهُ وَّجَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ هُوَ وَّمُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ کَرِیۡمٌ ﴿۱۷﴾ عَلٰی اللّٰہِ تَعَالٰی اَنَّ اٰیَۃَ اٰدَ وَاِلَیَّ مَا اَدْعُوۡکُمۡ اِلَیْہِ مِنْ اِلۡیۡمَانٍ اٰیَۃُ اَظۡہَرُوۡا اِیۡمَانِکُمۡ بِالطَّاعَةِ لِیَۤیَا عِبَادَ اللّٰہِ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اٰمِیۡنٌ ﴿۱۸﴾ عَلٰی مَا اُرۡسِلْتُ بِہِ وَاَنَّ لَا تَعۡلُوۡا تَحۡجِیۡرًا عَلٰی اللّٰہِ بِتَرۡکِ طَاعَتِہِ اِنِّیۡ اَتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ بُرۡہَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۹﴾ یَبۡیِّنُ عَلٰی رِسَالَتِیۡ فِتۡوَعَدُوۡہُ بِالرَّجۡمِ فَقَالَ وَاِنِّیۡ عُذْتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّکُمۡ اَنْ تَرۡجُمُوۡنَ ﴿۲۰﴾ بِالْحِجَارَۃِ وَاِنْ لَّمْ تُوۡمِنُوۡا لِیۡ تُصَدِّقُوۡنِیۡ فَاَعۡزِزُوۡنِیۡ ﴿۲۱﴾ فَاتَرۡکُوۡا اِذَآیَ فَلَمۡ یَتَرۡکُوۡہُ فَاَدَّٰرَبَہُ اَنَّ اٰیَۃَ ہٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ مُشۡرِکُوۡنَ فَقَالَ تَعَالٰی فَاَسِرۡ بِقَطۡعِ الۡہَمۡزَہِ وَوَصِلۡہَا بِعِبَادِیۡ بَنِیۡ اِسۡرَآئِیۡلَ لَیۡلًا اِنۡکُمۡ مُّتَّبِعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ یَتَّبِعُکُمۡ فِرْعَوۡنُ وَقَوۡمُہٗ وَاتَّرٰکَ الْبَحۡرَ اِذَا قَطَعۡتَہٗ اَنْتَ وَاَصۡحَابُکَ رَہُوۡا سَاکِنًا مُّتَفَرِّجًا حَتّٰی تَدۡخُلَہُ الْقِیۡطُ اِنَّہُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرِقُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَاَطۡمَآءَ بِذٰلِکَ فَاَغۡرِقُوۡا کُمۡ تَرۡکُوۡا مِنْ جَنۡتِ بَسَاتِیۡنِ وَغِیُوۡنَ ﴿۲۵﴾ تَحۡرٰی وَزُرُوۡعٍ وَمَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿۲۶﴾ مَجۡلِسٍ حَسَنِ وَنَعۡمَۃٍ مُّتَّعٍ کَانُوۡا فِیۡہَا فَکَہِیۡنَ ﴿۲۷﴾ نَاعِمِیۡنَ کَذٰلِکَ خَبَرۡ مُّبۡتَدَاۤیِ الْاَمۡرِ وَاَوۡرَثۡنَہَا اٰیَۃُ اَمۡوَالِہُمۡ قَوْمًا اٰخِرِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اٰیَۃُ بَنِیۡ اِسۡرَآئِیۡلَ فَمَا بَکَثَ عَلَیۡہِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرۡضُ بِخِلَافِ الْمُؤۡمِنِیۡنَ یَبۡکِیۡ عَلَیۡہِمۡ بِمَوۡتِہِمۡ مُّصَلِّاۡہُمۡ مِنَ الْاَرۡضِ وَمَصۡعَدُہٗ ۚ عَمَلِہِمۡ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا کَانُوۡا مُنۡظَرِیۡنَ ﴿۲۹﴾ مُؤَخَّرِیۡنَ لِلتَّوۡبَۃِ

ترجمہ: سورۃ دخان کی یہ ہے اور بعض کے نزدیک آیت کا شفو العذاب کی نہیں۔ کل آیات ۵۶ یا ۵۷ یا ۵۹ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حَم (اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قرآن) واضح کی (جو حلال و حرام بتلانے والی ہے) کہ ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے (شب قدر مراد ہے یا شب برأت جس میں قرآن پاک ساتویں آسمان دنیا پر نازل ہوا ہے) ہم آگاہ کرنے والے (ڈرانے والے) ہیں اس (شب قدر یا شب برات) میں ہر حرکت والا معاملہ طے (فیصلہ) کیا جاتا ہے (روزی، موت وغیرہ کے۔ حالات جو اگلے سال کی اسی شب تک طے کیجے جاتے ہیں) ہماری پیشی سے حکم ہو کر۔ ہم پیغمبر بنانے والے ہیں (محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء کو) اپنی رحمت کی وجہ سے (جو پیغمبر کی قوموں پر ہوئی ہے) جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے وہ (ان کی باتوں کو) بڑا سننے والا (ان کے کاموں کو) بڑا جاننے والا ہے جو کہ مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان میں ہے۔ (رب اگر مرنوع ہے تو تیسری خبر ہوگی اور مجرور ہونے کی صورت میں ربک کا بدل ہوگا) اگر تم (مکہ والو) یقین لانا چاہو (کہ اللہ آسمان و زمین کا رب ہے تو یہ بھی یقین رکھو کہ محمد اس کے رسول ہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں دینی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی۔ بلکہ یہ (قیامت کے معاملہ میں) شک میں ہیں، بیکار باتوں میں پڑے ہوئے ہیں (آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے قوم یوسف کی طرح قحط سالی کی بدعا فرمائی۔

جس کو حق تعالیٰ نے منظور فرمایا) سو آپ (ان کے لئے) انتظار کیجئے اس روز کا کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو (چنانچہ زمین میں سوکھا پڑا اور فقر و فاقہ زیادہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کی شدت سے زمین و آسمان کے درمیان دھوئیں کی طرح تر مرے نظر آنے لگے) جو سب لوگوں کو گھیر لے (تو کہنے لگے) یہ ایک دردناک سزا ہے اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے (آپ کے پیغمبر کی تصدیق کریں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) ان کو نصیحت کب ہوتی ہے؟ یعنی عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا) حالانکہ ان کے پاس کھلے طور پر رسول آیا (جن کی رسالت واضح ہے) پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ یہ پڑھایا ہوا ہے (قرآن کسی انسان نے ان کو سکھلایا ہے) دیوانہ ہے، ہم (بھوک کے) عذاب کو ہٹائیں گے کچھ روز (چنانچہ یہ عذاب ہٹ گیا) تم پھر اسی حالت پر (سابقہ کفر کی طرف) آ جاؤ گے (یاد کیجئے) جب ہم بڑی سخت پکڑ کریں گے (مراد جنگ بدر ہے) ہم بدلہ لے لیں گے (ان سے)۔ اور بطش کہتے ہیں سخت پکڑ کو) اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو (فرعون سمیت) آزمایا اور ان کے پاس ایک پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) تشریف لائے۔ جو (اللہ کے نزدیک) معزز تھے کہ میرے کہنے پر چلو (جس ایمان کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں، امانت دار ہوں اس کو پورا کرو میری فرمانبرداری کر کے) اے اللہ کے بندو! میں تمہارے پاس رسول ہو کر آیا ہوں، امانت دار ہوں (پیغام پہنچانے میں) اور تم سرکشی (ظلم) نہ کرو اللہ پر (اس کی نافرمانی کر کے) میں تمہارے سامنے ایک واضح (کھلی) دلیل پیش کرتا ہوں (اپنی رسالت پر)۔ اس پر مشرکین نے آپ پر پتھراؤ کرنے کی دھمکی دی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (میں اپنے آپ کو اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں دیتا ہوں)۔ اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے (میری تصدیق نہیں کرتے) تو تم مجھ سے الگ ہی رہو (میرے درپے آزار نہ ہو لیکن وہ بدستور درپے آزار رہے) تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں (مشرک ہیں)۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تو اب لے کر چلے (لفظ اہی ہمزہ قطعی کے ساتھ اور ہمزہ وصلی کے ساتھ ہے) میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو راتوں رات، بلاشبہ تمہارا ثاقب کیا جائے گا (فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے) اور تم اس دریا کو چھوڑ دینا (جب آپ اور آپ کے ساتھی پار ہو جائیں گے) سکون کی حالت میں (کہ پانی میں راستے بنے رہیں تاکہ قبلی اس میں داخل ہو سکیں) ان کا سارا لشکر ڈبویا جائے گا (حضرت موسیٰ اس پر مطمئن ہو گئے اور لشکر فرعون غرقاب ہو گیا) ان لوگوں نے کتنے باغات چھوڑے اور چشمے (روان) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات (آراستہ مجلسیں) اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش (مگن) رہا کرتے تھے، اسی طرح ہوا (یہ خبر ہے مبتداء محذوف الامس کی) اور ہم نے (ان کے اموال کا) وارث بنادیا دوسری قوم (بنی اسرائیل) کو سونہ ان پر آسمان وزمین کو روٹا آیا (برخلاف مسلمانوں کے ان کی موت پر ان کے نماز پڑھنے کی جگہ زمین میں اور اعمال چڑھنے کی جگہ آسمان میں روتی ہے) اور نہ ان کو مہلت (توبہ کے لئے ڈھیل) دی گئی۔

تحقیق و ترکیب:..... لیلۃ القدر۔ ایک رات یہ بھی ہے کہ لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر کے درمیان اکتالیس راتیں ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ آیت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر اور آیت شہر رمضان الذی الخ کی وجہ سے، کیونکہ اکثریت کے مطابق لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ گویا اولیٰ نزول پورے قرآن کا شب قدر میں ہوا اور پھر بقدر ضرورت نزول کا سلسلہ تیس سال رہا۔ یا نزول وحی کی شروعات شب قدر سے ہوئی اور اختتام آخر عمر تک ہوا۔ اس رات کی دوسری بے شمار برکتوں میں سب سے بڑی برکت قرآن کا نزول ہے۔ لیلۃ مبارکہ کا مصداق شب برأت کو ماننا بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا رمضان میں نزول منصوص ہے اور وہ حدیث جس میں شب شعبان کو فیصلوں کی رات فرمایا گیا ہے مرسل ہے۔ جو نص قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ عمرہ اور ایک جماعت کی راتے شب برأت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس کو لیلۃ مبارکہ، لیلۃ برأت، لیلۃ رحمۃ، لیلۃ الصک فرمایا گیا

ہے۔ اور اس میں عبادت کی فضیلت آئی ہے۔

فیہا یفرق۔ یہ جملہ متانفہ ہے یا الیۃ کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ حسن، مجاہد، قیادہ فرماتے ہیں کہ اس رات میں پورے سال کا چارٹر تیار کر دیا جاتا ہے۔

امرا من عندنا۔ انزلناہ کے فاعل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔ ای انزلناہ امرین او ما مورا بہ اور مفعول نہ بھی ہو سکتا ہے۔ انزلناہ یا منذرین یا یفرق سے اور یفرق کا معنی مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور ”من عندنا“ صفت ہو جائے گی ”لا مرا“ کی۔
رحمة من ربک۔ یہ مفعول نہ ہے انزلناہ یا امرا یا یفرق یا منذرین کا اور فعل مقدر کا مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے ای رحمنا رحمة اور مرسلیں کا مفعول بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی اور انرا کا بدل بھی بن سکتا ہے اور من ربک رحمة کے متعلق بتایا جائے یا محذوف کے متعلق کر کے صفت بنا دی جائے اور ”رحمة من ربک“ میں التفات ہے رحمة منا ہونا چاہئے تھا۔
موقنین۔ تفسیری عبارت میں ”فایقنوا“ جواب شرط کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے یہ جملہ معترضہ ہو جائے گا اور لا الہ الا اللہ چوتھی خبر ہے۔

ربکم۔ عام قراءت رفع کی ہے رب السموات سے بدل یا عطف بیان یا صفت ہونے کی وجہ سے اور ابن محیض، ابن ابی اسحق، ابو حیوہ، حسن ”رب السموات“ سے بدل یا بیان یا صفت مان کر مجرور پڑھتے ہیں اور انطا کی بطور مدح منصوب پڑھتے ہیں۔
بل ہم فی شک۔ یہ محذوف سے اضراب ہے۔ ای موقنین بل ہم فی شک۔

یلعبون۔ حال ہے لعب سے مراد فانی چیزوں میں مشغول ہو کر باقی رہنے والی نعمتوں سے روگردانی کرنا۔
دخان مبین۔ بعض کی رائے میں یہ قحط سالی آنحضرت ﷺ کے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہوئی۔ لیکن راجح یہ ہے کہ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد ہوئی ہے۔ ابن مسعود کے نزدیک قریش کی قحط سالی مراد ہے لیکن ابن عباس، ابن عمر، حسن وغیرہ کے نزدیک اس دخان سے مراد وہ دخان ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔

اسی طرح واقعہ قحط سالی میں حقیقت دخان مراد نہیں۔ بلکہ ابن عباس، مقاتل، مجاہد، ابن مسعود کی رائے ہے کہ بھوک کی وجہ سے ضعف نظر مراد ہے۔ بھوک میں آنکھوں کے آگے تر مرے نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن ابن عمر ابو جریرہ، زید بن علی، حسن کے نزدیک حقیقت دخان مراد ہے۔ لیکن اخیر زمانہ میں اس کا ظہور ہوگا۔ چالیس روز سارا عالم دھوئیں سے لبریز رہے گا۔ مومن تو صرف زکام کی سی کیفیت محسوس کرے گا۔ لیکن کافر ہوش ہوں گے۔ یہ دھواں ان کے پیٹ میں گھس کر آنکھ، ناک، کان سے نکلے گا۔ اور ساری زمین بھی اسی طرح ہو جائے گی۔

انسی لهم الذکری۔ حقیقی استفہام مراد نہیں بلکہ استبعاد مراد ہے۔ تفسیری عبارت لا ینفعهم الا ایمان۔ اس وقت تو صحیح ہے۔ جب عذاب مہلک ہو۔ جیسا کہ تباہ شدہ قوموں کا حال ہوا۔ البتہ اس دھوئیں سے ہلاکت نہیں ہوگی۔ اس لئے ایمان کا غیر مانع یا نا مقبول ہونا محل تامل ہے۔ الا یہ کہ کہا جائے کہ اس وقت باب تو بند ہو جائے گا۔

وقالوا معلّم۔ قبیلہ ثقیف کے عجمی غلام عداس کے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قرآن سکھلاتا تھا اور دوسرے سانس میں حضور ﷺ کو دیوانہ مجنون بھی کہتے تھے کیا یہ دیوانگی نہیں ہے کہ ایسے عجیب و غریب کلام پیش کرنے والے کو مجنون کہا جائے۔
انا کاشفوا العذاب۔ یہ جواب ہے ان کی درخواست رہنا اکشف الخ کا بطور التفات کے ہے۔ مقصود تہدید و تنبیح ہے۔
درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ اور قلیلاً کا مطلب مختصر مہلت ہے خواہ غزوہ بدر کے بعد یا بقیہ عمر تک۔

ولقد فتننا آزمائش بھی نعمت دے کر ہوتی ہے۔ جیسے قوم فرعون کی آزمائش ہوئی اور کبھی مصیبت دے کر آزمائش ہوا کرتی ہے اور اس آزمائش میں فرعون بھی شریک رہا۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ حضرت موسیٰ کو کریم فرمایا گیا۔ حق تعالیٰ کے لحاظ سے بمعنی عزت و وجاہت ہے اور مومنین کے اعتبار سے بمعنی شفیق و مہربان یا دونوں لحاظ سے بمعنی مکرم و مشرف ہے۔ کیونکہ شرف نسبی ان کو حاصل تھا اور بمعنی خصلت محمودہ بھی ہو سکتا ہے۔

ان ادوا۔ مفسر نے ان مصدریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ”ادوا“ بمعنی طاعت و قبول دعوت ہے۔ بشرط یہ کہ ان مصدریہ کا امر پر داخل ہونا جائز ہو۔ ورنہ تفسیر یہ ہوگا۔ یعنی اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔ گویا ان کی آزادی کا مطالبہ تھا۔ کیونکہ فرعون نے ان کو غلام اور بیگار بنانا رکھا تھا۔ اس صورت میں ”عباد اللہ“ سے مراد بنی اسرائیل ہوں گے۔ اور پہلی صورت میں عام مراد ہوں گے۔ اور منادی مضاف ماننا ہوگا۔ ترجموں۔ یائے زائد کے ساتھ جو رسم الخط میں لکھی نہیں جاتی۔ البتہ بلحاظ تلفظ بحالت وصل حذف اثبات دونوں جائز ہیں اور بحالت وقف صرف حذف ہے۔

فاسر۔ نافع، ابن کثیر کے نزدیک ہمزہ وصل کے ساتھ ”سری“ سے ہے۔ اسواء اور سوری دونوں لازم ہیں۔ با کے ذریعہ متعدی ہوتے ہیں۔

واتوا البحر۔ یعنی پار ہو جانے کے بعد دوبارہ دریا کے عصانہ مارے۔ تاکہ پانی مل نہ جائے۔ بلکہ دریا کو بدستور رہنے دیجئے۔ دھوا۔ نہایت کشادہ، مبالغہ کے لئے کہا گیا۔ اس کے دو معنی ہیں ساکن اور کشادہ۔ مفسر نے دونوں کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور یہ کہ یہ اسم فاعل ہے۔ تاکہ اس کو دریا کا وصف قرار دیا جاسکے۔ جو مقتضی حالیہ ہے۔

رابط آیات:..... جس طرح پچھلی سورت رسالت و وحید کے مضمون سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوئی تھی۔ اس طرح سورۃ دخان کی ابتداء انتہا بھی اسی مضمون سے ہے۔ درمیان منکرین کے لئے عذاب کی وعید ہے اور ہالائقہ تباہ شدہ اقوام کی حالت بطور نظیر کے پیش فرمائی گئی ہے۔

پھر آیات ان لہؤلاء لیقولون سے منکرین قیامت کے خیالات نقل کر کے بعض قوموں کی ہلاکت سے دھمکایا گیا اور قیامت کی صحت وقوع و حکمت پر کلام فرمایا اور اس ذیل کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں۔

روایات:..... یوم تاتی السماء بدخان کے ذیل میں منقول ہے کہ فاقہ اور بھوک زیادہ بڑھی تو ابوسفیانؑ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ یا محمد جنت تاجر بصلۃ الرحم وان قومک قد هلكوا فادع الله ان یکشف عنهم۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی۔ اس پر ایک ہفتہ مسلسل بارش ہوئی۔ جب وہ تکلیف کی حد تک پہنچ گئی تو ابوسفیانؑ نے پھر دوبارہ حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ دعا کرنے پر بارش رک گئی۔

فما بکت علیہم السماء۔ حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے۔ مامن عبد الاولہ فی السماء بابان باب بدخل فیہ عملہ و کلامہ و باب یرج منه رزقہ فاذا مات فقداہ و بکیا علیہ۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ ان المومن اذا مات بکی علیہ مصلاہ من الارض و مصعد عملہ من السماء۔ شرح ابن عبد الحنفی کا ارشاد ہے۔ مامات مومن فی غربۃ غایت عنہ فیہا بواکیہ الا بکت علیہ السماء والارض۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں۔ بکا السماء حمرة اطرافہا۔

سہمیٰ فرماتے ہیں کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان روپا یعنی حزین و غمگین ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ آسمان زمین کے رونے سے مراد مخلوق کا رونا اور رنجیدہ ہونا ہے۔

﴿تشریح﴾: قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی تعظیم تو ان آیات سے ظاہر ہے پیغمبر کی عظمت انا کنا مرسلین سے مفہوم ہو رہی ہے۔ اور مرسلین کے مفعول ”رسولا“ کو حذف کرنے سے اور رحمة من ربك میں اسم ظاہر لانے سے اس تعظیم کی اور تاکید ہوگئی اور قرآن کی قسم کی تحقیق سورۃ زخرف میں گزر چکی ہے۔ البتہ یہ قسم محض تنزیل کے اعتبار سے ہے۔ ظرف یعنی لیلہ مبارکہ کی قید کے لحاظ سے نہیں۔ لیلہ مبارکہ کی تفسیر اکثر حضرات نے شب قدر کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؓ کا ارشاد ہے کہ پورا قرآن آسمان دنیا پر شب قدر میں نازل ہو گیا۔ اور پھر تھوڑا تھوڑا آپ ﷺ پر اترتا رہا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سال بھر کے حالات لوح محفوظ سے شب قدر میں نقل کر لئے جاتے ہیں۔ البتہ قرآن کی دوسری صفت تنزیل ہے۔ یعنی تھوڑا تھوڑا ۲۳ سال میں پورا ہوا۔ اور بعض نے شب برات مراد لی ہے۔ کیونکہ روایات میں سالانہ کارروائی کا اس رات میں فیصلہ ہوتا آیا ہے۔

قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب برات میں؟..... لیکن خود قرآن میں چونکہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر آپکا ہے اور کسی روایت میں قرآن کا نازل ہونا شب برات میں نہیں آیا۔ اس لئے دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے اور شب برات میں واقعات کے فیصلہ سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ قرآن بھی اس میں نازل ہوا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دونوں راتوں میں فیصلے ہوتے ہوں۔ یا ان فیصلوں کی تجویز تو شب برات میں ہو جاتی ہو۔ مگر ان کی تنفیذ شب قدر میں ہوتی ہو۔ چنانچہ روح المعانی میں ابن عباسؓ کا ایک قول بلا سند کے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور احتمال کے لئے باقاعدہ ثبوت کی حاجت نہیں۔

بہر حال فرشتے مناسب کاموں پر مامور ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام کے شاہان شان وحی اور قرآن کا لانا رکھا گیا اللہ چونکہ سارے عالم کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔ اس لئے سارا عالم جب گمراہی سے لبریز ہو گیا۔ تو رحمتہ للعالمین کی شکل میں رحمت کبریٰ کا مظاہرہ فرمایا۔

ان کنتم موقنین۔ یعنی تم میں اگر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلے یقین رکھنے کی چیز اللہ کی ربوبیت عام ہے جس کے آثار ذرہ ذرہ میں ہویدہ ہیں۔ جس کے قبضہ میں مارنا جلانا، زندگی موت کی باگ ڈور ہے اور سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ کیا اس کے سوا بھی کسی کی بندگی اور طاعت ہو سکتی ہے؟ ان واضح نشانات اور روشن دلائل کا تقاضہ تو یہ تھا۔ کہ یہ لوگ فوراً اس حقیقت کو مان لیتے۔ مگر حیرت ہے کہ وہ توحید وغیرہ جسے بنیادی اور سچے عقائد کے متعلق بھی شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور دنیا میں اتنے غرق ہیں کہ کبھی انہیں آخرت کا دھیان بھی نہیں آتا۔

قط کا عذاب:..... اس کے بعد ”یوم تاتى السّماء“ سے منکرین کے لئے وعید کا بیان ہے۔ روح المعانی کے مطابق قحط سالی دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مکہ میں، دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ جس کا حقیقی سبب تو آنحضرت ﷺ کی بددعا تھی اور ظاہری سبب یہ ہوا کہ مکہ میں غلہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ مگر ثمامہ رئیس یمامہ کے مسلمان ہو جانے پر مشرکین نے ان کو ملامت کی۔ تو انہوں نے یمامہ سے غلہ آنا بند کر دیا۔ آسمان سے تو بارش بند ہوئی تھی اب زمین سے غلہ بھی بند ہو گیا اور مکہ والے دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اور بھوک کے مارے آنکھوں کے سامنے ترے مرے آنے لگے۔ ابوسفیانؑ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو خط لکھا اور حاضر ہو کر

دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا بھی فرمائی اور یمامہ سے دس ہزار کاغذ منگوا کر مفت غریبوں کو تقسیم کر دیا۔ ابن مسعودؓ بڑے زور سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس سے مراد قریش مکہ کو قحط سالی کی پیشگوئی ہے۔ جو مصری قحط کی طرح سات سال ان پر مسلط رہا۔ جس میں مردار، چڑے، ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ اس صورت میں الناس سے مراد اہل مکہ ہوں گے۔ اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دھواں تو بھوک میں خیالی ہوتا ہے۔ پھر اس کو مبین کیسے فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ دھواں واقعی تھا خیالی نہیں تھا۔ کیونکہ سوکھے میں گرد و غبار اور بخارات فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ اور روح میں بعض عرب سے نقل کیا ہے کہ ”شر غالب“ کو وہ دھان کہتے ہیں۔ کیونکہ موذی چیز دھوئیں کی طرح تکلیف دہ ہوا کرتی ہے اس لئے تشبیہاً قحط مراد لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اور ساء سے مراد اوپر کی سمت ہے اور بخارات بلکہ بارش بھی اول اوپر ہوتی ہے پھر نیچے آتی ہے اس طرح بارش اور بخارات دونوں کا محل اول اوپر کی سمت ہوتی ہے۔

دھوئیں کا عذاب: اور اس واقعہ کے پیش گوئی ہونے کا قرینہ ”فارتقب“ ہے۔ کیونکہ یہ آیات ان واقعات کے ہونے سے پہلے نازل ہوئیں یوم تاتى السماء تودخان کے واقعہ سے پہلے اور انا کاشفوا العذاب اس عذاب کے دور ہونے سے پہلے۔ اور بعض روایات میں جو آیت فارتقب کا دخان واقع ہونے کے بعد نازل ہونا آیا ہے تو ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے اس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی ہوگی مگر نازل پہلے ہو چکی ہوگی۔ راوی یہ سمجھے کہ اب تلاوت کے وقت نازل ہوئی ہے۔ یا کہا جائے کہ ”فانزل اللہ“ کے معنی یہ ہیں کہ ”فظہر ما انزل اللہ“ اور پوندہ یہ دھوئیں کا عذاب ہجرت کے بعد دور ہوا۔ اس لئے ”انا کاشفوا العذاب“ کا مدنی ہونا بقول بیضاوی صحیح ہے۔ اور فی نفسہ کئی ہونا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ یہ بھی پیشگوئی ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے خواہ کتنے ہی پہلے ہو۔ البتہ درمنثور کی اس روایت سے کہ ”انا کاشفوا العذاب“ دخان دور ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی مدنی راجح معلوم ہوتی ہے۔

ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ دخان سے مراد قیامت کے قریب ایک عالمگیر دھواں اٹھے گا۔ نیک آدمی کے لئے تو زکام کی سی کیفیت ہوگی۔ مگر کافر و منافق کے دماغ میں گھس کر برا حال بنا دے گا۔ ممکن ہے اس تقدیر پر یہ دھواں آسمانوں کے اسی مادہ سے ہوگا۔ جس کا ذکر آیت ثم استوی الی السہماء وہی دخان میں آیا ہے۔ گویا آسمان دھوئیں کی صورت میں تحلیل ہو کر پہلی حالت کی طرف لوٹنے لگیں گے اور یہ اس کی ابتداء ہوگی۔

سزا کے وقت توبہ بے فائدہ ہے: انی لهم التناوش۔ یعنی ہر چند کہ یہ لوگ توبہ تلا کر رہے ہیں کہ اب اس آفت سے نجات دے دیجئے۔ ہماری توبہ کہ پھر سزا ت نہ کریں گے۔ یکے مسلمان بن کر رہیں گے۔ یلین عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد یہ سارا رونا دھونا ہے۔ اب سمجھئے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا موقع کہاں رہا۔ پیغمبروں کی کھلی نشانیوں اور واضح ہدایتوں کے وقت توبہ ماننے نہیں۔ اس وقت تو کہہ رہے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ کسی سے پڑھ پڑھا کر آیا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

لیکن ابن مسعودؓ کی تفسیر پر دھوئیں کے دفعیہ کے لئے دعا کی درخواست مراد ہے۔ اس ذرت میں بھی حاصل آیات یہ ہوگا۔ کہ یہ لوگ ان باتوں سے کہاں ماننے والے ہیں؟ آفتاب سے روشن آپ کی نبوت کو نہیں مانا۔ ایسے ضدی اور عنادی لوگوں سے سمجھنے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ پھر دھوئیں کی دیر کے لئے عذاب بھی ہٹالیں۔ پھر وہی حرکتیں کرنے لگیں گے یا بقول ابن مسعودؓ ہم کچھ عرصہ کے لئے عذاب ہٹائے دیتے ہیں۔ مگر وہی کریں گے جو کرتے آئے ہیں۔

یوم نبطش۔ بقول ابن عباس قیامت کی پکڑ دھکڑ مراد ہے اور بقول ابن مسعود عجز و بدد میں جو ان کی درگت بنی ہے وہ مراد ہے۔

حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی:..... ان لا تعلوہا۔ یعنی اللہ کے بندوں کو اپنے فرعونوں! اپنا بندہ نہ بناؤ۔ بلکہ ان کو غلامی سے آزادی دے کر میرے حوالہ کر دو۔ حضرت موسیٰ نے عصا اور ید بیضا کے کھلے نشانات دکھلائے۔ مگر طاقت کے نشہ میں جو لوگ ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ حجت سے کہاں سمجھتے ہیں۔ وہ تو بس طاقت ہی کی زبان سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ادھر لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ڈرایا دھمکایا۔ مگر اہل حق طاقت کے آگے کہاں جھکتے ہیں۔ فرمایا: اللہ کی پناہ مجھے حاصل ہے۔ اس کی طاقت و حفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔ تاہم اگر تم میری بات نہیں مانتے تو کم از کم ستانے سے توبہ کر آؤ۔ اپنے جرم کو خواہ مخواہ سنگین کیوں بنا رہے ہو۔ مجھے اپنی قوم کو لے جانے دو، میری راہ نہ روکو۔ آخر کار پھر اللہ سے دعا کی۔ کہ یہ باز آنے والے معلوم نہیں ہوتے۔ میرے ان کے درمیان بس فیصلہ فرمادیجئے۔ وہاں کیا دیر تھی حکم ہوا کہ چپکے سے راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا صبح تمہاری تلاش میں پیچھا کیا جائے گا۔ سمندر سے پایاب ہونے کی صورت یہ کہ دریا پر عصا مار دینا۔ اس طرح پانی ادھر ادھر ہٹ کر تمہیں گزرنے کے لئے خشکی کا راستہ دے دے گا اور جب تم بخیریت پار ہو جاؤ تو دریا کو یوں ہی رہنے دینا، دوبارہ عصا مت مارنا۔ اس کی فکر نہ کرنا کہ راستہ باقی نہ رہے۔ بلکہ پانی کو بدستور رہنے دینا تاکہ فرعون اور اس کی قوم کی ڈوبنے کی تدبیر کامیاب ہو جائے۔ وہی ہوا کہ دشمن کا سارا لشکر ڈوب کر قصہ پاک ہو گیا۔

کذلک و اوزنناہا۔ اس سے متعلق کچھ ضروری تفصیل سورۃ اعراف و سورۃ شعراء میں گزر چکی ہے۔ تاہم حضرت حسنؓ کی رائے ہے بنی اسرائیل دوبارہ پھر مصر واپس آ کر آباد ہوئے جیسا کہ ظاہر آیت سے مفہوم ہو رہا ہے۔ لیکن حضرت قتادہؓ اس واپسی کے منکر ہیں۔ جیسا کہ مشہور تاریخوں سے ثابت ہے۔ پہلی صورت میں تو وارث بنانے کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن دوسری صورت میں قدرت تصرف کے معنی ہوں گے جو واپسی پر موقوف نہیں۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ فرعونوں جیسا سامان و قوت بنی اسرائیل کو بھی مل گئی۔

زمین و آسمان کا رونا:..... فما بکت۔ یہی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مومن کے مرنے پر چالیس روز تک زمین روتی ہے کہ افسوس یہ سعادت ہم سے چھین گئی۔ کافر کے پاس ایمان اور نیک عمل نہیں۔ پھر اس پر زمین و آسمان کیوں روتیں۔ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلوا چھا ہوا پاپ کٹا۔

آیت میں جب رونے کے حقیقی معنی ہو سکتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی مانع بھی نہیں۔ کیونکہ بقدر ضرورت ہر چیز میں ادراک و شعور وان من شئی الا یسبح بحمدہ نص سے ثابت ہے۔ بلکہ مذکورہ بالا روایات سے حقیقی معنی کی تصریح اور ترجیح ثابت ہو رہی ہے۔ پس اب رونے کے مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً: یوں کہا جائے کہ بطور استعارہ جمیلیہ کسی کی عظمت و شدت موت کو اس شخص کی موت سے تشبیہ دینی ہے۔ جس پر آسمان زمین کا رونا فرض کیا جائے۔ اس طرح نہ رونے کے مجازی معنی بھی نہیں لئے جائیں گے۔ کہ مثلاً: اس کا وجود قابل لحاظ نہیں۔ بلکہ بے کار محض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب معنی حقیقی رونے نہ رونے دونوں کے بن سکتے ہیں۔ پھر مجاز اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

لطا ئف سلوک:..... انی عذت برہی و ربکم الخ۔ میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع و التجا کرتا ہوں اور مدعیان تصرف کی طرح اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا اظہارِ عبدیت کے لئے ہے۔

و ان لم تؤمنوا لی فاعز لون میں جس شخص کی اصلاح کی امید نہ ہو اس سے قطع تعلق کر لینے پر دلالت ہو رہی ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ يَلْ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ قَتَلَ الْأَنْبَاءَ وَاسْتَحْدَامَ النِّسَاءِ مِنْ فِرْعَوْنَ قِيلَ
 نَذَلَ مِنَ الْعَذَابِ بِتَقْدِيرٍ مُضَافٍ إِلَى عَذَابٍ وَقِيلَ حَالٌ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾
 وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ إِلَى بَنِي إِسْرَآءَ عَلَى عِلْمٍ مِنَّا بِحَالِهِمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ أَيْ عَالَمِي زَمَانِهِمْ أَيْ
 لِعَقَلَاءِ وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاغٌ مُبِينٌ ﴿٣٣﴾ نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ فَلَقِ الْبَحْرِ وَالْمَنِّ وَالسَّلْوَى
 وَغَيْرِهَا إِنَّ هَؤُلَاءِ أَيْ كُفَّارٌ مَكَّةَ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ مَا الْمَوْتَةُ الَّتِي بَعْدَهَا الْحَيَوَةُ إِلَّا مَوْتَتُنَا
 لِأَوَّلَى أَيْ وَهُمْ نُطِفَتْ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ﴿٣٥﴾ يَمْبَغُونِ أَحْيَاءَ بَعْدَ الثَّانِيَةِ فَاتُوا بِأَبَائِنَا أَحْيَاءَ إِنْ
 كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّا نُبْعَثُ بَعْدَ مَوْتِنَا أَيْ نُحْيَا قَالَ تَعَالَى أَهْمُ خَيْرٌ أَمْ قَوْمٌ تُبْعَثُ هُونَنِي أَوْ رَجُلٌ
 سَالِحٌ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْأُمَمِ أَهْلَكْنَاهُمْ لِكُفْرِهِمْ وَالْمَعْنَى لَيْسُوا أَقْوَى مِنْهُمْ فَأَهْلَكُوا إِنَّهُمْ
 كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ﴿٣٨﴾ بِخَلْقِ ذَلِكَ حَالٌ
 مَخْلَقْنَاهُمَا وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ أَيْ مُحَقِّقِينَ فِي ذَلِكَ لِيَسْتَدِلَّ بِهِ عَلَى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَغَيْرِ ذَلِكَ
 وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ أَيْ كُفَّارٌ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنْ يَوْمَ الْفُضْلِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْصَلُ اللَّهُ فِيهِ بَيْنَ الْعِبَادِ
 يُقَاتِلُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ لِلْعَذَابِ الدَّائِمِ يَوْمٌ لَا يَغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى بِقَرَابَةٍ أَوْ صَدَاقَةٍ أَيْ لَا يَدْفَعُ عَنْهُ
 نَيْئًا مِنَ الْعَذَابِ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤١﴾ يُمْنَعُونَ مِنْهُ وَيَوْمَ يَدُلُّ مِنْ يَوْمِ الْفُضْلِ الْأَمَنُ رَحِمَ اللَّهُ وَهُمْ
 مُؤْمِنُونَ فَإِنَّهُ يَشْفَعُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ بِإِذْنِ اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْعَالِمُ فِي إِنْتِقَامِهِ مِنَ الْكُفَّارِ
 لِرَحِيمٍ ﴿٤٢﴾ بِالْمُؤْمِنِينَ إِنْ شَجَرَةُ الرَّقُومِ ﴿٤٣﴾ هِيَ مِنْ أَحَبِّ الشَّجَرِ الْمُرِّ بِتَهَامَةٍ يُنْبِتُهَا اللَّهُ فِي سِجِّ
 الْجَحِيمِ طَعَامُ الْإِثْمِ ﴿٤٤﴾ أَيْ أَبِي جَهَنَّمَ وَأَصْحَابِهِ ذَوِي الْإِثْمِ الْكَثِيرِ كَالْمُهْلِ أَيْ كَدَّرْدَى الزَّيْتِ
 الْأَسْوَدُ خَبَرْتَانِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ بِالسُّفُوفَانِيَةِ خَبَرْتَانِ وَبِالتَّحْتَانِيَةِ حَالٌ مِنَ الْمُهْلِ كَغْلِي
 لِحَمِيمٍ ﴿٤٦﴾ الْمَاءُ الشَّدِيدُ الْحَرَارَةِ خُذُوهُ يُقَالُ لِلزَّبَانِيَةِ وَخُذُوا الْإِثْمَ فَاعْتَلُوهُ بِكُسْرِ التَّاءِ وَضَمِّهَا
 حَرُّهُ بِغَلْظَةٍ وَشِدَّةٍ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ وَسَطُ النَّارِ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابٍ
 لِحَمِيمٍ ﴿٤٨﴾ أَيْ مِنَ الْحَمِيمِ الَّذِي لَا يُفَارِقُهُ الْعَذَابُ فَهُوَ أَبْلَغُ مِمَّا فِي آيَةٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رَأْيِهِمْ
 لِحَمِيمٍ وَيُقَالُ لَهُ ذُقْ أَيْ الْعَذَابِ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ بِزَعْمِكَ وَقَوْلِكَ مَا بَيْنَ حَبْلَيْهَا
 عَزُّو أَكْرَمَ مَنِي وَيُقَالُ لَهُمْ إِنْ هَذَا الَّذِي تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَابِ مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ فِيهِ تَشْكُونَ إِنْ
 لُمْتَقِينَ فِي مَقَامٍ مَجْلِسِ آمِينَ ﴿٥١﴾ يُؤْمِنُ فِيهِ الْخَوْفُ فِي جَنَّتِ بَسَاتِينَ وَعُيُونٌ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ
 سُندُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ أَيْ مَارِقٍ مِنَ الدِّيَاجِ وَمَا غَلِظَ مِنْهُ مُتَقَبِّلِينَ ﴿٥٣﴾ حَالٌ أَيْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى

فَقَابَعْضُ لِدُورَانِ الْأَسْرِ بِهِمْ كَذَلِكَ تَقْدَرُ قَبْلَهُ الْأَمْرُ وَزَوَّجْنَهُمْ مِنَ التَّزْوِيجِ أَوْ قَبْرِنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿۵۳﴾ بِنِسَاءٍ بَيْضٍ وَاسِعَاتِ الْأَعْيُنِ حَسَانُهَا يَدْعُونَ يَطْلُبُونَ الْخَدَمَ فِيهَا أَيْ الْحَنَةَ أَوْ يَأْتُوا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ مِنْهَا آمِنِينَ ﴿۵۵﴾ مِنْ انْقِطَاعِهَا وَمُضَرَّتِهَا وَمِنْ كُلِّ مُحَوِّفٍ حَالٍ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَ الْأَوَّلَى أَيْ النَّيِّ فِي الدُّنْيَا بَعْدَ حَيَاتِهِمْ فِيهَا قَالَ بَعْضُهُمُ الْإِبْمَعْنَى بَعْدَ وَوَقَّاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مَصْدَرٌ بِمَعْنَى تَفْضُلًا مَنْصُوبٌ بِتَفْضِيلٍ مُقَدَّرًا مِنْ رَبِّكَ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۵۷﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ سَهْلَنَا الْقُرْآنَ بِلِسَانِكَ بِلُغَتِكَ لِتَفْهَمَهُ الْعَرَبُ مِنْكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾ يَتَعَطَّوْنَ فَيُؤْمِنُونَ لَكِنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ فَارْتَقِبْ إِنْتَظِرْ أَهْلَكَ هُمْ أَنَّهُمْ مَرْتَقِبُونَ ﴿۵۹﴾ هَلَاكَ وَهَذَا قَبْلَ نُزُولِ الْأَمْرِ بِجَهَادِهِمْ

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب (لڑکوں کے قتل اور لڑکیوں سے خدمت لینے) یعنی فرعون سے نجات دے دی (بعض نے من فرعون کو مضاف مقدر مان کر من العذاب سے بدل مانا ہے اور بعض نے حال کہا ہے) واقعی وہ بڑا سخت سرکش، حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے (بنی اسرائیل کو) برتری بخشی (ان کے حالات سے) اپنی واقفیت کی بنا پر دنیا جہان والوں پر (یعنی اپنے زمانہ کے دانشوروں پر) اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلم کھلا انعام تھا (یعنی دریائے نیل کا پھٹ جانا من و سلوکی کا تارتنا، اسی طرح کی اور کھلی نعمتیں) یہ لوگ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی (یعنی دوبارہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے) پہلی دفعہ کی موت تھی (یعنی وجود سے پہلے نطفہ کی حالت تھی) اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے (دوسری موت کے بعد پھر زندہ ہو کر نہیں اٹھیں گے) سو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) لا موجود کروا اگر تم سچے ہو (اس بارہ میں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے زندہ کئے جائیں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) یہ لوگ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (پیغمبر یا ولی) کی قوم اور جو (قومین) ان سے پہلے ہو گزری ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا (ان کے کفر کی وجہ سے۔ حاصل یہ ہے کہ اہل مکہ پہلے لوگوں سے زیادہ مضبوط نہیں۔ پھر بھی وہ ہلاک ہو گئے) واقعتاً یہ لوگ مجرم تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے فضول پیدا نہیں کیا (لا عین حال ہے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین (اور ان کے درمیان کی چیزوں) کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے (اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان سے ہماری قدرت وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جاسکے) لیکن (مکہ کے کافروں میں) اکثر سمجھتے نہیں۔ بلاشبہ فیصلہ کا دن (قیامت کا روز جس میں اللہ بندوں کا فیصلہ فرمائے گا) ان سب (کے دائمی عذاب) کا مقررہ وقت ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے (تعلق یا دوستی کی وجہ سے۔ یعنی کوئی مدافعت نہیں کر سکے گا) ذرا بھی کام نہیں آئے گا (عذاب سے بچاؤ کے لئے) اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جائے گی (مدد ہوگی، بیوم بدل ہے بیوم الفصل کا) ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے (مومنین اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے کی سفارش کریں گے) یقیناً وہ زبردست ہے (کفار سے انتقام لینے میں غالب) مہربان ہے (مومنین کے لئے) بلاشبہ زقوم کا درخت (جو بدترین کڑوا درخت تھا) میں ہوتا ہے۔ دوزخ میں اللہ پیدا فرمائے گا) بڑے مجرم کا کھانا ہوگا (ابو جہل اور اس کے یار دوستوں کے لئے جو بڑے پاپی تھے) جو تیل کی چھت جیسا ہوگا (سیاہ تیل کی گاد کی طرح، یہ خبر پانی ہے) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا (تغلی خبر ثالث ہے اور تغلی حال ہے من السمہل سے) جیسے گرم پانی (انتہائی تیز) کھولتا ہے، اس کو پکڑو (دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان مجرموں کو گرفتار کر لو) پھر ان کو کھینٹتے ہوئے (کسرۃ تا اور ضمہ کے ساتھ۔ نہایت سختی سے کھینچنا) دوزخ کے پتھوں (درمیان) تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا تکلیف دہ پانی اتریل دو۔ (یعنی ایسا گرم پانی جو تکلیف دہ ہو۔ یہ الفاظ دوسری آیت یصیب من فوق رؤسہم الحمیم سے زیادہ بڑھے ہوئے

ہیں اور اس سے کہہ دیا جائے گا) لے (عذاب) چکھ تو بڑا معزز و مکرم ہے (اپنے خیال میں اور تیرا کہنا یہ تھا کہ مکہ میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور دو زنجیوں سے کہا جائے گا۔ کہ) یہ (عذاب جو تم دیکھ رہے ہو) وہی چیز ہے جس میں تم شک (شبہ) کیا کرتے تھے۔ یقیناً اللہ سے ڈرنے والے ایسی جگہ ہوں گے جہاں امن ہوگا (خوف نہیں ہوگا) یعنی باغات اور نہریں ہوں گی، وہ باریک اور دبیز لباس پہنیں گے (ریشم کا باریک اور دبیز لباس) آنے سے سامنے بیٹھے ہوئے (یہ حال ہے مطلب اسپرنگ دار کرسیوں کی وجہ سے آپس میں منہ پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی) یہ بات اسی طرح ہے (کھلاکت سے پہلے الامو مقدر ہے) اور ہم ان کی شادی کر دیں گے (یہ لفظ ترویج سے ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم ان کو باہم جوڑے ملا دیں گے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتوں سے (گردے رنگ کی بڑی آنکھوں والی حسین عورتوں سے) منگواتے ہوں گے (خدمت گاروں سے فرمائش کرتے ہوں گے) وہاں (جنت میں) ہر قسم کے پھل پھلاری اطمینان کے ساتھ (ندان کے ختم ہو جانے کا کھٹکا ہوگا اور نہ نقصان کا اندیشہ اور نہ کسی اور طرح کا ڈر۔ یہ حال ہے) وہاں اس موت کے سوا جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے (یعنی دنیاوی زندگی میں جو موت پیش آچکی ہے اور بعض نے الا بمعنی بعد کہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا یہ سب کچھ مہربانی (فضل مصدر بمعنی فضل منصوب ہے بفضل مقدر کی وجہ سے) آپ کے پروردگار کی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ سو اس قرآن کو ہم نے آسان (سہل) کر دیا ہے آپ کی زبان میں (عربی لغت میں تاکہ عرب آپ کی بات سمجھ سکیں) اس امید پر کہ یہ نصیحت قبول کریں (راہ راست پر آ کر ایمان لے آئیں لیکن یہ ایمان نہیں لارہے ہیں) سو آپ منتظر رہئے۔ (ان کی تباہی کا انتظار کیجئے) یہ لوگ بھی منتظر ہیں (آپ کی وفات کے۔ یہ حکم جہاد کے حکم آنے سے پہلے کا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: علی العالمین۔ عالمین سے مراد ساری دنیا یا قیامت تک کا زمانہ نہیں ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کی افضلیت کے متعلق شبہ ہو۔ بلکہ خاص ان کا دور مراد ہے۔ مفسر نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔
بلاء مبین۔ بلا آزمائش کو کہتے ہیں۔ نعمت و نعمت پر بھی مجاز اہل دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ذرائع آزمائش ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ تفسیری عبارت میں جن چیزوں کا ذکر ہے وہ تو خود انعامات ہیں۔ پھر آیت میں ”مہلہ بلاء“ کیوں فرمایا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ
لہم فیہا دار العلد کی طرح فی تجرید کے لئے ہے۔
ان ہؤلاء۔ مشرکین مکہ کے لئے اسم اشارہ قریب تحقیق کے لئے ہے۔

ان ہی الامواتنا از ذلہ۔ ان۔ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ لگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے۔ اس لحاظ سے عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ ان ہی الامواتنا حالانکہ آیہ اس طرح نہیں ہے، مفسر علام اس کی توجیہ فرما رہے ہیں کہ اس موت سے دنیاوی زندگی کے بعد کی موت مراد نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں آنے سے پہلے کی حالت۔ موت اولیٰ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ یعنی ایسی موت کہ جس کے بعد زندگی ہو وہ ایک مرتبہ ہو چکی دوسری موت ایسی نہیں ہوگی کہ جس کے بعد زندگی مل سکے۔ حاصل وہی نکل آیا کہ دوبارہ زندگی کا انکار ہے۔ اور جس طرح عدم لاحق کو موت کہتے ہیں عدم سابق کو بھی موت کہہ سکتے ہیں۔ وقالوا ربنا امتنا اثنتین واحیينا اثنتین کیونکہ امات کے معنی اعدام کے ہیں۔ خواہ ابتداء ہو یا بعد میں جیسے۔ تصغیر اور تکبیر الفاظ دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں شروع سے چھوٹی بڑی چیز ہو اور اس میں یہ دونوں تبدیلیاں ہو جائیں۔ یا پہلے ایک چیز چھوٹی تھی بعد میں بڑی ہو گئی۔ یا اس کا برعکس ہو۔ چنانچہ کہا گیا۔ سبحان من صفوا لبعوض و کبرا لفل۔

فاتوا باباءنا۔ یہ کفار کا کہنا اس تقدیر پر ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ جب یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو اس کا ثبوت عملاً پیش کریں۔ گویا ایک طرح مسلمانوں پر الزام دینا تھا۔
قوم تبع۔ یہ جیری تھے جو حیرہ اور بنی سمرقند پر لشکر کشی کر کے اس کو برباد کر چکے تھے۔ خود مومن تھے لیکن ان کی قوم نالائق تھی۔
اس لئے قرآن نے قوم کی مذمت کی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ما ادری اکان تبع نبیا او غیر نبی اہ اور یہودی کتابوں سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضور ﷺ سے نو سو سال پہلے ایمان لے آئے تھے۔ یہ تیج الاکبر ابو کریب کہلاتے ہیں۔ ان کا نام اسعد تھا۔ حضرات انصار اپنی نسبت ان کی طرف کرتے تھے۔ بیت اللہ پر غلاف سب سے اول انہوں نے ہی ڈالا تھا۔ مدینہ پر بھی انہوں نے چڑھائی کی تھی۔ مگر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ آخری پیغمبر کی ہجرت گاہ ہوگی، تو واپس ہو گئے اور یہ شعر کہا۔

شہدت علی احمد انه رسول من الله بادی النسم

فلو مد عمری الی عمره لکنک وزیرا له وابن عم

ابن عباسؓ تو ان کو نبی مانتے ہیں اور کعبؓ کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے۔ ان کی قوم میں کاہن اور اہل کتاب دونوں تھے۔ انہوں نے دونوں کو قربانی پیش کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ اہل کتاب کی قربانی قبول ہو گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تیج کو برا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک صالح شخص تھے۔

سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ اللہ پر غلاف انہوں نے ڈالا ہے۔ کعبہؓ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کی قوم کی برائی نہیں فرمائی۔ قریش چونکہ ان کے قریب تھے اور ان کو برا سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی عبرت کے لئے قرآن نے یہ مثال تجویز کی۔ اہل یمن اس آیت پر فخر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں ان کو قریش سے بہتر کہا ہے اور ان کو تیج اس لئے کہا کہ انہوں نے اپنے لشکر سمیت آفتاب طلوع ہونے کی سمت سفر کر کے مشرقی کنارہ کے قریب پہنچنے یا بعد کے لوگوں نے بکثرت ان کا اتباع کیا۔

والذین من قبلہم۔ قوم تیج پر اس کا عطف ہے یا یہ مبتداء ہے اور ”اہلکھم“ خبر ہے پہلی صورت میں اہلکھم متانفہ یا صلہ کی ضمیر سے حال ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فعل مقدر کی وجہ سے حال ہے جس کی تفسیر اہلکھم ہے۔ اس وقت اہلکھم محل اعراب میں نہیں ہوگا۔

الا بالحق۔ با ملا بست کے لئے۔ جار مجرور فاعل سے حال ہے اور مفسر نے اس کو باسیہ مانا ہے سیۃ غامیۃ۔

یوم الفصل۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اضافت بمعنی فی ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اضافت بواسطہ لام ہے کیونکہ پہلی

صورت میں ثانی اول کا ظرف ہونا چاہئے جیسے مکر السیل۔

لا یغنی۔ اس میں پہلا مولیٰ فاعلیۃ کی بناء مرفوع ہے اور دوسرا مولیٰ مجرور ہے عطف کی وجہ سے اور شینا مفعول بہ ہے ولا ہم ضمیر جمع مولیٰ ثانی کی طرف ہے جو معنی جمع ہے اس سے کافر مراد ہے اور پہلے مولیٰ سے مومن مراد ہے۔ یعنی کوئی مومن کسی کافر کے کام نہیں آئے گا۔ واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شینا کی طرح یہ مضمون ہے ”ولا ہم ینصرون“ اس کی تاکید ہے کہ رشتہ داری اور دوستی دونوں کارگر نہیں ہوں گی۔

مولیٰ کے معنی آقا، غلام، چچا زاد بھائی، مددگار، تجارت، حلیف کے آئے ہیں۔

شجرة الزقوم۔ اس کا تیل نہایت مفید ہے۔ ریاح بارود، وجع المفاصل، بلغھی امراض، عرق النساء کے لئے عجیب و غریب ہے۔ اس کی جڑ کو اشیج کاہلی کہتے ہیں۔

المهل۔ تیل کے نیچے جو خراب تلچھٹ ہوتا ہے۔

خذوه۔ تفسیری عبارت میں عطف کے لئے اشارہ کر دیا۔

فاعتلوہ۔ قاموس میں ہے عتله، یعتله، فاعتل۔ سختی سے گھسیٹنا۔

من عذاب الحمیم۔ اگرچہ عذاب بننے والی چیز نہیں کہ اس کو انڈیلا جائے مگر مبالغہ مقصود ہے۔

مقام امین۔ فعلیل بمعنی مفعول مکان کی صفت بلحاظ مکین لائی گئی ہے۔

کذلک۔ ای الامر کذلک یہ جملہ مقررہ ہے۔

زو جناہم۔ جنت احکام کی جگہ نہیں۔ اس لئے ترویج شرعی مراد نہیں۔ بلکہ بمعنی قرین مراد ہے۔ چنانچہ ترویج بمعنی عقد، باکے

ذریعہ متعدی نہیں ہوتا، بلکہ بنفسہ متعدی ہوا کرتا ہے۔ البتہ جو حضرات تزویج بمعنی عقد لیتے ہیں وہ باز اذ کہتے ہیں یا بقول مخفص لغت از د شنوءۃ میں با کے ذریعہ بھی تعدیہ ہو سکتا ہے۔

بحور عین۔ حور، حوراء کی او عین عیناء کی جمع ہے۔

الا السموتۃ الاولیٰ۔ جنت میں موت کا ذائقہ نہیں ہوگا۔ پھر یہ کیسے فرمادیا؟ اس لئے بقول طبری کہا جائے گا کہ الایمعی بعد ہے۔ اس توجیہ سے اگرچہ اشکال صاف ہو جائے گا۔ لیکن الایمعی بعد آنا باعث تامل ہے۔ اس لئے بعض نے توجیہ کی کہ الا استثناء منقطع کے لئے ہے۔

فضلاً۔ مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے۔

فارتقب۔ اس کا اور مرتقبون کا مفعول محذوف ہے۔ اس ہدایت کے حکم جہاد سے پہلے ہونے کا مطلب نسخ اصطلاحی نہیں ہے۔ کیونکہ سابق حکم کو دوسرے حکم سے بدلنے کو نسخ کہا جاتا ہے۔

رابط آیات:..... منکرین کی وعید کی تاکید کے لئے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔

آیت ان ھولاء سے منکرین قیامت کا انکار اور اس کا جرم اور مستحق عذاب ہونا اور بطور نظیر قوم تبع کا واقعہ اور قیامت کے امکان و صحت اور وقوع اور قیامت کی حکمت و ترجیح اور اجمالی واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر واقعات قیامت کی قدرے تفصیل ہے۔

روایات:..... محمد بن اسحاق وغیرہ نے تبع کی کتاب کا یہ اقتباس پیش کیا ہے۔ ادا بعد فانی امنیٰ یزول علیک وانا علیٰ دینک و سنتک و امنیٰ بربک ورب کل شئی و امنیٰ بکل ماجاء من ربک من شرائع الاسلام فان ادرکت فیہا و نعمت و ان لم ادرکک فاشفع لی ولا تنسنی یوم القیامۃ فانی من امتک الاولین و بایعتک قبل مجئک و انا علی ملتک و ملۃ ابیک ابراہیم علیہ السلام پھر اس تحریر کے آخر میں للہ الامر من قبل و من بعد کی مہر ہے اور خط کے شروع میں الی محمد بن عبد اللہ نبی اللہ و رسولہ خاتم النبیین و رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

﴿تشریح﴾:..... علیٰ علم کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں اور کوتاہیاں ہمیں معلوم تھیں۔ مگر ہم نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس دور کے اور بعد کے لوگوں پر ان کو ایک خاص برتری بھی بخشی۔ مثلاً: یہی کہ اتنے انبیاء اور بادشاہ کسی دوسری قوم کو میسر نہیں آ سکے، من و سلویٰ کا ارتقا، بادل کا سایہ گلن رہنا وغیرہ۔

ان ھولاء۔ یہاں سے پھر روئے سخن قریش کی طرف ہو گیا جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کو کسی طرح نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہاں کا حشر، کیا حساب؟ وہ پیغمبر اور مسلمانوں سے کہتے کہ اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کر کے دکھا دو۔ تب ہم جانیں..... فرماتے ہیں بھلا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور دوسری پچھلی قومیں، جب ہم نے ان مجرموں کو معاف نہیں کیا تو ان کی گستاخیاں کیسے برداشت کی جائیں گی۔ یہ بھی اپنے جرموں کی پاداش کو پہنچ کر رہیں گے۔

تبع کون تھے؟..... یمن کے اس بادشاہ کی قلمرو سبا اور حضر موت علاقوں تک تھی۔ تبع بہت گزرے ہیں۔ یہ وہاں کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ اللہ جانے یہاں کون سا تبع مراد ہے۔ بہر حال اتنا ظاہر ہے کہ اس کی قوم صاحب قوت و جبروت تھی۔ ابن کثیرؒ نے قوم سبا مراد لی ہے جس کا ذکر سورہ سبا میں گزرا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ اس کا نام اسعد تھا اور وہ اسلام لے آیا تھا اور اپنی قوم کو جویت پرست تھی اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے سرکشی کی۔ ان پر ایک آگ آئی جس نے ان کا کام تمام کر دیا۔ بعض مسلمان ہوئے بعض ذمی بنے اور بعض کی رائے میں یہ تبع اول تھا۔ جو قبل مسیح گزرا ہے۔ کثرت اتباع کی وجہ سے یہ لقب پڑا۔ اس کے

بعد میں کے بادشاہوں کا یہی لقب رہا ہے۔

قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی: وما خلقنا۔ یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشا نہیں۔ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے،

ایک دن اس کا نتیجہ نکل کر رہے گا اور وہی نتیجہ آخرت ہے۔ لیکن دنیا کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ یعنی ان بڑے بڑے کروں کو دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ جو اتنے بڑے جہان بنا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ یہ تو قیامت کے امکان و صحت پر استدلال عقلی ہوا۔

اسی طرح دلائل نقلیہ یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جہان ہمارے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تاکہ نعمتوں سے متمتع ہو کر طاعت و شکر بجالائیں۔ جن پر کامل ثمرات ملیں۔ ورنہ ناسپاسی اور نافرمانی کی صورت میں خسران کامل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ ہوئی آخرت کی حکمت اور یہی حکمت مقفیض ہے آخرت کے رجحان و جود کی۔ کیونکہ اگر مشیت الہی قیامت نہ ہونے کے لئے ہوتی تو پھر وہی حکمت ہوتی اور اسی کو ترجیح ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا وجود عقلی نہیں ہے پس مجازات کے واجب ہونے کا شبہ ساقط ہو گیا۔

ان یوم الفصل سے قیامت کے واقع ہونے کا پہلا اجمالی بیان ہے کہ سارے عالم کا حساب کتاب بیک وقت ہو جائے گا۔ اللہ کی رحمت ہی کام آئے گی۔ کوئی کسی کی دھگری نہیں کر سکے گا۔

زقوم کی تحقیق: ان شجرة الزقوم۔ یہ قیامت کا تفصیلی بیان ہے۔ زقوم سینڈھ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کسی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے اس کو سینڈھ کہتے ہیں۔ ورنہ دوزخ کے سینڈھ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جنت و جہنم کی چیزوں کے ناموں میں محض اشتراک ہے۔ ورنہ کیفیت اور حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔

آج کل عرب میں زقوم کا پھل برشوی کہلاتا ہے۔ جو کھایا جاتا ہے۔ سوا دل تو ممکن ہے کہ یہ برشوی دوسری نوع کا پھل ہوتا ہو زقوم کے علاوہ۔ کیونکہ ہر زمانہ میں اصطلاحات بدلتی رہتی ہیں۔ اگر وہی نوع ہو تب بھی آیت میں چونکہ درخت کھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے پھل کو نہیں فرمایا گیا۔ اس لئے آیت میں اشکال نہیں رہا۔ پھر زقوم کا کھانا دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ واقعہ کی آیت ہذا انزلہم سے مفہوم ہوتا ہے اور فاعتلوہ کی فاعل کے ظاہر سے بھی یہی سمجھ میں آ رہا ہے۔ لیکن اگر دوزخ میں داخل ہونے کے بعد بھی یہ کھانا ہو۔ تو پھر فاعل کی رعایت کرتے ہوئے اس کا پہلے ہونا ملحوظ مساواة الجحیم کے ہوگا۔ یعنی زقوم کھانے کے وقت دوزخ میں تو ہو ہوگا۔ مگر وسط دوزخ میں نہیں ہوگا۔ زقوم کھلا کر پھر وسط دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۃ صافات کی آیت ثم ان مرجعهم لا الی الجحیم سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ زقوم کھانے دوزخ سے باہر لے جانا ہوگا۔ پھر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کا کچھ بیان سورۃ مؤمن میں بھی ہو چکا ہے۔

انک انت العزیز الکریم۔ یعنی دنیا میں بڑا ہمتا تھا اب کہاں گئی وہ بڑائی۔ پہلے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہی سمجھتا رہا کہ یوں ہی کھیلنے کودتے گزر جائے گی۔ آخر مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے، اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی نکلیں جو پیغمبروں نے بتلائی تھیں۔ ان المتقین۔ مضرت کے بعد منفعت کا بیان ہے کہ جنت ہر قسم کے دائمی عیش و عشرت کی جگہ ہوگی۔ وہاں بھی موت نہیں آئے گی۔ نہ عیش فانی نہ عیش اٹھانے والے فانی، اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا کہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی عنایات و الطاف میں گمن رہیں گے۔ **فانتظر۔** یعنی یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے۔ لیکن آپ دیکھتے جائیے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔ آپ تبلیغ کے علاوہ فکرات میں نہ پڑیے۔ اور نہ ان کی مخالفت پر رنجیدہ ہو جائے۔ صبر کیجئے اور انہیں خدا کے حوالے کیجئے وہ خود سمجھ لے گا۔

اطا کف سلوک: ولقد اخترناهم علی علم سے معلوم ہوا کہ جو اے اے مرتبہ مرادیت پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کو ان کے نفس کے حوالہ نہیں کرتا۔ وہ خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

ان شجرة الزقوم۔ روح المعانی میں بعض کا قول منقول ہے کہ دنیا کی حرص و طمع قیامت میں زقوم کی صورت میں متشکل ہوگی مسئلہ تمثیل کی یہ بھی ایک فرع ہے۔

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ الْأَقْلُ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا الْآيَةَ وَهِيَ سِتُّ أَوْ سَبْعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ مُبْتَدَأً مِنَ اللَّهِ خَبْرَهُ الْعَزِيزِ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾ فِي صُنْعِهِ إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَىٰ فِي خَلْقِهِمَا آيَاتٍ دَالَّةٌ عَلَىٰ قُدْرَةِ اللَّهِ وَوَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲﴾ وَفِي خَلْقِكُمْ أَىٰ خَلَقَ كُلَّ مِنْكُمْ مِنْ تُطْفِئَةٍ ثُمَّ عَلَقَهُ ثُمَّ مَضَعَهُ إِلَىٰ أَنْ صَارَ إِنْسَانًا وَخَلَقَ مَا يَبْتَغِي فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ هِيَ مَا يَدْبُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ أَيْتُ لِقَوْمٍ يُؤْفِكُونَ ﴿۳﴾ بِالْبُعْثِ وَفِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ذَهَابِهِمَا وَمَجِيئِهِمَا وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ مُطَرٍّ لِأَنَّهُ سَبَبُ الرِّزْقِ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ تَفْصِيلُهَا مَرَّةً جَنُوبًا وَمَرَّةً شِمَالًا وَبَارِدَةً وَحَارَةً أَيْتُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۴﴾ الدَّلِيلُ فَيُؤْمِنُونَ تِلْكَ الْآيَةُ الْمَذْكُورَةُ أَيْتُ اللَّهُ حُجَّتُهُ الدَّلَالَةُ عَلَىٰ وَحْدَانِيَّتِهِ نَتْلُوَهَا نَقْضُهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِتَلْوِ قُبَايَ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ أَىٰ حَدِيثِهِ وَهُوَ الْقُرْآنُ وَأَيْتُهُ حُجَّتُهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۵﴾ أَىٰ كُفَّارٌ مَكَّةَ أَىٰ لَا يُؤْمِنُونَ وَفِي قِرَاءَةِ الْبَاءِ وَتِلْ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِكُلِّ أَفَّاكٍ كَذَّابٍ أَثِيمٍ ﴿۶﴾ كَثِيرٌ الْإِثْمُ يَسْمَعُ أَيْتُ اللَّهُ الْقُرْآنَ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ عَلَىٰ كُفْرِهِ مُسْتَكْبِرًا مُتَكَبِّرًا عَنِ الْإِيمَانِ كَانَ لَمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۷﴾ مُؤْلَمٌ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا أَى الْقُرْآنِ شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا أَىٰ مَهْزُوءًا بِهَا أُولَئِكَ أَى الْأَفَّاكُونَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۸﴾ دُورَاهَانَةٍ مِنْ وَرَاءِ نَبِيٍّ أَى أَمَامِهِمْ لِأَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا جَهَنَّمَ وَلَا يَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا مِنَ الْمَالِ وَالْفِعَالِ شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى الْأَصْنَامِ أَوْلِيَاءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۹﴾ هَذَا أَى الْقُرْآنِ هُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ حَظٌّ مِنْ رَجَزٍ أَى عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۱۰﴾

مُوجِعَ اللَّهُ الِذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلُكُ السُّفُنُ فِيهِ بِأَمْرِهِ بِإِذْنِهِ وَلِتَبْتَغُوا تَطْلُبُوا
بِالتَّجَارَةِ مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۳﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَوَاتِ مِنْ شَمْسٍ وَقَمَرٍ وَنَجْمٍ
وَمَاءٍ وَغَيْرِهِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَشَجَرٍ وَنَبَاتٍ وَأَنْهَارٍ وَغَيْرِهِ أَيْ خَلَقَ ذَلِكَ لِمَنْأَفْعِهِمْ جَمِيعًا
تَاكِدٌ مِنْهُ حَالٌ أَيْ سَخَّرَهَا كَأَنَّه مِنْهُ تَعَالَى إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۴﴾ فِيهَا قِيُومُونَ
قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ وَقَائِعَهُ أَيْ إِغْفِرُوا لِلْكَفَّارِ مَا وَقَعَ مِنْهُمْ
مِنْ الْأَذَى لَكُمْ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِجَهَادِهِمْ لِيَجْزِيَ أَيْ اللَّهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنُّونِ قَوْمًا بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ﴿۱۵﴾ مِنَ الْغَفْرِ لِلْكَفَّارِ إِذَا هُمْ مِنْ عَمَلٍ صَالِحٍ فَلِنَفْسِهِ عَمِلَ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا أَسَاءَ ثُمَّ
إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿۱۶﴾ تَصِيرُونَ فَيَجْزَى الْمُصْلِحَ وَالْمُسِيءَ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ
التَّوْرَةَ وَالْحُكْمَ بِهِ بَيْنَ النَّاسِ وَالنُّبُوَّةَ لِمُوسَى وَهَارُونَ مِنْهُمْ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ الْحَلَالَاتِ
كَالْمَنْ وَالسَّلَوى وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۷﴾ عَلَّمِي زَمَانِهِمُ الْعُقُلَاءِ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْأَمْرِ أَمْرِ
الِدِّينِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَبَعَثْنَا مُحَمَّدًا عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَوةِ وَالسَّلَامِ فَمَا اخْتَلَفُوا فِي بَعْثِهِ إِلَّا مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ أَيْ لِبَغْيٍ حَدَثَ بَيْنَهُمْ حَسَدًا لَهُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدٌ عَلَى شَرِيعَةٍ طَرِيقَةٍ مِنَ الْأَمْرِ أَمْرِ
الِدِّينِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ فَنِي عِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ إِنَّهُمْ لَنْ يُغْنُوا يَدْفَعُوا
عَنْكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ
الْمُتَّقِينَ ﴿۲۰﴾ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا الْقُرْآنُ بَصَائِرُ لِلنَّاسِ مَعَالِمٌ يَتَّبِعُونَ بِهَا فِي الْأَحْكَامِ وَالْحُدُودِ وَهَدَى
وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۲۱﴾ بِالْبَعْثِ أَمْ بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا إِكْتَسَبُوا
السَّيِّئَاتِ الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِيَ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ خَيْرٌ مَحْيَاهُمْ
وَمَمَاتُهُمْ مُبْتَدَأٌ وَمَعْطُوفٌ وَالْحُمْلَةُ بَدَلٌ مِنَ الْكَافِ وَالضَّمِيرُ إِنْ لِلْكَفَّارِ الْمَعْنَى إِحْسَبُوا أَنْ نَجْعَلَهُمْ
فِي الْآخِرَةِ فِي خَيْرٍ كَالْمُؤْمِنِينَ أَيْ فِي رَغَدٍ مِنَ الْعَيْشِ مُسَاوٍ لِعَيْشِهِمْ فِي الدُّنْيَا حَيْثُ قَالُوا لِلْمُؤْمِنِينَ
لَنْ نُسَبِّحَ بُعْثًا لَنُعْطَى مِنَ الْخَيْرِ مِثْلَ مَا تُعْطُونَ قَالَ تَعَالَى عَلَى وَفْقِ انْكَارِهِ بِالْهَمْزَةِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۲۲﴾
أَيْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَهُمْ فِي الْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ عَلَى خِلَافٍ عَيْشِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْمُؤْمِنُونَ فِي الْآخِرَةِ
فِي الثَّوَابِ بِعَمَلِهِمُ الصَّالِحَاتِ فِي الدُّنْيَا مِنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ أَيْ بِئْسَ

حُكْمًا حُكْمُهُمْ هَذَا

ترجمہ:..... سورۃ جاثیہ مکیہ ہے بجز آیت قل للذین آمنوا الخ کے اس میں کل آیات ۳۶ یا ۳۷ ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ (حم) اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) یہ نازل کی ہوئی کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر) ہے جو (اپنے ملک میں) غالب (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین (کے بنانے) میں بہت سے دلائل ہیں (جو اللہ کی قدرت و وحدانیت پر رہنمائی کرنے والے ہیں) اہل ایمان کے لئے اور خود تمہارے پیدا کرنے میں (یعنی ہر انسان کو عام طور سے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ بنا کر مکمل انسان بنا ڈالا) اور ان جانوروں کے پیدا کرنے میں (جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے) جو چلتے پھرتے ہیں (زمین پر خواہ وہ انسان ہوں یا اور مخلوق) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (قیامت کا یقین رکھتے ہیں اور یکے بعد دیگرے دن رات کے اختلاف (جانے آنے) میں اور اس روزی میں (مراد بارش ہے کیونکہ وہ رزق پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے) جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا زمین سوکھنے کے بعد اور ہواؤں کے لوٹ پھیر میں (کبھی جنوبی ہوا چلتی ہے کبھی شمالی، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم) دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں (دلیل کو اور ایمان قبول کر لیتے ہیں) یہ (مذکورہ نشانیاں) اللہ کی آیتیں ہیں (اس کی وحدانیت پر رہنمائی کرنے والی جتیں) جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں (بتلاتے ہیں) صحیح طریقہ پر (تسلوا کے متعلق ہے) پھر کون سی بات پر اللہ کے بعد (یعنی اس کی بات قرآن کے بعد) اور اس کی آیتوں (حجتوں) کے بعد یہ لوگ ایمان لائیں گے (مراد کفار مکہ ہیں۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور ایک قراءت میں مؤمنون تاکہ ساتھ ہے) بڑی خرابی ہوگی (ویسل کلمہ عذاب ہے) ہر ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا نافرمان ہو (بڑا گنہگار) جو اللہ کی آیتیں (قرآن) سنتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے تکبر (ایمان سے روگردانی) کرتے ہوئے اس طرح جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ سوائے شخص کو دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب وہ ہمازی (قرآن کی) آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے (اس کو مذاق بنا لیتا ہے) ایسے (جھوٹے لپائیوں) کے لئے ذلت آمیز (آروریز) عذاب ہے۔ ان کے آگے (یعنی سامنے کیوں کہ یہ لوگ دنیا میں تھے) دوزخ ہے اور نہ ان کے وہ چیزیں کام آئیں گی۔ جو (مال و اعمال) کمائے ذرا بھی اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا (بتوں کو) کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ (قرآن) سر تا سر (گمراہی سے) ہدایت ہے اور جو لوگ اس کی آیتوں کو نہیں مانتے۔ ان کے لئے سختی (عذاب) کا دردناک (تکلیف دہ) عذاب کا حصہ ہوگا، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا، تاکہ اس کے حکم (اجازت) سے اس میں کشتیاں (جہاز) چلیں اور تاکہ تم اس کی روزی (کاروبار کے ذریعہ) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو اور حقیقی چیزیں آسمانوں میں ہیں (سورج، چاند، ستارے، پانی وغیرہ) اور حقیقی چیزیں زمین میں ہیں (چوپائے، درخت، گھاس، نہریں وغیرہ۔ حاصل یہ کہ یہ سب کچھ لوگوں کے فائدہ کی خاطر پیدا کیا۔) ان سب کو (تاکید ہے) اپنی طرف سے مسخر بنایا (حال ہے یعنی اللہ ہی کی طرف سے یہ سب چیزیں انسان کے لئے مسخر ہوئی ہیں) بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں (پھر ایمان لے آتے ہیں) آپ ایمان لانے والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو یقین (خوف) نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے معاملات کا (واقعات کا۔ یعنی کفار سے کچھ تمہیں تکالیف پہنچیں ان کو جانے دو۔ یہ جہاد سے پہلے کی بات ہے) تاکہ صلہ دے (اللہ۔ ایک قراءت میں نجزی نون کے ساتھ ہے) ایک قوم کو عمل کا (کفار کی اذیتوں پر چشم پوشی کرنے کا) جو شخص نیک کام کرتا ہے سوائے ذاتی نفع کے لئے (کرتا ہے) اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے (جہاں

نیک و بد کو بدلہ ملے گا) اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) اور حکومت (لوگوں کے درمیان فیصلے) اور نبوت دی تھی (حضرت موسیٰ ہارون علیہما السلام بھی انہی میں ہوئے ہیں) اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں (حلال جیسے من و سلویٰ) کھانے کو دی تھیں اور ہم نے ان کو جہان والوں (اس دور کے دانشوروں) پر فوقیت بخش دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیل دی تھیں (حلال و حرام کے احکام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت) سو انہوں نے (آنحضرت ﷺ کی بعثت کے متعلق) علم آنے کے بعد ہی باہم اختلاف کیا آپس کی صدا صدی کی وجہ سے (حسد کے سبب جو ان میں عناد بڑھا) آپ کا رب قیامت کے روز ان کے درمیان ان باتوں کے متعلق فیصلہ کر دے گا جن میں باہم یہ اختلاف کیا کرتے تھے، پھر ہم نے (اے محمد!) آپ کو ایک خاص طریقہ پر دین کے کر دیا۔ سو آپ اسی پر چلتے رہے اور ان لوگوں کی خواہش پر دھیان نہ دیجئے جو جھوٹا ہیں (غیر اللہ کی پرستش کے سلسلہ میں) یہ لوگ آپ کے کام نہ آئیں گے (پچھا نہیں کر سکیں گے) اللہ کے مقابلہ میں ذرا بھی اور ظالم (کافر) ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ متقیوں (مومنوں) کا دوست ہے یہ (قرآن) عام لوگوں کے لئے دانش مند یوں کا ذریعہ ہے (ایسے اصول کا مجموعہ ہے جن سے احکام و حدود میں بصیرت ملتی ہے) اور ہدایت و رحمت ہے یقین دلانے والوں کے لئے (قیامت پر) کیا (ہمزہ انکاری ہے) یہ خیال کرتے ہیں جو برے برے کام (کفر و معاصی) کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا۔ ان سب کا مرنا جینا یکساں ہو جائے (سواء خبر ہے اور احیاء ہم مبتداء ہے اور مصماتہم معطوف ہے اور یہ جملہ کاف سے بدل ہے اور محیا ہم و مصماتہم دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان شریروں کو آخرت میں مومنین کے برابر بھلائی میں یکساں کر دیں گے یعنی دنیا میں جیسی عیش و عشرت کرتے تھے۔ یہاں بھی وہی حالت برقرار رہے گی۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے لئے قیامت ہوئی تو ہمیں بھی مسلمانوں کی طرح بھلائی نصیب ہوگی۔ حق تعالیٰ بذریعہ ہمزہ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یہ برا فیصلہ کرتے ہیں (یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہوگا۔ بلکہ کفار دنیاوی عیش و عشرت کے برخلاف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور مسلمانوں کو آخرت میں ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا جو انہوں نے دنیا میں رہ کر نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ادا کی تھی۔ اس میں ما مصدر یہ ہے۔ یعنی ان کا یہ حکم لگانا غلط فیصلہ ہے۔)

تحقیق و ترکیب: حم۔ اگر یہ سورت کا نام ہو تو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور تنزیل الکتاب خبر ہوگی۔ لیکن

اگر حرف کی تعداد مراد ہے تو پھر تنزیل الکتاب مبتداء اور من اللہ خبر ہوگی۔

ان فی السموات۔ ان تین آیات میں چھ دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت کو لفظ مؤمنین پر دوسری کو یوقنون پر تیسری کو یعقلون پر ختم کیا گیا ہے۔ کیونکہ آسمان وزمین پر نظر کرنے سے صانع عالم پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور خود اپنی ذات اور زمینی چیزوں پر نظر ڈالنے سے یقین پیدا ہوتا ہے، اور حوادث عالم پر نظر کرنے سے عقل میں کمال اور علم میں استحکام پیدا ہوتا ہے یا نفس کلام کے لئے مختلف الفاظ لائے گئے ہیں۔

لآیات للمؤمنین۔ تمام قراء کے نزدیک حالت نصی میں کسرہ ہے ان کا اسم ہونے کی وجہ سے۔ لیکن آیات ”لقوم یوقنون“ اور آیات ”لقوم یعقلون“ دونوں میں قراءت سبوح میں نصب اور رفع دونوں ہیں۔ رفع تو مبتداء ہونے کی وجہ سے اور فی خلقکم خبر ہے اور جملہ کا عطف ان فی السموات پر ہے۔ اگرچہ معطوف بغیر تاکید کے اور معطوف علیہ تاکید یہ ہے۔

دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ لفظ آیات کا اول آیات پر محلاً عطف کیا جائے بغیر ان کے۔ اسی طرح نصب کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ آیات کا پہلی آیات پر اسم ان کی حیثیت سے عطف کیا جائے۔ اور فی خلقکم کا خبر ان پر ہو۔ ای وان فی

خلقکم وما یث من دابة آیات.

دوسری صورت یہ ہو کہ لفظ آیات کو صرف پہلی آیات کی تاکید مانا جائے اور فی خلقکم کا فی السموات پر عطف کیا جائے۔ حرف جر کا اعادہ تاکید کے لئے ہو۔ علیٰ هذا ما یث من دابة میں بھی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں جن میں بہتر صورت یہ ہے کہ اس کو فی خلقکم مجرور پر عطف کیا جائے۔ تقدیر مضاف جیسا کہ مفسر نے کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ضمیر مجرور اعادہ جوار کے عطف کیا جائے۔ جیسا کہ بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے۔

واختلاف الیل۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے فی کے مقدر ہونے کی طرف۔ چنانچہ قراءۃ شاذہ میں فی موجود ہے۔ مفسر نے جنوبی شمالی ہواؤں کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ پروا، پچھوا ہوا میں بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح چو طرنی ہوا ہوتی ہے۔

بعد اللہ۔ ای بعد آیات اللہ جیسا کہ اعجبی زید و کرمہ میں اعجبی کرم زید ہے۔ یومنون۔ ابو عمر، حفص، تافع، ابن کثیر کے نزدیک یا کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک تا کے ساتھ ہے۔ ویل۔ کلمہ عذاب ہے اور جہنم کی وادی کا نام بھی ہے۔

یسمع آیات اللہ۔ جملہ متانفہ ہے اور انیم کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے اور صفت بھی۔ تتلیٰ علیہ۔ آیات اللہ سے حال ہے۔

ثم یصر۔ یہاں تراخی رتی ہر اد ہے۔ یعنی دلائل کے بعد پھر اصرار عقلاً بعید ہے اور ”کان لم یسمعها“ جملہ متانفہ یا مال ہے کان مخففہ ہے ضمیر شان محذوف ہے۔ فیشرہ۔ بشارت کا جنکما فرمایا ہے۔

اتخذھا ہزواً۔ ضمیر مؤنث ایسا تنہا کی طرف راجع ہے اور لفظ شنی کی طرف بھی مذکر ہونے کے باوجود راجع ہو سکتی ہے۔ بمعنی آیت لے کر ای اتخذ ذلک الشنی ہزواً مگر اس تعبیر میں نکتہ یہ ہے کہ منکرین کا مذاق محض ایک آیت تک نہیں رہتا۔ بلکہ وہ سارے کلام کو نشانہ بدف و مذاق بنا لیتے ہیں۔ جو بحث باطن کی دلیل ہے۔ قرآن کی نوری بلاغت کے جواب میں مخالفین نے ڈھونڈ بھ ڈھانڈ کر وہ لفظ پکڑے اور کہا کہ قرآن میں لفظ ہزواً اور کبار فصاحت سے گرے ہوئے ہیں۔ صحابہؓ اور مخالفین میں یہ بحث جاری تھی۔ کہ سامنے سے ایک پیر مرد آتا ہوا دکھائی دیا۔ سب مخالفین نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہمیں ان نووارد کا فیصلہ منظور ہوگا۔ چنانچہ مخالفین نے پہل کرتے ہوئے پیر مرد سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ایک متنازعہ معاملہ میں فیصلہ کیجئے۔ یہ سنتے ہی پیر مرد کی زبان سے جو پہلا جملہ نکلا وہ یہ تھا۔ اتخذونی ہزواً وانا شیخ کبار مخالفین سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ اب آگے بولیں تو کیا بولیں۔ مسلمان اس بے ساختہ تائید غیبی پر نہایت مسرور و مطمئن ہوئے اور مخالفین لا جواب دنا مراد ”جادوہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے۔“

من ورائہم۔ لفظ وراء اضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونوں معنی میں آتا ہے۔ آخرت کو دونوں اعتبار سے وراء کہتے ہیں۔ ہذا ہدیٰ۔ قرآن کی دونوں شانیں ہیں۔ مومنین کے لئے ہدایت اور کفار کے لئے گمراہی اور خسران کا باعث ہے۔ یصل

به کثیرا ویبھدی به کثیرا۔ شفاء و رحمة للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خساراً۔

سخر لکم البحر۔ یعنی وزنی چیزیں بھی سمندر سے گزر جاتی ہیں اور ڈوبتی نہیں۔

یغفروا۔ مفسر نے بمعنی اغفروا لیا ہے جواب امر حذف مفعول پر دلالت کر رہا ہے بمعنی غفران جیسے آیت اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا کی تقدیر اذن فی القتال تھی۔ لیکن الذین یقاتلون کے قرینہ سے فی القتال کو حذف کر دیا۔ مفسر اس آیت

کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ضدی لوگوں سے تعرض نہ کرنا مراد ہو تو پر منسوخ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔
من عمل صالحاً۔ جملہ متانفہ ہے پہلے اجمال کی تفصیل ہے۔

والحکم۔ حکمت، فقہ، فیصلہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔

فضلناہم۔ فضیلت کلی مراد نہیں۔ بلکہ فضیلت جزئی ہے۔ اس لئے ان کے زمانہ کے ساتھ تخصیص کی حاجت نہیں رہتی۔
عالمین۔ کی تفسیر عقلاء کی بجائے ثقلین کے ساتھ زیادہ انسب ہے۔

من الامر۔ بعض نے دین اور بعض نے آنحضرت ﷺ کی بعثت مراد لی ہے۔ مگر مفسر نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

جعلناک۔ کاف مفعول اول اور علی بشریعة مفعول ثانی ہے۔ شریعت کے معنی گھاٹ، ملت اور مذہب کے آتے ہیں۔

دین الہی مراد ہے۔

هذا بصائر۔ مبتداء خبر ہے اور خبر کو جمع لانا اس لئے ہے کہ مبتداء مضمون آیات ہے۔

ام حسب الذین۔ ام بمعنی ہمزہ منقطعہ ہے اور منقطعہ میں کبھی بل اور ہمزہ دونوں مقدر ہوتے ہیں اور کبھی حرف بل مقدر ہوتا ہے اور کبھی صرف ہمزہ۔

سواء۔ رفع کی قراءت پر محیاہم و مما تہم کی خبر ہے۔ لیکن جزوہ علی، جفص کی قراءت نصب کی ہے۔ بمعنی مسویا کاف سے بدل کل یا بدل اشتمال ہے یا حال ہے اور اس کے بعد فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہے اور جعل کا مفعول ثانی ”کالذی آمنوا“ ہے۔ ای احسبوا ان نجعلہم مثلہم فی حال استراء محیاہم و مما تہم لیس الامر کذلک۔ محیاہم و مما تہم کی ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ لیکن اگر مومنین کی طرف راجع ہوں تو پھر جملہ ضمیر مفعول ثانی سے حال ہو جائے گا۔ ای احسبوا ان نجعل فی الاخرۃ فی خیر کالمومنین۔ حاصل یہ ہے کہ کفار نے دنیا میں تو مزے اڑائے ہیں۔ لیکن کیا یہ چاہتے ہیں کہ مومنین کی طرح آخرت میں بھی یہ مزے کریں۔ جیسا کہ یہ کہا کرتے تھے۔

ساء ما یحکمون۔ بقول ابن عطیہ ”ما مصدر یہ ہے اور ساء افعال ذم میں سے ہے۔ ضمیر مبہم فاعل ہے تیز محذوف ہے۔ جیسا کہ رضی کی رائے آیت بشس مثل القوم الذین میں تیز محذوف ہونے کے متعلق ہے۔ ای بشس مثله مثل القوم یہاں مخصوص بالمدمت ”ما یحکمون“ بتاویل مصدر ہے۔ ای ساء حکمہم هذا۔ لیکن قاضیؒ ما موصوفہ مانتے ہیں۔ ای ساء شینا حکموا بذلک۔ اول صورت میں ساء خبر یہ ہے اور دوسری صورت میں انشائیہ ہوگا۔ لیکن فاعل مذکور ہونے کی صورت میں تیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اگر تیز مانی جائے۔ تو پھر فاعل کو مستتر ماننا پڑے گا۔ جو مصدر یہ ہونے کے منافی ہے۔ اس لئے مفسر کی تقدیر عبارت اشکال سے خالی نہیں ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی سورت کے آخر میں قرآن کریم کا ذکر تھا۔ اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کیا جا رہا ہے۔ اس سورت میں توحید و نبوت و معاد تین مضامین تو اصل ہیں۔ باقی مضامین انہی کی مناسبت سے آگئے ہیں۔

شان نزول:..... یہ پوری سورت مکی ہے یا بقول ابن عباسؓ وقادہ علاوہ آیت قل للذین الخ کے مکی ہے اور صرف یہ آیت مدنی ہے۔

فاروق اعظمؓ سے ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی الجہ پڑا۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر مرہ سیح کے کنوئیں پر ابن ابی نے اپنے غلام کو پانی لینے بھیجا۔ وہ دیر میں واپس آیا تو ابن ابی نے دیر کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کنوئیں پر حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب تک

حضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی مشکیں بھری نہیں گئیں کسی کو پانی نہیں لینے دیا اس پر ابن ابی بولا۔ کہ ان لوگوں کی مثال تو سمن کلبک یا کلبک ہے۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو آپ نے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اس آیت میں روک دیا گیا ہے۔

لیکن مامون ابن خیرانؒ نے نقل کیا ہے کہ جب آیت من ذالذی یقرض اللہ نازل ہوئی۔ تو شخص یہودی بولا۔ کہ محمد ﷺ کا رب مفلس ہو گیا۔ حضرت عمرؓ اس کو مارنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر آنحضرتؐ نے روک دیا۔ اور ابوالسعود اور قاضیؒ کہتے ہیں کہ ایک غفاری نے گالی دی۔ جس پر فاروق اعظمؓ جھٹ پڑے۔ پہلی صورت میں بھی کسی مشرک نے مکہ مکرمہ میں فاروق اعظمؓ کو گالیاں دیں۔ جس پر انہوں نے اس کو مار ڈالنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ. نضر بن الحارث نے کچھ عجیبی تاریخی کتابیں خرید کر لوگوں کو پرچانا چاہا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ لیکن الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جائے گا۔

ام حسب الذین. بقول کلمی اس سے عتبہ، شیبہ دونوں زبیعہ کے بیٹے۔ ولید بن عتبہ مراد ہیں۔ اور الذین آمنوا سے حضرت علی، حمزہ، عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ جب کہ انہوں نے بدر میں مشرکین کو قتل کر دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین جب قتل ہوئے تو کہنے لگے۔ کہ ہمیں آخرت میں مسلمانوں سے بہتر نعمتیں ملیں گی۔

﴿تشریح﴾: حم تنزیل. پہلی آیات سے قرآن عزیز کے کلام الہی ہونے کا بیان ہے۔ پھر آیات ان فسی خلق السموات سے یعقلون تک تو حید کا مضمون ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کرنے سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ضرور کوئی ہے جس نے کمال خوبی اور حکمت سے ان کو پیدا کیا اور لا محدود قدرت سے ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

ایک ہدوی نے کیا خوب کہا تھا۔ البعرة تدل علی البعیر والاقدام علی المسیر فكیف السماء ذات الابراج والارض ذات الاخراج لا تدلان علی اللطیف الخبیر۔

ان آیات کے فواصل میں مومنین، یوقنون، یعقلون فرماناتقن کلام کے لئے ہے۔ یہ دلائل اگرچہ عقلی ہیں جیسا کہ لقوم یعقلون سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اہل ایمان و یقین سے مراد عام ہے خواہ بالقوة ہو یا بالفعل، طلب کے ذریعہ ہو یا حصول کے طریقہ پر عقلی دلیل میں بھی تو آخر طلب و نظر ہوتی ہے۔ تو حید کے بعد آگے نبوت سے بحث ہے۔

قرآن سے زیادہ سچی بات کون سی ہے: تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ. اللہ کے سوا دوسرا کون ہے جس کی بات ماننے کے قابل ہو۔ جب اس سچے اور بڑے مالک کی سیدھی صاف بات بھی کوئی بد نصیب نہ مانے تو آخر کس چیز کو قبول کرنے کا منتظر ہے وہ اپنی ضد اور غرور کی وجہ سے بات نہیں سنتا۔ حق بات سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں۔ پس جب وہ اللہ کی آیات سے یہ اہانت آمیز برتاؤ کرتا ہے تو اسے سخت اہانت آمیز سزا دھکنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے جو آگے آرہی ہے۔ اس وقت مال و دواؤں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اللہ کے سوا جن کو مددگار ساز بنا رکھا تھا وہ کام آئیں گے۔ فی الحقیقت قرآن کریم ایک عظیم الشان صحیفہ ہدایت ہے جو ہر قسم کی برائی بھلائی سمجھانے کے لئے آیا ہے جو اس کو نہ مانے وہ ہولناک عذاب کے لئے آمادہ رہے۔ اللہ کی قدرت و طاقت کا کیا پوچھنا اس نے تو سمندر جیسی مخلوق کو مسخر کر دیا۔ جس میں انسان بے تکلفی سے جہاز اور کشتیاں لئے لئے پھرتا ہے۔ ملکوں کی سیر و سیاحت، کاروبار، آبدار، قیمتی موتیوں کا نکالنا، مچھلیوں کا شکار، غرض ہر طرح کے منافع و فوائد حاصل کرتا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تم منعم حقیقی کو نہ

بھولو اور زبان و دل سے اس کے شکر گزار بنو اور یہی نہیں بلکہ اللہ نے اپنی قدرت و حکمت سے ساری کائنات کو تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ یہ اسی کی عنایت ہے کہ بڑی سے بڑی مخلوق کو انسان کے لئے بیگاری بنا دیا۔ آدمی اگر دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے سب کچھ ہمارے لئے وقف کر دیا ہے پس ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے خالق و مالک کی طاعت و عبادت میں لگیں۔ نعمتوں میں گم ہو کر منعم کو نہ بھول جائیں۔

آگے معاد کی جزاء و سزا کا ذکر ہے۔

پچھلی آیت و بل لکل افلاک میں کفار کی شرارت و خباثت کا ذکر تھا۔ ممکن ہے ان شرارتوں پر مسلمانوں کو غصہ آجائے اس لئے آیت قل للذین امنوا سے تسامح اور چشم پوشی کا حکم ہے۔

ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے:..... ایام اللہ سے قیامت مراد ہے۔ جس میں اچھے بروں کو ان کے کئے کا بدلہ ملے گا۔ آپ اور مسلمان ان کے بدلہ کی فکر نہ کریں۔ اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ ان کی شرارتوں کا بھی مزہ چکھا دے گا اور تمہارے صبر و تحمل کا بھی صلہ دے گا۔ جو اچھائی کرتا ہے اس کا فائدہ خود اسی کو ہوتا ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اسی طرح جو برائی کرتا ہے وہ اپنے حق میں کانٹے اور بیج بوتا ہے، کسی کی برائی کسی پر نہیں پڑتی۔ ہر شخص اپنے نتائج عمل سے بندھا ہوا ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

جو کام کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا نفع نقصان خود اسی کو پہنچ کر رہے گا۔ اور یہاں نہیں تو وہاں پہنچ کر سب بھلائی برائی مع نتائج کے سامنے آجائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس فرمانے سے جہاد کی نفی نہیں ہو رہی ہے کہ اس کو منسوخ کہا جائے۔ بلکہ مقصود ایسے انتقام سے روکنا ہے۔ جس کا منشاء محض تسکین جذبات ہو۔ اعلاء کلمۃ اللہ پیش نظر نہ ہو لیکن جہاد جس کا اصلی سبب اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے اس کو روکنا نہیں ہے۔ گو اس کے ضمن میں طبعاً تسکین غیظ بھی ہو جائے۔ آگے پھر نبوت و رسالت کی تائید ہے۔

ناز برداری سے انسان بگڑ جاتا ہے:..... ولقد اتینا بنی اسرائیل حکومت و سلطنت قوت و طاقت اسی طرح ولایت، نبوت و رسالت غرض کہ ہر قسم کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بنی اسرائیل کو نوازا۔ مگر اتنی ناز برداریوں سے بھی وہ راہ راست پر نہیں آئے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ بگڑتے چلے گئے۔ آپس کی پھوٹ کی وجہ سے بے شمار فرقوں میں بٹ گئے۔ جس سے ان کی تباہی و بربادی ہوئی چلی گئی۔ اگر دلیل و برہان کی روشنی میں حق و ناحق کا فیصلہ دنیا میں بھی ہوتا رہا۔ مگر بہت طبائع جو علم جو نہیں ہوتی۔ ان کے لئے ایسا فیصلہ تسلی بخش نہیں ہوتا۔ ان کے لئے عملی فیصلہ کی ضرورت رہتی ہے اس لئے وہ قیامت میں کر دیا جائے گا۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ فرقہ بندیوں میں پڑنا ہوا پرستی اور نفس پروری کے سوا کچھ نہ تھا۔

ثم جعلناک۔ یعنی ان اختلافات کی کشمکش میں آپ کو راہ مستقیم پر قائم کر دیا۔ اسی پر آپ اور آپ کی امت کا مزین رہے۔ کبھی بھول کر بھی نادانوں کی بات نہ مانے اور جاہلوں کی خواہشات پر نہ چلے کہ آپ ان کے رویہ سے تنگ آ کر دعوت و تبلیغ چھوڑ بیٹھیں یا مسلمان بھی اختلافات کے سلسلہ میں ان کے نقش قدم پر چل پڑیں ضرورت اس کی ہے کہ ان کی یہ خواہشیں یکسر پامال کر دی جائیں۔ ہذا بصائر۔ قرآن کریم حقیقت آمیز، بصیرت افروز کتاب ہے یوں تو سب کے لئے یہ دستر خوان نعمت چنا ہوا ہے۔ مگر جو نصیبہ و اس کی نعمتوں کو چکھے اور کھائے۔ وہی صحیح معنوں میں لذت اندوز ہو سکتا ہے۔

نیک معاش اور بد معاش کا انجام:..... ام حسب الذین۔ اللہ کی حکمت پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی غفلت یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایک بد معاش اور نیک معاش دونوں کو اللہ برابر کر دے گا، دونوں کا انجام یکساں بنا دے گا؟ نہ یہ دونوں اس زندگی میں برابر ہو سکتے

ہیں اور نہ اس زندگی میں، جو دنیا میں مومن فرمانبرداری کی زندگی گزارتا ہے۔ جس سے اللہ راضی رہتا ہے وہ کافر و منافق کو کہاں نصیب۔ اسی طرح آخرت کی تمام نعمتیں مومن کے لئے مخصوص اور کافر و منافق کے لئے عکبت و خسران کے سوا کیا ہے؟

غرض کہ یہ خیال بالکل مہمل اور یہ کہنا سراسر غلط کہ اللہ نیکوں بدوں کا مرنا جینا برابر کر دے گا۔ اس کے انصاف کا تقاضا ہے کہ دونوں کا نتیجہ الگ الگ ظاہر ہو، دنیا میں کسی مصلحت و حکمت سے وہ نتائج اگر فی الجملہ ظاہر ہوئے ہوں تو ان کا پوری طرح معائنہ اور مشاہدہ آخرت میں ہو جائے۔

اور اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ مومنین کا مرنا جینا بایں معنی نہیں ہو سکتا کہ جس طرح دنیا میں یہ لذات سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی یہ محروم رہیں۔ اسی طرح کافروں کا مرنا جینا بھی بایں معنی یکساں نہیں ہو سکتا۔ کہ دنیا میں جیسے سزا سے بچے رہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی سزا سے مامون رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے انکار سے تو یہ لازم آتا ہے کہ فرما ہر داروں کو کہیں بھی ثمرہ نہ ملے اطاعت کا۔ اور مخالفین پر کہیں بھی مخالفت کا وبال نہ آئے۔ یہ بات اگرچہ عقلائی نفسہ ممکن ہے مگر حکمت کی رو سے ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملنا ضروری ہے اور دنیا میں اس کا وقوع نہیں ہوا۔ اس لئے آخرت کا ہونا ناگزیر اور ضروری ہے۔ پس قیامت کا انکار کر کے جو یہ لوگ برابری کا حکم لگا رہے ہیں وہ سراسر غلط اور بے ہودہ ہے۔

لظائف سلوک: آیت قل للذین امنوا میں بعض نکات اخلاق کی تعلیم ہے۔

آیت ثم جعلنا علی شریعة سے اتباع شریعت کی اہمیت ظاہر ہے جب صاحب شریعت کو شریعت کی پابندی کا حکم ہے تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ اس لئے خلاف شریعت ہوتے ہوئے دعوائے کمال کرنا کس قدر غلطی ہے۔

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ. مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقٍ لِيَذِلَّهُ عَلَى قُدْرَتِهِ وَوَحْدَانِيَّتِهِ وَلِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ مِنَ الْمَعَاصِي وَالطَّاعَاتِ فَلَا يُسَاوِي الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ أَفَرَأَيْتُ أَخْبَرْتَنِي مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ مَا يَهْوَاهُ مِنْ جَحْرٍ بَعْدَ جَحْرٍ يَرَاهُ أَحْسَنَ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ مِنْهُ تَعَالَى أَيْ عَالِمًا بِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الضَّلَالَةِ قَبْلَ خَلْقِهِ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ فَلَمْ يَسْمَعْ الْهُدَى وَلَمْ يَعْقِلْهُ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشْوَةً ظُلْمَةً فَلَمْ يَبْصُرِ الْهُدَى وَيَقْدِرْ هُنَا الْمَفْعُولُ الثَّانِي لَرَأَيْتُ أَيْ أَهْتَدِي فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَيْ بَعْدَ إِضْلَالِهِ إِيَّاهُ أَيْ لَا يَهْتَدِي. أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾ تَتَعَطَّوْنَ فِيهِ إِدْعَامُ أَحَدِي الثَّانِي فِي الذَّالِ وَقَالُوا أَيْ مُنْكَرُوا الْبَعْثِ مَا هِيَ أَيْ الْحَيَاةُ إِلَّا حَيَاتُنَا الَّتِي فِي الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا أَيْ يَمُوتُ بَعْضٌ وَيَحْيَى بَعْضٌ أَنْ يُؤْذَى وَأَمَّا يَهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ أَيْ مَرُورُ الزَّمَانِ قَالَ تَعَالَى وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ الْمَقُولِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ مَا هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۲۴﴾ وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا مِنَ الْقُرْآنِ الدَّالَّةُ عَلَى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبَعْثِ بَيِّنَاتٍ وَأَصْحَابِ حَالٍ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّوْا بِآيَاتِنَا أَحْيَاءَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾ أَتَأْتِبُكُمْ قُلُوبُ اللَّهِ يُحْيِيكُمْ حِينَ كُنْتُمْ نُطْفًا ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ أَحْيَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمْ الْقَائِلُونَ مَا ذَكَرَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبَدِّلُ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسِرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۷﴾
 الْكَافِرُونَ اَيُّ يَظْهَرُ خُسْرَانُهُمْ بِاَن يَّصِيرُوا اِلَى النَّارِ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ اٰى اَهْلِ دِيْنٍ جَاثِيَةً عَلَى الرَّكْبِ اَوْ
 مُجْتَمِعَةً كُلَّ اُمَّةٍ تَدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا كِتَابَ اَعْمَالِهَا وَيَقَالُ لَهُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾
 اَيُّ جَزَاءٍ هٰذَا كِتٰبُنَا دِيْوَانُ الْحَفَظَةِ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اَنَا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ نُسْخَتٌ وَنَحْفِظُ مَا
 كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِى رَحْمَتِهِ جَنَّتِهِ
 ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ اَلْبَيِّنُ الظّٰهَرُ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَيَقَالُ لَهُمْ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰتٰى الْقُرْاٰنِ
 تُنٰلٰى عَلَيْكُمْ فَاَسْتَكْبَرْتُمْ تَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ كَافِرِيْنَ وَاِذَا قِيلَ لَكُمْ اِيُّهَا الْكُفّٰرُ اِنَّ
 وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ بِالرَّفْعِ وَالنَّصَبِ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيْهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرٰى مَا السَّاعَةُ اِنْ
 مَا نَنْظُرُ اِلَّا ظَنًّا قَالِ الْمُبْرَدُ اَصْلُهُ اِنْ نَحْنُ اِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَقْيِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّهَا اٰتِيَةٌ وَّبَدَا ظَهَرَ
 لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ سَيّٰتٌ مَا عَمِلُوْا فِى الدُّنْيَا اَيُّ جَزَاءٍ هٰذَا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾
 اَيُّ الْعَذَابِ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسُكُكُمْ نَتْرُكُكُمْ فِى النَّارِ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اَيُّ تَرَكْتُمْ الْعَمَلَ
 لِقَائِهِ وَمَا وَكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ مَا نَعِيْنُ مِنْهَا ذٰلِكُمْ بِاَنكُمْ اتَّخَذْتُمْ اٰيَتِ اللّٰهِ
 الْقُرْاٰنَ هُزُوًّا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا حَتّٰى قُلْتُمْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ فَاَلْيَوْمَ لَا يُخْرِجُوْنَ بِالْبِنَاءِ
 لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ مِنْهَا مِنَ النَّارِ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۵﴾ اَيُّ لَا يُطْلَبُ مِنْهُمْ اَنْ يَّرْضُوْا رَبَّهُمْ بِالتَّوْبَةِ
 وَالطَّاعَةِ لِاَنَّهَا لَا تَنْفَعُ يَوْمَئِذٍ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ الْوَصْفُ بِالْحَمِيْلِ عَلَى وِفَاءٍ وَعَدِهِ فِى الْمُكَذِّبِيْنَ رَبِّ
 السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ خَالِقُ مَا ذُكِرَ وَالْعَالَمُ مَا سِوَى اللّٰهِ وَجُمِعَ لِاخْتِلَافِ
 اَنْوَاعِهِ وَرَبِّ بَدَلٍ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ الْعَظَمَةُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَالٌ اَيُّ كَاتِنَةٌ فِيْهِمَا وَهُوَ الْعَزِيْزُ
 الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ تَقَدَّمَ

ترجمہ:..... اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا (بالحق کا تعلق خلق سے ہے تاکہ اللہ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتے) اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جاسکے (جو اس نے نافرمانی اور فرمانبرداری کے کام کئے۔ جس سے یہی نکلا کہ کافر و مومن برابر نہیں ہیں) اور ان پر ذرا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی (مجھے بتلائیے) جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے (ایک پتھر کے بعد دوسرا پتھر اس سے اچھا ملتا ہے تو اسی کو خدا بنا لیتا ہے) اور اللہ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے (یعنی اللہ کو اس کی پیدائش سے قبل پہلے ہی اس کا گمراہ ہونا معلوم تھا) اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے (اس لئے نہ وہ ہدایت کو سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے) اور اس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا ہے (ظلمت کا اس لئے اس کو ہدایت نظر نہیں

آتی۔ اور یہاں ذابیت کا مفعول ثانی مقدر ہے یعنی بھتدی (سو ایسے شخص کو اللہ کے) گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ (کوئی ہدایت نہیں دے سکتا) کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے اور یہ لوگ (منکرین قیامت) یوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے ہم مرتے جیتے ہیں (یعنی بعض مرتے ہیں اور بعض کو پیدا ہو کر زندگی ملتی ہے) اور ہمیں صرف زمانہ (کے گزرنے) سے موت آتی ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) حالانکہ ان کے پاس اس (بات) پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ محض انکل سے بانٹ رہے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں (قرآن کریم کی جن سے قیامت کی بابت ہماری قدرت معلوم ہوتی ہے) کھلی کھلی (واضح یہ حال ہے) تو ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) سامنے لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ ہم قیامت میں اٹھائے جائیں گے) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے تمہیں زندگی بخشی (لفظہ ہونے کی حالت میں) پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں (جلا کر) جمع کرے گا قیامت کے روز جس کے آنے میں شک (شبہ) نہیں لیکن اکثر لوگ (جوان باتوں کے قائل ہیں) نہیں سمجھتے۔ اور اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت ہوگی (آگے بدل ہے) اس روز غلط کار لوگ ٹوٹے میں ہوں گے (مراد کافر) یعنی ان کا خسارہ کھل کر سامنے آ جائے گا جب وہ جہنم رسید ہوں گے) اور آپ ہر فرقہ (مذہبی جماعت) کو دیکھیں گے اوندھے منہ گر پڑیں گے (زانو کے بل یا اوندھے منہ) ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے کئے کا بدلہ (صلہ) تمہیں ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر (محافظ خانہ) ہے۔ جو تمہارے مقابلہ میں ٹھک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے (محفوظ کرتے) جاتے تھے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت (جنت) میں کر دے گا اور یہ کھلی (روشن واضح) کامیابی ہے اور جو لوگ کافر رہے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات (قرآن) تمہیں پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھی، سو تم نے تکبر کیا اور تم بڑے مجرم (کافر) رہے اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ (قیامت) برحق ہے اور قیامت میں (رفع اور نصب کے ساتھ ہے) کوئی شک (شبہ) نہیں۔ تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے (مبرّد کی رائے ہے کہ اصل عبارت ان نحن الا نظن ظناً ہے) اور ہمیں یقین نہیں ہے (کہ قیامت آئے گی) اور ان کو (آخرت میں) ظاہر ہو جائیں گے تمام برے اعمال (جو دنیا میں کئے تھے) یعنی ان کی سزا) اور آگھیرے گا (پکڑ لے گا) ان کو جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہہ دیا جائے گا آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں (دوزخ میں ڈال کر) جب کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا (یعنی قیامت کی تیاری نہیں کی تھی) اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار (اس سے بچاؤ کا راستہ) نہیں ہے۔ بہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات (قرآن) کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (حتیٰ کہ تم یہاں تک کہہ اٹھے کہ نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب) سو آج نہ یہ دوزخ (جہنم) سے نکالے جائیں گے (یعجو جون معروف مجہول دونوں طرح ہے) اور نہ ان سے اللہ کی فحش کا تدارک چاہا جائے گا (یعنی ان سے خواہش نہیں کی جائے گی)۔ کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری اور توبہ کر کے اس کو راضی کر لیں۔ کیونکہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا) سو تمام خونیایاں اللہ ہی کے لئے ہیں (مکذبین کے متعلق اس کے وعدہ پورا کرنے پر اس کی تعریف ہے) جو پروردگار سے آسمانوں اور زمین اور سارے عالم کا (مذکورہ چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، عالم ہے مراد اللہ کے علاوہ کائنات ہے۔ اور جمع، باختلاف نوع کی وجہ سے لائی گئی ہے۔ اور رب بدل ہے) اور اسی کی بڑائی (عظمت) ہے آسمانوں اور زمین میں (حال ہے اسی کسانہ فی السموات والارض اور وہی زبردست حکمت والا ہے) (پہلے اس پر کلام ہو چکا ہے۔)

تحقیق و ترکیب..... و لجزی. مفسر نے اس سے پہلے لیدل نکال کر اشارہ کیا ہے کہ لجزی کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ لیکن اس کا عطف بالحق کے معنی پر بھی ہو سکتا ہے۔ ای خلقها للبدل والصواب لا للبعث.

افرنیت. مفسر نے اخبرنی سے تفسیر کر کے اس میں دو مجاز مانے ہیں۔ ایک رویت سے خبر مراد لی ہے اور دوسرے سبب سے مسبب مراد لیا ہے۔ نیز استفہام سے امر مراد لیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں طلب ہوتی ہے۔ زایت کا مفعول اول من اتخذہ ہے۔ علی علم. مفسر نے اس کو فاعل سے حال مانا ہے اور مفعول بھی حال ہو سکتا ہے۔ فما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم کی طرح ہو جائے گا۔ ای اضلہ وهو عالم بالحق. یعنی اللہ نے اس کو اس کی سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں اس کی برائی اور زیادہ ہو گئی۔ زایت کا مفعول ثانی محذوف ہے کیونکہ من یہدیہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

من بعد اللہ. مفسر نے بعد اضلالہ سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پہلی عبارت جس کا قرینہ ہے۔ نموت ونحیا. اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس میں تو موت کے بعد حیات کا اعتراف موجود ہے۔ پھر ان کو منکر بعث کیسے کہا گیا؟ مفسر نے اسی کے جواب کے لئے تفسیر کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ موت و حیات کا مکمل ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔ بذلک. مفسر نے اس کا اشارہ الیہ ظاہر کر دیا۔

ماکان حجتہم. کان کی خبر حجت ہے اور الا ان قالوا اسم ہے الا قولہم اور کفار کی بات کان کے گمان کے اعتبار سے بطور جنم جتہ کہا گیا ہے۔

یوم تقوم الساعة. یہ طرف ہے یخسر کا اور یوم منذ پہلے یوم کا بدل ہے تاکید کے لئے اور جملہ مقدرہ کے عوض میں یوم منذ پرتوین ہے۔ ای یوم منذ تقوم الساعة.

یخسر المبتطلون. کفار کا خسروں روز ازل میں طے ہو چکا پھر یوم منذ کی قید کیوں لگائی گئی۔ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ خسروں کا اظہار مراد ہے جو فی الوقت ہوا ہے۔

کل امة. مبتداء ہے تدعی خبر ہے لیکن یعقوب نے کل امة کو منصوب پڑھا ہے پہلے کل امة سے بدل بناتے ہوئے نکرہ موصوفہ ہونے کی وجہ سے۔

جاثیہ. گھٹنوں کے بل بیٹھنا یا مجتمع ہو کر بیٹھنا۔

الی کتابھا. ادنیٰ مناسبت و تلبس کی وجہ سے اعمال نامہ کی اسناد بندوں کی طرف ہے اور اللہ کی طرف مالک ہونے کی وجہ سے ہے۔ ینطق علیکم. معلوم ہوا کہ اعمال نامے سب پڑھ سکیں گے کتاب بولنے سے یہی مراد ہے لیکن آج ریڈیو بولنے اور ریکارڈ بولنے سے تو اعمال ناموں کے بولنے کا استبعاد بھی دور ہو گیا ہے۔ اس لئے مجاز کی بجائے حقیقی معنی لینے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ یقولون یا ویلنا ما لهذا الكتاب لا یغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاھا.

نفسہم. بمعنی نکتہ و ثبت و نحفظ نسخ اور استنسخ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس کے معنی نقل کتاب اور ابطال شئی کے نہیں ہیں۔

فاما الذین. یہاں سے اعمال نامہ کے بولنے کی تفصیل ہے۔

فیدخلہم جنت کا دخول اولیٰ مراد ہے ورنہ نفس دخول جنت تو محض ایمان سے بغیر عمل صالح کے بھی ممکن ہے۔

رحمت. کی تفسیر جنت کے ساتھ تو یا عام خاص سے تفسیر ہے۔

والساعة. رفع اور نصب دونوں طرح ہے اول صورت میں مبتداء اور لازیب فیہ اس کی خبر ہے اور نصب اسم ان یعنی وعد اللہ پر عطف کرتے ہوئے حمزہ کے نزدیک۔

ان نظن. چونکہ مصدر مؤکداً استثناء مفرغ نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ ما ضربت الا ضرباً کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے ما ضربت الا ضرباً کہا جائے جو بے فائدہ ہے۔ چنانچہ نحو کی کتابوں میں لکھا ہے عامل کو بعد کے تمام معمولات کے لئے فارغ کرنا جائز ہے۔ بجز مفعول مطلق کے اسی لئے ما ظننت الا ظناً کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نفی اور اثبات دونوں کا محل ایک ہی ہو جاتا ہے یعنی ظن۔ حالانکہ حصر اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دونوں میں مغایرت ہو۔ اسی اشکال کے ازالہ کے لئے مفسر علام قسالمبرد الخ سے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

حاصل تاویل یہ ہے کہ یہاں نفی کا مورد محذوف ہے۔ یعنی متکلم کا کسی فعل پر ہونا، اور اثبات کا مورد متکلم کا ظن کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ اس جملہ میں لفظ الا اگرچہ لفظاً مؤخر ہے لیکن تقدیراً مقدم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اثبات ظن کا حصر تو متکلم کے لئے ہے اور اپنے علاوہ سے ظن کی نفی ہے اور یقین بھی علاوہ میں داخل ہے۔ اگرچہ یقین کی نفی مقصود ہے۔ لیکن بطور مبالغہ مطلقاً ظن کے علاوہ کی نفی کر دی گئی ہے۔ جس میں یقین کی نفی بھی آگئی۔ اسی کی تائید کے لئے آیت کا اگلا حصر و ما نحن بمستیقنین از شراد فرمایا گیا۔

سینات. مفسر نے لفظ جزاء بڑھا کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

ننسا کم. مسبب بول کر سبب یعنی ترک مراد لیا ہے اور لقاء کی اضافت یوم کی طرف مکراً اللیل و النهار کی طرح ہے۔ لا یخرجون. اس میں التفات ہے خطاب سے غائب کی طرف جس میں نکتہ یہ ہے کہ کفار کو ناقابل التفات سمجھا گیا۔ يستعینون. سین تطلب کے لئے ہے۔

رب السموات. تینوں جگہ رب، اللہ کا بدل ہے۔

فی السموات. یہ کبریا سے حال ہے۔

رابط آیات: آیت وخلق الله السموات آیت ام حسب الذین کا تتمہ ہے جس میں اللہ کی قدرت و حکمت کا بیان ہے۔ پھر آیت الفرائیض سے قیامت کا بیان ہے جو آخر صورت تک ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: آیت ام حسب الذین اور آیت وخلق الله میں ایک ہی حکمت کا بیان ہے۔ یعنی فرمانبرداروں کو ان کی فرمانبرداری کا صلہ ملنا اور مخالفین کو مخالفت کی سزا ہونا۔ البتہ دوسری آیت میں فی نفسہ عمل کا مقتضی جزا ہونا اور نیکی بدی دونوں کا برابر نہ ہونا مقصود ہے۔ لیکن پہلی آیت میں نفس عمل کے مقتضی جزاء ہونے کے علاوہ اس خاص لحاظ سے بھی مقتضی جزا ہونا مقصود ہے کہ بدلہ نہ ہونے کی صورت میں نیک و بد کی برابری لازم آتی ہے۔ اور یہ خود طبعی طور پر ایک مستقل خرابی ہے۔ کیونکہ عادیہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی نوکر ہو اور وہ ہر طرح اپنے آقا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو۔ مگر اس کو کوئی انعام و اکرام نہ ملے تو اسے شکایت ہوتی ہے۔ مگر اتنی نہیں جتنی کہ اس صورت میں ہوتی ہے۔ کہ ایک شریں نوکر آجائے اور وہ ہر طرح کی شرات کر کے بھی سزا سے بچا رہے۔ اس وقت فرمانبردار نوکر کو اپنی اطاعت کے رائیگاں جانے کا زیادہ قلق اور افسوس ہوگا۔ کیونکہ شریں ملازم کو اگر سزا مل جاتی تو اسے یہ تسلی رہتی کہ خیر اطاعت میں اگر انعام نہیں ملا تو یہی غنیمت ہے کہ نافرمانی کی سزا اسے بچ گیا۔ لیکن جب شریں ملازم کو سزا بھی نہ ملے تو رنج و ملال زیادہ

ہوگا کہ میری اطاعت بیکارگئی۔

مومن و کافر کی دنیا و آخرت یکساں نہیں ہو سکتی: پہلی آیت کی اگرچہ مشہور تفسیر وہی ہے جو پہلے شروع میں گزر چکی کہ مومن و کافر دونوں کی زندگی اور موت میں برابری نہیں ہو سکتی گویا مجموعہ کائنات کا انکار ہے یعنی جس طرح مومن و کافر دنیاوی اکثر امور تندرستی، بیماری، رزق وغیرہ میں شریک اور برابر رہتے ہیں۔ اگرچہ ان کی کسیت کیفیت میں کچھ فرق ہو تو کیا مرنے کے بعد بھی ان دونوں کو برابر رکھیں گے۔ ایک کی طاعت اور دوسرے کی معصیت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔

خازن میں بلا سند لکھا ہے کہ کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آخرت کوئی چیز ہے تب بھی ہم وہاں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر رہیں گے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

تو اس وقت پہلی تقریر اس طرح ہوگی کہ کیا ہم مسلمانوں کی زندگی اور موت برابر کر دیں گے کہ جس طرح دنیاوی عیش و آرام میں مسلمانوں کی اکثریت کفار سے کم رہی اسی طرح آخرت میں بھی کم رہیں۔

علیٰ ہذا کیا کافروں کی زندگی موت برابر کر دیں گے۔ کہ جس طرح دنیا میں کفار کی اکثریت مسلمانوں سے بڑھی۔ اسی طرح آخرت میں بھی یہی رہے۔

اور دوسری تقریر اس طرح ہوگی کہ آخرت میں کفار کا مسلمانوں سے بڑھا ہوا ہونا کیا معنی؟ عزت افزائی یا پکڑ دھکڑ میں برابری بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ مرنے کے بعد دونوں میں سزا ہونے نہ ہونے کا فرق ہوگا، اگرچہ دنیا میں سزا نہ ملنے میں دونوں برابر رہے ہوں۔

غرض کہ دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ زمین و آسمان اللہ نے یوں ہی بیکار پیدا نہیں کئے۔ بلکہ انتہائی حکمت سے کسی خاص مقصد کے لئے بنائے ہیں اور وہ یہ کہ لوگ اندازہ کر سکیں کہ بلاشبہ ہر چیز ٹھیک موقع سے بنائی گئی ہے اور یہ کہ ضرور ایک دن اس عظیم الشان کارخانہ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلے گا۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہی کاٹنا پڑے گا۔

عقل، معاش، معاد کے لئے کافی نہیں ہے: افرایت من اتخذ۔ یعنی اللہ کو معلوم تھا کہ اس کی استعداد خراب ہے اور یہ اسی لائق ہے کہ سیدھی راہ سے ادھر ادھر بھگلتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بد بخت سمجھ بوجھ اور دانش نیش کے باوجود یہ خود راہ سے بھٹکا۔ کیونکہ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود بنالے اور حق و ناحق کا معیار اس کی یہ خواہش نفس ہی رہ جائے تو اللہ بھی اس کو اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ نہ اس کے کان نصیحت کی بات سنتے ہیں اور نہ دل سچی بات قبول کرتا ہے اور نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کے کرتوت کی بدولت اس حالت پر پہنچا دے۔ پھر کون سی طاقت ہے جو اس کے بعد اس کو سیدھی راہ پر لے آئے۔

وقالوا ماھی۔ کفار کی ذہنیت یہی ہوتی ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے بس مرنا جینا جو کچھ ہے یہیں ہو لیتا ہے اس کے بعد کوئی جہان نہیں ہے۔ چنانچہ بارش ہونے پر سبزہ اُگتا ہے جو خشکی ہونے پر سوکھ کر کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو سمجھو کہ ایک وقت پیدا ہوتا ہے۔ پھر ایک مقررہ وقت تک جیتا ہے۔ آخر کار زمانہ کا چکر اسے ختم کر ڈالتا ہے۔ موت و حیات کا یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ یہ سب کچھ زمانہ کی کارگزاری ہے۔ حالانکہ یہ کافرانہ نقطہ نظر سراسر مہمل ہے۔ کیونکہ زمانہ اور دہر میں نہ جس ہے نہ ادراک و شعور، نہ ارادہ ہے اور نہ قدرت۔ پھر کیوں نہ اللہ کو مان لیا جائے جو مومنانہ نقطہ فکر ہے اور جس کا وجود اور علی الاطلاق متصرف ہونا فطری دلائل اور عقلی نقلی براہین قاطعہ سے ثابت ہو چکا ہے اور زمانہ کا الٹ پھیر اور دن رات کی گردش اسی

کے قبضہ قدرت میں ہے۔

زمانہ کو برا کہنے سے حدیث میں اسی لئے منع فرمایا گیا ہے کہ زمانہ خود کو کوئی چیز نہیں ہے اس میں اللہ ہی کا تصرف ہے اس کو برا کہنے سے اللہ پر برائی آتی ہے اور یہ نہایت گستاخی ہے۔

انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے:..... کفار نے اپنے قول وما یھلکنا الا اللہ کو اپنے قول ان ہسی الا حیاتنا کی دلیل میں پیش کیا ہے یعنی موت اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے کہ زمانہ گزرنے سے قوائے بدنہ تحلیل ہو کر موت آ جاتی ہے پس اسی طرح وہ سمجھتے تھے کہ حیات بھی اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے یعنی اسباب طبعیہ کا اگر تقاضہ نہیں ہوگا تو موت کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہوگی۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا کے منکر اور دہریہ ہوں۔ بلکہ ممکن ہے فلاسفہ یونان کی طرح وہ بھی قدرت نوعیہ کو فاعل اور ہیولی کو قائل مانتے ہیں۔

تاہم ان کے پاس آخرت کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جو دلیل انہوں نے یہ ذکر کی ہے وہ خود بے دلیل ہے اور اس کا بدیہی نہ ہونا ظاہر بلکہ خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ علم کلام میں ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ کوئی چیز بھی اسباب طبعیہ پر موقوف نہیں ہے۔ پس نہ خود ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ وہ اہل حق کی دلیل کا پکا جواب دے سکتے ہیں۔

واذا تتلیٰ: یعنی قرآن پاک کی آیات یا قیامت کے دلائل اگر منکر کو سنائے جاتے ہیں تو ایک دم کہہ اٹھتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ تم اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس مختصر یہ ہے کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔ تب ہم جانیں گے کہ دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔

اس جواب کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ مثلاً: یہی کہ عقلی دلیل سے دوبارہ زندہ ہونے کو محال ثابت کر دیتے تو اس صورت میں اگر عقلی صحیح دلیل اس عقلی دلیل کے معارض ہوتی تو اس کی تاویل کی جاتی۔ اور نقلی صحیح دلیل اگر صحیح نہ ہوتی تو پھر عقلی دلیل کے معارض ہونے کی وجہ سے اسی کو چھوڑ دیا جاتا۔ یا قرآن کی طرح کا معجزانہ کلام پیش کر دیتے تاکہ وہی حجت ہو سکتا۔ مگر ایسی کوئی بات بن نہ پڑ سکی اور جو جواب دیا وہ محض نامعقول ہے کیونکہ خاص اشخاص کے زندہ نہ کرنے سے عام زندہ کرنے کی نفی کیسے لازم آئی؟ آگے جواب الجواب ارشاد فرماتے ہیں۔

آپ فرمادیتے تھے کہ مارنے جلانے کا مجھ سے کیا تعلق، اس کا تعلق اللہ سے ہے جس نے ایک دفعہ زندہ کیا پھر مارا۔ اب اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر دے اور سب کو یک جا کر دے۔ اس روز ذلت و خواری کے ساتھ پتہ لگے گا کہ کس دھوکا میں پڑے ہوئے تھے۔

اشکال کا جواب:..... وقسریٰ کمل امة جاثیہ۔ اس میں اگر لفظ کل کو عام مانا جائے تو مقبولین کے لئے بھی خوف و ہراس لازم آتا ہے۔ حالانکہ نصوص میں اس کا انکار کیا گیا ہے جواب میں کہا جائے گا کہ ممکن ہے بہت خفیف اور برائے نام ہو جو غیر معتد بہ ہونے کی وجہ سے نصوص کے معارض و منافی نہیں۔ جیسا کہ آیت وان منکم الا واردھا میں مقبولین اور جنتیوں کے لئے بھی توجیہ کی گئی ہے اور اگر عام مخصوص البعض ہو تو سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

نیز اگر بعض مفسرین کے مطابق ”جاثیہ“ کے معنی دوزان و ادب سے بیٹھ کر حساب دینے کے لئے جائیں تو پھر بھی کوئی اشکال نہیں رہتا۔ قیامت میں لوگوں کو اعمال نامے پیش کرنے کا حکم ہوگا کہ اس کے موافق آ کر حساب دو دنیا میں جو کچھ کمایا تھا آج اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔ یہ اعمال نامہ ٹھیک ٹھیک حساب بتلائے گا۔ ذرہ برابر کی بیشی نہیں ہوگی۔

آج کے سائنسی دور میں ایسے ایسے کمپیوٹر ایجاد ہو گئے ہیں کہ قرآن کی ان خبروں میں صداقت کا پلہ غالب آ گیا اور حیرت و تعجب کی کوئی وجہ نہیں رہی۔ اللہ کے علم میں ہر چیز اگرچہ ازل سے تھی۔ لیکن فرماتے ہیں کہ ضابطہ کے مطابق ہمارے رپورٹر لکھنے پر مامور تھے۔ آج ان کی رپورٹ اور ڈائریاں جون کی توں مکمل تمہارے سامنے ہیں۔

افلہم تکن ایاتی۔ ہماری طرف سے نصیحت و فہمائش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر تمہارے غرور کی گردن پھر بھی نیچی نہ ہوئی۔ آخر تم کچے مجرم رہے۔ یا کہا جائے کہ جرم تمہارے ضمیر میں پہلے ہی سے داخل تھا۔

واذا قیلاً۔ یعنی قیامت کے ذکر پر تمہارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیسی ہوتی ہے یوں ہی تمہاری سنی سنائی باتوں سے کچھ کبھی دھیان اور خیال آ جاتا ہے۔ جیسے: قضائے کا ذبہ میں مناطقہ کے یہاں تصور موضوع ہو جایا کرتا ہے لیکن قضایائے یقینیہ یا ظنیہ کی طرح منطقی تصدیق ہمیں حاصل نہیں ہے۔

وبلہ الہم۔ لیکن جب قیامت سر پر آ موجود ہوگی تو ان کی تمام کارگزاری اور ان کے نتائج سامنے آ جائیں گے اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کے سر پر آ پڑے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح دنیا میں تم نے اس دن کو بھلائے رکھا۔ آج تم بھی اسی طرح نظر انداز کئے جا رہے ہو۔ تم نے دنیا کے مزوں میں خود کو پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔ آج عذاب میں پھنس کر چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی تم نے خیال ہی نہیں کیا کہ یہاں سے جانا بھی ہے اور اللہ کے حضور پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یہ خیال کر کے تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے زور آور ہیں، وہاں بھی زور دار رہیں گے۔ فرماتے ہیں کہ نہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور نہ اس کا انتظار ہوگا کہ یہ منت خوشامد کر کے اللہ کو خوش کر لیں۔

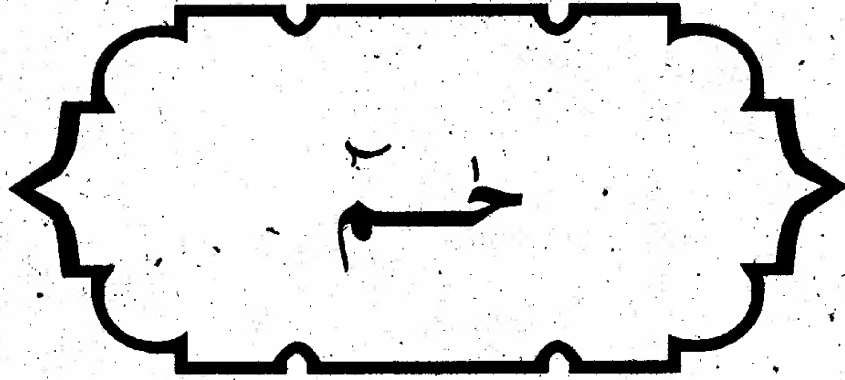
فللہ الحمد۔ حدیث قدسی ہے۔ الکبریاء ردائی والعظمة اذاری فمن ناز عنی واحدا منهما قذفہ فی النار۔

لطا ئف سلوک: افرا یت من اتخذ۔ اس میں نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی کھلی برائی ہے۔ بالخصوص دوسرے جملہ میں ”اضلہ اللہ“ اس کی برائی ہے جو حق واضح ہو جانے کے باوجود نفسانیت کا پیروکار رہے۔

یہ باروز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ علم سے کورے مگر خود کو عالم سمجھنے والے مشائخ کی رسوم پر محض تعصبا جتے رہتے ہیں۔ ولہ الکبریاء۔ کبرائی اللہ کی صفت ہے جو اس کی ذات سے الگ نہیں ہو سکتی اور اس صفت کبریائی کا عالم کے لئے محیط ہونا اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس کی ذات ہی محیط عالم ہے۔

﴿الحمد للہ کہ پارہ الیہ برز ۲۵﴾ کی تفسیر مکمل ہوئی ﴿﴾

پارہ نمبر (۲۶)



فہرست عنوانات کمالین ترجمہ و شرح اردو جلالین پارہ ۲۶

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۲	تشریح	۱۲۵	تحقیق و ترکیب
۱۲۳	قوم عادی و ہود پر عذاب کا بادل	۱۲۶	ربط آیات
۱۲۳	انسان سے توجنات ہی غنیمت نکلے	۱۲۶	تشریح
۱۲۳	جنات کی نظر میں قرآن	۱۲۶	مشرکین کی حماقت
۱۲۴	اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں	۱۲۷	قرآن اور جادو میں فرق
۱۲۴	جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں	۱۲۷	نکتہ نادرہ اور تحقیق لطیف
۱۲۴	اولوالعزم پیغمبر کون ہوئے ہیں	۱۲۸	ایک دقیق اشکال کا حل
۱۲۴	لطائف سلوک	۱۲۸	ایک علمی تحقیق ایتق
۱۲۷	تحقیق و ترکیب	۱۲۸	نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے
۱۲۸	ربط	۱۲۹	پیغمبر آخری اطلاع پہلے سے چلی آرہی ہے
۱۲۹	تشریح	۱۲۹	شہادے کیا مراد ہے
۱۲۹	حق و باطل کی آویزش	۱۳۰	لطائف سلوک
۱۵۰	اسیران جنگ کی رہائی	۱۳۲	تحقیق و ترکیب
۱۵۰	جہاد کی حکمت عملی	۱۳۴	شان نزول
۱۵۰	اللہ کی مدد مسلمانوں کے لئے ہے	۱۳۴	تشریح
۱۵۳	تحقیق و ترکیب	۱۳۴	پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے
۱۵۴	ربط آیات	۱۳۵	دودھ پلانے کی مدت
۱۵۴	شان نزول و روایات	۱۳۵	چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے
۱۵۵	تشریح	۱۳۵	نادان اولاد کا رویہ
۱۵۵	نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں	۱۳۶	لطائف سلوک
۱۵۵	جنت کی نہریں	۱۳۹	تحقیق و ترکیب
۱۵۶	دوزخیوں کا حال	۱۴۲	ربط
۱۵۶	منافقین کا دوزخلا پن	۱۴۲	شان نزول و روایات

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۷۹	منافقین کے حیلے بہانے	۱۵۶	علامات قیامت
۱۷۰	منافقین کا پوسٹ مارٹم	۱۵۶	پیغمبر کا استغفار کرنا
۱۸۰	فتح خیبر	۱۵۷	لطائف سلوک
۱۸۱	ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں	۱۶۰	تحقیق و ترکیب
۱۸۱	لطائف سلوک	۱۶۲	ربط
۱۸۵	تحقیق و ترکیب	۱۶۲	شان نزول و روایات
۱۸۹	تشریح	۱۶۳	تشریح
۱۸۹	حدیبیہ، فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا	۱۶۳	جہاد کے فوائد و مصالح
۱۸۹	سنہ اللہ	۱۶۴	دلوں پر تالے
۱۸۹	حدیبیہ کی صلح میں مصالح	۱۶۴	مخلص و منافق کی پہچان
۱۹۰	چند شہادت کا ازالہ	۱۶۵	کفر و نفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں
۱۹۱	مشرکین کی ہٹ دھرمی	۱۶۵	فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات
۱۹۱	سچا خواب	۱۶۵	حنفیہ شوافع کا اختلاف
۱۹۱	حدیبیہ میں جنگ نہ ہونا ہی مصلحت تھا	۱۶۶	بزدلی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے
۱۹۲	دین متین اور فتح مبین	۱۶۶	دنیا اور آخرت کا موازنہ
۱۹۲	صحابہ کرام کی شان	۱۶۷	امام اعظمؒ کی منقبت
۱۹۲	مدح صحابہؓ اور خلفاء راشدین کا امتیاز	۱۶۷	لطائف سلوک
۱۹۳	تورات و انجیل کی تائید	۱۷۱	تحقیق و ترکیب
۱۹۳	رد و انقض	۱۷۲	ربط
۱۹۳	لطائف آیات	۱۷۳	شان نزول و روایات
۱۹۷	تحقیق و ترکیب	۱۷۵	تشریح
۱۹۸	شان نزول	۱۷۵	فتح مبین
۱۹۹	بط آیات	۱۷۶	شاہانہ انعامات
۱۹۹	تشریح	۱۷۶	چار وعدے
۱۹۹	آداب نبوی ﷺ	۱۷۷	فتح مکہ سبب مغفرت ہے
۲۰۰	ادب نبوی ﷺ کی کیفیت	۱۷۷	فتح مکہ میں عورتیں
۲۰۰	گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟	۱۷۸	بیعت جہاد اور بیعت سلوک

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۱۵	اسلام نازکی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے	۲۰۱	ایک نفیس علمی بحث
۲۱۵	آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ	۲۰۲	تعظیم نبوی کی ترغیب
۲۱۶	اطائف آیات		حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کے لئے
۲۲۳	ربط آیات	۲۰۲	نقطہ عروج ہے
۲۲۳	تشریح	۲۰۲	انتہائی ادب کا تقاضہ
۲۲۴	قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی	۲۰۳	بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں
۲۲۴	اضدی آدمی ہر گجی بات کا انکار کر دیتا ہے	۲۰۳	چند شبہات کا ازالہ
۲۲۴	آسمان نظر آتا ہے یا نہیں	۲۰۴	خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے
۲۲۵	قیامت کے امکان کی دلیل	۲۰۴	رسول ﷺ کی اطاعت
۲۲۵	قیامت کے واقع ہونے کا بیان	۲۰۵	اسلام ایک دوامی قانون ہے
۲۲۵	علم الہی اور کرمانا کا تین دونوں اعمال کے نگران ہیں	۲۰۵	مسلمانوں کے جھگڑوں کا حل
۲۲۶	اللہ کے دربار میں شیطان اور انسان کی نوک جھونک	۲۰۵	مسلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے
۲۲۹	تحقیق و ترکیب	۲۰۶	مسلمانوں کے اختلافات ختم کرنے کے طریقے
۲۳۰	روایات	۲۰۶	اطائف آیات
۲۳۱	تشریح	۲۰۹	تحقیق و ترکیب
۲۳۱	شبہات اور جوابات	۲۱۰	شان نزول
۲۳۲	اطائف سلوک	۲۱۱	ربط آیات
۲۳۶	تحقیق و ترکیب	۲۱۱	محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں
۲۳۸	ربط آیات		کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم
۲۳۸	تشریح	۲۱۱	ہے
۲۳۸	نظام عالم قیامت کی شبہات دے رہا ہے	۲۱۲	اختلافات کی کہانیاں
۲۳۹	سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے	۲۱۲	مختلف قسم کے گمان اور ان کے احکام
۲۴۰	اطائف آیات	۲۱۳	تجسس، غیبت، بہتان کے احکام
		۲۱۴	مدار فضیلت خاندانی اور خج نہیں، بلکہ ایمان و عمل ہے

سُورَةُ الْأَحْقَافِ

سورة الأحقاف مكية إلا قل رأيتم إن كان من عند الله الآية والأ فاصبر كما صبراً ولوا العزم
من الرسل الآية والأ ووَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الثَّلَاثِ آيَاتٍ وَهِيَ أَرْبَعٌ أَوْ خَمْسٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً -

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ مُبْتَدَأً مِنَ اللَّهِ خَبْرَهُ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمِ ﴿٢﴾ فِي
صُنْعِهِ مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا خَلَقًا بِالْحَقِّ لِيَدُلَّ عَلَى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَأَجَلِ
مُسَمًّى إِلَى فَنَائِهِمَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا خَوْفُوا بِهِ مِنَ الْعَذَابِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ قُلْ
أَرَأَيْتُمْ أَخْبِرُونِي مَا تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى الْأَصْنَامِ مَفْعُولٌ أَوَّلُ أَرُونِي أَخْبِرُونِي تَاكِدْ مَاذَا
خَلَقُوا مَفْعُولٌ ثَانٍ مِنَ الْأَرْضِ يَبَيِّنُ مَا أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مُشَارَكَةٌ فِي الْخَلْقِ السَّمَوَاتِ مَعَ اللَّهِ وَأَمْ بِمَعْنَى
هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ إِيْتُونِي بِكِتَابٍ مُنْزَلٍ مِنْ قَبْلِ هَذَا الْقُرْآنِ أَوْ آثَرَةٍ بَقِيَّةٍ مِنْ عِلْمٍ يُؤْتِي عَنِ الْأَوَّلِينَ بِصَحَّةٍ
دَعَاكُمْ فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ إِنَّهَا تَقْرَبُكُمْ إِلَى اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤﴾ فِي دَعْوَاكُمْ وَمَنْ اسْتَفْهَمَ بِمَعْنَى
النَّفْيِ لَا أَحَدٌ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا يَعْزُذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ
الْأَصْنَامُ لَا يُجِيبُونَ عَابِدِيهِمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْأَلُونَهُ أَبَدًا وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ عِبَادَتِهِمْ غَفْلُونَ ﴿٥﴾ لَا نَهُمُ حَمَادٌ
لَا يَعْقِلُونَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا إِلَى الْأَصْنَامِ لَهُمْ لِعَابِدِيهِمْ أَعْدَاءٌ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبَادَةِ عَابِدِيهِمْ
كَافِرِينَ ﴿٦﴾ جَاغِدِينَ وَإِذَا تَتَلَّى عَلَيْهِمْ أَى أَهْلِ مَكَّةَ الْيَتَا الْقُرْآنَ بَيَّنَّتْ ظَاهِرَاتِ حَالٍ قَالَ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْهُمْ لِلْحَقِّ أَى الْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٧﴾ بَيْنَ ظَاهِرٍ أَمْ بِمَعْنَى بَلْ هَمْزَةُ الْإِنْكَارِ
يَقُولُونَ افْتَرَاهُ أَى الْقُرْآنَ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَرَضًا فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا أَى لَا يَقْدِرُونَ

عَلَىٰ دَفْعِهِ عَنِّي إِذْ أَعَدَّ بَنِي اللَّهِ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ تَقُولُونَ كَفَىٰ بِهِ تَعَالَىٰ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ لِمَن تَابَ الرَّحِيمُ ﴿۸﴾ بِهِ فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوبَةِ قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَا بَدِيعًا مِّنَ الرُّسُلِ أَوَّلَ مُرْسَلٍ قَدْ سَبَقَ مِنِّي قَبْلِي كَثِيرٌ فَكَيْفَ تُكَذِّبُونَنِي وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ فِي الدُّنْيَا أُنْخَرَجَ مِّنْ بَلَدِي أَمْ أَقْتُلُ كَمَا فُعِلَ بِالْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي أَوْ تُرْمَوْنَ بِالْحِجَارَةِ أَمْ يُخَسَفُ بِكُمْ كَالْمُكَذِّبِينَ قِيلَ لَكُمْ إِنَّمَا اتَّبَعُوا إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَىٰ أَى الْقُرْآنِ وَلَا ابْتَدِعْ مِنْ عِنْدِي شَيْئًا وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۹﴾ بَيْنَ الْإِنذَارِ قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَخْبِرُونَنِي مَاذَا خَالِكُمْ إِن كَانَ أَى الْقُرْآنِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ جُمْلَةً حَالِيَةً وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ عَلَىٰ مِثْلِهِ أَى عَلَيْهِ أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَأَمَّنَ الشَّاهِدُ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ تَكْبَرْتُمْ عَنِ الْإِيمَانِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ بِمَا عَطَفَ عَلَيْهِ السُّتْمُ ظَالِمِينَ دَلَّ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: سورہ احقاف مکہ ہے۔ جز آیات ”قل ارنیتم“ الخ اور آیت ”فاصبر کما صبر“ الخ اور آیت ووصینا الانسان تین آیات کے اس میں کل ۳۳ یا ۳۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم - حتم (اس کی یقینی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) یہ کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو (اپنے ملک میں) ازبردست (اپنی کارگیری میں) حکمت والے ہیں۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں حکمت کے ساتھ پیدا کیا (تاکہ ان میں سے ہر ایک ہماری قدرت و وحدانیت پر دلالت کرے) اور ایک معیار معین کے لئے (قیامت میں ان کے فنا ہونے) تک اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے (عذاب سے خوف زدہ کیا جاتا ہے) وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ (مجھ سے کہو کہ جن چیزوں کی تم عبادت (بندگی) کرتے ہو اللہ کے علاوہ بتوں کی یہ مفعول اول ہے) مجھ کو یہ دکھلاؤ (بتلاؤ یہ تاکید ہے) کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے (معتقل ثانی ہے) زمین یہ بیان ہے (ماکا) یا ان آسمانوں (کے) پیدا کرنے میں ساجھا شرکت ہے۔ خدا کے ساتھ ام بھئی ہمزہ انکار ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس کتاب سے پہلے کی ہو یا کوئی اور علمی مضمون منقول لاؤ جو پہلے لوگوں سے نقل ہوا ہو جس سے تمہارے اس دعوے کی تصدیق ہو کہ بت پرستی اللہ سے تم کو قریب کر دیتی ہے (اگر تم سچے ہو) (اپنے دعویٰ میں) اور اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا (استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی کوئی نہیں) جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود غیر اللہ کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے یعنی جو اپنے عبادت گزاروں کی کسی بات کا جواب بھی قیامت تک نہیں دے سکتے) اور ان کو ان کے پکارنے (پوچھا پٹ کرنے) کی بھی خبر نہ ہو (کیونکہ وہ محض بے جان ہیں سمجھتے نہیں) اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ (بت) ان کے پجاریوں کی بندگی ہی کا انکار کر بیٹھیں اور جب لوگوں (مکہ والوں) کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں (قرآن کی) کھلی کھلی واضح یہ حال ہے) تو ان میں سے مکر لوگ کہنے لگتے ہیں اس سچی بات (قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے کہ یہ صریح (کھلم کھلا) مجاد ہے۔ کیا (بل اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اس کو اپنی طرف بنا لیا ہوگا (بالفرض) تو پھر تم لوگ مجھے اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے (یعنی اللہ اگر مجھے عذاب دینے لگے تو کون بچا سکتا ہے) وہ خوب جانتا ہے تم اس کی نسبت جو جو باتیں بنا رہے ہو (یعنی قرآن کے متعلق جو کچھ کر رہے ہو) میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور بڑی مغفرت والا (توبہ کرنے والوں کے لئے) بڑی رحمت والا ہے (ان پر اس لئے

تمہیں جلد سزا نہیں دیتا) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں (یعنی نیا، پہلا پہل بلکہ مجھ سے پہلے بہت کچھ آچکے ہیں پھر میری تکذیب تم کیسے کر رہے ہو اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ جانتا ہوں) (دنیا میں رہتے ہوئے کہ آیا مجھے دیس سے نکالا دیا جائے گا یا مارا جاؤں گا جیسے مجھ سے پہلے انبیاء شہید کئے گئے، اسی طرح تم پر پتھراؤ کیا جائے گا یا زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے اپنے پچھلوں کی طرح) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے (یعنی قرآن کی پیروی میں اپنی طرف سے میں کچھ بھی بناوٹ نہیں کر رہا ہوں اور میں تو صرف (واضح طور پر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے بتلاؤ (تمہاری کیا حالت ہوگی) اگر یہ (قرآن) منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر (جملہ حالیہ ہے) اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ (یعنی عبد اللہ بن سلام) اس جیسی کتاب پر (یعنی اس کتاب کے متعلق کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے کہ یہ ایمان لے آئے) وہ گواہ) اور تم تکبر ہی میں رہو ایمان سے روگردانی کرو اور جواب شرط اس پر معطوف ہے یعنی الستم ظالمین چنانچہ اگلا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے) اللہ بلاشبہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

تحقیق و ترکیب: الاحقاف۔ احقاف جمع ہے حقف کی ریث کا نلہ، یمن کی ریثی وادی کو کہتے ہیں جہاں قوم عاد آباد تھی۔

قل ار نیتم۔ اس آیت میں شاید سے مراد عبد اللہ بن سلام ہیں اور وہ قرآن کے مصداق ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ اس لئے آیت مدنی ہے لیکن اگر شاید سے مراد حضرت موسیٰ ہوں تو پھر آیت مدنی نہیں ہوگی۔

وہی اربع: تعداد آیات میں اس لئے اختلاف ہے کہ حم کو مستقل آیت شمار کیا جائے یا نہیں؟ مشتبہات کے سلسلہ میں سلف کا مسلک ہی اسلم ہے کہ ان کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے جو مختلف تفسیروں میں وہ فنی ہیں ورنہ اس میں باہمی اختلاف کیسا؟

الابالہی: مصدر محذوف کی صفت ہے۔ مفسر نے خلقت نکال کر اشارہ کیا ہے اور یا ملاہیست کے لئے ہے۔

واجل مسمی: اس کا عطف بالحق پر ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی والابنقلدیر اجل مسمی اس میں فلاسفہ پر در ہے جو قدم عالم کے قائل ہیں۔

عما اندروا۔ ما موصولہ یا مصدر یہ ہے۔

ارونی۔ مفسر کی رائے پر اس صورت میں ار نیتم کا مفعول ثانی جملہ ما ذا خلقوا ہے اور مفعول اول ما قد دعون ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تاکید نہ مانا جائے بلکہ تازع فعلین کے طرز پر حل کیا جائے۔ دونوں فعل مفعول کے خواہاں ہیں اور وہ ”ما ذا خلقوا“ ہے۔ دوسرے کا مفعول بنا کر پہلے کا محذوف مان لیا جائے اور ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ لو ایتیم استفہام کے لئے ہے کہ متعدی نہیں ہے کہ مفعول کی حاجت ہو بلکہ استفہام تو غنی ہے اور قد دعون بمعنی تعبدون ہے انفس کی رائے بھی یہی ہے۔

ایتونی: یہ بھی مجملہ مقولہ کے ہے اور یہ امر تکلیفی ہے یعنی دلیل عقلی تو ہے ہی نہیں نقلی دلیل بھی نہیں ہے۔

اثارة: غرایہ و مضالکتی کی طرح اثارة بھی مصدر سے کہا جاتا ہے۔ سمعت الناقۃ علی اثارة من لیحم اور بعض نے اس کے معنی روایت اور بعض نے علامت لئے ہیں۔ اور ابن عباسؓ اثر بمعنی خط لیتے ہیں۔

من لا یستجیب: من نکرہ مؤذونہ یا اسم موصول ہے اور بعد کا جملہ صفت یا صلہ ہے یدعوا کا مفعول ہے اور مفعول ای لا احد اضل من شخص بعد شیا لا یجیبہ او الشئی الذی لا یجیبہ ولا ینفعہ فی الدنیا والاخرۃ۔

الی یوم القیامۃ۔ غایۃ مغیا میں داخل ہے یعنی دنیا و آخرت میں دعا قبول نہ ہو۔ یہ تاہم بیدار ہے ہی ہے جیسے ان علیک لعنتی الی یوم الدین میں ہے اور بتوں کو من اور ہم کے الفاظ سے تعبیر کرنا پچاڑیوں کے اعتبار سے ہے کہ ان کے اعتقاد میں بت ذی ہوش ہوتے تھے گویا یہ الفاظ قرآن

نے مجاراتِ خصم کے طریقہ پر استعمال کئے ہیں۔

تفصیضون۔ یعنی قرآن میں طعن و تشنیع کرتے ہیں افاضہ بمعنی اندفاع ہے

ما کنت بدعا۔ اس میں دو صورتیں ہیں حذف مضاف کہا جائے اسی ما کنت ذا بدع۔ اور بدع مصدر ہے دوسرے یہ کہ بدع صفت بمعنی بدیع جیسے خف اور خفیف۔ بدیع بمعنی نظیر۔

ابتداء بمعنی اختراق ہے۔ اور عکرمہ، البوحیۃ، ابن ابی، ابن ابی عمیلہ، تینوں لفظ بدعافتہ دال کے ساتھ پڑھتے ہیں بدعہ کی جمع ہے اور البوحیۃ اور مجاہد بدعافتہ باور کسر دال کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں حذر کی طرح وصف ہو جائے گا۔

ما ادری یعنی میں اپنے اور تمہارے متعلق از خود آئندہ کا کیا حال بتلا سکتا ہوں جو کچھ تقدیر ہوگی پیش آ کر رہے گا پھر قرآن اپنی طرف سے کس طرح گھڑ کے پیش کر سکتا ہوں۔

ارائیت: مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں، دوسری تقدیر عبادت اس طرح ہو سکتی ہے۔ ارائیتم حالکم ان کان کذا الستم ظالمین اور جواب شرط بھی محذوف ہے۔ ای فقد ظلمتم اسی لئے فعل شرط ماضی ہے۔

شاهد: ترمذی نے خود عبداللہ کی روایت پیش کی ہے اور شیخین نے عامر بن سعید عن ابیہ سے تخریج کی ہے۔ اس وقت یہ آیت مدنی ہو جائے گی اور ونادی اصحاب الاعراف کی طرح ویشہد شاهد کی تاویل بھی ہو سکتی ہے۔

علیٰ مثله: مفسر نے اشارہ کیا کہ مثل صلہ ہے مراد قرآن کے من اللہ ہونے کی شہادت دینا ہے۔

الستم ظالمین: جیسا کہ مختصر کی رائے ہے اور بعض نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ جملہ استفہامیہ جواب بنانے کی صورت میں فا کے ساتھ لا نا ضروری ہے۔ ای فقد ظلمتم۔

رابط آیات: پچھلی سورت کے آخر اور اس سورت کے شروع میں توحید و معاد کا بیان وجہ ارتباط ہے۔ لیکن پہلے معاد مفصل اور توحید مجمل تھی اور یہاں اس کے برعکس ہے۔

آیت واذا تتلیٰ علیہم سے نبوت و رسالت کا مضمون ہے۔

تشریح: و اجل مسمی: یعنی یہ دنیا جہاں ہم نے یوں بے کار و بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ایک مقصد اور خاص غرض کے لئے پیدا کیا ہے جو ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو جس کو آخرت کہتے ہیں اس لئے فلاسفہ کا دعویٰ قدم عالم غلط ہے۔

قل ارائیتم: یعنی تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کل کائنات تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے پھر کیا تم بچے دل سے کہہ سکتے ہوں کہ کسی نے زمین کا ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ بنایا ہو پھر ان کو خدا کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ خالق ماننا ہی استحقاق الوہیت کی دلیل ہو سکتی ہے اس لئے عقلی دلیل دوسروں کے معبود ہونے پر تو قائم نہ ہو سکی، بلکہ نہ ہو سکتے پر قائم ہو گئی۔ ہاں اگر کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہو تو بسم اللہ شوق سے باقاعدہ آسمانی کتاب ہو یا کوئی معتبر مضمون ہو مستند طور پر نقل ہوتا چلا آیا ہو اسی کو پیش کرو لیکن اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر بتلاؤ کہ عقلی دلیل کے بغیر یوں ہی آنکھ بند کر کے کس طرح تمہاری بات مان لی جائے۔

مشترکین کی حماقت: اس سے بڑھ کر حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنی حاجت براری کے لئے بے جان و بے اختیار چیز کو پکارا جائے پتھر کی مورتوں کا تو کہنا ہی کیا فرشتے اور پیغمبر بھی اگر کچھ سن سکتے ہیں یا کچھ کر سکتے ہیں تو وہی جس کی اجازت و قوت منجانب اللہ عطا ہوگی۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق نہ ان کا سننا لازمی اور دائمی ہے اور نہ فائدہ مند بلکہ قیامت کے روز جہاں ایک تنکے کے سہارے کو بھی غنیمت سمجھا

جائے گا مگر بے چارے ان کے فرضی معبود اپنے عابدوں کی مدد تو کیا کر سکتے اور اُلٹے دشمن بن کر سامنے آجائیں گے اور اظہار بیزاری کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیں گے کہ انہوں نے ہماری بندگی نہیں کی یہ جھوٹے ہیں پس جب ان کی پرستش کا ایک بھی مقتضی نہیں بلکہ پرستش نہ کرنے کے مقتضیات بکثرت ہیں پھر کیوں ان کو پکڑے بیٹھے ہیں۔

قرآن اور جادو میں فرق: واذاتعلیٰ یعنی حال ان کا ملاحظہ ہو کہ انہیں اپنے انجام کی ذرہ برابر پرواہ اور فکر نہیں اگر کوئی ان کے لئے دل سوزی کرنا بھی چاہے اور قرآن بطور فصاحت پڑھ کر سنائے تو اس کو جادو کہہ کر ٹال جاتے ہیں حالانکہ جادو کی کاٹ ممکن ہے مگر قرآن کا معارضہ ممکن نہیں ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے ان کی بات کے جھوٹا ہونے کی۔ چنانچہ بینات کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے اور جادو کہنے سے بھی بڑھ کر خباثت لئے ہوئے ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآن شریف آپ خود بتالائے ہیں اور اللہ میاں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کیونکہ جادو کی برائی تو سب کے نزدیک مسلم نہیں کچھ لوگ اس کے معتقد بھی ہوئے بلکہ اس کو کمال سمجھتے ہیں مگر جھوٹ بولنا اور وہ بھی خدا پر وہ تو متفقہ طور پر سب ہی کے نزدیک برائی ہے۔

اگر بالفرض میں ایسی جسارت بھی کروں تو گویا جان بوجھ کر خود کو اللہ کے غضب کے حوالے اور اس کی بدترین سزا کے آگے پیش کر رہا ہوں میری عمر تم میں گزری ہے مگر کبھی کسی نے ادنیٰ جھوٹ کی تہمت بھی لگائی ہے۔ پس بندوں کے معاملات میں تو میری سچائی کی قسمیں کھاتے ہو اور محمد الامین کہہ کر نام لیتے ہو لیکن کوئی بار کر سکتا ہے کہ جب خدا کا معاملہ آئے تو ایک دم خدا پر جھوٹ باندھ کر خواہ مخواہ خود کو عظیم ترین مصیبت میں پھنسا دوں گا جس سے بچانے والا بھی روئے زمین پر کوئی نہیں ہے۔

مان لو کہ میں تمہیں اس طرح اپنا گرویدہ اور پیروکار بنا لوں مگر جھوٹے نبی پر جو خدائی وبال اور زوال آئے گا اس سے کیا تم اس کو بچا سکتے ہو؟ پھر بتلاؤ میں یہ دروسری کیوں لیتا کیونکہ جھوٹے نبی پر ادبار کا آنا تو ایسا لازم ہے جسے اس کا حامی بھی دفع نہیں کر سکتا مگر یہاں لازم کی نفی ہے۔ پس ملزم کی نفی بھی ہوگئی۔

نکتہ نادارہ اور تحقیق لطیف: اور ان افتر یتہ میں ان سے استقبال کی خصوصیت مقصود نہیں ہے بلکہ مقدم اور تالی میں مطلقاً اتصال بتلانا ہے چنانچہ آیت لو تقول میں لوماضی کے لئے آیا ہے۔ اس لئے یہ شباب نہیں رہتا ہے کہ بولتے وقت تو لازم کی نفی کا حکم نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا پڑے گا لیکن اگر ان کو مستقبل ہی کے لئے لیا جائے تب بھی تھوڑا انتظار کافی ہو جائے گا۔ یعنی کچھ دیر بعد پتہ چل جائے گا کہ اشفاق لازم ہو گیا ہے کہ عذاب سے بچے رہے اور اگر اتنے دنوں عذاب نازل نہ ہونے سے کسی کو ملزم پر شبہ ہونے لگے تو اس کے جواب کے لئے کہا جائے گا کہ محض دعوئے نبوت کرو یا ملزم نہیں ہے بلکہ اس پر برقرار رہنا ملزم ہے۔

البتہ تحقیق بقاء مدت کے اعتبار سے اگر تلخیص کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ دعوائے نبوے کے وقت معجزہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا تلخیص دور کرنے کے لئے کافی ہے البتہ جھوٹ بولنے کی صورت میں جب کہ معجزہ بھی ظاہر نہ ہو عذاب کا ہونا اس تلخیص کے دور کرنے کے لئے ہے پس اس معرکہ یعنی عذاب نہ ہونے سے خود تلخیص نہ ہونا جو موجب اعتراض ہے لازم نہیں آتا۔

یہ ساری گفتگو تو قرآن کے من گھڑت ہونے کی صورت میں تھی لیکن قرآن کو اگر تم من گھڑت نہیں مانتے تو پھر میں بہتان تراش نہ ہوا پس جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے اس لئے بس تو اپنے انجام کی فکر رکھو اور ایک سچے پیغمبر کو جھوٹا مفتری کہنے کا انجام بھی سوچ لو کہ وہی میرے تمہارے درمیان سچ کو سچ جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے گواہ ہے وہ اب بھی اور آئندہ بھی اپنے قول و فعل سے یہی بتلائے گا کہ کون سچا ہے، کون جھوٹا مفتری ہے۔

یہ واضح رہے کہ نبوت کے اثبات کا اصل مدار تو معجزہ کے اظہار پر ہوتا ہے جو ہو چکا ہے اس آخری مضمون پر مدار نہیں ہے بلکہ یہ مضمون تو صرف ہت دھری کرنے والوں کے لئے آخری جواب کے طور پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر میں دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہوں تو مجھے فوراً پکڑ لیا جائے گا اور تم اس کے انکار میں اگر جھوٹے نکلے تو یاد رکھو کہ تم پکڑے جاؤ گے خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔

ایک دقیق اشکال کا حل:..... اور آگے وہو الغفور الرحیم میں ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ کفار اگر کہنے لگیں کہ ہوا اعلم بما تفیضون فیہ جب فرمادیا یعنی ہماری حرکتوں کا علم اللہ کو ہے مگر پھر بھی ہم پر عذاب نہیں آیا پس جس طرح مدعی نبوت پر عذاب نہ آنا اسکی سچائی کی دلیل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہم انکار کرنے والوں پر عذاب نہ آنا بھی ہمارے سچے ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے گویا ایک قسم کا یہ معارضہ ہوا۔

اس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے وہ دنیاوی عذاب سے کافروں کو اگر بچالے تو یہ اس کی ایک خاص قسم کی مغفرت و رحمت ہوگی جس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں لیکن مدعی نبوت میں یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ جھوٹے دعویٰ نبوت کرنے اور عذاب نازل ہو جانے میں ملزم عادی ثابت ہے اور یہاں انکار حق اور نزول عذاب میں لزوم ثابت نہیں ہے پس نبوت کے سلسلہ میں عذاب نازل نہ ہونے کو انتہا لازم کہا جائے گا اور منکرین کے حق میں نہیں کہا جائے گا خوب سمجھ لینا چاہیے۔

ایک علمی تحقیق ایتق:..... اور ان دونوں میں فرق کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل کی تحقیق کا آخری مرجع چونکہ نبوت ہے اس لئے فکر و نظر کا اخیر مرجع بھی ہدایت ہونی چاہیے۔ اور مقصود جس طرح مہتمم بالشان ہوا کرتا ہے اس کی ہدایت بھی اتنی ہی کھلی اور روشن ہونی چاہیے یعنی تلخیص کا شاہد بھی اگر ہوگا تو ہدایت کے خلاف سمجھا جائے گا۔ اسی لئے تلخیص کا شاہد تک نبوت کے معاملہ میں گوارا نہیں کیا گیا برخلاف معارضہ کرنے والوں کے کہ نبوت سے تلخیص اٹھ جانے کے بعد پھر اس تلخیص کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ دو تفیضوں میں ایک تفیض کا صدق دوسری تفیض کے کذب کو مستلزم ہوا کرتا ہے پس جب صدق میں التباس نہ ہوگا تو کذب میں بھی التباس نہ ہوگا۔ اس لئے حق کے انکار اور عذاب کے نازل ہونے میں لزوم نہ ہوا بلکہ انکار حق پر اکثر بطور استدراج کے عذاب نہ آتا تجویز کیا گیا ہے۔ (ماخوذ من بیان القرآن لکنہ صعب)

نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے:..... آگے و ما کنت بدعا سے اسی مضمون کی تاکید کے لئے ارشاد ہے یعنی میری باتوں سے بدکتے کیوں ہو میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا میں وہی کہہ رہا ہوں جو مجھ سے پہلے ہزار ہا نبی کہہ چکے پھر میری بشارت پہلے انبیاء دے چکے اس لئے میں بھی انوکھا اجنبی نبی نہیں ہوں بلکہ تمہیں مطمئن اور خوش ہونا چاہیے کہ اتنی پرانی بشارت کا آج ظہور ہو رہا ہے یوں تو انوکھا اور نیا نبی ہونا بھی فی نفسہ باعث انکار نہیں ہونا چاہیے۔ آخر جو سب سے پہلے پیغمبر ہوئے ہوں گے، وہ انوکھا ہونے کے باوجود بھی پیغمبر تھے۔ البتہ انوکھا ہونا باعث تعجب ضرور ہو سکتا ہے گویا وہ تعجب دور ہی کیا جاسکتا ہے مگر یہاں تو انوکھا ہونا بھی نہیں ہے کیوں کہ مجھ سے پہلے بہت انبیاء آچکے ہیں جن کی خبر تو اتر کے ساتھ تم نے بھی سن رکھی ہے۔

اسی طرح میرا دعویٰ بھی کوئی انوکھا نہیں ہے کہ میں سب سے ہٹ کر کوئی انوکھی بات کہہ رہا ہوں مثلاً یہ کہ میں غیب دان ہوں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ معلومات وحی کے علاوہ مجھے کچھ پتہ نہیں حتیٰ کہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا لیا جائے گا میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور خود تمہارے ساتھ کیا کرے گا پس جب اپنے اور تمہارے قریبی احوال جاننے کا مجھے دعویٰ نہیں ہے تو اور دور کی غیبی باتوں کا میں کیلہ دی ہو سکتا ہوں۔ پس اس لحاظ سے بھی میرا کوئی انوکھا فقرہ نہیں ہے جو تمہارے لئے وجہ انکار بنے۔ البتہ جوں جوں مجھے وحی کے ذریعہ علم ہوتا رہے گا خواہ اپنے متعلق یا دوسروں کے متعلق اور خواہ دنیاوی احوال ہوں یا آخری حالات بلاشبہ وہ علم کامل ہوگا لیکن نہ از خود

جاننے کا دعویٰ ہے اور نہ سب تفصیلات سے فی الحال آگاہ ہونے کا، اس بحث میں پڑنا ہی لا حاصل ہے میرا کام صرف وحی کا اتباع ہے اور احکام الہی کا امتثال ہے اور کفر و طغیان کے خطرناک نتائج سے کھول کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا و آخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اس کی پوری تفصیلات فی الحال نہیں جانتا بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

پیغمبر آخر کی اطلاع پہلے سے چلی آرہی ہے..... پہلے آیت ہو اعلم بما تفیضون میں قرآن کو بہتان تراشی نہ ہونے کی تقریر جو جواب کی اجمالی تقریر تھی۔ آیت قل او ایستم سے اس کی تفصیل ارشاد فرمائی جارہی ہے پس یہ اجمال و تفصیل ملکر دوسری شق ہوئی۔ اور پہلی شق ان انصاریت الخ تھی۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ تم مجھ کو مفتی کہتے ہو۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا میں مفتی نہیں پہلی شق تو اس لئے صحیح نہیں کہ اس کے لوازم سے فوری بتائی ہے جو ہوئی نہیں۔ البتہ دوسری شق صحیح ہے سواب تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔

چونکہ عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل یہود کے علم و فضل سے مرعوب تھے اس لئے حضور ﷺ کے دعویٰ نبوت پر مشرکین نے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا تا کہ ان کی تکذیب سے ہمارے لئے ایک بہانہ ہاتھ آجائے مگر اس مقصد میں وہ ہمیشہ ناکام رہے۔ کیونکہ کھلم کھلا علماء یہود نے اعتراف کیا کہ بلاشبہ ہماری کتابوں میں اس ملک کے لئے ایک نبی کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ رسول اسی طرح کے اور یہ کتاب بھی اسی طرح کی معلوم ہوتی ہے حالانکہ تورات وغیرہ کتب محرف ہو چکی تھیں مگر پھر بھی باقی ماندہ حصہ میں آج تک یہ پیش گوئیاں چلی آتی ہیں جن کا نمونہ مقدمہ تفسیر حقانی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس باب میں ایک معتبر دستاویز ہے۔

پس ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے گواہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے گواہی دے چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے برادر بنی اسماعیل میں ایک رسول آنے والا ہے یہی وجہ تھی کہ بعض حق پرست عبد اللہ بن سلام جیسے حضرات آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور دیکھنے کے ساتھ پکار اٹھے ان هذا الوجه ليس بوجه كاذب اور ایمان لے آئے۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے ایک چیز پر ایمان رکھیں اور ان کو ماننے والے انصاف پسند، حق پرست یہودی علماء اس کے صدق کی گواہی دیں بلکہ بعض مشرف باسلام بھی ہو جائیں مگر تم اپنی ہٹ اور ضد سے باز نہ آؤ تو تم سے زیادہ عقل و ہوش کا دشمن اور کون ہو گا آخر شیخی اور غرور کی کوئی حد بھی! ایسوں کی فلاح و نجات کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

شاہد سے کیا مراد ہے: و شاهد شاهد فرماتا ایسا ہی ہے جیسے سورہ شعراء میں اولم یکن لهم اية ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل فرمایا گیا ہے جس سے مقصود اس شہادت میں ترجیح نبوت کا انحصار نہیں ہے بلکہ شاہد پر تنوین، جنس یا تخم کے لئے ہے جو کہ تمام منصف مزاج اور با ایمان علماء یہود کو شامل ہے خواہ وہ اس آیت سے پہلے ایمان لا چکے ہوں یا بعد میں لائے ہوں گویا منشور یہ ہے کہ اس آیت کے کلی مفہوم میں یہ حضرات بھی داخل ہیں اور وہ بھی اسی کی جزئی ہیں۔ چنانچہ سعید بن جبیرؓ کا قول در منشور میں ہے کہ اس آیت کا نزول میمون بن یامین کے بارہ میں ہوا ہے جو یہود کے رئیس العلماء تھے، اس سے بھی تخصیص نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ عام اس سے کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام کے اسلام لانے کے بعد آئی ہو جیسا کہ مفسرین اس آیت کو مدنی کہتے ہیں یا پہلے نازل ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض مفسرین پوری سورت کی طرح اس آیت کو بھی کی کہتے ہیں۔

اور قرآن میں قرآن کو مثل القرآن سے تعبیر کرنے میں مبالغہ کے علاوہ یہ بھی نکتہ ہو سکتا ہے کہ علماء بنی اسرائیل کو قرآن کا علم پچھلی کتابوں سے اجمالی طور پر ہوا تھا لیکن قرآن سے اس کی تفصیل معلوم ہو گئی اور انجبال و تفصیل میں ظاہر ہے کہ من وجہ اتحاد اور من وجہ تقاضا ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو مثل سے تعبیر کرنا انتہائی حسن بلاغت ہے اور کفر تم اور استکبر تم کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ کفر تم کا تعلق علماء کی

شہادت دینے سے پہلے ہے اور استکبر تم کا حق بعد میں ہوا۔ بیان القرآن۔

لطاائف سلوک: ایتونی بکتاب الخ، میں اس پر دلالت ہے کہ دین میں کوئی دعویٰ بغیر معتبر دلیل کے لائق قبول نہیں، چنانچہ کشف یا الہام بھی اس بارہ میں حجت نہیں ہوگا۔

ما اجری ما یفعل اس میں دو شخصوں پر رد ہو رہا ہے ایک تو اس بات پر جو ہر کلی جزئی علم کی نسبت اولیاء کی طرف کرتا ہو دوسرے اس پر جو اپنی اور اپنے شیعین کی نجات کا پکا یقین کئے ہو۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ فِي حَقِّهِمْ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا أَيُّ الْقَائِلُونَ بِهِ أَيُّ بِالْقُرْآنِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا أَيُّ الْقُرْآنِ أَفْلَكُ كَذِبٌ قَدِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهِ أَيُّ الْقُرْآنِ كِتَابٌ مُوسَىٰ أَيُّ التَّوْرَةِ إِمَامًا وَرَحْمَةً وَلِلْمُؤْمِنِينَ بِهِ حَالٌ وَهَذَا أَيُّ الْقُرْآنِ كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِلْكِتَابِ قَبْلِهِ لِسَانًا عَرَبِيًّا حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ فِي مُصَدِّقٍ لِيُنْذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مُشْرِكِي مَكَّةَ وَهُوَ بُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲﴾ لِلْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّاعَةِ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۳﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا حَالٌ جَزَاءُ مُنْصَوِّبٍ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيُّ يُحْزَنُونَ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا وَفِي قِرَاءَةِ إِحْسَانًا أَيُّ أَمَرْنَا أَنْ يُحْسِنَ إِلَيْهِمَا فَنَصَّبَ إِحْسَانًا عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَثَلَّةٌ حُسْنًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا أَيُّ عَلَى مُشَقَّةٍ وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ مِنَ الرِّضَاعِ ثَلَاثُونَ شَهْرًا سِتَّةَ أَشْهُرٍ أَقَلُّ مَدَّةِ الْحَمْلِ وَالْبَاقِي أَكْثَرُ مَدَّةِ الرِّضَاعِ وَقِيلَ إِنْ حَمَلَتْ بِهِ سِتَّةَ أَوْ تِسْعَةَ أَرْضَعَتْهُ الْبَاقِي حَتَّى غَايَةَ لِحُمْلَةٍ مَقْدَرَةٌ أَيُّ وَعَاشَ حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ هُوَ كَمَالُ قُوَّتِهِ وَعَقْلِهِ وَرَأْيِهِ أَقَلُّهُ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ سَنَةً وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً أَيُّ تَمَامَهَا وَهُوَ أَكْثَرُ الْأَشَدِّ قَالَ رَبِّ إِلَى الْأَخِرَةِ نَزَلَ فِي أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ لَمَّا بَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً بَعْدَ سَتَيْنِ مِنْ مَبْعَثِ النَّبِيِّ ﷺ أَمِنْ بِهِ ثُمَّ أَمِنْ أَبَوَاهُ ثُمَّ ابْنُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَبُو عَتِيقٍ أَوْ زَعْنَى الْهَمْنَى أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَهِيَ التَّوْحِيدُ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ فَأَعْتَقَ تِسْعَةَ مِائَةِ الْمُؤْمِنِينَ يُعَدُّونَ فِي اللَّهِ وَأَصْلَحَ لِي فِي ذُرِّيَّتِي كُلُّهُمْ مُؤْمِنُونَ إِنِّي تَبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۵﴾ أُولَٰئِكَ أَيُّ قَائِلُوا هَذَا الْقَوْلِ أَبُو بَكْرٍ وَغَيْرُهُ الَّذِينَ نَقَبُلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ بِمَعْنَى حَسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ حَالٌ أَيُّ كَاتِبِينَ فِي حُمْلَتِهِمْ وَعَدَ الصِّدِّيقِ الَّذِي كَانُوا يُؤَدُّونَ ﴿۱۶﴾ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ حَتَّى وَالَّذِي قَالَ لَوَالِدَيْهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْإِفْرَادِ أُرِيدَ بِهِ الْجِنْسُ أَفَّ بِكُسْرِ الْفَاوِ فَتَحِيهَا بِمَعْنَى مَصْدَرٍ أَيُّ تَنَّا قُبْحًا لَكُمْ أَنْ تَصْجُرُ مِنْكُمْ أَنْ تَعْلَنَنِي

وَفِي قِرَاءَةِ الْإِذْغَامِ أَنْ أُخْرِجَ مِنَ الْقَبْرِ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ الْأَمَمُ مِنْ قَبْلِي ۚ وَلَمْ تُخْرَجْ مِنَ الْقُبُورِ وَهَمَّا
يَسْتَفِيشُنِ اللَّهُ يَسْمَعُ الْغَوْتَ بِرُجُوعِهِ وَيَقُولَانِ إِنْ لَمْ تَرْجِعْ وَتَبْلُكْ أَيْ هَلَكَ كَ بِمَعْنَى هَلَكْتَ أَمِنْ ۚ
الْبَعْثِ إِنْ وَعَدَ اللَّهُ بِهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا هَذَا أَيْ الْقَوْلُ بِالْبَعْثِ إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۷﴾ أَكَاذِبُهُمْ
أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ وَجَبَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ فِي أَمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ
إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلِّ مِنْ جِنْسِ الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ دَرَجَاتٌ فَلَرْجَاتُ الْمُؤْمِنِ فِي الْحَنَّةِ عَلَيْهِ
وَدَرَجَاتُ الْكَافِرِ فِي النَّارِ سَافِلَةٌ مِمَّا عَمِلُوا ۚ أَيْ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْكَافِرُونَ مِنَ الْمَعَاصِي
وَلِيُوفِيَهُمْ أَيْ اللَّهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنُّونِ أَعْمَالُهُمْ أَيْ جَزَاءُهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ شَيْئًا يُنْقُصُ لِلْمُؤْمِنِينَ
وَيَزَادُ لِلْكَافِرِ وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۚ بَانَ تُكْشَفُ لَهُمْ وَيَقَالُ لَهُمْ أَذْهَبْتُمْ بِهَمْزَةٍ
وَبِهَمْزَتَيْنِ وَبِهَمْزَةٍ وَمَدَّةٍ وَبِهِمَا وَ تَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ طَبَّيْكُمْ بِاشْتِغَالِكُمْ بِلَذَائِكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ الدُّنْيَا
وَأَسْتَمْتُمْ تَمَتُّعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ أَيْ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ تَكْبِرُونَ فِي
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿۲۰﴾ بِهِ وَتُعَذِّبُونَ بِهَا ۚ

ع

ترجمہ: اور یہ کافر ایمان کی نسبت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف
سبقت نہ کرتے اور جب ان کہنے والوں کو اس قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ (قرآن) پرانا جھوٹ ہے اور اس
قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) آئی جو رہنما اور رحمت تھی (اہل ایمان کے لئے یہ دونوں حال ہیں) اور یہ (قرآن) ایک
ایسی کتاب ہے جو (پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی عربی زبان میں) (مصدق کی ضمیر سے یہ حال ہے) خالوں (مکہ کے مشرکوں)
کو ڈرانے کیلئے اور (یہ) بشارت دینے کے لئے ہے (نیک لوگوں مومنین) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر فرمانبرداری پر
جبر ہے سوال پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ ممکن ہوں گے یہ لوگ اہل جنت ہیں جو ہمیشہ رہیں گے اس میں (یہ حال ہے) ان کاموں کا صلہ
فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منسوب ہے یعنی یجزون جو وہ کیا کرتے تھے اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک
سلوک کرنے کا حکم دیا (ایک قرأت میں احسانا ہے یعنی ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔ پس اس ترکیب میں
احسان کا نصب فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر ہوگا اور یہی ترکیب لفظ حسنا کی ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ
پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جتا (کرھا بمعنی مشقت) اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے (چھ مہینے کم از
کم مدت حمل اور باقی دو سال دودھ چھڑانے کی اکثر مدت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چھ یا نو مہینے اگر حمل رہے تو باقی وقت دودھ پلائے) یہاں
تک کہ (یہ جملہ مقدرہ کی غایت ہے یعنی وعاش حتی) جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے (جو قوت و عقل ورائے کے کمال کا زمانہ ہے وہ کم از کم
۳۳ سال ہے) اور جب چالیس برس کو پہنچتا ہے (یعنی چالیس سال مکمل کر لیتا ہے جو پھر پور جوانی کی انتہا ہے) تو کہتا ہے کہ اے میرے
پروردگار (یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق کی شان میں آئیں جب کہ وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر میں
ایمان لائے۔ پھر ان کے والدین اور صاحبزادہ عبدالرحمن اور پوتے ابوقتیق سب مشرف باسلام ہوئے) مجھے توفیق بخشے (دل میں بٹھاد بچھے
) کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (یعنی توحید کی دولت) اور یہ کہ میں اچھے

کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں (چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان نو مسلمانوں کو آزا کیا جنہیں اللہ کے راستہ میں بری طرح ستایا جا رہا تھا) اور میری اولاد میں میرے لیے حلاوت پیدا کر دیجئے (چنانچہ سب اہل ایمان ہو گئے) میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرما بیٹا ہوں۔ یہ یعنی دعائیں کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے کاموں کو قبول کر لیں گے (احسن بمعنی حسن ہے) اور ان کے گناہوں سے درگزر کر دیں گے کہ جنتیوں میں سے ہو جائیں گے (یہ حال یعنی نخلہ اہل جنت کے) اس سچے وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (آیت وعدہ اللہ المومنین والمومنات جنات ہے) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا (ایک قرأت میں والد مفرد ہے مراد جنس ہو جائے گی) تف ہے (لفظ اف کسراف اور فتح فا کی مصدر کے معنی میں ہے۔ بمعنی قابل نفرت اور گندگی تم پر تہاری طرف سے بے قراری ہے) کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ (کوئی ابھی تک قبر سے برآمد نہیں ہوا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اللہ سے کسی سہارے کو مانگ رہے ہیں جو بیٹے کو پھیر دے) اور جب بیٹا نہ پھرے تو کہتے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو (بربادی بتا ہی آ جائے) ایمان لے آؤ (قیامت کو مان لے) بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ توبہ کہتا ہے کہ یہ باتیں (قیامت کے چرچے) اگلے وقتوں سے بے سند نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں (جو جھوٹی ہیں) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ (کے عذاب) کا قول پورا ثابت ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں۔ بلاشبہ یہ خسارے میں رہے۔ اور ہر ایک مومن و کافر کی جنس کے لئے الگ الگ درجے ہیں (چنانچہ مومن کے لئے جنت میں بالائی منزلیں ہیں اور کافر کے لئے جہنم میں نچلے خانے ہیں) ان کے اعمال کی وجہ سے اور تاکہ اللہ سب کو پورے کر دے (ایک قرأت میں نون کے ساتھ ہے) ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہ ہوگا (ذرا بھراس طرح کہ مومن کے کوئی اور کافر کے زیادتی کر دی جائے) اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (جہنم ان کو نظر آ جائے گی ان سے کہا جائے گا) کہ تم حاصل کر چکے ہو (یہ لفظ ایک ہمزہ اور دو ہمزوں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور حرف مد کے ساتھ، اور دونوں ہمزوں کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے) اپنی لذت کی چیزیں (خواہشات میں لگے رہنے کی وجہ سے) دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو لذت کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے) اللہ کی۔ جس کی بناء پر تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے)

تحقیق و ترکیب: لو کان خیرا۔ کفار مکہ عمار بن یاسرؓ، صہیبؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ غرابہ کو دیکھ کر یہ فقرے چست کیا کرتے تھے۔ اذلم یھتدوا زختری کہتے ہیں کہ یہ محذوف کا ظرف ہے اسی ظہر عنادہم اور ”فسیقولون“ کا ظرف نہیں ہے۔ کیونکہ ”اذ“ ماضی کے لئے اور سیقولون استقبال کے لئے آتا ہے البتہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ مضارع استمرار کے لئے ہے اور سین محض تاکید کے لئے ہے اور فاما قبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔

روح المعانی میں ہے کہ بعض نے ”اذ“ کو ”سیقولون“ کی تعلیل مانا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اس کی علت تو کفر ہے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اجتداء نہ ہوتا اور کفر دونوں ایک ہی ہیں۔

من قبلہ: یہ خبر مقدم اور کتاب مبتداء مؤخر ہے۔ اور جملہ حالیہ یا مستاتفہ ہے۔ یہ کفار کے ”افک قدیم“ کہنے کا جواب ہے یعنی تورات میں بھی تو یہی قرآنی مضامین ہیں جو تمہارے نزدیک مسلمہ ہے۔

عربیا: یعنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے تمہارے لئے آسان مگر پھر بھی معجزہ ہے۔
ثم استقاموا: استقامت علم و عمل کا نام ہے اور ”ثم“ اس لئے ہے کہ تو حید کے بعد ہی علم و عمل کا درجہ ہے اور استمرار استقامت بیان کرنے کے لئے ہے۔

حسننا: حسن واحسان دونوں مراد ہیں۔ قول و فعل کی خوبی مراد ہے۔ مفسر دونوں قراءتوں کے اختلاف اعراب کو لف و نشر غیر مرتب بیان کر رہے ہیں۔

امہ کرھا: چونکہ باپ کی نسبت ماں زیادہ تکالیف عام طور پر جھیلی ہے اسلئے اس کی زیادہ خدمت کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اسی وجہ سے یہاں اس کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔

کمرھا: بمعنی ثقل و مشقت ای ذات کمرہ۔ نافع وابن کثیر ابو عمرو کی قراءت میں فتح کاف کے ساتھ ہے۔ باقی قراء کے نزدیک ضمہ کاف کے ساتھ ہے۔ اس میں یہ دونوں لغت ہیں اور بعض نے اول کو مصدر اور دوسرے کو اسم کہا ہے اور مفسر نے ”علی مشقہ“ کہہ کر منصوب بنوع الحذف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک حال یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

وحملہ: یہاں عبارت میں حذف ہے ای مدۃ حملہ و مدۃ فصالہ ثلثون شہرا۔ ورنہ پھر ثلثین ظرفیت کی وجہ سے منصوب ماننا پڑے گا اور معنی بدل جائیں گے۔ مدارک میں ہے اس میں ۶ ماہ حمل کے اقل مدت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب دو سال وضاعت کی مدت ہوئی۔ حویلین کا طین کی وجہ سے تو باقی مدت حمل رہ گئی۔ جیسا کہ صاحبین فرماتے ہیں اور روح البیان میں ہے کہ امام اعظم کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے۔

اشدہ: ای وقت اشدہ مضاف محذوف ہے۔

والدی: حضرت ابوبکر کے والد کا نام عثمان بن عامر بن عمرو ہے اور ابو قحافہ کنیت اور والدہ کا نام ام الحیر بنت صخر بن عمرو ہے اور پوتے کا نام محمد تھا۔ ان سب کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہوا۔

ننقل یہ اور ن نقل جاوز دونوں یا اور نون کے ساتھ ہیں معروف صیغہ سے ہیں اور احسن مفعول کی وجہ سے منصوب ہے۔

فی اصحاب الجنة۔ یہ حال ہے ضمیر سیدہ بقیہ سے اس میں کئی توجیہات ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ محل حال میں ہو ای کانین فی جملۃ اصحاب الجنة جیسے کہا جائے اکرمی الامیر فی اصحابہ دوسری صورت یہ کہ فی بمعنی مع لیا جائے اور تیسرے یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر کہا جائے۔ ای ہم فی اصحاب الجنة۔

وعد الصدق: فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای وعدہم اللہ وعد الصدق۔

اف: یہ مصدر ہے بمعنی ہلاکت و بربادی یا ایسی آواز کو کہتے ہیں کہ جس سے ڈانٹنا معلوم ہو یا اسم فعل بمعنی ڈانٹ ہو۔ مفسر نے ان تین میں سے دو احتمال کا ذکر کیا ہے یعنی مصدر یا اسم فعل۔

لکما۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ لام بمعنی من ہے۔

وقد خلت القرون۔ حالانکہ قیور سے نکلنے کا مطلب قیامت سے پہلے ہرگز نہیں ہے مگر وہ یہی سمجھا۔

ویدلک۔ حقیقۃ بدو عامر انہیں بلکہ ایمان کی ترغیب مقصود ہے۔ بطور محاورہ کے یہ منصوب ہے مفعول مطلق کی بناء پر اس جیسے الفاظ اور بھی ہیں جیسے دیمہ، ویلہ، ویبہ اور مفعول بہ کے طور پر بھی منصوب ہو سکتا ہے ای الزمک اللہ ویلک ان دونوں صورتوں میں یہ جملہ قول مقدر کا معمول ہوگا۔ ای یقولان ویلک اور یقولان منصوب علی الحال ہے ای یتستغیان اللہ قائلین ذلک۔

درجات: یہاں طبقات جہنم کو بھی تعلیم اور جات کہا گیا ہے ورنہ ان کو درجات کہا جاتا ہے یا درجات سے مراد مطلقا منازل لے لئے جائیں عالیہ ہوں جیسے جنت میں یا سافلہ جیسے جہنم میں۔

ولیو فیہم: عامم بن کثیر، نافع کی قراءۃ پابا کے ساتھ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ قدرلہم درجات و جازہم۔

یوم: منصوب ہے قول مقدر سے ای یقال لہم اذہبتم فی یوم عروضہم۔ اور تحریر کے نزدیک عرضت الناقۃ علی الخوض کی طرح قلب ہے

لیکن جرجانی قلب کرنے کو بلا ضرورت نہیں مانتے نیز کہتے ہیں کہ عرض اہرنسی ہے جس کی نسبت ناقہ اور حوض دونوں طرف ہو سکتی ہے۔
اذہبتم: اکثر قرآن کے نزدیک ایک ہمزہ کے ساتھ بغیر استفہام کے ہے اور ابن ذکوان، ابن عامر سے دو محقق ہمزہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور
ہشام کے نزدیک ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ اور ابن کثیر کے نزدیک ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کرتے ہوئے بغیر مد کے ہے۔
بغیر الحق: تکبر کی صفت کا خفہ ہے احترازیہ نہیں۔

شان نزول:..... ”قال رب“ ابن مردودیہ، ابن عباس سے تخریج کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی یہ امتیازی خصوصیت یعنی اصول و فروع کا
مسلمان اور صحابی ہونا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔

والذی قال لو اللہ یہ: لفظ والد سے مراد کوئی خاص نہیں بلکہ جنس مراد ہے اور ابن جریر، ابن عباس سے نقل کرتے ہیں اور مقاتلؒ کے نزدیک بھی
کہ اس سے مراد عبد الرحمن بن ابوبکرؓ ہیں۔ اور ابن ابی حاتم مجاہد سے ناقل ہیں کہ عبد اللہ بن ابوبکرؓ ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کا انکار کیا ہے
جیسا کہ بخاری میں ہے کہ مروان نے عداوت میں کہا تھا اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو اصح الاسناد کہا ہے اور بالفرض کہیں سبب مان بھی لیا جائے تو
سبب کے خاص ہونے سے مسبب خاص نہیں ہو جاتا حکم عام ہی رہے گا۔

﴿تشریح﴾:..... وقال الذین کفروا غلام باندیوں، غریبوں کو مسلمان ہوتا دیکھ کر کافر یہ تبصرہ کرتے تھے اور خود کو عقلمند شمار کرتے
تھے اور ظاہر ہے کہ حق بات کو عقل مند ہی پہلے قبول کیا کرتا ہے۔ اگر اسلام حق ہوتا تو ہم اول قبول کرتے لیکن جب ہم نے نہیں مانا تو معلوم ہوا کہ
حق نہیں ہے۔ یہ کچھ بے عقل لوگ ہیں جو ادھر ادھر دوتے پھرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط اور تکبر آمیز گفتگو ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، عقل
سے ان کی مراد یا تو عقل معاش و دنیاوی ہوگی تو کلیہ یہ کہنا حق بات اول عقلمند قبول کیا کرتا ہے، غلط ہے اور اگر عقل سے مراد عقل معاد (اخری) لی
جائے تو پہلا مقدمہ کہ ہم عقلمند ہیں غلط ہے پھر نتیجہ صحیح کیسے سمجھ رہے ہیں پس یہ کہنا کہ اگر حق ہوتا تو ہم لوگ پہلے مانتے غلط بر غلط ہوا۔

پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے:..... هذا افلک قدیم، قرآن کو پرانا جھوٹ کہنا غالباً ما کنت بد عا الخ اور و شہد شہاد
کے جواب کے طور پر ہوگا و من قبلہ سے حق تعالیٰ اس کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے تمام سابقہ کتب ساویہ کا یہی
پیغام رہا ہے جس پر سارے انبیاء و اولیاء چلتے رہے ہیں۔ مگر کافر الناس اعداء لما جھلو اکام صدق ہیں انہیں سچ بھی جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔
لینذر الذین ظلموا۔ آیت ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین سے جو وعید مفہوم ہو رہی ہے۔ اسی کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اور چونکہ وعید
میں بالاتفاق مفہوم مخالف کا اختیار ہوا کرتا ہے اس لئے ان اللہ لا یھدی کی وعید سے وعدہ بھی اشارۃ مفہوم ہو گیا تھا۔ بشری للمحسنین میں
اسی وعدہ کی صراحت ہو گئی۔

ان الذین قالوا: اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ اسی شان کے نمون کو دوسرے کسی گناہ کی وجہ سے خوف و حزن میں مبتلا رکھا جاتا ہے پھر وعدہ
فرمانا کیسے صحیح رہا؟

جواب یہ ہے کہ آیت میں ایمان و استقامت کا یہ تقاضا بیان کیا جا رہا ہے لیکن اگر کسی مانع کی وجہ سے مقتضی پر مقتضی مرتب نہ ہو تب
بھی وہ مقتضی رہے گا اس کے مقتضی ہونے میں فرق نہیں آئے گا۔ مثلاً دو مقتضی ہے اور شفا مقتضی ہے لیکن کسی بد پر ہیزی سے دو پر شفا مرتب نہ
ہوئی تو دو کے مقتضی ہونے میں کیا فرق آئے گا اگرچہ یہاں مقتضی یعنی شفا مرتب نہیں ہوئی۔

ووصینا الانسان۔ بلاشبہ والدین کی یہ ساری جدوجہد اور احسانات فطرت کے تقاضہ سے ہوتے ہیں مگر آیت کا منشاء اسی فطرت کا یہ تقاضا بتلاتا
ہے کہ اولاد کو بھی ماں باپ کی شفقت و محبت کا احساس کر کے احسان مند اور قدر دان ہونا چاہیے اور بالفرض والدین مشقت نہ بھی اٹھائیں تب بھی

والدین کا حق اولاد کے ذمے ہے یورپ اور مغرب کے طور طریق دوسرے ہیں۔ لیکن روشنی تو مشرق سے نکلتی ہے نہ کہ مغرب سے گویا پرورش میں ماں اور باپ دونوں ہی شریک رہتے ہیں لیکن ماں کا حصہ زیادہ ہے۔ اسی لئے جب ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے من ابو؟ کہہ کر تین دفعہ سوال کیا تو آپ نے تینوں دفعہ ماں ہی کا ذکر فرمایا۔ صرف ایک مرتبہ چوتھی بار والد کی نسبت فرمایا۔ لطف یہ ہے کہ ان آیات میں کچھ ایسا بھی ہے والد کا ذکر تو صرف ایک بار اور وہ بھی لفظ والدیہ کے ذیل میں ہے۔ لیکن والدہ کا ذکر تین مرتبہ کیا۔ ایک والدیہ کے ذیل میں، دوسرے جملہ امہ میں تیسرے وضعہ میں۔

دودھ پلانے کی مدت: ثلثون شہوا۔ بچہ اگر تندرست قوی ہے تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑ دیتا ہے اور نو مہینے حمل کے اس طرح تیس مہینے ہو گئے یا جہور کے طرز پر یوں کہہ لیا جائے کہ چھ مہینے حمل کا کم از کم وقت اور عموماً بچوں کا دودھ دو برس میں چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح تیس مہینے ہو جاتے ہیں اس سے زیادہ رضاعت کا زمانہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ایک کی کم اور دوسرے کی زیادہ مدت کیوں لی؟ سو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دو مدتیں تو منضبط ہو سکتی ہیں لیکن حمل کی اکثر مدت یا دودھ کی کم سے کم مدت دونوں کسی قطعی دلیل سے منضبط نہیں ہیں۔ حمل کی کم مدت چھ ماہ ہوتے ہیں صاحب روح المعانی نے جالینوس اور ابن سینا کا تجرباتی مشاہدہ لکھا ہے۔ دو چار دن کا فرق الگ بات ہے اور پہل بات یہ ہے کہ مجموعی ۳۰ ماہ مدت کو غالب اور اکثری عادت پر محمول کیا جائے۔ اور مدارک میں امام اعظمؒ سے ”حملہ بالاکف“ تفسیر نقل کی ہے۔ یعنی بچہ گود میں لئے پھرنا ہاتھوں میں اٹھائے رکھنا۔ پس امام صاحب کے نزدیک شیر خواری ڈھائی سال ہوگی۔ اور آیت جالین کا ملین کا جواب یہ ہوگا کہ وہ مطلقاً شیر خواری کی مدت نہیں ہے۔ بلکہ بطور اجرت شیر خواری کی مدت مراد ہے کہ والد پر اتنی مدت کی اجرت ہے تاہم ان دونوں قولوں کا لحاظ کرتے ہوئے دودھ پلانے میں تو احتیاط یہ ہے کہ دو سال سے زائد نہ پلائے۔ اور اگر کسی وجہ سے پلا دیا تو پھر اس بچہ کے نکاح میں رضاعت کی احتیاط برتی جائے۔

چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے: اربعین سنہ چالیس سال کی عمر میں عموماً انسان کی عقل اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں چنانچہ اکثر انبیاء کی بعثت بھی اسی عمر میں ہوئی ہے ان الفاظ سے علم کی تنقید مقصود نہیں ہے کہ چالیس سال سے پہلے رجوع الی اللہ نہ کرے۔ بلکہ چالیس سال کے بعد غفلت نہیں دینی چاہیے اب قوائے طبعیہ مضحکہ اور قوائے عقلیہ غالب ہیں اب تو اللہ کا دھیان بہت ضروری ہے۔ حضرت ابو بکرؓ اگرچہ اس عمر میں آیت کا مصداق ہو گئے تھے مگر بقول محققین عموم مراد ہے اگرچہ وہ بھی اس میں داخل ہیں

قال رب اوزعنی۔ انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ جو احسانات اللہ نے اس پر اور اس کے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار ہوتے ہوئے اپنی اولاد کے لئے اور آئندہ کے لئے اپنے واسطے بھی توفیق الہی کی دعا کرے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی کی تلافی کرتے ہوئے راہ تواضع اختیار کرے ایسے ہی سعید لوگ وہ ہیں جن کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں اور جنت ان کا مقام بن جاتا ہے۔

نادان اولاد کا رویہ: آگے والذی قال میں نالائق و نالہ اولاد کا ذکر ہے جو ماں باپ کی نصیحت تو کیا ماننا اور ان کی نصیحتیں نہ مانتا ہے نہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے خوف سے ڈرتا ہے بلکہ اللہ منہ زوری دکھلاتے ہوئے کہتا ہے کہ آج تو کسی کو اٹھتے نہیں دیکھا ہے بس لوگوں سے سنتے ہی چلے آ رہے ہیں۔ بھلا ایسی بات کا کیا اعتبار؟ ماں باپ ایسی ناچار اولاد کی گستاخوں پر سوائے اللہ سے فریاد و زاری کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ کبھی غصہ و شفقت کے ملے جلے جذبات میں سمجھاتے ہیں کہ کم بخت تیرا ستیا ناس اب بھی باز آ جا، اللہ کا وعدہ اٹل ہے اور وہ آ کر رہے گا۔ اس وقت تیرا انکار و اصرار رنگ لائے گا مگر اس کی بد بختی زور پکڑتی ہے اور وہ باپ کے جواب میں کہتا ہے کہ پرانے وقتوں کے جھوٹے قصے یوں ہی مشہور ہو جاتے ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی ایسی بہت سی کہانیاں افسانے سن رکھے ہیں اللہ نے اپنے فضل سے ہر آدمی

کے دل میں جو ایمان و سعادت کا فطری بیج بکھیرا تھا وہ بھی افسوس کہ نصیبوں نے ضائع کر دیا۔ جو تجارت میں منافع کی بجائے اپنا راس المال بھی گنوا بیٹھے اس کی بدبختی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عبدالرحمنؓ کو اس آیت کا مصداق ماننا یوں بھی غلط ہے کہ اس آیت میں ”حق علیہم القول“ فرمایا گیا۔ حالانکہ وہ ایمان لا چکے ہیں پس ان کا ایمان لانا بھی اس کا مقتضی ہے کہ وہ ”حق علیہم القول“ میں داخل نہیں ہے۔ صرف مردان نے دشمنی میں آکر ان پر اتہام لگایا تھا جس کی حضرت عائشہؓ نے تردید فرمائی۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

ولکل درجات: یعنی نیکی بدی اور ان کے مراتب مختلف ہیں۔ اس لئے جنت و جہنم میں ان کے نتائج و ثمرات بھی لازمی طور پر مختلف ہونے چاہئیں اور کافر کے نیک عمل میں چونکہ روح نہیں ہوتی۔ محض نیکی کا ڈھانچہ ہوتا ہے جو فانی ہوتا ہے اور فانی عمل کا بدلہ بھی فانی ہی ہونا چاہیے۔ دوا کیسے ہو سکتا ہے پس دنیا میں کامیابی و کامرانی کی مختلف شکلیں یہ اس کے نیک اعمال کی پاداش سمجھنی چاہیے یہاں کا عمل یہیں رہ جائے گا آخرت میں تو جھوٹی شیخی، نافرمانیوں کی سزا میں بدترین عذاب رہ جائے گا جو ان کے حصہ میں آئے گا۔ ان دونوں مضمونوں میں تمام تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تمثیل ہیں۔ چنانچہ جزاء اور سزا مجموعہ پر موقوف نہیں ہے اور دنیا سے مطلق لذت اندوزی منع نہیں اور نہ مذموم ہے بلکہ جو فتنہ و کفر تک پہنچادے اس کو برا کہا جائے گا۔

لظائف سلوک:..... اذہبتم طیاتکم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی عیش و عشرت میں توسع باعث خطر ہو سکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ معاصی بھی ہوں مطلقاً توسع مذموم نہیں۔ چنانچہ بما کنتم تفسقون اس کا قرینہ ہے پس آیت میں زہد پر روشنی پڑ رہی ہے۔

وَاذْكُرْ آخَاعَادِ هُوَ هُوْدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذْ اِلَىٰ اٰخِرِهِ بَدَلُ اِسْتِمَالٍ اُنْذَرَ قَوْمَهُ خَوْفَهُمُ بِالْاَحْقَافِ وَاِذْ بِالْيَمِينِ بِهٖ مَنَازِلُهُمْ وَقَدْ خَلَّتِ النُّذُرُ مَضَّتْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اٰى مِنْ قَبْلِ هُوْدٍ وَمِنْ بَعْدِهٖ اِلَىٰ اَقْوَامِهٖمْ اٰى اٰى بَانَ قَالَ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ وَجُمْلَةً وَقَدْ خَلَّتْ مُعْتَرِضَةٌ اِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِنْ عَبَدْتُمْ غَيْرَ اللّٰهِ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِنَا فِكْمًا عَنِ الْاِهْتِنَا لِنَصْرِفْنَا عَنْ عِبَادَتِهَا فَاَتِنَا بِمَا تَعِدُنَا مِنْ الْعَذَابِ عَلٰى عِبَادَتِهَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ فِىْ اَنَّهُ يَاتِيْنَا قَالَ هُوْدٌ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِىْ يَعْلَمُ مَتٰى يٰٓاْتِيْكُمْ الْعَذَابُ وَاَبْلَغَكُمْ مَّا اُرْسَلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ وَلَكِنِّىْ اَرٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَسْتَعْجِلٰلِكُمْ الْعَذَابِ فَلَمَّا رَاَوْهٗ اٰى مَا هُوَ الْعَذَابُ عَارِضًا سَحَابًا عَرَضَ فِىْ اَفْقِ السَّمٰوٰتِ مُسْتَقْبِلَ اَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اٰى مُّطِيْرٌ اِيَّاَنَا قَالَ تَعَالٰى بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ مِنْ الْعَذَابِ رِيْحٌ بَدَلٌ مِنْ مَا فِىْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ مَوْلَهُمْ تَدْمِرُ تَهْلِكُ كُلُّ شَيْءٍ مَّرَّتْ عَلَيْهِ بِاَمْرِ رَبِّهَا بِاِرَادَتِهٖ اٰى كُلُّ شَيْءٍ اَرَادَ اِهْلَاكُهٗ بِهَا فَاَنْفَلَكْتَ رِجَالَهُمْ وَنِسَائَهُمْ وَصِبَاغَهُمْ وَكِبَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بَانَ طَارَتْ بِذٰلِكَ بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَرْقَتُهُ وَبَقِيَ هُوْدٌ وَمَنْ اَمِنَ مَعَهٗ فَاَصْبَحُوْا لَا يَرٰى اِلَّا مَسْكِنَهُمْ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُمْ نَجْزٰى الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ غَيْرُهُمْ وَلَقَدْ مَكَّنَّهُمْ فِيمَا فِى الْاٰذٰى اِنْ نَافِيَةٌ اَوْ زَائِدَةٌ مَّكَّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ مَكَّةَ فِىْهِ مِنَ الْقُوَّةِ

وَالْمَالِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا بِمَعْنَى إِسْمَاعًا وَابْصَارًا وَأَفَلَدَةً قُلُوبًا فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفَلَدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ أَى شَيْئًا مِنَ الْإِغْنَاءِ وَمِنْ زَائِدَةٍ إِذْ مَعْلُومَةٌ لِأَعْنَى وَأُشْرِبَتْ مَعْنَى التَّغْلِيلِ
 كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ حُجَجِهِ الْبَيِّنَةِ وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۶﴾ أَى الْعَذَابِ
 وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حولَكُم مِّنَ الْقُرَى أَى أَهْلِهَا كَثْمُودَ وَعَادٍ قَوْمَ لُوطٍ وَصَرَفْنَا الْآيَاتِ كَرَّرْنَا الْحُجَجِ
 الْبَيِّنَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا مَا نَصَرَهُمْ يَدْفَعُ الْعَذَابِ عَنْهُمْ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى
 غَيْرِهِ قُرْبَانًا مُتَقَرِّبًا بِهِمْ إِلَى اللَّهِ إِلَهَةً مُعَهُ وَهُمْ الْأَصْنَامُ وَمَفْعُولٌ اتَّخَذُوا الْأَوَّلَ ضَمِيرٌ مَحْذُوفٌ يَعُودُ إِلَى
 الْمَوْصُولِ أَى هُمْ وَ قُرْبَانًا الثَّانِي وَالْإِلَهَةُ بَدَلُ مِنْهُ بَلْ ضَلُّوا غَابُوا عَنْهُمْ عِنْدَ نَزُولِ الْعَذَابِ وَذَلِكَ أَى
 اتَّخَذَهُمُ الْأَصْنَامُ إِلَهَاتٍ قُرْبَانًا أَفْكَهُمْ كَذِبُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾ يَكْذِبُونَ وَمَا مُصْطَلَبٌ أَوْ مَوْصُولَةٌ
 وَالْعَائِدُ مَحْذُوفٌ أَى فِيهِ وَ أَذْكَرُ إِذْ صَرَفْنَا أَمَلْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ جُنْ نَصِيبِينَ الْيَمَنِ أَوْ جُنْ نِشْوَى
 وَكَانُوا سَبْعَةً أَوْ تِسْعَةً وَكَانَ اللَّهُ بِبَطْنِ نَخْلٍ يُصَلَّى بِأَصْحَابِهِ الْفَجَرَرُوا الشَّيْخَانَ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا
 حَضَرُوهُ قَالُوا أَى قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انصَبُوا أَصْغُوا الْإِسْتِمَاعَ عَنْهُ فَلَمَّا قُضِيَ فِرْعَ قَرَأَتْهُ وَلَوْ أَرْجَعُوا
 إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿۲۹﴾ مُخَوِّفِينَ قَوْمَهُمْ بِالْعَذَابِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَكَانُوا يَهُودًا قَالُوا يَقَوْمُنَا إِنَّا سَمِعْنَا
 كِتَابًا هُوَ الْقُرْآنُ أَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ أَى تَقْدِمُهُ كَالْتَوْرَةِ، يَهْدِنِي إِلَى الْحَقِّ
 الْإِسْلَامِ وَالِى طَرِيقِ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۰﴾ أَى طَرِيقِهِ يَقَوْمُنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ مُحَمَّدًا ﷺ إِلَى الْإِيمَانِ وَآمِنُوا
 بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ اللَّهُ مِنْ ذُنُوبِكُمْ أَى بَعْضُهَا لِأَنَّ مِنْهَا الْمَظَالِمَ وَلَا تَغْفِرُ إِلَّا يَرْضَى أَرْبَابُهَا وَيَجْرُكُمْ مِنْ
 عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿۳۱﴾ مَوْلَى وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ أَى لَا يُعْجِزُ اللَّهُ بِالْهَرَبِ
 مِنْهُ فَيَقُوتَهُ وَلَيْسَ لَهُ لِمَنْ لَا يُجِبْ مِنْ دُونِهِ أَى إِلَهٍ أَوْلِيَاءُ أَنْصَارَ يَدْفَعُونَ عَنْهُ الْعَذَابَ أَوْلَئِكَ الَّذِينَ
 لَمْ يُجِيبُوا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۲﴾ بَيْنَ ظَاهِرٍ أَوْ لَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوا أَى مُنْكَرُوا الْبَعْثِ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَكُنْ يَخْلُقْهُمْ لَمْ يَعْجِزْ عَنْهُ بِقَدِيرٍ خَبِيرٌ وَ زِيدَتْ الْبَاءُ فِيهِ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي قُوَّةِ أَلَيْسَ اللَّهُ
 بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى بَلَى هُوَ قَادِرٌ عَلَى إِحْيَاءِ الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ
 يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ بَانَ يُعَذَّبُوهَا يُقَالُ لَهُمْ أَلَيْسَ هَذَا التَّعْذِيبُ بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَى وَرَبَّنَا
 قَالَ فَلَوْ قُوتُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ عَلَى أَدَى قَوْمِكَ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعِزْمِ
 دُورَاتِ الصَّبْرِ عَلَى الشَّدَائِدِ مِنَ الرُّسُلِ قَبْلَكَ فَتَكُونَ ذَا عِزْمٍ وَمِنْ لِلْيَانِ فَكُلُّهُمْ ذُو عِزْمٍ وَقِيلَ لِلتَّبَعِصِ

فَلَيْسَ مِنْهُمْ اَدَمُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا وَلَا يُؤْنَسُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ لِقَوْمِكَ نَزُولَ الْعَذَابِ بِهِمْ قِيلَ كَآنَتْ جُحْرٌ مِنْهُمْ فَاحْبَ نَزُولَ الْعَذَابِ بِهِمْ فَامَرَ بِالصَّبْرِ وَتَرَكَ الْاِسْتِعْجَالَ لِلْعَذَابِ فَآنَتْ نَازِلٌ بِهِمْ لَا مَحَالَةَ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ لَطُوْلُهُ لَمْ يَلْبَثُوْا فِي الدُّنْيَا فِي ظَنِّهِمْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ هٰذَا الْقُرْآنُ بَلَّغٌ تَّبْلِيْغٌ مِّنَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَهَلْ اٰی لَا يُهْلِكُ عِنْدَ وَعْدِ رُوْبِيَةِ الْعَذَابِ اِلَّا الْقَوْمَ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اٰی الْكَافِرُوْنَ۔

ترجمہ:..... آپ قوم عاد کے (بھائی ہود علیہ السلام) کا ذکر کیجئے (جب کہ آخر تک بدل اٹھال ہے) انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا (خوف دلایا) ریت کے خمار تو دوں کے مقام پر (یعنی کی وادی میں ان کے مکانات تھے) اور ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے ہیں (یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں اپنی اپنی قوموں کی طرف جا چکے) یہ کہ (یعنی یہ فرمایا) تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (اور جملہ ”قد خلت“ معترضہ تھا) مجھے تم پر اندیشہ ہے (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ وہ کہنے لگے تم ہمارے پاس سے اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹا دو (ان کی پرستش سے پھیر دو) سولے آؤ (ہمارے پاس جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو) ان کی پرستش کرنے پر عذاب سے (اگر تم سچے ہو) کہ تم اس کو لے آؤ گے (فرمایا) ہود علیہ السلام نے) کہ پوری بات تو اللہ کو معلوم ہے (وہی جانتا ہے کہ کب تم پر عذاب آئے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے وہ تم کو پہنچا رہا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم زی جہالت کی باتیں کر رہے ہو (جلد عذاب آنے کے بارے میں) سوان لوگوں نے جب اس کو آتے دیکھا (جو کچھ عذاب تھا بادل کی شکل میں) (آسمان کے کنارے) اپنی وادیوں کے مقابل تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ہمیں بارش دے گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا) کہ نہیں نہیں بلکہ یہ تو عذاب ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ایک آندھی ہے (ما کا بدل) جس میں دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے وہ ہر چیز کو (جس پر گزرے گی) ہلاک (تباہ) کر دے گی اپنے پروردگار کے حکم سے (اس کے ارادہ سے یعنی ہر وہ چیز جس کی ہلاکت منظور ہوگی۔ چنانچہ ان کے مرد، عورتیں، چھوٹے بڑے سب برباد ہو گئے۔ آسمان وزمین کے درمیان پھرے۔ آندھی نے سب کو تپس نہیں کر کے رکھ دیا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بچے رہے چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یوں ہی (جیسے ان کو سزا دی) سزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو ان باتوں میں (ما بمعنی الذی ہے) قدرت دی تھی کہ تم کو (مکہ والو) ان میں قدرت نہیں دی (یعنی طاقت اور مال) اور ہم نے ان کو کان (سمع بمعنی اساع ہے) اور آنکھیں اور دل دیئے تھے۔ مگر نہ ان کے کان کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل ذرا بھی (یعنی کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا اس میں من زائد ہے) کیونکہ (اذا معمول ہے غنی کا اس میں سمیت کے معنی آگئے ہیں) وہ لوگ آیات الہیہ (کھلے دلائل) کا انکار کرتے رہے اور انہیں آگھیرا۔ ان پر نازل ہو گیا وہ عذاب) جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی غارت کر ڈالی ہیں (یعنی ان بستیوں والوں کو جیسے شموود عاد اور قوم لوط) اور ہم نے بار بار نشانیاں (کھلی دلیلیں) بتلا دی تھیں تاکہ وہ باز آ جائیں۔ سوان کی مدد کیوں نہ کی (ان کا عذاب دور کر کے) ان چیزوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے (ان کی پرستش کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے) (معبود بنا رکھا تھا) (اللہ کے ساتھ شریک کر کے یعنی بتوں کو اور اتخذ واکا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے یعنی ہم اور مفعول ثانی قربانا ہے اور آتہ اس کا بدل ہے) بلکہ وہ تو سب کے سب غائب (گم) ہو گئے (عذاب آنے کے وقت) اور وہ یعنی بتوں کو خدا کی قرب حاصل کرنے کے لئے معبود بنا لیتا) محض ان کی تراشی ہوئی (جھوٹ) اور گھڑی ہوئی بات ہے (یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور ماصدر یہ ہے یا موصول

ہے اور عائد مخذوف ہے یعنی فیہ) اور (یا دیکھئے) جب کہ ہم لے آئے (ماہل کرو یا) آپ کے پاس جنات کی ایک جماعت (نصیبین یمن یا نینوی کے جنات جو سات یا نو تھے اور آنحضرت ﷺ بطن خلد میں اپنے احباب کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے) جن کی روایت کے مطابق (جو قرآن سننے لگے تھے۔ غرض وہ جب قرآن کے پاس پہنچے تو (آپس) میں کہنے لگے کہ خاموش رہو (غور سے سنو) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا (قرأت سے فراغت ہو گئی) تو وہ جنات اپنی قوم کے پاس ان کو خبردار کرنے کے لئے واپس پہنچ (لوٹ) گئے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آجائے گا۔ اس بات سے ڈرانے کے لئے اور یہ جنات یہودی تھے) کہنے لگے اے بھائیو! ہم ایک کتاب (قرآن) سن کر آ رہے ہیں جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ جو پہلی کتابوں کی (جیسے تورات ہے) تصدیق کرنے والی ہے حق (اسلام) اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے (محمد ﷺ جو ایمان کی طرف دعوت دینے والے ہیں) کا کہنا مانو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ یعنی بعض گناہوں کو کیونکہ جو مظالم ہیں وہ مظلوموں کی مرضی کے بغیر معاف نہ ہوں گے) اور تمہیں دردناک (سخت) عذاب سے بچالے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہیں مانے گا تو وہ دنیا میں ہر انہیں سکتا) یعنی کہیں بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا کہ بچ جائے) اور (کہنا نہ ماننے والے کے لئے) اللہ کے سوا اس کا حامی نہیں ہوگا۔ (مددگار جو اللہ کے عذاب سے بچالے) یہ لوگ (جو کہنا نہیں مانتے) صریح گمراہی میں ہیں (جو بالکل واضح ہے) کیا ان لوگوں (منکرین قیامت) نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا (عاجز نہیں ہوا) وہ اس پر قدرت رکھتا ہے (ان کی خبر ہے جس پر باز آمد ہے۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح تھی ”الیس اللہ بقادر“ کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں (وہ مردوں کو جلائے پر قادر ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (عذاب بھگتنے کے لئے تو ان سے کہا جائے گا) کیا یہ (دوزخ کا عذاب) امر واقعی نہیں ہے۔ بولیں گے ہمارے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کی پاداش میں اس کا عذاب چکھو۔ پس آپ (اپنی قوم کی تکالیف پر) صبر کیجئے۔ جیسا کہ اور اہمیت والے (مصیبتوں کو جھیل کر برداشت کرنے والے) پیغمبروں نے کیا ہے (جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ لہذا آپ بھی باہمت بن جائیں گے۔ اور من بیان یہ ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء باہمت ہی ہوتے ہیں۔ اور بعض کی رائے میں من تعصیضہ ہے۔ کیونکہ آدم ان میں شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ آیت ولہم نجد لہ عزمائے معلوم ہوتا ہے اور حضرت یونس بھی ان میں نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ولا تکن کصاحب الحوت الخ) اور آپ ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے (اپنی قوم پر جلد عذاب نازل ہونے کے لئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قوم سے تنگ دل ہو کر ان پر عذاب چاہ رہے تھے۔ اس لئے صبر کرنے اور عذاب میں جلدی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ آخر کار عذاب تو آئے گا ہی جس روز یہ لوگ دیکھیں گے اس کو جس کے بارہ میں ان کو دھمکایا جا رہا ہے (عذاب آخرت کو اس کا سلسلہ طویل کی وجہ سے) تو گویا یہ لوگ دن بھر میں (دنیا کے لحاظ سے ان کے گمان میں) ایک گھڑی رہے ہوں گے۔ (یہ قرآن) پہنچا دیتا ہے (اللہ کا پیغام تمہیں دے دیتا ہے) سو دینی برباد ہوں گے (عذاب آنے پر) جو تافرمائی کریں گے۔

تحقیق و ترکیب:..... اذ انظر۔ لفظ اذ بدل اشتغال ہے اخاعداد کا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اذ ہمیشہ محل نصب میں ہوتا ہے ظرفیت کی بناء پر۔

الاحقاف: حقف کی جمع ہے۔ لہذا خدا ریت کا نیلہ حقف الریح نیزہ ٹیڑھا ہو گیا۔ بقول ابن عباس عثمان و مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ من بین یدینہ: چار پیغمبر ہود سے پہلے ہوئے۔ آدم، شیث، اور لیس، نوح، اور بعد میں صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق وغیرہ ہوئے۔ ان لا تعبدوا: مفسر نے اشارہ کیا کہ ان محمد ہے یا مصدر یہ اور با مقدر ہے۔

انما العلم۔ یعنی عذاب کا وقت اور بقول کرخی مجھے قطعاً بہ معلوم اور نہ اس میں کوئی دخل ہے کہ میری طرف سے جلدی ہوئی۔ پس گویا یہ ”فاتنا بما تعدنا“ کا جواب ہے۔ لہذا زخشری کے اس کہنے کی اب حاجت نہیں رہ جاتی کہ اس سے باب دعا بند ہو گیا۔
فلما زاوہ: یعنی ضمیر ماقبل یعنی عذاب کی طرف راجع ہے اور زخشری کی رائے میں یہ مبہم ہے جس کی تفسیر عارضاً ہے جو تیز یا حال ہے لیکن زخشری کی اس رائے پر تنقید کی گئی ہے کہ یہ صورت تو باب رب دُعم کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز نحوی حضرات اس کو تفسیر نہیں کہتے۔
عارضاً۔ ای معترضاً فی افق السماء۔

مستقبل او دیتھم: اس میں اضافت لفظی ہے۔ اسی لئے نکرہ کی صفت بن رہی ہے اور مطر نامیں بھی یہی صورت ہے بل ہو: یہ کلام باری ہے یا کلام ہود؟ بہتر دوسری صورت ہی ہے۔

فاصبحوا: ہود اور ان کے رفقا چار ہزار ہوں گے اور بستی میں صرف مکان یا نشان رہ گئے۔ مکیں کا کہیں پتہ نشان نہ رہا یہ روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے یا ہر سننے والے کو خطاب ہے۔

ان مکناکم: ان نافیہ بمعنی ما ہے تکرار سے بچنے کے لئے خود مانہیں لایا گیا۔ اور شرطیہ مانا جائے تو جواب محذوف ہوگا۔ ای ولقد مکناکم فی الذی ان مکناکم فیہ۔

اذ کانوا: میں آغا غنی کی وجہ سے اذ منصوب ہے اور گویا علت ہے بقول زخشری کیونکہ طرف اور علت کا مصل قریب قریب ایک ہی ہوتا ہے۔ البتہ تمام ظروف میں نہیں۔ بلکہ اذ اور حیث کی حد تک ہے۔

قربانا: تقرب اگر چہ لازم ہے تاہم با کے ذریعے متعدی ہو گیا اور ”اتخذوا“ کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف راجع ہے اور قربانا مفعول ثانی ہے اور آکھتہ بدل ہے۔ یہ رائے ابن عطیہ، حوٹی اور ابوالبقا کی ہے۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ آکھتہ مفعول ثانی ہے یا حال مقدم یا مفعول ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر آ رہا ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ضمیر حسب سابق مفعول محذوف اور قربانا حال اور آکھتہ مفعول ثانی ہو ای فہلا نصرہم الذین اتخذوہم مقرباً بابہم آلہ، تیسری صورت یہ ہے کہ قربانا مفعول لہ ہے۔ اس صورت میں مفعول محذوف رہے گا اور آکھتہ مفعول ثانی ہے۔ نفراتین سے دس افراد تک بولا جاسکتا ہے۔

نیوی۔ موصول میں حضرت یونس علیہ السلام کی بستی کا نام ہے۔ جنات نصیبین کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ نثی، ۲۔ ناشی، ۳۔ مناصین، ۴۔ ماضر، ۵۔ الاحطب (مواہب میں ابن درید سے نقل کیا ہے اور بقیہ نام نہیں لکھے ہیں۔

مفسر ”بطن مخلہ“ مقام کا نام بتلایا ہے۔ حالانکہ یہ جگہ مدینہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے اور آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔ بلکہ صحیح نام بطن مخلہ ہے۔ جو مکہ سے ایک رات کے فاصلہ سے طائف کے راستہ پر ہے۔ نیز آپ کے ہمراہ زید بن حارثہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس میں بھی تسامح ہوا۔ نیز وقت فجر کہنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ نماز کی فرضیت سے پہلے ہوا ہے۔ اس لئے بعض نے ان دور کعتوں کو اس دو گانہ پہ محمول کیا ہے۔ جو جنگانہ فرائض سے پہلے آپ ادا فرماتے تھے۔

مواہب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ابوطالب کی وفات کے بعد باہر نکلے۔ زید بن حارثہ ہمراہ تھے۔ چنانچہ ایک ماہ آپ نے قیام فرمایا اور اشراف ثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔ بلکہ غنڈوں کو آنحضرت ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے بہت کچھ ستایا۔ طائف سے جب آپ کی واپسی ہوئی تو مخلہ میں فروکش ہوئے۔ یہاں جنات کی حاضری ہوئی جب کہ آپ نماز تہجد میں معرُوف تھے۔ اور تفسیر کبیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پو بطن مخلہ میں فروکش ہو کر

نماز فجر پڑھ رہے تھے کہ اشرف جن حاضر خدمت ہوئے۔ سورہ جن کی آیات اسی سلسلہ کی ہیں۔

یستمعون: لفظ نفی کی رعایت سے تو تسبیح مفرد آنا چاہیے تھا۔ مگر متنی کی رعایت سے جمع لائی گئی۔ بعض نے ان کی تعداد ستر بتلائی ہے جن میں یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست سب قسم کے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم کے پر ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سانپ اور کتوں کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور تیسری قسم ہوائی ہوتی ہے۔ مومن جنات کے متعلق اقوال ہیں۔ امام اعظم اور ابواللیث کے نزدیک جہنم سے رہائی دے کر ان کو نابود کر دیا جائے گا۔ جنات جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ علامہ نسفی کہتے ہیں کہ امام اعظم ان کو ثواب ملنے میں توقف فرماتے ہیں۔ اور نفی بھی یقین سے نہیں کرتے۔ تیوں ائمہ اور صاحبین کے نزدیک انسانوں کی طرح یہ بھی اہل جنت ہوں گے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت کے آس پاس رہیں گے۔

من بعد موسیٰ: ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا حال جنات کو معلوم نہیں ہوا ہوگا۔

من ذنوبکم: حقوق العباد کی معافی متعلقہ اشخاص کی مرضی سے ہوگی، البتہ آگ میں جل جانے والا شخص مستثنیٰ ہے اس کو نہ قصاص میں قتل کیا جائیگا اور نہ آخری عذاب ہوگا۔

ولم یعی بخلقھن: مفسر ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ بانفی کے بعد ہی آیا کرتی ہے۔ اور یہاں ان کے بعد مثبت ہے۔ پھر بخلقھن پر با کیسے داخل ہوگئی۔ جواب یہ ہے کہ نفی ابتداء آیت میں آچکی ہے یعنی ولوم یروا۔ اس لئے تقدیر عبارت اس طرح ہو گی۔ ایس اللہ بقادر اسی لئے آگے ہلی ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

یوم یعرض: مفسر نے یہاں سے اشارہ کر دیا کہ یوم محدوف کا ظرف ہے اور ایس هذا بالحق قول محدوف کا مقولہ ہے۔

وربنا: داؤد قسمیہ ہے ان کے جواب کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے۔ گویا ان کو یہ امید ہوگئی۔ کہ شاید معترف جرم ہی سے چھٹکارا مل جائے۔

کاف بمعنی مثل ہے اور ما مصدریہ ہے مصدر محدوف کی صفت ہے۔ ای اصبر صبرا مثل صبر اولی العزم یوں تو داؤد العزم سارے ہی نبیاء ہیں۔ جمہور مفسرین کا قول یہی ہے مفسر بھی من بیان یہ کہہ کر اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر خاص درجہ عزم مراد لیا جائے تو بقول ابن عباس آنحضرت ﷺ اور حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اس کا مصداق ہیں۔

ابن عسا کر قناد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نوح، ابراہیم، شعیب و موسیٰ ہیں اور ابن المنذر راہن جرق سے نقل کرتے ہیں۔ کہ اسماعیل، یعقوب اور ایوب ہیں۔ حضرت آدم، پولس، سلیمان، ان میں داخل نہیں ہیں۔ اور مردویہ، ابن عباس سے نقل ہیں کہ حضرت نوح، ہود، صالح، موسیٰ، داؤد، اور سلیمان مراد ہیں۔ اور جابر سے منقول ہے کہ تین سو تیرہ رسول ہیں اور مقاتل کے نزدیک چھ ہیں۔ نوح، ابراہیم، اٹھ، یعقوب، یوسف، ایوب، ہیں۔ اور صاحب قاموس نے حضرت موسیٰ، داؤد، عیسیٰ، تین کا اضافہ کر کے نو کہا ہے۔ بہر حال تلک الرسل فضلنا الخ کی رو سے تمام انبیاء یکساں نہیں ہیں۔ ان میں فرق مراتب ہے۔

بلاغ: عام قراءت میں مرفوع ہے۔ مبتداء محدوف کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ تلک الساعة بلاغ۔

الا صاعۃ: قرینہ کی وجہ سے یا تقدیر عبارت اس طرح۔ گ۔ هذا القرآن او الشرع بلاغ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مبتداء اور اس کی خبر

لہم ہو جو لا تستعجل کے بعد ہے۔ مگر اس صورت میں لا تستعجل پر وقف کرنا پڑے گا۔ اور جملہ تشبیہ کے فصل کی وجہ سے یہ ترکیب نہایت ضعیف ہے۔ نیز لہم کا بظاہر تعلق لا تستعجل سے ہے۔ البتہ زید بن علی، حسن، عیسیٰ نے بلا غائب کے ساتھ پڑھا ہے۔ بنا پر مصدریت کے ابو جکلی کی قراءت 'بلغ امرا' سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ اور کئی کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ساتھ کی صفت کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ چنانچہ نصب کی قراءت ابھی گزری ہے۔ مگر غالباً ان کو یہ قراءت نہیں پہنچی ہوگی۔ اور حسن نے بلاغ جر کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ حذف مضاف کے ساتھ یہ ہمار کی صفت ہو جائے گا۔ ای من نھا ذی بلاغ یا زمانہ کو بطور بلاغ کے ساتھ متصف کیا ہے۔

فہل یہلک۔ اس کے حصر سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ مومن فاسق اگر ایمان پر انتقال کرے تو اس کے لئے نجات ہے۔ اے اللہ کریم اس عبد اشیم کو بھی اس امید سے ناامید نہ کیجئے۔ علامہ قرطبیؒ نے ابن عباسؓ سے عورت کے دروزہ کے لئے یہ تعویذ نقل کیا ہے کہ یہاں پر لکھ دیتے تھے۔ جو عورت کو دھوکہ پلانے سے بہولت جلد ولادت ہو جاتی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ العظیم العظیم الکریم سبحان اللہ رب السموات ورب الارض ورب العرش العظیم کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا لا عشیة اوضحاھا کانہم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعة من نهار بلغ فہل یہلک الا القوم الفاسقون۔

رابطہ:..... سابقہ مضمون رسالت کی تائید کے لئے عرب اور آس پاس کی گذشتہ قوموں عادی و نمود و لوط وغیرہ کے واقعات ذکر کئے جا رہے ہیں تاکہ ان کے لئے درس عبرت ہوں۔

اولم یروا۔ بھلی آیت یوم یعرض الذین میں اسی طرح بعد کی آیات میں قیامت کی جزاء و سزا کا بیان تھا۔ لیکن چونکہ بعض مخاطب خود امکان قیامت ہی کے منکر تھے۔ اس لئے اس آیت میں پہلے قیامت کا امکان پھر اس کا اور عذاب کا وقوع پھر اس پر پیغمبر کی صبر و تسلی بطور تفریع فرمائی جا رہی ہے اور اس کی تاکید کے لئے کفار کی تفریع بعنوان کلی ارشاد ہے۔

شان نزول و روایات:..... فلما رواہ۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب قوم عاد پر آثار عذاب آتے دیکھے تو اپنی مختصری مومن جماعت کو لے کر حفیرۃ القدس تشریف لے گئے۔ چنانچہ آندھی آئی اور لوگ ریت کے تودوں کے نیچے دب گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر آندھی پھلی اور ریت کو دوسری طرف منتقل کر دیا اور تمام نعشوں کو سمندر میں اٹھا کر پھینک دیا۔ برخلاف حضرت ہود اور ان کے رفقاء کے شروع میں جب ان کو عذاب کی آندھی کا احساس ہوا تو انہوں نے ایک حصار کھینچ لیا جس میں وہ سب محفوظ رہے ہوا ان پر گزرتی نہایت جانفزا بن جاتی۔ ولقد صرفنا: آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے کا انہوں اور نجومیوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جایا کرتی تھیں۔ مگر آپؐ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا۔ جنات کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی بات ہوئی کہ آسمانی خبروں پر اس قدر پہرے بٹھادیئے گئے۔ اس کی جستجو کے لئے ان کی ٹکڑیاں مختلف ستوں میں پھیل گئیں۔ اتفاق سے ایک جماعت کا گزروطن بخلہ پر ہوا۔ وہاں آنحضرت ﷺ مع چند رفقاء کے نماز فجر ادا فرما رہے تھے۔ قرآن کی آواز جب ان کے کانوں میں پہنچی اور وہ بھی خود صاحب وحی کے لب و لہجہ اور کیفیات کے ساتھ، تو عجیب سا بندھا، اور وہ اس کی عظمت و ہیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور سر گوشیاں کرتے رہے جب قرآن کی دلکشی اور تاثیر نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ تو سمجھے کہ ہونہ ہو یہی سبب ہے جس سے آسمانی خبریں آتی بند ہو گئیں۔ حضور ﷺ نماز و قرآن سے فارغ ہوئے اور یہ جنات اثر میں ڈوبے ہوئے اپنی قوم میں واپس ہوئے اور جا کر انہیں نصیحت و فہمائش کی۔

﴿تشریح﴾:..... حضرت ہود علیہ السلام عاد کے بھائی تھے۔ احقاف میں قیام پذیر تھے، جو ”ارض القرآن“ کے بیان کے مطابق یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان جو صحرائے اعظم ہے وہ اگر چہ ناقابل رہائش ہے تاہم آس پاس کہیں کہیں کچھ زمین کے ٹکڑے ہیں۔ بالخصوص حضرموت سے نجران تک عہد قدیم میں آباد تھا۔ عدارم کا مشہور قبیلہ رہتا تھا۔ جو خدا کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود ہو گیا۔ وقد خلت النفر۔ یا تو حق تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ تائید کے لئے ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود حضرت ہودؑ نے سب پیغمبروں کا اتفاق مسئلہ توحید میں بطور تائید بیان فرمایا ہو اور وہ مذکور ممکن ہے دوسری ہستیوں کے مراد ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی ہستی میں آئے ہوں بہر حال قوم پر کہاں جو تک لگنے والی تھی انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اس پرانی ڈگر سے ہٹنے والے نہیں۔ جو تم زبانی دھمکیاں دے رہے ہو۔ ذرا دھمکیاں پوری کر کے دکھاؤ۔ فرمایا کہ عذاب تو آئے گا، پر آئے گا لیکن کب؟ یہ اللہ ہی جانے مجھے بتانا بتلایا گیا ہے۔ میں نے تمہیں بتلادیا ہے۔ اس سے زائد کا نہ مجھے علم اور اختیار اللہ ہی جانتا

ہے کہ مہلت کب تک ہے اور ساعت عذاب کب آئے گی؟ تعجب ہے کہ تم اپنی بربادی کی فرمائش کر رہے ہو کوئی حد ہے اس جہارت اور گستاخی کی۔

قوم عاد و ہود پر عذاب کا بادل فلما رواہ۔ چنانچہ عذاب کا بادل سامنے اٹھتا دکھائی دیا۔ نادان بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ اب ندی نالے بھر جائیں گے اور خشک سالی سے مارے ہوؤں کا کام بن جائے گا مگر وہ برسنے والا بادل کب تھا وہ تو ان کی کم جتنی کا بادل اور تباہی کی آندھی تھی۔ جس کے وہ خواہاں ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے شدید طوفان نے ان کے سارے مکانات مٹا کر رکھ دیئے۔ آدمی جانور، درخت تنکوں کی طرح اڑے پھڑپھڑ رہے تھے۔ مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔ اے مکہ کے باسیو! دیکھ لیا تم نے اللہ کے مجرموں کا کیا حال ہوا اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور آسانی سے۔ کیوں کہ وہ ہر چیز میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ مگر عذاب کے آگے کوئی چیز کام نہ دے سکی۔ آخر تم کس بات پر مغرور ہو۔ انہیں نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیئے تھے۔ پر وہ اندھے، بہرے پاگل بن کر پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے اور کئی قوت سے کام نہ لیا۔ آخر کاریہ قوتیں دیکھنے میں سب موجود ہیں مگر عذاب الہی نے آگیرا، تو کچھ کام نہ آ سکا۔ وہ جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، وہ قدرت اب گویا ان سب پر مسکرا رہی تھی اور قوم عاد ہی نہیں بلکہ قوم ہود و لوط کی بستیوں بھی اسی طرح الٹ کر رکھ دی گئی۔ جو اہل مکہ کے آس پاس اور ان کی گزند و رگاہیں تھیں۔ انہیں کتنا سمجھایا، کتنی ذمیل دی پر وہ اتنے سمجھانے پر بھی باز نہ آئے اور جن بتوں کی پرستش وہ اس لئے کرتے تھے کہ وقت پر کام آئیں گے ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں گے۔ آخر وقت پڑا تو وہ کیا ہوئے، کہاں گئے ذرا ان کو بلایا تو ہوتا، اب کام نہ آئے تو پھر کب کام آئیں گے، مگر آج کا کہیں پیہ نہیں۔ جس سے ظاہر ہوا ہے یہ سب من گھڑت، جھوٹی، واپس باتیں تھیں، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے تو کیسے؟

انسان سے تو جنات ہی غنیمت نکلے واذا صرنا الخ یعنی اشرف المخلوق انسان کی سرکشی اور نافرمانی تو دیکھ لی۔ اب ذرا جنات کی اطاعت کو شکی اور فرما برداری کا موازنہ کر لو حالانکہ ان میں تکبر کا مادہ زیادہ ہوا کرتا ہے۔ مگر ایمان کے آگے کفر سے بالکل دست بردار ہو گئے۔ یمن مغلہ کی پہلی حاضری میں جب کہ آپ ﷺ نماز فجر میں مشغول تھے۔ جنات کی حاضری اور متاثر ہو کر واپسی اس وقت تو حضور ﷺ کو تفصیل سے معلوم نہ ہو سکی۔ صرف ایک درخت نے اللہ کے حکم سے اس کی اجمالی اطلاع آپ کو دی۔ مگر حسب بیان خفاجی چھ مرتبہ جنات کی آپ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد میں اس کی تفصیلات کا آپ کو پتہ چل سکا۔ چنانچہ سورہ جن نازل ہوئی اس میں اس کا ذکر ہے۔ جنات کی تعداد بہت سی باتوں میں جو روایات مختلف آئیں ہیں ان کو متعدد واقعات پر محمول کر کے منطبق کیا جاسکتا ہے۔

جنات کی نظر میں قرآن من بعد موسیٰ۔ اس جملہ سے بعض نے یہ سمجھا کہ وہ جس یہودی تھے۔ حالانکہ اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور یہ استنباط نا کافی ہے۔ البتہ چونکہ کوئی آسمانی کتاب تورات کے برابر احکام پر مشتمل نہیں تھی۔ اس لئے انبیاء اسرائیل اس پر عامل رہے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی فرمانا پڑا کہ میں تورات بدلنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو مکمل کرنے کیلئے آیا ہوں۔ ادھر حضرت سلیمانؑ کے وقت سے ہی جنات میں تورات مشہور چلی آ رہی تھی۔ مگر یہ کہ انہوں نے اس اہمیت کے پیش نظر یہ اشارہ کیا ہو کہ جیسی مستقل اور عظیم کتاب موسیٰؑ نے لے کر آئے تھے۔ اسی کے مشابہ اور اسی عظمت و شان کا یہ قرآن معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو یہ پیش گوئی ہوئی تھی کہ اے موسیٰؑ تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا۔

رہا یہ کہ انہوں نے تھوڑا سا قرآن سن کر یہ کیسے سمجھ لیا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس وقت حضور ﷺ نے جو قرآن کا حصہ تلاوت فرمایا اس میں یہ مضمون ہو یا کسی قرینہ اور طریزیان، جلالت شان سے انہیں یہ گمان ہوا ہو جو واقعہ کے مطابق نکلا۔

یہدی الی الحق۔ حق اور طریق مستقیم میں یا اصول و فروع کا فرق مانا جائے اور یا ایک صفت کا عطف دوسری صفت پر ہو رہا ہے۔

اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:..... یقو منا۔ جو گناہ اسلام لانے سے پہلے حالت کفر میں ہو چکے وہ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو گئے۔ الاسلام یهدم ما کان قبلہ اب آئندہ نیا کھاتہ کھلے گا۔ بعض حضرات نے من ذنوبکم میں من تعفیہ لیا ہے کیونکہ اسلام لانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لیکن بعض علماء نے من کو زائد مانا ہے۔ یعنی اسلام لانے سے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ رہ گئے حقوق العباد تو ان کی دو قسمیں ہیں۔ بعض گناہ بھی ہیں جیسے قتل وغیرہ ان کا معاف ہونا تو متفق علیہ ہے اور جو حقوق محض حقوق ہیں گناہ نہیں جیسے قرض وغیرہ وہ چونکہ گناہ میں داخل ہی نہیں کہ اشکال ہو۔ اس لئے من تعفیہ لینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں:..... اور جنات کو کفر و معصیت پر عذاب ہونا تو متفق علیہ ہے۔ لیکن ایمان و طاعت پر جنت و ثواب ملنا مختلف فیہ ہے۔ جمہور تو عموماً شرعیہ کی وجہ سے اور خاص طور پر آیت رُحْن لَمْ یَطْمِئِنْ اَنْس قَبْلَهُمْ وَلَا جَانِ کِی بَاءِ پر اور سورہ انعام کی آیت وَلِکُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا کے سبب جنت و ثواب کا عطا ہونا انسانوں کی طرح مانتے ہیں۔ لیکن امام اعظمؒ کی خاص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ نص نہ پائے جانے کی وجہ سے غایت احتیاط کے سبب توقف فرماتے ہیں نہ اقرار نہ انکار جیسا کہ علامہ ابو البرکات نسفی نے ”التیسیر“ میں یہ مسلک نقل کیا ہے۔ لیکن امام صاحب کی نسبت جو مشہور ہو گیا کہ وہ جنات کے جنتی ہونے کے کاف نہیں۔ غالباً نقل مذہب میں غلطی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ولم یعی بخلقھن: میں یہود کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ یوم السبت (سنچر) کو زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا۔ پس جو اتنا بڑا کام کر کے نہیں تھکتا اسے تمہیں دوبارہ پیدا کرنے میں کیا تھکن ہوگی۔ لہذا اس دھوکے میں نہ رہنا کہ مکر کو کون زندہ ہوتا ہے اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔ البس هذا جہنم اور اس کے عذاب کا مشاہدہ کرا کر اور اس کا مزہ تو چکھو اور چکھتے ہی رہو۔ اب خالی اقرار سے کیا۔ ذرا انکار کا مزہ تو چکھو اور چکھتے ہی رہو۔

فاصبر: یعنی جب معلوم ہو گیا کہ منکرین کو سزا ضرور ملے گی دنیا میں ملے یا آخرت میں۔ بس اس معاملہ میں اب آپ جلدی نہ کریں اور صبر سے کام لیں جو اولو العزم انبیاء کا شیوہ رہا ہے۔

اولو العزم پیغمبر کون ہوئے ہیں:..... محققین کی رائے ہے کہ سب پیغمبر اولو العزم ہیں۔ اس لئے ”من الرسل“ میں من بیان یہ ہے۔ البتہ آیت تَلٰکَ الرِّسْلَ فَضَلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ کی رو سے بعض انبیاء اس وصف میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ اس لقب سے مشہور ہو گئے جیسا کہ اعلام غالب میں ہوا کرتا ہے پھر ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ آیت احزاب وَاِذْ اَخْلَفْنَا مِنَ النَّبِیِّنَ مِثْلَهُمْ وَمِنْ نُّوحٍ وَاِبْرٰهٖمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی ابنِ مَرْیَمَ کی رو سے اولو العزم بالمتنی الثانی یہ پانچ انبیاء ہیں۔ واللہ اعلم لم یلبوا: یعنی اب تو دنیا میں عذاب آنے میں دیر سمجھتے اور کہتے ہیں جلد کیوں نہیں آ جاتا۔ مگر اس دن جانیں گے۔ کہ بہت جلد آ گیا دنیا میں تو گھڑی بھری ٹھہرے تھے یا بزرخ کا رہنا گھڑی بھر معلوم ہوگا۔ گزری ہوئی مدت تو یوں بھی کم معلوم ہوا کرتی ہے اور مصیبت سختی کے وقت عیش و آرام کا سارا زمانہ کا فور نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے نصیحت کی حد تک حجت پوری کر دی اور سب نیک و بد سمجھا دیا۔ اب کوئی نہ مانے وہ جانے۔ ہم کسی کو بے قصور نہیں پکڑا کرتے۔ اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے پر کمر باندھ لے۔

اطا کف سلوک:..... آیت اٰمَنُوْا بِہِ یَغْفِرْ لَکُمْ الْخِیَاطَ ذَکْرَہُ فَرَمَانِے میں شاید اسی طرف اشارہ ہو کہ بندہ کا نجات پا جانا ہی کیا کم انعام ہے اس کے استحقاق سے یقیناً زائد ہے۔ پھر اپنے کو خاص درجات کا مستحق اور اہل کیوں سمجھے یہی تو اضع قلندرانہ مذاق ہے۔

سُورَةُ الْقِتَالِ

سُورَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ - إِلَّا وَكَانَ مِنْ قُرَيْشٍ الْآيَةُ أَوْ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ أَوْ تِسْعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَى الْإِيمَانِ أَضَلَّ أَحَبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ كَاطْعَامِ الطَّعَامِ وَصَلَةِ الْأَرْحَامِ فَلَا يَرُونَ لَهَا فِى الْآخِرَةِ ثَوَابًا وَيُحْزَنُونَ بِهَا فِى الدُّنْيَا مِنْ فَضْلِهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَى الْأَنْصَارُ وَغَيْرُهُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ أَى الْقُرْآنِ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِمْ كَفَرَ عَنْهُمْ غَفَرْتُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾ أَى حَالَهُمْ فَلَا يَعْصُونَ ذَلِكَ أَى إِضْلَالِ الْأَعْمَالِ تَكْفِيرِ السَّيِّئَاتِ بِأَنِّ سَبَبِ أَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ الشَّيْطَانَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ الْقُرْآنَ مِنْ رَبِّهِمْ كَذَلِكَ أَى مِثْلُ ذَلِكَ الْبَيَانِ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾ يَبَيِّنُ أَخْوَالَهُمْ أَى فَالْكَافِرُ يُحِبُّ عَمَلَهُ وَالْمُؤْمِنُ يَغْفِرُ اللَّهُ فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبُ الرِّقَابِ مَصْدَرٌ بَدَلٍ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ أَى فَاضْرِبُوا رِقَابَهُمْ أَى قَتَلُوهُمْ وَعَبَّرَ بِضَرْبِ الرِّقَابِ لَا أَنَّ الْعَالِبَ فِى الْقَتْلِ أَنْ يَكُونَ بِضَرْبِ الرِّقَابَةِ حَتَّى إِذَا اتَّخَذْتُمُوهُمْ أَى أَكثَرْتُمْ فِيهِمُ الْقَتْلَ قَتَلُوا أَى فَاغْتَبَا عَنْهُ وَأَسْرَوْهُمْ وَشَدُّوا الْوُثَاقَ مَا يُؤْتَى بِهِ الْأَسْرَى فَإِذَا مَنَّا بَعْدَ مَصْدَرٍ بَدَلٍ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ أَى تَمَنُّونَ عَلَيْهِمْ بِإِطْلَاقِهِمْ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ - وَإِذَا فَدَاءَ أَى تُفَادُوهُمْ بِمَالٍ أَوْ أَسْرَى مُسْلِمِينَ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَى أَهْلَهَا أَوْ زَارَهَا أَثْقَالَهَا مِنَ السَّلَاحِ وَغَيْرِهِ بِأَنِّ يُسَلِّمُ الْكُفَّارُ أَوْ يَدْخُلُوا فِى الْعَهْدِ وَهَذِهِ غَايَةُ لِلْقَتْلِ وَالْإِسْرِ ذَلِكَ خَبَرٌ مُبْتَدِئٌ مُقَدِّمٌ أَى الْأَمْرُ فِيهِمْ مَا ذَكَرَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَا تَنْصَرِمُ مِنْهُمْ بَغِيرُ قِتَالٍ وَلَكِنْ أَمَرَكُمْ بِهِ لِيَلْبِسُوا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ مِنْهُمْ فِى الْقِتَالِ فَيَصِيرُ مَنْ قُتِلَ مِنْكُمْ إِلَى الْحَنَةِ وَمِنْهُمْ إِلَى النَّارِ وَالَّذِينَ قُتِلُوا وَفِى قِرَاءَةِ قَاتِلُوا الْآيَةَ نَزَلَتْ يَوْمَ أُحُدٍ وَقَدْ فَشَا فِى الْمُسْلِمِينَ الْقَتْلُ وَالْحَرَاحَاتُ فِى سَبِيلِ اللَّهِ لَنْ يُضِلَّ يَحِيطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾ سَيَهْدِيهِمْ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَى مَا يَنْفَعُهُمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۵﴾ حَالَهُمْ فِيهِمَا وَمَا فِى الدُّنْيَا لِمَنْ لَمْ يَقْتُلْ وَ أُدْرِجُوا فِى قُتُلُوا تَغْلِيًا

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا بَيْنَهَا لَهُمْ ﴿١٦﴾ فَيَهْتَدُونَ إِلَى مَسَاجِدِهِمْ مِنْهَا وَازْوَاجِهِمْ وَخُدَمِهِمْ مِنْ غَيْرِ اسْتِذْلَالٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ أَى دِينَهُ وَرَسُولَهُ يُنْصِرْكُمْ عَلَى عَدُوِّكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿١٧﴾ يُثَبِّتُكُمْ فِى الْمَعْرَكِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ مُبْتَدَاءَ خَبْرَهُ تَعَسَوْا يَدُلُّ عَلَيْهِ فَتَعَسَا لَهُمْ أَى هَلَاكًا وَخَبِيئَةً مِنَ اللَّهِ وَآ ضَلَّ أَعْمَالُهُمْ ﴿١٨﴾ عَطَفَ عَلَى تَعَسَوْا ذَلِكَ أَى التَّعَسُّ وَالْإِضْلالُ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْقُرْآنِ الْمُسْتَمِلِ عَلَى التَّكْلِيفِ فَآ حَبَطَ أَعْمَالُهُمْ ﴿١٩﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِى الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَهْلَكَ أَنْفُسَهُمْ وَأَوْلَادَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿٢٠﴾ أَمْثَالُ عَاقِبَةٍ مِنْ قَبْلِهِمْ ذَلِكَ أَى نَصَرُوا الْمُؤْمِنِينَ وَفَهَرُ الْكَافِرِينَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ وَاللَّهُ مَوْلَى الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ﴿٢١﴾

ترجمہ: سورہ القتال مدنیہ ہے، جز آیت و کابین من قریہ کے یا یہ سورت مکہ ہے۔ اس میں ۳۸ یا ۳۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (مکہ مکہ) جو لوگ کافر ہوئے (اوروں کو) اللہ کے رستہ (ایمان) سے روکا خدا نے ضائع (کافر) کر دیئے ان کے اعمال (مثلاً کھانا کھانا، صلہ رحمی کرنا۔ لہذا ان کاموں کا ثواب) انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ بلکہ اللہ اپنی مہربانی سے دنیا میں اس کو چکا دیتا ہے اور جو لوگ انصار و غیرہ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اس سارے (قرآن) پر جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار کے پاس سے امر و نہی ہے اللہ اتار دے گا (معاف کر دے گا) ان کے گناہ اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ (لہذا وہ ان کی نافرمانی نہیں کریں گے) یہ (نیک کاموں کو ناکارہ اور برے کاموں کا کفارہ کرنا) اس لئے ہے۔ (بوجہ اس کے) کافر تو غلط (شیطان) کے راستے پر چلے اور ایمان دار صحیح رستہ (قرآن پر) چلے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اسی طرح (جیسے یہ بیان ہوا) اللہ لوگوں کے لئے ان کے حالات میان فرماتا ہے (ان کے احوال کھول دیتا ہے۔ چنانچہ کافر کا عمل ضبط اور مومن کے خطا قصور معاف) سو کفار سے جب تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑا ڈالو (ضرب مفعول مطلق ہے مگر لفظوں میں فعل کا بدل ہے اسی فاضر ہوا راقبہم یعنی کافروں کو قتل کر ڈالو لیکن گردن مارنے سے اس کو تعبیر کر دیا کیونکہ قتل میں عموماً گردن ہی اڑائی جاتی ہے) یہاں تک کہ جب تم ان کی کی خوب خون ریزی کر چکو (بکثرت قتل کر دو) تو باندھ ڈالو (قتل روک دو) ان کو گرفتار کر کے جنگی قیدی بنالو، مضبوط باندھ رکھو (بیڑی وغیرہ جس سے قیدی باندھے جاتے ہیں) پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا مصدر ہے مگر لحاظ لفظ فعل کا بدل ہے۔ اسی تمنون منا یعنی مفت چھوڑ کر ان پر احسان کر ڈالو۔ اور یا معاوضہ لے کر چھوڑنا (یعنی ان سے مالی فدیہ کے بدلے یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا) جب تک لڑائی والے اپنے (تھکے نہ رکھ دیں تھکے نہ رکھ دیں) کفار مسلمان ہو جائیں یا ذمی ہو جائیں۔ یہ قتل اور قید کرنے کی غایت ہے یہ (خبر ہے مبتدا محذوف کی تقدیر عبارت اس طرح ہے الامر فیہم ما ذکر حکم بجالا نا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا) بغیر قتل ہی (لیکن) تمہیں قتل کا حکم دیا ہے) تاکہ ایک دوسرے کا امتحان لے سکواں کو قتل کر کے (جو تم میں شہید ہو جائے تو جنتی، ان کا کوئی مارا جائے تو دوزخی) اور جو لوگ مارے جاتے ہیں (ایک قراءت میں قاتلوا ہے۔ یہ آیت جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب کہ مسلمان شہید و زخمی بکثرت ہو رہے تھے)۔ اللہ کی راہ میں ان کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی فرمائے گا (دنیا و آخرت میں نفع بخش مطلوب تک) اور ان کی حالت درست رکھے گا (دونوں جہان میں اور صرف دنیا میں بہتر کرے گا۔ جو شہید نہیں ہوا اور تعلیمات قتلوا میں شمار کیا

کیا ہے) اور انہیں جنت میں داخل کرا دے گا جس کی ان کو پہچان کر دے گا چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور نوکروں کے پاس بغیر کسی رہنمائی کے از خود پہنچ جائیں گے) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین اور رسول ﷺ) کی مدد کرو گے تو وہ (دشمن کے مقابلہ) میں تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا (معرکوں میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا) اور جو لوگ کافر ہیں (مکدوالوں میں یہ مبتداء ہے خبر تمہو ہے جس پر اگلا لفظ رہنمائی کر رہا ہے) ان کے لئے تباہی ہے یعنی خدائی ہلاکت و بربادی اور اللہ ان کے کاموں کو مٹا دے گا (اس کا عطف تقصیر پر ہو رہا ہے) یہ (ہلاکت اور اعمال کی بربادی) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کے مارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (یعنی قرآن کو جس میں شرعی احکام ہیں) سو اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو کر رہے ہیں ان کا انجام کیا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی ان کو ان کی اولاد کو برباد کر ڈالا اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں (جیسے ان سے پہلوں کا انجام ہوا) یہ (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کی تباہی) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کار ساز (ولی، مددگار) ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔

تحقیق و ترکیب: سورۃ القتال - سورہ محمد اور سورہ الذین کفرو ابھی اس کے نام ہیں۔

مدنیہ - ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پوری سورت مدنی ہے۔ مگر آیت و کاین من قریۃ الخ مکہ ہے۔ حجۃ الوداع کے بعد جب آنحضرت ﷺ مکہ سے روتے ہوئے رخصت ہو رہے تھے تو گویا محل نزول حوالی مکہ تھا۔ اگر واقعہ ہجرت کے بعد ہوا لیکن اگر کی اور مدنی ہونے کی تقسیم کا معیار ہجرت کو قرار دیا جائے جیسا کہ مشہور ہے تو پھر آیت بھی مدنیہ ٹھہرتی ہے۔

و صدوا: اسلام میں داخل ہونے سے رکنے کے معنی ہیں تو پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ لیکن جو ہرئی روکنے کے معنی لیتے ہیں۔ جیسا کہ مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

اضل - یہ ضلال سے نہیں ہے جو ہدایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ ضل غنی سے ہے ضائع ہونا۔
الذین امنوا: تصدیق قلبی مراد ہے اور عملو الصالحات عطف مغائرہ پر دلالت کر رہا ہے چنانچہ اشاعرہ کے نزدیک یہی مختار ہے کہ حقیقت ایمان کی بجائے کمال ایمان میں اعمال کو داخل کیا جائے۔

الذین امنوا: عطف خاص علی العام۔ ہے تعظیم اور اہمیت کے لئے ایسا کیا گیا ہے کہ ایمان اتباع حق کے بغیر نہیں ہوتا۔
امثالہم: عام لوگوں کی طرف یا مومن و کافر فریقین کی طرف ضمیر راجع ہے۔

فاذا لقیتم: اس ظرف اور ضرب الرقاب دونوں میں عامل فعل مقدر ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ فاضربوا الرقاب وقت ملاقاتکم العدو۔ لیکن البقاء مصدر کو بنفسہ عامل نہیں مانتے کیونکہ وہ تو صرف تاکید کے لئے ہوتا ہے اور مصدر نائب فعل میں بھی یہی اختلاف ہے۔ مثلاً ضربا زیداً میں عمل کی نسبت مصدر کی طرف کیجائے یا عامل کی طرف۔ چنانچہ فاضرب الرقاب کی اصل فاضربوا الرقاب ضرباً تھی فعل حذف کر کے مصدر مقدم کر دیا اور مفعول کی طرف اس کو مضاف کر کے عمل میں قائم مقام فعل کے مان لیا ہے۔

انغصموا: انخان کہتے ہیں سیال چیز کا جمود کے قریب ہو جانا۔ پس انخان عدد کے معنی خوزیزی کی اتنی کثرت کہ خون نکل کر جم جائے۔ اور قاموں میں ہے ٹخن بر وزن کرم ہے بمعنی غلظ و صلب انخن فی العدو بمعنی بالغ الجرحۃ۔

فشلوا الوثاق: مضبوط باندھنا کہ قیدی کھل کر بھاگ نہ جائے۔ وثاق، رسی، زنجیر بیڑی بندھن کو کہتے ہیں۔ بظاہر وثاق ذہاب کی طرح مصدر ہے۔ لیکن فعال کا مصدر مشہور یہ ہے کہ اسم آلہ کیلئے ہوتا ہے جیسے رکاب، امام۔

فاما منا بعلو ما فدا: ان دونوں جملوں میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ دونوں مصدر منصوب ہیں فعل واجب الحذف کی وجہ

ہے۔ کیونکہ مصدر جب کسی جملہ کے بعد میں تفصیل کے لئے لایا جائے گا تو فعل مضمر کی وجہ سے اس کو منصوب ماننا واجب ہوگا۔ یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ فاما ان تمنوا اواما ان تقادوا فداء۔ دوسری ترکیب ابوالبقاء کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں مفعول بہ ہیں عامل محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اولوہم منا و اقبلوا منهم فداء۔ اس نحوی اختلاف کے بعد فقہی اختلاف بھی پیش نظر ہے۔

سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد، اٹخ کے نزدیک خلیفہ کو اختیار ہے چار باتوں کا کہ جنگی قیدیوں کو (۱) خواہ وہ قتل کر دے (۲) یا مفت احسان کر کے رہا کر دے۔ (۳) یا فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ (۴) یا غلام بنا کر رکھ لے۔ چنانچہ ابن عمر، ابن عباس، حسن، محمد ابن سیرین سے یہی منقول ہے لیکن امام اعظم اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ آیت برأت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ سورہ براءۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اسلئے خلیفہ وقت جنگی قیدیوں کو قتل کر دے یا غلام بنا لے۔ چنانچہ قتادہ، مجاہد، عطاء اور سعدی سے بلا۔ ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے اور بعض کے نزدیک من سے مراد یہ ہے کہ ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں جزیہ منظور کر لینے کا موقع دیا جائے۔ اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ قیدیوں کا قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے۔ امام محمد و ابی نے امام اعظم کا مذہب اور صاحبین کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ ان کے نزدیک مالی اور غیر مالی فدیہ جائز نہیں ہے۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ سورہ برأت کی آیت غیر اساری سے متعلق ہے۔ کیونکہ ان کو قیدی یا غلام بنا لینا جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قتل کا تعلق حتی طور پر اوروں سے ہے۔

حتی تضع الحرب: مفسر نے لہذا سے مجازی الاسناد کی طرف اور ”بان یسلم الکفار“ سے مجازی الظرف کا اشارہ کیا ہے اور کلام میں استعارہ تعبیہ ہے کہ آلات حرب رکھ دینے سے مراد ترک قتال لیا ہے۔

سیہدہم: دنیا میں اعمال صالحہ اور اخلاص کی توفیق ہو جانا اور آخرت میں مغفرت و رضوان کا ماننا مراد ہے چنانچہ اہل بدر کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔ اطلع اللہ علی اہل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو گناہوں کی چھوٹ مل گئی۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ تم نے میری محبت و اطاعت میں فتانیت حاصل کر لی تو ہماری جانب سے تمہاری مکمل حفاظت ہو گئی اب کوئی ناگوار و نامرضی حرکت نہیں ہوگی۔ اس طرح حاضیۃ مروضیۃ کا مقام حاصل ہو گیا۔

اور ”ما فی الدنیا“ سے مفسر ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں شبہ یہ ہے کہ ”الذین قتلوا“ کو شہادت کے بعد سیہدہم الخ کیسے کہا جا رہا ہے جواب یہ ہے کہ قتلوا سے مراد قاتلوا ہے دوسری قراءت کے قرینہ کی وجہ سے خواہ وہ شہید ہو جائیں یا غازی رہیں جو بالفعل شہید ہو جائیں گے۔ وہ سیہدہم فی الآخرة اور جو غازی ہوں گے وہ ہدایت اصلاح سے مستفید ہوں گے ”واذروا“ سے مراد غازی ہیں۔

عرفہا: یعنی جنت میں اجنبیت نہیں ہوگی بلکہ فطری شناخت اور شناسائی حاصل ہو جائے گی۔ بخاری مرفوع روایت ہے کہ جنتی ٹھکانہ کی شناخت دنیا کے رہائشی گھر سے زیادہ ہوگی۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ عرفہا بمعنی خوشبو سے ہے۔ یعنی خوشبوئیں اور خوشبودار کھانا عطا ہوگا اور قدمقد رمان کر یہ جملہ حالیہ ہو جائے گا۔ لیکن ابوالبقاء کے نزدیک جملہ مستانفہ ہے۔

یثبت اقدامکم: ثبات قدمی سے مراد ثبات ذات اور استقرار ہے۔

فتعسا: یہ فاجر محذوف کی ہے اور تعسا اس کا مفعول مطلق ہے۔ بہتر ہوتا اگر مفسر غلام فاک کے بعد خبر کو مقدر مان لینے۔

ذلک مبتداء ہے اور بعد میں خبر ہے یا یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ ای الامر ذلک۔

وان الکافرین لا مولیٰ لہم: یہ آیت دوسری آیت ثم ردوا الی اللہ مولہم الحق کے منافی نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنی مالک ہے۔

رابط: پچھلی سورت کے ختم پر فاسقین یعنی کفار کی برائی بیان ہوئی تھی اور اس سے پہلے بھی مومن جنات کی فضیلت کے ساتھ کفار کی

مذمت کا ذکر ہوا تھا۔ سورۃ قتال کے شروع میں بھی اسی تعریف اور مذمت کا بیان ہو رہا ہے۔

پھر آگے چل کر صلوا الخ میں کفار کی طرف سے فساد اور مملو الصالحات سے مسلمانوں کی اصلاح کا حال ہے۔ آگے فاذا لقیتم الخ سے بعض جہادی احکام متفرع فرمائے جا رہے ہیں جن کا منشاء مصلحین کے ذریعہ مفسدین کو دبانے ہے۔

اور ”فصرب الرقاب“ میں چونکہ کفار سے قتال کا حکم ہے۔ اس لئے ذلک سے اصل حکم کی تقریر اور لو نشاء سے اس کی حکمت اور ”والذین قتلوا“ میں مسلمانوں کی شہادت کی صورت میں بشارت اور ”ان تنصروا“ میں قتال کی ترغیب اور ”والذین کفروا“ میں کفار کی برائی اور وعید ہے۔

اور ذلک بانہم میں پھر اس مذہب اور وعید کی علت اور افلم یسیروا الخ میں اس وعید کا ممکن ہونا اور ذلک بان اللہ میں فریقین کے متعلقہ احکام کی علت ارشاد ہے۔

﴿تشریح﴾:..... مسلمانوں کی طرح کفار بھی جان و مال کی بازی لگاتے ہیں۔ مگر ایک اللہ کا دین پھیلنے میں اور دوسرا اس کو روکنے میں زور صرف کرتا ہے۔ اس مقصدی فرق کی رو سے نتائج و ثمرات میں فرق کا آنا لازمی ہے کفار جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں وہ مقبول نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ وہ اٹلے اثرات بھی دکھلا دیتے ہیں۔

اصل اعمالہم: یعنی پہلے زمانہ میں چونکہ ساری دنیا کا ایک ہی مذہب نہیں تھا۔ بلکہ وہاں مختلف اور متعدد تھیں۔ مگر سچا دین اسلام ہی ہے برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی۔ مگر سچا دین ماننے کی برکت و قبولیت یہ ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف۔ اور نہ ماننے کی سزا یہ ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم اصل اعمالہم مین نیکیوں کے انکارت ہونے کے لئے کفر کرنا اور دوسروں کو اسلام سے روکنا دونوں کا مجموعہ نہیں ہے صرف کفر کی وجہ سے عمل بیکار ہو جاتا ہے۔ پس یہ قید واقعی ہے جس میں کفار کی واقعی حالت کا اظہار ہے۔ نیز یہاں آیت من يعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ سے تعارض کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ آیت سورۃ قتال میں بغیر ایمان اعمال کا ضائع ہونا مذکور ہے اور سورۃ زلزال کی آیت میں بحالت ایمان نیکی کا معتبر ہونا بتلایا گیا ہے۔ پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔ ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

کذلک یضرب اللہ: بھلے برے کاموں کے متعلق اللہ کھول کھول کر آگاہ کر دیتا ہے تاکہ حق و باطل میں نمایاں امتیاز ہو جائے اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔

حق و باطل کی آویزش:..... فاذا لقیتم حق باطل کی معرکہ آرائی ہو تو مسلمانوں کو خوب ڈٹ کر اس طرح مقابلہ کرنا چاہیے کہ مقابل کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے اور اسلام کی دھاک بیٹھ جائے اور کفر کا زور ٹوٹ جائے تو کافروں کو گرفتار کر لینا بھی کافی ہو سکتا ہے بلکہ ممکن ہے اس قید و بند سے وہ کچھ عبرت پکڑ لیں یا مسلمانوں کے پاس رہے سہے سے اپنی اور ان کی حالت کا موازنہ کرنے اور اسلامی تعلیمات کے سمجھنے کا موقع مل جائے تو ان کے خیالات و حالات بدل جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصلحت سمجھو تو بلا معاوضہ لئے ہی احسان کرتے ہوئے ان کو مفت چھوڑ دو اس طرح وہ تلوار کی بجائے احسان سے گھائل ہو جائیں گے اور کیا عجب ہے کہ اسلامی اخلاق سے متاثر ہو کر حق قبول کر بیٹھیں بلکہ دوسروں کو قبول کرانے کا ذریعہ بن جائیں۔

تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان سے زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر کے کافر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان اسیران جنگ کی واپسی کی دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ کے ساتھ چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کر دینا، خلیفہ وقت جو مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ فتح القدر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات حنفیہ کے ہاں بھی موجود ہیں۔

اسیران جنگ کی رہائی:..... البتہ اسیران جنگ کی واپسی امام مناسب نہ سمجھے تو پھر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ذمی اور رعایا بنا کر رکھ لینا۔ (۲) غلام بنالینا۔ (۳) قتل کر دینا۔

پہلی دو صورتیں تو عام ہیں۔ البتہ تیسری سزا کسی سنگین جرم کی پاداش میں دی جائے معمولی طور پر نہیں۔ نیز عورتوں بچوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ آیت برأت بعد میں نازل ہوئی۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے پس اس کو اگر مانعۃ الخلو بھی مان لیا جائے تب بھی مضر نہیں کیونکہ منسوخ ہے البتہ جو ائمہ اس کو منسوخ نہیں مانتے وہ اس کو مانعۃ الجمع مانتے ہیں۔ تاہم اس آیت سے غلام بنانے کی نفی پر استدلال کرنا محض باطل ہے۔

جہاد کی حکمت عملی:..... حتی تضع الحرب۔ قید و بند، حرب و ضرب کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا کہ جنگ متوقف ہو جائے۔ یوں اللہ چاہتا تو عادی و شہود کی طرح آفات سماوی سے ان مخالفین کو مٹا سکتا تھا۔ مگر اسے بندوں کی طرح آزمائش منظور تھی کہ دیکھیں کون کون دین پر ثابت قدم رہ کر جان دیتا ہے اور کون ڈگمگا جاتا ہے۔ اسی طرح مخالف کیسوں میں کون معمولی سی تبدیلی و سرزنش سے راہ راست پر آ جاتا ہے اور کون اپنی قسمت کا لکھا پورا کرتا ہے اس لئے ان سے جہاد شروع کیا اور پہلی قوموں کی طرح ایک دم ان کا استیصال نہیں کرایا۔

والدین قتلوا: جان و مال چونکہ اللہ کی ملک ہیں اپنا کچھ نہیں ہے اس لئے جب وہ مانگیں بندہ اس کی امانت، خوشی اس کے حوالے کر دے۔ شہادت کی صورت میں بظاہر کامیابی معلوم نہیں ہوتی مگر فی الحقیقت وہی کامیابی ہے۔

ویدخلہم الجنة: انبیاء کے پیغامات اپنے وجدان میں طبعی کشش سے خود بخود جنتی اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے یا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ معنی ہیں کہ جنت میں خوشبوئیں بسادی جائیں گی۔

اللہ کی مدد مسلمانوں کے لئے ہے:..... یا ایہا الذین۔ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے پر یہ بھی منظور نہیں، چاہنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ تم دین اور پیغمبر کی مدد کرو۔ اللہ تمہارے قدم جمادے گا۔ ڈگمگائیں گے نہیں۔ اور اس کے برعکس کفار کو منہ کے بل گرادیا جاتا ہے اور ان کے کام برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ اللہ کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں تو اللہ بھی ان کے کام کیسے پسند کر سکتا ہے؟ اور جب اللہ ہی کو ناپسند ہو تو پھر کام کیسے بنے۔ اور حیط اعمال سے مراد یہاں یہ نہیں کہ پہلے اعمال صحیح تھے پھر کارت ہو گئے کیونکہ کافر کے اعمال تو شروع ہی سے معتبر نہیں ہوتے۔ کیونکہ کفر کا جواول درجہ کی بغاوت ہے یہی اثر ہونا چاہیے جو گناہوں کے اثر سے بڑھ کر ہے۔

افلم یسیروا: ذرا گھر سے باہر قدم نکال کر دنیا میں گھومیں اور دیکھیں کہ منکروں کی کیسی کیسی درگت بنی اور کیسا ان کا حلیہ بگڑا ہے۔ اب بھی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔ بعد دوائے کفار کے لئے امثالہا فرمانا اگر سزائیں بہت سی ہیں تب تو ظاہر ہے۔ لیکن اگر صرف ایک عذاب اور سزا ہو تو پھر جمع کے لفظ سے تعبیر کرنا بلحاظ محمل ہو کہ وہ متعدد ہیں اور سزائیں مثلیت کہنا بلحاظ جنس ہے نہ کہ باعتبار نوع کے۔ اور اللہ کے مولیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مؤمنین کا مددگار، رفیق ہے وقت پر ان کی مدد کرتا ہے لیکن کفار کا کون مددگار ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آ سکے۔

غزوہ احد میں جب پہاڑی درہ کے ایک مقام پر آنحضرت ﷺ اور خاص صحابہ گولاش کرتے ہوئے کفار نے نعرہ لگایا۔ اعلیٰ ہبل تو آپ نے جواب دیا اللہ اعلیٰ واجل۔ البوسفیان نے جب دوبارہ کہا۔ لنا عزی ولا عزی لکم تو آپ ﷺ نے فرمایا جواب دو۔ اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔

بظاہر دوسری آیت ثم ودوا الى الله مولهم الحق کے یہ آیت منافی معلوم ہوتی ہے مگر کہا جائے گا کہ پہلی آیت میں مولیٰ بمعنی مددگار اور دوسری آیت میں بمعنی مالک ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ فِي الدُّنْيَا وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ أَى لَيْسَ لَهُمْ هَمَّةٌ إِلَّا بَطُونُهُمْ وَفُرُوجُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى الْآخِرَةِ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ﴿۱۲۷﴾ مَنْزِلٌ وَمَقَامٌ وَمَصِيرٌ وَكَأَيِّنْ وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أُرِيدَ بِهَا أَهْلُهَا هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ مَكَّةَ أَى أَهْلُهَا الَّتِي أَخْرَجَتْكَ رُوِّعَى لَفْظُ قَرْيَةٍ أَهْلُكُنْهُمْ رُوِّعَى مَعْنَى قَرْيَةٍ الْأُولَى فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۲۸﴾ مَنْ أَهْلَكْنَا أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيْنَةٍ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ الْمُؤْمِنُونَ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَنًا وَهُمْ كُفَّارٌ مَكَّةَ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَ هُمْ ﴿۱۲۹﴾ فِي عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ أَى لَا مُمَاتِلَةَ بَيْنَهُمَا مَثَلُ أَى صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ الْمُشْتَرَكَةُ بَيْنَ دَاخِلِهَا مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ كَضَارِبٍ وَحَذِرَ أَى غَيْرِ مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَاءِ الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِضٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرِ طَعْمُهُ بِخِلَافِ لَبَنِ الدُّنْيَا لِخُرُوجِهَا مِنَ الضَّرْوَعِ، وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٌ لِلَّذِينَ لِلشَّرْبِ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا كَرِبَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنْيَا فَإِنَّهُ لَخُرُوجُهُ مِنْ بَطُونِ النَّحْلِ يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ وَغَيْرُهُ وَلَهُمْ فِيهَا أَصْنَافٌ مِنْ كُلِّ الشَّمَرِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُمْ مَعَ إِحْسَانِهِ إِلَيْهِمْ بِمَا ذَكَرَ بِخِلَافِ سَيِّدِ الْعَبِيدِ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّهُ قَدْ يَكُونُ مَعَ إِحْسَانِهِ إِلَيْهِمْ سَا حِطًّا عَلَيْهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ خَبَرٌ مُبْتَدَأُ مُقَدَّرٍ أَى آمَنَ هُوَ مِنْ هَذَا النَّعِيمِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا أَى شَدِيدَ الْحَرَارَةِ فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿۱۳۰﴾ أَى مَصَارِيَهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْ أَذْيَارِهِمْ وَهُوَ جَمْعٌ مَعَ بَا لِقَصْرِ وَالْفَاءُ عَوَضٌ عَنْ يَاءٍ لِقَوْلِهِمْ مَيَّانَ وَمِنْهُمْ أَى الْكُفَّارِ مَنْ يُسْتَمْعِ الْيَلْكَ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ لَعَلَّمَاءُ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ اسْتَهْزَأَ وَسُخَّرِيَّةٌ مَا ذَا قَالِ انْفِاقًا بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ أَى لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ بِالنَّخْرِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَ هُمْ ﴿۱۳۱﴾ فِي الْإِنْفَاقِ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ رَاذَهُمُ اللَّهُ هُدًى وَاتَّبَعُوا نَفْسَهُمْ ﴿۱۳۲﴾ أَلَهُمْهُمْ مَا يَتَّقُونَ بِهِ النَّارَ فَهَلْ يَنْظُرُونَ مَا يَنْتَظِرُونَ أَى كُفَّارٌ مَكَّةَ إِلَّا السَّاعَةُ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَلَدٌ اِسْتِمَالٍ مِنَ السَّاعَةِ أَى لَيْسَ إِلَّا مَرَّ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَجْئَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرًا طُهَاً عَلَامَاتُهَا مِنْهَا بَغْتٌ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنْشِقَاقُ الْقَمَرِ وَالذُّخَانُ فَإِنِّي لَهُمْ إِذَا جَاءَ تَهُمُ السَّاعَةُ ذِكْرُهُمْ ﴿۱۳۳﴾ تَذَكُّرُهُمْ أَى لَا تَنْفَعُهُمْ فَأَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَى دَمٌ يَا مُحَمَّدُ عَلَى عِلْمِكَ بِذَلِكَ النَّافِعِ فِي الْقِيَامَةِ وَاسْتَغْفِرُ لِدُنْيِكَ لِجَلِيلِهِ

قِيلَ لَهُ ذَلِكَ مَعَ عِصْمَتِهِ لَتَسْتَغْفِرَ بِهِ أُمَّتَهُ وَقَدْ فَعَلَهُ ﷺ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ فِيهِ إِكْرَامٌ لَهُمْ بِأَمْرِ نَبِيِّهِمْ بِالْإِسْتِغْفَارِ لَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ مِنْصَرَفَكُمْ لَا شِغَالَكُمْ بِالنَّهَارِ
وَمَثُوبَكُمْ ۝۹۱ مَا وَكَّم إِلَى مَضَاجِعِكُمْ بِاللَّيْلِ أَى هُوَ عَالِمٌ بِجَمِيعِ أَحْوَالِكُمْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا
فَاَحْذَرُوهُ وَالْخِطَابُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِهِمْ -

ترجمہ:..... بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جسکے نیچے سے
نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں (دنیا میں) اور اس طرح جس طرح چوپائے کھایا کرتے ہیں (یعنی ان کی اصل
بس پیٹ اور شرماگاہ تک ہوتی ہے اور آخرت کا انہیں دھیان بھی نہیں گزرتا) اور دوزخ ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے (گھر، قیام گاہ، پناہ گاہ سب
کچھ وہی اور بہت سے بستیاں ایسی تھیں کہ (جہاں کے رہنے والے) آپ کی بستی (مکہ کے رہنے والوں) سے طاقت میں بڑھے ہوئے
تھے جس کے رہنے والوں نے (الٹی کہنے میں قریہ کی لفظی رعایت کی گئی ہے) آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا (ضمیر
جمع لانے میں قریہ کی معنوی رعایت حاصل کر لی گئی) سوان کا کوئی مددگار نہ ہوا (ہماری تباہی سے بچانے کے لئے) تو جو لوگ کھلے راستہ
جنت و دلیل (پراپے پروردگار کے ہوں) (یعنی مومن) کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بد عملی ان کو بھی معلوم ہوتی ہے (اور وہ اس
کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی کفار مکہ) اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں (بت پرستی کے سلسلہ میں یعنی ان دونوں میں کوئی جو نہیں) جس جنت کا
مستقیقوں سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو سب داخل ہونے والوں کے لئے ہے مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی
کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا (مد اور قصر الف کے ساتھ بروزن ضارب اور حذر یعنی ہمیشہ یکساں رہتا ہے برخلاف دنیا کے پانی کے وہ کسی
بھی عارض سے بدل جاتا ہے) نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہوگا (برخلاف دنیاوی دودھ کے تھنوں سے نکل جانے کی وجہ سے
بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی (برخلاف شراب دنیا کے وہ پینے میں بد ذائقہ ہوتی ہے
) اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا (برخلاف دنیا کے شہد کے کیونکہ وہ مکھیوں کے پیٹ سے نکلتا ہے جس میں موم کی آمیزش
ہوتی ہے) اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی (اللہ ان سے خوش بھی ہوگا) ان چیزوں کے
احسان کے باوجود برخلاف دنیوی آقاؤں کے وہ غلاموں پر احسان کے ساتھ ناراض بھی ہوتے رہتے ہیں (کیا یہ لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں
جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (یہ خبر ہے مبتداء) مخذوف کی عبارت اس طرح ہے۔ امن ہو فی هذا النعيم) اور کھولنا ہوا (نہایت گرم)
پانی ان کو دیا جائے گا۔ سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا (یعنی ان کی انتڑیاں ٹکڑے ہو جائیں گی اور پانخانہ کے راستہ نکل پڑیں
گی۔ لفظ امعاء کی جمع ہے جو قصر الف کے ساتھ ہے اور یہ الف یا سے تبدیل ہوا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا قول ہے معیان) اور ان کفار میں
سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (جمعہ کے خطبہ میں منافقین مراد ہیں) یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس
سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں (علماء صحابہ سے جیسے ابن مسعود، ابن عباس، مذاق اور دنگی کے طور پر) کہ حضرت نے ابھی
کیا بات فرمائی تھی (لفظ انفاد اور قصر الف کے ساتھ ہے یعنی اپنی نفسانی خواہشات پر (نفاق کرتے ہوئے) چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں)
یعنی مومنین) اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے (سو یہ لوگ (کفار مکہ) بس قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ ان پر آ پڑے) ان تاتہیم الساعۃ سے بدل
اشتمال ہے۔ عبارت اس طرح تھی۔ لیس الامور الا ان تاتہیم) اچانک (ایک دم) سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں (علامات قیامت
جیسے آنحضرت ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری، شق قمر کا معجزہ، ایک خاص دھواں) سو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اس وقت ان

کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (نفع نہ دے گا یعنی اس وقت ایمان کا رآمد نہیں ہوگا) تو آپ یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (یعنی آپ اپنے اسی عقیدہ پر جبرہ رہئے۔ یہی قیامت میں کام آئے گا) اور اپنی خطا قصور کی معافی مانگتے رہیے (باوجود آپ کے معصوم و بے قصور ہونے کے یہ فرمانا اس لئے ہے کہ آپ کی امت اس پر کاربند رہے چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی قیل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں) اور سب مسلمان مردوں، عورتوں کے لئے بھی (اہل میں امتیوں کا اعزاز ہے کہ پیغمبر کو ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ملا ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے (دن میں کام کاج کے لئے) اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے (رات کے ٹھکانہ کی حاصل یہ ہے کہ وہ تمہارے کل حالات سے واقف ہے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہذا اسے ڈرتے رہو اور یہ خطاب سب کے لئے ہے مومن ہوں یا دوسرے)۔

تحقیق و ترکیب:..... من قریة محل ذکر کر کے مجازاً حالی مراد ہے اور یا مجاز مقدر مانا جائے۔ یہی توجیہ اگلے جملہ من قریتک الخ میں تقدیر مضاف کی ہوگی۔

وعد المتقون۔ مثل الجنة میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ بقول نصر بن شعیل ما تسمعون مقدر ہے اور فیہا انہار اس کی تفسیر ہے۔ لیکن بقول سیویہ فیما یتلی علیکم ہے اور فیہا انہار حسب سابق تفسیر ہے۔

۲۔ لفظ مثل زائد ہے عبارت صرف الجنة التی وعد المتقون فیہا انہار ہے۔

۳۔ مثل الجنة مبتداء ہے اور فیہا انہار خبر ہے اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ جملہ میں کوئی عائد نہیں جو مبتداء سے خبر کو وابستہ کرے صرف ضمیر کافی نہیں ہوا کرتی۔

۴۔ مثل الجنة مبتداء ہے کمن ہو خالد فی النار خبر ہے جو آگے آرہی ہے۔ اس میں ابن عطیہ تو ہمزہ انکار اور مضاف مقدر مان کر عبادت اس طرح تجویز کرتے ہیں۔ امثل اهل الجنة کمن ہو خالد اور زحشری کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ کمثل جزاء من ہو خالد اس کے بعد جملہ فیہا انہار میں بھی تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ یہ حال ہے الجنة کا مستقر فیہا انہار۔

۲۔ خبر ہے مبتداء مضر کی ای فیہا انہار گویا سوال مقدر کا جواب ہے۔

۳۔ یہ جملہ صلہ کے حکم میں ہے، اس لئے گویا صلہ مکرر ہے۔ چنانچہ التی فیہا انہار کہا بھی صحیح ہے۔ البتہ اس جملہ میں ہمزہ انکار نہیں ہے۔

اسن۔ اسن الماء کے معنی پانی بدل گیا۔ ابن کثیر کی قراءت میں قصر الف ہے جیسے ضارب اور حذر اور اکثر قراء کے نزدیک مد کے ساتھ ہے۔ لذۃ۔ یہ مؤنث ہے لذۃ بمعنی لذیذ کا اس صورت میں بقول کرخی گسی اور تاویل کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر لذ مصدر ہو تو پھر اس میں وہی تاویلات کرنی ہوں گی جو مصدر بنانے میں کی جاتی ہیں۔

مغفرة۔ شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ مغفرت تو جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور آیت سے جنت میں داخل ہونے کے بعد معلوم ہو رہی ہے۔ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مغفرت سے مراد خوشنودی اور رضا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ جنت میں داخل ہو کر ظاہر ہوگی کہ کسی چیز پر روک ٹوک اور حساب کتاب نہیں ہوگا۔ حالانکہ دنیا میں ہر چیز پر حساب کتاب تھا۔

کمن ہو خالد۔ یہ خبر ہے اور مبتداء محذوف امن ہو فی هذا النعیم جس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ اور ستقوا معطوف ہے ہو خالد پر دونوں میں فرق جملہ فعلیہ اسبہ کا ہے معطوف میں معنی کی رعایت ہے اور معطوف علیہ میں لفظ کی رعایت ہے۔

امعاء۔ جمع معی کی ہے جس کی تشبیہ معیان ہے جس سے یا کا اصلی ہونا معلوم ہوتا ہے جمع میں یا کو الف سے تبدیل کر دیا۔
من یستمع۔ چونکہ خطبہ الجمعہ مدینہ میں شروع ہوا اس لئے یہ آیت مدنی ہے۔

انفا۔ مفسر نے ای السامۃ سے اس کے منصوب علی النظر فیہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ بقول زخشری الف بمعنی تقدم ہے۔ آنفا کے معنی السامۃ زمانہ حال کے ہیں جو مستقبل سے مقدم ہوتا ہے اور بقول شافعی یہ استیناف سے ماخوذ ہے بمعنی وقت موقف طرف ہے کہا جاتا ہے استفتات الامر ای ابتدائہ۔ آنفا اسم فاعل غیر قیاسی ہے یا زوائد سے تجرید کر لی گئی ہے۔ کیونکہ اس کا فعل ثلاثی سننے میں نہیں آیا لیکن ابن حبان کی رائے ہے کہ کسی نحوی نے اس کو ظرف نہیں کہا ہے اس لئے منصوب علی الحال ہے۔

لا یوجع الیہ۔ یعنی منافقین آپس میں ہی ایک دوسرے سے دریافت کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے رجوع نہیں کرتے تھے برخلاف مخلص صحابہؓ کے، کوئی بات اگر ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپ سے رجوع کر لیتے۔

اشراطہا۔ علامات قیامت دو طرح کی ہیں۔ صغریٰ یعنی علامات قریبہ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور شق قمر وغیرہ اور علامات کبریٰ یعنی بعیدہ علامات قیامت جو نصوص میں مذکور ہیں ان میں باہمی ترتیب کہ کون مقدم ہے اور کون موخر بے حد مشکل ہے۔

دخان سے مراد اگر بھوک اور قحط سالی ہے تو وہ قریش پر آنحضرت ﷺ کے زمانہ قیام مدینہ میں ہو چکی ہے اور خالص دخان قرب قیامت مراد ہے تو وہ ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔

فانی لہم۔ یہ خبر مقدم ہے ذکر اہم مبتداء موخر ہے اور اذا جاء تہم جملہ معترضہ ہے جس کا جواب محذوف ہے۔ ای کیف لہم التذکر اذا جاء تہم الساعۃ فکیف یتذکرون۔

فاعلم۔ یہ پچھلے بیان پر مرتب ہے۔ ای اذا علمت انه لا ینفع التذکر اذا حضرت الساعۃ قدم علی ما انت من العلم بالوحدانیۃ۔ علم کے تین درجے ہیں ایک علم بالدلیل جس کو علم یقینی کہتے ہیں اور تو حید میں یہی علم مطلوب ہے تاکہ تقلیدی ایمان کے ساتھ تحقیقی ایمان بھی حاصل ہو سکے۔

دوسرا درجہ علم کا مراقبہ ہے حق تعالیٰ کا یہ مرتبہ عین الیقین کہلاتا ہے۔

تیسرا درجہ مشاہدہ ہے جو حق الیقین کہلاتا ہے۔

واستغفر۔ انسانی طبیعت اور بشری تقاضہ سے بعض دفعہ انبیاء سے جو ذہول نسیان، بغرض و کوتاہی ہو جاتی ہے وہ مراد ہے کہ ان سے بھی استغفار کیجئے۔

جن کے رتبے ہیں سوالن کو سوا مشکل ہے

ان تمام آیات میں فاعل جملوں کے اتصال کے لئے ہے۔

رابط آیات..... پچھلی آیات میں مومنین کی کامیابی اور کفار کی ناکامی آخرت کا اجمالی بیان ہوا تھا۔ آیت ان الذین سے اس کی تفصیل ہے اور کمن ہو خالذین اس تفصیل کی تکمیل ہے اور درمیان میں کفار کے مزے اڑانے کو ذکر فرما کر یہ تاثر دینا کہ کفار اس پر نہ اترائیں اور آپ دھوکہ میں نہ پڑیں اس کے بعد کفار و مومنین کے احوال و اعمال اور وعدہ و وعید کا بیان ہے۔

پھر آیت و منهم من یستمع سے منافقین کی کیفیت، مذمت، وعید کا ذکر اور درمیان میں بطور مقابلہ مخلصین کی مدح و ثناء ہے۔

شان نزول و روایات..... ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے غار ثور تک پہنچے تو مکہ معظمہ

کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ انت احب بلاد الله الى الله و انت احب بلاد الله الى ولو ان اهلك اخر جونی منک لم اخرج عنک فاعنی الاعداء من عنا علی الله فی حرمه او قتل غیر قاتله او قتل بد خول الجاهلیة اس پر آیت و کابین من قریة نازل ہوئی۔

در منثور میں ابن جریر سے نقل ہے کہ مومن و منافق دونوں آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک رہتے۔ مخلصین تو پورے انہماک اور توجہ سے آپ کا وعظ سنتے لیکن منافقین بے دلی سے شریک مجلس رہتے اور مجلس سے باہر نکل کر بطور ہنسی مذاق پوچھتے کہ ابھی حضرت نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ اس پر آیت و منہم من یستمع نازل ہوئی۔ مکرہ مرماتے ہیں بعض اہل کتاب آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے تو نبی خاتم کی آمد کے منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہو گئی تو وہ اسلام لے آئے اس پر آیت والذین اہتدوا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾..... والذین کفروا۔ یعنی کافر چوپاؤں کی طرح اناپ سناپ کھاتے چلے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کافرسات آنت سے کھاتا ہے اور مومن ایک سے لیکن نہیں دیکھتے کہ کل یہ کھایا کیا کس طرح نکلے گا۔ یہاں خوب مزے اڑالیں۔ پھر وہاں آگ کا گھران کے لئے تیار ہے۔

و کابین من قریة۔ مکہ سے ہجرت و رخصت کے وقت آنحضرت ﷺ آبدیدہ ہو کر فرما رہے تھے کہ بخدا تمام شہروں سے مکہ اللہ تعالیٰ اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی یا نکالنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔ اسی سلسلہ میں ارشاد باری ہے کہ ہم نے تو مکہ والوں سے کہیں زیادہ طاقت ور، زور آور قوموں کو نافرمانیوں پر تباہ کر ڈالا پھر یہ ہیں کس ہوا میں ان کی مدد کو کوئی نہ کیا تو ان کی مدد کو کون آئیگا۔

نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں..... افمن کان علی ینبنة۔ یعنی ایک شخص تو وہ ہے جو نہایت اطمینان اور پوری بصیرت و یقین کے ساتھ صداقت و سچائی کے صاف شفاف اور کشادہ راستے پر بے کھٹکے دندناتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک وہ اندھا ہے جو اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اسے سیاہ سفید، اچھائی برائی، کی تمیز بھی نہیں۔ بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے ایسا اندھا بن رہا ہے کہ اچھائی کو برائی، برائی کو اچھائی سمجھ رہا ہے بھلا بتلاؤ تو کیا نتیجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں اگر ایسا ہے تو اللہ کی عدالت و حکمت پر دھبہ ہے جو ممکن نہیں۔

جنت کی نہریں:..... مثل الجنة یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہے۔

۱۔ پانی جو جزو زندگی اور ناگزیر ہے۔

۲۔ دودھ نہایت لطیف غذا ہے۔

۳۔ اور شہد مٹھائی دوائی دونوں ہے۔

۴۔ اور شراب سرور و نشاط کے لئے ہے۔

جنت اور دنیا کی نعمتوں میں صرف نام کا اشتراک ہو گا حقیقت و کیفیت بالکل الگ، ایک کو دوسرے پر کسی طرح بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دنیا اور دنیا کی ہر چیز خیر و شر سے مرکب ہے جنت اور اس کی اشیاء خیر محض ہوں گی ان میں شر و کدورت کا کیا سوال۔ پانی ہے کہ شہد سے زیادہ شیریں، دودھ سے زیادہ مفید اور نہایت ٹھنڈا۔ کسی چیز میں لذت و مزہ بدل جانے کا سوال ہی نہیں۔ دنیا میں اگر ایسے تھمرس ہو سکتے ہیں کہ اڑتا لیس گھنٹے اشیاء بحال محفوظ رہیں تو جنت کو ایسی تھمرس کیوں نہ مان لیا جائے کہ تمام جنتی اور وہاں کی تمام اشیاء تجسسہ و بغینہ محفوظ رہیں لا فیہا غول میں خیر مقدم کر کے شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہو۔

مشروبات کے بعد و لھم فیہا من کل الثمرات میں جنتی ماکولات کا ذکر ہے اور چونکہ ان سب الفاظ کے حقیقی معانی مراد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مجاز لینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان چیزوں کا دنیا چیزوں کے مماثل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور مغفرت و خوشنودی سے نواز کر پوپے طور پر مگن کر دیا جائے گا۔ نہ پچھلی خطاؤں کے خیال سے ملال رہے گا اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت کا کھٹکا۔ اللھم ارضقنا ہا لفضلک۔

دوزخیوں کا حال:..... اس کے بعد تقابلی نقطہ نظر سے کمن ہو خالد فی النار میں دوزخیوں کی بھی کچھ جھلک دکھلائی جا رہی ہے پانی انتہائی کھولتا ہوا ملے گا۔ ایسا کہ آنتیں کٹ کر باہر نکل پڑیں گی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

دوسری آیت میں اس کھولتے پانی کی نسبت یشوی الوجہ فرمایا گیا ہے۔ سودوںوں آیتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پینے سے پہلے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ چہرہ قریب لانے سے چہرہ گل جائے گا۔ لیکن پیاس کے مارے مجبور ہو کر جب پے گا تو اندر سے آنتیں گل جائیں گی۔

منافقین کا دو غلاپن:..... مومن کافر کے احوال کے بعد آیت و منهم من یستمع منافقین کی کیفیت ارشاد فرمائی جا رہی ہے۔ بظاہر یہ لوگ آپ کی بات سننے کے لئے کان لگاتے ہیں مگر دل دوسری طرف ہوتا ہے نہ پوری بات سنتے ہیں اور نہ سمجھ کر یاد رکھتے ہیں مجلس ختم ہونے پر باہر نکل کر پوچھتے ہیں کہ ابھی حضور ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ گویا اس طرح دلچسپی دکھا کر سچی محبت کا اظہار ان کا منشاء تھا۔ اور ساتھ ہی اپنے خاص لوگوں کو یہ تاثر دینا ہوگا کہ ہم شریک مجلس تو ہوتے ہیں مگر غور سے سنتے نہیں ہیں۔ چنانچہ اللہ بھی ان کی ان حرکتوں کے نتیجہ میں ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ نیکی کی توفیق سلب ہو کر بدی کے لئے ڈھیل رہ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف سچائی کے راستہ پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان دن بدن ہدایت و بھلائی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی سوجھ بوجھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

علامات قیامت:..... فہل ینظرون۔ یعنی حکمت و نصیحت، ہدایت و موعظت سب سن چکے ہو۔ پچھلے تاریخی واقعات اور قرآنی مثالیں اور وعد و وعید سب کچھ جان چکے ہو اب آخر انتظار کا ہے کہ ہے۔ کیوں نہیں حق کو مان لیتے۔ قیامت اور موت جب سر پر آجائے گی جب ہی مانو گے اس وقت ماننے سے کیا فائدہ جب کہ اس کا اعتبار ہی نہیں ہوگا۔ علامات شروع ہو چکی ہیں موقعہ اب بھی غنیمت ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ جن کے سب انبیاء منتظر تھے وہ خاتم الانبیاء آچکے ہیں۔ یعنی قیامت کی سب سے بڑی نشانی آگئی۔ کیونکہ تخلیق عالم کا مقصود حاصل ہو چکا۔ اب قیامت ہی آنی باقی ہے۔ اسی کو حدیث میں انا و الساعة کھاتین فرمایا گیا ہے۔ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی جتنی آگے پیچھے ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ اور قیامت کو سمجھو۔ یا شق القمر جو معجزہ ہونے کے علاوہ علامات قیامت بھی ہے۔ چنانچہ سورہ قمر میں اس کو قیامت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح جھوٹے مدعیان نبوت علامات قیامت ہیں اور ان سب علامات کا ظہور آپ کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔

اور علامات قیامت سے یہاں قمری علامات مراد نہیں۔ جیسے نزول مسیح یا خروج دجال یا طلوع آفتاب جانب مغرب کیونکہ آپ کے زمانہ کے لوگوں کے لئے دور ہونے کی وجہ سے ڈرانے میں موثر نہیں ہوں گی۔ بلکہ جو ان کے زمانہ سے قریب ہوں اگرچہ قیامت سے دور ہوں وہ موثر ہوں گی۔ اس لئے وہی مراد ہیں۔ غرضیکہ قیامت آجانے کے بعد جب کہ نہ ایمان معتبر ہوگا اور نہ توبہ قبول۔ تو پھر اس سے پہلے صحیح معرفت اور ایمان استغفار کی راہ اختیار کر لینی چاہیے۔ آیت فاعلم کی فائے یہ ربط ظاہر کر دیا۔

پیغمبر کا استغفار کرنا:..... اور یہ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا خاص طور پر مخاطب ہوں تو دوام توحید اور ترقی توحید مراد ہوگی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے معصوم ہونے کی وجہ سے اگرچہ عقیدہ توحید پر آپ کے برقرار نہ رہنے کا شبہ نہیں۔ لیکن آپ کا معصوم ہونا

آپ کو کوئی حکم دئے جانے کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس حکم کا مقصد کبھی تو نبی کو آگاہ کرنا ہوتا ہے اور اگر وہ حکم اس کو پہلے سے معلوم ہو تو پھر اہتمام کی غرض سے وہ حکم دوسروں کو سنانا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ متقلبکم و متواکم میں حج کی زمیریں اس کا قرینہ تھیں کہ اوروں کو سنانا مقصود ہے اور آپ کو خطاب کرنے سے یہ جتلا دینا ہے کہ جب معصوم سے کہا جا رہا ہے تو دوسرے کس قطار شمار میں ہیں۔ اس سے حکم کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور توجیہ تفریع کا حاصل یہ ہوگا کہ جب سننے والوں کو جزا سزا معلوم ہو گئے تو دین و ایمان پر انہیں قائم رہنا چاہئے اور زوال ایمان تو بجائے خود ایمان کو ناقص کرنے والے تمام گناہوں سے بھی بچنا چاہئے ورنہ بالفرض کبھی ہو جائیں تو فوری تو بنیاد و تدارک میں لگ جائیں اور سزا سے ڈرتے رہیں تاکہ اطاعت کی توفیق رہے۔

اور ہر ایک کا قصور چونکہ اس کی حسب حیثیت ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت اونچے لوگوں کے لئے کسی کام میں بہت اعلیٰ پہلو اور بہترین مقام کو چھوڑ کر کم مرتبہ پہلو اختیار کر لینا بھی کوتاہی شمار ہوتا ہے۔ مقرران بارگاہ کی پکڑ بات بات میں ہو جاتی ہے۔ اس لئے ”لذنبک“ میں کوئی اشکال نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔ جیسے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ انکار قریش کو دینی دعوت پیش کر رہے تھے کہ درمیان میں عبداللہ ابن کتبہ نے آکر ٹوک دیا اور خود کچھ پوچھنے لگے۔ آپ ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپ ﷺ جیسے بہ جبین ہوئے۔ جس کا ذکر سورہ بئیس کے شروع میں ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ایک طرف تو مسلمان کو محض ایک فرعی مسئلہ بتلانا تھا اور دوسری طرف ایک کافر کو اصل دین کی دعوت پیش کرنا تو انہیں نہیں جانتا کہ اہم عبادت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ذہن اسی اہمیت کی طرف گیا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے اصول کو فرغ پر مقدم کیا۔ مگر حق تعالیٰ کی نظر اس پر تھی کہ مسلمان پرانا خادم اور جاں نثار تھا۔ اس کو نفع ہوتا یقین تھا اور کافر کو نفع ہو جانا صرف وہی تھا اور یقین مقدم ہے وہم پر اس لئے ظاہر اقدارے عتاب آمیز آیتیں نازل ہو گئیں۔ یاد رکھئے جنگی قیدیوں کے سلسلہ میں فدیہ اور تاوان جنگ قبول کر کے قیدیوں کو رہا کر دینا اگرچہ گونا گوں مصالح اور فوائد پر مشتمل تھا۔ مگر انکو قتل کر دینے کی صورت میں جو کفر کا استیصال اور اسلام کا کھلا غلبہ تھا وہ رہ گیا اس لئے عتاب ہوا۔

غرض یہ کہ عبادت کے دونوں پہلو تھے مگر اہم عبادت وہی پہلو تھا جو چھوٹ گیا پس ایسی ہی باتوں میں استغفار کا حکم ہوا۔ اور سورہ فتح کی آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک الخ میں بھی گناہ سے مراد اسی قسم کی لغزشیں ہیں جن پر معافی کی بشارت دی گئی ہے اس لئے عصمت انبیاء محفوظ ہے جو قطعی ہے۔

متقلبکم و متواکم یعنی عدم سے عدم تک تمام تغیرات سے گزر کر آخر کار بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے۔ جو تمہارا اصلی ٹھکانہ ہے۔

لظائف سلوک..... فیہا الہدای الخ اشارہ نے پانی کو حیات روحانیہ کی اور دودھ کو علم حقانی کی اور شراب کو شوق و محبت کی اور شہد کو وصل و قرب کی صورت فرمایا ہے۔ اور ممکن ہے یہ ان احوال کی صورت مثالیہ ہوں۔

فاعلم انہ لا الہ الا اللہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشائخ کے لئے اپنے ساتھ اپنے پیروکاروں کے لئے بھی دعا کرنا منسلک ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا اَطْلَبُ لِلْجِهَادِ لَوْلَا اَنَّا نَزَلَتْ سُورَةٌ فِيهَا ذِكْرُ الْجِهَادِ فَاِذَا اُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ اَي لَمْ يَنْسَخْ مِنْهَا شَيْءٌ، وَذِكْرُ فِيهَا الْقِتَالُ اَي طَلَبُهُ رَاَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ اَي شَكٌّ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ يَنْظُرُونَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ خَوْفًا مِنْهُ وَكَوَاهِيَةً لَهُ اَي فَهُمْ يَخَافُونَ

مِنَ الْقِتَالِ وَيَكْرَهُوْنَهُ فَأُولَئِكَ لَهُمْ ﴿۲۰﴾ مُبْتَدَأٌ خَيْرٌ طَاعَةٌ وَ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ أَى حَسَنَ لَكَ فَإِذَا عَزَمَ
 الْأَمْرُ أَى فَرَضَ الْقِتَالُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ فِى الْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ﴿۲۱﴾ وَ جُمْلَةُ لَوْ جَوَابُ إِذَا
 فَهَلْ عَسَيْتُمْ بِكُسْرِ السِّينِ وَفَتْحِهَا وَفِيهِ التَّنْفَاتُ عَنِ الْغِيَّةِ إِلَى الْخِطَابِ أَى لَعَلَّكُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَعْرَضْتُمْ عَنِ
 الْإِيمَانِ أَنْ تَفْسِدُوا فِى الْأَرْضِ وَتَقْطَعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ أَى تَعَوَّدُوا إِلَى أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ الْبَغْيِ وَالْقَتْلِ
 أُولَئِكَ أَى الْمُفْسِدُونَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَاصْصَمَهُمْ عَنْ اسْتِمَاعِ الْحَقِّ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ عَنْ
 طَرِيقِ الْهِدَايَةِ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ فَيَعْرِفُونَ الْحَقَّ أَمْ بَلْ عَلَى قُلُوبٍ لَهُمْ أَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ فَلَا يَفْهَمُونَهُ إِنْ
 الَّذِينَ ارْتَدُّوا بِالنِّفَاقِ عَلَى أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ زَيْنَ لَهُمْ وَأَمَلَى
 لَهُمْ ﴿۲۵﴾ بِضَمِّ أَوَّلِهِ وَفَتْحِهِ وَالْأَمِّ وَالْمُمْلَى الشَّيْطَانُ بِأَرَادَةِ تَعَالَى فَهُوَ الْمُضِلُّ لَهُمْ ذَلِكَ أَى إِضْلَالَهُمْ
 بَانْتَهُمُ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ أَى لِلْمُشْرِكِينَ سَنُطِيعُكُمْ فِى بَعْضِ الْأَمْرِ أَمْرُ الْمُعَاوَنَةِ عَلَى
 عَدَاوَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَشْيِيطِ النَّاسِ عَنِ الْجِهَادِ مَعَهُ قَالُوا ذَلِكَ سِرٌّ فَأَظْهَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَ اللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ
 ﴿۲۶﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ سِرٍّ وَبِكُسْرِهَا مَصْدَرٌ فَكَيْفَ حَالَهُمْ إِذَا تَوَقَّعَتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يُضْرِبُونَ حَالَ مَنْ
 الْمَلَائِكَةُ وَجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ظُهُورُهُمْ بِمَقَامِعٍ مِنْ حَدِيدٍ ذَلِكَ أَى التَّوَفَّى عَلَى الْحَالَةِ الْمَذْكُورَةِ
 ع بَانْتَهُمُ اتَّبَعُوا مَا اسْتَخَطَّ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ أَى الْعَمَلَ بِمَا يَرْضَاهُ فَاحْبِطْ أَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ أَمْ حَسِبَ
 الَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ يُظْهِرُ أَحْقَادَهُمْ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِينَ وَلَوْ
 نَشَاءُ لَا رَيْبَ لَهُمْ عَرَفْنَا كَهُمْ وَكُرِّرَتِ اللَّامُ فِى فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَتِهِمْ * عَلَامَتِهِمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمُ الْوَاوُ لِقَسَمِ
 مَحْلُوفٍ وَمَا بَعْدَ مَا جَوَابُهُ فِى لَحْنِ الْقَوْلِ * أَى مَعْنَاهُ إِذَا تَكَلَّمُوا عِنْدَكَ بِأَنْ يُعْرِضُوا بِمَا فِيهِ تَهْجِينُ أَمْرِ
 الْمُسْلِمِينَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ نَخْتَبِرَنَّكُمْ بِالْجِهَادِ وَغَيْرِهِ حَتَّى نَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُورِ
 الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ فِى الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ وَنَبْلُوَنَّكُمْ نَظْهَرَ أَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ مِنْ طَاعَتِكُمْ وَعَصِيَانِكُمْ
 فِى الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ بِالْبَاءِ وَالنُّونِ فِى الْأَفْعَالِ الثَّلَاثَةُ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَرِيقِ الْحَقِّ
 وَشَاقُّوا الرُّسُولَ خَالَفُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى هُوَ مَعْنَى سَبِيلِ اللَّهِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا
 وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يُبْطِلُهَا مِنْ صَدَقَةٍ وَنَحْوِهَا فَلَا يَرُونَ لَهَا فِى الْآخِرَةِ نَوَافًا نَزَلَتْ فِى الْمُطْعَمِينَ مِنْ
 أَصْحَابِ بَدْرٍ أَوْ فِى قَرِيبَةِ النَّضِيرِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرُّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا
 أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ بِالْمَعَاصِي مَثَلًا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَرِيقِهِ وَهُوَ الْهُدَى ثُمَّ مَا تَوَا

وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿۳۷﴾ نَزَلَتْ فِي أَصْحَابِ الْقَلْبِ فَلَا تَهِنُوا تُضَعِفُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ
بِفَتْحِ السِّينِ وَكَسْرِهَا أَى الصُّلْحِ مَعَ الْكُفَّارِ إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ وَانْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۖ حُذِفَ مِنْهُ وَأَوَّلَامُ الْقَعْلِ
الْأَعْلَوْنَ الْقَاهِرُونَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَلَنْ يَتْرُكَكُمْ يَنْقُصُكُمْ أَعْمَالُكُمْ ﴿۳۸﴾ أَى ثَوَابِهَا إِنَّمَا
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا أَى الْإِسْتِغَالُ فِيهَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا اللَّهَ وَذَلِكَ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ يَوْمَ تَكُونُ
أُجُورُكُمْ وَلَا يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ ﴿۳۹﴾ جَمِيعًا بَلِ الزَّكَاةُ الْمَفْرُوضَةُ فِيهَا إِنْ يَسْأَلُكُمْ مُوَاهَا فَيُخَفِّكُمْ
يُبَالِغُ فِي طَلِبِهَا تَبَخَّلُوا وَ يُخْرِجُ اضْغَا نَكُمْ ﴿۴۰﴾ لِدِينِ الْإِسْلَامِ هَا نْتُمْ يَاهُو لَاءِ تَدْعُونَ لِسُفْقُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ مَا فَرَضَ عَلَيْكُمْ فَمِنْكُمْ مَنْ يَخْلُ وَمَنْ يَخْلُ فَإِنَّمَا يَخْلُ عَنْ نَفْسِهِ ۖ يُقَالُ بَجَلَ عَلَيْهِ وَعَنْهُ
وَاللَّهُ الْغَنِيُّ عَنْ نَفَقَتِكُمْ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَيْهِ وَإِنْ تَوَلَّوْا عُنَايَتِهِ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ أَى يَجْعَلَهُمْ بَدْلَكُمْ ثُمَّ
لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿۴۱﴾ فِي التَّوَكُّلِ عَنْ طَاعَتِهِ بَلِ مُطِيعِينَ لَهُ عَزَّوَجَلَّ۔

۸
ع۱۰

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان والے ہیں (جہاد کی تمنا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے کاش کوئی صورت کیوں نہ نازل ہوگی (جس میں جہاد کی اجازت ہوتی) سو جب کوئی صاف صاف صورت نازل ہوتی ہے۔ (یعنی جس میں کوئی حکم منسوخ نہ ہوا ہو) اور اس میں جہاد کا ذکر (حکم) بھی ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے (یعنی شک، منافقین مراد ہیں) کہ وہ آپ کی طرف ایسی نظریں اٹھاتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو (موت کے گھبرائے ہوئے اور نفرت کرتے ہوئے یعنی جہاد سے ڈرتے ہیں اور جی چراتے) پس وائے ہے ان کے لئے (مبتداء جس کی خبر یہ ہے) ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے (آپ کے لئے عمدہ ہے) پھر جب کام پختہ ہو گیا (جہاد فرض ہو گیا) سو یہ لوگ اگر (ایمان اور فرمانبرداری میں) اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا (اور جملہ لواذ کا جواب ہے) تو کیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (سین کے سرہ اور فتح کے ساتھ ہے) اس میں غیبت سے خطاب، کی طرف التفات ہے یعنی لعنکم) اگر تم کنارہ کش رہو (ایمان سے پھر جاؤ) تو تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس کی قرابت تو زرد (یعنی دور جاہلیت کی بغاوت اور خونی زری پر آؤ گے) یہ (فسادی) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ پھر (حق بات سننے سے) ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو (ہدایت کی راہ سے) اندھا کر دیا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (کہ حق پائیں) کیا بلکہ ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں (کہ حق سمجھتے ہی نہیں) جو لوگ (نفاق) سے پشت پھیر کر ہٹ گئے اس کے بعد کہ سیدھا راستہ ان کو صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو چکمہ (فریب) دیا ہے اور ان کو دور کی بھائی ہے (لفظ املی ضمہ اول اور کسر لام کے۔ یا تھ اور فتح اول اور فتح لام کے ساتھ دونوں طرح ہے اور فریبی شیطان ہے بارادہ الھی لہذا وہی ان کیلئے گمراہ کن ہے یہ (ان کو گمراہ کرنا ہے) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں (مشرکین) سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کا ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (پیغمبر ﷺ کی عداوت پر ابھارنے اور لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کے معاملہ میں گفتگو انہوں نے تو در پردہ کی مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر دیا) اور اللہ ان کی خفیہ سازشوں کو جانتا ہے (اسرافتہ ہمزہ کے ساتھ سر کی جھٹ ہے اور کسر ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے) سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے ان کے چہروں اور کروں پر (لوہے کے گرز) مارے ہوں گے (یہ الما انکہ سے حال ہے) یہ (اس صورت سے جان نکالنا) اس وجہ سے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضی کا باعث تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی خوشنودی سے نفرت کیا کئے (یعنی پسندیدہ عمل سے) اس

لئے اللہ نے ان کے سب اعمال بے کار کر ڈالے جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے کیا ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کے دل کی عداوتوں کو ظاہر نہ کرنے گا (ان کا کینہ پیغمبر اور مسلمانوں پر نہیں کھلے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کا پورا نشان بتلا دیتے (ان کی شناخت کر دیتے آگے لام دو بار لایا جا رہا ہے) سو آپ ان کے حلیہ (علامت) سے پہچان لیں گے اور آپ ضرور پہچان جائیں گے (واؤ قسم محذوف کا ہے اور بعد کی عبارت جواب قسم ہے) طرز کلام سے (یعنی کلام کا منشاء آپ کی مجلس میں ان کی گفتگو سے مسلمانوں کی جو چٹکتی ہے) اور اللہ تم سب کے کاموں سے واقف ہے اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے (جہاد وغیرہ احکام میں تمہارا امتحان لیں گے) تاکہ ہم (کھلے طور پر) معلوم کر لیں کہ تم میں کون مجاہدین ہیں اور ثابت قدم رہنے والے ہیں (جہاد وغیرہ میں) اور تمہارے احوال کی جانچ (پڑتال) کر لیں (یعنی جہاد وغیرہ میں تمہاری فرمانبرداری یا نافرمانی کھل جائے۔ یہ تینوں افعال یا اور نوں کے ساتھ دونوں طرح ہیں) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے (حق) سے روکا اور رسول کی نافرمانی (مخالفت) کی اس کے بعد ان کو ہدایت (جو اللہ کے رستہ کی مراد ہے) نظر آچکی تھی۔ یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ ان کی کوششوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا (یعنی اپنے صدقہ خیرات کا ثواب آخرت میں نہیں پائیں گے کفار جو جنگ بدر میں اسلام کے خلاف غریبوں کی امداد کر رہے تھے ان کے یا بنو قریظہ و بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو بر باد مت کرو (گناہ کبیرہ کر کے) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے رستہ (ہدایت) سے روکا پھر کافر رہ کر ہی وہ مرے ان کو کبھی نہ بخشے گا (بدر کے کتوئیں میں جن کافروں کو ڈالا گیا ہے ان کے متعلق نازل ہوئی ہے) سو تم ہمت مت ہارنا (کمزوری مت دکھانا) اور پیغام صلح مت دینا (سلم فتح سین اور کسر سین کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفار سے مذبھیز ہونے پر صلح کی طرف مت جھک جانا) اور تم ہی غالب رہو گے لام فعل کی جگہ اعلون کی جو واؤ ہے وہ حذف ہوگی بمعنی غالب کامیاب) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت و مدد کے) اور تمہارے اعمال میں (ثواب کی) کٹوتی (کمی) ہرگز نہ کرے گا دنیاوی زندگانی (یعنی اس میں انہماک) محض لہو و لعب ہے اور اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو (جو آخرت کے کام ہیں) تو تمہیں اجر عطا فرمائے گا اور وہ تم سے مال نہیں مانگتا (سارا بلکہ صرف مقررہ زکوٰۃ کا مطالبہ ہے) اگر وہ تم سے مال مانگے اور انتہا درجہ تک طلب کرتا رہے (فرمائش میں مبالغہ سے کام لے) تو تم بخل کرنے لگو اور بخل (دین اسلام سے) تمہاری ناگواری ظاہر کر دے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو بعض تم میں سے بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے (بخل علیہ، بخل عندہ دونوں طرح بولا جاتا ہے) اور اللہ تو کسی کا (خرچہ کے معاملہ میں) محتاج نہیں اور تم سب (اس کے) محتاج ہو اور تم اس کی فرمانبرداری سے اگر روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ (بدل بکر) دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (فرمانبرداری سے روگردانی کرنے میں بلکہ اللہ عزوجل کے اطاعت شعار ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب:..... فالولیٰ لہم۔ لام بمعنی باہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے عطا نقل فرماتے ہیں۔ اور عبدالرزاق اور ابن جریرؒ قنادے نقل فرماتے ہیں کہ ”اولیٰ لہم“ وعید ہے پھر اس کے بعد طاعة و قول معروف خیر لہم الگ کلام ہے۔

معروف۔ مفسر اس کی خبر محذوف مان رہے ہیں اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے یعنی ان الطاعة اولیٰ لہم و القول المعروف خیر لک یا محمد اور بنوئی تقدیر عبارت اس طرح نکالتے ہیں۔ فالولیٰ لہم الطاعة و قول معروف بالا جابۃ۔ یعنی قول معروف کا طاعة پر عطف ہے۔ مفسر کی عبارت میں حسن تو معروف کی تفسیر ہے اور لک کا تعلق دونوں جملوں سے ہے اور یا حسن لک کو قول معروف کی خبر کہا جائے اور طاعت کو ”اولیٰ لہم“ کی خبر مانا جائے۔

لکان خیرا: یہ جواب ہے۔ اذا عزم الامور فا کا اتصال عمل میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور نہ مابعد کے ماقبل میں عامل ہونے میں کوئی مانع

ہوگا۔ لیکن قاضیؒ طرف کو محذوف کہتے ہیں۔ ای ذاقوا او کړھوا۔

ام علیٰ قلوب: یعنی ام منقطعہ بمعنی بل ہے لیکن متصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ ام یتدبرون الحق لکن علیہا القفل فلا یدخل الحق فیہا۔
أقفالہا: قلوب کی طرف اس کی اضافت یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ کوئی خاص رکاوٹ ہوتی ہے۔

واملیٰ لہم۔ ابو عمرؒ کی قرأت فعل بہول کی ہے اور یعقوبؒ کی قرأت مضارع معروف کی اس میں واؤ حالیہ ہے۔ یا ان کی خبر پر عطف ہو رہا ہے۔ یہاں امام رازیؒ نے ایک اشکال کا ذکر کیا ہے کہ

ہدایت و ضلالت، تزوین و تسویل اور الملاء و امہال سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر شیطان کی طرف نسبت کیسی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ تمام چیزوں کا حقیقی فاعل اگرچہ اللہ ہے لیکن اسباب کی طرف نسبت کے طور پر شیطان کی جانب اشارہ کر دی گئی ہے اس پر مفصلاً کلام گزر چکا ہے۔
بانہم قالوا قالوا کا فاعل منافقین اور کړھوا کا یہود ہیں۔ جیسا کہ مدارک اور بیضاوی کی رائے ہے کړھوا کا فاعل مشرکین نہیں ہیں جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔

ام حسب: اس میں ام منقطعہ ہے اور ان خففہ ہے جس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور ان مع اپنے مابعد کے اس کی خبر ہے اور اگر وصلیہ لیا جائے تو پھر حسب کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہو جائے گا۔ ای بل احسب الذین فی قلوبہم مرض۔ الخ
اضغانہم۔ ضغن کی جمع ہے دل میں عداوت و کینہ رکھنا۔

ولتعرفہم۔ اس میں لام مکرر بقول صاحب جملؒ مبالغہ کے لئے اور بقول ابوالسعودؒ تاکید کے لئے ہے۔ اور جواب لو کے طور پر اور لتعرفہم میں لام نون کے ساتھ ہے جواب قسم محذوف کے طور پر۔
لا رینا کہم۔ میں رویت علمیہ ہے اور بصریہ بھی ہو سکتی ہے۔

لحن القول۔ لحن کے دو معنی ہیں ایک اعرابی غلطی کرنا۔ اصطلاح تجوید میں لحن جلی اور خفی آتا ہے جس کے مخصوص معانی ہیں دوسرے معنی کنائی کلام کے ہیں۔ کہ کلام کا ظاہر ہونا اچھا ہو مگر باطن خراب ہو یہاں یہی معنی مراد ہے یعنی کلام کے لب و لہجہ سے ان کا نفاق مترشح ہو جاتا ہے۔
قاضی کی عبارت یہ ہے کہ لحن القول اسلوبہ و امالہ عن جہۃ الصریح الی جہۃ تعریض و تورید

تہجین۔ بمعنی یح ہے۔ جہۃ کلام عیب دار گفتگو کو اور جہۃ علم اضعاف علم کو کہتے ہیں ہجین بمعنی لیم اور افعال ثلاثہ سے مراد لبو لکم، نعلم، نبلو ہے لا تبطلوا اعمالکم۔ علامہ زحمرؒ نے اپنے اعتراضی نقطہ نظر پر استدلال کرتے ہیں کہ معاصی سے طاعات کا عدم ہو جاتی ہیں۔ ساری عمر بھی کوئی نیکی تقویٰ میں گزارے۔ لیکن ایک کبیرہ سے سب پر پانی پھر جائے گا لیکن اہل حق اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ بطلان سے مراد خاص معنی، کفر، نفاق، ریا، عجب احسان، جلا کر فقیر کی دل آزاری کرنا یعنی ان کفار کی طرح برائیوں کا ارتکاب مت کرو۔ کہ اس سے نیکیاں متاثر ہو کر مٹ جاتی ہیں۔

اور امام اعظمؒ نفل نماز روزہ کو توڑنے سے قضا کا لازم ہونا اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ غلطی حج و عمرہ کی سزا میں تو حنفیہ کے ساتھ ہیں مگر اور ابواب میں قضا کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک نوافل جس طرح شروع کرنے سے پہلے نوافل ہیں، شروع کرنے کے بعد بھی نوافل اور غیر لازم رہتے ہیں۔

قلیب۔ مقام بدر کا نواں جس میں مقتول کفار کی نعشیں پھینک دی گئی تھیں۔

فلا تہنوا۔ یہ فائے نصیحت ہے شرط مصدر کے جواب میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اذنبین لکم بالدلالۃ القطعیۃ عز الاسلام و ذل الکفر فی الدنیا و الاخرۃ فلا تہنوا ۱۲ صاوی۔

تدعہ ای ولا تدعوا۔ اس کا عطف تہنہ اری یعنی انا کے تحت ہے۔ لا ۱۱ الصلحہ خد فرمایا گیا۔ مگر خاص مصلحت ہو اور اصل نامناسب ہو۔

جیسا کہ بدر میں عین غلبہ کے موقعہ پر صلح کر لینا مسلمانوں کے خلاف اور کفار کے حق میں جانا اس لئے منع کر دیا۔

لن یتروکم . وترتبا کے معنی ناقص کرنا۔ ابن عباسؓ لن یتروکم کے معنی لا یظلمکم فرماتے ہیں۔

لعب و لہو۔ دونوں کے معنی ایسے کام کے ہیں جس میں نہ فی الحال نفع ہو اور نہ فی الہمال۔ پھر یہ اشغال اگر اہم کاموں سے مانع ہو جائیں تو لعب و لہو ہیں ورنہ لہو سمجھے جائیں گے۔

ھا انتم ہولاء۔ اس میں ہاتھ بیکہ کے لئے انتم مبتداء، ہو لاء منادی اور خبر تعدی ہے اور جملہ ندائیہ جملہ مقررہ ہے۔

یصلح عن نفسه : بکلی کے صلہ میں عن اور علی دونوں آتے ہیں یعنی اساک کے متضمن ہونے کی وجہ سے۔

وان تتولوا : اگر اس کے مخاطب حضرات صحابہ ہوں تو مقصود محض تخویف ہوگی۔ کیونکہ صحابہ کے بعد کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہوا۔ اور قضیہ شرطیہ وقوع کے لئے مقتضی نہیں ہوا کرتا کہ اشکال ہو اور منافقین اگر مخاطب ہیں تو ان سے بہتر اللہ نے بے شمار خادم اسلام پیدا فرمادیئے۔

رابطہ : سورہ بقرہ کی طرح سورہ محمد کی آیات میں بھی پہلے اجمالا مومن و کافر کا ذکر ہوا ہے۔ پھر بعد میں دونوں جگہ تفصیل کے ساتھ منافقین کی قباحتیں کھولی گئی ہیں۔ منافقین نے اپنے چھپانے کی جتنی کوشش کی اللہ نے اتنا ہی ان کو کھول کر رکھ دیا۔ آیت ویقول الذین امنوا میں بطور تمہید پہلے مومنین کا ذکر ہے۔ پھر اگلے جملہ سے منافقین کی بد حالی ارشاد ہے۔

ان الذین کفروا۔ شروع سورت سے اب تک مسلمانوں کی تحسین اور کفار کی تجہین (توہین) ہو رہی تھی اور اس ضمن میں ان سے جہاد کرنے کا حکم بھی ہوا۔ اب ان آیات سے خاتمہ سورت تک انہیں مضامین کی تلخیص، تفریع، تنہیم و تاکید سمجھنی چاہیے۔ مثلاً کفار کی مذمت تجہین کفار کی تلخیص ہوگی اور رسول کی اطاعت کا حکم تحسین مومنین پر تفریع کہلائیگی یعنی اہل ایمان کی مذکورہ خوبیوں کی علت یعنی فرمانبرداری کو مت چھوڑنا بلکہ ان خوبیوں کے خلاف یعنی ابطال عمل سے بچنا۔ پھر اس تحسین و تجہین کے مجموعہ پر لا تھنوا کی تفریع فرمائی کہ جب ان دونوں میں یہ فرق ہے تو مقبولین کو مخذولین سے دہنا نہیں چاہیے۔ اس طرح یہ مضمون آیت ضرب الوقاب کی تاکید ہوا۔ اسی طرح اتفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے، حکم جہاد کی تنہیم ہے اور ان تتولوا میں تمام اوامر و نواہی کے سلسلہ میں ایک ترتیبی مضمون پر سورت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

شان نزول و روایات : آیت ویقول الذین امنوا سے آخر سورت تک آیات مدنی معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ جہاد کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے اور منافقین کا ظہور بھی مدینہ طیبہ میں ہی ہوا ہے۔ پس سورت کے شروع میں سورت کے مکی ہونے کو اکثریت پر اصرار مدنی کہنے کو بعض حصہ پر محمول کیا جائے۔

ولتعرفہم : دو منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ ثم دل اللہ النبی ﷺ بعد علی المنافقین فکان یدعو باسم الرجل من اهل النفاق بقول علامہ روکی حضرت انسؓ ناقل ہیں اور بقول طبریؒ ابن زید سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سب کو ان کے چہرہ بشرہ، لب و لہجہ سے پہچان گئے تھے اور فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہمارے ساتھ نو۹ منافق بھی تھے۔ رات کو سو کر صبح اٹھے تو دیکھا ان پر منافق لکھا ہوا تھا۔

سیحط اعمالہم : غزوہ بدر کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خلاف ابو جہل وغیرہ نے غریب کافروں کی امداد کر کے ان کو بھڑکایا تھا۔ ابو جہل نے اور پھر صفوان نے مقام عسفان میں پہنچ کر ۹ اونٹ ذبح کر کے غریب لوگوں کے پیٹ بھر دیئے۔ اس کے بعد پہل نے بھی دس اونٹ مقام قدید پر ذبح کر ڈالے اور چونکہ یہ لوگ راستہ بہک گئے تھے جس کی وجہ سے ایک روز مزید قیام کرنا پڑا۔ اس لئے شیبہ نے بھی ۹ اونٹ ذبح کر ڈالے، اور اگلے روز مقام ابواء میں پہنچنے پر مقدیس انجی نے ۹ اونٹ اور عباس نے ۱۰ اور حارث نے ۹ اونٹ ذبح کئے بعد ازاں مقام بدر میں ابو بختری نے

۱۱۰ اور ۹۹ مکیس نے اونٹ قربان کئے۔ اس طرح لڑائی کے لئے غریب لوگوں کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔

یا ایہا الذین امنوا۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے ابوالعالیہ تابعی سے تخریج کی ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ کلمہ طیبہ کی موجودگی میں کوئی گناہ معز نہیں اور شرک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل مفید نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں لا تبطلوا اعمالکم فرمایا گیا۔ اس پر انہیں اندیشہ ہوا کہ گناہ سے عمل بالکل ختم ہو جاتا ہے یعنی گناہ کو اس درجہ معز سمجھنے لگے جس کا دفعہ کیا گیا کہ معز تو ہے مگر اس درجہ کا نہیں کہ عمل ہی ختم ہو جائے حسن فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ مراد ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ شک و نفاق سے عمل خراب نہ کرو۔ اور کلیبیؓ ریاضیہ کے معنی لیتے ہیں۔

اور عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن جب لا تبطلوا اعمالکم حکم نازل ہوا تو ہمارا خیال ہو گیا کہ گناہ اور فواحش سے اعمال سوخت ہو جاتے ہیں مگر جب آیت ان اللہ لا یغفر ان نازل ہو گئی تو پھر ہم اس خیال سے بھی باز آ گئے اور یہ سمجھ کر کفر و شرک سے کم درجہ گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے۔

﴿تشریح﴾ ویقول الذین امنوا۔ یعنی مسلمانوں کی فرمائش سے تو ان کے شوق اور جذبہ جہاد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مگر ان کے بالقابل منافقین کی حالت ناقابل دیدہ ہوتی ہے حالانکہ مسلمان کافروں کی مختلف ایذاؤں سے عاجز و مجبور ہو کر یہ آرزو کر رہے تھے سو حکم آنے کا بعد وہ تو بکے نکلے کہ شمشاد ریشاش رہے۔ مگر روٹی دلوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور سورت کے ساتھ جو حکمت کی قید لگائی یہ مشابہہ کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی ممکن تھا کہ دوبارہ جہاد اگر کوئی آیت یا سورت خفی المعنی نازل ہوتی تو منافقین کے لئے بہانہ کی گنجائش تھی۔ مثلاً کہہ دیجئے کہ ہم اس کے معنی نہیں سمجھتے تھے۔ مگر سورت حکمت میں کیا بہانہ چلتا۔ اس لئے ایسی سورت اترنے سے ان کی جان پر نبتی ہے رہا یہ شبہ کہ جہاد کا حکم ایک بار بھی ناگواری کے لئے کافی ہے پھر بار بار کی قید کیوں لگائی؟

جواب یہ ہے کہ یہ قید واقعی ہے یعنی جہاد سے متعلق اکثر آیات ایسی ہی ہیں کہ جب قصہ پیش آیا اور کسی خاص قوم سے جہاد کی ضرورت پیش آئی تو جہاد کا تازہ حکم آ گیا۔ پس اگر نیا حکم نہ آتا تو وہ جہاد سے بے فکر ہونے کے بہانے تلاش کر سکتے تھے۔ کہ پرانا حکم ختم ہو اور نیا حکم آ گیا نہیں۔ اس لئے بے فکری ہو گئی۔ مگر بار بار کے تازہ سلسلہ میں اس کی جڑ بھی کٹ گئی۔

طاعة وقول معروف۔ یعنی بظاہر زبان سے اگرچہ یہ اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ تھی کہ اللہ اور رسول کا حکم عملاً مانیں اور جہاد وغیرہ میں ضرورت پڑے تو اس وقت سچے ثابت ہوں ورنہ رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو ساتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟ لیکن زیادہ مجبور ہو جائے تو لینا ہی پڑتا ہے ورنہ جہاد کرنے والوں کی کیا کمی ہے۔

جہاد کے فوائد و مصالح..... فہل عسیتم۔ یعنی جہاد کی منفعت اخروی تو ہے ہی لیکن دنیوی مصالح بھی بیشتر ہیں۔ منافقین کم از کم انہی کا خیال کر کے جہاد کو ضروری سمجھتے۔ مثلاً اگر باطل اور کفر و شرک کو اس طرح آزاد اور بے روک ٹوک رہنے دیا جائے تو ہمارے ملک میں فساد کی آگ بھڑک اٹھے اور لوگوں کے حقوق تلف اور مصالح ہو جائیں اور صلہ رحمی وغیرہ کے حقوق العباد بھی برباد ہو جائیں تو ان کے منافع کا خیال کر کے ہی اس کو قبول کر لیتے اور ابتداء اگر توفیق نہ ہو تو بعد میں تاب ہو کر اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ مرتے دم تک انسان کے لئے سنبھل جانے کا موقع ہے۔ غرضیکہ جہاد میں دینی مصالح کے علاوہ درستی نظام کی دنیاوی مصلحت بھی اس کی مقتضی تھی۔ کہ اس کو قبول کر لیا جاتا۔ لیکن بعض حضرات تو لایعیم کے معنی غالب اور صاحب حکومت ہو جانے کے لیتے ہیں۔ یعنی اب تو جان سے تنگ آ کر جہاد کی آرزو کرتے ہو۔ لیکن اگر اللہ تمہیں غالب کر دے تو فساد نہ کرنا کیونکہ بسا اوقات حکومت کے نشر میں انسان بہک جاتا ہے اور عدل و انصاف پر نہیں رہتا۔ بلکہ مال و جاہ کی کھنکھش اور تنگ و دو میں مبتلا ہو کر فتنہ و فساد برپا کر بیٹھتا ہے۔

اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو وہی پرانی جہالت لوٹ آئے گی۔ جو جو ایمان اس وقت تھیں وہ ساری پھر ایک ایک کر کے لوٹ آئیں گی۔ یہ سب احتمالات اس صورت میں ہیں کہ آیت کا خطاب مسلمانوں سے بھی مانا جائے۔ لیکن اگر خاص طور پر صرف منافقین کو خطاب ہو تو ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم جہاد میں حصہ نہیں لو گے تو تمہاری حالت سے یہ اندیشہ ہے کہ تم اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں فساد مچاؤ گے اور اپنے مسلمان رشتہ داروں کی پرواہ نہیں کرو گے۔ بلکہ کافروں ہی کا ساتھ دو گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سلطنت کے نشہ میں چور ہو کر ظلم پر کمر بستہ ہو گئے۔ اس لئے اللہ کی پھٹکار نے انہیں آگھیرا۔ یہ سب ان کے سوا اختیار اور بد استعدادی کی وجہ سے ہوا۔

دلوں پر تالے:..... افلا يتدبرون۔ ان منافقین کو اگر قرآن فہمی کی توفیق ملی ہوتی تو جہاد کی مصلحتیں اور دنیوی و اخروی فوائد پر باطنی سمجھ لیتے۔ مگر ان کے دلوں پر تو گویا تالے ہی پڑ گئے ہیں کہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ یہ بطور منع اخلو فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ فی الواقع ان میں دونوں ہی باتیں جمع ہیں پہلے قرآن کا نکار کرنے سے تدبر کیا گیا پھر اس کے وبال میں ان کے دلوں پر تالا پڑ گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت ذلالت بانہم امنوا ثم كفروا فطبع علی قلوبہم سے یہی ترتیب سمجھ میں آرہی ہے۔

اس کے بعد آیت ان الذین سے قرآن میں تدبر نہ کرنے کی وجہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی حقانیت ظاہر ہو چکنے کے بعد وقت آنے پر اپنی بات سے مکر جاتے ہیں اور شریک نہیں ہوتے۔ کیونکہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ جہاد میں جانے سے مر جائیں گے اور نہیں جائیں گے تو نہیں مریں گے۔ اس لئے خواہ مخواہ جان دینے سے کیا فائدہ؟ منافقین یہود کو مطمئن کرنے کے لئے بولے کہ ہم صرف ظاہر میں مسلمان ہوتے ہیں لیکن لڑائی میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ بلکہ تمہیں مدد دیں گے اور تمہاری مائیں گے۔ اس طرح شیطان نے انہیں چکمد دیا اور دور کی بھٹائی۔

آگے فکیف اذا قوفہم ان سے انہیں دھمکی دی جارہی ہے کہ جہاد میں جان چرانے سے کیا ہوتا ہے وہ تو ایک نہ ایک دن جانی ہے جب ملک الموت آجائیں گے۔ تب یہ جان کیسے بچے گی۔ بلکہ بری طرح نکلے گی اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس کی ناراضگی ہی مول لیتے رہے اس لئے مرنے کے وقت یہ بھیانک منظر سامنے آیا اور ان کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر گیا۔ ام حسب الذین۔ یعنی کنی انہیں یہ خیال ہے کہ ان کی منافقت چھپی رہے گی۔ ان کا خبث باطنی کھلے گا نہیں؟ بلکہ انہیں امتحان کی بھیٹی میں ڈالا جائے گا۔ جہاں کھر اکھوٹا الگ الگ ہو کر رہے گا۔

مخلص ومنافق کی پہچان:..... ولو نشاء یعنی اللہ چاہے تو منافقین کی نام بنام نشان دہی کی جاسکتی ہے مگر اللہ کی مصلحت ابھی ایسی تعین کرنا نہیں چاہتی اور یوں بھی آپ اپنی اعلیٰ فراست سے ان کے چہرے مہرے کو دیکھ کر اور طرز گفتگو کو پرکھ کر تاڑ لیتے ہیں۔ آخر مخلص اور منافق کی بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ دونوں کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔ رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ بہت سے منافقین کو نام بنام پکار کر آپ نے مجلس سے اٹھادیا تو طرز گفتگو اور دوسرے قرآن سے پہچان کر ایسا کیا ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے اس کے بعد آپ کو مطلع فرمادیا ہو جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت سے ابھی معلوم ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت اور روایت دونوں کے مفہوم میں کوئی ٹکراؤ نہیں رہتا بلکہ دونوں جمع ہو سکتی ہیں۔ یعنی رنگ ڈھنگ بھی آپ نے ایسا دیکھا ہوا اور صراحتہ بھی آپ کو آگاہ کر دیا گیا ہو۔

البتہ حضرت انسؓ اور طبریؒ کی روایات جو اوپر گزری ہیں ان میں بظاہر منافقات ہیں۔ لیکن لو نشاء الخ میں لو چونکہ ماضی کے لئے آتا ہے اور ماضی میں کسی چیز کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ مستقبل میں بھی نہ ہو۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس آیت کے بعد نام بنام نشان دہی کر دی گئی ہو اور حضرت حذیفہؓ کو منافقین کا پتہ بتلا دینا جو بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے اس میں بھی آپ کی شناخت کے متعلق دونوں احتمال

ہیں۔ عام مفسرینؒ فلغو فہم کو لو نشاء کے تحت رکھ کر لارینا کہم کو اس پر متفرغ کرتے ہیں یعنی ہم چاہیں تو آپ کو دکھلا دیں منافقین پھر آپ انہیں صورت دیکھ پہچان جائیں۔

اور بعض حضرات فلغو فہم کو الگ کر کے اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ ہم چاہیں تو آپ کو انہیں دکھلا دیں سو آپ انہیں چہرہ سے پہچان تو چکے ہی ہیں۔ یہ تقریر زیادہ لطیف معلوم ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ بندے ان کا حال جانیں نہ جانیں مگر اللہ سے تو ان کی کیفیت چھپی نہیں ہے۔ وہ کھل کر کام کریں یا چھپ کر، جہاد وغیرہ کے احکام دراصل کھرے کھوٹوں کی آزمائش کا ذریعہ ہیں ان سے کھل جاتا ہے کہ کون چاہے کون یکا کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون ڈگمگاتا ہے۔

نعم المجاہدین کی وضاحت آیت بقرہ لنعلم من یتبع الرسول کی تشریح سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے حدوث علم کا شبہ نہ کیا جائے۔

کفر و نفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں..... ان الذین کفروا۔ یعنی کافر اللہ و رسول اور اس کے دین کا نقصان نہیں کرتے۔ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں وہ ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا سکتا ہے۔ جہاد وغیرہ تمام ریاضت و مشقت اللہ و رسول کے حکم کے مطابق کی جائیں۔ تو لائق اعتناء ہیں ورنہ محض اپنی طبیعت، شوق نفس یا رسم و رواج کے تحت ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کوئی وزن نہیں۔ سب اکارات اور ضائع ہیں۔ ایک اطاعت شعار مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اس طرح اپنی محنت کو ادھر چھوڑ دے، یا ریا و نمود اور نمائش سے اپنے اعمال کو برباد کر دے۔ بھلا اللہ ارکا ذکر ہی کیا جو ایک دم بالکلیہ عمل کو سوخت کر کے رکھ دیتا ہے۔

فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات..... اللہ و رسول کی مخالفت ایمان میں ہوتی ہے یا اعمال میں۔ اول کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک کفر اصلی اور کفر سابق، دوسرے کفر لاحق (ارتداد) پس کفر اصلی تو منافی عمل ہے اور کفر لاحق حابط عمل ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں اعمال بھی برباد اور وہ مخالفت اگر عملی ہے جیسا کہ گنہگار مسلمان تو پھر عمل کے برباد ہونے کی صورت یہ ہوگی۔ کہ ایک عمل جو کسی دوسرے عملی صحت یا بقاء کی شرط ہو اس میں خلل ڈال دیا جائے۔ جس کی تفصیل آیت لا تبطلوا صدقاتکم میں گزر چکی ہے۔

بہر حال ایمان و اعمال دونوں کی مخالفت کا حکم اگرچہ الگ الگ ہے یعنی کفار کی مخالفت بشرطے کے درجہ میں ہے۔ اور مسلمان کی مخالفت عمل بشرطہ کے مرتبہ میں ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر ان میں قدر مشترک لا بشرطہ شے یعنی اطلاق کا مرتبہ ہے۔ اس لئے ڈرانے کے موقع پر مسلمان کی مخالفت کو کافر کی مخالفت سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

حنفیہ، شوافع کا اختلاف: آیت لا تبطلوا الخ سے نفل نماز روزہ شروع کرنے کے بعد توڑ دینے کی صورت میں قضاء واجب ہونے پر مذکورہ بالا تقریر سے جو حنفیہ استدلال کرتے ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عبادت کے اجزاء میں بعض، بعض کی صحت یا بقاء کے لئے شرط ہیں۔ البتہ شوافع کہہ سکتے ہیں کہ نفل شروع کر کے توڑ دینا اگرچہ ابطال ہے مگر ہر ابطال کی ممانعت حدیث ان المتطوع امیر نفسہ وغیرہ کے دلائل کی وجہ سے ہم تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ آیت قطعی الثبوت اور ظنی الدلالہ ہے اس لئے مسئلہ ظنی رہے گا۔

یہاں تک کفر کے دنیاوی نقصان کا بیان تھا، اب آگے اخروی خسران کو بھی کچھ کم نہ سمجھو۔ فرمایا کہ کافروں کی اللہ کے یہاں بخشش نہیں۔ خاص کر ان کافروں کی جو اوروں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔

حاصل یہ ہے کہ کافر کی بخشش نہ ہونے کے لئے بس کفر پر برقرار رہنا ہی شرط ہے اور دوسروں کو ایمان سے روکنا شرط نہیں ہے البتہ اس سے اس خباثت میں قباحت اور بڑھ گئی ہے۔ عوام صرف کفر کے مرتکب تھے اور خواص خود بھی کافر تھے اور دوسروں کو بھی اس دلدل میں پھنسا دیا۔

بزدلی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے..... آگے ولا تھنوا الخ میں فرمایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا محبوب خدا ہونا اور کفار کا معتبوب خدا ہونا جب معلوم ہو گیا تو پھر مسلمان کفار کے مقابلہ میں ست اور کم ہمت ہرگز نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں ورنہ کفار کی چار آنکھیں ہو جائیں گی اور وہ پھر غرائز لگیں گے۔ ہاں سیاسی مصالح ملکی اور قومی تقاضوں سے ایسا کرنا ضروری ہو جائے۔ تو وہ بات دوسری ہے مگر اس کی بنیاد بھی پست ہمتی اور نامردی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ گناہ ہے اور گناہ پر مرتب ہونے والا عمل اور شرہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے صبر و استقامت اور اثبات قدمی ہوگی تو اللہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہارا مال بیکار نہیں ہو سکتا اور آخر کار غالب تم ہی ہو گے۔ اور یہ بشارت اگر صحابہ کو ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے کیونکہ وعدہ پورا ہو گیا۔ اور عام مومنین اگر مخاطب ہیں تو چونکہ دوسری آیت وانتم الاعلون ان کنتم مومنین میں اس دورہ غلبہ کے ساتھ ایمان کی قید بھی ہے پس یہاں بھی وہی مراد ہوگی۔ اس کے بعد بھی اگر شکست ہوگی تو محض عارضی ہوگی یا صرف صورت ہوگی یا آزمائش ہوگی۔

دنیا اور آخرت کا موازنہ..... انما الحیوة الدنیا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایک کھیل تماشہ ہے اگر تم اس سے بچے رہے اور ایمان و تقویٰ کو شعار بنائے رکھا، تو اللہ تم سے مال تو کیا مانگتا کیونکہ اسے مال کی کیا حاجت۔ وہ تو خود تمہیں دیتا ہے۔ البتہ تمہیں بھرپور بدلہ ضرور دے گا۔ یوں مالک حقیقی کی وجہ سے اگر مانگ بھی لے تو مال اسی کا ہے۔ مگر سارا مال پھر بھی طلب نہیں کرے گا، بلکہ جنگی مصالح کے پیش نظر وہ خود بھی تم پر خرچ کرنے کے لئے کچھ حصہ دین کی راہ میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے۔

اور ان تو منوا کی قید کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو پھر تمہارا مال لے لے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایمان نہ لانے والے سے تو ہماری کوئی نا آشنائی ہی نہیں۔ اس لئے وہاں تو مال کے سوال کا احتمال ہی نہیں۔ البتہ ایمان لانے کی صورت میں ڈرتھا کہ کہیں دوستی میں فرمائش نہ ہونے لگیں۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے بطور مبالغہ فرمادیا کہ ایمان بھی لے آؤ۔ تب بھی تم سے اپنے لئے مال کی فرمائش نہیں کریں گیا اور اپنے لئے اللہ کا سوال کرنا تو خیر محال ہے اس کا تو احتمال ہی نہیں۔ ہماری طرف سے تو سوال کی وہ ممکنہ صورت بھی تمہارے فائدہ کے لئے کل مال مانگ لیں، واقع نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طبعاً سارا دے دینا ناگوار ہوتا ہے، کتنے ایسے دل والے مردان خدا ہیں خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگ دلی ظاہر کریں گے۔ حالانکہ یہ تھوڑا سا دین کی راہ میں خرچ کر دینا خود تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ نہ دو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کو کسی کے دینے کی کیا پرواہ ہے۔ اور یہ خرچ کرنے کی حکمت و مصلحت کا حاصل ہونا کچھ تمہارے دینے پر منحصر نہیں ہے۔ وہ نہیں ہنا کر دوسری قوم سے یہ کام لے سکتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ تمہارے ہی تان گاڑی چلے گی۔ اللہ کی حکمت و مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی۔ البتہ اس سعادت سے تم محروم ہو جاؤ گے۔ یمنون علیک ان اسلموا

منت منہ کہ خدمت سلطان ہی کنی منت شناس ازو کہ بخد مت بداشت

رہا اس پر یہ شبہ کہ سوال تو خود محال ہے کیونکہ وہ موقوف ہے احتیاج پر اور احتیاج اللہ کے لئے محال ہے پس سوال بھی محال ہو۔ پھر ممکن کیسے کہہ دیا؟ جواب یہ ہے کہ سوال سے مراد مطلقاً طلب کرنا ہے خواہ وہ بطور امر ہی ہو۔ جیسے آیت من یقرض اللہ میں قرض سے تعبیر کیا گیا ہے اور تب خلوا میں اکثر افراد مراد ہیں۔ بعض اللہ کے بندے تو۔

قرار در کف آزادگاں نہ گیر دمال نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

کا مصداق ہوتے ہیں۔ پھر تب خلوا میں سب مراد لینا اکثر حکم الکمل کے طور پر ہے۔ رہا اس پر یہ شبہ کہ اگر کوئی سارا مال لٹانے کی نذر کر لے تو

پھر سارا مال دینا واجب ہے۔ پھر کیسے کہا کہ سارے مال مانگنے کی ممکنہ صورت بھی واقع نہیں؟

جواب یہ ہے کہ نذر کرنے والے نے خود اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے۔ اس لئے شریعت نے بھی واجب کر دیا۔ پھر شریعت پر کیا اعتراض اور اگر شبہ ہو کہ جان تو مال سے بھی زیادہ عزیز چیز ہے۔ پھر جہاد میں اس کو دے ڈالنے کا کیسے حکم ہوا؟ جواب یہ ہے کہ حالات سدھارنے اور اصلاح کے سلسلہ میں انسان کی جان کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے بہ نسبت سارا مال خرچ کرنے کے، پس ان منافع عظیمہ کی خاطر یہ عظیم قربانی گوارا کر لی گئی۔ اور شہادت کی صورت میں نفع آخرت الگ رہا۔

اور لتفقوا میں تھوڑا اتفاق مراد ہے جس کی تعین شریعت کے اختیار میں ہے۔

منکم من ینخل۔ میں یہ اشکال ہے کہ صحابہ کرام کی شان سے بخل کرنا بعید ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ اول تو انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ دوسرے یہ کیا ضروری ہے کہ صحابہ کرام سے وہ بخل سرزد ہوا ہو جو مذموم ہے۔ بلکہ اتفاق کرنے میں انقباض مراد لیا جائے جو مذموم نہیں ہے۔ جب کہ اس کے منقضي پر عمل نہ کیا جائے۔

نہرہا یہ شبہ کہ اس پر عتاب کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ انقباض کبھی عملی بخل کی طرف ابھار دے۔ اس لئے اس کا ازالہ ضروری ہوا۔ اور بعض حضرات نے منکم من ینخل کا مصداق منافقین کو قرار دیا ہے جو اگرچہ خلاف قرآن ہے مگر پھر یہ سارے شبہات متوجہ ہی نہیں ہوتے کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔

امام اعظمؒ کی منقبت:..... صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہے؟ حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ خدا کی قسم اگر ایمان بڑیا پر بھی جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے اس کو اتار لائیں گے۔

باللہ الحمد صحابہ کرامؓ نے وہ کارنامے انجام دیئے کہ ان کی جگہ دوسری قوم کے لانے کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم اہل فارس کی ستائش بدستور رہی۔ چنانچہ اہل فارس نے اسلام میں داخل ہو کر وہ شاندار خدمات انجام دیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو بر ملا کرنا پڑتا ہے کہ بلاشبہ یہی قوم تھی جو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ضرورت پڑنے پر عربوں کی جگہ لے سکتی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کو دیکھا جائے تو اس پیشگوئی کا مصداق بدرجہ اتم ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

بہر حال ان تنولوا میں حضرات صحابہؓ کا دین سے برگشتہ نہ ہونا اور دوسری قوم سے ان کا تبادلہ نہ ہونا تو یقینی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تو نا غیر کم پیدا نہ کی گئی ہو۔ بلکہ حدیث مذکور کی رو سے اہل ایمان فارس کے سچے مسلمان ہیں۔

اطاعک سلوک:..... ولو نشاء لا دیناکم۔ میں فراست کی اصل ہے۔ جس سے مومن، کافر، فاسق، فاجر، صالح، مخالف، موافق، دوست، دشمن میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ لیکن احکام فراست کا جزم یا فراست کی بناء پر تحس جاز نہیں ہے۔ البتہ مصلح کے لئے تقیہ کی اجازت تحقیق کی حد تک ہے۔ جیسے واقعہ انک میں آنحضرت ﷺ نے خود حضرت عائشہؓ سے فرمایا اور دوسرے ذرائع سے بھی تحقیق فرمائی تھی۔ لا تبطلوا اعمالکم۔ روح المعانی میں حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ گناہ کر کے عمل باطل نہ کرو۔ پس اسے نفس عمل کا باطل کرنا مراد نہیں۔ بلکہ نور عمل کا باطل کرنا مراد ہے۔ کیونکہ گناہ کرنے سے اعمال کے انوار و برکات توبہ نہ کرنے تک مضل رہتے ہیں۔

ان تنولوا۔ میں اسی خیال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو بعض دینی خدمات انجام دینے والوں کو عجب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ خدمت ہماری ذات پر موقوف ہے۔ اللہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے۔ وہ چاہے تو پہاڑ کا کام ایک تنکے سے لے سکتا ہے۔

سُورَةُ الْفَتْحِ

سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ﴿۱﴾ يِنَّا ظَاهِرًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ بِجِهَادِكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ مِنْهُ لِيَتَرَعَّبَ أَمَّتِكَ فِي الْجِهَادِ وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَةِ الْإِنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالذَّلِيلِ الْعَقْلِيِّ الْقَاطِعِ مِنَ الذُّنُوبِ وَالْإِلَامِ لِلْعَالِيَةِ فَمدْخُولُهَا مُسَبَّبٌ لَا سَبَبٌ وَيُتَمُّ بِالْفَتْحِ الْمَذْكُورِ نِعْمَتُهُ إِنْعَامُهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ بِهِ صِرَاطًا طَرِيقًا مُسْتَقِيمًا ﴿۲﴾ يُشِيْكَ عَلَيْهِ وَهُوَ دِينُ الْإِسْلَامِ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ بِهِ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿۳﴾ نَصْرًا دَا عِزٍّ لَا ذُلَّ مَعَهُ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ الطَّمَانِينَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ بِشَرَائِعِ الدِّينِ كُلَّمَا نَزَلَ وَاحِدَةً مِنْهَا آمَنُوا بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَادُ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ، فَلَوْ أَرَادَ نَصْرَ دِينِهِ بِغَيْرِكُمْ لَفَعَلَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ﴿۴﴾ فِي صُنْعِهِ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ لِيُدْخَلَ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ أَيْ أَمْرٍ بِالْجِهَادِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتِ تَجَرُّى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۵﴾ وَيُعَذِّبُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنُّ السُّوءِ يَفْتَحُ السَّيْنِ وَضَمَّتْهَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ ظَنُّوا أَنَّهُ لَا يُنْصَرُ مُحَمَّدًا ﷺ وَالْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السُّوءِ ، بِالذَّلِّ وَالْعَذَابِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ أَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۶﴾ مَرَجَعًا . وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا نَبِيٌّ مُلْكِهِ حَكِيمًا ﴿۷﴾ فِي صُنْعِهِ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا عَلَى أُمَّتِكَ فِي الْقِيَمَةِ وَمُبَشِّرًا فِي الدُّنْيَا بِالْجَنَّةِ وَنَذِيرًا ﴿۸﴾ مُنْذِرًا مُخَوِّفًا فِيهَا مِنْ عَمَلِ سُوءٍ بِالنَّارِ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ بِالْبَيِّاتِ وَالتَّائِبِينَ فِيهِ وَفِي الثَّلَاثَةِ بَعْدَهُ وَتُعَزَّرُونَ

يَنْصُرُوهُ وَفَرَىٰ بِزَيْنٍ مَعَ الْفُقَرَاءِ وَتُوقَرُوهُ تُعَظِّمُوهُ وَضَمِيرُهَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُسَبِّحُوهُ أَيُّ اللَّهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿١٦﴾ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشَىٰ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ بِيَعَةِ الرِّضْوَانِ بِالْحُدُوبِ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ هُوَ نَحْوُ مَنْ يُطِيعَ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ الَّتِي بَايَعُوا بِهَا النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ هُوَ تَعَالَىٰ مُطَّلَعٌ عَلَىٰ مَبَايِعِهِمْ فَيَحَارِبُهُمْ عَلَيْهَا فَمَنْ نَكَثَ نَقَضَ الْبَيْعَةَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ يَرْجِعُ وَبَالَ نَقْضِهِ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ بِالْيَأْيِ وَالنُّونِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٧﴾ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلْفُونَ مِنْ أَلْأَعْرَابِ حَوْلَ الْمَدِينَةِ أَيُّ الَّذِينَ خَلَفَهُمُ اللَّهُ عَنْ صُحْبِكَ لِمَا طَلَبْتَهُمْ لِيُخْرِجُوا مَعَكَ إِلَىٰ مَكَّةَ حَوْفًا مِنْ تَعَرُّضِ قُرَيْشٍ لَكَ عَامَ الْحُدُوبِ إِذَا رَجَعْتَ مِنْهَا شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا عَنِ الْخُرُوجِ مَعَكَ فَاسْتَغْفِرْ لَنَا اللَّهُ مِنْ تَرَكِ الْخُرُوجِ مَعَكَ قَالَ تَعَالَىٰ مَكْذِبًا لَهُمْ يَقُولُونَ بِالْإِسْنَةِ أَيُّ مِنْ طَلَبِ الْإِسْتِغْفَارِ وَمَا قَبْلَهُ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ فَهُمْ كَاذِبُونَ فِي إِعْتِدَارِهِمْ قُلُوبَهُمْ فَمَنْ اسْتَفْهَمَ بِمَعْنَى النَّفْيِ أَيُّ لَا أَحَدٌ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا يَفْتَحِ الضَّادِ وَضَمِّهَا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٨﴾ أَيُّ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ بَلْ فِي الْمَوْضَعَيْنِ لِلِاتِّقَالِ مِنْ غَرَضٍ إِلَىٰ آخَرٍ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ أَيُّ أَنَّهُمْ يُسْتَأْصَلُونَ بِالْقَتْلِ فَلَا يَرْجِعُونَ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السُّوءِ هَذَا وَغَيْرُهُ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿١٩﴾ جَمَعَ بَائِرُ أَيُّ هَالِكِينَ عِنْدَ اللَّهِ بِهَذَا الظَّنِّ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿٢٠﴾ نَارًا شَدِيدَةً وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٢١﴾ أَيُّ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَا ذَكَرَ سَيَقُولُ الْمُخَلْفُونَ الْمَذْكُورُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ هِيَ مَغَانِمُ خَيْرٍ لَنَا خَذُوهَا ذَرُونَا أَتْرَكُونَا نَتَّبِعُكُمْ لِنَأْخُذَ مِنْهَا يُرِيدُونَ بِذَلِكَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ وَفِي قِرَاءَةِ كَلِمَ بِكُسْرِ الْأَلَامِ أَيُّ مَوَاعِيدِهِ بِغَنَائِمٍ خَيْرٍ أَهْلُ الْحُدُوبِ خَاصَّةً قُلُوبُ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ أَيُّ قَبْلَ عَوْدِنَا فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا أَنْ نُصِيبَ مَعَكُمْ مِنَ الْغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذَلِكَ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ مِنَ الدِّينِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٢﴾ مِنْهُمْ قُلُوبٌ لِلْمُخَلْفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ الْمَذْكُورِينَ إِخْتِيَارًا سَتَدْعُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ أَوْلَىٰ بِأَصْحَابِ بَاسٍ شَدِيدٍ قِيلَ لَهُمْ بَنُو حَنِيفَةَ أَصْحَابُ الْإِمَامَةِ وَقِيلَ فَارِسُ وَالرُّومُ تَقَاتِلُونَهُمْ حَالُ مُقَدَّرَةٍ هِيَ الْمَدْعُو إِلَيْهَا فِي الْمَعْنَى أَوْ هُمْ يُسَلِّمُونَ فَلَا تَقَاتِلُونَ فَإِنْ تُطِيعُوا إِلَىٰ قِتَالِهِمْ يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٣﴾ مُؤْلَمًا . لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا

عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ فَنِي تَرِكَ الْجِهَادَ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْ خِلَهُ بِالْيَأَى وَالنُّونِ جَنَّتْ تَجْوِي مِنْ
بِأَ تَحْتَهَا أَلَا نَهْرٌ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبُهُ بِالْيَأَى وَالنُّونِ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ:..... سورۃ الفتح مدنیہ ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی (آئندہ کے لئے مکہ معظمہ وغیرہ مقامات کو طاقت کے ذریعہ آپ سے جہاد کرنا فتح کا فیصلہ کر دیا ہے) حکم کھلا (واضح طور پر) تاکہ اللہ تعالیٰ (آپ کے جہاد کی برکت سے) آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے (تاکہ آپ اپنی امت کو جہاد کی ترغیب دے سکیں انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا چونکہ دلیل عظمیٰ قطعی سے طے شدہ ہے اس لئے آیت کی تاویل کی جائے گی اس میں لام علت غائیہ ہے جو سب پر نہیں بلکہ مسبب پر داخل ہو رہا ہے) اور مکمل کر دے (اس فتح کے ذریعہ سے) اپنی نعمت (انعام) آپ پر اور آپ کو سیدھے رستے پر لے چلے (دین اسلام پر جمادے) اور اللہ آپ کو اس کے ذریعہ ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (ذلت نام و نشان کو نہ ہو) وہ خدا ایسا ہے جس نے محل (اطمینان) پیدا کیا مسلمانوں کے دلوں میں تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو (دینی باتوں پر اس طرح کہ جب کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لے آئیں ان میں جہاد بھی ہے) اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے (اگر وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے دینی خدمت لینا چاہے لے سکتا ہے) اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بڑا جاننے والا (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے (یعنی ہمیشہ اس کی یہی شان رہتی ہے) تاکہ اللہ داخل کرے (محذوف عبارت سے اس کا تعلق ہے ای الامر بالجہاد) مسلمان عورتوں کو ایسی ہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کور ہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں (السوء فتحہ اسمن اور ضمہ سین کے ساتھ تینوں مواقع میں پڑھا گیا ہے۔ منافقین کا گمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی مدد نہیں فرمائیں گے ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (ذلت اور عذاب کا) اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا اور ان کو (رحمت سے) دور کر دے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ (مقام) ہے۔ اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنے ملک میں) ازبردست حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں یعنی ہمیشہ سے اس کی یہی شان ہے) ہم نے آپ کو (قیامت میں اپنی امت کے حق میں) گواہی دینے والا اور (دنیا میں انہیں جنت کی بشارت) سنانے والا اور ڈرانے والا (دنیا میں بد عملی کرنے پر دوزخ سے خوف دلانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (یہاں اور اس کے بعد الفاظ یا اور تاء دونوں طرح ہے) اور اس کی مدد کرو) تقویت دو، ایک قرأت میں تعزیر وہ دوزاء اور تاء کے ساتھ ہے) اور اس کی تعظیم بجالاؤ (یہ دونوں ضمیریں اللہ و رسول کی طرف ہیں) اور (اللہ کی) تسبیح کرتے رہو صبح شام (دونوں وقت) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں (حدیبیہ مقام پر بیعت رضوان تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں (یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ میں ہے) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (جن ہاتھوں سے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی ہے یعنی اللہ کو ان کی بیعت کا حال معلوم ہے۔ چنانچہ وہ ان کو اس پر صلہ دے گا) پھر جو شخص عہد توڑ دے گا (وعدہ بیعت) تو اس کو (توڑنے) کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اس نے خدا سے عہد کیا ہے۔ سو عنقریب اللہ اس کو عطا فرمائے گا (یا اور نوں کے ساتھ ہے) عظیم الشان اجر جو دیہاتی آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ (مدینہ طیبہ کے آس پاس کے باشندے جنہیں اللہ نے آپ کی صحبت سے محروم رکھا جب ان کو مکہ معظمہ اپنے ہمراہ چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ اس خیال سے کہ قریش کہیں آپ سے الجھ نہ پڑیں۔ حدیبیہ سے واپسی پر آپ سے معذرت خواہ ہوں گے) کہ ہمیں ہمارے مال و عیال نے مہلت نہ دی (آپ کے ساتھ چلے کیلئے) سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے (اللہ پاک سے کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جاسکے، آگے ان کو جھٹلاتے ہوئے جواباً حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) یہ زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں)

یعنی استغفار کی درخواست وغیرہ) جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں (لہذا محذرت کرنے میں یہ جھوٹے ہیں) آپ کہہ دیجئے اچھا وہ کوئی ہے (استغفار نامی کے معنی میں ہے، یعنی کوئی نہیں ہے) جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان (ضرر) فتح (ضاد و ضمہ) ضاد کے ساتھ دونوں طرح ہے) یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) بلکہ (دونوں جگہ یہ لفظ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہے) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مسلمان اپنے گھر والوں کے پاس کبھی لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھاری تھی (یعنی مسلمانوں کا قتل ہو صغایا ہو جائے واپسی کی نوبت ہی نہ آجائے) اور برے برے خیال (یہ اور اسی طرح کے اور) قائم کر رکھے تھے اور تم برباد ہو گئے (بور، بانو کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تباہ ہو گئے) اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ (وہی آگ) تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے اس کی مغفرت کر دے اور جسے چاہے عذاب دے دے اور اللہ بڑا غفور الرحیم ہے) یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے (جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے (جن کا ذکر ابھی ہوا ہے) وہ عنقریب کہیں گے، جب تم خیر کی نعمتیں لے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں) تاکہ ہم بھی مال غنیمت حاصل کر لیں) وہ لوگ یوں چاہتے ہیں (اس طریقہ سے) کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (اور ایک قراءت میں بجائے کلام لفظ کلام کسر لام کے ساتھ ہے یعنی خصوصی طور پر خیر کے مال غنیمت کے وعدے) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہر گز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے (ہماری واپسی سے) پہلے فرما دیا ہے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (کہ کہیں ہمیں بھی تمہارے ساتھ مال غنیمت مل جائے گا اس لئے تم نے یہ بات بتائی ہے) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (بطور آزمائش) فرمادیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑائی والے ہوں گے) جن کی رائے میں وہ نہ حنیفہ بنو یہامہ کے باشندے اور کچھ کی رائے ہے کہ فارسی اور رومی ہیں) کہ یا تو ان سے لڑتے رہو (یہ حال مقدور ہے اور لحاظ معنی یہی وہ بات ہے جس کی ان کو دعوت دی گئی) یا وہ مطیع ہو جائیں (پھر قتل نہ کرنا) سو اگر تم ان سے جنگ کرنے میں اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک صلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہو تو وہ دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی سزا دے گا نہ اندھے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے (جہاد چھوڑنے کے سلسلہ میں) اور جو شخص اللہ رسول کا کہنا مانے گا (ن کو داخل کرے گا) (یا اور نوں کے ساتھ دونوں طرح ہے) ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعنی یہ یا اور نوں کے ساتھ ہے)۔

تحقیق و ترکیب:..... فتحنا۔ اس پر اشکال ہے کہ فتح مکہ ۸ھ میں ہوا پھر ۱۰ھ میں حدیبیہ کے مقام پر بصیغہ ماضی کس طرح فتح کا ذکر کیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تقدیر ازل کے لحاظ سے بصیغہ ماضی تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یعنی ہو جانے کی وجہ سے مجازاً ماضی سے تعبیر کیا ہے۔ جیسے آیت و نفع فی الصور میں ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ حقیقتہً صلح حدیبیہ کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ فتح کی بنیاد اسی صلح میں پڑ چکی تھی۔ خیر جنین، طائف کی فتوحات بھی اسی میں شامل ہیں۔

امام اعظم فتح مکہ کو مقابلہ آرائی اور غلبہ اسلام کی صورت میں ماننے ہیں اور امام شافعی آیت ولو قاتلکم الذین کفروا اور وہو لدی کف ایذیہم سے استدلال کرتے ہوئے فتح مکہ صلحاً ماننے ہیں۔ رہا آنحضرت ﷺ کی جنگی تیاری وہ برہنائے احتیاط تھی۔ ربوہیطی میں لکھا ہے کہ اسل مکہ کو حضرت خالدؓ نے جبراً اور اعلیٰ مکہ کو حضرت زبیرؓ نے صلحاً فتح فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ اسی سمت سے مکہ میں اسل ہوئے اس توجیہ پر تعارض نہیں رہتا اور مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور فتح مکہ اگرچہ محض فضل الہی سے ہوئی مگر اسباب کے درجہ

میں آنحضرت ﷺ کے جہاد اور جدوجہد کو کھل چلا ہے۔ اس لئے اس پر مغفرت مرتب فرمائی۔

امام رازیؒ نے بھی مغفرت ذنوب کی کئی توجیہات کی ہیں۔ مثلاً ان کے ایک (۱) یہ کہ فتح مکہ سے حج بیت اللہ ممکن ہوا اور حج سبب مغفرت ہے۔ چنانچہ حج کے سلسلہ میں دعاء نبوی کے الفاظ یہ ہیں۔ اللہم اجعل حجاً مبروراً وسعیاً مشکوراً وذنبا مغفورا۔ تفسیر کبیر میں اس اشکال کا کہ آنحضرت معصوم ہونے کی وجہ سے جب گناہ گار نہیں تو پھر مغفرت کیسی؟ یہ جواب دیا گیا کہ مومنین کے گناہ مراد ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کسی معاملہ میں اعلیٰ پہلو کو ترک کر کے ادنیٰ پہلو اختیار کرنے کو ذنوب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ ذنوب سے مراد صغائر ہیں جن کی انبیاء کے لئے گنجائش مانی گئی ہے۔ ان دونوں توجیہات کا حاصل حسنات الابوار سینات المقرین ہے اور بعض نے ما تقدم سے مراد آدم وحواء کی لغزش اور مابعد سے امت کے خطا اور قصور مراد لینے ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغفرت کے معنی ستر اور پردہ کے ہیں۔ یعنی گناہ اور بندہ کے درمیان کسی رکاوٹ کا حائل ہو جانا یا گناہ اور اس کی سزا کے درمیان کسی چیز کا مانع بن جانا۔ پس انبیاء کیلئے تو پہلی صورت اور اولیاء و مومنین کے مابین دوسری رکاوٹ کا پیش آ جانا مناسب معلوم ہوتا ہے مفسر علامؒ نے لیغفور میں لام کو علت غائیہ کے لئے مانا ہے جو فعل پر آخر میں مرتب ہوتی ہے اس لام کو غرض و باعث کے لئے نہیں کہا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال و احکام غرض سے پاک ہیں پس گویا مغفرت مسبب ہے سبب نہیں ہے کیونکہ سبب وہ ہوتا ہے جس کی طرف حکم کی اضافت ہوتی ہے۔ جیسے وقت زوال نماز ظہر کا سبب ہے۔ پس مغفرت سبب فتح نہیں۔ بلکہ فتح سبب ہے اور مغفرت مسبب ہے۔ نصو اعزیز! اس پر اشکال یہ ہے کہ عزیز تو منصور کا وصف ہوتا ہے نہ کہ کفر کا؟ جواب یہ ہے کہ فعل کا وزن نسبت کے لئے ہوتا ہے۔ پس عزیز کے معنی یہ ہیں کہ وہ نصرت مراد ہے جو عزت کی طرف منسوب ہو اور ذلت کی طرف منسوب نہ ہو۔

ایماننا۔ مفسرؒ نے اس کے متعلق کی طرف اشارہ کیا ہے بشرائع الدین نکال کر اور مع ایمانہم کا متعلق باللہ ورسولہ محذوف ہے۔ اسلامی احکام چونکہ تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ پس نئے احکام پر ایمان لانا زیادتی ایمان کا سبب ہے گویا مومن کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی مراد ہے۔ جس کے اشعارہ قائل ہیں نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، جیسا کہ ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ الایمان لا یزید ولا ینقص۔ لیدخل۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لیغفور کی طرح یہ بھی علت فتح ہے لیکن چونکہ دو حرف جر کا ایک عامل سے تعلق قابل اعتراض۔ اس لئے مفسرؒ نے اس کا تعلق محذوف عبارت سے کیا ہے اور بعض نے انا فتحنا سے اس کا تعلق لیزداد او سے تعلق کے بعد مانا ہے یا؟ انزل سے اس کا تعلق مانا جائے۔

ظن السوء۔ لفظ سوء ضمہ کے ساتھ عذاب، ہزیمت، شر کے معنی میں ہے اور فتح کے ساتھ بمعنی مذمت ہے۔ پہلی قراءت ابو عمرو، ابن کثر کی اور دوسری اکثر قراء کے نزدیک ہے۔ مفسر جن مواقع کی طرف اشارہ کر رہے ہیں یعنی ظن السوء، دائرة السوء، ظنتم ظن السوء ان میں سے پہلے اور تیسرے موقع میں بالاتفاق قراء سبعہ کے نزدیک صرف فتح کی قرات ہے اس لئے مفسر سے تسامح ہو گیا۔ دائرة۔ جو خط محیط ہو اس کو دائرہ کہا جاتا ہے پھر اس کا استعمال ایسے حادثہ کے لئے ہونے لگا جو ہر طرف مصیبت زدہ گھیر لے یعنی جس مصیبت کے مسلمانوں پر پڑنے کی امید میں تھے وہ خود ان پر پڑی۔ دشمنی کہتے ہیں کہ سوء کے معنی ہلاکت و تباہی کے ہیں اور فتح سین کے ساتھ سخت ناگوار بات۔

تعزروہ۔ نہایت میں ہے اصل تعزیر کے معنی منع کرنے اور مدد کرنے کے ہیں۔ کیونکہ جو کسی کی مدد کرتا ہے وہ گویا دشمنوں کو دفع کرتا ہے اسی سے تعزیر بمعنی تادیب آتا ہے جو مزاحد شرعی سے کم ہوتی ہے اور قراءت شاذہ تعزروہ ہے ان دونوں لفظوں کی ضمیریں مفسر حق تعالیٰ کی طرف راجع کر رہے ہیں اور علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ دونوں لفظ آنحضرت ﷺ سے کنایہ ہیں اور علامہ دشمنی سب ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کو مانتے

ہیں مفسر نے دونوں قولوں کو جمع کر دیا ہے کہ ضمیریں دونوں طرف راجع مانیں۔

بالغداة والعشي: عشی سے مراد بقیہ چاروں نمازیں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کی تسبیح دونوں وقت پڑھو بیابعونک: بیعت الرضوان اس لئے نام رکھا کہ آیت لقد رضی اللہ عنہ میں رضائے الہی کی اطلاع دی گئی ہے۔

بیابعون اللہ: مفسر نے آیت من یطع الرسول سے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو عضاء و جوارح سے پاک ہے۔ پھر کیسے قرآن میں ان اعضاء کا اثبات ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ مجاز ایثاق کے معنی ہیں۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز کا وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور زبیریؓ فرماتے ہیں کہ بیابعون اللہ کی تاکید بطور تحیل کے یہ اللہ کہہ کر کی جا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا عہد گویا عینہ اللہ کے ساتھ عہد کرنا ہے۔ اور سکا کی فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ بطور استعارہ بالکناہ ہے فروخت کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور لفظ ید استعارہ تخلیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ لیکن نظریہ وحدت الوجود کے قائل کچھ حضرات حقیقی معنی لیتے ہیں۔

علیہ اللہ۔ حفص کی قراءت ضمہ ہا کے ساتھ ہے۔

المخلفون۔ حدیبیہ میں جو شریک نہیں ہو سکے۔ جیسے غفار، مزنیہ، جہینہ، اسلم، اشج و یل کے قائل مراد ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر احرام باندھ لیا اور قربانی کے جانور ساتھ لئے مگر یہ لوگ قریش سے اتنے خائف تھے کہ انہیں یقین نہیں آیا کہ آپ صرف عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔ بلکہ یہ یقین کئے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی واپسی نہیں ہو سکے گی۔

فمن یملک الخ ای فمن یقلد لا جملکم من اللہ۔

بل ظننتم۔ چنانچہ پہلے ان کی تکذیب سے ان کے اعتذار کی طرف احزاب ہوا۔ پھر ان کے اعتذار کے غلط ہونے سے احزاب کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے کی اصل وجہ بتلا دی گئی۔

لن ینقلب الرسول: وہ مسلمانوں کو کفار کا صرف ایک لقمہ سمجھتے ہیں۔

ومن لم یؤمن باللہ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ و رسول اسم ظاہر لا کر اشارہ کر دیا دونوں پر ایمان ضروری ہے اور سعیر نکرہ لایا گیا ہے تہویل کے لئے اور من شرطیہ اور موصولہ دونوں کا احتمال ہے۔

ان یبدلوا۔ ذی الحجہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ سے مدینہ تشریف لائے تو اوائل محرم ۷ھ تک قیام پذیر رہے اسی سال خیبر پر فوج کشی فرمائی اور صرف اہل حدیبیہ کو ساتھ لیا۔ فتح خیبر کے ساتھ کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ لا یفقهون: یعنی دین کے مزاج اور اس کے مصالح کو نہیں سمجھتے۔

اولی یاس۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسلمہ کذاب کی قوم، جو حنیفہ کی طرف جن سے صدیق اکبرؐ کے دور خلافت میں نبرد آزما ہوئی۔ اور بعض فارس و روم مراد لیتے ہیں۔ جن سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جنگیں ہوئیں۔

تقتلون: قتال اور دعوت کا زمانہ چونکہ ایک نہیں ہے۔ اس لئے مفسر حال مقدریہ کہہ رہے ہیں۔

اوہم یسلمون۔ تقدیر عبارت سے عسر نے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے معنی منقاد و مطیع ہونے کے ہیں۔ چنانچہ نصاریٰ روم اور مجوس فارس سب مسلمانوں کے جزیہ گزار بنے۔

لیس علی الاعمی۔ یہ سب اعذار چونکہ باہر ہیں اس لئے اعتبار کیا گیا۔ اس میں وہ محتاج بھی شامل ہیں جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ لیکن اگر معبر کہ شدید ہو تو پھر شرکت جہاد ہر ایک کے لئے فرض عین ہو جاتی ہے۔

یا خلدنا کثر قریا۔ یہ ساتھ اور نایاب اور اہل عامر کے نزدیک نون کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

رابطہ..... پچھلی سورت میں اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کی ترغیب تھی، اس پوری سورت کے شان نزول کے سلسلہ میں چند واقعات کا ذکر ناگزیر ہے۔

شان نزول و روایات..... مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ مع رفقاء امن و امان کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور عمرہ کر کے سر منڈائے یا بال کٹوائے۔ یہ خواب آپ ﷺ نے صحابہؓ کو سنایا۔ وہ شوق میں یہ سمجھے کہ اسی سال عمرہ میسر ہو جائے گا اور اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ بھی فرمایا۔ اس پر آیت لفظ صدق اللہ نازل ہوئی۔

۲۔ ۱ھ میں ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کو ساتھ لے کر آپ ﷺ بہ نیت عمرہ رہے اسی مکہ معظمہ ہوئے اور ہدی کے جانور بھی ہمراہ تھے۔ قریش کو جب یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ کے ساتھ اتنا مجمع ہے۔ تو انہوں نے طے کر لیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے۔ چنانچہ مکہ سے چھ میل پہلے حدیبیہ (شمسیہ) آپ ﷺ کو روک جانا پڑا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی۔ اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ جسبھا حابس الغلیل اور فرمایا خدا کی قسم مکہ والے مجھ سے جس چیز کا مطالبہ کریں گے اس کو پورا کروں گا بشرطیکہ حرمت الہی برقرار رہیں۔

۳۔ آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے مگر اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے پھر حضرت عثمانؓ کی زبانی یہی پیغام بھجوایا۔ اور مکہ کے غریب مظلوم مسلمانوں کو خبر بھیجی کہ عنقریب اسلام غالب آئے گا۔ مگر قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ ان کی واپسی میں دیر ہوئی۔ تو یہ خبر گرم ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں لڑائی نہ چھڑ جائے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ایک درخت کے نیچے بیعت جہاد لی۔ قریش کو خبر لگی تو ڈر گئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔ اور واپس بھیج دیا۔

۴۔ اہل مکہ کے کچھ صلح افراد برے ارادہ سے چھپ کر آئے۔ مگر نام کام رہے اور پکڑ لئے گئے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو رہا فرمایا۔

۵۔ اس کے بعد قریش کے معززین کا ایک وفد مرتب ہو کر حاضر خدمت ہوا اور صلح نامہ مرتب ہونے کی رائے ہوئی۔ مگر قریش نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پر ہی جھک جھک شروع کر دی کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے وہی پرانا کلمہ بسمک اللہ لکھا جائے۔ پھر محمد رسول اللہ کہنے پر تکرار ہوئی۔ قریش کا اصرار ہوا کہ محمد بن عبد اللہ لکھا جائے جس پر مسلمان برہم ہوئے اور خواہشمند ہوئے کہ ابھی تکواری سے تصفیہ ہو جائے۔ آخر کار آنحضرت ﷺ نے ان دونوں باتوں کو منظور کر لیا۔ صحابہؓ کو ناگواری کے باوجود ضبط سے کام لیتا پڑا اور ایک تادیبی دستاویز کی صورت میں صلح نامہ مرتب ہو گیا۔ جس کی ایک دفعہ یہ بھی طے پائی کہ اس وقت مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس ہو جائیں۔ البتہ آئندہ سال عمرہ کے لئے غیر مسلح ہو کر آئیں اور سہ روزہ قیام کے بعد واپس ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی طے ہوا کہ فریقین دس سال تک باہمی آویزش سے بچیں گے اور جنگ نہیں کریں گے اور یہ کہ اس مدت میں اگر کوئی مرد شرکین میں سے مسلمانوں میں آ ملا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن کوئی مسلمان اگر ادھر چلا گیا تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ صلح نامہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہدی کے جانوروں کو ذبح کر دیا اور حلق و قصر کر کے احرام کھلوا دیا اور پھر بخیریت مدینہ طیبہ واپس ہو گئی۔

۶۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ اگرچہ بہ نیت عمرہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر قریش سے آویزش کا شبہ تھا۔ اس لئے زیادہ مجمع لے جانا آپ ﷺ نے مصلحت سمجھا اور اس پاس کے صحابہؓ کو بھی ہمراہ لے چلنا مناسب خیال کیا۔ دیہاتی منافقین اس صورت حال سے گھبرا گئے اور جھوٹے حیلے حوالے، بہانے کر کے خود کو بچا لیا، بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی نسبت بعض کی زبان پر یہاں تک آ گیا کہ یہ لوگ بچ کر زندہ سلامت واپس نہیں آئیں گے مگر جب دیکھا کہ بخیریت واپس ہو گئی تو جھوٹے عذر آنکر کرنے لگے۔ حدیبیہ سے واپسی پر اوآخر ۶ھ میں پوری یا اکثر سورت فتح نازل ہوئی

۷۔ حدیبیہ سے واپسی کے بعد محرم کے ۱۲ میں فخر کاء حدیبیہ کو لے کر خیبر پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کر لیا۔ خیبر، مدینہ سے شمال میں ساٹھ میل کے فاصلہ پر شام کی سمت یہود کا ایک قلعہ بند شہر تھا۔ اس غزوہ میں علاوہ حدیبیہ والوں کے آپ ﷺ نے کسی کو شرکت کی اجازت نہیں دی۔

۸۔ بحہ حسب قرار واد آپ ﷺ پھر عمرہ کی قضا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے اور عمرہ سے فراغت کے بعد بخیریت مراجعت فرمائی۔

۹۔ قریش نے ناجنگی معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کی تفصیل سورہ براءت میں گزر چکی ہے۔ جس کے نتیجہ میں آپ نے رمضان ۸ھ میں فوج کشی کر دی اور مکہ معظمہ فتح کر لیا۔

۱۰۔ بعض آیات میں دوسرے واقعات کی طرف اشارے ہیں۔ لیکن ان کی تفسیر مختلف فیہ ہے اور پھر وہ تفسیر بھی اس تفصیل پر موقوف نہیں، اس لئے ان واقعات کا ذکر آیات کے ساتھ ساتھ آجائے گا۔

﴿تشریح﴾:..... صلح حدیبیہ ظاہر نظر میں ذلت و مغلوبیت کی صلح معلوم ہوتی ہے شرائط صلح دیکھ کر بادی النظر میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ صلحنامہ سارا کا سارا کفار و مشرکین کے حق میں گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ ظاہری سطح کو دیکھ کر مضطرب اور مغموں بھی ہوئے ان کا جذبہ یہ تھا کہ اگر صلح کیوں کی جارہی ہے۔ کیوں نہیں تلوار کے بل پر فیصلہ کر لیا جاتا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی دور رس نگاہیں ان کے شمرات و نتائج کو دیکھ رہی تھیں۔ بخوار و بول کی نگاہوں سے او بھل تھے۔ اللہ نے آپ ﷺ کا سیدہ شہداء و مصائب جھیلنے کے لئے کھول دیا تھا اور آپ ﷺ کا بے مثال توکل و استثناء ہر ناخوشگوار واقعہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے آمادہ تھا۔ اس پورے حوصلہ اور بڑے عزم کے ساتھ ہر شرط کو منظور فرما کر صحابہؓ کو تسلی و تشفی دے رہے تھے۔ تا آنکہ اللہ نے اس کو ”فتح مبین“ فرما دیا تھا۔ صحابہؓ نے تجا عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ ”فتح“ ہے؟ فرمایا۔ ہاں بہت بڑی فتح۔

فتح مبین:..... واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر ”بیعت جہاد“ اور معمولی چھیڑ چھاڑ اور صحابہ کرامؓ کی جمعیت اور ان کے تیروں سے مرعوب ہو کر کفار معاندین کا صلح کیلئے جھک جانا اور آنحضرت ﷺ کا اس موقع پر سرچشی کا مظاہرہ کرنا اور سب سے بڑھ کر دس سال کے لئے ناجنگی معاہدہ کر کے بے فکری سے مسلمانوں کو اھرونی تعمیر اور پیشگی کا موقع فراہم کر کے عظیم فتح کی بنیادیں مضبوط کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ دشمنوں کے دلوں پر اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی، روحانی طاقت، اور پیغمبر اسلام کی عظمت شان کا سکہ بیٹھتا چلا گیا، جس کے نتیجہ میں مرکز اسلام مکہ معظمہ دو سال بعد ہی فتح ہو گیا۔

گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جمعیت اور اپنی شکست نظر آرہی تھی۔ مگر ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فتح کی بنیاد پڑ گئی ہے اور تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں جا رہا ہے۔ گویا یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی بے شمار ظاہری و باطنی فتوحات کا دروازہ کھول رہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں اور کافروں کے باہمی اختلاف سے اور بے تکلف اندر میل سے خود بخود اسلام کی طرف کشش بڑھ گئی۔ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، جیسے نامور لوگ بلشرت مشرف باسلام ہوئے۔ اور اتنے لوگ مسلمان ہو گئے کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ یہ دلوں کی فتح ہوئی جو حقیقی فتح سمجھی جا رہی ہے۔

مکہ معظمہ ہمیشہ کیلئے دارالاسلام بن گیا اور عہد نامہ کے وقت صحابہؓ کا جو مجمع ڈیڑھ ہزار تھا وہ فتح مکہ کے وقت دس ہزار ہو گیا۔ فتح خیبر نے دوسرے مرکز اسلام مدینہ طیبہ کو مضبوط کر دیا۔

غرض اس طرح یہ صلح تمام فتوحات کی اساس، اور شہزادہ بن گئی۔ پھر اس سلسلہ میں علوم و معارف اور باطنی مدارج و مقامات جیسی عظیم برکات کا

جو فتح باب ہوا اس کا اشارہ ان آیات میں کیا گیا ہے۔

شاہانہ انعامات:..... شاہانہ عطیات میں چار انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

(۱) عفو و غفران (۲) اتمام نعمت (۳) راہ ہدایت (۴) نصرت عزیز۔

عفو و غفران کا مطلب یہ ہے کہ عمر میں جب بھی کبھی کوئی بات آپ سے ایسی سرزد ہو گئی یا ہو جائے جو آپ کے مرتبہ عالی پر پوری نہ اترتی ہو اس کو خصوصی کے نتیجہ میں بالکل بھوکھ کر دیا گیا ہے۔ آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔ تاہم اس کے باوجود حدیث میں ہے کہ اس بشارت کے بعد آپ اتنی کثرت سے عبادت کرتے تھے کہ نماز میں کھڑے کھڑے آپ ﷺ کے پاؤں پر درم آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ صحابہؓ کو دیکھ کر یہ کہہ کر حرم آتا اور عرض کرتے کہ حضور ﷺ عام معافی کے بعد آپ ﷺ اس قدر تعجب اور محنت شاقہ کیوں برداشت کرتے ہیں، جواب میں ارشاد ہوتا کہ افلا اکون عبد اشکور ایہ شکرگزاری کا تقاضہ ہے۔

اور اس بشارت کا مستحق ایسا ہی شریف الطبع بندہ ہو سکتا ہے کہ جو اور زیادہ وقف بندگی ہو جائے نہ یہ کہ نڈر ہو جائے۔ حدیث شفاعت میں بھی آپ کا یہی امتیازی وصف ذکر کیا گیا ہے کہ مخلوق الہی پریشان حال ہو کر سلسلہ بسلسلہ جب تمام انبیاء سے گزر کر حضرت عیسیٰؑ تک پہنچے گی تو وہ یہی فرما کر رہنمائی فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کی جا چکی ہیں، ایسی عام معافی کی وجہ سے وہی اس مکرمت کے اہل ہیں۔ بجز ان کے کسی اور کا یہ کام نہیں ہے۔

اور اتمام نعمت کا حاصل یہ ہے کہ مادی، روحانی، ظاہری، انعام و احسان کی تکمیل کی جائے گی۔ اور راہ مستقیم کی ہدایت کا منشاء یہ ہے کہ اس پر مضبوطی سے ہمیشہ قائم رہیں گے۔ بلکہ معرفت و شہود کے غیر محدود مراتب گامزن ہوتے چلے گئے۔ لوگوں کے جسموں اور دلوں پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں آپ کے لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی اور لوگ جو درجہ اسلام کی سیدھی راہ کی طرف کھینچے چلے آئیں گے۔ اس طرح بھی آپ کے حسنات میں بے شمار اضافات ہوتے چلے آئیں گے۔

اور نصرت عزیز کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اس نصرت خاص کی بدولت فتح و ظفر آپ کے قدموں کو چھوتی رہے گی۔ جس کے بعد پھر آپ کو مخالفین سے دہنائی نہ پڑے گا۔ جیسا کہ پہلے بعض مصالح کی بناء پر کبھی دہنا بھی پڑتا تھا۔

اذا جاء نصر الله و الفتح و رایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا۔ سورۃ نصر اور اس آیت کا مضمون یکساں ہے۔ تمام قبائل عرب، اہل مکہ کے انجام کے منتظر تھے۔ فتح مکہ ہوتے ہی چاروں طرف سے لوگ امنڈ پڑے اور بلا واسطہ اور بالواسطہ اسلام کی طرف دوڑ پڑے اسی نصرت خاص کا اثر ”نزل سکینہ“ ہے کہ صحابہ کرامؓ خلاف طبع باتیں پیش آنے کے باوجود اطاعت رسول میں نہایت ثابت قدم رہے اور ذرا نہیں ڈمگائے اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا۔ مراتب عرفان و یقین میں اضافہ ہوا۔ جہاد کے لئے اس موقع پر بیعت کر کے توبہ دکھلا دیا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔

اس کے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عام جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور فرمائی۔ تو صحابہؓ نے پھر بھی گردن اطاعت خم کر دی۔ ایک وہ رنگ تھا اور ایک یہ رنگ ہوا، دونوں ایمان کے رنگوں میں صحابہؓ پورے اترے۔

چار وعدے:..... ان چاروں وعدوں میں پہلے دو وعدے مغفرت اور اتمام نعمت آخرت سے متعلق ہیں۔ اول دفع مضرت اور دوسرا جلب منفعت پر مشتمل ہے۔ اسی لئے اول کو مقدم کیا گیا۔ اور بعد کی نعمتیں ہدایت صراط مستقیم اور نصرت عزیز دنیا سے متعلق ہیں۔ جہاں تک سیدھی راہ پر چلنے کا تعلق ہے اگرچہ پہلے ہی اس پر آپ یقینی طور سے گامزن تھے۔ مگر اول تو اسکے مراتب غیر محدود ہیں۔ ان میں آئندہ ترقی مقصود ہے

- دوسرے یہ منشاء بھی ہو سکتا ہے کہ اب تک مخالفین کی جانب سے اس میں مزاحمتیں ہوتی رہی ہیں لیکن اب اس ہدایت خاص کے نتیجے میں آئندہ بے شک آپ راہ ہدایت پر چلتے رہیں گے۔

اسی طرح نصرت عزیز میں اب آپ کو دینا پڑے گا اور مغلوبیت نہیں ہوگی۔ بلکہ غالب، مظفر و منصور رہیں گے۔ گویا یہاں بھی ہدایت میں دفع مضرت اور نصرت میں جلب منفعت پیش نظر ہے۔ اس طرح دونوں کا مفہوم الگ الگ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہوا یہی کہ آہستہ آہستہ تمام عرب علاقہ اسلام کی قلمرو میں شامل ہوتا چلا گیا۔

فتح مکہ سبب مغفرت ہے:..... لیغفر لک الله: میں لام کی سبب آسان تو جیہ یہ ہے کہ فتح سبب ہے کہ مخلوق کے اسلام کا اور وہ سبب ہے کثرت ثواب اور مقبولیت عند اللہ کا اور وہ سبب ہے غفران کا اور سبب السبب بھی سبب ہوا کرتا ہے۔ پس فتح مغفرت کا سبب ہو گیا۔ اور بقیہ تینوں نعمتوں میں سمیت بالکل ظاہر ہے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں کچھ کلام سورہ محمد کے اول رکوع کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں ”سکینہ“ سے مراد عام معنی ہیں جس کے دو اثر ہیں۔ ایک تو بیعت جہاد کے موقع پر جہاد کا عزم رکھنا جس کا ذکر آئندہ آیت فائزول السکینہ میں آ رہا ہے۔ اور دوسرا اثر کفار کی بے جا ضد کے باوجود آنحضرت ﷺ کے عہد نامہ کی وجہ سے صحابہ کے جوش کو ٹھنڈا کرتا ہے جس کا ذکر فائزول السکینہ علی رسولہ میں آئندہ آ رہا ہے۔ پس بعد کی ان آیات میں سکینہ سے مراد یہ خاص خاص اثر ہوں گے اور چونکہ جہاد کے لئے پہلے ابھرنا پھر رک جانا دونوں باتیں آپ کی خوشنودی سے ہوئیں اس لئے اطاعت ہوئیں اور آپ کی ہر اطاعت سے نور ایمان بڑھتا ہے۔ پس اس سے صحابہ کو ترقی ایمانی نصیب ہوئی۔

آگے واللہ جنو حارح۔ میں یہ بتا دیا کہ نہ کفار کی کثرت پر نظر کر کے عزم جہاد میں پس و پیش کرنا اور نہ عہد نامہ پر یہ خیال کر کے افسوس کرنا کہ کفار کیوں بچ گئے اور سزا کیوں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ کے لشکر کے ہوتے ہوئے کفار کی کثرت سے ڈرنے کے کیا معنی؟ وہ تمہاری کمی کو اپنے لشکر سے پورا کر سکتا ہے۔

نیز کفار کو ہلاک کرنا کچھ تم پر موقوف نہیں۔ ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے بھی ان کو تباہ کر سکتے ہیں البتہ جہاد اور صلح دونوں کے احکام بر بناء مصالح دیئے جاتے ہیں اور اس کو وہی خوب جانتا ہے کہ کب جہاد کا حکم تمہارے لئے مصلحت ہے اور کب قتال سے باز رہنا مناسب ہے۔ بہر حال زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک جہاد اور صلح کا جو حکم بھی دے گا ضرور اس میں بہتری اور حکمت ہوگی۔

حضور ﷺ نے جب صحابہ کو آیت انا فتحنا لک پڑھ کر سنائی تو صحابہ نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ انعام تو آپ ﷺ کیلئے ہوا ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر آیت لیدخل المومنین نازل ہوئی یعنی زیادتی ایمان کے ثمرہ کو دوسرے عنوان سے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اس طرح اعزاز و اکرام کے ساتھ مسلمانوں کو جنت میں داخل کرنا اور براہیوں اور کمزوریوں سے ان کو پاک کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حدیبیہ میں بیعت جہاد کرنے والوں میں کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

فتح مکہ میں عورتیں:..... یہاں عورتوں کے ذکر پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئیں کیونکہ اول تو مدار فضیلت، اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ خواہ خاص حدیبیہ کے معاملہ میں ہو یا دوسرے امور میں جن میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شریک رہتی ہیں۔ دوسرے اس تقیم میں عورتوں کو بھی ایک گونہ تسلیم رہے گی۔ کہ وہ اہل حدیبیہ کے فضائل کن کر شکست دل نہ ہوں کہ ہم اس شرف سے کیوں محروم رہیں مگر جب مدار فضیلت اطاعت ہے تو عورتیں بھی اپنے متعلقہ احکام میں فرمانبرداری کریں تو مستحق بشارات ہوں گی۔ کیونکہ مرد ہو یا عورت کسی کی بھی محنت اور ایمان داری ضائع نہیں ہوتی۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں اور دل

سے تو سب ہی مسلمان عورتیں ساتھ تھیں۔

جنت میں جانے کو ”فوز عظیم“ فرمانے سے ان انتقال صوفیوں اور مغلوب الحال درویشوں کی خام خیالی معلوم ہو جو جنت طلب کرنے کو ناقصوں کا کام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے سیکھنے کا نزول چونکہ مقام مدح ہے جس سے اختصاص معلوم ہوا۔ یعنی کفار اس سے محروم رہیں گے پس جہاں اس صلحنامہ سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوں گی اور اسلامی فتوحات کا دروازہ کھلے گا وہیں یہ سبب بنے گا۔ کفار اور منافقوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کا اور ان کو پوری سزا ملنے کا۔

چنانچہ مدینے سے چلتے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ جد بن قیس کے علاوہ کوئی منافق نہیں ہوا اور بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ کیونکہ انہیں پورا خطرہ تھا کہ مدینہ بھڑ ضرور ہوگی اور مسلمان زندہ سلامت بچ کر واپس نہیں آئیں گے اور بظاہر اسباب بھی کچھ ایسے تھے کہ مسلمانوں کا وطن سے دور ہونا فوج اور سامان حرب کی کمی، ادھر کفار کا اپنے وطن میں ہونا اور پھر سارے ہی مکہ کا مقابلہ، اس لئے منافقین نے طے کر لیا کہ کیوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔

ادھر کفار نے خیال پکالیا کہ مسلمان بظاہر تو عمرہ کے نام سے آرہے ہیں لیکن فریب سے مکہ ہم سے تھمنا چاہتے ہیں۔ یہ تھیں دونوں کی بدگمانیاں اور برے خیالات جن کو ظن السوء فرمایا گیا۔

گویا اس جملہ میں کفار اور منافقین دونوں پر تعریض ہے کہ ایک ضد باندھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے اور دوسرا آرزوؤں کی اس بھول بھلیوں میں ہے کہ مسلمان ایک بھی بچ کر نہ آئے اور چونکہ مدار اس تعذیب کا کفر پر ہے۔ اس لئے عورتوں کو بھی شمار کیا گیا۔ دوسرے مسلمان عورتوں کی طرح دل سے کافر و منافق عورتیں بھی اس جذبہ میں شریک تھیں۔ اس لئے ان کو بھی مستحق وعید سمجھا گیا۔

لیکن یہ پیش بندیاں اور احتیاطیں تاکہ، زمانہ کی گردش اور پاداش عمل سے کیسے بچ سکتے ہیں اور اللہ کسی کو سزا دینا چاہے تو کون ہے جو بچا سکتا ہے اس کا لشکر ایک سیکنڈ میں پیس کر رکھ دے۔ البتہ اسی کے ساتھ وہ حکمت والا بھی ہے اور حکمت الہی کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ہاتھوں ہاتھ ان کا صفایا کر دیا جائے مگر کچھ دنوں بعد کفار تو مقتول و ماخوذ ہوئے اور منافقین ساری عمر یاس و حسرت کی تصویر بنے رہے کہ اسلام اور مسلمان بڑھتے رہے اور وہ گھٹتے رہے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہوئی اور آخرت کا دردناک عذاب اس کا تو کیا ہی پوچھنا؟

آیت واللہ جنود السموات کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ پہلی آیت کا انشاء مسلمانوں کے غلبہ کی بشارت تھی اور یہاں کفار کے مغلوب و مقرر ہونے کی دھمکی مقصود ہے۔ اس لئے یہاں حکیمانہ کے ساتھ عزیزاً بھی فرمایا گیا جس سے قہر کی طرف اشارہ ہے۔

ان انعامات الہی میں چونکہ تمام تر واسطہ آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے آیت انا ارسلناک میں اللہ رسول کے حقوق اور ان کی بجا آوری کی فضیلت اور نہ بجالانے کی مذمت بتلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ آپ فرمانبرداروں کو خوشخبری اور نافرمانوں کو ڈر سنا تے رہیں۔ اور اپنے احوال بھی بتلاتے رہیں۔ چنانچہ شروع سے یہاں تک یہی تینوں مضامین مذکور ہوئے۔ نیز آخرت میں بھی اپنی امت اور پچھلے انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے۔

تعز و وہ وقوف قروہ: اگر اللہ کی مدد مرا دے تو اس کا مطلب دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اللہ کی تعظیم عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اس کو کمالات سے متصف اعتقاد کرے اور عملاً بھی کہ اس کی فرمانبرداری کرے اور یہ ضمیریں اگر پیغمبر کی طرف راجع ہوں تو پھر مطلب واضح ہے۔

سبحوہ۔ سے مراد صبح شام کی نمازیں ہیں۔ اور یا مطلق ذکر اگرچہ مستحب ہو۔ بہر حال اللہ کی پاکی نمازوں کے ضمن میں ہو یا نمازوں سے باہر۔

بیعت جہاد اور بیعت سلوک..... آگے بعض معاملات کے متعلق ارشاد ہے کہ پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کا مقصد چونکہ اللہ کے احکام بجا لانا ہے تو گویا وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ پیغمبر فی الحقیقت اللہ کی طرف سے بیعت کرتا ہے اور اس ذریعہ سے اسی کے احکام کی

تقبیل کراتا ہے۔ اس طرح بیعت کے وقت پیغمبر کے ہاتھ کو مجازاً بطور نیابت اللہ کا ہاتھ کہا جاسکتا ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى میں بھی یہی اسناد مراد ہیں۔ چنانچہ ومن يقطع الرسول فقد اطاع الله اسی ارتباط و تعلق کا اظہار ہے۔ اس لئے حقیقی معنی لینا یا پیغمبر کو عین خدا کہنا اور سمجھنا سخت ترین گمراہی ہوگی۔ یہ لفظ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی زیادہ تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے دونوں طرح کی بیعت لی ہے۔ بیعت جہاد اور دوسری کسی اچھے کام پر بیعت صحیح مسلم کی روایت و علی الخیر کا لفظ ہے۔ مشائخ طریقت کی بیعت احسان بھی اسی میں داخل ہے۔ سورہ ممتحنہ کے دوسرے رکوع کی آیات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حدیبیہ کی بیعت جہاد کا حاصل مضمون یہ تھا کہ ہم مرتے دم تک میدان جہاد سے منہ نہ موڑیں گے۔ ید الله فوق ایدیہم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بیعت کے وقت ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا اور شیخ کے ہاتھ کا اوپر ہونا ہی ضروری ہے۔ بلکہ اطاعت کا عہد لینا مراد ہے۔ چنانچہ بالواسطہ اور مکاتبت و مراسلت کے ذریعہ بھی بیعت ہو سکتی ہے بلکہ بیعت کی حقیقت تو شیخ کے تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ خواہ صورت بیعت حاصل نہ ہو۔ اگر صورت بیعت کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور وہ فائدہ سے خالی نہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ جو کسی کامرید نہیں وہ شیطان کا مرید ہوتا ہے۔ بے اصل ہے۔ بعض فطرتا تسلیم ہوتے ہیں انہیں چنداں حاجت نہیں ہے۔

یہی عہد کی پابندی یا عہد شکنی کا وہی حکم ہوگا جو دوسرے واجب الایفاء عہدوں کا ہے۔ آیت میں مطلقاً عہد مراد ہے۔ وہ عہد خواہ صراحۃً ہوں یا التزاماً مثلاً ایمان لانے سے اس کے تمام احکام کا التزام ہو جاتا ہے۔ یادہ عہد لزوماً ہو۔ جیسے عہد الست کے نتیجہ میں سب پر ایمان لانا لازم ہے۔ اس عہد کو متعارف بیعت کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ متعارف بیعت کے توڑنے کو یہ وعید شامل بھی نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی احکام کی پابندی کے ہوتے ہوئے اگر کسی شیخ سے تعلق ترک دے تو ذرہ بھر گناہ نہیں بلکہ غیر متبع شرع شیخ سے تعلق منقطع کر دینا مناسب اور ضروری ہوگا۔ البتہ بلا شرعی ضرورت کے شیخ سے تعلق منقطع کر دینا بے برکتی کا باعث ہے۔ بلکہ ممکن ہے کسی برائی اور گناہ میں مبتلا ہونے کا باعث بن جائے۔ اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔

حاصل آیت یہ نکلا کہ بیعت کے وقت جو قول و قرار کیا ہے جو اس کو توڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی۔ اللہ و رسول کا نقصان؟ اور جو اس عہد پر پورا اترے گا اسے بدلہ بھی بھر پور ملے گا۔

منافقین کے حیلے بہانے:..... بقول لك المخلفون۔ مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے اہتمام سے صحابہؓ کو ساتھ لیا ممکن ہے کہ لڑائی کا احتمال بھی پیش نظر ہو۔ اس پر کچھ سادہ لوح دیہاتی جن کے دلوں میں ابھی ایمان رچا نہیں تھا۔ آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو اب یہ جانے والے مسلمان زندہ بچ کر واپس آنے والے نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو نفاق کا پردہ چاک کرتے ہوئے سفر سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کو حقیقت حال سے مطلع فرمادیا۔ اور فرمایا کہ ایسے لوگ اب آپ کے سامنے غیر حاضری کے جھوٹے حیلے بہانے آ کر تراشیں گے اور کہیں گے کہ کیا بتلائیں ہمیں گھربار کے دھندوں سے فرصت ہی نہ ملی، ہمارے یہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے حاضری نہ ہو سکی بہر حال یہ کہتا ہی ہوئی اس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔

حالانکہ کہتے وقت وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اور استغفار کی درخواست بھی محض دفع الوقتی کے لئے ہے سچے دل سے نہیں۔ کیونکہ وہ دل میں اس کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے ہیں کہ ہقیقۃً پشیمان ہوں۔

سوان کے جواب میں آپ فرمادیجئے کہ سارا نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے آگے کسی کا کچھ بس چلتا۔ چنانچہ اس کو نہ تم جیسے نالائقوں کا جانا منظور تھا اور نہ اب منظور ہے کہ تمہارے لئے استغفار کروں کیونکہ جھوٹ کا پول کھل چکا ہے تم خود ہی حدیبیہ کے گونا گوں فوائد و برکات

سے محروم رہے۔

۰ رہا گھریار کے نقصان کا بہانہ، سوسب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو گھر میں رہ کر بھی نقصان ہو سکتا ہے اور وہ چاہے تو گھر سے باہر جا کر بھی نقصان نہیں ہو سکتا۔ پھر اللہ و رسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا کب شیوہ اہل ایمان ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو بھی حیلے بہانوں سے بہلا لو گے۔ گویا اس طرح دنیا بھی ہاتھ سے نہیں جائے گی اور اللہ بھی راضی رہے گا۔ اللہ کو تو سب کچھ پتہ ہے۔ تمہاری یہ جکمہ بازی نہیں چلے گی۔ کہ نہ جانے کا سبب فی الواقع وہ تھا جو تم بیان کر رہے ہو۔ بلکہ تم سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ پیغمبر اور مسلمان اب صحیح سلامت واپس نہیں ہو سکیں گے اور یہی تمہاری دلی آرزو بھی تھی۔ اس انکل پچو گمان میں تم نے اپنے لئے نہ جانے میں عافیت سمجھی۔ اور سر اسرفح سمجھا۔ حالانکہ یہ سرتا سر نقصان و خسران تھا اور اللہ جانتا تھا کہ یہ اس طرح تباہ و برباد رہو رہے ہیں۔ اللہ و رسول پر جو ایمان نہیں رکھتا اس کے لئے تو دکاتی آگ تیار ہے زمین و آسمان کی ساری خدائی اسی کی ہے وہی چاہے کسی کو بخشنے نہ بخشنے۔ میں اس کے برخلاف کیا کر سکتا ہوں؟ ہاں اس کی مہربانی ہو جائے تو تمہاری بخشش اور معافی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت بہر صورت غضب سے بڑھ کر ہے۔

منافقین کا پوسٹ مارٹم: ان منافقین کے اس عذر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس میں کئی جزو نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمیں فرصت نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ہمارا ارادہ شریک سفر ہونے کا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہم آپ کے استغفار کے مفید ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل میں تینوں باتیں نہیں تھیں۔ پہلی دو باتیں تو واقعہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور تیسری بات نبوت پر اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے، اور عذر صحیح کے باوجود استغفار کی درخواست اگر غیر مخلص کی طرف سے ہوتی ہے تو اس کو ریا کاری پر محمول کیا جائے گا۔ اور مخلص کی طرف سے اگر ہو تو تب بھی عذر کا عذر ہونا چونکہ اکثر اجتہادی ہوتا ہے جس کا مد اترجی پر ہے اور اس میں بعض اوقات نفسانی شیطانی تسویل سے تامل کرنے میں یا تامل کے مطابق عمل کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس لئے استغفار کی ضرورت پڑتی ہے۔

بہر حال ان کے عذر کر د کر دیا گیا ہے۔ اول تو عذر اگر واقع کے مطابق بھی ہوتا۔ تب بھی قطعی حکم کے ہوتے ہوئے محض لغو تھا۔ کیونکہ وہ عذر فی الواقع قضاء و قدر سے تو بچا نہیں سکتا تھا۔ تاہم شریعت نے جہاں مصلحت سمجھا تسلی وغیرہ کی مصلحت سے واقعی عذر کو مدار رخصت قرار دے دیا۔ لیکن جہاں شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور قطعی حکم دے دیا۔ جیسا کہ یہاں ایسے میں واقعی عذر بھی معتبر نہیں ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ ان کا عذر واقعی بھی نہیں محض فرضی ہے اور ایک قسم کی بہانہ بازی ہے پھر اس کی شنوائی کیسے ہو؟ بعض تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض تائب اور مخلص بھی ہو گئے تھے۔

فتح خیبر:..... سیقول للث المخلفون اذا انطلقتم۔ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ”خیبر“ یہودیوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جس میں وہ غدار یہودی رہتے تھے، جو بد عہدی کر کے جنگ احزاب میں کافروں کو مدینہ پر چڑھالائے تھے۔ حدیبیہ سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کی سرکوبی کو ضروری سمجھنے ہوئے چڑھائی فرمادی اور وحی الہی کے مطابق اعلان کرایا کہ جو کام چورد یہاں حدیبیہ میں جان بچا گئے وہ اس معرکہ خیبر میں بھی نہ جاسکیں گے۔ اللہ نے ہمیں اس سے پہلے ہی آگاہ فرمادیا ہے۔ مشکل وقت میں جب یہ لوگ ساتھ نہیں ہوئے تو آسان وقت میں کیوں ساتھ ہوں۔ ایسا ہوا تو یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کا کہنا بدل دیا گیا۔ جو ظاہر ہے کہ نہیں ہو سکتا۔

لن تتبنونا: کا مقصد ہمیشہ کے لئے ممانعت نہیں ہے بلکہ لین تائید وقتی کے لئے ہے یعنی صرف معرکہ خیبر کے اعتبار سے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے جو بحر سے نقل کیا ہے۔ کہ ان غیر حاضرین میں قبیلہ مزنیہ اور جہیمہ کے لوگ بھی تھے۔ جو خیبر کے بعد غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جہاد رہے، اگلی آیت سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے۔ اسی طرح فارس وغیرہ کے غزوات میں بھی بعض انہی دیہاتیوں کو حضرت فاروق

اعظم نے اپنے دور خلافت میں شامل کیا۔ جس سے یہی ثابت ہوا کہ مطلق تاہید مراد نہیں ہے۔

اسی طرح خیبر کے مال غنیمت کو آنحضرت ﷺ کے اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص کرنے پر شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے بعض مہاجرین حبشہ کو جو ”اصحاب سفینہ“ کہلاتے تھے۔ کچھ حصہ کیوں عنایت فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ یہ عطیہ خیبر کی فوج کی رضامندی سے ہوا ہوگا یا مالِ خمس میں سے مرحمت فرمایا ہوگا جو خاص غنائم کا حق نہیں ہے۔ علی اختلاف القولین۔

ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں:..... فسيفو لون الخ یعنی پیغمبر کا یہ جواب سن کر یہ گنوار بولیں گے کہ اللہ نے تو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ تم چاہتے ہو کہ بلا شرکت غیر زے سارا مال تمہارے ہاتھ آجائے۔ ہمیں کچھ نہ مل سکے۔ فی الحقیقت ایسا کہنے والے نے نا سمجھ ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان زہد و قناعت کے مجسمے ہیں۔ ان میں حرص و حسد کیوں ہونے لگا۔ اور کیا پیغمبر ہیں۔ العیاذ باللہ، خدا پر از راہ حسد جھوٹ بول دیں گے۔

غرض کہ اس لڑائی میں تو نہیں جاسکتے۔ مگر ذرا صبر کرو۔ آئندہ بہت سے معرکے آئے ہیں۔ سخت جنگ جو قوموں سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ اور یہ سلسلہ ان قوموں کے مسلمان ہونے یا باجگذار ہونے تک جاری رہے گا۔ اگر واقعی تمہیں شوق جہاد ہے تو اس وقت تمہارے حوصلے اور دلوں کو دیکھ لیں گے۔ اس وقت اللہ کا حکم ماننے پر اللہ بہترین بدلہ دے دے گا۔ اور حدیبیہ کی طرح اگر اس وقت بھی تم نے معرکوں سے منہ موڑ لیا تو اللہ سخت ترین سزا بھی دے گا۔ شاید آخرت سے پہلے ہی مل جائے۔

ان جنگ جو قوموں سے مراد مسلمہ کذاب کی قوم، بنو حنیفہ ہوگی۔ یا ہوازن و ثقیف وغیرہ قومیں ہیں جن سے حنین میں مقابلہ ہوا۔ یا وہ مرتد لوگ جن پر صدیق اکبر نے فوج کشی کی۔ یا قارص و روم و کرد و غیرہ قومیں جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان بھی ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا۔

لیس علی الاعمی۔ یعنی جہاد اور دوسرے امور معاملات میں عام ضابطہ یہی ہے کہ معذوروں پر یہ احکام لاگو نہیں ہوتے۔

لَطَائِفُ سُلُوكٍ:..... هو الذي انزل السكينة۔ لیکن ایسی چیز ہوتی ہے جس میں نور اور قوت و روح ہوتی ہے جس سے سکون میسر آجاتا ہے اور سہولت اعمال اور ضبط احوال کی توفیق مل جاتی ہے۔

لیز دادوا ایمانا مع ایمانہم۔ یعنی ایمان استدلالی کے ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہو جاتا ہے۔

ان الدین یا یعونک۔ روح البعانی میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کے کمال فناء و بقاء کی طرف۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ بِالْحُدُوبِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ هِيَ سَمُرَةٌ وَهُمْ أَلْفٌ وَتِلْكَ مِائَةٌ أَوْ أَكْثَرُ ثُمَّ بَايَعَهُمْ عَلَى أَنْ يَنَاجِزُوا قُرَيْشًا وَأَنْ لَا يَمِيرُوا عَلَى الْمَوْتِ فَقَلِمَ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْوَفَاءِ وَالصِّدْقِ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ بَعْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الْحُدُوبِ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا مِنْ خَيْبَرَ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا مِنَ الْفُتُوحَاتِ فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ غَنِيمَةُ خَيْبَرَ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ فِي عِبَالِكُمْ لَمَّا خَرَجْتُمْ وَهَمَّتْ بِهِمُ الْيَهُودُ فَقَذَفَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ وَلِتَكُونَ أَيْ الْمُعْجَلَةُ عَطْفُ

عَلَى مُقَدَّرٍ أَى لَتَشْكُرُوهُ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ فِى نَصْرِهِمْ وَيَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۲۰﴾ أَى طَرِيقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ وَ تَفْوِضِ الْأَمْرِ إِلَيْهِ تَعَالَى وَ أُخْرَى صِفَةُ مَغَانِمٍ مُقَدَّرٌ مُبْتَدَأٌ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا هِىَ مِنْ فَارِسَ وَالرُّومِ قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا عِلْمًا أَنَّهُا سَتَكُونُ لَكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۱﴾ أَى لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَلَوْ قَاتَلَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَلْحَدِيَّةِ لَوْ لَوُا الْأَذْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا يَحْرُسُهُمْ وَلَا نَصِيرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللَّهِ مُصَدَّرٌ مُؤَكَّدٌ لِمَضْمُونِ الْحُمْلَةِ قَبْلَهُ مِنْ هَزِيمَةِ الْكَافِرِينَ وَ نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ أَى سُنَّ اللَّهِ ذَلِكَ سُنَّةَ الَّتِى قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾ مِنْهُ وَهُوَ الَّذِى كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ بِأَلْحَدِيَّةِ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ فَإِنَّ تَمَازِينَ مِنْهُمْ طَافُوا بِعَسْكَرِكُمْ لِيُصِيبُوا مِنْكُمْ فَأَخِذُوا وَآتَى بِهِمْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَعَفَا عَنْهُمْ وَخَلَّى سَبِيلَهُمْ فَكَانَ ذَلِكَ سَبَبُ الصُّلْحِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۴﴾ بِالْبَيَاءِ وَالتَّاءِ أَى لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَى عَنِ الْوُصُولِ إِلَيْهِ وَالْهَدَى مَعْطُوفٌ عَلَى كُمْ مَعْكُوفًا مَحْبُوسًا حَالٌ أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ أَى مَكَانَهُ الَّذِى يُنْحَرُ فِيهِ عَادَةً وَهُوَ الْحَرَمُ بَدَلُ اشْتِمَالٍ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ مَوْجُودُونَ بِمَكَّةَ مَعَ الْكُفَّارِ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ بِصِفَةِ الْإِيمَانِ أَنْ تَطْشُوهُمْ أَى تَقْتُلُوهُمْ مَعَ الْكُفَّارِ لَوْ أَذِنَ لَكُمْ فِى الْفَتْحِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنْ هُمْ فَتُصِيبُكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةً أَى إِنْكُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ مِنْكُمْ بِهِ ضَمَائِرُ الْعَيْبَةِ لِلصَّغْفَرِ بِتَغْلِيبِ الذُّكُورِ وَجَوَابٌ لَوْ لَا مَحْذُوفٌ أَى لِأَذِنَ لَكُمْ فِى الْفَتْحِ لَكِنْ لَمْ يُؤْذَنَ فِيهِ حِينَئِذٍ لِيُدْخَلَ اللَّهُ فِى رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ كَالْمُؤْمِنِينَ الْمَذْكُورِينَ لَوْ تَرَبَّلُوا تَمَيَّزُوا عَنِ الْكُفَّارِ لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ حِينَئِذٍ بِأَنْ نَأْذَنَ لَكُمْ فِى فَتْحِهَا عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۵﴾ مُؤَلَّمًا إِذْ جَعَلَ مُتَعَلِّقَ بَعْدُنَا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعِلٌ فِى قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْأَنْفَةَ مِنَ الشَّيْءِ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ بَدَلٌ مِنَ الْحَمِيَّةِ وَهِيَ صَدُّهُمْ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَانْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَصَالِحُهُمْ عَلَى أَنْ يَغُودُوا مِنْ قَابِلٍ وَلَمْ يَلْحَقْهُمْ مِنَ الْحَمِيَّةِ مَا لَحِقَ الْكُفَّارَ حَتَّى يُقَاتِلُوهُمْ وَالزَّمَهُمْ أَى الْمُؤْمِنِينَ كَلِمَةَ التَّقْوَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَأُضِيفَ إِلَى التَّقْوَى لَا نَهَا سَبِيهَا وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْكُفَّارِ وَأَهْلُهَا عَطْفٌ تَفْسِيرِيٌّ، وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۲۶﴾ أَى لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَمِنْ مَعْلُومَاتِهِ تَعَالَى أَنَّهُمْ أَهْلُهَا لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِى النَّوْمِ عَامَ الْحَدِيثِ قَبْلَ خُرُوجِهِ أَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ آمِنِينَ وَيُحِيقُونَ وَيُقَصِّرُونَ فَخَبَّرَ بِذَلِكَ أَصْحَابَهُ فَقَرِحُوا فَلَمَّا خَرَجُوا

مَعَهُ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحُدُودِ وَرَجَعُوا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ وَرَأَى بَعْضُ الْمُنَافِقِينَ نَزَلَ وَقَوْلُهُ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ
بِصَدَقِ أَوْ حَالٍ مِنَ الرُّوْيَا وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيرٌ لَهَا لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَتَتَبَرَّكَ أَمِينٌ
مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ أَيْ جَمِيعَ شُعُورِهَا وَمُقَصِّرِينَ^۱ أَيْ بَعْضَ شُعُورِهَا وَهُمَا حَالَانِ مُقَدَّرَتَانِ لَا تَخَافُونَ^۲
أَبَدًا فَعَلِمَ فِي الصَّلَاحِ مَا لَمْ تَعْلَمُوا مِنَ الصَّلَاحِ فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ أَيْ الدُّخُولِ فَتَحًا قَرِيبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ
فَتْحٌ خَيْرٌ وَتَحَقَّقَتِ الرُّوْيَا فِي الْعَامِ الْقَابِلِ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ أَيْ دِينَ
الْحَقِّ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ عَلَى جَمِيعِ بَنِي الْإِدْيَانِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۲۸﴾ إِنَّكَ مُرْسَلٌ بِمَا ذُكِرَ كَمَا قَالَ
مُحَمَّدٌ مُبْتَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ خَبْرُهُ وَاللَّذِينَ مَعَهُ أَيْ أَصْحَابُهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مُبْتَدَأَ خَبْرِهِ أَشَدُّ غَلَاظَ عَلَى
الْكُفَّارِ لَا يَرَحْمُونَهُمْ رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ خَبَرٌ ثَانٍ أَيْ مُتَعَا طِفُونَ مُتَوَادُونَ كَالْوَالِدِ مَعَ الْوَلَدِ تَرَاهُمْ تَبَصَّرُهُمْ
رُكْعًا سُجَّدًا حَالَانِ يَتَتَبَعُونَ مُسْتَانِفٌ يَطْلُبُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ عَلَامَتُهُمْ مُبْتَدَأَ فِي
وُجُوهِهِمْ خَبْرُهُ وَهِيَ نُورٌ وَبَيَاضٌ يُعْرَفُونَ بِهِ فِي الْآخِرَةِ أَنَّهُمْ سَجَدُوا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ^۳ مُتَعَلِّقٌ
بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَرُ أَيْ كَاتِنَةٌ وَأَعْرَبَ حَالًا مِنْ صَوْبِهِ الْمُسْتَقْبَلِ إِلَى الْخَبَرِ ذَلِكَ أَيْ الْوَصْفُ الْمَذْكُورُ مَثَلُهُمْ
صِفَتُهُمْ فِي التَّوْرَةِ مُبْتَدَأَ وَخَبْرُهُ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ^۴ مُبْتَدَأَ خَبْرُهُ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ يَسْكُونُ
الطَّاءَ وَفَتْحَهَا فَرَاخُهُ فَازَرَهُ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ قَوَاهُ وَأَعَانَهُ فَاسْتَغْلَظَ غَلْظًا فَاسْتَوَى قَوَى وَاسْتَقَامَ عَلَى سَوْقِهِ
أُصُولُهُ جَمَعَ سَاقٍ يُعْجَبُ الزَّرَّاعُ أَيْ زُرَّاعُهُ لِحُسْنِهِ مِثْلُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِذَلِكَ لِأَنَّهُمْ بَدَأُوا فِي
قِلَّةٍ وَضَعُفٍ فَكَثُرُوا وَقَوُوا عَلَى أَحْسَنِ الْوُجُوهِ لِيَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ^۵ مُتَعَلِّقٌ بِمُحَذِّوْفٍ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ
شَبَّهُوا بِذَلِكَ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ أَيْ الصَّحَابَةَ لِبَيَانِ الْجَنَسِ لَا لِلتَّبَعِيضِ لِأَنَّ
كُلَّهُمُ بِالْصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ مَغْفُورَةٌ وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ الْحَنَّةُ وَهُمَا لِمَنْ بَعْدَهُمْ أَيْضًا فِي آيَاتِ

۱
۲
۳
۴
۵

ترجمہ: یقیناً اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہو گیا جو آپ سے (حدیبیہ میں) بیعت کر رہے تھے۔ درخت کے نیچے جو کیکر کا تھا اور یہ
مسلمان تیرہ سو یا زیادہ تھے۔ جنہوں نے پھر آنحضرت ﷺ سے اس پر بیعت کر لی کہ ہم قریش سے مقابلہ کریں گے اور مرنے سے جی نہیں
چرائیں گے) اور (اللہ) کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا (وفاداری اور سچائی) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان پیدا فرمادیا اور ان کو لگے
ہاتھوں فتح دے دی (حدیبیہ سے واپسی پر خیر فتح کرا دیا) اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ حاصل کر رہے ہیں (یعنی فتوحات خیر) اور اللہ
تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے ہمیشہ ان خوبیوں کا مالک رہا ہے) اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تم سے کر رکھا ہے۔ جن
(فتوحات) کو تم حاصل کرو گے سو زبردست تو تمہیں (یہ خیر کی غنیمت) دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے (تمہارے اہل و
عیال سے جب تم خیر میں چلے گئے اور یہود نے ان اہل و عیال پر حملہ آور ہونا چاہا تو اللہ نے یہودیوں کے دلوں پر بیت طاری کر دی) اور تاکہ

ہو جائے (یہ فوری غنیمت اس کا عطف مقدر پر ہو رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے تشکروہ ولتکون) اہل ایمان کے لئے نمونہ (ان کی امداد کے سلسلہ میں) اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے (یعنی توکل اور اللہ کے بھروسہ کرنے کے طریقہ پر) اور ایک فتح اور بھی ہے (صفت مغام مقدر کی یہ مبتداء ہے) جو تمہارے قبضہ میں نہیں آئی (فتح فارس و روم مراد ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے (اسے خبر ہے کہ وہ فتح عنقریب تمہیں حاصل ہو کر رہے گی) اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (ہمیشہ اس کی یہ صفت رہتی ہے) اور یہ کافر (حدیبیہ میں) اگر تم سے لڑتے بھڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا (جو ان کی حفاظت کرتا ہے) اور نہ مددگار، اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے (یہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے جو کفار کی شکست اور مسلمانوں کی مدد سے متعلق تھا۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا ہے) جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہیں پائیں گے۔ اور اللہ ہی نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے باز رکھے۔ وادی مکہ (حدیبیہ) میں اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا کیونکہ اسی (۸۰) کفار مکہ تمہاری گھات میں لگ گئے تھے تمہاری نقصان رسانی کے درپے ہو کر گر پڑنے کے لئے گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے درگزر فرما کر ان کو رہا فرمایا۔ انجام کار یہی واقعہ سبب صلح بن گیا (اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا) (یعلمون یا اور تاکہ کے ساتھ یعنی اللہ ہمیشہ اس خوبی کا مالک رہتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام (تک پہنچنے) سے روکا اور قربانی کے جانور کو (اس کا عطف ضمیر کم پر ہو رہا ہے) جو رکھا ہوا (یعنی منع یہ حال ہے) ارہ گیا اپنی جگہ پر پہنچنے سے (جہاں اس کی عادی قربانی کی جاتی ہے یعنی حرم یہ بدل اشتمال ہے) اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں (کفار کے ساتھ مکہ میں) جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی (ان کے ایمان کی) ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا (یعنی یہ کہ کفار کے ساتھ وہ بھی مارے جاتے۔ اگر تمہیں مہم سر کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔ یہ ضمیر ہم سے بدل اشتمال ہے) جس پر ان کی وجہ سے تمہیں بھی مصیبت پہنچتی (یعنی گناہ ہوتا) بے خبری میں (تمہاری طرف سے۔ غائب کی ضمیریں مرد و عورت دونوں کی طرف راجع ہیں لولا کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لاذن لکم فی الفتح لکن لم یؤذن فیہ حیثنذ) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (جیسے مذکورہ مومنین کو داخل کیا ہے) اگر یہ علیحدہ ہو گئے ہوتے (کافروں سے الگ ہو جاتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو سزا دیتے) (یعنی کفار مکہ کو اس صورت میں، تمہیں فتح مکہ کی اجازت دے کر) دردناک (تکلیف دہ) جب کہ جگہ دی (اس کا تعلق عذبتا کے ساتھ ہے) ان کافروں نے (یہ فاعل ہے) اپنے دلوں میں عار (تکبر) کو، اور عار بھی جاہلیت کی (یہ حیثیت سے بدل ہے اور وہ جاہلانہ عار، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو مسجد حرام میں داخلہ سے روکنا ہے) سو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے قوت برداشت عطا فرمائی (چنانچہ انہوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ سال آئندہ آئیں گے اور انہیں کافروں جیسی عار نہیں لگی کہ لڑائی مول لے لیتے) اور اللہ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس کلمہ کی اضافت تقویٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ کلمہ سبب تقویٰ ہے اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں (کلمہ کی بنسبت کفار کے) اور اس کے اہل ہیں (عطف تفسیری ہے) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ہمیشہ اس کی یہی شان ہے اور اللہ کے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ یہ اس کے اہل ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو واقع کے مطابق ہے (آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے سال حدیبیہ جانے سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ باطمینان مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور کچھ لوگ سرمنڈوا رہے ہیں اور کچھ بال کتر وارہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس خواب کا ذکر صحابہ سے کیا تو سن کر صحابہؓ خوش ہوئے لیکن جب آپ صحابہؓ کی بیعت میں عازم ہوئے اور کافروں نے مقام حدیبیہ میں روک دیا اور سب کو واپس ہونا پڑا تو صحابہؓ اس سے ملول ہوئے اور بعض منافقین تردک کا شکار بھی ہو گئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بالحق کا تعلق صدق سے ہے یا رویا سے حال ہے اور بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے) تم لوگ ضرور مسجد حرام میں جاؤ گے انشاء اللہ تبرکاً فرمایا

ہے اسن دامان کے ساتھ کوئی (سارے) سر کو منڈاتا ہوگا اور کوئی پال کٹاتا ہوگا (یعنی بالوں کا کچھ حصہ یہ دونوں لفظ حال مقدر ہیں) کسی طرح کا (کبھی) اندیشہ نہ ہوگا۔ سوائے اللہ کو (صلح کی نسبت) وہ باتیں معلوم ہیں (جن مصالح کو) تم نہیں جانتے پھر اس (مکہ میں حاضری) سے پہلے لگے ہاتھوں ایک اور فتح دے دی (فتح خیبر مراد ہے اور اگلے سال خواب بھی پورا ہو گیا) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ (دین حق) کو غالب کر دے (باقی تمام دینوں پر، اور اللہ کافی گواہ ہے) اس پر کہ آپ مذکور پیغامات دے کر بھیجے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے (محمد (مبتدا ہے) اللہ کے رسول ہیں (یہ خبر ہے) اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (مومن صحابہؓ یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ تیز (سخت) ہیں کافروں کے مقابلہ میں ان پر رحم نہیں کھاتے آپس میں مہربان ہیں یہ دوسری خبر ہے یعنی ایک دوسرے سے تعلق خاطر اور محبت رکھتے ہیں جیسا کہ باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے) اے مخاطب تو دیکھے گا تجھے نظر آئے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، (یہ دونوں حال) ہیں جستجو میں لگے ہیں (جملہ مستانفہ ہے) یعنی تلاش میں رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کی، ان کے آثار (نشانات) یہ مبتداء ہے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں (یہ خبر ہے آثار سے مراد نور اور چمک ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سجدے کئے تھے) بوجہ تاثیر حمد کے اس کا تعلق بھی خبر کے متعلق ہی سے ہے یعنی کائنات سے، اور اس پر حال کا اعراب ہے اس ضمیر کی وجہ سے جو خبر کی طرف راجع ہے) یہ (مذکورہ تعریف) ان کے اوصاف (صفات) ہیں تو رات میں (یہ مبتداء اور خبر ہے) اور انجیل میں (مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان کی یہ شان ہے کہ کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی سوئی نکالی (لفظ شطاسکون طا اور فتح طاء کے ساتھ یہ دونوں طرح ہے کو نیل مراد ہے) پھر اس نے اس کو قوی کر دیا (لفظ ازمد کے ساتھ اور بغیر مد دونوں طرح ہے یعنی اس کو مضبوط کر دیا اور اس میں بڑھوتری کر دی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہو گئی (طاقت و رسیدگی کھڑی ہو گئی) پھر اپنے تہ پر وہ سیدھی کھڑی ہو گئی (سوق، ساق کی جمع ہے) کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یعنی کھیتی عمدہ ہونے کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگی۔ صحابہؓ یہ مثال اس لئے دی گئی کہ وہ شروع میں کم اور کمزور تھے۔ پھر خوب بڑھے اور مضبوط تر ہو گئے) تاکہ ان کے ذریعہ سے کافروں کو جلائے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے جس پر پچھلا مضمون دلالت کر رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ شہو ابذلک) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں وعدہ کر رکھا ہے (یعنی صحابہؓ سے من بیان جنس کے لئے ہے من تعجیضہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمام صحابہؓ کی یہی شان تھی) بخشش اور بڑے ثواب کا (جنت کا اور یہ دونوں وعدے دوسری آیات کی وجہ سے بعد کے لوگوں کے لئے بھی ہیں)۔

تحقیق وتر کیسب..... الشجرة۔ لیکر کا درخت جو ریگستانی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کو طح بھی کہتے ہیں۔ لیکن جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ طح کیلے کو کہتے ہیں۔

ابن عمرؓ سے شرح مواہب میں ہے کہ شجرہ کا مصداق مخفی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر متعین کر دیا جاتا تو عوام تعظیم میں غلو کرنے لگتے۔

یہاں جزوا۔ بمعنی مقاتلہ تفسیری عبارت کے دونوں جملوں میں منافات نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

وعدکم: اس میں خطاب کی طرف التفات ہے اہل حدیبیہ کی تکریم کے لئے۔

فعجل لکم۔ مستقبل کو ماضی کے ساتھ لانے میں اس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ جو امر مقدر ہو چکا ہے اس کی یہ خبر از قبیل اخبار غیب ہے۔ ابن جبیرؒ، مجاہدؒ اور قتادہؒ سے نقل کرتے ہیں اور عام مفسرین کی رائے بغیثت خیبر کی ہے، لیکن بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔

فی عیالکم ای عن عیالکم۔ سفر حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے اور الناس سے اہل خیبر اور ان کے حلیف بنو اسد و غطفان مراد ہیں۔ عیسیا کہ

تفسیری عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر صرف بنواسد و غطفان مراد لئے جائیں تو پھر خیر کی طرف خروج ہوگا۔
ولتکون ای لتشکروا ولتکون ایتہ۔

للمومنین۔ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے نشانات فتوحات مراد ہیں۔

واخریٰ۔ اس کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہوا اور لم تقدروا علیہا اس کی صفت ہے اور قد احاط اللہ بہا خبر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی خبر محذوف مقدر ہو۔ ای و ثم اخریٰ لم تقدروا علیہا۔ تیسرے یہ کہ فعل مضمر علی شرط التفسیر کی وجہ سے منصوب ہو۔ وقضیٰ اللہ اخریٰ۔ چوتھے یہ کہ فعل منصوب فعل مضمر علی غیر شرط التفسیر ہو ای و وعدکم اخریٰ یا و اتاکم اخریٰ پانچویں یہ کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہو۔ بقول زحشریٰ یہ وادرب ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف مشہور ہے کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہے یا وادب معنی رب کی وجہ سے۔ مفسر نے اخریٰ کا مبتداء ہونا تو ذکر کر دیا لیکن خبر نہیں بیان کی یعنی قد احاط اللہ بہا اور لم یقدروا علیہا مبتداء کی صفت ہے۔

الذین کفروا۔ مراد اہل مکہ ہیں جن میں خالد بن ولید بھی تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ کراغ غمیم تک آپنچے تھے مگر حملہ آور نہیں ہو سکے۔

سنة اللہ۔ یعنی غلبہ انبیاء جیسے لا غلبن انا ورسلی فرمایا گیا ہے۔

بطن مکہ۔ بطن سے مراد مقام حدیبیہ اور مکہ سے مراد حرم ہے جس میں حدیبیہ بھی داخل ہے۔ یا حدیبیہ چونکہ اس سے متصل ہے اس لئے دونوں اعتبار سے حدیبیہ کو بطن مکہ کہنا صحیح ہے۔

والہدیٰ۔ عام قرآن کو ضمیر منصوب کم پر عطف کرتے ہوئے یا مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ لیکن ابو عمرو ایک روایت میں مسجد حرام پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ ای وعن نحو الہدیٰ اور ایک قراءت رفع کی بھی ہے فعل مقدر مجہول کی وجہ سے ای وصد الہدیٰ اس کی عام قرائت فتح ہا اور سکون دال کے ساتھ ہے۔ لیکن عمرؓ اور ابو عاصمؓ وغیرہ کسر دال اور تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ابن خالد یہ نے اس میں فن لغت نقل کئے ہیں۔ الہدیٰ، الہدیٰ، الہدیٰ۔

معکوفاً۔ علف بمعنی جنس لازم ہے اور الہدیٰ سے حال ہے۔

محله۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ محصر کے لئے ہدی کا محل حرم ہے اور محل سے مراد مخصوص جگہ یعنی منیٰ ہے۔

بہر حال محل سے مراد خاص وہ مکان نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ قربانی جائز نہ ہو۔ تا کہ اس کو اس کی دلیل بنایا جائے کہ محصر کے لئے محل حدی صرف حرم ہے جیسا کہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔ یہ ہدی سے بدل اشتغال ہے اور حذف جار بھی مانا جاسکتا ہے۔ ای عن ان یبلغ الہدی محله اور جار مجرور یا صدو کم سے متعلق ہو جائے گا یا معکوفاً ہے۔

ان تطوہم۔ وطی کے اصل معنی روندنے کے ہیں یہاں مرا قتل ہے یہ لفظ ہم سے بدل اشتغال ہے یا ہر جال و نساء سے بدل ہے مذکر کی تغلیب کرتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لو لا وطی رجال و نساء موجودون۔

معرة۔ بروزن مفعلة۔ عرہ بمعنی عراہ سے ناگوار چیز کو کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ ابن عباسؓ سے یہی معنی نقل کر رہے ہیں اور مفسر کے اسم کے ساتھ تفسیر کرنے سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ قتل و قتال سے صرف گناہ ہوتا ہے۔ کچھ اور چیز اس پر لازم نہیں ہوتی۔ لیکن ابو اسحق دیت کے معنی لیتے

ہیں

اور بعض کفارہ کے معنی لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

بغیر علم۔ یعنی تمہیں گناہ کی خبر نہیں ہے۔ اس طرح اب ہر گناہ کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ تم تعلموہم کا تعلق ان کی ذوات سے ہے بلحاظ ایمان اور بغیر علم کا تعلق گناہ سے ہے۔

و جواب لو لا۔ ای لولا کراہۃ ان تہلکوا انا سا مومنین بین اظہر الکفار حال کونکم جاہلین بہم فیصیکم باہلاکہم مکروہ لما کف ایذیکم عنہم۔

اذ جعل۔ یہ عذبتا کا ظرف ہے اور صدوکم سے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔

الحمیۃ۔ بخاری شریف میں ان کی حمیت جاہلیت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو نبی نہ ماننا، بسم اللہ کی بجائے با سَمک اللہم لکھنے پر اصرار کرنا اور حضور ﷺ کو نبی الوقت عمرہ سے روک دینا حمیت جاہلیت ہے۔

فانزل اللہ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای قضاقت صدور المسلمین واشتد الكرب علیہم فانزل السکینۃ۔

والزمہم۔ یہ الزام بطور تکریم ہے اور کلمہ تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے، ابن جریر، عطاء خراسانی اور ترمذی ابی ابن کعب سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ مراد ہے۔ اور ابن جریر زہری سے نقل کرتے ہیں کہ بسم اللہ مراد ہے۔ کلمہ اتقویٰ میں اضافت ادنی تلبس کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ ہوں تو پھر اضافت حقیقہ ہوگی۔

احق بہا۔ علم الہی میں چونکہ صحابہؓ کو اسلام سے منتخب کر لیا گیا ہے اس لئے وہی اہل تقویٰ ہیں۔

لقد صدق۔ یعنی اس خواب کی تعبیر اگرچہ ایک سال بعد ظاہر ہوئی اور علم الہی میں تحقق تھی۔ تاہم یہ خواب اضغاث احلام میں سے نہیں ہے۔ اور تفسیر خازن میں صدق اللہ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ نے آپ کو حدیبیہ میں خبر دی کہ آپ کا داخلہ برحق اور صحیح ہے۔ لیکن ایک سال پہلے دیکھنے کا قول اصح ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن نفیل اور رفاعہ بن حارث نے اعتراض کیا بھی ہے کہ واللہ ما حلقتہ ولا قصرونا ولا رابنا المسجد الحرام اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بالحق۔ میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صدق سے متعلق ہو۔ دوسرے یہ کہ مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای صادقاً محتسباً بالحق۔ تیسرے یہ کہ محذوف کا حال ہو ای مطلبۃ بالحق۔ چوتھے یہ قسم ہو اور اس کا جواب تہ خلن ہو۔ اس صورت میں رویا پر وقف کرنا پڑے گا۔

انشاء اللہ۔ بندوں کو ادب کی تعلیم اور تقویٰ کی تعلیم بھی ہے تعلیق کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہاں تعلیق بے معنی ہوگی۔ بلکہ تبرک کے لئے ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مشیت الہی پورے لشکر کے اعتبار سے ہے۔ اور وہ قضاء مبرم ہے۔ اگرچہ حاضری نصف یعنی سات سو کی ہوئی ہے اور بعض نے اس تعلیق کو فرشتہ کی یا آنحضرت ﷺ کی طرف سے حکایت مانا ہے۔

امنین۔ یہ حال ہے تہ خلن کے واو محذوف سے ای امین فی حال الدخول لا تخافون علو کم ان یغیر حکم تفسیر کی عبارت حالان کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دونوں حال ہیں واو محذوف سے اور یا آمین سے حال ہیں اول صورت میں حال مترادفہ اور دوسری صورت میں حال متداخلہ ہوگا۔ اور لا تخافون جملہ مستانہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور حال بھی ہو سکتا ہے تہ خلن کے فاعل سے یا آمین کی ضمیر سے یا محققین یا مقصرین سے پہلی صورت میں تاکید ہو جائے گی۔

مقدمہ ثان۔ اب یہ شبہ نہیں رہا کہ دخول کی حالت تو احرام کی حالت ہے اور اس وقت حلق و قصر نہیں ہو سکتا۔ پھر کیسے حال بنانا صحیح ہوگا۔ لیکن کہا جائے گا حال مقدمہ ہے۔

لا تخافون۔ اگرچہ آمین کے بعد یہ لفظ بظاہر مکرر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ آمین سے مراد حرم میں داخلہ کے وقت امن ہے اور لا تخافون میں آئندہ کے لئے امن کا وعدہ ہے۔

فتحاً قویاً۔ بخوبی کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور خواب کی تعبیر عمرہ قضا کی صورت میں پوری ہوئی۔

علی الدین کلہ۔ تمام ادیان سابقہ پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً دلائل براہین کے ذریعہ اسلام کا غلبہ مراد ہے۔

و کفی باللہ شہیداً۔ یعنی اللہ اپنے وعدہ کے پورا ہونے پر گواہ ہے اور حسن سے منقول ہے کہ اسلام کے غلبہ پر اللہ کی گواہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے کہ کفاه اللہ شہیداً اور شہید حال یا تمیز ہے اور ”محمد“ تقدم ہوا الذی کی وجہ سے خبر ہے مبتدائے محذوف کی ”ای ہو محمد“ یا مبتداء ہے اور خبر رسول اللہ ہے۔

رکعاً سجداً۔ یہ دونوں تراجم کے مفعول سے حال ہے ای تشاہدہم حال کو نھم راکعین ساجدین لمواظبتہم علی الصلوۃ۔ یتغون۔ جملہ متانفہ ہے کہ رکوع و سجود کی مواظبت پر سوال ہوا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یتغون اس کا جواب ہے۔

سیمامہم۔ طول تجدد کے نشانات مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ من کثر صلوٰۃ باللیل حسن وجہہ بالنہار۔ اور یادہ نور مراد ہے جو قیامت میں وجہ امتیاز ہوگا۔ طبرانی نے ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے سیمامہم النور یوم القیمۃ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ خشوع و خضوع مراد ہے اور سعید بن جبیر کے نزدیک پیشانی پر سجدہ کی مٹی مراد ہے۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ نشانات سجدہ، قمر، لیلۃ البدر کی طرح روشن ہوں گے۔

من ضمیرہ۔ یعنی خبر کا تعلق اور الی الخبر سے جار مجرور مراد ہے۔

مثلمہم۔ یہ مبتداء ہے اور فی الانجیل خبر ہے اور یہ جملہ ذلک کی خبر ہے یا ذلک مبتداء اور مثلمہم اس کی خبر اور فی التورۃ مثلمہم سے حال ہے۔ مثلمہم فی الانجیل مبتداء ہے کزوع الخ اس کی خبر ہے۔ اس صورت میں فی التورۃ پر وقف ضروری ہوگا۔ یہ دو مثالیں ہوں گی۔ جیسا کہ مفسر کی رائے ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثانی مثلمہم پہلے مثلمہم پر معطوف ہے۔ اس صورت میں فی الانجیل پر وقف کیا جائے گا اور دونوں کتابوں میں ایک ہی مثال ہوگی۔ اور کزوع خبر ہو جائے گی۔ مبتدائے محذوف کی ای مثلمہم کزوع الخ اور جملہ مبتدائے محذوف ہو جائے گا شطآء۔ کھیت اور درختوں کی کوئیل مراد ہے۔ فروخ الذرع یعنی کھیت پھول کر پھٹنے کے قریب ہے۔

فازرہ۔ دراصل اکرم یکرم کے وزن پر ہے۔ مشہور قاعدہ صرفی کی وجہ سے ہمزہ کو ماضی میں الف سے بدل دیا گیا ہے اور اذر بالقصر ثلاثی سے ضرب سے ہے بمعنی طاقت ور کرنا۔

ابن جریر قنادہ سے نقل کرتے ہیں۔ سیمامہم فی وجوہہم ای علامتہم فی الصلوۃ یہ تورات کی مثال ہے اور انجیل کی مثال کزوع اخروج الخ ہے جو صحابہ کی شان میں آئی ہے۔ اور ابن جریر ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ شروع میں کم تعداد تھے پھر کثیر التعداد ہو گئے اور مضبوط بن گئے۔

ابن جریر اور حاکم، ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ تم کھیت کی طرح ہو جو پکنے کے قریب پہنچ گیا اور بعض اکابر کی رائے ہے کہ ذراع آنحضرت ﷺ ہیں اور فطاً سے مراد صحابہ ہیں۔

لیغیظ بہم الکفار۔ صحابہ کی ترقی کی یہ علت ہے۔ امام مالک کی ایک روایت روافض کی تکفیر کی ہے۔ کیونکہ انکو صحابہ سے غیظ ہے اور غیظ صحابہ از روئے آیت کفر ہے۔ جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے۔

منہم۔ ضمیر جمع معنی فطاً کی طرف ہے۔ اس میں لفظ کی رعایت نہیں کی گئی اور من بمعنیہ نہیں ہے بلکہ بیان جنس کیلئے ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ کہ

یہی شان ہے اس لئے روافض کے لئے گنجائش کلام نہیں رہی۔ اور بعض اہل لطائف نے اس آیت سے خلفائے اربعہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے اس طرح کہ ”اخرج شطاہ“ سے صدیق اکبرؓ اور فازرہ سے فاروق اعظمؓ اور فاستغلط سے حضرت عثمان غنیؓ، اور ”فاستوی علی موقہ“ سے حضرت علیؓ کے ادوار کی طرف اشارہ ہے۔

﴿تشریح﴾:..... لقد رضی اللہ صلح حدیبیہ کے مقام پر جو بیعت جہاد یکبر کے درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ نے لی۔ اس کی نسبت ”رضی“ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے۔

ما فی قلوبہم۔ سے مراد ظہر اندیشہ اور باطن صدق و اخلاق، حسن نیت و توکل اور جوش اسلامی مراد ہے۔ البتہ ابو حیان کی رائے ہے کہ صلح اور اس کی شرائط کے سلسلہ میں جو رنج و غم اور اضطراب دلوں پر چھا رہا تھا وہ مراد ہے۔ چنانچہ انزل السکینہ بھی اس پر قرینہ ہے۔ حدیبیہ، فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا..... فتح کا قریباً اس سے فتح خیبر مراد ہے جس سے صحابہؓ سوزہ حال ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عزیز حکیم ہے۔ اسلئے اس نے حدیبیہ کی کسر خیبر میں نکال دی۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے موقعہ پر بھی انہی کوششوں کا ظہور ہوا۔ غرضیکہ فتوحات کی ابتدا خیبر سے ہوئی۔ حدیبیہ اور خیبر دونوں جگہ کلمے عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی نہ کفار سے آنے سامنے جنگ ہوئی اور نہ غائبانہ مسلمانوں کے اہل و عیال کو کوئی گزند پہنچا سکے۔

واخروی لم تغدروا۔ بیعت الرضوان کا فوری صلح فتح خیبر کی صورت میں سامنے آ گیا اور فتح مکہ اگرچہ فوری نہ ہو سکی مگر مل کر رہی۔ اول تو وہ علم الہی میں طے تھی۔ دوسرے وہ بھی اسی صلح کے نتیجہ میں حاصل ہو سکی پس یہ صلح ہی فتح مکہ کا پیش خیمہ بنی۔ فتح خیبر چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ہوئی۔ اس لئے یہ آیات اگر راستہ میں بھی نازل ہوئی ہوں۔ تو اس سورت کا واپسی میں نازل ہونا ملحوظ اکثر اجزاء کے ہوگا۔ جیسا کہ ساتویں واقعہ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور جس قدر غنائم اس آیت کے بعد حاصل ہوئے وہ سب مقام کثیرہ کے مصداق ہوں گے۔ اور انزل السکینہ جو یہاں ہے وہ بیعت کے وقت کا مضمون ہے اس لئے اس سے مراد قل وضبط نفس وقت صلح مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ اسی سورت میں آئندہ اس لفظ سے مراد لی گئی ہے۔

اور فتح مکہ بھی اگرچہ مقام کثیرہ کے عموم میں داخل ہے۔ لیکن صحابہؓ کے اشتیاق کے پیش نظر و اخروی لم تغدروا میں خصوصیت سے اس کا ذکر فرمادیا گیا ہے۔

سنة اللہ:..... ولوقتیکم۔ یعنی اگر لڑائی ہوتی تو مسلمان ہی غالب رہتے اور کفار بھاگتے نظر آتے۔ مگر اللہ کی یہ حکمت ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور گو یہ اس وقت فتح نہیں ہے۔ مگر مآلات فتح ہے۔ اللہ کا اہل طریقہ ہے کہ جب اہل حق و باطل میں آویزش ہوتی ہے تو انجام کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب ہوا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اہل حق مجموعی طور پر پوری طرح حق پر قائم ہوں۔ اور بعض حضرات لمن تجد لسنة اللہ الحج کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کی عادت کو اور سنة اللہ کے موافق جو کام ہو اس کو بدل سکے۔

حدیبیہ کی صلح میں مصالح:..... وهو اللہی کتب۔ مشرکین کی کچھ ٹولیاں ”حدیبیہ“ پہنچی تھیں کہ موقعہ پا کر حضور ﷺ کو شہید کر ڈالیں یا اکیلے وکیلے مسلمانوں کو ستائیں، کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی حتیٰ کہ ایک مسلمان کو شہید بھی کر ڈالا، بے ہودہ اور اشتعال انگیز کلمات جکتے بھی پھرے۔ صحابہؓ نے ان کو گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش بھی کر دیا مگر حضور ﷺ نے ازارہ کرم ان کو معاف کر دیا اور کچھ تعرض نہیں فرمایا۔ اس

آیت میں اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور مقام حدیبیہ کو بطن مکہ قرب کی وجہ سے کہا ہے گویا شہر کے بیچ ہے بہر حال کفار کی شرارتیں اور مسلمانوں کا غنودخل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔

و صدو کم۔ یعنی مشرکین نے قربانی کے جانور ذبح کی مقررہ جگہ تک نہ پہنچنے دیئے۔ اس طرح حدیبیہ ہی میں رکے رہے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مکہ میں مقہور و مجبور اور وہ مظلوم مسلمان کہ جن کو دوسرے مسلمان جانتے بھی نہ تھے۔ کہیں قتل نہ کر دیئے جائیں گے۔ تو فی الحال ہی لڑائی کا حکم دے دیا جاتا۔ مگر اس صورت میں خود مسلمان اس قومی نقصان پر کف افسوس ملتے۔ نیز کافروں کو برملا یہ کہنے کا موقعہ ہاتھ آتا، کہ دیکھو مسلمان، مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔

غرض ان وجوہ سے لڑائی موقوف رکھی گئی۔ کہ ایک طرف کمزور مسلمان محفوظ رہ سکیں اور دوسری طرف تمہارے بے مثال صبر و تحمل کی بدولت رحمت الہی جوش میں آئے۔ نیز جن کافروں کے لئے آئندہ اسلام مقدر ہے انہیں جنگ کی ہولناکیوں سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ اس طرح ساری بے ادبی کافروں کے سر رہی کہ عمرہ کرنے والوں کو روکا۔ اور قربانی کے دستور کے مطابق مقررہ جگہوں پر پہنچنے نہ دیا۔ مگر مسلمان باادب رہے۔

بظاہر فتح اسی وقت مناسب تھی۔ مگر کمزور مسلمان مکہ میں چھپے ہوئے تھے۔ اس وقت فتح میں وہ پس جاتے اور کچھ کی قسمت میں بھی مسلمان ہوتا تھا۔ آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے۔ تب اللہ نے مکہ فتح کر دیا۔ البتہ اگر مسلمان کفار سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو کیا سزا دے چکھاتے۔

چند شبہات کا ازالہ:..... بظاہر الفاظ لم تعلموہم اور بغیر علم میں اسی طرح لو لا رجال اور لم تزلو میں تکرار معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اگر اول کے دونوں لفظوں کو تفصیل اور اخیر کے دونوں لفظوں کو اس تفصیل کا اجمال کہا جائے تو پھر تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ کیوں ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا دور کرنا اختیار میں ہو اور پھر اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو یہ کوتاہی گناہ ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ صحابہ میں اس کوتاہی کا احتمال کب ہے۔

جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی اور صحابہ کرام میں اس قسم کی بے توجہی محل اشکال نہیں۔ اور حدیبیہ کو انتہائی قرب کی وجہ سے بطن مکہ اور عین مکہ کہنے سے حنفیہ کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں داخل ہے۔ البتہ جملہ معکوفان یبلغ محلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ حرم میں داخل نہیں ہے۔ ورنہ یہ کیوں کہا جاتا کہ ہدی اپنے محل میں پہنچنے سے روک دی گئی۔ جب کہ قربانی حدیبیہ میں موجود ہے اور حدیبیہ داخل حرم ہے؟

جواب یہ ہے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے بلکہ دستور و رواج کے مطابق مقررہ جگہ مراد ہے۔ جہاں قربانی کے جانور ذبح ہوا کرتے تھے۔ قربانی کے دنوں میں منیٰ اور دوسرے اوقات میں مکہ میں جانور ذبح ہوتے تھے۔ چنانچہ شامی نے اس کی اولویت نقل کی ہے۔

اور روایت کا اطلاق حج و عمرہ دونوں کو شامل ہے۔ اور جمہور کے نزدیک حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔ ان کے نزدیک اس کو بطن مکہ کہنا محض قریب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے جمہور کی رائے پر۔ البتہ یہ شبہ رہے گا کہ محصر کے لئے محل ہدی جب کہ خود محل احصار ہے۔ پھر اس مقام پر پہنچ کر معکوفان یبلغ محلہ کے کیا معنی؟ لیکن جمہور بھی یہی جواب دیں گے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے۔ بلکہ مشہور مقررہ مقام مراد ہے۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی:..... حمیۃ الجاہلیہ۔ مشرکین کی طرف سے صلحنامہ میں دفعات رکھنا کہ ”مسلمان اسی سال عمرہ نہیں کر سکتے بلکہ آئندہ سال آسکتے ہیں۔ لیکن صرف دو تین روز کے لئے اور وہ بھی غیر مسلح ہو کر اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے باسمک اللہم اور محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبد اللہ کہنے پر زور دیا اور یہ کہ مکہ سے کوئی مسلمان ہجرت کر جائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا اور کوئی مسلمان مکہ میں آجائے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ نادانی اور ضد کی انتہا ہے، مگر حضور ﷺ نے صلحنامان دفعات کو منظور فرمایا اور مسلمانوں نے بھی طبعاً سخت ناگواری کے باوجود محمد ﷺ آپ ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے سر تسلیم خم کر دیا اور بالآخر اس فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔ اور اللہ سے ڈر کر نافرمانی سے بچ رہا اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے چبے رہے۔ کیونکہ وہ حقیقی توحید کے پرستار اور علمبردار امن تھے۔

کلمۃ التقویٰ کی تفسیر حدیث میں اسی لئے لا الہ الا اللہ کے ساتھ کی گئی ہے کہ حقیقی فرمانبردار ایک سچا مومن ہی ہو سکتا ہے اور صحابہ کرام نے اس کو کر کے دکھایا۔

اور لفظ احق کو اسم تفصیل کے صیغہ سے اور لہذا کو بلا تفصیل لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تھوڑی تھوڑی قابلیت ایمان سب میں پائی اجاتی ہے۔ اسی لئے سب مکلف بالا ایمان ہیں۔ البتہ مسلمانوں میں یہ قابلیت زیادہ ہے۔ لیکن آخرت میں کفار کے لئے ذرا بھی ثواب کی قابلیت نہیں ہوگی۔ وہاں نفس الہیت بھی مسلمانوں ہی میں منحصر ہوگی۔

سچا خواب:..... لقد صدق اللہ۔ اس آیت میں حضور ﷺ کے اسی خواب کا ذکر ہے کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈوا کر اور بال کترا کر ہم حلال ہو رہے ہیں۔ اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے اسی سال عمرہ کا قصد فرمایا عام طور سے صحابہ یہی سمجھے کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور عمرہ کریں گے لیکن صلح حدیبیہ کے نتیجے میں جب واپسی ہوئی تو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن و امان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا بے شک میں ہی ہوگا جیسے میں نے کہا تھا۔ اگلے سال وہی سب کچھ ہوا۔

بالحق ای متلبسا۔ تاکید و اہتمام کے لئے ہے صحابہ کے تردد کو رفع کرنے اور مخالفین کے طعن کو دفع کرنے کے لئے۔ انشاء اللہ۔ ابن کثیر کے نزدیک تحقیق و تاکید کے لئے ہے، لیکن سیبویہ کے نزدیک کسی کام کو کرنا اگر منظور ہوتا ہے لیکن قطعی طور پر کسی مصلحت سے ایک چیز کو تھلا نا مقصود نہیں ہوتا تو وہاں یہ عنوان اختیار کیا کرتے ہیں۔

امنین میں داخلہ کے وقت اور لاتخافون میں داخلہ کے بعد تا واپسی امن مراد ہے۔ اس لئے تکرار کا شبہ نہ کیا جائے۔

حدیبیہ میں جنگ نہ ہونا ہی مصلحت تھا:..... نجعل من دون ذلک۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صلح کی حکمت کا بیان ہو یعنی اگر اسی سال عمرہ ہوتا تو قتل و قتل کی نوبت آتی اور صلح نہ ہو سکتی اور بہت سی مصلحتیں فوت ہو جاتیں۔ مثلاً فتح خیبر نہ ہوتی کیونکہ حالیہ قتل و قتل سے اتنا تعب ہوتا کہ بظاہر وہی مہینہ بعد دوسری معرکہ آرائی مشکل تھی۔ دوسرے سفر کرنے میں اہل مکہ کی طرف سے اندیشہ لگاتا کہ کہیں وہ مدینہ پر چڑھائی نہ کریں۔ اس خطرہ کے پیش نظر سفر ہی نہ ہو سکتا۔ پس فی الحال صلح ہو جانے میں ان مصالح کا لحاظ رہا۔

فتح خیبر کو صحابہؓ بھی ”فتح مبین“ کہا کرتے تھے اور چونکہ یہ فتح مبین آنحضرت ﷺ کی اطاعت کی بدولت میسر آئی۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کے اصرار سے صحابہ کا شکستہ دل ہونا اس کا متقاضی ہوا کہ اسی عنوان سے آپ کی تصدیق فرما کر اس کو دوام بخشا جائے اور فتح مکہ اور دیگر فتوحات میں اہل حدیبیہ اور غیر اہل حدیبیہ چونکہ سب ہی شریک رہے۔ اس لئے لید خل المومنین اور والذین معہ میں عام عنوان رکھا گیا۔

دین متین اور فتح مبین:..... لیظہرہ علی الدین کلہ، یعنی چادین اور سیدھی راہ وہی ہے جو حضور ﷺ لے کر آئے۔ کیونکہ اس میں اصول و فروع اور عقائد و احکام سب کچھ مکمل اور اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ چنانچہ اللہ نے اسلام کو ظاہر اطور پرینکٹروں سال مذاہب عالم پر غالب رکھا اور صدیوں بڑی شان و شوکت سے مسلمانوں کی حکومت کا پھریرا عالم میں لہراتا رہا اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب عالم میں دین حق کی حکومت ہوگی، باقی دلیل و برہان کے لحاظ سے تو ہمیشہ اسلام ہی غالب رہا اور رہے گا۔ البتہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنی حکمت عملی سے اس کو ثابت کرنے والا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی شان:..... محمد رسول اللہ ﷺ کے جان نثار صحابہ کا یہ حال ہے کہ ایک طرف اگر وہ مؤمنین کے لئے مہر وفا کے پتلے ہیں تو دوسری طرف دشمنان دین و حق کے مقابلہ میں قہر و جلال کی تصویر ہیں۔ اذلة علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین جو نرمی و تندہی بطور خود خصلت ہوتی ہے۔ وہ سب جگہ برابر رہا کرتی ہے۔ لیکن جو ایمان سے سنور کر آئے وہ نرمی اپنی جگہ اور گرمی اپنی جگہ ہوا کرتی ہے وہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی شان لئے ہوئے ہوتی ہے۔ غرض صحابہ کی دونوں شانیں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عیاں رہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی شرعی مصلحت سے کافر کے ساتھ حسن سلوک اور احسان سے پیش آنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مدہ منت فی الدین نہ ہوتی ہو۔ بہر حال جہاں تک بندوں کا تعلق ہے تو صحابہ کی یہ شان تھی اور جہاں تک اللہ کا تعلق ہے وہ نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو اللہ کے آگے رکوع و سجدہ میں پڑے ہوئے پورے اخلاص سے و طائفہ بندگی بجالاتے ہیں۔ ریا و نمود کا شائبہ تک نہیں۔ محض اللہ کی خوشنودی کے جو یا ہیں۔ خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق رہتی ہے۔ خشیت الہی اور حسن نیت و خلوص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کرتی ہیں۔ یہ حضرات اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچان لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ پچھلی آسمانی کتابوں میں ان کی یہی شان بیان کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور طریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔

اسلام کا ارتقاء:..... کز ع اخروج۔ جس طرح کھیتی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے کہ آج کو نیل پھوٹی ہے پھر ڈنڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ پھر دانے اور پھل پھول آتے ہیں۔ یہی حال دین اسلام کا ہوا کہ حضور ﷺ کے عہد میں ایک سے دو اور دو سے چار ہوئے اور آہستہ آہستہ بڑھو تری ہوتی رہی اور دین مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ بعض علماء نے ”اخرج شطاہ“ اور ”فازرہ“ سے عہد فاروقی اور ”فاسئلظ“ عہد عثمانی اور ”فاسئلظ علی سوقہ“ سے عہد مرتضوی کی طرف اشارہ لیا ہے اور بعض علماء نے علی الترتیب والذین معہ، اشداء علی الکفار رحماء بینہم تو اہم رکھا مسجدا سے خلفاء اربعہ کے عہد مراد لئے ہیں۔

مدح صحابہؓ اور خلفاء راشدین کا امتیاز:..... لیکن بہتر یہی ہے کہ بحیثیت مجموعی تمام صحابہ کی مدح و توصیف مراد ہو۔ خاص طور پر بیعت الرضوان میں شریک حضرات کی جن کا ذکر شروع سورت سے چلا آ رہا ہے۔ زراع۔ یعنی کاشت کاروں کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ اس کام میں مبصر ہوتے ہیں۔ پس ایک چیز مبصر کو بھی پسند آجائے تو دوسرے کیوں پسند نہیں کریں گے۔ پس اس میں مدح صحابہؓ نہایت بلیغ ہے۔

اور ذلک الخ میں تین احتمال ہیں ایک تو ذلک مٹلہم پر کلام پورا ہو جائے اور مٹلہم فی الانجیل سے دوسرا کلام شروع ہو جائے

دوسرے فی الانجیل پر کلام پورا ہو کر کنز مع مستقل کلام ہو یعنی تورات وانجیل سے منقول نہ ہو۔ تیسرے تورات یا انجیل پر کلام ختم نہ ہو بلکہ ذلک سے اشارہ آئندہ تمثیل کی طرف ہو اس صورت میں اس تمثیل کا مضمون تورات وانجیل دونوں میں مشترک ہونا چاہیے۔ آج دنیا میں اگر اصلی تورات وانجیل ہوتیں تو ان میں سے کوئی ایک احتمال متعین کیا جاسکتا ہے۔

تورات وانجیل کی تائید:..... لیکن جس حالت میں یہ کتابیں آج موجود ہیں ان کے لحاظ سے پہلا احتمال رائج ہے۔ چنانچہ تورات سفر اشعیا ۳۳ ویں باب کے شروع میں ہے۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے جوہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔“

پھر اسی باب میں آگے چل کر ہے:

”ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو پائیں گے۔“

فاران مکہ کے پاس پہاڑ ہے اور شعیر مدینہ کے پاس پہاڑ کا نام ہے اور یہ مضمون ان آیات سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح انجیل متی کے تیرہویں باب کے آٹھویں جملہ اور پھر ۳۲، ۳۱ جملہ میں ہے۔

”اور کچھ تم اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سوگنا، کچھ ساٹھ گنا، کچھ تیس گنا۔“

رودوافض:..... منہم میں من بیان ہے۔ سب صحابہ اس میں داخل ہیں۔ تاہم صحابیت اور برکات و فضائل صحابیت کے لئے ایمان پر خاتمہ شرط ہے۔ لیکن اس سے تبراہیوں کی مقصد برآری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ علم الہی میں حقیقی صحابہ اگر محدودے چند ہوتے۔ جیسا کہ ان تبراہیوں کا دعویٰ ہے تو حق تعالیٰ اس عنوان سے تعبیر نہ فرماتے کہ من بیان کی صورت میں تو کلیت نکلتی ہے اور من تبعیض کی صورت میں اکثریت مفہوم ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل صحابہ یا کل کے قریب حضرات ایسے ہیں محبت یافتہ تھے۔ کوئی فرد جس نے کم محبت پائی ہو اگر احياناً خارج بھی ہو جائے تب بھی یہ آیت اس فرقہ کے لئے مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔

لیکن بعض حضرات نے لیغیظ بہم الکفار سے اس فرقہ کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ استدلال مشکل ہے کیونکہ آیت سے کافر کا ذی غیظ ہونا کلیۃً یا اکثریتاً ثابت ہوتا ہے نہ کہ ذی غیظ کا کافر ہونا۔

اطائف آیات:..... فصییکم منہم معرۃ بغیر علم۔ اس میں ایک اشکال ہے کہ جب بے خبری میں ان کے ہاتھوں

اہل ایمان پامال ہو جاتے تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوتا۔

پھر معرۃ بغیر علم کے کیا معنی؟ اس میں کئی قول ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں طبعی تاسف اور رنج مراد ہے، معصیت مراد نہیں ہے۔ لیکن اقرب یہ ہے کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ لیکن خود عمل میں اگرچہ بلا علم ہو یہ خاصیت ہے کہ اگر علم کے بعد تدارک نہ کیا جائے تو صالح استعداد بھی ضعیف پڑ جاتی ہے جس کا اثر اعمال میں اضمحلال بلکہ اختلال ہو جاتا ہے اور اس کا نقصان وہ ہونا ظاہر ہے اہل دل اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

اشداء علی الکفار۔ یعنی صفت جلال و جمال کے جامع ہیں اور ان کی پیشانی خلعت نورانی ہے۔

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلِبُوا مِن مِّمَّ بِمَعْنَى تَقَدَّمَ أَيْ لَا تَتَقَدَّمُوا بِقَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ الْمُبْلَغُ عَنْهُ أَيْ بغيرِ اذْنِهِمَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ لِّقَوْلِكُمْ عَلِيمٌ ﴿۱﴾ بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِي مُحَادَلَةِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي تَأْمِيرِ الْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ أَوْ الْقَعْقَاعِ بْنِ مَعْبُدٍ وَنَزَلَ فِي مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ إِذَا نَطَقْتُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ إِذَا نَطَقَ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ إِذَا نَاجَيْتُمُوهُ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ بَلْ دُونَ ذَلِكَ إِجْلًا لَهُ أَنْ تَحْبِطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۲﴾ أَيْ خَشْيَةً ذَلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُورَيْنِ وَنَزَلَ فِي مَنْ كَانَ يَخْفِضُ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ كَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَغْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى أَيْ لِيُظْهَرَ مِنْهُمْ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۳﴾ الْحَنَّةُ وَنَزَلَ فِي قَوْمٍ جَاءُوا وَقَتَ الظُّهَيْرَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي مَنْزِلِهِ فَنَادَوْهُ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ حُجُرَاتٍ نِسَاءَهُ ﷺ جَمْعُ حُجْرَةٍ وَهِيَ مَا يُحَجَرُ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ بِحَائِطٍ وَنَحْوِهِ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ نَادَى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوهُ فِي إِيَّاهَا مُنَادَاةَ الْأَعْرَابِ بِغِلْظَةٍ وَخَفَاءٍ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴﴾ فِيمَا فَعَلُوهُ مَحَلَّكَ الرَّفِيعُ وَمَا يُنَاسِبُهُ مِنَ التَّعْظِيمِ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا أَنَّهُمْ فِي مَحَلِّ رَفَعٍ بِالْإِتْدَاءِ وَقِيلَ فَاعِلٌ لِّفِعْلِ مُقَدَّرٍ أَيْ ثَبَتَ حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵﴾ لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ وَنَزَلَ فِي الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ وَقَدْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ مُصَدِّقًا فَخَافَهُمْ لِرَبَّةٍ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وَقَالَ إِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وَهَمُّوا بِقَتْلِهِ فَهَمَّ النَّبِيُّ ﷺ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءَهُ وَأَمْنُكَرِينَ مَا قَالَهُ عَنْهُمْ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ خَبِيرٍ فَتَبَيَّنُوا صِدْقَهُ مِنْ كَذِبِهِ وَفِي قِرَاءَةِ فَتَبَيَّنُوا مِنَ الثَّبَاتِ أَنْ تُصَيِّبُوا قَوْمًا مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ خَشْيَةُ ذَلِكَ بِجَهَالَةِ حَالٍ مِنَ الْفَاعِلِ أَيْ جَاهِلِينَ فَتُصَيِّبُوا فَتَصِيرُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ مِنَ الْخَطَاءِ بِالْقَوْمِ فَلَمَّ يَمِينِ ﴿۶۱﴾ وَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ ﷺ بَعْدَ عَوْدِهِمْ إِلَى بِلَادِهِمْ خَالِدًا فَلَمَّ يَرِ فِيهِمْ إِلَّا الطَّاعَةَ وَالْخَيْرَ فَاخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِذَلِكَ وَأَعْلَمُوهُ أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَلَا تَقُولُوا الْبَاطِلَ فَإِنَّ اللَّهَ يُخْبِرُهُ بِالْحَالِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي تُخْبِرُونَ بِهِ عَلَى خِلَافِ الْوَاقِعِ فَرْتَبَ عَلَى ذَلِكَ مُقْتَضَاهُ لَعْنَتُمْ لَا تَمُتُمْ دُونَهُ إِنَّهُمُ التَّسَبُّبُ إِلَى الْمُرْتَبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ حَسَنَةً فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ اسْتَدْرَاكَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى دُونَ اللَّفْظِ مِنْ حُبِّ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ الْخِ غَايَرَتْ صِفَتُهُ صِفَةً مَنْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ أَوْلَئِكَ هُمْ فِيهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخَطَابِ الرَّشِدُونَ ﷻ الثَّابِتُونَ عَلَى دِينِهِمْ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ مَصْدَرٌ مَنْصُوبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيْ أَفْضَلَ وَنِعْمَةً مِنْهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِهِمْ حَكِيمٌ ﴿۶۸﴾ فِي أَنْعَامِهِ عَلَيْهِمْ وَإِنْ طَافْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي قَضِيَّةٍ هِيَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ جِمَارًا وَمَرَّ عَلَى ابْنِ أَبِي قُبَالٍ الْجِمَارُ فَسَدَ ابْنُ أَبِي أَنْفَهَ فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ وَاللَّهِ لَكَبُولُ جِمَارِهِ أَطْيَبُ رِيحًا مِنْ مِسْكِكَ فَكَانَ بَيْنَ قَوْمِيهِمَا ضَرْبٌ بِالْأَيْدِي وَالْبَعَالِ وَالسَّعْفِ اقْتَتَلُوا جُمِعَ نَظَرًا إِلَى الْمَعْنَى لِأَنَّ كُلَّ الطَّائِفَةِ جَمَاعَةٌ وَقُرِئَ اقْتَتَلْنَا فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا رُئِيَ نَظَرًا إِلَى اللَّفْظِ فَإِنْ بَغَتْ تَعَدَّتْ إِحْدَهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفْتِيَءَ تَرْجِعَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ أَلْحَقَ فَإِنْ قَاءَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بِالْإِنْصَافِ وَأَقْسَطُوا إِعْدِلُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۶۹﴾ إِنَّهَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فِي الدِّينِ فَاصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ إِذَا تَنَافَا وَقُرِئَ إِخْوَتُكُمْ بِالْمُؤَافَاةِ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِي الْإِصْلَاحِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ:..... سورۃ الحجرات مدنیہ ہے جس میں شاندار آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اے ال ایمان تم سبقت مت کیا کرو، (یہ لفظ قدم بمعنی تقدم ہے یعنی بات چیت یا کام میں پیش قدمی نہ کیا کرو) اللہ و رسول سے پہلے (جو اللہ کے پیغمبر ہیں یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تمہاری باتوں کو سننے والے جاننے والے ہیں (تمہارے کاموں کے پچھلی آیت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب کہ ان دونوں میں اقرع بن حابس اور قحطاع بن معبد کے امیر بنانے کے متعلق مباحثہ ہوا۔ اور اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کی آواز حضور ﷺ کی موجودگی میں بلند ہوگئی تھی) اہل ایمان اپنی آوازیں (بات کرتے وقت) پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کیا کرو (جب آپ ﷺ مصروف گفتگو ہوں) اور نہ ان سے سرگوشی کے وقت ایسے کل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (بلکہ ادباً پست آواز سے بولا کرو) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (یعنی اونچی آواز ہونے اور زور سے بولنے میں یہ ڈر ملحوظ رہنا چاہیے۔ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ کے سامنے پست آواز سے بات چیت کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

یقیناً جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خالص کر دیا (آزما لیا) ہے تقویٰ کے لئے (یعنی تاکہ ان کا تقویٰ نمایاں ہو جائے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (جنت، اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو دو پہر کو حاضر ہوئے جب کہ آنحضرت ﷺ زنان خانے میں استراحت فرما رہے تھے اور انہوں نے آواز لگانی شروع کر دی بلاشبہ جو لوگ حجرہوں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں (زنان خانے سے باہر، حجرات حجرہ کی جمع ہے زمین کا وہ کھڑا جولوہ اور وغیرہ سے گھیر دیا جائے۔ ان میں سے ہر ایک الگ الگ حجرہوں میں آواز لگاتا پھرتا تھا۔ کیونکہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کس حجرے میں تشریف فرما ہیں اور آواز بھی گاؤں والوں کی طرح اکھڑنے سے) ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں (ان کا یہ طرز عمل آپ کے بلند مرتبہ اور اس کی شایان شان تعظیم سے ناواقفیت پر مبنی ہے) اور اگر یہ لوگ ذرا صبر کرتے (انہم مبتدأ ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور بعض کے نزدیک فعل محذوف مثبت کا فاعل ہے) یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور الرحیم ہے (ان میں سے جنہوں نے توبہ کر لی، اگلی آیت ولید بن عقبہ کے بارہ میں نازل ہوئی جن کو آنحضرت ﷺ نے مصدق بنا کر بنو المصطلق کے یہاں روانہ فرمایا۔ انہیں اس پرانی دشمنی کی وجہ سے اندیشہ ہوا جو ان میں باہم زمانہ جاہلیت میں قائم تھی۔ اور ولید نے واپس ہو کر عرض کیا کہ بنو المصطلق والے زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے چنانچہ یہ سن کر آپ کو بھی فوج کشی کا خیال ہو گیا۔ مگر اس قبیلہ کے لوگوں نے حاضر ہو کر ولید کے الزام کی تردید کی) اے اہل ایمان! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (جھوٹ اور سچ کی۔ اور ایک قرأت میں تشبہ ہوا ہے ثبات سے ماخوذ) ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے (ان تصیبوا مفعول لہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے، خشية ذلک) نادانی سے (فاعل سے حال ہے بمعنی جاہلین) پھر تمہیں اپنے کئے پر (قوم کے ساتھ غلطی کرنے پر) پچھتانا پڑے (آنحضرت ﷺ نے بنی المصطلق کی واپسی کے بعد پھر ان کے پاس خالد بن ولید گوروانہ فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں میں بجز فرمانبرداری اور بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی جس کی اطلاع انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دی) اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں (لہذا غلط بات مت کہو ورنہ اللہ تعالیٰ صحیح صورت حال سے آپ کو مطلع فرما دے گا) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر پیغمبران میں تمہارا کہنا مانا کریں (جو خلاف واقعہ باتیں تم نے پہنچائی ہیں ان پر اگر ان کا منقضی مرتب ہو جائے) تو تم کو بڑی مضرت پہنچے (تم کہہ گا رہو جاؤ گے حضور ﷺ پر کوئی الزام نہیں۔ اور یہ گناہ، گناہ کا سبب بننے کی وجہ سے ہوگا اس پر شرعاً مرتب ہونے تک) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا۔ (مستحسن بنا دیا) اور کفر و فتنہ اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی (لکن سے استدراک بلحاظ معنی ہے لفظی اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ اہل ایمان جن کی شان یہ ہو ان کی کیفیت مذکورہ بالا کیفیت سے مختلف ہوتی ہے) ایسے ہی لوگ (اس میں خطاب سے التفات ہے) راہ راست پر ہیں (دین پر قائم) اللہ کے فضل (مصدر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے امی افضل فضلاً) اور (اس کے) انعام سے اور اللہ تعالیٰ (ان سے) باخبر حکمت والا ہے (ان پر انعام کرنے میں) اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ (یہ آیت ایک واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ گدھے پر سوار ہو کر ابن ابی کے پاس سے ہو کر گزرے۔ اتفاقاً گدھے نے پیشاب کر دیا۔ جس پر عبد اللہ ابن ابی نے اپنی ناک بند کر لی، عبد اللہ بن رواحہ بولے کہ واللہ آپ ﷺ کے گدھے کا پیشاب تیرے مشک کی خوشبو سے اچھا ہے۔ چنانچہ طرفین میں ہاتھ پائی، جو تم پیزار، تچی بازی شروع ہو گئی) آپس میں لڑ پڑیں (بلحاظ معنی جمع لائی گئی ہے۔ کیونکہ ہر فریق ایک پوری جماعت تھی اور ایک قرأت میں اقتلتا بھی ہے) تو تم ان کے درمیان اصلاح کرو (یہاں تشبیہ بلحاظ لفظ لایا گیا) پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی (ظلم) کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (حق) کی طرف رجوع ہو جائے (لوٹ آئے) پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل (انصاف) کے ساتھ اصلاح کرو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مسلمان تو سب (ذینی) بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو۔

کرو (جب وہ جھگڑا کریں۔ ایک قراءت میں ان کو تم کے ساتھ ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (اصلاح کے معاملہ میں) تاکہ تم پر رحمت کی بارے۔

تحقیق و ترکیب: لا تقدموا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ قدم لازم ہے جو بعضی تقدم ہے جو متعدی ہوتا ہے مفعول محذوف ہے یعنی بقول او حل۔

بن یدی اللہ۔ یعنی اللہ و رسول کے ہر معاملہ میں مطیع رہو۔ تقدم بین یدی ابیہ وامہ کے معنی ہیں ان کو بلا اجازت حکم دے دیا یا ممانعت کردی اور بعض کے نزدیک مفعول محذوف ہے ای امر۔

رق صوت النبی یعنی زیادہ چلا کر بولنے میں بھی بے ادبی ہے اور زیادہ آہستہ بولنے میں تاذیل کا احتمال ہے درمیانی آواز سے بولنے میں اس کا لحاظ رہے کہ آواز آپ سے اونچی نہ ہو کہ گستاخی میں شمار ہے۔

لا تعجروا لہ بالقول۔ چونکہ اس میں تکرار کا شبہ ہو سکتا ہے اس لئے مفسر نے دونوں میں فرق کر دیا کہ پہلا حکم تو اس صورت میں ہے کہ آپ بھی مصروف گفتگو ہوں تو بات کرتے وقت آپ ﷺ سے اونچی آواز نہ کرو اور یہ دوسرا حکم اس صورت میں ہے کہ آپ خاموش تشریف فرما ہیں تو آپ کی موجودگی میں باہمی بے تکلفی اور آزادانہ گفتگو مت کرو بلکہ پاس ادب ملحوظ رکھ کر دیکھ کر گفتگو کرو۔

تجنب۔ مفسر نے ای خشية ذلک کہہ کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور لا تعجروا میں تنازعہ ہو رہا ہے۔ بصریین کے مذہب پر فعل ثانی کا مفعول لہ ہوگا اور کوفیوں کے نزدیک اول کا پہلی رائے اصح ہے۔ کیونکہ اول کو عمل دینے کی صورت میں فی میں اضمار ماننا پڑے گا۔

لش۔ یہ مبتداء ہے اور الذین اس کی خبر ہے اور پورا جملہ ان کی خبر ہے اور لہم مغفرة دوسرا جملہ ہے یا جملہ مستأنفہ اور یا جملہ حالیہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الذین امتحن صفت ہو اولئک کی یا بدل اور بیان ہو اور لہم مغفرة جملہ خبریہ ہو۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف لہم خبر ہو اور غفوة اس کا قائل ہو۔ امتحان و اخبار سبب ہے اظہار تقویٰ کا کافی نفسہ تقویٰ کا سبب نہیں ہے۔ گویا سبب کا مسبب پر اطلاق کیا گیا ہے۔ جس رح سماع الحان سے دل میں چھپی ہوئی محبت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح امتحان کے ذریعہ دل میں چھپے ہوئے تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔

ان کل واحد۔ مفسر نے کان احتمالی صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک ایک حجرہ کے سامنے آواز دے رہا ہوگا۔ یہ بھی امکان ہے کہ سب مل کر ہر حجرہ کے سامنے آواز دی ہو۔ البتہ جمع کے مقابلے میں جمع لانے سے انقسام احادیث الاحاد ہو رہا ہے۔

ان خیرا لہم۔ یعنی جلد بازی کے مقابلہ میں انتظار بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں ادب اور تعظیم نبوی ہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔ ترہ کے معنی خفت راضی، عداوت و ریب کے ہیں۔

ینوا۔ یعنی اچھی طرح چھان بین کر لیتی چاہیے۔ جھوٹ فسق کی ایک شاخ ہے۔ پس جو فسق سے احتراز کرے گا وہ جھوٹ سے بھی احتراز کرے گا۔

ی قراءۃ حمزہ اور علی کی قراءت میں لفظ تینوا ہے یعنی خبر سننے ہی عمل درآمد شروع نہ کرو۔ بلکہ توقف کرو، حتیٰ کہ حقیقت چال ظاہر ہو جائے۔ نصیوا۔ مفسر نے خشية نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے بصریوں کے مذہب پر اور کوفیوں کے نزدیک تقدیر عبادت لئلا سیوا ہے۔

واعلموا۔ بعد کا جملہ مع لو یطیعکم کے اعلیٰ کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے اور لو یطیعکم فیکم کی ضمیر مجرور سے حال ہو گیا ضمیر مرفوع مستتر سے حال ہوگا۔ بعض لوگوں نے بنی مصطلق کے معاملہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہوگا تا کہ ان پر جملہ ہو جائے۔ اگرچہ ان کی رائے نہیں مانی گئی۔ اور لو یطیعکم کو جملہ متانفہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن زنجیریؒ نے اس احتمال کو رد کر دیا۔ کیونکہ اس صورت میں کلام متعارض ہو جائے گا۔ مگر تناقض کلام کو واضح نہیں کیا۔ اور لو کے بعد مضارع لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان لوگوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا ہوگا۔ لعنتم۔ قاموس میں ہے کہ عنف کے معنی فساد، گناہ، ہلاکت اور مشقت کے ہیں۔ آیت میں سب معنی ہو سکتے ہیں۔ دونہ۔ یعنی حضور اس زد میں نہیں آتے۔

التم التسیب: یعنی فعل کا گناہ تو نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا ارتکاب نہیں کیا، البتہ سبب بننے کا گناہ ہوگا۔ اور الی المرتب کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری خبر پر جو حضور ﷺ کی کاروائی مرتب ہوگی اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہوگی۔

حبب الیکم الایمان۔ یعنی ایمان کامل جس میں تصدیق جتنا، اقرار لسان، عمل ارکان تینوں داخل ہیں۔ اور ان تینوں کا تقاضہ ہے کہ ان کی اضداد سے کراہت و نفرت ہو۔ اسی لئے و کرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان فرمایا گیا ہے۔ لف وشر مرتب کے طور پر سمجھنا چاہیے۔ استدراک من حیث المعنی۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ حاصل سوال یہ ہے کہ لکن کے ماقبل و مابعد میں اثبات و نفی کا اختلاف ہوا کرتا ہے جو یہاں نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ لفظاً یہ اختلاف موجود نہیں ہے۔ مگر بلحاظ معنی یہ اختلاف ہے۔ کیونکہ کامل مومنین کی شان اس سے مختلف ہوتی ہے جن اوصاف کا پہلے ذکر ہوا ہے وہ ہر شئیہ بات پر کان نہیں دھرتے۔ اس طرح ماقبل و مابعد میں اختلاف ہو گیا۔

فضلاً۔ یہ اسم مصدر ہے اور مصدر افضال ہے۔ مگر مفسر نے تسامحاً مصدر کہہ دیا اور جب کا مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ و رسول کی محبت اور کفر و فسوق سے نفرت سعادت عظمیٰ ہے۔

وان طائفتان۔ اس میں اشارہ ہے کہ باغی بھی مومن ہوتا ہے، اور یہ کہ جب وہ جنگ سے باز آجائے تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے اور یہ کہ نصیحت و فہمائش کے باوجود اگر باغی باز نہ آجائے تو اس پر چڑھائی کرنے والے کی مدد کی جائے۔

فان بغت: یعنی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دے۔

حتی تفرق: یہ حتی بقدر بیان غایت کے لئے ہے اور بمعنی کی بھی ہو سکتا ہے تعلیل کے لئے لیکن سیاق آیت کے مناسب پہلی صورت ہے۔

اقسطوا۔ مفسر نے اعدلوا سے اشارہ کیا ہے کہ اقسطوا میں ہمزہ سلب کے لئے ہے قسط بمعنی ظلم اما القاسطون فکانوا لجهنم حطباً۔

بین اخویکم: چونکہ نزاع کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے اس لئے متنبیہ لایا گیا اور دوسری قراءت صیغہ جمع کی ہے جو ظاہر ہے۔

لعلکم: اس ترقی میں اطماع کریم ہے۔

شان نزول: لا تقدموا۔ خطیبؒ کے قول پر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ شععیؒ جابر سے نقل کرتے ہیں کہ

عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی قربانی سے پہلے تم قربانی مت کرو۔ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے نماز عید سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربانی کر لی تھی۔ چنانچہ ان کی قربانی کو دہرایا گیا۔

اور مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اس میں یوم الشک کے روزہ سے منع کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے روزہ مت رکھو۔ لیکن امام رازیؒ کی رائے ہے کہ آیت عام ہے ہر بات اور ہر کام میں آنحضرت ﷺ پر پہل نہیں کرنی چاہیے۔

مفسر نے جس خاص سبب نزول کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک موقع پر لشکر کا امیر بنانے میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اقرع بن حابسؓ کا نام پیش کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے قحطاع بن معبد کا نام پیش کیا۔ اس پر ابو بکرؓ بولے۔ ما اوردت الا خلاطی۔ یعنی تمہارا منشاء مجھ میں اختلاف کرنا ہے۔ عمرؓ نے بھی جواب میں یہی جملہ دہرایا۔ دونوں کی گفتگو بلند ہو گئی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ لا تو فہوا۔ اس کے شان نزول کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آیات کا شان نزول الگ الگ ہے۔ لیکن گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ یا ایہا اللین امنوا لا تغلوا سے لے کر لا تشعروں تک ایک ہی شان نزول ہے۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا واقعہ۔

ان اللین یغضون۔ بقول پہلی حضرت ابو بکرؓ نے تقسم عرض کیا ہے کہ اب میں مدت العمر سرگوشی کے انداز میں نہ بولوں گا۔ عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ آیت لا تو فہوا نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اتنے آہستہ بولنے لگے کہ دوبارہ استفسار کی ضرورت ہونے لگی۔ اسی طرح ثابت بن قیس خثعمہ بلند آواز تھے۔ مگر یہ سن کر ڈرے اور روئے اور بحکلف آواز پست کر لی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ادب ملحوظ رکھنے میں اذیت سے بچنا ہے پس نہ آواز اونچی ہو اور نہ پست ہو۔ بلکہ درمیانی آواز سے بات چیت کرو۔

ان اللین ینادونک۔ وفد بنی تمیم کے لوگ سر دو پہر حاضر ہوئے۔ جبکہ آنحضرت ﷺ خواب استراحت میں تھے ان میں اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن بھی تھے۔ انہوں نے دولت خانے سے باہر کھڑے کھڑے آوازیں لگائیں۔ اخراج الینا یا محمد فان مد حنازین وضمنا شین۔ آنحضرت ﷺ بیدار ہو کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ یہ پکارنا اکھڑپنے سے اور بے موقعہ جلد بازی کا مظاہرہ تھا۔ اس لئے تنبیہ کی گئی۔ ان جاء کم فاسق۔ ابن جریرؒ نے ام سلمہؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؓ سے اور طبرانیؒ و احمدؒ نے حارث ابن ابی الحارث خزاعی سے تخریج کی ہے۔ کہ ولید بن عقبہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وان طافتان۔ شیخین نے حضرت انسؓ سے اس واقعہ کی تخریج کی ہے۔ اور بیضاویؒ میں ہے کہ اوس وخرزج کے بائین واقعات کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رابط آیات:..... پچھلی سورۃ الفتح میں اصلاح آفاق بالجہاد تھی اور اس صورت میں اصلاح نفس بالارشاد ہے اور اجزاء سورۃ کے مجموعہ کا حاصل سید المرسلین اور مومنین کے باہمی حقوق کا بیان ہے

﴿تشریح﴾:..... اس سورت میں نبی کریم ﷺ کے آداب حقوق اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا اجتماعی نظام کن بنیادوں پر استوار ہو سکتا ہے اور کن اصولوں پر کاربند ہونے سے مستحکم رہ سکتا ہے؟ اور کبھی اگر اس میں خرابی اور خلل واقع ہو جائے تو کیا علاج ہے؟

تجربہ شاہد ہے کہ کثرت نزاعات و مناقشات خود رائی، بغرض پرستی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شخصی رابیوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اللہ ورسول کے ارشادات سے بڑھ کر کوئی معیار نہیں ہو سکتا ایسا کرنے میں وقتی طور پر خواہ کتنی ہی کالیف اٹھانی پڑیں لیکن اس کا آخری انجام قیمتی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔

آداب نبوی ﷺ:..... چنانچہ ارشاد ہے کہ جس معاملے میں اللہ ورسول کی طرف سے حکم ملے کی توقع ہے اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو۔ بلکہ حکم الہی کا انتظار کرو پس جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں۔ خاموشی سے کان لگا کر سنا

کرو۔ ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرات نہ کیا کرو۔ ادھر سے جو حکم ملے اس پر بے چوں چرا، اور بلا پس و پیش عمل کر لیا کرو اپنی اغراض و خواہشات کو ان کی مرضیات و احکام پر مقدم نہ رکھو۔ بلکہ اپنے جذبات و افکار کو شارع کے تابع بنا لو جب تک قوی قرآن یا صراحت سے گفتگو کی اجازت نہ ہو۔ گفتگو میں پہل مت کرو۔ بلکہ انتظار کرو، بلا اجازت و انتظار خلاف مرضی ہونے کا امکان ہے۔ غرضیکہ جواز شرعی اجازت پر موقوف ہے خواہ قطعی ہو یا ظنی۔ اور جس طرح پیغمبر کی ہدم موجودگی میں اول نص، پھر نص میں غور و تامل ضروری ہے۔ اسی طرح آپ کے حضور میں اول نص کا انتظار پھر قرآن میں تامل ضروری ہے پس غلطی یہ ہونی کہ انتظار نہیں کیا۔ ہر کام میں یہی حکم ہے۔

واتقوا الله۔ اللہ و رسول کی گچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر آسکتی ہے۔ جب خوف خدا دل میں ہو۔ دل میں اگر ڈر نہیں تو ظاہر اذعائے اسلام بنانے کے لئے بار بار اللہ و رسول کا نام زبان پر آئے گا۔ اور بظاہر ان کے احکام کو بھی آگے رکھے گا۔ مگر فی الحقیقت ان کو اپنی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرے گا۔ سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے تو اس کے آگے یہ فریب کیسے چلے گا۔ چاہیے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔

بلند آواز سے نہ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے اگرچہ باہمی گفتگو ہو تب بھی آپ کی آواز سے بلند نہ ہو اور خود آپ سے گفتگو کرو تو برابر کی آواز سے بھی مت بولو۔

غرض حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جس طرح آپس میں چپک کر یا تروخ کر بات کرتے ہو حضور ﷺ کے ساتھ یہ برتاؤ گستاخانہ اور خلاف ادب ہوگا۔ آپ سے خطاب کرو تو نیاز مندانہ لب و لہجہ اور نرم آواز سے تعظیم و احترام کے جذبہ سے ادب و شائستگی کے ساتھ عرض و معروض کی جائے۔

ادب نبوی ﷺ کی کیفیت:..... دیکھو ایک مہذب بیٹا! اپنے باپ سے، ایک لائق شاگرد اپنے استاد سے، ایک مخلص مرید اپنے پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ ان سب سے کہیں بڑھ کر رہے۔ اس لئے آپ سے گفتگو میں پوری احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ بے ادبی ہو جائے اور آپ ﷺ کو تکبر پیش آئے۔ حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔ کفر و شرک تو بالاتفاق تمام اعمال کو بالکل کالعدم کر دیتا ہے۔ لیکن فسق و معصیت کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے بھی اکارت ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

خوار و معتزلہ تو اپنے اصولوں پر یہی کہتے ہیں کہ فسق و معصیت سے بھی چونکہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی حابط اعمال ہے۔ آیت ”ان تحبطوا“ سے بظاہر خوار و معتزلہ کی تائید ہو رہی ہے اور یہی ان کا مبتدل ہے۔

گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟..... لیکن جمہور اہل سنت صریحاً فسق و معصیت کو حابط اعمال نہیں مانتے ان کے لئے بظاہر آیت میں اشکال ہوگا۔ کیونکہ پیغمبر کی آواز سے اونچی آواز کرنا گناہ ہے جس کو حابط اعمال فرمایا جا رہا ہے۔ پس اس کی مختلف توجیہات اہلسنت کی طرف سے کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بلند آواز سے بولنا آپ کی اذیت کا باعث ہے اور ایذا رسول کفر ہے۔ اس لئے یہ بلند آوازی بھی موجب حبط اعمال ہوگی۔ اگرچہ اس توجیہ میں تکلف ہے کیونکہ کفر وہی اونچی آواز ہوگی جس کا مقصد آپ کو ستانا ہو۔ لیکن جہاں یہ مقصد نہ ہو وہ کفر کیسے ہوگا البتہ معصیت ہو سکتا ہے جو کفر سے اہوں ہے۔

لیکن بے تکلف اور آسان توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض دفعہ بلند آوازی سے گفتگو صورتہ پے باکی ہوتی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے باہمی

بے تکلفی کے اعزاز پر گفتگو کرنا بطبعاً گستاخی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کا پیرو اور تابع ہوتا ہے وہ گویا زبان حال سے پابند ادب ہوتا ہے لیکن اس طرز گفتگو میں اس پابندی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ جو پیشواؤں کے لئے باعث اذیت ہو سکتی ہے۔ اور عام معاصی اگرچہ حاوی اعمال نہیں ہوتے مگر ایذا رسول ﷺ خاص طور پر ایسی شدید معصیت ہے کہ اس سے حاوی اعمال کا اندیشہ ہے۔ گویہ عام کا ایک مخصوص فرد ہے جس کا حکم بھی عام کے علاوہ خاص ہے۔

البتہ بعض اوقات جب طبیعت زیادہ منہبط ہوتی ہے یہ باتیں ناگوار نہیں ہوا کرتی۔ پس اس وقت یہ باعث اذیت نہیں ہوں گی۔ اور باعث اذیت نہ ہونے کی وجہ سے موجب حبط اعمال بھی نہیں ہوں گی اور چونکہ گفتگو کرنے والے کو بعض دفعہ حضور ﷺ کا مقصود ہوتا نہ ہوتا معلوم نہیں ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرز سے حضور ﷺ کو ملال ہو جائے اور اس سے حبط اعمال بھی ہو جائے۔ لیکن گفتگو کرنے والے کو یہ بھی نہ چلے اور نہ اسے احساس ہو۔ وہ اسی خیال ہو مکان میں رہے کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچی۔ اس لئے حبط عمل کی خبر بھی نہ ہو۔ لا شعرون کا بھی مفہوم ہے۔ پس ان وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے مطلقاً کوئی آواز سے لازم جملگانہ گفتگو سے روک دیا گیا ہے۔ کہ اگرچہ بعض افراد تکلیف دہ نہیں ہوں گے مگر ان کی تعمین کیسے ہو؟ لہذا مطلقاً تمام افراد سے باز آ جانا چاہیے۔

اس توجیہ پر خوارج و معتزلہ کے لئے بھی استدلال کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ عام گناہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یا کافر ہو جاتا ہے اور نہ اہل سنت کی جانب سے جواب دہی کی ضرورت ہے زیادہ سے زیادہ صرف ایک گناہ کو حاوی اعمال کہنا پڑے گا۔ سوائے موجبہ جزئیہ کی نفیض کی سالیہ کلیہ مخصوص نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ماننے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں چونکہ اجلال نبوی کی خاص رعایت ہے اس لئے اس کو ارجح کہنا چاہیے۔

ایک نفس علمی بحث: تاہم اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اہل سنت کا یہ قاعدہ بظاہر عام ہے۔ پھر اس کی تخصیص کی کیا دلیل ہے اور بلا دلیل دعویٰ کرنا مشکل ہے۔ مگر جواب میں کہا جائے گا۔ کہ بے ادبی اور گستاخی بلا قصد ایذا رسول اگرچہ صرف گناہ ہی ہے مگر چونکہ یہ سب ہے ایذا رسول کا۔ اور ایذا رسول اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند اور مبغوض ہے کہ بعض دفعہ وہ سبب ہو جاتا ہے خدا لان اور سلب توفیق کا اور پھر یہ خدا لان سبب قریب ہو جاتا ہے کفر اختیار کی کا اور کفر بالاتفاق حاوی اعمال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کے سامنے مذکورہ بالا طرز گفتگو سے بچو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کو تکلیف پہنچے جس سے تم خدا دل ہو جاؤ اور پھر اس خدا لان کے سبب خدا غواستہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تم قصداً کفریہ اعمال کرنے لگ جاؤ۔ حالانکہ تمہیں اس طرز گفتگو کے وقع نہ اس کے واسطے اذیت رسول اور خدا لان حق کی خبر تھی اور نہ اس کا احتمال تھا۔ ورنہ اس کا احساس ہوتے ہوئے صحابہ کرام سے کب اس کتاب کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس تقریر پر کسی گناہ کا بلا واسطہ حاوی اعمال ہونا بھی لازم نہیں آیا اور اہل سنت نے بلا واسطہ حبط اعمال کی نفی فرمائی ہے اور اس طرح خاص اس گناہ کا دوسرے عام گناہوں سے اشد ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ دوسرے گناہوں پر اس شان کی وعید نہیں آئی۔

اور چونکہ ان تحبط اعمالکم سے وانعم لا شعرون حال ہے اور حال میں حقیقی مقارنت ہوا کرتی ہے۔ اس کی عایت سے اب تقریر کا عنوان اس طرح ہو جائے گا۔ کہ تم حضور ﷺ کے سامنے اور خود حضور ﷺ سے اس طریقہ سے گفتگو نہ کیا کرو کہ مبادا اس شامت سے تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں، اس طرح کہ یہ طرز موجب ایذا رسول ہو اور وہ خدا لان کا باعث ہو۔ کفر اختیار کی کی طرف مقرر ہو جائے اور کفر موجب حبط اعمال ہے ہی اور تمہیں احساس بھی نہ ہو کہ اعمال کے اکارت جانے کا سبب خود تمہارا یہ طرز عمل ہے۔ تمہارے اسی الابیالی بن نے آج تمہیں یہ روز بد دکھلایا۔

اس عنوان پر مقصود بھی آگیا اور انہم لا تشعرون کی حالت بھی محفوظ رہی۔ غرض اس تقریر سے سب غبار صاف ہو گئے اور لفظ بھی کسی تکلیف کا ارتکاب کرنا نہیں پڑا۔

تعظیم نبوی کی ترغیب:..... (۱) یہاں تو بلند آواز سے یا بے تکلفانہ گفتگو کے متعلق ترغیب تھی۔ اگلی آیت میں پست آواز سے گفتگو کرنے کی ترغیب ہے۔

ان اللین یفوضون۔ یعنی جو لوگ پیغمبر کی مجلس میں ادب و تعظیم اور تواضع سے بات چیت کرتے ہیں اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب پرکھ لیا ہے اور خالص و طہارت کے لئے اچھی طرح مانجھ لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اعظم شعائر اللہ چار چیزیں ہیں۔ قرآن کریم، پیغمبر اعظم، کعبۃ اللہ، نماز ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من ہنوی القلوب۔ معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام و ارشادات سن کر ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ غرضیکہ کمال تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان خلاف اولیٰ باتوں سے بھی مکمل باحتراز کریں۔

ترمذی کی حدیث مرفوع ہے۔ لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا یاس بہ حلوا لما بہ یاس۔ بلند آواز سے گفتگو اور بے باکانہ کلام کسی موجب ناذی ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ جب مطلقاً اس طرز کو چھوڑ دیا تو پھر تکلیف دہ پہلو کا خطرہ ہی نہ رہا اس لئے کمال تقویٰ حاصل ہو گیا

آگے اس عمل کا اخروی ثمرہ ارشاد ہے کہ اس اخلاق و حق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔

حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کے لئے نقطہ عروج ہے:..... ان اللین ینادونک، بنی تمیم ملنے کو آئے حضور ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ لوگ باہر کھڑے کھڑے آواز دینے لگے۔ یہ ایک قسم کی بے ادبی بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی، اپنی سادہ لوحی اور دیہاتی پن سے رسول ﷺ کے مرتبہ کو نہیں سمجھے۔ کیا معلوم اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں۔ کیونکہ اس طرح تو کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو اور آپ کی ذات والا صفات تو مسلمانوں کے تمام دنیوی اور دینی امور کا مرکز و بلجاء تھی۔

اور پھر پیغمبر کا ادب و احترام بھی آخر کوئی چیز ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری تک انتظار کرتے۔ اور جب آپ تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت عرض و معروض کرنی چاہئے تھی۔ یہ زیادہ بہتر طریقہ اور شائستہ نمونہ ہوتا۔ پھر بھی نادانگی اور بے عقلی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشے والا ہے۔

بہر حال اپنی تقصیر پر تادم ہو کر ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

انتہائی ادب کا تقاضہ:..... (۲) اور الیہم میں یہ نکتہ ہے کہ یہ انتظار اس وقت تک رہنا چاہیے کہ آپ کی باہر تشریف آوری تمہارے ہی لیے ہو۔ ورنہ اگر تشریف تو لائے مگر دوسرے کام کے لئے یا دوسری طرف متوجہ ہو گئے تو پھر صبر و انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ خروج الیہم نہیں ہے۔ جو عاقبت ہے صبر کی بلکہ توجہ الیہم ہے جو کافی نہیں ہے ایسی صورت میں با ادب کھڑے رہو۔ حتیٰ کہ خود حضور ﷺ تمہاری طرف متوجہ ہو

جائیں یا قرآن سے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ہی لئے تشریف آوری ہوئی ہے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی احادیث پڑھنے اور سننے کے وقت بھی نیز قبر شریف کے پاس حاضری کے وقت بھی آداب نبوی ملحوظ رہنے چاہئیں۔ حتیٰ کہ خلفاء اور علماء و بائین اور اولوالامر کے ساتھ بھی درجہ بدرجہ انہی آداب سے پیش آنا چاہیے تاکہ جماعتی نظام قائم رہے جو آنحضرت ﷺ کے تتبع ہیں وہ ان احکام کے بھی تتبع رہیں گے۔ تاہم سوء ادبی کا وبال اتنا نہیں ہوگا۔ لیکن بلا ضرورت ایذا رسانی حرام ضرور ہے تاہم فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں: یا ایہا الدین امنوا۔ آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کو اور ایک روایت کے مطابق بنی وکعیہ کو بنی مصطلق کے یہاں زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے روانہ فرمایا۔ ولید اور بنی مصطلق میں زمانہ جاہلیت سے کچھ رنجش تھی۔ بنی مصطلق ولید کی آمد سن کر استقبال کو آئے۔ مگر ولید یہ سمجھ کہ مقابلہ آرائی کو آئے ہیں۔ اسی غلط فہمی میں واپس ہو گئے اور اپنے خیال کے مطابق بارگاہ نبوت میں رپورٹ پیش کر دی کہ حضور ﷺ معلوم ہوتا ہے بنی مصطلق تو اسلام سے پھر گئے۔ پھر آپ نے تحقیق کے لئے حضرت خالد کو بھیجا اور فرمادیا کہ اچھی طرح تحقیق کرنا اور ایک روایت ہے کہ بنی مصطلق کے لوگ خود حاضر ہوئے۔ ممکن ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔ غرضیکہ ثابت ہو گیا کہ بات بے اصل تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل یہ ہے کہ بیشتر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء چونکہ جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اول اختلاف و تفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تلقین فرمائی۔ یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کر لیا کرو۔ کہ بسا اوقات بعد میں پچھتا پڑتا ہے اور اپنی جلد بازی پر ندامت ہوتی ہے اور پھر اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں جماعتی طور پر کیسا خراب ہوگا۔ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہیں تھے۔ اور پھر آنحضرت ﷺ نے محض ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ چھان بین کی اس لئے آیت میں کسی طرح اشکال نہیں رہا۔

پس فاسق کا ذکر حکم میں مبالغہ کے لئے ہے۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ ولید فاسق تھے۔ اور جب آنحضرت ﷺ نے تحقیق کے بغیر کاروائی نہیں کی، اسی طرح مسلمانوں کو عام حکم ہے کہ وہ بھی اس حکم کے پابند رہیں ورنہ تقدیم بین یدی اللہ و رسولہ لازم آئے گی جس کی ممانعت پہلے ہو چکی ہے۔

غرضیکہ آیت سے نہ ولید کا فاسق ہونا لازم آیا اور نہ یہ شبہ رہا کہ آپ نے بے تحقیق کاروائی کرنی چاہی ہوگی۔ کیونکہ آیت میں آنحضرت ﷺ مخاطب ہی نہیں ہیں جب کہ عام مومنین کو حکم ہے اس میں حضور ﷺ کی اقتداء کرو۔ اور خبر سے مطلق خبر مراد نہیں۔ بلکہ ان تصدیق کے قرینہ سے وہ خبر مراد ہے۔ جس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔ لہذا یقینی فاسق اور محتمل فاسق کی خبر غیر مقبول اور غیر معتبر ہوگی۔

چند شبہات کا ازالہ: یہاں مطلق خبر کے مقبول غیر مقبول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہے اسی طرح صحابہ کے عدول غیر عدول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہوگی۔ کیونکہ ولید کا فاسق ہونا نہ آیت سے لازم آ رہا ہے اور نہ ہی حدیث سے ثابت ہے۔ کیونکہ ممکن ہے خود ولید کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔

اور فتینوا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضرور اس خبر کی تحقیق کی جایا کرے۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ

کریں تو جائز ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو تجسس حرام ہے بلکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ بلا تحقیق عمل نہ کیا کرو۔ یہ بحث مستقل ہے کہ کہاں تحقیق واجب ہے اور کہاں جائز ہے کہاں ممنوع ہے۔

خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے:..... سو اس میں مجمل قاعدہ یہ ہے کہ:

جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے مثلاً سلطان کسی کے مرتد ہونے کی خبر سنے تو اس پر تحقیق واجب ہے، تحقیق سے اگر خبر صحیح ثابت ہو تو مرتد کو توبہ کرائے۔ ورنہ بصورت انکار قتل کر دے۔ یا سلطان کو اطلاع ملے کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ رعایا کی حفاظت اس کی ذمہ واجب ہے اس لئے اس کی تحقیق بھی واجب ہے۔

۲۔ لیکن جہاں یہ تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہ ہوتا ہو اور تحقیق نہ کرنے سے نہ اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے جس کے بارے میں خبر پہنچائی گئی ہے تو وہاں تحقیق جائز ہوگی ضروری نہ ہوگی۔ مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا۔

۳۔ اور اگر تحقیق کے نتیجے میں اپنی مضرت تو دفع نہیں ہوتی۔ مگر اس دوسرے شخص کو ناگواری ہوگی تو پھر تحقیق حرام ہوگی۔ مثلاً کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں مگر تحقیق کرنے سے وہ شخص فضیحت ہوتا ہے اس لئے تحقیق ممنوع ہوگی۔

رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ:..... واعلموا ان فیکم۔ یعنی حضور ﷺ کا تشریف فرما ہونا ایک بڑی نعمت الہیہ ہے۔

لقد من اللہ الخ اس کی قدر کرو اور کسی بات میں حتیٰ کہ دنیوی امور میں بھی خلاف ورزی نہ کرو اور اس فکر میں نہ رہو کہ دنیوی امور میں حضور ﷺ خود ہماری موافقت فرمایا کریں۔ یا اگر تمہاری کسی خبر یا رائے کو نہ مانیں تو برا مت مانو کیونکہ حق تعالیٰ کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہوتا زمین و آسمان کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔

ولو اتبع الحق اھواھم الخ حاصل یہ ہے کہ خبروں کی تحقیق کر لیا کرو حق کو اپنی خواہش اور مرضی کے تابع بنانے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔ کیونکہ رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر اسی میں تمہارا بھلا ہے اگر تمہاری بات کریں تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے گا۔ پھر آخری نبی کس کی بات پر چلے گا۔ اس لئے کہ اگر تمہارا مشورہ نہ مانے تو برا مانو۔ کیونکہ دنیاوی کام میں نبی کا تمہارے مشورہ کو نہ ماننا اگرچہ اس کا خلاف مصلحت ہونا نہ فی نفسہ مستعد ہے اور نہ خلاف شان نبوت ہے لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ و نادر ہوں گے۔ پھر ان شاذ و نادر مواقع میں اگر مصلحت فوت ہوتی ہو۔ مگر یہ کثی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی رسول کی اطاعت کا اجر و ثواب ضرور میسر آئے گا۔ برخلاف اس کے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ شاذ و نادر ایسے امور بھی نکلیں گے جن میں مصلحت پوری ہوتی ہے لیکن وہ متعین نہیں ہیں اور پھر وہ بھی بہت ہی کم ہوں گے زیادہ احتمال تو مضرت ہی کا ہے پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں۔

بہر حال اگر حضور ﷺ لوگوں کا کہا مانتے ہی رہتے تو ہم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے۔ لیکن اللہ کا شکوہ کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مومنین کا ملین کے دلوں میں ایمان کو محبوب و مرغوب بنا دیا اور اس کی ضد کفر کی اور فرق یعنی گناہ کبیرہ کی اور عصیان یعنی گناہ صغیرہ کی نفرت ڈال دی۔ جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور تم وہ احکام مان لیتے ہو جو بموجب رضائے رسول ہیں۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے و خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے۔

دنیوی امور میں بھی اطاعت رسول ضروری ہے بدون اطاعت مطلقہ ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور ایمان کامل کی ترغیب پہلے سے موجود ہے۔ پس

اس طرح تم نے اس حکم کو بھی فوراً قبول کر لیا اور ایمان کی اور تکمیل کر لی۔ آج اگرچہ حضور ﷺ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر حضور ﷺ کی تعلیم اور آپ کے نائب و وارث یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

واللہ علیم حکیم: اللہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت عملی سے وہ احوال و مقامات مرحمت فرماتا ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہوں۔ اس کے احکام میں بھی مصالح کی رعایت موجود ہوتی ہے حکماء اسلام بھی ان سے واقف ہیں۔

اسلام ایک دوامی قانون ہے: واعلموا ان فیکم ارجح کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسی چیز کا بیان ہے جو حضور ﷺ کی حیات کے ساتھ مخصوص تھی اور وہ دنیوی امور میں آپ کی اطاعت ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ”فی کثیر“ کہنا بھی اسی کا قرینہ ہے کیونکہ دنیوی امور میں کسی ایک میں بھی گنجائش نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی کی اطاعت کریں اور تخصیص کی وجہ یہ نہیں کہ اگر آپ اپنے بعد کے لئے ایسے احکام فرما جائے تو اطاعت واجب نہ ہوتی بلکہ وجہ تخصیص یہ ہے کہ آپ نے ایسے احکام فرمائے نہیں ہیں کیونکہ یہ احکام جزئی تھے اور حضور ﷺ نے شریعت مؤبدہ چھوڑی ہے اس کے احکام کلیہ ہیں۔ اور اس کی تحقیق کہ دنیوی امور میں کس شرط سے اطاعت واجب ہے۔ آیت ما کان لعموم ارجح کے تحت ومن یقنت میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کے جھگڑوں کا حل: وان طائفان۔ یعنی ان تمام پیش بند یوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ صلح ہو جائے اور اختلاف دور ہو جائے۔ لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو اور ایک فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو بے فکر اور یکسو ہو کر نہ بیٹھو۔ بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے مقابلہ کریں۔ یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آ جائے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے۔ اس وقت چاہیے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات و انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کر دیں۔ کسی ایک کی طرفداری میں جاوہ حق سے ادھر ادھر نہ جھکنے پائیں۔

مسلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے: اتما المؤمنون اخوة۔ یعنی صلح و جنگ دونوں حالت میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت میں دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے جب دو بھائی آپس میں لکڑا جائیں تو یوں ہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ صلح صفائی کی پوری کوشش کرو۔

آیت کا نزول صحیحین کی ایک روایت کے مطابق انصار کے دو گروہوں اور خزرج کے ایک وقتی ہنگامہ کے سلسلہ میں ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرادی تھی۔ جو لوگ غلیفہ کے مقابلے میں بغاوت کریں وہ بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ چنانچہ علماء سلف بغاوت کے مسئلہ میں اس سے استدلال کرتے آئے ہیں۔

لیکن اس شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات و اختلافات کو شامل ہے۔ اور جو مفسر نے روایت شان نزول کی پیش کی ہے اس کی رو سے مؤمنین سے مراد عبد اللہ بن ابی کی قوم کے مؤمنین ہیں۔ خود عبد اللہ مراد نہیں۔ کیونکہ وہ ظاہر اُمومن بنا ہوا تھا حقیقتہً مومن نہیں تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اس کے ساتھیوں کا غصہ کفر کی حمایت میں نہیں تھا۔ بلکہ حیثیت جاہلیہ اور قومی تعصب کے تحت تھا۔

نِسَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ لَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ مَنْ لَا يَعِيبُ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ لَا يَدْعُو بَعْضُكُمْ بَعْضًا بِلَقَبٍ يَكْرَهُهُ وَمِنْهُ يَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ بِمَنْ
الْإِسْمُ أَيْ الْمَذْكُورُ مِنَ السُّحَرِيَّةِ وَاللَّمَزِ وَالْتَابِزِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ بَدَلٌ مِنَ الْإِسْمِ لَا فَادَةَ أَنَّهُ فَسَقَ
لِتَكْرِيرِهِ عَادَةً وَمَنْ لَمْ يَتَّبِعْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ
إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ أَيْ مَوْتٌ وَهُوَ كَثِيرٌ كَظَنِّ السُّوءِ بِأَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَهُمْ كَثِيرٌ بِعِلَالِهِ بِالْفُسَاقِ
مِنْهُمْ فَلَا إِثْمَ فِيهِ فِي نَحْوِ مَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ وَلَا تَجَسَّسُوا حَذَفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّالِيَيْنِ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ
وَمَعَانِيَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا لَا يَذْكُرُهُ بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ وَإِنْ كَانَ فِيهِ أَيُّ حَبِّ أَحَدِكُمْ أَنْ
يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا بِالْتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ لَا يَحْسُ بِهِ لَا فِكْرَ مَتْمُوهٌ أَيْ فَاغْتِيَابُهُ فِي حَيَاتِهِ كَأَكْلِ
لَحْمِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ وَقَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمُ الثَّانِي فِكْرَ مَتْمُوهٌ فَادْعُوا الْأَوَّلَ وَاتَّقُوا اللَّهَ أَيْ عِقَابَهُ فِي الْإِغْتِيَابِ بَانَ
تَوَلَّوْا مِنْهُ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ قَابِلٌ تَوْبَةَ التَّائِبِينَ رَحِيمٌ ﴿١٢﴾ بِهِمْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَنَسِئٍ
آدَمَ وَحَوَّاءَ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا جَمَعَ شُعْبٍ بِفَتْحِ الشَّيْنِ وَهُوَ أَعْلَى طَبَقَاتِ النَّسَبِ وَ قَبَائِلٍ مِى دُونَ
الشُّعُوبِ وَ بَعْدَهَا الْعِمَائِزُ ثُمَّ الْبُطُونُ ثُمَّ الْأَفْعَادُ ثُمَّ الْفَصَائِلُ أَخْرَجَهَا مِثَالَهُ خَزِيمَةُ شُعْبٍ كِمَانَةُ قَبِيلَةِ قُرَيْشٍ
عِمَارَةٌ بِكُسْرِ الْعَيْنِ قُصِيٌّ بَطْنٌ هَاشِمٍ فَحَدَّ الْعَبَّاسُ فَصِيلَتُهُ لِعَمَارَتُهَا حَذَفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّالِيَيْنِ أَيْ لِيَعْرِفَ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا لَا لِيَتَفَاخَرُوا بِعُلُوِّ النَّسَبِ وَإِنَّمَا الْفَخْرُ بِالتَّقْوَىٰ إِنْ أَكْرَمَكُمُ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَكُمُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِكُمْ خَيْرٌ ﴿١٣﴾ يَبَوِّطُنَكُمْ قَالَتِ الْأَعْرَابُ نَفَرٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ آمَنَّا صَدَقْنَا بِقُلُوبِنَا قُلْ لَهُمْ لَمْ تَوْمِنُوا
وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا أَيْ اتَّقَيْنَا ظَاهِرًا وَلَمَّا أَيْ لَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ إِلَى الْآنَ لَكِنَّهُ يَتَوَقَّعُ مِنْكُمْ
وَأَنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ بِالْإِيمَانِ وَغَيْرِهِ لَا يَلْتَكُمُ بِالْهَمَزِ وَزَكَهَ وَ يَابَدَا لَهُ الْفَاءُ لَا يَنْقُصُكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ
شَيْئًا أَيْ مِنْ تَوَابِهَا شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمٌ ﴿١٤﴾ بِهِمْ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ أَيْ الصَّادِقُونَ فِي إِيمَانِهِمْ
كَمَا صَرَّحَ بِهِ بَعْدَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْقُبُوا لَمْ يَشْكُوا فِي الْإِيمَانِ وَجَعَلُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِحَبِّهَا دِهِمْ يَظْهَرُ صِدْقُ إِيمَانِهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ فِي إِيمَانِهِمْ لَا مَنْ
قَالُوا آمَنَّا وَلَوْ يُوْحَدُ مِنْهُمْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ قُلْ لَهُمْ اتَّعَلَّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ مُضَعَّفٌ عِلْمٌ بِمَعْنَى شَعْرٍ أَيْ
اتَّشَعَّرُونَهُ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ فِي قَوْلِكُمْ آمَنَّا وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ مِمَّنْ أَسْلَمَ بَعْدَ قِتَالٍ مِنْهُمْ قُلْ

تَمْنُوا عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ ۖ مَنصُوبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَاءِ وَيَقْدُرُ قَبْلَ أَنْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَيْتُمْ لِلْإِيمَانِ أَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ هَٰذَا مَعْنَى قَوْلِكُمْ آمَنَّا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَيُّ مَا يَخُفُّ فِيهِمَا وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ لَا يَخُفُّ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ.

ترجمہ: اے اہل ایمان نہ تو ہنسنا چاہیے (یہ آیت وفد تمیم کے متعلق نازل ہوئی جب انہوں نے عمار، وصیبؓ جیسے غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ صحیحہ ایسی ہی مذاق کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر و دل آزاری ہوتی ہو) کسی قوم (تم میں سے مردوں) کو دوسری قوم پر، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں (اللہ کے نزدیک) اور نہ (تمہاری) عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو (کسی کی عیب جوئی نہ کرو ورنہ تمہاری عیب جوئی کی جائے گی۔ غرضیکہ ایک دوسرے پر نکلتے چینی مبت کرو) اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے یاد نہ کرو جو باعث ناگواری ہو۔ مثلاً مسلم کو کافر، فاسق کہہ کر پکارنا) برا نام رکھنا (جس صحیحہ، لہو، تابز کا ذکر ہوا) برا ہے ایمان لانے کے بعد (یہ بدل ہے لفظ اسم سے یہ بتلانے کے لئے یہ فق ہے کیونکہ بدل عادتہ مکرر ہوتا ہے) اور جو (اس سے) باز نہیں آئیں گے وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے اہل ایمان بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (یعنی گناہ میں ڈالنے والے اور یہ بدگمانی بکثرت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اہل خیر مسلمانوں سے بدگمانی کرنا جن کی تعداد بڑی ہے۔ برخلاف فاسق مسلمانوں سے بدگمانی کے کہ وہ گناہ نہیں جب کہ وہ ان کے ظاہر حال کے مطابق ہو) اور نہ ایک دوسرے کے سراغ میں رہو (اس کی دو تائیں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے مسلمانوں کی پوشیدہ باتیں اور معائب ٹوہ لگا لگا کر بیان نہ کرو) اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (کسی کی ناگوار بات بیان نہ کرو اگرچہ وہ بات اس میں ہو) کیا تم سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرنے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (میتا تخفیف و تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے جس میں احساس نہ رہے ہرگز کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہ کرے گا) اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو (یعنی زندہ بھائی کی غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھالینا، پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو نا پسند کرتے ہو۔ اسی طرح اس کی غیبت کو بھی ناگوار سمجھو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی غیبت کے متعلق اس کے عذاب سے ڈرو اس طرح کہ اس سے توبہ کر لو) بلاشبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (توبہ کرنے والوں کی) رحم کرنے والا ہے (ان پر) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا (آدم و حوا سے) اور تمہیں مختلف قومیں (شعوب جمع ہے شعب کی فتح شین کے ساتھ۔ سب کے اعلیٰ طبقہ کو کہتے ہیں) اور مختلف خاندان بنایا (قبیلہ شعب سے کم ہوتا ہے اس کے بعد عمار کا درجہ ہے پھر بطون کا درجہ ہے پھر اثنا ذ پھر فصائل آخری درجہ میں ہے مثلاً خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے بکسر العین، قصی بطن ہے ہاشم فخذ ہے، عباس فصیلہ ہے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اس کی دو تائیں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی ایک دوسرے کی پہچان کے لئے نہ اس لئے کہ اونچے نسب پر فخر کیا جائے۔ قابل فخر تو صرف تقویٰ ہے) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف تو وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ (تمہیں) خوب جاننے والا ہے (تمہارے اندرونی احوال سے) پورا خبردار ہے۔ یہ کنوار (قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (جان و دل سے مان لیا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ تم ایمان تو لائے نہیں لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے (ظاہری فرمانبردار) اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (البتہ تم سے اس کی توقع ہے) اور اگر تم اللہ و رسول کا کہنا مان لو (ایمان وغیرہ کے متعلق) تو اللہ کی نہ کرے گا (ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی کم نہیں کرے گا) تمہارے اعمال میں سے (یعنی ان کے ثواب میں) ذرا بھی۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کی) بہت مغفرت کرنے والا ان پر بہت رحم کرنے والا ہے پورے

مومن (یعنی سچے مومن جیسا کہ آگے تصریح ہے) وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک و شبہ نہیں کیا۔ ایمان میں ڈانواؤں (نہیں ہوئے) اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا (ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی سچائی ظاہر ہوگئی) یہی لوگ سچے ہیں (اپنے ایمان میں، وہ لوگ سچے نہیں جو آمانا تو کہتے ہیں مگر اسلام کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا) آپ (ان سے) فرمادیتے تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان کی خبر دیتے ہو؟ تعلیم بمعنی اعلام ہے مراد خبر ہے یعنی تم اللہ کو اطلاع دیتے ہو اپنے آمانا کہنے کی حالت کی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ (بغیر خون بہائے مسلمان ہو گئے بر خلاف دوسرے لوگوں کے) بعض ان میں قتل و قتل کے بعد اسلام لائے۔ آپ فرمادیتے تھے کہ مجھ پر اپنے ایمان لانے کا احسان مت رکھو (منسوب ہے) ”یا“ جارہ محذوفہ سے اور ان اسلموا اور ان ہد اکم دونوں جگہ ان سے پہلے محذوف ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو (اپنے آمانا کہنے میں) اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی سب مخفی باتوں کو (جو تم کھان میں پوشیدہ ہے) جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (معمولوں یا اور تائے کے ساتھ دونوں طرح ہے، اس پر کچھ چھپا نہیں ہے)۔

تحقیق و ترکیب:..... قوم۔ خاص طور پر مردوں کو قوم کہا جاتا ہے کیونکہ وہی عورتوں کے لئے قوام ہوتے ہیں۔ قوم دراصل قائم کی جمع ہے جیسے صائم اور زائر کی جمع صوم اور زور آتی ہے۔ عورتیں اگر قوم کے مفہوم میں داخل ہوتیں تو دلانساء نہ کہا جاتا۔ چنانچہ زہیر کا شعر ہے۔

وما ادری ولست اخال ادری اقوام ال حصن ام نساء

بہت قوم عادی و نمود کا اطلاق جو مردوں کے ساتھ عورتوں پر ہوا ہے وہ طبعاً ہوا ہے۔ اور قوم و نساء دونوں کو نکرہ لایا گیا۔ تاکہ فرد و جماعت دونوں کو مٹھا کرنے کی ممانعت معلوم ہو جائے) اور لا یستخرو رجل من رجل ولا امرأۃ من امرأۃ نہیں کہا۔ کیونکہ اس میں فرد کی ممانعت تو ہوتی ہے۔ مگر ایک سے زائد کے لئے ممانعت نہ ہوتی۔ نیز اس بدخلقی سے بچنے والوں کی عظمت شان بھی ظاہر کرتا ہے۔ تفسیری عبارت میں اذ ذرا و تقاریر اداف ہیں۔ اور رجال سے تفسیر کر کے قوم کے اسم جمع ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ بمعنی رجال ہے قوم کا واحد معنی رجل ہے اور بعض کے نزدیک اس جمع کا واحد لفظا نہیں ہے۔

تلمزوا انفسکم۔ مراد ایک دوسرے کی عیب جوئی کی ممانعت کرنا ہے اور انفسکم اس لئے کہا کہ دوسرے کا عیب بیان کرنا خود اپنا عیب ان کرنا ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان مثل ایک جان ہیں اور یا اس لئے کہ جو دوسرے کا عیب بیان کرے گا اس کا بھی عیب بیان کیا جائے گا تو سرے کا عیب بیان کرنا گویا خود کو عیب دار بنانا ہے۔ لہذا زبانی طعن و تشنیع کو کہتے ہیں۔

لا تناہوا۔ نیز کے معنی مطلقاً القب کے ہیں۔ لیکن عرف میں برے لقب کو کہا جاتا ہے۔ قاضیوں میں ہے کہ تناہوا القاب سے یاد کرنے کو کہتے ہیں۔

اس الاسم۔ اس کے معنی یہاں ذکر کے ہیں کہا جاتا ہے طار اسمہ بالکرم او باللوم۔ تفسیری عبارت ای سے اشارہ ہے کہ الاسم میں سلام عہد کا ہے اور معبودا گر جمع ہے مگر بتاؤ بل مذکور مفرد ہے۔

سوق اس کو مبتدایا خبر بنانا مشہور ہے لیکن فاعل سے بدل کر بنانا جیسا کہ مفسر کی رائے ہے غریب ہے اور بدل کے نکتہ کی طرف مفسر نے بارہ کیا ہے کہ مذکورہ باتیں اگرچہ صفات ہیں مگر عادتاً بار بار ہونے کی وجہ سے فحش یعنی کبیرہ گناہ ہو جاتی ہیں۔

یو امن الظن۔ کثیر کو ہم رکھا گیا ہے تاکہ گمان میں احتیاط اور تامل سے کام لیا جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گمان ممنوع ہو۔ سفیان ثوری

فرماتے ہیں۔ الظن ظنان احدهما اثم وهو ان يظن ويتكلم به والاخر ليس باثم وهو ان يظن ولا يتكلم به۔ بعض الظن اثم۔ مومنین چونکہ فی نفسہ کثیر ہیں۔ لہذا ان سے بدگمانی بھی کثیر ہوگی اور یہ کثرت بحضرت کے منافی نہیں ہے برخلاف فساق کے ان کے ظاہری فسق سے بدگمانی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بیہوشی اور بطرائی نے روایت کی ہے۔ زجاج کہتے ہیں ہو ظنک باهل الخير بسوء واما اهل الفسق قلنا ان الظن بهم مثل الذي ظهر منهم اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں اجتنبوا اجتنباً كثيراً۔ لا تجسسوا۔ جس کے معنی ”جسس الید“ ہاتھ سے چھو کر معلوم کرنے کے ہیں۔

ایحب احدکم۔ یہ ایک تمثیل ہے غیبت کی برائی کی جس میں کئی مبالغے ہیں۔ ایک استفہام تقریر کے لئے ہے دوسرے انتہائی ناگوار چیز کو محبوب کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ تیسرے احد کم کی طرف نسبت کرتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ دوسرے اس کو پسند نہیں کرتے۔ چوتھے عام انسان کے بجائے بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پانچویں بھائی کا گوشت بھی مردہ ہونے کی حالت میں کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قاذو سے نقل ہے کما تکره ان وجدت جيفة مردودة ان تاكل منها كذلك فاکرہ لحم اخیک وهو حی۔

لفظ مینا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ خواہ تم سے یا اخیہ سے اور تشدید کی قراءت نافع کی ہے۔ اور چونکہ مردار کھانا طبعاً قابل نفرت ہے اس لئے فکر ہتموہ فرما دیا گیا ہے جس سے عقلاً بھی اس ناگواری مفہوم ہوگئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب یہ کہا گیا۔ ایحب احدکم ان یا کل لحم اخیہ مینا تو گویا صحابہ کی طرف سے جواب ملا۔ پھر کہا گیا فکما کرہتموہ فاجتنبوا ذکرہ بالسوء۔

قاضی فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہوئے۔ ان صح ذلک و عرض علیکم، هذا فقد کرہتموہ۔ یہ نفاء نصیحہ ہے کہ شرط مقدر کا جواب ہوتا ہے اس تمثیل میں آبرو کو گوشت سے تشبیہ دی گئی ہے استعارہ تمثیلیہ ہے۔

شعوبا۔ عرب میں یہ چھ طبقات شمار ہوتے تھے شعب بمعنی شاخ ودرخت۔

ثم لم یرو تابوا۔ ثم لانے میں یہ نکتہ ہے کہ ایمان لانے کے وقت تو شک ہے ہی نہیں۔ آئندہ بھی شک نہیں ہوتا۔

هم الصادقون۔ یعنی اگرچہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں لیکن گہا جائے گا کہ کمال ایمان میں داخل ہیں یا بطور علامت ایمان ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں دیہاتی مسلمانوں کے ایمان پر تعریف کرنا ہے۔

اتعلمون۔ یعنی یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے اس لئے مفعول ثانی کی طرف با کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے بمعنی شعر متعدی بیک مفعول ہے اور بمعنی اشعر متعدی بدو مفعول ہے۔

اسلامکم۔ ”با“ جارہ تین جگہ مقرر ہے دو موقع یہ ہیں ”ان اسلموا۔ ان هذاکم“ حروف مشبہ کے ساتھ ان بکثرت محذوف ہوتا ہے۔

الوحيان کہتے ہیں ”ان اسلموا“ مفعول کی جگہ ہے اس لئے لا تمنوا علی اسلامکم میں فعل کو اس کی طرف متعدی کیا گیا ہے۔

ان کنتم صادقین۔ ای فی ادعائکم الایمان بقلبه فلله المنة علیکم۔

شان نزول:..... ولا يغتب. حضرت سلمانؓ کو دو صحابیوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں سالن لینے روانہ کیا۔ حضرت اسامہؓ

کھانے کے انتظام پر تھے۔ انہوں نے سالن سے انکار کر دیا۔ سلمانؓ نے دونوں صحابیوں کو اطلاع کر دی سن کر وہ طنز ابولے کہ سلمانؓ کو اگر سیمہ کنویں پر بھیجتے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جاتا۔ جب یہ دونوں صحابی حضورؐ کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے منہ پر گوشت کی سرفی کیسے جھلک رہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہے کہ ہم نے گوشت کھایا نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم نے غیبت کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ذکر کے اخاک بما یکرہ کسی نے عرض کیا۔ اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو اس کو ذکر کرنا کیسا ہے؟ فرمایا ان کان

فیه ما تقول فقد اغتبتہ وان لم تکن فیه ما تقول فقد بہتہ۔ یعنی غیرت موجودہ عیب پیچھے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن غلط عیب بیان کرنا غیرت سے بڑھ کر بہتان کہلاتا ہے۔

یا ایہا الناس۔ یہ آیت ابو ہند کے متعلق نازل ہوئی۔ جیسا کہ ابو داؤد نے زہری سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو بیاضہ سے فرمایا کہ تم اپنی کسی عورت سے ابو ہند کی شادی کر دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی لڑکیوں کی شادی غلاموں سے کیسے کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو کعبہ کی چھت پر اذان دینے کا حکم دیا۔ عتاب ابن اسید بولوا خدا کا شکر ہے کہ آج کا دن دیکھنے سے پہلے میرے والد کو اللہ نے اٹھالیا۔ حارث ابن ہشام بولا کہ محمد ﷺ بھی اس کا لے کوئے کے علاوہ اذان دینے کو اور کوئی نہیں ملا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قالت الاعراب۔ مجاہد قتادہ سے ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ بنی اسد کے کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے صدقات کا مطالبہ کرتے ہوئے ایمان لانے کو بطور احسان ذکر کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

رابط آیات:..... اول مسلمانوں میں اختلاف و نزاع روکنے کی تدبیر بتلائی تھیں۔ پھر بتلایا کہ اتفاقاً اگر اختلاف رونما ہو جائے تو پر زور اور موثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش دینی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت، و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں عموماً دیکھا جاتا ہے جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا۔ بس ایک دوسرے کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگی اور پھٹتی کسی۔ تمسخر و استہزا کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے اور پکڑیاں اچھلنے لگتی ہیں۔ حالانکہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ جس کی ہنسی اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات خود یہ بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا تھا مگر ضد اور نفسانیت کا برا ہو کہ دوسرے کی آنکھ کا تکیا نظر آ جاتا ہے اپنی آنکھ کا شہر نظر نہیں آتا۔ اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور دلوں میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح صفائی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں:..... غرضیکہ کوئی جماعت دوسری جماعت پر آواز نہ کسے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر نہ کرے، نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں، تمسخر اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر و دل آزاری ہو۔ لیکن تفریح طبع اور دل خوش کرنے کیلئے جو ہنسی مذاق ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے وہ جائز ہے بلکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اور قوم اور نساء کے لفظ سے یہ مقصود نہیں کہ محض جماعتی طور پر ممانعت مقصود ہے بلکہ مردوں کی اور عورتوں کی جنس مراد ہے خواہ ایک ہو یا زائد۔ اسی طرح مرد کی عورت سے یا عورت کی مرد سے بھی اس قسم کی ہنسی ناجائز ہے اور یہ تخصیص شاید اس لئے ہے کہ اکثر تمسخر ہم جنسوں میں ہوا کرتا ہے اور یا اس لئے کہ جب ہم جنس کے ساتھ تمسخر منع ہے تو غیر جنس سے بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ کیونکہ اس میں تمسخر کے علاوہ ایک طرح کی بے غیرتی اور بے حس بھی شامل ہوگئی جو اور بھی بری ہے اور کوئی شخص خواہ کتنا ہی حقیر ہو مگر خاتمہ بالخیر چونکہ دونوں کا محتمل ہے اس لئے عسی ان یکونوا خیر امنہم کا بہر حال مصداق ہوگا۔ ڈرنا چاہیے۔

اور فرمایا گیا کہ برے ناموں اور برے القاب سے کسی کو یاد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے اور فتنہ و فساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔

کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم ہے:..... بنس الاسم۔ یعنی کسی کا برا نام ڈالنے سے آدمی

خود گنہ گار ہوتا ہے اسے تو واقع میں عیب لگایا نہ لگا لیکن خود اس کا نام بد تہذیب، فاسق گنہ گار، مردم آزار پڑ گیا۔ خیال کرو ”مومن“ کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا پھر اس کو مسلمانی سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا کہاں کا انصاف ہے۔ قطعاً نہایت مذموم حرکت ہے یا کوئی کسی عیب میں مبتلا ہو اور وہ اس کا اختیاری نہ ہو۔ یا ایک گناہ سے فرض کیجئے تو بہ کر چکا ہے چڑانے کیلئے اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ ومن لم یبغ۔ اے جو کچھ پہلے ہو چکا اب تو بہ کر لو۔ لیکن ان احکام و ہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم، سے تو بہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم ایسے ہی لوگ ہوں گے البتہ ایسے القاب اگر کسی غرض کیلئے ہوں۔ مثلاً کوئی شخص لنگڑا ہے اور وہ اسی عنوان سے پہچانا جاتا ہے۔ تو پھر اس لقب کے ذکر کرنے میں حرمت نہیں ہوگی۔

اختلافات کی کہانیاں:..... یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا۔ باہمی اختلافات و تفریق بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے اس طرح بدگمانی ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا، بخلاف کی کوئی بھی بات ہو اس کا مطلب اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک احتمال برائی کا نکلتا ہو۔ مگر ہمیشہ اس کی طبیعت برائی کی طرف چلے گی۔ اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمت و الزام لگانا شروع کر دے گا۔ پھر نہ صرف یہ کہ ایک بات اتفاقاً پہنچ گئی۔ بدگمانی سے اس کو غلط معنی پہنا دیئے گئے۔ نہیں اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی مجید معلوم ہوں، جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائے جائیں اور اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں، مسلمان بھلائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے۔ جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوج نوج کر کھائے۔ کیا کوئی انسان اس کو پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو کہ غیبت اس سے بھی زیادہ قاتل نفرت کا کام ہے۔ گوشت نوج کر کھانے سے اگر جسمانی اذیت ہے تو آبرو جان و مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ کسی کی آبروریزی قلمی اذیت کا باعث ہونے کی وجہ سے زیادہ پاپ ہے۔

مختلف قسم کے گمان اور ان کے احکام:..... ظن میں کثیر کے ساتھ بعض کا لفظ جو کثیر کو بھی شامل ہے اور جمع کا مقابل ہے اس لئے فرمایا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک ظن واجب جیسے فقہی ظن کہ غیر مخصوص احکام میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔ یا اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا کہ واجب ہے۔ دوسرے ظن مباح جیسے معاشیات میں گمان کرنا، مثلاً ایک شخص علانیہ فسق و فجور کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ رنڈی بھڑوؤں میں جاتا ہے۔ اس پر فسق کا گمان کرنا جائز ہے۔ مگر یقین نہ کر بیٹھے جب تک دلائل یقین موجود نہ ہوں اسی طرح غیر اختیاری سوء ظن میں بھی گناہ نہیں جب کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو۔ البتہ حتی الامکان اس کو دفع کرے۔

۳۔ تیسرا ظن حرام ہے جیسے الہیات اور نبوت میں قطعی دلائل کے بغیر گمان قائم کر لینا یا مسائل کلامیہ اور فقہیہ میں دلائل قطعیہ کے خلاف گمان کر لینا، یا کسی شخص میں فسق کی علامات نہ ہوں، بلکہ آثار صلاح ظاہر ہوں ایسے شخص سے سوء ظن رکھنا حرام ہوگا۔

ان تینوں قسموں میں چونکہ سب اقسام حرام نہیں ہیں بلکہ صرف تیسری قسم حرام اور پہلی دو قسمیں حلال ہیں، اس لئے کہ نہیں فرمایا۔ بلکہ کثیرا فرما دیا اور اس کثرت سے کثرت فی نفسہ مراد ہے کثرت اضافی مراد نہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے افراد دوسری اقسام سے زیادہ ہوں۔ اور اگر عوام کی عام عادتوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پہلی دو قسموں کے لحاظ سے بھی اس قسم کی کثرت صحیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زیادہ تر لوگوں کا

ابتلا اسی حرام گمان میں رہتا ہے۔ یہ بھی بعض الظن اثم کی تفصیل۔

اور سوء ظن کے متعلق جو الخمر و سوء الظن مشہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتبہ شخص کے متعلق خود کو حقا طر رکھے یعنی جس شخص سے بدگمانی ہے اس کے بارے میں بدگمانی کے متقاضی پر عمل نہ کرے۔ یعنی نہ اس کی تحقیر کرے اور نہ اس کو ضرر پہنچائے۔ البتہ گمان کرنے والا اپنے متعلق احتیاط رکھے، اس سے چوکنار ہے اور اس کے وار سے بچتا رہے۔

تجسس، غیبت، بہتان کے احکام..... اور چھپ کر یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے دوسروں کی باتیں سننا تجسس میں داخل ہے۔ البتہ کسی سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو اور اپنی یاد دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کے خیال سے نقصان پہنچانے والے کے ارادوں اور تدابیر کی ٹوہ لگائے تو جائز ہے۔ اور غیبت کہتے ہیں پیچھے پیچھے کسی کی اسکی برائی بیان کرنا جو اس کو ناگوار ہو گو وہ سچی بات ہی ہو۔ اور غلط بات کہی جائے جس میں غیبت سے بھی زیادہ دیدہ دلیری ہوتی ہے تو اس کو اتہام و بہتان کہا جائے گا۔

اور پیچھا پیچھے کی قید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سامنے برائی کرنا جائز ہوگا۔ البتہ اس کو غیبت نہیں لگو کہا جائے گا جو گناہ ہے۔

۱۔ اور جس غیبت سے کم تکلیف ہوتی ہو۔ جیسے کسی مکان یا سواری کی برائی کرنا۔ وہ گناہ صغیرہ ہے۔

۲۔ اور جس سے زیادہ تکلیف ہو تحقق یہ ہے کہ وہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔

۳۔ اور جو شخص غیبت کے دفع پر قدرت رکھتا ہو مگر پھر بلا اضطراب غیبت سننے، اس غیبت سننے کا حکم بھی غیبت کرنے کے برابر ہے اور غیبت میں چونکہ اللہ اور بندہ دونوں کا حق تلف ہوتا ہے۔

۴۔ اس لئے اول کے لحاظ سے توبہ۔

۵۔ اور دوسرے کی رو سے معاف کرنا بھی ضروری ہے۔

۶۔ البتہ روح المعانی میں حسن، خیاطی، ابن الصباغ نووی، ابن الصلاح، ہزکشی، عبدالباق، جیسے علماء سے نقل کیا ہے کہ جب تک متعلقہ شخص کو غیبت کی اطلاع نہ ہو بندے کا حق متعلق نہیں ہوتا۔ تاہم جن لوگوں کے سامنے غیبت کی سچی ان کے سامنے اپنی تردید و تکذیب کرنا ضروری ہوگا ہاں اگر ممکن نہ ہو تو مجبوری ہے۔

۷۔ اور جس کی غیبت کی جائے اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں سے معاف کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اپنے اور متعلقہ شخص کے لئے پکثرت استغفار کرتا رہے۔

۸۔ اور پچہ (۹) مجنون اور (۱۰) ذمی کا فر کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

۱۱۔ البتہ کا فر جبری کو اگر چاہیے پہنچانا جائز ہے مگر ان کی غیبت نصح اوقات ہے اس لئے مکروہ ہے۔

۱۲۔ اور غیبت جس طرح زبان و کلام سے ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی ہو سکتی ہے جیسے لنگڑے کی نقل بنا کر چلنا تحقیر کی نیت سے وہ بھی ناجائز ہے۔

۱۳۔ اور غیبت کرنے والا اگر معافی چاہے تو جس کی غیبت کی ہے اس کو معاف کر دینا مستحب ہے کیونکہ تبرع ہے۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت غیبت عام مخصوص الجہض ہے۔ چنانچہ برائی بیان کرنے میں اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو وہ غیبت حرام نہیں ہوگی۔ مثلاً

۱۔ ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص سے کرنا جو اس کے ظلم کو روک سکے۔

۲۔ معالج ڈاکٹر سے بیمار کا حال بتلانا۔

۳۔ فتویٰ کی ضرورت سے صحیح صورت حال مفتی کو بتلانا۔

۴۔ محدثین کے اصول حدیث کی رو سے احادیث کی حفاظت کے لئے راویوں پر جرح کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کو کسی شر سے خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی، بچانے کے لئے کسی کا حال بتلادینا۔

۶۔ یا مشورہ لینے کی غرض سے کسی کا حال ظاہر کرنا۔ جیسے وکیل اور سیرسٹر جو مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔

۷۔ جو شخص اپنے فسق کو خود آشکارا کرتا پھرتا ہو اس کا حال بیان کرنا۔ آیت ایحب احدکم میں صرف غیبت کی مذمت ممکن ہے اس کی کثرت ابتلاء کی وجہ سے ہو۔

واتقوا اللہ۔ ظاہر ہے کہ ان نصیحتوں پر کار بند وہی رہے گا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو یہ نہیں تو کچھ نہیں، چاہیے کہ ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر خدائے تعالیٰ کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہو گئیں تو اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ تفاخر نفسی کی طرح دعویٰ تقدس کی ممانعت بھی اس آیت سے مفہوم ہو رہی ہے۔

فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی (سورۃ النجم)

سبحان اللہ کیسی بیش بہا ہدایت ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب امراض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ مسلمان اگر ان پر عمل کریں تو جو اختلافات بد قسمتی سے پیش آجاتے ہیں، وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے۔ بلکہ چند روزہ کوشش سے نفسانی اختلافات کا خاتمہ ہو جائے۔

مدار فضیلت خاندانی اونچ نیچ نہیں، بلکہ ایمان و عمل ہے۔..... یا ایہا الناس انا خلقکم، غیبت، طعن و تشنیع، عیب جوئی کا اکثر منشاء کبر ہوا کرتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا ہونا، معزز حقیر ہونا، ذات پات، خاندان اور نسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مہذب، پرہیزگار ہوگا اتنا ہی اللہ کے یہاں معزز و مکرم ہے نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد، ایک عورت آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ شیخ، سید، مغل، پٹھان، صدیقی، فاروقی، علوی، انصاری وغیرہ سب ہی کا سلسلہ ایک ماں باپ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ خاندان اور برادریاں اللہ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کی ہیں۔ بلاشبہ حق تعالیٰ جس کو کسی شریف اور معزز بزرگ گھرانہ میں پیدا کر دے۔ وہ ایک وہابی، غیر اختیاری شرف و نعمت ہے جیسے آواز کا سر بولا اور صورت کا حسین و لکھیل ہونا غیر اختیاری ہے جو بہر حال مستحسن ضرور ہے۔ لیکن یہ فخر و ناز کی چیز نہیں ہے کہ اس کو معیار کمال اور مدار فضیلت سمجھ لیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔ ہاں البتہ اس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے بلا کسب و اختیار شرف نسبی عطا فرمایا اور شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ خصلتوں اور برے اخلاق سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال عزت و شرف اور فضیلت و بزرگی کا اصل معیار نسب نہیں ہے کہ غیر اختیاری ہے بلکہ صلاح و تقویٰ اور اعمال صالحہ ہیں جو کمالات اختیاری اور کسی ہیں اور ادب و تقویٰ کا تعلق دل سے ہے اور اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی نظر آتا ہے وہ واقعہ میں کیسا ہے؟ اور آئندہ کیسا رہے گا؟

خاندانوں کا اختلاف تعارف کے لئے ہے اور تعارف مختلف مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ ایک ہی نام کے دو شخص ہیں مگر خاندانوں کے امتیاز سے ان میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ دور کے اور پاس کے رشتہ داروں کی پہچان ہوتی ہے اور اسی قرب و بعد کے لحاظ سے پھر قرابت داروں کے شرعی حقوق ادا کئے جاتے ہیں۔
۳۔ اس سے عصبیات کا قرب و بعد معلوم ہو کر حاجب و محجوب متعین ہو جاتے ہیں۔

۴۔ اپنا خاندان معلوم ہو گا تو دوسرے خاندان کی طرف خود کو منسوب نہیں کرے گا۔ جس کی ممانعت حدیث میں آتی ہے۔
اسلام ناز کی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے۔ قالت الاعراب: اس میں ایک ایسی جماعت کی برائی بیان کی جا رہی ہے جنہوں نے بطور یا ایمان کا دعویٰ اور اظہار کیا تھا۔ اور چونکہ ان کا دعویٰ غلط تھا اس لئے برائی اور بھی بڑھ گئی اور سورت کے شروع میں آداب نبوی ﷺ سے متعلق مضمون تھا بطور احسان ان کا یہ دعویٰ علاوہ جھوٹ اور ریا کے آپ کے ساتھ ایک قسم کی گستاخی اور خلاف آداب بھی ہے۔ اس لئے یہ مضمون جس طرح سابقہ قرہبی آیات سے مربوط ہے اسی طرح شروع سورت کے مضمون سے بھی مربوط ہے پس آداب نبوی سے سورت کا شروع اور اسی پر اختتام آپ کی عظمت شان کی طرف مشیر ہے۔ اور نیز اس طرف کہ اصل حقوق میں آپ ہی ہیں اور دوسرے اہل حقوق جن کا ذکر درمیان میں آ گیا وہ اس لحاظ سے حقوق میں تابع ہیں کہ اگر حقوق مسلمانوں سے متعلق ہیں اور اسلام میں یہ شرکت آپ ہی کی بدولت ہوئی۔

آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ:..... گویا اس ایک ادب ہی کی یہ ساری تفصیلات ہیں ورنہ اگر سب کو الگ الگ شمار کیا جائے تو چھ آداب اور آنحضرت ﷺ سے متعلق بیان ہوئے ہیں۔

(۱) لا تقدموا (۲) لا ترفعوا (۳) لا تجھروا (۴) لو انھم صبروا (۵) ان جاء کم فاسق (۶) واعلموا اور آٹھ حکم مسلمانوں سے متعلق ہیں اور یہ آیت قالت الاعراب الخ مشترک حکم۔ اس طرح اس سورت میں کل پندرہ احکام ہیں۔
اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ایمان و یقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جاتے ہیں اور جڑ پکڑ لیتے ہیں اس وقت غیبت، عیب جوئی وغیرہ کی بری خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں اور جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے میں اور آزار پہنچانے میں مصروف ہو سمجھ لے کہ ابھی ایمان اس کے دل میں پوری طرح بیوست نہیں ہوا۔

حدیث میں ہے کہ یا معشر من امن بلسانہ ولم بغض الايمان الى قلبه لا تغتابوا المسلمين ولا تبغوا عوراتهم اس آیت سے اور حدیث جبریل سے ایمان و اسلام میں فرق ظاہر ہے۔ لیکن اگر اسلام سے یہاں لغوی معنی مراد لئے جائیں تو پھر یہ استدلال صحیح نہیں رہتا۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے۔

انما المؤمنون الخ۔ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔

قل اعلمون اللہ۔ یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تمہیں حاصل ہے تو کہنے اور جتانے کی کیا ضرورت جس سے معاملہ ہے وہ خود باخبر ہے۔

اسلام لانا کچھ اسلام پر احسان نہیں:..... یمنون علیک ان اسلموا۔ بعض دیہاتی اور گنوار آ کر کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بغیر

لڑائی بھڑائی کے مسلمان ہو گئے اس کا جواب آگے ہے اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے تو آمنا کہا تھا اسلما نہیں کہا تھا؟
جواب یہ ہے کہ اگر ان اسلما ہوتا تو شبہ کی گنجائش تھی۔ کیونکہ صیغہ غائب تو ان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ ان کے ایمان کو پہلے اسلام فرمایا اور وہ اس کے مدعی تھے۔ اس لئے اسلما سے یہ مقصد ہے کہ وہ اپنی ظاہری اطاعت کو جس کو فی الواقع اسلام کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ایمان کہتے

ہیں اور آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ اور آگے اسلام کم میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔
 نیز ہدایہ کم للایمان میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کا ایمان تسلیم کر لیا گیا ہے؟ کیونکہ یہاں گفتگو بطور فرض کے کی جا رہی ہے گویا ان کے قول کی
 حکایت ہے۔ چنانچہ ان کتب صادقین اس کا قرینہ ہے یعنی اگر بالفرض تمہارے دعویٰ ایمان کو مان لیا جائے تو بھی یہ خدا کا احسان سمجھنا
 چاہیے نہ کہ اپنا۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہی کند منت از دشمناس کہ بخد مت بداشت
 (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لطائف آیات: یا ایہا الذین امنوا لا یسخرن ان آیات میں ان اکرمکم عند اللہ اتقا کم تک مکارم اخلاق کی تعلیم ہے
 قالت الاعراب۔ اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر نظر نہ رکھو۔ بلکہ ہدایت کے سلسلہ میں اللہ کا احسان سمجھو۔

سُورَةُ ق

سُورَةُ قِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ الْاِيَّةَ فَمَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ وَارْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْقُرْآنُ الْمَجِيدُ ﴿٢﴾ الْكَرِيمُ مَا آمَنَ كُفَّارٌ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ رَسُولٌ مَنْ أَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبُعْثِ فَقَالَ الْكُفْرُونَ هَذَا الْإِنْدَارُ شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٣﴾ إِذَا بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَإِذْ خَالَ الْاِفِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوُجْهِينِ مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ﴿٤﴾ رَجِعْ ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ﴿٥﴾ فِي غَايَةِ الْبُعْدِ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ تَأْكُلُ مِنْهُمْ ﴿٦﴾ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿٧﴾ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْضُوطُ فِيهِ جَمِيعُ الْأَشْيَاءِ الْمُقَدَّرَةِ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ بِالْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي شَأْنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ فِي أَمْرِ مَرِيحٍ ﴿٨﴾ مُضْطَرِبٍ قَالُوا مَرَّةً سَاحِرٌ وَ مَرَّةً شَاعِرٌ وَ مَرَّةً كَاهِنٌ وَ كَهَانَةٌ أَقْلَمَ يَنْظُرُوا بِعُيُونِهِمْ مُعْتَبِرِينَ بِعُقُولِهِمْ جِئْنَا أَنْكُرُوا الْبُعْثَ إِلَى السَّمَاءِ كَائِنَةً فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا بِلا عَمَدٍ وَزَيْنَاهَا بِالْكَوَاكِبِ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ﴿٩﴾ شَقُوقٍ تَعْيِيهَا وَالْأَرْضُ مَعْطُوقَةٌ عَلَى مَوْضِعٍ إِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ مَدَدْنَاهَا دَحُونًا عَلَى وَجْهِ الْمَاءِ وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِي جِبَالًا تَنْبُتُهَا وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ أَصْنَفٍ بَهِيحٍ ﴿١٠﴾ يَنْهَجُ بِهِ لِحْصِنُهُ تَبْصِرَةٌ مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ فَعَلْنَا ذَلِكَ تَبْصِيرًا مِنَّا وَذِكْرًا تَذَكُّيرًا لِكُلِّ عَبْدٍ مُقِيمٍ ﴿١١﴾ رَجَاعٍ عَلَى طَاعَتِنَا وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبْرَكًا كَثِيرَ الْبَرَكَةِ فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّتٍ بِسَاتِينَ وَحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِيدِ ﴿١٢﴾ الْمَحْضُودِ وَالتَّحْلَ بِسَقْتٍ طَوَالًا حَالٍ مُقَدَّرَةٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ﴿١٣﴾ مُتَرَاكِبٌ بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ رِزْقًا لِلْعِبَادِ مَفْعُولٌ لَهُ وَآخِيْنَا بِهِ بِلَدَةٍ مِثْنًا يَسْتَوِي فِيهِ الْمَذْكُورُ وَالْمُؤْتَى كَذَلِكَ أَيْ مِثْلُ هَذِهِ الْأَجْيَاءِ الْخُرُوجِ ﴿١٤﴾ مِنَ الْقُبُورِ فَكَيْفَ تُنْكِرُونَهُ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّحْقِيرِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ نَظَرُوا وَعَلِمُوا مَا ذُكِرَ كَذَبَتْ قُلُوبُهُمْ قَوْمٌ نُوْحِ تَأْنِيْتُ الْفِعْلِ لِمَعْنَى قَوْمٍ وَأَصْحَبُ الرَّسِّ بِرِ كَانُوا مُقِيمِينَ

عَلَيْهَا بِمَوَاشِيهِمْ يَعْبُدُونَ الْأَصْنَامَ وَنَبِيَّهُمْ قِيلَ حَظَلَّتْ بَنُ صَفْوَانَ وَقِيلَ غَيْرُهُ وَكُمُودُ ﴿١٢﴾ قَوْمٌ صَالِحٌ وَ عَادَ قَوْمٌ هُودٌ وَ فِرْعَوْنُ وَ اخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَ اصْحَابُ الْأَيْكَةِ أَيْ الْعِظَةِ قَوْمٌ شَعِيبٌ وَ قَوْمٌ تَبَعُ هُوَ مَلِكٌ كَانَ بِالْيَمَنِ اسْلَمَ وَ دَعَا قَوْمَهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَكَذَّبُوهُ كُلٌّ مِنَ الْمَذْكُورِينَ كَذَّبَ الرُّسُلَ كَفَرِيشٍ فَحَقَّ وَعِيدُ ﴿١٤﴾ وَ جَبَّ نَزُولُ الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيعِ فَلَا يَضِيقُ صَدْرُكَ مِنْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ بِكَ أَفْعَيْنَا بِالْخَلْقِ مَعَ الْأَوَّلِ أَيْ لَمْ نَعْنِ بِهِ فَلَا نَعْنِ بِالْإِعَادَةِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ شَكٍّ مِنْ خَلْقِ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ وَ هُوَا لِبَعْتُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ حَالَهُ بِتَقْدِيرٍ نَحْنُ مَا مَصْدَرِيَّةٌ تُوسُوسُ تُحَدِّثُ بِهِ الْبَاءُ زَائِدَةٌ أَوْ لِلتَّعْدِيَةِ وَالضَّمِيرُ لِلْإِنْسَانِ نَفْسُهُ وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ بِالْعِلْمِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ الْأَصَافَةُ لِلْيَبَانِ وَالْوَرِيدَانِ عِرْقَانِ لِصَفْحَتِي الْعُنُقِ إِذْ نَاصِبَةٌ أَذْكَرُ مُقَدَّرًا يَتَلَقَّى يَأْخُذُ وَ يَبِيتُ الْمُتَلَقِّينَ الْمَلَكَانَ الْمُوَكَّلَانِ بِالْإِنْسَانِ مَا يَعْمَلُهُ عَنْ الْيَمِينِ وَ عَنِ الشِّمَالِ مِنْهُ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ أَيْ قَاعِدَانِ وَ هُوَ مُبْتَدَأٌ خَبْرُهُ مَا قَبْلَهُ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ حَافِظٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ حَاضِرٌ وَ كُلٌّ مِنْهُمَا بِمَعْنَى الْمُشَى وَ جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ غَمْرَتُهُ وَ شَدَّتْ بِالْحَقِّ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ حَتَّى يَرَاهُ الْمُنْكَرُ لَهَا عِيَانًا وَ هُوَ نَفْسُ الشَّدَةِ ذَلِكَ أَيْ الْمَوْتُ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾ تَهَرَّبُ وَ تَفْرَعُ وَ نَفِخَ فِي الصُّورِ لِلْبَعْثِ ذَلِكَ أَيْ يَوْمُ النَّفْخِ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ لِلْكَفَّارِ بِالْعَذَابِ وَ جَاءَتْ فِيهِ كُلُّ نَفْسٍ إِلَى الْمَحْشَرِ مَعَهَا سَاقِقٌ مَلِكٌ يَسْؤُفُهَا إِلَيْهِ وَ شَهِيدٌ ﴿٢١﴾ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعِلْمِهَا وَ هُوَ الْإِيدَى وَ الْأَرْجُلُ وَ غَيْرُهَا وَ يُقَالُ لِلْكَافِرِ لَقَدْ كُنْتَ فِي الدُّنْيَا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا النَّازِلِ بَلِ الْيَوْمَ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ أَزَلْنَا غَفْلَتَكَ بِمَا تَشَاهَدُهُ الْيَوْمَ فَبَصُرْتَ الْيَوْمَ حَلِيدٌ ﴿٢٢﴾ حَادٌّ تَذَرُكَ بِهِ مَا أَنْكَرْتَهُ فِي الدُّنْيَا وَقَالَ قَرِينُهُ الْمَلِكُ الْمُؤَكَّلُ بِهِ هَذَا مَا أَيْ الَّذِي لَدَى عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ حَاضِرٌ فَيُقَالُ لِمَالِكٍ الْقِيَا فِي جَهَنَّمَ أَيْ الْقِيَا أَوْ الْقَيْنَ وَ بِهِ قَرَأَ الْحَسَنُ فَأَبْدَلَتْ التَّوَنُ الْفَا كُلَّ كُفَّارٍ عَنِيدٌ ﴿٢٤﴾ مُعَانِدًا لِلْحَقِّ مَنَاعٌ لِلْخَيْرِ كَالرَّكُوزَةِ مُعْتَدٍ ظَالِمٍ مُرِيبٍ ﴿٢٥﴾ شَاكٍ فِي دِينِهِ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ مُبْتَدَأٌ ضَمِنْتُ مَعْنَى الشَّرْطِ خَبْرُهُ فَالْقِيَةُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ تَفْسِيرُهُ مِثْلُ مَا تَقَدَّمَ قَالَ قَرِينُهُ الشَّيْطَانُ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتَهُ أَضَلَلْتَهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ فَدَعَاؤُهُ فَاسْتَجَابَ لِي وَقَالَ هُوَ أَطْعَمَنِي بِدُعَائِهِ إِلَى قَالَ تَعَالَى لَا تَخْتَصِمُوا لَدَى أَيْ مَا يَنْفَعُ الْبِخْصَامَ هُنَا وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْوَعِيدِ ﴿٢٨﴾ بِالْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ لَوْ لَمْ تَوْمِنُوا وَلَا بُدَّ مِنْهُ مَا يُبَدَّلُ يُغَيَّرُ الْقَوْلُ لَدَى فِي ذَلِكَ وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾ فَأَعَذَّبْتُهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَ ظَلَامٍ بِمَعْنَى ذِي ظُلْمٍ لِقَوْلِهِ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ وَلَا مَفْهُومٌ لَهُ

ترجمہ:..... سورۃ ق مکہ ہے بجز آیت ولقد خلقنا السّٰفٰوٰت کے وہ مدنیہ ہے۔ کل ۴۵ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم ق (اس کی مراد حقیقی اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قرآن مجید کی (جو کریم ہے کہ کفار کما آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کو اس پر حیرت ہوئی کہ ان کے پاس ان ہی میں ایک ڈرانے والا آیا) انہی میں سے ایک فرد پیغمبر ہے۔ جو ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے) سو کافر کہنے لگے کہ یہ (ڈرانا) عجیب بات ہے کیا جب (اس میں دونوں ہمزہ کی تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف ہے یہ چار قراءتیں ہوئیں) ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید (انتہائی) دور کی بات ہے ہم ان کے اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھالیتی) کم کر دیتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے (یعنی لوح محفوظ، جس میں تمام ہونے والی باتیں درج ہیں)۔ بلکہ وہ سچی بات (قرآن) کو جھٹلا دیتے ہیں جب کہ ان کے پاس پہنچتی ہے۔ غرضیکہ یہ لوگ (آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کے معاملہ میں) ایک حیران حال میں ہیں (ڈانوا ڈول ہیں کہ کبھی جادو گر اور جادو کہتے ہیں اور کبھی شاعر و شعر اور کبھی کاہن اور کہانت کہتے ہیں) کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں (اپنی آنکھوں سے عقلوں کو کام میں لا کر، انکار قیامت کرتے ہوئے، آسمان کو جو ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو کیا بنایا ہے (بلاستون کے) اور اس کو (ستاروں سے) آراستہ کر دیا اور اس میں کوئی رخسہ (عیب و پھٹن) نہیں ہے اور زمین کو (اس کا عطف الی السماء کے محل پر ہو رہا ہے کس طرح) ہم نے پھیلا دیا ہے (پانی پر بچھا دیا ہے اور ہم نے اس میں (مضبوط پہاڑوں کو جمادیا ہے اور اس میں ہر قسم (طرح طرح) کی خوشنما چیزیں آگادیں (جن سے ان کے حسن میں رولق آگئی جو ذریعہ ہے بینائی (یہ مفعول لہ ہے یعنی ہم نے ان کو بینائی کے لئے بنایا) اور دانائی (نصیحت) کا ہر فرمانبردار (ہمارے اطاعت گزار) بندے کے لئے اور ہم نے آسمان سے (بہت) برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت باغ (چمن) آگائے اور کئی ہوئی کھیتی کا غلہ (دانے) اور لمبی لمبی (یہ حال مقدر ہے) کھجور کے درخت جن کے کچے گندھے ہوئے ہوتے ہیں (ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ) بندوں کے رزق کے لئے (مفعول لہ ہے) اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو آباد کیا (جیتا میں مذکر مونث کے برابر ہیں) اسی طرح (جیسے یہ زندہ کرنا ہے) قبروں سے نکلتا ہوگا (پھر کیسے قبروں سے زندہ ہونے کا انکار کر رہے ہو استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں ان سے پہلے تو مہنوح) (نکذبت فعل مونث ملایا گیا معنی قوم کی مدحایت کرتے ہوئے) اور اصحاب الرس (یہ ایک کنواں تھا جس پر اپنے چانوروں سمیت لوگ رہا کرتے تھے۔ اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ بعض کی رائے میں ان کے پیغمبر حضرت حظلہ ابن صفوان یا دوسرے کوئی بزرگ تھے) اور عود (قوم صالح) اور عاد (قوم ہود) اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب الالیکہ (بہت سی جھاڑی بنی۔ قوم شعیب مراد ہے) اور قوم تبع (تبع یمن کا بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم کو جب اسلام کی دعوت پیش کی تو قوم نے اس کو جھٹلایا) نکذیب کر چکے ہیں۔ ان سب نے (قریش کی طرح) سب پیغمبروں کو جھٹلایا۔ سو میری وعید محقق ہو گئی (سب پر عذاب نازل کرنا لازمی ہو گیا۔ لہذا آپ کو قریش کے کفر سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے ہیں؟ یعنی نہیں تھکے، اس لئے دوبارہ پیدا کرنے میں بھی نہیں تھکیں گے) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (قیامت کے متعلق) شبہ میں ہیں اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں (یہ حال ہے بتقدیر نحن) جو کچھ (ما مصدر یہ ہے) خیالات آتے ہیں (پیدا ہوتے ہیں) اس کے (باز آمد ہے یا تہد یہ کے لئے ہے اور سبکی ضمیر انسان کی طرف سے راجع ہے) جی میں اور ہم انسان کے (علم کے لحاظ سے) اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں (جل الورد میں اضافت بیان یہ ہے اور ورد یہ گردن کے دونوں طرف کی رگوں کو کہتے ہیں) جب کہ حاصل کرتے رہتے ہیں (لیتے اور قلمبند کرتے رہتے ہیں) اخذ کرنے والے دو فرشتے (انسان کے عمل پر جو دو فرشتے مقرر ہیں) جو (اس کے) دائیں

بائیں بیٹھے رہتے ہیں (یہ مبتداء ہے اس کی خبر پہلے ہے) وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا۔ مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا (نگران) تیار (حاضر) رہتا ہے (رقیب و عقید دونوں لفظ مشنیہ کے معنی میں ہیں) اور موت کی سختی (بے ہوشی اور شدت) حقیقہً آ پہنچی (یہ آخرت کے متعلق ہے حتیٰ کہ ایک منکر بھی اس کو کھلم کھلا دیکھتا ہے یعنی نفس شدت ہے) یہ وہ چیز ہے جس سے توبہ کرتا تھا (بھاگتا اور گھبراتا تھا) اور صور (قیامت) پھونکا جائے گا۔ یہی (صور پھونکنے کا روز) وعید کا دن ہوگا (کفار کے لئے عذاب کا) اور آئے گا (اس روز) ہر شخص (محشر کی طرف) اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لائے گا (فرشتہ جو محشر کی طرف اس کو دھکیلے گا) اور ایک گواہ ہوگا (جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اور کافر سے کہا جائے گا) تو (دنیا میں) بے خبر تھا اس سے (جو کچھ آج عذاب ہو رہا ہے) سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اٹھا دیا (تیری غفلت دور کر دی جو کچھ آج تیرے مشاہدہ میں آ رہا ہے) سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (جن باتوں کا دنیا میں انکار کرتا تھا وہ اب تجھے محسوس ہو رہی ہیں) اور جو فرشتہ (موکل) اس کے ساتھ رہا کرتا تھا وہ عرض کرے گا کہ یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے (حاضر، دوزخ کے داروغہ سے کہا جائے گا) دوزخ میں جھونک دو (یعنی ڈال دو، یا اللعین جیسا کہ حسن کی قراءت ہے۔ نون کو الف سے بدل لیا) ہر کفر کرنے والے کو ضدی کو (جو حق سے عناد رکھتا ہو) جو نیک کام (جیسے زکوٰۃ) سے روکتا ہو جو حد سے بڑھنے والا (ظالم) شبہ پیدا کرنے والا (اپنے دین میں شک ڈالنے والا ہو) جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (یہ جملہ متضمن معنی شرط کو مبتداء ہے آگے خبر ہے) سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (اس کی تفسیر پہلے جیسی ہے) اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا (بچلایا نہیں تھا) لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا (میں نے اس کو بلایا ضرور تھا۔ مگر یہ خود میرے بہکانے میں آ گیا اور پھر کہتا ہے کہ شیطان نے مجھے بہکا کر گمراہی میں ڈال دیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے سامنے جھگڑنے کی باتیں مت کرو یعنی اس وقت جھگڑنا بے فائدہ ہے) اور میں تو پہلے ہی (دنیا میں) وعید بھیج چکا تھا (عذاب آخرت کی ایمان نہ لانے کی صورت میں وہ ہو کر رہے گا) میرے ہاں بات نہیں بدلی (پھیری) جاتی (اس سلسلہ میں) اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (کہ بلا جرم ان کو سزا دے ڈالوں ظلام ظالم کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لا ظلم الیوم مبالغہ کا مفہوم ہر ادنیٰ نہیں ہے۔)

تحقیق و ترکیب: والقرآن۔ تفسیری عبارت جواب قسم کے مخدوف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس پر قرینہ بعد کی آیت ا جاء ہم منلہو ہے۔ اور بعض نے قد علمنا ما تنقص کو جواب مانا ہے اور اس پر لازم آنا چاہیے تھا۔ مگر طول کلام کی وجہ سے حذف گیا ہے، اور بعض کے نزدیک جواب قسم آئندہ آیت ما یلفظ من قول ہے۔ اس سے پہلی آیات میں اس کے قائم مقام ہو گئی ہیں والشمس الخ کا جواب قد الفلح من زکھا ہے۔

بل عجبا۔ یہ مخدوف جواب قسم سے اضراب ہے اور اظہار تعجب ان کی کوتاہ عقلوں کی وجہ سے کیا گیا ہے ورنہ فی نفسہ اور عقل کامل کے لحاظ سے انبیاء کا آنا تعجب خیر نہیں ہے۔ بلکہ نہ آنا تعجب خیر ہوتا۔ و کنا تو ابا۔ موت اور مٹی ہو جانا باعث تعجب نہیں ہے۔ بلکہ دوبارہ زندہ ہونا جس کو مفسر نے نزج سے تعبیر کیا ہے تعجب خیر بنا ہے مگر ظاہر ہونے کی وجہ سے آیت میں ذکر نہیں کیا۔

قد علمنا۔ علم الہی جس کے تمام اجزاء کو محیط ہے اس لئے وہ دوبارہ جلانے پر بھی قادر ہے۔ وعندنا۔ یہ جملہ حالیہ ہے کلام تشبیہی ہے جس طرح کسی کے پاس کتاب ہو جس میں تمام باتیں محفوظ ہوں۔ اسی طرح علم الہی سب چیزیں محفوظ ہیں لوح محفوظ کی مثال انسانی دماغ جیسی ہے کہ چھوٹا ہونے کے باوجود کتنی معلومات کا خزانہ ہوتا ہے اور لوح محفوظ تو سفید موتی کا ہے جو

ساتویں آسمان پر ہوا میں مطلق ہے جس کا حجم آسمان زمین مشرق مغرب کے برابر ہے۔

فی امر مرتج۔ قاموس میں ہے کہ مرتج کے معنی فساد و اضطراب کے ہیں۔ یہاں استاد مجازی ہے کیونکہ صاحب امر مرتج ہوتا ہے۔

کیف بنیناھا۔ مفعول سے حال ہے مخاطب کو اقرار پر آمادہ کرنے کے لئے استفہام ہے۔

مالھا من فروج۔ سورۃ ملک میں اہل قری امن فطور فلسفہ کے اصطلاحی فرق والقیام کے محال ہونے یا انکار قیامت پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہاں آسمانوں میں ٹوٹ پھوٹ کا انکار کیا جا رہا ہے اور وہ بھی بحالت موجودہ۔ لیکن ان کی بناوٹ میں دروازے اگر رکھ دئے گئے ہوں جن سے فرشتوں وغیرہ کی آمد و رفت ہوتی ہو۔ یا قیامت میں جنور السماء مورا ہو تو اس کی نفی نہیں ہے۔

والارض۔ یہ منصوب ہے اشارہ علی شرط التفسیر کی وجہ سے اس کا عطف محل الی السماء پر ہے۔ ای افلم ينظروا الى السماء والارض۔

تبصرة۔ عام طور پر اس کو مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانا گیا ہے۔ ای التبصير والتدكير۔ لیکن بعض حضرات حال کی وجہ سے منصوب کہتے ہیں۔ ای مبصرین و مذکرین اور بعض مفعول سے حال مانتے ہیں۔ ای ذات و تبصرة و قد كبر لمن يراها۔ اور زید بن علی نے دونوں لفظوں کو مفعول پر ماحا ہے ای ہی تھمرہ ہے۔ اور مفعول لہ ہونے کی صورت میں کیف بنیناھا عامل ہے فعلنا ذلك سے مفسر نے عامل کی تفسیر کر دی۔ ای فعلنا البناء والتزيين۔

لكل عبد۔ اس کا تعلق دونوں مصدروں سے ہے۔

منيب۔ یہ صیغہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ نسبت کے لئے ہے جیسے لبان، مزارع، مای لئے رجاء کے معنی ذی رجعت کے ہیں کثرت سے مراد نہیں ہے۔ وحب الصيد۔ مفسر نے زرع سے اشارہ کر دیا کہ موصوف محذوف ہو کر صفت قائم مقام ہو گئی تاکہ اضافت اشئ الی نفسه لازم نہ آئے۔ لیکن یہ دو لفظ اگر مختلف ہوں تو ان میں اضافت بھی ہو سکتی ہے جیسے حق الیقین، جبل الورد، دار الاخرة۔ اور صید بمعنی مصيد۔ جو کھیت کٹنے کے لائق ہو۔

باسقات۔ جمع ہے باسقة کی ہو اسق بھی جمع ہے بسق المرجل یعنی علم میں ماہر ہو گیا۔ حال مقدرہ اس لئے کہا کہ پیدا ہونے کے وقت کھجور لمبی نہیں ہوتی۔ اور نخل مفرد لایا گیا۔ زیادہ لمبا اور زیادہ نفع بخش ہونے کی وجہ سے چنانچہ حدیث میں مسلمانوں کو نخل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

رزقا۔ حال ہے ای عرز و قال للعباد اور انبات کے معنی میں مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے اور للعباد صفت ہے اور یا مصدر کا متعلق ہے اور یا مصدر کا مفعول ہے۔ اس میں لام زائد ہے اور یہاں عباد کو مطلق اور ذکر لکل عبد منیب میں مقید ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نصیحت صرف اچھے لوگوں کے لئے اور رزق سب کے لئے ہوتا ہے۔

بلدة مینا۔ بلدہ مونث ہے اس کی صفت بیتا مذکر ہے؟ تفسیری عبارت اسی کا جواب ہے لیکن اس جواب میں نظر ہے کیونکہ یہ قاعدہ فعلیل کے لئے ہے کہ اس میں مذکر مونث برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے بہتر توجیہ یہ ہے کہ بلدة سے مراد ارض نہ ہو بلکہ مکان ہو اس کی صفت بیتا ہے۔

کللت۔ کاف محل مفعول میں ہے مبتدہ کی وجہ سے اسوات کا حال موات جیسا ہے مفسر استفہام کو تقریری کہہ رہے ہیں لیکن انکار و توخ کے لئے ماننا بہتر ہے۔ نیز والمعنى انهم فظروا وعلموا ما ذكرنا من انهم قابلون نظر ہے کیونکہ اگر کفار واقعی نظر کرتے تو ایمان لے آتے۔

اصحاب الرس۔ پیامہ کے ایک خاص کنوئیں پر رہنے والی قوم تھی اور بعض نے اصحاب الاخدود مراد لئے ہیں۔

فرعون۔ قوم فرعون مراد ہے۔ کیونکہ معطوف علیہ میں بھی اقوام مراد ہیں۔

تبع۔ کثرت جمعین کی وجہ سے ان کا نام تبع ہوا۔

الغینینا۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور عی کے معنی عجز و عقب کے ہے۔

بل ہم۔ مقدر پر عطف ہے۔ ای ہم غیر منکرین لقد رتنا علی الخلق الاول بل ہم فی شبهة من خلق جدید۔ اور خلق کو یہاں تنغیم شان کے لئے نکرہ لایا گیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان۔ جنس مراد ہے جو آدم اور اولاد پر صادق آتی ہے۔

ونعلم حال ہے مضارع مثبت اگر حال ہو تو حرف ضمیر کافی ہوتی ہے واؤ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن جب واو کے ساتھ ہو تو پھر جملہ اسمیہ بنانا پڑے گا۔ اس لئے مفسر نے نحن مقدر مانا ہے۔

توسوس۔ یہ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے انسان اور اس کے نفس کو مغائر فرض کر لیا گیا ہے۔

خاطر۔ ہا جس کی طرح اس وسوسہ پر بھی کوئی اچھا برا اثر مرتب نہیں ہوتا۔ البتہ ہم اگر خیر ہو تو مفید ہے اور شر ہو تو معزز نہیں ہے۔ لیکن عزم اختیار ہونے کی وجہ سے خیر و شر دونوں میں موثر ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ کی آیت ان تبدوا مالی أنفسکم کے تحت گزر چکا ہے۔

نحن اقرب۔ جسمانی قرب مراد نہیں ہے۔ بلکہ علمی مراد ہے۔ سبب کا اطلاق سبب پر کیا گیا ہے کیونکہ قرب سبب علم ہوتا ہے۔

یتلقى المتلقیان۔ انسان کی زبان، ان فرشتوں کا قلم اور لعاب روشنائی کا درجہ رکھتی ہے۔ اس آیت سے متعلق عجیب و غریب بحث شیخ عبد العزیز بن دباغ کے حالات پر مشتمل کتاب ”تبریز“ میں دیکھنی چاہیے۔

قعید۔ فعیل کا وزن کو فیوں کے نزدیک متعدد پر بولا جاسکتا ہے۔ جیسے والملاحکة بعد ظہیر میں ہے۔ قعید بھی اسی طرح ہے اور بعض کے نزدیک عن الیمین قعیلو عن الشمال قعیل تھا۔ اول سے قعید حذف کر دیا گیا ہے۔ اور قعید بمعنی قاعد ہے۔ اور بعض کے نزدیک قعید بمعنی مقاعد ہے جیسے جلس بمعنی مجالس ہے قعید اور قیب دونوں تشبیہ کے معنی میں آتے ہیں۔ یہ خبر ہے۔ اذ یتلقى المتلقیان کی اور قعید ایسے بیٹھنے کو کہتے ہیں جو چمٹ جائے پس سے مس نہ ہو چنانچہ کراما کا تبین صرف جنابت، جماع، بیت الخلاء کی حالت میں الگ ہوتے ہیں دوسرے اوقات میں لازم و ملزوم رہتے ہیں اور ان تین اوقات میں بھی قیافہ سے پہچان کر گناہ یا ثواب لکھ لیتے ہیں۔

بالحق۔ باقاعدہ کے لئے ہے۔ جیسے جاء زید بھمر واور حق باطل کی ضد کو کہتے ہیں۔ جس کے ایک معنی مفسر نے بیان کئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سکر الموت، حقیقۃ الامر کو سامنے کر دیتی ہے اور بعض کے نزدیک الحق سے مراد موت اور جزاء ہے۔

ونفخ فی الصور۔ اس کا عطف جاءت پر ہے اور صور سینک کی شکل میں ہوتا ہے۔ جس کو حضرت اسرافیل آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت سے منہ میں لئے ہوئے منتظر حکم ہیں۔

سائق۔ سائق اور شہید کے معنی میں اختلاف ہے مشہور قول وہی ہے جو مفسر نے اختیار کیا ہے اور بعض کے نزدیک سائق برائیاں لکھنے والا فرشتہ اور شہید نیکیاں لکھنے والا فرشتہ اور بعض کے نزدیک سائق سے مراد نفس انسانی یا اس کا قرین ہے اور شہید سے مراد انسان کے جوارح اور اعمال ہیں۔

لقد کنت۔ جمہور کے نزدیک کا فر مخاطب ہے اور زید بن اسلم کے نزدیک اس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یعنی آپ پہلے قرآن سے غافل تھے۔ لیکن سیاق آیت اس کے خلاف ہے چنانچہ دوسری قراءت کنت ضمیر تانیث سے اول معنی کی تائید ہوتی ہے۔

غطاء لٹ۔ غفلت اور انہماک محسوسات اور تصور نظر مراد ہے۔ ہر نماز کے بعد اس آیت کو پانچ مرتبہ ہاتھ کی انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں سے مل لینا ضعف بصر دور کرنے کے لئے مجرب ہے۔

قرینہ۔ بقول بغوی وغیرہ قرین فرشتہ ہے اور ابن عباسؓ، مجاہدؓ سے اس کے معنی شیطان منقول ہیں۔ قال قرینہ ربنا ما اطفیتہ میں بھی یہی معنی ہیں۔ اور عید کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے قبضہ میں تھا۔

مالدی۔ میں مانگرہ موصوفہ، عقید اس کی صفت ہے اور لدی، عتیق کے متعلق ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقید۔ ماک صفت ثانیہ ہو یا خبر ہے مبتداء محذوف کی ای ہو عقید، اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور لدی اس کا صلہ ہے اور عقید خبر موصول ہے اور پھر موصول صلہ لکرا اسم اشارہ کی خبر ہے اور موصولہ ہو یا موصولہ، ہذا کا بدل بھی ہو سکتا ہے اور عقید خبر ہوگی اور زخمسری کے نزدیک عقید بدل اور خبر ثانی اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتا ہے۔

القیہ۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ فاعل کا ثنیہ بمنزلہ فعل کے ثنیہ کے ہے۔ اصل میں اتق اتق تھا دوسرے فعل کو حذف کر کے پہلے فعل میں ثنیہ کی ضمیر لے آئی گئی۔ (قاضی) اور بقول صاحب جملہ ثنیہ کی دو تو جیہیں ہیں ایک یہ کہ بظاہر الف ثنیہ ہے ورنہ دراصل فعل مکرر ہے تاکید کے لئے مگر دوسرے فعل کو حذف کر کے اس کے فاعل کو پہلے فعل کے فاعل کے ساتھ جمع کر کے ثنیہ لایا گیا ہے۔ گویا اس صورت میں نون ثنیہ حذف ہو گیا صرف الف رہ گیا۔ اعراب کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس میں الف ثنیہ نہیں ہے بلکہ نون تاکید خفیفہ سے بدلا ہوا ہے۔ تفسیری عبارت اوالیقین کا یہی مطلب ہے وصل کو وقف کے قائم مقام کر کے نون تاکید کو الف سے تبدیل کر دیا ہے اور بعض نے سائق اور شہید دونوں کے لئے خطاب مانا ہے پھر کسی توجیہ کی حاجت نہیں رہتی۔

الذی جعل۔ مفسر نے اس کو مبتداء متضمن معنی شرط قرار دیا ہے۔ اس لئے خبر پر فا آگئی۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مبتداء کو شرط کے مشابہ کہا جائے۔ اس کو بطور مذمت منصوب بھی مانا جاسکتا ہے۔ یا کل سے یا کفار سے بدل مان کر مجرور کہا جاسکتا ہے۔ فالقیہ۔ فاعل کے بعد قول مقدر ماننا ضروری ہے۔ ورنہ امر انشاء ہونے کی وجہ سے خبر نہیں ہو سکتی۔

ای یقال فیہ القیہ۔ اور بعض کی رائے ہے کہ معتا جواب شرط ہونے کی وجہ سے فاء کے بعد قول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ یہ مفعول ہے۔ فعل مضمر علی شرطیۃ النفیۃ کا اور بعض اس کو "کل کفار" سے بدل لیتے ہیں۔ فالقیہ فی العذاب الشدید کا عطف القیہ فی جہنم پر ہے اور بعض اس کو تاکید مانتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ عطف تاکید کے منافی ہوتا ہے۔ لا تختصموا۔ کفار اور ان کے قرین کو خطاب ہے۔

وقد قدمت۔ بظاہر یہ جملہ لا تختصموا کا حال ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ وعید تو دنیا میں دی گئی۔ اور اختتام آخرت میں ہو رہا ہے دونوں ایک زمانہ میں نہیں جو حال کے لئے شرط تھے۔ جواب یہ ہے کہ کلام میں حذف ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ ثبت الان انی قدمت الیکم بالوعید الخ۔

ظلام للعبد۔ اس میں یوم کی قید کا اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ مطلق ظلم کی نفی مقصود ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی سورت کی آخری آیت واللہ بصیر بما یعملون میں اعمال کی جزا کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس پوری سورت میں قیامت و جزاء کے امکان اور وقوع کی بحث ہے۔

﴿تشریح﴾:..... والقران المجید۔ قرآن کی عظمت و بزرگی کا کیا کہنا۔ جس نے آکر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار و معارف سے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔ قرآن بذات خود اس کا شاہد ہے کہ اس میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے مگر منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت و برہان ہے۔ بلکہ محض اپنی حماقت۔

جہالت سے اس پر ناک و مہموں چڑھاتے ہیں کہ انہی کا ایک آدمی رسول بن کر کیوں آگیا اور بڑا ابن کران کو نصیحتیں کیوں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی کہ کوئی ماننے کو تیار نہیں۔ بھلا سر کر دور بارہ زندہ ہونا ہی کچھ کم حیرت ناک نہیں تھا کہ اس پرستم یہ کہ مٹی بن کر گل سر کر پھر دوبارہ زندہ ہوں بھلا ان باتوں کو کوئی کاہے کو ماننے لگا۔ یہ تو بعید در بعید بات اور انوکھی جیتساں ہے عادت کے بھی خلاف اور امکان سے بھی دور۔ اس محال دعویٰ سے تو ان کی پیغمبری کی قلعی بھی کھل گئی۔

قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی:..... آگے حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے اول اس کے امکان اور پھر اس کے وقوع سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قد علمناھا تنقص الارض الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ امکان سے بعید ہونا بلحاظ قائل کے ہو گا یا باعتبار فاعل کے اول صورت تو اس لئے غلط ہے کہ قائل میں زندگی کی قابلیت ہر اس مشاہدہ میں ہے یعنی سر دست اس میں زندگی ہے۔ پس محل میں قابلیت کی نفی بالکل خلاف مشاہدہ ہے رہا دوسرے اعتبار سے یعنی فاعل کے اعتبار سے ناممکن ہو۔ سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ کو جسم کے تمام اجزائے مستحیلہ کا پورا علم بھی ہے اور ان پر قدرت بھی۔ اس لئے اس دعوت کا امکان ثابت ہو گیا۔

غرضیکہ سارا انسان مٹی نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کی جان سلامت رہتی ہے۔ مٹی میں اگر ملتا ہے تو بدن ملتا ہے اس کے اجزاء تحلیل ہو کر جو مختلف چیزوں میں مل جاتے ہیں وہ پورے طور پر اس کے علم میں بھی ہیں اور قدرت کے زیر اثر بھی۔ وہ جب چاہے گا ان کو پھر ملا کر کھڑا کر دے گا اور پھر اللہ کا علم بھی قدیم ہے کہ پہلے ہی اس نے سب حالات لوح محفوظ میں لکھ دیئے۔ اب تک وہ کتاب جوں کی توں اس کے پاس موجود ہے۔ پس اگر کسی کی سمجھ میں اس کا علم قدیم نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے کہ سب کچھ اس دفتر میں محفوظ ہے۔

ضدی آدمی ہر سچی بات کا انکار کر دیتا ہے:..... بل کذبوا۔ یعنی کفار کی طرف سے یہ محض اظہار تعجب نہیں۔ بلکہ فی الحقیقہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ نبوت ہو یا قرآن، بعثت ہو یا قیامت ہر حق بات کو جھٹلاتے ہیں اور جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے وہ عجیب طرح کی الجھنوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہ آسمان ہی کو دیکھ لیں جس میں بظاہر نہ کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون۔ اتنا بڑا عظیم الشان اور پھر نہایت مضبوط بنا کھڑا ہے۔ رات کو جھل مل کرتے ستاروں کا منظر کیسا تاب ناک معلوم ہوتا ہے اور پھر لطف یہ کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے۔ اس میں نہ کہیں سورج ہوا نہ کوئی کنگورہ گرا، نہ پلاسٹر ٹونا، نہ رنگ خراب ہوا، آخر یہ کیا کمال صنائی ہے۔

آسمان نظر آتا ہے یا نہیں:..... افلم یبظروا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ نیلگوں جو کچھ نظر آتا ہے وہ آسمان نہیں بلکہ کرہ بخارات ہے؟ پس ان دونوں باتوں میں تطبیق دو طرح ہو سکتی ہے ایک یہ کہ نظر آنے سے مراد عام لی جائے۔ خواہ بے حجاب یا بواسطہ حجاب کے پھر اس حجاب کی دو صورتیں ہیں یا حجاب آسمان کے ہم رنگ ہوں یا دونوں کا رنگ الگ الگ ہو۔ پس ان دونوں صورتوں میں جو کچھ نظر آتا ہے اگر کرہ بخار کا ہونا صحیح ہو تو ممکن ہے یہ دونوں کا ملا جلارنگ کرہ بخار ہو اور دوسری صورت تطبیق کی یہ ہے کہ نظر سے مراد فکری نظر ہو اس کو مجازاً نظر کہہ دیا اور آسمانوں کا وجود مع اوصاف خاصہ کے چونکہ صحیح دلائل سے ثابت ہے اس لئے اس کا ماننا واجب ہے اور وہ محل غور و فکر ہو سکتا ہے۔ البتہ پہلی صورت میں اس کی تزئین کی دونوں طرف یعنی مزین اور مزین بہ حسی ہیں اور دوسری صورت میں مزین بہ حسی ہے۔ مگر مزین محل فکر ہے اور الی السماء کو الی اثار السماء بھی کہہ سکتے ہیں۔

زمین پر نظر ڈالو کتنے رزق کے خزانے اور قیمتی دولت یہ اگلتی رہتی ہے کہ کہیں ختم ہونے کا نام بھی نہیں لیتے پھر آسمان کی ہمسری کرنے والے لیے جوڑے پہاڑ اس پر میخوں کی طرح گاڑ دیئے گئے ہیں۔ کیا اس سے مضبوط تر کیلیں اور ہو سکتی ہیں؟

تبصروہ و ذکرئ۔ جو شخص انہیں حیات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے بلکہ خدا کی طرف رجوع ہو اس کے لئے آسمان زمین کی بناوٹ اور تنظیم میں دانائی و بینائی کے کتنے سامان ہیں جنہیں وہ ادنیٰ غور و فکر کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور بھولے ہوئے سبق اس کو یاد آ سکتے ہیں۔ مگر ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں پھر یہ لوگ حق کو جھٹلانے کی کیسے جرات کرتے ہیں۔

قیامت کے امکان کی دلیل:..... کذلک الخروج۔ جس طرح بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کر دیئے جائیں گے۔ ذاتی قدرت کے لحاظ سے اگرچہ سب مقدورات یکساں ہیں۔ لیکن آسمان جیسی بڑی چیزوں پر قدرت اس کا واضح ثبوت ہیں کہ جھوٹی چیزوں پر بدرجہ اولیٰ اس کی قدرت ہے پس جب مقدور بھی ممکن اور فاعل بھی صاحب علم و اختیار پھر تعجب یا تکذیب کے کیا معنی؟ اسی طرح آیات کذبت قبلہم الخ میں جھٹلانے والوں کے انجام بد کا ذکر ہے۔ سورہ حجر، سورہ فرقان، سورہ دخان وغیرہ میں ان اقوام کا بیان ہو چکا ہے۔

الفعلیہ بالخلق الاول۔ یعنی مقدور کا ممکن ہونا مسلم اور قدرت فاعل بھی تسلیم لیکن اگر کسی کو شبہ ہو کہ اللہ کو عالم پیدا کرنے میں تکان پیدا ہو گیا ہو۔ جس کی وجہ سے دوبارہ پیدا کرنے پر اس کی قدرت کی تحفید نہ ہو؟ یہاں اس شبہ کو صاف کر دیا گیا ہے کہ اس کی کامل قدرت میں یہ عارضی نقصان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی صفات ذاتی میں جو عارضی نقصانات سے بھی بری ہے۔ پس بعث کی صحت دلائل سے ثابت ہو گئی اور منکرین کے پاس دلائل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سخت جہالت و گستاخی کا شکار ہیں۔

قیامت کے واقع ہونے کا بیان:..... ولقد خلقنا الانسان۔ پہلے امکان بعث پر گفتگو تھی۔ یہاں سے وقوع بعث کا بیان ہے اور چونکہ سزا جزاء موقوف ہے۔ جزاء سزا دینے والے کے علم و قدرت پر اس لئے اول اسی سے شروع کیا گیا ہے کہ ہم انسان کے ہر قول و فعل سے باخبر ہیں حتیٰ کہ اس کے دلی خطرات و وساوس تک سے واقف ہیں اور اتنے کہ خود انسان اپنے سے اتنا واقف نہیں ہے۔

حبل الوريد۔ سے مراد شہرگ ہے۔ جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے جس کو شرائین کہا جاتا ہے۔ ان میں خون سے زیادہ روح ہوتی ہے چنانچہ سورۃ حاقہ میں دو تین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی رگ دل، برخلاف ورید کے اس میں روح کی بہ نسبت خون زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں لفظ ورید آیا ہے، مگر لغوی معنی عام مراد ہیں جو شرائین کو بھی شامل ہے۔ اس لئے شرائین ہی کے معنی لینا مناسب ہے۔ یعنی اللہ اپنے علم کے اعتبار سے انسان کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ انسان کو بھی اپنا اتنا علم نہیں جتنا کہ اللہ کو ہے۔ کیونکہ انسان کا علم حصولی ہے۔ اور اپنی بہت سی حالتوں کا اول تو علم ہوتا ہی نہیں اور جن کا ہوتا ہے وہ بھی بسا اوقات نسیان و ذہول کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا علم حضوری ہے جس میں یہ سب احتمالات نہیں ہیں اور علم حضوری میں اگرچہ معلوم کا حضور لازم ہے اور وہ حضور و وجود معلوم کے بعد ہوا کرتا ہے، حالانکہ اللہ کا علم جو اس حضور اور وجود دونوں سے مقدم ہے۔ لیکن جو ہر علم ہر حالت میں ہو وہ بہ نسبت اس علم کے جو ایک حالت میں ہو یقیناً زیادہ ہوگا۔

علم الہی اور کراما کا تبیین دونوں اعمال کے نگران ہیں:..... غرضیکہ اللہ کے علم کا انسانی احوال کے لئے محیط ہونا ثابت ہو گیا علت اور منشاء کو معلول اور ناشی سے وہ قرب ہوتا ہے جو خود معلول اور ناشی کو اپنے نفس سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت النبی اولیٰ الخ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ اور اللہ کے علم میں تو یہ سارے اعمال و احوال محفوظ ہیں ہی۔ تاہم ظاہری انضباط و حفاظت کا انتظام بھی دفتر اعمال میں کر دیا گیا ہے۔

کاتبین اعمال کو تعید فرمانا ایک روایت کے مطابق بعض حالات سے یعنی انسان جب بیٹھتا ہے تو وہ بھی بیٹھتے ہیں اور انسان جب چلتا ہے تو وہ

کے انواء سے اور جو کسی کو برائی کے لئے کہے گا زبردستی یا بلا جبر۔ سب کو کئی قدر مراتب جہنم کی سزا، بھگتنی ہوگی۔ سب اپنی اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے ہمارے یہاں ظلم نہیں۔ جو فیصلہ ہوگا انصاف و حکمت سے ہوگا اور کافر کی بخشش نہیں ہوگی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور شیطان جو کافر ہے اس کی بخشش تو کہاں اول کی آیات مومن و کافر کے لئے مشترک ہیں اور اخیر کی آیات کافر کے ساتھ خاص ہیں۔

يَوْمَ نَاصِبَةٌ ظَلَامَ نَقُولُ بِالنُّونِ وَالْيَاءِ لِحِجْهَتِهِمْ هَلِ امْتَلَأْتِ اسْتَفْهَامُ تَحْقِيقِ لَوْعِدِهِ بِمَلِكِيهَا وَنَقُولُ بِصُورَةِ
الِاسْتَفْهَامِ كَالسُّوَالِ هَلِ مِنْ مَزِيدٍ ﴿٣٠﴾ اَيُّ فِئَةٍ لَا اَسْعُ غَيْرَ مَا امْتَلَأَتْ بِهٖ اَيُّ قَدِ امْتَلَأَتْ وَاَزَلَفَتْ الْجَنَّةُ
قُرْبَتِ لِلْمُتَّقِينَ مَكَانًا غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣١﴾ مِنْهُمْ فَيَرَوْنَهَا وَيَقَالُ لَهُمْ هَذَا الْمَرْئِيُّ مَا تَوَعَّدُونِ بِالْبَاءِ وَالْيَاءِ فِي الدُّنْيَا
وَيَبْدُلُ مِنَ الْمُنْتَقِينَ قَوْلَهُ لِكُلِّ اَوَابٍ رَجَاعٍ اِلَى طَاعَةِ اللّٰهِ حَفِظُ ﴿٣٢﴾ حَافِظٌ لِحُبُودِهِ مِنْ خَشْيَةِ
الرَّحْمَنِ بِالْغَيْبِ خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾ مُّقْبِلٌ عَلَى طَاعَتِهِ وَيَقَالُ لِلْمُتَّقِينَ اَيْضًا
اَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ اَيُّ سَالِمِينَ مِنْ كُلِّ مَخُوفٍ اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَوْ سَلِمُوا وَاَدْخُلُوا ذَلِكِ الْيَوْمَ الَّذِي حَصَلَ فِيهِ
الدَّخُولُ يَوْمَ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾ الدَّوَامُ فِي الْجَنَّةِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا دَائِمًا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾ زِيَادَةٌ عَلَى مَا
عَمِلُوا وَطَلَبُوا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ اَيُّ اَهْلَكْنَا قَبْلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قُرُونًا اَمَّا كَثِيرَةٌ مِنَ الْكُفَّارِ هُمْ اَشَدُّ
مِنْهُمْ بَطْشًا قُوَّةً فَتَقَبُّوا فَتَشَوْا فِي الْبِلَادِ هَلِ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾ لَهُمْ اَوْ لغيرِهِمْ مِنَ الْمَوْتِ فَلَمْ يَجِدُوا اِنَّ
فِي ذَلِكَ الْمَذْكُورِ لَذِكْرًا لِّعَظَةِ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ عَقْلٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ اسْتَمَعَ الْوَعظَ وَهُوَ شَهِيدٌ
﴿٣٧﴾ حَاضِرٌ بِالْقَلْبِ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا
الْجُمُعَةُ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ﴿٣٨﴾ تَعَبٌ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُودِ فِي قَوْلِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ اسْتَرَاخَ يَوْمَ السَّبْتِ وَانْتِفَاءً
التَّعَبِ عَنْهُ لِتَرْهَبَهُ تَعَالَى عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ وَلِعَدَمِ الْمُحَا نَسَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ
يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ فَاصْبِرْ خِطَابَ لِلنَّبِيِّ ﷺ عَلَى مَا يَقُولُونَ اَيُّ الْيَهُودِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّكْذِيبِ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ صَبْرًا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ اَيُّ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾ اَيُّ
صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَمِنْ الْاَيْلِ فَسَبِّحْهُ اَيُّ صَلَاتِ الْعِشَاءِ وَأَدْبَارِ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ يَفْتَحُ الْهَمْزَةَ جَمْعُ ذُبُرٍ
وَبَكْسِرُهَا مُصَدَّرٌ اَدْبَرَ اَيُّ صَلَاتِ النَّوَافِلِ الْمَسْنُونَةِ عَقَبَ الْفَرَاقِصِ وَقِيلَ الْمُرَادُ حَقِيقَةُ التَّسْبِيحِ فِي هَذِهِ الْاَوْقَاتِ
مُلَا بِسًا لِلْحَمْدِ وَاسْتَمِعْ يَا مُخَاطَبُ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ هُوَ اِسْرَافِيلُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٤١﴾ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ
صَخْرَةٌ يَبِيتُ الْمُقَدَّسِ اقْرُبْ مَوْضِعٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَى السَّمَاءِ يَقُولُ اَيُّهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَالْاَوْصَالُ الْمُتَقَطَّعَةُ
وَاللُّحُومُ الْمُتَمَرِّقَةُ وَالشُّعُورُ الْمُتَفَرِّقَةُ . اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَجْمَعْنَ لِمَفْضَلِ الْقَضَاءِ يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ يَوْمِ قَبْلَهُ

يَسْمَعُونَ أَى الْخَلْقِ كُلُّهُمْ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۖ بِالْبُعْثِ وَهِيَ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ مِنْ إِسْرَافِيلَ وَ يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ قَبْلَ نِدَائِهِ أَوْ بَعْدَهُ ذَلِكَ أَى يَوْمُ النِّدَاءِ وَالْمَسَاعِ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۳۲﴾ مِنَ الْقُبُورِ وَ نَاصِبُ يَوْمٍ يُنَادِي مُقَدَّرٌ أَى يَعْلَمُونَ عَاقِبَةُ تَكْذِيبِهِمْ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَ نُمِيتُ وَ إِنَّا الْمَصِيرُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ يَوْمٍ قَبْلَهُ وَ مَا بَيْنَهُمَا إِعْتِرَاضٌ تَشْفِقُ بِتَخْفِيفِ الشَّيْنِ وَ تَشْدِيدِهَا بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا الْأَرْضُ عَنْهُمْ سَرَاعًا ۖ جَمْعُ سَبْرٍ خَالَ مِنْ مُقَدَّرٍ أَى فَيَخْرُجُونَ مُسْرِعِينَ ذَلِكَ حَشَرٌ عَلَيْنَا يَسِيرُ ﴿۳۴﴾ فِيهِ فَصْلٌ بَيْنَ الْمَوْصُوفِ وَ الصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِهَا لِلْإِحْتِصَاصِ وَهُوَ لَا يَضُرُّ وَ ذَلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى مَعْنَى الْحَشَرِ الْمُخْبِرِ بِهِ عَنْهُ وَهُوَ الْإِحْيَاءُ بَعْدَ الْفَنَاءِ وَ الْجَمْعُ لِلْعَرْضِ وَ الْحِسَابِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ أَى كُفَّارُ قُرَيْشٍ وَ مَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ يُخَبِّرُهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ وَ هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَ عَيْنُ ﴿۳۵﴾ وَ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ ۔

ترجمہ:..... جس دن (یوم کا ناصب ظلام ہے) ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ ہے) دوزخ سے کہ تو بھی بھرنے (استفہام ہے) دوزخ بھرنے کے وعدہ کی تحقیق کے لئے) اور وہ کہے گی (استفہام یہ صورت میں سوال کرتے ہوئے) کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی (بلحاظ مکان کے) کچھ دور نہ ہوگی (وہ اس کو دیکھ لیں گے ان سے کہا جائے گا) یہ (نظر آنے والی) وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ دنیا میں یو عدون تا اور یا کے ساتھ ہے اور للمتقین کا بدل کل ہے) کہ وہ ہر شخص اس کے لئے ہے جو رجوع کرنے والا (اللہ کی طاعت کی طرف) پابندی کرنے والا (اللہ کی حدود کی ہے) جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (نہ دیکھنے کہ باوجود خوف خدا رکھتا ہوگا) اور ایسے دل کے ساتھ آئے جو رجوع ہونے والا ہو (اللہ کی طاعت کی طرف متوجہ اور متقیوں سے یہ بھی کہا جائے گا) اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ (یعنی ہر طرح کے خطرہ سے محفوظ یا سلامتی سے یا سلام کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ) یہ دن (جس میں جنت کا داخلہ ہوا) ہمیشہ رہنے کا ہوگا (جنت میں) ان کو بہشت میں (ہمیشہ) سب کچھ ملتا رہے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے) ان کے عمل اور ان کی طلب سے) اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں (یعنی کفار قریش سے پہلے بہت سی کفار امتیں ہم تباہ کر چکے ہیں) جو طاقت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں کہ وہ تمام شہروں کو چھانٹتے پھرتے تھے۔ مگر کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی (قریش کو یا اور کافروں کو موت سے چھٹکارہ نہیں کہ بچ جائیں) اس (مذکورہ بات میں نصیحت (عبرت) ہے اس شخص کے لئے جس شخص کے پاس دل (عقل) ہو یا کان ہی لگا لیتا (وعظ سننے کے لئے) متوجہ ہو کر (دل سے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنا ڈالا (اتوار سے جمعہ تک) اور ہمیں مکان (تعب) نے چھو اتک نہیں (یہود کے اس خیال کو رد کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے سینچ کو آرام کیا تھا۔ مکان نہ ہونے کا مطلب اللہ کا مخلوق کے احوال سے پاک ہونا ہے اور یہ کہ اللہ اور دوسروں میں کچھ جو نہیں اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے) پس آپ صبر کیجئے (آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہے) ان کی باتوں پر (یہود وغیرہ جو تشبیہ اور تکذیب کی باتیں کرتے ہیں) اور اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے (نماز شکر ادا کیجئے) سورج نکلنے سے پہلے (نماز فجر) اور سورج چھپنے سے پہلے (نماز ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے (مغرب و عشاء کی نماز پڑھئے) اور نمازوں کے بعد بھی (ادبار فتح ہمزہ کے دبر کی جمع اور کسر ہمزہ کے ساتھ ادبر کا مصدر ہے۔ یعنی فرائض کے بعد نوافل بھی پڑھیے اور بعض کی رائے ہے کہ ان اوقات میں تسبیح و حمد کرنا مراد ہے) اور

اے مخاطب میری بات سن) سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا (اسرائیل) پاس ہی سے پکارے گا (صحرا بیت المقدس سے جو زمین کی نسبت آسمان سے قریب ہے) صور اسرائیل یہ بولے گا کہ اے پرانی ہڈیو! اور جوڑ بندو! گوشت کے ٹکڑو! پرانگندہ بالو! اللہ تمہارے فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا حکم فرماتا ہے) جس روز (پہلے یوم سے بدل ہے) سین گے (تمام لوگ) قیامت کی چیخ و پکار (الحق سے مراد دوسرا نوحہ اسرائیلی ہے۔ اور ممکن ہے یہ شور اسرائیل کی پکار سے پہلے ہو یا بعد میں) یہ (پکار اور سننے کا دن) نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے اور یوم یئادی کا ناصب مقدر ہے یعنی کفار اپنی تکذیب کے انجام کو جان جائیں گے) ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر پھر آنا ہے جس روز (پہلے یوم سے یہ بدل ہے اور درمیان میں جملہ مقررہ ہے) کھل جائے گی (تحفیف شین اور تشدید شین کے ساتھ، اصل میں تاء ثانیہ کا اوقاف ہے) زمین ان پر سے جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے (سرا جمع ہے سرلیج کی مقدار سے حال ہے، اصل عبارت اس طرح ہے فیخوجون مسرعین) یہ جمع کر لینا ہمارے لئے آسان ہے (موصوف صفت کے درمیان متعلق کا فصل اختصاص کے لئے اور اس فصل میں کوئی مضاف نہیں ہے۔ ذلک معنی حشر کی طرف اشارہ ہے جس خبر کی اطلاع کی جارہی ہے یعنی زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لئے پیشی) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ (کفار قریش) کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی تھوپنے والے نہیں ہیں (کہ ان کو ایمان پر مجبور کر دیں۔ یہ ارشاد جہاد سے پہلے کا ہے) آپ تو قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہے جو میری وعید سے ڈرتا ہو (یعنی مومن)۔

تحقیق و ترکیب:..... نقول۔ نافع اولو ابوبکر کے نزدیک یا کے ساتھ بطور التفات کے ہے ای بقول اللہ لجہنم۔

هل امثلاث۔ استفہام تحقیق و تقریر وعدہ کے لئے ہے اور جہنم سے سوال و جواب بطریق عقلاء ہے اور شرعاً عقلاً یہ ممکن ہے اس لئے ایسے تمام مواقع پر مجاز ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ استفہام ابن عباسؓ، عطاء، مجاہد، مقاتل کے نزدیک صورۃ سوال ہے اور بعض نے استفہام کو استہزاء پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ جب اس پر اپنا قدم رکھیں گے تب جہنم قط قط کہہ اٹھے گی۔

غیر بعید۔ مفسر نے پہلے لفظ کا مقدر مان کر موصوف محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔ یہ لفظ قائم مقام ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور بعید فعل مذکور مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے اور یا مذکر کی صفت ہے یہ جملہ ازلفت کی تاکید ہے جیسے کہا جائے عزیز غیر ذلیل یا قریب غیر بعید۔

لکل اواب۔ یا للمحققین سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ اور ہذا مبتداء بھی ہو سکتا ہے اور ما تو علون موصوف اور لکل اواب خبر ہو جائے۔

بالغیب۔ مفسر نے اشارہ کر دیا کہ یہ مفعول سے حال ہے۔ اسی خاف

الرحمن حال کو نہ غائب اور فاعل سے بھی حال ہو سکتا ہے۔

بسلام۔ یہ مفعول سے حال بھی ہو سکتا ہے اور معنی مع بھی ہو سکتی ہے اور لفظ تسلیم بھی ماخوذ ہو سکتا ہے۔

للبینا مزید۔ قیامت میں دیدار الہی بھی مراد ہو سکتا ہے جو ہر شب جمعہ میں ہوگا۔

کم اہلکنا۔ کم خبر یہ ہے اہلکنا کا معمول ہے اور من قرون تمیز ہے لفظ کم کی اور ہم اشد جملہ صفت ہے کم یا قرون کی۔ اور بطشاً تمیز ہے

اور عبارت اس طرح ہوگی۔ انا اہلکنا قرونًا کثیرۃ اشد باسًا و بطشًا من قریش

فنبوا۔ یعنی مختلف مقامات پر پھٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔ ہم اشد پر اس کا عطف ہے اور فائسویہ ہے اور ہم ضمیر قرون کی طرف راجع ہیں یا

اہل مکہ کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ بصیغہ امر فنبوا بھی ایک قراءت ہے۔

من محیص۔ مفسر نے لیم نکال کر محیص کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے اور من زائد ہے اور استفہام انکاری ہے۔
لہ قلب۔ ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر عقل سے منقول ہے چنانچہ قرآن نحوی کہتے ہیں ما قبلک معک کے معنی ما عقلک معک کے ہیں۔

وہو شہید۔ جملہ حالیہ ہے حضور قلب کے مراتب ہیں۔ عام مرتبہ یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت اوامر و نواہی کا دھیان رہے۔ مرتبہ خاص یہ ہے کہ خود کو اللہ کے سامنے حاضر تصور کرے کہ وہی احکام دے رہا ہے اور اپنی تلاوت کو محض اس کی ترجمانی سمجھے۔
فی ستۃ ایام۔ اللہ کی قدرت تو پل بھر میں ساری کائنات پیدا کر دینے کی ہے مگر بندوں کی تعلیم کے لئے تدریجی طور پر عالم کو پیدا کیا، زمین اور اس کے منافع دور دراز میں زمین اور آسمان دور دراز میں اور روز میں دیگر مخلوقات۔

وما مسنا من لغوب۔ جملہ حالیہ یا مستانفہ اور لغوب عام قرأت ضمہ لام کے ساتھ ہے۔ اور علیؑ، طلحہؑ، سلحیؑ، یعقوبؑ فتح کے ساتھ پڑھتے ہیں دونوں صورت میں مصدر ہے اور معنی ایک ہیں اور بقول سیبویہؒ پانچ مصادر الجانیہ ہیں اور بقول کسائی سلت مصادر ہیں جو ضمہ کے ساتھ ار وزن پر آتے ہیں۔ اس سے یہود کے اس خیال کی تردید مقصود ہے کہ اللہ نے ساتویں روز آرام کیا۔ نیز ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اللہ مریخ بیٹھا تھا۔ اس لئے مریخ بیٹھنے کو یہود ناپسند کرتے ہیں اور دیکھا جائے تو فرقہ مشبہ کی بنیاد پر یہود خیال کے لوگوں ہی سے پڑی ہے۔
صبح بحمد ربک۔ مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ نماز مراد ہے۔ مفسرؒ نے علامہ زحشری کی طرح اس آیت سے جنگانہ نمازیں مراد لے رہے ہیں۔

ادبار السجود۔ اکثر کے نزدیک فتح ہمزہ کے ساتھ دبر کی جمع ہے اور نافع ہمزہ کے نزدیک کسر ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے، ادب ارت الصلوٰۃ کے معنی انقضاء اور اتمام کے ہیں فرائض کے بعد نوافل مراد ہیں۔
یوم بنادی۔ کلام مستانف ہے مفعول محذوف کے بیان کے لئے۔

من مکان قریب۔ صحرہ بیت المقدس..... بعض نے اس کو وسط زمین کہا ہے۔
بالحق۔ بمعنی یقین۔ قیامت بھی یقینی ہے۔ تفسیری عبارت و یحتمل الخ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ اندازہ ثانیہ کے علاوہ ہوگی جو پہلی بات کے برخلاف ہے کہ یہ اندازہ ہی فتح مذکورہ ہے۔ الایہ کہ کہا جائے کہ اس کے منادی جبرئیل ہوں گے اور فتح کرنے والے اسرافیل۔
یوم الخروج۔ مفسرؒ نے ناھب یعلمون الخ مقدر مانا ہے اور یخرجون بھی ناصب مقدر ہو سکتا ہے۔
یوم تشقّق۔ مفسرؒ پہلے یوم سے بدل مان رہے ہیں اور بقول ابوالبقاء اول یوم سے بھی بدل ہو سکتا ہے۔
لیکن ایک مبدل کے دو بدل ہو جائیں گے جو بقول زحشریؒ ناجائز ہے اور یوم مصیر کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔ یا خروج کا اور یخرجون مقدر سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

حشر علینا یسیر۔ یعنی اصل میں حشر یسیر علینا تھا متعلق کو اختصاص کے لئے مقدم کر دیا گیا۔ لیکن متعلق کی تقدیم یوں بھی جائز ہے۔
البتہ اجنبی کی تقدیم ناجائز ہوتی ہے۔
فذكر معلوم ہوا کہ اہل کو وعظ و نصیحت کرنی چاہیے۔ نا اہل کو وعظ کرنا بے فائدہ ہے۔

روایات..... و صبح بحمد ربک۔ طبرانی نے اوسط میں جریر سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ کہ صبح قبل طلوع الشمس سے نماز فجر اور قبل الغروب سے نماز مغرب مراد ہے اور بخاریؒ میں جریر سے مرفوعاً روایت ہے کہ نماز قبل طلوع الشمس اور قبل الغروب کی

پابندی اگر کر سکو تو ضرور کرو اور پھر آپ نے تائید میں یہ آیت پڑھی اور مجاہدؒ سے من اللیل سے صلوٰۃ اللیل مراد ہے پس اس صورت میں نماز فجر، عصر، تہجد، تین نمازوں کا ذکر اس آیت میں ہوا۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں یہی تین نمازیں فرض تھیں۔ بعد میں واقعہ اسراء میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ لیکن بقول دشمنیؒ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا بیان ہے۔

ادبار السجود۔ ابن جریر حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، حسن بن علیؓ، قتادہؓ، شعبیؓ، حسن مجاہدؓ اوزاعیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ مغرب کے بعد دو رکعت مراد ہیں۔ ابن منذر حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ادبار السجود سے مغرب کے بعد دو رکعت اور ادبار النجوم سے نماز فجر سے پہلے دو رکعت مراد ہیں اور بعض نے ان چاروں اوقات میں تسبیح و تحمید مراد لی ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿تشریح﴾: یوم نقول لجهنم۔ دوزخ اتنی بڑی ہے کہ دوزخیوں سے بھرنہ سکے گی اور شدت غیظ و غضب میں اور دوزخیوں کا مطالبہ کرے گی۔ حق تعالیٰ کا دوزخ سے پوچھنا تہویل و تحویف کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ کے اس جواب پر حق تعالیٰ اپنا قدم رکھ دیں گے دوزخ دب جائے گی اور سٹ کر سٹ جائے گی اور بس بس کہے گی۔

شبهات اور جوابات: اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں لا ملئن جہنم من الجنة و الناس فرمایا گیا ہے جس سے جہنم کا بھر جانا معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دوسری آیت میں بھرنے سے عام مراد ہے خواہ ابتداء یا انتہاء۔ پس قدم رکھ دینے سے بھر جانا بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ اس پر یہ شبہ رہتا ہے کہ وہ بھرنا تو قدم سے ہوا اور آیت میں جنات اور انسانوں سے بھرنا معلوم ہو رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ قدم رکھنا تو محض تصرف کے لئے ہے البتہ بھرنا جن و انس ہی سے ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے گیلی مٹی کا برتن بنا کر اس میں کنکریاں بھر دی جائیں مگر اوچھا رہ جائے تو اس کو ہاتھ یا پاؤں سے دبا دیا جائے۔ اتنا کہ کنکریاں اور برتن آجائیں تو اس برتن کو کنکروں سے ہی بھرا ہوا کہا جائے گا۔

اسی طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ جہنم کے لئے تو تنگی بہتر ہے نہ کہ کشادگی وہ تو جنت کے لئے خوبی ہے۔ چنانچہ دوسری آیات و روایات سے بھی جہنم کا تنگ ہونا معلوم ہے۔

جواب یہ ہے کہ شروع میں کشادگی ہوگی اور قدم رکھ دینے سے تنگی ہو جائے گی۔ قدم رکھنا تو مشابہات میں سے ہے۔ جہنم کے سوال و جواب میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔

وازلفت الجنة۔ یہاں سے جنت کا بیان ہے کہ بہت قریب سے اس کی تروتازگی بناؤ سنگار دیکھیں گے۔

جنت کے قریب ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کی اصلی جگہ سے منتقل کر کے میدان قیامت میں لایا جائے اور اللہ کو سب کچھ قدرت ہے۔ اس صورت میں ادخلوھا کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی چلے جاؤ۔ بلکہ بشارت اور وعدہ ہے کہ حساب کتاب کے بعد جنت میں چلے جانا اور دوسری صورت یہ ہے کہ حساب کتاب سے فراغت کے بعد جنت کو قریب لایا جائے گا اور پھر کہا جائے گا۔ ہذا ما تو عدون الخ

پہلے کفار کی اخروی تعقیب کا ذکر تھا۔ درمیان میں ان کے مقابل اہل جنت کی اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہوا۔

پھر آیت و کم اھلکنا الخ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے کہ پہلے ہم کتنی شریر دوسرے قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جو زور و قوت میں موجودہ سرکشوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے پھر جب عذاب الہی آیا تو بھاگنے کے لئے روئے زمین پر کہیں ٹھکانہ نہ ملا یا یہ مطلب ہے کہ عذاب الہی کے وقت اپنی بستیوں میں کھوج لگاتے پھرے مگر کہیں ٹھکانہ نہیں ملا۔

وما مسنا من لغوب۔ یعنی اتنی بڑی بڑی چیزیں بنا کر بھی نہیں تھکتے تو دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔ نیز گناہنا توبہ نسبت بنانے کے آسان ہے فاصبر الخ۔ آپ ان کی بیہودہ بکواس پر غمگین نہ ہو جائیے کہ یہ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔ آپ اللہ کی یاد اور عبادت میں لگیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں فجر، عصر، تہجد کی تین نمازیں فرض تھیں۔ اب بنجوقتہ نمازوں کے ساتھ ان اوقات کی نمازیں خصوصی فضیلت و شرف رکھتی ہیں نمازوں کے ساتھ تسبیح و تہمید بھی مطلوب ہے۔

آگے آیت واستمع سے قیامت کا ناکیداً پھر ذکر ہے کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس کے پتھر سے صور پھونکا جائے گا اسی لئے نزدیک کہا ہے اور یا اس لئے کہ اس کی آواز سب جگہ قریب معلوم ہوگی۔ اور یکساں سنائی دے گی۔ ظاہر ہے اس سے نفخ صور مراد ہے اگرچہ دوسری ندائیں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوں گی۔ غرض دوسری مرتبہ نفخ صور سے سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور موت و حیات سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ آخر کار سب کو اسی کے پاس جانا ہے۔ کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا، زمین پھٹے گی مردے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے۔ اللہ سب اگلوں پچھلوں کو اکٹھا کر دے گا اور یہ اس کے لئے بالکل آسان ہے۔ جو لوگ انکار قیامت میں داعی تباہی جکتے ہیں۔ انہیں ہمارے حوالے کیجئے ہم خود نبٹ لیں گے۔ آپ کا یہ منصب نہیں کہ ہر ایک کو زور زبردستی بات منوائیں ہاں سنا کر بالخصوص اللہ سے ڈرنے والوں کو فہمائش کرتے رہیے۔

اطا ئف سلوک:.....ان فی ذلک، اس میں کلام شیخ کے نافع ہونے کے شرائط ہیں۔

فاصبر علی ما یقولون سے شدائد و مصائب میں تسلی کا بڑا ذریعہ توجہ الی اللہ معلوم ہوتا ہے۔

سُورَةُ الذَّارِيَةِ

سُورَةُ الذَّارِيَةِ مَكِّيَّةٌ سِتُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

وَالذَّارِيَةِ الرِّيحِ وَالتُّرَابِ وَغَيْرِهِ ذُرُورًا ﴿١﴾ مُصَدَّرٌ وَيُقَالُ تَلَرِيهِ ذُرِيًا تَهْبُ بِهِ فَالْحَمِلَتِ السَّحَابُ تَحْمِيلُ
الْمَاءِ وَقُرْأَ ﴿٢﴾ ثِقَلًا مَفْعُولٌ الْحَامِلَاتِ فَالْجَرِيَتِ الشُّفْنُ تَجْرِي عَلَى وَجْهِ الْمَاءِ يُسْرًا ﴿٣﴾ بِسَهْوَةٍ مُصَدَّرٌ
فِي مَوْضِعِ الْجَالِ أَيْ مَيْسَرَةٍ فَالْمُقَسِّمَتِ أَمْرًا ﴿٤﴾ الْمَلَائِكَةُ تُقَسِّمُ الْأَرْزَاقَ وَالْأَمْطَارَ وَغَيْرَهَا بَيْنَ الْعِبَادِ
وَالْبِلَادِ إِنَّمَا تُوَعَّدُونَ مَا مُصَدِّرَةٌ أَيْ إِنْ وَعَدَهُمْ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهِ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ لَوْعَدٌ صَادِقٌ وَإِنَّ الدِّينَ
الْحَزَاءَ بَعْدَ الْحِسَابِ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ لَا مُحَالَهَ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْجُبُلِ ﴿٧﴾ جَمْعُ حَبِيكَةٍ كَطَرِيقَةٍ وَطُرُقٍ
أَيْ صَاحِبَةُ الطُّرُقِ فِي الْخَلْقَةِ كَالطُّرُقِ فِي الرَّمْلِ إِنَّكُمْ يَأْهَلُ مَكَّةَ فِي شَأْنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لَفِي قَوْلٍ
مُخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ قِيلَ شَاعِرٌ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شِعْرٌ سِحْرٌ كَهَانَةٌ يُؤْفِكُ يَصْرِفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ أَيْ عَنِ
الْإِيمَانِ بِهِ مَنْ إِفْلَكٌ ﴿٩﴾ صُرِفَ عَنِ الْهِدَايَةِ فِي عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى قُتِلَ الْخَرُّ صُورٌ ﴿١٠﴾ لَعِنَ الْكَذَّابُونَ
أَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ الَّذِينَ هُمْ فِي عُمْرَةٍ جَهْلٍ يَغْبِرُهُمْ سَاهُونَ ﴿١١﴾ غَافِلُونَ عَنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ
يَسْأَلُونَ النَّبِيَّ اسْتَهِزَّاءَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٢﴾ أَيْ مَتَى مَجِيئُهُ وَجَوَابُهُمْ يَجِي يَوْمٌ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ
﴿١٣﴾ أَيْ يُعَذِّبُونَ فِيهَا وَيُقَالُ لَهُمْ حِينَ التَّعْذِيبِ ذُوقُوا فَتَنَكُمْ تُعَذِّبُكُمْ هَذَا الْعَذَابُ الَّذِي كُنتُمْ بِهِ
تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٤﴾ فِي الدُّنْيَا اسْتَهِزَّاءَ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتِ بَسَاتِينٍ وَعُيُونٌ ﴿١٥﴾ تَجْرِي فِيهَا الْخُلْدِينَ
حَالَ مِنَ الضَّمِيرِ فِي خَبَرٍ إِنْ مَا أَنَّهُمْ أَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ مِنَ الثَّوَابِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ أَيْ دُخُولِهِمْ
مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ فِي الدُّنْيَا كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ يَنَامُونَ وَمَا زِلَّةٌ لَهُمْ يَهْجَعُونَ خَبَرٌ كَانَ
وَقَلِيلًا ظَرَفٌ أَيْ يَنَامُونَ فِي زَمَنِ يَسِيرٍ مِنَ اللَّيْلِ وَيُصَلُّونَ أَكْثَرًا بِأَلَا سَحَارٍ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ يَقُولُونَ

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۹﴾ الَّذِي لَا يَسْأَلُ لِنَفْسِهِ وَفِي الْأَرْضِ
 مِنَ الْجِبَالِ وَالْبَحَارِ وَالْأَشْجَارِ وَالنَّيَّارِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا أَيْتٌ دَلَالَةٌ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَوَحْدَانِيَّتِهِ
 لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَفِي أَنْفُسِكُمْ آيَاتٌ أَيْضًا مِنْ مَبْدَأِ خَلْقِكُمْ إِلَى مُنْتَهَاهَا وَمَا فِي تَرْكِيبِ خَلْقِكُمْ مِنَ
 الْعَجَائِبِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾ ذَلِكَ فَتَسْتَدِلُّونَ بِهِ عَلَى صَانِعِهِ وَقُدْرَتِهِ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ أَيْ الْمَطَرُ
 الْمُسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ الَّذِي هُوَ رِزْقُكُمْ وَمَا تَوْعَدُونَ لِحَقِّ مِثْلٍ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ﴿۲۲﴾ بَرَفٍ مِثْلُ
 صِفَةِ وَمَا مَزِيدَةٌ وَبِفَتْحِ اللَّامِ مُرَكَّبَةٌ مَعَ مَا الْمَعْنَى مِثْلُ نَطْقِكُمْ فِي حَقِيقَتِهِ أَيْ مَعْلُومِيَّتِهِ عِنْدَكُمْ
 ضَرُورَةُ صُدُورِهِ عَنْكُمْ هَلْ أَتَيْتَ خِطَابَ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثَ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۳﴾ وَهُمْ
 مَلَائِكَةُ اثْنَا عَشَرَ أَوْ ثَلَاثَةَ مِائَةٍ مِنْهُمْ جِبْرِيلُ إِذْ ظَرَفَ لِحَدِيثِ ضَيْفِ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا أَيْ هَذَا
 اللَّفْظُ قَالَ سَلَّمَ أَيْ هَذَا اللَّفْظُ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿۲۴﴾ لَا نَعْرِفُهُمْ قَالَ ذَلِكَ فِي نَفْسِهِ وَهُوَ خَيْرٌ مُبْتَدَأٌ مُقَدَّرٌ أَيْ
 هُوَ لَا فِرَاقَ مَالٍ إِلَى أَهْلِهِ سِرًّا فَجَاءَ بِعَجَلٍ سَمِينٍ ﴿۲۵﴾ وَفِي سُورَةِ هُودٍ بِعَجَلٍ حَيْنِذٍ أَيْ مَشْوِيٍّ فَقَرَّبَهُ
 إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۶﴾ عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْأَكْلَ فَلَمْ يُجِيبُوا فَأَوْجَسَ اضْمَرَفِي نَفْسِهِ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا
 لَا تَخَفْ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَبَشُرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۲۷﴾ ذِي عِلْمٍ كَثِيرٍ هُوَ إِسْحَاقُ كَمَا ذُكِرَ فِي سُورَةِ هُودٍ
 فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ سَارَةً فِي صَرَّةٍ صَيِّحَةٍ حَالٌ أَيْ جَاءَتْ صَائِحَةً فَصَكَّتْ وَجْهَهَا لَطَمَتْهُ وَقَالَتْ عَجُوزٌ
 عَقِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَمْ تَلِدْ قَطُّ وَعُمُرُهَا تِسْعٌ وَتِسْعُونَ سَنَةً وَعُمُرُ إِبْرَاهِيمَ مِائَةٌ سَنَةً أَوْ عُمُرُهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً
 وَعُمُرُهَا تِسْعٌ وَتِسْعُونَ سَنَةً قَالُوا كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ قَوْلِنَا فِي الْبَشَارَةِ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ فِي
 صُنْعِهِ الْعَلِيمُ ﴿۲۹﴾ بِخَلْقِهِ

ترجمہ: سورۃ ذاریات کیسے ہے جس میں ساٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ان ہواؤں کی (مراد تیز ہوا جس میں مٹی وغیرہ اڑ جائے) جو گرد و غبار اڑاتی ہیں (ذرا و مصدر ہے تیزی سے ذریعہ کے معنی اڑانے کے ہیں) پھر ان بادلوں کی جو اٹھاتے ہیں (پانی سے لدے ہوئے بادل) بوجھ (وزن یہ حاملات کا مفعول ہے) پھر ان کشتیوں کی جو (پانی پر رواں دواں رہتی ہیں) نرم روی سے چلتی ہیں (یسیر بمعنی سہولت مصدر حال کے موقع پر ہے بمعنی میسر) پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں (بارش اور رزق کو انسانوں میں اور شہروں پر تقسیم کرنے کے لئے جو فرشتے مامور رہتے ہیں) تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے (ما مصدر یہ یعنی قیامت وغیرہ کا وعدہ) وہ بالکل سچ ہے (وہ وعدہ سچا ہے) اور جزاء (حساب کے بعد بدلہ) ضرور (یقیناً) ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں (جب جمع ہے حکمت کی جیسے طریقہ کی جمع طرق آتی ہے یعنی آسمانوں کی بناوٹ میں ایسے ہی راستے ہیں

جیسے خشکی میں ہوا کرتے ہیں) کہ تم لوگ (اے مکہ کے باشندو نبی کریم ﷺ اور خدا کی شان) میں مختلف باتیں کہتے ہو (جن کی شان میں شاعر، ساحر اور کاہن اور قرآن کی شان میں شعر، سحر کہانت کہا جاتا ہے) وہی پھرتا ہے (بدلتا ہے) اس سے نبی اور قرآن سے یعنی اس پر ایمان لانے سے) جس کو پھرتا ہوتا ہے (علم الہی میں جس کا گمراہ ہونا مقدر ہوتا ہے) غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے (فضول بکواس کرنے والے جھوٹوں پر لغت) جو نادانی (جہالت) میں بھولے ہوئے (آخرت سے غافل) ہیں۔ پوچھتے ہیں (تو غیر سے مذاق اڑاتے ہوئے) کہ روز قیامت کب ہوگا (یعنی کب آئے گی جس کا جواب آگے ہے کہ جس روز لوگ آگ پر پتائے جائیں گے) نار جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے عذاب کے وقت کہا جائے گا (اپنی اس سزا (عذاب) کا مزہ چکھو۔ یہی عذاب ہے جس کی تم دنیا میں مذاق اڑاتے ہوئے جلدی مچایا کرتے تھے۔ بلاشبہ متقی لوگ بہشتوں (باغوں) اور چشموں میں ہوں گے (جو جنت میں بہہ رہے ہوں گے) وہ لے رہے ہوں گے (ان کی خبر کی ضمیر سے حال ہے) اس چیز کو جو ان کے پروردگار نے ان کو عطا کی ہوگی (یعنی ثواب) وہ لوگ اس جنت میں داخلہ سے پہلے نیکو کار تھے (دنیا میں رہتے ہوئے) وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے (ما یہ جمعوں میں مازاندہ ہے اور یہ جمعوں کاں کی خبر ہے اور قلیلا ظرف ہے یعنی رات میں کم وقت سوتے تھے) اور زیادہ وقت نماز پڑھتے تھے اور اخیر شب میں اللہم اغفر لنا کہہ کر استغفار کرتے تھے اور ان کے مال میں سوا لی اور غیر سوا لی کا حق تھا (مخردم سے مراد وہ شخص جو اپنی آبرو کی وجہ سے سوال نہ کرے) اور زمین میں (پہاڑ، سمندر، درخت، گھاس، پھل وغیرہ کی) بہت سی نشانیاں ہیں (اللہ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل ہیں) یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں (بہت سی نشانیاں ہیں ابتداء پیدائش سے لے کر آخری وقت تک اور تمہاری پیدائش کی ترکیب میں عجائبات ہیں) کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا کہ اس سے اس کے بنانے والے کی صنعت اور قدرت پر استدلال کرتے) اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق (یعنی بارش جس سے ہنری پیدا ہوتی ہے جو رزق ہے) اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی آخری ٹھکانہ ثواب، عذاب یعنی سب کچھ آسمان میں لکھا ہوا ہے) تو قسم ہے آسمان زمین کے پروردگار کی کہ وہ (جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے) برحق ہے جس طرح کہ تم باتیں کر رہے ہو (مثل رفع کی صورت میں صفت ہے اور مازائدہ ہے اور فتح لام کے ساتھ مثل اور ما مرکب ہے یعنی قیامت کا برحق ہونا ایسا ہی مسلم ہے جیسے بولنا چاہنا سب کو معلوم ہے بلاشبہ سرزد ہونے کی وجہ سے) کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ ﷺ (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) تک پہنچی ہے (مراد بارہ یادیں یا تین فرشتے ہیں۔ جن میں جبریل بھی تھے)۔ جب (یہ حدیث ضیف کا ظرف ہے) کہ وہ ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا (یعنی سلام کا لفظ کہا) حضرت ابراہیمؑ نے بھی سلام کیا (یعنی یہ لفظ فرمایا) انجان لوگ ہیں (ہم انہیں پہچانتے نہیں ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے دل میں یہ کہا۔ یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے یعنی طو لاء قوم منکرون) پھر اپنے گھر کی طرف چلے (آہستہ سے) اور ایک فرہ پہنچ لائے (سورۃ ہود میں ہے محفل حید یعنی بھنا ہوا اور تلا ہوا) اور اس کو ان کے پاس لا کر رکھا اور کہنے لگے آپ لوگ کیوں کھاتے نہیں؟ (ان سے کھانے کی فرمائش کی جو فرشتوں نے قبول نہیں کی) تو محسوس کیا (دل میں چھپایا) ان سے ڈر، انہوں نے کہا تم ڈرو مت (ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں) اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا (مراد حضرت اسحق ہیں جیسا کہ سورۃ ہود میں گزرا) اتنے میں ان کی بیوی (سارہ) بیکارتی ہوئی آئیں (زور زور سے بولتی ہوئی یہ حال ہے یعنی آواز کرتی ہوئی آئیں) پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا ہاں مجھ (جس کے گھمی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال تھی یا حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بیس برس اور بیوی کی عمر ننانوے برس تھی) فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسے ہی فرمایا ہے (جیسا کہ ہم نے بشارت سنائی ہے) کچھ شک نہیں کہ وہ (اپنی کارگیری میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق کو) جاننے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب: والذاریات۔ واؤ قسمیہ ہے ذاریات، حالات، مقسمات سب معطوفات مقسم بہ ہیں اور انما تو عدون، مقسم علیہ ہے تعظیم اور دلائل قدرت ہونے کی وجہ سے ان کی قسمیں کھائی گئیں ہیں۔ اور کلام حذف مضاف کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ اے اور رب ہلہ الاشیاء اس صورت میں اللہ کی قسم ہوگی نہ کہ ان اشیاء کی۔

تلرو التواب۔ کے معنی مٹی وغیرہ اڑانے کے ہیں، حالات سے مراد بادل ہیں، جو پانی اٹھائے ہوتے ہیں۔

انما تو عدون۔ میں ما مصدر یہ ہے اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ عائد محذوف ہو گا ای تو عدونہ۔

حبک۔ ریت پر جو محسوس نشانات ہو جاتے ہیں راستہ کے ان کو حبک کہتے ہیں۔ حبک الماء ہوا سے پانی میں جو لہریں بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اس سے آسمانوں میں راستوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو دوری کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ قاموس میں ہے کہ ستاروں کے راستوں کو حبک کہا جاتا ہے ابن عباس سے منقول ہے کہ ذات الحبک سے مراد آسمان کا حسن و جمال ہے۔ چنانچہ کپڑا جب عمدہ بنایا جائے تو کہا جاتا ہے ”ما احسن حبک“ اور مجاہد مضبوط بنیاد کے معنی لیتے ہیں۔ غرض کہ حبک اور طرق وزن اور معنی کے لحاظ سے ایک ہیں۔

یوفک عنہ۔ ضمیر قرآن یا پیغمبر کی طرف راجع ہے یعنی علم الہی میں جو برگشتہ ہوتا ہے وہی گمراہ ہوتا ہے۔ نیز ضمیر ما تو عدون اور دین کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ پہلے قسمیں کھا کر فرمایا کہ قیامت برحق ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ کفار قیامت کے متعلق تردد و شک کا شکار ہیں اور کچھ صاف مگر ہیں۔ آیت میں چونکہ یہ اشکال ہے کہ محروم ازنی کو دوبارہ محروم کرنے کے کیا معنی؟ مفسر اس کی تاویل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے پھیر دیا گیا ہے۔ جس کے پھیر دینے کا فیصلہ علم الہی میں کر دیا گیا تھا۔ اور بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اس گستاخی کی وجہ سے مکمل طور پر ایمان سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اور بعض نے عندی ضمیر قول کی طرف راجع کی اور عن سببیہ ہے یعنی قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے رائدہ کر دیا گیا ہے۔

قتل الخواصون۔ یہ جملہ دراصل قتل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن بطور استعارہ لعنت کے لئے آگیا۔ محروم السعاده کو مقتول سے تشبیہ دیتے ہوئے مشبہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے لوازم یعنی قتل سے اشارہ کر دیا۔ اس کا اثبات استعارہ تجلیہ ہے۔ فی غمرۃ۔ غمرۃ کے معنی کثرت کے ہیں۔ غمرۃ الماء پانی بڑھ گیا۔ غمرۃ القوم قوم میں سب سے بڑھ گیا ہے۔ یسألون۔ یہ سوال ان الدین لو واقع ہے۔

ایان۔ خبر مقدم اور یوم الدین مبتداء موخر ہے۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ کی خبر زمانہ سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حوادث زمانہ کی خبر دی جایا کرتی ہے اگرچہ اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ تاہم مفسر نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے اے ای معنی معینہ، پس ایان بمعنی متی خبر ہے اور معینہ مضاف محذوف مبتداء ہے۔ ایان کے سوال کا جواب محذوف ہے۔ اے ای معنی یوم الخ ہم مبتداء یفتون خبر ہے۔ علی النار میں علی بمعنی فی ہے۔ علی کے ذریعہ تعدیہ بمعنی ضون کے معنی میں ہونے کی وجہ سے ہے۔ فتن کے معنی کھرے کھوٹے کو پرکھنا پھر عذاب کے معنی ہو گئے اور جملہ محل خبر میں ہے یوم کی اضافت کرتے ہوئے لیکن اس صورت میں جواب میں تعین نہ ہونے کی وجہ سے مفید نہیں ہے۔ بلکہ مسئول عنہ میں شدت ابہام اور انتہائی خفا ہے مگر استغناء سے مقصود چونکہ حصول علم نہیں بلکہ استہزاء تھا۔ اس لئے ایسا مبہم جواب دیا گیا۔

وعیون: اشکال یہ ہے کہ ان المتقین فی جنت و عیون کہاں صحیح نہیں ہے۔ مفسر نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نہریں جنت میں جاری ہوں گی اور اہل جنت نہروں کی سمت جنت میں ہوں گے۔

الخلدین اے قابضین ما اتاہم شینا فشینا۔ یعنی بے انتہا نعمتیں حاصل ہوتی رہیں گی۔ جو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ اور بعض کے نزدیک آخذین

بمعنی قابِلین ہے۔ جیسے یا عُد الصلوات بمعنی یقبل الصلوات۔

محسنین رای قد احسنوا اعمالہم۔

ما یہ جمعون۔ معجوع بمعنی ”نوم فی اللیل“ یہ جمعون کان کی خبر اور قلیل لاس کا ظرف ہے اور یہ جمعون کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور ما مصدر لینے کی صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ کانوا قلیلاً من اللیل هجوعہم۔ ما یہ جمعون قلیلاً کا بیان اور من اللیل بیان ہے یا مصدر سے حال ہوگا۔ من ابتدائیہ ہے۔ مجاہد، ابن عباس، اور انس سے منقول ہے کہ تمام رات سوئے نہیں ہیں۔ اس صورت میں مانافیہ ہو گا اور مانافیہ جب کہ ظرف ہو تو بعض حضرات کے نزدیک اس کے مابعد کا عمل ماقبل میں ہو سکتا ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً مابعد ماقبل میں عامل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ مشہور مطلقاً عدم جواز ہے۔ چنانچہ زحمریؒ نے اسی لئے مانافیہ قرار نہیں دیا۔ لیکن بقول علامہ خفاجیؒ اکثر سلف سے جواز منقول ہے۔ اور وہ اہل زبان تھے۔ پہلی رائے حسن بصریؒ کی ہے۔

وبالاسحار۔ یہ متعلق یہ جمعون پر عطف ہے اور بمعنی فی ہے۔ حررات کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں۔

وفی اموالہم۔ یعنی جان و مال اللہ کی راہ میں لٹاتے ہیں۔ محروم سے مراد وہ شخص جو ضرورت کے باوجود نفقہ کا سوال بھی کسی سے نہیں کرتا۔ محروم رہتا ہے۔ جیسا کہ قتادہؒ اور زہریؒ کی رائے ہے۔ اور ابن جریر، ابن عباسؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جس کو نہ غنیمت کا صلہ ملے اور نہ زکوٰۃ۔ اور قتادہؒ ابن سیرینؒ وغیرہ فرماتے ہیں جو صلہ رحمی اور مہمانداری سے بھی محروم رہے۔

وفی الارض۔ یہاں سے توحید اور قدیرت الہی پر اول دلیل آفاقی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد دلیل انفسی فرمائی گئی ہے۔ اور فی السماء سے مستقل کلام ہے۔ جس سے مقصود امتنان اور وعدہ وعید کا بیان ہے فی الارض خبر مقدم آیات مبتداء مؤخر ہے۔

فی انفسکم۔ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ ای فی انفسکم آیات ایضاً۔ غرض کہ ان آیات میں بغلیات و علویات کا ذکر ہے۔

موفنین۔ آیات الہی کا مشاہدہ کر کے یقین بڑھا لیتے ہیں۔

وفی السماء رزقکم۔ بارش مراد ہے جو پیداوار کا سبب ہے۔ حضرت حسنؒ جب بادل دیکھتے تو اپنے اصحاب سے فرماتے۔ واللہ رزقکم ولکنکم تحرمونہ بخطایکم۔

ما تو عدون۔ مفسرؒ نے عطا کا قول نقل کیا ہے اور ابن جریر، خماک سے نقل کرتے ہیں کہ جنت دوزخ مراد ہے اور بعض نے صرف جنت مراد لی ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے۔ آسمان کا رزق ہر کے لئے ظرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ موکل فرشتوں کے ذریعہ نظام عالم رو بعمل ہوتا ہے۔

انہ الحق۔ ضمیر رزق کی طرف یا تو عدون کی طرف راجع ہے۔

مثل ما اکمل حمزہ علی، ابو بکرؓ کے نزدیک مثل رفع کے ساتھ حق کی صفت ہے اور فتح کی صورت میں کلمہ اور لہ نما اور عالم اقلما کی طرح مرکب ہے۔ پس مثلاً مبنی پر سکون ہو گا مثل رفع میں۔ یہ مضاف اور جملہ اکمل متعلقون مضاف الیہ ہے محل جر میں۔ دونوں قراءتوں میں معنی ایک ہی رہیں گے۔ یعنی جس طرح تمہیں اپنے بولنے میں شبہ نہیں ہے۔ اسی طرح وعدہ رزق کی حقیقت بھی بلا شبہ ہے۔ ابو سعید خدریؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لو ان احدکم فو من رزقہ لیتبعہ کما یتبعہ الموت۔

هل الثالث۔ استفہام اس واقعہ کی تشویق اور تحمیل الشان کے لئے ہے اور بعض نے حل بمعنی قد کہا ہے جیسے هل اتی علی الانسان الخ میں ہے۔

ضیف۔ مصدر ہے اس میں واحد جمع دونوں کی گنجائش ہے۔

اذ دخلوا۔ اذ کا عامل لفظ حدیث ہے۔ یا یہ منصوب ہے فی حدیث کے معنی فعل کی وجہ سے کیونکہ ضیف مصدر ہے۔ ای الذین ضاقوه فی وقت دخولهم علیہ۔ یا مکر میں کی وجہ سے منصوب ہے یا اذ کر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ البتہ انا کی وجہ سے منصوب نہیں۔ کیونکہ دونوں کا زمانہ مختلف ہے۔

فقالوا سلماً۔ ای نسلم علیک سلاماً، قال سلام ای علیکم سلام اثبات ودوام کے لئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔ تاکہ فحیوا با حسن منہا پر عمل ہو۔ عام قراءت اول سلام کو نصب اور ثانی کو رفع پڑھنے کی ہے۔ لیکن ایک قراءت میں دونوں مرفوع ہیں۔ اور ایک قراءت میں ثانی سلاما ہے کسرہ سین کے ساتھ منصوب ہے۔

قوم منکرون۔ یعنی اجنبی تھے پتہ نہیں کہاں کے رہنے والے تھے۔ یہاں فرشتوں کا اوپر اہونا ابتداء ہی میں معلوم ہوتا ہے اور سورہ ہود میں فلما رای ایدیہم لا تصل الیہ نکرہم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں کے کھانے سے اصرار پر اوپر سمجھا۔ لیکن کہا جائیگا کہ دونوں صورتیں اجنبیت کی صحیح ہو سکتی ہیں۔

فراغ الی اہلہ۔ مفسر نے سر اس لئے کہا کہ میزبانی کے آداب میں سے ہے کہ مخفی طور پر مہمانداری کی جائے کہ کہیں مہمان تکلفاً مہمان نوازی سے روک نہ دے۔

فاوجس منهم خیفۃ۔ لان من لم یا کل طعامک لم یحفظ ذمامک۔ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابراہیمؑ کو فرشتوں کی آمد سے ڈر ہوا کہ عذاب الہی کے لئے آئے ہوں گے۔

بغللم علیم۔ جمہور کے نزدیک اس کا مصداق حضرت اسحقؑ ہیں جیسا کہ سورہ صافات میں گزر چکا ہے۔

فاقبلت۔ بعض کے نزدیک ھقیقہ مراد نہیں بلکہ اقبلت بمعنی اخذت ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ اقبلت شتمنی ای اخذت فی الشتم۔ فصکت۔ جیسا کہ تعب کے وقت بات کرتے ہوئے عورتوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ رخساروں یا پیشانی پر ہتھیلی یا انگلیاں مارتی ہیں۔ کذلک۔ مفسر نے قال رب کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ کذلک مفعول ہے قال کا۔

رابط آیات:..... سورہ ق میں معاذ کا ذکر تھا۔ سورہ ذاریات کا بیشتر حصہ بھی اسی مضمون کا ہے۔ ابتدائی بیان بھی اسی سے ہو رہا ہے۔ اس کے بعد آیت ھل ائتلت حدیث ضیف ابراہیم سے مکذبین و مجرمین کی برائی اور سزا کی تائید میں کچھ پچھلے واقعات بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ مقصود اصلی تو قوم لوط کا واقعہ ذکر کرنا ہے واقعہ ابراہیمؑ بطور تمہید ہے اور یانیکو کاروں کی تائید کے لئے ہے۔

﴿تشریح﴾..... والذاریات۔ مختلف قسموں سے مضمون کو موکد فرمایا جا رہا ہے۔ آندھیاں اور ہوائیں جب زور سے چلتی ہیں تو غبار اڑتا ہے بادل بنتے ہیں، ان میں پانی ہوتا ہے جس کے بوجھ کو ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ پھر بارش برسنے کے قریب ہوائیں نرم پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے حکم سے بارش کا جہاں جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کر دیتی ہے ہواؤں کا یہ عجیب و غریب نظام ہے۔ اللہ ان مختلف ہواؤں کی قسمیں کھا رہا ہے۔

اور بعض علماء نے اس نظام کو نیچے سے اوپر کو مرتب مانتے ہوئے ذاریات سے ہوائیں اور حاملات سے بادل اور جاریات سے ستارے اور مقسمات سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؑ کا بھی یہی ارشاد ہے۔

نظام عالم قیامت کی شہادت دے رہا ہے..... غرضیکہ یہ اعلیٰ نظام اس بات کی شہادت فراہم کر رہا ہے کہ قیامت کا وعدہ سچا

ہے اور انصاف ہونا ضروری ہے کیونکہ جب یہ معمولی ہوا یونہی بے کار نہیں چلتی تو کیسے باور کر لیا جائے کہ اتنا بڑا کارخانہ بے مقصد و بے نتیجہ چل رہا ہے یقیناً اس کا انجام ہوگا اور وہی آخرت ہے۔ اسی طرح آسمان کی قسم کھائی جا رہی ہے جو نہایت صاف، مضبوط، روتق دار ہے جس پر ستاروں کی کار چوبی معلوم ہو رہی ہے اور فرشتوں کی اور ستاروں کی راہیں پڑیں ہوئی ہیں۔ قیامت کی بات کو خواہ مخواہ منکروں نے جھگڑے میں ڈال رکھا ہے۔ عن النبأ العظيم ^{الذی} ہم فیہ مختلفون۔ جو بارگاہ ربوبیت سے وابستہ ہیں وہ تو اس کو حرف، بحرف صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن جو محروم القسمت راندہ درگاہ ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کے ماننے سے گریزاں رہیں گے۔ اگر صرف نظام شمسی ہی پر نظر ڈالی جائے تو اس بارہ میں جھگڑنا نادانی نظر آتا ہے اور اٹکل تیروں اور غفلت کے پردوں سے زیادہ ان کے لئے اور کیا تجویز کیا جائے۔ اتنی سچی بات کا بھی مذاق اڑاتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ صاحب وہ دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ جواب میں ارشاد ہے۔ یوم ہم ان ذرا ٹھہرو، وہ دن ابھی آتا ہے۔ جب تم آگ میں الٹ پلٹ کئے جاؤ گے اور پکار کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور ٹہنی کا مزہ چکھو، تم جس کی جلدی چارہ ہے تھے وہ دن آ گیا۔ البتہ پرہیزگار اس کے برعکس باغوں اور چشموں کی بہاریں لوٹیں گے اور کیوں نہ ہو کہ جن کہ دنیا میں رہ کر وہ نیکیاں سمیٹنے میں لگے رہے رات کا اکثر حصہ مصروف عبادت رہے۔ صبح ہوتے ہی خود ستانی کی بجائے زبان پر اپنی تعمیرات و استغفار کے الفاظ رہے غرور خود بینی کی جگہ عجز و نیاز، خوف و خشیت کے لئے وقف رہے، اپنی کمائی سے ہر طرح غریبوں کی دیکھ بھال کرتے رہے زکوٰۃ و صدقات کو اپنے اوپر لازم رکھا۔

وئی الارض۔ ارض۔ شب بیداری، توبہ و استغفار، محتاجوں کی مدد اس یقین کے ساتھ کی جائے کہ اللہ موجود ہے اور وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ آفاقی اور انفسی دلائل پر غور کرنے سے باسانی یہ یقین پیدا ہو سکتا ہے کہ نیک و بد کی جزا کسی نہ کسی رنگ میں جلد یا بدیر ضرور مل کر رہے گی۔

سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔..... و فی السماء۔ صدقہ خیرات سے انسان یہ سوچ کر پہلو تپی کر سکتا ہے کہ پھر ہم کہاں سے کھائیں گے؟ یا بعض لوگ خرچ کر کے غریبوں پر احسان جتلاتے ہیں، ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ تمام تر روزی اور اجر و ثواب آسمان والے کے ہاتھ میں ہے اس کی دی ہوئی روزی کسی کے روکے نہیں رک سکتی اور نیک نیتی سے خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کر رہے گا۔ اور جیسے کسی کو اپنے بولنے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ روزی پہنچ کر رہتی ہے اور آخرت آ کر رہے گی۔

انکم لتنطقون۔ میں محاورہ کے علاوہ یہ نکتہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں قیامت کی نظیر کی طرف اشارہ ہے کہ زبان مثل زمین کے ہے اور اس سے جو کلام پیدا ہو رہا ہے وہ مخلوق کی پیدائش کے مشابہ ہے اور کلام کا پورا ہونا موت کے مشابہ ہے اور پھر دوبارہ زبان سے وہی کلام سرزد ہونا زندہ ہونے کی طرح ہے۔ پس دن رات اس کا مشاہدہ قیامت کی طرف رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

آگے هل انزلنا سے حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کا واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ جسے فی اموالہم حق للسائل والمحروم سے قریمی مناسبت ہے اور یہ واقعہ تمہید ہے حضرت لوطؑ کے واقعہ کی۔ دونوں مضمونوں سے یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں ہم نے محسنین اور مکذبین کے ساتھ کیا کیا سلوک اور برتاؤ کیا۔ فرشتوں کی آمد پر شروع میں تو حضرت ابراہیمؑ ان کو انسان سمجھے، ان کی نگریم کی، ان کے سلام کا جواب دیا اور دل میں کہا کہ یہ تو اوپرے معلوم ہوتے ہیں یا خود فرشتوں سے کہا ہو کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں جس کا فرشتوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یا اس کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ غرض بڑے اہتمام سے ان کی مہمانداری میں لگ گئے۔ تلا ہوا اور بھنا ہوا چھڑا پیش کیا اور شائستہ انداز میں پوچھا کہ آپ حضرات کھانا نہیں کھاتے۔ وہ فرشتے تھے کھاتے کسی طرح؟ آخر ابراہیمؑ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ آدمی نہیں ہیں اور طبعی طور پر کچھ گھبراہٹ گئے۔ فرشتوں نے اطمینان دلایا۔ سورہ ہود اور سورہ حجر میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو ایک فرزند حضرت اسحاقؑ کی بشارت سنا کر اس فکر کو دور کیا۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ایک طرف

گوشہ میں کھڑی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ لڑکے کی بات سن کر عورتوں کی عادت کے مطابق ماتھے یا گال پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے پوچھا کہ ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی، اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟ فرشتے بولے اپنی طرف سے نہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ وہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینی چاہیے۔ اور تمہیں تو خاندانی نبوت کے لحاظ سے اللہ کے علم و حکمت میں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

اطّاف آيات: آیت کانوا قلیلا من الیل الخ میں الی اللہ کے بعض اعمال و اشتغال کا ذکر ہے۔
وفی انفسکم الخ اگرچہ فی انفسکم بھی فی الارض میں داخل ہے بطور عطف کے علیحدہ ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں تھی لیکن انسان کی جامعیت کے لحاظ سے استقلالاً بطور عطف کے ذکر کیا۔ گویا عالم اکبر کے ساتھ علم اصغر کو ذکر فرما دیا۔
اس عطف سے بھی یہ معلوم ہوا کہ جہلاء صوفیاء کا اس سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل ہے۔

پارہ نمبر ﴿ ۲۷ ﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

فہرست عنوانات کمالین شرح اردو جلالین پارہ ۲۷

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۶۷	اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے	۲۴۸	تحقیق و ترکیب
۲۶۷	شرک کا بہترین اور عقلی رد	۲۴۹	منصرین
۲۶۸	نبوت و رسالت عقلی نقل و دلیل کے آئینہ میں	۲۵۰	ربط آیات
۲۶۹	دعوت و تبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش	۲۵۰	تشریح
۲۶۹	علم غیب سے کیا مراد ہے	۲۵۰	مجرمین کا انجام
	معاندین کے لئے فراموشی معجزات کا پورا کرنا مصلحت نہیں	۲۵۱	اللہ کی کمال صنایع
۲۶۹	بلکہ پورا نہ کرنا مصلحت ہے۔	۲۵۱	دو شبہ اور ان کا جواب
۲۷۰	ضدی لوگوں کا علاج اللہ کے حوالہ کرنا ہے	۱۵۲	انس و جن کی پیدائش عبادت کیلئے ہے
۲۷۰	لطائف سلوک	۱۵۲	عبادت سے اللہ کی غرض وابستہ نہیں
۲۷۲	تحقیق و ترکیب	۱۵۳	لطائف سلوک
۲۷۷	روایات	۲۵۶	تحقیق و ترکیب
۲۷۸	ربط آیات	۲۵۹	ربط آیات
۲۷۸	تشریح	۲۵۹	شان نزول و روایات
۲۷۸	انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آنحضرت آفتاب ہدایت ہیں	۲۶۰	تشریح
۲۷۸	ایک شبہ کا ازالہ	۲۶۰	مختلف قسموں کی مناسبت
۲۷۹	آنحضرت نے جبریل کو مکمل طور پر شناخت کر لیا	۲۶۰	دوزخ میں کفار کی حالت زار
	آنحضرت ﷺ نے آنکھ اور دل دونوں سے جبریل کو	۲۶۱	جنتیوں کے مزے
۲۷۹	پہچان لیا	۲۶۱	ذریعہ کا مفہوم عام ہے
۲۸۰	بٹ دھرمی کی حد ہو گئی	۲۶۱	قانون فضل و عدل
۲۸۰	چند شبہات کا ازالہ	۲۶۲	لطائف سلوک
۲۸۱	کوئی حد ہے اُن کے عروج کی	۲۶۳	تحقیق و ترکیب
۲۸۱	دیدار الہی اور تجلیات ربانی	۲۶۶	تشریح
۲۸۲	مخمل میں ٹاٹ کا بے جوڑ پیوند	۲۶۶	مستقبل فیصلہ کن ہوگا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۹۹	پتھروں پر جو تک نہیں گنتی	۲۸۲	لفریہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے بھی نہیں نکل سکتے
۳۰۰	اطوفان نوح	۲۸۳	اون سفارش ہوں گے اور کن کے لئے سفارش ہوگی
۳۰۰	قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی	۲۸۳	ایت قیاس واجتہاد کے خلاف نہیں ہے
۳۰۱	اطائف سلوک	۲۸۳	لال کی جزا و سزا
۳۰۳	تحقیق و ترکیب	۲۸۴	بے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگزر
۳۰۵	ربط آیات	۲۸۴	مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقعہ
۳۰۵	تشریح	۲۸۴	نیقۃ متقی کون ہے
۳۰۵	مجرمین کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا	۲۸۵	یک نادر علمی تحقیق
۳۰۵	اطائف سلوک	۲۸۵	سب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی
۳۰۷	تحقیق و ترکیب	۲۸۵	لائف سلوک
۳۰۸	ربط آیات	۲۸۷	نقیق و ترکیب
۳۰۸	روایات	۲۸۹	بط آیات
۳۰۹	تشریح	۲۸۹	نان نزول و روایات
۳۰۹	کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا	۲۹۰	شرح
۳۱۳	تحقیق و ترکیب	۲۹۰	سمانی صحیفوں کی تعلیم
۳۱۵	ربط آیات		سان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف
۳۱۵	تشریح	۲۹۰	ں ہیں
۳۱۶	انسان اور قرآن و بیان	۲۹۱	نخضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے
۳۱۶	آسمان، زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں	۲۹۱	لائف سلوک
۳۱۶	اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے	۲۹۵	نقیق و ترکیب
۳۱۷	بے شمار نعمتوں کا تعلق مشرق و مغرب سے ہے	۲۹۶	بط آیات
۳۱۸	بیٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں	۲۹۷	نان نزول و روایات
۳۱۸	سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں	۲۹۷	شرح
۳۱۹	اطائف سلوک	۲۹۸	نخضرت کے معجزات سب سے افضل ہیں
۳۲۱	تحقیق و ترکیب	۲۹۸	دورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا
۳۲۳	تشریح	۲۹۹	طلسموی نظریہ پر چاند کا شق
۳۲۳	اول کے دوباغ خواص کے لئے ہوں گے	۲۹۹	ملکیات میں خرق والتیام

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۴۸	تحقیق و ترکیب	۳۴۳	تخصیص کے قرآن و دلائل
۳۵۱	ربط آیات	۳۴۴	عام مومنین کے لئے دوباغ
۳۵۱	روایات	۳۴۸	تحقیق و ترکیب
۳۵۲	تشریح	۳۴۱	ربط آیات
۳۵۲	علم الہی کا احاطہ	۳۴۲	روایات
۳۵۲	مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو	۳۴۲	تشریح
۳۵۲	ایمان فطرت کی پکار ہے	۳۴۲	اصحاب الیمین
۳۵۳	اللہ کی راہ میں مال لگانا	۳۴۳	اصحاب الشمال
۳۵۳	ایمان کی تیز روشنی	۳۴۳	تحقیق علمی
۳۵۳	جنت دوزخ کے درمیان اعراف	۳۴۳	جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں
۳۵۴	منافقین کی چیخ و پکار	۳۴۴	مشکل کا حل
۳۵۴	اہل ایمان کا جواب	۳۴۴	دوزخیوں کا حال پتلا ہوگا
۳۵۴	قرآن اور ذکر اللہ کا اثر	۳۴۴	لطف سلوک
۳۵۵	لطف سلوک	۳۴۷	تحقیق و ترکیب
۳۵۷	تحقیق و ترکیب	۳۴۹	عجیب لطیفہ
۳۵۹	ربط آیات	۳۴۹	ربط آیات
۳۵۹	روایات	۳۴۰	تشریح
۳۶۰	تشریح	۳۴۰	سائنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہارِ کریم
۳۶۰	دنیا کی زندگی چار دن کی چاندنی	۳۴۰	ہیں
۳۶۰	مایوسی اور ناز و نفوس بے جا ہیں	۳۴۰	آفاقی دلائل قدرت
۳۶۱	کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور لوہا ہی اتارا	۳۴۱	قرآن کلام الہی ہے
۳۶۱	اسلام نری رہبانیت سے روکتا ہے	۳۴۱	دنیا کا نظام محکم
۳۶۲	بدعات و رسوم میں فرق ہے	۳۴۱	باطنی نظام شمسی
۳۶۲	اہل کتاب ایمان لائیں تو دودھرا ثواب	۳۴۲	موت کا بھیانک منظر
۳۶۳	لطف سلوک	۳۴۲	دنیا کی سب سے بڑی سچائی قرآن کریم ہے
		۳۴۲	مقربین اصحاب الیمین اصحاب الشمال کا ذکر
		۳۴۳	لطف سلوک

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَأْنُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ كَافِرِينَ
 أَيْ قَوْمٍ لُّوطٍ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾ مَطْبُوحٌ بِالنَّارِ مَسْوَمَةٌ مُعَلَّمَةٌ عَلَيْهَا إِسْمٌ مَنْ يُرْمَى بِهَا
 عِنْدَ رَبِّكَ ظُرِفَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ بِأَتْيَانِهِمُ الذِّكْرَ مَعَ كُفْرِهِمْ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا أَيْ قَرَى قَوْمِ
 لُوطٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ لِإِهْلَاكِ الْكَافِرِينَ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ لُوطٌ
 وَابْتِئَاهُ وَصَفُوا بِالْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ أَيْ هُمْ مُصَدِّقُونَ بِقُلُوبِهِمْ عَامِلُونَ بِحَوَارِجِهِمُ الطَّاعَاتِ وَتَرَكْنَا فِيهَا بَعْدَ
 إِهْلَاكِ الْكَافِرِينَ آيَةً عَلَامَةً عَلَى إِهْلَاكِهِ لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ فَلَا يَفْعَلُونَ مِثْلَ فَعْلِهِمْ وَفِي
 مُوسَى مَعْطُوفٌ عَلَى فِيهَا الْمَعْنَى وَجَعَلْنَا فِي قِصَّةِ مُوسَى آيَةً إِذْ أُرْسِلَتْهُ إِلَى فِرْعَوْنَ مُتَلْبِسًا بِسُلْطَنِ
 مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ بِحُجَّةٍ وَاضِحَةٍ فَقَوْلَى أَعْرَضَ عَنِ الْإِيمَانِ بِرُكْبِهِ مَعَ جُنُودِهِ لِأَنَّهُمْ لَهُ كَالرُّجْنِ وَقَالَ لِمُوسَى هُوَ
 سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ طَرَحْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ الْبَحْرِ فَغَرَقُوا وَهُوَ أَيْ فِرْعَوْنُ
 لَيْلِيٌّ ﴿٤٠﴾ ابْتِئَاهُ بِمَا يُلَامُ عَلَيْهِ مِنْ تَكْذِيبِ الرُّسُلِ وَدَعْوَى الرُّبُوبِيَّةِ وَفِي إِهْلَاكِ عَادٍ آيَةً إِذْ أُرْسِلْنَا عَلَيْهِمْ
 لِرِيحٍ عَاقِيمٍ ﴿٤١﴾ هِيَ الَّتِي لَا خَيْرَ فِيهَا لَا نَهَا لَا تَحْمِلُ الْمَطَرُ وَلَا تَلْقَحُ الشَّجَرُ وَهِيَ الدَّبُورُ مَا تَدْرُ مِنْ
 شَيْءٍ نَفْسٍ أَوْ مَالٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ كَالْبَالِي الْمُفْتِتِ وَفِي إِهْلَاكِ ثَمُودَ آيَةً إِذْ قِيلَ
 لَهُمْ بَعْدَ عَقْرِ النَّاقَةِ تَمَتُّعُوا حَتَّى حِينٍ ﴿٤٣﴾ أَيْ إِلَى انْقِضَاءِ أَجَالِكُمْ كَمَا فِي آيَةِ تَمَتُّعُوا فِي ذَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ع
 نَعَتُوا تَكَبَّرُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ أَيْ عَنْ امْتِنَالِهِ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْقَةُ بَعْدَ مَضِيِّ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَيْ الصَّيْحَةُ الْمُهْلِكَةُ
 لَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٤﴾ أَيْ بِالنَّهَارِ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ أَيْ مَا قَدَرُوا عَلَى التَّهَوُّصِ حِينَ نَزُولِ الْعَذَابِ وَمَا
 كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ عَلَى مَنْ أَهْلَكَهُمْ وَقَوْمُ نُوحٍ بِالْحَجَرِ عَطِفَ عَلَى ثَمُودَ أَيْ وَفِي إِهْلَاكِهِمْ بِمَاءِ
 سَمَاءِ وَالْأَرْضِ آيَةً وَبِالنَّصَبِ أَيْ وَأَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ أَيْ قَبْلَ إِهْلَاكِ هَؤُلَاءِ الْمَذْكُورِينَ إِنَّهُمْ كَانُوا

﴿۴۶﴾ قَوْمًا فَسِيقِينَ وَالسَّمَاءَ بَيْنَهُمَا بَابٍ بِقُوَّةٍ وَأَنَا لَمُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾ لَهَا فُجُورٌ يُقَالُ إِذَا الرَّجُلُ يَبِيدُ قُوَّةً وَأَوْسَعَ الرَّجُلُ صَارَ ذَا سَعَةٍ وَقُدْرَةٍ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا مَهْدَنَاهَا فَنِعْمَ الْمُهْدُونَ ﴿۴۸﴾ نَحْنُ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُتَعَلِّقٌ يَقُولُهُ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ صِنْفَيْنِ كَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالسَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالسَّهْلِ وَالْجَبَلِ وَالصَّيْفِ وَالرِّشَاءِ وَالْحُلِيِّ وَالْحَامِضِ وَالنُّورِ وَالظُّلْمَةِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾ بِحَذْفِ أَحَدٍ الثَّانِيَيْنِ مِنَ الْأَصْلِ فَتَعَلَّمُونَ أَنَّ خَالِقَ الْأَزْوَاجِ فَردٌ فَتَعْبُدُونَهُ فَقِيرٌ وَإِلَى اللَّهِ أَى إِلَى تَوَابِهِ مِنْ عِقَابِهِ بَأَن تَطِيعُوهُ وَلَا تَعْصُوهُ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۵۰﴾ بَيْنَ الْإِنْذَارِ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۵۱﴾ يُقَدَّرُ قَبْلَ فَعْرُوا قُلْ لَهُمْ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا هُوَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۵۲﴾ أَى مِثْلُ تَكْذِيبِهِمْ لَكَ يَقُولُهُمْ إِنَّكَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ تَكْذِيبُ الْأَمَمِ قَبْلَهُمْ رُسُلَهُمْ يَقُولُهُ ذَلِكَ اتَّوَصُوا كُلَّهُمْ بِهِ اسْتَفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۵۳﴾ جَمَعُهُمْ عَلَى هَذَا الْقَوْلِ طُغْيَانُهُمْ فَقَوْلٌ أَعْرَضَ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٌ ﴿۵۴﴾ لِأَنَّكَ بَلَّغْتَهُمُ الرِّسَالَهَ وَذَكَرْتَ عِظَ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا الدِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۵﴾ مَنْ عَلِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ يُؤْمِنُ وَمَا خَلَقْتَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوا ﴿۵۶﴾ وَلَا يَنَافَى ذَلِكَ عِدَمُ عِبَادَةِ الْكَافِرِينَ لِأَنَّ الْغَايَةَ لَا يَلْزَمُ وَجُودَهَا كَمَا فِي قَوْلِكَ بَرِئْتُ هَذَا الْقَوْمَ لَا كُتِبَ بِهِ فَإِنَّكَ قَدْ لَا تَكْتُبُ بِهِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رَزْقٍ لِي وَلَا أَنْفُسِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطَاعُوا ﴿۵۷﴾ وَلَا أَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾ الشَّدِيدُ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْكَفْرِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ ذُنُوبًا نَصِيبًا مِنَ الْعَذَابِ مِثْلُ ذُنُوبِ نَصِيبِ أَصْحَابِهِمْ الْهَالِكِ قَبْلَهُمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۹﴾ بِالْعَذَابِ إِنْ أَخَّرْتَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾ أَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔

ترجمہ: ابراہیم کہنے لگے (اچھا تو تمہیں کیا پڑی ہم) (کارگذاری) درپیش ہے۔ اے فرشتو! فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم (لوط کے کافروں) کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنکر کے (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسائیں جن پر خاص نشان لگے ہوئے (ان کے نام لکھے ہوئے ہیں جن پر پتھر مارے جائیں گے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربک مسومۃ کا ظرف ہے) حد گزرنے والوں کے لئے (جو لوگوں سے کفر کے ساتھ شہوت رانی بھی کرتے ہیں) سوہم نے وہاں (قوم لوط کی بستیوں) سے ایمانداروں الگ کر لیا (کافروں کو تباہ کرنے کے لئے) سوہم نے وہاں کوئی گھر نہیں پایا جو مسلمانوں کے ایک گھر کے (وہ گھر انہ حضرت لوط اور ان صاحبزادیوں کا تھا ان کے لئے ایمان و اسلام ثابت کیا گیا ہے یعنی وہ دل سے بھی ماننے والے تھے اور ظاہر بھی اطاعت گزار تھے) اور ہم اس واقعہ میں (کافروں کی تباہی کے بعد) عبرت (ان کی تباہی کی علامت) رہنے دی ایسے لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے

(تاکہ وہ ان جیسی حرکتیں نہ کرنے لگیں) اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے (فیما کا عطف فی موسیٰ پر ہے یعنی وجعلنا فی قصۃ موسیٰ ایۃ) جبکہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی دلیل (روشن جنت) دے کر بھیجا سو اس نے (ایمان سے روگردانی کی مع اپنے ارکان سلطنت کے (جو رکن سلطنت ہوتے ہیں) کہنے لگا (موسیٰ کی نسبت) کہ یہ جادوگر یاد یوانے ہیں۔ سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) دریا میں (جس میں وہ ڈوب گئے) اور اس (فرعون) نے کام ہی ملامت کا کیا تھا پیغمبروں کو جھٹلا کر، خدائی کا دعویٰ کر کے قابل ملامت کام کئے) اور عاد (کی تباہی) میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی (جس میں کوئی بہترائی نہیں تھی نہ اس سے بارش ہوتی اور نہ درخت اگتے جسے پچھوا ہوا کہا جاتا ہے) جس چیز پر وہ گزرتی تھی (جان ہو یا مال) اس کو ایسا کر کے چھوڑ دیتی تھی کہ جیسے کوئی چیز گل گل کر پڑ رہا ہو (چورا چورا) ہو جاتی ہے اور شمود (کی تباہی) میں بھی عبرت تھی جب کہ (اونٹنی کی کوچیں کٹ جانے کے بعد) ان سے کہا گیا اور تھوڑے دن چین کر لو (موت آنے تک جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ تمتعوا فی دارکم ثلاثۃ ایام) سوان لوگوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے سرکشی کی۔ سوان کو عذاب (تین دن گزرنے کے بعد ایک تباہ کن چیخ) نے آلیا اور وہ (دن) میں دیکھ رہے تھے پھر نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (عذاب اترنے پر اٹھ نہ سکے) اور نہ بدلہ لے سکے (جس نے انہیں ہلاک کیا تھا) اور قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا (لفظ قوم جر کے ساتھ شمود پر معطوف ہے یعنی اوپر نیچے کے طوفان کی تباہی سے نشانی تھی اور یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی ہے یعنی و اھلکنا قوم نوح) ان (مذکورہ قوموں کی تباہی) سے پہلے یقیناً بڑے نافرمان لوگ تھے اور ہم نے آسمان کو قوت (طاقت) سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں (بولتے ہیں ادا السرجل ینید یعنی قوت والا ہوا۔ اوسع الرجل کے معنی ذی وسعت اور صاحب قدرت ہونے کے ہیں) اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (بچھایا) سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کو (من کل شئی، خلقنا سے متعلق ہے) دو قسم کا بنایا (جوڑے جیسے زو مادہ آسمان، زمین، سورج، چاند، نرم جگہ، پہاڑ، گرمی سردی، میٹھا کھٹا، روشنی اندھیرا) تاکہ تم سمجھو (تذکرون) کی دو تائیں ہے ایک تاحذف ہو گئی۔ معنی یہ ہیں کہ تم جان جاؤ کہ جو دن کا پیدا کرنے والا یکتا ہے اس لئے اس کی عبادت کرو سو تم اللہ کی طرف دوڑو (اس کے عذاب سے بچ کر اس کے ثواب کی طرف آؤ۔ اس کی فرمانبرداری کرو، نافرمانی نہ کرو) میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار مت دو میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (ففر و اسے پہلے لھم مقدر ہے) اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گز رہے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے جادوگر یاد یوانہ نہ کہا ہو (جیسا کہ آپ کو یہ کہہ کر جھٹلارہے ہیں کہ آپ جادوگر یاد یوانہ ہیں ایسے ہی پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو یہی کہا تھا) کیا ایک دوسرے کو (سب کے سب) وصیت کرتے چلے آئے ہیں اس بات کی (ہمزہ استفہام نفی کے معنی میں ہے) بلکہ یہ تمام کے تمام لوگ سرکش ہیں (اس بات پر سرکشی نے ان کو ابھارا ہے) سو آپ ان کی پرواہ (توجہ) نہ کیجئے۔ کیونکہ آپ پر کسی طرح الزام نہیں (آپ نے تبلیغ رسالت کر دی) اور سمجھاتے رہیے (قرآن کے ذریعہ فہمائش کیجئے) کیونکہ سمجھانا اہل ایمان کا (جن کا مومن ہونا علم الہی میں طے ہوتا ہے) کفح بخش دے گا۔ اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (کافروں کو اللہ کی عبادت نہ کرنا اس کے منافی نہیں کیونکہ کسی چیز کا غرض و غایت کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا مثلاً کہا جائے بسیت هذا القلم لا یتکب بہ حالانکہ بعض اوقات قلم سے کتابت نہیں ہوا کرتی) میں ان سے رزق نہیں مانگتا (خود اپنے لئے نہ دوسروں کے لئے) اور نہ ان سے یہ فرمائش کرتا ہوں کہ مجھ کو کھلایا کریں (اور نہ اوروں کو کھلانے کی فرمائش ہوتی ہے) اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے طاقتور انتہائی مضبوط ہے سوان ظالموں کی (مکہ والوں اور دوسروں کی جنہوں نے کفر کر کے ظلم کیا ہے) باری ہے (عذاب کا حصہ) جیسا کہ ان جیسے (پہلے ہلاک ہونے والوں) پاپیوں کی باری تھی، سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں جبکہ میں نے آخرت پر اٹھارکھا ہے (غرض بڑی خرابی (عذاب کی سختی) ہوگی ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے جس کا اللہ سے وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت مراد ہے)۔

تحقیق و ترکیب:..... خطبکم۔ خطیب کے معنی عظیم کام کے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو خیال ہوا کہ محض اتنی سی خوشخبری کے لئے فرشتوں کا آنا نہیں ہوا بلکہ کسی بڑے کام کے سرانجام دینے کے لئے آمد ہوگی۔ اس لئے دریافت کیا۔

لنرسل علیہم حجارة۔ بعض نے اس سے لواطت کی سزا سنگ باری تجویز کی ہے۔ قوم لوط چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت جبریلؑ نے ساری بستی کو اٹھا کر الٹ دیا اور پھر اوپر سے پتھراؤ کر ڈالا یا صرف باہر رہنے والوں پر پتھراؤ کیا۔ یہ پتھر کے ٹکڑے ہوں گے یا آگ میں پکے ہوئے غلے تھے، برف کے ٹکڑے اور ازلے مراد نہیں ہیں۔ اگرچہ حجارة کا لفظ لٹین پر بولا جاتا ہے لیکن من طین کی قید سے وہ خارج ہو گئے۔ مسومة۔ اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ حجارة کی صفت ہونے کی وجہ سے نصب ہو، یا ضمیر مجرور سے حال ہو۔ تیسرے یہ کہ من حجارة سے حال ہو۔ اور للمسرین، مسومة کے متعلق ہے۔

غیر بیت۔ بعض نے حضرت لوطؑ کے ساتھ تیرہ افراد کو بھی ان کے اہل بیت میں شمار کیا ہے۔

علامہ تفتازانیؒ نے شرح عقائد میں اسی آیت سے استدلال کیا کہ ایمان اور اسلام ایک ہے۔ صاحب کشف اور صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بقول قاضی بیضاویؒ مومن و مسلم کے اتحاد سے ایمان اور اسلام کا اتحاد کیسے ثابت ہو۔ کیونکہ دونوں میں فرق کرنے والے دونوں میں تباہی نہیں مانتے کہ ان کے خلاف یہ استدلال مفید ہو۔ بلکہ وہ دونوں میں عموم خصوص مانتے ہیں جس میں اجتماعی مادہ ہوتا ہے چنانچہ ایمان تصدیق قلبی اور اقرار کا نام ہے۔ اور اسلام تو حید و رسالت کے ساتھ فرائض کی ادائیگی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر بھی جیسا کہ آیت قالنت الاعراب انما قل لم تومنوا ولكن قولوا اسلمنا سے دونوں میں فرق معلوم ہو رہا ہے۔ اسی طرح حدیث احسان سے بھی فرق معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا لغوی مفہوم الگ الگ ہے۔ لیکن شرعاً مومن و مسلم دونوں متحد ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکتے۔ تفصیلی بحث کتب حدیث میں موجود ہے۔

وفی موسیٰ۔ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت تو وہی ہے جو مفسر نے بیان فرمائی ہے کہ فیہا پر عطف کیا جائے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ معطوف علیہ ضمیر مجرور ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی تو تر کنا فی قصۃ موسیٰ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق جملنا مقدر سے ہو۔ جو لفظ تر کنا سے مفہوم ہو رہا ہے اس طرح یہ عطف علفتها تبنا و ماء بارد جیسا ہو جائے گا۔

اذا رسلنا۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کی وجہ سے منصوب ہو۔ ای تر کنا فی قصۃ موسیٰ علامۃ فی وقت ارسلنا ایاء۔ دوسرے یہ کہ محذوف سے اس کا تعلق کیا جائے۔ ای ایۃ کائنۃ فی وقت ارسلنا۔ تیسرے یہ کہ ارسلنا کی وجہ سے منصوب ہو۔

برکنہ۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے بامعنی مع ہے اور رکن کہتے ہیں انسان جس کی طرف جھکے مراد الشکر ہے۔

ساحرا و معجون۔ اوایہام کے لئے ہے یا شک کے لئے اور اوا کے معنی میں لینا بہتر ہے۔

فاسخذناہ و جنودہ۔ ظاہر یہ ہے کہ اسخذنا میں کے مفعول پر اس کا عطف ہو اور مفعول معہ بھی ہو سکتا ہے و هو ملیم جملہ حالیہ ہے اگر نبذناہم کے مفعول سے حال ہو تو او لازم ہوگا۔ کیونکہ اس میں ضمیر ذوالحال نہیں ہے البتہ اگر اخذناہ کے مفعول سے حال ہو تو ذوالحال کے لئے ضمیر ہونے کی وجہ سے او کا لانا ضروری نہیں رہتا۔ ملیم یہاں باب افعال بمعنی خلائی ہے جیسے غریب کے معنی عجیب و غریب کام کرنے کے ہیں۔ مفسر نے من تکذیب الرسل سے ایک شبہ کا دفعیہ ذکر کیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ فرعون جیسا دعویٰ حضرت منصور حلاجؒ نے بھی کیا۔ پھر فرعون کی طرح ان کو ملیم کیوں نہیں کہا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ قول کا مطلب قائل کے اعتبار سے لیا جاتا ہے اچھے آدمی کی بات اچھی اور برے آدمی کی بات بری ہوا کرتی ہے۔

الرياح العقيم۔ بانجھ عورت کے ساتھ ہوا کو تشبیہ دی گئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ کون سی ہوا مراد ہے۔ بعض نے دیور یعنی جنوبی ہوا کو مصداق کہا ہے اور بعض نے نکلا یعنی دو ہواؤں کے بیچ کی ہوا مراد لی ہے اور بعض نے چھوٹنی ہوا مراد لی ہے۔ لیکن حدیث نصرت بالصبا و اہلکت عاد بالدبور کی وجہ سے پہلے معنی اصح ہیں۔

ففعوا۔ اس میں ”ف“ محض ترتیب ذکر کے لئے ہے ورنہ تمتعوا فرمانا پہلے ہے اور عتودہ کث بعد میں۔
الصاعقة۔ بجلی اور چیخ کے معنی ہیں۔

وہم بنظرون۔ مفسر نے نظر سے ماخوذ مانا ہے اور انتظار سے بھی ہو سکتا ہے۔
مختصرین۔ مناسب یہ تھا کہ کانوا دافعین من انفسہم العذاب سے تفسیر کی جاتی۔ کیونکہ اللہ کے برخلاف انتصار ممکن نہیں البتہ فرار کا وہم ہو سکتا تھا اس کو دفع کرنا مقصود ہے۔

وقوم نوح۔ اخوان۔ ابو عمرو قوم کو مجرور اور باقی قراء منصوب پڑتے ہیں۔ اور ابوساک، امین مقسم، ابو عمرو، اور اسمعیٰ کی ایک روایت کے مطابق مرفوع ہے جر کی چار توجیہات ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ وفی ثمود پر عطف کیا جائے اور قریب ہونے کی وجہ سے یہ سب سے بہتر ہے۔
دوسرے وفی عاد پر عطف کیا جائے۔

تیسرے وفی موسیٰ پر عطف کیا جائے۔

اور چوتھے وفی الارض پر عطف ہو۔

یہ سب صورتیں غیر اولیٰ ہیں اس لئے زختری نے ان کو ذکر بھی نہیں کیا۔ اور ابوالبقاء نے بھی پہلی صورت کے علاوہ دوسری صورتیں ذکر نہیں کیں۔ نصب والی صورت میں چھ احتمال ہیں۔

۱۔ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہوا و اہلکنا قوم نوح۔

۲۔ اذکبر مقدر کی وجہ سے منصوب ہو۔ زختری نے ان کے علاوہ صورتوں کو ذکر نہیں کیا۔

۳۔ اخذنا کے مفعول پر عطف کرتے ہوئے منصوب ہو۔

۴۔ فبنہناہم کے مفعول پر عطف کیا جائے کیونکہ قوم نوح ان سے پہلے تباہ ہو چکی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ دریا میں غرق نہیں ہوئی تھی۔ تاہم پانی کے طوفان میں غرق ہوئی تھی۔

۵۔ فاحلنہم الصاعقة کے مفعول پر عطف ہو۔ اگرچہ قوم نوح صاعقہ سے ہلاک نہیں ہوئی تھی تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ صاعقہ سے آسمانی حادثہ مراد ہے۔

۶۔ وفی موسیٰ کے محل پر عطف کیا جائے ابوالبقاء اس کو ضعیف کہتے ہیں رفع کی صورت میں مبتداء کہا جائے اور خبر مقدر ہوا و اہلکنا ہم اور ابوالبقاء کانوا الخ کو خبر مان رہے ہیں۔

باید۔ محذوف کے متعلق مان کر بینا کے فاعل یا مفعول سے حال ہوگا نیز باکو سیہ کہا جاسکتا ہے اور باتعدیہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے گویا ہاتھ سے بنانا مراد ہے جیسے کہا جائے۔ بنیت بیتک بالاجر۔

انا لموسعون۔ مفسر نے اس کے حال موکدہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے مفعول محذوف ہوگا۔ ائی لموسعون السماء بمعنی جا علوها واسعة۔ یہ لفظ تعدی آتا ہے مگر مفسر لازم لے رہے ہیں۔

فنعلم الماہدون۔ مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی نحن۔

زوجین۔ یعنی جو چیزیں مشاہد ہیں ان میں ہر ایک کا جوڑا ہے اس لئے عرش، کرسی، لوح و قلم پر اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا جوڑا نہیں ہے کیونکہ یہ مشاہد نہیں ہیں۔

ففرو الی اللہ۔ پچھلے بیان توحید پر مرتب ہے اس سے پہلے قل مقدر مانا جائے گا فرار کے کئی درجے ہیں۔

۱۔ فرار عام، کفر سے اسلام کی طرف، گناہوں سے طاعت کی طرف۔

۲۔ فرار خاص، ماسوی اللہ سے اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کا ہور ہنا۔ مفسر نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کذلک۔ مفسر نے مثل تکذیبہم نکال کر کذلک کے منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ما اتی الذین ناصب ہے بشرطیکہ مانافیہ کا عمل ناقص میں ہو سکتا ہے ورنہ مبتدائے محذوف خبر ہوگی۔ ای الامر کذلک یعنی پچھلے لوگوں کی طرح آپ کی قوم نے بھی آپ کی تکذیب کی ہے۔ اور ما اتی الذین اس صورت میں تفسیر ہو جائے گا اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ الامر۔ ما اخیر تک من تکذیب الامم رسلہم۔

لتواصوا بہ۔ یہ ضمیر مرجع کا قول مذکور ہے، ہمزہ تعجب اور انکار کے لئے ہے یعنی ان سب کی باہمی وصیت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ سب ایک وقت میں نہیں تھے۔

تسفع المومنین۔ بالقوة مومن مراد ہیں اور جو بالفعل مومن ہیں وہ تو متذکر کہلائیں گے اور بعض نے یقینی مومن مراد لئے ہیں اور نفع سے مراد زیادتی اور کمال ایمان لی ہے۔

لیعبدون۔ یہ لام عاقبت ہے لام علت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے افعال علت و غرض سے پاک تھے۔

ذنوبا۔ بھرا ہوا بڑا ذل مراد ہے یہ ماخوذ ہے مقاسمۃ السقاۃ الماء سے۔

رابط آیات:..... گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم کا واقعہ بطور تمہید بیان ہوا۔ اس کے بعد آیت فمما خطبکم سے قوم لوط کے واقعہ کی تمہید اور پھر بعد میں واقعہ کی تفصیل ہے اور یا کہا جائے، دونوں واقعے الگ الگ مقصود ہیں۔ ایک میں منافقین کی ستائش اور دوسرے میں مخالفین کی مذمت ہے اسی کی تائید میں فرعون عاد و ثمود اور نوح کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر آیت و السماء بنیلھا الخ سے توحید اور رسالت کی تحقیق ہے اور رسالت کے ذیل میں مضمون تسلی ارشاد ہے۔ پھر آخر میں ایک جامع عنوان سے عبارت کا مطلوب ہونا مذکور ہے جو ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہے۔

﴿تشریح﴾..... حضرت ابراہیمؑ نے قرآن سے اندازہ کر کے فرشتوں سے غیر معمولی اہتمام کے ساتھ آمد کی وجہ پوچھی ہوگی فرشتوں کا یہ جواب سورہ ہود میں حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے آیا اور یہاں گفتگو کے بعد معلوم ہوتا ہے سو ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنا حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے واقع ہوا ہے اور یہاں چونکہ کوئی حروف ترتیب نہیں ہے اس لئے ذکر ترتیب کو ترتیب وقوعی کی دلیل نہیں کہا جائے گا۔ اب دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ بطور توسع اگر چہ اولوں کو بھی تجارہ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن من طین کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ کھنکر کے پتھر برسائے گئے تھے جن پر نشان کر دیئے گئے تھے کہ یہ پتھر انہی لوگوں کو لگیں گے جو دین و عقل و فطرت سے خارج ہو چکے تھے۔

مجرمین کا انجام:..... یہ اس قوم کی کتنی بد نصیبی تھی کہ پوری بستی میں حضرت لوط کے گھرانہ کے علاوہ کوئی مسلم گھرانہ نہیں تھا۔ اسی کو

عذاب سے صاف بچا لیا گیا۔ وجدان کے انکار سے کنایہ ہے انکار علم پر، کیونکہ وجدان سے مراد علم الہی ہے جو وجود کو لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہے۔

و تر کنا فیہا لیلۃ یعنی ڈرنے والوں کی عبرت کے لئے ان کی غیر معمولی تباہی کے نشان اب تک موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ کو سلطان مبین دینے کا مطلب معجزات و برائیں ہیں۔ مگر فرعون نے اپنے زور قوت کے گھمنڈ میں آکر حق سے منہ موڑ لیا اور اپنے ساتھ سب کو لے ڈوبا۔ اسی لئے وہو ملیم فرمایا کہ اس کی بربادی کا الزام ہم پر نہیں ہے خود اسی پر ہے کہ سمجھانے پر بھی باز نہ کیا اور آخر کار جو یو یا تھا وہی کاٹا۔ قوم عاد پر بھی عذاب کی آندھی آئی۔ جس نے مجرموں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور جس پر گزری اس کا تھس نہیں کر کے رکھ دیا۔ حضرت صالح نے جب اپنی قوم ثمود سے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور مزے اڑالو۔ آخر عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ یہ وہ تہ تیغ نہیں ہے جو دوسری آیت میں ثلثۃ ایام کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ اس کے بعد فطحوں پر فادائل ہے۔ حالانکہ ان کی سرکشی اس تہ تیغ سے یقیناً پہلے تھی۔ یہاں تو یہ مقصود ہے کہ تم کفر سے باز نہیں آؤ گے۔ اس لئے ضرورتاً وہ گے چند روز مزے اڑالو مگر اس تنبیہ کے باوجود ان کی شرارت روز بروز بڑھتی رہی۔ آخر عذاب نے آپکڑا۔ ایک کرک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور و طنطنے خاک میں مل گئے۔ کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا بھلا بدلہ لینے کا تو سوال ہی نہیں تھا اپنی مدد پر کسے بلاتے؟ ان اقوام سے پہلے قوم نوح بھی اپنی سرکشی کی بدولت تباہی سے دوچار ہو چکی تھی۔

اللہ کی کمال صناعتی:..... والسماء بسینہا۔ آسمان وزمین جیسی وسیع و عریض چیزیں سب اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ خالق کائنات کی عجیب و غریب کاریگری میں انسان غور کرے تو اسی کا ہور ہے۔ زمین سے فضا و مضافات چیزیں ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین و آسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، بیماری صحت، ایمان و کفر، طاعت و معصیت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ذاتی یا عرضی ایسی صفت معتبر ہوتی ہے جس کے مقابل دوسری چیز میں اس کی ضد پائی جاتی ہے۔ اور بقول ابن زیدؒ، موادہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر نوع میں موادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے۔

فسروا الی اللہ۔ یعنی ساری کائنات جب اللہ کے زیر تسلط ہے تو بندہ کو چاہیے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اسی کا ہور ہے ورنہ اگر بندہ کسی طرف رجوع نہ ہو یا اللہ کے علاوہ کی طرف رجوع ہو تو دونوں صورتوں میں خطرہ ہے تو بد انجامی سے صاف صاف ڈرائے دیتا ہوں۔ کذلک ما اتی الذین۔ یعنی ایسی صاف اور واضح تنبیہ پر بھی اگر مخالفین کان نہ دھریں تو آپ غم نہ کیجئے ان سے پہلے بھی پیغمبروں کو جادو گرد یوانہ کہہ کر ان کا مذاق اڑایا گیا۔ ہر زمانہ کے کافراں بارہ میں ایسے متفق اللفظ رہے ہیں۔ کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر کے مرے ہوں کہ جو رسول آئے اسے جادو گرد یوانہ بنا کر رہنا اور وصیت تو خیر کہاں کرتے۔ البتہ شرارت میں سب حصہ دار ہیں۔ اسی شرکت سے پچھلوں نے وہ الفاظ کہے ہیں جو انھوں نے کہے تھے۔

دو شبے اور ان کا جواب:..... اس پر دو شبے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض انبیاء ایسے بھی گزرے ہیں جن کی کسی نے بھی تکذیب نہیں کی۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام یا وہ محض شریعت کی تائید کیلئے آئے تھے ان کا تعلق صرف مومنین سے رہا ہے تکذیب کرنے والوں سے ان کا واسطہ ہی نہیں پڑا۔ جیسے یوشع علیہ السلام پھر تکذیب کی نسبت کلیہ کیسے کر دی گئی ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ جن پیغمبروں کی تکذیب کی گئی ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کی تصدیق بھی کی ہے پھر کلیہ تکذیب کی نسبت کیسے کر دی گئی؟

پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ الذین سے مراد صرف کافر ہیں اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قالوا میں کل یا بعض دونوں مراد ہیں۔ حدیث بخاری یحییٰ النبی لیس معہ احد الخ کی رو سے بعض انبیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک بھی ماننے والا بھی نہیں ہوا۔ سب تکذیب کرنے والے ہی رہے۔

فصول عنہم۔ یعنی آپ اپنا فرض تبلیغ بجالا چکے ہیں۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھانا آپ کا کام تھا وہ آپ کر چکے اور آئندہ بھی کرتے رہیں۔ جس کی قسمت میں سنورنا ہوگا وہ سنورنا رہے گا رہ گئے منکرین ان پر اللہ کی حجت تمام ہو چکی ہے۔ زبردستی ان سے کام کر دینا آپ کا کام نہیں ہے۔

انس و جن کی پیدائش عبادت کیلئے ہے:..... ما خلقت الجن۔ توحید و رسالت و بعث کے اعتقادات اور اعمال اصلیہ و فرعیہ سب عبادات ہیں۔ ان میں فرائض کی تاکید تو ظاہر ہے۔ لیکن نوافل کی تاکید بھی ملحوظ اعتقاد ہے یعنی ان کی مشروعیت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے غرضیکہ جن و انس کی پیدائش سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے خلقہ اور فطرۃ ان میں ایسی صلاحیت و استعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔

یوں تو ہر چیز تکوینی طور پر اللہ کے ارادہ تکوین کے آگے عاجز اور بے بس ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ اور اختیار سے تخلیق عالم کی شرعی غرض کو پورا کریں گے۔ تاہم آپ سمجھاتے رہیے۔ اسی سے وہ غرض پوری ہوگی اور دوسرے منافع اور فوائد کا اس تخلیق پر مرتب ہونا اس غرض کے منافی نہیں ہے۔ نیز کچھ انسانوں اور جنات سے عبادت کا نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہاں ارادہ شرعی بیان کیا گیا ہے نہ کہ امر تکوینی اور جن و انس کی خصوصیت اس لئے ہے کہ عبادت کہتے ہیں۔ اختیار و ابتلاء کے ساتھ بندگی کرنے کو اور فرشتوں میں ابتلاء نہیں اور دوسری مخلوقات میں اختیار نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ مطلوب شرعی بندگی ہے جو انہی دو کے ساتھ خاص ہے۔ باقی اس بندگی سے اللہ کا کچھ فائدہ نہیں جو کچھ نفع ہے وہ خود بندگی کرنے والوں کا ہے۔

فرماتے ہیں میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے آگے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے بالا اور برتر ہے۔ میں ان سے روزی کیا طلب کرتا خود ان کو اپنے کے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں۔ اللہ کو تمہاری خدمات کی کیا ضرورت۔ بندگی کا حکم تو مورد الطاف و عنایات بننے کے لئے تمہیں دیا گیا ہے۔

عبادت سے اللہ کی غرض وابستہ نہیں:..... اللہ میں تو عجز و احتیاج کا احتمال عقلی بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اپنے کھانے کی فرمائش کا امکان۔ خلاصہ یہ کہ بندگی سے ہماری کوئی غرض وابستہ نہیں۔ نہ براہ راست جیسے اپنے کھانے کی فرمائش اور نہ بالواسطہ جیسے اور مخلوق کو رزق دیئے جانے کی خواہش۔ بلکہ صرف بندگی کرنے والوں کا نفع ہی پیش نظر ہے۔

ما ارید منهم من رزق پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اہل و عیال اور متعلقین کے نان و نفقہ اور روزی کو تو واجب کیا گیا ہے۔ پھر ما اریدہ کہنے کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ وہ انفاق ہے ترزیق نہیں ہے۔ گویا جس کی نفی کی گئی اس کا اثبات نہیں ہے اور جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں کی گئی۔ پھر اس انفاق کا فائدہ کچھ اللہ کو نہیں پہنچتا کہ کچھ اس طرح اس کو سہارا مل جاتا ہو کہ اس نے مخلوق کی روزی رسانی کا جو ذمہ لیا تھا اس انفاق سے اس کو کچھ مدد مل جاتی ہو اور ذمہ داری سے اس کو سبکدوشی مل جاتی ہو۔ بلکہ اس انفاق کا نفع اور اجر خود انفاق کرنے والوں کو پہنچتا ہے۔ اور

رازق پھر بھی اللہ ہی رہتا ہے۔ کیونکہ حصول رزق میں کوشش کے باوجود اگر کامیابی نہ ہو۔ یا کامیابی ہو بھی جائے مگر دوسرے حکم سے روزی پہنچانے پر قادر نہ ہو۔ یا روزی دوسرے کو پہنچا دے۔ مگر اس کے حلق سے نہ اُتار سکے یا گلے سے بھی اُتار دے مگر اس کو کاغذ نہ بنا سکے تو ان صورتوں میں انسان کیا کر سکتا ہے۔ غرض بندہ حقیقتہً کسی طرح بھی رازق نہیں ہے۔

اور مہارید کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم ان سے ایسی روزی کموانا نہیں چاہتے جو عبادت میں رکاوٹ ہو سورۃ طہ کی آیت میں لانسالک رزقا کا بھی یہی مفہوم ہوگا۔ اب اس پر کوئی شبہ ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

فان للسلین ظلموا۔ بھولی آیت میں عبادت کی ترغیب تھی۔ اس آیت میں ترہیب کا پہلو ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی عبادت کی طرف مائل نہیں ہوتے تو دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے بس اب ڈوبنا ہی چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں دوسرے کافروں کی طرح ان کافروں کو بھی خدائی سزا کا حصہ پہنچ کر رہے گا۔ خواہ قیامت میں یا اس سے پہلے سزا کا کوئی دن آجائے۔ جیسے غزوہ بدر میں ان کو خاصی سزا مل چکی ہے۔

اطاعوا لسلوک..... ففروا الی اللہ کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ کہتے ہیں کہ توجہ الی اللہ خوب ذوق و شوق کے ساتھ ہونی چاہیے۔ وما خلقت الجن۔ مجاہد سے اس کی تفسیر لیسر فون منقول ہے کیونکہ عبادت بلا معرفت معتد بہا نہیں ہوتی اور نہ معرفت بلا عبادت لائق اعتناء ہے۔ اہل ظاہر نے تو صورت عبادت پر قناعت کر لی اور جاہل صوفیاء نے صرف معرفت کو لے لیا۔ یہ دونوں ناقص ہیں کمال جامعیت نہیں ہے۔

سُورَةُ الطُّورِ

سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَارَبْعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالطُّورِ ﴿١﴾ أَيِ الْجَبَلِ الَّذِي كَلَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ مُوسَى وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ ﴿٢﴾ فِي رَقٍّ مَنشُورٍ ﴿٣﴾ أَيِ التَّوْرَةِ
أَوِ الْقُرْآنِ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ﴿٤﴾ هُوَ فِي السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ أَوِ السَّادِسَةِ أَوِ السَّابِعَةِ بِحِجَالِ الْكَعْبَةِ يَزُورُهُ فِي كُلِّ
يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ بِالطَّوَافِ وَالصَّلَاةِ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ أَبَدًا وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ﴿٥﴾ أَيِ السَّمَاءِ وَالْبَحْرِ
الْمَسْجُورِ ﴿٦﴾ أَيِ الْمَمْلُوءِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ لَنَازِلٌ بِمُسْتَحِقِّهِ قَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴿٨﴾ عَنْهُ يَوْمَ
مَعْمُولٍ لَوَاقِعِ تَمُورٍ السَّمَاءِ مَوْرًا ﴿٩﴾ تَتَحَرَّكُ وَتَدَوِّرُ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سِيرًا ﴿١٠﴾ تَصِيرُ هَبَاءً مَثُورًا
ذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ قَوْلٌ شَدِيدٌ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ لِلرُّسُلِ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ بَاطِلٍ
يَلْعَبُونَ ﴿١٢﴾ أَيِ يَتَشَاغَلُونَ بِكُفْرِهِمْ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا ﴿١٣﴾ يُدْفَعُونَ بِعُنْفٍ بَدَلٌ مِنْ يَوْمٍ
تَمُورُ وَيُقَالُ لَهُمْ تَبَكُّيتًا هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٤﴾ أَفَسِحَرْتَ هَذَا الْعَذَابَ الَّذِي تَرَوْنَ كَمَا
كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْوَحْيِ سِحْرٌ أَمْ أَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ ﴿١٥﴾ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا عَلَيْهَا أَوْ لَا تَصْبِرُوا
صَبْرُكُمْ وَجَزَعُكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ لَآ صَبْرُكُمْ لَا يَنْفَعُكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ أَيِ
جَزَاءِ إِنْ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَكِهِينَ مُتَلَذِّذِينَ بِمَا مَصْدَرِيَّةٌ إِلَهُهُمْ أَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَّهَهُمْ
رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ عَطَفَ عَلَى آثَامِهِمْ أَيِ بَاتِيَانِهِمْ وَوَقَّاهَهُمْ وَيُقَالُ لَهُمْ كُلُّوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا
حَالٌ أَيِ مُنْهِنِينَ بِمَا الْبَاءُ سَبَبِيَّةٌ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَكِبِّينَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فِي
جَنَّتٍ عَلَى سُرْرِ مَصْفُوفَةٍ بَعْضُهَا إِلَى جَنْبِ بَعْضٍ وَزَوْجُهُمْ عَطَفَ عَلَى فِي جَنَّتٍ أَيِ قَرْنَاهُمْ بِخُورٍ

عَيْنِ ﴿۲۰﴾ عِظَامُ الْأَعْيُنِ حَسَنَاتُهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُبْتَدَأَ وَاتَّبَعَتْهُمْ مَعْطُوفٌ عَلَى آمَنُوا فُرِيَّتُهُمُ الصِّغَارُ
وَالْكِبَارُ بِإِيمَانٍ مِنَ الْكِبَارِ وَمِنَ الْإِنَاءِ فِي الصِّغَارِ وَالْبُخَيْرِ الْحَقَقْنَا بِهِمْ فُرِيَّتَهُمُ الْمَذْكُورِينَ فِي الْحَنَةِ
فَيَكُونُونَ فِي دَرَجَتِهِمْ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلُوا يَعْمَلُوا تَكْرِمَةً لِلْإِنَاءِ بِاجْتِمَاعِ الْإِوَادِ الْيَوْمِ وَمَا أَلْتَنَّهُمْ بِنَجْمِ الْإِوَادِ
وَكَسْرِهَا، نَقَصَانَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ قَبْلَ زَادَةِ شَيْءٍ يَزِيدُ فِي عَمَلِ الْإِوَادِ كُلُّ أَمْرٍ يُعْمَلُ بِمَا كَسَبَ عَمَلٌ
مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ رَهْنٌ ﴿۲۱﴾ مَرْهُونٌ يُوعَدُ بِالْشَّرِّ وَيُجَارَى بِالْخَيْرِ وَآمَدُ ذُنُوبِهِمْ زِدْنَاهُمْ فِي وَقْتٍ بَعْدَ وَقْتٍ
بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾ وَإِنْ لَمْ يَصْرَحُوا بِطَلْبِهِ يَنْتَازِعُونَ يَتَعَاطُونَ فِيهَا أَيْ الْحَنَةِ كَأَسَا
خَمْرًا أَلْفَوْ فِيهَا بِسَبَبِ شُرْبِهَا يَقَعُ بَيْنَهُمْ وَلَا تَأْتِيَهُمْ ﴿۲۳﴾ بِهِ يَلْحَقُهُمْ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَيَطُوفُ
عَلَيْهِمْ لِلْحَنَةِ غِلْمَانٌ أَرْقَاءُ لَهُمْ كَانَتْهُمْ حُسْنًا وَنَظَافَةً لَوْ لَوْ مَكُونُونَ ﴿۲۴﴾ مَصُوفُونَ فِي الصَّدَفِ لِأَنَّهُ
فِيهَا أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِهَا وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ يَسْأَلُ بَعْضُهُمْ عَمَّا كَانُوا عَلَيْهِ وَمَا
وَصَلُّوا إِلَيْهِ تَلَذُّذًا وَاعْتِرَافًا بِالنِّعَةِ قَالُوا إِيْمَاءَ إِلَى عِلَّةِ الْوُضُوءِ إِنَّا كُنَّا قَبْلَ فِي الدُّنْيَا مُشْفِقِينَ
﴿۲۶﴾ خَائِفِينَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا بِالْمَغْفِرَةِ وَوَقْنَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ أَيْ النَّارِ لِدُخُولِهَا فِي
الْمَسَامِ وَقَالُوا إِيْمَاءَ أَيْضًا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ أَيْ فِي الدُّنْيَا نَدْعُوهُ أَيْ نَعْبُدُ مُوَحِّدِينَ أَنَّهُ بِالْكَسْرِ اسْتِغْنَاءً وَأَنَّ
كَانَ تَعْلِيلًا مَعْنَى وَبِالْفَتْحِ تَعْلِيلًا لَفْظًا هُوَ الْبَرُّ الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِي وَعْدِهِ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾ الْعَظِيمُ الرَّحْمَةُ
ترجمہ: سورۃ طور کی ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

قسم ہے طور کی (وہ پہاڑ جس پر حق تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوئے) اور کتاب (تورات یا قرآن) کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے
اور بیت المعمور کی (جو تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کی سیدھ میں ہے روزانہ جس کی ۷۰ ہزار فرشتے زیارت کرتے ہیں طواف اور
نماز کی صورت میں پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا) اور اونچی چھت (آسمان) کی اور دریائے شوریٰ جو پر (بھرا ہوا) ہے۔ بلاشبہ آپ کے رب کا
عذاب (مستحق پر) ضرور آکر رہے گا۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکے گا جس روز (یوم، واقع کا معمول ہے) آسمان تھر تھر کانپے گا (گھوم جائے گا) اور
پہاڑ ہٹ جائیں گے (ہوا ہو کر اڑ جائیں گے قیامت کے روز) بڑی کم بختی (مختی) ہوگی اس روز پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کی جو (فضول)
مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگ جائیں گے (کفر میں مصروف ہیں) جس روز کہ ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا
(زبردستی دھکیلا جائے گا یہ یوم تمور سے بدل ہے ان کو دھمکا کر کہا جائے گا) کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے (وہ
عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ وحی کے متعلق تم یہی کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے) کیا تم کو نظر نہیں آ رہا۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پھر خواہ اس پر
سہارا کرنا یا نہ کرنا (سہارا اظہار کرو یا گھبراہٹ کا) تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں (صبر کرنے سے اب کچھ فائدہ نہیں ہوگا) جیسا تم کیا کرتے
تھے ویسا ہی بدلہ (صلہ) تم کو دیا جائے گا۔ بلاشبہ متقی باغوں اور عیش کے سامان میں ہوں گے خوش دل (لذت اندوز) ہوں گے جو چیزیں
ما مصدر یہ ہے (ان کو ان کے پروردگار نے دی (عطا کی) ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا) (واقعاً ہم کا عطف
اتنا ہم پر ہے یعنی اس عطا اور نجات کی وجہ سے سرور ہوں گے ان سے کہہ دیا جائے گا کہ خوب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ (ہنسیا حال ہے بمعنی

متہین (اپنے اعمال کے بدلہ میں) (باسیہ ہے) تکیہ لگائے ہوئے (فی جنت میں جو ضمیر مستتر ہے اس سے حال ہے) تختوں پر جو ایک دوسرے کے برابر (پاس پاس) بچھے ہوئے ہوں گے اور ہم ان کا بیاہ کر دیں گے (جنت پر عطف ہے یعنی ان کی جوڑی بنادیں گے) گوری گوری، بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے (جن کی آنکھیں بڑی حسین ہوں گی) اور جو لوگ ایمان لائے (مبتداء ہے) اور ان کی پیروی کی (آمنو پر اس کا عطف ہے) ان کی (چھوٹی بڑی) اولاد نے بھی ایمان لانے میں بڑی اولاد نے تو خود ایمان لا کر اور چھوٹی اولاد نے والدین کے ساتھ تابع ہو کر آگے خبر ہے) ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ نفعی کر دیں گے (درجات جنت میں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے بڑوں جیسا عمل نہیں کیا والدین کے اکرام کے لئے اولاد کو ان کے ساتھ کر دیا جائے گا) اور ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔ (الغلام کے فخر اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے، کم نہیں کریں گے ان کے عمل میں سے کچھ (من زائد ہے والدین کے عمل سے اولاد کے عمل میں اضافہ کر کے) ہر شخص اپنے عمل میں (اچھا ہو یا برا) بندھا رہے گا (پابند ہوگا برائی کی وجہ سے پکڑ ہوگی اور بھلائی کا صلہ ملے گا) اور ہم روز افزوں دیتے رہیں گے (ہر وقت بڑھا چڑھا کر) میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا (اگرچہ صراحتہ خواہش کا اظہار نہیں کریں گے) آپس میں (لیکن دین کرتے ہوئے) چھین جھپٹ کریں گے وہاں (جنت میں) جام (شراب) میں کہ نہ اس میں بک بک لگے گی (باہمی شراب پینے کی وجہ سے) اور نہ کوئی بے ہودہ بات ہوگی (برخلاف دنیا کی شراب کے اور خدمت کے لئے پیش ہوں گے ان پر لڑکے (غلام) جو خاص انہی کے لئے ہوں گے گویا وہ (خوبصورتی اور صفائی) میں محفوظ موتی ہوں گے (جو سیپوں میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں جو ان کی خوب صورتی کی سب سے بہترین جگہ ہے) اور وہ آسنے سامنے متوجہ ہو کر آپس میں بات چیت کریں گے (ہر ایک دوسرے کی مزاج پر سی کر کے سرور و شکر گزار ہوگا) بولیں گے (کا میابی کے سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہم تو اس سے (پہلے دنیا میں رہتے ہوئے) اپنے گھروں میں بہت ڈرا کرتے تھے (عذاب الہی سے) لیکن اللہ نے ہم پر (مغفرت کر کے) بڑا احسان کیا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ (جور و نیکیوں میں گھسی جایا کرتی ہے اور یہ بھی کہیں گے کہ ہم پہلے (دنیا میں) دعائیں مانگا کرتے تھے (توجہ کے ساتھ عبادت بجالاتے تھے) واقعی وہ (انہ کسرہ ہمزہ کے ساتھ جملہ مستفقہ ہے۔ اگرچہ بلحاظ معنی علت ہے اور فتح ہمزہ کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے) بڑا محسن (اپنے وعدہ کا سچا احسان کرنے والا) مہربان (بڑی رحمت والا) ہے۔

تحقیق و ترکیب: والطور۔ ان پانچ قسموں کا جواب ان عذاب ربک الواقع آگے آ رہا ہے۔ پہلا واؤ قسمیہ ہے اور بقیہ واؤ عاطفہ ہیں۔ بقول خلیلؒ کے لیکن سبب کی رائے ہے کہ سب واؤ قسمیہ ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ طور خاص پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت موسیٰؑ کو مدین سے آتے ہوئے اللہ سے شرف ہمکامی حاصل ہوا ہے۔ یہ جنتی پہاڑ ہے اور بقول سدیؒ بھی طور سینا ہے۔ لیکن مقاتلؒ بن حبان کہتے ہیں کہ طور سینا اور طور زینا دو الگ الگ پہاڑ ہیں جن پر انجیر اور زیتون کے درخت ہوتے ہیں۔

رق منشور۔ رقبہ باریک چھل اور ہر وہ چیز جس پر لکھا جائے عام قراءت فتح راکی اور قراءت شاذہ کسر را کے ساتھ ہے منشور پھیلی ہوئی کتاب مسطور کی تفسیر تورات قرآن سے کی ہے۔ صحائف اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ آیۃ و نخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشور ائیں اعمالنا سے مراد ہیں اور بعض نے تمام کتب آسمانی مراد لی ہیں۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں۔

والبیت المعمور۔ بیت اللہ ہی مراد ہو سکتا ہے دونوں صورتوں میں کثرت زائرین کی وجہ سے معمور اور آباد رہتا ہے بیت المعمور کون سے آسمان پر ہے اس میں چھ اقوال ہیں۔ بقول ابن عباسؓ کعبۃ اللہ کی محاذات میں ہے اس صورت میں سب اقوال مختلفہ میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ المسجور۔ ابن جریرؒ قنادہ کے نزدیک بھرنے کے معنی ہیں۔ قاموس کے مطابق سجر الماء ای ملاء۔ ابن جریر نے مجاہدؒ سے دکنے کے معنی نقل کئے ہیں جو جہنم کی صفت ہے قیامت میں اہل موقف کو آگ کا سمندر گھیر لے گا اور بعض نے زمین کی وجہ سے سمندر پر روک لگنے کے

معنی لئے ہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ سے مرفوع روایت ہے کہ ہر رات تین مرتبہ سمندر زمین کو ڈبوئے گا ارادہ کرتا ہے مگر حق تعالیٰ کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ سے اور بقول ابن جریرؒ ماہین عمرہ سے منقول ہے کہ عرش کے نیچے آسمان پر دریا کا نام ہے۔
من دافع۔ فاعل ہے یا مبتداء ہے بہر صورت من زائد ہے۔

تسیر العبال۔ ریت بن کر اڑ جائے گا۔ ہباء منثور تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ پہاڑوں سے اپنی جگہ سے اس طرح منتقل ہونا مراد ہے کہ ان کا نام و نشان نہ رہے۔ پہلے زمین پر گر کر چورہ چورہ ہو جائیں گے۔ پھر ریت کی طرح باریک اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ اور حکمت الہیہ یہ دکھانا ہے کہ جب پہاڑوں کا یہ حال ہے تو اور چیزیں دوبارہ دنیا میں کیسے واپس ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جب انسان ہی دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا تو اور تمام چیزیں تو اسی کی خاطر بنائی گئی تھیں وہی رہ کر کیا کریں گی۔ اس طرح دنیا کی تخریب میں آخرت کی تعمیر مضر ہوگی جو نمایاں ہو جائے گا۔

یدعون۔ دع کے معنی سختی سے دفع کرنے سے ہیں۔ پاؤں باندھ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

ام انکم لا تبصرون۔ اس کا عطف مقدر پر ہے ای۔ هذا سحر جیسا کہ مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

سواء علیکم۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای صبر کم و ترک جیسا کہ ابوالقاء کے رائے ہے اور مبتداء محذوف الخبر بھی ہو سکتا ہے ای سواء علیکم والجزع۔ لیکن نکرہ کا خبر ہونا بہ نسبت مبتداء بنانے کے بہتر ہوتا ہے لیکن زخشری دوسری صورت مانتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا میں تو صبر کا رگر ہوتا ہے۔ مگر آخرت میں بے سود ہوگا۔

ہنیئا۔ یہ حال ہے یا مصدر محذوف یا مفعول بہ محذوف کی صفت ہے ای اکتلا ہنیئا او طعاما ہنیئا بہر صورت اس میں کلو او اشربوا دونوں افعال کا تانہ ہو رہا ہے۔ ہنیئا کے معنی خوشگوار بنے ہیں جس کے کھانے میں اچھو نہ لگ جائے اور گلے میں نہ پھنسے۔

زوجنا ہم۔ مفسر نے اشارہ کر دیا ہے کہ تزوج متعارف مراد نہیں ہے۔ کیونکہ جنت میں حوریں ملو کہ ہوں گی نہ کہ منکوحہ۔ اس لئے مقاربت کے معنی ہیں۔

حور عین۔ عین جمع ہے عیناء ہے۔ حور جمع ہے حوراء کی۔ گوری چٹی۔

واجبتھم۔ اس کا عطف آمنو پر ہے اور بعض نے اس کو جملہ محترمہ کہا ہے بیان علت کے لئے اور زخشری کے نزدیک حور عین پر السلین آمنوا کا عطف ہے اور واجبتھم کا زوجنا ہم پر عطف ہے۔

یہاں الحقنا کا مطلب یہ ہے کہ والدین کے عظیم ایمان کی وجہ سے اولاد کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ کیوں کہ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اور بخوشی کہتے ہیں کہ بڑی اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کسن اولاد والدین کے ایمان کی وجہ سے ماں باپ کے درجات میں پہنچا دی جائے گی۔ تاکہ والدین کے لئے باعث طمانیت ہو۔ جیسا کہ سعید ابن جبیرؒ ابن عباسؓ سے نقل کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذریت سے مراد تعلق اور محبت والے ہیں۔ خواہ ماں باپ ہوں یا اولاد، بھائی بند ہوں یا دوست احباب۔ گویا ذریت کسی ہو یا سہمی سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے۔ اعلیٰ عمل والوں کے زمرہ میں ادنیٰ عمل والے بھی شامل کر دیئے جائیں گے۔

جہاں تک دنیاوی احکام کا تعلق ہے مسلمانوں کی چھوٹی اولاد مسلمان اور کافروں کی کافر بھی جائے گی۔ لیکن بلحاظ آخرت کے علماء مختلف الرائے ہیں۔ اکثر تو اسی رائے پر ہیں کہ دنیا کی طرح آخرت میں اولاد ماں باپ کے تابع ہوگی۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ مشرکین کی اولاد جہنم میں داخل نہیں کی جائے گی۔ ابام محمدؒ فرماتے ہیں لا یُعذب اللہ احد ابلا ذنب اور بعض کی رائے ہے کہ کافر بچے جنت میں مسلمانوں کے خدمت گار ہوں گے، اور بعض کی رائے ہے کہ بچے خواہ کسی مذہب کے ہوں ایسے ہی رہیں گے کہ نہ جنت میں داخل ہوں گے نہ جہنم میں۔

امام اعظم چار مسئلوں میں توقف فرماتے ہیں۔ اولاد مشرکین کے متعلق، اسی طرح خنثی مشکل کے متعلق اور ختنہ کس وقت کی جائے اور دنیا کی مدت کتنی ہے چاروں کی نسبت لا ادری فرمایا۔

حدیث اللہ اعلم بما کانوا عاملین کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو امام صاحب کے لئے موید ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ بچے اگر زندہ رہتے تو کیا عمل کرتے۔ اللہ انہی فرض اعمال کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔

اس کا حاصل بھی وہی نکلتا ہے کہ یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب ابتداء میں مسلمان بچوں کے متعلق بھی متامل تھے۔ لیکن جب ان کے ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی ہونے کی وہ آیات امام صاحب کو پہنچیں تو پھر انہوں نے توقف سے رجوع فرمایا۔ یعنی قطعی دلیل معلوم نہیں تھی۔ ورنہ آیت النحفا بہم ذریتہم سامنے تھی۔ لیکن آیت میں چونکہ مختلف احتمالات ہیں ایمان قصدی مراد ہے یا ایمان ازلی اور ایمان تبعی مقصود ہے۔ اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ پھر قطعی طور پر انبیاء اور مشرہ وغیرہ کے علاوہ کسی کے متعلق جنتی ہونے کو نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح ابولہب اور ابوجہل وغیرہ متعینہ کافروں کے علاوہ یقینی طور پر کسی کافر کے جہنمی ہونے کو نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ تمام مومنین جنتی اور کافر جہنمی ہیں اور بچے والدین کے تابع جنت یا جہنم میں ہوں گے یا ان کا حال مشکوک ہے۔ لیکن کسی بچہ کو بھی متعینہ طور پر جنتی نہ کہا جائے گا ورنہ جہنمی بہر حال اس بارے میں چار مسلک ہیں۔

۱۔ بچے والدین کے تابع ہوں گے۔

۲۔ فی نفسہ بچوں کی حالت کا اعتبار کر کے معاملہ کیا جائے گا۔

۳۔ ماں باپ دونوں کے مجموعے کا اعتبار کیا جائے گا۔

۴۔ ماں باپ اور بچوں کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور صحابہ کے وہ بچے جو ان کے کفر کے زمانہ میں مرے ان کے متعلق توقف مناسب ہے۔ لیکن کافروں کے وہ بچے جو ان کے مسلمان ہونے کے زمانہ میں مرے وہ جنتی ہیں۔ نیز متعینہ طور پر جب بڑوں کی نسبت جنتی یا جہنمی ہونے کا یقین نہیں لیا جاسکتا تو بچوں کے متعلق متعینہ طور پر کیسے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ فرع کا اصل سے بڑھنا لازم آجائے گا۔ بالخصوص جب کہ بعض بچے فطرۃ شقی ہوتے ہیں۔ جیسے وہ بچہ جس کو حضرت خضرؑ نے حکم الہی مار دیا تھا حالانکہ اس کے والدین مومن تھے پھر مومن کی اولاد کا جنتی ہونا تو احادیث سے معلوم بھی ہے۔ مگر کافر اور منافقین کی اولاد کا حال بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ شروع میں آنحضرت ﷺ کو مطلقاً بچوں کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ بعد میں مسلمانوں کے بچوں کا حال معلوم ہو گیا۔ مگر دوسرے بچوں کا حال آپ نے بیان نہیں کیا۔ لہذا وہ اپنے حال پر رہیں گے۔

التناہم۔ کسرہ لام کے ساتھ ابن کثیر کی قراءت ہے اور بقیہ نصب لام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ الا نفع کے معنی نقصان کے ہیں۔

بما کسب رہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اہل جہنم کے ساتھ خاص ہے وہی اپنے اعمال میں بندھے ہوئے ہوں گے۔ اہل ایمان مراد نہیں۔ وہ محض اپنے عمل میں بندھے ہوئے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ کل نفس بما کسبت رہینۃ الا صاحب الیمین۔ لیکن زخمریؑ کی رائے ہے کہ کل نفس عام ہے اہل خیر و شر سب کو نیک عمل اپنی نیکی کی وجہ سے گلو خلاصی پائے گا ورنہ گردن پھنسی رہے گی۔

اور آیت میں ایک توجیہ اور بھی ہو سکتی ہے کہ رہین بروزن فعیل بمعنی فاعل ہو یعنی ہر شخص اپنے عمل میں راہن اور گروی ہے۔ اگر نیک ہے تو دوامی جنت ورنہ کافر منافق کے لئے دوامی جہنم، اور بقول مفسرین بمعنی مرہون ہے یعنی ہر شخص عمل کا پابند ہے اس سے عمل کا مطالبہ ہے اگر مطالبہ پورا کر دیا تو اس کا نفس رہین سے رہا ہو جائے گا ورنہ مواخذہ کے لئے بندھا رہے گا۔

یتنازعون۔ بے تکلف دوستوں میں چھین چھوٹ چونکہ تفریح طبع کا سامان ہوا کرتی ہے۔ اس لئے صورتہ تنازع سے تعبیر کیا ہے حقیقہ

تنازع مراد نہیں ہے۔

کامسا۔ شراب سے بھرا ہوا پیاناہ اور گلاس اور قرب و مجاورت کی وجہ سے مجازاً شراب کو بھی کہتے ہیں۔
لا لغو فیہا۔ یعنی شراب کی مستی میں اول قول نہیں کہیں گے۔

غلمان لہم۔ جس طرح حوریں نئی مخلوق ملو کہ ہوں گی اسی طرح غلمانوں کی نئی مخلوق، ملوک ہوگی۔ تاکہ دنیا میں جو غلام باندی رہے ہوں وہ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا کی طرح جنت میں بھی ہم غلام بن کر رہیں گے۔ اس خیال سے ان کی دل آزاری ہوتی۔ اس لئے حور و غلمان پیدا کر کے دل داری فرمادی گئی۔

فی اہلنا مشفقین۔ اپنے اہل و عیال میں رہ کر عموماً انسان بے خوف رہتا ہے مگر اہل ایمان جب اس حال میں بھی اللہ کا خوف و خشیت رکھتے ہیں تو گویا ہر حال میں خائف رہتے ہیں اسی طرح دائمی خوف مراد ہوگا۔ لیکن بعض حضرات مشفقین شفق سے ماخوذ مانتے ہیں یعنی اپنے متعلقین پر نرمی کرتے ہیں اس لئے مستحق رحمت ہوئے۔

عذاب السموم۔ چونکہ مسامات میں گھس جائے گا۔ نیز اس میں سمیت اور زہر کے اثرات ہوں گے اس لئے ریح مسمومہ اور گرم ہوا کو کہا جاتا ہے۔

انہ ہو البر الرحیم۔ یہ لحاظ معنی ندعوہ کی علت ہے یعنی اللہ کے محسن و مہربان ہونے کی وجہ سے ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔

رابط آیات:..... پچھلی سورت ”یوم موعود“ کی وعید پر ختم ہوئی تھی۔ سورہ طور اسی مضمون سے شروع ہو رہی ہے۔ وعید کے بعد قرآن کی حسب عادت مومنین کے لئے وعدہ کا بیان ہے۔

شان نزول و روایات:..... والبيت المعمور۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اللہ فی السموات والارض خمسة عشر بیتا سبعة فی السموات وسبعة فی الارضین والکعبة وکلھا مقابلة للکعبة۔

حسنؓ فرماتے ہیں۔ البيت المعمور هو الکعبة وهی البيت الحرام الذی هو معمور بالناس بعمره اللہ کل سنة بستمائة فان عجز الناس عن ذلک اتمه اللہ بالملائکة وهو اول بیت وضعه اللہ للعباد فی الارض۔

الحقنا بهم ذریعتهم۔ لغوی، ضحاک، سعید بن جبیر، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بالغ اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کس اولاد ماں باپ کے تابع ہو کر داخل جنت ہوگی۔ بلکہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایات ہیں۔

۱۔ ان اللہ یرفع ذریۃ المومن معه فی درجته فی الجنة وان کانوا دونہ فی العمل لقر بہم عینہ۔

۲۔ اذا دخل الرجل الجنة سال عن ابویہ وولده وزوجتہ فیقال انہم لم یبلغوا درجتک وعملک فیقول یا رب قد عملت لی ولہم فیومر بالحاقہم بہ۔ بلکہ ذریت کے مفہوم میں آباء اور اپنا دونوں آتے ہیں کیونکہ اعلیٰ مومن کے ساتھ اس کے متعلقین بھی منسلک ہوں گے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کا ارشاد ہے ذریت نسبی ہو یا نسبی اسی طرح افادہ کا تعلق ہو یا ولادت کا۔ وہ کارآمد ہوگا۔ یعنی بلند درجات بڑوں کے ہوں یا چھوٹوں کے کم درجہ متعلقین کو اس سے ضرور فائدہ ہوگا۔ چنانچہ آیۃ لہم انما حملنا ذریعتہم فی القلث المشحون سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت میں آباء بھی داخل ہیں۔

غلمان لہم۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے۔ ما من احد من اهل الجنة الا یسعی علیہ الف غلام وکل غلام علی عمل غیر ما

علیہ صاحبہ -

حضرت حسنؑ سے منقول ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ الخادم کاللولو المکنون فكيف المخدم، قال فضل المخدم على الخادم كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب -

﴿تشریح﴾..... کتاب مسطور - اس سے ممکن ہے لوح محفوظ مراد ہو یا قرآن کریم۔ یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سادہ مراد ہوں۔ یا لوگوں کا اعمال نامہ غرض سب احتمالات ہیں۔

بیت المعمور - ممکن ہے کعبۃ اللہ مراد ہو یا کعبۃ اللہ کی ٹھیک محاذات میں ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ مراد ہو۔ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔

سقف مرفوع - اس سے آسمان مراد ہے جو چھت کی طرح ہے۔ یا عرش اعظم مراد ہے۔ جو سب آسمانوں سے اوپر ہے۔ البحر المسجور - دنیا کے اہلے ہوئے چشمے مراد ہیں یا آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے عظیم دریا مراد ہے۔ جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ يوم تمور السماء - قیامت کا روز مراد ہے۔ اس کا تھر تھر کا پنا معنی متبادر کے اعتبار سے ہے یا اس کا پھٹنا مراد ہے جیسا کہ اذا السماء انشقت میں فرمایا گیا ہے ابن عباسؓ کی ان دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بطور تعاقب دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے۔ وتسير الجبال - یہاں پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور ٹل جانا مراد ہے۔ لیکن دوسری آیات میں ریزہ ریزہ ہونا پھر اڑ جانا بیان کیا گیا ہے ينسفها ربي نسفاً وبست الجبال بساً فكانت هباء منبثاً ان سب احوال میں کوئی بھی تعارض نہیں ہے۔

مختلف قسموں کی مناسبت:..... ان قسموں کو مضمون سے مناسبت یہ ہے کہ قیامت کی اصل حقیقت مجازات ہے اور مجازات میں اصل احکام شرعیہ ہیں۔ پس طور کی قسم کھانے میں اللہ کے صاحب کلام و صاحب احکام ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر احکام کی موافقت یا مخالفت ہی بنیاد ہے مجازات کی۔ اس لئے اعمال نامہ کی قسم کھانے میں اشارہ ہے۔ اس موافقت یا مخالفت کے مضبوط و منضبط ہونے کی طرف۔ گویا عبادت اور اطاعت احکام کے ضروری ہونے پر بھی مجازات موقوف ہے۔ اس لئے بیت المعمور سے اشارہ ہے عبادت کے ایسے ضروری ہونے کی طرف کہ فرشتے باوجود یکہ مجازات و احکام کے مکلف نہیں۔ مگر پھر بھی عبارت کے لئے مامور ہیں انہیں بھی آزار نہیں چھوڑا گیا۔ پھر مجازات کا نتیجہ دو چیزیں ہیں جنت و جہنم۔ پس آسمان کی قسم کھانے میں جنت کے رفیع المکان ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بحر مجبور کی قسم کھانے میں جہنم کے ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تقریر تو ان قسموں کی تخصیص کی ہوئی اور نفس قسم کی توجیہ سورہ حجر کی آیت لعنک الخ میں گزر چکی ہے اور قسم کی غرض و غایت پر کلام سورہ صافات کے شروع میں گزر چکا ہے۔ آگے قیامت کے بعض واقعات کا ذکر ہے۔

دوزخ میں کفار کی حالت زار:..... فويل للمكذبين - یعنی جو لوگ کھیل کود میں مشغول ہو کہ آج طرح طرح کی باتیں بنا کر قیامت کو جھٹلاتے ہیں ان کے لئے آخرت میں سخت خرابی اور تباہی ہوگی۔ فرشتے انہیں ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور کہیں گے کہ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے وہ آگ حاضر ہے۔ تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر اور ان کے پیغام کو جادو بتلایا کرتے تھے اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی اطلاع انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جس طرح دنیا میں تمہیں کچھ سوچتا تھا اب بھی نہیں سوچتا۔ اب دوزخ میں پڑ کر گھبراؤ چلاؤ تب کوئی فائدہ نہیں، کوئی فریاد سننے والا نہیں اور بغرض محال چپ سادہ کر صبر کر کے پڑے رہو۔ تب کوئی رحم کرنے والا نہیں۔ غرض یہ دونوں حالتیں یکساں غیر مفید ہوں گی۔ اب اس جہنم خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں۔ جو کر تو ت کر

کے آئے ہو، اس کی سزا بھی جس دوام اور ابدی عذاب ہے۔

جنتیوں کے مزے..... ان الممتقین۔ یعنی برخلاف اللہ سے ڈرنے والوں کے وہ وہاں بالکل مامون و مطمئن ہوں گے۔ ہر قسم کا سامان عیش ان کے لئے مہیا ہوگا۔ اور یہی انعام کیا کم ہے کہ انہیں دوزخ کے عذاب سے اللہ نے بچالیا۔ جنت میں ان کی زندگی شاہانہ اور شاہدہ دار ہوگی اپنے اپنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے جو نہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھے ہوئے ہوں گے۔ اہل و عیال اور متعلقین، خدام و اتباع سب سامنے ہوں گے۔ گواصا غر کے کام اس درجہ کے نہ ہوں۔ لیکن اکابر کے اکرام اور خوشی کی خاطر بخین و قبعین کو بھی خصوصی نوازشوں سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ کابلین کی نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دے دیا جائے گا یا کابلین و ناقصین کو برابر کر دیا جائے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے اور کابلین کی خوشنودی مزاج کے لئے ناقصین کو ابھار دیا جائے گا اور یکسانیت کے باوجود اصل نقل و رتالبع متبوع کا فرق بدستور رہے گا۔

بخاری کی روایت ہے۔ قالت الانصار۔ یا رسول اللہ ان لكل قوم اتباعا واناقد اتباعناک فادع الله ان يجعل اتباعنا منا قال النبی ﷺ اجعل اتباعهم منهم۔ آخرامراء کے محلات میں ان کے خدام بھی ساتھ رہتے ہیں۔ مگر خدام و مخدوم کا فرق پھر بھی بحال رہتا ہے۔

اوز ذریت میں ایمان کی شرط اس لئے ہے کہ اصل کے ساتھ الحاق اس کے بغیر نہیں ہوگا۔ جس طرح مومنین کی مومن ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ اسی طرح کافروں کی ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ البتہ مومن کی کافر ذریت یا کافر کی مومن ذریت وہ تھی نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی صورت میں کل امری بما کسبت رہیں کا اصول کافر ماہوگا۔

ذریت کا مفہوم عام ہے..... ظاہر عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے بڑی اولاد مراد ہے۔ جیسا کہ بایمان کی قید بھی اس کا قوی قرینہ ہے اور چھوٹی اولاد کا حکم احادیث میں ارشاد ہے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ کسب اولاد مومن ہو یا کافر اپنے اپنے مسلم و کافر والدین کے ساتھ ہوں گے۔ حدیث اللہ اعلم بما کانوا عاملین کی رو سے اور بعض کی رائے ہے کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ کی رو سے تمام ذریت جنتی ہوگی۔ البتہ ذراری مشرکین غلاموں کی حیثیت سے دیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ غیر مکلف ہونے کی وجہ سے دونوں ذریتیں اعراف میں رہیں گی۔ اور جمہور دلائل متعارض ہونے کی وجہ سے توقف کو پسند کرتے ہیں اور اہل آیت کی تفسیر میں جو حدیث ہے اس میں آباء کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں ذریت پر ولد معطوف ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے مطلق توابع مراد ہیں۔ جس میں بیویاں، دوست، احباب، شاگرد، مرید، معتقد سب آجاتے ہیں۔ اس طرح آیت کا مفہوم بہت وسیع ہو جائے گا۔ بلکہ اگر اخلاف عالی رتبہ ہوں تو اسلاف بھی ان کے ہم رتبہ ہو کر ذریت کے عموم میں داخل ہو جائیں گے۔

اس پر اگر شبہ ہو کہ جب مومن کے اصول و فروع سب اس کے ساتھ شریک ہو گئے تو جب وہ اصول و فروع بھی مومن ہوں تو ان کے اصول و فروع بھی ہم درجہ ہوں گے تو لازم آئے گا کہ سب جنتی ایک ہی درجہ میں ہو جائیں حالانکہ فرق مراتب اور اختلاف درجات مسلم ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ الحاق صاحب درجہ کے اصل عمل کی وجہ سے ہے اور یہ اصالت تابع در تابع میں باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس کے ساتھ دوسروں کا ملحق ہونا لازم نہیں آتا۔

قانون فضل و عدل..... کل امری بما کسبت رہیں۔ پہلی آیت میں اللہ کے فضل کا بیان تھا اور اس آیت میں قانون عدل کا

ذکر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے اچھا برا جو کام کیا اس کو اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔

آگے آیت و امددناہم سے نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ شراب کا دور چلے گا تو خوش طبعی اور چھینا چھٹی بھی ہوگی۔ جس سے بے تکلفی، لذت و سرور میں اضافہ ہوگا۔ شراب میں فرحت، قوت، نشاط، انبساط تو ہوگا مگر نشہ، سرگرائی، فتنہ عقلی، کجواس نہیں ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی۔ موتیوں جیسے غلمان ہوں گے۔ جس طرح سیپ میں موتی صاف شفاف اور گرد و غبار سے پاک ہوتا ہے۔ یہی حال غلمانوں کا ہوگا۔ پھر آپس میں خوش گپیاں ہوں گی۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی کریں گے اور دنیا کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے کہیں گے۔ میاں ہم دنیا میں ڈرا کرتے تھے کہہ دیکھئے مرنے کے بعد کیا انجام ہوگا۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ مگر اللہ کا احسان اور شکر ہے کہ اس نے کیسا بے فکر کر دیا۔ اب دوزخ تو دوزخ اس کی آج بھی نہیں لگے گی۔ ہم اللہ کو امید و بیم کی ملی جلی کیفیت میں پکارا کرتے تھے۔ مگر اس نے سن لی اور ہمارے ساتھ کیا ہی عمدہ برتاؤ کیا گیا۔

لطائف سلوک:الذین امنوا الخ۔ اس سے شرف نسبی کا آخرت میں کارآمد ہونا ثابت ہوا۔ مگر دینی شرف مراد ہے نہ کہ عرفی جاہ و عزت۔

یسناسعون فیہا کاسا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں کے ساتھ مزاج و انبساط برائیں۔ جیسا کہ خشک زاہد خوش طبعی کو خلاف و قار سمجھتے ہیں بلکہ مزاج مسنون ہے۔ بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو ورنہ وقار کے منافی ہوگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کے مال میں بشرطیکہ اس کی طیب خاطر کا یقین ہو تصرف کرنا جائز ہے۔

فَذَكِّرْ دُمْ عَلَى تَذَكِيرِ الْمُشْرِكِينَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ لِقَوْلِهِمْ لَكَ كَاهِنٌ مَجْنُونٌ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ أَى بِإِنْعَامِهِ عَلَيْكَ بِكَاهِنٍ خَبِيرٍ وَلَا مَجْنُونٌ ﴿۲۹﴾ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ هُوَ شَاعِرٌ تَتَّبِصُّ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ﴿۳۰﴾ حَوَادِثُ الدَّهْرِ فِيهِلِكَ كَغَيْرِهِ مِنَ الشُّعْرَاءِ قُلْ تَرَبَّصُوا هَلَا كُنَى فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۳۱﴾ هَلَاكُمْ فَعَذَّبُوا بِالسَّيْفِ يَوْمَ بُدْرٍ وَالتَّرَبُّصُ الْإِنْتِظَارُ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَخْلَامُهُمْ عَقُولُهُمْ بِهِذَا أَى قَوْلُهُمْ لَهُ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شَاعِرٌ مَجْنُونٌ أَى لَا تَأْمُرُهُمْ بِذَلِكَ أَمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ بِعِنَادِهِمْ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوْلُهُ ۚ اخْتَلَقَ الْقُرْآنُ لَمْ يَخْتَلَقْهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ اسْتَكْبَارُ أَفَانِ قَالُوا اخْتَلَقَهُ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مُخْتَلَقٍ مِثْلَهُ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾ فِى قَوْلِهِمْ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَى خَالِقٍ أَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَنْفُسُهُمْ وَلَا يَعْقِلُ مَخْلُوقٌ بِدُونِ خَالِقٍ وَلَا مَعْدُومٌ يَخْلُقُ فَلَا بَدَّ لَهُمْ مِنْ خَالِقٍ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ فَلَمْ لَا يُؤْخَذُونَ وَيُؤْمِنُونَ بِرَسُولِهِ وَكِتَابِهِ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى خَلْقِهَا إِلَّا اللَّهُ الْخَالِقُ فَلَمْ لَا يَعْبُدُونَهُ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ وَالَّا لَا أَمِنُوا بِنَبِيِّهِ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالرِّزْقِ وَغَيْرِ هَمَا فَيَحْضُوا مَنْ شَاءَ وَابِمَا شَاءَ وَأَمْ هُمْ الْمُضْطَرُّونَ ﴿۳۷﴾ الْمُتَسَلِّطُونَ الْجَبَّارُونَ وَفِعْلُهُ صَيَّرَ وَمِثْلُهُ يَبْطِرُ وَيَقْرَأُ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ مَرْقَى إِلَى السَّمَاءِ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۚ أَى عَلَيْهِ كَلَامُ الْمَلَائِكَةِ حَتَّى

معدوم خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا، تو ماننا پڑے گا کہ ان کا ضرور کوئی خالق ہے اور وہ اللہ یگانہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ کیوں نہیں تو حید ماننے اور کیوں اس کے رسول اور کتاب کو تسلیم نہیں کرتے (یا انہوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا) حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ان کو پیدا نہیں کر سکتا۔ پھر کیوں اس کی بندگی نہیں کرتے) بلکہ یہ لوگ یقین نہیں کرتے۔ (ورنہ نبی پر ضرور ایمان لے آتے) کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں (نبوت و رزق وغیرہ کے جس کو جتنا چاہیں دے ڈالیں) یا یہ لوگ حاکم ہیں (صاحب سلطنت و مظلوت، صیطر، بیطر اور بیقر کی طرح فعل ہے) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (آسمان پر چڑھنے کیلئے) کہ اس پر باتیں سن لیا کرتے ہیں (فیہ معنی علیہ، فرشتوں کی بات چیت سنتے ہوں، حتیٰ کہ اپنے گمان کے مطابق حضور ﷺ سے الجھ پڑتے ہیں، واقعی اگر ایسا ہے) تو ان میں جو باتیں سن آتا ہو (بات سننے کا دعویٰ دار ہو) وہ کوئی صاف دلیل پیش کرے (روشن کھلی حجت اور اسی کے مشابہ چونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے فرمایا) کیا اللہ کے لئے بیٹیاں (تمہارے خیال کے مطابق) اور تمہارے لئے بیٹے ہیں (اللہ تمہارے اس خیال سے پاک ہے) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں (دین پہنچانے پر) کہ وہ تاوان (ڈانڈ) سے دبے جا رہے ہیں (اس لئے اسلام قبول نہیں کرتے) کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ اس کو لکھ لیا کرتے ہیں (تا کہ اپنے خیال کے مطابق قیامت و آخرت کی نسبت حضور ﷺ سے الجھنے کا موقع ملتا ہو) کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (آپ کی شان میں آپ کو ختم کرنے کے لئے دارالندوہ میں) سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے (مغلوب و برباد، چنانچہ اللہ نے حضور ﷺ کو محفوظ رکھا اور ان کو بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا) کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے (جو دوسرے معبودوں کو شریک کر کے کرتے ہیں، ان تمام مواقع پر استفہام برائی اور سرزنش کے لئے ہے) اور اگر وہ آسمان کے کسی ایک ٹکڑے کو دیکھ لیں گے کہ گرنا آ رہا ہے (ان پر جیسا کہ خود ان کی درخواست ہے۔ ربنا اسقط علينا کسفا من السماء بطور سزا کے) تو یوں کہہ دیں گے کہ (یہ تو) تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے (جو غلیظ ہے اس سے ہم سیرابی حاصل کریں گے مگر ایمان نہیں لاتے) سو کورہنے دیجئے یاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس میں (مر کر) انکے ہوش اڑ جائیں گے جس دن کچھ نہیں کارگر ہوں گی (یوم سے بدل ہے) ان کی کچھ تدبیریں اور نہ ان کو (آخرت میں عذاب سے بچاؤ کے) لئے (کچھ مدد مل سکے گی اور ان ظالموں کے لئے) ان کے کفر کے سبب) اس سے پہلے ہی عذاب ہونے والا ہے (مرنے سے پہلے دنیا میں چنانچہ سات سال تک بھوک اور قحط کی سزا میں جکڑے رہے۔ پھر غزوہ بدر میں موت کا القہہ بنے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔) کہ ان پر عذاب ہوگا) اور آپ پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے (ان کی ڈھیل پر تنگ دل نہ ہو جائیے) کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں (سرکاری تحویل میں ہم چوکی سے آپ کی نگرانی کر رہے ہیں) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے (سبحان اللہ و بحمدہ پڑھا کیجئے) اٹھتے وقت (سو کر یا مجلس سے) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (حقیقت میں) اور ستاروں سے پیچھے بھی (ادبار مصدر ہے یعنی ستارے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح پڑھا کیجئے۔ یا پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مغرب و عشاء کی نماز پڑھا کیجئے۔ اور دوسرے جملہ سے سنت الفجر یا نماز فجر مراد ہوگی)۔

تحقیق و ترکیب: بنعمہ ربک۔ اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ما کے اسم و خبر کے درمیان یہ قسم ہے۔ اور جواب قسم محذوف ہے موجودہ جملہ ”بکاهن ولا معجون“ دال پر جواب قسم ہے۔ دوسرے یہ کہ باطل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے اور بکاهن ولا معجون عامل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ما انت کاهنا ولا معجوننا حال کونک متلبسنا بنعمہ ربک جیسا کہ ابوالبقا کی رائے یہ حال لازمہ ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ باسیبہ ہو اور جملہ منفیہ کے مضمون سے متعلق ہو اور یہی آیت کریمہ کا مقصود ہے۔ اى انتفى عنک الکھانۃ و المعجون بسبب نعمۃ اللہ علیک یا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے

ما اذ بمعسر بحمد الله وغناه۔

ام یقولون - یہاں تمام پندرہ مواقع میں ام مقطوعہ ہے۔ البتہ ہم قوم طاغون میں تقریر کے لئے ہے مفسر کتب جگہ بل اور ہمزہ مقدر کرنا چاہیے تھا استفہام انکاری تو بیٹی ہے۔

رب المنون - چونکہ حوادث دہر کو رب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لئے استعارہ تصریحیہ ہے دونوں میں وجہ شبہ تکرار ہے ایک حالت پر شبہ اور نہ ہونا اور بعض کے نزدیک منون سے مراد موت ہے جو عدد گھٹا دیتی ہے اور مدد منقطع کر دیتی ہے۔

بھدا - یعنی قریش خود کو اہل دانش و بینش سمجھتے ہیں۔ مگر تاقض دعویٰ کرتے ہیں۔ کبھی آپ کو ساحر، کاہن کہتے ہیں اور کبھی شاعر، مجنون۔ کیونکہ اول کے تین لفظوں سے کمال اور آخر کے لفظ سے نقصان معلوم ہوتا ہے۔ مفسر نے لا تا مرہم اور لم یخلقہ کہہ کر استفہام انکاری تو بیٹی علی طرف اشارہ کیا ہے۔

فلما اتوا بحلیث - مفسر نے شرط مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ترجمہ ان کانوا صادقین ہے۔

امام رازنی فرماتے ہیں کہ چونکہ مطلقاً ایمان مطلوب نہیں کہ محال ہونے کا شبہ کیا جائے اور امر کو مجاز پر محمول کیا جائے۔ بلکہ شرط معلق ہونے کی وجہ سے مشروط ایمان مطلوب ہے اس لئے امر کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ یا امر کو تعجیز کے لئے کہا جائے۔ جیسے فان الله ياتى بالشمس فات بها من المغرب میں ہے۔

ام هم الخالقون - مفسر نے ولا یعقل مخلوق الخ سے توام خلقوا من غیر شئی کی طرف اور لا معلوم یخلق سے ام هم الخالقون کی جانب اور لا معلوم یخلق سے نیز معدوم ہوتے ہوئے خود اپنے خالق ہونے کے احتمال کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان سب صورتوں کا بطلان واضح ہے۔

تخزن دباک - عکرمہ، خزائن نبوت اور کلمی خزائن مدق مراد لیتے ہیں۔ مگر مفسر نے عام رکھا جو جامع ہے۔

المصیطرون - سین کے ساتھ پڑھتے ہیں مجمع البحار میں ہے کہ مصیطر کے معنی کسی چیز کے لگنے کو آمادہ اور تیار ہونے کے ہیں۔ مسطر کتابت کو بھی کہتے ہیں۔ مفعیل کے وزن پر پانچ الفاظ آتے ہیں۔ چار ام فاعل کی صفت ہوتے ہیں۔ ۱۔ مہین ۲۔ مہیق ۳۔ مہیق ۴۔ مہیق اور ایک لفظ خمیر پہاڑ کا نام ہے۔ مصیطر جانوروں کے علان و معالجا کو کہتے ہیں۔ اور مصیق کے معنی فاسد ہونے ہلاک ہونے اور تکبر کی چال چلنے کے آتے ہیں۔

ام لهم سلم - سلم اور سرقی بیڑی کو کہتے ہیں۔

یستمعون - مفسر نے اشارہ کیا مفعول کے موزوف ہونے اور فی بمعنى علی ہونے کی طرف جیسے ولا صلبکم فی جلعو الخ النخل میں فی بمعنى علی ہے۔ لیکن جلیبی کہتے ہیں اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ ظرفیت لینا صحیح ہے۔

ام لہ البنات - مشرک کافر شتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا بھی شرک کی طرح زعم فاسد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پچھلی آیت میں محض فرضی گمان پر گفتگو ہوئی اور بیٹیاں ماننا ان کا واقعی گمان تھا۔

مغرم - تاولان - ڈنڈ کو کہتے ہیں۔

او عندهم - یہ زعم بھی فرضی ہے۔ کفار اس کے قائل نہیں تھے۔ لیکن ان کے متکبرانہ طور طریق سے یہ لازم آ رہا تھا۔ اور قنادہ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کے قول تھے بعض بہ رب المنون کا جواب ہے۔ یعنی کیا ان کو شب سے خبر آگئی کہ پیغمبران سے پہلے مر جائیں گے۔ کیا انہوں نے اس کو لکھ رکھا ہے۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کفار کے اس خیال کے جواب میں ہے کہ انا لا نبعث ولو بعثنا لم نعذب۔ البتہ پہلی صورت میں اگلا جملہ ام یسئلون کیدا ان کی بات کا دوسرا جواب ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کفار صرف اس بے ہودہ بات پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی ناپاک تدبیروں میں بھی لگے رہتے ہیں۔

غیب بمغنی غائب ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اس پر الف لام تعریف یا عہد کا نہیں ہے بلکہ غیب کی نوع مراد ہے جیسے کہا جائے۔
اشتر اللحم۔

دار الندوة۔ قصی بن کلاب نے مسجد حرام میں مزورہ کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی تھی جس میں اہم امور طے ہوا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے اسی مقام پر آپ کے خلاف تدابیر پر غور و مشورہ ہوا۔

ام لہم اللہ۔ یہ بھی انہی پندرہ مواقع میں سے جو ان آیات میں ام مقطوعہ استعمال ہوا ہے۔ مفسر کو تو بیخ کے ساتھ انکار کے لئے بھی کہنا چاہیے تھا۔

فاسقط۔ اس آیت کا تعلق قوم شعیب کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورہ شعرا میں گزر چکا ہے۔ مفسر کے لئے مناسب یہ تھا کہ سورہ اسریٰ میں قریش کے قول او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا کو ذکر کرتے۔

عذابا دون ذلک بغوی نے ابن عباسؓ سے غزوہ بدر میں کفار کی شکست کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ لیکن ابن جریر، قتادہ، ابن عباسؓ سے عذاب قبر اس کا مصداق نقل کیا ہے اور یہی آیت تعبیر میں پیش کی۔ براء بن عازب کی رائے بھی یہی ہے۔

بأعیننا۔ ائین کا مذلول اگرچہ واحد ہے۔ لیکن جمع لانا شکلم مع الخیر کی رعایت کرتے ہوئے عنایت کی وجہ سے ہے اور اسباب حفاظت کی کثرت میں مبالغہ کے لئے ہے۔ برخلاف سورہ طہ کی آیت ولتصغ علیٰ عینی کے وہاں مفرد لایا گیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی محبوبیت کی طرف اشارہ ہے اور عین بول کر لازم کا ارادہ کیا گیا ہے یعنی کسی چیز کو دیکھنا اور علمی احاطہ مراد ہے اور زیادہ حفاظت و نگرانی مقصود ہے۔

ومن اللیل فسبحہ۔ یعنی نماز مغرب و عشاء اور و سبح بحمد ربک میں تقوم سے مراد صرف سبحان اللہ ہے یا سنت فجر یا فرائض مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾..... بخاری میں کفار کا مقولہ ترک شیطا تک نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل آپ کو کاہن کہنا ہے۔

اسی طرح ویقولون انہ لمجنون میں آپ کو مجنون اور دوسری آیات میں ساحر، شاعر کہنا منقول ہوا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ آپ نبی ہیں۔ اپنا تبلیغی کام جاری رکھیے اور ان کی بکو اس پر دھیان نہ دیجئے۔ یہ اتنا نہیں سوچتے کہ کسی کا ہن، دیوانہ نے آج تک ایسی اعلیٰ نصیحتیں اور حکیمانہ اصول اس صاف شستہ، اور شائستہ طرز میں کبھی بیان کئے ہیں۔ یہ کام صرف پیغمبر ہی کا ہو سکتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں سناتا ہے اور حکمت آمیز نصیحتیں کرتا ہے کیا یہ لوگ اس لئے قبول نہیں کر رہے ہیں کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ جس طرح بہت سے شعراء زمانہ کی گردش سے یوں ہی مر مر کر ختم ہو گئے ہیں یہ بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے پاس نہیں ہے محض چند روز کی وقتی واہواہ ہے اور بس۔

مستقبل فیصلہ کن ہوگا:..... آپ فرما دیجئے مستقبل کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی کرتا ہوں وقت ہی بتلائے گا کہ کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام رہتا ہے۔ یہ لوگ آپ کو مجنون کہہ کر بڑا تیر مار رہے ہیں اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کر رہے ہیں۔ کیا ان کی عقل بھی سبق دیتی

ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل، مغرزانہ، سچے و خیر کو شاعر یا کاہن کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ لوگ شاعروں، پیغمبروں کے کلام میں بھی تمیز نہیں کر سکتے تو کیا تھنڈی اسی کا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر براہوش ثابت اور کج روی کا وہ سچائی کو قبول نہیں کرنے دیتی۔ موت کے انتظار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مر جاؤ گے، میں نہیں مروں گا۔ کیونکہ موت سے کس کو انتظار ہو سکتا ہے بلکہ آپ کے دین و طریقہ کا بایاں رہنا اور ان کے طریقہ کا امت جانا ہے۔ ان آیات میں کفار کے تینوں اقوال کاہن، مجنون شاعر کا دو طریقہ پروردہ ہو گیا۔ ایک طریق مشترک اور ایک ایک خاص۔

اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے۔..... ام یقولون۔ ان کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں۔ اس نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کر دیا؟ سونہ ماننے کے ہزاروں بہانے ہیں۔ ہر نہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لاسکتے اور جس طرح آسمان زمین بنانا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اسی طرح قرآن جیسا قرآن بنانا بھی محال ہے۔ ایک اللہ کا کام ہے تو دوسرا اللہ کا کلام ہے۔

ہل لا یؤمنون تو تحقیقی جواب ہے اور فلیاتوا الخ انرا فی جواب ہے اس طرح سابقہ دو ہرے جوابات کی طرح یہاں بھی دو ہرے جواب ہو گیا۔ اور تجدیث سے کلام مراد ہے تو اس کی تفسیر بھی فساتوا بسورۃ من مثله کیساتھ ہوگی اور اگر صرف ایک مضمون اور بات مراد ہے تو زیادہ تحدی مقصود ہوگی۔ سب سے اول قرآن کے مثل کا مطالبہ ہوا۔ پھر دس سورتوں کے مثل کا، پھر ایک سورت کے مثل کا۔ اور یہاں ایک جملہ کے جواب کا مطالبہ ہے۔

شرک کا بہترین اور عقلی رد:..... ام خلقوا۔ کیا ان کے اوپر خدا نہیں جس کی بات ماننا۔ ان کے ذمہ لازم ہو گیا بغیر کسی پیرا کرنے والے کے یہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں کہ آسمان و زمین اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہذا اپنی مخلوق میں ان کو چاہیں کرتے پھریں۔ کوئی روک ٹوک والا نہیں۔ یہ سب خیالات ظاہر ہے کہ مہمل اور بے ہودہ ہیں۔ دل میں یہ جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے۔ جس نے سارے عالم کو عدم سے وجود بخشا تاہم اس فطری آواز اور ضمیر کے فیصلہ کے باوجود شرعاً جو علم مطلوب ہے یہ اس سے محروم ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کو تنہا خالق اور خود اس کا محتاج ماننے کے لئے لازم ہے کہ اس کی توحید الوہیت کا اعتقاد کیا جائے۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اس کی یکتا خالقیت کا انکار کرے یا اپنے مخلوق ہونے کا منکر ہو۔ اس میں تین شقیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ اپنے کو کسی خالق کا محتاج نہ جانے۔ جس کا ذکر کرام خلقوا من غیر شئیء میں ہے دوسرے یہ کہ اپنے کو خالق کا محتاج تو سمجھے مگر اپنا خلق خود کو جانے جس کو ام ہم الخالقون میں فرمایا گیا۔ تیسرے یہ کہ خود کو محتاج سمجھتے مگر اللہ کو تنہا خالق نہ سمجھے۔ بلکہ دوسروں کو بھی شریک اعتقاد کرے۔ خواہ خود کو جیسا کہ ام خلقوا السموات میں ہے یا کسی دوسرے کو جس کا بیان دوسری آیات میں آیا ہے۔ مثلاً ارونی ما ذا خلقوا من الارض ام لہم شریک فی السموات۔ چونکہ ان دونوں احتمالات کی دلیل ایک ہی ہے اس لئے ایک کے اوپر اکتفا کر لیا گیا۔ اور پہلی صورت چونکہ ظاہر تھی یعنی اپنی خالقیت کی نفی اس لئے خصوصیت سے اس کو ذکر کر دیا۔ تاکہ اس کا غلط ہونا جلدی مان لیں۔ پھر اسی دلیل سے دوسرے احتمال کا رد آسان ہو جائے گا۔

غرض اصل شقیں تین ہیں اور تینوں کا غلط ہونا چونکہ ظاہر تھا۔ اس لئے رد میں صرف استفہام انکاری پر اکتفا کر لیا۔ شق اول کا غلط ہونا تو اس طرح ہے کہ ممکن اپنے وجود کی ترجیح میں مرجح کا محتاج ضرور ہوا کرتا ہے۔ اور دوسری شق اس لئے باطل ہے کہ ایک چیز کو ایک ہی حقیقت

سے علت اور معلول نہیں ہو سکتی۔ اور تیسری شق اس لئے بے بنیاد ہے کہ اول تو دلائل عقلیہ سے کئی صالح کا ہونا محال ہے۔ دوسرے خود عرب اللہ کو تنہا خالق اور خود کو محتاج مانتے تھے۔

اس لئے تفصیلاً باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ایک خالق ماننے سے ایک مجبود کا ہونا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے آگے ان کے جہل کی طرف اشارہ ہے کہ واقع میں ایسا نہیں کہ ملزوم مذکور نہ ہو یا ملزوم واقع نہ ہوتا کہ ملزوم کے وجود سے لازم کے وجود پر استدلال کرنے میں شبہ کی گنجائش ہو بلکہ ملزوم واقع بھی ہے اور ملزوم بھی ہے۔ البتہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے توحید کا یقین نہیں کرتے اور وہ جہالت یہی ہے کہ ملزومیت اور لازمیت میں غور نہیں کرتے۔ اس لئے دونوں میں ملازمت کا علاقہ ان کے ذہن سے مخفی ہے یہی مفہوم ہے آیت بسمل لا یوقنون کا۔ یہاں تک تو توحید کے متعلق ان کے موعومات کا رد ہے۔ آگے رسالت کے متعلق ان کے دوسرے موعومات کا رد ہے۔

نبوت و رسالت عقلی و نقلی دلیل کے آئینہ میں ام عندہم خزائن ربک۔ یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان اگرچہ خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے خزانوں کے جن میں نبوت بھی داخل ہے، ہم مالک ہیں نبوت جس کو چاہیں ہم دیں۔ دلانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مثلاً خزانہ اپنے قبضہ میں رہے اور دوسرے یہ کہ تصرف اپنا رہے۔ کہ خزانچی بھی بلا اجازت و دستخط کے کسی کو نہ دے سکے۔ یہاں دونوں صورتوں کی نفی فرمادی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کی نبوت کے استحقاق پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں، بلکہ اس کے خلاف پر دلائل عقلیہ قائم ہیں اس لئے محض استفہام انکاری پر اکثاف فرمایا ہے۔ آگے دلیل نقلی کی نفی فرمادی گئی ہے۔

ام لہم سلیم۔ یعنی کیا یہ زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں سے ملاء علی کی باتیں سن آتے ہیں۔ پھر جب ان کی رسائی خود خدا تک ہے تو اب کسی بشر کے اتباع کی کیا ضرورت رہی؟ پس جس کا یہ دعویٰ ہو وہ اپنی جہت پر چڑھے۔ چنانچہ ان لوگوں میں دونوں طریقے نہیں ہیں۔ دوسرے طریقہ کی یہاں نفی فرمادی اور پہلے طریقہ کی نفی آیت ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیء ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ۔ یہاں شاید اس صورت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وحی نازل ہونے کے دعوے کی اس لئے گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ پیغمبر پر اور خود ان پر نازل ہونے میں کوئی معتد بہ فرق نہیں ہے اور جس فرق پر ان کی نظر تھی اور وہ اسی کی رو سے لو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریبتین عظیم کہا کرتے تھے۔ اس کا جواب وہیں گزر چکا ہے۔

غرض جب یہ پیغمبر ﷺ پر وحی کا نازل ہونا نہیں مانتے تو گویا خود ان پر نازل ہونے کا احتمال ہی نہیں رہا۔ اس لئے یہاں پہلی شق کو ذکر نہیں کیا دوسری شق پر استفہام کیا گیا ہے۔ کہ کیا آسمان پر چڑھ کر یہ وحی کا علم لاتے ہیں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ نعوذ باللہ آپ مستحق نبوت نہیں ہیں۔ لیکن ممکن ہے کوئی بالفرض یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہاں ہم چڑھے اور ہم نے سنا ہے۔

تو آگے فلیسات مستمعہم الخ سے احتمال عقلی کا رد فرمایا جا رہے کہ کوئی ایسی صاف دلیل پیش کر جو قواعد استدلال کی جامع ہو جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص وحی سے مشرف ہوا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اپنی نبوت پر دلائل فارقہ پیش کر رہے ہیں۔ پس محض آسمان پر چڑھ کر سننے کو دلیل نہیں مانا جائے گا۔ کیونکہ اس خصوصیت کو مقصود میں دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ سننا بطور وحی کے ہو تو دلیل بنے گا ورنہ نہیں۔

آگے پھر توحید سے متعلق ایک خاص مضمون ارشاد ہے۔

ام لہ البنات۔ یعنی کیا معاذ اللہ یہ اللہ کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کر رہے ہیں تو کیا اس کے احکام و ہدایات کے آگے سر جھکانا کسر شان سمجھتے ہیں اس کے ساتھ پھر رسالت سے متعلق کلام ہے۔

دعوت و تبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش..... ام تسئلہم۔ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لئے نہیں مان رہے ہیں کہ آپ دعوت و تبلیغ پر ان سے کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔ واقعی اگر ایسا ہوتا تب بھی ہم یہ سمجھتے کہ واقعی یہ لوگ معذور ہیں۔ مگر جب ایسا نہیں ہے تو پھر ان کے لئے کیا بہانہ رہ گیا ہے۔

آگے قیامت کے متعلق ان کے ایک فرضی خیال کی تردید ہے جس کو دوسری آیت وما ظن الساعۃ قائمۃ و لن رجعت الی ربی ان لی عندہ للحسنیٰ میں نقل کیا گیا ہے کہ اول تو قیامت ہوگی نہیں اور بالفرض ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی مرہ میں رہیں گے۔

علم غیب سے کیا مراد ہے..... فرمانے ہیں کہ ہم عندہم الغیب کیا اللہ ان کے پاس وحی بھیجتا ہے اور پیغمبروں کی طرح انھیں بھی بعید سے مطلع کرتا ہے جسے انہوں نے لکھ کر محفوظ کر لیا ہے اس لئے یہ خود کو آپ کی پیروی سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جس بات پر اثبات یا انہیا کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو وہ غیب محض ہے، اس کے اثبات، یا نفی کا کوئی دعویٰ کرتا ہے جس کو کسی ذریعہ سے اس غیب پر مطلع کر دیا جائے اور اس کو محفوظ ہونے کے بعد پھر وہ اس کو محفوظ بھی کر لے۔ کیونکہ علم وادراک کے باوجود محفوظ نہ رہے۔ تب بھی دعویٰ اور حکم بلا علم رہے گا۔ پس یہ لوگ قیامت کے انکار یا اپنے لئے وہاں کی بہتری کے دعویدار ہیں تو کیا انہیں کسی ذریعہ سے غیب کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ جیسا کہ خود حضور ﷺ کو قیامت کے ہونے اور ان کے لئے بھلائی نہ ہونے کی اطلاع وحی کے ذریعہ گئی ہے اور آپ اسے محفوظ رکھ کر سب کو پہنچا رہے ہیں اور جب ان کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں تو ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ پیغمبر کے ساتھ داؤچ کھیلین، مکر و فریب اور خفیہ تدبیریں کا ٹھکانہ کرتے ہیں اور غلبہ یا غیبت و تابو کر ڈالیں ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ سب داؤچ انہیں پرالٹنے والے ہیں۔ عنقریب پتہ چل جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔

ام لہم اللہ۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑنے پر ان کی مدد کریں گے؟ کیا ان کی پرستش نے اللہ کی طرف سے ان کو بے نیاز بنا رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و سیم یا مقابل و مزاحم ہو۔ پھر آگے رسالت سے متعلق کلام ہے۔

معاندین کے لئے فرمائشی معجزات کا پورا کرنا مصلحت نہیں بلکہ پورا نہ کرنا مصلحت ہے

وان یسوا کسفاً من السماء یعنی مشرکین جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب آپ ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفاً۔ سو واقعہ یہ ہے کہ براہِ وضد اور عناد کا، یہ لاعلاج روگ انہیں ایسا لگا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کو جھٹلانے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی فرمائش کے مطابق آسمان کا ٹکڑا ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر بیٹھیں گے مثلاً کہہ دیں گے کہ آسمان نہیں بادل کا ایک گاڑھا اور نجمد حصہ گر پڑا ہے۔ جیسے برف باری اور ڈالہ باری میں کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ ولو اننا فتحنا علیہم بابا من السماء فظلوا فیہ یمرجون لقلوا انما

سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔ بھلا تلو ایسے متعصب معاندوں سے پالا پڑ جائے تو کیا کیا جائے؟

بات یہ ہے کہ اول تو کسی بھی دعوے پر خواہ وہ رسالت کا ہو یا کچھ اور۔ مطلق صحیح دلیل کا پیش کر دینا کافی ہوتا ہے کسی خاص دلیل کا پیش کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ نہ اس کے مطالبہ کا کسی کو حق ہوتا ہے اور نہ اس سے دعویٰ میں کوئی قدح لازم آتا ہے۔ تاہم اگر تبرعاً کوئی فرمائشی دلیل بھی قائم کر دی ہے تو اس کا داعیہ مصلحت ہوا کرتا ہے مثلاً کوئی طالب حق فرمائش کرے تو یہ سمجھ کر شاید اسی کے ذریعہ سے اس کو ہدایت ہو جائے

گی۔ یا کوئی اور معتد بہ مصلحت پیش نظر ہو تو فراموشی دلیل میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہاں ایسی مصلحت بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی یہ طلب حق کے لئے نہیں اور نہ کوئی مصلحت متقاضی ہے۔ بلکہ ضد و عناد کی رو سے ہے۔ پس ایسی حالت میں ان کی رعایت کرنا ضروری نہیں رہ جاتی۔ بلکہ ایسی فرمائشوں کا پورا کرنا خلاف حکمت اور مصلحت ہے۔ پھر کیوں واقع کی جائے۔ ان کے پورا نہ کرنے سے نبوت کی نفی نہیں ہو جائے گی۔ پھر اس کی رعایت کرنا فضول ہے۔

ضدی لوگوں کا علاج اللہ کے حوالہ کرنا ہے..... فلنرہم۔ یعنی ایسے عنادیوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجئے کہ کچھ روز اور کھیل کھیل لیں اور باتیں بنالیں۔ آخر وہ دن بھی آنا ہے جب تہرا الہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی۔ نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچے گی نہ مخلوق کی طرف سے اس کا امکان اور نہ خالق کی طرف سے اس کا کوئی وقوع۔ اس مضمون سے آپ کی تسلی بھی مقصود ہے۔

ولکن اکثرہم لا یعلمون۔ اکثروں کو یہ خبر نہیں کہ عذاب آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو سزا ہو کر رہے گی۔ شاید اکثر اس لئے فرمایا ہو کہ بعض کے لئے ایمان مقدر تھا اور چونکہ ان کی لاعلمی علم سے بدلنے والی تھی۔ اس لئے اس کو لاعلمی قرار نہیں دیا۔ واصبر۔ اب آپ صبر و استقامت کے ساتھ اپنے رب کے نکوینی اور تشریحی حکم کا انتظار کیجئے۔ جو عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا اور آپ کو نجات دہن کی طرف سے کچھ بھی گزند نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں البتہ ان کے بگڑنے کا غم اگر دل پر ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ دوائی ذکر اور خاص اوقات میں نماز و ذکر کا مشغل رکھئے اس سے وہ غم غلط ہو جائے گا کیونکہ بیک وقت دل میں دو خیال نہیں رہا کرتے۔

لطائف سلوک:..... واصبر لحکم ربک۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراقبہ حضوری، صبر اور سیکنہ کے لئے موثر قوی ہے۔

سُورَةُ النَّجْمِ

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَسِتُّونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

وَالنَّجْمِ الثُّرَيَّا إِذَا هَوَىٰ ﴿٢﴾ غَابَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ طَرِيقِ الْهَدَايَةِ وَمَا
غَوَىٰ ﴿٣﴾ مَا لَا بَسَّ الْعَيَّ وَهُوَ جَهْلٌ مِّنْ اعْتِقَادٍ فَاسِدٍ وَمَا يَنْطِقُ بِمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤﴾ هَوَىٰ
نَفْسِهِ إِنْ مَا هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٥﴾ إِلَيْهِ عَلَّمَهُ آيَاهُ مَلَكٌ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿٦﴾ ذُو مِرَّةٍ قُوَّةٍ وَشِدَّةٍ أَوْ مَنْظَرٍ
حَسَنِ أَيْ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاسْتَوَىٰ ﴿٧﴾ اسْتَقَرَّ وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعْلَىٰ ﴿٨﴾ أَفْقُ الشَّمْسِ أَيْ عِنْدَ مَطْلَعِهَا
عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خَلَقَ عَلَيْهَا فَرَأَهُ النَّبِيُّ ﷺ وَكَانَ بِحِرَاءَ قَدْ سَدَّ الْأَفْقَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَحَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَكَانَ
قَدْ سَأَلَهُ أَنْ يُرِيَهُ نَفْسَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهُ بِحِرَاءَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَةِ
الْأَدَمِيِّينَ ثُمَّ دَنَا قَرَبَ مِنْهُ فَتَدَلَّى ﴿٩﴾ زَادَ فِي الْقُرْبِ فَكَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿١٠﴾ مِنْ ذَلِكَ
حَتَّى أَفَاقَ وَسَكَنَ رَوْعُهُ فَأَوْحَىٰ تَعَالَىٰ إِلَى عَبْدِهِ جِبْرِيلُ مَا أَوْحَىٰ ﴿١١﴾ جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يَذْكُرِ
الْمَوْحَىٰ تَفْخِيمًا لِشَأْنِهِ مَا كَذَبَ بِالْتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَنْكَرَ الْفَوَادُ فَوَادُ النَّبِيِّ مَا رَأَىٰ ﴿١٢﴾ يَبْصُرُهُ مِنْ
صُورَةِ جِبْرِيلَ أَفْتَمَرُونَهُ تُحَادِلُونَهُ وَتَغْلِبُونَهُ عَلَى مَا يَرَىٰ ﴿١٣﴾ خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِينَ الْمُكَرِّبِينَ رُؤْيَا النَّبِيِّ
لِجِبْرِيلَ وَلَقَدْ رَآهُ عَلَى صُورَتِهِ نَزَلَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿١٤﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ﴿١٥﴾ لَمَّا أُسْرِى بِهِ مِنَ
السَّمُوتِ وَهِيَ شَجَرَةٌ نَبَقَ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ لَا يَتَحَاوَرُهَا أَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ عِنْدَهَا جَنَّةُ
الْمَأْوَىٰ ﴿١٦﴾ تَأْوَى إِلَيْهَا الْمَلَائِكَةُ وَأَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ وَالْمُتَّقِينَ إِذْ حِينَ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ﴿١٧﴾ مِنْ
طَيْرٍ وَغَيْرِهِ وَإِذْ مَعْمُولَةٌ لِرَأَاهُ مَا زَاغَ الْبَصَرُ مِنَ النَّبِيِّ وَمَا طَفَىٰ ﴿١٨﴾ أَيْ مَا حَالَ بَصَرُهُ عَنْ مَرْيَةِ الْمَقْصُودَةِ
وَلَا جَاوَزَهُ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَقَدْ رَأَى فِيهَا مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿١٩﴾ أَيْ الْعِظَامُ أَيْ بَعْضُهَا فَرَأَى مِنْ عَجَائِبِ
الْمَلَكُوتِ رَفْرَفًا خَضِرًا سَدَّ أَفْقَ السَّمَاءِ وَجِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ سِتُّ مِائَةٍ جَنَاحٍ أَفْرَأَيْتُمْ اللَّكَّ وَالْعُزَّىٰ

﴿۱۹﴾ وَمَنُوءَ الثَّالِثَةِ الَّتِي قَبْلَهَا الْأُخْرَى ﴿۲۰﴾ صِفَةُ ذَمٍّ لِّلثَّالِثَةِ وَهِيَ أَصْنَامٌ مِنْ حِجَارَةٍ كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَعْبُدُونَهَا وَيَزْعُمُونَ أَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَمَقْعُولٌ أَرَأَيْتُمْ الْأَوَّلَ الْآلَاتِ وَمَا عَطَفَ عَلَيْهِ وَالثَّانِي مَحْدُوفٌ وَالْمَعْنَى أَخْبِرُونِي بِهَذَا الْأَصْنَامِ قُدْرَةً عَلَى شَيْءٍ مَا تَعْبُدُونَهَا ذُوْنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ الْقَادِرُ عَلَى مَا تَقْدَمُ ذِكْرُهُ وَلَمَّا زَعَمُوا أَيْضًا أَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللَّهِ مَعَ كَرَاهِيَّتِهِمُ الْبَنَاتِ نَزَلَ إِلَيْكُمْ الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَى ﴿۲۲﴾ حَائِزَةٌ مِنْ ضَارِزَةٍ إِذَا ظَلَمَ وَجَارَ عَلَيْهِ إِنْ هِيَ مَا الْمَذْكُورَاتُ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَى سَمَّيْتُمْ بِهَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ أَصْنَامًا تَعْبُدُونَهَا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا أَى بَعَا دَتِهَا مِنْ سُلْطَنٍ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ إِنْ مَا يَتَّبِعُونَ فِي عِبَادَتِهَا إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ مِمَّا زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مِنْ أَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى ﴿۲۳﴾ عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْبُرْهَانِ الْقَاطِعِ فَلَمْ يَرْجِعُوا عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ أَمْ لِلإِنْسَانِ أَى لِكُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا تَمَنَّى ﴿۲۴﴾ مِنْ أَنَّ الْأَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَلِلَّهِ مِنَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى ﴿۲۵﴾ أَى الدُّنْيَا فَلَا يَقَعُ فِيهِمَا إِلَّا مَا يُرِيدُهُ تَعَالَى وَكَمْ مِنْ قَبْلِكَ أَى كَثِيرٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمُوتِ وَمَا أَكْرَمَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ لَا تَغْنَى شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لَهُمْ فِيهَا لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَرْضَى ﴿۲۶﴾ عَنْهُ لِقَوْلِهِ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى وَمَعْلُومٌ أَنَّهَا لَا تَوْجِدُ مِنْهُمْ إِلَّا بَعْدَ الْإِذْنِ فِيهَا مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْمُؤْنَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةً الْأُنْثَى ﴿۲۷﴾ حَيْثُ قَالُوا هُمْ بَنَاتُ اللَّهِ وَمَا لَهُمْ بِهِ بِهَذَا الْقَوْلِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ مَا يَتَّبِعُونَ فِيهِ إِلَّا الظَّنَّ الَّذِي تَحِيلُونَهُ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾ أَى عَنِ الْعِلْمِ فِيمَا الْمَطْلُوبُ فِيهِ الْعِلْمُ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ قَوْلَى عَنْ ذِكْرِنَا أَى الْقُرْآنَ وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ ذَلِكَ أَى طَلَبُ الدُّنْيَا مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ أَى نَهَايَةُ عِلْمِهِمْ أَنْ اتَّزَوْا الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَى ﴿۳۰﴾ أَى عَالِمٌ بِهِمَا فَيَحْزَنُ بِهِمَا وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَى هُوَ مَالِكٌ لِذَلِكَ وَمِنْهُ الضَّلَالُ وَالْمُهْتَدَى يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا مِنَ الشَّرِّ وَغَيْرِهِ وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْتَّوْحِيدِ وَغَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ بِالْحُسْنَى ﴿۳۱﴾ أَى الْحَنَةِ وَبَيْنَ الْمُحْسِنِينَ بِقَوْلِهِ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا اللَّمَمَ هُوَ صِغَارُ الذُّنُوبِ كَالنَّظَرَةِ وَالْقُبْلَةِ وَاللَّمَسَةِ فَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ وَالْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّمَمَ تُغْفَرُ بِاجْتِنَابِ الْكَبَائِرِ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعٌ الْمَغْفِرَةِ بِذَلِكَ وَبِقَبُولِ التَّوْبَةِ وَنَزَلَ فِيمَنْ كَانَ يَقُولُ صَلَاتِنَا صِيَامُنَا حُجَّتُنَا هُوَ أَعْلَمُ أَى عَالِمٌ بِكُمْ إِذَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ

الْأَرْضِ أَيْ خَلَقَ أَبَاكُمْ أَدَمَ مِنَ التُّرَابِ وَإِنَّكُمْ أَجْنَةٌ جَمْعُ حَنِينٍ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تَزْكُوا
أَنْفُسَكُمْ لَا تَمْدَحُوا أَيْ عَلَى سَبِيلِ الْأَعْجَابِ أَمْ عَلَى سَبِيلِ الْإِعْتِرَافِ بِالنِّعْمَةِ فَحَسَنٌ هُوَ أَعْلَمُ أَيْ عَالِمٌ
بِمَنْ اتَّقَى ﴿۳۲﴾

ع

ترجمہ: سورۃ نجم مکہ ہے۔ جس میں ۶۲ آیات ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ثریا (ستارہ) کی جب وہ غروب (غائب) ہونے لگے یہ تمہارے صاحب (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام راہ ہدایت سے) نہ تو بھٹکے اور نہ غلط رستہ ہوئے (نہ کج روی اختیار کی، غولیہ کے معنی بد عقیدگی کی جہالت کے ہیں) اور نہ آپ باتیں بناتے ہیں (وحی کے سلسلے میں) اپنی (نفسانی) خواہش سے ان کا ارشاد تو سر تا سر وحی ہے۔ جو (ان) پر بھیجی گئی ہے ان کو (ایک فرشتہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیدا کنی قوی ہے (نہایت مضبوط یا خوبصورت یعنی جبریل علیہ السلام) پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار (ظاہر) ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارہ پر تھا (سورج کے افق یعنی اس کے نکلنے کی جگہ پر) اپنی اصلی صورت میں، آنحضرت ﷺ نے ان کو غار حرا سے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک سارے کنارے چھپ گئے ہیں۔ دیکھتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ خود کو اپنی اصلی شکل پر نمایاں کریں۔ جس کا وعدہ انہوں نے مقام حرا پر کر لیا تھا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں نمودار ہوئے (پھر وہ فرشتہ نزدیک (قریب) آیا پھر اور نزدیک (قریب تر) آیا۔ سو دو کمانون کے برابر (مقدار) بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ گنیا (حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کو افاتہ اور سکون خاطر ہو گیا) پھر اللہ نے اپنے بندہ (جبریل) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل کیا (جبریل) نے آنحضرت ﷺ پر، خود اس وحی کو بیان نہیں فرمایا۔ اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے) کوئی غلطی نہیں کی (لفظ کذب تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے یعنی انکار نہیں کیا) قلب (نبوی) نے جو کچھ دیکھا (اپنی آنکھ سے جبریل کی صورت) تو کیا ان سے تم جھگڑتے ہو (نزاع کر کے انہیں دباتے ہو) ان کی دیکھی ہوئی چیز کے متعلق (یہ خطاب ان مشرکین کو ہے جو آنحضرت ﷺ کے جبریل کو دیکھنے کے منکر ہیں) اور انہوں نے فرشتہ کو (اس کی اصلی شکل میں) ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہی کے پاس (جب کہ آنحضرت ﷺ شب اسری میں آسمانوں پر تشریف لے گئے، عرش کی داہنی جانب پیری کا درخت سرحد ہے جس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی نہیں بڑھ سکتا) اس کے قریب جنت المادئی بھی ہے (جہاں فرشتوں اور شہداء اور متقیوں کی ارواح کا ٹھکانہ ہے) جب کہ سدرۃ المنتہی کو لپٹ رہی تھیں۔ جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (چڑیاں وغیرہ اذ معمول ہے راہ کا) نگاہ (نبی) نہ تو مٹی اور نہ بڑھی (یعنی آپ کی نظر مقصود سے نہ تو ادھر ادھر ہوئی اور نہ مقصد سے تجاوز کیا، اس رات میں) انہوں نے (اس میں) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (یعنی بڑی بڑی نشانیاں چنانچہ عجائب ملکوت میں سبز رُفرف دیکھا جو سارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے تھا اور جبریل علیہ السلام کو جن کے چہرہ سوا بازو تھے) بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور کیا ہے (جو پہلے دور کے علاوہ) ایک اور بھی ہے آخری ثالث کی صفت مذمت ہے۔ یہ پتھروں کے بت تھے جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے افراتیم کا مفعول لات اور اس کے معطوفات ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے یعنی ذرا یہ بتلاؤ کہ ان بتوں کو کسی چیز پر بھی کچھ قدرت ہے کہ تم اللہ قادر کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور چونکہ اللہ کے لئے بیٹیاں بھی مانتے تھے۔ حالانکہ خود ان کو ناپسند کرتے تھے اس پر نازل ہوا کہ (کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں اس طرح تو یہ بہت بے ذہنگی تقسیم ہوئی) ظالمانہ، حازہ مفیزہ سے یعنی ظلم و جور کیا (یہ نرے (مذکورہ) نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے

ٹھہرا لیا ہے (بت بنا کر پوجا کرتے ہو) اللہ نے تو (ان کی عبادت کی) کوئی دلیل (حجت و برہان) بھیجی نہیں۔ یہ لوگ (ان کی پوجا پاٹ کرنے میں) صرف بے اصل خیالات اور خواہش نفس پر چل رہے ہیں (جو شیطان نے ان کے لئے مزین کر کے پیش کئے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سفارش ہوں گے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے (پیغمبر ﷺ کی زبانی قطعی دلیل کے ساتھ، پھر بھی اپنی پیچ سے باز نہیں آتے) کیا (ان میں سے ہر) انسان کو اس کی تمنا مل جاتی ہے (کہ یہ بت ان کے لئے سفارش ہوں گے ایسا نہیں ہے) سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (لہذا دونوں جگہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا) اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (اللہ کے ہاں ان کا کس قدر اکرام ہے) ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لئے (اپنے بندوں میں سے) چاہیں (وہاں) اجازت دیں اور راضی ہوں (جیسا کہ آیت لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ میں فرمایا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اہل شفاعت کی جانب سے انہی لوگوں کے بارہ میں سفارش کی جائے گی جن کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ من الذلذی یشفع عنده الا باذنه) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹیوں کے نام سے پکارتے ہیں (چنانچہ انہیں بنات اللہ کہتے ہیں) حالانکہ اس (بات) کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (جو انہوں نے گھڑ رکھے ہیں) اور یقیناً بے اصل خیالات حق کے معاملہ میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے (یعنی علمی فائدہ جہاں علم ہی مطلوب ہو) سو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال بٹالائیے جو ہماری فصیحت (قرآن) کا دھیان نہیں کرتا اور صرف دنیاوی زندگی ہی اس کو مقصود ہو (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) یہی (دنیا طلبی) بس ان کے فہم کی حد ہے (یعنی ان کے علم کی آخری پرواز دنیا کو آخرت سے بڑھانا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے (یعنی اللہ دونوں سے واقف ہے لہذا دونوں کو بدلہ ملے گا) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے جن میں گمراہ اور ہدایت یافتہ بھی ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ برا کام (شرک وغیرہ) کرنے والوں کو ان کے کام کے عوض سزا دے گا۔ اور نیک کام تو حید وغیرہ بجالانے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض جزا دے گا (جنت آگے نیک کام کرنے والوں کا بیان ہے) وہ بڑے گناہوں اور بے حیائیوں کی باتوں سے بچتے ہیں۔ بجز معمولی باتوں کے (چھوٹے گناہوں کے جیسے نامحرم پر نظر، یا اجنبیہ سے بوس و کنار کرنا۔ الا استثناء منقطع ہے یعنی چھوٹے گناہ البتہ بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے معاف کر دیئے جاتے ہیں) بلاشبہ آپ کے پروردگار کی بخشش بڑی وسیع ہے (اس صورت میں اور توبہ قبول کرنے میں۔ اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یوں کہا کرتے تھے کہ ہماری نمازیں روزے حج کیا ہوئے) وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین پر پیدا تھا (یعنی سب کے باوا آدم کوٹی سے بنایا) اور جب تم بچے تھے (اجتہ جمع جنین کی ہے) اپنی ماؤں کے پیٹ میں۔ اس لئے اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (یعنی خود پسندی سے) تم خود ستائی مت کیا کرو۔ البتہ بطور شکر نعمت کے اظہار کرنا عمدہ بات ہے) وہی خوب واقف ہے کہ صاحب تقویٰ کون ہے؟

تحقیق و ترکیب: النجم۔ بطور تعلیل خاص ثریا مراد ہے۔ بقول ابن عباسؓ و مجاہد عام آسمانی ستارے یا قرآنی نجوم ہدایت مراد ہیں۔ اور ”ہوئی“ سے نازل ہونا مراد ہے۔ انفس کے نزدیک درخت کی ٹیل مراد ہے اور ہوئی سے اس کا زمین پر گر جانا۔ ضل صاحبکم۔ ضلالت کے معنی معصیت کے ہیں اور غوایت جہل مرکب کو کہتے ہیں۔ مفسر نے بھی دونوں کے تغایر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ضلالت کا تعلق قول سے ہوتا ہے اور غوایت کا فعل سے۔ بقول مفسر مٹھف خاص علی العمام ہے۔ وما یسطق۔ مفسر نے عام و جی مراد لی ہے خواہ وہ قرآن ہو یا سنت۔ یہ اس سے بہتر ہے جو بعض حضرات نے خاص قرآن سے تفسیر کی ہے۔

کیونکہ اس میں وحی جلی و خفی دونوں داخل ہیں۔

ان ہو الا وحی۔ جو حضرات اس سے آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کی نفی پر استدلال کرتے ہیں ان کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اول تو اس سے صرف قرآن مراد ہے اور اگر عموم بھی مراد ہو تب بھی معنی یہ ہوں گے جب آپ کو اجتہاد کرنے کی وحی کی جاتی ہے تو وحی کے مطابق ہی آپ گفتگو فرماتے ہیں۔ پس وہ مامور اجتہاد بھی وحی ہوتا ہے اور اسی اجتہاد ہی کو نشانے خداوندی سمجھا جائے گا البتہ اس پر شبہ رہے گا کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ آپ کے اجتہاد میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

علمہ شدید القوی۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور فاستویٰ سے آخر تک آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے ولما اسری بی الی السماء قرینی ربی حتی کان بینی و بینہ کقاب قوسین او ادلی۔

ذومرہ۔ ابن عباسؓ سے ”منظر حسن“ تفسیر منقول ہے۔

فاستوی۔ یعنی جبریل بطور تمثیل نمایاں نہیں ہوئے۔ بلکہ اصلی شکل پر نمودار ہوئے جو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ورنہ عام طور پر درجہ کلبی کی صورت میں تمثیل ہوا کرتے تھے۔

فدللی۔ دلالت الدلو الی البئر کنویں میں ڈول لٹکا یا دلی بمعنی نزل مجازاً زیادہ قرب مراد ہے۔ اور بعض نے کلام میں تقدیم تاخیر مانی ہے اصل عبارت اس طرح تھی۔ ثم تدلی فدلنی۔

قاب قوسین۔ کمان کے تانت اور پکڑنے کی مونڈھ کے درمیان فاصلہ کو قاب قوسین کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ ”قاب قوس“ کا الٹا ہے۔ عرب جاہلیت میں جب دو آدمی باہمی معاہدہ کرتے تو اپنی اپنی کمانوں کو ملا کر قرب کا عہد کرتے اور پھر ایک ساتھ مل کر تیر چھوڑتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں کی خوشی ناخوشی ایک ہوگئی۔ یہاں کے بطور محاورہ انتہائی قرب مراد ہے۔

ما اوحی۔ اللہ و رسول کا یہ کلام راز دارانہ ہوا۔ اور بعض کی رائے یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور ﷺ کو یہ ارشاد مراد ہے کہ آپ کو اور آپ کی امت کو جب تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا پہلے انبیاء اور امتوں کو بھی داخل نہیں کیا جائے گا۔

ما کذب الفواد ما رآی یعنی ہمت نہ دل و دماغ سے متوجہ ہو کر آپ نے معائنہ فرمایا۔

ما یغشی۔ بعض نے سونے کی چڑیاں اور سدی نے پرندے اور مقاتل نے فرشتے غربال کی شکل میں اور حسنؓ نے انوار الہی مراد لئے ہیں۔ ما زاغ البصر۔ اس سے اللہ کی ظاہری تجلی پر استدلال کیا گیا ہے۔ ورنہ قلبی معائنہ مراد ہوتا تو ”ما زاغ قلبہ“ فرمایا جاتا۔ پھر قلبی مشاہدہ کا یہاں کوئی قرینہ بھی نہیں ہے۔

الکبریٰ۔ مفسرؓ نے لفظ عظام سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفضیل مراد نہیں ہے۔ البتہ بطور کلی مشکک بڑائی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور من تبعضیہ ہے جس سے بعض نشانیاں مراد ہیں جن میں سے رف رف بھی ہے۔ جس طرح زمین سے آسمان پر لے جانے کے لئے براق ایک سواری تھی اسی طرح سدرۃ المنتہی سے آگے جانے کے لئے سبز رف بطور خادم ساتھ ہوا۔ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد رفرفہ ہے یا اسم جنس ہے۔ بہترین قالین، عالیچہ، تکیہ خاص قسم کا گدا۔ نمازق، قارق سب کو رف کہتے ہیں اور بعض کی رائے میں خیمہ کے اطراف اور کناروں کو ”رفاف“ کہتے ہیں۔

افرائیم۔ استفہام انکاری ہے بت پرستی کرنے پر مشرکین کو ہر زلش کی جارہی ہے۔

ومنۃ الثالثة الاخریٰ۔ یعنی یہ بت تیسرے درجہ کا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ کعبہ میں نصب تھا اور بعض کے نزدیک طائف میں ثقیف کے یہاں تھا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس نام کا ایک شخص ایک چتر پر بیٹھ کر حجابوں کو کھانا کھلاتا اور ستون پلاتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد۔ اگدا،

نے اس پتھر ہی کی پوجا کرنی شروع کر دی۔

افرائیم کا مفعول ثانی مشہور تو ہے کہ اخبار و نبی ہذا الاصلام بنات اللہ ہے۔ علامہ طیبیؒ کی رائے ہے کہ مشرکین فرشتوں کو بت اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے لیکن مفسر کے نزدیک چونکہ ثابت نہیں۔ اس لئے انہوں نے تقدیر عبارت اور مانی ہے۔
ضیزی۔ فعلی کے وزن پر ہے کیونکہ فعلی کا وزن صفت لئے نہیں آتا۔ اس لئے ضاد پر کسرہ آگیا یا کی وجہ سے جیسے کہ فیض میں ہے۔ ضازہ، ضازہ کی طرح ہے۔

سمیتھوہا۔ یہاں یہ شبہ ہے کہ اسماء کا "م" نہیں رکھا جاتا بلکہ مسمیٰ کا نام رکھا جاتا ہے۔ پھر یہاں کیسے سمیتھوہا فرمایا گیا۔ مفسر جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ کلام حذف والیصال کے قبیل سے ہے اور مفعول اول اصنام محذوف ہے۔
وما تھوی الانفس۔ ماموصلہ ہے یا مصدر یہ۔ اور ظن پر عطف کرتے ہوئے یہ منصوب محذوف ہے۔
ولقد جاء ہم۔ جملہ معترضہ ہے یا تمجوع کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور اس سے مقصود تاکید ہے کفار کی بد حالی کی اور انکل بچو باتوں کی پیروی کے لغو ہونے کی۔

ام للانسان۔ ام منقطعہ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ یہاں انسان سے مراد کافر ہے اور تناسل مقصود آخرت میں بتوں کی سفارش ع ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ۔

قللہ الآخرۃ۔ پچھلے بیان کے لئے یہ بمنزلہ دلیل ہے کہ اللہ اسی کو عطا فرماتا ہے کہ جو اسی کا ہو رہتا ہے اور جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔
وما اکرمہم۔ جملہ تعجیبیہ ہے یعنی اللہ کے یہاں کتنے مکرم ہیں۔ مگر پھر بھی ان کی مرضی کے بغیر کوئی دم بھی نہیں مار سکتا۔
من عبادہ۔ اس سے مشفوع لہ، انسان مراد ہیں یا شفیع فرشتے۔

لا یومنون بالآخرۃ۔ اگرچہ آیت ہولاء شفعاء نا عند اللہ سے کفار کا آخرت کا تسلیم کرنا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ آیت ما اظن الساعة قائمة ولئن رجعت الی ربی ان لی عنده للحسنی سے ان کے نزدیک غیر یقینی ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں ان کو منکر آخرت فرمایا گیا ہے۔ رہا بتوں کو سفارشی ماننا وہ محض احتمالی تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ آخرت اگرچہ مانتے تھے مگر پیغمبروں کے فرمانے کے مطابق نہیں۔ بلکہ خود ساختہ اس لئے ان کو منکر ہی مانا گیا۔

تسمیۃ الانبی۔ ملائکہ میں تائے تائید سمجھتے ہوئے نیز فسجدت الملائکۃ میں بھی فعل مونث ہے اس سے وہ فرشتوں کو بنات اللہ کہتے ہیں۔

من الحق شیئا۔ یعنی گمان سے علم قطعی حاصل نہیں ہوتا جو مطلوب ہے عقائد و اصول میں جو احکام فرغیہ کی بنیاد ہیں مفسر نے عن العلم تہکما کہہ دیا ہے۔

مبلغہم من العلم۔ چنانچہ دعائے ماثر ہے۔ اللہم لا تجعل الدنیا اکبر ہمناء ولا مبلغ علمنا۔ یہ جملہ معترضہ ہے جس سے ان کی حضور ہمت مقصود ہے۔

ان ربیلث۔ یہ جملہ فاعرض عنمن تو لی کی دلیل ہے۔

واللہ ما فی السموات۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ لیجزی الذین الخ واللہ ما فی السموات الخ کی علت ہے اور بعض نے اس کو ما قبل کے مضمون تخلیق عالم کی علت کہا ہے اور بعض نے ہو اعلم بمن ضل کی علت قرار دیا۔

بالحسنی۔ یہ صفت ہے موصوف مثوبۃ بمعنی جنت ہے اس صورت میں باصلہ کی ہوگی اور یا اعمال حسنہ مراد ہیں اس وقت باسیبہ ہوگی۔

الذین یجتنون۔ یہ منصوب ہے الذین احسنوا کی صفت ہونے کی وجہ سے یا یعنی یا ممدوح مقدر ہے۔

کبائر الاثم۔ گناہ کبیرہ کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، بخملاً ان کے ایک یہ ہے کہ جس پر وعید یا حد آئے۔ حدیث قال رسول اللہ ﷺ اجتنبوا السبع المویقات قبل یا رسول اللہ وما هن قال الشوک باللہ وهو اکبر الکبائر والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات کی رو سے بعض حضرات نے سات گناہ کبیرہ فرمائے ہیں اور بعض کے نزدیک جن پر وعید یا لعنت آئی ہے۔ اور بعض کے نزدیک جن پر جہنم کی وعید بیان کی گئی ہے۔ سب سے بہتر تعریف قرطبی نے کی ہے جس گناہ کو قرآن یا حدیث یا اجماع میں کبیرہ کہا گیا ہو اس پر شدت عذاب یا شدت نکیر یا حد آئی ہو وہ کبیرہ ہے۔

ابن عطاء کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل پر نظر کی جائے تو کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور اس کے عدول پر نظر کی جائے تو کوئی صغیرہ نہیں رہتا۔ اور جی فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ بھی ہے اور صغیرہ بھی نیز صغیرہ گناہ کبیرہ اور کبیرہ گناہ فاحشہ بن سکتا ہے۔ بجز شرک کے کہ وہ تو اکبر الفواحش ہے۔ اس میں صغیرہ ہونے کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس میں فاحش اور فاحش کے مراتب نکل سکتے ہیں اور بعض حضرات نے صغیرہ اور کبیرہ کو اضافی مانا ہے۔ ہر گناہ بڑے گناہ کے اعتبار سے صغیرہ ہے اور چھوٹے گناہ کے لحاظ سے کبیرہ ہے۔ اور عشاق کا مذاق یہ ہے کہ اللہ کے بغیر سانس لینا بھی کفر ہے۔ حدیث بالا میں سات کا عدد تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے اور فواحش گندے گناہوں کو کہتے ہیں۔

لعم۔ معمولی قصور اور کوتاہی۔ لعم دراصل چھوٹی اور حقیر چیز کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اللهم والممس معمولی جنوں کو کہتے ہیں الم بالماکان کسی جگہ ٹھہرنا الم بالطعام تھوڑا سا کھانا۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ کسی کام کو محض ”چھوٹا“ الم بکف“ کسی چیز کے نزدیک گیا مگر اس کو کیا نہیں۔ ازہری کہتے ہیں کہ اہل عرب المام کہتے ہیں خوب ہونے کو۔

مصباح میں ہے کہ لعم گناہ کے قریب ہونے کو کہتے ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ کے معنی لئے ہیں۔ جب کہ اصرار نہ ہو۔ جیسا کہ مفسر نے کچھ مثالیں بیان کی ہیں۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ لیکن بعض نے لعم گناہ کبیرہ کہا ہے۔ ای یجتنون من الکبائر کلھا الا القلیل منہما مرة او مرتین بلا اصرار۔ اس وقت استثناء فصل ہو جائے گا کبائر کے اجتناب کے ساتھ صغائر معاف ہو جانا چونکہ معتزلی کی رائے ہے اس لئے مفسر کی عبارت لکن اللهم تغفر باجتناب الکبائر میں با کو مصاحبت کے لئے لیا جائے گا۔ تاکہ اہل سنت کے مطابق عبارت ہو جائے۔

ان ربک واسع المغفرة۔ یہ جملہ اللہ کی علت ہے یعنی صغائر اگرچہ گناہ ہیں اور قابل مواخذہ ہیں مگر رحمت کی وجہ سے ان پر دارو گیر نہیں ہوگی اور کبائر جس طرح توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں وہ چاہے توبہ بلا توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اہلسنت فرماتے ہیں۔

اذ انتم اجنة اس کا عطف ”اذا انشاء کم“ پر ہے عجب و خود بینی میں مبتلا ہو کہ ہم اول سے آخر تک تم سے واقف ہیں بلکہ تجدیث نعمت کی اجازت بلکہ مستحق ہے۔

فلا تزکوا۔ نفس چونکہ خیس ہوتا ہے اس لئے اپنی تعریف کرنے اور دوسروں کی تعریف سننے سے پھول جاتا ہے جو ہلاکت کا سامان ہے ہضم نفس اور تواضع ضروری ہے۔ البتہ نیکی پر طبعی مسرت وہ طاعت ہے۔

من اتقى۔ حقیقہ نقوی اللہ کو معلوم ہے اور وہ قابل قدر ہے لیکن ریاء و نمود باعث ہلاکت ہے۔

روایات..... روی ان رسول اللہ ﷺ لما بلغ سلمة المنتهی جاءه الرفرف فتناوله من جبرئیل وطار به الى العرش

حتی وقف به بین یدی ربہ ثم لما خان الانصراف تناوله فطار به حتی اواه الی جبرئیل . الا اللهم عن ابی ہریرۃ ان اللہم ہی النظرة والقبلة والعمرة والمباشرة ، فاذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل وهو الزنا ۔

رابط آیات پچھلی سورت میں توحید، رسالت، قیامت، مجازات کے مضامین تھے۔ اس صورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔ چنانچہ شروع سورت، رسالت سے ہو رہی ہے۔ پھر آیت افراتیم اللات سے توحید کا بیان ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾ والہم، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے لے کر غروب تک تمام تر مسافت میں اپنی باقاعدہ اور مقررہ رفتار سے بال برابر ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ بھی ساری عمر راہ مستقیم پر رہے۔ ذرا بھی کجی نہیں کی۔ غروب سے لے کر طلوع تک بھی ستارہ اگرچہ یہی راست رفتار رہتی ہے مگر نظر نہیں آتا۔ لیکن طلوع سے غروب تک کیفیت مشاہدہ محسوس رہتی ہے۔

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ستارہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح آپ بھی منج ہدایت ہیں اور چونکہ آسمان کے وسط میں ستارہ کی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے رہنمائی مشکل ہے، اس لئے کنارہ کی تخصیص کی اور کنارہ میں مغربی کنارے کی تخصیص کی۔ کیونکہ مشرقی کنارہ کی نسبت مغربی کنارہ میں قرب نمایاں ہوتا ہے۔ نیز غروب کے وقت طالبان رہنمائی غنیمت سمجھتے ہیں کہ ذرا چوک ہوگئی تو رہنمائی سے محروم ہو جائیں گے برخلاف طلوع کے اس میں ایک گونہ بے فکری رہتی ہے گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دم غنیمت سمجھو اور دولت ہدایت لوٹ لو ورنہ پچھتاؤ گے۔

انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آنحضرت آفتاب ہدایت ہیں: انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے درخشاں ستارے ہیں جن کی روشنی سے دنیا کی رہنمائی ہوتی رہی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب عالم تاب طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام کے تشریف لے جانے کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے جلوہ گر اور ضوئیں ہوا ہے پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا نظام کس قدر محکم و مضبوط ہونا چاہیے جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔

وما یطلق ۔ ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو نفسانی خواہش پر مبنی ہو بلکہ دین کے سلسلہ میں جو کچھ آپ ارشاد فرماتے ہیں خواہ وہ قرآن کی صورت میں یا حدیث کے رنگ میں سب اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اور جب آپ کے کلام کا یہ حال ہے تو آپ کا کام کیسے مرضی حق کے خلاف ہو سکتا ہے۔ یہ تو اس کا حال ہے جس پر وحی آتی ہے اور وحی صحیحہ والا اللہ ہے۔ اس کی قوت و عظمت کا تو کیا ہی پوچھنا۔ جب کہ وحی لانے والا فرشتہ جس کے ذریعہ سے پیغام آپ تک پہنچتا ہے۔ وہ بھی انتہائی طاقت ور، زور آور، حسین و جمیل فرشتہ جبرائیل امین ہیں۔ جن کی نسبت سورہ نکویر میں انه لقول رسول کریم ﷺ فرمایا گیا ہے۔

ایک روایت میں خود جبرئیل نے اپنی طاقت کے متعلق فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب تک اٹھا کر پلک دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام شیطان کے ذریعہ نہیں آیا۔ کہ آپ کے کاہن ہونے کا احتمال ہو اور وہ فرشتہ بھی ایسا کمزور نہیں کہ راستہ میں شیطانی تصرف کا امکان ہو۔ شیطان کی کیا مجال کہ اس کے قریب بھی بھٹک سکے۔

پھر وحی آنے کے بعد انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون میں مکمل حفاظت کا خدائی وعدہ کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: رہا یہ شبہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا ہی نہیں، ان سے شناسائی نہیں تو یہ کیسے یقین کر لیا کہ جبرئیل ہی ہیں۔

ممکن ہے کوئی دوسری چیز ان کے روپ میں آگئی ہو؟ اس شبہ کو بھی صاف کر دیا کہ اول تو جبرئیلؑ کو بارہا انسانی خاص شکل میں دیکھا اور اس مخصوص صورت میں شخصیات اصلہ اور عارضہ کو علم ضروری کے اعتبار سے آپ کے لئے ممتاز اور الگ الگ کر دیا گیا۔ پھر دوسرے تہا ہایت واضح طور پر ان کی اصلی شکل و صورت میں بھی مشاہدہ کر لیا۔ اس لئے تلمیس کا کوئی شائبہ ہی نہیں رہا۔

ایک روایت کے مطابق اکثروں نے مشرقی افق سے جبرئیلؑ کا نمودار ہونا بیان کیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے۔ جبرئیلؑ اپنی اصلی شکل میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک ان کے وجود سے بھرا نظر آیا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر چونکہ پہلی مرتبہ آپ نے ابتداء وحی میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرائے اور بے ہوش ہو گئے۔ یہاں جبرئیلؑ جلوہ نہ بالکل آسمان کے کنارے پر ہوا اور نہ درمیان میں۔ بلکہ کنارہ سے قدرے اوپر کو ہوا۔ تاکہ بسوہلت آپ ملاحظہ فرما سکیں۔ آپ کی تسکین کے لئے پھر جبرئیلؑ انسانی شکل میں آپ سے اتنے قریب ہوئے کہ دو ہاتھ یادوں کانوں سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ اس وقت سورہ مدثر یا کچھ اور احکام نازل ہوئے۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں اوٹک کیلئے نہیں ہے بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ نئی کیلئے ہوا کرتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تعین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ ”قوسین“ کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ بس اس سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ ”قوسین“ سے تو دونوں میں صورۃ قرب و اتفاق کو بتلانا ہے مگر یہاں چونکہ روحانی اور قلبی قرب و اتفاق بھی تھا اس لئے ”او ادنیٰ“ بڑھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ اتفاقی صورت کے ساتھ روحانی قربت بھی تھی۔ جس سے معرفت نامہ حاصل ہو گئی اور صورت ذہن میں محفوظ ہو کر شخصیات اصلہ و عارضہ کے درمیان امتیاز کا باعث بن گئی۔

آنحضرتؐ نے جبرئیلؑ کو مکمل طور پر شناخت کر لیا۔ فاوحی الی عیدہ۔ اس وقت کیا وحی ہوئی؟ نہ تو اس کی تعین و تخصیص معلوم اور نہ معلوم ہونے کی حاجت ہے ممکن ہے کہ جبرئیلؑ کی معرفت سے متعلق ہی کچھ وحی ہو۔ اگرچہ یہاں مقصود جبرئیلؑ کی اصل شکل دکھانا تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وحی کرنے سے مقصود جبرئیلؑ ہی کی معرفت مکمل کرنا ہوگا۔ تاکہ اصلی اور نقلی دونوں طرح جبرئیلؑ کا بھی مکمل تعارف ہو جائے اور وحی کی بھی پورے طور پر شناخت ہو جائے اور یقین میں قطعیت آجائے۔ کسی طرح کا التباس نہ رہے اور سمجھ لیا جائے کہ دونوں صورتوں میں وحی حقیقت واحدہ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کی آواز، طرز کلام، لب و لہجہ سے کوئی واقف ہو تو آواز بدلنے پر بھی صاف پہچان لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔

آنحضرتؐ نے آنکھ اور دل دونوں سے جبرئیلؑ کو پہچان لیا۔ ما کذاب الفؤاد۔ یعنی آپ نے جبرئیلؑ کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور دل نے اندر سے کہا اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبرئیلؑ ہی کو دیکھ رہی ہے کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آ گیا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں، ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو کہاں اطمینان غیب ہو سکتا ہے۔

در اصل یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اصلی صورت کا دیکھنا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جو مدار ہے معرفت نامہ کا وہ مطلق دیکھنا نہیں ہے بلکہ صحیح دیکھنا ہے اور اس کا دار و مدار مرکب اصلی یعنی دل کے خطا سے محفوظ رہنے پر ہے۔ ورنہ اگر قلبی ادراک میں غلطی ہے تو اس میں قلب یعنی عواس میں بھی غلطی ہوگی۔ چنانچہ مجنون کے احساسات اگر صحیح ہوتے ہیں۔ مگر بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتلانے لگتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصل ادراک کرنے والا دل ہوتا ہے۔ اس کی صحت اور غلطی کا اثر حواس پر پڑتا ہے۔

اس آیت میں اسی کا ازالہ فرمایا گیا۔ رہا یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی سو یہ احتمال بلا دلیل ہے۔

اسی طرح کے احتمالات تو ہر چیز میں نکل سکتے ہیں۔ ان کی طرف التفات کیا جائے تو حواس سے اعتماد اور امان ہی اٹھ جائے۔ جس احتمال کا کوئی معتدبہ منشاء ہو اس کا البتہ اعتبار کیا جاتا ہے۔ مثلاً خطائے قلبی کے احتمال کا یہ منشاء ہونا چاہیے کہ ادراک کرنے والا فاجر العقل ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا صحیح عقل، ذہین، زکی، صاحب فراست ہونا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے خلاف وجدال سے باز نہ آتے تھے۔

ہٹ دھرمی کی حد ہوگئی۔ اس لئے آگے افتخرو نہ علی مایوی فرماتے ہیں یعنی ادراک و علم کے سلسلہ میں حیات سب سے زیادہ خطا سے پاک ہوتے ہیں مگر غضب ہے کہ تم حیات میں بھی اختلاف کرتے ہو۔ حالانکہ ان میں احتمالات خطا کا اعتبار نہیں کیا جاتا ورنہ یوں تو تمہارے حیات میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں۔

اور اگر یہ مہمل خدشہ ہو کر کسی چیز کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے پہچان کیسے ہو۔ البتہ بار بار اس چیز کو دیکھنے سے بلاشبہ یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ وہی پہلی مرتبہ دیکھی ہوئی چیز ہے؟ مگر اول تو یہ بات یوں غلط ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کا پورا پتہ معلوم ہو جائے سے پہلی ہی بار فوراً پہچان ہو جاتی ہے۔ دوسرے پہلی بار میں شناخت ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ خود بخود سمجھ جائے۔ جیسا کہ دوسری تیسری بار دیکھتے ہیں کسی کے بتلانے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ بلکہ معرفت حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی سچے کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے یا قرائن و علامات ہو جانے سے اس کا علم ہو جائے اور اس کی صورت ذہن نشین ہو جائے کہ دوبارہ دیکھتے ہی پہچان لیں۔

پس ممکن ہے کہ بطور علم ضروری استدلالی کے جن مقدمات کی تعیین ہم نہیں کر سکتے یا کئی دفعہ غیر اصلی شکل پر دیکھنے اور تشمنات اصولیہ ذہن میں محفوظ رہنے کی وجہ سے جبرئیل کا پورا پتہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو اور اس سے آپ پہچان گئے ہوں۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت اللہ کے بتلانے سے آپ کو یقین ہو گیا ہو۔ غرض ان دو وجوہ سے یہ خدشہ غلط ہے۔ اور تیسرے یہ کہ بطور تنزل اگر شناخت کے لئے بار بار دیکھنے ہی کی ضرورت ہو تو آگے ارشاد ہے۔

ولقد راه نزلة اخراى۔ اب تو وہ وہم بھی دور ہو گیا۔ یہ دوبارہ اصلی شکل پر جبرئیل کو دکھانا شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر ہوا۔ سدرہ کہتے ہیں بیری کو اور منتہیٰ کے معنی آخری حد کے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ چھٹے ساتویں آسمان پر یہ ایک بیری کا درخت ہے اس کی مثال مرکزی ڈاک خانہ کی سی ہے کہ عالم بالا کے تمام احکام پہلے وہاں اترتے ہیں پھر نیچے آتے ہیں۔ اسی طرح نیچے کے تمام اعمال پہلے وہاں پہنچتے ہیں پھر اوپر چڑھتے ہیں۔ جس طرح جنت کے انگور انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میوؤں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ محض لفظی اشتراک ہے۔ اسی طرح اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیڑیوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح ہوگی اور چونکہ یہ مقام جبرئیل اور تمام فرشتوں کا مرکز اصلی ہے اور ہر چیز اپنے مستقر پر رہ حقیقی شکل میں معلوم ہوا کرتی ہے اس لئے حضرت جبرئیل کو یہاں دکھلانے کا مقصد ان کی حقیقی شکل و صورت کا امتیاز ہوگا۔ اور سدرۃ المنتہیٰ پر انوار تجلیات الہی کا جھمکنا لگا رہتا تھا۔ فرشتوں کے جہوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق فرشتوں کی درخواست پر حضور ﷺ کی زیارت کے لئے ان کو اجازت ملی تھی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ نہایت خوش رنگ سنہری پرندے تھے کہ جن کے دیکھنے سے دل کھینچ جائے۔ درخت کی بہار رونق اور اس کا حسن و جمال ناقابل بیان تھا۔ ان الفاظ میں بھی معرفت جبرئیل کی تاکید مقصود ہے۔

چند شبہات کا ازالہ:..... اب ایک احتمال یہ رہ جاتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکر جاتی ہے۔ پورے طور پر ادراک نہیں ہوتا۔ پھر ایسی حالت میں جبریل کی صورت کا کماحقہ، ادراک کیا ہوا ہوگا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ما زاغ البصر و ما طفی فرما۔

گیا۔ ان دونوں لفظوں میں آپ کے انتہائی استقلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کسی عجیب چیز کے دیکھنے پر انسان دو ہی طرح کی حرکتیں کیا کرتا ہے کہ جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے بعض دفعہ ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کو دیکھنے کے لئے نہیں کہا جاتا ہے ان کو تکتا رہتا ہے جس کی وجہ سے پورا انضباط نہیں رہتا۔

آگے لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ میں اسی استقلال و انضباط کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ غرض جبرئیل کو دیکھنے سے متعلق تمام شبہات کا شافی ازالہ کر دیا گیا ہے جو مقصود عام تھا۔

اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ یہ تمام تر گفتگو اس وقت مفید ہے جب کوئی دیکھنے کے دعویٰ کو مان لے۔ لیکن اس کی کیا دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے جبرئیل ہی کو دیکھا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل آپ کے خوارق و معجزات ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ ان معجزات سے آنحضرت ﷺ کے سچے ہونے کا پورا یقین ہو گیا۔ ورنہ یوں تو ہر دیکھنے والے کے متعلق اس طرح کے خدشات و احتمالات نکالے جاسکتے ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ اپنی اصل صورت کے علاوہ دوسری شکلوں میں جبرئیل کو دیکھ کر کیسے پہچان لیتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اصلی صورت دیکھنے سے پہلے تو آپ کو ایک خاص طریقہ سے پہچان تھی۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ لیکن اصل صورت دیکھنے کے بعد تو آپ کو اور بھی زیادہ پہچان ہو گئی تھی جیسے کسی شخص کی حقیقت جاننے کے بعد مختلف لباسوں میں اس کا پہچاننا مشکل نہیں رہتا۔ رہا یہ ہے کہ جب آپ پہلی بار بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس وقت آپ کو حیرت ہو گئی۔ پس جس شبہ کے جواب میں مازاں فرمایا گیا تھا وہی پھر دیکھنے پر ہو جائے گا؟

جواب یہ ہے کہ مطلق مغلوبیت دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ بلکہ جو مغلوبیت دیکھنے سے پہلے ہو وہ رکاوٹ بنتی ہے لیکن جو دیکھنے کے بعد ہوتی ہے وہ رکاوٹ نہیں بنا کرتی جیسے کوئی قوی نظر سورج کو دیر تک دیکھے تو گواں کے بعد آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ مگر چونکہ نظر کے خیرہ ہونے سے پہلے وہ سورج کو خوب دیکھ چکا ہے اس لئے سورج کی پہچان میں اسے کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ پس ممکن ہے آپ کی بے ہوشی اس شناخت کے بعد ہوئی ہو۔ برخلاف موسیٰ علیہ السلام کے جلوہ ربانی سے بے ہوش ہونے کے صرف لحاظ ذات کے موخر تھی زمانہ دونوں کا ایک ہی تھا۔ پس وہاں سے بے ہوش ہونے کے وقت تجلی کا ادراک نہیں ہوا۔

کوئی حد ہے اُن کے عروج کی؟..... اور ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے مطابق جمال الہی کا مشاہدہ اور حق تعالیٰ کا دیدار بھی اس آیت کے ابہام میں داخل ہے حافظ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جواب ابن عباسؓ کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں۔ یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ کسان اغصان السدة لولوا و یا قوتا و زبر جدا فراہا محمد ﷺ و رای ربہ بقلبه اور چونکہ یہ دیدار صرف دل نے نہیں بلکہ دل اور آنکھوں دونوں سے تھا جیسا کہ ما زاغ البصر و ما طغیٰ اسے ظاہر ہے اس لئے شاید ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا کہ راہ مرتین مرة بقلبه و مرة ببصره یہاں دو مرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک وقت میں دو طرح دیکھا ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی۔

دیدار الہی اور تجلیات ربانی..... تاہم آیت لا تدركہ الابصار میں جس دیکھنے کا انکار کیا گیا ہے یہاں وہ مراد نہیں۔ کیونکہ اس سے ایک خاص قسم سے دیکھنے کا انکار کرنا مقصود ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ کر سکتیں۔ اس سے مطلق دیکھنے کا انکار مقصود نہیں ہے۔

علاوہ ازیں جب ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق اشکال کیا گیا تو فرمایا و یسبحک ذاک اذا تجلسی بنورہ الذی ہو نورہ جس سے معلوم ہوا کہ تجلیات الہی میں فرق ہوتا ہے۔ بعض آنکھوں سے نظر آ جاتی ہیں اور بعض نہیں اور فی الجملہ دیکھنا دونوں کو کہا جائے گا۔ اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ جس درجہ کا دیکھنا آخرت میں مومنین کو نصیب ہوگا جب کہ ان کی نگاہیں تیز کر دی جائیں گی۔ جو اس تجلی ربانی کو برداشت کر سکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ اسی طرح شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کو جو خاص دیدار میسر آیا۔ اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و ہم نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایات میں جو آیا ہے کہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کا حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد نہیں بلکہ جبرئیل کو دیکھنا مراد ہے مگر تجلیات کے اس فرق کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اثبات کا مطلب ایک خاص درجہ ہے اور نفی کا تعلق دوسرے درجات سے ہے۔ اسی طرح ابو ذرؓ کی روایات رایت نور اور نورانی ارادہ میں بھی اسی طرح کی تطبیق ہو سکتی ہے۔ البتہ بعض اکابر کا مذاق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت مسلم میں جب خود آنحضرت ﷺ سے ان آیات کی تفسیر حضرت جبرئیل کے دیکھنے سے کی گئی ہے۔ تو پھر وہی رائج ہے۔ و اذا جاء نھر اللہ بطل نھر معقل۔

اور بخاری کی روایت شریک میں جو شبہ ہوتا ہے یہ آیات کہ حق تعالیٰ کے قرب و تدلی پر محمول ہوں۔ سو علامہ نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ شریک حافظ نہیں ہیں۔

محمل میں ٹاٹ کا بے جوڑ پیوند۔ افراتیتم اللات۔ رسالت کے بعد تو حید کا بیان ہے۔ بھلا الامجد و قد رت و عظمت والے اللہ کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لینے سے مشرکین کو شرم آنی چاہیے۔ لات، منات، عزرائی، تین بڑے بتوں اور دیوتاؤں کے نام ہیں، جن میں سے لات کی پوجا طائف والوں کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور منات کی پوجا اوس و خزرج کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور عزرائی کو قریش اور بنو کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول درجہ میں عزرائی تھا جو مکہ کے قریب ٹٹلہ میں تھا۔ دوسرے نمبر پر لات جو طائف میں تھا اور تیسرے درجہ میں منات تھا جو مکہ سے بہت دور اور مدینہ سے نزدیک تھا۔

بعض حضرات نے ان بتوں کے مندروں کے لئے دوسری جگہوں کے لئے نشاندہی کی ہے لیکن ممکن ہے کہ جیسے ہندوستان میں بڑے بڑے دیوی دیوتاؤں کی شکلیں بنا کر مختلف جگہ مندر بنالیتے ہیں۔ عرب میں بھی یہی حال ہوتا ہو غرض کہ جب یہ بڑے بت خدا نہیں ہو سکتے تو چھوٹے بتوں کو تو شمار ہی کیا۔

علامہ یاقوتؒ نے نجم البلدان میں کہا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ واللات و العزرائی و منات الثلاثة الاخریٰ ہولاء العزرائی العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی، بعض مفسرین نے اس موقع پر ایک قطعہ نقل کیا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک اگرچہ وہ صحیح نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورت پڑھی ہو اور کفار نے حسب عادت قرآن پڑھنے میں شور و ہنگامہ کیا ہو۔

قال الذین کفروا لا تسمعوا لہذا القرآن والغوفیہ اور جب اس آیت میں بتوں کا ذکر آیا تو ان میں سے کسی نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر تلبک الغرائق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی کہہ دیئے ہوں جو آگے چل کر تعبیر وادائیگی میں تصرف ہوتے ہوئے کچھ کا کچھ بن گیا ہو

کفر یہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے بھی نہیں نکل سکتے..... ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن میں جن کی تردید کی جا رہی ہے ان کی مدح سرائی کیسے ہو سکتی ہے اور آپ کی زبان مبارک پر ایسا تسلط کب ہو سکتا ہے کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے سو اول تو اللہ اولاد

سے بری ہے اور بالفرض یہ نظریہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی تقسیم کس طرح بھونڈی اور بھدی ہے تم خود تو بیٹھے لے جاؤ اور اللہ کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو۔ دراصل پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں ان کو اپنے خیال میں بیٹیاں کہہ لویا بیٹے۔ یہ محض کہنے کی بات ہے جس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں باوجودیکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آچکی ہے اور وہ سیدھی راہ دکھلا چکا۔ مگر یہ احمق انہی اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو کچھ انکل پچوڑ بن میں آگیا اور دل میں امنگ آگئی اسی کو گر گزرے۔ تحقیق و جستجو سے کوئی سروکار نہیں ان کا یہ سمجھنا اور کہنا کہ یہ بت ہمارے سفارشی ہوں گے خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ انسان جو کچھ بھی تمنا کرے کیا وہی مل جائے گا؟ دنیا و آخرت کی سب بھلائی تو اللہ کے ہاتھ ہے

کون سفارشی ہوں گے اور کن کے لئے سفارش ہوگی۔ وکم من ملک۔ یعنی ان بتوں کی تو حقیقت کیا ہے آسمان کے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی کسی کو سفارش کی اجازت دے اور جس کی سفارش کی جائے وہ اس سے راضی ہو مثلاً وہ کافر نہ ہو۔ وہاں بے شک سفارش کام دے گی، ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔ دراصل یہ ساری گمراہی آخرت کی بے فکری سے پیدا ہوئی۔ ورنہ جسے آخرت کی فکر ہو وہ اپنی نجات کی ضرورت فکر کرے گا۔ اور جب فرشتوں کے اللہ کے ساتھ شریک عبادت ٹھہرانا کفر ہے تو بت پرستی بدرجہ اولیٰ کفر ہوگی۔ اس لئے صراحتاً اس کے بیان کی حاجت نہیں سمجھی۔

یہ آیت قیاس و اجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ ان یبغون الا الظن۔ یعنی عقلی دلائل کے بغیر محض بے اصل خیالات یقیناً ذرا بھی مفید نہیں۔ اس سے قیاس و اجتہاد کے انکار کرنے والے استدلال نہیں کرتے۔ کیونکہ قیاس و اجتہاد تو دلیل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں بے دلیل خیالات کو ناکارہ بتلایا جا رہا ہے۔ البتہ بظاہر یہ آیت مکرر معلوم ہوتی ہے مگر دونوں آیتوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ پہلی آیت میں دلیل عقلی کی نفی ہے۔ جیسا کہ آیت ما انزل اللہ بھا من سلطان سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اس دوسری دلیل میں عام معنی مراد ہیں دلیل عقلی ہو یا عقلی یا پھر پہلی آیت کے مقابلہ کی وجہ سے یہاں صرف دلیل عقلی مراد ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں فرشتوں اور بتوں کے متعلق دلیل کی نفی نہیں۔ اور یہاں صرف فرشتوں کے اعتبار سے ہے اس لئے تکرار کا شبہ بھیگ رہتا۔ اور فرشتوں کا مکرر تذکرہ شاید تقسیم کے بعد تخصیص کے طور پر ہو۔ نیز ان کے مقبول ہونے کی وجہ سے ان کی پرستش اور شفاعت کے عقیدہ کی زیادہ گنجائش تھی۔ اس لئے مکرر ذکر کر دیا۔

اعمال کی جزا و سزا اس کے بعد آیت فاعرض عن قولی میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا اوڑھنا بچھونا دنیا کی یہی چند روزہ زندگی ہو جس میں منہمک ہو کر وہ کبھی اللہ کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے آپ اس کی بکواس کو دھیان میں نہ لائیں وہ اللہ سے منہ موڑتا ہے آپ اس کی شرارت اور کجروی سے منہ پھیر لیں، سمجھنا تھا سمجھا دیا، ایسے بدطینت لوگوں سے قبول حق کی امید رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے جزوی نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ ان کی تمام تر جدوجہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت کی آگ بجھانے کے لئے ہے۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی بارگاہ میں ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اچھے بروں کو اور ان کی مخفی استعدادوں کو اللہ ازل سے جانتا ہے۔ ہزار حقن کر لو اسی کے مطابق ہو کر رہے گا۔ اس کے علم کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یوں بھی وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا لہذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ ہر شخص کا حال جب اس کو معلوم، اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ، پھر نیکی و

بدی کا بدلہ دینے سے اسے کیا چیز روک سکتی ہے؟ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا گیا کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے۔ جہاں بروں کو ان کی برائی اور نیکیوں کو ان کی بھلائی کا بدلہ اور صلہ مل سکے۔

بڑے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگزر..... الذین یجتنون۔ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔ البتہ تم کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ گناہ کرنے کے خیالات جو دل میں آئیں مگر عمل میں لانے کی نوبت نہ آئے وہ کم ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لیا ہے، بعض کی رائے میں جس گناہ پر اصرار نہ ہو یا اس کی عادت نہ پڑ جائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے۔

حاصل آیت یہ ہے کہ اللہ چونکہ مہربان اور وسیع مغفرت والا ہے اسی لئے دو بڑے گناہوں اور فواحش سے بچنے والوں کے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑ کرنے لگے۔ تو بندہ کا ٹھکانہ کہاں؟ اس لئے کبھی کبھار کی معمولی لغزشوں سے انسان کی عام نیکو کاری میں فرق نہیں پڑتا یعنی نیکو کاروں کی جس محبوبیت کا یہاں ذکر ہے اس کا مصداق بننے کے لئے بڑے گناہوں سے بچنا تو شرط ہے لیکن گاہ گاہ معمولی غلطیوں کا سرزد ہو جانا البتہ موقوف علیہ نہیں ہے۔ ہاں ان پر اصرار نہ کرنا شرط ہے۔

اس استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ مغفرت کی اجازت ہے اور نہ شرط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نیکیوں کا صلہ ملنا موقوف ہے کبار سے بچنے پر، کیونکہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یروہ کی رو سے کبار کرنے والا بھی اگر نیکی کرے گا تو یقیناً اس کی سزا پائے گا۔ پس بڑے گناہوں سے بچنا معنی بیجزی کے اعتبار سے شرط نہیں۔ بلکہ محسن اور محبوب خاص بننے کے لئے شرط ہے جس پر احسنو کا عنوان دلالت کر رہا ہے۔

نہ مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقعہ..... پھر آیت لیجزی الذین اساءوا بما عملوا سے بدکاروں کو مایوسی کا وہم ہو سکتا تھا جس سے وہ ایمان و توبہ و ہمت ہار جاتے۔ اسی طرح بیجزی الذین احسنوا بالحسنى سے نیکیوں کو غرہ اور خود پسندی ہو سکتی تھی۔ ان ربک واسع المغفرۃ فرما کر دونوں کا ازالہ کر دیا۔ یعنی گناہ گاروں کو گناہوں کے تدارک سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ چاہے تو کفر و شرک کے علاوہ محض اپنے فضل و کرم سے سب گناہ معاف کر سکتا ہے پس تدارک سے تو کیوں معاف نہیں کرے گا۔

اسی طرح نیکیوں کو عجب نہیں آنا چاہیے کیونکہ نیکیوں میں بعض دفعہ ایسے دقیق شواہب مل جاتے ہیں جن کی طرف نیکی کرنے والے کو التفات بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اطلاع لیکن حق تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا ہے اور وہ نیکی اس حالت میں قابل قبول نہیں ہوتی پھر عجب کیسا۔ رہی یہ بات کہ تمہاری کسی حالت کی خود تمہیں بھی اطلاع نہ ہو اور اللہ کو معلوم ہو جائے کوئی عجیب و غریب بات نہیں۔ یہ تو شروع ہی سے ہو رہا ہے۔

حقیقۃً متقی کون ہے..... ہو اعلم بکم الخ بنی آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اور ان کے واسطے سے سارے انسانوں کی پیدائش بھی گویا مٹی سے ہوئی۔ اسی طرح رحم مادر میں جنین کے مراحل گزرتے رہے۔ ان دونوں حالتوں میں کسی کو بھی اپنی خبر نہیں تھی اور ہمیں سب خبر تھی۔ پس اسی طرح اب تمہارا کسی حالت کو نہ جاننا اور ہمارا جاننا کچھ حیرت انگیز تعجب خیز نہیں ہونا چاہیے۔ اس بناء پر کسی کے لئے خود کو مقدس سمجھنے کا جو از نہیں کون ہیئتہ متقی ہے اس کو بس وہی جانتا ہے۔ دیکھنے میں تو دونوں ہی سے تقویٰ کے افعال سرزد ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے اس ہستی کے دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے

ہیں کہ بالکل یہ کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے کچھ نہ کچھ کی سب میں رہ جاتی ہے۔

ایک نادر علمی تحقیق:..... حالت جنین میں انسانی علم پر یہ شبہ ہے کہ اس وقت تو انسان کو شعور ہی نہیں ہوتا لہذا اس حالت کو اس حالت پر کیسے قیاس کیا جا رہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ محض انکشاف کے لئے قوت شعور کافی نہیں ہے بلکہ شعور کا معلومات کے ساتھ تعلق انکشاف کی شرط ہے اور یہ ممکن ہے کہ تعلق نہ ہو جیسا کہ بہت سے احوال میں مشاہد ہے۔ اسلئے انکشاف نہ ہونا بھی ممکن ہے پھر یہ قیاس مد ا نہیں ہے بلکہ اس میں اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہونے کی وجہ سے کامل اور سب احوال میں یکساں ہے اور تمہارا علم حادث ہونے کی وجہ سے مٹی اور جنین ہونے کی حالت میں نہیں تھا۔ اس لئے ناقص اور نامکمل ہے کہ کبھی ہے اور کبھی نہیں ہے۔ پس خفی شواہب کا مخفی رہ جانا بعید اور عجیب نہیں ہے۔

جب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی:..... اور ایک تقریر اس مقام کی اور بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ نیکوں کا رویہ عجیب نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ محسنت کا مدار خاتمہ پر ہے اور اپنے خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں صرف اللہ کو معلوم ہے کہ جیسے ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے جیسے کہ ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے پھر عجب و خود پسندی کیوں کی جائے۔
لباب میں اس آیت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ماں کے پیٹ میں ہی شفیق و معید پیدا کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے بھی اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔ (بیان القرآن فوائد عثمانی)

اطّاف سلوک:..... فلا تزکوا انفسکم الخ اس میں دعوے تقدس سے صراحت ممانعت ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي قَوْلِي ﴿۳۳﴾ عَنِ الْإِيمَانِ أَيِ اتَّقَدَّ لِمَا غَيْرِهِ وَقَالَ إِنِّي خَشِيتُ عِقَابَ اللَّهِ فَضَمِنَ لَهُ الْمُعِيرُ أَنْ يَحْمِلَ عَنْهُ عَذَابَ اللَّهِ إِنْ رَجَعَ إِلَى شِرْكِهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ مَالِهِ كَذَا فَرَجَعَ وَأَعْطَى قَلِيلًا مِنَ الْمَالِ الْمُسَمَّى وَالْكَدَى ﴿۳۴﴾ مَنَعَ الْبَاقِيَ مَا أَخُوذُ مِنَ الْكُدْيَةِ وَهِيَ أَرْضُ صُلْبَةٍ كَالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حَافِرَ الْبُئْرِ إِذَا وَصَلَ إِلَيْهَا مِنَ الْخُفْرِ أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يُرَى ﴿۳۵﴾ يَعْلَمُ مِنْ جُمْلَتِهِ إِنْ غَيْرَهُ يَتَحَمَّلُ عَنْهُ عَذَابُ الْآخِرَةِ لَا وَهُوَ الْوَلِيدُ بِنُ الْمَغِيرَةِ أَوْ غَيْرِهِ وَجُمْلَةُ أَعِنْدَهُ الْمَفْعُولُ الثَّانِي لِرَأَيْتَ بِمَعْنَى أَخْبَرْتَنِي أَمْ بَلْ لَمْ يُنَبِّأْنِي فِي صُحُفٍ مُوسَى ﴿۳۶﴾ أَسْفَارُ التَّوْرَةِ أَوْ صُحُفٍ قَبْلَهَا وَصُحُفِ إِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ﴿۳۷﴾ تَمَّ مَا أَمَرَ بِهِ بِحَقِّ وَإِذَا بَتَلْنِي إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَتٍ فَاتَمَّهَنَّ وَبَيَّنَّ مَا الْأَتَزَّرُ وَازَرَّةٌ وَزَّرَ أُخْرَى ﴿۳۸﴾ إِلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الْمُثْقَلَةِ أَيِ أَنَّهُ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَيْرِهَا وَأَنْ أَيِ أَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ﴿۳۹﴾ مِنْ خَيْرٍ فَلَيْسَ لَهُ مِنْ سَعْيٍ غَيْرِهِ الْخَيْرِ شَيْءٌ وَأَنْ سَعْيُهُ سَوْفَ يُرَى ﴿۴۰﴾ أَيِ يُبْصَرُ فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْأَوْفَى ﴿۴۱﴾ الْأَكْمَلُ يُقَالُ جَزَيْتُهُ سَعْيَهُ وَبَسَعِيهِ وَأَنْ الْفَتْحَ عَطْفًا بِالْكَسْرِ اسْتِيفًا وَ كَذَا مَا بَعْدَهُ فَلَا يَكُونُ مَضْمُونُ الْجُمْلَةِ فِي الصُّحُفِ عَلَى الثَّانِي إِلَى رَبِّكَ الْمُتَهَيَّي ﴿۴۲﴾ الْمَرْجِعُ وَالْمَصِيرُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيَحَازِيهِمْ وَأَنَّ

هُوَ أَضْحَكٌ مِّنْ شَاءَ فَرْحِهِ وَأَبْكَى ﴿۴۳﴾ مَن شَاءَ حُزْنَهُ وَآلَهُ هُوَ أَمَاتٌ فِي الدُّنْيَا وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾ لِلْبَعْثِ
وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الصِّنْفَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿۴۵﴾ مَن تَطْفَئَ مَنِيٌّ إِذَا تُمْنِي ﴿۴۶﴾ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ
وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشَاطَ بِالْمَدِّ وَالْقَصرِ الْآخَرَىٰ ﴿۴۷﴾ الْخَلْقَةُ الْآخَرَىٰ لِلْبَعْثِ بَعْدَ الْخَلْقَةِ الْأُولَىٰ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَى
النَّاسَ بِالْكَفَايَةِ بِالْأَمْوَالِ وَأَقْنَى ﴿۴۸﴾ أَعْطَى الْمَالَ الْمُتَّخِذِينَ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِىٰ ﴿۴۹﴾ هِيَ كَوَكَبٌ
خَلْفَ الْحَوَازِ كَانَتْ تُعْبَدُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادَ الْأُولَىٰ ﴿۵۰﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ بِإِدْغَامِ التَّوَيْنِ فِي
الْإِلَامِ وَضَمِّهَا بِلا هَمْزَةٍ هِيَ قَوْمٌ هُودٍ وَالْآخَرَىٰ قَوْمٌ صَالِحٍ وَثُمُودًا بِالصَّرْفِ إِسْمٌ لِلَّابِ وَبِلا صَرْفِ إِسْمٌ
لِّلْقَيْسِيَّةِ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى عَادٍ فَمَا بَقِيَ ﴿۵۱﴾ مِنْهُمْ أَحَدًا وَقَوْمٌ نُوحٍ مِّن قَبْلُ أَى قَبْلَ عَادٍ وَثُمُودَ
أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَى ﴿۵۲﴾ مَعْنَى عَادٍ وَثُمُودَ لِيُطَوَّلَ لُبُّ نُوْحٍ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ
عَامًا وَهُمْ مَعَ عَدَمِ إِيمَانِهِمْ بِهِ يُؤْذُونَهُ وَيَضْرِبُونَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ وَهِيَ قُرَى قَوْمِ لُوطٍ أَهْوَى ﴿۵۳﴾ اسْقَطَهَا بَعْدَ
رَفْعِهَا إِلَى السَّمَاءِ مَقْلُوبَةً إِلَى الْأَرْضِ بِأَمْرِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِذَلِكَ فَغَشَّاهَا مِنَ الْحِجَارَةِ بَعْدَ
ذَلِكَ مَا غَشَى ﴿۵۴﴾ أَنَّهُمْ تَهَوَّيَلًا وَفِي هُودٍ فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ فَبَآى
الْآءِ رَبِّكَ بِالنِّعْمَةِ الدَّالَّةِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ وَقُدْرَتِهِ تَتَمَارَى ﴿۵۵﴾ تَشْكُ أَثْمًا الْإِنْسَانُ أَوْ تَكْذِبُ هَذَا مُحَمَّدٌ
ﷺ نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِيرِ الْأُولَىٰ ﴿۵۶﴾ مِّنْ جِنْسِهِمْ أَى رَسُولٌ كَمَا لِرُسُلٍ قَبْلَهُ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ كَمَا أُرْسِلُوا إِلَى
أَقْوَامِهِمْ أَرَزَقَتِ الْأَرْزَاقَ ﴿۵۷﴾ قَرُبَتِ الْقِيَامَةُ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ نَفْسٌ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ أَى لَا يَكْشِفُهَا
وَيُظْهِرُهَا إِلَّا هُوَ كَقَوْلِهِ لَا يُحْلِيهَا لَوْفُهَا إِلَّا هُوَ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَى الْقُرْآنِ تَعْجَبُونَ ﴿۵۹﴾ تَكْذِبُهَا
وَتَضْحَكُونَ اسْتَهْزَآءٌ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾ لِسَمَاعٍ وَعَدِيدٍ وَوَعْدِهِ وَأَنْتُمْ سَلْمِدُونَ ﴿۶۱﴾ لَا هُمْ غَافِلُونَ
عَمَّا يُطَلَّبُ مِنْكُمْ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَأَعْبُدُوا ﴿۶۲﴾ وَلَا تَسْجُدُوا لِلْأَصْنَامِ وَلَا تَعْبُدُوا

ترجمہ: تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی (ایمان سے یعنی مرتد ہو گیا عار دلانے پر جب اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو عار دلانے والے نے یہ کہہ کر اپنا ذمہ لے لیا کہ اگر تو شرک کی طرف واپس آ گیا تو عذاب الہی کا میں ذمہ دار ہوں اور اس کو مالی عطیہ بھی دیا اور وہ مرتد ہو گیا) اور تھوڑا سا (مقرر کردہ) مال دیا اور روک لیا (باقی مال نہیں دیا۔ اکدی، کدی یہ سے ماخوذ ہے۔ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں کواں کھودتے ہوئے پتھر آڑے آجائے) کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جانتا ہے) کہ منجملہ اس کے یہ بھی کہ دوسرے کے عذاب کا ذمہ لے سکتا ہے؟ یہ بات نہیں ہے۔ ولید بن مغیرہ یا کوئی دوسرا مراد ہے اور جملہ عندہ وہ مفعول ثانی ہے برایت بمعنی خبرنی کا) کیا (بلکہ) اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے (تورات کے اسفار یا اس سے پہلے صحیفے مراد ہیں) اور نیز ابراہیم کے (صحیفے) جنہوں نے فرمانبرداری پوری کی (جوان کو حکم دیا گیا اس کو بجالائے ورجب ان کا آزمائشوں میں امتحان لیا گیا تو اس

میں کامیاب رہے۔ ماکایان آگے ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا (ان مخفہ ہے یعنی کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (بھلائی میں سے پس دوسرے کی بھلائی کی جدوجہد اس کو نہیں ملے گی) اور یہ کہ انسان کی سعی ہے جلد دیکھی جائے گی (آخرت میں نظر آجائے گی) پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا (مکمل طریقہ پر کہا جاتا ہے جزیتہ بمعنی سعيہ یسعيہ) اور یہ کہ (ان فتح کے ساتھ معطوف ہے اور کسرہ کے ساتھ جملہ مستافہ ہے۔ یہی صورت بعد کے جملہ کی ہے البتہ دوسری صورت میں مضمون جملہ صحف کا نہیں رہے گا) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچتا ہے (مرنے کے بعد وہی ٹھکانہ ہے لہذا وہی ان کو بدلہ دے گا) اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے (جس کو چاہتا ہے خوش کرتا ہے اور رلاتا ہے، جسے چاہتا ہے رنجیدہ کر دیتا ہے) اور یہ کہ وہی مارتا ہے (دنیا میں) اور جلاتا ہے (قیامت میں) اور یہ کہ وہی جوڑوں (قسموں) کو نرو مادہ کو نطفہ (منی) سے بناتا ہے جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے پیدا کرنا (مد اور کسر کے ساتھ) دوبارہ (پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد قیامت کے لئے دوبارہ پیدا کرنا) اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے (لوگوں کو کافی مال دے کر) اور سرمایہ باقی رکھتا ہے (سرمایہ داری کے لئے مال عطا فرماتا ہے) اور یہ کہ وہی مالک ہے شعری کا بھی (برج جوزا کے پیچھے ستارہ کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جس کی پرستش ہوا کرتی تھی) اور یہ کہ اسی نے قوم عاد کو ہلاک کیا (ایک قراءت میں دال کی تنوین کا لام میں اوغام کیا گیا ہے اور لام کا ضمہ بغیر ہمزہ کے۔ یہ قوم ہود ہے اور ”عاد آخری“ قوم صالح ہے) اور ثمود کو بھی (منصرف ہے قوم کے باپ کا نام اور غیر منصرف ہوتے ہوئے قبیلہ کا نام ہے اس کا عطف عاد پر ہے) کہ کسی کو (ان میں سے) باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو (یعنی عاد و ثمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر ڈالا) بلاشبہ وہ سب سے بڑھ کر ظالم و شریر تھے (قوم عاد و ثمود سے بڑھ کر، کیونکہ ساڑھے نو سو سال حضرت نوح ان میں رہے۔ مگر کفر کے ساتھ ان کو ستایا بھی اور مارا بھی) اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا (آسمان پر لے جا کر زمین پر پلٹ اور چٹک دیا حکم الہی سے جبرئیل نے) پھر گھیر لیا اس بستی کو (پھر اُنے اس کے بعد) جس چیز نے گھیر لیا (دہشتناک بنانے کے لئے اس کو ہمہ ذکر کیا گیا ہے اور سورہ ہود میں ہے ف جعلنا علیہا سافلہا و اعطونا علیہا حجارة من مسجیل سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں (جو اس کی وحدانیت و قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) شک کرتا رہے گا (اے انسان شبہ یا تکذیب کرتا رہے گا) یہ (محمد ﷺ) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (انہی کی جنس سے منجملہ پہلے رسولوں کے ہیں جس طرح اپنی وہ قوم کی طرف بھیجے گئے اسی طرح آپ ﷺ بھی تمہارے لئے آئے) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آ پہنچی ہے (قیامت نزدیک آگئی) کوئی (نفس) اللہ کے علاوہ اس کا ہٹانے والا نہیں ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی اور نہ اس کو لاسکتا ہے اور نہ ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ لا یجلیہا لوفقہا الا هو فرمایا گیا) سو کیا تم لوگ اس کلام (قرآن) کے بارے میں تعجب کرتے ہو (جھٹلاتے ہو) اور ہنستے ہو (مذاق کرتے ہوئے) اور روتے نہیں (اس کے وعدہ و وعید سن کر) اور تم تکبر کرتے ہو (تم سے جو کچھ چاہا جاتا ہے اس سے بچر پھر اور غفلت برتتے ہو) سو اللہ کے سامنے سجدہ کرو (جس نے تمہیں پیدا کیا ہے) اور عبادت کرو (بتوں کو نہ سجدہ کرو اور نہ ان کی پرستش کرو)۔

تحقیق و ترکیب: صحف موسیٰ کو صحف ابراہیم سے پہلے بیان فرمایا۔ چونکہ تو رات زیادہ مشہور ہے اس لئے صحف موسیٰ کو صحف ابراہیم سے پہلے بیان فرمایا۔

الانزور: یعنی یہ محل جرم میں ہے ہمارے بدل ہونے کی وجہ سے اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع بھی ہو سکتا ہے ای ذلک الانزور اور فعل مضموم کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے اس میں ان مخفہ ہے اور ضمیر شان محذوف اسم ہے اور جملہ منفیہ خبر ہے۔ اور یہ آیت حدیث مسلم من سن سنة سبئة فله وزرہا ووزر من عمل بها کے خلاف نہیں ہے کیونکہ برائی کا بانی، برائی کا سبب اور باعث بنا۔ یہ خود اس کا فعل ہے جس کی ذمہ داری اسی پر ہے گویا برائی کرنے والا اپنے حقیقی عمل میں پکڑا جائے گا اور برائی پر آمادہ کر دے والا اپنے عمل کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔

لیس للانسان۔ اس میں دوسرے کے نیک عمل کے نفع سے نفی کی جارہی ہے اس طرح کہ برائی کرنے والا دوسرے کی نیکی کی وجہ سے اپنی کی ہوئی برائی کے نقصان سے بچ جائے۔ رہا کسی کی شناخت کی وجہ سے یا مردوں کو زندہ کی، دعاء، استغفار، صدقات وغیرہ کے ذریعہ نفع ہونا وہ اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں ایمان اور نفس عمل کا ہونا شرط ہے پس ایمان و صلاح ہی کو اصل نفع بخش کہا جائے گا۔ دوسرے کی نیکی اسی کے ساتھ نتھی کی جائے گی۔ گویا نیکی کرنے والا جس کی نیت سے نیکی کر رہا ہے اسی کا نائب سمجھا جائے گا۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ یہ نیت نسبت کنندہ کا ہوگا ہوگا اور حکماً دوسرے کا۔ اس طرح ایک عمل کے دورخ ہونے کی وجہ سے دونوں کو فائدہ ہوگا اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیت والذین امنوا واتبعتهم ذریعتهم بایمان الحقنا بهم ذریعتهم کی وجہ سے منسوخ ہے۔

اور بعض کے نزدیک یہ حکم شرائع سابقہ کا تھا اب نہیں ہے۔ اور بعض ”ملائسان“ کے لام کو علی کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور بعض اس حکم کو کفار کے ساتھ خاص کہتے ہیں۔

اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ دوسروں کی نیکی سے نفع ہونا از روئے فضل ہے نہ کہ از روئے عدل، صدقات و حج کے ایصال ثواب میں تو سب کا اتفاق ہے۔ لیکن قرآن کے ایصال ثواب میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں تلاوت کے بعد یہ دعا کرنی چاہیے۔ اللہم انی وھبت ثواب ما قرأت لفلان اللہم فلا وصلہ لہ نماز روزہ میں یہ حکم جاری نہیں ہوگا ابوداؤد کی روایت من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ کی نسبت امام طحاوی۔ شرح الآثار میں کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اور بعض حضرات روایت ابوداؤد میں یہ توجیہ کرتے کہ ہیں کہ صیام سے مراد طعام ہے۔ اور صاحب ہدایہ یہ فرماتے ہیں۔ لسان لان جعل ثواب عملہ لغیرہ ولو صلوة او صوماً وھو مذهب اهل السنة۔ غالباً اہل سنت سے امام اعظم وغیرہ احناف مراد ہوں گے۔ ورنہ بقول نووی وغیرہ امام مالک، امام شافعی اجازت نہیں دیتے۔

الجزء الاوفیٰ۔ منصوب بنزع الخافض ہے اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ جزی متعدی مضارع آتا ہے اور متعدی بحرف الجرح بھی۔

وان السیء ریلک، ان کے مکسور ہونے کی صورت میں آئندہ جملے ”صحف اول“ کے نہیں ہوں گے۔ صرف سابقہ تین جملے ”صحف اول“ کے ہوں گے۔ جملہ ان الی ربک الخ دلیل ہے۔ ثم یجزا ہ کی جس کا حاصل یہ ہوگا کہ سب چیزوں میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے مخاطب عام انسان ہیں یا خصوصیت سے آنحضرت ﷺ ہیں قراءت کسرہ کی صورت میں۔ لیکن قراءت فتح کی تقدیر پر ہر عاقل مخاطب ہوگا موسیٰ علیہما السلام ہوں گے۔

ھو اضحک۔ یعنی اللہ نے رونے ہنسنے کو پیدا کیا یا فرحت و حزن کو پیدا کیا یا مسلمانوں کو آخرت میں عطیات سے خوش کر دے گا اور دنیا میں تکلیف سے ملول کرتا ہے۔

وانہ خلق الزوجین۔ یہاں انہ ہو اضحک کی طرح ضمیر فصل نہیں لائی گئی کیونکہ ہنسانے رلانے جلانے مارنے وغیرہ میں تو مخلوق کا دخل ہونے کا تو ہم تھا اس کے ازالہ کے لئے ضمیر فصل لائی گئی بخلاف نرمادہ کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے کے انہیں یہ ایہام نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

رب الشعوی۔ اس ستارہ پرستی کی داغ بیل سب سے پہلے ابوبکر نامی ایک شخص نے ڈالی تھی۔

وٹمودا۔ ایک سبب کی وجہ سے منصرف ہے اور عاصم، حمزہ کے نزدیک غیر منصرف ہے علیت اور تانیث کی وجہ سے۔

عاد الاولیٰ۔ اولیٰ کے معنی اگر قدیم کے لئے جائیں تو پھر آخری کے مقابل ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور فاعل اگر عام ہے تو سارے ثمود

ہوں گے ورنہ صرف کفار تباہ ہوئے ہوں گے۔

انہم کانوا۔ صرف قوم نوح کی طرف ضمیر راجع ہے یا تینوں اقوام کی طرف اور ضمیر فصل ہے یا تاکید کے لئے ہے۔ بدل ماننا بعید ہے۔ ظلم کا مفضل علیہ محذوف ہے پہلی صورت میں من عاد و ثمود ہوگا اور دوسری صورت میں من غیرہم ہوگا۔
والمؤفکۃ۔ یہ منصوب ہے اھویٰ کی وجہ سے بستیوں کو اس لئے کہا کہ اہل بستی پلٹ دیئے گئے تھے فو اصل کی رعایت کی وجہ سے مؤفکۃ کو عامل سے مقدم کیا گیا ہے۔

ما غشیٰ۔ اس میں ما اوحیٰ کی طرح ایہام ہے۔ تفعلیل اگر تعدیہ کے لئے مانا جائے تو اس کو مفعول ثانی کہا جائے گا۔ اور مبالغہ اور تکثیر کے لئے کہا جائے تو فغشیہم من الیم ما غشیہم کی طرح ما کو فاعل کہا جائے گا۔ مبہم لانے میں مبالغہ مقصود ہے۔ آیت ہود کے قریب آیت حجر بھی ہے۔ فجعلنا عالیہا سافلہا و امطرنا علیہم۔

تسماری۔ مفسر نے شک سے اشارہ کیا ہے فاعل میں تعدد فاعل نہیں ہے۔ اور تکذب کہہ کر ابن عباس کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے یہی معنی لئے ہیں۔ یعنی مزید کی بجائے مجرد کا ترجمہ کیا ہے۔

کاشفۃ۔ یہ مصدر بھی ہو سکتا عافیۃ، عاقبہ، خاتمۃ کی طرح اور صفت بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت اس میں تانیث ہوگی۔ مفسر نے نفس سے اس کے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں تا کو مبالغہ کے لئے کہا جاسکتا ہے۔ علامۃ منسلۃ کی طرح اور یہاں کشف الشیء کے معنی عرف حقیقۃ کے ہیں اور ریا کشف الضر سے ہے بمعنی ازالہ کرنا یعنی اللہ کے علاوہ کوئی اس سے بچا نہیں سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ اس نے طے کر دیا ہے اس لئے اس کا ہونا ناگزیر ہے۔

نتم سامدون۔ جملہ متانفہ بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی۔ خود کے معنی اعراض کے ہیں یا لہو کے یا خمود یعنی نہ چنے کے یا بمعنی استکبار ہے اور ابو بیدہ کی رائے ہے کہ لغت حمیر میں سمود کے معنی غنا کے ہیں کہا جاتا ہے یا جاریۃ اسمدی لندنی گانا گا۔

ما راغب فرماتے ہیں کہ ساد کے معنی الاهی الرفع راسہ کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بغیر سامد فی سیرہ اور سمدر راسہ وجسدہ ولا جاتا ہے یعنی بال صاف ہو گئے۔ کفار قرأت قرآن کے وقت گانے بجانے سے لوگوں کو پرچایا کرتے تھے۔

ابن عباس سمود کے معنی لہو کے لیتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ دع عنک سمودک ای لھوک۔ اور کرمہ قبیلہ حمیر کے لغت میں غنا کے معنی لیتے ہیں اور ضحاک وغیرہ پتھروں کے معنی لیتے ہیں۔

ایضاً آیات:..... پچھلی آیت الذین اساءوا اور الذین احسنوا میں بروں اور اچھوں کا اجمالی بیان تھا پھر نیکوں کی کچھ تفصیل آگئی تھی۔
ب آیت افرایست الذی رن سے بروں کی کچھ برائی ارشاد ہے۔ اسی ذیل میں پچھلی کتابوں اور شریعتوں کے حکمت و نصیحت آمیز مضامین نقل رہائے جا رہے ہیں۔

س کے بعد آخری آیت هذا الذی رن میں سورت کے مضامین، توحید، رسالت، مجازات کا پھر مخلوط خلاصہ دہرایا گیا ہے۔

ثان نزول وروایات:..... ابن جریر نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ یا کوئی اور کافر مسلمان ہو گیا تو مشرکین نے آباؤ ہب چھوڑنے پر اس کو ملامت کی۔ ملامت سن کر ولید بولا کہ میں عذاب آخرت سے ڈرتا ہوں۔ ملامت گر کہنے لگا کہ اگر تو مجھے کچھ دے تو میں برا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا۔ چنانچہ ولید نے کچھ دیا دلایا۔ مگر اس نے پھر اور مانگا۔ نہایت کشاکشی کے بعد اس نے کچھ دیا اور بقیہ رقم کی

دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی۔ آیت افرایت الذی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

آیت لا تزد الخ کے متعلق عکرمہ ابن عباسؓ سے نقل کر رہے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مجرم کی سزا اس کے باپ بیٹے متعلقین میں سے کسی کو دے دی جایا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ شریف لائے تو انہوں نے اس غلط طریقہ کو بدلا یہ آیت اسی کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾..... بقول روح المعانی نیز مجاہد وغیرہ سے یہی منقول ہے کہ ولید بن مغیرہ حضور ﷺ کی باتیں سن کر اسلام کی طرف مائل ہو چلا تھا اور قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے۔ ایک کافر بولا ایسا مت کر۔ اگر تجھے عذاب کا ڈر ہے تو مجھے اتنا مال دے دے میں سب اپنے سر لے لیتا ہوں۔ چنانچہ مغیرہ نے اس کی ایک قسط بھی ادا کر دی۔ مگر پھر باقی دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں اعطی قلیلاً واکدی کے معنی یہ ہوں گے کہ مغیرہ نے کچھ مال دیا اور پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ چنانچہ فدیہ بنے والے پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے اعسده الخ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھا آیا کہ دوسرے کا عذاب بھگتنے تیار ہو گیا یا مالی فدیہ دینے والا دوسرے پر ٹال کر بے فکر ہو گیا اور سمجھ لیا کہ اس طرح چھوٹ جائے گا۔

آسمانی صحیفوں کی تعلیم..... حالانکہ موسیٰ و ابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون آچکا تھا کہ اللہ کے ہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، ہر ایک کو اپنی جوادی خود کرنی ہوگی۔ درمنثور کی روایت حضرت موسیٰ کو تورات کے علاوہ دس صحیفے عنایت ہونے کی ہے ان میں یہ ہدایت بھی تھی کہ آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے وہی اس کا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی نیکیاں لے اڑے باقی خود کوئی اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو دے دے اور اللہ اسے منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل کتب حدیث و فقہ میں ہے۔

بہر حال ایک کی سعی اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بعض محقق اکابر نے سعی سے سعی ایمانی مراد لی ہے یعنی اسلام و کفر کا تبادلہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اعمال حسنہ ایک دوسرے کے لئے مفید ہوں یہ ممکن ہے اس لئے اب اس آیت میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا وان الی ربلث المستھی۔ چونکہ سب علوم و افکار حتیٰ کہ وجود کا سلسلہ اللہ ہی پر مشتمل ہوگا اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ اس لئے وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا۔

وانہ خلق الزوجین۔ یعنی تمام متضاد مقابل احوال، خوشی ہو یا غم، ہنسی ہو یا رونا، جینا ہو یا مرنا، ہر دو یا مادہ، خیر ہو یا شر سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ جس کے کمال صنایع اور عظیم قدرت کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اس نے ایک گندمی بوند سے نروادہ پیدا کر دیئے۔ اسے دوبارہ پیدا کرنا کونسا مشکل ہے۔ یہاں تک انسان میں تصرفات الہی کا بیان ہے۔

انسان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف میں ہیں..... آیت وانہ هو اغنی سے انسان کے متعلقات میں تصرف کا بیان ہے۔ چنانچہ کم سمجھ انسان مالی طاقت کے سامنے جس طرح ہتھیار ڈالتا ہے اسی طرح فلکی طاقت کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ گویا مال و دولت زمین کی طاقت ہے اور ستارے آسمانی قوت، اس آیت میں بتلادیا کہ ان دونوں کا سرچشمہ بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔ دھن دولت ہو یا زمین جائیداد سب اسی کی دی ہوئی ہیں۔ اور بعض نے اقی کے معنی فقر یعنی محتاج ہونے کے لئے ہیں۔ غرض امیر بنانا بھی اسی کا کام ہے۔ پس یہ دونوں وصف بھی منجملہ پہلے مقابلات کے ہو گئے لیکن اگر اقی کو اغنی کے ہم معنی کہا جائے تو پھر اس کا مقابل آگے واپس اہلک الخ آ رہا ہے۔ یعنی وہی مال و دولت دیکر بڑھاتا بھی ہے اور وہی بڑی بڑی دولت چھین کر مٹاتا ہے اور گھٹاتا بھی ہے۔ شعریٰ جیسا عظیم ستارہ بھی ایک غریب مزدور کی طرح اسی کا بیگاری بننا ہوا ہے۔

فسائی الاء ربلث۔ ایسے ظالم فساد یوں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر انسان اپنے رب کو

جھٹلاتا رہے گا۔ بظاہر یہ سب مضامین ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں مشترک معلوم ہوتے ہیں۔ خواہ ہر ایک میں یا مجموعہ میں، اجمالاً ہوں یا کلاً ہوں یا تفصیلاً اور جزئیاً۔ لیکن اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر جو مضمون ان صحیفوں کے علاوہ ہوگا۔ وہاں سے پہلے الامر مقدر مان لیا جائے گا۔ اور یہ مضامین نقل ہونے کے علاوہ چونکہ عقلی بھی ہیں اس لئے مشرکین پر حجت ہیں اور حضرت ابراہیم سب کے مسلمہ مقتدا ہیں۔ اور موسیٰ کو یہود و مقتدا ماننے ہیں۔ اس لئے حجت ہونے میں ان کی تخصیص بھی مناسب ہے۔

آنحضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے: ہذا نذیر۔ پچھلے انبیاء کی طرح آنحضرت ﷺ بھی مجرموں کو ان کے انجام سے برابر ڈرارہے ہیں اور آپ کی تشریف آوری مقدمہ ہے قیامت کا بس۔ سمجھو کہ قیامت بھی اب آئی گئی۔ اس کی تعین تو اللہ کو معلوم ہے، مگر جب ٹھیک وقت آجائے گا تو پھر کوئی دوسری طاقت اسے ٹال بھی نہیں سکتی۔ قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر تو انہیں مارے خوف کے رونادھونا چاہیے تھا اور تیاری کی فکر میں لگ جانا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ ہو یہ رہا ہے کہ ہنسنے میں لگے ہوئے ہیں اور نہایت بے فکری سے غافل ہو کر قلائعیں بھر رہے ہیں۔ حالانکہ نصیحت و فہمائش کی باتوں پر ہنسنے اور مذاق اڑانے کا کیا موقع؟ ان پر یہ تو لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کریں اور مطیع و فرمانبردار ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے آگے جھکا دیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ سورہ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور ساتھ ہی سب مسلمان اور مشرک جو حاضر مجلس تھے، سجدہ میں گر پڑے سب کو ایک غاشیہ الہی نے گھیر لیا اور غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً و کرہاً سب کو سربسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بد بخت جس کے دل پر قساوت کی مہر تھی اس نے سجدہ نہیں کیا اور زمین سے تھوڑی سے مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی کو لگا لی اور کہنے لگا کہ مجھے اس قدر کافی ہے۔

لظائف سلوک: لیس للانسان الخ کے ذیل میں روح المعانی میں ہے۔ والتحریر عندی فی هذه الاية ان ملاک المعنی هو اللام من قوله سبحانه للانسان فاذا حققت الشئ الذی حق الانسان ان يقول فيه لی کذا، لم تجده الا سعیه وما یكون من رحمة بشفاعه او رعاية صالح او ابن صالح او تضعیف حسنات او نحو ذلک فلیس هو للانسان ولا یسعه ان يقول لی کذا و کذا الا علی تجوز والحق بما هو حقیقة۔ انتھی۔

حاصل یہ ہے کہ عمل سے اصل مقصود حق تعالیٰ کا قرب ہے اور وہ بلا عمل کے کسی کی برکت سے نہیں ہوتا اور اللہ کے فضل سے عنایت ہو جانا اور بات یہ ہے کیونکہ یہاں تو حصر اضافی ہے۔ وان الی ربک المنتهی کے معنی بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ تمام افکار و تصورات کا ختمی حق تعالیٰ ہیں مخلوق میں نظر و فکر کی سیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن خالق پر پہنچ کر سیر رک جاتی ہے۔ آگے مجال نہیں چنانچہ ابی ابن کعب آنحضرت ﷺ سے اس کے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ لا نکرۃ فی الرب۔

سفیان ثوری آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اذا ذا الرب فانتھوا۔

ابن ماجہ ابن عباسؓ سے نقل ہیں ہر النبی ﷺ علی قوم یتفکرون فی اللہ فقال تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق فانکم لن تقلدوا۔

ابو ذر فرماتے ہیں۔ قال رسول ﷺ تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی فہلکوا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت بالکنز محال ہے۔ اکثر دلائل نقلیہ سے اس کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

سُورَةُ الْقَمَرِ

سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا سِيَهْزَمُ الْجَمْعُ الْآيَةُ وَهِيَ خَمْسٌ وَ خَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

اَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ قُرْبَتِ الْقِيَامَةُ وَ انشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ اِنْشَقَّ فَلَقَتَيْنِ عَلَى اَبْنَى قُبَيْسٍ وَ قَعِيقَانِ آيَةٍ لَهُ ﷺ وَ قَدْ سَلَّهَا فَقَالَ اشْهَدُوا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَ اِنْ يَرَوْا اَيَّ كُفَّارٍ قُرَيْشٍ آيَةٍ مُعْجَزَةٍ لَهُ ﷺ كَانَتْ شِقَاقَ الْقَمَرِ يُعْرِضُوا وَ يَقُولُوا هَذَا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ قَوِيٍّ مِنَ الْمَرَّةِ الْقُوَّةِ اَوْ دَائِمٍ وَ كَذَّبُوا النَّبِيَّ ﷺ وَ اتَّبَعُوا اَهْوَاءَهُمْ فِي الْبَاطِلِ وَ كُلَّ امْرٍ مِنَ الْخَيْرِ وَالْشَّرِّ مُسْتَقَرٌّ ﴿٣﴾ بِاَهْلِهِ فِي الْحَنَةِ اَوْ النَّارِ وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ اَخْبَارٌ هَلَاكَ الْاَمَمِ الْمَكْذِبَةِ رُسُلُهُمْ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ لَّهُمْ اِسْمٌ مَصْدَرٍ اَوْ اِسْمٌ مَكَانٍ وَ الدَّلَالُ بَدَلٌ مِنْ تَاءٍ الْاِفْتِعَالِ وَ اَزْدَجَرْتُهُ وَ زَجَرْتُهُ نَهَيْتُهُ بِغَلْظَةٍ وَ مَا مَوْصُولَةٌ اَوْ مَوْصُوفَةٌ حِكْمَةٌ خَيْرٌ مُبْتَدِئٍ مَحْلُوفٍ اَوْ بَدَلٌ مِنْ مَا اَوْ مِنْ مُزْدَجَرٍ بِالْغَةِ تَامَةً فَمَا تُغْنِ تَنْفَعُ فِيهِمُ النَّذْرُ ﴿٥﴾ جَمْعُ نَذِيرٍ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ اَيِ الْاُمُورِ الْمُنْذِرَةِ لَهُمْ وَ مَا لِلنَّفْيِ اَوَّلُ اِلِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِ وَ هِيَ عَلَى الثَّانِي مَفْعُولٌ مُقَدَّمٌ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ هُوَ فَايِدَةٌ مَا قَبْلَهُ وَ بِهِ تَمَّ الْكَلَامُ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ هُوَ اِسْرَافِيلُ وَ نَاصِبُ يَوْمٍ يُخْرَجُونَ بَعْدَ اِلَى شَيْءٍ نُكْرٍ ﴿٦﴾ بِضِمِّ الْكَافِ وَ سَكُونِهَا اَيِ مُنْكَرٍ تَنْكَرُهُ النَّفُوسُ لِشِدَّتِهِ وَ هُوَ الْحِسَابُ خَاشِعًا ذَلِيلًا وَ فِي قِرَاءَةِ خُشْعًا بِضِمِّ الْحَاءِ وَ فَتَحِ الشَّيْنِ مُشَدَّدَةً اَبْصَارُهُمْ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ يُخْرَجُونَ اَيِ النَّاسِ مِنَ الْاَجْدَاثِ الْقُبُورِ كَانَتْهُمْ جَرَادٌ مُنْتَشِرٌ ﴿٧﴾ لَا يَذَرُونَ اَيْنَ يَذْهَبُونَ مِنَ الْخَوْفِ وَ الْحَيْرَةِ وَ الْجُمْلَةِ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ يُخْرَجُونَ وَ كَذَا قَوْلُهُ مُتَّحِطِّينِ اَيِ مُسْرِعِينَ مَادِي اَعْنَاقِهِمْ اِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكُفْرُونَ مِنْهُمْ هَذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٨﴾ اَيِ صَعَبٌ عَلَى الْكَافِرِينَ كَمَا فِي الْمُدَّثِّرِ يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَبْلَ قُرَيْشٍ قَوْمُ نُوحٍ ثَانِيَةُ الْفِعْلِ لِمَعْنَى قَوْمٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا نُوحًا وَ قَالُوا مَجْنُونٌ وَ اَزْدَجَرٌ ﴿٩﴾ اَيِ اِنْتَهَرُوهُ بِالسَّبِّ وَ غَيْرِهِ فَدَعَا رَبَّهُ اَنِّي بِالْفَتْحِ اَيِ بَانِي مَغْلُوبٍ فَانْتَصِرُ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا بِالْتَّخْفِيفِ وَ التَّشْدِيدِ اَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ مُنْصَبٍ اِنْصَابًا شَدِيدًا

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا تَبْعُ فَالْتَقَى الْمَاءُ مَاءَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ عَلَى أَمْرٍ حَالٍ قَدِيرٍ ﴿۱۲﴾ بِهِ فِي الْأَرْضِ
وَهُوَ هَلَكَهُمْ غَرَفًا وَحَمَلْنَاهُ أَيُّ نَوْحًا عَلَى سَفِينَةٍ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَذُوسٍ ﴿۱۳﴾ وَهِيَ مَا تُشَدُّ بِهِ الْأَلْوَاحُ مِنَ
الْمَسَامِيرِ وَغَيْرِهَا وَاحِدًا دَسَارُ كِتَابٍ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا بِمَرَأَى مِمَّا أَيُّ مَحْفُوظَةٍ بِحِفْظِنَا جَزَاءُ
مَنْصُوبٍ بِفَعْلٍ مُقَدَّرٍ أَيُّ اغْرِقُوا انْتِصَارًا لِمَنْ كَانَ كُفْرًا ﴿۱۴﴾ وَهُوَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقُرِيَ كُفْرَ بِنَاءٍ لِلْفَاعِلِ
أَيُّ اغْرِقُوا عِقَابًا لَهُمْ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا أَيُّ أَبْقَيْنَا هَذِهِ الْفِعْلَةَ آيَةً لِمَنْ يَعْتَبِرُ بِهَا أَيُّ شَاعَ خَبَرُهَا وَاسْتَمَرَ فَهَلُ مِنْ
مُذَكِّرٍ ﴿۱۵﴾ مُعْتَبِرٍ وَتُعْطَى بِهَا وَأَصْلُهُ مُذَكَّرٌ أَبْدَلَتْ التَّاءُ دَالًا مُهْمَلَةً وَكَذَا الْمُعْجَمَةُ وَأُدْغِمَتْ فِيهَا فَكَيْفَ
كَانَ عَذَابِي وَنُذِرٍ ﴿۱۶﴾ أَيُّ ائْتَدَارِي اسْتَفْهَامُ تَقْرِيرٍ وَكَيْفَ خَبَرٌ كَانَ وَهِيَ لِلسَّوَالِ عَنِ الْحَالِ وَالْمَعْنَى
حَمَلُ الْمُخَاطَبِينَ عَلَى الْإِقْرَارِ بِوُقُوعِ عَذَابِهِ تَعَالَى بِالْمُكْذِبِينَ بَنُوحٍ مَوْقَعَهُ وَلَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنُ لِلذِّكْرِ
سَهْلُنَا لِلْحِفْظِ أَوْ هَيَّأَنَاهُ لِلتَّذْكَرِ فَهَلُ مِنْ مُذَكِّرٍ ﴿۱۷﴾ مُتَعِظٍ بِهِ وَحَافِظٍ لَهُ وَالْإِسْتَفْهَامُ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيُّ
إِحْفَظُوهُ وَاتَّعِظُوهُ وَلَيْسَ يُحْفَظُ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ غَيْرُهُ كَذَبْتُ عَادَ نَبِيَّهُمْ هُودًا فَعَذَّبُوا فَكَيْفَ
كَانَ عَذَابِي وَنُذِرٍ ﴿۱۸﴾ أَيُّ ائْتَدَارِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نَزْوِلِهِ أَيُّ وَقَعَ مَوْقَعَهُ وَيَتَنَبَّأُ بِقَوْلِهِ إِنَّا أَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا أَيُّ شَدِيدَةً الصَّوْتِ فِي يَوْمٍ نَحْسٍ شَوْمٍ مُسْتَمِيرٍ ﴿۱۹﴾ دَائِمٍ الشَّوْمِ أَوْ قَوِيَّةٍ وَكَانَ
يَوْمُ الْأَرْبَعَاءِ آخِرَ الشَّهْرِ تَنْزِعُ النَّاسَ تَقْلَعُهُمْ مِنْ حُفْرِ الْأَرْضِ الْمُنْدُ سَيْنَ فِيهَا وَتَصْرَعُهُمْ عَلَى رُءُوسِهِمْ
فَتَدُقُّ رِقَابَهُمْ فَتَبَيَّنَ الرَّأْسُ عَنِ الْجَسَدِ كَانَهُمْ وَحَالَهُمْ مَا ذَكَرَ اعْجَازُ أَصُولِ نَخْلِ مُنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ مُنْقَلَعٍ
سَاقِطٍ عَلَى الْأَرْضِ وَشَبَّهُوا بِالنَّخْلِ لِطَوْلِهِمْ وَذَكَرْنَا وَأَنْتَ فِي الْحَاقَّةِ نَخْلٍ خَاطِئَةٍ مُرَاعَاةٍ لِلْفَوَاصِلِ فِي
الْمَوْضِعَيْنِ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذِرٍ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنُ لِلذِّكْرِ فَهَلُ مِنْ مُذَكِّرٍ ﴿۲۲﴾

۲۲

ترجمہ: سورۃ قمر بجز آیت سیہزم الجمع کے مکہ ہے اس میں ۵۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قیامت نزدیک آگئی
(قریب آگئی) اور چاند شق ہو گیا (ابی قیس اور قیقعان دو پہاڑوں پر دو ٹکڑے ہو کر الگ ہو گیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شیخین کی روایت
کے مطابق ظہور پذیر ہوا۔ جس کی فرمائش کفار نے کی تھی آپ نے فرمایا (دیکھ لو) اور یہ لوگ کفار قریش اگر کوئی معجزہ (آنحضرت ﷺ کی نشانی
جیسے شق قمر) دیکھتے ہیں تو مال دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زبردست جادو ہے (مضبوط سترہ مرہ سے ماخوذ ہے قوی یاد آئی کے معنی ہیں اور
(آنحضرت ﷺ) جھٹلاتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی (غلط بات میں) پیروی کرتے ہیں اور (خیر و شر میں سے) ہر بات کو قرا جاتا
ہے (اہل خیر و شر کے ساتھ جنت یا دوزخ میں) اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں (پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں کی جانی کی
اطلاعات) کہ ان میں عبرت ہے ان کے لئے مزدجر اسم مصدر یا اسم مکان ہے اس میں دال افعال تاء سے تبدیل ہو گئی۔ ازد جرحہ
زجر تہ کے معنی ہیں۔ میں نے اس کو شق سے ڈانٹ دیا۔ اور ما موصول یا موصوفہ ہے (مبتدائے محذوف کی خبر ہے یلما سے یا

مزد جو سے بدل ہے) اعلیٰ درجہ کی (مکمل) سوان کو کوئی فائدہ (نفع) ہی نہیں دیتیں۔ خوف دلانے والی چیزیں (نظر، نظیر) کی جمع ہے بمعنی منذر ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔ مانفی کے لئے ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے دوسری صورت میں یہ خبر مقدم ہے تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (یہ پہلے مضمون کا خلاصہ ہے اور یہاں کلام پورا ہو گیا) جس روز ایک بلانے والا (اسرافیل مراد ہیں یسوم کا نائب آگے بخور جون آ رہا ہے) ایک ناگوار چیز کی طرف جس روز بلائیگا (مکر ضمرہ کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے یعنی ایسی بری چیز جس کی شدت سے طبیعتیں گھبراتی ہیں حساب مراد ہے) جھکی ہوئی ہوں گی (پست اور ایک قراءت میں خشعاً ضمرہ خا اور فتح شین مشدد کے ساتھ ہے) ان کی آنکھیں (یہ حال ہے بخور جون کے فاعل سے) نکل رہے ہوں گے (لوگ) قبروں سے اس طرح جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے (دہشت و حیرت کے مارے یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ کہاں جائیں۔ یہ جملہ بخور جون کے فاعل سے حال ہے اور ایسے ہی اگلا جملہ بھی) کوڑے چلے جا رہے ہوں گے (گردن اٹھا کر بھاگ رہے ہوں گے) بلانے والے کی طرف کافر پکارتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے (کافروں پر دشوار جیسا کہ سورۃ مدثر میں ہے یوم عسیر علی الکافرین ان (قریش) سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی (فعل کا مونث ہونا معنی قوم کی وجہ سے ہے) یعنی انہوں نے ہمارے بندہ (نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور نوح کو دھسکی دی (گالیاں وغیرہ دے کر ڈانٹا) تو نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (انسی فتح ہمزہ کے ساتھ یعنی بانی ہے) عاجز ہوں سو آپ انتقام لے لیجئے چنانچہ ہم نے کھول دیئے (تحفیف و تشدید کے ساتھ ہے) آسمان کے دروازے برسنے والے پانی سے (جو موسلا دھار برسا) اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے (جو ابل رہے تھے) پھر (آسمان زمین کا) پانی اس کام کے لئے (جو حال ہے) مل گیا جو تجویز ہو چکا تھا (ازل میں ان کی تباہی غرقاب ہونے کی صورت میں) اور ہم نے (نوح) کو کشتی پر سوار کر دیا جو تختوں اور میخوں والی تھی (مسرکیل وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے تختے وغیرہ جوڑے جاتے ہیں اس کا مفرد کتاب کے وزن پر دسار ہے) جو ہماری نگرانی میں رواں تھی (ہماری حفاظت میں محفوظ تھی) بدلہ لینے کے لئے (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اغرقوا انتصاراً) اس شخص کا جس کی ناکدری کی گئی (یعنی نوح علیہ السلام اور ایک قرات کفر فعل معروف کی ہے یعنی سب ڈبو دیئے گئے اپنے کفر کی سزا میں) اور ہم نے اس واقعہ کو رہنے دیا (اس قصہ کو باقی رکھا) عبرت کے لئے (جو شخص اس سے عبرت حاصل کرے یعنی یہ بر سب میں پھیل گئی اور چلتی رہی) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (جو اس سے سبق لے اور اس کو محفوظ کر لے، استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی اس کو یاد کر لو اور اس سے سبق لو۔ کتب الہیہ میں واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ کوئی کتاب جان و دل سے محفوظ نہیں رہی) قوم عاد نے تکذیب کی (اپنے پیغمبر ہود کی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے میرا ان کو ڈرانا یعنی بر محل عذاب آیا۔ جیسا کہ آگے فرمایا) ہم نے ان پر ایک تیز و تند ہوا بھیجی (جس کا شور ہولناک تھا) ایک دائمی نحوست کے دن (جس کی نحوست مسلسل رہی یا قوی ہونا مراد ہے بے شربہ قوی بدلہ تھا) وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ پچھاڑ کر کھینچتی تھی (زمین کی تلی سے اکھاڑ کر پھرو ہیں چنک دیتی تھی اور سروں کے بل ان کو پچھاڑ دے رہی تھی جس سے ان کی گردنیں ٹوٹ ٹوٹ کر دھڑوں سے الگ جا پڑتی تھیں) اس طرح کہ گویا وہ (در انحالیکہ ان کی کیفیت بیان ہو چکی) جڑیں (تنے) میں اکھڑی ہوئی کھجوروں کی (جو زمین پر اکھڑ کر آ رہیں۔ لمبے بڑے گئے ہونے میں ان کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہاں تو مذکر اور سورۃ حاقہ کی آیت نقل خادیہ مونث کے ساتھ تعبیر کرنے میں دونوں جگہ تو اصل آیات کی رعایت کی گئی ہے) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو

نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب:..... اقتربت - مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اقتربت مزید قربت مجرد کے معنی میں ہے۔ مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے الساعۃ، الحاقۃ، واقعۃ، قارعة، یوم الدین، یوم الجزاء وغیرہ قیامت کے نام ہیں۔ شق القمر قیامت کی علامت اس طرح ہے جیسے کہا جائے۔ اقبل الامیر وقد جاء المبشر بقلومہ۔ چنانچہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے غار حرا کے دونوں جانب دو کھڑے دیکھے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ قیامت کے روز شق قمر ہوگا۔

پہلی دوسری تاریخ کے چاند کو ہلال اور تیسری سے تیرھویں تک قمر کہتے ہیں اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے پھر بتدریج محاق شروع ہو جاتا ہے۔ فعاد کالعرجون القدیم۔

جبل ابوقیس مکہ کا مشہور پہاڑ قبیلہ مدح کے نام پر یہ موسوم ہے اس کے سامنے دوسرا پہاڑ قعیقہاں بروزن زعمیران ہے۔ قبیلہ جرہم کے لوگ اس پر اپنے ہتھیار رکھتے تھے یہی وجہ تسمیہ ہے۔ قریش نے مطلقاً نشانی کی فرمائش کی تھی یا خاص شق قمر کی فرمائش کی تھی دونوں روایات ہیں مستمر۔ استمرار کے معنی استحکام، دوام، اور قوی کرنے کے لئے آتے ہیں اور ختم ہو جانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ سحر مستمر محکم قوی او ذاہب صراح میں ہے مرة بمعنی قوت۔

مز دجر - فی صلہ ہے اور یہ اس کا فاعل ہے یا مزدجر مبتداء اور فی خبر ہے۔ النذر - جو حضرات فعلیل بمعنی مفعول نہیں مانتے وہ نذیر بمعنی انداز کو صدر کہتے ہیں۔ ما استفہامیہ مانے کی صورت میں ماتنی مفعول بہ یا مفعول مطلق مقدم ہوگا۔ ای شیء من الاشیاء النافعة تغنی النذر یا ای اغناء تغنی النذر تقدیر عبارت ہوگی خاشعاً۔ نکو۔ ابن کثیر کے نزدیک سکون کاف کے ساتھ ہے۔

خاشعاً ابصارہم۔ ابو عمر مجزہ بھائی کے نزدیک خاشعاً ہے اور باقی قراء کے نزدیک خاشعاً ہے۔ یزجون کے فاعل سے حال ہے یا یدرع کے مفعول مخدوف سے حال مقدرہ ہے اور بقول قاضی یہ ترکیب عمدہ ہے اگرچہ صورت بسر حال قائمین غلمانہم عمدہ ترکیب نہیں ہے کیونکہ یہ مشابہ فعل صیغہ پر نہیں ہے۔ اس قراءت سے مبرک کے اس قوم کے تائید ہو رہی ہے کہ جمع مکسر لانا اگر ممکن ہو تو وہ بمقابلہ مفرد کے بہتر ہوگی۔ چنانچہ مردت بر حال قائم غلمانہ کے مقابلہ میں مردت بر حال قیام غلمانہ فصیح سمجھا جائے گا۔ لیکن جمہور مفرد کو ترجیح دیتے ہیں۔ زخشری کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے مطابق ہے جو اکلونی البراغیث بولتے ہیں۔ اس لئے خاشعاً۔ ضمیر ہم مان کر ابصار ہم ہم اس سے بدل جائے گا۔

کانہم جراد - کثرت و انتشار میں تشبیہ ہے۔ چنانچہ لشکر عظیم کے بارہ میں کہا جاتا ہے جاء کالجرا، جراد اسم جنس ہے اسی لئے یہ جمع کی خبر ہوگی۔ رہا منتشر کو مفرد لانا وہ بلحاظ مفرد ہے۔ اس کی نظیر کالفرش المبعوث ہے ان دونوں آیات میں مردوں کے اٹھنے کو تشبیہ دی گئی ہے۔ پہلی آیت قمر میں کثرت و انتشار وجہ تشبیہ ہے اور آیت قارعہ میں خیر و تداعیل وجہ تشبیہ ہے۔

مہطعین - امام راغب اور امل زبان کے استعمال سے مفسر کی تائید ہو رہی ہے۔ اصل میں گردن یا نگاہ اونچی کرنے کے معنی ہیں۔ جلدی کرنے اور نظر و تامل کرنے سے یہ کنایہ ہے۔

منہم - قاموس میں ہے۔ انہر الماء بمعنی انسکب و سال الماء۔ حضرت علیؑ سے ابن الکوان نے جب منہر کے معنی پوچھے تو فرمایا ہی شرب الماء اسی لئے بولا جاسکتا ہے۔ فتحت السماء بماء منہر امام بخاری نے اب المفرد میں اس کو ذکر کیا ہے اور ابن منذر نے ابن

عباس سے تخریج کی ہے کہ ماء ذلک من السحاب لا من السماء۔

عیونا۔ یہ مفعول تھا تمیز بنالیا۔ اصل عبارت فجرنا عیون الارض کلھا تھی۔ جو فجرنا عیون الارض سے ابلغ ہے۔ گویا ساری زمین کو چشمے بنا دیا۔ لیکن فاعل سے تمیز لانا اکثر ہوتا ہے۔ اس وقت حاصل عبارت انفجرت عیون الارض ہوگی۔ مفسر نے متعجب کہہ کر حاصل معنی کی طرف اور تمیز عن الفاعل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فالتقی الماء۔ ماء اسم جنس ہونے کی وجہ سے دونوں پانیوں کو شامل ہے۔ نیز لفظ التقی بھی تعدد پر دلالت کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں ایک قراءت میں ماء ان ہے جو اسی کا مؤید ہے۔

قد قلدو۔ مفسر نے بہ سے امر کے واحد ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔

دسرو۔ جمع دسار، فعال کے وزن پر اسم آکہ ہوتا ہے، جیسے امام، اس کے معنی ٹھوکنے کے ہیں کیل کو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ روز سے ٹھوکی جاتی ہے اس لفظ کی تفسیر مسامیر، اضلاع، جبال کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مگر مفسر نے عام معنی لئے جو سب کو شامل ہیں۔

کفر۔ یہاں کفر سے ایمان کی ضد مراد نہیں ہے بلکہ کفران نعمت مراد ہے۔ نبی بھی امت کے لئے نعمت و رحمت ہوا کرتا ہے۔

جزاء۔ مفسر نے التقی الماء پر نظر کرتے ہوئے اغرقوا فعل مقدر نکالا ہے اور چونکہ اس کا نوح کیلئے جزاء بننا درست نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تعبیر انتصار کے ساتھ کر دی۔ دوسرے مفسرین نے فعلنا ذلک الانجاء مانی ہے جس سے مراد غرق سے بچالینا ہے۔ پھر جزاء میں تاویل کی حاجت نہیں رہتی۔ اس کے بعد مفسر نے عقاباً کہا ہے اس صورت میں کفر سے مراد متعارف کفر ہوگا۔

نسر کناھا۔ ضمیر پورے واقعہ کی طرف ہوگی اور بعض نے کشتی کی طرف ضمیر راجع کی ہے جو ابتداء اسلام تک جو دی پہاڑ پر محفوظ رہی۔ بلکہ دوسرے مقامات پر سیاح اب بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

فکیف کسان۔ بظاہر کان ناقصہ ہے اور کیف خبر ہے استفہام کی وجہ سے مقدم کی گئی۔ لیکن تامہ بھی ہو سکتا ہے کیف منصوب حال یا ظرف ہو جائے گا۔

ونذر۔ مفسر نے اندازی کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ نذر کے مصدر ہونے کی طرف یا نئے مضاف الیہ محذوف ہوگی اور نذر۔ نذیر کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔

یسرنا القرآن۔ تورات حضرت موسیٰ، ہارون، یوشع بن نون، عزیر علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی بنی اسرائیل میں زبانی یاد نہیں تھی۔ دیکھ کر ناظرہ پڑھتے تھے۔ حفظ کرنا قرآنی خصوصیت ہے۔ اسی لئے حدیث قدسی ہے۔ وجعلت من امتک اقواما قلوبہم انا جلیلہم اور سعید بن جبیر کہل کرنے سے اختصار کلام اور الفاظ کی شیرینیت مراد لیتے ہیں۔

اعجاز۔ عجز کی جمع اعجاز ہے جیسے عضد کی جمع اعضاء۔

منقعر۔ قعر النخلہ کے معنی کھجور کا تاجڑ سے نکال دیا۔

رابط آیات:..... پچھلی سورت کی اخیر آیت میں ازفت الاذ ففرمایا گیا تھا جس سے قیامت کا قریب ہونا معلوم ہوا۔ اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کر کے ”شق قمر“ کا واقعہ ارشاد فرمایا جو قیامت کی بڑی علامات میں سے ہے جس سے مضمون کی تاکید ہوگئی اگرچہ نہ ماننے والے بدستور اپنی ضد پر رہے جو یقیناً آپ کے لئے کلفت کا باعث بنی اسی لیے تسلی فرمائی گئی۔

آیت ولقد جاء ہم من الانباء سے اجمالاً اور پھر آیت کذبتم قبلہم قوم نوح سے تفصیلاً بعض سرزنش آمیز واقعات کا ذکر ہے۔

شان نزول و روایات: اقتربت الساعة و انشق القمر کے سلسلہ میں شیخین نے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے غار حرا کو چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور ابو نعیمؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ چاند کا آدھا حصہ صفا پر اور آدھا مردہ پر ہو گیا تھا اور ابن مسعودؓ سے ابوقیس سے سوید پہاڑوں پر دونوں حصوں کا ہونا منقول ہے۔ البتہ مفسر نے قبیعان پہاڑ کا نام لیا ہے۔ بہر حال بقول ابن عباسؓ، ولیدؓ، ابو جہلؓ، عاص بن وائلؓ، ابن ہشامؓ، اسود بن المطلبؓ، ہنضر بن الحارثؓ وغیرہ مشرکین جمع ہوئے اور آپ سے شق قمر کی فرمائش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان فعلت تو منوا لوگوں نے اقرار کر لیا۔ چودھویں شب کا واقعہ ہے۔ آپ نے دعا کی جو قبول ہوئی آپ نے فرمایا ابا سلمة عبد الاسد والارقم بن الارقم اشهدوا۔

اتنے صحابہؓ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ علامہ سبکیؒ کو کہنا پڑا کہ عندی انہا متواترہ مفسرین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ہو چکا ہے۔ آیت وان یروا اية یعرضوا ویقولوا سحر مستمر سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابو مسعودؓ سے منقول ہے کہ انشق القمر علی عہدہ فقالت قریش ہذہ سحر ابن ابی کبشۃ فقالوا انتظروا ما ینکم بہ السفار فان محمد الا یستطیع ان یسحر الناس کلہم فی السفار فسالوہم فقالوا نعم واینا غرض جمہور کے نزدیک قیامت میں اس کا ہونا مرانہیں ہے فی یوم نحس مستمر۔ ۲۲ شوال بدھ کے روز یہ عذاب آیا۔ لیکن سورہ حاقہ کی آیت مسخر ہا علیہم سبع لیل وثمانیۃ ایام حسوما اسی طرح دوسری آیت وارسلنا علیہم ریحاً صرصراً فی ایام نحسات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ایک ہفتہ مسلسل یہ عذاب رہا، ممکن ہے بدھ سے شروع ہونا مردہ کو یاد دہ کو اختتام ہوا ہو۔ ابن مردویہؒ کی حضرت علیؓ، جابرؓ، عائشہ رضوان اللہ عنہم سے مرفوع روایت کے الفاظ یوم الاربعاء نحس مستمر ہیں۔ نیز ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ اخر اربعاء فی الشهر نحس مستمر۔

اسی طرح انسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ سئل النبی ﷺ عن یوم الاربعاء قال نحس قیل و کیف ذلک یا رسول اللہ قال غرق اللہ فیہ فرعون و اہلک عاداً و ثمود۔

لیکن ابن کثیرؒ دونوں مذکورہ آیات کے پیش نظر اس نحوست کو نہیں مانتے۔ کیونکہ اس صورت میں آیات و روایات دونوں کو سامنے رکھ کر کہنا پڑے گا کہ پورا ہفتہ بلکہ پورا زمانہ منحوس ہے۔ کیونکہ فی نفسہ تمام زمانہ کی حقیقت ایک ہے دوسرے کوئی زمانہ ہفتہ کے دنوں سے خالی نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ بدھ کو عذاب شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ دن یا ہفتہ ان کے حق میں برا ہو گیا اور ایسی اضافی اچھائی برائی ظاہر ہے کہ ایک کے حق میں ایک حکم رکھتی ہے اور دوسرے کے حق میں دوسرا، پھر مطلقاً زمانہ پر نحوست کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

﴿تفہیم﴾ ہجرت سے پہلے جب کہ آنحضرت ﷺ مکی میں تھے کفار کا مجمع بھی تھا۔ بخاری کی روایت میں ابن مسعودؓ اپنی موجودگی بھی صراحتہ بتلاتے ہیں۔ بعض روایات میں جو مکہ کا لفظ آیا ہے اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے زمانہ قیام مکہ میں ایسا ہوا۔ غرض کفار نے آپ ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اشہدوا“ آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ، چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا مغرب کی طرف اور دوسرا مشرق کی طرف ہٹ گیا بیچ میں پہاڑ حائل رہا۔ جب سب نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے صحیح روایات میں اس کا ایک ہی مرتبہ ہونا ثابت ہے لیکن بعض روایات میں مرتین کا لفظ جو آیا ہے تو اس کے معنی دو ٹکڑے ہونے کے ہو سکتے ہیں یا اس کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہو۔ یعنی ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد نظر ہٹا کر پھر دوبارہ دیکھا تو اسی حال میں تھا۔

اور ابو نعیمؒ کی روایت میں ہے کہ اس روز چاند بدر تھا لیکن منی کا یہ اجتماع غالباً ایام حج میں ہوا ہوگا اس لئے بارہویں تیرہویں شب یعنی بدر کے قریب ماننا پڑے گا۔ خود شق قمر کا لفظ بھی اسی کا قرینہ ہے۔ مگر براہوہٹ دھری کا کہ اس پر بھی کفار کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے اس پر بعض نے یہ کہا کہ آنے جانے والے مسافروں سے پتہ لگانا چاہیے کہ کیا انہوں نے بھی یہی منظر دیکھا ہے۔ چنانچہ یہی روایت میں ہے کہ چہار طرف سے آنے والوں سے بھی پوچھا گیا تو سب اپنا اپنا دیکھنا بیان کیا۔ طحاویؒ، ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔

آنحضرت کے معجزات سب سے افضل ہیں:..... آنحضرت ﷺ چونکہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس لئے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ معجزات اگرچہ دلائل نبوت نہیں ہوتے۔ بلکہ علامات نبوت ہوتے ہیں۔ اصل دلیل نبوت تو پیغمبر کا غیر معمولی علم و فہم اور بے مثال عمل اور بے نظیر اخلاق ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ ان تینوں باتوں میں سارے عالم سے جس طرح بڑھ کر ہیں۔ اسی طرح علامات نبوت معجزات میں آپ بھی سب سے آگے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ علم و عمل میں علم کا درجہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے علمی معجزہ بہ نسبت عملی معجزہ کے عالی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم آنحضرت ﷺ کا علمی معجزہ ہے جس کی نظیر کتب آسمانی میں نہیں ہے۔ جس طرح آپ اس علمی معجزہ میں سب سے فائق ہیں۔ مختلف قسم کے عملی معجزات میں آپ سب سے برتر ہیں، چنانچہ شق قمر کے معجزہ ہی کو لے لیا جائے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے بطور معجزہ سورج کا ایک جگہ پر قائم رہنا اور حرکت نہ کرنا۔ یا حضرت یسعیاہ کے لئے غروب ہونے کے بعد پھر سورج کا لوٹ آنا اگرچہ عظیم الشان معجزہ ہے اور بظاہر شق قمر کے معجزہ سے بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو معاملہ برعکس ہے۔ کیونکہ فیما غورث کے نظریہ پر جس کے قائل آج کل کے علماء یورپ ہیں۔ چاند و سورج کے ان دونوں معجزوں میں زمین کو ساکن یا زمین کی حرکت کو اٹھایا ماننا پڑے گا پس اس نظریہ پر اس معجزہ سورج کا حاصل یہ نکلے گا کہ اس وقت زمین کی حرکت سکون سے بدل گئی تھی یا اس کی مسلمہ حرکت کی بجائے تھوڑی دورا دھر حرکت ہو گئی تھی اور چونکہ زمین قریب ہے ہر وقت بادل سے لگی رہتی ہے۔ اس لئے اس میں یہ تصرف اتنا تعجب خیز نہیں۔ جتنا تعجب انگیز چاند کا دو ٹکڑے کر دینا ہے۔ کیونکہ چاند ہم سے لاکھوں میل دور ہے۔

سورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا:..... گویا حضرت یوشع وغیرہ کا تصرف تو زمین پر ہوا جو زیر قدم ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا تصرف چاند پر ہوا۔ دوسرے ان تصرفوں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے حرکت کا سکون سے بدل جانا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ مضبوط جسم کا پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانا مشکل ترین ہے۔ کیونکہ ان اجسام کا حرکت کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر اختیار سے ہے تو حرکت اختیاری ہے ایسے سکون بھی اختیار میں ہوگا۔ پس دونوں ممکن اور متصور ہیں۔ اور اگر زمین کی حرکت دوسرے کے اختیار سے ہے تو پھر سکون کو زمین کے لئے اصلی اور تقاضائے طبیعت ماننا پڑے گا۔ اس لئے زمین کے لئے سکون کا عارض ہونا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ کہ اسے قبول کرنے میں انکار ہو بر خلاف چاند کے پھٹ جانے کے وہ خلاف طبع ہونے کی وجہ سے دشوار ہوگا۔ بلکہ چاند کو اگر جاندار فرض کر لیا جائے تو دشوار تر ہوگا۔ حاصل یہ نکلا کہ سکون کی نسبت چاند کا پھٹنا اعلیٰ تصرف کہلائے گا۔

رہ گئی زمین کی اٹھ کر حرکت اس کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے کیونکہ زمین کی حرکت اگر اختیاری ہے تو جیسے سیدھی حرکت اختیاری ہے الٹی حرکت بھی اختیاری رہے گی۔ لیکن اگر زمین کی حرکت کسی دوسرے کے ذریعہ ہوتی ہے جس طرح معمول کے مطابق دوسرے سے حرکت ہوتی اسی طرح معمول کے خلاف بھی دوسرے کے ذریعہ حرکت ممکن ہے بہر صورت زمین ساکن ہو یا معکوس حرکت کرنے والی۔ دونوں صورتیں

چاند پھٹنے کے برابر نہیں ہو سکتیں اور کل تاثیر یعنی زمین اور چاند کا قریب و بعید اور نیچے اوپر ہونا مزید برآں رہا۔

بطلمیوسی نظریہ پر چاند کا شق:..... لیکن بطلمیوسی نظریہ کے مطابق اگر آسمان، چاند ستاروں سب کو متحرک مانا جائے تب بھی کہا جائے گا کہ سورج کا سکون یا اس کی الٹی حرکت دونوں ارادی ہیں یا غیر ارادی۔ سورج کی یہ دونوں حالتیں چاند کے پھٹنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ البتہ محل تاثیر یعنی چاند سورج کا قرب و بعد یہاں پہلے کے خلاف برعکس ہو گیا۔ یعنی سورج چاند کی نسبت بہت دور ہے۔ اس لئے سورج میں تصرف کر دینا بظاہر بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت چاند میں تصرف کرنے کے۔ لیکن یہاں بھی غور سے دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ بلکہ چاند میں تصرف بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اول تو جس میں اختیاری حرکت ہو اس کو حکم یا استدعا یا التماس کے ذریعہ روک لینا اور تمام لینا ممکن ہے چنانچہ آدمی اور جانور درودی آواز پر ٹھہر جاتے ہیں یا چل پڑتے ہیں لیکن کسی جسم کا کلڑے کر دینا آسان نہیں ہوتا۔ سو اگر سورج اپنے اختیار سے متحرک ہے تو حضرت یوشع وغیرہ کے فرمانے سے اس کا ٹھہر جانا کچھ ان کی قوت تاثیر پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ سورج نے ان کا کہا مان لیا۔ سو کسی کی بات مان لینا کچھ کہنے والے کی عظمت پر منحصر نہیں۔ خدا بندے کی دعا لیتا ہے تو کیا بندے اس سے بڑھ جائیں گے یا وہ کافروں کی بھی سن لیتا ہے تو کیا اس سے کافر کچھ خدا کے مقرب ہو جاتے ہیں، یا امراء و سلاطین اپنے خدام کی عرض و معروض سن لیتے ہیں تو کیا خدام ان سے بڑھ جاتے ہیں۔ بلکہ استدعا تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس بات پر استدعا کی جارہی ہے استدعا کنندہ اس میں دخل نہیں رکھتا۔ زیادہ نہیں تو استدعا کے وقت ہی ان کا بے دخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور سورج کی حرکت اگر دوسرے کے ذریعہ ہے تو اس کا سکون بھی اسی کے ہاتھ ہوگا۔ پس اس سورت میں حضرت یوشع وغیرہ کا بظاہر خطاب اگرچہ سورج سے ہوگا پر حقیقت میں حرکت دہندہ (اللہ) سے استدعا ہوگی۔ تاہم ظاہر الفاظ کی حکایت پر نظر کی جائے تو رونے سخن سورج کی طرف ماننا ہوگا۔ اور یہ کہ سورج بارادہ خود متحرک ہے۔

فلکیات میں خرق والتیام:..... علاوہ ازیں حکمائے یونان کے نظریات و اصول پر سورج کی حرکت دائمی ہے یعنی ضروری نہیں ہے کہ اس کا زوال ناممکن ہے اور محال ہو جائے اور معقولات کے طلبہ جانتے ہیں کہ دوامی چیز کا خلاف ممکن ہے پس سورج کا ساکن ہونا ممکن ہوا۔ برخلاف چاند سورج کے پھٹنے کے۔ حکماء یونان کے نزدیک فلکیات میں خرق والتیام محال ہے اور فلکیات کا بجنہ باقی رہنا ضروری ہے۔ گو واقع میں یہ سب باتیں غیر ضروری اور غیر محال ہیں۔ تاہم ان کے اصول پر بھی اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ سورج کے سکون و حرکت میں بہ نسبت چاند کے شق ہونے کے زیادہ دشواری ہے۔ تب ہی تو ایسے عقلا کو محال و امتناع کا خیال ہوا۔

غرضیکہ فیثاغورثی اور بطلمیوسی دونوں نظاموں پر ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شق قمر بہ نسبت سورج کی رجعت قمرہ اور ٹھہرانے کے اعلیٰ و افضل ہے۔ اسی طرح معجزہ شق قمر کو معجزہ موسوی اور داؤدی یعنی پتھر یا الوہے کے نرم ہو جانے سے اگر ملایا جائے تو زمین و آسمان سے زیادہ فرق نظر آئے گا۔

اور سائنس جدید کی رو سے نہ تو آسمانوں کا ماننا ضروری ہے اور نہ انکار۔ اس لئے تمام ستاروں کو فضا میں اور سورج کو مرکز عالم پر اس طرح مانا جائے کہ زمین وغیرہ سب اس کے گرد گھومتی ہیں۔ (از حجت الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ)

پتھروں پر جو تک نہیں لگتی:..... ولقد جاء ہم یعنی ہر قسم کے احوال اور برباد شدہ قوموں کے واقعات قرآن کے ذریعہ معلوم کرا دیئے گئے۔ اگر غور کیا جائے تو خدائے قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔ یہ قرآن عقل و حکمت کی باتوں کا مجموعہ ہے کہ ذرا نیک نیتی سے سنے تو دل

میں اترتی چلی جاتی ہے۔ مگر انسوس کہ ان پر خاک اثر نہیں ہوتا۔ کوئی نصیحت و فہمائش کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ پتھروں پر چونک نہیں لگتی۔ لہذا ایسے سنگ دل بد بختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیں۔ آپ نہایت خوش اسلوبی سے دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دے چکے اب زیادہ پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو اپنے ٹھکانہ کی طرف چلنے دیں۔ جب یہ خوف و دہشت کے مارے ذلت و ندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوں گے اور تمام اگلے پچھلے نڈی دل کی طرح قبروں سے پھیل پڑیں گے اور عدالت عالیہ کی طرف دوڑیں گے اور اپنے جرائم اور اس روز کی ہولناکیوں کا منظر دیکھ کر چیخ اٹھیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھئے کیا گزرے گی۔

طوفان نوح:..... کذبت قوم نوح۔ یعنی قیامت اور عذاب آخرت تو خیر اپنے وقت پر آئے گا ہی لیکن جھٹلانے والوں پر تو پہلے ہی دنیا میں سخت دن آچکا ہے۔ نوح علیہ السلام کے سارے چند وعظ کا جواب قوم نے یہ دیا کہ اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو سنگسار کر دیا جائے۔ گویا دھمکیوں میں ان کی بات کو رلا دیا۔ انہیں دیوانہ کہہ کر بات ڈال دی۔ سینکڑوں برس سمجھانے بھانے پر بھی جب کوئی نہ سوجھا تو تنگ آ کر حضرت نوح نے بد دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں ان سے عاجز آچکا اور کوئی تدبیر کارگر نہیں رہی۔ اب اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لے لیجئے اور زمین پر کسی کا فر کو زندہ نہ چھوڑیے۔ باب اجابت کھلا اور طوفان کی ریل پیل ایسی ہوئی کہ گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے پردے پھٹ گئے۔ اتنا پانی ابلا کہ جل قتل ہو گئے اور ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ جس کا نتیجہ قوم کی غرقابی اور تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن قدرت الہی کا کرشمہ اسی طوفان میں نوح کی کشتی امن و سلامتی کے ساتھ ہماری حفاظت و نگرانی میں چلی جا رہی تھی۔ اللہ کی باتوں کے انکار اور پیغمبروں کی نافرمانی کا انجام دیکھ لیا۔

سوچنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ آج بھی کشتی کا یہ قصہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے۔ اور بعض نے آیت ولقد تر کناھا کے متعلق یہ کہا ہے کہ ابتداء اسلام تک بعینہ وہی کشتی ”بودی“ پہاڑ پر نظر آتی رہی۔ بلکہ آج تک سیاح اس کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی:..... ولقد یسرنا القرآن۔ یعنی قرآن کے جو مضامین نصیحت و موعظت، ترغیب و ترہیب سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف سہل اور موثر ہیں۔ پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ بھی کرے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے کہ اس میں دقائق و غوامض ہیں نہ اس میں اسرار و حکم۔ بھلا یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ اللہ عظیم و خیر جب اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو العیاذ باللہ وہ اپنے نامتناہی علم سے کورا ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہوں گی جس کا ہلکا سا اشارہ حدیث لا تنقضی عجائبہ میں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام کی رو سے وہ خصوصیات دوسرے کے کلام میں کہاں مل سکتی ہیں۔ فقہاء اور حکماء امت نے اس کے دقائق و اسرار کے سراغ لگانے میں اور احکام شریعت مستنبط کرنے میں عمریں کھپا دیں۔ تب بھی اس سمندر کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے محض اس آیت پر سرسری نظر کے مجتہد بننے کی ہوس کرنا قطعاً غلط ہے۔ نصیحت میں موثر اور سہل ہونے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ وجوہ استنباط بھی آسان ہیں۔ یہ جملہ کئی قصوں میں دہرایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہر واقعہ بجائے خود ایک مستقل درس عبرت ہے۔

فی یوم نحس مستمر۔ یعنی یہ نحوست نہ ابھی جب تک وہ تمام نہ ہو چکے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نحوست کا دن انہیں کیلئے زہا۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کو یہ دن سب کے لئے منحوس ہو جائے۔ کیونکہ دوسری آپات سے سات روز اس عذاب کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پھر آخر مبارک دن کون ہوگا۔

قوم عاد کے لوگ اگر چہ نہایت قد آور و نمند تھے لیکن ہوا کے جھکڑوں نے سب کو اس طرح اکھاڑ پچھاڑ کر کے رکھ دیا جیسے جھور کے لیے تڑکتے جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں۔

اطائف سلوک: جزاء لمن کان کفر۔ یعنی حضرت نوح کی شان میں گستاخی کا یہ انتقام لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین کا انتقام لے لیا کرتا ہے۔ لہذا مقبولین کی ایذا رسانی سے گریز کرنا چاہیے۔

كَذَبْتَ ثُؤدَّ بِالنُّذْرِ ﴿۲۳﴾ جَمْعُ نَذِيرٍ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ أَيْ بِالْأُمُورِ الَّتِي أَنْذَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ صَالِحٌ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ وَيَتَّبِعُوهُ فَقَالُوا أَبَشْرًا مَنصُوبًا عَلَى الْإِسْتِغَالِ مِنَّا وَاحِدًا صِفَتَانِ لِبَشَرٍ نَتَّبِعُهُ مُفَسِّرٌ لِلْفِعْلِ النَّاصِبِ لَهُ وَالْإِسْتِغَالُ بِمَعْنَى التَّقْيِ الْمَعْنَى كَيْفَ تَتَّبِعُهُ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ وَهُوَ وَاحِدٌ مِنَّا وَلَيْسَ يَمْلِكُ أَيْ لَا تَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذَا إِنِ اتَّبَعْنَاهُ لَفِي ضَلَالٍ ذَهَابٍ عَنِ الصَّوَابِ وَسُعْرٍ ﴿۲۴﴾ جُنُونٌ أَلْقَى بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالَ الْفَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهِينِ وَتَرْكِهِ الذِّكْرَ الْوَحْيَ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا أَيْ لَمْ يُوحَ إِلَيْهِ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ فِي قَوْلِهِ أَنَّهُ أَوْحَى إِلَيْهِ مَا ذَكَرَهُ أَشِرُّ ﴿۲۵﴾ مُتَكَبِّرٌ بَطَرٌ قَالَ تَعَالَى سَيَعْلَمُونَ غَدًا أَيْ فِي الْآخِرَةِ مَنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُّ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ هُمْ بَأَنْ يُعَذِّبُوا عَلَى تَكْذِيبِهِمْ لِنَبِيِّهِمْ صَالِحٍ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ مُخْرِجُوهَا مِنَ الْهَضْبَةِ الصَّخْرَةِ كَمَا سَأَلُوا فَتَنَةً مَخْنَةً لَهُمْ لِنَخْتِبُرَهُمْ فَأَرْقَبَهُمْ يَا صَالِحُ أَيْ ائْتِظِرْ مَا هُمْ صَانِعُونَ وَمَا يُصْنَعُ بِهِمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ الطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءٍ الْإِفْتِعَالِ أَيْ اصْبِرْ عَلَى آذَانِهِمْ وَتَبَتُّهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ مَقْسُومٌ بَيْنَهُمْ وَيَبْنِ النَّاقَةَ فَيَوْمَ لَهُمْ وَيَوْمَ لَهَا كُلُّ شَرْبٍ نَصِيبٌ مِنَ الْمَاءِ مُخْتَصَرٌ ﴿۲۸﴾ يَحْضُرُهُ الْقَوْمُ يَوْمَهُمْ وَالنَّاقَةُ يَوْمُهَا فَتَمَادَوْا عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ مَلَّوْهُ فَهَمُّوا بِقَتْلِ النَّاقَةِ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ قَدَارَ الْيَقْتُلُهَا فَتَعَاطَى تَنَاولَ السَّيْفِ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ بِهِ النَّاقَةُ أَيْ قَتَلَهَا مُوَافَقَةً لَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرٌ ﴿۳۰﴾ أَيْ ائْذَارِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نَزْوِلِهِ أَيْ وَقَعَ مَوْقَعُهُ وَبَيَّنَّ يَقُولُهُ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ هُوَ الْبَذَى يَجْعَلُ لِيْنِهِمْ حَظِيرَةً مِنْ يَابِسِ الشَّجَرِ وَالشُّوكِ يَحْفَظُهُنَّ فِيهَا مِنَ الذِّيَابِ وَالسَّبَاعِ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذَلِكَ فَذَاسْتَهُ هُوَ الْهَشِيمُ وَلَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَبْتَ قَوْمٌ لُوطٌ بِالنُّذْرِ ﴿۳۳﴾ أَيْ بِالْأُمُورِ الْمُنْذَرَةِ لَهُمْ عَلَى لِسَانِهِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا رِيحًا تَرْمِيهِمْ بِالْحَصْبَاءِ وَهِيَ دِيغَارُ الْحِجَارَةِ الْوَاحِدَةُ دُونٌ مِلْءِ الْكَفِّ فَهَلِكُوا إِلَّا آلَ لُوطٍ وَهُمْ ابْتِئَاءُ مَعَهُ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ مِنَ الْإِسْحَارِ أَيْ وَقْتُ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَلَوْ أُرِيدَ مِنْ يَوْمٍ مُعَيَّنٍ لَمَنَعَ الصَّرْفُ لِأَنَّهُ مَعْرِفَةٌ مَعْدُولٌ عَنِ السَّحَرِ لِأَنَّ حَقَّهُ أَنْ يَسْتَعْمَلَ فِي الْمَعْرِفَةِ بَالٌ وَهَلْ أَرْسَلَ الْحَاصِبُ عَلَى آلِ لُوطٍ أَوْ لَا قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنِ الْإِسْتِئَاءِ عَلَى الْأَوَّلِ

بِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ وَعَلَى الثَّانِي بِأَنَّهُ مُنْقَطِعٌ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْجِنِّ تَسْمَعًا نِعْمَةً مَّصَدَّرٌ أَيْ إِنْعَامًا مِّنْ عِنْدِنَا
كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ ذَلِكَ الْجَزَاءِ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ أَنْعَمْنَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ أَوْ مَنَ بِاللَّهِ تَعَالَى وَرُسُلِهِ
وَأَطَاعَهُمْ وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ خَوْفَهُمْ لَوْطَ بَطْشَتْنَا أَخَذْنَا أَيَّاهُمْ بِالْعَذَابِ فَتَمَارَوْا تَحَادَلُوا وَكَذَّبُوا بِالْأَنْذَرِ ﴿۳۶﴾
بِأَنْذَارِهِ وَلَقَدْ رَأَوْهُ عَنِ ضَيْفِهِ أَيْ سَأَلُوهُ أَنْ يُخْلِيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ آتَوْهُ فِي صُورَةِ الْأَصْيَافِ لِيَحْتَبُوا
بِهِمْ وَكَانُوا مَلَاحِكَةً فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ أَغْمَيْنَاهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَا شَيْءٍ كَبَاقِي الْوَجْهِ بِأَنْ صَفَقَهَا جِبْرِيلُ بِجَنَاحِهِ
فَذَوَّقُوا فَقَلْنَا لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِرِ ﴿۳۷﴾ أَيْ أَنْذَارِي وَتَحْوِيفِي أَيْ ثَمَرَتِهِ وَفَائِدَتِهِ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ
بُكْرَةً وَقَتِ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ عَذَابٌ مُّسْتَقَرٌّ ﴿۳۸﴾ دَائِمٌ مُّتَّصِلٌ بِعَذَابِ الْآخِرَةِ فَذُوقُوا عَذَابِي
يَوْمَ وَنَذِرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدْكِرٍ ﴿۴۰﴾

..... شہود نے پیغمبروں کی تکذیب کی (نذر نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر یعنی ان باتوں کو جھٹلادیا۔ جن کے متعلق ان کے پیغمبر حضرت
صالح نے یہ کہہ کر ڈر دیا تھا کہ اگر ایمان نہ لائے اور انہوں نے پیروی نہ کی تو عذاب آئے گا) چنانچہ کہنے لگے کہ کیا انسان کی (بشر) منصوب
ہے بعد والے فعل کے اس میں مشغول اور عامل ہونے کی وجہ سے (جو ہمارے ہی میں سے اکیلا ہو) (منا اور واحد دونوں بشر کی صفیتیں ہیں)
پیروی کریں (نصبہ فعل عامل کی تفسیر ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کس طرح ہم اس کی پیروی کر سکتے ہیں جب کہ ہم پوری ایک جماعت
ہیں اور وہ اکیلا آدمی ہے پھر بادشاہ بھی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس کی اتباع نہیں کر سکتے) اس وقت تو (اگر ہم نے اس کی پیروی کر لی) بڑی
گمراہی (غلط راستہ) اور جنون (دیوانگی) میں پڑ جائیں گے۔ کیا نازل ہوئی ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کی تسہیل اور دونوں
صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف کے پڑھا گیا ہے) وحی اسی پر ہم میں سب سے؟ یعنی اس پر وحی نازل نہیں
ہوئی) بلکہ یہ بڑا جھوٹا (اپنی اس بات میں کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے) شخی باز (اترا نے والا اکثر باز) ہے فرمایا ان کو عنقریب (قیامت) میں
معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شخی کون تھا؟ (پیغمبر یا مخاطبین اس طرح کہ صالح نبی کے جھٹلانے پر ان کو عذاب ہوگا) ہم اونٹنی کو ظاہر کرنے والے
ہیں (لوگوں کی فرمائش پر ایک پتھر کی چٹان سے) ان کی آزمائش (امتحان) کے لئے سوان کے دیکھتے بھالتے رہنا (اے صالح دیکھتے رہو کہ کیا
کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا جاتا ہے) اور صبر سے بیٹھے رہنا (تائے اختعال طاء سے بدل گئی ہے یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا) اور ان
لوگوں کو یہ بتلادینا کہ پانی بانٹ (تقسیم) کر دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان (اور اونٹنی کے درمیان کہ ایک دن ان کی باری اور ایک دن اونٹنی کی) ہر
ایک (پانی کی اپنی مقررہ) باری آنے پر آیا کرے (ایک روز قوم کے لوگ آئیں اور ایک دن اونٹنی کا رہے۔ ایک عرصہ تو اسی ڈگر پر چلتے رہے پھر
اتنا لگے اور اونٹنی کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنالیا) سوانہوں نے اپنے ساتھی کو (تدارک اونٹنی مار ڈالنے کے لئے) بلایا۔ سوان نے (تواری لے کر)
دار کیا اور مار ڈالا (کوئیں کاٹ ڈالیں۔ یعنی ان کے کہنے کے مطابق اسے ختم کر دیا) سومیر اعذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے
پہلے ہم نے ان کو خبردار کر دیا تھا۔ حاصل یہ کہ عذاب آکر رہا۔ جس کا بیان آگے ہے) ہم نے ایک چیخ ان پر مسلط کی، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے
کانٹوں کی باڑھ لگانے والے کا چورا (سو کھے درختوں اور کانٹوں کا باڑھ جو بکریوں کی حفاظت کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ بھیڑیے اور درندوں
سے بچی رہیں۔ اس میں سے گر کر جو چورا ہو جاتا ہے اس کو ہشیم کہا جاتا ہے) اور ہم نے قرآن کو فصاحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا

ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ قوم لوط نے پیغمبروں کی تکذیب کی (یعنی ان ہدایات کی جن کے ذریعہ پیغمبروں کی زبانی ان کو ڈرایا گیا) ہم نے ان پر پتھروں کا ایندھن برسا دیا (ہوائیں پتھریاں برسا رہی تھیں۔ حصّہ ایسے چھوٹے پتھر جن میں سے ہر ایک مٹھی بھر ہو نتیجہ یہ کہ وہ لوگ تباہ ہو گئے) البتہ متعلقین لوط (جن میں ان کے ساتھ صاحبزادیاں بھی) ان کو اخیر شب میں بچا لیا (ایک غیر معین صبح کو لیکن اگر مقررہ صبح مراد لی جائے تو معرفہ اور السحر سے عدل پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔ کیونکہ معرفہ الف لام کے ساتھ استعمال ہونا چاہیے لیکن متعلقین لوط پر پتھراؤ ہوا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلی صورت میں یہ استثناء متصل ہو جائے گا اور دوسری صورت میں ہم جنس ہوتے ہوئے بھی مجاز استثناء منقطع سمجھا جائے گا) فضل کر کے (مصدر بمعنی انعاما ہے) اپنی جانب سے ایسے ہی (جیسے یہاں ہوا) ہم بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جو شکر کرتا ہے (ہمارے انعامات کا بشرطیکہ مومن ہو یا شکر سے مراد اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا ہے) اور لوط نے ڈرایا (خوف دلایا) تھا ہمارے وارو گیر سے (عذاب میں ہماری پکڑ سے) سوانہوں نے جھگڑے پیدا کئے (لڑے اور جھٹلایا) اس ڈرانے کو (لوط کے) اور ان لوگوں نے برے ارادہ سے مہمانوں کو لوط سے لینا چاہا (یعنی قوم نے لوط علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ان سے ہمیں تنہائی کا موقعہ دیا جائے جو مہمانوں کے روپ میں آئے تھے تاکہ ان کے ساتھ خباثت کریں حالانکہ وہ فرشتے تھے) سو ہم نے ان کی آنکھیں چو پٹ کر دیں (انہیں اندھا کر دیا ایسا کہ آنکھوں کا نشان بھی نہ رہا بالکل سپاٹ چہرہ ہو گیا جبریل کے پر مار دینے سے) کہ لو چکھو (ہم نے ان سے کہہ دیا) میرے عذاب اور ڈرانے کا حرہ (یعنی میرے خوف دلانے کا ثمرہ اور فائدہ) اور صبح سویرے ہی (غیر معین دن) ان پر دائمی عذاب آپہنچا (جو یہاں سے آخرت تک جاری رہے گا) سولو، میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب:..... فسر۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نذر سے رسل مراد نہیں ہیں۔ اس سے باروک رہی ہے۔ بلکہ صالح علیہ السلام کی طرف سے ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔

ابشبرا۔ اس کا نائب بعد کا فعل متبعہ ہے جو اپنی ضمیر میں مشغول ہے۔ جس کی مشہور تعبیر ما ضمیر عاملہ علی التفسیر ہے۔ چنانچہ ہمزہ اس کا قرینہ ہے جو فعل پر داخل ہوا کرتا ہے۔

منا۔ یعنی ہم جیسے انسان یا ہماری قوم کے ایک فرد ہیں کچھ سب سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ منا۔ بشر کی صفت ہے۔ اگرچہ ماؤل ہے اور واحد بھی صفت ہے۔ مگر صراحتہ لیکن تاویلی صفت کو صریح صفت پر کیسے مقدم کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واحد اسے حال ہے جو اس پر مقدم کیا گیا ہے۔

سر۔ جنون کے معنی ہیں۔ ناقة مسعورة۔ اونٹنی جس کا سر چھوٹا چہرہ پریشان ہو۔ جیسا کہ فراء نے کہا ہے۔ ابن عباس اس کے معنی انسا لفی ضلال و عذاب بمنا یلزمنا من طاعة کے ساتھ کرتے ہیں۔ ابن عیینہ کی رائے ہے کہ یہ سعیر کی جمع ہے۔ مثلاً کوئی کہے۔ ان لم تبعونی کنتم فی سعیر و نیران تو اس کو پلٹ کر یوں کہا جائے۔ ان تبعناک کنا فی سعیر۔ من بیننا۔ حال ہے کہ علیہ کی ضمیر سے استفہام انکاری ہے۔

اشر۔ بہت زیادہ اترانے والا۔

من الکذاب۔ من استفہامیہ ہے یعلمون سے متعلق ہے مبتداء ہے اور کذاب خبر اور پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے۔

مر سلوا الناقة۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اس سال کتانیہ ہے اخراج سے۔

ھصبة۔ زمین پر پھیلی ہوئی پہاڑی یا ایسا پہاڑ جو ایک ہی پتھر کی چٹان ہو، یا طویل پہاڑ جیسا کہ قاموس میں ہے۔
بینہم۔ مفسر نے تو ضمیر صرف قوم کی طرف راجع کی ہے، لیکن دوسرے مفسرین نے قوم اور ناکہ کی طرف تعلیلا راجع کی ہے۔
محض۔ مختصر بمعنی حصر ہے۔

فتعاطی۔ عطا سے ہے تقاضا۔ امام راغب تناول کے معنی لے رہے ہیں۔

المحتظر۔ اسم فاعل ہے لکڑی بانس وغیرہ سے مویشیوں کے لئے گرمی سردی وغیرہ کے بچاؤ کا بازہ بنایا جاتا ہے۔ امام محمد نے آیت ان الماء قسمة بینہم سے تقسیم و مہایا کا جواز سمجھا ہے تقسیم اعیان میں اور مہایا کے منافع میں ہوتی ہے۔ یہ دونوں اگر چہ قیاساً ناجائز ہونی چاہئیں۔ کیونکہ منافع کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر شریک اپنی باری میں دوسرے شریک کی ملکیت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر اس آیت کی وجہ سے خلاف قیاس اجازت دے دی۔

تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شریک اپنے حصہ کو دوسرے شریک کے حصہ سے الگ کر لے۔ اور مہایا کہتے ہیں کہ اس چیز کو باقی رکھتے ہوئے منافع کو نوبت بہ نوبت تقسیم کر لیا جائے۔ چنانچہ بینہم ان الماء قسمة سے تقسیم کا جواز اور ”لہا شرب“ سے مہایا کا جواز استنباط کیا ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ دونوں الفاظ بمنزلہ مرادف کے ہیں۔ اور پانی کی تقسیم بطریق مہایا مراد ہے۔

فخر الاسلام بزدوی نے اس آیت کو شرائع من قبلنا کے حجت ہونے کے سلسلہ میں پیش کیا ہے جس کو بعض علماء مطلقاً حجت سمجھتے ہیں۔ لیکن مختار مذہب ہے کہ پچھلی شرائع اگر بغیر تکیر کے شارح نے نقل کیا ہے تو پھر ہمارے لئے بھی حجت ہے ورنہ نہیں۔ جیسا کہ یہاں امام محمد اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں اور اسلام میں اس کے خلاف نص بھی نہیں ہے اس لئے قابل قبول ہے۔

ولقد یسرنا القرآن۔ اس کو بار بار لانا اس لئے ہے کہ ہر نبی کی تکذیب عذاب کا سبب ہے۔
قوم لوط۔ لوط حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجہ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ تو عراق سے ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہو گئے اور لوط اس کے قریب سدوم میں آ رہے۔

حاصبا۔ اسی سے محصب، حجاز کی ایک جگہ کا نام ہے حاصب، ہوا کا جھکڑ، جس میں پتھر آگ بر سے باب ضرب سے ہے۔
بسحو۔ مفسر نے نکرہ غیر معین ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی لئے یہ منصرف ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اتیتہ بسحو۔ لیکن اگر معرفہ مراد لے کہ بقیۃ سحو نا هذا کہا جائے۔ آج کی صبح مراد ہو تو پھر غیر منصرف ہوگا۔

الا ل لوط۔ استثناء منقطع ماننا تکلف سے خالی نہیں۔ کیونکہ خاندان لوط بہر حال قوم کی جنس سے ہے۔ خواہ ہوا سب پر مانی جائے یا صرف خاندان لوط کے علاوہ لوگوں پر مانی جائے۔ اس لئے استثناء متصل ماننا چاہیے۔ گویا متصل اور منفصل کا مدار جنس غیر جنس پر ہوتا ہے۔
نعمة۔ مفعول مطلق ہے عامل ”نہینا“ ہے بلحاظ معنی کے کیونکہ عذاب سے نجات ایک طرح سے انعام ہوتا ہے اور مفعول نہ بھی ہو سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مصدر میں تاویل کی جاوے گی یا عامل میں۔

نجزی من شکر۔ یہ عام ہے آل لوط اور دوسرے شکر گزاروں کے لئے۔

بطشتنا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مصدر ہے جس میں وحدت کے معنی ملحوظ ہیں۔ اگرچہ اس سے عذاب مراد ہے۔

فطمسنا اعینہم۔ آنکھ کو مٹا دینا۔

بکسرة۔ نکرہ ہونے وجہ سے منصرف ہے لیکن اگر معین وقت مراد ہو۔ جیسا کہ ایک قرأت البکرة ہے تو پھر تانیث اور علیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔

رابط آیات: اس رکوع میں خود کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اسی کے ساتھ قوم لوط کی ناجائزی بھی ارشاد فرمائی۔

﴿تشریح﴾ ابشر امنوا واحدا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہ کہہ کر لوگوں نے جھٹلایا کہ یہ کوئی آسمانی فرشتہ نہیں۔ بلکہ ہم میں سے ایک آدمی ہے اور وہ بھی اکیلاتن تھا اپنے ساتھ کوئی جتنا نہیں رکھتا، نہ دنیا دولت و جاہت کا مالک ہے۔ مگر چاہتا ہے کہ ہمیں دبالے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس کے چکمہ میں آگئے تو ہماری غلطی اور حماقت ہوگی۔ ہم سوداؤں ٹھہریں گے۔ وہ تو ہم کو دھمکی دیتا ہے کہ مجھ نہ مانو گے تو آگ میں گرو گے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کے پیچھے لگ گئے تو گویا ہم خود اپنے کو آگ میں گرا رہے ہیں اور کیا پیغمبری کیلئے بس یہی رہ گیا تھا۔ سب جھوٹ ہے خالی بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے رسول بنا دیا اور سب کو میری اطاعت کا حکم دیا۔

مجرمین کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ سب علموں۔ یعنی غفریب معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں میں کون جھوٹا اور بڑائی مارنے والا ہے۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر پھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں دیکھیں کون اللہ و رسول کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے اور اسے صالح! تم دیکھتے رہو کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ہوا یہ کہ اونٹنی پھر سے بطور معجزہ بڑا مدہو گئی اور گھاٹ کے پانی کا ایک دن اس کیلئے اور ایک دن دوسرے جانوروں کے لئے مقرر ہوا۔ کچھ دن بھی طریقہ چلتا رہا۔ تا آنکہ ایک بدکار عورت نے جس کے مولیٰ بہت تھے۔ قدر اتنا ہی ایک آشنا کو اکسایا۔ اس نے اونٹنی کی کوٹھیں کاٹ ڈالیں جس سے وہ ہلاک ہو گئی۔ پھر جو فرشتہ نے ایک چیخ ماری تو سب کے کلیجے چھٹ گئے اور اس طرح چور ہو کر رہ گئے جیسے کھیت یا بکریوں کے گرد کانٹوں کی باڑھ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد پائمال ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

کذب قوم لوط۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا اور سب انبیاء کا مشن چونکہ ایک ہی ہوتا ہے اس لئے کسی ایک کا جھٹلانا گویا سب کو جھٹلانا ہے۔ ہم نے ان پر ہواؤں کے جھکڑ بھیج دیئے جس کی وجہ سے ساری قوم تباہ ہو گئی۔ بجز لوط کے گھرانہ کے۔ وہ اخیر شب میں انہیں لے کر صاف نکل گئے اور عذاب کی ذرا آج بھی انہیں لگنے نہیں دی گئی۔ ہم ہمیشہ شکر گزاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ لوط علیہ السلام نے پہلے لوگوں کو ڈرایا۔ مگر لوگوں نے خواہ مخواہ کے شبہات نکالے اور جھگڑے کھڑے کر کے انہیں جھٹلانے لگے۔

ولقد اودوہ۔ یعنی فرشتے حسین و خوب لوگوں کی شکل میں حضرت لوط کے گھر بطور مہمان آئے۔ بدطینت لوگوں کو خبر لگی تو وہ گدھوں کی طرح منڈلانے لگے اور انہیں قہمانا چاہا تو ہم نے انہیں اندھا کر دیا۔ جس کی وجہ سے انہیں کچھ نظر نہ آیا اور دھکے کھاتے پھرے کہ لو پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔ پھر ان کی بستیاں اونٹنی کر دی گئیں اور اوپر سے پھر اڑ کر دیا گیا کہ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

لطائف سلوک: سب علموں خدا سے معلوم ہوا کہ جب کسی کی اصلاح سے مایوسی ہو جائے تو بحث مباحثہ اور مجاہدہ کی بجائے اسی طرز سے جواب دینا چاہیے۔ جیسا کہ اہل طریق کا معاندین سے ساتھ یہی طرز ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ مَعَ النَّفْثِ ﴿۵۵﴾ إِلَّا نَذَارُ عَلَى لِسَانِ مُوسَى وَ هَارُونَ فَلَمْ يُؤْمِنُوا بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا أَيْ التَّسَعِ الثَّانِي أَوْ تَبَيَّنَ مُوسَى فَاحْتَلَبْنَاهُم بِالْعَذَابِ أَخَذَ عَزِيزٌ قَوِيٌّ مُقْتَدِرٌ ﴿۵۶﴾ قَادِرٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ أَكْثَارُكُمْ يَأْمُرُ خَيْرٌ مِّنْ أَوْلَئِكَمُ الْمَذْكُورِينَ مِّنْ قَوْمِ نُوحٍ إِلَى فِرْعَوْنَ فَلَمْ يُعَذِّبُوا أَمْ لَكُمْ يَا كُفَّارَ

فُرِيشِ بَرَاءَةً مِنَ الْعَذَابِ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۳﴾ الْكُتُبِ وَالْإِسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضِعِينَ بِمَعْنَى النَّفْيِ أَيْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ أَمْ يَقُولُونَ أَيْ كُفَّارُ فُرِيشِ نَحْنُ جَمِيعٌ أَيْ جَمْعٌ مُتَّصِرٌ ﴿۵۴﴾ عَلَى مُحَمَّدٍ وَلَمَّا قَالَ أَبُو جَهْلٍ يَوْمَ بَدْرٍ إِنَّا جَمْعٌ مُتَّصِرٌ نَزَلَ سَيِّهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ﴿۵۵﴾ فَهَزَمُوا بَدْرًا وَنَصَرَ رَسُولُ اللَّهِ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بِالْعَذَابِ وَالسَّاعَةُ أَيْ عَذَابُهَا أَذْهَى أَعْظَمُ بَلِيَّةٌ وَأَمْرٌ ﴿۵۶﴾ أَشَدُّ مُرَارَةً مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ هَلَاكِ بِالْقَتْلِ فِي الدُّنْيَا وَسُغُرٍ ﴿۵۷﴾ نَارٍ مُسْعِرَةٍ بِالشَّدِيدِ أَيْ مُهِيجَةٍ فِي الْأَجْرَةِ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَيْ فِي الْأَجْرَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرٍ ﴿۵۸﴾ إِيصَابَةً جَهَنَّمَ لَكُمْ إِنْ أَكَلْتُمْ شَيْءًا مَبْصُوبٌ بِفِعْلِ يُفْسِرُهُ خَلَقْنَاهُ بِقَدْرِ ﴿۵۹﴾ بِتَقْدِيرِ حَالٍ مِنْ كُلِّ أَيْ مُقَدَّرًا وَقُرِئَ كُلُّ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبِيرُهُ خَلَقْنَاهُ وَمَا أَمْرًا لَشَيْءٍ نُرِيدُ وَجُودَهُ إِلَّا أَمْرَةً وَاحِدَةً كَلَمَحٍ بِأَلْبَصَرٍ ﴿۶۰﴾ فِي السُّرْعَةِ وَهِيَ كُنْ فَيُوحِدُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ أَشْبَاهَكُمْ فِي الْكُفْرِ مِنَ الْأَمَمِ الْمَاضِيَةِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿۶۱﴾ اسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ أَذْكُرُوا وَاتَّعَظُوا كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ أَيْ الْعِبَادُ مَكْتُوبٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۶۲﴾ كُتِبَ الْحِفْظَةُ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مِنَ الذَّنْبِ أَوْ الْعَمَلِ مُسْتَطَرٌّ ﴿۶۳﴾ مُكْتَسَبٌ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ بَسَاتِينَ وَنَهَرٍ ﴿۶۴﴾ أُرِيدَ بِهِ الْجَنُّسُ وَقُرِئَ بِضَمِّ النُّونِ وَالْهَاءِ جَمْعًا كَأَسَدٍ وَأُسْدٍ الْمَعْنَى أَنَّهُمْ يَشْرَبُونَ مِنْ أَنْهَارِهَا الْمَاءَ وَاللَّبَنَ وَالْعَسَلَ وَالْحَمَرَ فِي مَقْعَدٍ صَدِيقٍ مَجْلِسٍ حَقِّ لَا لُغُو فِيهِ وَلَا تَأْتِيهِمْ وَأُرِيدَ بِهِ الْجَنُّسُ وَقُرِئَ مَقَاعِدَ الْمَعْنَى أَنَّهُمْ فِي مَجَالِسٍ مِنَ الْجَنَّاتِ سَالِمَةٌ مِنَ اللَّغْوِ وَالتَّائِيهِمْ بِخِلَافِ مَجَالِسِ الدُّنْيَا فَقُلْ أَنْ تَسْلِمَ مِنْ ذَلِكَ وَأُغْرِبَ هَذَا خَبَرًا ثَانِيًا وَبَدَلًا وَهُوَ صَادِقٌ بِعِيدٍ بِيَدِلِ الْبَعْضِ وَغَيْرِهِ عِنْدَ مَلِكٍ مِثَالُ مُبَالِغَةٍ أَيْ عَزِيزِ الْمُلْكِ وَاسِعُهُ مُقْتَدِرٌ ﴿۶۵﴾ قَادِرٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَعِنْدَ إِشَارَةِ إِلَى الرَّتْبَةِ وَالْقُدْرَةِ مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَى -

ترجمہ.....: اور فرعون (اور اس کی قوم) کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں (موسیٰ اور ہارون کی زبانی مگر وہ ایمان نہیں لائے بلکہ ان لوگوں نے ہماری تمام نشانیاں کو جھٹلایا) (یعنی وہ نشانیاں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں) سو ہم نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا صاحب قوت کا پکڑنا (جس کو کوئی عاجز نہ کر سکے) کیا اے قریشیو! تم میں جو کافر ہیں ان میں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جن کا ذکر ابھی قوم نوح سے لے کر آل فرعون تک ہوا ہے کیا ان کو عذاب نہیں دیا گیا) یا تمہارے لئے (اے کفار قریش) معافی ہے (عذاب سے) کتابوں میں (دونوں) جگہ استغفہام معنی نفی کے ہے (یعنی یہ بات نہیں ہے یا یہ لوگ کفار قریش کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے) محمد ﷺ کے مقابلہ میں ابو جہل نے جب جنگ بدر میں یہ نعرہ لگایا کہ انا نحن جمیع منتصر تو جواب نازل ہوا عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (چنانچہ غزوہ بدر میں ہار گئے اور آنحضرت ﷺ کی ان کے مقابلہ میں مدد ہوئی) بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے (عذاب

کے لئے) اور قیامت (کا عذاب) (بڑی سخت) (بھاری مصیبت) اور ناگوار چیز ہے (عذاب دنیا کے مقابلہ میں نہایت تلخ) یہ بحر میں نری غلطی (دنیا کی تباہی اور وکٹی آگ میں ہوں گے) (جو آخرت میں نہایت بھڑکتی ہوگی) جس روز یہ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے) آخرت کے روز ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کے (تمہیں) چھوٹے کا مزہ چکھو۔ یقیناً ہم نے ہر چیز کو (یہ منصوب ہے اس فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) انداز سے کیا پیدا کیا ہے (ناپ تول کر یہ حال ہے۔ "کل شئی" سے بمعنی مقدار۔ اور ایک قراءت میں کل رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر خلقنا ہے) اور ہمارا حکم (جس چیز کے موجود کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں) ایسا کیا بارگی ہو جاتا ہے جیسے پلک جھپکانا (آنا فانا یعنی کن کے ذریعہ وہ چیز موجود) ہو جاتی ہے۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون (اور ہم تم جیسے لوگوں کو) (گذشتہ امتوں میں تمہاری طرح کفر میں گزر چکے ہیں) ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی دھیان کرو اور سمجھو) اور ہر وہ چیز جو کرتے ہیں (بندے وہ لکھی ہوئی) اعمال ناموں میں ہے (کراما کاتین کے دفتر میں) اور ہر چھوٹی بڑی چیز (گناہ یا عمل کی) لکھی ہوئی ہے (لوح محفوظ میں درج ہے) پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (نہر سے جنس مراد ہے ایک قراءت میں نون اور ہائے ضمہ کے ساتھ ہے جیسے انسد اور انسد۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں پانی دودھ، شہد اور شراب کی نہروں سے سیراب ہوں گے) ایک عمدہ مقام میں (شائستہ محفل میں جہاں نہ فضول بات ہوگی اور نہ غلط چیز۔ اس سے جنس مراد ہے۔ ایک قراءت میں مقاعدہ ہے یعنی پرہیزگار جنت کی ایسی محفلوں میں ہوں گے جس میں نہ فضول گوئی ہوگی اور نہ گناہ کی چیز۔ برخلاف دنیا کی مجالس کے جو بہت کم ان سے پاک ہوتی ہے۔ یہ ترکیب میں خبر ثانی اور بدل ہو سکتا ہے بدل البعض ہو یا دوسری قسم) بادشاہ کے پاس۔ (ملیک مبالغہ کا وزن ہے یعنی وسیع سلطنت کا مالک) جو قدرت والا ہے (جسے کوئی بھی دبا نہیں سکتا۔ یعنی حق تعالیٰ اور عند مرتبہ عظمت کے لئے ہے جو فضل الہی سے حاصل ہو گا۔)

تحقیق و ترکیب: ال فرعون۔ آل کے معنی متعلقین و قبیعین ہیں۔

البلد۔ مصدر ہے یا نذیری جمع ہے۔

کلھا۔ نون ثانی (۱) عصا (۲) يد (۳) سنین (۴) طمس (۵) طوفان (۶) جراد (۷) قمل (۸) فغادع (۹) دم مراد ہیں۔ نحن جمع۔ اس کی تفسیر جمع کے ساتھ اس لئے کی گئی تاکہ اس کا نحن کا خبر بننا صحیح ہو سکے۔ نحن کی صفت نہیں ہے لیکن چونکہ لفظ مفرد ہے اس لئے منصرف کی بجائے منصرف پر اکتفا کیا گیا۔ اس میں فواصل کی رعایت بھی ہوگئی۔ الفعل بمعنی تفاعل ہے جیسے الخصم بمعنی تخادم اور بعض نے منصرف بمعنی ختم لیا ہے۔

الدبر فواصل کی رعایت سے مفرد لایا گیا ہے مراد جنس ہے یا ہر فرد مراد ہے۔

بل الساعة۔ یعنی کفار کی شکست ہی پر معاملہ ختم نہیں ہو جاتا۔ اس سے زیادہ مصیبت یہ کہ قیامت سر پر کھڑی ہے۔

ادھنی۔ داهية ہے اسم تفصیل ہے سخت و شتاک چیز بجائے ضمیر کے اسم ظاہر تہویل کے لئے لایا گیا ہے۔

انا کل شیء۔ نصب کی قراءت پر ما اضمر عاملہ علی شرط التفسیر ہے اور یہی قراءت رائج ہے۔ کیونکہ غلط معنی کا ایہام نہیں ہے۔

برخلاف ابوالساک کی قراءت رفع کے اس میں غلط معانی کا ایہام ہے اس طرح کہ کسل شیبی موصوف ہو اور خلقنا اس کی صفت بنادی

جائے اور بقدر خبر ہو تو معنی ہوں گے جو چیزیں ہم نے بنائی ہیں وہ اندازہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے جس سے یہ ایہام پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزیں

اللہ کی بنائی ہوئی نہیں اور وہ بے تخمینہ ہیں۔ یہ اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف اور معتزلہ کے نظریہ کے مطابق ہے۔

چنانچہ ابوالقاء فرماتے ہیں کہ نصب کی قرأت سے عموم معلوم ہوتا ہے وہی بہتر ہے اور رفع کی قرأت سے عموم معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ خلقناہ شئی کی صفت ہے۔ کیونکہ صفت موصوف سے پہلے اور صلہ موصول سے پہلے عمل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ماقبل کے عامل کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ پس جب یہ ماقبل کی صفت نہیں بن سکتی تو تاکید یا تفسیر ہی کہا جائے گا مضمرا نصب کی۔ اس سے عموم نکل آئے گا۔

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر کہیں فعل میں وصف ہونے کا احتمال ہو اور وہ خبر بننے کی صلاحیت رکھے اور فعل میں بھی خبر بننے کی صلاحیت ہو سکے تو اس وقت پہلے اسم میں نصب مختار ہوگا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فعل وصف نہیں ہے کہ جیسا کہ یہاں ہے۔ کیونکہ رفع صورت میں یہ ایہام ہو سکتا ہے کہ فعل ”وصف“ ہے اور بقدر خبر ہے۔ اسی طرح حکم خاص رہے گا۔ حالانکہ مقصود حکم کا عام ہوتا ہے برخلاف قرأت نصب کے اس میں بقدر فعل ناصب سے متعلق ہوگا۔

الا واحدة۔ مفسر نے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

کلمح البصر۔ لمحہ نہایت قلیل وقت کو کہا جاتا ہے ”لمحہ بصر“ پلک جھپکنا۔

اشیاءکم۔ اشیاء کے معنی اتباع کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ۔ شیعة الرجل اتباعه وانصاره۔ روح البیان میں ہے اشیاء عشیعة کی جمع ہے مددگار۔ ایک جماعت۔

کل شئی فعلوہ۔ اس آیت میں نحوی قاعدہ پہلی آیت کے برعکس ہے۔ یہاں سب کے نزدیک کل میں رفع کی

قراہت ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ انسانوں کے جملہ افعال لوح محفوظ میں درج ہیں۔ لیکن اگر اس پر نصب پڑھا جائے تو معنی یہ ہو جائیں گے کہ جو چیزیں لوح محفوظ میں درج ہیں لوگ بس وہی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ لوح محفوظ میں ہمارے کاموں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں درج ہیں۔ دونوں آیتوں میں اہم ترین نکات عربیہ ہیں۔ ایک ہی جگہ ان دونوں نکتوں کا جمع ہونا لطف کلام کو دو بالا کر رہا ہے۔

ونہر۔ فواصل کی رعایت سے مفرد لایا گیا ہے لیکن جنس مراد ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نہر جاری مراد نہیں۔ بلکہ فضا اور وسعت مراد ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ نہر کے معنی وسعت کے ہیں اور کتب کے وزن پر نہر بمعنی واسع ہے اور بعض کی رائے ہے کہ جس طرح صحاب کی جمع صحب ہے اسی طرح انہار کی جمع نہر ہے یعنی وہاں نہ رات ہوگی اور نہ اندھیرا ہوگا۔

مقعد صدق۔ اس میں کجی صحیح باتیں ہوگی یہاں بھی جنس مراد ہے یہ ان کی خبر ثانی ہے یا جنات خبر اول سے بدل ہے۔

عند ملیک۔ قرب مکانی مراد نہیں ہے بلکہ قرب رتبی مراد ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے جو متقین اکمل ہیں وہ جنت وصال میں ہوں گے۔ انہیں حکمت کی نہروں سے شراب معرفت پلائی جائے گی اور ان نہروں سے غوطہ خوری کر کے معارف کے موتی نکالیں گے اور وہ مقام وحدت ذاتیہ میں اقامت گزین ہوں گے۔ جیسے حدیث میں ہے۔ ابیت عند ربی يطعمنی ویسقینی۔

رابط آیات: آیت ولقد جاء میں فرعون اور اس کی قوم کی بربادی کا سرسہی ذکر ہے۔ آیت ”اکفارکم“ سے آپ کے زمانہ کے کفار کو بھی

لتاؤدی جاری ہے کہ تم بھی پچھلوں کے ہم پیالہ ہم نوالہ بنائے جاؤ گے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

پھر آخر میں آیت ان المتقین سے اہل ایمان و تقویٰ پر نوازشوں کا ذکر ہے۔

روایات: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت سیہزم الجمع نازل ہوئی تو میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کب ہوگا لیکن جب بدر میں

آنحضرت ﷺ نے زرہ وغیرہ ہتھیار زیب تن کر کے یہ آیت پڑھی تو میں سمجھ گیا کہ آیت کا مصداق یہی ہے۔

﴿تشریح﴾..... اکفار کم بچلی قوموں کے حالات سنا کر موجودہ لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم بھی جب اس ذکر پر چل رہے ہو تو کیا تم ان نتائج بد سے بچ سکو گے جن سے وہ لوگ دوچار ہو چکے ہیں؟ کچھ تم ان سے بڑھ چڑھ کر ہو یا تمہارے نام چھوٹ کا کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو چاہو کرو تمہیں سزا نہیں ملے گی۔ یا یہ سمجھو ہوئے ہیں کہ تمہارا حقیقتاً بہت بڑا ہے وہ سب مل کر تمہاری مدد کو آ جائیں گے۔ سب سے بدنام لے کر چھوڑیں گے اور اپنے مقابلہ میں کسی کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا:..... مگر سیہزم الجمع عنقریب تمہیں اپنی جماعت کا دم ختم معلوم ہو جائے گا۔ جب مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہو گے۔ جیسا کہ بدر میں اور احزاب میں دنیا نے یہ تماشا دیکھا۔ یہی مبارک آیت اس وقت آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری تھی۔ اور ابھی کیا اصل درگت تو ان کی قیامت میں بنے گی جو سر پر کھڑی ہے وہ سخت مصیبت کا وقت ہو گا۔ اب تو غفلت کے نشہ میں پاگل ہو رہے ہو مگر دماغ سے یہ سودا اس وقت نکلے گا جب انہیں اوندھے منہ دوزخ میں گھسیٹا جائے گا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ اب مرہ چکھو۔

انسا کل شیء۔ رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی؟ سو یہ بات ہے کہ ہر چیز کا ایک مقررہ وقت ہے جو اللہ کے علم میں پہلے سے ظہر چکا ہے۔ قیامت کا وقت پہلے سے اس کے یہاں طے شدہ ہے۔ ایک پل اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ یوں تو ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں۔ ہمیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں دیر کیا لگتی ہے اور مشقت کیا ہوتی ہے۔

تمہاری طرح کے کتنے کافر پہلے تباہ ہو چکے۔ پر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں ہے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑے ہر ایک کی نیکی بدی دفتر اعمال میں درج ہو رہی ہے۔ وقت آنے پر ساری مسل سامنے کر دی جائے گی۔ اور اسی دفتر اعمال پر اکتفا نہیں بلکہ مرکزی دفتر ”لوح محفوظ“ میں ہر چھوٹی بڑی تفصیل پہلے سے مرتب کی جا چکی ہے یہ دو ہر النظام باقاعدہ مرتب صورت میں ہے۔ مجال ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی چیز ادھر سے ادھر ہو جائے۔

جس طرح مجرمین کے لئے جیل خانہ اور اس کی دہشت ناک سزائیں ہیں اسی طرح وفادار اور اطاعت شعار بھی عالی مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ اعظم کا قرب نصیب ہوگا۔

سُورَةُ الرَّحْمَنِ

سُورَةُ الرَّحْمَنِ مَكِّيَّةٌ أَوْ إِلَّا يَسْتَلْهُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْآيَةُ فَمَدَنِيَّةٌ
وَهِيَ سِتُّ أَوْ ثَمَانٍ وَسَبْعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

الرَّحْمَنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ مَنِ شَاءَ الْقُرْآنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ﴿۳﴾ أَيْ الْجِنْسَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ انْطَقَ الشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾ بِحِسَابٍ يَجْرِيَانِ وَالنَّجْمُ مَا لَا سَاقَ لَهُ مِنَ النَّبَاتِ وَالشَّجَرُ مَا لَهُ سَاقٌ يَسْجُدَانِ
﴿۶﴾ يَخْضَعَانِ بِمَا يُرَادُ مِنْهُمَا وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿۷﴾ أَتَيْتَ الْعَدْلَ إِلَّا تَطْفَعُوا أَيْ لَا جَلَ أَنْ لَا
تَجُورُوا وَفِي الْمِيزَانِ ﴿۸﴾ مَا يُوزَنُ بِهِ وَاقِمُْوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿۹﴾
تَنَقَّصُوا الْمَوْزُونَ وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا أَتَيْتَهَا لِلْأَنَامِ ﴿۱۰﴾ لِلْخَلْقِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَغَيْرِهِمْ فِيهَا فَكَيْهَةٌ وَالنَّخْلُ
الْمَعْوُودُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ أَوْعِيَةُ طَلْعِهَا وَالْحَبُّ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرُ ذُو الْعَصْفِ أَلْتَيْنِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾
الْوَرْقُ أَوِ الْمَشْمُومُ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا يَا أَيُّهَا الْإِنْسُ وَالْجِنُّ تُكْذِبِينَ ﴿۱۳﴾ ذُكِرَتْ إِحْدَى وَثَلَاثِينَ مَرَّةً
وَالْأُخْرَى فِيهَا لِلتَّقْرِيرِ لِمَا رَوَى الْحَاكِمُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَرَأَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرِّحْمَنَ حَتَّى خَتَمَهَا ثُمَّ قَالَ مَا لِي
أَرَكُمُ سُكُوتًا لِلْجِنِّ كَانُوا أَحْسَنَ مِنْكُمْ رَدًّا مَا قَرَأْتُ عَلَيْهِمْ هَذِهِ الْآيَةَ مِنْ مَرَّةٍ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ - إِلَّا
قَالُوا وَلَا بَشَى مِنْ نِعْمِكَ رَبَّنَا نَكْذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ خَلَقَ الْإِنْسَانَ آدَمَ مِنْ صَلْصَالٍ طِينٍ يَا بَسِ يَسْمَعُ لَهُ
صَلْصَلَةٌ أَيْ صَوْتٌ إِذَا انْقَرَّ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَهُوَ مَا طَبَخَ مِنَ الطِّينِ وَخَلَقَ الْجَانَّ أَبَا الْجِنِّ وَهُوَ إِبْلِيسُ مِنْ
مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ﴿۱۵﴾ هُوَ لَهُبُهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ

مَشْرِقِ الشِّتَاءِ وَمَشْرِقِ الصَّيْفِ وَرَبُّ الْمَغْرِبِينَ ﴿۱۷﴾ كَذَلِكَ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ
 أَرْسَلَ الْبَحْرَيْنِ أَلْعَذْبَ وَالْمِلْحَ يَلْتَقِيَنِ ﴿۱۹﴾ فِي رَأْيِ الْعَيْنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ حَاجِزٌ مِنْ قُدْرَتِهِ تَعَالَى لَا يَبْغِيَنِ
 ﴿۲۰﴾ لَا يَبْغِي وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلَى الْآخَرِ فَيَحْتَلِطَ بِهِ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ
 وَالْفَاعِلِ مِنْهُمَا مِنْ مَجْمُوعِهِمَا الصَّادِقُ بِأَحَدِهِمَا وَهُوَ الْمِلْحُ اللَّوْلُو وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ خِزْرًا أَحْمَرًا وَصِغَارَ اللَّوْلُو
 فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ السُّفُنُ الْمُنَشَّئَاتُ الْمُحْدَثَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَغْلَامِ ﴿۲۴﴾
 كَالْجِبَالِ عَظُمًا وَارْتِفَاعًا فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا أَى الْأَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانِ فَإِنَّ ﴿۲۶﴾
 هَالِكٌ وَعَبَّرَ بَيْنَ تَغْلِيْبِ الْعُقُلَاءِ وَيَبْقَى وَجْهَ رَبِّكَ ذَاتَهُ ذُو الْجَلَالِ الْعَظَمَةِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ لِلْمُؤْمِنِينَ
 بِأَنْعَمِهِ عَلَيْهِمْ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۲۸﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَى يُنْطِقِ أَوْ حَالِ مَا
 يَحْتَاجُونَ مِنَ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالرِّزْقِ وَالْمَغْفِرَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ كُلُّ يَوْمٍ وَقْتُ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۲۹﴾ أَمْرٍ
 يُظْهِرُهُ فِي الْعَالَمِ عَلَى وَفْقِ مَا قَدَرَهُ فِي الْأَزَلِ مِنْ أَحْيَاءٍ وَإِمَاتَةٍ وَاعْزَازٍ وَإِذْلَالٍ وَإِغْنَاءٍ وَإِعْدَامٍ وَاجَابَةِ دَاعٍ
 وَاعْطَاءٍ سَائِلٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفَرُغْ لَكُمْ سَنَقْصِدُ لِحِسَابِكُمْ أَيُّهَا
 الثَّقَلَيْنِ ﴿۳۱﴾ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۳۲﴾ يَمْعَشَرُ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ إِنْ اسْتَطَعْتُمْ
 أَنْ تَنْفُذُوا تَخْرُجُوا مِنْ أَقْطَارِ نَوَاحِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا أَمْرٌ تَعْجِيزٌ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا
 بِسُلْطَنِ ﴿۳۳﴾ بِقُوَّةٍ وَلَا قُوَّةَ لَكُمْ عَلَى ذَلِكَ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِلُ
 مِنْ نَّارٍ هُوَ لَهَا خَالِصٌ مِنَ الدُّخَانِ أَوْ مَعَهُ وَنَحَاسٌ أَى دُخَانٌ لَا لَهَبَ فِيهِ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ﴿۳۵﴾
 تَمْتَنِعَانِ مِنْ ذَلِكَ بَلْ يَسُوفُ فُكِّمُ إِلَى الْمَحْشَرِ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۳۶﴾ فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ
 انْفَرَجَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ الْمَلَائِكَةُ فَكَانَتْ وَرْدَةً أَى مِنْهَا مُحَرَّمَةٌ كَالِدَّهَانِ ﴿۳۷﴾ كَالْأَدِيمِ الْأَحْمَرِ عَلَى
 خِلَافِ الْعَهْدِ بِهَا وَجَوَابُ إِذَا فَمَا اعْظَمَ الْهَوَلُ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ
 ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿۳۹﴾ عَنْ ذَنْبِهِ وَيُسْأَلُونَ فِي وَقْتِ آخِرٍ قَوْلُ رَبِّكَ لَسْتُ لَكُمْ أَجْمَعِينَ وَالْحَاقَّ هُنَا وَفِيمَا
 سَيَأْتِي بِمَعْنَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِيهِمَا بِمَعْنَى الْإِنْسِي فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿۴۰﴾ يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ
 بِسَمِيَّتِهِمْ أَى سَوَادِ الْوُجُوهِ وَزُرْقَةِ الْعُيُونِ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ
 ﴿۴۲﴾ أَى تُضَمُّ نَاصِيَةُ كُلِّ مَنْهُمَا إِلَى قَدَمِهِ مِنْ خَلْفٍ أَوْ قُدَامٍ وَيُلْقَى فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ هِيَ جَهَنَّمُ الَّتِي

يَكْذِبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۳۳﴾ يَطُوفُونَ يَسْعَوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ مَاءٍ حَارٍّ اِنْ ﴿۳۴﴾ شَدِيدَ الْحَرَارَةِ يُسْقَوْنَ اِذَا اسْتَعَاثُوا مِنْ حَرِّ النَّارِ وَهُوَ مَنْقُوصٌ كَقَاضٍ فَيَايَ الْاِءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبَنِ ﴿۳۵﴾

ترجمہ:..... پوری سورہ رحمن مکہ ہے یا بجز آیت يسالہ من فی السموات کے مدنیہ ہے۔ کل آیات ۶ یا ۸ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

رحمن نے (جس کو چاہا) قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے (جنس) انسان کو پیدا کیا۔ اس کو گویائی (بول چال) سکھائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چل رہے) ہیں اور بے تاد رخت (جن ہزیوں کے تانہیں ہوتا) اور تادار درخت دونوں تابعدار ہیں (قدرت کو جو کچھ منظور ہے وہ پورا کرتے ہیں) اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور اس نے تراز ورکھ دی (انصاف قائم کیا) تاکہ تم تولنے میں کسی بیشی (ظلم) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور اسی نے زمین کو خلقت (انسان جن وغیرہ مخلوق) کے لئے رکھ دیا۔ جس میں میوے اور کھجور کے خاص درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے (خوشوں کی تھیلی) اور غلہ (جیسے گہوں جو) جس میں بھوسا (تکا) ہوتا ہے اور پھول پتے (گھاس یا خوشبو) ہیں۔ سو تم دونوں (اے انس و جن) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اس میں استفہام تقریر کیلئے ہے۔ حاکم نے جابر سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے سورہ رحمن پڑھ کر فرمایا تم خاموش کیوں ہو۔ تم سے تو جن ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے ہر مرتبہ فیای الاء ربکمما تکذبان کر یہ کہا کہ ولا بشئ من نعمتک ربنا تکذب فلک الحمد یعنی ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں) اسی نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو بھٹی تھی (سوکھی مٹی جو بجانے پر کھن کھن بولے) ٹھیکرے کی طرح مٹی (جب آگ میں پک جائے) اور جنات (ابوالجن، ابلیس) کو خالص آگ سے پیدا کیا (ایسی خالص آگ کی لپٹ جس میں دھواں شامل نہ ہو) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشر (سر دیوں گرمیوں) کا اور دونوں (سر دیوں گرمیوں کی) مغرب کا (بھی) مالک ہے۔ سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اس نے ملا دیا (جاری کیا) دونوں (شیریں اور شور) دریاؤں کو باہم ملے ہوئے ہیں (دیکھنے میں) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے۔ (قدرت الہی) کی آڑ کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (کہ ایک دوسرے پر چھا کر مل جائیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ برآمد ہوتا ہے (مجبور و معروف ہے) ان دونوں سے (یعنی دونوں کے مجموعہ سے جو دریائے شور پر صادق آتا ہے) منوتی اور مونگا (سرخ پوتھ اور چھوٹے موتی) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز (کشتیاں) جو کھڑے (بنائے گئے) ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح (بڑائی اور بلندی میں پہاڑوں جیسے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے جس قدر روئے زمین پر (جانداز چیزیں) موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گی (لفظ مسن لانا بطور تغلیب عقلا ہے) اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ جو جلال (عظمت) اور احسان والی ہے (مومنین پر انعام کر کے) سو تم دونوں کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جائے گے۔ اسی سے سب زمین و آسمان والے مانگتے ہیں (زبان سے ضروریات، وہ عبادت کی قوت ہو یا رزق و مغفرت وغیرہ) وہ ہر آن کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے خواہ جلانا ہو یا مارنا، عزت ہو یا ذلت دینا، امیر بنانا ہو یا فقیر کرنا۔ قبولیت دعا ہو یا مانگنے والے کو عطا وغیرہ) سو تم دونوں رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ غقریب ہم تمہارے (حساب کے) لئے فارغ ہوا چاہتے ہیں (اے انس و جن) سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو

جاؤ گے۔ اے جن اور انسانوں کے گروہ اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ کہیں باہر نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی حدود (اطراف) سے تو نکل جاؤ (یہ حکم عاجز کرنے کیلئے ہے) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے (اور تمہیں اتنی طاقت ہے نہیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تم دونوں پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (خالص لپٹ جس میں دھواں نہ ہو یا دھوئیں سمیت) اور دھواں (خالص جس میں لپٹ نہ ہو) پھر تم ہٹا نہ سکو گے (ان سے بچ نہ سکو گے۔ بلکہ تمہیں یہ دونوں محشر میں دھکیل دیں گے سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا (فرشتے نازل ہونے کیلئے دروازے بن جائیں گے) اور سرخ ہو جائے گا (گلاب کی طرح) جیسے سرخ زری (لال) چڑا جو اصل ہیبت کے خلاف ہوا ذاکا جواب فبا عظم الھول ہے یعنی بڑی ہیبت ہو جائے گی) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تو اس رونہ کسی انسان سے اس کے جرم کی نسبت پوچھا جائے گا اور نہ جن سے (اس گناہ کے متعلق البتہ دوسرے وقت دریافت کیا جائے گا۔ چنانچہ فوراً ایک لنسٹلھم اجمعین ہے اور الجان یہاں اور آگے بعض جہاں سے الانس بھی دونوں جگہ یعنی اسی ہے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو منکر ہو جاؤ گے۔ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے (یعنی کالے چہرے اور نیلی آنکھوں سے) چنانچہ سر کے بال اور ہاتھ پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔ سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی دونوں فرقوں کی پیشانیوں اور پاؤں پیچھے یا سامنے کی جانب باندھ دیئے جائیں گے اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور کہا جائے گا) یہ ہے جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے وہ لوگ گھر میں دوڑیں گے دوزخ کے اور گرم (تیز) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان (جو انتہائی حرارت والا ہوگا۔ آگ کی گرمی سے بلبلانے پر انہیں پلایا جائے گا۔ ان قاضی کی طرح ناقص یا ہے) سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

تحقیق و ترکیب:..... سورۃ الرحمن۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ لکل شیء عروس و عروس القرآن سورۃ الرحمن۔ عائشہؓ ابن عباسؓ زبیرؓ اس کو کہتے ہیں اور ابن عباسؓ سے مدنی ہونا بھی منقول ہے۔ مفسر صرف آیت **یسالہ من فی السموات** را کو مدنی فرما رہے ہیں لیکن گاذرونی اس کے ساتھ آیت **لبای الا ۶** ربکما تکذبان کو بھی مدنی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت خاص نہیں ہے بار بار آ رہی ہے الرحمن مبتدأ محذوف کی خبر ہے ای اللہ الرحمن یا اس کی خبر محذوف ہے ای الرحمن لربنا۔ یا اس کو مبتدأ اور بعد کے جملہ کو خبر کہا جائے۔

علمہ البیان۔ زبان سے اظہار مافی الضمیر انسان کا خاصہ ہے۔ دوسرے حیوانات کو ناطق نہیں مانا گیا ہے۔ بحسبان۔ یہ مفرد ہے بمعنی حساب جیسے غفران، کفران، اور حساب کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے شہاب کی جمع شہبان اور غریف کی جمع رغفان آتی ہے۔ مہینوں اور موسموں کے لحاظ سے چاند سورج دونوں اپنے اپنے مدار پر مقررہ رفتاروں کے ساتھ منازل اور برج طے کرتے رہتے ہیں۔ ووضیع المیزان۔ حدیث میں ہے **بالعدل قامت السموات والارض**۔

الا تظفوا۔ یعنی ان نامہ ہے نافی نہیں ہے اور تظفوا منصوب ہے ان کے ذریعہ جس سے پہلے لام علت مقدر ہے۔

اقیموا الوزن۔ زائد لینے کو طغیان اور کی کو خسار اور برابر برابر کو قسط کہتے ہیں۔

للانعام۔ ضحاک قمر ماتے ہیں کہ زوئے زمین پر مٹتی چیزیں ہیں وہ انام میں داخل ہیں۔ لیکن حسن صرف جن و انس کو کہتے ہیں۔

الا کمام۔ اکمام کم کی جمع ہے غلاف شکوف۔

طلعھا۔ طلوع ابتدائی شکوف۔

ذوالعصف۔ عصف بقول صراح گھاس اور بقول بیضاوی سوکھی گھاس تنکے پتے۔ قاموس میں ہے کہ گیہوں وغیرہ کے بھوسہ کو کہتے ہیں۔
الریحان۔ پتوں اور خوشبو کو کہتے ہیں۔ حدیث لا شئ من نعمک میں جو نعمتوں کو عام فرمایا گیا۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ آیت میں یوسل
علیکما شواظ من نار و نحاس میں آگ اور دھوئیں کا ذکر ہے ان کو نعمت کیسے کہا جائے؟ جواب یہ ہے کہ مصائب کو دفع کرنا اور ان سے
بچاؤ بھی نعمت ہے۔ اسی طرح عذاب کو مؤخر کرنا اور دنیا کو مقررہ وقت تک باقی رکھنا موت کا عام ہونا نیک و بد سب کے لئے یہ بھی نعمتیں ہیں۔
صلصال کالفحار۔ صلصال کھٹکھٹاتی خشک مٹی اور فحار ٹھیکرے کے معنی ہیں۔

رب المشرقین۔ عام قراءت رفع کی ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ مبتداء ہو اور خبر مرج البحرين ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔
یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خلق الانسان کی ضمیر سے بدل ہو۔ لیکن ابن ابی عمیر رب کو مجرور پڑتے ہیں
ربکما کا بدل یا بیان مان کر رکھی کہتے ہیں کہ ربکما سے بدل مان کر مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔

مرج البحرين۔ مرجع الدابة۔ کہا جاتا ہے بمعنی ارسلتها، بحرین سے دریائے شیریں اور شور مراد ہے اور بعض نے بحر فارس ورومراد
لئے ہیں۔

یلتقیان۔ یہ بحرین سے حال مقدرہ یا حال مقارنہ ہے۔

بینہما بوزخ۔ جملہ متاثرہ یا حال بن سکتا ہے یا صرف بینہما کو حال اور بوزخ کو فاعل کہا جائے۔ اور ذوالحال خواہ بحرین کو کہا جائے یا
یلتقیان کے فاعل کو۔ اور لا یغیان بھی پہلے کی طرح حال ہے اور یہ حال علت کے درجہ میں ہے ای لشلایغیا۔ اور بعض نے کہا کہ اصل
عبارت تو اسی طرح تھی۔ مگر حرف علت کو مع ان حذف کر دیا گیا۔ پھر فعل مرفوع ہو گیا۔ جیسا کہ ومن ایاتہ یوہکم البرق میں ہے۔ حاصل
یہ ہے کہ نمکین اور شیریں سوت بظاہر ملے ہوئے رہتے ہیں۔ مگر اللہ کی قدرت دونوں کو الگ الگ رکھتی ہے۔ پس جب بے عقل جمادات کو اللہ
ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کرنے دیتا۔ تو اہل عقل کو کیسے اجازت دے سکتا ہے اور وہ کیسے بغاوت کرتے ہیں۔

جس طرح دونوں قسم کے دریاؤں کے موتی مونگا نکلنے کی صورت میں منہما صادق آتا ہے۔ اسی طرح اگر صرف ایک قسم کے دریا سے
موتی وغیرہ نکلتے ہوں۔ تب بھی یہ لفظ صحیح رہے گا۔ جیسے کہا جائے۔ کل رجل یحمل الصخرة العطیة یعنی جس طرح یہ تمام مجموعہ افراد کی
صورت میں صادق آتا ہے۔ اسی طرح بعض افراد کی صورت میں بھی صادق آجائے گا۔

الزلزل و المرجان۔ ابن مسعود سے منقول ہے کہ چھوٹے موتی۔ اور حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ سے بڑے موتی کے ہیں۔ اور مرجان کے معنی
صراح میں جوہر کے ہیں۔ اور روح البیان میں سرخ پوتھ کے ہیں۔ اور فریدۃ العجائب میں لکھا ہے کہ موتی بحر ہند و بحر فارس میں ہوتا ہے اور
مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتے ہیں اس میں اور بھی اقوال ہیں۔

المنشآت۔ بمعنی مرفوعات۔ انشاء بمعنی رفع، شرع شرع کی جمع ہے۔ بادبان کو کہتے ہیں۔ پہاڑ اور کشتیاں بھی پانی پر ابھری کھڑی رہتی ہیں
اور بعض نے منشآت کے معنی مخلوقات و محدثات کے لئے ہیں۔ یعنی گویا یہ سمندر میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اس معنی کی لطافت واضح ہے۔

ذوالجلال والاکرام۔ پہلے لفظ میں وعید۔ دوسرے میں وعدہ کے معنی ہیں جلال سے عالم کے فنا ہونے اور کفار کے عذاب کی طرح اور
اکرام سے عالم کے زندہ کرنے اور مومنین کے ثواب کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں تو عام قراءت میں ذوا مرفوع ہے اور قراءت شاذہ میں مجرور۔
لیکن اخیر سورت میں دونوں قراءتیں متواتر ہیں۔

یسئلہ من فی السموات۔ یہ جملہ متاثرہ ہے اور من وجہ حال بھی ہو سکتا ہے یہی قائل ہے۔

کل یوم۔ اس میں یہود کے اس خیال کی تردید ہے کہ یوم السبت میں اللہ کچھ نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ اس کو یوم السبت کہتے ہیں بمعنی انقطاع و

تقل۔ یہاں سوم کے معنی مطلق وقت کے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی شئون و صفات غیر متناہی ہیں۔ ہر آن ان کی نرالی شان ہے شان سے مراد صفات فعلیہ ہیں۔ جن میں تغیرات باعث اشکال نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو تغیرات بہ تعلقات میں ہوتے ہیں نہ کہ صفات فعلیہ میں۔ اور صفات ذات اور خود ذات میں تو کسی طرح کا تغیر ممکن نہیں وہ غیر ہے نہ کہ متغیر۔

سفرغ۔ اس لفظ پر اشکال ہے کہ وہ مشغول ہی نہیں کہ اس کو فارغ کہا جاسکے۔ جواب کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ مراد پوری توجہ اور ارادہ و قصد ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ ہم بالکلیہ اس کام کے لئے فارغ ہو گئے۔ یہ آیت بھی وعدہ و وعید پر مشتمل ہے۔

الغفلان۔ ثقل کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں جن و انس زندہ ہوں یا مردہ زمین پر بوجھ ہیں۔ جنات اگرچہ بظاہر مادی نہیں ہوتے تاہم قدر و منزلت کے اعتبار سے ان کو بھی انسانوں کے ساتھ وزنی سمجھا گیا۔ حدیث میں ہے انی تبارک فیکم الغفلین کتاب اللہ و عترتی یا دونوں کو گناہوں کی وجہ سے بوجھل سمجھا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق نے فرمایا ہے۔

فانفلوہ۔ بعض کی رائے ہے کہ قیامت میں ارشاد ہوگا۔

کالدھان۔ خبر ثانی ہے یا وردہ کی صفت ہے اور کانت کے اسم سے بھی حال ہو سکتا ہے اور دھان دہن کی جمع ہے جیسے قرط کی جمع قراط ہے اور دمع کی جمع دماح ہے۔ مجاہد و ضحاکی کی رائے یہی ہے۔ اس صورت میں یوم تکنون السماء کالمہل کی طرح ہو جائے گا۔ اور دھان اسم مفرد بھی ہو سکتا ہے چنانچہ زخشری کہتے ہیں کہ اسم لما یلھن بہ کالخرام و الادام۔

لا یسال۔ آیت فو ربک لنسئلہم اجمعین اور آیت وقفوہم انہم مسئولون اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ قیامت میں مختلف احوال پیش آئیں گے۔

انس و لا جان۔ یہ دونوں لفظ اسم جنس ہیں۔ ان میں یا کا اضافہ کر دیا جائے تو انسی اور جنی مفرد ہو جائیں گے۔ لیکن اسم جنس کا اطلاق بھی چونکہ مفرد پر ہو سکتا ہے۔ اس لئے مفسر کی تاویل کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ تاہم سوال چونکہ افراد سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے تاویل کی ضرورت پڑی۔ زرقۃ العیون۔ گریہ چشم کو کہتے ہیں۔

حمیم ان۔ ضرب سے انی یانی۔ قضی بقضی کی طرح، نہو ان۔

رابط آیات:..... پچھلی سورت میں زیادہ تر نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان تھا۔ اگرچہ اسباب ہدایت ہونے کی حیثیت سے وہ حکما اور معنا نعمتیں ہوں۔ تاہم اس میں اول و آخر کچھ مضمون نعمتوں کا تھا برخلاف اس سورت کے اس میں زیادہ مضمون دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا ہے۔ اور درمیان میں کچھ مضمون نعمتوں اور مصیبتوں کا بھی آگیا ہے۔ اگرچہ اسباب ہدایت ہونے کی وجہ سے وہ بھی نعمتیں ہی ہیں۔ اسی لئے ظاہری نعمتوں کی طرح ان حکمی نعمتوں کے بعد بھی آیت فباہی الا ربکما تکذبان دہرائی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں دنیاوی نعمتوں کا ذکر ہے۔ کچھ ظاہری اور جسمانی اور کچھ باطنی اور روحانی۔ اور دوسرے رکوع اور اخروی نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان ہے جو معنی نعمتیں ہیں۔ پھر آخری تیسرے رکوع میں اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہے جو صورت اور معنی دونوں طرح نعمتیں ہیں۔

﴿تشریح﴾..... الرحمن علم القرآن۔ رحمن کا سب سے بڑا عطیہ قرآن ہے اس کی نعمتوں میں یہ سب سے اونچی نعمت و رحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور پھر علم قرآن کے اس ناپیدا کنارہ دریا کو دیکھو۔ کہاں یہ ضعیف المہیان بشر اور کہاں آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری کلام الہی۔

انسان اور قرآن و بیان..... خـلـق الانـسـان۔ انسان کو خلعت و وجود سے سرفراز فرمانا۔ واقعہ یہ ہے کہ ساری نعمتوں کی جڑ اور سرچشمہ عطاء و وجود ہے۔ ایجاد ایک ذات کا ہوتا ہے دوسرے صفت کا حق تعالیٰ نے انسان کی ذات پیدا کی اور اس میں صفت بیان بھی رکھی۔ یعنی اپنے مافی الضمیر کو بڑی حسن و خوبی اور شائستگی و صفائی سے دوسروں تک پہنچائے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے اور اس کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اسی صفت کا پرتو ہے کہ وہ کلام الہی قرآن سیکھتا سکھاتا ہے اور دنیا و آخرت کی اچھی بری باتوں، ایمان و کفر، ہدایت و گمراہی، نیکی و بدی کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ تعلیم قرآن تو روحانی اور تخلیق انسانی جسمانی نعمت ہے جو مقدر ہے نعمت روحانی کا۔

الشمس و القمر۔ یہاں سے آفاقی نعمتوں کا سلسلہ ہے۔ چاند سورج کا طلوع و غروب، گھٹنا بڑھنا یا ایک حالت پر قائم رہنا۔ پھر اس کے نتیجہ میں موسموں کا بدلنا اور عالم میں مختلف اثرات و النامیہ سب کچھ حاصل حساب اور مضبوط نظام و ضابطہ کے مطابق ہو رہا ہے۔ مجال نہیں کہ مقررہ دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں اور جو کام اور خدمتیں ان کے سپرد ہیں ان میں سر مو کو تباہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں بیگاری ہیں۔ اور جدید فلسفہ کی اگر یہ بات درست ہو کہ زمین، سورج کرگرد اور چاند، زمین کے گرد گھومتے ہیں تو پھر حسابان کا یہ مطلب یہ ہوگا کہ سورج کا مدار اور چاند کا دائرہ ہونا باقاعدہ حساب سے ہے۔

والنجم والشجر۔ عالم علوی کی طرح عالم سفلی بھی وقف اطاعت ہے۔ چھوٹے جھاڑ، بلیں، اونچے درخت سب اس کے نگوینی احکام کے آگے سرگوش ہیں بندے ان کو کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔

آسمان، زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں..... والسماء حس طرح شمس و قمر اور نجم و شجر و درود چیزوں کا ذکر کیا اسی طرح آسمان و زمین جوڑ ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے آسمان بلند ہے تو زمین پست، درمیان میں میزان و ترازو کا ذکر ہے۔ کیونکہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان و زمین کے درمیان فضا میں معلق رکھنا پڑتا ہے اور اسی سے بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت متعلق رہتی ہے اس لئے فرمایا کہ نہ لیتے وقت کسی چیز کو زیادہ تو لو اور نہ دیتے وقت کم تو لو۔ ترازو کے دونوں پہلے، بائیں میں کی بیشی نہ ہو۔ دینے کے بائیں اور لینے کے اور نہیں ہونے چاہئیں تولتے وقت ڈنڈی نہ ماری جائے۔ پوری دیانت داری کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔

لیکن اکثر سلف کے مطابق اگر یہاں میزان سے عدل و انصاف قائم کرنا مراد ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و انصاف کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے تناسب و توازن کے ساتھ قائم کیا ہے حق و انصاف اگر قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے لہذا ضروری ہے کہ بندے بھی حق و عدل کے ڈگر پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو کو ٹھٹھنے یا جھکنے نہ دیں، کسی پر زیادتی نہ کریں اور نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث کی رو سے عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

اس کے بعد زمین پر نظر ڈالو کہ کیسی معقول بنائی کہ نہایت آرام سے اس پر چل پھر سکتے ہیں نہ روئی کی طرح نرم کہ دھنتے چلے جائیں اور نہ لوہے کی طرح سخت کہ کودے تو نہ کھدے۔ پھر اس میں پھل میوے، اناج، غلہ پیدا کیا۔ غلہ میں وہ چیزیں ہیں۔ دانہ جو انسان کی غذا ہے اور بھوسہ جو جانور کا چارہ ہے اور خوشبو یا تپیدائیں۔

اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے..... فبای الاء ربکما۔ یعنی اے جن و انس ابھی تمہارے پروردگار کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے تم آخر کس نعمت کے جھٹلانے کی جرات کرو گے۔ کیا ان کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ ہر بار اس کے بعد لا شئی من عمل ربنا نکذب فلک الحمد پڑھنا چاہیے یعنی ہم آپ کی کسی بھی

نعت کو محظوظ نہیں کئے بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں۔

اگرچہ جنات کا ذکر پہلے صراحتاً نہیں ہوا مگر اول قولفظ انام میں وہ بھی داخل ہیں۔ دوسری آیت وما خلقت الجن والانس الا ليعملون میں دونوں کی پیدائش کی غرض عبادت بتلائی گئی ہے۔ تیسرے خلق الانسان وخلق الجن اور سنفرغ لكم ايها الثقلان اور يا معشر الجن والانس اور انس قبلہم ولا جان میں صراحتاً انسان اور جن دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس لئے ان قرآن کی وجہ سے یہاں بھی دونوں مخاطب ہیں۔

یہ تفریحی آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے اور ہر مرتبہ کسی ایک خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شیون الہیہ میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس لئے اس کو تکرار محض نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ تشارک لفظی ہے۔ ایسے تکرار کو اتقان میں اصطلاحی طور پر تردید کا نام دیا گیا ہے اور اس ظاہری تکرار سے بھی جب کہ تاکید مقصود ہو تو اس کو تکرار سے شیریں تر کہا جائے گا۔
یہ ایسے ہی جیسے کہا جائے۔

الم احسن اليك بان فعلت بك كذا وكذا

الم احسن اليك بان خولتك في الاموال
یا نظم کی مثال جیسے کلیب کے سریشہ میں مہمل کہتا ہے۔

اذا ما ضيم جيران المجير	علی ان ليس عدلا من کلیب
اذا رجف العضاه من الدبور	علی ان ليس عدلا من کلیب
اذا خرجت مخبأة الحلور	علی ان ليس عدلا من کلیب
اذا ما اعلنت نجوى الامور	علی ان ليس عدلا من کلیب
اذا خيف المنخوف من الثغور	علی ان ليس عدلا من کلیب
عداة تائل الامر الكبير	علی ان ليس عدلا من کلیب
اذا ما خارجا من المستجير	علی ان ليس عدلا من کلیب

اسی طرح قاری اردو وغیرہ زبان میں بکثرت اس کی مثالیں اساتذہ فن اور فصحاء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں اس لیے تکرار کو بے مزہ نہیں کہا جائے گا۔

مسلمانوں کے کسی امیر کے عہد میں ایک لمحہ نے قرآن میں تکرار کا اعتراض کرتے ہوئے کہ یہ اللہ کا کلام معلوم نہیں ہوتا ورنہ بحر کلام اور عبث ماننا پڑے گا۔ یہ سن کر امیر نے حکم دیا کہ اس کے اعضاء کررہ، ہاتھ، پیر، کان، آنکھ کاٹ دیئے جائیں۔ کیونکہ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کے کلام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے کام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے اس کے دوسرے اعضاء زندہ اور ابے کار ہیں۔ ان کو کاٹ دیا جائے۔ سزا سننے ہی لمحہ کے کان کھڑے ہو گئے اور پاؤں تلے سے زمین سرکے لگی۔ فوراً ہاتھ جوڑے، کان، پکڑے اور تائب ہو گیا۔

خلق الانسان۔ سب انسانوں کے باپ آدم مٹی سے اور جنوں کے باپ ابلیس کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا پھر دونوں نوعوں کی نسل چلی اور اللہ نے دونوں کو صرف وجود ہی نہیں دیا، بلکہ عقل و دانائی بھی دی۔ یہ اللہ کی کئی بڑی نعمت اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی ہے بعض سلف سے ابن جریر نے الاء کے معنی قدرت کے بھی لئے ہیں۔

بے شمار نعمتوں کا تعلق مشرق و مغرب سے ہے:..... رب المشرقین۔ سردی گرمی میں جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا

ہے وہ دونوں مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دونوں مغرب ہیں۔ یوں تو روزانہ نقطہ طلوع و غروب بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے الفاظ مشارق و مغارب جمع ہیں۔ لیکن نمایاں فرق کے لئے عمدہ وقت کا اعتبار کر لیا گیا ہے۔ جیسا کہ بعض جگہ صرف سالانہ مشرق و مغرب پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔

بہر حال موسم اور فصلیں انہی مشرقین و مغربین کے تغیر سے بدلتے رہتے ہیں اور دنیا میں طرح طرح کے انقلابات ہوتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصالح و فوائد ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ اس لئے یہ تبدیلی بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی بے پناہ قدرت کی نشانی ہے چونکہ پہلے سے دودو چیزوں کے جوڑ کا ذکر چلا آ رہا ہے اور آگے بھی یہ سلسلہ ہے، اس لئے بھی یہاں مشرقین، مغربین کا ذکر لطف بنا ہوا ہے۔

میٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں:..... مرج البحرین۔ میٹھے اور کھاری پانی کے سوت بعض دریاؤں میں ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ مگر مجال ہے کہ دونوں سوت ایک دوسرے سے مخلوط ہو جائیں۔ دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے بھی الگ الگ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے اس کی خاصیت و تاثیر کو بالکل زائل کر دے۔ یادوں بل کر دنیا کو غرق کر ڈالیں۔

یخرج منهما اللؤلؤ موتی مونگا اگر دریائے شور و شیریں دونوں سے برآمد ہوتے ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر صرف دریائے شور سے برآمد ہوتے ہوں تو پھر منہما کے معنی من کل واحد واحد کے نہیں ہوں گے بلکہ من مجموعہما کے ہوں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے خوجت من الدار۔ حالانکہ آپ محلہ یا مکان سے نکلے ہیں۔ اور نکتہ اس تعبیر میں یہ ہوگا کہ دونوں قالب ایک جان ہو گئے اور پھر بھی حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ التقاء خروج کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ لؤلؤ مرجان کے خارج میں سے ایک مخرج کا بتلانا مقصود ہے جس میں ایک صفت التقاء کی بھی پائی جاتی ہے۔

ولہ البحوار المنشآت۔ کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے لئے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر خود تمہیں اللہ نے بنایا ہے اسی طرح جہاز بنانے کی قوت و سامان عنایت فرمائے ہیں لہذا تمہارا اور تمہاری تمام مصنوعات سب کا مالک و خالق وہی ہے اور یہ سب اس کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔

شیون الہیۃ:..... کل من علیہا۔ زمین و آسمان کی تمام مخلوق زبان حال وقال سے اپنی تمام حاجتیں اسی خدا سے طلب کرتی ہیں۔ کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ اور اللہ سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ ہر آن اس کی نئی شان ہے کسی کو مارنا، کسی کو جلانا، کسی کو بیمار کرنا، کسی کو تندرست کرنا کسی کو بڑھانا۔ کسی کو گھٹانا، کسی کو دینا، کسی سے لینا شیون الہیہ ہیں۔

سنفوع لکم۔ عنقریب دنیا کا یہ سارا نظام ختم ہونے والا ہے اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کر دیں گے۔ جس میں ہر ایک کا پورا احساب کتاب ہوگا اور مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی۔ وفاداروں کو بھرپور صلہ ملے گا۔ یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہیں۔ ہر جگہ اسی کا غلبہ اور تصرف کا فرما ہے۔ کوئی نکل کر جانا بھی چاہے تو کہاں جائے گا کیسے نکل بھاگے گا۔

یرسل علیکم۔ مجرموں پر خاص آگ کے شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے جب چھوڑیں جائیں گے تو کون ہے جو اس کو دفع کر سکے گا اور کون جو اس سزا کا بدلہ لے سکے گا۔ مجرموں کو سزا دینا ایک طرح سے وفاداروں کے حق میں انعام ہے۔ نیز سزا کو کون کو جرم سے باز رہنا ایک مستقل انعام ہے۔

سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں:..... فیو منذ لا یستل۔ کسی سے گناہوں سے متعلق معلوم کرنے کے لئے سوال نہیں

کیا جانے گا کیونکہ سب کچھ اللہ کو پہلے سے معلوم ہے۔ البتہ ضابطہ تکمیل کی اتمام حجت الزام قائم ہونے اور ڈانٹ ڈپٹ کے لئے سوال ہونا اور بات ہے یا یوں کہا جائے کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال ہیں۔ بعد میں اس کا انکار نہیں۔ بلکہ دوسری آیات میں اس کا اثبات ہے۔
 یعرف المجرمون۔ مجرمین کی شناخت کے لئے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ چہروں کی سیاہی آنکھوں کی نیلگوئی سے وہ خود بخود پہچان لئے جائیں گے۔ جیسا کہ موثین پیشانیوں پر سجدہ کے نشانات اور وضو کے آثار و انوار سے نمایاں ہوں گے۔
 غرض دوزخیوں میں کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر دوزخ کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر سر کو پاؤں سے ملا دیا جائے گا اور زنجیروں سے جکڑ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ اسی طرح کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا اسے عذاب ہوگا۔

لظائف سلوک..... فبای الاء ربکما تکذبان۔ اس آیت کا مختلف قسموں کے بعد آنا جن میں بعض کا نعت ہونا ظاہر بھی نہیں اس پر دلالت کرتا ہے کہ نعت مختلف قسم کی ہوتی ہے بعضی حسی اور بعض معنوی۔ جس کا مشاہدہ، اہل بصیرت کو اپنے حالات و اوقات میں خوب ہو جاتا ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نعت کی تمام قسموں سے نفع حاصل کرنا مطلوب و محمود ہے۔ زہد کے منافی یا تعلق مع اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

وَلَمَنْ خَافَ اٰیَ لَکُلِّ مِنْهُمَا اَوْ لِمَجْمُوعِهِمْ مَقَامَ رَبِّهِ بَیْنَ يَدَیْهِ لِلْحِسَابِ فَتَرَكَ مَعْصِیَتَهُ جَنَّتِ ﴿۴۶﴾ فَبَاٰی
 الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَا تَنْبِیْۃٍ ذَوَاتِ عَلٰی الْاَصْلِ وَلَا مَہَا تَاۤءَ اَقْبَانِ ﴿۴۸﴾ اَعْصَانِ جُمُعٍ فَنِ
 کَطَلَّ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عِیْنِ تَجْرِیْنِ ﴿۵۰﴾ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۵۱﴾
 فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَکْہَۃٍ فِی الدُّنْیَا اَوْ کُلِّ مَا یَنْفَکُہُ بِہٖ زَوْجِیْنِ ﴿۵۲﴾ نَوَّعَانَ رَطْبٍ وَّ یَابِسٍ وَ الْمَرُّ مِنْهُمَا فِی
 الدُّنْیَا کَالْحِظْلِ حُلُوٍّ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِیْنِ حَالَ عَامِلَہٖ مَحْدُوْفٍ اٰی یَتَعَمَّوْنَ عَلٰی
 فُرُشٍ بَطَآئِنُہَا مِنْ اِسْتَبْرِقٍ مَا غَلَطَ مِنَ الدِّیَاجِ وَ حَشَنِ وَالظُّہَاثِیْرِ مِنَ السُّنْدُسِ وَ جَنَ الْجَنَّتِیْنِ نَمْرُہُمَا دَانِ
 ﴿۵۴﴾ قَرِیْبَ یَنَالُہُ الْاَقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۵۵﴾ فِیْہِیْنِ فِی الْحَتِیْنِ وَمَا
 اِشْتَمَلْنَا عَلَیْہِ مِنَ الْعَلَآئِیِّ وَالْقُصُوْرُ قُصُوْرُ الطَّرْفِ الْعِیْنِ عَلٰی اَزْوَاجِہِنَّ الْمُتَّکِیْنِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لَمْ
 یَطْمِثْہُنَّ یَفْتَضِہُنَّ وَہُنَّ مِنَ الْحُوْرِ اَوْ مِنْ نِسَاءِ الدُّنْیَا الْمُنْشَشِ اِنْسٌ قَبْلُہُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۵۶﴾ فَبَاٰی الْاِیِّ
 رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۵۷﴾ کَاثِنُہُنَّ الْبَاقُوْثُ صَفَاۃً وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ اٰی الْوَلُوْثُ یَبَآضُ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ
 ﴿۵۹﴾ هَلْ مَا جَزَاۤءُ الْاِحْسَانِ بِالنَّعِیْمِ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۶۰﴾ بِالنَّعِیْمِ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ
 دُوْنِہِمَا اٰی الْحَتِیْنِ اَلْمَذْکُوْرَتِیْنِ جَنَّتِ ﴿۶۲﴾ اٰیضًا لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبَانِ ﴿۶۳﴾
 مُدْہَا مَتْنِ ﴿۶۴﴾ سَوَادَاۤءٍ اِنْ مِنْ شِدَّةٍ خُضِرْتِہِمَا فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۶۵﴾ فِیْہِمَا عِیْنِ نَضَاحَتِیْنِ
 ﴿۶۶﴾ فَوَارَتَانِ بِالْمَاۤءِ لَا یَنْقَطِعَانِ فَبَاٰی الْاِیِّ رَبِّکَمَا تُکَذِّبِ ﴿۶۷﴾ فِیْہِمَا فَکْہَۃٌ وَ نَخْلٌ وَ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ هُمَا

مِنْهَا وَقِيلَ مِنْ غَيْرِهَا فَبَيَّ الْأَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿١٩﴾ فَبَيْنَ أَى الْحَتِّينَ وَقُصُورَ هَمَّا خَيْرَاتِ أَخْلَاقًا
حَسَنًا ﴿٢٠﴾ وَجُوهًا فَبَيَّ الْأَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿٢١﴾ خُورَ شَدِيدَاتِ سَوَادِ الْعُيُونِ وَيَبَاضَها مَقْصُورَاتِ
مَسْتُورَاتِ فَبَيَّ الْحَيَامِ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُرِّ مُحَوِّفِ مُضَافَةٍ إِلَى الْقُصُورِ شَبِيهَةً بِالْخُلُودِ فَبَيَّ الْأَءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَنِ ﴿٢٣﴾ لَمْ يَطْمِئْهُمْ أَنْسَ قَبْلَهُمْ قَبْلَ أَزْوَاجِهِمْ وَلَا جَانَّ ﴿٢٤﴾ فَبَيَّ الْأَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿٢٥﴾
مُتَكَبِّئِينَ أَى أَزْوَاجِهِمْ وَأَعْرَابَهُ كَمَا تَقَدَّمَ عَلَى رَفُوفٍ خُضِرَ جَمْعُ رَفْرَفَةٍ أَى بَسْطَ أَوْوٍ سَائِدٌ وَعَبْقَرِي
حَسَنًا ﴿٢٦﴾ جَمْعُ عَهْقَرِيَّةٍ أَى طَنَافَسَ فَبَيَّ الْأَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ ﴿٢٧﴾ تَبَرَّكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي
سِعِّ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٨﴾ تَقَدَّمَ وَلَفْظُ اسْمٍ زَائِدٌ -

ترجمہ: اور جو شخص (جن یا انسان یا دونوں میں سے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہو (حساب کے لئے اللہ کے حضور پیش ہونے کے خوف سے گناہ چھوڑ دے) اس کے لئے دو ہرے باغ ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ دونوں باغ (ذوات کا تشبیہ ہے اپنی اصل پر اور اس میں لام تام ہو گیا گئے ہوں گے) (افغان بمختی اغصان ہے فن کی جمع ہے جیسے طلل کی جمع اطلال ہے) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں اور چشمے جاری ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے (جو دنیا میں پائے جاتے تھے یا پھر ذائقہ اور مزہ دار چیزیں) دو ہرے ہوں گے۔ (تازہ اور خشک دونوں طرح کے میوے ہوں گے، دنیا کا کڑوا پھل جیسے اندرائیں۔ وہ بھی وہاں شیریں ہوگا) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ تکیہ لگائے (یہ حال ہے اس کا عامل محذوف ہے یعنی یتعمون) ایسے فرشتوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے (ریشمی مومے اور کھر درے اور فرش کے ابرے باریک ریشمی ہوں گے) اور ان باغوں کے پھل (میوے) نہایت قریب ہوں گے (ایسے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر طرح میسر آجائیں) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں (باغات اور ان کے متعلقات بالا خانے اور محلات ہیں) نیچی نگاہ والی ہوں گی (جن کی نگاہ صرف اپنے خاوندوں پر رہتی ہے جو جن وانس میں سے مسند نشین ہوں گے) ان پر تصرف نہیں کیا ہوگا (زن و شوئی کے معاملات نہیں ہوئے ہوں گے۔ یہ حور ان جنت ہوں گی یا دنیا کی عورتوں کی طرح نئی پیدا کی جائیں گی) ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے گویا وہ (صفائی میں) یا قوت ہیں اور (سفیدی میں) مرجان (موتی) ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا اطاعت (فرمانبرداری) کا بدلہ انتہائی عنایت (جنت) کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے اور ان باغوں سے کم درجہ (یعنی جن باغوں کا پہلے بیان ہوا) دو باغ اور ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے (اللہ کی جناب میں کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے لئے) وہ باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے (گہری سبزی کی وجہ سے کالے معلوم ہوں گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں دو چشمے اہل رہے ہوں گے (پانی کے فوارے مسلسل جاری ہو گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو

جاؤ گے۔ ان باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سوائے جن وائس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان (باغات اور محلات) میں خوب سیرت (بااخلاق) عورتیں ہوں گی۔ سوائے جن وائس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ گوری چٹنی (جن کی آنکھوں کی پتلیاں نہایت سفید سیاہ ہوں گی) عورتیں ہوں گی خیموں میں محفوظ (مستور) ہوں گی (جو مجوف موتیوں کے بنے ہوئے ہوں گے وہ خیمے جو روں کے لئے بمنزلہ پردہ کے ہوں گے)۔ سوائے جن وائس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان (شوہروں) سے پہلے نہ تو کسی انسان نے ان کو چھوا ہوگا اور نہ کسی جن وائس سوائے جن وائس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے، مسند نشین ہوں گے (ان کے شوہر اس کا اعراب پہلے گزر چکا ہے) سبز شجر (زخرف، زخرفہ کی جمع ہے مراد گدھے اور تکیے) اور عجیب خوبصورت کپڑوں پر (عبقری، عبقریہ کی جمع ہے یعنی پتھل کے غالیچے قالین) سوائے جن وائس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بڑا بابرکت ہے آپ کا پروردگار جو عظمت و احسان والا ہے (اس کی بحث پہلے ہو چکی ہے اور لفظ اسم زائد ہے)۔

تحقیق و ترکیب:..... جنتان۔ یعنی ایک جنت متقی انسان کے لئے اور دوسری جنت اللہ سے ڈرنے والے جنوں کے لئے ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان اور ہر جن کے لئے ایک ایک جنت صحیح عقائد کی وجہ سے اور ایک ایک جنت صحیح اعمال کی وجہ سے ہوگی۔ یا ایک جنت طاعات بجالانے اور دوسری جنت معاصی سے بچے رہنے کی وجہ سے ملے گی۔ یا ایک جنت بطور ثواب اور دوسری جنت بطور فضل خصوصی عطا ہو گی یا روحانی اور جسمانی جنتیں ہوں گی۔

مقاتل کہتے ہیں کہ ایک جنت عدن ہے اور دوسری جنت النعیم ہوگی۔ اور محمد بن علی ترمذی کہتے ہیں کہ ایک جنت خوف کی وجہ سے اور ایک جنت خواہشات ترک کرنے کی وجہ سے عنایت ہوگی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ جو شخص حق تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو۔ ذواتا۔ اس میں دو نعمت ہیں۔ ایک تو اصل کی طرف لوٹانا۔ کیونکہ اس کی اصل ذویۃ ہے۔ پس عین کلمہ واد اور لام کلمہ یا ہے مونث ہونے کی وجہ سے اور دوسرا نعمت لفظاً تشبیہ ہونے کا ہے۔ مفسر نے پہلی رائے کو اختیار کیا ہے۔

افغان۔ لمبی شاخ کو کہتے ہیں کہ یہاں حقیقی معنی ہیں۔ یا کنایہ ہے ہر قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہونے سے۔
زو جن۔ یعنی ایک قسم پھلوں کی وہ ہوگی کہ جو دنیا میں معروف تھی۔ اور دوسری قسم غریب ہوگی۔ جیسے حنظل دنیا میں تلخ ہوتا ہے۔ مگر وہاں شیریں ہوگا۔ جیسا کہ ابن عباس کی روایت ہے۔ ما فی الدنیا حلوة ولا مرة الا وہی فی الجنة حتی الحنظل الا انہ حلو۔ کیونکہ جنتی پیداوار طاعات کا نتیجہ ہوں گی اور دوزخ میں سینات کے ثمرات ہوں گے جیسے زقوم وغیرہ۔

متکین۔ بعض کے نزدیک خاف سے حال ہے۔ جو معنی جمع ہے۔ اور بعض نے منصوب علی المدح مانا ہے۔

بطانہا۔ بطانۃ کی جمع بطائن ہے جو کپڑا نیچے کی جانب ہوتا ہے۔ وہ بطانۃ اور اوپر والے حصہ کو ظہارہ کہتے ہیں۔
جنا۔ فعل بمعنی مفعول جیسے قبض بمعنی مقبوض ہے یہ مبتداء ہے۔

دان۔ خبر ہے۔ وائش غان قائل ہے جس میں تعلیل ہوگئی۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ تسنوا الشجرة حتی یجتنیہا ولی اللہ ان شاء قائما وان شاء قاعداً وان شاء مضطجعاً۔

قنادہ فرماتے ہیں۔ لا یرد یدہ بعد ولا شوک۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ دنیا کے اور آخرت کے باغ میں تین فرق ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا کے درختوں کے پھل اونچے ہوتے ہیں جہاں مشکل سے ہاتھ جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کے پھل محنت اور سعی سے حاصل ہوتے ہیں۔ تیسرے دنیا میں ایک درخت اور اس کے پھل سے قریب ہوں تو دوسرے درخت اور اس کے پھلوں سے دوری ہو جاتی ہے۔ مگر جنت کے

پھلوں میں تینوں باتیں نہیں ہوں گی۔

فیہن۔ مفسر نے فی الجنتین اربع تفسیری عبارت میں اس کا شبہ دور کیا ہے کہ ضمیر جمع جنتین کی طرف کیسے راجع کی گئی ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ جنت اور متعلقات جنت مراد ہیں۔

علالی۔ علت کی جمع ہے بالا خانے کو کہتے ہیں۔

قاصرات الطرف۔ اس میں اسم فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قصر طرفہ علی کذا۔ یہاں قصر کا متعلق معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے ای علی ازواجہن اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے۔ قاصرات طرف غیرہن علیہن ای ان ازواجہن لا یتجاوز طرفہم الی غیرہن۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ جنت میں حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی۔ وعزۃ ربی ما اری فی الجنة احسن منک فالحمد للہ الذی جعلک زوجی وجعلنی زوجتک۔

لم یطمئنہن۔ ازالہ بکارت مراد ہے۔ طمئنا الرجل ای افضیہا وجامعہا۔ ان عورتوں کے متعلق اختلاف ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں انہن خلقن من الجنة۔ اور شعبی کہتے ہیں کہ هن من نساء الدنيا۔ منکات کے معنی یہ ہیں۔ کہ بغیر ولادت کے ان کو پیدا کیا جائے گا۔ ولا جان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات بھی انسان کی طرح مجامعت کرتے ہیں۔

الیاقوت۔ جو ہر لطیف ہوتا ہے جس پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔

مرجان۔ چھوٹے سفید موتی کو کہتے ہیں۔ یاقوت میں وجہ تشبیہ صرف صفائی ہے سرنخی نہیں ہے اور مرجان اگر چہ سرخ و سفید دونوں موتیوں پر بولا جاتا ہے لیکن یہاں سفید موتی مراد ہے۔ حدیث میں ہے۔ ان المرءۃ من نساء اهل الجنة یرمے بیاض ساقہا من وراء سبعین حلة حتی یرى منھا۔

من دو نہما۔ دون کے معنی ادنیٰ کے ہیں اور علاوہ کے معنی بھی ہو سکتے ہیں بغیر فرق مراتب کے۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔ جنتان من ذهب و جنتان من فضۃ للتا بعین۔

ونخل و رمان۔ تفسیری عبارت میں اشارہ ہے فقہی اختلاف کی طرف۔ امام اعظم کے نزدیک کھجور اور انار۔ فاکہہ میں داخل نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ خلف کرے کہ میں پھل نہیں کھاؤں گا۔ اور کھجور اور انار کھالے تو اس کی قسم ٹوٹے گی نہیں۔ لیکن صاحبین اور شوافع کے نزدیک ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں چیزیں فاکہہ میں داخل ہیں۔ سو یہاں تخصیص ذکر فی فضیلت کے لئے ہے اور امام اعظم عطف مغایرت کے لئے مانتے ہیں۔ کیونکہ پھل سے مقصود غذائیت اور تفکھ ہوا کرتا ہے۔ برخلاف انار کے اس میں دوا بھی ہوتی ہے محض فاکھہ نہیں ہے۔

غرضیکہ اہل اصول نے کہا کہ جن چیزوں میں زیادتی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی۔ جیسے یہاں اور جس چیز میں کمی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی جیسے کوئی حلف کرے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو اس میں مچھلی داخل نہیں ہوگی۔ یا کوئی حلف کرے کہ میرے غلام آزاد ہیں تو مکاتب آزاد نہیں ہوں گے کیوں کہ دونوں جگہ اصل سے کمی ہے۔

خیرات۔ خیرۃ کی جمع کہا جاتا ہے۔ امرۃ خیرۃ و اخری شریۃ۔ یہ سکون عین کے ساتھ لغت ہے اور دوسرے لغت شدید عین کے ساتھ ہے۔ چنانچہ دوسری قراءت خیرات تشدید یا کے ساتھ ہے۔

مقصورات۔ کہا جاتا ہے۔ امرۃ مقصورة و قصور پردہ نشین۔

الخیماء۔ ابو موسیٰ سے مرفوع روایت ہے۔ الخیمہ درۃ معجوفۃ طوقہا فی السماء ستون میلانی کل زاویۃ منها للمومنین اہل الایراہم لا بخرون۔ خیام کی اضافت یعنی نسبت قصور یعنی عورتوں کی طرف بمنزلہ پردہ کے ہے۔

متکین۔ یعنی حال ہے جس کا عامل یتغمون محذوف ہے۔

عبقری۔ عجیب و غریب فرش وغیرہ کو کہتے ہیں رخصری کہتے ہیں کہ جو شخص عبقرہ کی طرف منسوب ہے اس کو عبقری کہتے ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کا خیال تھا کہ جو شخص جناتی ہوا اس کی طرف عجیب و غریب چیزیں منسوب ہو سکتی ہیں۔

طنافس۔ طنفس کی جمع ہے۔ روئیں دارقالین۔

نبرک اسم۔ اسی کے قریب آیت پہلے بھی گزر چکی ہے لفظ اسم کے معنی صفت کے بھی ہو سکتے ہیں جو موصوف کی علامت ہوا کرتی ہے جن حضرات کا خیال یہ ہے کہ تنزیہہ دراصل ذات کی ہوا کرتی ہے۔ وہ لفظ اسم کو زائد کہتے ہیں۔ لیکن ابلاغ یہی ہے کہ زائد نہ کہا جائے۔ کیونکہ اسماء اور صفات الہیہ کی تنزیہ بھی حقیتہ مقصود ہے۔ جب مسمی پاک ہے تو اسم بھی پاک ہے۔

﴿تشریح﴾..... ولمن خاف۔ یعنی جس کو دنیا میں یہ ڈر لگا رہا ہے کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ذکر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا۔ اس کے لئے وہاں دو ہرے عالی شان باغ ہوں گے جن میں مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں سایہ دار اور پھلوں سے لدی ہوئی ہوں گی اور ایسے چشمے رواں دواں ہوں گے جو کسی وقت ٹھہرے نہیں خشک نہیں ہونے یہ دو باغ خواص مقررین کے لئے ہوں گے اور اعلیٰ قسم کے ہوں گے۔ اور آگے سن دو ٹھہرا سے جن دو باغوں کا ذکر آ رہا ہے۔ وہ عوام مومنین کے لیے ہوں گے۔

اور باغوں کے دو ہرے ہونے کا مطلب ان کی تکریم و اعزاز ہے۔ جیسا کہ دنیا میں اہل نعم کے پاس منقولہ اور غیر منقولہ چیزیں متحدہ ہوتی ہیں۔

اول کے دو باغ خواص کے لئے ہوں گے..... اول تو اس آیت میں مومنین کی جو صفات بیان فرمائی گئی وہ خواص ہی میں پائی جاتی ہیں۔ دوسرے ان باغات کی جو خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں وہ بعد کے باغات کی نہیں ہیں۔ چنانچہ باغات میں ذوالا انسان کی تصریح ہے اور بعد کے باغوں میں تصریح نہیں ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ ان کا سایہ اور پھل اتنا نہیں ہوگا جتنا پہلوں کا ہے۔ البتہ بعد میں مسدھا متان کی تصریح ہے اور اول میں نہیں۔ اس سے شبہ برتری کا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ بقریہ مقام یہ صفت دونوں میں مشترک ہو گئی۔ نیز یہاں لمن خاف سے اہل باغ کی تصریح ہے جو بعد میں نہیں ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعد والے باغ خاص نہیں ہوں گے بلکہ سب کے لئے عام ہوں گے اس لئے کسی خاص صفت کی تخصیص کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ علاوہ ازیں یہاں خوف کا لفظ کامل تقویٰ کو ظاہر کر رہا ہے لمن خاف۔ نیز یہاں حمزائے احسان بمعنی اخلاص فرمایا گیا اور بعد میں نہیں فرمایا گیا۔

تخصیص کے قرآن و دلائل..... یہ سب قرآن تخصیص ہیں، رہ گئے دلائل تخصیص وہ یہ ہیں۔

۱۔ درختوں میں وجنا الجنة۔ پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ملیں گی جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا۔

(۲) وجنا الجنة۔ پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ملیں گی، جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا اور نہ انہوں نے اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہوگا اور نہ کسی اور کی نظر نہ ان پر پڑی ہوگی۔ وہ یا قوت و مرجان کی طرح خوش رنگ و بیش بہا ہوں گی۔

ظاہر آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جنات دونوں جنتی ہیں اور دونوں کو حوریں ملیں گی اور لم یطمئنهہن کے لحاظ مجموعہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو حوریں انسان کے لئے خاص ہوں گی ان کو کسی اور انسان نے نہیں چھوا ہوگا۔ اسی طرح جو حوریں جنات کے لئے مخصوص ہوگی ان کو کسی جن نے چھوا نہیں ہوگا کیونکہ تخصیص کے بعد انسان کی حوروں کو جن کے، اسی طرح جن کی حوروں کو انسان کے چھونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔

هل جزاء۔ یعنی کمال اخلاص کا صلہ کمال ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اس میں جمال الہی اور دولت دیدار کی طرف اشارہ ہو۔

عام مومنین کے لئے دو باغ: ومن دو تهما جنتان۔ یہ دونوں باغ اصحاب یمن کے لئے ہوں گے جنت کی تمام نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ صرف نام کا اشتراک ہے۔

فیہن خیرات۔ خوش اخلاق، خوب سیرت، خوب صورت ہوں گی پر وہ نشین ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ اچھی عورتوں میں یہی خوبیاں ہوتی ہیں۔ تبارک اسم۔ یعنی جس اللہ نے اپنے وفاداروں کو ایسے ایسے انعام و احسان فرمائے غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصل خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور جب نام میں یہ برکت ہے تو نام والے میں کیا کچھ برکت ہوگی۔ ففسال اللہ ان یجعلنا من افعل النعمیم بفضل العمیم و بیجاہ النبی الکریم۔

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا أَفْهَذَا الْحَدِيثَ الْآيَةُ وَثَلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ الْآيَةُ وَهِيَ سِتُّ
أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ نَفْسٌ تَكْذِبُ بِأَنْ تَفِيهَا كَمَا نَفَتْهَا فِي
الدُّنْيَا خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ﴿٣﴾ هِيَ مُظْهِرَةٌ لِحَفْضِ أَقْوَامٍ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ وَلِرَفْعِ آخَرِينَ بِدُخُولِهِمُ الْحَنَّةَ إِذَا
رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ﴿٤﴾ حُرِّكَتْ حَرَكَةً شَدِيدَةً وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا ﴿٥﴾ فَتَتَّ فَكَانَتْ هَبَاءً مُبَثَّرًا
مُتَبَثَّرًا ﴿٦﴾ مُتَشِيرًا وَإِذَا الثَّانِيَةُ بَدَلٌ مِنَ الْأُولَى وَكُنْتُمْ فِي الْيَمِّ أَزْوَاجًا ثُلَاثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحَبُ
الْمَيْمَنَةِ وَهُمْ الَّذِينَ يُؤْتُونَ كُتُبَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ مُبْتَدَأُ خَيْرَةٍ مَا أَصْحَبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ تَعْظِيمٌ لِشَانِهِمْ بِدُخُولِهِمُ
الْحَنَّةَ وَأَصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ الشَّامِلِ بِأَنْ يُوتَى كُلُّ مِنْهُمْ كِتَابُهُ بِشِمَالِهِ مَا أَصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ ﴿٩﴾ تَحْقِيرٌ
لِشَانِهِمْ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ وَالسَّابِقُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ مُبْتَدَأُ السَّابِقُونَ ﴿١٠﴾ تَاكِيدٌ لِتَعْظِيمِ شَانِهِمْ
وَالْخَيْرُ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿١٢﴾ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ مُبْتَدَأُ أَى جَمَاعَةٍ مِنَ
الْأَمَمِ الْمَاضِيَةِ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ﷺ وَهُمْ سَابِقُونَ مِنَ الْأَمَمِ الْمَاضِيَةِ وَهَذِهِ الْأُمَّةُ
وَالْخَيْرُ عَلَى سُرُرٍ مُوضُونَةٍ ﴿١٥﴾ مَنْسُوجَةٍ بِقَضْبَانِ الذَّهَبِ وَالْجَوَاهِرِ مُتَكَيِّئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ﴿١٦﴾
حَالَانِ مِنَ الضَّمِيرِ فِي الْخَبَرِ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخْلَدُونَ ﴿١٧﴾ أَى عَلَى كُلِّ شَكْلِ الْأَوْلَادِ لَا يَهْرَمُونَ
بِأَكْوَابٍ أَقْدَاحٍ لَا غَرَى لَهَا وَأَبَارِيقٌ لَهَا غَرَى وَخَرَاطِيمٌ وَكَأْسٌ إِنَاءٌ شَرِبَ الْخَمْرُ مِنْ مَعِينِ ﴿١٨﴾ أَى
خَمْرٍ جَارِيَةٍ مِنْ مَنَعٍ لَا يَنْقُطِعُ أَبَدًا لَا يُصَدَّغُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ ﴿١٩﴾ يَفْتَحُ الرَّاى وَكَسْرُهَا مِنْ نَزْفِ
الشَّارِبِ وَانْزَفَ أَى لَا يَحْصُلُ لَهُمْ مِنْهَا صَدَاعٌ وَلَا ذَهَابٌ عَقْلٍ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَفَاكِهَةٍ مِمَّا

يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَلَهُمْ لِلْأَسْتِمَاعِ حُورٌ نِّسَاءٌ شَدِيدَاتُ سَوَادِ الْعُيُونِ وَ
يَبَاضُهَا عَيْنٌ ﴿٢٢﴾ ضَحَامُ الْعُيُونِ كُسِرَ عَيْنُهُ بَدَلُ ضَمِّهَا لِمُحَاسِنَةِ الْيَاءِ مُفْرَدَةٌ عَيْنَاءُ كَحَمْرَاءَ وَفِي قِرَاءَةٍ
بِحَرِّ حُورٍ عَيْنٍ كَامَثَالِ اللَّوْ لَوْ الْاَلْمَكُونُونَ ﴿٢٣﴾ الْمَصُونُ جَزَاءُ مَفْعُولٍ لَهُ وَ مَصْدَرٌ وَالْعَامِلُ مُقَدَّرُ أَيْ
جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذَكَرُوا لِلْحَزَاءِ وَجَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا فِي الْحَنَةِ لَغَوًّا فَاحِشًا
مِّنَ الْكَلَامِ وَلَا تَأْتِيهِمْ مَا يُؤْتَمُّ إِلَّا لَكِنْ قِيلًا قَوْلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٥﴾ بَدَلُ مِّنْ قِيلًا فَإِنَّهُمْ يَسْمَعُونَ
وَأَصْحَبُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ﴿٢٦﴾ فِي سِدْرٍ شَجَرِ النَّبَقِ مَخْضُودٍ ﴿٢٧﴾ لَا شَوْكَ فِيهِ وَطَلْحُ
شَجَرِ الْمَوْزِ مَخْضُودٍ ﴿٢٨﴾ بِالْحَمْلِ مِنْ أَسْفَلِهِ إِلَى أَعْلَاهُ وَظِلٌّ مَّملُودٌ ﴿٢٩﴾ دَائِمٌ وَمَاءٌ مَّسْكُوبٌ ﴿٣٠﴾
جَارٍ دَائِمًا وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣١﴾ لَا مَقْطُوعَةٍ فِي زَمَنِ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٢﴾ بِشَمَنِ وَفَرْشٍ مَّرْفُوعَةٍ
﴿٣٣﴾ عَلَى السُّرُرِ إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنِشَاءً ﴿٣٤﴾ أَيْ الْحُورِ الْعِينِ مِنْ غَيْرِ وَلَادَةٍ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٥﴾
عَذَارَى كُلَّمَا آتَاهُنَّ أَزْوَاجُهُنَّ وَجَدُوهُنَّ عَذَارَى وَلَا وَجَعَ غَرْبًا بَضَمِ الرَّاءِ وَ سَكُونُهَا جَمْعُ غُرُوبٍ وَهِيَ
الْمُتَحَبِّبَةُ إِلَى زَوْجِهَا عَشِيقًا لَهُ أَتْرَابًا ﴿٣٦﴾ جَمْعُ تُرَابٍ أَيْ مُسْتَوِيَّاتٍ فِي السَّيْرِ لَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ﴿٣٧﴾
صِلَةٌ أَنْشَأْنَاهُنَّ أَوْ جَعَلْنَاهُنَّ وَهُمْ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ﴿٣٩﴾ وَأَصْحَبُ الشِّمَالِ
مَا أَصْحَبُ الشِّمَالِ ﴿٤٠﴾ فِي سَمُومٍ رِيحٍ حَارَّةٍ مِنَ النَّارِ تَنْفُذُ فِي الْمَسَامِ وَ حَمِيمٍ ﴿٤١﴾ مَاءٌ شَدِيدُ
الْحَرَارَةِ وَ ظِلٌّ مِّنْ يَحْمُومٍ ﴿٤٢﴾ دُخَانٌ شَدِيدُ السَّوَادِ لَا بَارِدٍ كَغَيْرِهِ مِنَ الظَّلَالِ وَلَا كَرِيمٍ ﴿٤٣﴾ حُسْنُ
الْمَنْظَرِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ فِي الدُّنْيَا مُتَرَفِّينَ ﴿٤٤﴾ مُنْعَمِينَ لَا يَتَعَبُونَ فِي الطَّاعَةِ وَكَانُوا يُصِرُّونَ
عَلَى الْحَبِّ الذَّنْبِ الْعَظِيمِ ﴿٤٥﴾ أَيْ الشِّرْكِ وَكَانُوا يَقُولُونَ إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا
لَمَبْعُوثُونَ ﴿٤٦﴾ فِي الْهَمَزَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيقُ وَتَسْهِيلُ الثَّانِيَةِ وَإِدْخَالُ أَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْيُوجْهِينِ
أَوْ أَبَاءَ نَا الْأَوَّلُونَ ﴿٤٧﴾ بَفَتْحِ الْوَاوِ لِلْعُطْفِ وَالْهَمْزَةُ لِلِاسْتِفْهَامِ وَهُوَ فِي ذَلِكَ وَفِيمَا قَبْلَهُ لِلِاسْتِيعَادِ فِي قِرَاءَةٍ
بِسُكُونِ الْوَاوِ عَطْفًا بِأَوْ وَالْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَحَلٌّ إِنَّ وَاسْمُهَا قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٤٨﴾
لَمَجْمُوعُونَ إِلَى مِيقَاتٍ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿٤٩﴾ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَتِيهَا الضَّالُّونَ الْمَكْذِبُونَ
﴿٥٠﴾ لَا كِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ رَّقُومٍ ﴿٥١﴾ بَيَانٌ لِلشَّجَرِ فَمَا لُتُونَ مِنْهَا مِنَ الشَّجَرِ الْبُطُونُ ﴿٥٢﴾
فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ أَيْ الرَّقُومِ الْمَأْكُولِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٣﴾ فَشَرِبُونَ شَرْبَ بَفَتْحِ الشَّيْنِ وَضَمِّهَا مَصْدَرٌ
الْهِيمُ ﴿٥٤﴾ إِلَّا بِلِ الْعُطَاشِ جَمْعُ هَيْمَانَ لِلذِّكْرِ وَهَيْمَى لِلْأُنْثَى كَعُطْشَانَ وَعَطَشَى هَذَا نَزْلُهُمْ مَا أَعَدَّ لَهُمْ

يَوْمَ الدِّينِ ﴿۵۶﴾ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

ترجمہ: سورہ واقعہ مکہ ہے۔ بحراکت اِفْهَذَا الْحَدِيثِ اِنْخُ اور آیت ثلثہ من الاولین کے کل آیات ۹۶ یا ۹۷ یا ۹۹ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جب قیامت واقع (قائم) ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکے گا۔ جس طرح کہ دنیا میں اس کو جھٹلادیا کرتے تھے) پست کر دے گی بلند کر دے گی (لوگوں کو دوزخ میں داخل کر کے ان کی پستی ظاہر کر دے گی اور دوسروں کو جنت میں داخل کر کے ان کی بلندی ظاہر کر دے گی) جب کر زمین کو سخت زلزلہ آئے گا (سخت بھونچال آ جائے گا) اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ (چورہ) ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار (گرد) پراگندہ ہو جائیں گے (پھیل کر دوسرا اذاپہلے سے بدل ہے) اور تم (قیامت میں) تین قسم کے ہو جاؤ گے چنانچہ جو داہنے والے ہیں (جن کے داہنے ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے) وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (جنت میں داخل ہونے سے ان کی شان بڑھ جائے گی) اور جو بائیں جانب والے ہیں (جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے ہوں گے) وہ بائیں والے کیسے برے ہیں (دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کی شان گھٹ جائے گی) اور جو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں (خیر کی طرف سبقت کرنے والے انبیاء یہ مبتداء ہے) وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں (السابقون تاکید ہے تعظیم شان کے لئے اور آگے خبر ہے) وہ تو خاص مقرب ہیں۔ جو "آرام باغوں" میں ہوں گے۔ ان میں سے بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا (مبتداء ہے یعنی پہلی امتوں کی جماعت) اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے (آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اور سابقون پچھلی امتوں اور امت محمدیہ میں سے ہوں گے خبر آگے ہے وہ سونے سے بنے ہوئے تختوں پر (جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے) تکیہ لگائے ہوئے آبنے سامنے بیٹھے ہوں گے (یہ دونوں خبر کی ضمہ سے حال ہیں) ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آمد و رفت کیا کریں گے) جو بچے ہی رہیں گے کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے) آنخورے (پالے جن میں پکڑنے کی ہتھی نہیں ہوتی) اور جگ (جن میں پکڑنے کی ہتھی اور پینے کی ٹوٹی ہوتی ہے) اور جام (شراب کے پیانے) بہتی شراب سے لبریز لئے ہوں گے (ایسی شراب جو صراحی سے نکلتی ہی رہے کبھی ختم نہ ہو) نہ اس شراب سے درد سر ہوگا اور نہ اس سے بہکیں گے (سبز فون فقر زائے ساتھ زنف الشارب و انزف سے ماخوذ ہے یعنی نہ اس سے گرانی ہوگی اور نہ عقل میں فتور آئے گا جیسا کہ دنیا کی شراب میں یہ سب کچھ ہوتا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو مرغوب ہوگا اور (ان کی لذت کے لئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی (خوب سفید و سیاہ آنکھوں والی) عورتیں ہوں گی (عین کے معنی کشادہ چشم کے ہیں۔ ضمہ کی بجائے یا کے قرب ہونے کی وجہ سے عین پر کسرہ آ گیا حراء کے وزن پر عیناء مفرد ہے ایک قراءت میں "حور عین" جر کے ساتھ ہے) جو چھپے ہوئے (محفوظ) موتیوں کی طرح ہوں گی یہ صلہ کے طور پر ہوگا (مفعول لہ یا مصدر ہے۔ عامل مقدر ہے یعنی جعلنا لهم ما ذکر للجزاء یا جزیناهم) ان کے اعمال کا۔ وہاں (جنت) میں نہ بک بک (فضول بات) سنیں گے اور نہ یہودہ (گناہ) کی بات ہوگی بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی (سلاما۔ قیلا سے بدل ہے کیوں کہ جنتی سلام سنیں گے) اور جو داہنے والے ہیں کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بیری (کے درخت) بے خار ہوں گے (جن میں کانٹے نہیں ہوں گے) اور کیلے (کے درخت) تہ بہتہ ہوں گے (جو نیچے سے اوپر تک مرتب ہوتے ہیں) اور لباب (داگی) سایہ ہوگا اور پانی چلتا ہوا (ہمیشہ جاری) ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو (کبھی) ختم نہ ہوں گے اور (قیمت کے ذریعے) دروک ٹوک نہ ہوگی اور (تخت پر) اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے (یعنی عورتیں بغیر ولادت کے پیدا کیں) یعنی ہم نے ان کو کنوارا بنایا (ان کے شوہر جب بھی ان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ ہی پائیں گے۔ مگر وہ تکلیف کا باعث نہیں ہوں گی) محبوبہ ہیں (ضمہ را اور سکون را کے ساتھ جو بیوی شوہر کے لئے پسندیدہ محبوبہ ہو) ہم عمر ہیں (اتر بتر ب

کی جمع ہے ہم عمر کو کہتے ہیں) یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں (انشائاً من باجھلنا من کا صلہ ہے اور وہ اصحاب الیمین) ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور ایک بڑا طبقہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں، وہ لو میں ہوں گے (آگ کی آج جو مسامات میں گھسٹی چلی جائے) اور کھولتے ہوئے (تیز) پانی اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو بے حد کالا ہوگا جو اور سایوں کی طرح ٹھنڈا نہ ہوگا اور نہ فرحت بخش (خوش منظر) ہوگا وہ لوگ پہلے (دنیا) میں بڑی خوش حالی میں رہتے تھے (آرام سے، طاعت میں تعبد برداشت نہیں کرتے تھے) اور بڑے بھاری گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ جلائے جائیں گے (دونوں جگہ دونوں میں ہمزہ تحقیق اور دوسری میں ہمزہ تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل ہے) اور کیا ہمارے اگلے دادا بھی (افترہ واو کے ساتھ عطف کے لئے ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور یہاں اور پہلے استبعاد کے لئے بھی ہے اور ایک قراءت میں واو پر عطف کرتے ہوئے سکون واؤ ہے اور معطوف علیہ ان اور پر اس کے اسم کا محمل ہوگا) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے وقت پر معین تاریخ کے (یعنی قیامت کے) دن پھر تم کو اے گمراہو، جھٹلانے والو، درخت زقوم سے کھانا ہوگا (من زقوم، شجر کا بیان ہے) پھر اس (درخت) سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس (زقوم کے کھانے) پر کھوتا ہو پانی پینا ہوگا۔ پھر پینا بھی پینا (شین کے فترہ، ضمہ کے ساتھ مصدر ہے) پیا سے اونٹ کا سا ہوگا (ہیم جمع ہے ہیماں مذکر کے لئے اور بھیجی مونث کے لئے آتا ہے جیسے عطشی) یہ دعوت ہوگی (نزل مہمانی کے طور پر جو کچھ پیش کیا جائے) ان لوگوں کی قیامت کے روز۔

تحقیق و ترکیب..... اذا وقعت۔ اذا کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ خالص ظرف جس میں شرط کے معنی نہیں ہیں اور عامل لیس ہے معنی نفی کی حیثیت سے گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ يستفسى التكذيب بو قوعها اذا وقعت۔

۲۔ اذکر عامل مقدر مانا جائے۔

۳۔ اذا کو شرطیہ مانا جائے اور جواب مقدر ہوا ای اذا وقعت کان کیت و کیت اس میں عامل بھی وہی ہوگا ۴۔ اذا شرطیہ ہو اور عامل بعد کا فعل ہو۔ کی فرماتے ہیں۔ والعامل فیہا وقعت لانہا قد یجازی بہا فعمل فیہا الفعل الذی بعدہا کما یعمل فی ما ومن اللتین للشرط فی قولک ما تفعل افعول ومن تکرر اکرم۔

۵۔ اذا وقعت مبتدء ہو اور اذا رجت الخبر ہو۔

۶۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگا یا تاکید۔

۷۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگا یا تاکید۔

۸۔ اذا میں عامل اصحاب الیمین کا بدل لول ہو۔ ای اذا وقعت باننا احوال الناس فیہا۔

۹۔ اذا شرطیہ کا جواب، اصحاب الیمین ہو اور قیامت کو وقوع سے تعبیر کرنے میں اس کے لاحالہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

کاذبہ۔ یہ لیس کا اسم ہے اور وقتہا خبر مقدم ہے۔ لام معنی فی ہے اور مضاف مقدر ہے۔ ای لیس کاذبہ توجد فی وقت وقوعہا تفسیری عبارت میں مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ کاذبہ اسم فاعل ہے نفس مقدرہ کی صفت ہے اور عافیۃ کے وزن پر مصدر نہیں ہے کہ کذب یا تکذیب کے معنی میں لے کر کیونکہ فاعل کے وزن پر مصدر نادر ہے اگرچہ مختصر کی اجازت دے رہے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے کہ قیامت ہونے پر کوئی نفس کاذب نہیں ہوگا بلکہ صادق ہوگا۔ اس صورت میں لام وقفیہ ہوگا۔

خافضۃ۔ یعنی ترفع اقواما ترفع اخرین مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ خافضۃ مبتدائے مخدوف کی خبر ہے اور خفض و رفع سے اظہار مراد ہے۔ اذا رجت۔ نہایہ میں الرج کے معنی حرکت شدیدہ کے ہیں۔ یہ اذا پہلے اذا کا بدل یا ظرف ہے۔ خافضۃ والجمع دونوں کا بطریق تنازع کے بسبب الجبال۔ قاموس میں چٹکی سے مسنے کے معنی یہ ہیں اور بست کے معنی صیرت کے بھی آتے ہیں۔ بس الغنم کے معنی بکریوں کے چلنے کے ہیں۔

ازوا جاثلثۃ۔ دو صنفیں جنتیوں کی اور ایک صنف جنہیوں کی۔ فاصحاب الہیمۃ سے پہلے اجمال پھر تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ مبتداء ہے جس کی خبر ما اصحاب المیمۃ جملہ استفہامیہ ہے۔

والسابقون۔ اعلیٰ قسم کے ہونے کے باوجود اس کو موخر کر دیا گیا۔ تاکہ یہ حضرات اعجاب نفس میں مبتلا نہ ہوں یا ترقی من الادانی الی الاعلیٰ کی رعایت کی گئی ہے اور اصحاب الہیمین کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ ثانی السابقون تاکید ہے یا شعری شعری کے قبیل سے ہے۔ یا تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ السابقون الی الخیرات السابقون الی الجنات۔ ثلثہ۔ ضمہ کے ساتھ انسانوں کی جماعت اور فتح کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کہتے ہیں۔

قلیل من الاخرین۔ چونکہ اس کا مصداق السابقون ہیں جو پچھلی امتوں اور امت محمدیہ دونوں پر مشتمل ہے اس لئے یہ حدیث ان امتی یکفرون سائر الامم کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلی امتوں کے سابقین اگرچہ اس امت کے سابقین سے زیادہ ہوں گے لیکن اس امت کے پیروکار پہلی امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے پیروکاران کی تعداد پہلی امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہو جائے گی۔ اگرچہ سابقین پہلی امتوں کے زیادہ ہوں گے۔ لیکن روح البیان کی یہ تاویل نص کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ قلیل من الاخرین مطلق ہے۔ سابقین اور تابعین دونوں کو شامل ہے تاہم مرفوع روایت یہ ہے کہ اولین و آخرین کا مصداق اس امت میں بھی مستفیدین و متاخرین ہیں۔

بحر العلوم میں اسی کو مختار کہا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ ثلثہ من الاولین سے اصحاب المیمۃ اور قلیل من الاخرین سے السابقون مراد ہوں۔

موضوۃ۔ اصل میں وزن زرہ بننے کو کہتے ہیں بطور استعارہ مطلق بننے کے معنی ہو گئے۔ یہ دونوں لفظ خبر کی ضمیر سے حال ہیں اور ضمیر متکین سے حال متداخلہ بھی ہو سکتا ہے۔

وللدان مخلصون۔ حوروں کی طرح غلمان بھی نئی مخلوق بغیر ولادت پیدا کی جائے گی۔ صحیح یہی ہے چنانچہ خازن نے اسی کو صحیح اور حق کو ظنا اس میں منحصر کہا ہے۔ یہ محض خدمت اور فرحت بلا شہوت کے لئے ہوں گے۔ کسی غلط خیال کا ایہام نہیں ہونا چاہیے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بچے جو کسی میں مر گئے تھے وہ غلمان ہوں گے لیکن آیت اللہین امنوا واتبعتهم ذریعتهم بایمان الحقناہم ذریعتہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کو رد کر دیا گیا ہے اور بعض کے نزدیک کفار کی چھوٹی اولاد غلمان ہوگی۔

لا ینزفون۔ ابو عمر، نافع، ابن کثیر، ابن عامر کے نزدیک فتح زاکے ساتھ ہے غلائی مجرد و مجہول کے وزن پر نزف الشارب کے معنی بدست ہونے کے ہیں۔ انزف کے معنی شراب ختم ہونے کے ہیں۔ لیکن مفسر دونوں کو ہم معنی کہہ رہے ہیں۔ اور لا یصدعون ولا ینزفون دونوں کے معنی مفسر نے لف و نشر مرتب طور پر بیان کئے ہیں۔

حور عین۔ مبتداء ہے مخدوف الخبر جس کی تقدیر مفسر نے لہم سے کی ہے۔ جز اور ابوعلیٰ کے نزدیک حور عین مجرد ہے۔ اس میں کی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

- ۱۔ جنات النعیم پر عطف کیا جائے ای ہم فی جنات النعیم و فاکھة ولحم و حور عین جیسا کہ زخشریٰ کی رائے ہے۔
- ۲۔ باکو اب پر عطف کیا جائے اس صورت میں۔ بطوف کے معنی مجازی معنی ہوں گے ای یتعمون فیہا باکو اب۔
- ۳۔ حور عین۔ معطوف علیہ حقیقہ ہو یعنی حور و غلمان دونوں کی آمد و رفت ہوگی۔ جو مزید لاندہ اذکا باعث ہے۔
- عین۔ عیناء کی جمع ہے۔ فعلاء کی جمع فعل کے وزن پر آتی ہے۔

ولا تائیما۔ یعنی جو گناہ میں ڈال دے۔

سلاماً سلاماً۔ اس کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ قیل سے بدل ہو ای لا یسمعون فیہا الا سلاماً سلاماً۔

۲۔ قیل کی صفت ہو۔

۳۔ قیل کی جہ سے منصوب ہو ای الا ان یقولوا سلاماً جیسا کہ زجاج کی رائے ہے۔

۴۔ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو جس کی حکایت قیلاً سے ہو رہی ہے ای الا قیلاً سلموا سلاماً۔

مخضود۔ بعض نے کہا ہے کہ شاخوں کی کثرت اور اوپر نیچے ہونا مراد ہے۔

وطلح۔ کیلے کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک کیکر کے معنی ہیں۔

ممدود۔ طویل سایہ کے معنی بھی ہو سکتے ہیں، حدیث بخاری میں ہے۔ ان فی الجنة شجرا یسیر الراکب فی ظلها مائة عام غرضیکہ

امتداد زمانی بھی ہو سکتا ہے اور مکانی بھی۔

ولا ممنوعۃ ابن عباس فرماتے ہیں۔ لا تمتع من احدا را داخذھا۔

مرفوعۃ۔ سر پر پہنچانا مراد ہے یا گدوں کا ایک دوسرے پر تہہ ہونا مراد ہے۔ یا رفیع القدر کے معنی ہیں جیسا کہ حدیث ترمذی و نسائی میں

ہے کہ گدوں کی موٹائی، زمین و آسمان کی درمیانی مسافت پانچ سو سال کے برابر ہوگی۔ اور بعض نے فرش سے عورتیں مراد لی ہیں، عرب عورتوں کو

فرش اور لباس سے تعبیر کرتے ہیں اور مرفوعہ سے مراد حسن و جمال میں برتری ہے۔

عرباً۔ نہایت عربا کے معنی المصراۃ حسناء المتحببة الی زوجها لکھے ہیں اور ابن عباس، حسن، مجاہد، قتادہ سے بھی یہی منقول ہے۔

ابن ابی حاتم نے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ان عورتوں کی بات چیت عربی میں ہوگی۔

اترأباً۔ حدیث میں ہے۔ یدخل اهل الجنة الجنة جرداً مرداً بیضاء مکحولین ابناء ثلاثین اوقال ثلاث و ثلاثین علی خلق

ادم ستون فی سبعة اذرع۔ دوسری حدیث میں ہے۔ من دخل الجنة من صغیرا و کبیرا یرد الی ثلاثین سنة فی الجنة لا یراد

علیہا ابدان و کذلک اهل النار۔

لاصحاب الیمین۔ یہ انشانانہن کے متعلق ہے ای انشانانہن لاجل اصحاب الیمین اور اس کا تعلق اترأباً سے بھی ہو سکتا ہے ای

جعلناہن اترأباً ای مساویات لاصحاب الیمین فی الطول والعرض والجمال۔

ثلة من الاولین۔ یہ پہلی آیت و قلیل من الاخرین کے معارض نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت کا تعلق مقررین سے ہے اور یہاں اصحاب الیمین

کا بیان ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اولین سے یہاں متقدمین مراد ہوں۔ یعنی صحابہ اورتابعین۔ یہی صورت ثلثہ من الاخرین کی ہوگی کہ اس سے

اصحاب الیمین مراد ہوں یا اس امت کے متاخرین جو صحابہ اورتابعین کے علاوہ ہوں۔ یہ مجموعہ پچھلی آیتوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حدیث کے الفاظ

یہ ہیں۔ ہم جمیعاً من امتی۔

فی مسموم۔ آگ کی گرمی جو سمات بدن میں گھس جائے اور بعض نے جہنم کی وادی یا جہنم کا نام کہا ہے۔

انہم کہانوا۔ یہ سبب عذاب کا بیان ہے امام رازیؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ یہاں عذاب کا سبب تو ارشاد فرمایا گیا۔ لیکن ثواب کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا۔ انہم کا نوازل ذلک شاکرین مدعین۔ کیونکہ ثواب تو محض فضل خداوندی کی وجہ سے ہے۔ لیکن عذاب عدل الہی کے تحت ہے۔ پس سبب فضل بیان نہ کرنے سے صاحب فضل کی تنقیص نہیں ہوتی۔ لیکن سبب عذاب بیان نہ کرنے سے ظلم کا ایہام ہو سکتا ہے۔ جو خلاف عدل ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں اصحاب الیمین کے لئے جزاء بما کا نواصلوں نہیں فرمایا گیا۔ جیسا کہ پہلے ”السا بقون“ کے لئے فرمایا گیا تھا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ سابقین کی جزاء میں تو کچھ اعمال کا دخل ہے بھی مگر اصحاب الیمین کے لئے تو صرف فضل الہی سبب ہے یہاں اعمال کا دخل نہیں ہے۔

متوفین۔ مترف بروزن مکرم جو شخص عیش میں مست ہو کر طاعت کا تقب نہ اٹھا سکے۔

عیش پروردہ ہرگز نہ بردراہ بہ دوست عاشقی شیوہ زندان بلاکش باشد

علی الحنث العظیم۔ اس کے معنی ذنب عظیم یا شرک کے ہیں۔ کیونکہ حنث کے معنی مضبوط عہد توڑنے کے ہیں چنانچہ شرک میں بھی تقصیر عہد ہوتا ہے۔ واقسموا باللہ جہد ایمانہم لا یبعث اللہ من یموت۔

ناذا متا۔ مفسر نے ترک الف کی دو صورتوں کو بیان نہیں کیا۔ حالانکہ ادخال الف اور ترک الف دو مستقل قراءتیں ہیں۔ ممکن ہے سابقہ بیانات پر اکتفا کر لیا ہو۔

او ابواؤنا الاولون۔ اس کا ضمیر ”لمبعوثون“ پر عطف ہو سکتا ہے۔ یعنی کیا اگلے لوگ بھی زندہ کئے جائیں گے اور مفسر نے معطوف علیہ عمل اور اس کے اسم کو جو کہا ہے تو معطوف کو خبر مقدم کرنے کی صورت میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اتنا و ابواؤنا لمبعوثون تفسیری عبارت و هو فی ذلک و فیما قبلہ کا مطلب یہ ہے کہ استفہام او ابواؤنا اور اذ اتنا میں استبعاد کے لئے ہے اور تافہ، ابن عامر کی قراءت سکون واو کے ساتھ قراءت نہ تواترہ سبعیہ ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے صاحب کشاف کی ترجمانی ان الفاظ سے کی ہے۔

المعطوف علیہ الضمیر المستکن فی المبعوثون الخ وحسن العطف علی الضمیر فی المبعوثون من غیر تاکید۔ بنحو للفاصل الذی ہو الهمزة کما حسن فی قوله ما اشرکنا ولا ابواؤنا لفصل لا الموکد للنفی۔

قل ان الاولین۔ یہ انکار قیامت کا رد ہے۔

الی میقات۔ ای فی وقت چونکہ مجموعوں، سوق کے معنی کو مضمّن ہے۔ اس لئے الی کے ذریعہ تعدیل کیا گیا ہے۔

الہیم۔ مفسر نے حیوان کی جمع بیان کی۔ حالانکہ الہیم کی جمع ہے۔ کیونکہ الہیم اصل میں ہمیم بروزن حر تھا۔ ضمہ کو یاد کی وجہ سے کسرہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پس جس طرح حمور احمد اور حر کی جمع ہے۔ اسی طرح الہیم کی جمع ہے۔

نزلہم۔ نزل کہتے ہیں مہمان کے آتے ہی جو کچھ پیش کیا جائے۔ جنہیوں کیلئے استہزاء ہذا نزلہم کہا گیا ہے۔

رابط آیات:..... مضامین کے اعتبار سے یہ سورت پچھلی سورت کے تقریباً مماثل ہے اور ترتیب کے لحاظ سے الحجر علی الصدر کے طور پر تقریباً پچھلی سورت کے مقابل ہے چنانچہ سورہ رحمن کے شروع میں قرآن کا ذکر آیا ہے اور یہاں سورت کے تقریباً آخر میں ہے۔ اسی طرح سورہ رحمن میں دنیاوی نعمتوں کا بیان ہے جو دلائل قدرت بھی ہیں قرآن کے ذکر کے بعد آیا ہے اور یہاں قرآن کے ذکر سے پہلے ہے۔ وہاں دنیوی نعمتوں کا ذکر قیامت، دوزخ، جنت کے بعد اور یہاں پہلے آیا ہے اور بالکل ختم کے قریب معاد کی تفصیل مجمل بیان فرمادی گئی ہے۔

روایات: امام احمدؒ نے ابو ہریرہؓ سے تخریج کی کہ جب ثلثہ من الاولین نازل ہوا تو صحابہؓ پر بہت شاق ہوا پھر آیت ثلثہ من الاخرین نازل ہوئی۔

اور ابن مردویہؒ نے جابرؓ سے نقل کیا ہے ثلثہ من الاولین نازل ہونے پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ثلثہ من الاولین و قلیل من الاخرین تو ایک سال بعد ثلثہ من الاخرین کا نزول ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من آدم الینا ثلثہ و امتہ ثلثہ۔ عروہ بن رویمؓ سے نقل ہے کہ جب آیت ثلثہ من الاولین و قلیل من الاخرین نازل ہوئی تو عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ انا ہر سول ﷺ و صلحنا و من ینجو منا قلیل اس پر آیت ثلثہ من الاولین و ثلثہ من الاخرین نازل ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے عمرؓ کو بلا کر فرمایا۔ تمہارے مطابق یہ نازل ہوئی ہے۔ عمرؓ نے عرض کیا ہے کہ رضینا عن ربنا و تصدیق نبینا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ من آدم الینا ثلثہ و منا الی یوم القیامۃ ثلثہ۔ اور مجاہدؒ عطا کی رائے یہ ہے کہ دونوں ٹلے امت محمدیہ کے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ”جمعیا من امتی“ لیکن معتمد پہلا قول ہے۔

﴿تشریح﴾ اذا وقعت۔ یعنی قیامت جب ہو پڑے گی۔ اس وقت کھل جائے گا کہ یہ چھوٹی بات نہ تھی اسے نہ کوئی ٹلا سکے گا اور نہ لوٹا سکے گا۔ اگر چھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولنا کیوں کو گھٹانا بھی چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ قیامت کے دن بڑے بڑے منکبروں کو جو دنیا میں سر بلند اور معزز سمجھے جاتے تھے ”اسفل السافلین“ میں دھکیل دیا جائے گا اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں حقیر و پست نظر آتے تھے۔ یہ دن ان کے ایمان و عمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کر دے گا۔ قیامت کیا ہوگی۔ گویا ایک سخت زلزلہ ہوگا۔ جس سے پہاڑ تک ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔

مقربین۔ و کنتم ازواجاً ثلثہ۔ قیامت میں لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے۔ دوزخی، عام جنتی خاص جنتی جو جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوں گے۔ پہلے ان تینوں قسموں کا اجمالاً پھر تفصیلاً ذکر ہے۔ سورہ حٰن میں بھی ان تین قسموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ خواص مومنین کو مقربین اور سابعین اور عام مومنین کو اصحاب الیمین اور کفار کو اصحاب الشمال کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

از اوقات سے لے کر ثلثہ تک بعض حالات جیسے رحمت و بخت، نکتہ اولی کے وقت کے بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض واقعات جیسے حافظہ، رافعہ اور کتیم، ازواج ثلثہ نکتہ ثانیہ کے ہیں اور بعض احوال جیسے از اوقات اور لیس موقعہا مشترک ہیں اور چونکہ نکتہ اولی سے نکتہ ثانیہ تک تمام وقت متحد ایک وقت کے حکم میں ہے۔ اس لئے ہر جزء وقت کو ہر واقعہ کا وقت کہا جاسکتا ہے۔

اصحاب الیمین: فاصحاب الیمین۔ جو لوگ عرش عظیم کی داہنی سمت میں ہوں گے ان کو عہد الست کے وقت آدمؑ کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور ان کا اعمال نامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی کامیابی کا کیا کہنا۔ حضور ﷺ نے شب معراج میں دیکھا تھا کہ حضرت آدمؑ داہنی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور بائیں جانب نظر کر کے رو پڑتے تھے اور گویہ سب باتیں مقربین میں بھی مشترک ہیں۔ لیکن صرف انہی باتوں پر اکتفا کرنا بخلا رہا ہے کہ ان میں اصحاب الیمین سے اور کوئی قرب خاص کی بات نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان سے عوام سے مومنین مراد ہوں گے جن کو مجھلا اچھا فرمایا۔ اس کے بعد فی سلسلہ سے اس اجمال کی تفصیل ہے۔

اصحاب الشمال..... واصحاب المشمۃ۔ یہ لوگ آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے اور انہی کو دیکھ کر آدم روتے رہے عرش کے بائیں کھڑے کئے جائیں گے۔ اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ ان کی نخواست اور بد بختی کا کیا ٹھکانہ۔

تحقیق علمی:..... لیکن جو کمالات علمیہ و عملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ لگا کر اصحاب یمن سے آگے نکل گئے وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب و جاہت میں بھی سب سے آگے نکل گئے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ وہم الانبیاء والرسول والصدیقون والشهداء یکنون بین یدئ ربهم عزوجل۔

ثلۃ من الاولین۔ اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں دو احتمال لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ ثلۃ من الاولین سے پہلی امتوں کے حضرات اور قلیل من الآخرین سے امت محمدیہ کے افراد ہیں۔ جیسا کہ جابر بن جریج نے روایت میں ہے اور وجہ اس کی بیشی کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلا زمانہ زیادہ گزرا ہے جس میں لاکھوں انبیاء و رسل اور کروڑوں ان کے اصحاب ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کا زمانہ کم ہے اور خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں۔ اس لئے بہت سی امتوں کے خواص کا مجموعہ صرف امت محمدیہ کے حق میں عادی زیادہ ہی ہونا چاہیے۔

اور بعض نے ثلۃ من الاولین سے اس امت کے متقدمین اور قلیل من الآخرین سے امت کے متاخرین مراد لئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے۔

اور روح المعانی میں سند حسن کے ساتھ ابوبکرہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہما جمیعاً من ہذہ الامۃ اور حافظ ابن کثیر نے آیت کا ایک تیسرا مطلب یہ فرمایا ہے کہ ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی محبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ ارشاد نبوی ﷺ خیر القرون قونی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم اس کا موند ہے۔ لیکن بعض اکابر نے ”تفسیر منصور“ پہلے معنی کو فرمایا ہے۔ اور ارشاد نبوی ﷺ ہما من ہذہ الامۃ کی تاویل یہ کہ یہ آیت کی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے اولین میں مقربین زیادہ اور آخرین میں کم رہے ہیں۔ اسی طرح اس امت میں بھی متقدمین میں مقربین زیادہ اور متاخرین میں کم ہوں گے۔ گو قرآن کا یہ مدلول نہ ہو۔

اور اسی طرح قلیل من الآخرین کا مقربین کے بارہ میں ہونا اور ”ثلۃ من الآخرین“ کا اصحاب الیمین کی شان میں ہونا بھی صاف مدلول قرآنی ہے۔

رہ گئی حدیث عمر جس کا بیان پہلے ہوا۔ جس میں ثلۃ اور قلیل دونوں کا مصداق ایک ہی فرمایا۔ اس کی بھی توجیہ کی جائے گی۔ کہ صحابہ نے اول مقربین کے بارہ میں جو قلیل من الآخرین سنا تو گمان ہوا کہ شاید یہی نسبت پہلی امتوں اور اس امت کے عوام مومنین میں بھی ہوگی کہ ان میں زیادہ اور اس امت میں کم ہوں۔ مگر دوسری آیت میں بتلادیا گیا کہ یہ نسبت مقربین میں ہے لیکن اصحاب الیمین میں دوسری نسبت ہوگی۔

اور مذکورہ روایت میں جو فسخت و قلیل من الآخرین الفاظ آئے ہیں تو سلف کی اصطلاح میں یہ نسبت متاخرین کے نسخ کے معنی عام ہیں یعنی توضیح مراد اور شبہ کے ازالہ کو بھی متقدمین نسخ کہہ دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت بقرۃ اللہ مافی السموات کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں:..... علی سر و موضوفہ۔ یہاں سے نعمائے جنت کا بیان ہو رہا ہے سونے کے تاروں سے

بنے ہوئے تخت بیٹھنے کے لئے ہوں گے۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھا ہوگا اور خدمت کار لڑکے ہوں گے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے صاف ستھری شراب کے چشمے ہوں گے جن کے پینے سے نہ سر گرانی ہوگی اور نہ بڑ لگے گی۔ شراب نشہ سے خالی اور صرف لذت و سرور کے لئے ہوگی۔ پسندیدہ میوے، مرغوب گوشت بلا تعجب میسر ہوگا، چمکتے دیکھتے موتیوں کی طرح حوریں ہوں گی۔ کوئی لغو اور وہیات بات وہاں نہ ہوگی۔ نہ کوئی جھوٹ بولے گا اور نہ کوئی کسی پر جھوٹی تہمت لگا سکے گا۔ بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں ہوں گی۔ جنتیوں کا آپس میں سلام ہوگا فرشتوں کی طرف سے سلام ہوگا اور سب سے بڑھ کر رب کریم کا سلام پہنچے گا جو سب سے بڑھ کر اعزاز ہوگا۔ سلام کی یہ کثرت اس طرف اشارہ ہوگی کہ اب یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے نہ کسی طرح کا آزار ہے اور نہ موت کا کھٹکا، قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور باغات ہوں گے، وہاں نہ دھوپ ہوگی اور نہ اندھیرا۔ نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی، سورج نکلنے سے پہلے صبح کا سا سہانا معتدل وقت اور موسم رہے گا اور سایہ اتنا پھیلا ہوا ہوگا کہ بہترین تیز رفتار سوار متواتر سو برس دوڑتا رہے تو ختم نہ ہو، میوے ایسے کہ نہ اس سے پہلے توڑے گئے اور نہ دنیا کے موتی میوؤں کی طرح ختم ہونے والے اور نہ ہی اس کے لینے میں کسی طرح کی روک ٹوک پیش آئے گی اور فرش فردش بے حد اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی، حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں نصیب ہوں گی وہاں ان کا قدرتی اٹھان ایسا ہوگا کہ ہمیشہ جوان اور خوبصورت بنی رہیں گی۔ ان کی گفتگو ناز و انداز سے بے ساختہ دل لہے گا اور باہم سب ہم عمر ہوں گی۔ شوہروں کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔

مشکل کا حل:..... فلة من الاولین۔ یعنی اصحاب الیمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بکثرت ہوں گے، بلکہ متاخرین میں اصحاب الیمین کی تعداد بہ نسبت متقدمین اصحاب الیمین کے زیادہ ہوگی۔ چنانچہ احادیث میں تصریح ہے کہ مجموعہ مومنین اس امت کا پہلی امتوں کے مجموعہ مومنین سے زیادہ ہوگا۔ اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اس امت کے اصحاب الیمین زیادہ ہوں گے، کیونکہ متقدمین میں مقربین کی کثرت تو خود آیت بالا سے ثابت ہے۔ اور جب اصحاب الیمین مقربین سے مرتبہ میں کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی۔ سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ مقربین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ بیان کیا گیا ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہوا کرتا ہے اور اصحاب الیمین کی جزا میں اس سامان عیش کا زیادہ ذکر ہے جو دیہاتی قصبائی لوگوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے جس سے اشارہ ان دونوں کے فرق مراتب کی طرف ہے۔

واصحاب الشمال۔ یہاں سے تیسری قسم دوزخیوں کی تفصیل ارشاد ہے۔ دوزخ کی آگ سے جو سیاہ دھواں اٹھے گا وہ اس میں رکھے جائیں گے جہاں کسی قسم کا نہ آلام ملے گا نہ ٹھنڈک پہنچے گی نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا اس کی پیش میں ذلیل و خوار بیٹھے رہیں گے، دنیا میں خوشحالی اور غرور کی وجہ سے انہوں نے اللہ و رسول سے ضد باندھی تھی یہ اس کا جواب ہے۔ دنیا میں قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اس زندگانی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے ہمارا اور ہمارے ماں باپ دادوں کا مرنے کے بعد زندہ ہونا کہیں سمجھ میں آتا ہے؟

دوزخیوں کا حال پتلا ہوگا:..... ثم انکم ایہا الضالون۔ دوزخیوں کا جب مارے بھوک کے برا حال ہوگا تو زقوم کا درخت چبانے کو ملے گا اور پیٹ کی دوزخ کو اس سے بھرنا ہوگا اور کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ مگر بے تابی میں پیاس کی شدت سے ایک دھوپ میں جھلے ہوئے اونٹ کی طرح یہی پانی ایک دم چڑھاتا چلا جائے گا جس سے منہ ٹھلس کر بھن جائے گا اور اندر سے آنتیں کٹ کٹ کر باہر آ پڑیں گی۔ انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے اور جانور سے بدتر سلوک ان کے ساتھ کیا جائے۔

لطايف سلوک:..... والسابقون السابقون۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقربین کا مرتبہ عام صلحاء مومنین کے درجہ سے بڑھ کر ہے اور یہی تصوف کا مقصود ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ وَحَدَّثْنَا عَنْ عَدَمٍ فَلَوْلَا مَا لَا تُصَدِّقُونَ ﴿۵۷﴾ بِالْبُعْثِ إِذِ الْقَادِرُ عَلَى الْإِنْتِهَاءِ قَادِرٌ عَلَى الْإِعَادَةِ
 أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿۵۸﴾ تَرِيقُونَ الْمَنَىٰ فِي أَرْحَامِ النِّسَاءِ أَأَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ ابْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَاءِ وَتَسْهِيلِهَا
 وَإِذْ خَالَ الْفَيْسُ الْمُسَهِّلَةَ وَالْأُخْرَىٰ وَتَرْكِهِ فِي الْمَوَاضِعِ الْآرِبَةِ تَخْلُقُونَهُ أَيِ الْمَعْنَى بِشَرٍّ أَمْ نَحْنُ
 الْخَلِيقُونَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَرْنَا بِالْتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۶۰﴾ بِعَاجِزِينَ
 عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ نَحْنُ أَمْثَالَكُمْ مَكَانَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ نَخْلُقْكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾ مِنَ الصُّورِ
 كَالْفِرْدَةِ وَالْخَزَائِرِ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ النِّشَاءَ الْأَوَّلَىٰ وَفِي قِرَاءَةِ بِسُكُونِ الشَّيْنِ فَلَوْلَا تَذَكُّرُونَ ﴿۶۲﴾ فِيهِ إِدْعَامُ
 النَّاءِ الثَّانِيَةِ فِيهِ الْأَصْلِ فِي الذَّالِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿۶۳﴾ تُثِيرُونَ الْأَرْضَ وَتُلْقُونَ الْبَذَرَ فِيهَا أَأَنْتُمْ
 تَرْزَعُونَهُ تُبْتَوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا نَبَاتًا يَابِسًا لَا حَيٍّ فِيهِ فَظَلْتُمْ أَصْلَهُ
 ظَلِلْتُمْ بِكُسْرِ اللَّامِ فَخُلِفَتْ تَخْفِيفًا أَيْ قُمْتُمْ نَهَارًا تَفْكُهُونَ ﴿۶۵﴾ حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى الثَّانِيَيْنِ فِي الْأَصْلِ
 تَعَجُّبُونَ مِنْ ذَلِكَ وَتَقُولُونَ إِنَّا لَمُعْرِضُونَ ﴿۶۶﴾ نَفَقَةُ زَرْعِنَا بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۶۷﴾ مَمْنُوعُونَ رِزْقِنَا
 أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿۶۸﴾ أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ السَّحَابِ جَمْعُ مُزْنَةٍ أَمْ نَحْنُ
 الْمُنزِلُونَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَا جَا مِلْحًا لَا يُمْكِنُ شُرْبُهُ فَلَوْلَا فَيَلَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۰﴾ أَفَرَأَيْتُمُ
 النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿۷۱﴾ تُخْرِجُونَ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ أَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا كَالْمَرْخِ وَالْعَفَارِ وَالْكَلَخِ
 أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ وَنِعْمَتِنَا بِالْعَنَاءِ لِلْمُقَرَّبِينَ ﴿۷۳﴾ لِلْمُسَافِرِينَ مِنْ
 أَقْوَىٰ أَيْ صَارُوا بِالْقَوِي بِالْقَصْرِ وَالْمَدِّ أَيْ الْفَقْرِ وَهُوَ مَفَازَةٌ لَا نَبَاتَ فِيهَا وَلَا مَاءَ فَسَبَّحَ نَزَّهَ بِاسْمِ زَائِدٍ رَبِّكَ
 الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾ أَيْ اللَّهُ فَلَا أَقْسَمُ لَا زَائِدَةٌ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿۷۵﴾ بِمَسَا قِطْعِهَا لِعُرْوِبِهَا وَإِنَّهُ أَيْ الْقَسَمُ بِهَا
 لَقَسَمَ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿۷۶﴾ أَيْ لَوْ كُنْتُمْ مِنْ ذَوِي الْعِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عَظَمَ هَذَا الْقَسَمِ إِنَّهُ أَيْ الْمَتْلُوعُ عَلَيْكُمْ
 لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿۷۷﴾ فِي كِتَابٍ مَكْتُوبٍ مَكْنُونٍ ﴿۷۸﴾ مَضْنُونٌ وَهُوَ الْمُصْحَفُ لَا يَمَسُّهُ خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ
 إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾ أَيْ الَّذِينَ طَهَّرُوا أَنْفُسَهُمْ مِنَ الْأَحْدَاثِ تَنْزِيلُ مُنْزَلٍ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾ أَفَبِهَذَا
 الْحَدِيثِ الْقُرْآنِ أَنْتُمْ مُلْهِنُونَ ﴿۸۱﴾ مُتَهَوِّنُونَ مُكْذِبُونَ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ مِنَ الْمَطَرِ أَيْ شُكْرَهُ أَنْكُمْ
 تُكْذِبُونَ ﴿۸۲﴾ بِسَقْيَا اللَّهِ حَيْثُ قُلْتُمْ مُطَرْنَا بِنُوءٍ كَذَا فَلَوْلَا فَهَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الرُّوحُ وَقْتُ النُّزْعِ الْخَلْقُومُ
 ﴿۸۳﴾ وَهُوَ مَجْرَى الطَّعَامِ وَأَنْتُمْ يَا حَاضِرِي الْمَيِّتِ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ﴿۸۴﴾ إِلَيْهِ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ
 بِالْعِلْمِ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾ مِنَ الْبَصِيرَةِ أَيْ لَا تَعْلَمُونَ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَهَلَّا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۸۶﴾

مُحْزَنِينَ بَأَن يُبْعَثُوا أَيْ غَيْرِ مُبْعُوثِينَ بِزَعْمِكُمْ تَرْجِعُونَهَا تُرْثُونَ الرُّوحَ إِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ بُلُوغِ الْحُلُقُومِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۸۷﴾ فِيمَا زَعَمْتُمْ فَلَوْلَا الثَّانِيَةُ تَاكِدٌ لِلأُولَى وَإِذَا ظُرِفَ لَتَرْجِعُونَ لِمُتَعَلِّقٍ بِهِ الشَّرْطَانِ وَالْمَعْنَى هَلَّا تَرْجِعُونَهَا إِنْ نَفَيْتُمْ الْبُعْثَ صَادِقِينَ فَيُ نَفِيهِ أَيْ لِيَتَنَفَّى عَنْ مَحَلِّهَا الْمَوْتُ فَأَمَّا إِنْ كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۸۸﴾ فَرُوحٌ أَيْ فَلَهُ اسْتِرَاحَةٌ وَرَيْحَانٌ رِزْقٌ حَسَنٌ وَجَنَّةٌ نَعِيمٌ ﴿۸۹﴾ وَهَلِ الْجَوَابُ لِأَمَّا أَوْلَىٰ أُولَٰئِكَ أَقْوَالٌ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۹۰﴾ فَسَلَّمَ لَكَ أَيْ لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَذَابِ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۹۱﴾ مِنْ جِهَةِ أَنَّهُ مِنْهُمْ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿۹۲﴾ فَتُنْزَلُ مِنْ حَمِيمٍ ﴿۹۳﴾ وَتُصَلِّيَةُ جَحِيمٍ ﴿۹۴﴾ إِنْ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿۹۵﴾ مِنْ إِضَافَةِ الْمَوْصُوفِ إِلَى صِفَتِهِ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۹۶﴾ تَقَدَّمَ

ترجمہ: ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے (عدم سے وجود بخشا ہے) تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے (قیامت کی کیونکہ جو خدا تمہیں ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو مٹی پہنچاتے ہو (بیویوں کے رحم میں مٹی ڈالتے ہو) اس کو تم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور تسہیل کر کے اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور چاروں صورتوں میں بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے) آدمی بناتے ہو (یعنی مٹی کو انسان) یا ہم بنانے والے ہیں؟ ہم ہی نے تمہارے درمیان ٹھہرا رکھا ہے (قدرت ناشدیدا و تخفیف کے ساتھ ہے) موت کو اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں تمہاری جگہ تو اور تم جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی بندر اور خنزیر کی شکل پر) اور تمہیں پہلی پیدائش کا علم ہے (نشأۃ ایک قراءت میں سکون شین کے ساتھ ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے (اس کی اصل میں تائے ثانیہ کو ذال بنا کر اوغام کر دیا ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بولتے ہو اس کو تم اگاتے ہو (نکالتے ہو) یا ہم اگانے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں (بغیر دانہ بھوسہ کے) پھر تم رہ جاؤ (ظلم اصل میں ظلمت تھا کسرہ لام کے ساتھ تخفیفاً لام کو حذف کر دیا یعنی تم دن بھر رہو) حیران (تفکھون کی اصل میں دو تھیں ایک کو حذف کر دیا گیا اس پر تعجب کرتے ہوئے بول اٹھو گے) کہ ہم ٹوٹے ہی میں رہ گئے (غلہ کی پیداوار میں) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (پیداوار سے خالی ہاتھ) اچھا یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو (مزن بمعنی بادل مرتبہ کی جمع ہے) یا ہم برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو ٹوڑا کر ڈالیں (ایسا شور کہ بیانہ جاسکے) سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو (سرسبز درخت کا چھتاق بناتے ہو) اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے (جیسے مرغ، بغار، اور طح نامی درخت) یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے آگ کو (دوزخ کی) یاد دہانی کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدہ (نفع) کی چیز بنایا ہے۔ مقومین بمعنی مسافرین ”اقوی القوم“ سے ماخوذ ہے یعنی قوم میدان میں چلی گئی تو قویٰ تصرد کے ساتھ دونوں طرح ہے بمعنی کھلا میدان اور ایسا جنگل جس میں نہ گھاس ہو نہ پانی) سو اپنے عظیم الشان پروردگار (اللہ) کی (اسم زائد ہے) تسبیح (پاک بیان کیجئے)۔ سو میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ستاروں کے چھپنے کی (غروب ہونے کے لئے ستاروں کے غائب ہونے کی) اور اگر غور کرو تم تو یہ (قسم) ایک بڑی قسم ہے (اگر تم سمجھاؤ تو تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ قسم بہت بڑی ہے) کہ یہ (جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے) قرآن کریم ہے جو ایک محفوظ کتاب (مصحف) میں درج (لکھا ہوا) ہے کہ اس کو کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا (خبر ہے بمعنی نبی) بجز پاک فرشتوں کے جنہوں نے ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک کر رکھا ہے (یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا (مجیجا) ہوا ہے سو کیا تم اس کلام (قرآن) کو سرسری بات سمجھتے ہو (معمولی سمجھ کر جھٹلا رہے ہو) اور بنا

رہے ہوا اپنی غذا (بارش یعنی اس کی شکر گزاری) کو جھوٹ (اللہ کے سیراب کرنے کو یہ کہہ کر فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی ہے) سو جس وقت روح پہنچتی ہے (نزع کے وقت) حلق (کھانا گزرنے کی جگہ) تک اور تم (میت کے آگے کھڑے ہوئے) اس وقت تکا کرتے ہو (میت کی طرف) اور ہم اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (بلحاظ علم کے) لیکن تم سمجھتے نہیں ہو (لاتبصرون بصیرت سے ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہے) تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں (کہ قیامت میں تمہیں سزا ملے۔ یعنی تمہارے خیال میں قیامت کے دن تم اٹھائے نہیں جاؤ گے) تو تم اس روح کو پھر کیوں لوٹا نہیں لاتے (جان گلے تک آ جانے کے بعد پھر اس کو واپس کیوں نہیں کر دیتے) اگر تم سچے ہو (اپنے اعتقاد میں)۔ دوسرا لولا پہلے لولا کی تاکید ہے اور اذا ترجموں کا ظرف ہے جس سے دونوں شرطوں کا تعلق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر قیامت کے منکر ہو اور اس دعویٰ نفی میں سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا دیتے یعنی اس شخص کو پھر موت نہیں آئی چاہیے (پھر (مرنے والا) اگر مقربین میں سے ہے تو اس کے چین ہے (یعنی) اس کے لئے راحت ہے اور غذائیں ہیں (عمدہ رزق) اور آرام کی جنت ہے (یہ) انا کا جواب ہے یا ان کا جواب ہے یا دونوں کا جواب ہے یہ تین قول ہیں) اور اگر وہ شخص داہنے والوں میں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے اسن واماں ہے (عذاب سے چھٹکارہ) تو داہنے والوں میں سے ہے (تیرا انبی میں شمار ہے) اور جو شخص جھٹلانے والے لگے گراہوں میں سے ہو گا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہو گی اور دوزخ میں داخل ہوگا۔ بلاشبہ یہ تحقیقی یقینی بات ہے (حق الیقین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے) سوائے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے)۔

تحقیق و ترکیب:..... لغز فیتم۔ یہاں سے منکرین قیامت پر متعدد تردیدیں کی جا رہی ہیں۔

ار نیتم۔ بمعنی خبرونی اس کا مفعول اول ماتمون اور مفعول ثانی جملہ استفہامیہ ہے۔

تمنون۔ ایک قرأت فتح تا کے ساتھ ہے۔

ء انتم تخلقونہ۔ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ فعل محذوف کا فاعل ہو۔ اسی تخلقونہ تم۔ چونکہ فعل بالبعد کے دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ اس لئے ضمیر بھی منفصل ہو گئی۔ یہ باب اشتغال کی قبیل سے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اتم مبتداء اور بعد کا جملہ خبر ہوا جو حرف استفہام کی وجہ سے پہلی صورت راجح ہے مفسر نے بشرائے اشارہ کیا ہے کہ منی پیدا کرنے سے انسان پیدا کرنا مراد ہے۔

و نیشنکم فی ما لا تعلمون سے یہ مقصد ہے کہ غیر معبود طریقہ پر پیدا کر دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ذات و صفات دونوں میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ اس کی حکمت بالغہ کا اگر تقاضہ ہو تو یہ محال نہیں ہے۔

نشأۃ الاولیٰ۔ ابو عمرو ابن کثیر کی قرأت میں فتح شین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک سکون شین کے ساتھ ہے، حرث کے معنی کھتی تیار کرنے کے ہیں، تفسیری عبارت میں لغوی معنی کی رعایت ہے خم ریزی کے معنی زیادہ بہتر ہیں۔ حدیث میں ہے۔ لا یقول احدکم زرع و لیقل حرث لمغرمون۔ غرام، ہٹاوان، ڈنڈا کو کہتے ہیں۔

جعلناہ اجاجاً۔ چونکہ تاکید کی ضرورت نہیں تھی اس لئے یہاں لام نہیں لایا گیا۔ کیونکہ بارش بادل پر کسی کی ملکیت کا ایہام ہی نہیں۔ برخلاف زمین اور کھیتی کے ان میں دوسرے کی ملکیت کا شائبہ ہے۔ اس لئے وہاں لام تاکید لایا گیا ہے۔ اجاج انج سے ہے آگ کی لپٹ کو کہتے ہیں جس سے منہ جل جائے قرینہ مقام کی وجہ سے شور و تلخ کے معنی ہیں۔

شجر تھا۔ مرغ و عفار دونوں چمقاک کی کڑیاں یا پتھر ہوتے ہیں جن سے آگ کے شعلے اور چنگاریاں نکلتی ہیں پہلے زمانہ میں اسی سے آگ روشن کی جاتی تھی۔ اب دیا سلائی کی ڈبی نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

کلم کے متعلق اہل مغرب و شام سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے یہاں بانس کی قسم سے ایک چیز ہوتی تھی۔ جس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے پر رانے

سے آگ کی چنگاریاں نکال کر آگ روشن کی جاتی تھی۔

للمقوین۔ مسافر کی تخصیص اس لئے کی کہ ان کو ضرورت زیادہ ہوتی ہے ورنہ مقیمین کے یہاں تو اکثر آگ رہتی ہی ہے۔ لوق و دوق چٹیل میدان کو تقاولا مفازہ کہتے ہیں۔

اسم ربك۔ مفسر تو لفظ اسم زائد کہہ رہے ہیں۔ مگر زائد کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بے کار اور فضول لفظ ہے العیاذ باللہ۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اس لفظ کے بغیر عبارت اور معنی درست رہتے ہیں۔ گویا یہ لفظ ضروری نہیں ہے۔ لیکن دوسری رائے میں یہ ہے کہ یہ لفظ زائد نہیں ہے۔ بلکہ تزییہ ذات کی طرح صفات و اسماء الہیہ کی تزییہ بھی مطلوب و مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام کاغذ پر لکھا ہوا اگر کسی کو گندگی میں پڑا ملے اور وہ اس کو نہ اٹھائے تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی ایسی ہے جیسے اس کی ذات کی بے حرمتی کیونکہ اسم سمی پر دلالت کرتا ہے لفظ اس کا حرف الف رسم الخط میں یہاں لکھا جائے گا۔ اور بسم اللہ میں کثرت استعمال کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

مواقع النجوم۔ غروب کی تخصیص اس لئے کہ اس میں موثر پر دلالت واضح ہے۔

وانہ لقسم لو تعلمون۔ یہ دونوں جملہ معترضہ ہیں۔ پہلا تو قسم اور جواب قسم کے درمیان اور دوسرا موصوف صفت کے درمیان جیسا کہ صاحب کشف نے تفریح کی ہے۔ اس کو ایک جملہ معترضہ سے زائد پر محمول نہ کیا جائے۔ جیسا کہ بعض حضرات کو آیت وانی سمیتھا مریم کی تفسیر میں صاحب کشف پر شبہ ہو گیا ہے۔

لا یمسہ اگر اس کو جملہ خبریہ مانا جائے تو بغیر طہارت قرآن چھونے سے خبر کے جھوٹ ہونے کا شبہ ہوتا اس لئے مفسر نے جملہ انشائیہ ”نہی“ سے تاویل کر دی۔ لیکن صاحب مدارک کہتے ہیں کہ جملہ موصوف کو جب کتاب کی صفت بنا دیا جائے جس سے لوح محفوظ مراد ہو تو پھر مطہرون سے فرشتے مراد ہوں گے۔

امام مالک اور ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے اور انس، قتادہ، سعید بن جبیر، ابو العالیہ سے بھی یہی روایت ہے اور لایمہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر اس آیت سے آئمہ اربعہ کے نزدیک بے وضو اور بے غسل قرآن چھونا جائز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر لایمہ نہی ہوگی یا نفی۔ یہاں قرآن کے چار اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بغیر طہارت قرآن کسی الگ کپڑے کے ساتھ چھو سکتا ہے البتہ بے وضو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے حافظ کے لئے اور ناظرہ بغیر ہاتھ لگائے پڑھ سکتا ہے مگر مکروہ ہے اور شوافع اور مالکیہ کے یہاں کسی بے وضو بے غسل کو نہ قرآن چھونے کی اجازت ہے اور نہ اٹھانے کی۔ اور حنابلہ بے وضو اور جنبی کے لئے اجازت دیتے ہیں۔ مگر حیض و نفاس والی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے۔ البتہ قرآن کی کتابت امام ابو یوسف بھی اور حائضہ کے لئے جائز مانتے ہیں جب کہ اوراق کسی دوسری چیز پر رکھے ہوں۔ امام محمد بالکل اجازت نہیں دیتے۔

وتجعلون رزقکم۔ مفسر نے شکرہ مضاف محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ یعنی مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ اور بعض نے آسمانی رزق سے شکر مراد لیا ہے۔ ابن مردویہ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تجعلون شکر کم پڑھا ہے یعنی بطور تفسیر کے انکم تکذبون۔ مفسر نے بقیا اللہ سے تکذوبوں کے معقول محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سقیاء۔ اسم ہے اور مصدر مضاف الی الفاعل ہے۔ مطربا بنو کذا۔ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ سالانہ منازل قرآن ۲۸ ہوتی ہیں۔ ہر تیرہویں شب میں ایک ستارہ مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا ستارہ مشرق میں طلوع کرتا ہے۔ اہل مغرب بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے ہیں اور اسی کو موثر حقیقی سمجھتے ہیں۔ اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ موثر حقیقی صرف حق تعالیٰ ہیں۔ فی الجملہ اسباب کی تاثیرات کا انکار نہیں عالم اسباب میں علویات سفلیات پر موثر ہیں۔ مگر اصل ہاتھ ان کی پشت پر اللہ کا ہوتا ہے۔ البتہ سد ذرائع کے طور پر نجوم اور نجومیوں کے پاس تک جانے سے روک دیا گیا ہے۔

نوء۔ اصلاح میں پختہ کر کہتے ہیں۔

فلو لا اذا بلغت۔ دراصل اس آیت کی ترتیب اس طرح ہے۔ لو لا تر جعونها اذا بلغت الحلقوم ان کنتم غیر مدینین دوسر الوالات کید کے لئے ہے بقول زحمریؑ۔

الروح۔ دل سے جو لطیف بخار بنتا ہے اس کو روح کہتے ہیں نفس ناطقہ مراد نہیں۔ کیونکہ اس کے اوصاف وہ نہیں جو بیان کئے جا رہے ہیں۔ مدینین۔ دین سے ہے جس کے معنی جزاء کے ہیں یعنی کیا قیامت نہیں آئے گی جس میں تمہیں کئے کا بدلہ ملے گا، گویا لازم کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ جزا و سزا نہ ہونے کا مطلب قیامت کا نہ ہونا ہے کیونکہ بعث کے لئے جزا و سزا لازم ہے۔ پس لازم کی نفی سے ملزم کی نفی ہو گئی۔ اور بعض نے غیر مدینین کے معنی غیر مر یوبین کے لیے ہے۔ وان السلطان رعیتہ اذا ساسہم۔

تر جعونہا۔ یعنی اگر بقول کفار کے نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب اور نہ ہی خدا کوئی چیز ہے تو غرہ کی حالت میں جب دم والہیں ہوتو کیوں نہیں مرنے والے کو بچا لیتے اور جب یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ تمہارے اوپر ایک بالادست طاقت ہے کہ اس کی چلتی ہے اور تمہاری کچھ نہیں چلتی۔ تفسیری عبارت ”المعلق بہ الشرطان“ کا حاصل یہ ہے کہ ان کتہم غیر مدینین اور ان کتہم صادقین دونوں شرطوں کا تعلق تر جعون کے ساتھ ہے یعنی یہ دونوں الگ الگ جزاء ہے۔ مفسرؑی عبارت میں قلب ہو گیا۔ شرطوں کے جزاء سے متعلق ہونے کی بجائے کہنا چاہیے تھا کہ جزاء دونوں شرطوں سے متعلق ہے۔ نیز بعد میں شرط و جزاء کی تقدیم تاخیر میں بھی تسامح ہو گیا۔ یوں کہنا چاہیے تھا۔ ان نفیتم البعث صادقین فی نفیہ فہلا تر جعونہا اس میں ان نفیتم البعث شرط اول ان کنتم غیر مدینین میں مذکور ہے اور صادقین شرط ثانی ان کنتم صادقین سے ملخوذ ہے اور تفسیری عبارت لیتنی علت ہے ہلا تر جعونہا جزاء کی اور محلہا سے مراد بدن میت ہے۔

فروح و ریحان۔ مفسرؑ نے قلہ سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے جو مقدم ہونی چاہیے۔ ریحان کے معنی بعض کے نزدیک خوشبو کے ہیں۔ ابن جریرؑ نے ابوالعالیہؑ سے تخریج کی ہے۔ لم یکن احد من المقربین یفارق حتی یوتی بعض من ریحان الجنة فیشمہ لم یقبض۔ جملہ فروح و ریحان اما کا جواب بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ان شرطیہ کی جزاء محذوف ہوگی۔ موجودہ عبارت دلالت کرنے کی وجہ سے یہ پہلی ترکیب ہی رائج ہے کیونکہ ان کی جزاء اکثر حذف ہوتی رہتی ہے۔

علامہ رضی کہتے ہیں کہ فروح اما کا جواب ہے اور ان کے جواب کی ضرورت نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان جتنی اگر مک مجزوم جائز نہیں بلکہ مرفوع ہونا واجب ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ ”فروح و ریحان“ ان کی جزاء ہو اور اما کا جواب محذوف مانا جائے۔ تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہ دونوں کا جواب ہو۔

من اصحاب الیمین مفسرؑ نے من تعلیلہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عجیب لطیفہ:..... تفسیر مدارک میں ہے کہ سورۃ القدرت، سورۃ الرحمن، سورۃ واقعہ تینوں سورتوں میں کہیں لفظ اللہ نہیں ہے۔ اور مفسر محقق تھانویؑ فرماتے ہیں کہ سورۃ مجادلہ کی کوئی آیت لفظ اللہ سے خالی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بما سوار کلامہ اور ایسی پوری سورت کہ جس میں صرف ایک زیر ہو سورۃ اخلاص ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی آیت میں کفار کے عذاب کی علت ان کا کفر و شرک اور انکار قیامت بیان فرمائی تھی۔ آیت نحن خلقکم سے بعض تصرفات الہیہ کا ذکر ہے چونکہ ان میں نعمت ہونے کی شان ہے اس لئے اس کے بعد کفر و شرک تعجب انگیز ہے اور چونکہ وہ دلائل قدرت بھی ہیں۔ اس لئے انکار قیامت کی گنجائش نہیں ہے پھر کیسے ان دونوں غلط باتوں کا ارتکاب کر رہے ہو؟ اور چونکہ دلائل عقلیہ سے تو حید کا واجب اور قیامت

کا ممکن ہونا ثابت ہے اور امکان کے بعد اصل مدعا قیامت کا واقع ہونا ہے اور اس بارہ میں عقلی دلیل کے ساتھ قیامت واقع ہونے کے لئے عقلی دلیل کی بھی ضرورت ہے اور جس طرح قرآن قیامت کے امکان عقلی کو بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے واقع ہونے کو بھی بیان کرتا ہے لیکن ابھی منکرین کو قرآن کے کلام الہی ہونے میں ہی کلام ہے۔ اس لئے آیت فلا قسم انہ سے قرآن کی حقانیت کو اور پھر قیامت مجازات کے واقع ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں۔ اس مضمون سے تو حید بھی ثابت ہو رہی ہے۔

﴿تشریح﴾..... نحن خلقکم۔ یعنی اس بات کو تم کیوں نہیں مانتے۔ کہ پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کر دے گا۔ پس نعمت ہونے کے اعتبار سے اس سے تو حید اور دلیل قدرت ہونے کے لحاظ سے قیامت ثابت ہو رہی ہے۔

آگے پیدائش کے قدرے تفصیل ہے کہ بتلا و رحم مادر میں نطفہ سے کون انسان کو بناتا ہے۔ وہاں کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے کیونکہ جلا نا مارنا سب ہمارے قبضہ میں ہے جب یہ سب باگ ڈور ہمارے قبضہ میں ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ تمہاری ذات اور صورت جس طرح دونوں اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں ان کو باقی رکھنا بھی انہی کا انعام اور قدرت ہے۔

سائنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہار کر رہی ہیں:..... آج کل مشینوں کے ذریعہ بچوں کا پیدا کرنا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ اول تو آلات کے ذریعہ جو کام انجام دیا جاتا ہے وہ صنعت کہلاتی ہے۔ تخلیق نہیں۔ تخلیق بلا واسطہ آلات ہوتی ہے۔ پھر مشین میں رکھے ہوئے انڈوں میں جان ڈال دینا تو مشین کا کام نہیں وہ صرف اللہ کا پوشیدہ ہاتھ ہے۔ تیسرے ان مشینوں کا مادہ اور خود انسانی دماغ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے بات گھوم پھر کر اللہ ہی پر پہنچتی ہے۔

غرض کہ اللہ چاہیں تو تم کو اٹھالیں اور تمہاری جگہ یہاں اور مخلوق بسادیں۔ یا تمہیں کسی ایسے جانور کی صورت میں مسخ کر دیں جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو۔ اس لئے پہلی پیدائش پر دھیان کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔

آفاقی دلائل قدرت:..... افریتم ما تحرون۔ ان دلائل کے بعد اب آفاقی دلائل پر غور کرو۔ ہر چند تم زمین میں بیج ڈالتے ہو۔ لیکن اس کو پرورش کر کے زمین سے باہر نکالنا اور پھر لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے۔ کھیتی پیدا کر کے اس کو محفوظ رکھنا بھی اسی کا کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تپس نہ ہو کر رہ جائے۔ پھر تم سر پکڑ کر دو اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا نقصان ہو گیا۔ بیج پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔

افریتم الماء۔ یہ تیسری تنبیہ ہے یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے زمین کے خزانوں میں پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ ہم چاہیں تو پانی کڑوا کر سکتے ہیں کہ پینے کے کام نہ رہے۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے جس کا بڑا فرد تو حید ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پی کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ الحمد للہ الذی سقانا عذبا فرا تا برحمته ولم يجعلہ ملحا اجا بذنوبنا (ابن کثیر) آگے چوتھی تنبیہ ہے۔

افریتم النار۔ عرب میں کئی درخت جن کا نام مفسر نے لکھا ہے ایسے ہیں کہ جن کو گر کرنے سے آگ نکلتی ہے۔ جیسے ہمارے یہاں بانس، بتلاؤ کہ ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے تم نے یا ہم نے؟ سورہ یسین میں اس کا بیان گزرا ہے اس آگ کو دیکھ کر روزخ کی آگ یاد کرنا چاہئے کہ یہ بھی اسی کا حصہ اور انی نمونہ ہے۔

نیز اس میں سمجھ دار کے لئے یہ نکتہ بھی قابل التفات ہے کہ جو سرسبز درخت سے آگ نکال سکتا ہے۔ وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے بھی قادر ہے

اور مسافروں اور جنگل والوں کو چونکہ آگ سے بہت کام پڑتا ہے بالخصوص جاڑے کے موسم میں۔ اس لئے بیان میں مسافروں کی تخصیص کر دی
ورنہ کام تو آگ سے سب کو ہی پڑتا ہے بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب لکھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کے بعد بلسی انت یا
زب کہنا چاہیے۔

آیت میں آگ کے دو فائدے بیان کئے گئے دوزخ کی یاد دہنی فائدہ ہے اور دوسرا دنیاوی فائدہ ہے۔ پس جس ذات نے ایسی مختلف اور
کارآمد چیزیں پیدا کیں اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں ان سے تمتع کیا۔ تمہیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے اور نادانوں کی خود ساختہ خرافات سے اس
کے نام کی پاکی بیان کرنی چاہیے۔

قرآن کلام الہی ہے..... فلا اقسام۔ دلائل عقلیہ سے قیامت کا امکان ثابت ہونے کے بعد قرآن سے اس کا واقع ہونا ثابت ہے
مگر تم قرآن ہی کو نہیں مانتے۔ سو میں قسم کھاتا ہوں کہ قرآن کریم ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جس کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا کوئی شیطان
وغیرہ چھو بھی نہیں سکتا۔ اس کے مضامین پر مطلع ہونا چہ معنی؟ پس وہاں سے یہاں تک خاص طور پر فرشتہ ہی کے ذریعہ ہے۔ اور یہی نبوت ہے اور
شیاطین اس کو نہیں لا سکتے کہ کھانت وغیرہ کا احتمال نبوت میں خلل انداز ہو سکے۔ چنانچہ آیات نزل بہ الروح الامین و ما تنزلت بہ
الشیاطین میں اس کی صراحت تفصیل کر دی اور خاص طور سے فرشتہ کالانا اس لئے عرض کیا کہ اگر نبی کے علاوہ کسی فرشتہ کا بذریعہ کشف یا اخبار لوح
محفوظ پر مطلع ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ مستلزم نبوت نہیں۔ کیونکہ یہاں خاص اطلاع مقصود ہے اور وہ نبی ہی کو ہو سکتی ہے۔ لیکن فرشتہ کا لوح
محفوظ پر مطلع ہونا مطلقاً تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس قید کی بھی حاجت نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی
پیغمبروں کے دلوں میں یا آیات قرآنیہ کے آسمان سے زمین پر آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی آنے کی۔ یا نبی کو نبی کے معنی میں لیا جائے۔ تو مطلب
یہ ہوگا کہ قرآن کو بغیر طہارت و وضو کے چھونا نہیں چاہیے۔

لا اقسام۔ میں لا زماً ہے یا یہ مطلب ہے کہ مضمون اتنا واضح اور یقینی ہے کہ قسم کھانے کی حاجت نہیں ہے یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم ایسی
بٹی ہے جیسے سورۃ نجم کے شروع میں بیان ہو چکا ہے یعنی مطلقاً ستاروں کا غروب ہونا حضور ﷺ کے نبی اور خاتم النبیین ہونے کی نظیر ہے اور یوں تو
قرآن کی ساری قسمیں ہی عظیم ہیں۔ لیکن کہیں مطلوب کے خاص اہتمام اور تنبیہ کے لئے عظیم ہونے کی تصریح بھی فرمادی۔ چنانچہ یہاں اور
سورۃ فجر میں مجملہ مقام کا حاصل وہی ہے جو سورۃ شعراء کے اخیر میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ یہ قرآن کوئی جادو ٹوٹکا نہیں۔ کہ کاهنوں کی زئیل اور بے سرو
پا باتیں ہیں نہ شاعرانہ تنک بندیاں ہیں۔ بلکہ ایک مقدس معزز کتاب ہے جو کہ رب جہاں نے عالم کی ہدایت و تربیت کے لئے اتاری۔

دنیا کا نظام محکم: جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام قائم کیا۔ یہ ستارے ایک اہل قانون
کے مطابق روزانہ اپنے غروب سے، اسی کو عظمت و وحدانیت اور قہر انہ تصرف و اقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان حال سے شہادت
دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ و برتر ہستی کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہی اکیلا زمین، بادل، پانی، آگ، ہوا، مٹی اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا مالک ہے۔
کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو سورۃ کے شروع میں بیان ہوئے ہیں۔

باطنی نظام شمسی: اور کیا کوئی عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم
اور اس کی آیت اور تمام آسمانی صحیفوں سے عبارت ہے اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت اور رحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام
قائم فرمایا وہی خدا ہے پاک ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں
چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے کس کی مجال ہے کہ اس کو بدل سکے، یا غائب کر دے۔ اس کے انوار اور شعاعیں انہی دلوں میں یوری

طرح منعکس ہوتی ہے جو مانجھ کر پاک و صاف کر لئے جائیں۔ کیا ایسی دولت ہے جس سے نفع اٹھانے میں تم سستی اور کاہلی کرو اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا۔ اس سے بارش ہوگئی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ بخت ہی کے کارنامے ہیں۔

اسی طرح اس باران رحمت کی قدر و منزلت نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں ہے۔ سخت، بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک عظیم نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ جھوٹ کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔ یہاں تک کہ توحید اور قیامت کے واقع ہونے کا بھی انکار کئے دے رہے ہو اور ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو کہ گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار میں نہیں یا کبھی مرنا اور خدا کے یہاں جانا ہی نہیں۔

موت کا بھیانک منظر:..... اچھا جس وقت کسی تمہارے عزیز اور قرابت دار کی جان نکلنے والی ہو سانس حلق میں اٹک جائے موت اور جان کنی کی سختیاں گزر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور در ماندگی کا تماشا دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے تم تو صرف اس کی ظاہری حالت دیکھ رہے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر مطلع ہیں اور تم سے زیادہ اس کے حال سے واقف ہیں، تم اگر کسی دوسرے کے قابو میں نہیں ہو تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان اس کے بدن یا اپنی طرف کیوں نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل نحو استہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو، آنے والی سزا سے کیوں نہیں بچا لیتے، اگر اپنے ان دعوؤں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ، لیکن تم ایک سیکنڈ کے لئے روک نہیں سکتے ہو، اس کو اپنے ٹھکانہ پر پہنچنا ضروری ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی سچائی قرآن کریم ہے:..... حاصل یہ ہے کہ قرآن سچا ہے وہ بعث کے واقع ہونے کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے پس جب مقتضی پایا جا رہا ہے اور مانع کوئی ہے نہیں تو بعث کا واقع ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ لیکن اس پر بھی بدستور تمہارا انکار کئے چلے جانا بدالالت حال اس کو سترم ہے کہ تم جان اور روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو۔ یعنی اللہ اگر قیامت میں دوبارہ جان ڈالنا چاہے گا جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے مگر ہم ڈالنے نہیں دیں گے اور بعث نہیں ہونے دیں گے۔ تب ہی تو اتنے زور سے نفی کر رہے ہو۔ ورنہ جو شخص اپنے کو عاجز جانے وہ دلائل کے مقابلہ میں ایسے زور بردستی کی بات کیوں کہے۔ اور اگر اپنے کو اتنا زور دار سمجھتے ہو تو اس کا اس سے اچھا کیا موقع ہو گا جب کہ تمہارا محبوب جان کنی کی کشاکش میں مبتلا ہے۔ ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ تم بھی اس کی بے بسی دیکھ کر دلگیر ہو رہے ہو اور تمہیں واقعی رحم اور ترس آ رہا ہے پس کیوں نہیں اس کی روح کو نکلنے سے روک لیتے اور کیوں نہیں اس کو بدن میں لوٹا دیتے۔ لیکن اگر سمجھتے ہو کہ تمہارا اس پر بس نہیں تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ بعث پر بھی تمہارا بس نہیں ہوگا۔ اللہ تو نقل روح پر دونوں حالت میں قادر ہے۔ داخل سے خارج اور خارج سے داخل دونوں اس کے زیر تصرف ہیں۔ لیکن تمہارا ایک میں عاجز ہونا عینہ دوسرے میں عاجز ہونا ہے۔ پھر ایسے لایعنی دعوے کیوں کرتے ہو۔

مقام چونکہ قدرت کی نفی کا ہے اور علم کی نفی کا تعلق قدرت کی نفی کو سترم ہے اس لئے ”نحن اقرب“ میں بطور جملہ مقررہ لوگوں کے علم تاہم کی نفی فرمادی اور یہ دلیل کافی چونکہ منکرین کے لئے شافی نہ ہوئی۔ اس لئے بطور توجہ لا تبصرون فرمادیا۔ نیز اس تقریر سے چونکہ اللہ کی قدرت بھی ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے بعث کے ساتھ اس سے توحید بھی ثابت ہو رہی ہے۔ آگے فرق مراتب کے ساتھ بعث کی تفصیل ہے۔

مقربین اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا ذکر:..... فاما ان كان من المقربين۔ یعنی مرنے والا اگر مقربین میں ہے تو اعلیٰ درجہ کی روحانی جسمانی راحت و عیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا اور اصحاب الیمین سے ہے تب بھی کچھ کٹکا نہیں۔ اگر منسل خداوندی یا توبہ کے سبب اول مغفرت ہو جائے تو یہ کہنا ابتدا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنے والے کو یہ بتا دیتا ہے۔

مل جاتی ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو ان کی بد حالی کی پہلے ہی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ غرضیکہ انجام کی خبر مرنے سے پہلے ہی سنا دی جاتی ہے۔ لیکن اگر سزا کے بعد معفرت ہو تو یہ خوشخبری پھر انتہاء ہوگی۔ اور اصحاب الیمین کے لئے روح دریمحان کی صراحت نہ ہونا فرق مراتب کی طرف مشیر ہے کہ یہ مقربین سے کم درجہ ہیں۔

ان هذا لہو حق الیقین۔ جو کچھ مومنین اور مجرمین کو خبر دی گئی وہ بالکل یقینی ہے اسی طرح ہو کر رہے گا۔ تمہاری تکذیب سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ خواہ خواہ شبہات پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری میں لگو، اللہ کی تسبیح و تحمید میں جٹ جاؤ کہ یہی وہاں کی بڑی تیاری ہے۔ اس طرح ان مکذبین کی دل آزاری بے ہودگیوں سے بھی یکسوئی رہے گی۔

بخاری کی آخری روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔ کلمتان حبیبان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

لطاائف سلوک۔ فاما ان کان من المقربین۔ اللہ کا مقرب وہی ہے جسے وہ اپنا بنا لے۔

سُورَةُ الْحَدِيدِ

سُورَةُ الْحَدِيدِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَيُّ نَزْمِهِ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ فَاَللَّامُ مَزِيدٌ ۚ وَجِئَ بِمَا دُونَ مِنْ تَغْلِيظٍ لِلْأَكْثَرِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿١﴾ ۚ فِي صُنْعِهِ لَهُ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي بِالْإِنْشَاءِ وَيُمِيتُ
بَعْدَهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢﴾ ۚ هُوَ الْأَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ بِلاَ بَدَايَةِ وَالْآخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بِلاَ نِهَايَةِ
وَالظَّاهِرُ بِالْأَدِلَّةِ عَلَيْهِ وَالْبَاطِنُ ۚ عَنِ ادِّرَاكِ الْحَوَاسِ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣﴾ ۚ هُوَ الَّذِي خَلَقَ
السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا أَوَّلُهَا الْإِحْدُ وَآخِرُهَا الْجُمُعَةُ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ
الْكُرْسِيِّ اسْتَوَاءً يَلِيقُ بِهِ يَعْلَمُ مَا يَلْجُ يَدْخُلُ فِي الْأَرْضِ كَالْمَطَرِ وَالْأَمْوَاتِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا كَالنَّبَاتِ
وَالْمَعَادِنِ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ وَمَا يُعْرِجُ بُصْعُهُ فِيهَا ۚ كَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالسَّيِّئَةِ
وَهُوَ مَعَكُمْ يَعْلَمُ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤﴾ ۚ لَهُ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ
تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٥﴾ ۚ الْمَوْجُودَاتُ جَمِيعُهَا يُوَلِّجُ اللَّيْلُ يَدْخُلُهُ فِي النَّهَارِ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ اللَّيْلُ وَيُوَلِّجُ النَّهَارُ فِي
اللَّيْلِ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ النَّهَارُ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٦﴾ ۚ بِمَا فِيهَا مِنَ الْأَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ آمَنُوا
ذُومُوا عَلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ ۚ مِنْ مَالٍ مَنْ تَقَدَّمَكُمْ
وَيَسْتَخْلِفُكُمْ فِيهِ مَنْ بَعْدَكُمْ نَزَلَ فِي غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوكَ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا إِشَارَةً إِلَى
عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٧﴾ ۚ وَمَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ ۚ حِطَابٌ لِلْكَفَّارِ ۚ أَيُّ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ
الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ بِضِمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسَرَ الْخَاءِ وَبَفَتْحِهَا
وَنَصَبَ مَا بَعْدَهُ مِثْلَاقَكُمْ عَلَيْهِ ۚ أَيُّ أَخَذَهُ فِي عَالَمِ الدَّرَجَيْنِ أَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ ۚ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾ اَيُّ مَرِيْدِيْنَ الْاِيْمَانِ بِهِ فَبَادِرُوْا اِلَيْهِ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهِ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ اٰیٰتِ
 الْقُرْاٰنِ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ الْكَفْرِ اِلَى النُّوْرِ الْاِيْمَانِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ فِیْۤ اٰخِرَاجِكُمْ مِنَ الْكُفْرِ اِلَى
 الْاِيْمَانِ لَرءٍ وَّفٍ رَّحِيْمٌ ﴿٨٦﴾ وَمَا لَكُمْۢ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اَلَّا فِیْهِۦ اِدْعَاۡمٌ تُوْنُ اَنْ فِیۤ اِلٰمٍ لَا تَنْفِقُوْا فِیۤ سَبِيْلِ اللّٰهِ
 وَلِلّٰهِ مِیْرٰثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۢ بِمَا فِیْهِمَا فِیْصُلُ اِلَيْهِ اَمْوَالُكُمْ مِنْ غَیْرِ اَجْرِ الْاِنْفَاقِ بِخِلَافٍ مَا لَوْ اَنْفَقْتُمْ
 فَتَوْجِرُوْنَ لَا یَسْتَوِیۤ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لِمَكَّةَ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا
 مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا مِّنَ الْقَرِیْقَیْنِ وَفِیۤ قِرَآءَةِ الرِّفْعِ مُبْتَدَءٌ وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی الْحَنَّةَ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
 خَبِيْرٌ ﴿٨٧﴾ فَيَحَازِيْكُمْ مِّنْ ذٰلِ الَّذِیۤ یَقْرِضُ اللّٰهُ بِاِنْفَاقٍ مَّالَهٗ فِیۤ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَرْضًا حَسَنًاۤ اِنَّ یُنْفِقَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰی ﴿٨٨﴾
 فِیْضَعْفُهٗ لَهٗ وَفِیۤ قِرَآءَةِ فِیْضَعْفَهٗ بِالتَّشْدِیْدِ مِنْ عَشْرِ اِلَى اَكْثَرٍ مِنْ سَبْعٍ كَمَا ذَكَرَ فِی الْبَقَرَةِ وَلَهٗ مَعَ الْمَضٰۤءِ عَقَبَةٌ
 اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿٨٩﴾ مُّقْبَرٌۢ بِهِ رَضٰی وَاَقْبَالَ اُذْكَرُ یَوْمَ تَرٰی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُورُهُمْ بَیْنَ
 اَیْدِیْهِمْ اَمَامَهُمْ وَیَكُوْنُ بِاِيْمَانِهِمْ وَیَقَالُ لَهُمْ بُشْرٰیكُمُ الْیَوْمَ جَنَّتْ اٰی دُخُوْلُهَا تَجْرِیۤ مِنْ تَحْتِهَا
 اَلْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿٩٠﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنْفِقُوْنَ وَالْمُنْفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
 اَنْظَرُوْنَا اَبْصَرُوْنَا وَفِیۤ قِرَآءَةِ بَفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الطَّاءِ اٰی اَمْهَلُوْنَا نَقْتَبِسُ نَاخِذُ الْقَبَسِ وَالْاِضَآءَةُ مِنْ
 نُورِ كُمْ قِیْلَ لَهُمْ اِسْتَهْزَآءٌ بِهِمْ اَرْجِعُوْا وَّرَآءَ كُمْ فَالْتَمِسُوْا نُورًا فَرَجَعُوْا فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
 بِسُوْرِ قِیْلِ هُوَ سُوْرُ الْاَعْرَافِ لَهٗ بَابٌۢ بَاطِنُهُ فِیْهِ الرَّحْمَةُ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَظَاهِرُهُ مِنْ جِهَةِ الْمُنَافِقِیْنَ مِنْ
 قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿٩١﴾ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ عَلٰی الطَّاعَةِ قَالُوْا بَلٰی وَلَكِنْ كُنْتُمْ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ بِالْبِنَاقِ
 وَتَرَبَّصْتُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ الدَّوَابِّرُ وَاَرْتَبْتُمْ شَكَّكُمْ فِیۤ دِیْنِ الْاِسْلَامِ وَغَرَّتْكُمْ الْاَمَانِیُّ الْاِطْمَاعُ حَتّٰی جَآءَ
 اَمْرُ اللّٰهِ الْمَوْتُ وَغَرَّتْكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ ﴿٩٢﴾ الشَّیْطٰنُ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ بِالْبَیْءِ اَوِ النَّآءِ مِنْكُمْ فَدِیَّةٌ وَلَا مِنْ
 الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَا لَكُمْۢ النَّارُ هِیَ مَوْلٰیكُمْ اَوَّلٰی بِكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿٩٣﴾ هِیَ اَلَمْ یَاۤنِ یَحْنُ لِلَّذِیْنَ
 اٰمَنُوْا نَزَلَ فِیۤ شَانَ الصُّحَابَةِ لَمَّا اَكْثَرُوْا الْمَزَاحَ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ بِالتَّخْفِیْفِ
 وَالتَّشْدِیْدِ مِنَ الْحَقِّ الْقُرْاٰنِ وَلَا یَكُوْنُوْا مَعْطُوْفٌ عَلٰی تَخْشَعِ كَالَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِ الْیَهُودِ
 وَالنَّصَارٰی فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ الزَّمَنُ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ اَنْبِیَآئِهِمْ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ لَمْ تَلِنْ لِّذِكْرِ اللّٰهِ وَكَثِیْرٌ مِنْهُمْ
 فٰسِقُوْنَ ﴿٩٤﴾ اَعْلَمُوْا حِطَابَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ الْمَذْكُوْرِیْنَ اَنَّ اللّٰهَ یُحِیُّ الْاَرْضَۢ بَعْدَ مَوْتِهَاۤ بِالْبَنَاتِ فَكَذٰلِكَ
 یَفْعَلُ بِقُلُوْبِكُمْ بِرَدِّهَا اِلَى الْحُشُوْعِ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ اَلٰیٰتِ الدَّٰلَةِ عَلٰی قُدْرَتِنَا بِهٰذَا وَغَیْرِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

﴿۱۹۵﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ مِنَ التَّصَدِّقِ أَدْعَمَتِ النَّاءُ فِي الصَّادِ أَيْ الَّذِينَ تَصَدَّقُوا وَالْمُصَّدِّقَاتِ اللَّاتِي تَصَدَّقْنَ وَفِي قِرَاءَةِ تَخْفِيفِ الصَّادِ فِيهِمَا مِنَ التَّصَدِّقِ الْإِيمَانِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا رَاجِعٌ إِلَى الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ بِالتَّغْلِيبِ وَعَطَفَ الْفِعْلَ عَلَى الْإِسْمِ فِي صِلَةٍ أَلْ لَّانَ فِيهَا حَلٌّ مَحَلُّ الْفِعْلِ وَذِكْرُ الْقَرْضِ بِوَصْفِهِ بَعْدَ التَّصَدِّقِ تَقْيِيدٌ لَهُ يُضَعِّفُ وَفِي قِرَاءَةِ يُضَعِّفُ بِالتَّشْدِيدِ أَيْ قَرْضُهُمْ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۖ الْمُبَالِغُونَ فِي التَّصَدِّقِ وَالشَّهَادَةِ عِنْدَ رَبِّهِمْ عَلَى الْمُكَذِّبِينَ مِنَ الْأَمَةِ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الدَّالَّةِ عَلَىٰ وَحْدَانِيَّتِنَا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۹۷﴾ النَّارِ

ترجمہ.....: سورہ حدیذ مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں بھی (یعنی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ لام زائد ہے اور زمین کی بجائے استعمال کیا گیا ہے اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اور وہ (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کارگیری میں) حکمت والا ہے آسمان و زمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی (پیدا کر کے) زندگی دیتا ہے اور وہی (اس کے بعد) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی اول ہے (سب سے پہلے جس کی کوئی ابتداء نہیں ہے) اور وہی آخر ہے (ہر چیز کے بعد ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے) اور وہی ظاہر ہے (دلائل کی روشنی میں) اور وہی (جو اس کی گرفت) سے مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا (دنیا کے دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر ڈالا) پھر عرش قائم ہوا (عرش سے کرسی مراد ہے اور قائم ہونا اس کے شایان شان ہے) وہ جانتا ہے زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے (جیسے بارش اور مردے) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے بنریاں اور معدنیات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے (جیسے رحمت و رحمت) اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (جیسے اچھے و برے اعمال) اور وہ (اپنے علم سے) تمہارے ساتھ رہتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب چیزیں (کل کی کل موجودات) لوٹ جائیں گی وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے) اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے (جو کچھ دل میں اسرار و اعتقادات ہوتے ہیں) تم لوگ ایمان لے لو (ایمان پر برقرار ہو) اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (یعنی وہ مال جو پہلوں سے تمہیں ملا ہے اور تم سے تمہارے بعد والوں کو ملے گا۔ یہ آیت غزوہ عسیرہ یعنی غزوہ تبوک میں نازل ہوئی ہے) سو جو لوگ تم سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں (حضرت عثمان کی طرف اشارہ ہے) ان کو بڑا ثواب ملے گا اور کیا سبب ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے (کفار کو خطاب ہے یعنی ایمان لانے سے تمہارے لئے کیا رکاوٹ ہے) اللہ پر حالانکہ رسول تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور تم سے لیا گیا تھا (اغذضہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے اور دونوں فتح اور بعد کے نصب کے ساتھ بھی ہے) عہد (یعنی اللہ نے تم سے روز اول عہد لیا تھا جب کہ تم سے الست بر یکم کہہ کر شہادت لی تھی تم سب نے اقرار کر لیا تھا) اگر تم ایمان لانا چاہو (ایمان لانے کا ارادہ کر دو فوراً کاربند ہو جاؤ) وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیات (قرآن) بھیجتا ہے تاکہ وہ (کفر کی) اندھیروں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے آئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر (کفر سے ایمان کی طرف لانے میں) بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہیں (ایمان لانے کے بعد) کیا رکاوٹ ہے کہ

خرچ نہیں کرتے (الان لا تقابلون کالام میں ادعام کر دیا گیا ہے) اللہ کی راہ میں حالانکہ سب آسمان و زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا (مع ان تمام چیزوں کے جو آسمان و زمین میں ہی یعنی سارا مال اللہ کے پاس پہنچ جائے گا بغیر خرچ کے ثواب کے البتہ اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو تمہیں ثواب ملے گا) تم میں وہ لوگ برابر نہیں جو فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے۔ وہ لوگ درجہ میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے سب سے (دونوں فریقوں میں۔ اور ایک قراءت میں رفیع کے ساتھ مبتداء ہے) اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (وہ ان پر تمہیں بدلہ دے گا) کوئی ہے جو لٹہ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کرے) عمدہ طریقہ پر (صرف اللہ کے لئے صرف کرے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے بڑھاتا ہے (ایک قراءت میں فیضہ تشدید کے ساتھ ہے۔ ثواب کا بڑھانا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے) اور اس کے لئے (اس بڑھوتری کے) پسندیدہ اجر ہے (جس کے ساتھ خوشنودی اور عنایت بھی شامل ہوگی آپ یا دیکھتے جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نوران کے سامنے (آگے) اور دائمی طرف دوڑتا ہوگا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوش خبری ہے ایسے باغوں (میں جانے) کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے جس روز منافق مرد اور عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کرو (ہمیں دیکھو، ایک قراءت میں انظر ونا فتح ہمزہ اور کسرہ طاک کے ساتھ ہے یعنی ہمارا انتظار کرو) ہم بھی کچھ روشنی حاصل کر لیں (شعلہ اور چمک حاصل کر لیں) تمہارے نور سے (ان کو جواب دیا جائے گا) (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) تم پیچھے لوٹو پھر روشنی تلاش کرو (چنانچہ وہ پلٹیں گے) کہ وہ ان کے (اور مسلمانوں کے) درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی (بعض کی رائے ہے کہ وہ دیوار اعراف ہوگی) جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب (مسلمانوں کے لئے) رحمت اور بیرونی جانب (منافقین کے لئے) عذاب ہوگا۔ یہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم (کہا ماننے میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی (نفاق) میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصیبتوں) کے منظر رہا کرتے تھے اور تم دین اسلام میں شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں (آرزوؤں) نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا (یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم (موت) آچکا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے معاملہ میں دھوکا میں ڈال رکھا تھا) غرض آج تم سے لیا نہیں جائے گا (بوخذ یا اور تا کے ساتھ ہے) نذیر اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہی تمہارا ساتھی (تمہارے لائق) ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ کیا ابھی وقت (زمانہ) نہیں آیا ایمان والوں کے لئے (صحابہ جب بکثرت ہمسایہ مذاق کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی) کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو نازل ہوا (نزل تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) دین حق اس کے سامنے جھک جائیں اور نہ ہو جائیں (تخفیف پر عطف ہے) ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر ان پر ایک مدت دراز گزر گئی (ان کے اور انبیاء کے درمیان کا زمانہ) پھر ان کے دل سخت ہو گئے (اللہ کی یاد سے زمانے نہیں) اور بہت سے آدمی ان کے نافرمان ہیں۔ یہ بات جان لو (مذکورہ مومنین کو خطاب ہے) کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے (ہریالی آگا کر۔ ایسے ہی تمہارے دلوں کو خوف الہی کی طرف پلٹ سکتا ہے) ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیے ہیں (جو ہماری قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں، یہاں بھی اور دوسرے مقامات میں بھی) تاکہ تم سمجھو۔ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد (تصدقہ سے ماخوذ ہے تاکہ صادمیں ادعام کر دیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ اللین تصدقوا) اور صدقہ کرنے والی عورتیں (جو خیرات کرتی ہیں، ایک قراءت میں دونوں لفظ تخفیف صادم کے ساتھ ہیں۔ یعنی ایمان کی تصدیق) اور اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں (مرد و عورتیں دونوں مراد ہیں بطور تغلیب کے اور فعل کا عطف الف لام کے تحت جو اسم ہے اس پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اسم میں معنی فعل سرایت کر گئے ہیں اور صدقہ کے بعد قرض کو صفت کے ساتھ بیان کرنے سے صدقہ بھی اسم صفت کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے) وہ صدقہ بڑھا دیا جائے گا (ایک قراءت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے یعنی ان کا قرضہ) ان کے لئے اور ان کے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق ہیں (مبالغہ کا صیغہ ہے) اور تمام امتوں میں سے جھٹلانے والوں کے خلاف) گواہ ہوں گے اپنے پر

دروکار کے حضور، ان کے لئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو انہوں نے جھٹلایا (جن سے ہماری وحدانیت معلوم ہو رہی تھی) یہی لوگ دوزخی ہیں۔

تحقیق و ترکیب: سبحانہ۔ سبحانہ اگرچہ خود متعدی ہے لیکن لام زائد تاکید کے لئے ہے۔ جیسے نصحت لہ، یا لام تعلیلیہ مانا جائے یعنی تسبیح کی غرض صرف رضائے الہی ہے۔ کسی اور غرض کے لئے نہیں ہے یہ لفظ بعض سورتوں کے شروع میں صیغہ ماضی سے اور بعض میں صیغہ مضارع سے آیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کرنے کے لئے کہ اس کی تسبیح ہر حال میں ہے اور یہی تسبیح اختیار ہی ہے کہ ہر وقت اس کی تزیہ کی جائے۔ مسلمات۔ عالم علوی اور اراض سے عالم سفلی مراد ہے اور چونکہ غیر ذوی العقول بہ نسبت ذوی العقول زیادہ ہیں۔ اس لئے سب کو ایک شمار کر کے مالا لایا گیا۔ ذوی العقول کی تسبیح تو بالاتفاق قوی ہیں۔ البتہ غیر ذوی العقول کی تسبیح میں اختلاف ہے۔ بعض ان میں بھی تسبیح قوی مانتے ہیں۔ گو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان میں صرف تسبیح حالی ہوتی ہے۔ وان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحہم۔

ہو الاول۔ ابتداء حقیقی اور انتہا حقیقی صرف اللہ کے لئے ہے۔ حدیث اول مطلق اللہ نوری کو ابتداء اضافی پر۔ اسی طرح جنت و جہنم کو انتہاء اضافی پر محمول کیا جائے گا۔ صرف وجود حقیقی ہی کے لئے بقاء حقیقی ذاتی ہے۔

فی ستة ایام۔ دن اور رات کا تعلق چونکہ زمانہ سے ہے اور زمانہ زمین کے سورج کے گردش کرنے سے بنتا ہے۔ لیکن وہاں یہ سب کچھ نہیں تھا اس لئے مفسر نے تاویل کی کہ دنیا کے چھ دنوں کی مقدار مراد ہے اور اس میں تعینات فرض کر کے ان کا نام اتوار، جمعہ کر دیا گیا۔

ثم استوی۔ یہ کنایہ ہے کہ اللہ کے علم و قدرت اور انفرادتہ تیر سے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ جلس فلان علی سریر الملک۔ یعنی سلطنت و حکومت کی باگ دوں سنبھال لی۔ حالانکہ وہاں نہ تخت ہوتا ہے اور نہ بیٹھا اور ثم عظمت کے لئے لایا گیا ہے۔

وما یخرج فیہا۔ صرف اعمال حسنہ اور پر جاتے ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ اس لئے مفسر کو اعمال سیئہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

وہو معکم۔ تاویلات تجمیع میں ہے کہ یہاں معیت سے مراد وہ نہیں جو عوام و خواص سمجھتے ہیں۔ بلکہ ذوق کشفی شہودی کی معیت ہے یعنی مراتب شہود کے اعتبار سے اللہ کی معیت ہمارے ساتھ ہے۔ ان کنتم فی المشہدۃ الفعلی فانما معکم بالتجلی الذاتی ما اتقدم ولا اتاخر عنکم۔

اغنوا باللہ۔ دلائل تو حید کے بعد ایمان و رسالت و اتفاق کا ذکر ہے۔ چونکہ مسلمان مخاطب ہیں۔ اس لئے مفسر نے دوام ایمان اور بقاء ایمان مراد لیا ہے۔ کیونکہ دلائل تو حید میں غور و فکر سے زیادتی اور دوام ایمان حاصل ہوتا ہے۔

مستخلفین۔ یعنی جس طرح پہلوں کے پاس مال نہیں رہا۔ تمہارے اور تمہارے بعد والوں کے پاس بھی نہیں رہے گا، کیونکہ حقیقی ملکیت اللہ کی ہے انسان تو صرف خلیفہ تصرف ہے۔ اس لئے دوسرے کے مال میں انسان بخل کیوں کرتا ہے اور صرف بے جا کیسے کرتا ہے؟ سورۃ کوئی ماننے کی صورت میں اس کو غزوہ تبوک سے متعلق کہنا مشکل ہے الا یہ کہ اس کوئی ہونے سے مستثنیٰ کر لیا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ نے اس میں بڑھ چڑھ کر مالی تعاون پیش کیا۔ چنانچہ موخر الذکر نے تین سولہ ہوائے اونٹ اور ہزار دینار کی پیشکش کی۔

مدینہ سے چودہ مرحلہ کے فاصلہ پر شام کے ایک علاقے کا نام تبوک ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف سے واپسی پر ۹ھ میں بڑے اہتمام سے فوج کشی فرمائی۔ لیکن بیس روز قیام کے باوجود لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ جزیہ پر مصالحت ہو گئی۔ یہ آنحضرت کا سب سے آخری غزوہ ہے۔ جیسا کہ بدر کا معرکہ سب سے اول غزوہ شمار ہوتا ہے۔

ان کنتم مؤمنین: بظاہر اول کی آیت و مبالغہ کم تو ممنون میں اور اس آیت میں منافات معلوم ہو رہی ہے جس کا ایک جواب تو مفسر کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے کہ یہاں ارادہ ایمان مراد ہے اور پہلی آیت میں ایمان نہ لانے پر تعجب کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد حضرت موسیٰ و عیسیٰ پر ایمان لانا ہے جو مقتضی ہے آنحضرت پر ایمان لانے کے لئے جس پر اظہار تعجب پہلی آیت میں کیا گیا ہے۔

و ما لکم الا تنفقوا: یعنی مال تو بہر صورت چھوٹے گا۔ خواہ بلا اجر کے یا اجر کے ساتھ پھر اجر حاصل کر کے کیوں مال نہیں چھوڑتے۔ یعنی فی سبیل اللہ خرچ کر کے اس میں ایک چیز جاتی ہے تو دوسری آتی ہے۔

لا یستوی منکم من انفق۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ لا یستوی من انفق و ما انفق۔ لیکن ما انفق کی بجائے اولئک اعظم درجۃ پر اکتفا کر لیا گیا۔

اولئک اعظم۔ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے اول مال کی پیش کش اور کل اثاث البیت لا حاضر کیا۔ جس سے ان کی امتیازی فضیلت ثابت ہوئی۔

وعد اللہ الحسنی۔ یہ کل مبتدائی خبر ہے جس میں ضمیر محذوف ہے اسی وعد اللہ الحسنی الجنتہ۔

من ذالذی۔ من استفہامیہ مبتداء ہے۔ قرض اللہ صلہ ہے اور انفاق کو تنزیل لاقرض فرمایا گیا۔ ورنہ حقیقی مالک تو اللہ ہے یا اس کے صلہ میں بڑھ چڑھ کر چونکہ صلہ ملتا ہے اس لئے قرض فرمایا گیا۔

فیضعفہ۔ ابو عمر اور اکثر قراقرض کے ساتھ پڑھتے ہیں اور عامہ کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔ جواب استفہام کے طور پر۔ ابن عامر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولہ اجر کریم۔ فیضعفہ سے مراد چونکہ اجر ہے اس کے بعد ”اجر کریم“ بظاہر تکرار ہے۔ مفسر نے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے رضائے الہی مراد ہے جو اجر و ثواب سے بڑھ کر ہے۔ علامہ زحمریؒ اس جملہ کو حالیہ کہتے ہیں۔ پس اجر بلحاظ کیت تو مضاف ہوگا اور بلحاظ کیفیت کریم ہوگا۔ یعنی فی نفسہ بھی بہترین ہوگا اور بلحاظ مقدار بھی عظیم۔

یوم۔ اذکر محذوف کا مفعول ہے یا اجر کریم اور فیضعفہ کا ظرف ہے یا تقدیر اس طرح ہے یو جردن یوم تری۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس میں عامل یسعی ہو۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ فیضعفہ عامل ہو اور یسعی حال ہو اور ”بین ایدیہم“ یسعی کا ظرف یا نور ہم سے حال ہو۔

نور ہم۔ نور ایمان و عمل مراد ہے۔ اسی لئے سامنے اور داہنی جانب کی تخصیص کی۔ کیونکہ نیکیاں اسی طرف ہوتی ہیں۔ گویا داہنے ہاتھ میں ایمان کی تارچ ہوگی کہ جس کی روشنی اور کرنیں سامنے کا راستہ دکھلا رہی ہوں گی۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تمام مستحقین مراد ہیں شرف کی وجہ سے ان دو جانبوں کا ذکر فرمادیا۔ تسمیہ الكل باسم الجزء کے طریقہ پر۔

وبا یمانہم۔ مفسر نے ویکون مقدّر مان کر متعلق محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔ جو یسعی کا معطوف علیہ ہے بین ایدیہم پر اس کا عطف درست نہیں کیونکہ سعی سامنے ہوا کرتی ہے وہی جانب نہیں ہوتی۔

بشر اکم الیوم جنت۔ بشر اکم مبتداء ہے جنات تقدیر مضاف خبر ہے اور الیوم ظرف ہے۔ پھر یہ جملہ یتال مقدّر کا مفعول منصوب ہو جائے گا خالدین۔ حال ہے اس میں عامل مضاف محذوف ہے۔ ای بشر اکم و خلکم جنات خالدین فیہما اس میں ضمیر مخاطب فاعل کو حذف کر دیا مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ پھر مضاف حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو گیا۔ بشر اکم کو عامل نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مصدر ہے اس کو عامل بنانے سے فصل باجہنی لازم آجائے گا۔

انظرونا۔ یعنی ہماری طرف رخ کر کے ہمیں دیکھ لو تو چہروں کے نور سے ہمارا راستہ کٹ جائے گا۔

فَضْرِبْ - بظاہر یہ قبیل ارجعوا واداء حکم پر معطوف ہے اس طرح یہ استعارہ تمثیلیہ ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت و جہنم کے درمیان اعراف قائم کر دیا جائے گا جو حجاب ہوگا۔

بسنور - بازائد ہے سور المدینہ شہر کی چار دیواری شہر پناہ کو کہتے ہیں یہاں مقام اعراف مرلا ہے۔

لہ باب - یہ جملہ سور کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مجرور ہے اور باب کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مفعول ماننا بہتر ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع اقرب ہونا چاہیے۔ اور زید بن علی اور عمر بن عبید نے فضر ب کو معروف پڑھا ہے۔

باطنہ ای باطن السور او الباب۔

ینادونہم۔ اول ضمیر منافقین کی طرف اور دوسری مؤمنین کی طرف راجع ہے۔

الم یان - عام قراءت سکون، ہمزہ اور کسرتوں کے ساتھ ہے باب ری سے مضارع معتل ہے محذوف الیاء اسی لم یجی الخ آن ینین حان یحین کی طرح ہے بلحاظ وزن اور معنی کے جیسے غیر ناظرین اتاہ۔

عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ قلوب کی قساوت یہ ہے کہ دل مضبوط ہو جائیں قرآن کی تلاوت سے بھی ان میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔ بلکہ تمکین و استقامت حاصل ہو جائے جیسے دل کا حال پہلے تھا وہی کیفیت رہے۔ جیسا کہ بعض کا مقولہ ہے۔ حالی قبل الصلوۃ کحالی فی الصلوۃ اس میں شہودی حالت کے استمرار کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے ہی قسمت قلوب ہم میں بظاہر تفتیح ہے مگر فی الحقیقت تخمین ہے کیونکہ حالت تمکین و شہودی کی طرف اشارہ ہے۔

بقلمی فرماتے ہیں کہ یہ آیت ضعفاء مریدین کا حال بیان کر رہی ہے جن میں ابھی حظوظ نفس کی طرف میلان باقی ہے، ذکر اللہ کرنے سے ان میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل صفو وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی محبت کی آگ میں جسم اور خاک ہو جاتے ہیں۔

وما نزل من الحق - ذکر اللہ سے مراد بھی اگر قرآن لیا جائے تو پھر یہ عطف ایک وصف کا دوسرے وصف پر ہو جائے گا، ورنہ عطف خاص علی العام ہوگا قرآن جامع ہے ذکر و عطا کو۔

اعلموا - یہ مزاح کرنے والے لوگوں کو خطاب ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بلکہ جس طرح باران رحمت سے زمین اہلہا اٹھتی ہے اسی طرح ذکر و فکر و انابت سے دل کی کھیتیاں ہری بھری ہوں جائیں گی۔

ان المصدقین۔ ابن کثیر تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی تصدیق ایمان کرنے والے۔

واقصروا - یعنی اگرچہ لفظ جمع مذکر ہے مگر مراد مذکر و مونث دونوں ہیں تعلیماً ورنہ اگر صرف مذکر مراد لئے جائیں گے تو صلہ کے تمام ہونے سے پہلے اس پر عطف لازم آئے گا۔ خطیب میں لکھا ہے کہ اقروضوا اللہ کا عطف معنی فعل پر ہو رہا ہے جو المصدقین میں ہے۔ کیونکہ الف لام معنی میں الذین کے ہے اور مصدقین اصدقوا کے معنی میں ہے۔ ای الذین اصدقوا واقروضوا اللہ تفسیری عبارت و ذکر القروض اس شبہ کا جواب ہے کہ مصدقین کے معنی صدقہ کے ہیں اور صدقہ اور قرض ایک ہے۔ پھر صدقہ کے بعد قرض کو کیوں ذکر کیا گیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ صدقہ کے لئے صفت حسن ثابت کرنے کے لئے بطور تمہید قرض کا ذکر کیا گیا ہے یعنی قرض حسنہ خوشدلی سے صدقہ کا نام ہے اس لئے تکرار نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے مطلق صدقہ کا ذکر تھا اور یہاں صدقہ حسنہ مراد ہے۔

یضعف۔ ابن عامر، ابن کثیر کی قراءت تشدید کے ساتھ یعنی اعمال نامہ میں نیکیاں دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائیں گی۔

الہم - مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ فعل کی اسناد ہم کی طرف ہو سکتی ہے۔

واللین امنوا - اللین مبتداء اول، اولشک مبتداء ثانی، ہم مبتداء ثالث ہے اس طرح خبر تیسرے مبتداء سے مل کر دوسرے کی اور وہ پہلے مبتداء کی خبر ہو جائے گی۔ اور ہم ضمیر فصل بھی ہو سکتی ہے۔

صدق۔ اکثر غلطی سے آتا ہے صدیق مبالغہ ہے وہ تصدیق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتا ہے جو نبوت سے نیچے ہے۔ یہاں عام تصدیق ایمانی مراد نہیں ہے۔

والشهداء۔ اس کا پہلے پر عطف کیا جائے تو شہداء پر عطف تام ہوگا۔ لیکن اگر اس کو مبتداء بنایا جائے تو اس کی خبر کی دو صورتیں ہوں گی۔ عندہم بھی خبر ہو سکتی ہے اور لہم اجر ہم بھی خبر بن سکتی ہے خواہ پورا جملہ خبر ہو یا صرف لہم، اجر ہم اس کا قائل ہوگا۔ مفسر نے علی المکذبین سے اشارہ کیا ہے شہداء شہاد کی جمع ہے بمعنی شہید۔

رابط آیات..... کچھلی سورت تسبیح کے حکم پر ختم ہوئی اور یہ سورت تسبیح کی خبر سے شروع ہو رہی ہے اور اس خبر اور دوسرے افعال و صفات سے مقصود تو حید ثابت کرنا ہے۔ پھر آیت امنوا باللہ الخ سے تو حید قبول کرنے کا حکم ہے اور تو حید چونکہ اعتقاد و رسالت کے بغیر معتبر نہیں اس لئے ایمان بالرسول کا حکم بھی شامل ہے۔ اسی کے ساتھ کمال ایمان کی ایک بڑی علامت اتفاق کا حکم ہے جہاد میں جان و مال دونوں قربان کرنے پڑتے ہیں اور جہاد اشاعت اسلام میں معین ہوتا ہے جس کا حاصل یہ نکلا کہ خود بھی ایمان لاؤ اور دوسروں کے ایمان لانے کی کوشش بھی جاری رکھو کہ ان کی خوبیوں پر اجر اور ان کے چھوڑنے پر طاعت ہے۔

اس کے بعد آیت یوم تری المومنین سے دو باتیں ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ ایک کامل ایمان کا مطلوب و مامور بہ ہونا جس میں اقرار باللسان تصدیق بالہیجان، عمل بالا ارکان تینوں کا مجموعہ و مقصود ہے۔ اسی لئے منافقین پر عتاب کیا جا رہا ہے جنہیں نہ تصدیق حاصل ہے اور نہ خشوع و خضوع جس کی وجہ سے وہ ایمان اور کمائی ایمان دونوں سے محروم ہے۔ دوسرے ایمان کامل اور اتفاق کی فضیلت اور بشارت ارشاد ہے ہر چند کہ یہ مضمون پہلی آیات میں بھی تھا۔ مگر تبجا اور یہاں مستقل طور پر ”مقصود ہونا کر“ ہے اور عنوان بھی مختلف ہے اس لئے تکرار نہیں کیا جاسکتا اور درمیان میں منافقین کے ساتھ اور اخیر میں مومنین کے ذکر کے بعد کفار کی مذمت و عقوبت کا بیان بطور مقابلہ ہے۔

روایات:..... مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ انت الظاہر لیس فوقک شیء وانت الباطن فلیس دونک شیء۔ تو اس میں فوق سے مراد ظاہر ہونے میں فوق کی لٹی ہے۔ اسی طرح دون کے معنی یہ ہیں کہ آپ سے بڑھ کر باطنی اور خفی ہونے میں کوئی نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ظاہر ہونا بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ ذرہ ذرہ میں اسی کا جلوہ نمایاں ہے اور اس سے بڑھ کر باطن بھی کوئی بھی نہیں۔ اس کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔

قلیل ارجعوا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ان اللہ یعطی لكل مومن نورا ولكل منافق نورا فاذا استعوا علی الصراط سلب اللہ نور المنافقین وقال المنافقون انظرونا نقتبس من نور کم وقال المومنون اقم لنا نورا فلا یدکر عند ذلک احدا احدا۔

لیکن ابن جریر اور بیہقی کی روایت ہے فقال المومنون ارجعوا وراء کم من حیث جنتکم من الظلمۃ فالتمسوا ہنالک الیوم۔

اور ابوامامہ کی روایت ہے۔ قیل لہم ارجعوا وراء کم فالتمسوا نورا وہی خدعة اللہ تعالیٰ التي خدع بها المنافقین۔ حیث قال یخدعون اللہ وهو یخادعہم فیرجعون الی المکان الذی قسم فیہ النور فینصرفون الیہم اور بقول صاوی یہ معنی ہیں کہ دور ہو جاؤ ذلت کے ساتھ ہمارے پاس تمہارے لئے نور نہیں ہے۔ گویا یہ ان کے ساتھ استہزاء ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ اپنے بوقت میں واپس جا سکتے ہیں۔ اور نہ دنیا میں۔

آیت الم یان للذین کے سلسلہ میں ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہؓ ہنس رہے ہیں۔ فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اللہ کا فرمان آگیا جو اس بے فکری سے ہنس رہے ہو۔ تمہارے اس ہنس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس ہنس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا کہ جتنے نے ہوا اتنے ہی روؤ۔ صحابہؓ کے ایک کو نہ خوشحال ہونے سے یہ ہنسی مذاق ہوئی۔ جس کی وجہ سے عبادت میں بھی سستی ہونے لگی تھی۔

ابن معوٰذ فرماتے ہیں کہ ہمارے مسلمان ہونے کے چار سال بعد یہ آیت عتاب نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ سبح لله۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ ہی کی زبان حال یا قال سے یادوں سے تسبیح کرتی ہے اور سب کے وجود و عدم کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ ہے۔ سب جگہ اسی کا حکم و اختیار چلتا ہے۔ کوئی طاقت اس کے ٹکونی تصرف کو روک نہیں سکتی۔ جب کوئی نہ تھا تب بھی وہ موجود تھا اور کوئی نہ رہے تب بھی وہ موجود رہے گا۔ ہر چیز کی نمود و بود اسی کے وجود سے ہے۔ پھر اگر اس کا وجود ظاہر و باہر نہ ہو تو اور کس کا ہو گا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے کنہ ذات اور صفات کی تہہ تک عقل و ادراک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کر سکتا، نہ اپنی رائے و قیاس سے اس کی کچھ کیفیت بیان کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہر حال وہ اندر بھی باہر بھی ظاہر باطن بھی ہے اور کھلے چھپے سب احوال کا جاننے والا ہے۔ ظاہر غالب ایسا کہ اس سے اوپر کوئی طاقت نہیں۔ باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقعہ نہیں کہ اس کی آنکھ سے اوچھل ہو سکے۔

علم الہی کا احاطہ یعلم ما یلج۔ اس کے علم کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ بارش کا پانی اور بیج مثلاً زمین کے اندر جاتا ہے اور یہ کھیتی درخت وغیرہ جو کچھ اس سے باہر نکلتے ہیں وہ سب سے واقف ہے۔ آسمان سے فرشتے احکام، قضاء و قدر کے فیصلے، بارش وغیرہ جو چیزیں اترتی ہیں۔ اور اسی طرح جو اعمال اور فرشتے اوپر چڑھتے ہیں۔ سب کی اس کو خبر ہے۔ کسی وقت بھی اللہ تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو، جس حال میں ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ اور سب کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اس کی قلم سے نکل کر کہاں جاسکتے ہو، سب جگہ اسی کی حکومت ہے اور آخر سب کاموں کا فیصلہ وہی سے ہوگا۔

پہلے لہ ملکت السموات فرمانا زندگی اور موت دینے کے سلسلہ میں تھا اور یہاں بعث و قیامت کی تحقیق لئے ہے اس لئے آیت میں تکرار نہیں رہا۔ اللہ کبھی رات بڑھاتا ہے دن گھٹاتا ہے اور کبھی دن بڑھاتا ہے رات گھٹاتا ہے کروہ دلوں کے ارادوں، نیتوں، دوسووں اور خطروں سے باخبر رہتا ہے۔

مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو جو مال تمہارے پاس ہے وہ اللہ کا ہے۔ تمہاری امانت میں دے رکھا ہے کہ تم محض خزانچی ہو۔ جہاں مالک بتلائے اس کی نیابت سے خرچ کرو۔ دیکھو یہ مال کبھی دوسروں کے ہاتھ میں تھا، تمہارے پاس آیا۔ ایسے ہی سمجھو کہ تمہارے پاس سے کہیں اور جائے گا۔ پس جب یہ مال اوروں کے پاس نہ رہا تو تمہارے پاس بھی نہیں رہے گا۔ تو ایسی بے وقار اور ہرجائی چیز سے دل لگانا کہاں کا انصاف ہے۔ اور ضروری اور مناسب موقعوں سے کترانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ لہذا جن لوگوں میں ایمان اور اتفاق نہیں انہیں چاہیے کہ اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کریں۔ اور جن میں یہ صفت و خصلت موجود ہے۔ انہیں اسی راستہ پر قائم رہنا چاہیے۔

ایمان فطرت کی پکار ہے و مالکم لا قومون۔ اللہ پر ایمان لانے، یقین و معرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز رکاوٹ بن سکتی ہے۔ آخر اس میں سستی کیسی، جبکہ اللہ کا رسول تمہیں تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری فطرتوں میں پیوست کر دیا گیا ہے اور جس کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ جس کا کچھ نہ کچھ اثر آج بھی قلوب سلیم میں پایا جاتا

نہے۔ پھر دلائل اور پیغمبروں کے ذریعے، اس ازلی بیان و عہد کی یاد دہانی بھی کرائی جاتی رہی اور پچھلے انبیاء نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ آخری پیغمبر کی پیروی کریں۔ چنانچہ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے خود آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر طاعت و فرمانبرداری اور اللہ کی راہ میں مال قربان کرنے کا پکا عہد کیا ہے۔ پس اس کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے جب کہ اللہ نے اپنا آخری کلام قرآن اتارا اور سچائی کے نشانات دیئے۔ جن سے تم کفر و جہل کی اندھیروں سے نکل کر علم و ایمان کے اجالے میں آ جاؤ، یہ اللہ کی کتنی بڑی مہربانی اور شفقت ہے۔ ورنہ انہی اندھیروں میں بڑا چھوڑ کر تمہیں ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا تو کیا ہوتا؟ اور یہ گفتگو ایمان نہ لانے کے متعلق تھی۔ لیکن اب اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کے متعلق ہم پوچھتے ہیں

اللہ کی راہ میں مال لگانا: وما لکم الا تنفقوا۔ کہ جب مال تمہارا نہیں بلکہ اصل مالک اللہ ہے۔ پھر اس کے مال میں سے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہوتا ہے۔ خوشی اور اختیار سے نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ خوش دلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر و افلاس سے نڈر نہ میں و آسمان کے خزانوں کا مالک جب اللہ ہے تو کیا اس کے راستہ میں خوشی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہ سکتا ہے؟

لا یستوی منکم۔ یہاں سے خرچ کرنے والوں کا فرق مراتب کا بیان ہے کہ نفس خرچ میں اگرچہ سب برابر ہوتے ہیں اور مستحق اجر و ثواب لیکن مقدار اور موقع محل اور ضرورت بے ضرورت کے لحاظ سے خرچ کرنے کی قدر و قیمت مختلف ہو جایا کرتی ہے۔ فتح مکہ سے پہلے جان و مال نچھاور کرنے والوں کا جو مقام ہے ظاہر ہے کہ بعد والے اس مرحلہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ بقول روح المعانی اس وقت مسلمانوں کے کم اور کمزور ہونے کی وجہ سے جدوجہد کی ضرورت زیادہ تھی اور مال غنیمت کی امید بھی کم تھی اس لئے اس وقت قربانیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ظاہر ہے کہ بعد میں وہ بات نہیں رہ سکتی تھی۔

اس آیت میں بعض حضرات نے فتح سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غرض یوں تو اللہ کی راہ میں جب بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے اللہ اس کا بدلہ دنیا و آخرت میں دے گا۔ لیکن وقت کی پکار کو سمجھنے والے اور بروقت ساتھ دینے والے با حوصلہ اور اولوالعزم کہلائیں گے۔ اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں خلوص و اخلاص کتنا ہے ہر ایک سے اسی کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا۔

من ذا الذی۔ اس کو فرض کا نام اس لئے دیا کہ اس وقت جہاد میں جو کچھ تم صرف کرو گے پھر تم ہی دولتوں کو برتو گے اور آخرت میں تو اس کے صلہ کا کیا ٹھکانہ اور نہ مالک اور غلام میں سو دو بیاج کیسا جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا۔

ایمان کی تیز روشنی: یوم تری الموشین۔ میدان حشر سے جنت میں جانے کے لئے جب پل صراط سے گزریں گے سخت اندھیرا ہوگا لیکن ایمان اور نیک عمل کی روشنی ساتھ ہوگی آگے بھی داہنے بھی۔ ایمان کی روشنی ممکن ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنی طرف کیونکہ نیکیاں داہنی طرف ہی جمع ہوتی ہیں غرض یہ روشنی ایمان و عمل کے لحاظ سے کم و بیش ہوگی اور رسول ﷺ کے طفیل میں اس امت کے ایمان و عمل کی روشنی ممکن ہے تیز ہو اوروں کی مانند۔ اور بعض روایات سے روشنی کا بائیں طرف ہونا بھی معلوم ہوتا ہے ممکن ہے اسی روشنی کا اثر سب طرف پھیل جائے جنت چونکہ رضائے الہی کی جگہ ہے اس لئے جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں پا گیا۔

جنت دوزخ کے درمیان اعراف: یوم یقول المنافقون۔ جنتیوں و دوزخیوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔

جس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں مومنین داخل ہو کر منافقوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے اور دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہوگا۔

منافقین کی چیخ و پکار:..... اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الہی کا بھیاں نک نقشہ ہوگا جہاں تک کافروں اور کھلے منافقوں کا تعلق ہوگا وہ دونوں تو پہلے ہی جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس لئے پل صراط پر ان کا الگ ذکر نہیں کیا۔ البتہ جو لوگ کسی پیغمبر کی امت میں ہوں گے سچے یا کئے انہیں پل صراط سے گزرنے کا حکم ہوگا۔ اس پر چڑھنے سے پہلے ایک اندھیرا گھیرے ہوئے ہوگا اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی اس روشنی میں چلنا چاہیں گے۔ لیکن مومنین تیزی سے آگے بڑھ جائیں گے جس سے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہر تھوڑا سا انتظار کرو ہمیں بھی آنے دو تا کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں ساتھ ساتھ چل سکیں۔ آخر دنیا میں بھی تو ہم تمہارے ساتھ رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اب اس مصیبت کے وقت اندھیرے میں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا حق رفاقت یہی ہے؟

درمنثور کی روایت کے مطابق ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے منافقین کے پاس بھی ان کے ظاہری ایمان کی وجہ سے کچھ نور ہوگا۔ مگر اعتقاد میں مخلص نہ ہونے کی وجہ سے پھر کچھ دیر بعد وہ نور گل ہو جائے گا اس لئے اندھیرے میں وہ ہاتھ پیر ماریں گے۔ نیز منافقین کے خدع اور فریب کا بدلہ بھی ایسا دو جہنم ہوگا کہ اول نور ملے گا پھر خلاف توقع بجھ جائے گا۔

غرض انہیں مومنین یا فرشتوں کی طرف سے جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے کہ اتنے میں دونوں فریق کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی۔ روشنی سے مراد ہے جو دنیا میں انہوں نے کمائی تھی وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے۔ یا پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔ منافقین تلاش نور میں وہاں جائیں گے وہاں نہ کچھ ملے گا پھر ادھر آئیں گے مگر دیوار حائل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ دیوار اعراف میں یہ دروازہ جنت میں جانے کے لئے ہوگا۔ ممکن ہے بات چیت کے لئے ہو

اہل ایمان کا جواب:..... قالوا بلی۔ یعنی مسلمان منافقین سے جواب میں کہیں گے کہ دنیا میں یقیناً تم ہمارے ساتھ تھے مگر محض ظاہر کے لحاظ سے تھے اور فی الحقیقت تم گمراہی کے قند میں پھنسے ہوئے تھے۔ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر اندرونی حال یہ تھا کہ نفاق کا راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالا، دوسروں کو چکمہ دیتے رہے اور توبہ کرنے کی بجائے راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر افتاد پڑتی ہے۔ تمہیں بھی دھوکہ رہا کہ آگے ان چالبازیوں کا خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ چند دنوں میں یہ قصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا آخر ہم بھی غالب ہوں گے۔ رہ گیا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔

انہیں خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور موت نے آدیا اور پکے دعا باز شیطان نے تمہیں ایسا کھودیا ہے۔ کہ اب کوئی سبیل چھٹکارہ کی نہیں ہے بالفرض اگر آج کچھ معاوضہ وغیرہ دے کر سزا سے بچنا چاہو تو وہ بھی نہیں ہے۔ اب تو تم سب کو اسی دوزخ میں رہنا ہے۔ یہی تمہارا ٹھکانہ اور ساتھی ہے۔ فالیوم الخ ارشاد باری ہے۔ یا مسلمان کہیں گے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ قلبی تصدیق اگر نہ ہو تو ایمان کا لحدم ہے۔

قرآن اور ذکر اللہ کا اثر:..... الم یسان۔ یعنی وقت آ گیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد میں اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں اور نرم ہو کر گڑ گڑانے لگیں کیونکہ ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو کر نصیحت اور اللہ کی یاد کا اثر جلد قبول کر لے۔ پہلے یہ باتیں اہل کتاب اپنے پیغمبروں کی صحبت میں حاصل کیا کرتے تھے اب وہ تو پھل گئے اور سرکشی کی راہ پر چل نکلے۔ مسلمانوں کی باری آتی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع و خضوع کی خوبیوں سے آراستہ ہوں اور وہاں تک پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچ سکی۔ مثلاً پہلے لوگوں نے کفر و گناہ سے توبہ نہیں کی۔ ان کے دل سخت ہو گئے۔ مسلمان ایسا نہ کریں۔ انہیں کوتاہی کے بعد فوراً توبہ سے تلافی کر لینی چاہی

ہئے۔ بعض دفعہ توبہ نہ کرنے سے پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی اور بعض اوقات کفر تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے گناہ کر کے یہ مت سمجھو کہ اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ اعلیٰ ان اللہ الخ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پیداوار کر کے زندہ کر دیتا ہے اسی طرح توبہ کرنے سے اللہ رحم کرے گا اور وہ اپنی رحمت سے دل مردہ کو پھر زندہ کر دے گا۔ کسی مردہ سے مردہ انسان کو باپوس نہیں ہونا چاہئے سچی توبہ کر لے تو اللہ پھر اس کے قالب میں زندگی کی روح پھونک دے گا۔ جو لوگ اللہ کے راستہ میں خالص نیت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور کسی اور سے صلہ یا شکر یہ کے طلب گار نہ ہوں۔ یوں سمجھا جائے گا کہ وہ اللہ کو قرض دے رہے ہیں۔ سوا طمینان رکھیں ان کا دیوا ہوا ضائع نہ ہوگا۔ بلکہ کئی گنا کر کے لوٹایا جائے گا۔ دنیا کی کور منعمیں ہنگامی طور پر جنگی قرضے رعایا سے لیتی ہیں اور پھر سودور سودوٹا کر دیتی ہیں۔

والذین امنوا۔ یعنی اللہ کے ہاں یہی لوگ صدیق ہیں اور سرکاری گواہ ہیں۔ آخرت میں اپنے ایمان و عمل کے مطابق ثواب و روشنی مرحمت ہوگی

لظائف سلوک:..... الم یان۔ اس میں خشوع کے ضروری ہونے کی تصریح ہے اور یہ کہ زیادہ غفلت سے قلبی قساوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کہ قساوت کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔

واللہین امنوا۔ میں مطلقاً مومنین کو صدیق فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ولایت کے درجات ہیں۔ اسی طرح صدیقیت کے بھی درجات ہیں۔ عامہ خاصہ۔ پس نہ سب مومن ایک درجہ کے ہیں نہ سب صدیق و ولی ایک مرتبہ کے۔

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ زِينَةٌ وَتَفَاخُرُ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ أَى
الْإِسْتِغَالِ فِيهَا وَأَمَّا الطَّاعَاتُ وَمَا يُعِينُ عَلَيْهَا فَمِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ كَمَثَلِ أَى هِىَ فِى إِعْجَابِهَا لَكُمْ وَإِضْمِحْلًا
لَهَا كَمَثَلِ غَيْثٍ مَطَرٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ الزَّرَّاعَ نَبَاتُهُ النَّاشِئُ عَنْهُ ثُمَّ يَهْبِجُ يَبْسُ فِتْرَتُهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ
حُطَامًا فَتَأْتَانَا يَضْمِحِلُ بِالرِّيَّاحِ وَفِى الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ لِمَنْ أَثَرُ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ
رِضْوَانٌ لِّمَنْ لَّمْ يُوَثِّرْ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا مَا التَّمَتُّعُ فِيهَا إِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُورُ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوا إِلَى
مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَوْ وُصِّلَتْ إِحْدَاهُمَا بِالْآخَرِ وَالْعَرْضُ
السَّعَةِ أَعْدَتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۱﴾ مَا
أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِى الْأَرْضِ وَلَا فِى أَنْفُسِكُمْ كَالْمَرَضِ وَفَقْدِ الْوَلَدِ إِلَّا فِى كِتَابٍ يَعْزِى اللُّوحُ
الْمَحْفُوظُ مِّن قَبْلِ أَنْ نُبْرَاهَا نَخْلُقَهَا وَيُقَالُ فِى النِّعْمَةِ كَذَلِكَ إِنْ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا كُنَّ
نَاصِبَةً لِلْفِعْلِ بِمَعْنَى أَنْ أَى أَخْبَرَ بِتِلْكَ تَعَالَى لِفَلَا تَأْسُوا تَحْزِنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا فَرَحَ بِطَرَبِلٍ فَرَحَ
شَكَرَ عَلَى النِّعْمَةِ بِمَا أَنْتُمْ بِالسَّعَةِ أَعْطَاكُمْ بِالْقَصْرِ جَاءَ كُمْ مِنْهُ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ مُّتَكَبِّرٍ بِمَا
أُوتِيَ فَخُورٌ ﴿۲۳﴾ بِهِ عَلَى النَّاسِ الَّذِينَ يَتَخَلَّوْنَ بِمَا يَحِبُّ عَلَيْهِمْ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبَخْلِ بِهِ لَهُمْ وَعَيْدٌ
شَدِيدٌ وَمَنْ يَقُولُ عَمَّا يَحِبُّ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ ضَمِيرُ فَضْلٍ وَفِى قِرَاءَةِ بِسَقُوطِهِ الْغْنَى عَنْ غَيْرِهِ الْحَمِيدُ
﴿۲۴﴾ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا الْمَلَائِكَةَ إِلَى الْإِنْبِيَاءِ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْحُجَجِ الْقَوَاطِعِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ

بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَالْمِيزَانِ الْعَدْلَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ آخِرَ جَنَاحِهِ مِنَ الْمَعَادِنِ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ يُقَاتِلُ بِهِ وَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ عِلْمَ مُشَاهِدَةٍ مَعْطُوفٌ عَلَى لِيَقُومَ النَّاسُ مَنْ يُنْصِرُهُ بِأَن يُنْصِرَ دِينَهُ بِآيَاتِ الْحَرْبِ مِنَ الْحَدِيدِ وَغَيْرِهِ وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ حَالٌ مِنْ هَاءٍ يُنْصِرُهُ أَيْ غَائِبًا عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ بَعْزُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُنْصِرُونَهُ وَلَا يُنْصِرُونَهُ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۵﴾ لَا حَاجَةَ لَهُ إِلَى النُّصْرَةِ لَكِنَّهَا تَنْفَعُ مَنْ يَأْتِي بِهَا وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ يَعْزِي الْكُتُبَ الْأَرْبَعَةَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْفُرْقَانَ فَاتَّخَذُوا فِي ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ قَبِيلًا كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسَقُوا ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً هِيَ رَفَضُ النِّسَاءِ وَاتَّخَذَ الصَّوَامِعَ . وَابْتَدَعُوهَا مِنْ قَبْلِ أَنْفُسِهِمْ مَا كَتَبْنَا عَلَيْهُمْ مَا آمَرْنَا بِهِمْ إِلَّا لَكِنْ فَعَلُوا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ مَرْصَاةِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا إِذْ تَكَذَّبُوا بِكُتُبِهِمْ وَكَفَرُوا بِآيَاتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَدَخَلُوا فِي دِينِ مَلِكِهِمْ وَبَقِيَ عَلَى دِينِ عِيسَى كَثِيرٌ مِنْهُمْ فَأَمَّنُوا بِنَبِيِّنَا فَاتَّخَذُوا الدِّينَ آمَنُوا بِهِ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسَقُوا ﴿۲۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِعِيسَى اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرُسُلِهِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى عِيسَى يُؤْتِكُمْ كَفْلَيْنِ نَفِصَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ لَا يُمَانِكُمْ بِالنَّبِيِّنَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ عَلَى الصِّرَاطِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَوْلَا يَعْلَمُ أَيْ أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ التَّوْرَةِ الَّذِينَ لَمْ يُؤْمِنُوا بِمُحَمَّدٍ ﷺ أَنَّ مُحَقِّقَةَ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا صَمِيرُ الشَّانِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ خِلَافِ مَا فِي زَعَمِهِمْ أَنَّهُمْ أَحِبَّاءُ وَأَهْلُ رِضْوَانِهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ يُعْطِيهِ مَنْ يَشَاءُ فَاتَى الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ كَمَا تَقَدَّمَ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: تم خوب سمجھ لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل کو اور زینت (آرائش) اور ایک دوسرے پر شنی بگھارنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے پر زیادتی بیان کرنا ہے (یعنی ان چیزوں میں مشغول ہو جانا۔ البتہ نیک کام کرنا اور اس کی تیاری میں لگنا یہ آخرت کے کام ہیں) جیسے (یعنی دل کو بھانے اور دل سے اتر جانے میں) مثل مینہ (بارش) کے ہے کہ کاشت کاروں (کھیتی باڑی کرنے والوں) کو بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی پیداوار (جو کچھ زمین سے نکلتی ہے) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (ہواؤں سے مر جھا کر ریزہ ریزہ) اور آخرت میں شدید عذاب ہے (جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی) اور اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے (جو دنیا کو آپ پر ترجیح نہ دے) اور دنیا کی زندگانی (سے لذت اندوز ہونا) محض دھوکہ کا سامان ہے۔ تم اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف دوڑو، اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے (جب کہ آسمان و زمین کو ایک دوسرے کے برابر ملا لیا جائے۔ غرض بمعنی وسعت

کھٹل۔ مفسر نے ای ہی سے اشارہ کیا ہے کہ مثل مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔

اعجب الکفار۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ متعارف معنی مراد نہیں بلکہ کافر بمعنی حارث ہے قاموس میں ہے کہ کافر بمعنی زراعت ہے۔ ابن مسعود ازہری کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ کفر کے معنی چھپانے کے ہیں اور کاشت کار بھی بیج زمین میں چھپا دیتا ہے۔

الہی مغفرة۔ اسباب مغفرة یعنی استغفار اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

کعروض السماء۔ بظاہر شبہ ہو سکتا ہے جنت کا عرض بیان کیا گیا ہے۔ مگر طول نہیں بتلایا۔ مفسر نے المسد کہہ کر اس کا جواب دے دیا کہ مطلق وبعث مراد ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ عرض کا جب یہ حال ہے تو طول ناقابل بیان ہے۔

فی الارض۔ یہ موقع خبر میں ہے۔ ای یا اصاب مصیبت ثلثہ فی الارض اور الان فی کتاب موضع حال میں ہے۔ مفسر نے وبقال سے اشارہ کیا ہے کہ وادس معطوف محذوف ہے اور یہ کہ مصیبت سے مطلقاً حوادث مراد ہیں خیر ہوں یا شر۔ البتہ اہمیت کی وجہ سے خاص شر کو بیان فرمایا گیا ہے۔

لکیلا تا سوا۔ یعنی دنیا کی ناپائیداری کا تصور کر کے مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے اور جب اس پر کسی دائمی خیر کا مرتب ہونا معلوم ہو جائے تو رنج اور بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خوشی کے ناپائیدار ہونے کے تصور سے اتر اہٹ پیدا نہیں ہوتی۔
الذین یبخلون۔ مفسر نے ”لہم وعید شدید“ سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ومن یتول۔ اس کی جزاء قالوا بال علیہ ”محذوف ہے۔

رسلنا۔ علامہ مختاری نے ملائکہ بصیغہ جمع تفسیر کی ہے۔ کیونکہ آگے الکتاب بمعنی کتب ہے اور کتابیں ملائکہ کے ساتھ چونکہ آتی ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ رسل سے مراد فرشتے ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک انبیاء مراد ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کے پاس وحی لانے والے صرف جبرائیل ہیں۔ اس صورت میں معہم محذوف کے متعلق ہو کر حال ہوگا۔ ای انزلنا الکتاب حال کو نہ اثلا وصائر الان یكون معہم اذا وصل الیہم یا کہا جائے کہ مع بمعنی الی ہے۔

وانزلنا الحديد۔ یہاں انزلنا اپنے معنی میں ہے یا بمعنی انشاء ہے۔ مفسر نے دوسرے معنی لئے ہیں۔

والمیزان۔ یہاں بھی میزان کے متعارف معنی ہیں۔ اور میزان کا اتارنا یعنی اس کے اسباب کا اتارنا مراد ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ترازو لے کر جبرائیل حضرت نوح کے پاس آئے اور ان کو وزن رائج کرنے کو کہا۔ دوسرے معنی میزان کے عدل و انصاف ہیں۔ جیسا کہ مفسر نے کہا ہے۔

وانزلنا الحديد۔ یہاں بھی حقیقتہً اتارنا مراد ہے یا مجازی معنی ہیں۔

ولیعلم الله۔ اللہ کا علم و مشاہدہ مراد نہیں۔ بلکہ مخلوق کا علم و مشاہدہ مطلوب ہے۔ اس لئے اب علم باری کے حادث ہونے کا شبہ نہیں رہتا۔ اور عطف کی صحیح کے لئے عبارت کی تقدیر اس طرح ہوگی۔ انزل الله معہم هذه الاشياء لتعامل الناس بالحق والعدل ولیعلم الله من ینصرہ اور بعض اس کا معطوف علیہ محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ انزلنا الحديد لیقاتلوا او یشفعوا اور یہ تقدیر لفظ ”من ینصرہ“ کے مناسب ہے۔ نیز لیعلم کے لام کو محذوف سے متعلق بھی کر سکتے ہیں۔ ای انزلہ الله لیعلمہ۔

بالغیب۔ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔

ولقد ارسلنا۔ پہلے ارسلنا پر عطف ہے۔ مزید اہتمام کے لئے اس جملہ کو دہرایا گیا۔ اور حضرت نوح چونکہ آدم ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ عرب و روم اور بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ ہیں۔ اس لئے دونوں کو ذکر کیا ہے۔

ورہبانیۃ۔ باضمر عاملہ کے طور پر منصوب ہے۔ جیسا کہ اکثر کی رائے ہے اور بعض جعلنا کا مفعول مانتے ہوئے رافضیہ بر عطف کرتے ہیں اور

ابتدعوہا اس کی صفت ہے۔ اے ای جعلنا فی قلوبہم رهبانیۃ مبتدعۃ رهبان راہب کی جمع ہے۔ دنیا سے الگ تھلک ہو جانا۔
الا ابتغاء۔ مفسر نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قادیانہ اور ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور بعض استثناء متصل کہتے ہیں مفعول نہ ہے۔
ای ما کتبنا ہا علیہم بشئی من الاشیاء الا لا ابتغاء مرضات اللہ اور کتب بمعنی قسٹی ہے یہ مجاہد کی رائے تھی۔
فما رعوہا۔ یعنی ایک توبہ عت کی اور پھر اس کو نبھا بھی نہ سکے۔

کفلیں۔ دو ہر ایمان ہونے کی وجہ سے ثواب دو ہر اہوا۔

لشلا یعلم۔ یعنی لام زائد ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ جیسے مامنعک الا تسجد میں لام زائد ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ان
تستقوا اللہ وتؤمنوا برسولہ یوتکم کذا وکذا لیعلم اہل الکتاب ان عدم قدر تہم علی شئی من فضل اللہ الخ اور یہ لام حروف
زوائد میں سے ہے اور بعض کی رائے ہے لام تینوں افعال یوتکم اور یجعل لکم اور یغفر لکم کے متعلق ہے بطور تازع کے۔
ان لایقدرون۔ مخسری ضمیر شان مفرد اور قاضی جمع مقدر کرتے ہیں لیکن قاضی کی روایت بہتر ہے کہ کیونکہ ضمیر شان یہاں کا مرجع نہیں ہے۔
لیکن مفسر نے ضمیر شان تو مقدر مانی ہے۔ مگر اس کی تفسیر جمع کے ساتھ کی ہے۔ گویا ایک اصطلاح قائم کی ہے کہ ان مخففہ کے بعد مقدر ضمیر شان ہی
ہوتی ہے۔ یا یہ کہ ضمیر شان میں عمدہ بات کی رعایت ہونی چاہیے۔ تذکیر و تانیث افراد جمع کے لحاظ سے۔
نیز والمعنی انہم میں واؤ بمعنی او بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مفسر ضمیر شان کو بیان نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حاصل معنی بیان کر رہے
ہیں۔

رابط آیات:..... پچھلی آیات میں آخرت کے ثواب و عذاب کا ذکر تھا۔ آیت اعلموا سے آخرت کی اہمیت و پائیداری اور دنیا جو آخرت
میں رکاوٹ بنے اس کی ناپائیداری اور ناقابل التفات ہونا ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

آیت ما اصاب من مصیبة سے اول دنیا کی نعمتوں کا پھر دنیا کی مصیبتوں کا بیان ہے جو آخرت کی مشغولیت سے رکاوٹ کا باعث ہوں۔ یعنی
جس طرح نعمت کے فنا ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت میں غفل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اسی طرح مصیبت کے مقدر ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت
کے لئے مانع نہ ہونے دیا جائے اور نعمتوں کا مانع بننا چونکہ اکثر ہے اس لئے اس کے مقدر ہونے کی صورت میں اس کے رکاوٹ نہ بننے کو مکرر
فرمایا۔ نیز چونکہ نعمتوں سے فخر و غل جیسی بری خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو کبھی کبھی اعراض حق تک پہنچ جاتی ہے اس لئے ان برائیوں پر بھی وعید
فرمائی جا رہی ہے۔

اس کے بعد آیت لقد ارسلنا الخ سے دنیا کے ناقابل التفات اور آخرت کے اہتمام کے لائق ہونے کی تائید کی جا رہی ہے۔ یعنی
اصل میں آخرت کو درست کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا گیا اور احکام دیئے گئے۔ اور دین کی اعانت کے لئے لوہے کو پیدا کیا۔ اگرچہ مجہا اس
میں دوسرے فوائد بھی رکھ دیئے ہیں، حاصل یہ کہ دنیا یا لغرض اور آخرت بالذات مقصود ہے۔
پھر خصوصیت سے محروم نوح و ابراہیم علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے جن کی اصطلاحات کو بعض نے قبول کیا اور بعض بدستور محروم رہے۔

روایات:..... وانزلنا الحديد کے ذیل میں تفسیر کبیر میں ابن عمرؓ سے نقل ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ انزل اربع
برکات من السماء الى الارض انزل الحديد والنار والماء والملح۔

اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ثلثة اشیاء نزلت مع ادم السدان والکلستان والمطرقة۔

رهبانیۃ ابتدعوہا۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے بنی اسرائیل نے رهبانیت کیسے اختیار کی ہے

میں نے عرض کیا۔ اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ظالم بادشاہوں کا تسلط ہو گیا اور وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ جس پر اہل ایمان بکڑ گئے اور ان سے آمادہ جنگ ہوئے لیکن تین مرتبہ اہل ایمان کو شکست ہوئی اور وہ بہت کم رہ گئے۔ چنانچہ وہ ادھر ادھر منتشر ہو کر محمد ﷺ کی آمد کے منتظر رہے جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔ اس طرح وہ پہاڑوں میں روپوش ہو گئے اور رہبانیت کو اپنا بیٹھے، ان میں بعض عیسائی رہے اور بعض بد دین ہو گئے،

پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لَسَلا یَعْلَم اهل الکتاب یعنی اگر اہل کتاب آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لائے تو وہ دو چند اجر و مغفرت سے محروم رہیں گے جیسا کہ مدارک میں ہے۔

اور بقول قتادہ جب غیر مومن اہل کتاب نے مومن اہل کتاب کی اس خصوصی فضیلت پر حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ مومن اہل کتاب نے جب اس فضیلت پر فخر کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ اعلموا الخ انسان کی عمر کے تین دور ہوتے ہیں، بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ بچپن میں وہ کھیل کود، تماشہ کا شکار رہتا ہے۔ اور جوانی، بناؤ سنگار، فیشن، عیش و عشرت، نام و نمود، تمناؤں و استغلوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ پھر بڑھاپا آتا ہے، موت کے دن قریب آتے ہیں تو مال و اولاد کی فکر سوار ہو جاتی ہے کہ میرے پیچھے گھریا رہتا ہے اور اولاد کسی کی محتاج و دست نگر نہ رہے۔

حالانکہ یہ سب ٹھٹھا باٹھ، ساز و سامان مٹنے والے ہیں۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیرا ہی اندھیرا ہے، بھیتی کو دیکھو کہ چند روزہ رونق اور بہار ہوتی ہے۔ پھر زرد پڑ جاتی ہے اور پھر پاؤں تلے روند کر چورا چورا ہو جاتی ہے پہلی شادابی اور ہریالی کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔

دنیا کی زندگانی چار دن کی چاندنی دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا بھی کچھ یہی حال سمجھو کہ وہ ایک دعا کی پونجی اور دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس کی عارضی بہار سے انسان فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں مرنے کے بعد کام نہیں آئیں گی۔ وہاں تو ایمان اور نیک عمل کی پوچھ گچھ ہوگی، جو شخص انہیں دنیا سے لے گیا سمجھو کہ بیڑا پار ہے۔ آخرت کی نعمتوں کے علاوہ مالک کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل ہوگی، لیکن جو ایمان و عمل سے محروم رہا اور کفر و نافرمانی کا لوجہ لے کر پہنچا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جس نے ایمان کے ساتھ کچھ عملی کوتاہیاں بھی شامل کر لیں، اس کے لئے جلد یا بدیر دھکے کھاکر معافی ہے۔ وہ دنیا کا خلاصہ تھا اور یہ آخرت کا ہوا، غرض دنیا کے سامان عیش و طرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

سابقہ الخ دراصل ایمان و عمل حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں جنت ملتی ہے۔ اللہ کے فضل و رحمت سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو جنت تو بجائے خود جہنم سے چھوٹنا بھی مشکل ہے۔ کسی اہل دل نے سچ کہا ہے ”وہ فضل کرے تو چٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں“۔ اس لئے اعمال پر کسی کو غور اور ناز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے مشیت کا تعلق عمل سے کر دیا۔ اللہ اگر چاہتا تو یہ تعلق نہ کرتا۔ لان القدرۃ تتعلق بالصدین۔

ما اصحاب الخ مصیبتیں داخلی ہوں یا خارجی سب مقدر ہیں۔ بیماریاں وغیرہ جو انسان کو پیش آتی ہیں یا قحط زلزلہ، زوالہ باری وغیرہ آفتیں جو ملک میں رونما ہوتی ہیں۔ وہ سب اللہ کے علم قدیم سے طے شدہ ہیں اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا علم چونکہ ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ اس لئے اس میں کسی دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اپنے علم محیط کے مطابق واقعات سے پہلے لوح محفوظ میں کر دینا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

ما یوسی اور ناز و دنوں بے جا ہیں: لکیلا تا مویا۔ یعنی تمہیں اس سے اس لئے آگاہ کر دیا کہ تم سمجھ جاؤ کہ جو بھلائی مقدر رہے

وہ ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آ سکتی، اللہ کے علم کے مطابق جو ٹھہر چکا ہے وہی ہو کر رہے گا، لہذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین اور مضطرب نہیں ہونا چاہیے۔ اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اترا نا اکرنا نہیں چاہیے بلکہ مصیبت و نا کامی کے وقت صبر و تسلیم سے کام لو اور راحت و کامیابی کے وقت شکر و حمد کو شعار بناؤ۔ البتہ مصیبت پر طبعی رنج و حزن کا اور نعمت پر طبعی مسرت کا مضافہ نہ نہیں۔

غریبیکہ مصائب و تکالیف، اسی طرح عیش و عشرت میں گھر کے حد اعتدال سے نہ بڑھے۔ خصوصاً مال و دولت کے نشہ میں بالکل بدست نہ ہو جائے۔ کیونکہ اکثر مال و داروں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ برائی اور شنی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے نام پر پیسہ جیب سے نہ نکلے کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی ایسی سبق پڑھائیں گے۔

البتہ موقع پر خرچ کر ڈالنا ان باہمت اور باتو کل لوگوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ نرمی سختی سب اسی مالک کی طرف سے ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی کے خرچ کرنے نہ کرنے سے اللہ کا کیا فائدہ یا نقصان؟ وہ تو بے نیاز اور بے پرواہ ذات ہے۔ ساری خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ کسی فعل سے نہ اس میں کسی خوبی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی۔ جو کچھ نفع نقصان ہے وہ خود تمہارا ہے خرچ کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے نہیں کرو گے تو بچھتاؤ گے۔

کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور لوہا ہی اتارا:..... لَقَدْ ارسلنا۔ یعنی اللہ نے کتاب اس لئے اتاری کہ لوگ عقائد، اخلاق، اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں۔ اخراط و فریطہ کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور ترازو اس لئے پیدا کی۔ کہ خرید و فروخت، لین و دین اور حقوق و معاملات میں انصاف کا پلہ کسی کی طرف اٹھایا جھکا نہ ہے اور ممکن ہے ترازو سے مراد شریعت ہو جو تمام اخلاق قلبیہ اور قلمیہ کے حسن و قبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلا دیتی ہے۔

وانزل لنا الحديد۔ لوہے کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ زمین کی کانیں رکھ دیں۔ آج اسٹیل اور لوہا دنیا کی طاقت اور ترقی کا سرچشمہ ہے۔ مصنوعات سے لے کر سامان حرب تک سب کچھ اس سے تیار ہوتا ہے۔ جو لوگ آسمانی کتابوں سے درست نہ ہوں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں ایسے ظالم، کجرو، مہرکشوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اور خالص دینی جہاد کی مہم سر کرنے کے لئے لوہے کی تلواروں سے کام لینا پڑے گا۔

اس وقت یہ واضح ہو چلے گا کہ کون اللہ کے وفادار بندے ہیں جو ان دیکھے خدا اور آخرت کے عاقبانہ اجر و ثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور یہ جہاد کی تعلیم و ترغیب اس لئے نہیں کہ اللہ کچھ تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اس زبردست طاقتور ذات کو ایک کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہو سکتی ہے البتہ اس میں تمہاری وفاداری کا امتحان کرنا ہے تاکہ پورا اترنے پر اعلیٰ مقامات سے ہم کنار ہوں۔

اسلام نرمی رہبانیت سے روکتا ہے:..... فَمَقْبِلًا عَلَى الْاَوَامِ۔ پچھلے پیغمبر اگلے پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے، کیونکہ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی، پھر آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ کو انجیل مقدس دے کر بھیجا گیا ان کے حواری اور صحابی کو واقعی ان کے طریقہ پر چلنے رہے۔ ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ لوگوں کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے خوش آتے رہے۔ مگر آگے چل کر بے دین بادشاہوں سے تنگ کر اور دُنیا کے مخصوں سے گھبرا کر رہبانیت کی راہ لی۔ اور شہروں کے چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں کی سکونت اختیار کر لی۔ حالانکہ اللہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر ان کی نیت بخیر تھی۔ تاہم اس خود ساختہ طریقہ کو بہانہ نہ سکے۔

بلاشبہ تارک الدنیا ہونا مستحسن ہے۔ مگر متروک الدنیا بن جانا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اختیاری فقر یقیناً اہل عزیمت کا شیوہ رہا ہے۔ مگر فقر اضطراری تباہی و ہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم کبھی نہیں رہا کہ اس طرح دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ رہیں اور حقوق ترک کر کے مصروف عبادت ہو جائیں۔ تاہم عیسائی راہبوں نے جب ترک دنیا کا نام اپنے اوپر رکھا پھر اس پردہ میں دنیا کمانا بڑا اکمال ہے۔ یہ رہبانیت بدعت لغوی تھی بدعت شرعیہ نہیں تھی۔ چونکہ کسی شریعت کے اہل حق بھی اہل بدعت نہیں ہوتے۔ چنانچہ آیت میں اس بدعت پر نہیں۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر ملامت ہو رہی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ بدعت شرعیہ نہیں تھی اور ایسی رہبانیت سے شریعت اسلامیہ میں بھی ممانعت نہیں ہے۔

چنانچہ آیت لاتخر مواطیات ساتویں پارہ کی تفسیر میں دونوں قسم کی رہبانیت کا ذکر کر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حلال چیزوں کو قربت کے اعتقاد سے چھوڑ دینا بدعت اور رہبانیت ممنوعہ ہے اور بغیر اس اعتقاد کے کسی مصلحت کے پیش نظر جائز ہے۔

بدعات و رسوم میں فرق ہے:..... اسلام نے فطری اعتدال سے ہٹ کر رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اس جذبہ رہبانیت کو پورا کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ رکھا ہے۔ ایک مجاہد سب حظوظ و لذات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستے میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ بدعت ایسے کام کو کہتے ہیں جس کی اصل کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین و تابعین کے دور میں نہ ہو اور اس کو دین و ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ اہل حق اور اہل اللہ میں سے اگر کسی سے ایسا کوئی فعل سرزد ہو جائے تو سابقہ تفصیل کی روشنی میں خود ان سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ ممکن ہے وہ صورت رہبانیت ہو حقیقتہً نہ ہو۔ بدعت کا تعلق چونکہ فساد اعتقاد سے ہے۔ اس لئے بہت پچھتا چاہئے برخلاف رسوم کے ان کا تعلق فساد عمل سے ہے اس لئے ان سے بھی احتراز ہونا چاہیے۔ البتہ رسوم کا معاملہ بدعات سے کم ہے۔

اکثر مطلق رہبانیت ناجائز صورت پر بولی جاتی ہے اور بعض روایات سے مطلق رہبانیت کی ممانعت اسی اصطلاح کے مطابق ہوتی ہے۔ البتہ بعض روایات میں خاص اسلام سے جو رہبانیت کی نفی معلوم ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شریعتوں میں وہ جائز تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچھلے مذہبی لوگوں میں وہ زیادہ پائی جاتی تھی، مسلمانوں میں ان کے متمدن مذہب کی وجہ سے کم ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ عیسائیوں کی دو قسمیں ہیں۔ قبیح یعنی مومن اور غیر قبیح۔ پھر قبیح کی دو قسمیں ہوئیں، راہب اور غیر راہب، پھر راہب بھی دو طرح کے ہو گئے، راہب مراعی، راہب غیر مراعی۔ اس آیت میں قبیحین کا اور ان میں سے مترہین کا اور ان میں سے مراعیین کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری قسم کا حکم ان کے احکام کی علتوں سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ غیر قبیحین کا کافر ہونا اور اسی طرح غیر مراعیین کا کافر ہونا خواہ وہ راہب ہوں یا غیر راہب۔ اسی طرح مراعیین کا گودہ راہب نہ ہوں مومن ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اہل کتاب ایمان لائیں تو دو ہر اثناب..... یا ایہا الذین امنوا۔ یعنی پیغمبر آخر الزمان کی پیروی کر کے نعمتوں کے مستحق بنو۔ پچھلی خطاؤں کی معافی اور ہر عمل پر دو ہر اثناب لو۔ یہ ایسی روشنی ہے کہ جس سے تمہارا وجود منور ہو جائے گا اور آخرت میں بھی نور تمہارے آگے اور دہائی طرف چلے گا۔ روایات میں جن تین آدمیوں کو دو ہرے ثواب کی بشارت دی گئی ہے ان میں مسلمان ہونے والے اہل کتاب بھی ہیں۔ اہل کتاب اگر آنحضرت ﷺ کی خبر سن کر اول انکار کر دے پھر ایمان لے آئے تو چونکہ انکار کی وجہ سے کافر ہو گیا۔ اس لئے اس کے اور اعمال مستحق ثواب نہیں رہے۔ پھر اس کو دو ہرے اجر کا مستحق کیسے کہا جائے؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کافر پھر جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی کالعدم نیکیوں پر پھر بدستور ثواب مرتب ہو جاتا ہے وہ اکہر ہو یا

دو ہرا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اہل کتاب چونکہ پہلے انبیاء کے ساتھ آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان لاتا ہے اس لئے دو ہرے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

لیکن دوسرے مشرک و کافر بھی جب مسلمان ہوتے ہیں تو آنحضرت ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر دونوں میں کیا فرق رہا۔ کتابی کی طرح غیر کتابی کو بھی مسلمان ہونے پر دوہرا اجر ملنا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ بلاشبہ مسلمان ہو جانے کے بعد تو ان دونوں میں فرق نہیں رہتا۔ مگر اسلام لانے سے پہلے کتابی کسی نبی پر ایمان رکھتا تھا اور غیر کتابی اس سے محروم تھا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلحاظ کیفیت غیر کتابی ثواب میں کتابی سے بڑھ جائے اور چونکہ اس کتابی کے مسلمان ہونے کے بعد پہلے ایمان کا بھی اعتبار ہو گیا۔ اس لئے اس کو یا لھما الذین امنوا سے خطاب کیا گیا۔ ورنہ اسلام نہ لانے کی صورت میں پہلا ایمان بھی کالعدم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ لئلا یعلم اهل الکتاب میں ایسے لوگوں کو صرف کتابی کہا گیا ہے مومن نہیں کہا گیا، یعنی ایسے اہل کتاب پچھلے پیغمبروں کے احوال سن کر سمجھتے تھے کہ ان سے دور پڑ گئے۔ ہمیں نبیوں کی محبت اور اس کی برکات سے محرومی ہو گئی۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ نے تمہیں تو ایسا رسول دیا ہے کہ اس کی محبت میں پہلے سے دو گنا کمال حاصل ہو سکتا ہے، بزرگی مل سکتی ہے۔ اللہ کا فضل بند نہیں ہو گیا بلکہ سلف سے اس کی تفسیر پر منقول ہے کہ وہ اہل کتاب جو ایمان نہیں لائے وہ اللہ کے فضل پر دسترس نہیں رکھتے۔ یہ فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے جس پر وہ چاہے کر دے۔

مثلاً جو کتابی آپ پر ایمان لے آئے ان پر یہ فضل کر دیا کہ انہیں دوہرا ثواب ملتا ہے اور خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ آخرت میں روشنی عطا ہوتی ہے اور جو ایمان نہیں لاتے وہ ان انعامات سے بھی محروم ہیں۔

لطاائف سلوک:.....اعلموا۔ اس میں دنیا سے زہد و بے رغبتی صراحتہ مذکور ہے۔

لکیلاتا مسا۔ اس میں تقدیر کو یاد کرنے سے حزن کا علاج ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ تقدیری فیصلہ ہماری مصلحت یقینی ہے۔ اگرچہ وہ تفصیلات ہمیں معلوم نہ ہوں۔

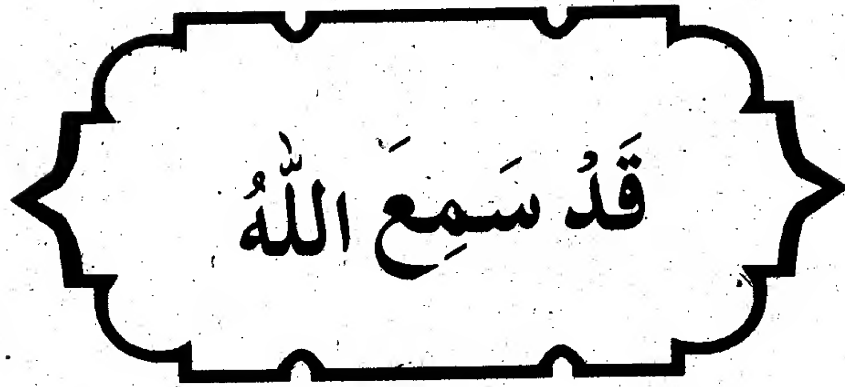
روح المعانی میں ہے والمراد نفسی الحزن المنخرج الی ما یذلل صاحبہ عن الصبر والتسلیم لا امر اللہ ورجاء ثواب الصابرين ونفسی الفرح المطفی الملہی عن الشکر واما الحزن الذی لا یکاد الانسان یخلو امنہ مع الاستسلام والسرور بنعمة اللہ والاعتداد بها مع الشکر فلا باس بهما۔ عن ابن عباس انه قال یخلو امنہ مع الاستسلام والسرور بنعمة اللہ والاعتداد بها مع الشکر فلا باس بهما۔ عن ابن عباس انه قال فی الایة لیس احد الا وهو یحزن ویفرح ولكن من اصابته مصیبة جعلها محسورا من اصابه خیر جعله شکرا۔

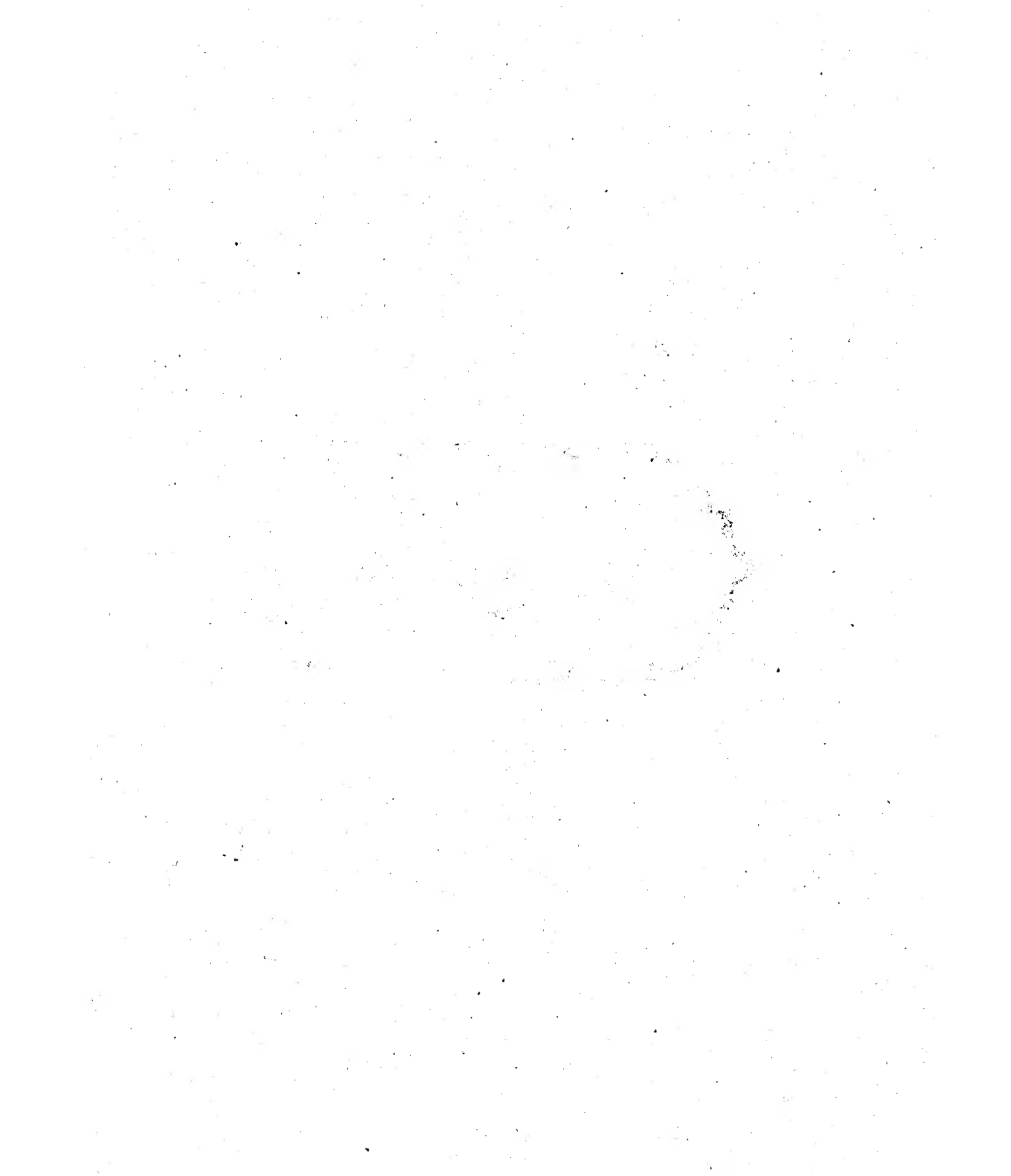
وردہبانیہ: جس رہبانیت کو اہل کتاب نے رضائے الہی کے لئے اختیار کیا تھا۔ اس پر ان کی مذمت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر مذمت فرمائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اوراد و نوافل کا پابند اور عادی ہو جائے تو اس کو چھوڑنا پسندیدہ نہیں ہے اور اس میں تمام اعمال و احوال محمودہ کی رعایت آگئی۔ ان میں خلل ڈالنا نہیں چاہیے۔

الحمد للہ کہ پارہ قال فنا خطبکم کی تفسیر مکمل ہوئی۔



پارہ نمبر ﴿۲۸﴾





فہرست پارہ ﴿قد سمع اللہ﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۰۳	ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب	۳۷۷	ظہار کسے کہتے ہیں؟
۴۰۳	مسلمانوں کا فتنہ بننا	۳۷۷	احکام ظہار
۴۰۹	شان نزول و روایات	۳۷۷	کفار ظہار میں سرزُش کا پہلو
۴۱۰	اسن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہئے	۳۷۸	آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح
۴۱۰	اسلام عورتوں بچوں، کمزوروں سے حدود و حریم رعایت کرتا ہے	۳۷۸	مشورہ اور ارکان شوریٰ
۴۱۱	شبہ کا جواب	۳۷۸	غیر مسلم کے سلام کا جواب
۴۱۱	قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا	۳۷۹	سرگوشی کی حدود
۴۱۷	شان نزول	۳۷۹	اہل مجلس کی رعایت
۴۱۷	محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا	۳۷۹	رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مثالیں
۴۱۸	حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارت	۳۸۸	شان نزول و روایات
۴۱۸	تمام انبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی	۳۸۹	قیاس و اعتبار کسے کہتے ہیں
۴۱۹	سب سے بڑے ظالم	۳۹۰	جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے
۴۲۲	شان نزول و روایات	۳۹۰	مال فتنے اور غنیمت میں فرق ہے
۴۲۶	خاتم النبیین اور امام اعظم کے متعلق پیش گوئی	۳۹۰	فتنے اور غنیمت کے احکام
۴۲۷	علامات ولایت	۳۹۱	مسلمانوں کا امام حاکمانہ اختیار رکھتا ہے نہ کہ مالکانہ
۴۲۷	نشان عداوت	۳۹۱	حنفیہ کا مسلک
۴۲۸	اذان و جمعہ کا حکم	۳۹۱	تفسیرات احمدیہ کی تحقیق انیق
۴۳۲	شان نزول	۳۹۲	فاروق اعظمؓ کی رائے
۴۳۲	جھوٹی قسموں کو آڑ بنانا	۳۹۲	حاصل کلام
۴۳۳	منافق پر لے دے درجے کا بزدل ہوتا ہے	۳۹۶	آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا
۴۳۳	حقیقی عزت کا مالک	۳۹۷	مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کہ
	اللہ کے لئے مالک خرچ کرنے نے اللہ کا نہیں انسان	۴۰۲	کفار میں نہیں ہے
			شان نزول

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۶۱	شان نزول روایات	۴۳۴	کافائدہ ہے
۴۶۳	قسم کا حکم	۴۳۹	شان نزول روایات
۴۶۳	آنحضرت ﷺ کی مروت	۴۳۹	انسان عالم صغیر اور خلاصہ کائنات ہے
۴۶۳	ان فتو با الی اللہ	۴۴۰	قناعت ہی سے بڑی دولت و سلطنت ہے
۴۶۴	گھریلو نازک پیچیدگیاں	۴۵۰	شان نزول روایات
۴۶۴	نادر تحقیق	۴۵۱	احکام و طلاق و عدت
۴۶۵	انسان کا اپنا اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے	۴۵۳	مذکورہ احکام کی علت
۴۶۵	اچھی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں	۴۵۳	زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سنات ہیں

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدِينَةُ ثِنْتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

قُلْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ تَرَاجَعُكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فِي زَوْجِهَا الْمُظَاهِرِ مِنْهَا وَكَانَ قَالَ لَهَا أَنْتِ عَلَى كَظْهِرِ أُمِّي وَقَدْ سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَاجَابَهَا بِأَنَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ عَلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ عَنْهُمْ مِنْ أَنَّ الظَّهَارَ مُوجِبٌ فُرْقَةٍ مُؤَبَّدَةٍ وَهِيَ خَوْلَةٌ بِنْتُ ثَعْلَبَةٍ وَهُوَ أَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَحَدَّثَهَا وَقَاتَهَا وَصِيَّةً صِغَارًا إِنْ ضَمَّتْهُمْ إِلَيْهِ ضَاعُوا أَوْ أَلَيْهَا جَاعُوا وَاللَّهُ يُسْمِعُ تَحَاوُرَ كَمَا تَرَاجَعُكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢﴾ عَالِمُ الَّذِينَ يُظْهِرُونَ أَصْلَهُ يَتَّظَهُرُونَ أَدْعَمَتِ النَّاءُ فِي الظَّاءِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْفِ بَيْنَ الظَّاءِ وَالْهَاءِ الْخَفِيفَةِ وَفِي أُخْرَى كَيْفَاتِلُونَ وَالْمَوْضِعُ الثَّانِي كَذَلِكَ مِنْكُمْ مَنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَمُهُمْ إِنْ أُمَمَتُهُمْ إِلَّا إِلَى بَهْمَزَةٍ وَيَاءٍ وَبَلَاءٍ وَلَدَنَهُمْ وَأَنَّهُمْ بِالظَّهَارِ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا كَذِبًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ﴿٣﴾ لِلْمُظَاهِرِ بِالْكَفَّارَةِ وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا أَى فِيهِ بَأْسٌ يُخَالِفُوهُ بِإِمْسَاكِ الْمُظَاهِرِ مِنْهَا الَّذِي هُوَ خِلَافٌ مَقْصُودِ الظَّهَارِ مِنْ وَصْفِ الْمَرْأَةِ بِالتَّحْرِيمِ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ أَى اعْتَاقُهَا عَلَيْهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّاسًا بِالْوَطِيِّ ذَلِكَ تَوْعُظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٤﴾ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ رَقَبَةً فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّاسًا - فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَى الصِّيَامَ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا عَلَيْهِ أَى مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّاسًا حَمَلًا لِلْمُطَلَّقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسْكِينٍ مِدَّةٌ مِنْ غَالِبِ قُوَّةِ الْبَلَدِ ذَلِكَ أَى التَّخْفِيفُ فِي الْكُفَّارَةِ لِتَوُفُّؤِهَا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ أَى الْأَحْكَامُ الْمَذْكُورَةُ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ بِهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥﴾ مَوْلَاهُمْ إِنْ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ يُخَالِفُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُتِبُوا أَذَلُّو كَمَا كُتِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فِي مُخَالَفَتِهِمْ رَسُولَهُمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ دَالَّةً عَلَى صِدْقِ الرَّسُولِ

وَالْكَافِرِينَ بِالْآيَاتِ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٥٥﴾ ذَا وَمَانَةٍ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ
عَ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٦﴾ أَلَمْ تَرَ تَعَلَّمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ بَعْلَمُهُ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَذْنَى مِنْ
ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ﴿٥٧﴾ أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ نَهَوْا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نَهَوْا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْإِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَهُمْ يَهُودُ نَهَاَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ مِنْ تَنَاجِيهِمْ أَى تُحَدِّثُهُمْ
سِرًّا نَاطِرِينَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ لِيُوقِعُوا فِي قُلُوبِهِمُ الرِّيبَةَ وَإِذَا جَاءَ وَكَ حَيَّوْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ بِمَا لَمْ يُحْيِكَ بِهِ
اللَّهُ وَهُمْ قَوْلُهُمُ السَّامُ عَلَيْكَ أَى الْمَوْتُ يَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا مَلَأَ يَعْبُدُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ مِنْ التَّحِيَّةِ
وَأَنَّهُ لَيْسَ بِنَبِيِّ إِنْ كَانَ نَبِيًّا حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَيَنْسِفُ الْمَصِيرُ ﴿٥٨﴾ هِىَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا
تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبَرِّ وَالتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ
الَّذِى إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٥٩﴾ إِنَّمَا النَّجْوَى بِالْإِثْمِ وَنَحْوِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ بِغُرُورِهِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ
هُوَ بِضَارٍّ لَهُمْ شَيْئًا إِلَّا بِأَذْنِ اللَّهِ أَى إِرَادَتِهِ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٦٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ
لَكُمْ تَفَسَّحُوا تَوَسَّعُوا فِي الْمَجْلِسِ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ الذِّكْرِ حَتَّى يَجْلِسَ مَنْ جَاءَكُمْ وَفَى قِرَاءَةِ الْمَجَالِسِ
فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ فِي الْحَنَةِ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا قُومُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَيْرَاتِ فَانْشُرُوا
وَفَى قِرَاءَةِ بَضْمِ الشَّيْنِ فِيهِمَا يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ بِالطَّاعَةِ فِي ذَلِكَ وَيَرْفَعُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
دَرَجَاتٍ فِي الْحَنَةِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٦١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ أَرَدْتُمْ
مُنَاجَاةَ فَقَدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَيْكُمْ قَبْلَهَا صَدَقَةٌ ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ لِدُنُوبِكُمْ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا
مَا تَتَصَلَّوْنَ بِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ لِمُنَاجَاةِكُمْ رَحِيمٌ ﴿٦٢﴾ بِكُمْ يَعْنَى فَلَا عَلَيْكُمْ فِي الْمُنَاجَاةِ مِنْ غَيْرِ صَدَقَةٍ ثُمَّ
نُسِخَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ أَشْفَقْتُمْ بِتَحْقِيقِ الهمزتين وَإِبْدَالِ الثَّانِيَةِ أَلِفًا وَتَسْهِيلِهَا وَإِدْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَ الْمُسْهَلَةِ
وَالْأُخْرَى وَتَرْكِه أَى أَخَفْتُمْ مِنْ أَنْ تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَيْكُمْ صَدَقَتْ لَلْفَقْرِ فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا الصَّدَقَةَ وَتَابَ
اللَّهُ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ عَنْهَا فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ آثُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَى دُومُوا عَلَى ذَلِكَ
ع وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٣﴾

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے جھگڑ رہی تھی (اے پیغمبر! آپ سے بار بار عرض کر رہی تھی) اپنے شوہر کے معاملے میں (جس نے اس ظہار کرتے ہوئے انت علی کظہو اسی کہہ دیا۔ اس پر عورت نے جب رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہوگئی ہے۔ جیسا کہ پہلے سے ان کا یہی دستور چلا آ رہا تھا کہ ظہار سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ عورت خولہ بنت ثعلبہ تھی اور شوہر اس بن صامت) اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی (اپنی تہائی اور فاقہ اور کسن بچوں کی کہ اگر شوہر کے پاس رہے تو ضائع ہو جائیں گے اور اس کے پاس رہے تو بچوں کے مرجائیں گے) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو (بار بار کی بار۔ حیث) سن رہا تھا اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا (جاننے والا) ہے۔ جو لوگ ظہار کرتے ہیں (بظہرون، اصل میں بظہرون تھا۔ تاکو ادغام کر دیا گیا۔ اور ایک قراءت میں ظا اور حا اور خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت یتا کنون کے وزن پر ہے اور دوسری جگہ بھی یہی تفصیل ہے) تم میں سے اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں۔ (المائیں ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ (ظہار کے ذریعہ) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ (غلط) بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے بخش دینے والے ہیں (ظہار کرنے والے کو کفارہ کے ذریعہ) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ پھر اپنی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ ظہار کے خلاف کرنا چاہتے ہیں اس طرح ظہار کی ہوئی بیوی کو روک کر، جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے۔ یعنی بیوی کا حرام ہو جانا) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے (یعنی غلام آزاد کرنا خاوند کے ذمہ ہے) اس سے پہلے کہ دونوں باہم (جماع کر کے) اختلاف کریں۔ اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام یا باندی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے در پے دو مہینہ کے روزے ہیں اس سے پہلے کہ باہم اختلاف کریں پھر جس سے یہ (روزے) بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھانا ہے (یعنی جماع سے پہلے، مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے۔ ہر مسکین کو شہر کی زیادہ رائج غذا ایک مددے کر) یہ (کفارہ میں سہولت) اس لئے ہے کہ اللہ و رسول پر تم ایمان لے آؤ اور یہ (مذکورہ احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ و رسول کی مخالفت (خلاف ورزی) کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل (رسوا) ہوں گے جیسے ان سے پہلے (پیغمبروں) کی مخالفت کر کے ذلیل ہوئے ہیں۔ اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں۔ (پیغمبر کے سچے ہونے) پر اور (احکام کے) انکار کرنے والوں کو ذلت (ورسوائی) کا عذاب ہوگا۔ جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ جلائے گا۔ پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو جلا دے گا جو اللہ نے محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (آپ کو معلوم نہیں) کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا نہ ہو۔ اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام جلا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی۔ جن کو سرگوشی سے منع کیا گیا ہے پھر وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کرویا گیا تھا۔ اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ یعنی یہود جنہیں آنحضرت ﷺ نے ان سرگوشیوں سے منع کر دیا تھا یہ یہود آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ مسلمانوں کو کھلا کرتا کہ مسلمان و سناؤں میں گھرے رہیں) اور جب آپ کے پاس (اے پیغمبر) یہ لوگ آتے ہیں تو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں۔ جس سے آپ کو اللہ نے سلام نہیں فرمایا (یعنی کہتے ہیں السلام علیک بمعنی موت) اور اپنے جی میں کہتے اللہ نے ہمارے اس کہنے پر کیوں سزا نہیں دی (اس طرح سلام کرنے پر، اگر یہ نبی ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ نبی نہیں ہیں) ان کے جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ اس میں داخل ہوں گے سودہ براء کا گناہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ایسی (گناہ وغیرہ کی) سرگوشیاں محض شیطان (کے قریب) کی وجہ سے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دل میں رنج نہ ڈالے۔ حالانکہ وہ بدول اللہ کے ارادے کے ان کو کچھ

ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو (وسیع کر دو)۔ آنحضرت ﷺ کی مجلس یا مجلس ذکر مراد ہے تاکہ آنے والے کے لئے گنجائش ہو جائے۔ ایک قراءت میں مجالس میں آیا ہے) تو تم جگہ کھول دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا۔ اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو (نماز وغیرہ اچھے کاموں کے لئے کھڑے ہو جاؤ) تو اٹھ کھڑے ہو کر دو (ایک قراءت میں دونوں جگہ ضمہ شین کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ (جنت میں) درجے بلند کرے گا۔ تم میں ایمان والوں کے جو اس حکم کو ماننے والے ہیں) اور (بلند کرے گا) ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو (اس کا ارادہ ہو) تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کر دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (گناہوں سے) پھر اگر تمہیں (خیرات کی) سہولت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ (تمہاری سرگوشی کو) معاف کرنے والا۔ تم پر رحم کرنے والا ہے (یعنی بغیر خیرات سرگوشی کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ پھر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ ہو گیا) کیا تم ڈر گئے (دونوں ہمزائوں کی تحقیق اور دو سری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور دوسری ہمزہ کے الف کے ساتھ اور بغیر الف کے تسہیل یہ ہے کہ یعنی گھبرا گئے) سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے (غربت کی وجہ سے) سو جب تم (خیرات) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (یہ قانون واپس لے کر) تو تم نماز کے پابند رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو (یعنی ان احکام کی پابندی رکھا کرو) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

تحقیق و ترکیب:..... قد سمع الله بمعنى اجاب تجادلک مجادلہ کے معنی یہاں مجاز امکا لہ کے ہیں یعنی بار بار کلام کرنا۔

الذین یظاہرون یقاتلون کے وزن پر عاصم، ابوالعالیہ، "حسین" کی قراءت ہے۔

من نساء ہم۔ اس سے مراد بیوی ہے۔ چنانچہ بقول صاحب ہدایہ باندی سے ظہار نہیں ہوتا۔ نیز نساء کی اضافت ضمیر کی طرف ہے یعنی اپنی بیوی چنانچہ کسی عورت سے اگر اس کی اجازت کے بغیر کسی نے نکاح کر لیا اور پھر اس بیوی سے ظہار کیا۔ ظہار کے بعد اس منکوحہ نے نکاح کی اجازت دی تو اس صورت میں ظہار نہیں ہوگا کیونکہ اجازت دینے سے پہلے یہ اس کی بیوی نہیں ہوئی تھی اس لئے ظہار بھی نہیں ہوگا۔

ما ہن امہتہن۔ یعنی بیوی حقیقہً ماں نہیں ہوتی۔ اس لئے حقیقی ماں سے حرام ہونے میں تشبیہ بھی دینی چاہیے الا یہ کہ شرعاً اجازت ہے جیسے رضاعی ماں کہنا یا امہات المؤمنین ازواج مطہرات کو کہنا۔

منکوحاً من القول۔ یعنی شرعاً منقول بات ہے۔

زوراً۔ باقی بات ہے اور یہ اس لئے کہ تشبیہ سے مقصود اگرچہ طلاق ہے اور ناجائز و ناروا نہیں ہوتی لیکن منکوحہ کو ایک ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو بیوی بات سمجھی گئی اور جاہلیت کی یادگار ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس موقع پر یہ اشکال نقل کیا گیا ہے کہ شوافع کے اصول پر، حرام چیز کسی مشروع چیز کا سبب نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ ظہار کا منکر ہونا نص سے ثابت ہو رہا ہے۔ پھر یہ کفارہ جیسے شرعی حکم کا سبب بنا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہماری گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ سبب مشروع ہو اور حکم بھی مطلوب ہو اور پھر سبب کی ممانعت کی جائے تو اس صورت میں حکم مشروع ہوگا یا نہیں مثلاً خرید و فروخت شرعاً جائز ہے اور اس سے ملکیت مطلوب ہوتی ہے پس فاسد خرید و فروخت کی وجہ سے آیا۔ ملکیت ثابت ہوگی یا نہیں لیکن کفارہ میں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ وہ مطلوب نہیں ہے بلکہ ظہار پر سر زش کرتے ہوئے مشروع ہوا ہے اس لئے اس کا سبب ہی ممنوع ہونا چاہیے جیسے قصاص کہ وہ قتل کی سزا ہے۔ اسی لئے قصاص کا سبب یعنی ابتدائی قتل حرام ہے۔

والذین یظاہرون۔ ظہار کی حقیقت یہ ہے کہ بیوی کو ماں کے اس کے کسی ایسے جزء کے ساتھ تشبیہ دینا جس کو بول کر ذات مرادی جاتی ہے جیسے کہا جائے۔ انت علی کامی یا کظہر امی اور نیت حرام ہونے کی کی جائے تو بالا جماع ظہار ہو جائے گا۔ لیکن امام اعظمؒ اور امام

مالک نے ماں کے علاوہ دوسرے محرمات کو بھی ماں پر قیاس کیا ہے جیسے بہن، خالہ، چھو بھئی وغیرہ اسی طرح رضاعی محرمات بھی اس میں داخل ہیں۔ امام شافعی بھی ایک قول میں ہمارے شریک ہیں اور ایک دوسرے قول کے مطابق صرف ماں کے ساتھ ظہار خاص ہے۔ ظہار کا حکم یہ ہے کہ بیوی کفارہ ادا کرنے تک حرام رہے گی۔ اور اس کی حرمت چونکہ نفس سے ثابت ہے اس لئے اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔ ظہار کے الفاظ بول کر کوئی طلاق کی نیت کرے تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور کوئی تعظیم و تکریم کی نیت سے کہے تو تکریم ہی سمجھی جائے گی اور اگر بغیر نیت یہ الفاظ کہہ دے تو کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا۔

ثم يعودون لما قالوا ليعني ليعني ما قالوا مضاف محذوف ہے حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی بات کے برخلاف بیوی سے بیوی کے معاملات کرنا چاہے لیکن عود کی صورت کیا ہوگی؟ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ حسنؒ کے نزدیک صرف ہمبستری کے ذریعہ عود کہلائے گا۔ امام مالکؒ کے نزدیک عزم جماع سے بھی عود ہو جائیگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک دوا جماع سے عود ہو جائیگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف بیوی رہنے دینے سے ہی عود ہو جائے گا۔ یعنی ظہار کے فوراً بعد اگر شوہر اس کو طلاق نہ دے تو عود ہو جائے گا۔ حنفیہ کی تائید ابن عباسؓ، حسنؒ، قتادہ کے اقوال سے بھی ہوتی ہے اور سفیان ثوری کے نزدیک عود کے معنی یہ ہیں کہ اسلام لانے کے بعد جاہلیت کے اس ظہار کو پھر دہرائے۔ اور ظاہریہ کے نزدیک عود کے معنی بار بار ظہار کے الفاظ کو دہرانے کے ہیں اور ابو مسلمؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ شوہر اپنے کہنے پر حلف کر لے۔

فتحریر رقبہ۔ یہاں سے کفارہ کی تین صورتوں کی تفصیل ہے۔ یہ مبتداء ہے اس کی خبر مفہم محذوف ہے یا بقول مفسر اعتنا تھا علیہ پھر یہ جملہ موصول کی خبر ہو جائے گا۔ اور فاعل معنی شرط کی وجہ سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جماع اور دوا جماع کی اجازت غلام، باندی آزاد کرنے سے پہلے نہیں ہے۔ تاہم کسی نے اگر ایسا کر لیا تو توبہ استغفار کیا جائے۔ کفارہ صرف ایک ہی دینا پڑے گا خواہ بار بار جماع کرے اور اس حکم کی پابندی خاندان بیوی دونوں پر ہوگی۔ بعض علماء کے نزدیک کفارہ سے پہلے صرف جماع کی ممانعت ہے دوا جماع کی ممانعت نہیں ہے پھر غلام باندی عام ہیں۔ مسلمان ہو یا کافر چھوٹا ہو یا بڑا، گونگا ہو یا کاننا، یا بہر ایک ہاتھ اور دوسری جانب کی ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔ غرضیکہ جس غلام باندی کی منعقت باقی ہو اس کو آزاد کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مکاتب کو آزاد کرنا جس نے ابھی کچھ بدل کتابت ادا نہ کیا ہو یا اپنے آدھے غلام کو پہلے اور باقی کو بعد میں آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ البتہ بالکل غلام باندی جیسے ناپسندیدہ، دیوانہ، دونوں ہاتھ یا پاؤں یا ایک ہی جانب کے ہاتھ پاؤں یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے کو آزاد کرنا یا بد غلام یا اسی مکاتب کو آزاد کرنا جس نے کچھ بدل کتابت ادا کر دیا ہو یا مشترک غلام کے ایک حصہ کو پہلے اور بقیہ کو بعد میں آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔ یہ تمام تر تفصیل حنفیہ کے نزدیک رقبہ کے مطلق ہونے کی بنیاد ہونے پر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ کے قتل پر قیاس کرتے ہوئے صرف مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے بلحاظ ذات غلام صحیح سلامت ہو جو کارآمد ہو۔ ناقص اور عیب دار نا کافی ہوگا۔ فصن لم یجد فصیام یہ کفارہ کی دوسری صورت ہے۔ غلام باندی کے نہ پائے جانے کی معنی میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ غلام باندی خواہ خدمت کے لئے ہوں یا ان کی قیمت خواہ وہ اپنی ضروریات کے لئے ہو۔ ان دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کیا جائے گا۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زائد از ضرورت نہ ہوں تب روزے رکھائے جائیں گے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک صرف غلام باندی کی موجودگی یا غیر موجودگی کا اعتبار کیا جائے گا قیمت پاس ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اگر غلام باندی موجود ہیں خواہ خدمتی ہیں تب انہیں آزاد کیا جائے گا۔ ورنہ اگر ان کی قیمت ہو خواہ صرف سے زائد ہو بہر صورت روزوں کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ کفارہ کی منتقلی غریبوں کو کھانا کھلانے کی جانب یہ اس طرف مشیر ہے کہ کفارہ ظہار میں بحینہ غلام باندی کا اعتبار کیا گیا ان کی قیمت کا نہیں۔ برخلاف کفارہ قتل کے اس میں یہ منتقلی نہیں ہے، اور دو ماہ کے روزے مسلسل ہونے ضروری ہیں۔ درمیان میں رمضان اور پانچ منوعہ دن بھی نہیں آنے چاہئیں۔ اسی طرح کسی عذر کی وجہ سے بھی اس تسلسل میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ ورنہ بلا عذر ناغہ کی صورت میں بالاجماع دو ماہ کے از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔ اور حنفیہ کے نزدیک عذر کی وجہ سے بھی ناغہ ہونے سے سابقہ روزے کا عدم ہو جائیں گے یہاں بھی روزے جماع اور دوا جماع

جماع سے پہلے مکمل کرنے ضروری ہوں گے۔ اور بعض کے نزدیک صرف جماع سے پہلے روزے رکھنے ضروری ہیں۔ اسی طرح حنفیہ مالکیہ کے نزدیک دن و رات دونوں میں بیوی سے بچنا ضروری ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک روزوں کے درمیان رات کو جماع کرنے سے روزوں کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن نص کا اطلاق حنفیہ کی تائید کر رہا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں روزوں کو اگر از سر نو دہرایا گیا تو تمام روزے جماع سے موخر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ان ادا کئے ہوئے روزوں کو معتبر مان لیا جائے تو کم از کم بعض روزے ہی مقدم ہو جائیں گے۔ اس لئے من قبل ان۔ تنہا سا پر فی الجملہ عمل کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ ان روزوں کا اعتبار کر لیا جائے اور از سر نو روزے نہ رکھائے جائیں لیکن طرفین کا جواب یہ ہے کہ روزوں کے کفارہ میں دو چیزیں مقصود ہیں۔ ایک تمام روزوں کا جماع سے پہلے ہونا اور دوسرے ان تمام روزوں کا جماع سے خالی ہونا۔ پس مذکورہ صورت میں پہلا مقصد اگر چہ حاصل نہیں ہوا۔ تاہم دوسرے مقصد کو سامنے رکھ کر روزوں کو از سر نو رکھنا چاہیے۔ تاکہ ممکنہ حد تک نص پر عمل ہو سکے۔ فمن لم یستطیع فاطعام یہ کفارہ کی تیسری صورت ہے۔ یعنی غلام باندی کو آزاد کرنے کی طرح اگر کوئی دو ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھ سکتا ہو۔ بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں رکھ سکتا، یا دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو پھر تین زمرہ حلیہ یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ فی مسکین آدھا صاع گیہوں یا ایک جویا کھجوروں کا دے دے یا اتنی قیمت ادا کر دے یا دو وقتہ پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے۔ تو حنفیہ کے نزدیک سب صورتیں جائز ہیں۔ یعنی امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے پیانہ کے حساب سے فی مسکین ایک رطل اور تہائی رطل جو نانچ زیادہ کا استعمال ہوتا ہو دے دے۔ اور فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے نہ اباحت ان کے نزدیک کافی ہے اور نہ قیمت کی ادائیگی جائز ہے اور چونکہ کھانا کھلانے میں من قبل ان یتھا مساکی قید نہیں ہے۔ اس لئے درمیان میں جماع حنفیہ کے نزدیک مکمل کفارہ نہیں ہوگا۔ لیکن امام شافعیؒ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے تیسری صورت کو پہلی دونوں صورتوں پر قیاس کر کے من قبل ان یتھا مساکی شرط مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مطلق و مقید اگر دو واقعوں میں بھی الگ الگ ہوں گے تب بھی مطلق کو مقید سمجھا جائے گا برخلاف حنفیہ کے وہ ایک حادثہ میں بھی مطلق و مقید کو الگ الگ رکھتے ہیں اور رائج یہی اصول معلوم ہوتا ہے کیونکہ شارع کے نزدیک یہ قید اگر ضروری ہوتی تو مطلق کیوں ارشاد فرماتے ہیں۔ پھر شوہر کے ظہار کے بعد کفارہ کی ادائیگی پر شوہر کو مجبور کرنا بیوی کا حق ہے۔ صاحب کشاف اور صاحب مدارک دونوں نے فرمایا کہ عورت قاضی کے یہاں مراغہ کر سکتی ہے اور قاضی شوہر کو مجبور کرے گا۔ بلکہ کفارہ ظہار ہی ایسا کفارہ ہے جس میں خاوند کو جیل بھی بھیجا جاسکتا ہے تاکہ بیوی کی حق تلفی نہ ہو۔ ان الذین یجادون اہل مکہ مراد ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے فتح و کامرانی اور دشمنوں کے ذلیل و رسوا ہونے کی بشارت ہے۔ کتبوا کما۔ فی تحقیق اور یقین کے لئے لائی گئی ہے۔

ونسوہ۔ غفلت و تساہل مراد ہے۔

ما یحکون۔ مانافیاہ اور کان نامہ ہے اور من زائدہ ہے۔

نجوی۔ مصدر بمعنی تناجی، فاعل ہے۔ سرگوشی اور پوشیدہ گفتگو کے معنی ہیں اس میں اللہ کے علم کی وسعت مقصود ہے۔

الا وهو۔ محل نصب ہیں ہے۔ استثناء مفرغ حال ہے۔ ابو جعفرؒ کی قراءت ماکنون ہے۔ نجوی مونث ہونے کی وجہ سے لیکن عام قراءت بقول ابو الفضلؒ مذکر کے صیغہ سے ہے۔

ولا یشکر۔ عام قراءت جر کی ہے نجوی پر عطف کی وجہ سے۔ لیکن حسن، اعمش، ابن ابی اسحق، ابو حیوہ یعقوبؒ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے نجوی کے محل ہر عطف کرتے ہوئے من زائدہ ہوگا۔ اور نجوی مصدر ہونے کی صورت میں مضاف بہ زوف ہوگا۔

ای من ذوی نجوی اور بمعنی متناجین ہو تو پھر حذف مضاف کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ ادنی مبتداء ہو اور الاھو معہم اس کی خبر اور لا اکثر کا عطف ادنی مبتداء پر ہو۔

الم تو۔ یہود و منافقین مراد ہیں۔

بما لہم یحییٰ ذی کافر کے سلام کے جواب میں علماء کی رائے مختلف ہے۔ ابن عباسؓ، "صحیح" قادیانہ ظاہر امر کی وجہ سے واجب کہتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں واجب نہیں ہے۔ صرف علیک جواب میں کہہ دینا کافی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک حدیث کی وجہ سے جواب میں وعلیک کہنا واجب ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں عطا السلام کہنا چاہیے۔ یعنی سلامتی تجھ سے اٹھتی ہے۔ اور بعض مالکیہ کے نزدیک السلام علیک جواب دینا چاہیے۔ سلام کے معنی پتھر کے ہیں۔ یعنی تجھ پر پڑیں پتھر۔

انما النجوى من الشیطان۔ یعنی غیبت اور آبروریزی کی باتیں مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے شیطانی جال ہے۔ جس میں خود سرگوشی کرنے والے پھنسیں گے۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی آبروریزی میں غور و خوض سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

ولیس بضارہم شیئا الا باذن اللہ۔ اس میں غیبت مغلطوری کرنے والوں کے لیے تخویف ہے۔

تفسحوا۔ صحابہ چونکہ مجلس نبوی کے لئے تافس کرتے تھے اس لئے تفسح کا حکم دیا گیا ہے۔

تفتح اللہ اسی طرح یرفع اللہ دونوں مجرم ہیں جواب امر جواب شرط کی وجہ سے افتر و مجلس میں تنگی کی وجہ سے اٹھنے کو کہا جائے تو اس کی تعمیل مقصود ہے، یا اذان کے بعد نماز و جماعت میں سستی سے منع کرنا مقصود ہے۔

الذین او توالی العلم۔ عطف خاص علی العام ہے۔ اہل علم کی فضیلت اس سے واضح ہے۔

بین یدیٰ نجو کم۔ اس میں حضور ﷺ کی توقیر غریب و مساکین کا انتفاع اور کثرت سوال سے روکنا اور مخلص و منافق میں امتیاز اور محبت دنیا اور محبت آخرت میں فرق کرنے کے لئے صدقہ کا حکم دیا گیا۔ بعض کے یہ حکم واجب تھا اور بعض کے نزدیک مستحب۔

فان لم تجلدوا۔ اس کی خبر محذوف ہے جس کی طرف سے مفسر نے فلا علیکم سے اشارہ کیا ہے اور فان اللہ رخ جزاء کی علت ہے۔

اذلم ففعلوا۔ اس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ ماضی ہے جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ اذ کے معنی میں ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ ان شرطیہ کے معنی میں ہے۔

ربط آیات:..... پچھلی سورت کے آخر میں رسالت کا مضمون تھا۔ اور اس سورت کے شروع میں قد سمع اللہ ہے جو مسائل توحید میں سے ہے اسی طرح پچھلی سورۃ کے اخیر میں اہل ایمان کی اخروی فضیلت کا بیان تھا۔ اس سورت کے شروع میں اہل ایمان پر دنیوی فضل کا بیان ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں جو بھی تھی اسلام نے اس کو نرم کر دیا۔

آیت ان الذین یحادون میں اللہ و رسول کے خلاف کرنے والوں کے لئے وعید ہے خواہ وہ کافر ہوں یا منافق۔ بالخصوص یہودان میں دونوں قسم کے منافقین تھے۔

الم تر ان اللہ یعلم سے سرگوشی کے سلسلہ میں پھر آیت یا ایہا الذین امنوا اذقیل ان سے کچھ آداب مجلس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شان نزول:..... ایک بار اوس بن صامتؓ کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمستری کی خواہش کی۔ بیوی نے محذرت کی۔ اوسؓ نے تھاہوکر الفاظ ظہار انت علی کظہر امی کہہ دیئے۔ پرانے دستور کے مطابق ظہار کرنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اس لئے خولہ محسوس حال کی نزاکت سے پریشان ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لئے آپ نے رواج کے مطابق فرما دیا کہ ما اراک الا قد حرمت علیہ۔ یعنی میرے خیال میں تو شوہر کے لئے حرام ہو گئی۔ وہ یہ سن کر دایلا کرنے لگی کہ پھر بچوں کا کیا ہوگا؟ اور عرض کیا "ما ذکر طلاق" یعنی شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں کہا تھا۔ پھر طلاق کیسے ہو گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ما امرت فی شانک بشیء حتی الان۔ یعنی اس بارہ میں اب تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ خولہ بنت ثعلبہ نے

ظہار کسے کہتے ہیں:..... حنفیہ کے نزدیک ظہار کسے کہتے ہیں۔ بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ایسے عضو سے حرام ہونے کی نیت سے تشبیہ دی جائے جس کی طرف اس کو دیکھنا منع ہے۔ ظہار کا حکم یہ ہے کہ کفارہ ہی بیوی کو حلال کر سکتا ہے۔ ظہار کے مختصر مگر ضروری مسائل یہ ہیں۔

- ۱۔ زیادہ تر کمر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہوگی کہ اکثر جماعت کے وقت بیوی کمر پر لٹتی ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ جیسے ماں کو اس نیت سے لٹانا حرام ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی حرام سمجھتا ہوں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کی تشبیہ میں بھی مناسبت نکال لی جائے گی۔
- ۲۔ منکم میں خطاب چونکہ مسلمان بالغوں کو ہے اس لئے کافر یا نابالغ مسلمان کا ظہار حقیقی نہیں۔
- ۳۔ نساء سے چونکہ منکوحہ بیویاں مراد ہیں۔ اس لئے اپنی باندی سے ظہار نہیں ہوگا۔
- ۴۔ ظہار کرنا گناہ ہے اور بعض کے نزدیک گناہ کبیرہ۔

۵۔ کفارہ ادا کئے بغیر بیوی سے صحبت اور اس کے دوائی حرام رہیں گے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ فلا تقر بها حتی تفعل ما امرک اللہ۔
۶۔ کسی وجہ سے ایسی بیوی سے صحبت یا دوائی صحبت کا ارادہ نہ ہو اور اس کو خاوند طلاق دے دے یا بیوی مر جائے تو اس گناہ کی معافی تو بہ سے ہو جائے گی کیونکہ کفارہ صحبت کے لئے شرط ہے گناہ کے لئے نہیں۔

۷۔ بغیر ارادہ صحبت اگر کفارہ ادا کرے تب بھی صحبت حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ کفارہ کے نفس و جوب کا سبب تو ظاہر ہے مگر وجوب ادا کا سبب ارادہ صحبت ہے۔ پس نفس و جوب کے بعد کفارہ ادا کرنا صحیح ہو جائے گا۔ البتہ اس کی ادائیگی بغیر ارادہ صحبت واجب نہ ہوگی بلکہ صرف توبہ کافی ہے۔ پس آیت میں عود کے ساتھ مقید کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کفارہ کے بغیر صحبت جائز نہیں ہے۔ نہ کہ بدوں ارادہ صحبت کے کفارہ بھی جائز نہیں غرضیکہ ارادہ صحبت کے وقت تو ظہار کا تدارک کفارہ سے ہوگا اور بغیر ارادہ صحبت کے توبہ سے تدارک ہو سکے گا۔

۸۔ غلام باندی آزاد کرنے یا روزے رکھنے کے درمیان اگر شوہر نے صحبت کر لی تو از سر نو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کھانا کھلانے کے درمیان صحبت کر لی تو تجدید کفارہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ گناہ ہوگا جس کے لئے توبہ کرنی ہے۔

۹۔ چونکہ فی زمانہ کہیں غلام باندی نہیں ہیں اس لئے کفارہ صرف روزوں اور کھانا کھلانے کے ذریعہ ادا ہوگا۔

۱۰۔ کچھ مسائل سورۃ نساء کفارہ قتل کے ذیل میں اور کچھ مسائل سورۃ مائدہ کفارہ یمین کے تحت گزر چکے ہیں اور ظہار کے متعلق تفصیل سورۃ احزاب آیت ماھن اما تھم الخ میں گزری ہے۔ ان اللہ سمیع علیم۔ اللہ تو سب ہی کی مستاد دیکھتا ہے وہ اس عورت کی گفتگو کیوں نہیں سنتا جو آپ سے ہوئی بے شک وہ عورت مصیبت زدہ تھی جس کی فریاد سننی اور ہمیشہ کے لئے اس قسم کے واقعات سے عہدہ برا ہونے کا راستہ بتلادیا۔

کفارہ ظہار میں سرزنش کا پہلو:..... ماھن اما تھم۔ بیوی اس کہہ دینے سے حقیقی ناں کیسے بن سکتی ہے؟ کہ حقیقی ماں کی طرح ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے۔ ہاں کوئی جب اپنی بدتمیزی سے ایک غلط اور نامعقول بیہودہ بات کہہ دے تو اس کی تادیب یہ ہے کہ کفارہ ادا کرے۔ عورت کو اس کے بغیر ہاتھ نہ لگائے، پر بیوی اسی کی رعی۔ محض ظہار سے طلاق نہیں پڑے گی۔ زمانہ جاہلیت میں جو ایسی حالت ہو چکی وہ معاف ہے۔ لیکن اب احتیاط کر۔ پھر بھی اگر کسی سے یہ غلط ہو جائے تو توبہ کرے اور بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ و لکم عظون کفارہ، تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز رہیں۔

آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح:..... ان الدین یحادون۔ یہود و منافقین محض مسلمانوں کو پریشان اور شکستہ خاطر کرنے کے لئے فرضی سرگوشیاں کرتے اس پر سرزنش کی گئی ہے۔ اسی طرح مجلسی آداب اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں پہلے تو علیک سلیم صحیح کرنے کا سبق دیا گیا۔ اور پھر جگہ تک ہونے پر اولاً تو آپ نے ممکنہ حد تک نئے آنے والوں کے لئے منجائش پیدا کرنے کا حکم دیا جن کے دلوں میں جگہ تھی انہوں نے باہر بھی جگہ کھول دی۔ لیکن جن کے دل تنگ تھے وہ گھٹتے رہے مگر اپنی جگہ سے کھسکے نہیں تو آپ نے تادیباً ان کو اٹھا دیا اور نئے آنے والوں نے ان کی جگہ سنبھال لی تاکہ پرانوں کی طرح نئے لوگ بھی استفادہ کر سکیں۔ جیسا کہ مدارس میں طلبہ اساتذہ سے بطور تادیب درسی استفادہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک جماعت جارہی ہے دوسری آ رہی ہے یا ایک کتاب ختم ہو رہی ہے اور دوسری شروع ہو رہی ہے اس سے استفادہ محدود نہیں رہتا بلکہ وسیع ہو جاتا ہے۔ سب کو موقع مل جاتا ہے مگر روکی دلوں کو یہ ناگوار ہوا۔ اسی طرح بعض پیسہ والے آتے اور دوسروں پر رعب جماتے اور فرضی تقرب جملانے کے لئے آنحضرت ﷺ سے طویل سرگوشی کرتے۔ آپ غایت اخلاق سے ان کو روک تو نہیں سکتے مگر طبعاً ناپسند کرتے اور غریب عوام محروم رہتے۔ کیونکہ جب سارا دن مجلس خاص چلتی رہے تو پھر مجلس عام کب ہوگی؟ اس لئے مصلحتاً اس پر روک لگانے کے لئے پیشگی رقم کی ادائیگی لازم کر دی گئی۔ جس سے غیر مخلصین کی بھیڑ تو چھٹ گئی مگر بعض درمیانی درجہ کے مخلصین کو تنگی ہونے لگی۔ کہ وہ نہ تو پورے نادار تھے کہ رخصت سے فائدہ اٹھالیں اور نہ پورے مالدار کے بے دھڑک خرچ کر ڈالیں اور پھر سرگوشی کوئی اس درجہ کی چیز نہیں تھی کہ اس کو عبادت کا راجہ دے کر لازمی خرچ کیا جائے۔ اس لئے جلد ہی اس پابندی کو واپس لے لیا گیا۔

احصاء اللہ نسوہ۔ یعنی ان کو عمر بھر کے بہت سے کام یاد ہی نہیں رہے یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔ لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں وہ سارا دفتر اس دن کھول کر دکھ دیا جائے گا۔

مشورہ اور ارکان شوری:..... ما یکون من فجوی۔ مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو اختلاف کی صورت میں ترجیح دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے اہم معاملات میں طاق عدد رکھتے ہیں اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین پھر پانچ تھا۔ اس لئے ان دو کو اختیار کر کے آگے تعین کر دی۔ رہا حضرت عمرؓ کا خلافتی شوری کو چھ افراد پر دائر کرنا جو طاق عدد نہیں، اس لئے ہوگا کہ اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق یہی چھ حضرات تھے جن میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر خلافت کا انتخاب انہی چھ میں سے ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس کا نام آتا، رائے دینے والے تو اس کے سوا پانچ افراد ہی رہتے۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لئے عبد اللہ بن عمرؓ کا نام لیا تھا۔ الم تر الی الدین نہوا۔ مجلس نبوی ﷺ میں بیٹھ کر ناحق اہل مجلس کا مذاق اڑاتے، ان پر نکتہ چیں کرتے، آپس میں کھسر پھسر کرتے اور آنکھوں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے۔ اور حضرت کی بات سن کر کہتے یہ مشکل کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ سورہ نساء میں ایسی سرگوشیوں سے منع بھی کیا جا چکا تھا۔ مگر یہ موزی بے حیا پھر اپنی حرکتوں اور شرارتوں سے باز نہ آتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب:..... حیو کہ بالم تحیک بہ اللہ۔ یہودی اور منافقین آپ کو السلام علیکم کے بجائے السلام علیکم کہہ کر سلام کرتے۔ جس کا دمبھی آمیز جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ جواب میں صرف وعلیک فرمادیتے۔ یعنی تمہاری پیش کش واپس، تمہیں ہی مبارک ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہودی کے السلام کے جواب میں علیک السلام واللعنة کہہ دیا آپ ﷺ نے نا پسند فرمایا۔ صدیقہؓ بولیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے خیال نہیں فرمایا اس نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خیال نہیں کیا میں نے کیا کہا؟ یعنی جواب میں صرف علیک کہہ کر اس کا تحفہ اسی کو واپس کر دیا۔ ہمیں اپنی زبان کو گوندہ نہیں کرنا چاہیے۔ فقہانے لکھا ہے کہ کفار کے سلام کے جواب میں صرف علیک کہہ دیا جائے یا ہاک اللہ کہنا چاہیے لیکن اگر ”آداب عرض ہے“ بندگی بجالاتا ہوں، تو انہیں جملوں کو دہرانے کی اجازت

ہے۔ البتہ ابتداء اسلام نہیں کرنا چاہیے اور اسلام کے جواب میں سلام نہیں کہنا چاہیے کیونکہ کافر کی سلامتی کفر کی سلامتی ہے جو مطلوب نہیں۔ بلکہ ہدایت مطلوب ہے البتہ دفع ضرر کے لئے دونوں باتوں کی اجازت ہے۔

سرگوشی کی حدود:..... فلا تتناجوا۔ ممکن ہے اس پر کوئی شبہ کرے کہ منافقین کو فلا تتناجوا بالانہم کہا گیا ہے۔ مگر وہ کہہ سکتے ہیں ہم تو یہ تقویٰ کی سرگوشی کرتے ہیں ائمہ و عدوان کی سرگوشی نہیں کرتے۔ کیونکہ صورت تو دونوں ایک ہی ہیں۔ ان میں فرق و امتیاز معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ کہ یہ تقویٰ کے مضامین، سرگوشی کے لائق بہت کم ہیں۔ ایسی سرگوشی تو شاذ و نادر ہی سمجھی ہوگی۔ برخلاف شرارت و خباثت کے کہ اس میں سرگوشی بکثرت ہوتی ہے پس دونوں میں یہی ایک امتیاز کافی ہے۔ پھر اس کے علاوہ قرآن خارجہ خصوصی احوال بھی دونوں سرگوشیوں کو ایک دو سرے سے جدا کر سکتے ہیں۔

انما المنجی من الشیطان۔ منافقین کی کانا پھوسی مسلمانوں کو دلگیر کرنے کے لئے تھی۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب شیطان کی شرارت ہے۔ اور وہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا ہے۔ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو لاکھ منصوبے یہ گانڈھ لیں بال بیکان نہیں کر سکتے۔ اس لئے دلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ احادیث میں ہے کہ مجلس میں ایک آدمی چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی نہ کریں اس سے تیسرا دلگیر ہوگا یہ مسئلہ بھی اس آیت کے تحت آ سکتا ہے۔ یہ تو خلوت کا ادب تھا آگے جلوت کا ادب ارشاد ہے۔

اہل مجلس کی رعایت:..... واذا قیل لکم تفسحوا۔ حضور ﷺ پر نور کی مبارک مجلس میں ہر شخص آپ کا قریب چاہتا ہے۔ جس سے مجلس میں کبھی تنگی پیش آتی حتیٰ کہ اکابر صحابہ کو حضور ﷺ کے قریب جگہ نہ ملتی۔ اس لئے یہ احکام سرزد ہوتے تاکہ سب کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے۔ اور نظم و ضبط قائم رہے اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیے خواہ وہ بالکل اٹھ جائے نو کہے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کر دے۔ پھر یہ انتظام خواہ مجلسی مصالح کے پیش نظر ہے یا صدر مجلس کو کسی خاص مشورہ یا عبادت یا آرام کے لئے خلوت کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ کام نہ ہو سکیں یا دھورے ہوتے ہوں۔ بہر صورت تعمیل کرنی چاہیے کہ اسلام ابتری اور بد نظمی نہیں سکھاتا بلکہ انتہائی نظم و شاننگی سکھاتا ہے یوسف اللہ الذین امنوا اچا ایمان اور صحیح علم انسان کا ادب و تہذیب سکھاتا ہے۔ اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم و ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے ہیں اور اپنے کو ناپزیر سمجھتے جاتے ہیں۔ من تو اضع الله رفعه اللہ، یہ کام جاہل بدین، متکبروں کا ہے محض اتنی سی بات پر لڑ پڑے کہ مجھے کیوں یہاں سے اٹھا دیا، وہاں کیوں بٹھا دیا۔ مجلس سے کیوں الگ کر دیا۔ بہر حال منافقین وہ تو منکم کی قید کی وجہ سے اس وعدہ سے خارج ہیں۔ دوسرے بے علم مگر اہل ایمان کے لئے بلند درجات ہیں۔ تیسرے وہ جو جامع ہیں ایمان و علم کے، ظاہر ہے کہ ان کے لئے مزید بلندی درجات ہے کیونکہ علم و ایمان سے معرفت و اخلاص زیادہ ہوگا جس سے عمل اور اس کے اجر میں ترقی لازمی ہے۔

رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مصالح:..... فقد موابین یدی نجویکم صدقہ۔ منافقین تو اپنی بڑائی جتلانے کے لئے سرگوشی کر کے آپ کا وقت خراب کرتے۔ اور بعض مسلمان بھی غیر اہم باتوں میں سرگوشی کر کے دوسروں کو استفادہ سے رکاوٹ کا سبب بنتے۔ مگر مروت و اخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس لئے سرگوشی سے پہلے خیرات کا حکم دیا گیا۔ آیت میں تو اس کی کوئی مقدار نہیں آئی لیکن روایات میں مختلف مقادیر ذکر کی گئی ہیں۔ کوئی معین مقدار مقرر نہیں۔ تاہم معتد بہ ہونی چاہیے اس صدقہ میں کئی فائدے تھے۔ اس طرح غریبوں کی امداد ہو جاتی تھی۔ مخلص و غیر مخلص میں امتیاز، غیر ضروری سرگوشی سے نجات، منافقین تو محل کے مارے چھٹ گئے اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں۔

فاذلم تفعّلوا۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ اس پر صرف میں

نے عمل کیا ہے۔ صدقہ دلانے کا جو مقصد تھا جب وہ حاصل ہو گیا۔ تو اس وقتی حکم کو بھی اپنا لیا جائے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمد تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں ہیں۔ انہی سے کافی تزکیہ نفس ہو جائے گا۔

اطا نف سلوک: ذلکم تو عظون۔ مالی کفارہ کو وعظ و تنبیہ کا سبب کہنا اس کی دلیل ہے کہ اصلاح نفس میں مالی جرمانہ کی خاصی تا ثیر ہے۔ مشائخ بھی اس تدبیر سے معالجہ کرتے ہیں لیکن خود مشائخ کو وہ جرمانہ وصول نہیں کرنا چاہیے۔
وتناجوا بالبر والتقویٰ۔ کسی مصلحت سے تخلیہ میں گفتگو کے جواز کی یہ اصل ہے مشائخ کا اس پر بھی عمل ہے۔
اذا قیل لکم تفسحوا۔ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے بعض آداب مجلس مشائخ پر روشنی ڈال رہی ہے۔

یرفع اللہ الذین امنوا سے معلوم ہوا کہ عوام و خواص کے مراتب کی رعایت ضروری ہے مگر اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہے نہ کہ ان کے اصحاب کی آراء پر فقلدوا بین یدی نجو کم صدقہ۔ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سے سرگوشی بڑی بھاری بات ہے اس کی جرات نہیں کرنی چاہیے
ء اشفقتم ان تقلدوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو شیخ کو اس کی تسلی کرنا زیبا ہے۔ وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے

أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا هُمُ الْمُنَافِقُونَ قَوْمًا هُمْ الْيَهُودُ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ إِلَّا الْمُنَافِقُونَ
مِّنْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا مِنْهُمْ مِنَ الْيَهُودِ بَلْ هُمْ مُذَبِّبُونَ وَيَخْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ أَيْ قَوْلِهِمْ أَنَّهُمْ
مُؤْمِنُونَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ فِيهِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ مِنَ الْمَعَاصِي اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سَتَرًا عَنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ فَصَدُّوا بِهَا الْمُؤْمِنِينَ عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ أَيْ الْجِهَادِ فِيهِمْ يَقْتُلُهُمْ وَآخِذِ أَمْوَالِهِمْ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۶﴾ ذُوَاهِنَةٌ لَّنْ تَغْنِي عَنْهُمْ
أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا مِنَ الْإِغْنَاءِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
﴿۱۷﴾ أَذْكَرَ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُخْلِفُونَ لَهُ إِنَّهُمْ مُّؤْمِنُونَ كَمَا يَخْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ
عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْ نَّفْعٍ خَلْفَهُمْ فِي الْآخِرَةِ كَالدُّنْيَا إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۸﴾ اسْتَحْوَذَ اسْتَوْلَىٰ عَلَيْهِمُ
الشَّيْطَانُ بِطَاعَتِهِمْ لَهُ فَانْسَهُمْ ذَكَرَ اللَّهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَتَبَاعُهُ إِلَّا إِنْ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ يَخْلِفُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿۲۰﴾ الْمَغْلُوبِينَ كَتَبَ
اللَّهُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ أَوْ قَضَىٰ لَا غَلِبَنَّا أَنَا وَرُسُلِي ۖ بِالْحُجَّةِ أَوْ السَّيْفِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾
لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ يُصَادِقُونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَ
الْمُحَادِّثِينَ أَوْ أَبْنَاءَ هُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۖ بَلْ يَقْصِدُونَ نَهْمُ بِالسُّوءِ
وَيَقَاتِلُونَهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ كَمَا وَقَعَ لِحِمَاةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَا يُؤَادُّونَهُمْ كَتَبَ اثْبَتَ فِي
قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمُ بِرُوحٍ يَنْوِرُ مِنْهُ تَعَالَىٰ وَيَدَّ خَلْفَهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرَضُوا عَنْهُ، بَنُو إِبْرَاهِيمَ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۖ يَتَّبِعُونَ أَمْرَهُ وَيَحْتَسِبُونَ نَهْيَهُ إِلَّا إِنْ حِزْبُ اللَّهِ هُمْ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۴﴾ ۞ الْفَازُونَ ۖ

ترجمہ:..... کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر کی (یعنی منافقین) جو ایسے لوگوں (یہود) سے دوستی کرتے ہیں۔ جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ لوگ (منافقین) نہ تو تم میں ہیں (مومنین میں) اور نہ ان میں ہیں (یعنی یہود میں بلکہ وہ ڈانواڈول ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں) یعنی اس پر کہ وہ مومنین ہیں (اور وہ جانتے ہیں) کہ وہ اس بات میں جھوٹے ہیں (اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ بڑے بڑے کام (گناہ) کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنی مال و جان کی حفاظت) کے لئے سپر بنا رکھا ہے۔ پھر (ان قسموں کے ذریعہ مسلمانوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں (جہاد سے قتل کر کے مال لوٹ کر) سوان کے ذلت (اہانت) کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے مال و اولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آپ یاد کیجئے) اس روز کو جب اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا۔ سو یہ اس کے حضور بھی قسمیں کھائیں گے (کہ وہ مومن ہیں) جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور وہ یوں سمجھیں گے کہ ہم بڑی عمدہ حالت میں ہیں (دنیا کی طرح آخرت میں بھی قسم کھانے سے فائدہ ہو جائے گا) خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط (قابو) کر لیا ہے (شیطان کی پیروی کرنے سے) سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ (پیروکار) ہیں۔ خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ سخت ذلیل (ہلست خورده) لوگوں میں ہیں۔ اللہ نے یہ بات لکھ دی۔ (لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرمادیا) کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (دلیل سے یا تم کو ار کے ذریعہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقت ور و بردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ و رسول کے برخلاف ہیں گو وہ (منافقین) باپ بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں (مسلمانوں کے، بلکہ وہ ایمان کی رو سے ان کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی ٹھانی ہوئے رہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ میں سے بہت سوں نے کر دکھایا ہے) ان لوگوں کے دلوں میں (جو اپنے عزیزوں سے بے تعلق ہو گئے) اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو مضبوط کر دیا ہے۔ اپنے فیض (نور) سے اور ان کو باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) ان سے راضی ہوگا اور وہ (اس کے ثواب سے) راضی ہوں گے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے (اس کے حکم کی پابندی اور ان کی ممانعت سے پرہیز کرتے ہیں) خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا (کامیاب) ہے۔

تحقیق و ترکیب:..... ما ہم منکم۔ اس جملہ میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ متانفہ مانا جائے محل اعراب میں نہیں ہوگا۔ یعنی منافقین نہ خالص مومن ہیں اور نہ خالص کافر ضمیر ہم منافقین کی طرف راجع ہے۔ اور منکم کی ضمیر یہود کافروں کی طرف راجع ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تو لو کا فاعل کے حال سے کو حال کہنا پڑے گا۔ اس صورت میں معنی اونی رہیں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو تو ما کی صفت ثانیہ کہا جائے۔ اب ضمیر ہم کافر جمع قوم یہود ہوگی اور منکم کی ضمیر دوستی کرنے والوں کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی یہود نہ مسلمانوں میں ہیں اور نہ منافقین میں۔ بلکہ اس کے باوجود منافقین ان سے وابستہ ہیں۔ بقول ابن عطیہ اس صورت میں انتشار ضمائر لازم آئے گا۔ جو پہلی دونوں صورتوں میں نہیں ہے شینا۔ مفسر نے من الاغناء سے اس کے مفعول مطلق ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے۔ اہی شینا من غنائه یوم یعنہم۔ مفسر نے اذکر سے اس کے مفعول بہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن لہ معنی کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔

اتخذ۔ یہ لفظ بغیر تعلیل کے اصل حالت میں ہے تعلیل کے بعد استعجاز ہوگا جیسے استعاذ اور استقام حدث الابل کے معنی اونٹ پر قابو یافتہ

ہونے کے ہیں۔

فانساہم۔ منافقین جو ذکر اللہ کرتے وہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔

فی الاذلیلین۔ فی بمعنی مع ہے یا منجملہ اذلیلین کے شمار کیا گیا۔

کتاب اللہ۔ چونکہ کتب بمعنی قسم کو متضمن ہے۔ اس لئے جواب لاغلیں تاکید کے لئے لایا گیا۔ لیکن مفسر نے کتب کو اپنے معنی میں رکھا ہے اور قسمی کے معنی میں بھی لیا ہے۔ اس وقت لاغلیں قسم محذوف کا جواب ہو جائے گا وایدہم بروج روح کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں۔ حسن نصرۃ کے معنی اور ریح بن النسر قرآن اور اس کے دلائل مراد لیتے ہیں۔ ابن جریرؒ جو رو بہان و ہدایت کہتے ہیں اور بعض نے رحمت الہی اور بعض نے جبرئیل کو مصداق کہا ہے۔

شان نزول:..... عبداللہ بن بتہل منافق آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک ہوتا اور آپ ﷺ کی باتیں سن کر یہود کو پہنچایا کرتا۔ ایک روز آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج ایسا شخص آئے گا جس کا دل جبار کا اور آنکھیں شیطان کی ہوں گی۔ چنانچہ اس کے بعد عبداللہ بن بتہل آیا جس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ آپ نے اسی سے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے برا بھلا کیوں کہتے ہیں؟ مگر وہ اور اس کے ساتھی مکر گئے اور حلفیہ انکار کرنے لگے۔ اس پر آیات الم قر الی الدین نازل ہوئیں۔

ولا کانوا اباہم چنانچہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے والد کو غزوہ احد میں قتل کیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غزوہ بدر میں اپنے بیٹے عبدالرحمنؓ کو مقابلہ کی دعوت دی۔ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضور ﷺ سے یہ عرض کرتے ہوئے اجازت چاہی۔ دعنی اکن فی الوہلۃ الا ولی۔ مگر آنحضرت ﷺ نے یہ کہہ کر رد کر دیا۔ بمعنا بنفسک یا ابا بکر اما نعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی و بصری۔ علیٰ ہذا مصعب بن عمیرؓ نے غزوہ حمہ میں اپنے بھائی عبد بن عمیر کو مار ڈالا۔ نیز حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو اور حضرت علیؓ جنزہؓ ابوعبیدہؓ نے خاندانی لوگوں کو عتبہ شیبہ ولید بن عقبہ کو غزوہ بدر میں قتل کر ڈالا۔

تشریح:..... منافقین چونکہ دو غلے ہوتے ہیں اس لئے جس طرح فی الواقع وہ پورے طور پر کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔ اسی طرح کسی کو ان پر بھروسہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ بظاہر دونوں طرف ہاتھ رکھ کر دوہرا نفع لوٹنا چاہتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت دوہرے ٹوٹے میں رہتے ہیں۔ اس لئے ماہم منکم ولا منہم فرمایا گیا ہے۔ اور بے خبری اور انجان پن سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کو اپنائیت کا یقین دلا کر اپنے اعتماد میں لے سکیں۔

اتخذوا ایمانہم جنۃ۔ حالانکہ یہی سب سے زیادہ جھوٹے اور سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔ اللہ کے حضور پہنچ کر بھی جھوٹی قسموں سے اپنا کام نکالنا چاہیں گے۔ اس سے بڑھ کر پرلے درجہ کا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ کے آگے بھی پرانی خصلت سے باز نہ آئے اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں۔ بڑی اچھی چال چل رہے ہیں۔ شاید اتنا کہہ دینے سے رہائی مل جائے۔

استحوذ علیہم الشیطان یعنی شیطان جس پر قابو پالیتا ہے اس کا دل و دماغ اسی طرح مسخ و ماؤف ہو جاتا ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے شاید محشر میں بھی اسے جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بے حیائی حماقت کا بھانڈا پھوڑنا ہے کہ اس دیوانہ کو اتنا ہوش نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ چلے گا؟ شیطان لٹکر کا انجام یقیناً خراب ہے۔ دنیا میں تو تباہ ہو اسی آخرت بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ شدید عذاب سے چھٹکارا کی کوئی سبیل ہے۔

ان الدین یحادون۔ اللہ و رسول کا مقابلہ کرنے والے حق و صداقت کے خلاف جنگ کرنے والے سخت ناکام و ذلیل ہیں۔ اللہ کہہ چکا ہے کہ

آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہے گا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔

اطاعوا نَفْسَ سُلُوك: استحوذ علیہم الشیطان رخ سے معلوم ہوتا ہے کہ لسیان کو اگر شیطان کا اثر کسی وقت محسوس کرو تو اس کا مذاہرک ذکر اللہ سے کر لینا چاہیے۔

لا تعبد قوما سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الہیہ کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے اس کو نفرت ہو جائے۔
وایدہم ہر وح منہ۔ یہ روح نور قلب ہے جس کو سیکندہ اور نسبت بھی کہتے ہیں اس سے قلب کی حیات وابستہ ہونے کی وجہ سے روح سے تعبیر فرمایا گیا۔

سُورَةُ الْحَشْرِ

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَى نَزَّهَةً فَلِلَّامُ مَزِيدَةٌ وَفَى الْإِتْيَانِ بِمَا تَغْلِيْبُ لِلْأَكْثَرِ ، وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ فِى مُلْكِهِ وَصْنَعِهِ هُوَ الَّذِى أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ هُمْ بَنُو النَّضِيرِ مِنَ الْيَهُودِ مِنْ دِيَارِهِمْ مَسَاكِينَهُمْ بِالْمَدِينَةِ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ هُوَ حَشَرُهُمْ إِلَى الشَّامِ وَآخِرُهُ أَنْ جَلَاهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِى خِلَافَتِهِ إِلَى خَيْبَرَ مَا ظَنَنْتُمْ أَنَّهَا الْمُؤْمِنُونَ ، أَنْ يُخْرَجُوا وَظَنُوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ خَيْرٌ أَلَّا حُصُونُهُمْ فَأَعْلَاهُ بِهِ تَمَّ الْخَبَرُ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ فَاتَّهَمُوا اللَّهَ أَمْرَهُ وَعَذَابَهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا لَمْ يَخْطُرْ بِأَلَهُمْ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَقَدْفَ الْفَى فِى قُلُوبِهِمُ الرُّغْبَ بِسُكُونِ الْعَيْنِ وَضَمَّهَا الْخَوْفُ بِقَتْلِ سَيِّدِهِمْ كَعَبِ بْنِ الْأَشْرَفِ يُخْرِبُونَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ مِنْ أَخْرَبَ بَيُوتَهُمْ لِيَنْقُلُوا مَا اسْتَحْسَنُوهُ مِنْهَا مِنْ خَشَبٍ وَغَيْرِهِ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدَى الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولَى الْأَبْصَارِ ﴿٣﴾ وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ قَضَى عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ الْخُرُوجَ مِنَ الْوَطَنِ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالسَّعْيِ كَمَا فَعَلَ بِقُرَيْظَةَ مِنَ الْيَهُودِ وَلَهُمْ فِى الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٤﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا خَالَفُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥﴾ لَهُ مَا قَطَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ مِنْ لِيْنَةٍ نَخْلَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ أَى خَيْرِكُمْ فِى ذَلِكَ وَلِيُخْزَى بِالْإِذْنِ فِى الْقَطْعِ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾ الْيَهُودُ فِى إِعْتِرَاضِهِمْ بِأَنْ قَطَعَ الشَّجَرَ الْمُشْمِرِ فَسَادٌ وَمَا أَفَاءَ رَدَّ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ ، أَسْرَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ عَلَيْهِ مِنْ زَائِدَةٍ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ إِبِلٍ أَى لَمْ تَقَا سَوَافِيهِ مُشَقَّةٌ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧﴾ فَلَا حَقَّ لَكُمْ فِيهِ وَيَخْتَصُّ بِهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ فِى الْآيَةِ الثَّانِيَةِ مِنْ

الْأَصْنَافِ الْآرْبَعَةِ عَلَى مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ أَنَّ لِكُلِّ مِنْهُمْ خُمْسُ الْخُمْسِ وَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَاقَى يَفْعَلُ فِيهِ مَا يَشَاءُ فَأَعْطَى مِنْهُ الْمُهَاجِرِينَ وَثَلَاثَةً مِنَ الْأَنْصَارِ لِفَقْرِهِمْ مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى كَالصُّفْرَاءِ وَوَادِي الْقُرَى وَيَنْبَغُ فَلِلَّهِ يَأْمُرُ فِيهِ بِمَا يَشَاءُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي صَاحِبِ الْقُرْبَى قَرَابَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ وَالْيَتَامَى أَطْفَالُ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ هَلَكَتْ آبَاءُهُمْ وَهُمْ فَقَرَاءُ وَالْمَسْكِينِ ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ الْمُنْقَطِعِ فِي سَفَرِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ وَالْآرْبَعَةُ عَلَى مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ أَنَّ لِكُلِّ مِنَ الْآرْبَعَةِ خُمْسُ الْخُمْسِ وَلَهُ الْبَاقَى كَمَا لَا كَيْ بِمَعْنَى اللَّامِ وَإِنْ مُقْتَدَرَةٌ بَعْدَهَا يَكُونُ الْفَاءُ عِلَّةَ الْقِسْمَةِ كَذَلِكَ ذُوْلَةُ مُتَدَاوِلًا بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَنْتُمْكُمْ أَعْطَاكُمْ الرَّسُولُ مِنَ الْفَاءِ وَغَيْرِهِ فَخَلُوْهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٦﴾ لِلْفُقَرَاءِ مُتَعَلِّقٌ بِمُخْلُوفٍ أَيْ ائْتَمَرُوا الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَتَتَّقُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿٧﴾ فِي إِيْمَانِهِمُ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ الْمَدِيْنَةَ وَالْإِيْمَانَ أَيْ الْقُوَّةَ وَهُمْ الْأَنْصَارُ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِلُّونَ فِي صَلَواتِهِمْ حَاجَةً حَسَدًا مِمَّا أُوتُوا أَيْ أَتَى النَّبِيَّ الْمُهَاجِرِينَ مِنْ أَمْوَالِ بَنِي النَّضِيرِ الْمُخْتَصَّةِ بِهِ وَيُؤَثِّرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ حَاجَةً إِلَى مَا يُؤَثِّرُونَ بِهِ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ جَرَّصَهَا عَلَى الْمَالِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٩﴾

ع

ترجمہ: سورہ ہشر مدنیہ ہے جس میں ۲۳ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمان وزمیں میں جو کچھ ہیں (اللہ کی پاکیزگی، لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے لایا گیا ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور کاریگری میں) وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو (یہود میں سے بنی انصاری کو) ان کے گھروں (مدینہ کی رہائش گاہوں) سے پہلے ہی ہارا کٹھا کر کے نکال دیا، (یہ اخراج شام کی طرف ہوا پھر آخر کار عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو خیبر میں جلاوطن کر دیا) تنہارا گمان بھی نہ تھا (اے مسلمانو!) کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کو بچالیں گے (ان کی خبر ہے) انکے قلعے (یہ قافل ہے جس سے خبر پوری ہوگی) اللہ (کے عذاب) سے سوائے (کا حکم اور عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا (مسلمانوں کی طرف سے انہیں وہم بھی نہ تھا) اور ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (ڈال دیا۔ رعب، سکون عین اور ضمہ عین کے ساتھ بمعنی خوف ان کے سر کردہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے) وہ اجاڑ رہے تھے (تشدید اور خفیف کے ساتھ، اُخریب سے ماخوذ ہے) اپنے گھروں کو (تا کہ جو اچھی اچھی چیزیں لکڑیاں وغیرہ لے جائیں) خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی سوائے دانشور و عبرت حاصل کردہ اور اللہ اگر ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا (وطن سے نکالنا) نہ لکھ چکا ہوتا (فیصلہ کر چکا ہوتا) تو ان کو

دنیا ہی میں سزا دے دیتا (قتل اور گرفتار کرنا جیسا کہ یہودی قرظہ کے ساتھ کیا گیا) اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دینے والا ہے جو کھجوروں کے درخت (اے مسلمانو!) تم نے کاٹ ڈالے یا ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے یا سو خدا ہی کے حکم سے ہے (اسی نے تم کو اجازت دی ہے) اور تاکہ (کانٹنے کی اجازت دے کر) کافروں کو ذلیل کرے (یہود کو ان کے اس نکتہ چینی کے جواب میں کہ پھل دار درخت کو کاٹنا پاپ ہے) اور جو اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا سو تم نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے (اے مسلمانو! من زائدہ ہے) اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس سلسلہ میں کوئی محنت برداشت نہیں کی تھی) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (لہذا تمہارا اس میں کچھ حق نہیں بیٹھتا بلکہ وہ حضور ﷺ کے لئے مخصوص ہے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کے لئے جن کا ذکر دوسری آیت میں آ رہا ہے یعنی چار قسمیں جن پر آپ نے تقسیم فرمایا کہ ان میں سے ہر قسم کو پانچویں حصے سے میں پانچواں حصہ مرحمت فرمادیا باقی آپ کا ہے آپ جو چاہیں کریں، چنانچہ کچھ مہاجرین اور تین انصار کو ان کی غربت کی وجہ سے آپ نے عطا کیا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوایا (جیسے صفراء، وادی قری، بنی کے رہنے والوں سے) وہ اللہ کا حق ہے (جیسا چاہے حکم دے) اور رسول کا اور قرابت داروں کا (آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں) اور یتیموں کا (مسلمانوں کے وہ بچے جن کے باپ مر گئے اور وہ غریب ہیں) اور غریبوں (مسلمان حاجت مندوں) کا اور مسافروں کا ہے (جو مسلمان سفر میں ساتھیوں سے بچھڑ جائیں یعنی آنحضرت ﷺ اور چاروں قسمیں جن کو آنحضرت ﷺ نے مرحمت فرمایا یعنی ان چار قسموں کو خمس الخفایس دیا اور باقی خود رکھا) تاکہ (کی بھٹی لام ہے اس کے بعد ان مقدسہ) کوہ قبضہ میں نہ آجائے تمہارے دولت مندوں کے اور رسول جو کچھ تم کو عنایتیں فرمادیا کریں (فی وغیرہ میں سے) وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں تم رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ان حاجت مندوں کے لیے (اس کا تعلق محض دوزخ کے ساتھ ہے یعنی تعجب کرو) جو مہاجرین اپنے گھروں سے اور اپنے نخلوں سے جدا کر دئے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں (ایمان کے لحاظ سے) اور ان لوگوں کے لئے جو دارالاسلام (مدینہ) اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی انہیں اس سے الفت ہے انصار مراد ہے) ان سے پہلے ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پائے (یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے خاصہ بنو نضیر میں سے جو کچھ مہاجرین کو عطا فرمادیا) اور انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چنانچہ پر فاقہ ہی ہو (ایثار کی ہوئی چیز کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو) اور جو شخص طبعی بخل (حرص مالی) سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد ہیں (مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ (عداوت) نہ ہونے دیجیے اے ہمارے پروردگار آپ بڑے شفیع اور رحیم ہیں۔

تحقیق و ترکیب: لاول الحشر، اس کا تعلق اخراج سے ہے لام فوقیت کا ہے اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے

ای للہ الحشر الاول - یہود مدینہ کے حشر چار ہیں پہلے بنو نضیر کی جلاوطنی، پھر اہل خیبر کی جلاوطنی پھر اخیر زمانے میں قعر عدنان سے ایک آگ برآمد ہو کر لوگوں کو جمع کرے گی اور آخری حشر قیامت میں ہوگا، بنو نضیر عام طور پر تو شام کے علاقہ اذرعات اور اریحا میں منتقل ہو گئے البتہ ابو الحقیق اور جی بن اخطب کے خاندان خیبر چلے گئے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بقول مفسر خیبر کی جانب جلاوطنی نہیں ہوئی بلکہ خیبر سے سب کو جلاوطن کیا گیا اس لئے تفسیری عبارت الی خیبر ہونی چاہیے تھی بنو نضیر حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

مانعہم حصونہم - اس میں خبر مقدم ہے خطیب میں اس کی دو ترکیبیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حصونہم مبتدا اور مانعہم خبر مقدم ہے اور یہ

جلد انہم کی خبر ہے دوسرا یہ کہ انہم کی خبر ما نعتہم ہے اور حصونہم قائل ہے جیسا کہا جائے ان زید اقام ابوہ اور ان عمرو قائمہ جاریتہ اس صورت میں حصونہم کا اعتماد مبتدا پر ہوگا۔

فَاتَاهُمُ اللَّهُ مفسر رحمہ اللہ نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اسلئے اب یہ شبہ بھی نہیں کہ اللہ تو آنے جانے سے پاک ہے یہ اجسام اور حوادث کی صفات ہوتی ہیں کیونکہ امر الہی کا آثار مراد ہے تفسیری عبارت ”من جہۃ المؤمنین“ میں اضافیت بیانہ ہے یعنی عذاب الہی مؤمنین کی طرف سے آیا ہے جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا کعب بن اشرف جو یہود کا سرگروہ تھا اس کو محمد بن سلمہ انصاریؓ نے قتل کر ڈالا جو اس کے رضائی بھائی تھے۔

من لینۃ مفسر نے خطہ کہہ کر دونوں کے ہم معنی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ ابن عباس، عکرمہ، عطیہ، مجاہد، عمرو بن میمون، ہزہری سے منقول ہے کہ ملیۃ الوان النخل کلمۃ الاحقر اور زحشری ملیۃ کے متعلق کہتے ہیں ماعد الاحقر والبریۃ وہما جود النخل۔

فَبَإِذْنِ اللَّهِ مفسر نے علت محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے ای اذن لکم فی القطیع لیخزی النخ و انتہم منتہون عن الفساد فی الارض فنزلت ما اداء اللہ فی کے معنی رجوع کے ہیں گویا اصل سے سارا مال اللہ کے رسول ﷺ اور مؤمنین کا تھا جس پر یہود قابض ہو گئے تھے اب پھر وہ مال مسلمانوں کے پاس واپس ہو گیا اور بے محنت و مشقت مل گیا اسی لئے لارکاب فرمایا (خیبر مدینہ سے دوسومیل کے فاصلہ پر ہے) چنانچہ اسی مال کو کہتے ہیں جو بغیر غزوہ اور جہاد کے حاصل ہو جائے وہ پیغمبر کے لئے خاصہ کہلاتا ہے پیغمبر جہاں چاہے اسکو صرف کرے اور اس کے خلفاء متولی اور نگران ہوتے ہیں اس مال کی مثال اس جیسی ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو یا ایسا نہ کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو، یا جزیہ کی رقم اور ذمیوں سے آمدنی یا زمین کا خراج، مال کے حکم مال غنیمت جیسا نہیں کہ عام مجاہدین پر تقسیم ہو بلکہ وہ خاصہ ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے مہاجرین میں تقسیم فرمایا اور انصار میں سے صرف تین غریبوں کو عنایت فرمایا یعنی بقول بغوی ابوہریرہؓ اور سہل بن حنیف اور حارث بن الصمۃ کو، بقول ہزہری صرف اول الذکر دو کو دیا۔

من اهل القرى ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے بنو قریظہ اور بنو نضیر مراد ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے..... اور فذک اور خیبر اور قری عرینہ اور بنو نضیر بھی مراد ہیں، بنو نضیر ایک قلعہ اور یوزمعی سیحی جس میں جسٹے باغات اور کھیت تھے، مال کے تقسیم میں اختلاف ہے، بعض نے تو ظاہر آیت کی وجہ سے چھ حصے کے جن میں سے اللہ کا حصہ تو بیت اللہ، مساجد وغیرہ میں صرف کیا جائے گا اور بعض کی رائے ہے کہ اللہ کا ذکر تو بطور تعظیم و ترمیم کے ہے، چنانچہ قرطبی نے شوافع کی رائے بتلائی کہ اس آیت سورۃ انفال کی آیت کے معنی ایک ہی ہیں یعنی بے قے کے پانچویں حصے کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ چاروں مذکورہ اقسام پر تقسیم کر دیا جائے گا اور باقی حصے آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہوں گے وہ جہاں چاہیں رفا و عامہ کے کاموں میں صرف کریں اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء قائم مقام ہونگے اور ان اوقاف کے متولی سمجھے جائیں گے، البتہ امام شافعی کے ایک قول میں تو آپ کے مال کے مستحق جہاد میں شریک ہونے والے مجاہدین ہونگے اور دوسرے قول میں اس کا مصرف عامہ مسلمین کے مصالح ہونگے حضور ﷺ کا ارشاد ہے لیس لی من غنائکم الا انفس و انفس مردود فیکم، آنحضرت ﷺ کے قربت دار بنو ہاشم اور بنو مطلب اس لئے مستحق ہیں کہ وہ زکوٰۃ و صدقات نہیں لیتے اس لئے مال کے میں ان کا حق رکھا گیا، بہر حال میں فقرہ کا استحقاق نہیں ہے اور ابن اسبیل اگرچہ مالدار ہو وہ بھی مصرف ہے کیونکہ روپیہ سردست اسکے پاس نہیں ہے، قافلہ سے بچھڑ گیا ہے اور گھر سے بھی الگ ہے، مفسر نے ذلہ الباقی مکرر لاکر اپنے مسلک کی رعایت سے تاکید کر دی۔

للفقراء لفظ اخر جو اس میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے مال پر اگر کفار کا غلبہ ہو جائے تو کفار مالک ہو جائیں گے، کیونکہ اللہ نے مجاہد مسلمانوں کو فقیر کہا، حالانکہ مکہ میں جائیداد اور مال و دولت رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ کافروں کے قبضہ میں چلے جانے سے یہ فقیر ہو گئے۔
پتھون یہ حال ہے اور ہنصر و ن بھی اس پر معطوف ہو کر حال ہے، لیکن حال مقدرہ ہے ای نادین نصرۃ اللہ و رسولہ اذ وقت خروجہم۔

والذین تبوءوا بقول محمد شری المہاجرین پر عطف ہے یعنی للمفقر اہل المہاجرین پر عطف ہے گویا عطف مفردات ہے۔
 یہ جہوں حال ہے یا مبتداء اور سنجون اس کی خبر ہوگی، مفسر نے الفہم نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یہ آیت عطف تھا تینا و ما تھا باردا کے قبل سے ہے، کیونکہ تبوء کا تعلق صرف دار سے ہے اور الایمان کا عامل الفہم محذوف ہے، الفہم ایمانی مراد ہے، اختصار کلام کی وجہ سے ایسا عطف جائز ہے اور بعض نے تقدیر عبارت اخلاص الایمان نکالی ہے اور بعض نے تبوء کے معنی نزول کے لئے ہیں اور بطور مجاز نزول سے لزوم مراد لیا ہے، ای الزمو اللہ اللہ الایمان اور بعض نے عبارت اس طرح مانی ہے، تبوء دار اللہ دار اللہ دار الایمان، اول سے مضاف الیہ اور ثانی سے مضاف حذف کر دیا اور مضاف الیہ کے عوض مضاف پر الف لام داخل کر دیا، مہاجرین کے بعد اس آیت میں انصار کی منقبت ہے، ویؤثرون ای المہاجرین مفعول محذوف ہے

خصاصۃ، قاموس میں ہے کہ خصاص اور خصاصۃ کے معنی فقر و خلل کے ہیں۔

ومن یوق شح، یوق وقایہ سے مجہول صیغہ ہے، محفوظ رکھنا اور شح کہتے ہیں حرص و بخل، ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی سورۃ مجادلہ کے آخری حصہ میں زیادہ تر منافقین کی مذمت اور ان کی یہود دوستی کا ذکر تھا، اب سورۃ حشر کی ابتدائی آیات میں یہودی کچھ سزا کا اور منافقین کی دوستی کا کارآمد نہ ہونا بیان کیا جا رہا ہے، اسی سزا کے ذیل میں یہودی جلا وطنی اور بعض احکامات ارشاد فرمائے گئے ہیں اور سورت کے آخری حصہ میں مسلمانوں کو کفار کے طور و طریق سے بچنے کے لئے آخرت کی تیاری کا حکم ہے اور یہ کہ وہ احکام الہیہ کی مخالفت سے بچیں، اور تاکید و تقویت کے لئے صفات جلالیہ اور جمالیہ کا بیان ہے، پس اس طرح اخیر کے حصہ میں ابتدائی اجمال فاعترفا کی فی الجملہ تفصیل بھی ہو گئی۔

شان نزول و روایات:..... پوری سورۃ حشر یہود بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود سے صلح کا معاہدہ ہو گیا، اس صلح میں قبیلہ بنو نضیر بھی شریک تھا، جو مدینہ سے مشرقی جانب دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا، اسی اثنا میں عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے مسلمانوں کے دو خون ہو گئے۔ اس کے خون بہا کے سلسلہ میں بنو نضیر کو شامل کرنے کے لئے آپ ان کی ڈیوڑھی پر تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے بظاہر آمادگی ظاہر کر کے آپ کو تو ایک جگہ بٹھا دیا کہ ہم ابھی انتظام کئے دیتے ہیں اور خود ایک سازش میں لگ گئے کہ اوپر سے آپ پر چکی کا پاٹ لڑھکا دیا جائے، تاکہ آپ کا کام تمام ہو جائے، اور روز بروز کا یہ قصہ ختم ہو۔ لیکن بذریعہ وحی آپ کو اس منصوبہ کا علم ہو گیا تو آپ وہاں سے اٹھ آئے اور کہلا بھیجا کہ چونکہ تم نے نقض عہد کیا ہے، اس لئے تمہیں دس دن کی مہلت ہے، اس مدت میں جہاں چاہو چلے جاؤ، ورنہ اس مدت کے بعد پھر جو شخص نظر پڑے گا اس کی گردن مار دی جائے گی، چنانچہ بنو نضیر نے کہیں چلے جانے کا تہیہ کر لیا، لیکن عبد اللہ بن ابی نے اور بقول محمد بن اسحق وغیرہ و دلیعہ بن مالک اور سوید و وائل نے بھی ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم کہیں مت جاؤ، میرے ساتھ دو ہزار کی جمیعت ہے اپنی جان دے دیں گے مگر تم پر آج نہ آنے دیں گے، بنو نضیر اس بھرم میں آ گئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جاتے، آپ سے جو ہو سکے کر لیجئے۔ یہ سن کر آپ نے چڑھائی کر دی، وہ لوگ تو قلعہ بند ہو گئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، سامنے نہیں آ سکے، چنانچہ آپ نے ڈیوڑھی کا محاصرہ کر لیا اور باغات کو کٹوا دیا، درختوں کو جلوا دیا، آخر تک آ کر انہوں نے کہیں نکل جانا منظور کر لیا، آپ نے فرمایا ہتھیاروں کے علاوہ سب کچھ لے جانے کی اجازت ہے، اس طرح کچھ لوگ شام اور کچھ خیبر چلے گئے، اور حرص اور حسد کی حد کر دی کہ گھروں کی چوکھٹ، بازو، کڑی، تختے ایک ایک کر کے سب سامان لا دے گئے یہ ابتدائی جلا وطنی ۳۷ھ میں ہوئی جو حشر اول ہے، پھر فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں سب کو شام کی طرف نکال دیا یہ حشر ثانی، ہوا اسی لئے شام کو ارض الحشر بھی کہتے ہیں اس تفصیل

کے پس منظر میں بھی کچھ واقعات ہیں مثلاً معاہدہ صلح کا حاصل یہ تھا کہ یہود غیر جانبدار رہیں گے، نہ مسلمان ان سے مدد کے خواہاں ہونگے اور نہ یہود مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز کریں گے چنانچہ بدر میں جب مسلمانوں کی فتح ہوئی تو کہنے لگے کہ محمد تو نبی موعود ہیں اور جب احد میں شکست ہوئی تو تردد میں پڑ گئے تھے کہ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو ہمراہ لے کر مکہ گیا اور مشرکین سے بات چیت کی، قریش یوں لے کر تم اور محمد دونوں اہل کتاب ہو ہمیں تم پر اطمینان نہیں، آج معاہدہ کر کے کل کو باہم مل بیٹھو گے اس لئے ہمارے بتوں کو سجدہ کرو تو ہم جانیں کہ تم قابل اعتماد ہو چنانچہ کعب بن اشرف وغیرہ نے بتوں کو سجدہ کر لیا، ادھر ابوسفیان نے کہا نحن اہل دی سیلا م محمد؟ کعب نے کہا انتم جس کو آیت الم تر الی اللہین او تو انصیامن الکتاب یؤمنون بالحبیب والطافوت ویقولون للہین کفروا هؤلاء اہل دی من اللہین امنوا سیلا میں ذکر فرمایا گیا چنانچہ کعبہ اللہ کے سامنے قریش و یہود کا معاہدہ ہو گیا، معذرت کعب کے رضاعی بھائی محمد بن مسلمہ انصاری کو مامور فرمایا انہوں نے اس کو گھات لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا اسکے بعد اکیس روز بنو نضیر کا محاصرہ فرمایا، پندرہ روزہ لڑائی کے بعد بنو نضیر لڑائی موقوف کرنے پر مجبور ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے جب باغات اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تو یہود کہنے لگے یا محمد کنت تنہی عن الفساد فی الارض لعلہ یقطع النخل وتحرقہا اور بعض مسلمانوں کو بھی اس میں تاثر ہوا تو آیت ما قطعتم من لہیز الخ نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت کا دستور جبکہ یہ تھا کہ مال غنیمت کا چوتھائی سردار کا ہوتا اور بقیہ مال کا زیادہ حصہ اغنیاء لے لیا کرتے اور تھوڑا بہت عام لڑنے والوں کے حصے میں آتا لیکن اسلام نے آکر غنیمت اور فتنے دونوں کے اصول کو بدل دیا، آیت لا لہ الا اللہ سے دولت بین الاغنیاء تک اسی کا رد اور قانون اصلاح کا بیان ہے، آیت معالکم الرسول عام ہے جہاد اور غیر جہاد تمام احکام امر و نہی کو شامل ہے للفقراء غنیۃ نے اس سے استیلاء کفار کو سبب ملک قرار دیا ہے لیکن شوافع اشارۃً اخص کے اس اصول کو نہیں مانتے ان کے نزدیک فقراء کہنا مال سے دور ہونے کی وجہ سے ہو اللہین جاء وا من بعلمہم حضرت عمر کا ارشاد ہے دخل فی هذا الفیء لکل من هو مولود الی یوم القیامۃ فی الاسلام استوعبت هذه الایۃ للمسلمین عامۃ۔

﴿تشریح﴾..... فاعتبروا یا اولی الابصار یعنی دانشمندوں کو بنو نضیر کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں بتائی مولیٰ، عبرت کہتے ہیں مماثل چیزوں میں غور و تامل کرنے کو، قیاس بھی اسی کی نظیر ہے۔

قیاس و اعتبار کسے کہتے ہیں:..... چنانچہ شریعت میں احکام مشروع کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی احکام بھی دائر رہیں گے، جیسا کہ واقعات کے اسباب ہوتے ہیں، جہاں وہ اسباب ہونگے وہاں قیاس کو بھی ان سے وابستہ مان لیا جائے گا، پس اس طرح قیاس کا حجت ہونا عقلی ہوا یعنی ایسی دلالۃ اخص سے ثابت ہو رہا ہے جو قیاس کے مشابہ ہے بعینہ قیاس سے ثابت نہیں ہے، ورنہ دور لازم آئے گا، مایوں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ نے عبرت و اعتبار کا حکم دیا ہے اور اعتبار کسے کہتے ہیں کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کو، اور یہ عام ہے خواہ قیاس ہو یا مسلمات دونوں کو عبرت و اعتبار کہا جائے گا اس صورت میں قیاس کا حجت ہونا عمارۃ اخص سے ثابت ہو جائے گا، بقول اکثر علماء کے یعنی بقول صاحب توضیح اشارۃً اخص سے قیاس کا حجت ہونا ثابت ہو جائے گا، بہر حال یہ دلیل عقل و نقل کی جامع ہے اسی لئے بعض اصولی تو اس کو عقلی دلیل کہتے ہیں اور بعض نقلی، صاحب مدارک اور قاضی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے البتہ قیاس کے حجت ہونے کی واضح نقلی دلیل حدیث معاذ ہے، اسی طرح معاملات وغیرہ کے بیشتر مسائل اجتہادی اور قیاسی ہیں، جیسا کہ حدیث ربوا اس کی شاہد ہے، اس لئے روافض وغیرہ کا قیاس و اجتہاد سے انکار غلط ہے اور قرآن کی تفسیر کو رسول اللہ ﷺ اور اپنے ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے:..... باقسط من لینہ، اس سے کفار کے مال و جائیداد کو دارالحرب میں تباہ کرنے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے، تاکہ کفار غیظ میں مبتلا ہوں جیسا کہ صاحب کشاف اور قاضی بیضاوی نے تصریح کی ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک مسلمان عجمہ کجور کا درخت اور دوسرا لینہ کجور کا درخت کاٹ رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ کافروں کو جلانے کے لئے یہ درخت کاٹے ہیں اور فلاں فلاں درخت آپ کے لئے چھوڑ دئے ہیں، چنانچہ اس سے نہ صرف اجتہاد کا جواز معلوم ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں بھی اجتہاد کی اجازت نکلی، حتیٰ کہ صاحب کشاف نے اپنے مسلک اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے کل مجتہد مصیب پر اسی سے استدلال کیا ہے۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ کفار کو جلا وطن کرنا ابتدائے اسلام میں مشروع تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا، حالانکہ صاحب ہدایہ نے فئے کی بحث میں لکھا ہے ”الارضی للتی اجلوا عنها ابھما جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باقی ہے مگر اس اختلاف کے معلق کہا جاسکتا ہے کہ جن حضرات نے جلا وطن کرنے کو ”امامت“ میں داخل سمجھا ہے انہوں نے من کی طرح اس کو بھی منسوخ کہا ہے اور جنہوں نے جائز کہا ہے انہوں اس کو ایسا سمجھا جیسا مقابلہ کے وقت بھاگنے لگیں، اور کسی مصلحت سے ان کا تعاقب نہ کیا جائے تو صلح کی طرح اور یہ چھوڑنا بھی جائز ہوگا، اسی طرح جلا وطن کرنا بھی گویا ان کو چھوڑ دینا ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ کو بنو نضیر سے پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو چالیس اونٹ اور بہت سامان اور زمین ہاتھ آئی، جو خانہ میں شامل ہوئی اور مال غنیمت کی طرح اس میں سے ٹکس نہیں نکالا گیا، جس کی تفصیل آگے ہے۔

مال فئے اور غنیمت میں فرق ہے:..... ما افاء اللہ سابقہ کا روائی تو بنو نضیر کا جانی معاملہ تھا، یہاں سے مال کے متعلق معاملہ کا ذکر ہے دارالحرب سے جو مال قتال و جہاد کے نتیجے میں حاصل ہو وہ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال بغیر قتال حاصل ہو وہ فئے ہے، بنو نضیر کا تمام مال اور باغ فدک اور نصف خیبر یعنی کتبہ، طح، سلالہ کے علاقے سب فئے میں داخل ہیں لیکن باقی نصف خیبر یعنی شق، عطاۃ کا علاقہ فئے نہیں تھا، بلکہ جہاد و قتال کے بعد حاصل ہوا جیسا کہ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے صاحب ہدایہ کے مطابق امام صاحب کے نزدیک مال فئے میں ٹکس نہیں ہے، البتہ جو علاقہ قتال کے بعد حاصل ہو اس میں تقسیم کے وقت ٹکس نکالا جاتا ہے، جس کے مصارف کا بیان سورۃ انفال میں گزر چکا ہے۔

فئے اور غنیمت کے احکام:..... روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ مال فئے کے مالک ہیں یا حاکم، اس میں جو مصارف آپ کو بطور واجب یا استحباب بتلائے گئے، ان کو ایسا سمجھنا چاہئے، جیسے اور لوگوں پر زکوٰۃ و خیرات کے احکام ہیں، البتہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد پھر ان میں وراثت اور ترکہ نہیں تھا بلکہ وہ وقف ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم میں روایات ہیں، آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے مال کا اکثر حصہ مہاجرین اور تین حاجتمند انصار کو تقسیم فرمادیا اور خیبر کی آمدنی سے فقراء مہاجرین کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے، آیت وما افاء اللہ میں اسی خصوصیت کا ذکر ہے کیونکہ بعض لوگوں نے عرض کیا تھا کہ وہاں کی زمین کیوں نہیں تقسیم کی گئی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس فتح میں مسلمانوں کو کچھ کرنا نہیں پڑا، اس لئے اس میں استحقاق جتنا بھی بے محل ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے پیغمبر مالکانہ یا حاکمانہ تصرف کے مجاز بنائے گئے ہیں، آپ کے سالانہ خانگی اخراجات، مہاجرین اور مسافروں اور غرباء کی دیکھ بھال اسی سے ہوگی، اور آپ کی وفات کے بعد اس کے مصارف بقول صاحب ہدایہ مصالح عامہ ہونگے مثلاً سرحدات کی حفاظت، پلوں، سراؤں کی تعمیر، علماء، عمال، قاضیوں کے وظائف، فوجیوں کے اخراجات، شہداء کی اولاد، وغیرہ کی پرورش، جہادی سامان کی فراہمی وغیرہ ضروریات اس سے پوری کی جائیں گی، بلکہ ٹکس غنیمت کے جو مصارف یتیم و مسکین و مسافر ہیں وہ بھی ان عام مصالح میں شمار ہونگے، اور جس طرح فقراء مہاجرین و انصار اس میں داخل ہیں، بعد میں ان کی تسلیں بھی اس میں داخل ہونگیں، کیونکہ مصالح عامہ میں وہ بھی آتے ہیں، البتہ امام اور خلیفہ ایسی زمین کا کسی کو مالک بنا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

جیسا کہ رد المحتار اور در مختار کی فصل جزیرہ کے قریب کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے، دوسری، چوتھی، پانچویں آیت میں ان سب کا ذکر ہے اور حضرت عمر کی روایت بھی اس کی مؤید ہے۔

مسلمانوں کا امام حاکمانہ اختیارات رکھتا ہے نہ کہ مالکانہ:..... البتہ ان مصارف کی تعیین اور تجدید امام کی رائے سے ہوگی، تاہم امام کو حاکمانہ اختیارات ہونگے، مالکانہ اختیارات نہیں ہونگے، اور حضور ﷺ کو مالکانہ اختیارات حاصل تھے، یعنی خرید و فروخت اور ہبہ وغیرہ بھی کر سکتے تھے، اور در منثور کی روایت کے مطابق پہلے فسخ غنیمت کے مصارف بھی وہی تھے جو فتنے کے مصارف ہیں، لیکن پھر حشر کی آیت سورہ انفال کی آیت سے منسوخ ہوگئی اور ان کے لئے بھی فسخ مقرر ہو گیا، مگر چونکہ سورہ انفال کی آیت بظاہر غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اور بدر واقعہ بنو نضیر سے پہلے ہے، اس لئے قتادہ کا یہ عمل خلاف ظاہر معلوم ہوتا ہے، یہ گفتگو تو حنفیہ کے مسلک پر ہوئی، امام شافعی کے نزدیک غنیمت کی طرح فتنے بھی فسخ میں ہے، اور بقیہ چار فسخ مذکورہ مصارف پر صرف ہونگے، جیسا کہ حدیث صحاح میں ہے، مالی مما افاء اللہ تعالیٰ علیکم الا الخمس والخصم مودود علیکم، پس فتنے میں بھی فسخ ہوا، یہاں جن مصارف کا ذکر ہے وہ اسی فسخ کے مصارف ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مما افاء اللہ للہ وللرسول الخ ظاہر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام ”مما افاء اللہ“ کے یہ مصارف ہیں، صرف فسخ کے مصارف نہیں ہیں، اور مذکورہ حدیث ”مالی مما افاء اللہ الخ“ میں ممکن ہے کہ فتنے سے مراد غنیمت ہو۔

حنفیہ کا مسلک:..... شیخ ابوبکر رازی حنفی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مال غنیمت فسخ نکالنے کے بعد لشکریوں کا حق ہے کہ فتنے میں لشکر کا حق نہیں ہے، آنحضرت ﷺ فتنے میں مالکانہ تصرف کا حق رکھتے ہیں، اور آپ ﷺ کے جانشین حاکمانہ تصرف کے مجاز ہیں، مگر مصالح عامہ میں یہ حکم اموالی منقولہ کا ہے، غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکریوں میں تقسیم کر دے مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لئے رہنے دے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق میں بعض اکابر صحابہ کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا۔

اسی کے مطابق شیخ ابوبکر حصص نے آیت انفال واعلموا ان اموال منقولہ پر اور آیات حشر کو اموال غیر منقولہ پر محمول کیا ہے۔ اس طرح کی پہلی آیت وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منہم کو حکم نے پر اور دوسری آیت مما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اهل القریٰ کو حکم غنیمت پر محمول کیا ہے اور ابھی گزرا کہ غنیمت کو لغت فتنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

شروع سورت میں واقعہ بنو نضیر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مال فتنے کو آپ کی صوابدید پر رکھا ہے۔ اگر آپ مذکورہ لوگوں کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ خواہ یہ جہاد میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ کا حصہ تیر کا کہا۔ البتہ کعبہ اور مساجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا مالکانہ اختیار اور ان کے قرابت داروں کا استحقاق آپ کی حیات تک ہے۔ اب صرف یتیم، مسکین، مسافر مصرف ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو دولت مند ہونے کے باوجود اس مال میں سے دیا۔ کیونکہ قرابت داروں کو آپ کی نصرت تھی۔ امیر ہوں یا غریب۔ البتہ آپ کے بعد حنفی کی رائے یہ ہے کہ آپ کے غریب صاحب حاجت قرابت داروں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ تحقیق تھانوی قدس سرہ نے سورہ براءت کی طرح اس مقام کو بھی فامض اور دقیق فرمایا ہے پس ان کے اس بیان کی تسبیح تو اور بھی اذوق ہوگی۔

تفسیرات احمدیہ کی تحقیق اینق:..... صاحب تفسیرات نے اس مقام کی نزاکت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے۔ اعلم ان ہنا اباحت الشرعہ و نکات لطیفۃ لا بہرم - صولہا کل واحد من العلماء و یغفل عنہا جم کلیر من الاذکیا - طلبہ کے مطالعہ کے لئے کچھ اس کی تخصیص حاضر ہے۔ قرآن کریم میں دو جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ انفال میں لفظ غنیمت کے ساتھ وہاں نے کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور سورہ حشر میں نے کا لفظ سے بیان کیا۔ یہاں غنیمت کا لفظ نہیں آیا اور غنیمت کے سلسلہ میں آیت واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ

خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل میں صرف خمس کے مصارف بیان کئے اور باقی چار خمس سے سکوت کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ لشکر کا حصہ ہے اور سورہ حشر میں ہے کہ اگر دو مرتبہ آیا ہے مگر خمس کو بیان نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سارا مال نے ان مصارف پر خرچ کیا جائے گا۔ نیز یہاں فقراء مہاجرین کا بھی اضافہ ہے اور فی کی دونوں آیتیں بلا فصل اور بغیر عطف کے ہیں۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو بقول کشاف و بیضاوی یہ ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مال نے بھی وہیں خرچ کریں جہاں خمس و غنیمت خرچ فرماتے ہیں۔ اہل بصیرت نے اسی کو پسند کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی آیت کا تعلق واقعہ نصیر سے ہے وہ مال رسول اللہ کا خاصہ ہے۔ اس میں کسی اور کا حق نہیں اور دوسری آیت میں عام غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ جو لشکر اسلام کی مدد سے حاصل کی جائے اور مصارف مذکورہ خمس غنیمت کے ہوں گے۔ کلی غنیمت کے نہیں ہوں گے جیسا کہ ابن عباس کی رائے ہے اور یہی صاحب مدارک کے نزدیک مختار ہے۔ قاضی بیضاوی کے کلام سے غنیمت و فی میں فرق ہے۔ غنیمت تو وہ مال ہے جو جہاد و قتال سے حاصل ہوا اور فی وہ مال ہے کہ کافر خود بھاگ کھڑے ہوں اور گھریار چھوڑ جائیں۔ چنانچہ ”واعلموا انما غنمتم“ میں غنیمت کی نسبت صحابہ کی طرف کی گئی ہے جو مجاہدین تھے۔ اور باقائہ اللہ میں فی کی نسبت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں دونوں کے ابواب الگ الگ قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح میں انس بن مالک کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے آیت انما الصدقات الخ پڑھ کر فرمایا۔ ہذہ لہو لا پھر آیت واعلموا انما غنمتم پڑھ کر فرمایا۔ ہذہ لہو لا پھر آیت باقائہ اللہ الخ پڑھی اور آیت والذین جاءء وا من بعدہم پڑھ کر فرمایا۔ ہذہ استو عبت المسلمین کافۃ فلتن عشت فلما تبین الراعی وهو بسر و حمیر نصیبہ منها لم یعرق فیہا جبینہ۔

فاروق اعظمؓ کی رائے:..... نیز حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے تین صفایا تھے۔ بنو نصیر، مذک، خیبر، بنو نصیر ہنگامی ضروریات کے لئے تھا۔ اور مذک مسافروں کے لئے اور خیبر کے حضور ﷺ نے تین حصے فرما رکھے تھے۔ دو تہائی مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اور ایک تہائی خانگی اخراجات کے لئے تھا۔ اس میں جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو فقراء مہاجرین پر صرف فرما دیتے۔ (ابوداؤد) البتہ فقہاء کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ”باب الاثمان“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں ”فبقی الکمل فیہا وغنیۃ“ ممکن ہے اس لئے ہو کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا دونوں کا حکم یعنی تمیز خمس ایک ہے۔ اسی طرح اہل اصول نے اشارۃ النص کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ ان قوله تعالیٰ للفقراء المهاجرین لا یجاب معہم من الغنیمة لہم وفيہ اشارۃ الی زوال املاکہم الی الکفار بالاستیلاء۔ اس سے بھی غنیمت و فی کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام:..... حاصل یہ نکلا کہ دونوں متحد ہیں تو پھر مصارف بھی وہی ہوں گے جو غنیمت کے ہیں اگر الگ الگ ہیں تو پھر فی کے صوابد پر ہوگی۔ اللہ کا حصہ، حنفیہ اور شوافع دونوں کے نزدیک محض تبرک کا ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ کا حصہ شوافع کے نزدیک آپ کے بعد امام وقت کے لئے ہوگا مال غنیمت میں، لیکن حنفیہ کے نزدیک مال غنیمت اور مال صغی دونوں آپ کے بعد ساقط ہو جائیں گے۔ اسی طرح شوافع کے نزدیک ذوی القربی کو بھی دیا جائے گا، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ حصہ آپ کی نصرت کی وجہ سے تھا، لیکن اب وہ بھی ساقط ہے البتہ کوئی حاجتمند ہو تو دیا جاسکتا ہے اور قرابت داروں میں صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب آتے ہیں، عبد سملن اور نوفل کی اولاد نہیں آتی، چنانچہ آپ نے حضرت عثمان اور جیر بن مطعم کو خمس غنیمت میں سے بھی نہیں دیا، اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ بنو ہاشم و بنو مطلب دونوں ہمارے ساتھ اسلام سے پہلے اور بعد میں اس طرح رہے جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں گھسادی جائیں، پس معلوم ہوا کہ قرابت حلیہ

مراؤ نہیں ہے بلکہ قرابت مودیرہ مراد ہے، اور وہ آپ کی حیات کے بعد ختم ہوگئی، البتہ حاجت مند ہوں تو زکوٰۃ کے بجائے غنیمت میں شریک کیا جائے گا، چنانچہ زکوٰۃ مانگنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ "ان الله قد حرم عليكم عنها له الناس وهو منكم بخمس الخمس" اس کے بعد آیت للفقراء میں فقراء کا بیان ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، ایک مہاجرین جن کا بیان آیت والذین تبا الدار میں ہے، اور تیسرے بعد میں قیامت تک آنے والے فقراء مہاجرین ہیں، جن کا ذکر آیت والذین جاء وامن بعلہم میں ہے (تفسیر رات احمدیہ)

لطائف سلوک: ما عظم اس سے معلوم ہوا کہ تدابیر مستقل طور پر مؤثر نہیں ہوتیں، عارفین کا ایک حال یہی ہوتا ہے۔
 قاتلہ دایا اولی الابصار، عبرت کی حقیقت کسی کو اپنی نظیر کی طرف لوٹانا ہے قرآن وحدیث میں صوفیاء کی تاویلات اگر شرائط کے مطابق ہوں تو وہ بھی عموم میں داخل ہیں، جنہیں اعتبارات کہا جاتا ہے۔
 ما قطعتم، اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف مسلک بشرطیکہ شرعی حدود میں ہو اور خلوص سے ہو تو مضرت نہیں اس میں صوفیاء کا مسلکی اختلاف بھی داخل ہے، اسلئے کسی کو کسی پر عیب لگانے کا حق نہیں ہے۔
 واثرون علی انفسہم، اس میں ایثار کی فضیلت ہے بشرطیکہ کوئی شرعی واجب نہ چھوٹے۔
 یقولون ربنا، اس میں اسلاف کے لئے دعا کرنے کی ترغیب ہے اور صوفیاء کی تو عادت لازماً یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کرتے رہتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِأَخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَهُمْ بَنُو النَّصِيرِ وَأَخْوَانُهُمْ فِي الْكُفْرِ لَيْنٌ لَمْ قَسَمَ فِي الْآرَبَةِ أَخْرَجْتُمْ مِنَ الْمَدِينَةِ لَنُخْرِجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فِيكُمْ فِي خُذْ لَنَا بَعْضًا مِنْكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ حَنَفَتْ مِنْهُ اللَّامُ الْمُؤَلَّطَةُ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١١﴾ لَيْنٌ أَخْرَجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَيْنٌ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَيْنٌ نَصَرُوهُمْ حَاءُ وَالنَّصِرَهِمْ لَيُولُنَّ الْأَذْبَارُ وَاسْتَغْنَى بِحَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقْتَدِرِ عَنْ حَوَابِ الشَّرْطِ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ﴿١٢﴾ أَيْ الْيَهُودُ لَا تَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً خَوْفًا فِي صَلُورِهِمْ أَيْ الْمُنَافِقِينَ مِنَ اللَّهِ لِتَأْخِيرِ عَذَابِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾ لَا يَقَاتِلُونَكُمْ أَيْ الْيَهُودُ جَمِيعًا مُحْتَمِينَ إِلَّا فِي قُرَى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ سُورِ وَفِي قِرَاءَةِ جُدُرٍ بِأَسْمِهِمْ حَرَبُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا مُحْتَمِينَ وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى مُتَفَرِّقَةٌ خِلَافَ الْحَسْبَانِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ مَثَلُهُمْ فِي تَرَكِ الْإِيمَانِ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا بِرَمَنْ قَرِيبٍ وَهُمْ أَهْلٌ بِدْرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ذَا قَوْا وَإِنَّا أَمَرْنَاهُمْ بِعُقُوبَتِهِ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْقَتْلِ وَغَيْرِهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾ مَثَلُهُمْ فِي الْآخِرَةِ مَثَلُهُمْ أَيْ سَمَاعِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ وَتَحْلُفُهُمْ عَنْهُمْ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ كَذَبَ مِنْهُ وَرِيَاءٌ فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَيْ الْغَاوَى وَالْمُغْوَى

وَقُرِىَ بِالرُّقْعِ اِسْمُ كَانَ اَنْهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ اَلْكَافِرِيْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
 اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَلِمَتْ لِغَدٍ يُّوْمَ الْقِيَمَةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾
 وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يُقَدِّمُوْا لَهَا خَبِيْرًا اُوْلٰٓئِكَ هُمُ
 الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ لَا يَسْتَوِيْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفٰزِرُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوَا نَزَّلْنَا
 هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ وَجَعَلْ فِيْهِ تَمِيْزًا كَالْاِنْسَانِ لَرٰٓىتَهُ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ
 الْاَمْثَالُ الْمَذْكُوْرُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَيُؤْمِنُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِى لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ
 وَالشَّهَادَةُ السِّرِّ وَالْعَلٰنِيَّةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۴﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِى لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الطَّاهِرُ
 عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ السَّلَامُ ذُو السَّلَامَةِ مِنَ النَّقٰصِ الْمُؤْمِنُ الْمُصَدِّقُ رُسُلَهٗ بِخَلْقِ الْمُعْجَزَةِ لَهُمُ الْمُهَيْمِنُ مِنْ
 هَيْمٰنٍ يُّهَيْمِنُ اِذَا كَانَ رَقِيْبًا عَلٰى الشَّيْءِ اٰى الشَّهِيدِ عَلٰى عِبَادِهٖ بِاَعْمَالِهِمُ الْعَزِيْزُ الْقَوِيُّ الْجَبَّارُ جَبْرَ خَلْقِهٖ عَلٰى
 مَا رَاَدَ الْمُتَكَبِّرُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ سُبْحٰنَ اللّٰهِ نَزَّهَ نَفْسَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ بِهٖ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُشَوِّصُ
 مِنَ الْعَدَمِ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى التِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ
 يَسْبَحُ لَهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۶﴾ تَقَدَّمَ اَوَّلُهَا .

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنے بھائی کفار اہل کتاب (تفسیر اور کفر میں ان کے دوسرے ساتھیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر (چاروں جگہ لام قسمیہ ہے) تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے (ذلیل کرنے کے) معاملے میں ہم کسی کا کہنا نہیں مانیں گے، اور اگر تم نے کسی کی لڑائی ہوئی (اس میں لام قسم محذوف ہے) تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے، اور اگر ان کی مدد کی بھی (ان کی مدد کے لئے آئے بھی) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (پانچوں جگہ جواب قسم کے ہوتے ہوئے جواب شرط مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے) پھر ان (یہود) کی کوئی مدد نہ ہوگی، بلاشبہ تم لوگوں کا خوف (ڈر) ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے (اللہ کا عذاب موخر ہونے کی وجہ سے) یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں، یہ (یہود) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے، مگر محفوظ بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں (جدار یعنی دیوار، اور ایک قراءت میں حدر ہے) ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے، اے مخاطب تو ان کو متفق (متحد) خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے دل منتشر ہیں (گمان کے برخلاف مختلف ہیں) یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (ایمان نہ لانے میں بے عقلوں سے تشبیل دی ہے ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں، مشرکین بدر جو حال ہی میں تھے) جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں (دنیا میں قتل وغیرہ کے ذریعے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو آخرت میں تکلیف دہ ہوگا، یہود کے لئے منافقین سے مثال دی گئی ہے، ان کی باتیں سن کر خلاف کرنے میں) شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (جھوٹ اور ریاکاری سے کہتا ہے) سو آخری انجام (دونوں بھائیوں کے لئے) اور گمراہ، ایک قراءت میں رفع ہے کان کا اسم) کا یہ ہوا کہ دوزخ میں گئے، جہاں ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں

(کافروں) کی یہی سزا ہے، اسے اعلیٰ ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ، جنہوں نے (فرمانبرداری چھوڑ کر) اللہ سے لاپرواہی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو (نیک کام آگے بھیجنے سے) لاپرواہ بنا دیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، دوزخی اور جنتی دونوں برابر نہیں ہیں، جنتی ہی کامیاب ہیں، اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر اتارتے (اور انسان کی طرح ان میں سمجھ داری دی جاتی) تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف کے مارے دب جاتا اور پھٹ جاتا (گلڑے ہو جاتا) اور یہ (مذکورہ) عجیب مضامین لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں (اور ایمان لے آئیں) اللہ ہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے وہ پوشیدہ اور ظاہری (چھپی کھلی) چیزوں کا جاننے والا ہے وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ (نامناسب باتوں سے) پاک ہے، صحیح سالم (فحشاء سے بری) اطمینان دلانے والا (معجزات کے ذریعے پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا) تکہائی کرنے والا (مہین بیکسمن سے ماخوذ ہے، کسی کا نگران ہونا یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا محافظ) زبردست (طاقت ور) خرابی کو ٹھیک کرنے والا (مخلوق کے بگاڑ کو اپنے ارادہ کے مطابق درست کرنے والا) بالادست ہے (ناظم باتوں سے) اللہ پاک ہے (اس نے اپنی پاکی بیان کی) لوگوں کے شرک سے۔ وہ معبود ہے پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا (ناپید سے پیدا کرنے والا) صورت بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں (نانوے نام، جو احادیث میں آئے ہیں، حتیٰ احسن کا مؤنث ہے) اعلیٰ تسبیح کرتی ہیں آسمان وزمین کی سب چیزیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے، (شروع سورۃ میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں)۔

تحقیق و ترکیب: الم تر، مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یا ہر سننے والا، عبد اللہ بن ابی وغیرہ نے جو بنو نضیر سے فریب کیا، اس کی طرف اشارہ ہے، منافقین اگرچہ قبیلہ خزرج کے ہیں مگر ان کو کفر کے اعتبار سے بھائی کہا۔

لئن اخرجکم، مفسر نے چار جگہ لام قسمیہ کہا، پانچویں جگہ ”ان تو تسم“ ہے جہاں لام قسمیہ محذوف ہے یعنی قسم مقدّر ہے ماقبل پر اعتقاد کرتے ہوئے لیولن الادبار۔ یعنی جواب قسم مقدّر موجود ہے اور جواب شرط محذوف ہے، اسی لئے مذکورہ افعال مرفوع ہیں جواب قسم ہونیکی وجہ سے پانچوں جگہ یعنی لنخرجن لننصرن، لایخرجون، لاینصروہم، لیولن الادبار، ثم لاینصرون۔ یعنی ان کے مددگار منافقین جب خود شکست کھا جائیں گے تو یہ وہی طرح منصور ہو سکتے ہیں۔

قلوبہم شغی، یعنی غلاف توقع ان کے دل غیر متحد ہیں۔

لا یعقلون، پہلے لایعقلون کہا اور یہاں لا یعقلون کہا کیونکہ وہاں لانعم اشد رعبہ فی صدورہم من اللہ کہا تھا جو دلیل ہے اللہ کی نسبت ان کی جہالت کی، اس لئے وہاں عدم حلقہ مناسب تھا، اور یہاں قسم جمیعاً وقلوبہم شغی کہا ہے جو دلیل ہے ان کی بے عقلی کی۔ عقل اگر ہوتی تو دل سمجھڑے ہوئے کیوں ہوتے۔

مثل الذین، خبر ہے مبتدئ محذوف منہم کی مکمل الشیطان، یہاں حقیقی شیطان مراد ہے، انسانی شیطان مراد نہیں ہے، یہودی پہلی مثال تو مشرکین بدر سے دی گئی اور یہاں شیطان سے دی گئی۔

فکان عاقبتہما، کان کی خبر ہو کر منصوب ہے اور جملہ ”انہما فی النار“ موضع رفع میں ہے کان کا اسم ہونے کی وجہ ہے، لیکن قرأت رفع میں اس کا برعکس ہے۔

لغد، قیامت کا دن مراد ہے اور غد کہنا قرب کی وجہ سے ہے اور اس لئے کہ گویا کل مدت دو دن ہے ایک دن دنیا کا اور ایک دن آخرت کا اور مگرہ سے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

ما لک بن دینار، فرماتے ہیں کہ حنت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے وجدنا ما عملنا ربحاً ما قبلنا خسرنا ما خلفنا (مدارک)۔

واقفوا للہ، تاکید کے لئے تکرار ہے یا اول سے واجبات کی ادائیگی اور دوسرے سے منہیات سے باز رہنا مراد ہے۔

علی جبل، زہرۃ الریاض میں لکھا ہے کہ دنیا میں ہزاروں ٹیلوں کے علاوہ ۶۶۷۰ پہاڑ ہیں، مقصد قرآن کریم کی تنظیم ہے۔

عالم الغیب، غیب و شہادت سے مراد سر و علانیہ یا دنیا و آخرت یا معدوم و موجود ہیں، (مدارک) اور بقول خلیب عالم غیب جو تمام مخلوق سے غائب ہو، یعنی غیب الغیب اور عالم شہادت جو بعض کو معلوم و محسوس ہو، یہ تقسیم ظاہر ہے کہ مخلوق کے لحاظ سے ہے، اللہ کیلئے کوئی بھی چیز غائب نہیں ہے، اطلاقات شرع عرف کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔

المؤمن، ابن عباس فرماتے ہیں جو لوگوں کو ظلم سے امن دے اور اہل ایمان کو عذاب سے امن دے، یا انبیاء کی تصدیق بذریعہ معجزات کرے۔

المہیمن، مفیعل کے وزن پر تھا، ہمزہ کو یا سے تبدیل کر دیا، محافظ اعمال۔

الجبار، اصلا ح حال بھی مراد ہو سکتی ہے کہ فقیر کو امیر اور شکستہ کو بہتر کر دے، اللہ کی صفت ہو تو مدح کیلئے اور مخلوق کی صفت ہو تو مذمت کیلئے ہے، (خلیب)

هو اللہ۔ چونکہ آئندہ صفات، ذات الہی کیلئے آئینہ ہیں اس لئے پھر مکرر ذکر کر دیا۔

روایات:..... الم تراخ یہ آیات واقعہ بنو نضیر کے بعد نازل ہوئیں، جیسا کہ الفاظ آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے، ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کے متعلق پوچھا، تو فرمایا ”علیک باخر الحشر“، معقل بن یسارؓ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص صبح تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر سورۃ حشر کی یہ تین آیات پڑھے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور اس روز وفات ہو تو شہید ہوگا، اسی طرح شام کے پڑھنے سے، امام ترمذیؒ نے حسن غریب کہہ کر اس کی تخریج کی ہے، اور مدارک، خلیب، روح البیان میں جابر بن یزیدؓ سے نقل ہے کہ اس آیت کی رو سے اسم اعظم اللہ ہے۔

﴿تشریح﴾:..... عبداللہ بن ابی وغیرہ نے یہودی تفسیر کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا نہ سمجھنا، اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کریں گے، یہ ہمارا اہل فیصلہ ہے اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور ہم کسی کی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں، حق تعالیٰ نے بقسم اس کی تردید فرمادی، یعنی یہ بات منافق دل سے نہیں کہہ رہے ہیں، محض مسلمانوں کے اکسانے کیلئے باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے، چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور بنو نضیر محصور ہو گئے، مگر ایسی نازک صورتحال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔

آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا:..... ولعن نصر وہم، اللہ کے لایعصر و نعم فرمانے کے بعد نصر و نعم کا تو احتمال ہی نہیں، بفرض محال کہا جا رہا ہے تاکہ تمام شقوق واقعہ اور فرضیہ میں ان کا ناکارہ ہونا معلوم ہو جائے، بہر حال منافق بفرض محال یہودی مدد کو نکلتے بھی تو نتیجہ وہی ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، ان کی مدد تو کیا کرتے خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ آسکے گا۔ یہ آیت اگر واقعہ سے پہلے نازل ہوئی تب تو توجیہ ظاہر ہے، لیکن اگر واقعہ ہو چکنے کے بعد نازل ہوئی تو پھر پچھلی صورت کا استحضار مقصود ہوگا، جس سے وعدہ خلافی اور ان کی ذلت کھل کر واضح ہو جائے اور یا آئندہ کے لئے منافقین کے ساتھ دینے کے موہوم احتمال کی نفی کرنی ہے۔

لائم اشدر ہبہ، یعنی مسلمانوں کی شجاعت و بسالت سے تو ڈرتے ہیں، اسی لئے ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کی عظمت سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا تو کفر و نفاق کیوں اختیار کرتے، گویا اللہ سے نہ ڈرنے کا مطلب ایمان نہ لانا ہے

اور نہ طبعاً مخلوق کا ذرا اللہ سے زیادہ ہونا گناہ نہیں ہے۔

لایقاً تلکلم جمیعاً، یعنی یہ لوگ چونکہ مسلمانوں سے خوف زدہ اور مرعوب ہیں، اس لئے الگ الگ یہود و منافق تو کیا لڑتے، بلکہ بھی کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے، ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یاد یواری آڑ میں چھپ کر لڑیں تو لڑیں، آخر ایسے لوگوں کا کیا شمار جن کے نزدیک چھتوں پر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پتھاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔

مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کفار میں نہیں ہے۔ اور اوس و خزرج کی لڑائیوں سے یہ اندیشہ نہ کرنا کہ شاید مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی یہ کار نمایاں کر سکیں، کیونکہ باہم پیغم شہید آپس میں ان کی لڑائیاں بڑی سخت اور بڑی تیز ہوتی ہیں مگر مسلمانوں کے سامنے پڑنے کا حوصلہ نہیں ہوتا، آئیں تو ساری شنی کر کری ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے بظاہر ایک ہو جانے سے بھی دھوکہ نہ کھانا یہ خیال نہ کرنا کہ بہت سے کمزور مل کر قوی ہو جاتے ہیں، کیونکہ کسبم جمیعاً و کسبم شتی، ظاہر میں یہ ایک دکھائی پڑتے ہیں، حقیقت میں ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر چند کہ یہ اہل حق کے مقابلہ میں مشترک نظر یہ رکھتے ہیں، مگر خود ان میں بھی تو اختلاف عقائد ہے اور وہی بنیاد ہے باہمی افتراق و عداوت کی، ہر ایک اپنی غرض و ہوا کا بندہ اور نفسانی خواہشات میں ایک دوسرے سے الگ ہے، پھر حقیقی یک جہتی کہاں میسر آ سکتی ہے، منافق و کافر ہزاروں بندوں میں بنے ہوئے ہیں سچے مسلمان اللہ کی ایک رسی قہارے ہوئے ہیں، ان کا مرنا جینا ایک سے وابستہ ہے، اس لئے وہ نیک دل اور ایک دل ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اکثر بے دینوں کے دلوں میں انفاق دیکھا جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہاں قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ ان کی نا اتفاقی کا سبب بیان کیا جا رہا ہے، باہم میں باسیہ ہے اور سمیت فی الجملہ اور بعض کے اعتبار سے بھی ہو تو صحیح ہے کسبم یعنی ماضی قریب ۲۷ھ میں بدر کے معرکہ میں جو کچھ مکہ کے بہادروں کی بنی اور ابھی قریبی زمانہ ۲۸ھ میں یہود بنی قینقاع اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں، کچھ ایسا ہی انجام بنی نضیر کا ہوا کہ دنیا میں بھی بے گھر در بدر اور رسوا ہوئے اور دوزخ کا عذاب تو نفع میں ہے ہی، اسی طرح دوسری مثال شیطان کی ہے جو منافقین پر منطبق ہے، شیطان پہلے انسان کو اپنے جال میں پھنساتا ہے اور پھنسنے کے بعد پھر کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں اور یا و مکاری سے کہتا ہے کہ مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان خود ہی دوزخ کا کندہ بنایا اور انسان کو بھی لے ڈوبا، بدر کے معرکہ میں بھی لوگوں کو اسی طرح شیطان بھڑکاتا اور بڑھا تا رہا، یہی حال منافقوں کا ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ بنی نضیر کو بھر دے کر نکلوادیا اور خود کھڑے تماشا دیکھنے رہے۔

یا ایہذا الذین امنوا، مسلمانوں کو اللہ سے ڈر کر نیکیوں کا ذخیرہ کرنا چاہئے، سو چونکہ کل کیلئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد تمہارے کام آوے، اللہ سے کوئی کام چھپا ہوا نہیں اس سے ڈرو، پرہیزگاری اختیار کرو اور نافرمانی سے بچو۔

لو انزلنا۔ یعنی قرآن کی فی نفسہ تاثیراتی زبردست ہو کہ پہاڑ جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ہو جائے، پہاڑ میں اگر سمجھ کا مادہ ہوتا تو وہ بھی کلام اور مشکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا، خوف کے مارے پارہ پارہ ہو جاتا، مگر انسان نے شہوت و بہمت کے غلبہ سے استعداد خاسد کر لی، جس کی وجہ سے وہ تاثر نہیں ہوتا، اس لئے چاہئے کہ فرمانبرداروں کو کفرانی سے بچ کر قرآن کی تاثیر دیکھے، یہ تو کلام کی عظمت تھی اور آگے ہوا اللہ اس سے مشکلم کی عظمت کا بیان ہے۔

سُورَةُ الْمُمتَحِنَةِ

سُورَةُ الْمُمتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ عَشَرَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخِجُوا غُلُوِي وَعَدُوَكُمْ أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ تُرْصِلُونَ إِلَيْهِمْ قَصْدَ النَّبِيِّ
 ﷺ غَزَوْهُمْ الَّذِي أَسْرَهُ إِلَيْكُمْ وَوَرَى بِخَيْرٍ بِالْمُودَّةِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَيْهِمْ كِتَابًا
 بِذَلِكَ لِمَا لَهُ عِنْدَهُمْ مِنَ الْآوِلَادِ وَالْأَهْلِ الْمُشْرِكِينَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّنْ أَرْسَلَهُ بِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى لَهُ
 بِذَلِكَ وَقَبْلَ عُدْرٍ حَاطِبٍ فِيهِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ أَيُّ دِينِ الْإِسْلَامِ وَالْقُرْآنِ يُخْرِجُونَ
 الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيقِهِمْ عَلَيْكُمْ أَنْ تَرْتَمُوا أَيُّ لَاحِلٍ أَنْ أَمْتُمْ بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ
 جِهَادًا لِلْجِهَادِ فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي وَجَوَابَ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيُّ فَلَا تَخِجُوا وَهُمْ أَوْلِيَاءَ
 تُسْرُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ أَيُّ إِسْرَارٍ خَبَرَ السَّيِّئِ إِلَيْهِمْ فَقَدْ
 ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢﴾ أَخْطَاءَ طَرِيقِ الْهُدَى وَالسَّوَاءِ فِي الْأَصْلِ الْوَسْطِ إِنْ يَتَّقَوْكُمْ يَطْفُرُوا بِكُمْ
 يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَسْطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ بِالْقَتْلِ وَالضَّرْبِ وَالسِّتْهُمْ بِالسُّوءِ بِالسَّبِّ وَالشَّتْمِ
 وَوَدُّوا تَمَنَّا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٣﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ قَرَابَتُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ الْمُشْرِكُونَ الَّذِينَ لَا جِلْهَ لَهُمْ
 أَسْرَرْتُمْ الْخَبَرَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بِنَبَأِ الْمَفْعُولِ وَالْفَاعِلِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ فَتَكُونُونَ
 فِي الْحِجَةِ وَهُمْ فِي حُمَلَةِ الْكُفَّارِ فِي النَّارِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ بِكُسْرِ الْهَمْزَةِ
 وَضَمِّهَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ قُدْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ أَيُّ بِهِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَالَّذِينَ مَعَهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ قَالُوا
 لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُكُمْ وَأَجْمَعُ بَرَى كَطَرِيفٍ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبَلُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كُفَرْنَا بِكُمْ أَكْثَرَ نَاكُمُ وَايَدًا

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعُدْوَةَ وَالْبَغْضَاءَ أَبَدًا بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْتِدَالِ الثَّانِيَةِ وَأَوَّاحَتِي تَوَّعْنَا بِاللَّهِ وَحْدَةً
 إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لَا يَبِيهَ لَا سْتَغْفِرُونَ لَكَ مُسْتَشْنَى مِنْ أَسْوَةٍ أَيْ فَلَيْسَ لَكُمْ التَّاسِيَةُ بِهِ فِي ذَلِكَ بَأَنَّ
 تَسْتَغْفِرُوا لِلْكَفَّارِ وَقَوْلَهُ وَمَا أَمَلْتُكَ لَكَ مِنَ اللَّهِ أَيْ مِنْ عَذَابِهِ وَتَوَابِهِ مِنْ شَيْءٍ كُنِيَ بِهِ عَنْ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ
 غَيْرَ إِلَّا سِتْفَغَارٍ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَيْهِ مُسْتَشْنَى مِنْ حَيْثُ الْمُرَادُ مِنْهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِرُهُ مِمَّا يَتَأَسَّى فِيهِ قُلُ فَمَنْ
 يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَاسْتِغْفَارُهُ قَبْلَ أَنْ يَتَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَذَرٌ لِلَّهِ كَمَا ذُكِرَ فِي بَرَاءَةِ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا
 وَالْيَكْلَ أَنْبَا وَالْيَكْلَ الْمَضْمُونِ ﴿٥٥﴾ مِنْ مَقُولِ الْحَبْلِيلِ وَمَنْ مَعَهُ أَيْ وَقَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ
 كَفَرُوا أَيْ لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَيْنَا فَيُظْهِرُوا أَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيَفْتِنُوا أَيْ تُدْعَبُ عُقُولُهُمْ بِنَا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ
 أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥٦﴾ فِي مُلْكِكَ وَصُنْعِكَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ جَوَابٌ قَسِيمٌ مُقَدَّرٌ فِيهِمْ
 أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَدُلُّ اِسْتِمَالٍ مِنْكُمْ بِأَعَادَةِ الْحَاوِ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ أَيْ يَخَافُهُمَا أَوْ يَظُنُّ
 الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ وَمَنْ يَقُولُ بَأَنَّ يُوَالِيَ الْكَفَّارَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهِ الْحَمِيدُ ﴿٥٧﴾ لَأَهْلَ طَاعَتِهِ

ترجمہ: سورہ محمدہ مذہبیہ اس میں ۱۲ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اسے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں (کفار) کے
 دوست مت بناؤ کہ تم ان کو بھیجے ہو پیغام (آنحضرت ﷺ) کے ارادہ کے متعلق جو کفار کہہ رہے تھے حالی کرنے کا تھا جسے مخفی طور پر تمہیں تو آپ ﷺ
 نے بتلادیا تھا۔ مگر خیبر کی طرف تو یہ کیا تھا دوستی کی وجہ سے اپنے اور ان کے درمیان، حاطب بن ابی بلتعہ نے اس مضمون کا خط کفار کو لکھا۔
 کیونکہ ان کے اہل و عیال مشرکین کے پاس تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس خط کو واپس منگوایا بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا۔ اور اس بارے میں
 حاطب کا عذر قبول فرمایا (حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق (دین اسلام اور قرآن) کے جو تمہارے پاس آچکا ہے وہ شہر بدر کر چکے ہیں پیغمبر ﷺ اور
 تمہیں (مکہ سے تمہیں مجبور کر کے) اس بناء پر کہ تم ایمان لے آئے (یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے) اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم
 جہاد کرنے کی غرض سے میرے رستہ میں اور میری خوشنودی کی خاطر لگے ہو (جواب شرط ماقبل سے معلوم ہو رہا ہے یعنی فلا تخذوہم اولیاء) تم ان
 سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھے سب چیزوں کا بخوبی علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کر کے کرتے ہو اور جو غرض
 تم میں سے ایسا کرے گا (آنحضرت ﷺ) کی خبر انہیں چپکے چپکے پہنچائے گا) تو وہ راہ راست سے بہک گیا (ہدایت کے راستہ سے چوک گیا سوا
 اصل میں وسط کو کہتے ہیں) ان کو اگر تم پر دسترس (قابو) ہو جائے تو عداوت ظاہر کرنے لگیں اور تم پر (قتل اور مار دھاڑ سے) دست درازی اور زبان
 درازی کرنے لگیں بری طرح (گال مل گوج کر کے) اور وہ سہات کے خواہشمند (تمنی) ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار (قرابت دار) اور
 اولاد کام نہ آئیں گے (وہ مشرکین جن کی وجہ سے تم نے خبر چپکے سے پہنچائی ہے۔ عذاب آخرت سے) قیامت کے دن اللہ فیصلہ کرے گا (مجمول
 و معروف دونوں قراءتیں ہیں) تمہارے درمیان (اور کافروں کے درمیان) تمہیں جنت میں اور ان کو کافروں کے ساتھ دوزخ میں بھیج کر (اور
 اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ایک نمونہ ہے) (اسوہ کسرہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ دونوں جگہ یعنی نمونہ) عمدہ امرا انیم
 میں (یعنی ان کے قول و فعل میں) اور ان مومنین میں جو ان کے ساتھ تھے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ
 کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں (براء بری کی جمع ہے طریق کی طرح) ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور

بعض ظاہر ہو گیا (ابدا دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو واو سے بدل کر ہے) جب تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا (یہ اسوہ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ابراہیم کی اس بات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو اور ان کا یہ قول کہ اور تمہارے لئے مجھ کو اللہ کے آگے اختیار نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب و ثواب کا) کچھ بھی (یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ بجز استغفار کے میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس یہ قول لا استغفرن پر معطوف و مرتب ہے اور بلحاظ مقصد مستثنیٰ ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ آیت قل فمن یملئ من اللہ شیئاً کی وجہ سے قائل تہلیلہ معلوم ہوتی ہے اور ابراہیم کا استغفار اس بات کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ سورہ براءت میں گزر چکا ہے) اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں۔ اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (یہ دعائیہ جملے بھی چونکہ ابراہیم اور ان کے رفقاء کے ہیں۔ اس لئے پہلے قالوا مقدر ہے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا (یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دیجئے۔ ورنہ وہ خود کو برسرِ حق سمجھ بیٹھیں گے۔ پس اس طرح وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ یعنی ان کی عقلیں ہماری وجہ سے ماری جائیں گی۔ بلاشبہ آپ زیر دست حکمت والے ہیں) اپنی سلطنت و صنعت میں بے شک تمہارے لئے (اے امت محمدیہ! قسم مقدسہ کہ یہ جواب ہے) ان لوگوں میں عمدہ نمونہ ہے یعنی اس شخص کے لئے (یہ بدل الاشتمال ہے ضمیر کم سے جار کو دوبارہ لا کر) جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے۔ (ان دونوں سے ثواب و عذاب کا دھیان کرنا ہو) اور جو شخص روگردانی کرے گا (کفار سے دوستی کر کے) سو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز اپنے فرمانبرداروں کے لئے ملائق سزا کش ہے۔

تحقیق و ترکیب: الممتحنہ۔ کسرہ حا کے ساتھ ہو تو مؤمنین کے اعتبار سے ہے اور فتح حا کے ساتھ ہو تو ام کلثوم بنت عقبہ بن

ابی معیط مراد ہوں گی۔ جو عبد الرحمن بن عوفؓ کی بیوی اور ابراہیم کی والدہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی۔
لا تتخذوا عدوی۔ محبت و عداوت دونوں میں اگرچہ منافات ہوتی ہے۔ دونوں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ اور بظاہر ممانعت دونوں کے ممکن الاجتماع ہونے کو بتلاتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک حیثیت سے یقیناً دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ مگر دو حیثیتوں سے جمع ہو سکتی ہیں۔ یعنی دنیاوی لحاظ سے محبت ہو اور مذہبی لحاظ سے عداوت ہو۔ اس لئے آیت میں اس حیثیت سے جمع کرنے کو بھی منع کیا جا رہا ہے کہ ان سے دنیاوی محبت بھی نہ کرو۔ کہ وہ نہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں ظاہری تعلق مراد ہے ورنہ حاطبؓ کا دل صاف تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ "اما صاحبکم فقد صدق" سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ کفار سے باطنی تعلق تو درکنار ظاہری محبت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

عدو کم۔ اضافت عہد کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

تلقون۔ مفسرؒ نے "قصد النبی" سے اس کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی تم نے آنحضرت ﷺ کی پوشیدہ خبر دشمنوں کو پہنچائی اور بالودہ میں باسیہ ہے۔ حاطب یہ بدری ہیں اور قریش کے حلیف تھے مگر مخلص مسلمان بھی تھے۔

وودی بخیر۔ تو یہ کہتے ہیں کہ پوشیدہ کے خلاف ظاہر کرنے کو کسی مصلحت سے ہو تو جائز ہے۔ اس کو قصد نہ ہونے کی وجہ سے کذب نہیں کہا جائے گا۔ خیر کہنا تو صحیح نہیں، بلکہ غزوہ حنین کا تو یہ کہنا صحیح ہے۔ چنانچہ بعض نسخوں میں خیر کے بجائے وودی الخیر کے الفاظ ہیں وہ الفاظ صحیح ہے۔ ایک عورت کے ذریعہ پیغام بھیجا گیا۔ جسے حضرت علیؓ اور مقدادؓ نے موقع پر پہنچ کر اس کے سر کے جوڑہ سے برآمد کر لیا۔

خو جتم۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جہاد مفعول لہ ہے۔ زخمیؒ نے کتم غز حتم جملہ شرطیہ ہے لا تخذوہم کے فاعل سے حال کہا گیا ہے۔ لیکن بعد کے حضرات نے ان وصلیہ کے علاوہ شرط کو بغیر جواب حال بنانا صحیح نہیں مانا۔

سواء السبیل۔ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ سواء بمعنی وسط جو ہدایت و صواب ہوتا ہے۔

لن تنفعکم۔ تفسیری عبارت میں ”من العذاب فی الآخرة“ کا تعلق لن تنفعکم سے ہے یوم القیامۃ اگر اس کا تعلق لن تنفعکم سے ہے تب تو اس پر وقف کیا جائے گا اور بفصل مستقل جملہ ہے لیکن اگر اس کا تعلق بفصل کے ساتھ ہو تو پھر والا اولاد کم پر وقف ہوگا۔ اور یوم القیامۃ جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

بفصل: ابو عمرؒ بجلی ابن کثیرؒ نافع کے نزدیک مجہول صیغہ ہے۔ اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ لیکن ابن عامرؒ کے نزدیک مجہول تشدید کے ساتھ ہے۔ اور حمزہ علیؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ معروف باب تفعیل اور عاصمؒ کے نزدیک ثلاثی سے معروف ہے۔

اسوۃ۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اسوۃ اور اسوۃ مقدوۃ اور قدوۃ کی طرح ہے۔ کسی دوسرے کی حالت کی نقل اتارنا خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ اور اسی کے معنی حزن و رنج کے ہیں چھٹی ہوئی چیز پر غم کرنا۔

اذ قالوا۔ یہ ابراہیمؑ اور الذین معہ سے بدل اشتمال ہے قوم سے مراد مرد و اور اس کے پیروکار ہیں۔

الا قول ابراہیم۔ کافر کے لئے جب تک حتمی طور پر اس کا کافر ہونا معلوم نہ ہو۔ اگرچہ استغفار شرعاً عقلاً جائز ہے۔ لیکن جب حتمی طور پر اس کی ممانعت بھی ہو جائے۔ جیسا کہ ومن یتول فان الله هو الغنی الحمید سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو پھر اس کو اسوۃ بنانا صحیح نہ ہوگا۔

ما املک لک۔ یہ الفاظ کنایہ ہیں اس سے کہ مجھے بجز استغفار کے کچھ اختیار نہیں ہے اور کنایہ کہتے ہیں کہ کسی لفظ کو غیر موضوع لہ معنی میں استعمال کیا جائے مفسرؒ نے اس موقع پر ایک شبہ کا دفعہ کرنا چاہتے ہیں کہ وما املک لک من اللہ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کا قول تو قابل تقلید ہے۔

حالانکہ اس کا عطف متشبیہ یعنی لا مستغفرون لک پر ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ قول ثانی بھی پہلے قول کی طرح قابل تقلید نہیں ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ان ظاہری معنی کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ جو معترض کے پیش نظر ہیں بلکہ معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یعنی خاص ان کے لئے استغفار کا مالک ہوں۔ دوسرے کے لئے نہیں ہوں اور ظاہر ہے کہ کافر باپ کے لئے استغفار قابل تقلید نہیں ہے۔ پس تفسیری عبارت ”فھو منی علیہ“ کے معنی یہ ہیں کہ یہ قول پہلے قول لا مستغفرون پر مرتب ہے۔ بطریق

عطف کے یا بطور حالت کے گویا کہ ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ میں باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ حالانکہ میری طاقت اور وسعت میں سوائے استغفار کے سوا کچھ نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس مجموعہ کی حکایت فرمادی مفسرؒ کا قول فمن یملک لکم من اللہ شیئا۔ یہ آیت فتح سے استدلال ہے۔ مفسرؒ کے ”یتاٰی بہ فیہ“ کہنے پر اور خطیب کہتے ہیں کہ ما املک یہ تہم ہے لا مستغفرون کا اور مجموعہ کے استثناء سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام احوال کا استثناء بھی ہو جائے۔ بہر حال اس آیت میں آنحضرت ﷺ کا حضرت ابراہیمؑ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کو قابل تقلید نمونہ نہیں مانا اور آنحضرت ﷺ کو ما املک لکم الرسول فخذوا حذرا میں مطلقاً قابل تقلید مانا ہے۔

ربنا علیک توکلنا۔ اس سے پہلے مفسرؒ نے وقالوا مقدر مان کر اشارہ کیا ہے کہ یہ بھی پہلے قول کا معمول ہے۔ اسی قالوا فابراء وقالوا ربنا علیک الخ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو حکم ہو تو سب باطل معبودوں سے ہٹ کر اللہ سے التجا کرو۔

لمن کان۔ مفسرؒ بدل اشتمال کہہ رہے ہیں مراد بدل البعض ہے۔ اور بقول علامہ رضی بدل الاشتمال کو بدل البعض کہہ سکتے ہیں اعادہ جاری کی صورت میں اور جن حضرات نے ضمیر مخاطب سے بدل بنانے کو ناجائز کہا ہے اس سے بدل الکل مراد ہے اور سیبویہ کے نزدیک مطلقاً بدل بنانا جائز ہے۔

رابط آیات:..... سوزہ حشر میں منافقین اور یہودی کی بدعت کی تھی۔ اس سورت کے اول و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرک عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک دھرم عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

رابط آیات:..... سوزہ حشر میں منافقین اور یہودی کی بدعت کی تھی۔ اس سورت کے اول و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرک عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک دھرم عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

رابط آیات:..... سوزہ حشر میں منافقین اور یہودی کی بدعت کی تھی۔ اس سورت کے اول و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرک عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک دھرم عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

رابط آیات:..... سوزہ حشر میں منافقین اور یہودی کی بدعت کی تھی۔ اس سورت کے اول و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرک عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک دھرم عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

رابط آیات:..... سوزہ حشر میں منافقین اور یہودی کی بدعت کی تھی۔ اس سورت کے اول و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرک عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک دھرم عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

شان نزول:..... سورۃ الممتحہ کی ابتدائی آیات کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے۔ صلح حدیبیہ ہوئی۔ دو برس تک یہ صلح قائم رہی ہے۔ لیکن پھر کفار کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے نہایت خاموشی سے فوج جمع کر کے فتح مکہ کا ارادہ کیا۔ خبروں پر سخت پابندی کر دی گئی کہ کہیں کفار آپ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع نہ کر دیں۔ اور اس طرح حرم شریف میں جنگ ناگزیر ہو جائے۔ مگر حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو بدری مہاجر ہیں۔ مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضور ﷺ کو وحی سے یہ معلوم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، مقدادؓ وغیرہ کچھ صحابہ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ حاصل کر کے لے آؤ۔ یہ افراد تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک مقام پر پایا۔ اس نے بہت لیت و حل اور رد و کد کے بعد خط ان کے حوالہ کیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ بولے یا رسول اللہ! میں نے کفر اختیار کیا ہے، نہ اسلام سے پھر اہوں، سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ برخلاف دوسرے مسلمانوں کے ان کے تعلقات ایسے ہیں کہ ان کے بال بچوں کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ اس لیے میں نے کافروں پر احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ اس صلح میں میرے بال بچوں کی خبر گیری کرتے رہیں گے۔ اور ان سے اچھا سلوک کریں گے اس طرح میرا فائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ فتح و نصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے کسی کے روکے نہیں رک سکتے۔ چنانچہ خط میں بھی یہی مضمون تھا کہ خدا کی قسم اگر رسول اللہ تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا اور جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں پورے کر کے چھوڑے گا، بلاشبہ حاطب سے بڑی بھول اور غلطی ہوئی، چنانچہ حضرت عمرؓ تو اتنے براہ فرودختہ ہوئے کہ عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو اس کی گردن مار دوں؟ مگر رحمۃ للعالمین نے فرمایا صدق حاطب لا تقولوا الا بخیر اور فرمایا کہ حاطب اہل بدر میں سے ہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے بدر میں کی خطا معاف فرمادی ہو، سورت کی ابتدائی آیات اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

﴿تشریح﴾:..... بخو جون الرسول۔ یعنی پیغمبر کو اور تمہیں کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کر دیا گیا، محض اس تصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا پروردگار ہے کیوں مانتے ہو، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر دشمنی اور ظلم کیا ہوگا، مگر تعجب ہے کہ تم ایسوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو ہر چند کہ تمہاری نیت بخیر تھی جس کی وجہ سے تمہیں معاف کر دیا گیا مگر عمل یقیناً غلط تھا جس پر توبخ کی جارہی ہے، مگر تمہارا مکہ کے گھروں سے نکلتا میری خوشنودی کی خاطر تھا، اور میرے راستہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے لئے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا، اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو، تم کوئی کام دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کرنا چاہو تو کیا تم اس کو اللہ سے بھی چھپا لو گے، کیا حاطب کی درگزرہدہ کوشش کامیاب ہو گئی اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرمادیا اور از قبل از وقت فاش ہو گیا۔

ومن یفعلہ، یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس سے چھپانے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بڑی بھول ہے۔ ان یتفقو حکم، ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، تم خواہ کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے، وہ کبھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، انتہائی رواداری کے باوجود تم پر اگر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں، زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذائیں پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں، کیا ایسے شریر اور بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

لن تنفعکم۔ یعنی جن عزیزوں کی خاطر دشمنوں کے نام یہ خط لکھا گیا وہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے، اللہ سب کا رقی رقی عمل دیکھتا ہے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایگا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا، عزیز، قریب، ہٹا نہیں سکتا، پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اپنے اہل و عیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے، یاد رکھو ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضا مندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔

ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب:..... قد کانت لکم۔ یعنی ابراہیم اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کا نمونہ سامنے رکھو، کہ اپنے وقت میں سب نے قولاً فعلاً سب نے اسی علیحدگی کا اعلان کیا اور کہہ دیا کہ لوگو تم اللہ سے منکر ہو اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے تو ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے، اور یہ دشمنی اور عداوت اسی وقت ختم ہو سکتی ہے کہ جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں، تاہم اسی کے ساتھ ان کی اپنے باپ سے اتنی بات تو ہوئی جس سے بظاہر تعلق کا وہم ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور میں صرف دعائی کر سکتا ہوں، مجھے خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ دعا قبول ہی کرالوں، یا باوجود ایمان نہ لانے کے تمہیں عذاب سے بچالوں، میں کسی نفع و نقصان کا ملک نہیں، اللہ جو کچھ پہنچانا چاہے اسے میں روک نہیں سکتا، حاصل یہ ہے کہ اتنی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے البتہ کہی تھی، وہ بھی ممانعت معلوم ہونے سے پہلے جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ استغفار سمجھ گئے، حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں یعنی طلب ہدایت کہ جس کے نتیجہ میں مغفرت ہو سکے اور اس کی اجازت سب کو ہے، اور واقع میں اتنی سی بات قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں تھی مگر صورت ظاہری تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے لحاظ سے صورت اس کو مستثنیٰ کیا جا رہا ہے، نیز ہر چند کہ لفظاً مستثنیٰ مجموعہ ہے ”لاستغفرون“ الخ اور ”ما املک“ کا لیکن فی الواقع مستثنیٰ مجموعہ کا جزء اول ہے یعنی ”لاستغفرون“ اور دوسرا جزء ”وما املک“، سمجھا آ گیا ہے، جیسا کہ مفسر نے اس پر روشنی ڈالی ہے، خلاصہ یہ کہ ابراہیم نے باپ کے لئے دعا چاہی تھی جب تک ان کو معلوم نہ تھا، تم کو معلوم ہو چکا، لہذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو اور اس استغفار کی تحقیق سورۃ برائت کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کا فتنہ بننا:..... لا تجعلنا فتنۃ۔ یعنی کافروں کا فتنہ مشق نہ بنا کہ ہمیں دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازیں کیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔

لقد کان لکم۔ یعنی تمہیں اللہ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کی اگر امید ہے تو ابراہیم اور ان کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیے، دنیا تمہیں کتنا ہی متعصب اور تنگ دل کہے تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو، جو دنیا کے موحداً عظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا، مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے، اگر اس کے خلاف چلو گے اور خدا کے دشمنوں سے یا راکرو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے، اللہ کو کسی کی دوستی، دشمنی کی کیا پرواہ، وہ تو بذات خود تمام کمالات سے اور ہر طرح کی خوبیوں کا مالک ہے اس کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔

اطا لکف سلوک:..... ان کنتم خیر جہنم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الہی کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے قطع تعلق ہو۔

لن تنفعکم ارحامکم، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی علائق کی رعایت دین میں ناجائز ہے۔
اذ قالوا القوم ہم تا لاستغفرون، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض فی اللہ شفقت و خیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، برخلاف بغض نفسانی کے، اس میں شفقت نہیں رہتی۔

ربنا لا تجعلنا فتنۃ، اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اسباب سے بھی بچنا چاہئے جن سے اہل حق پر اہل باطل ہونے کا شبہ ہو، اہل باطل کو

اہل حق سمجھا جانے لگے، البتہ اسباب اگر غیر اختیاری ہوں تو ان سے بچنا یہ ہے کہ اللہ سے دعا کرے۔

عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَكَّةَ طَاعَةً لِلَّهِ تَعَالَىٰ مَوَدَّةً بَيْنَ يَهُودِيهِمْ
لِلْإِيمَانِ فَيَصِيرُوا لَكُمْ أَوْلِيَاءَ وَاللَّهُ قَدِيرٌ عَلَىٰ ذَلِكَ وَقَدْ فَعَلَهُ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَاللَّهُ غَفُورٌ لَّهُمْ مَاسَلَفَ رَحِيمٍ
﴿۷۷﴾ بِهِمْ لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُواكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ
أَنْ تَبْرُوهُمْ بِذُلِّ اسْتِثْمَالٍ مِنَ الَّذِينَ وَتُقَسِّطُوا تَقْضُوا إِلَيْهِمْ بِالْقِسْطِ أَى الْعَدْلِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِنْ
اللَّهُ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۷۸﴾ الْعَادِلِينَ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُواكُمْ مِنْ
دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَادُونَكَ عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ بِذُلِّ اسْتِثْمَالٍ مِنَ الَّذِينَ أَى تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَمَنْ
يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۷۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ بِالْبَيْتِ مَهْجَرَاتٍ
مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْحُدُودِ عَلَىٰ أَنْ مَنْ جَاءَ مِنْهُمْ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ يُرَدُّ فَاُمْتَحِنُوهُنَّ بِالْحَلْفِ أَنَّهُنَّ
مَآخِرُجْنَ إِلَّا رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ لَا بُغْضًا لِأَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقًا لِرِجَالٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَذَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ ظَنَنْتُمُوهُنَّ بِالْحَلْفِ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا
تَرْجِعُوهُنَّ تَرُدُّوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَأَهْنَّ حَلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَأَتَوْهُنَّ أَى أَعْطَا الْكُفَّارُ أَزْوَاجَهُنَّ
مَا أَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهْرِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ بِشْرَطِهِ إِذَا اتَّيَمُّوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُهْرُهُنَّ
وَلَا تُمْسِكُوا بِالشَّدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بَعْضُ الْكَوَافِرِ زَوَّجَاتِكُمْ لِقَطْعِ إِسْلَامِكُمْ لَهَا بِشْرَطِهِ أَوِ الْإِلَاحِقَاتِ
بِالْمُشْرِكِينَ مُرْتَدَّاتٍ لِقَطْعِ ارْتِدَادِهِنَّ نِكَاحِكُمْ بِشْرَطِهِ وَ سَأَلُوا أَطْلُبُوا مَا أَنْفَقْتُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهْرِ فِي
صُورَةِ الْإِرْتِدَادِ مِمَّنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ وَلَيْسَلُوا مَا أَنْفَقُوا عَلَى الْمَهَاجِرَاتِ كَمَا تَقَدَّمَ أَنَّهُنَّ يُؤْتَوْنَ ذَلِكَ
حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ بَيْنَكُمْ بِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۸۰﴾ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ أَى وَاحِدَةً
فَاكْثَرَ مِنْهُنَّ أَوْ شَيْءٌ مِنْ مُهْرِهِنَّ بِالذَّهَابِ إِلَى الْكُفَّارِ مُرْتَدَّاتٍ فَعَاقِبْتُمْ فَغَرَّوْتُمْ وَعَنِمْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ
ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِنَ الْغَنِيمَةِ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا لِفَوَاتِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ
مُؤْمِنُونَ ﴿۸۱﴾ وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُونَ مَا أُمِرُوا بِهِ مِنَ الْإِنْتِزَاعِ لِلْكَفَّارِ وَالْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ ارْتَفَعَ هَذَا الْحُكْمُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ
أَوْلَادَهُنَّ كَمَا كَانَ يُفْعَلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ وَادِ الْبَنَاتِ أَى دَفْنِهِنَّ أَحْيَاءَ خَوْفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ
يَفْتَرِيَنَّهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ أَى بَوْلِدٍ مُلْقُوطٍ يُنْسَبُهُ إِلَى الزَّوْجِ وَوَصَفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيقِيِّ فَإِنَّ الْأُمَّ

إِذَا وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرَحِلَيْهَا وَلَا يَعْصِيكَ فِي مَعْرُوفٍ هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللَّهِ تَعَالَى كَثْرَكَ النَّبَاحَةِ وَتَمَزَّقَ الثِّبَابَ وَجَزَّ الشَّعْرَ وَشَقَّ الْحَبِيبَ وَخَمَشَ الرَّوْحَ فَبَايَعَهُنَّ فَعَلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ وَاسْتَغْفِرُ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُودُ قَدْ يَسُؤُوا مِنَ الْآخِرَةِ أَيُّ مِنْ تَوَابِعِهَا مَعَ إِيقَانِهِمْ بِهَا لِعِنَادِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عَلَيْهِمْ بِصَلْفِهِ كَمَا يَسُؤُ الْكُفَّارُ الْكَائِنُونَ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿۱۳﴾ أَيُّ الْمُقْبُورِينَ مِنْ خَيْرِ الْآخِرَةِ إِذْ تُعْرَضُ عَلَيْهِمْ مَقَاعِدُهُمْ مِنَ الْحَنَّةِ لَوْ كَانُوا آمَنُوا وَمَا يَصِيرُونَ إِلَيْهِ مِنَ النَّارِ -

ترجمہ:..... اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے (اللہ کی اطاعت کی وجہ سے یعنی کفار مکہ سے) دوستی کر دے (انہیں اسلام کی توفیق بخش دے کہ وہ تمہارے دوست بن جائیں) اور اللہ کو بڑی قدرت ہے (اس پر چنانچہ فتح مکہ کے بعد اللہ نے وعدہ پورا کر دیا) اور معاف کرنے والا ہے (جو کچھ ان سے پہلے سرزد ہو چکا ہے، ان پر) رحم کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، ان (کافروں) کے ساتھ احسان و انصاف کا برتاؤ کرنے سے (ان تبروہم "بدل اشتمال ہے" الذین" سے اور قسط بمعنی عدل ہے) جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تمہیں روکتا ہے، جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تمہارے گھروں سے تم کو نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد (اعانت) کی ہو، "ان تو لوہم" بدل اشتمال ہے الذین سے یعنی ان کو دوست بنانے سے روکتا ہے) اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گناہگار ہونگے، اے اہل ایمان جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا) ہجرت کر کے آئیں کفار کو چھوڑ کر، اس فیصلہ کے بعد جو صلح حدیبیہ کے موقع پر طے ہو گیا تھا کہ کافروں میں سے اگر کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا، تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو (یہ قسم دلا کر ان کا ہجرت کرنا صرف اسلام کی وجہ سے ہوا ہے، کافر شوہروں سے نفرت کی وجہ سے، اور مسلمانوں سے عشق و محبت کی وجہ سے نہیں ہوا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مضمون کا حلف عورتوں سے لیتے تھے) ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، چنانچہ اگر تم انہیں مسلمان سمجھو (قسم سے تمہارا اطمینان ہو جائے) تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو نہ وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں پر اور ان (کافروں) کو ادا کرو جو انہوں نے خرچ کیا ہے، (مہر اپنی عورتوں پر) اور تمہیں ان عورتوں سے (مشروط) نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو اور تم باقی مت رکھو (تشدید و تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کافر عورتوں کے تعلقات کو (کافر بیویوں کے کیونکہ اسلام نے اس رشتہ کو منقطع کر دیا مع شرط کے یا ان بیویوں سے جو مشرکین سے جا ملیں مرتد ہو کر، کیونکہ ان کے ارتداد نے تمہارے نکاح کو مع شرط کے منقطع کر دیا ہے) اور مطالبہ کر لو (مانگ لو) کافروں سے جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے (ان بیویوں پر مہر اس صورت میں کہ ان بیویوں نے مرتد ہو کر کافروں سے نکاح کر لیا ہو) اور وہ مانگ لیں جو کچھ ان کافروں نے ہجرت کرنے والی عورتوں پر خرچ کیا ہو جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ وہ خرچہ کو ادا کریں گے) یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان (اس کا) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم و حکمت والا ہے، اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بی بی ہاتھ نہ آئے (یعنی ایک یا ایک سے زائد بیوی، یا مہر میں سے کچھ لے کر چلی جائے) کافروں میں (مرتد ہو کر) چلی جانے سے پھر تمہاری نوبت آئے (غزوہ کر کے مال غنیمت میں تم نے حاصل کر لی ہو) تو جن کی بیویاں نکل گئی تھیں (غنیمت میں سے) جتنا انہوں نے

کیا تھا اتنا تم دے دو (کیوں کہ کافروں سے انہیں کچھ نہیں ملا) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو (مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کفار اور مؤمنین کو مال دیا، اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا) اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ وہ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی، (جیسے زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا رواج تھا، عار اور فقر کے خیال سے ان کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا) اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی، جن کو ہاتھ پاؤں کے درمیان بنالیا ہو (یعنی گری بڑی اولاد کو شوہروں کی طرف منسوب کر دیں اور حقیقتی طور پر اولاد اس لئے کہا کہ ماں جب بچہ جننے گی تو بچہ اس کے ہاتھ پاؤں کے آگے ہی ولادت پائے گا) اور شرعی باتوں میں آپ کے خلاف نہیں کریں گی (مشروع باتیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، مثلاً بیان کر کے نہ رونا، کپڑے وغیرہ نہ پھاڑنا اور بال نہ نوچنا اور نہ چہرہ کو پینٹنا) تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زبانی بیعت فرمایا لیکن انہوں نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا) اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، بلاشبہ اللہ غفور و رحیم ہے، اے اہل ایمان ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے (یعنی یہود) وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے، (یعنی ثواب سے، باوجودیکہ ان کا اس کا یقین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتے ہوئے، حالانکہ ان کو آپ کے سچے ہونے کا یقین ہے) جیسا کہ کفار مایوس ہوں گے قبروں میں جا کر (یعنی آخرت کی بھلائی سے قبروں میں ناامید ہو گئے، جنت کا مقام ان کو دکھلایا جائیگا، جو بصورت ایمان ان کو نصیب ہوتا، اور دوزخ جس میں وہ جھونکیں جائیں گے)

تحقیق و ترکیب:..... عادیتم منہم، تفسیر کی عبارت ”طاعة الله عادیتم“ کی یہ علت ہے ای عادیتموہم لاجل طاعة الله لاینہاکم الله، جو کفار مسلمانوں سے عداوت نہیں رکھتے یہ ان کے اچھے سلوک کا ایک صلہ ہے، ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے، جب کہ جہاد کی اجازت نہیں تھی پھر منسوخ ہو گیا، اور قنادہ آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم سے اس کو منسوخ مانتے ہیں، لیکن اکثر علماء تاویل اس حکم کو غیر منسوخ اور محکم مانتے ہیں، اور حاصل اس حکم کا کفار سے عداوت اور دوستی میں اعتدال ملحوظ رکھنا ہے، چنانچہ منقول ہے کہ قوم خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم نہ مسلمانوں کے خلاف ہونگے اور نہ دشمنانِ دین کا ساتھ دیں گے، ان کے متعلق یہ حکم ہے یا پھر ان عورتوں اور بچوں کے سلسلہ میں یہ حکم ہے جنہیں لڑائی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یا یوں کہا جائے کہ پچھلی آیت میں عام کفار کے متعلق حکم تھا، خواہ وہ مصلحت کنندہ ہوں لیکن اس آیت میں قبیلہ خزاعہ اور بنی الحارث جیسے لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا، جن سے معاہدہ صلح ہے، البتہ جو کافر حربی ہیں دوسری آیت میں ان کا ذکر ہے، ان سے بدستور جنگ رہے گی، گویا پہلی آیت ذمیوں سے متعلق ہے اور دوسری آیت کا تعلق حربیوں سے ہے، اس لئے صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ میں استدلال کرتے ہوئے کہا ہے ”ان الوصیۃ للذمی جائزۃ دون الحربی لانہ نوع انسان“ نیز باب الزکوۃ میں ہے ”ان الصدقة النافلة یجوز اعطاءها للذمی دون الحربی لانامانہینا عن البر فی حقہم بخلاف الزکوۃ لانہا لایجوز الا للمسلم لحديث معاذ خلها من اغنیاء ہم وردھا الی فقرائہم۔“

”ان تبروہم“ یہ ”الذین لم یقاتلونکم“ سے بدل ہے ای لاینہاکم عن برہم۔

و تقسطوا الیہم۔ عدل و انصاف کرنے میں ان کی تخصیص نہیں، وہ تو ہر ایک کے ساتھ حتیٰ کہ قاتل کے ساتھ بھی کیا جائے گا، اسلئے اعطاء سے تفسیر کرنا بہتر ہوگا، ای تعطوہم قسطاً من اموالکم۔ یعنی قسطاً کا ”بر“ پر عطف خاص کا عام پر عطف ہوگا، اذا جاءکم المؤمنات، یعنی سرسری طور پر ان کے ایمان کو دیکھا جائے گا، صرف زبانی اقرار پر اکتفاء کر لیا جائے گا قلبی ایمان کی تحقیق

ضروری نہیں ہوگی، البتہ اس ہجرت کا سبب ایمان کے علاوہ اگر فحی تعلقات یا منافیت ہو تو پھر اس ہجرت کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ہر چند کہ صلح حدیبیہ میں مکہ سے آنے والوں کے واپسی کی دفعہ عام تھی، جس میں مرد عورتیں سب داخل ہوئیں، لیکن آیت ”لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن“ سے معلوم ہوا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہیں خواہ تو اس کو ماقبل کا بیان مان لیا جائے یا بقول مدارک پہلے مطلق حکم نسخ قرار دیا جائے، یہاں تین الفاظ سے ایمان کا ضروری ہونا معلوم ہو رہا ہے، (۱) اذا جاءکم المؤمنات، (۲) اللہ اعلم بایمانھن، (۳) فان علمتموهن مؤمنات۔ اور درمیان میں اللہ اعلم بایمانہن بطور جملہ مقرر ہے کہ حقیقی ایمان کا پتہ تو اللہ کے سوا کس کو ہو سکتا ہے۔

تم کلمہ شہادت کا اعتبار کرو اور ایمان کی شرط اور حلفیہ بیان کی وجہ یہ ہے بعض گھریلو جھگڑوں میں عورتوں نے کافر شوہروں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اگر تم نہیں مانتے تو ہم محمدؐ کے پاس چلی جائیں گی، دوسرا حکم ”اتوہم ما انفقوا“ سے مسلمانوں کو یہ دیا جا رہا ہے کہ اگر تم ان مسلمان مہاجرین عورتوں سے شادی کرنا چاہو تو پہلے ان کے سابقہ کافر شوہروں کو مہر ادا کر دو، پھر ان عورتوں سے شادی کر سکتے ہو، اس درمیانی معتدل حکم میں اسلام نے مسلمان بیوی اور کافر شوہر دونوں کی رعایت کر دی ہے، اگر صرف کافر شوہر کا لحاظ کر کے عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جاتی تو اس میں عورتوں کی حق تلفی ہوتی، اور مسلمانوں کو مفت نکاح کی اجازت دے دی جاتی تو پہلے کافر شوہروں کا مالی نقصان ہوتا، اور ہجرت کی بنیاد صرف اسلام کو قرار دے کر بہت سے فتنوں کا سد باب کر دیا ہے، صاحب حدادیہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ”باب العدة“ میں کہا ہے، ان عند ابی حنیفۃ اذا اخرجت الحریۃ الینا مسلمۃ جاز لھا الزوج من غیر عدة خلافا لھما وله قوله تعالی لا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیموھن اجورھن“ صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے اور صاحب کشاف نے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ لہما قیدہ بابتاء المہور اما لانہ یزاد بہ ما یعطی لھن لیدفعنہ الی ازواجھن فیجب تقدیم ادائہ او یعطی لھن علی سبیل الفرض ثم یزوجھن علی ذلک او یذنا بان ما اعطی ازواجھن لا یقوم مقام المہور۔ امام زاہد فرماتے ہیں کہ ”الایئاء ہنا الالتزام والقول، اس میں اختلاف ہے کہ یہ مہر واپس کرنا مسلمانوں پر واجب ہے یا مستحب اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ آیا صلح عام ہوئی تھی کہ مرد و عورت سب کو واپس کیا جائے گا، اور بعد میں عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے یا صلح صرف مردوں ہی کے بارے میں ہوئی تھی، اور عورتیں اس میں داخل ہی نہیں تھیں؟ جیسا کہ صلح نامہ کے ان الفاظ سے تخصیص معلوم ہوتی ہے علی انہ لایاتیک منارجل وان کان علی دینک الارودتہ“ اگر پہلی صورت ہے تو مہر کی واپسی واجب ہوگی ورنہ مستحب ہے، اس کے بعد آیت ”ولا تمسکوا“ سے تیسرا حکم دیا جا رہا ہے کہ کافر عورتوں سے نکاح مت کرو لیکن لفظ اسماک بتلا رہا ہے کہ کافر عورتوں کو نکاح میں باقی رکھنے سے منع کیا جا رہا ہے، یہاں ابتداء نکاح کرنے سے منع نہیں کیا جا رہا ہے، مدارک میں ہے ”لا تمکن بینکم و بینھن عصمة ولا علقۃ زوجیۃ“، یعنی جن مسلمانوں کی بیویاں مکہ مکرمہ گئیں اور وہ کافر ہیں تو ان کو بیویاں مت بنائے رکھو بلکہ ان کو چھوڑ دو، کیونکہ دونوں کا وطن مختلف ہو گیا، ایک کا دارالاسلام اور دوسرے کا دارالحرب، اور مذہب بھی الگ الگ ہے، چنانچہ صحابہؓ نے ایسی بیویوں کو چھوڑ دیا، تفسیری عبارت ”لقطع اسلامکم لھا بشرطہ“ کا مطلب یہ ہے کہ مدخلہ ہونے کی صورت میں اسلام ان دونوں کو عدت میں جمع نہیں کیا گیا ”اولا احتاف الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بیوی اگر مرتد ہو کر دارالحرب میں چلی گئی تو اس کو بھی بیوی نہ سمجھو، کیونکہ ارتداد نے یہ رشتہ منقطع کر دیا ہے، غیر مدخلہ ہونے کی صورت میں تو فوری تفریق ہو جائے گی اور مدخلہ ہونے کی صورت میں اگر عدت میں دوبارہ بھی یہ مسلمان ہو جائے تب بھی رجعت نہیں ہوگی۔

بشرط کا مطلب بشرط القطع ہے یعنی انقضائے عدت۔ پس اسلام تو سبب انقطاع ہوا اور عدت کا گزرتا شرط ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ عدت ختم ہونے تک جاری ہے۔ پس اگر عدت ختم ہونے سے پہلے عورت دوبارہ مسلمان ہو جائے امام شافعیؒ کے نزدیک بیوی اگر مدخلہ ہے تو بدستور بیوی رہے گی۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر غیر مدخلہ ہے تو مرتد ہوتے ہی تفریق ہو جائے گی۔ امام مالکؒ کے نزدیک مدخلہ اور غیر مدخلہ دونوں صورتوں میں تجدید نکاح ضروری ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اختلاف دارین کی وجہ سے عصمت ختم ہو جاتی ہے۔ اور مہاجرہ کے لئے عدت نہیں ہے

جیسا کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا حکم مہر کے لین دین سے متعلق ہے۔ واسئلوا ما انفقتم یعنی از روئے عدل و انصاف جس طرح تمہیں اپنی کفر یا مرتد بیوی کے سلسلہ میں اپنے دئے ہوئے مہر کے مطالبہ کانٹے کافر شوہروں سے حق ہے اسی طرح کافروں کو بھی حق ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے مہر کا مطالبہ تم سے کریں جنہوں نے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کی صورت میں تم سے شادی کر لی ہے۔ لیکن یہ حکم بھی اب منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ مسلمانوں نے تو اس پر عمل کرتے ہوئے مہر کی رقم کافروں کے پاس بھجوا دی۔ مگر کافروں نے مرتد عورتوں کو مہر دینے سے انکار کر دیا اس پر وان فاتکم نازل ہوئی۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر تمہاری ایک دو بیویاں یا پورا یا ادھورا مہر کفار کے قبضہ میں رہ جائے اور پھر تمہیں مہر کی ادائیگی کی نوبت پیش آجائے۔ تو کافر شوہروں کو تم بھی مہر ادا نہ کیا کرو۔ بلکہ ان مسلمان شوہروں کے حوالہ کرو۔ جن کے مہر کفار کے پاس رہ گئے ہیں۔ اس تبادلہ سے مسلمان بھائیوں کے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ مفسر نے او شی من مہودھن میں اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے۔

فعاقبم۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ عاقبتم عقاب سے ہے۔ یعنی کفار سے انتقامی کارروائی کر کے جہاد کرو۔ حتیٰ کہ تمہیں مال غنیمت حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ زجاج کی رائے ہے اور بعض نے یہ معنی لیے ہیں کہ انجام تمہارے حق میں ہو جائے اور تم کامیاب ہو جاؤ اور عاقبت تمہارے ساتھ ہو جائے یعنی کفار سے تمہیں عقبی اور غنیمت حاصل ہو جائے۔ حاصل دونوں تو جیہوں کا ایک ہی نکتہ ہے اور بعض نے عقب کے معنی نوبت کے لئے ہیں یعنی تمہارے مہر کی ادائیگی کی نوبت آجائے لیکن اکثر نے پہلے ہی معنی لئے ہیں، چنانچہ مفسر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، بہر حال چھ مسلمان عورتیں مرتد ہو کر دار الحرب چلی گئیں جن کا مہر مسلمان شوہروں کو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت سے ادا فرمادیا۔ گویا یوں سمجھا جائے گا کہ کافر شوہروں نے جب مہر خود نہیں دیا تو ان سے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت کا غس نکالنے سے پہلے دین مہر مسلمانوں کو ادا کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ اسی دین کی ادائیگی ہے جو کفار پر واجب تھا۔ تفسیری عبارت لفواتہ علیہم کا مطلب یہی ہے۔

من الایماء۔ اس کا تعلق اتو ہم ما انفقوا کے ساتھ ہے اور المؤمنین کا تعلق فاتوا الذین ذہبت کے ساتھ ہے۔ ای ومن ایماء المؤمنین مہر المردۃ لزوجھا الکافر من الغنیمۃ۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت جہاد غنیمت یا سنت کی وجہ سے فاتحنوہن اور اتو ہم ما انفقوا اور واسئلوا ما انفقتم اور یسئلوا ما انفقوا اور فاتوا الذین ذہبت ازواجہم سب احکام منسوخ ہو گئے ہیں کیونکہ یہ سب صورتیں معاہدہ کے تحت تھیں۔ لیکن جب معاہدہ نہیں رہا تو ذیلی دفعات بھی سب ختم ہو گئیں اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ عاقبتم کے معنی اگر غنیمت کے ہوں تو یہ حکم استثنائی ہے اور باقی ہے۔ اذاجاءک المؤمنات عورتوں میں چونکہ عام طور سے یہ برائیاں پائی جاتی ہوں گی۔ اس لئے آپ نے بیعت لیتے وقت ان سے باز رہنے کا عہد لیا۔

بین ایدیہن۔ حرامی بچہ کی نسبت خاوندوں کی طرف کر دیتی تھیں۔ اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کشاف اور مدارک نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ معروف کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ لا طاعۃ لخلق فی معصیۃ الخالق۔ امام زاہد معروف سے مراد نوحہ نہ کرنا، کپڑے نہ پھاڑنا، نامحرم کے ساتھ عورت کا سفر نہ کرنا۔ صاحب کشاف نے روایت نقل کی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر مردوں کی بیعت کے بعد عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے یہ عہد لئے تھے۔ دراصل بیعت اور بیع دونوں کا ماخذ ایک ہے اور جس طرح بیع میں خواہ لگی ہوتی ہے اسی طرح بیعت میں بھی مرید خود کو شیخ کے حوالہ کر دیتا ہے جس کا حاصل انقیاد کامل ہے۔ بیعت کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک بیعت اسلام یعنی اسلام عمدہ طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد بیعت کرنا۔ دوسرے بیعت امتثال۔ جیسے خلفاء اسلام سے رعایا کا بیعت کرنا۔ تیسرے بیعت ارادہ ہوتی ہے اس آیت میں یہی مراد ہے۔ جسے بیعت سلوک کہنا چاہیے مردوں کی بیعت میں۔ مصافحہ شرط یا ضروری تو نہیں مگر قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ تاہم عورتوں

کی بیعت میں اجازت نہیں ہے۔ اور حدیث میں جہاں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے تو محرم کی موجودگی ہوگی یا ممانعت سے پہلے کی بات ہوگی۔ البتہ قبیحی کلاہ وغیرہ کا دینا۔ بعض آنحضرت ﷺ سے اور بعض حضرت علیؓ سے اور بعض مشائخ سے منسوب کرتے ہیں۔ لا تو لو افاقا تھ سورۃ کا مضمون

دہرایا گیا ہے۔ جس کو اصطلاح بلاغت میں رد العجز علی الصلح کہا جاتا ہے تو ماغضب اللہ سے یہود مراد ہیں یا تمام کفار اصحاب القبور مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ قبر سے موضع مراد ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ اصحاب القبور اہل قبور اور موتی ہیں۔ اذ نعوض۔ یہ ظرف ہے پیشوا کا اور لو کا نوا، منواقہ ہے مقابلہ کی نسبت کی اور ما یصبرون کا عطف مقابلہم پر ہے۔

شان نزول و روایات: لا۔ نکاح اللہ۔ شروع سورت میں جو کفار سے مطلقاً دوستی رکھنے کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں ذمی کافروں سے یعنی جن سے عہد صلح ہو گیا ہو ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت دی جا رہی ہے جیسے قبیلہ خزاعہ اور بنی حارث اس لئے یہ آیت مجسم ہے۔ اس میں کافر عورتیں بچے بھی داخل ہیں۔ جن سے کوئی جنگی خطرہ نہیں ہوتا۔ اور بعض نے اس کے شان نزول میں قبیلہ بنت عبد العزیٰ واقعہ لکھا ہے کہ وہ بحالت کفر اپنی بیٹی اسابت ابوبکر کے پاس ہدایا لے کر ملنے آئے۔ مگر اس نے نہ ہدایا قبول کئے اور نہ مال کو ملنے کی اجازت دی اور دوسری آیت النما ینہا کم کفار حرب کے بارہ میں نازل ہوئی کہ ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اذ جاء کم المؤمنات۔ صلح حدیبیہ کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جائے گا اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ چنانچہ کچھ مسلمان مرد مکہ سے مدینہ آئے تو انہیں شرط کے مطابق واپس کر دیا گیا۔ پھر کچھ عورتیں بھی آئیں تو ان کے عزیز و اقارب نے اس کی واپسی کے لئے بھی درخواست کی۔ اس پر حدیبیہ ہی میں یہ آیتیں نازل ہوئی اور ان کو واپس کرنے سے منع کر دیا گیا۔ پس صلحنامہ کا عموم اس۔ خاص اور منسوخ کر دیا گیا۔ ایسی عورتوں کے لئے کچھ شرائط اور احکام خاص بھی مقرر کر دیئے گئے۔ مثلاً جو عورتیں مسلمان ہو کر آئیں ان۔ حضرت عمرؓ حلفیہ بیان لیتے۔ کہ ماخرجت رغبۃ بارض عن ارض وباللہ ماخرجت عن بعض زوج وباللہ ماخرجت الاحبا اللہ ورسولہ۔ اور بقول حکیمہ ان سے کہا جاتا ماجئک عشق رجال منا ولا فرار من زوجک ماجاءک الاحباللہ ورسولہ۔ منجملہ مہاجر عورتوں کے سبب بنت الحارث اسمیہ تھیں۔ ان کے شوہر کا نام مسافر خزوی یا صلی بن الراہب تھا۔ انہوں نے بیوی کی واپسی کی خواہش کی۔ مگر جبرائیلؑ یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سیدہ اسمی سے حلفیہ بیان لیا کہ وہ مومنہ ہے اور آپ ﷺ نے مسافر خزوی کو اس کا مہر وغیرہ ادا کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ دوسرا حکم مشرک عورتوں کے اپنے نکاح میں نہ رکھنے کے بارہ میں ”ولا تمسکوا بعصم الکوافر“ نازل ہوا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ من کانت لہ امرأۃ کافرة بکمة فلا یعتدن بہا من لسانہ لان اختلاف الدارین قطع عصمتہا مند چنانچہ صحابہؓ نے کافر بیویوں کو جو مکہ میں رہ گئیں تھیں چھوڑ دیا اور مہر کے تبادلہ کے سلسلہ میں واسلو اما نفقتم ولینکوا اما انفقوا حکم نازل ہوا۔ لیکن کفار کی طرف سے جب مہر کی ادائیگی کی رکاوٹ ہوئی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مسلمانوں پر بھی مہر کی ادائیگی نہیں رہی۔ اس کے بعد بیعت کی شرائط و احکام بیان فرمانے لگے۔ مردوں کی بیعت کا ذکر سورہ فتح کی آیت ان الذین بیایہوکم اور لقدرضی اللہ عن المؤمنین اذ بیایہوکم میں آچکا تھا۔ مومن عورتوں کا ذکر آیت اذ جاءک المؤمنات یشہدن علیہن ما کرمن اللہ ورسولہ میں آچکا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کوہ صفا پر تھے۔ اور حضرت عمرؓ آپ کے حکم سے نیچے کی جانب عورتوں سے بیعت لے رہے تھے۔ منجملہ عورتوں کے ہندہ بن قتبہ ابوسفیان کی بیوی بھی حاضر ہوئیں مگر آنحضرت ﷺ سے خائف چادر میں لپیٹی ہوئی آئیں کہ بچان نہ لی جائیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اما یمکن علی ان لا یشکرن باللہ شیماء۔ تو اس پر ہندہ بولیں۔ واللہ لقد علمنا الا صنم وانک لتاخذ علینا امراماراً یناک اخلفہ علی الرجال تبایع الرجال علی الاسلام والجهاد۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا۔ ولا یرقن۔ اس پر ہندہ نے عرض کیا۔ ان اباسفیان رجلاً ح والی اہب من مالہ صلت فنا اوری اکل لی ام لا۔ ابوسفیان بولے۔ ماہب من شی فیما مضی غیر فہو لک حلال۔ یہ مکالمہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور پہچان کر فرمایا۔ وانک ہندہ بنت عتبہ؟

بولیں، جی ہاں، اور عرض گزار ہوئیں؟ قافع عما سلف یا نبی اللہ عفا اللہ عنک۔ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ ولا یزنین کہنے لگیں۔ او تو نبی الحرة۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ مازنت منھن امراتہ قطا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ولا یقتلن اولادھن ہندہ بولیں۔ ربینا ہم صفارا وقلعتھم کبارا فانھم وھم اعلم۔ یہ اس لئے کہا کہ ابوسفیان کا جوان بیٹا حظلہ غزوہ بدر میں مارا جا چکا تھا۔ اس لئے یہ فقرے سن کر حضرت عمرؓ تو ایسی کے بارے لوٹ پوٹ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ بھی مسکرا دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دلایا تین بھتیان۔ ہندہ نے عرض کیا۔ واللہ ان البھتان لامر قبیح وما تا مرنا الا بالرشد و مکارم الاخلاق۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ولا یحصیک فی معروف۔ ہندہ بولیں واللہ ما جعلنا فجعلنا هذا و فی الفئسا ان نعصیک فی شیء۔ ہندہ کی جرات دے بے پاکی تو قابل داد ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا تحمل و وقار اور وسعت اخلاق بھی بے مثال ہے۔ عورتوں سے بیعت لینے میں آپ ﷺ نے مصافحہ نہیں فرمایا چنانچہ حضرت عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں۔ واللہ ما اخذ رسول اللہ ﷺ با یع النساء قط الا بما امر اللہ عز و جل وما مست کف رسول اللہ ﷺ کف امر اقلقط دوسری روایت میں ہے۔ اللہ ﷻ با یع النساء و بین یدیه و ایدیھن ثوب و کان یشرط علیھن۔ و فی روا یہ ثوب قطری یا خلدن بطرف منہ و یا خلدون بطرف الاخر تو لیا عن مساس ایدی الاجنبیات۔

﴿تشریح﴾..... ایک تورشتہ داروں کے چھوٹے کاغذ اگر چہ وہ کافر ہی سہی۔ دوسرے عام کافروں کی عداوت سن کر فکر ہو سکتی تھی۔ اس لئے عسی اللہ پر بشارت آمیز پیشین گوئی فرمائی جارہی ہے کہ یہ عارضی جدا ہو گئی ہے۔ اللہ کی قدرت و رحمت سے بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں۔ کل وہ مسلمان بن کر بہترین دوست ہو جائیں اور پھر تمہارے اور ان کے درمیان بدستور بلکہ پہلے۔ بھی زیادہ برادرانہ اور دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہی ہوا کہ سب مکہ والے مسلمان ہو گئے تو جو ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے۔ اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے مطلب یہ ہے کہ قطع تعلق اگر ہمیشہ کے لئے کیا جاتا تب بھی حکم الہی ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم اور واجب العمل تھا۔ لیکن اب تو یہ ترک موالات چند روزہ ہے۔ پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لئے محالات موجودہ، ترک موالات پر مضبوطی سے قائم رہو جس کسی سے کوئی بے اعتمادی ہو جائے وہ اللہ سے اپنی خطا معاف کرالے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اسن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہیے:..... لایعھاکم اللہ۔ یعنی سب کافر ایک طرح کے نہیں ہیں۔ لہذا سب کو ایک لاٹھی سے نہ ہٹاؤ۔ جو کافر مصالح اور غیر جانبدار ہوں کہ نہ تو مسلمان ہوئے اور نہ ہی مسلمانوں سے بیرکھا اور زندان کے دشمنوں سے لگاؤ رکھا۔ ایسے کافروں سے بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ پس انصاف یہاں خاص انصاف یعنی احسان کا برتاؤ و مراد ہے ورنہ عام انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کھو۔ اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلام کا معیار اخلاق کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ اگر کافروں کی ایک جماعت مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو کافروں کو بلا امتیاز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دو۔

اسلام عورتوں، بچوں، کمزوروں سے حد درجہ رعایت کرتا ہے:..... ضروری ہے کہ عورت، مرد، بوڑھے، جوان، بچے معاند غیر معاند کے اعتبار سے ان میں فرق کیا جائے۔ البتہ جو کافر تم سے آمادہ پیکار ہوں ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا بے شک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے۔ یہ تو ہوا متحارب غیر متحارب مرد کافروں کا معاملہ۔ رہ گئیں عورتیں خواہ مکہ سے آنے والی ہوں یا رہ جانے والی۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ اذا جاءکم المؤمنات الخ ان سے متعلق احکام کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔ کسی کے دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن ظاہری طور سے ایسی آنے والی عورتوں کی جانچ کر لیا کرو کہ آیا واقعی مسلمان ہیں اور محض اسلام کی

خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض تو اس ہجرت کا سبب نہیں بنا۔ چنانچہ یہ نفس نفیس خود حضور ﷺ کی عورتوں سے بیعت لیتے اور کبھی حضرت عمرؓ آپ کی اجازت اور حکم سے جانچ کر کے بیعت لیتے۔

۲۔ خاندان بیوی میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو تو اختلاف داورین کے بعد نکاح کا تعلق قائم نہیں رہتا۔ نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۔ مسلمان عورت اگر کافر ملک کو چھوڑ آئے تو اس کا نکاح مسلمان سے ہو سکتا ہے۔ حاملہ ہونے کی صورت میں تو بالاجماع بچہ پیدا ہونے کے بعد اور حاملہ نہیں ہے تو لامعظم کے نزدیک بغیر عدت گزرے فوراً نکاح ہو سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔

۴۔ کافرہ حبیبہ کا شوہر اگر مسلمان ہو جائے تب بھی نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس پر کسی کے نزدیک عدت نہیں ہے یہ دونوں حکم اب بھی باقی ہیں۔

۵۔ مسلمان مہاجر عورت کو اس کے پہلے کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا تھا۔ دارالاسلام میں جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اگر کوئی خاص شخص نکاح کرے تو وہ واپس کرے۔ ورنہ بیت المال (شای خزانہ) سے دے دیا جائے۔ اور اب اس عورت کا جو مہر قرار پائے وہ الگ اپنے ذمہ رکھے تب اپنے نکاح میں لاسکتا ہے۔ لیکن یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسی وقت کے مخصوص حالات کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ تاکہ مصالحت کنندگان کو نقصان نہ پہنچے اور انہیں اشتعال نہ ہو کہ صلح ٹوٹ جائے۔

۶۔ اسی طرح مسلمان شوہر کی خربی بیوی کا مہر، کافر، مسلمان کو ادا کریں۔ یہ حکم بھی اسی واقعہ کے ساتھ خاص تھا۔ اب وہ نہیں ہے۔

۷۔ کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں جو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمہ ہے وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے۔ برابر کی صورت میں تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ کمی بیشی کی صورت میں جو کفار کا بچتا وہ کفار کو دے دیا جاتا اور جو اپنا اس کا مطالبہ کر دیا جاتا۔ یہ حکم بھی اسی وقت کے حالات کے پیش نظر تھا اور دلیل ان احکام کے خاص ہونے کی اجماع ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے بھی یہ برتاؤ نہیں کیا۔ جس سے ان احکام کا وقتی ہونا معلوم ہوا۔

شبہ کا جواب:..... لیکن اگر شبہ یہ ہو کہ اس تخصیص و نسخ سے تو عہد عام ٹوٹ گیا اور نقص عہد جائز نہیں۔ جواب یہ ہے کہ نقص عہد، عذر کے عہد میں جائز نہیں ہے اور یہاں عذر نہیں کیا گیا۔ پس بغیر عذر کے تو نفس صلح کا ختم کرنا بھی جائز ہے۔ پھر صلح کے کسی خاص جز کو مابغ کر دینا تو پورا بھی ہلکا اور سہل ہے۔ پھر دوسرا فریق اس میں مجبور نہیں کیا گیا۔ وہ اگر نہ مانتا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ صلح ختم ہو جاتی۔ لیکن جب فریق چاہی نے بھی مان لیا۔ خواہ اپنی کسی مصلحت سے یا یہ سمجھ کر مردوں کے زیادہ ہونے سے تو جنگ کا اندیشہ ہے۔ لیکن عورتیں اگر وہاں نہ گئیں تو ان سے کوئی اندیشہ نہیں۔ غرضیکہ مان لینے کے بعد تو اب صلح متفق علیہ بھی ہو گئی۔ اذا التیموہن اجدوہن یعنی مہر کی ادائیگی ہو یا اس کا التزام، اور یہ قید شرط کے درجہ میں نہیں۔ کیونکہ نکاح کا جائز ہونا مہر کی ادائیگی یا التزام پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ قید لزوم کرنے کے لئے ہے۔ یعنی مہر نکاح کے لوازم میں سے ہے۔ خواہ وہ مقرر کیا ہو یا بلا تعین کے ہو۔ نقد ہو یا کپڑوں کے جوڑہ کی صورت میں۔

ولا تمسکوا بعصم الکواہر یعنی مسلمانوں کی جو بیویاں کفر کی حالت میں دارالحرب میں رہ گئیں۔ ان سے رشتہ نکاح ختم ہو گیا اور اب اس تعلق کا کوئی اثر باقی نہ سمجھو۔ اس کے لئے عدت بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایسے مرد کو اسی وقت ایسی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے جن سے اس کی بیوی کی عدت میں جائز نہ ہوتا۔ یہ عورت خود بخود نکاح سے الگ ہو گئی۔ اس کو طلاق دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ پھر بھی بعض صحابہ کا طلاق دینا اور آنحضرت ﷺ کا اس پر انکار نہ کرنا ممکن ہے اس لئے ہوا ہو کہ طلاق کے لغوی معنی مراد لئے ہوں۔ یعنی ترک تعلقات کا اظہار، طلاق شرعی مراد نہیں تھی۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کے طلاق دینے کی اطلاع ہی نہ ہوئی ہو۔

قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا:..... ولا یقتلن اولادھن۔ جیسا کہ جاہلیت میں مردانہ تھا۔ عرب میں بھی ہندوستان

کے قدیم ترین راجپوتوں میں بھی کہ رسی تنگ و عار کے خیال سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ اسی طرح قدیم ہندوستان میں مہر و وفا کی دیوی ظاہر کرنے کے لئے عورت مرد کی چتا پر بیٹھ چڑھ جاتی تھی۔ جس کو ستی ہونا کہتے تھے۔ عرب میں بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف سے بھی لڑکیوں کو بھی مار ڈالتے۔ ولا یاتین بیہتان۔ جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور یہ تھا کہ کسی غیر کا بچہ اپنالائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے یا کسی سے بدکاری کر کے بچہ کو خاوند کا بتلادیا۔ اس سے روکا جا رہا ہے کہ اس میں زنا کا گناہ تو ہے ہی۔ بچہ کی نسبت دوسرے کی طرف کرنے کا گناہ الگ ہوا۔ جس کی وعید حدیث میں آئی یا ہاتھ پاؤں میں طوفان باندھنے سے مراد یہ ہے کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کر دیں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسمیں کھالیں پھیلی آیت میں جو مہاجر عورتوں کی جانچ کو فرمایا تھا۔ ان آیات میں بتلادیا کہ وہ جانچ یہ ہے کہ اگر وہ ان احکام کو قبول کر لیں تو وہ مومنہ بھی جائے گی۔

لا تتولوا قوما۔ شروع سورت میں جو مضمون تھا۔ خاتمہ سورت پر پھر یاد دلایا کہ مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کے تعلق کو اصل سمجھے۔ اسی کے متعلق اوروں سے تعلق رکھے۔ اور وہی تعلق نہ ہو تو پھر کسی سے کیا رشتہ ناطہ؟

قد ینس الکفار۔ یعنی جس طرح منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہی حال ان کافروں کا بھی ہے اور بعض حضرات نے من اصحاب القبر کو کفار کا بیان مانا ہے۔ یعنی جو کافر قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ جس طرح وہاں کا حال دیکھ کر وہ اللہ کی مہربانی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں۔ اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔ پھر ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا معنی؟ اس سے یہ سمجھ جائے کہ جن کافروں کی گمراہی اس درجہ کی نہ ہو۔ ان سے دوستی جائز ہے۔ کیونکہ مطلق کفر بھی دوستی سے مانع ہے۔ البتہ کفر میں جتنی شدت ہوگی۔ ممانعت میں بھی اتنی شدت آجائے گی۔ گویا دونوں کلیاں مشکلک ہیں۔

لظانف سلوک..... لا ینہاکم اللہ۔ اس میں بزرگوں کی اس عادت کا جواز نکل رہا ہے کہ وہ کفار سے نرم کلامی اور ملاطفت و ملائمت کا برتاؤ کرتے اور ان کے ہدیہ کو قبول کر لیتے ہیں۔

فامتحنونہن۔ اس میں مرید کی جانچ اور آزمائش کا حکم ہے۔

یباہنک۔ اس سے صحیح بیعت کی غرض و غایت صراحتہ معلوم ہو رہی ہے اور ساتھ رسی بیعت کا لالہ یعنی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جس میں نہ ایمان کا کما حقہ احترام ہو اور نہ عمل صالح کا اہتمام۔

وامستغفر لہن۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید کے لئے دعا کرنا منجملہ اس کے حقوق کے ہے۔

سُورَةُ الصَّفِّ

سُورَةُ الصَّفِّ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعٌ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ أَيُّ نَزْمَةٍ فَاَللَّامُ مَزِيدَةٌ وَجِيءَ بِمَادُونٍ مِّنْ تَغْلِيْبٍ لِّلْأَكْثَرِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ فِيْ مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ فِيْ صُنْعِهِ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ فِي طَلَبِ الْجِهَادِ مَا لَا
تَفْعَلُونَ ﴿٣﴾ إِذَا انْهَزَمْتُمْ بِأَحَدٍ كَبْرٍ عَظُمَ مَقْتًا تَمَيِّزٌ عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا فَاعِلٌ كَبْرٌ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٤﴾
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ يَنْصُرُوكُمْ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا ۖ حَالٌ أَيْ صَافِينَ كَانَتْهُمْ بُنْيَانٌ
مَّرْصُوصٌ ﴿٥﴾ مُلْزَقٌ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ ثَابِتٌ وَادْكُرْ إِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقُومُ لِمَ تَوَدُّونَنِي قَالُوا
إِنَّهُ إِدْرَى أَيْ مُنْتَفِخُ الْخُصِيَّةِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ وَكَذَّبُوهُ وَقَدْ لَلْتَحْقِيقِ تَعْلَمُونَ أَيْ رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
الْجُمْلَةُ حَالٌ وَالرَّسُولُ يُحْتَرَمُ فَلَمَّا رَاغَوْا عَدَلُوا عَنِ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ أَرَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ أَمَّا لَهَا عَنِ الْهُدَى
عَلَى وَفَى مَا قَدَرَهُ فِي الْأَزَلِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾ الْكَافِرِينَ فِي عِلْمِهِ وَادْكُرْ إِذْ قَالَ
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِبَنِي إِسْرَءِيلَ لَمْ يَقُلْ بِاقُومْ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ أَيْ رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْ قَبْلِي مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
فَلَمَّا جَاءَهُمْ جَاءَ أَحْمَدُ الْكُفَّارَ بِالْبَيِّنَاتِ الْآيَاتِ وَالْعَلَامَاتِ قَالُوا هَذَا أَيْ الْمَجِيءُ بِهِ سِحْرٌ وَفِي قِرَاءَةِ
سَاحِرٍ أَيْ الْحَاجِي بِهِ تَمَيِّزٌ ﴿٧﴾ بَيْنَ وَمَنْ لَا أَحَدٌ أَظْلَمُ أَشَدُّ ظُلْمًا وَمَنْ الْفَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَةِ
الشَّرِيكِ وَالْوَلَدِ إِلَيْهِ وَوَصَفَ آيَاتِهِ بِالسَّحْرِ وَهُوَ يُدْعَى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨﴾
الْكَافِرِينَ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُنِصُّوْبٌ بِأَنْ مُّقْتَرَةٌ وَاللَّامُ مَزِيدَةٌ نُورُ اللَّهِ شَرَعَهُ وَبَرَاهِيْنَهُ بِأَفْوَاهِهِمْ
بِقَوْلِهِمْ أَنَّهُ سِحْرٌ وَشِعْرٌ وَكَهَانَةٌ وَاللَّهُ مُجِمْ مُظْهِرُ نُورِهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْإِضَافَةِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

﴿۸﴾ ذٰلِكَ هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ لِعَلِّيهٖ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ جَمِيْعٌ
 ۹ اِلَّا الَّذِيْنَ اِلْمَخَافَةُ لَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدْلٰكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ
 تُنْجِيْكُمْ بِالْخَفِيْفِ وَالْتَشْدِيْدِ مِنْ عَذَابِ الْيَمِّ ﴿۱۰﴾ مَوْلٰىمْ فَكَانَتْهُمْ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ تُوْمِنُوْنَ تَدُوْمُوْنَ
 عَلَى الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
 كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ اِنَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ فَاَفْعَلُوْهُ يَغْفِرْ جَوَابٌ شَرْطٌ مُّقَدَّرٌ اِىْ اِنْ تَفْعَلُوْهُ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ
 وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّۃٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسْكِنٌ طَيِّبٌ فِيْ جَنَّۃٍ عَدْنٍ اِقامَةُ ذٰلِكَ الْفَوْزِ
 الْعَظِيْمِ ﴿۱۲﴾ وَ يُؤْتِكُمْ نِعْمَةً اٰخَرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾
 بِالنَّصْرِ وَالْفَتْحِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ لِدِيْنِهِ وَفِيْ قِرَآءَةِ الْاِضَافَةِ كَمَا كَانَ
 الْحَوَارِیُّوْنَ كَذٰلِكَ الدَّالُّ عَلَيْهِ قَالَ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِیِّیْنَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَى اللّٰهِ اِىْ مِنْ
 الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ مَعِیْ مُتَوَجِّهًا اِلَى نَصْرَةِ اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ وَالْحَوَارِیُّوْنَ
 اَصْفِيَاءُ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُمْ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَكَانُوْا اِثْنِیْ عَشَرَ رَجُلًا مِّنَ الْحَوَارِیِّیْنَ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ
 وَقِيْلَ كَانُوْا قَصَارِيْنَ يَحُوْرُوْنَ الشِّبَابَ يَبِيْضُوْنَهَا فَاَمْنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِيْۤ اِسْرَآئِيْلَ بِعِيسٰى وَقَالُوْا اِنَّهُ عَبْدُ
 اللّٰهِ رَفَعَ اِلَى السَّمَآءِ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ لِّقَوْلِهِمْ اِنَّهُ ابْنُ اللّٰهِ رَفَعَهُ اِلَيْهِ فَاَقْتَتَلَتِ الطَّائِفَتَانِ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ
 ۱۴ اٰمَنُوْا مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ عَلَىٰ عَدُوِّهِمُ الطَّائِفَةُ الْكَافِرَةُ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ غَالِبِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:..... سورہ صف کی ہے یا مدنی ہے، اس میں چودہ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم، آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی
 بیان کرتی ہیں، (اللہ میں لام زائد ہے اور من کی بجائے ما کا لانا اکثریت کی تقلید کے طور پر ہے) اور وہی (اپنے ملک میں) زبردست (صنعت
 میں) حکمت والا ہے، اے اہل ایمان (جہاد کی خواہش کے سلسلہ میں) ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو (جب تمہیں غزوہ احد میں
 شکست ہوئی) یہ بات بہت (بڑی) ناراضگی کی ہے (یہ تیز ہے) اللہ پاک کے نزدیک کہ ایسی بات کہو (کبر کا فاعل ہے) جو کر نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو
 پسند کرتا ہے (مدد اور اکرام کرتا ہے) ان لوگوں کو جو اس کے رستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں (معا حال ہے اسی صافین) کہ گویا وہ ایک عمارت
 ہے سیسہ پلائی ہوئی (ایک دوسرے میں جگہ ہوئی مضبوط) اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذا
 پہنچاتے ہو (لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کو فتق کی بیماری ہے یعنی ان کے پیچھے بڑھے ہوئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں تھا، جھوٹ بکتے
 تھے، حالانکہ (تدقیق کے لئے ہے) تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (جملہ حال ہے اور رسول واجب الاحرام ہوتا ہے)
 پھر جب وہ لوگ بڑھے ہی رہے (موسیٰ کو ستانے کی وجہ سے حق سے ہٹ گئے) تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور نیز حاکم دیا (ہدایت سے پھیر دیا،
 تقدیر ازل کے مطابق) اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (جو علم الہی میں کافر ہوں) اور (یاد کیجئے) جب کہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا اے
 بنی اسرائیل (یا قوم نہیں فرمایا کیونکہ وہ ان کے قرابت دائرہ میں تھے) میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اپنے سے پہلی تورات کی تصدیق کرنے

والا ہوں، اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) پھر جب وہ (احمد) ان (کفار) کے پاس کھلی دلیلیں (نشانیوں اور علامات) لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ (یعنی جولایا گیا) جادو ہے (ایک قراءت میں ساحر ہے یعنی قرآن لانے والا) کھلا ہوا، اور کون (کوئی نہیں) زیادہ ظالم ہے (ظلم میں بڑھ کر ہے) اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اسکی طرف کر کے اور اس کی آیات کو جادو کہہ کر) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا، یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بھادریں (ان مقدہ کے ذریعہ یطغوا منسوب ہے اور لام فرامہ ہے) اللہ کے نور (شریعت اور اسکے براہین) کو اپنے منہ سے (یہ کہہ کر کہ جادو ہے، شعر ہے، کہانت ہے) حالانکہ اللہ کمال تک پہنچا کر (ظاہر کرنے کے) رہے گا، اپنے نور کو (ایک قراءت میں "ہتم نورہ" اضافت کے ساتھ ہے) کو کافر (اس سے) کیسے ہی ناخوش ہوں وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام (اس کے مخالف یونیوں پر غالب (بلند) کر دے، گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں، حال اہل ایمان کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلا دوں جو تم کو چالے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) دردناک عذاب سے (گویا انہوں نے عذاب میں کہا ہاں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تم ایمان لاؤ (ایمان پر جے رہو) اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو (کہ یہ آیت تمہارے لئے بہتر ہے تو تم اس کو کرو) اللہ معاف کر دے گا (یہ جواب ہے شرط مقدہ کا یعنی اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو بخش دیے جائیں گے) تمہارے گناہ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے (عطا فرمائے گا تمہیں ایک نعمت) اور بھی جس کو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور جلد کامیابی اور آپ مؤمنین کو (نصرت و فتح کی) خوشخبری سنا دیجئے۔ اے اہل ایمان تم اللہ کے مددگار بن جاؤ (اسکے دین کے، ایک قراءت میں انصار اللہ اضافت کے ساتھ ہے) جیسا کہ (حواری بھی ایسے ہی تھے جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کے لئے کون میرا مددگار ہوتا ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں سے کون مددگار اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے) حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں (حواری حضرت عیسیٰ کے چیدہ لوگ تھے جو ان پر سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ بارہ افراد تھے، حواری، حور سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے) (سوی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے) (عیسیٰ پران کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور جن کو اسمان پر اٹھالیا گیا ہے) اور کچھ لوگ منکر رہے (کیونکہ یہ لوگ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں جن کو اس نے اپنے پاس بلالیا ہے، چنانچہ ان دونوں فرقوں میں جنگ ہوئی) سو ہم نے ایمان والوں کی تائید کی (ان دونوں طبقوں میں سے) ان کے دشمنوں (کافر جماعت) کے مقابلہ میں سودہ غالب ہو گئے۔

تحقیق و ترکیب: سورۃ الصف، ابن عباس اس کو کی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

مرصوص۔ الرص کے معنی ہیں تعمیر کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست اور مستحکم کرنے کے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ پتھر کو پتھر پر رکھ کر پتھریاں اور روڑیاں ملا کر گاراڈالنے کو اہل مکہ رصاص کہتے ہیں، امام راغب بنیان مرصوص کے معنی مستحکم کے لیتے ہیں یہ کنایہ ہے جنگ میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر چلنے کے جیسا کہ فراہنگی رائے ہے، روح و صراح میں رص کے معنی چونہ سے گچ کرنے کے ہیں۔

لم تؤذونی، یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لاکونوا کالذین اذوا موسیٰ میں گزرا ہے اور عام اذیتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

الفسقین۔ یعنی علم الہی میں جو کافر ٹھہر چکے ہیں، ان کو ہدایت نہیں ہوتی، ورنہ بہت سے کافر ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں، حاصل یہ کہ معبود فاسق مراد ہیں، سب فاسق مراد نہیں ہیں، اس لئے اب کوئی شبہ نہیں رہتا۔

مصدقاً، یہ اور بشر ادنوں لفظ حال ہیں، رسول اللہ سے بتا دیں مرسل اور وہی دونوں میں عامل ہے۔

من بعدی، حضرت عیسیٰ کی ولادت اور آنحضرت کی ہجرت کے درمیان چھ سو بیس سال کا فاصلہ ہے، چنانچہ انجیل یوحنا کے چودھویں اصحاب میں ہے وانا اطلب لکم الی ابی حتی یمنحکم ویعطیکم الفار قلیط حتی یکون معکم الی الابد الفار قلیط ہو روح الحق البقین۔ اسی طرح پندرہویں اصحاب میں ہے ”واما الفار قلیط روح القدس یرسلہ الی باسمی ویمنحکم ویعطیکم جمیع الاشیاء وهو یدکر کم ما قلت لکم ہ پھر آگے چل کر لکھا ہے وانی قد اخبرتکم بهذا قبل ان یکون حتی اذا کان ذلک تؤمنون۔ سوہویں اصحاب میں لکھا ہے ولكن اقول لکم الان حقا یقینا انطلاقی عنکم غیر لکم فان لم انطلق عنکم الی ابی لم یاتکم الفار قلیط وان انطلقت ارسلتہ الیکم فاذا هو یمید اهل العالم یدینہم ویمنہم یوفقہم علی الخطیئۃ والبر والذین“ پھر کچھ آگے چل کر کہا ہے، فان لی کلاما کثیرا ارید ان اقولہ لکم ولكن لا یقتلرون علی قبولہ والاحتفاظ لہ ولكن اذا جاء روح الحق الیکم یلہمکم ویؤید کم بجمیع الحق لانه لیس یتکلم بدعۃ من تلقاء نفسه (هذا مافی الانجیل) لیطفنوا ای یریدون ان یطفنوا لام تاکید کیلئے ایسے ہی زائد ہے جیسے لا ابالک میں تاکید اضافت کیلئے زائد ہے اور بعض نے تعلیل یہ مانا ہے اور ظلیل و سیہویہ کے نزدیک یریدون مصدر کے حکم میں ہے اور لیطفنوا اس کی خبر ہے ای ارادہم الاطفاء نورہ نور اللہ میں استعارہ تصریحیہ ہے اور اطفاء میں تشبیہ ہے اور بافوا ہم میں تو یہ ہے، صاحب کشاف نے استعارہ تمثیلیہ مانا ہے کہ جس طرح آفتاب کو پھونکوں سے بجھانوالے کا حال ہے وہی حق کو باطل کرنے کی کوشش کرینوالوں کا حال ہے، مقصود کہ ہم اور تجزیہ ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ اطفاء اور اخماد دونوں لفظ آگ یا دوسری روشن اور واضح چیزوں کے گل کرنے میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں میں من وجہ فرق یہ ہے کہ اطفاء چھوٹی چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے اطفاء السراج کہا جائے، یہاں اخماد السراج نہیں کہیں گے، نور اللہ سے کیا مراد ہے، ابن عباس ابن زید کے نزدیک قرآن ہے اور سدی کے نزدیک اسلام اور ضحاک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابن حجر کے نزدیک حجۃ اللہ مراد ہے اور ابن عسٰی ناقل ہیں کہ یہ بطور تمثیل حق کے مٹانے کو نور شمس کے گل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

متم نور ہ۔ بغیر اضافت کے کل، حفص، جزہ کی قراءت ہے۔

تتبعیکم۔ عامر فتح نون اور تشدید جیم کے ساتھ اور باقی قراءت سکون نون اور تخفیف جیم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ان کنتم تعلمون۔ مفسر نے تعلمون کا مفعول مقدر مانا ہے۔ لیکن تعلمون کو بمنزلہ لازم کے بھی مانا جاسکتا ہے ان کنتم من اهل العلم۔ پھر تقدیر مفعول کی ضرورت نہیں رہتی۔

یغفر۔ بعض کے نزدیک جواب امر بھی ہو سکتا ہے۔

تؤمنون۔ سے جو امر آمنوا مفعول ہو رہا ہے۔

واخوی۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اخوی الفعل کا مقدر مفعول ہے۔ یہ فعل مقدر تیسرا جواب شرط ہوگا۔ پہلی دونوں نعمتیں اخروی ہیں۔ اور یہ تیسری نعمت دنیوی ہے۔

کما قال عیسیٰ۔ مفسر نے کہا کے بعد کان مقدر نکالا ہے یعنی حواری بھی انصار اللہ ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ مشبہ تو مؤمنین کا انصار اللہ ہونا ہے اور مشبہ بقول عیسیٰ ہے جو انہوں نے حواریوں سے فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ بے جوڑ ہے۔ لیکن مفسر نے مشبہ بہ حواریوں کے انصار اللہ ہونے کو قرار دیا۔ جو قال عیسیٰ ابن مریم سے مفہوم ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر تو آیت میں قول عیسیٰ مشبہ بہ ہے لیکن معنی حواریوں کا انصار اللہ ہونا مشبہ بہ ہے۔ کما قال میں ما مصدر یہ ہے یہ مع صلہ کے ظرف ہے اور بعض نے تقدیر عبارت قبل لہم کما قال عیسیٰ بن مریم نکالی ہے۔

من انصاری۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ انصاری میں ایک مشارک کی اضافت دوسرے کی طرف ہو رہی ہے۔

حواری۔ اگر آنکھوں کے سفید اور خوبصورت ہونے کی وجہ سے حواری یا حور کہا جاتا ہے۔ تو یہ وصف ذاتی ہوگا اور کپڑوں کو اجلا کرنے کی وجہ سے

اگر کہا جاتا ہے تو یہ وصف قائم بالغیر ہوگا۔

فامنت۔ اس کا تعلق محذوف سے ہے۔ بتقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ فلما رفع عیسیٰ الی السماء افترق الناس فیہ فرقتین فامنت الطائفة الخ عیسائیوں میں تین فرقے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ وہ خدا تھے جو اپنی جگہ چلے گئے۔ دوسرا فرقہ کہتا تھا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے جو اپنے باپ کے پاس چلے گئے۔ یہ دونوں فرقے گمراہ تھے۔ اور تیسرا فرقہ ان کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا تھا اور زندہ آسمان پر جانے کو مانتا تھا۔ یہ جماعت مومن تھی۔ جو پہلے تو دونوں کافر جماعتوں سے مغلوب رہی۔ مگر آنحضرت ﷺ کی برکت سے اسلام آنے کے بعد معاملہ برعکس ہو گیا۔

ایدنا الذین امنوا گناہی مطلب ہے۔

رابط آیات: سورہ ممتحنہ میں کفار سے دوستی نہ کرنے کا حکم ہے۔ سورہ صف میں ان سے جہاد کا حکم ہے اور کچھ مضمون ذیلی فرمایا گیا ہے۔

شان نزول: بعض مسلمانوں نے خواہش کی کہ اگر ہمیں بہترین عمل معلوم ہو جائے تو ہم اس کے لئے مال و جان کی بازی لگادیں۔ لیکن جہاد کا حکم آیا تو یہ مسلمان چپکپچانے لگے۔ اس پر آیت لم تقولن الخ اور یا ایہذا الذین امنوا اهل الکلم نازل ہوئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب غزوہ بدر کا ثواب بیان فرمایا تو بعض صحابہ نے کہا۔ لئن لقینا قتالا لفرغن فیہ وسعنا۔ لیکن غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس آیت میں عار دلائی جا رہی ہے، گویا جزو تو بیخ فرمائی گئی۔ اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ منافقین نے مسلمانوں سے ڈینگیں ماری تھیں کہ ان خوجتم وقاتلتم خرجنا معکم وقاتلنا۔ لیکن جب حضور ﷺ اور صحابہ احد کے لئے روانہ ہوئے تو منہ چھپا کر بیٹھ رہے اور کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ان کو مومن ظاہر حال کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ یا ایہذا الذین امنوا اهل ادلکم۔ بعض نے اس کا نزول عثمان بن مظعون کے بارہ میں کہا ہے جب کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی۔ لو اذن لی فطلقت خولة وترهبت واختصیت وحرمت اللحم ولا انا انام اللیل ابداء۔ تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ ان من معنتی النکاح ولا رهبانیۃ فی الاسلام۔ اس پر عثمان بن مظعون نے عرض کیا۔ وددت یا نبی اللہ ان اعلم ای التجارات احب الی اللہ فاتجر فیہا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن جہاد کو تجارت کہا گیا۔ جیسا کہ ان اللہ شتر مر الخ میں بھی مراد ہے۔

﴿تشریح﴾..... لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ یعنی مسلمانوں کو لاف زنی اور دعویٰ کی باتوں سے ڈرنا چاہیے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے لیکن اس کا نبھانا آسان نہیں ہے۔ اللہ تو اس سے سخت ناراض اور بے زار ہوتا ہے کہ جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔ اگر محبوب عمل کرنے کو ظاہر کیا تھا۔ تو معلوم ہونے پر کیوں جی چڑھتے اور کیوں اُحد سے بھاگ کھڑے ہوئے یعنی دیکھو سنبھل کر کہا کرو، پس یہاں ایک بات زبان سے نکال کر اس پر کاربند نہ ہونے پر اظہارِ بیزاری ہے۔ قول بے عمل اور وعظ بلا عمل اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے وہ خارج ہے، آگے فرماتے ہیں کہ محبوب عمل کی فکر ہے تو وہ ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اسکی راہ میں اس کے دشمنوں سے مقابلہ کے وقت اپنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدانِ جہاد میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا:..... ہرچند کہ تم میں بعض اس معیار پر پورے بلکہ بڑھ کر اترے ہیں مگر بعض ایسے بھی نکلیں گے جن کے عمل نے ان کی زبانی دعوؤں کی تکذیب کر دکھائی۔ آخر غزوہ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں گئی۔ خلاصہ یہ کہ عمل سے زیادہ زبانی دعوئے نہ کرو۔ بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو۔ جو قوم کردار کی غازی ہوتی ہے وہ گفتار اور لہن ترانیوں سے بچتی

ہے۔ اور زبانی جمع خرچ کرنے والے اور خالی ڈیگیں مارنے والے میدان عمل میں مفر رہا کرتے ہیں قوم موسیٰ کو نہیں دیکھا۔ جو زبان سے بہت بڑھ کر شیخی اور تعلیٰ کی باتیں بناتے تھے۔ لیکن جہاں کوئی عمل کا موقعہ آیا فوراً پھسل گئے اور ستانے والی باتوں میں خوب جڑے رہے۔ حضرت موسیٰ نے فہمائش بھی کی کہ روشن دلائل اور کھلے معجزات سے میرے سچے پیغمبر ہونے کا تمہیں یقین ہے۔ پھر بھی تم مجھے ستاتے ہو۔ یہ طرز عمل تو کسی عام خیر خواہ اور معمولی ہمدرد کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ چہ جائیکہ اللہ کے رسول کے ساتھ دل آزاری اور گستاخی کا برتاؤ کرنا۔ بے جان پھڑے کو پوجنا اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانا۔ قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم ہوا تو اذہب انت و ربک فقتلا انا لھننا قاعدون کہہ ڈالنا۔ انہی گستاخیوں اور بد عملیوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دل سیاہ اور سخت ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نیکی کی کوئی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول ﷺ کی ضد ہی کرتے ہیں اور برابر میز ہی چال چلتے رہے تو آخر مردود ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے۔

حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور آنحضرت کے متعلق بشارت: واذا قال عیسیٰ ابن مریم۔ حضرت موسیٰ کے بعد دوسرے اولوالعزم پیغمبر جو نبی اسرائیل کے آخری نبی تھے وہ حضرت عیسیٰ ہیں تورات کے مصداق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس احکام اور خبروں پر یقین رکھتا ہوں۔ اور جو کچھ میری تعلیم اور عملدرآمد ہے۔ وہ فی الحقیقت انہیں احکام کے ماتحت ہے۔ جو تورات میں دیئے گئے اور ابن کثیر وغیرہ نے یہ مطلب لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے جن باتوں کی خبر تورات میں دی گئی ہے میں ان کا مصداق بن کر آیا ہوں۔ بہر حال تصدیق خاص مراد ہے۔ ورنہ نفس تصدیق میں تورات کی کیا تخصیص ہے تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ نیز پچھلے پیغمبر اور کتاب کی تخصیص کے ساتھ اگلے پیغمبر کی بشارت سناتا ہوں۔ اس میں اپنی شریعت کی حدود اور دائرہ کار بھی بتا دیا کہ آنے والے پیغمبر کے آنے تک میری شریعت رہے گی۔ آگے پیغمبر آخر الزمان کے اوصاف جمالی بیان فرمائے۔ اس سے جہاں ان کا تمام ادیان کے لئے ناخ ہونا مقصود ہے۔ وہیں اپنی امت کو تکمیلی ہدایت کی ترغیب دینی بھی ہے کہ کہیں مجھ پر سرت ایمان لا کر قناعت نہ کر بیٹھیں۔ ان کو اگر نہ مانا تو میرا ماننا ہی کا لحد ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ کی زبانی ان بشارتوں کو خود اہل کتاب کے اقرار کے ساتھ بھی احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ تفسیر خازن میں ابو داؤد کی روایت نقل کی ہے کہ شاہ حبشہ میں جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے۔ شاہ حبشہ جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن سلام آنحضرت ﷺ کی صفات کا ذکر تورات میں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا تورات میں ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ وہ تورات کے مبلغ تھے۔

تمام انبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی: یوں تو دوسرے انبیاء بھی خاتم الانبیاء کی تشریف آوری کی خوشخبری برابر سناتے آئے ہیں۔ لیکن جتنے اہتمام اور صراحت کے ساتھ حضرت مسیح نے بشارت دی۔ وہ کسی اور سے منقول نہیں ہے قریب العهد ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات و انجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا اسلئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے اس صاف و صریح بیان کو اس تریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے، اس کے باوجود خاتم الانبیاء ﷺ کا یہ بھی معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے ان محرفین کو اتنی قدرت نہیں دی کہ وہ تمام پیش گوئیوں کو بالکل ہی محو کر دیں۔ علماء اسلام نے موجودہ بائبل کے بیسیوں مقامات سے ان پیشین گوئیوں کو نکال کر دکھلایا۔ جس کا اعتراف یا نیم اقرار پاد

ریوں کو بھی کرنا پڑا کہ ان کا مصداق محمد رسول اللہ ﷺ ہو سکتے ہیں۔

سب سے بڑے ظالم:..... ومن الظلم۔ یعنی جب اہل کتاب سے مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو رہا ایک طرف آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے جو چیزیں ان میں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں ہیں ان کو درج کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا۔ دھو بیگی اس لئے بڑھایا کہ اس سے ان کی برائی ہوگی کہ وہ خود کو متنبہ ہوتے۔ حبیہ کے بعد بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اور لا یحدی اس لئے بڑھادیا کہ ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کی کیا امید اس لئے ان کے لئے قتال کی سزا تجویز کیا جانا ہی مناسب ہوا۔ چنانچہ اب بھی اگر کسی کو اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو تو پہلے اس کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔ اگر کوئی پھر بھی انکار کر دے تو چونکہ بظاہر اصلاح سے ناامیدی ہوگئی۔ اس لئے جہاد کی ضرورت ہے اور ممکن ہے لا یحدی سے اصرار اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور کتنی ہی تحریف و تاویل کریں۔ لیکن اللہ ان کو کامیابی کی راہ نہیں دکھلائے گا۔ گویا حضور ﷺ کو وہ چھپانا مٹانا چاہتے ہیں۔ وہ چھپ یا مٹ نہ سکیں گے۔ منکر زور لگایا کریں، برا مانا کریں۔ اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ کوئی احق مورد ج کے نور کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے تو کیا وہ مجھ جائے گا۔ ہوالذی ارسل یعنی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے مگر تمہارا فرض ہے کہ اس پر استقامت دے کھتے ہوئے جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ سوداگری ایسی ہے جس میں خسارہ نہیں۔

نصر من اللہ۔ قرون اولی کے ساتھ یہ وعدہ کیسی خوبی سے پورا ہوا۔ آج بھی اگر مسلمان سچے مومن بن کر جہاد فی سبیل اللہ میں لگ جائیں تو کامیابی و کامرانی ان کے قدموں میں ہے۔

کو نوا انصار اللہ۔ یدینہ کے مسلمانوں نے اسلام کی جو غیر معمولی خدمات انجام دیں ان کے پیش نظر ان کا لقب انصار ہو گیا۔ حواریین جو اپنے حسب نسب میں کچھ زیادہ معزز نہیں تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ کو قبول کیا اور ان کی دعوت پر لبیک کہا اس لئے وہ اس لقب کے مستحق ہوئے تو جاں نثار صحابہ نے آنحضرت ﷺ پر جان و مال لٹا دیا وہ اس لقب سے کیسے سرفراز نہ ہوتے؟

فأمنت طائفة۔ بنی اسرائیلی میں تین فرقے ہو گئے تھے۔ ایک فرقہ بر سر حق رہا اور دوسرے دو فرقے برسر باطل ہو گئے۔ پھر حضرت مسیح کے بعد باہم دست و گریباں رہے۔ آخر میں اللہ نے بچے کچھ صحیح العقیدہ عیسائیوں کو آنحضرت ﷺ کے اتباع کے طفیل دوسرے تمام عیسائیوں پر منصور اور غالب فرمایا۔

لظائف سلوک:..... یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون۔ اس میں اعمال اور کمال کے دعویٰ کی مذمت ہے۔

يقوم لم تو فوننی۔ اس عنوان سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیخ کو ایذا دینا مذموم ہے۔

واخوتی تحبونہا نصر من اللہ۔ اس نصرت و غلبہ کا مطلوب ہوتا چونکہ دین کی اعانت کے لئے ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جس دنیا سے دین کی اعانت کی جائے وہ مذموم نہیں ہے۔

سُورَةُ الْجُمُعَةِ

سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ اِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

يُسَبِّحُ اللّٰهُ يُزَيِّمُهُ فَاَلَلَامُ زَائِدَةٌ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ فِیْ ذِكْرِ مَا تَغْلِبُ لِلَاكْثَرِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْمُنْتَزَهِ عَمَّا لَا يَلِیْقُ بِهِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾ فِیْ مُلْكِهِ وَصُنْعِهِ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمَمِیْنَ الْعَرَبِ وَالْاُمَمِیَّ لَا یَكْتُبُ وَلَا یَقْرَأُ كِتَابًا رَّسُولًا مِنْهُمْ هُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ یَتْلُوْا عَلَیْهِمُ الْاٰیٰتِ الْقُرْاٰنَ وَیُزَكِّیْهِمْ یُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِیْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَاِنْ مُّحَقَّقَةٌ مِنَ الثَّقَلِیْنِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَوْ وَاَنْتُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ قَبْلُ مَحِیَّتُهُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲﴾ بَیْنَ وَآخَرِیْنَ عَطَفٌ عَلٰی الْاُمَمِیْنَ اَوْ الْمَوْجُوْذِیْنَ مِنْهُمْ وَالْاَتَمِّیْنَ مِنْهُمْ بَعْدَ هُمْ لَمَّا لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ فِی السَّابِقَةِ وَالْفَضْلِ وَهُمْ التَّابِعُوْنَ وَالْاَقْتِصَارُ عَلَیْهِمْ كَافٍ فِی بَيَانِ فَضْلِ الصَّحَابَةِ الْمَبْعُوْثِ فِیْهِمُ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی مَنْ عَدَاهُمْ مِمَّنْ بُعِثَ اِلَیْهِمْ وَاٰمَنُوْا بِهِ مِنْ جَمِیْعِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ لَا كُلَّ قَرْنٍ خَیْرٌ مِّمَّنْ یَلِیْهِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۳﴾ فِی مُلْكِهِ وَصُنْعِهِ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ النَّبِیُّ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۴﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ حَمَلُوْا التَّوْرَةَ كُفَلُوْا الْعَمَلُ بِهَا ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا لَمْ یَعْمَلُوْا بِمَا فِیْهَا مِنْ نَّعْتِهِ ﷺ فَلَمْ یُؤْمِنُوْا بِهِ كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا اَوْ كُتُبًا فِیْ عَدَمِ اِنْتِفَاعٍ بِهَا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ الْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِیِّ ﷺ مُحَمَّدٍ وَالْمَخْصُوْصُ بِاللّٰهِ مَحْذُوْفٌ تَقْدِیْرُهُ هَذَا الْمَثَلُ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ ﴿۵﴾ الْكَافِرِیْنَ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَا دُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنْكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَحْمِنُوْا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶﴾ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّیَةِ الشَّرْطَانِ عَلٰی اَنَّ الْاَوَّلَ قَبْدٌ فِی الثَّانِیِ اَوْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِی زَعْمِكُمْ اَنْكُمْ اَوْلِیَآءُ

اللّٰهُ وَالْوَلِيُّ يُؤْتِرُهَا خَيْرَةً وَ مَبْدُؤُهَا الْمَوْتُ فَتَمَوُّهُ وَلَا يَتَمَوَّنُهُ أَبَدًا بِمَا قَدِمْتُ أَيْدِيهِمْ مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ
 الْمُسْتَلْزِمِ لِكُذْبِهِمْ وَاللّٰهُ عَلَيْهِمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۷۷﴾ الْكَافِرِينَ قُلْ إِنْ الْمَوْتُ الَّذِي تَفَرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ
 مُلْقِيَكُمْ ثُمَّ تَرُدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۸﴾
 فَيَحْذَرُكُمْ بِهِ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ بَعْنَىٰ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا فَاْمَضُوا إِلَىٰ
 ذِكْرِ اللَّهِ أَيْ الصَّلَاةِ وَذَرُوا الْبَيْعَ أَيْ أَتْرَكُوا عَقْدَهُ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّهُ خَيْرٌ
 فَاَفْعَلُوهُ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ أَمْرٌ بِإِباحَةٍ وَابْتَغُوا أَيْ اُطْلُبُوا الرِّزْقَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ
 وَادْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾ تَقُوزُونَ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدِمْتُ عِيْرَ
 وَضُرِبَ لِقُدُومِهَا الطَّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ فَخَرَجَ لَهَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَيْرَ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَتَزَلَّ وَإِذَا رَأَوْ تِجَارَةً
 أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا أَيْ التِّجَارَةَ لِأَنَّهَا مَطْلُوبُهُمْ دُونَ اللَّهِ وَتَرَكَوْا فِي الْخُطْبَةِ قَائِمًا مَقْلٌ مَا عِنْدَ اللَّهِ
 مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنَ اللَّهِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۰۱﴾ يُقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ يُرْزَقُ
 عَائِلَتَهُ أَيْ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ تَعَالَىٰ.

ترجمہ: سورہ جمعہ مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم آسمان وزمین کی سب چیزیں پاکی بیان کرتی ہیں
 (لام نہ اند ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کے لئے لایا گیا ہے۔ جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے) تمام نامناسب باتوں سے (زبردست حکمت والا ہے
 (اپنے ملک اور صنعت میں) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (عرب کے، امی سے کہتے ہیں جو کچھ نہ لکھ سکے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ سکے)
 انہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا (یعنی محمد ﷺ) (جو ان کو اللہ کی آیات (قرآن) پڑھ کر سنا تے ہیں اور (شرک سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو
 کتاب (قرآن) اور دانشمندی سکھاتے ہیں (احکام کی باتیں) اور یہ لوگ (ان تھیلے تھا جس کو خفہ کیا گیا اس کا اسم محذوف ہے یعنی واہم) پہلے
 سے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) کھلی (واضح) گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (اس کا عطف اسمین پر ہو رہا ہے یعنی موجود اور آ
 ندہ لوگوں کے لئے) انہی میں سے (جو بعد میں آئے والے ہیں) جو ان میں شامل نہیں ہوئے (پہلے کرنے میں اور اور فضیلت کے لحاظ سے
 یعنی تابعین ان پر اکتفا کرنا کافی ہے صحابہ کی فضیلت کے سلسلہ میں جن میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ دوسرے تمام ان لوگوں کے مقابلہ میں
 جن کی طرف آنحضرت ﷺ کا تشریف لانا ہوا اور وہ اُس وجہ میں سے قیامت تک آپ پر ایمان لاتے رہیں گے کیونکہ ہر پہلا قرن پچھلے قرن
 سے بہتر ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنی سلطنت و صنعت میں) یہ اللہ کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (آنحضرت ﷺ
 اور آپ کے ساتھیوں کو جس سے نوازا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو ثورات اٹھانے (اس پر عمل کرنے) کا حکم دیا گیا۔ پھر انہوں نے
 اس کو نہیں اٹھایا (عمل نہیں کیا حضور ﷺ کے اوصاف جو بیان فرمائے گئے انہیں نہیں مانا اور آپ پر ایمان نہیں لائے) ان کی حالت اس گدھے کی
 سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (بلحاظ لفظ نہ اٹھانے کے) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (جن سے
 آنحضرت ﷺ کی تصدیق ہوتی تھی مخصوص بالمدمت محذوف ہے۔ یعنی ہذا المثل) اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایہ نہیں دیا کرتا۔ کہہ
 دیجئے کہ اے یہودیو! اگر یہ دعویٰ ہے کہ بلا شرکت غیرے تم اللہ کے مقبول ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دونوں

کا تعلق ہے اس طرح کہ پہلی شرط دوسری شرط کے لئے قید ہو رہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ ان صدقتم فی زعمکم انکم اولیاء اللہ۔ اور ولی وہ ہوتا ہے جو آخرت کو ترجیح دے جس کا مبداء موت ہے، لہذا تم موت کی تمنا کر کے دکھاؤ (اور وہ اس کی کبھی تمنا نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں) حضور ﷺ کے ساتھ گفت کرنا جو ان کے جھوٹے ہونے کو مستلزم ہے) اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کافروں) کی۔ آپ کہہ دیجئے جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو (فازاندہ ہے) آپ پڑے گی۔ پھر تم پیش کئے جاؤ گے ایسے کے سامنے جو پوشیدہ اور ظاہر (سر و علانیہ) جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا (ان کا تمہیں بدلہ دے گا) اے اہل ایمان جب جمعہ کے روز (من یعنی فی ہے) نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف چل پڑو (لگ جایا کرو) اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم میں کچھ سمجھ ہے (کہ یہ بہتر ہے تو تم اس کو کرو) پھر جب نماز پوری ہو چکے ہو تم زمین پر چلو پھرو (یہ حکم بطور اجازت ہے) اور تلاش کرو۔ (رزق ڈھونڈو) اللہ کی روزی اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح ہو (کامیابی ہو)۔ آنحضرت ایک مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا اور حسب معمول جب اس کی منادی ہوئی تو لوگ سن کر مسجد سے دوڑ پڑے ہجر بارہ افراد کے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے نکھر جاتے ہیں) یعنی تجارت کی طرف کیونکہ صحابہ کا مطلوب وہی تھا نہ کہ لہو و لعب) اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے۔ وہ (مسلمانوں کے لئے) بدرجہا بہتر ہے ایسے مشغلہ اور تجارت سے اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (بولتے ہیں کہ انسان اپنے متعلقین کو رزق دیتا ہے یعنی اللہ کا رزق)

تحقیق و ترکیب: سورۃ الحجۃ مدنیہ۔ اس کا مدنی ہونا بالا جماع ہے لہذا لام زائد ہے یا لام تعلیلیہ ہے یعنی تسبیح صرف اللہ کے لئے کرتے ہیں کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔

فی الامیین۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ فرمایا گیا اور قبیلہ عرب سے آپ کا ہونا۔ اس میں عرب کی عزت افزائی ہے ورنہ آپ کی بعثت عام، آنحضرت ﷺ کا اسی ہونا کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور غالباً اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ پر یہ رسمی علوم کے اکتساب کا شبہ بھی نہ رہے جس سے آپ کی صداقت اور اعجاز کلامی زیادہ واضح ہو گئی۔

واخوین منهم اس کا اسمین پر عطف ہو تو مجرور ہوگا۔ اسی بعثہ فی اخوین من الامیین اور لما یلحقوا بہم آخرین کی صفت ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آخرین کو یلحقوا بہم کی ضمیر منصوب پر عطف کرتے ہوئے منصوب مانا جائے۔ اسی و یلحقوا بہم کی قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے آپ ﷺ بالواسطہ معلم ہیں جیسا کہ صحابہ کے بلا واسطہ استاد ہیں۔ مفسر نے اسمین کی تفسیر موجودین سے اور آخرین کی تفسیر انہیں کے ساتھ کی ہے، جس سے عموم بعثت ثابت ہوئی جو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

لما یلحقوا۔ یعنی بعد کے آنے والے صحابہ کے ہم پلہ نہیں ہوں گے اور چونکہ صحابہ کی یہ فضیلت مستمر اور دائمی ہے اسی لئے مفسر نے لما کی تفسیر لم کے ساتھ کی ہے۔ تاکہ اس کا منفی ہونا عام رہے برخلاف لما کے وہ صرف متوقع الحصول کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اور بعض نے لما یلحقوا سے مراد فضیلت و شرف کی بجائے زمانہ اور وقت لیا ہے۔ یعنی صحابہ کا زمانہ بعد والوں نے نہیں پایا۔ اس صورت میں لما اپنے اصل معنی پر رہے گا۔ یعنی صرف متوقع الحصول کی نفی مراد ہوگی۔ اس صورت میں اگرچہ اس سے تابعی مراد ہیں مگر ترجیح تابعین سے بھی صحابہ بدرجہ اولیٰ افضل ہوں گے۔ اس طرح حدیث خبیرو القرون قرنی ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم سے صحابہ کی برتری تمام بعد والوں پر معلوم ہو رہی ہے کیونکہ ہر پہلا قرن بعد کے قرن سے قریب الہدیٰ نبوی کی وجہ سے ہوتا بہتر ہے۔ قرب زمانی کے ساتھ اگر قرب مکانی بھی ہو جائے تو نور علی نور ہے۔ وہیں اس روایت سے درجہ بدرجہ قرون کی ترتیب بھی معلوم ہوتی ہے۔ بعض اہل لطائف و کشف تو یہاں تک محسوس کرتے ہیں کہ باسی کھانے میں بہ نسبت

تازہ کھانے کے زیادہ انوار و بہکات ہوتے ہیں۔ عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے۔ اور زمانہ نبوت جوں جوں بعید ہوتا جائے گا۔ خیریت سے بھی بعد بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی حال قلوب و اعمال کی نورانیت و قلت کا ہے۔ بہر حال اول تو امین کی تخصیص ذکر کی ہے۔ اس کا مفہوم مراد نہیں اور ہو بھی تو آیت وما ارسلناک الا کافۃ للناس کے منطوق و معارض نہیں ہو سکتا۔ پھر مفسر نے ”مبعوث فی الامین“ اور ”مبعوث الی الامین“ کے فرق کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

حملوا التورۃ۔ یعنی بے عمل کتاب محض حمالہ بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ ان کو کفالہ ہونا چاہیے تھا۔ ان زعمتم۔ قول بلا دلیل کو زعم کہتے ہیں۔ یعنی غیر یقینی انکل بچہ اقوال زعم کے دائرہ میں آتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ زعم مثلث الحركات ہے۔ حق و باطل، جھوٹ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کا اکثری استعمال شک کے موقع پر آتا ہے حدیث میں ہے۔ بشن المعطی الرجل زعم فعموا الموت۔ موت سے محبت طبعی مراد نہیں کیونکہ طبعاً موت تو مکروہ معلوم ہوا کرتی ہے بلکہ محبت عقلی مراد ہے جو علامت ولایت بر لقاء محبوب چونکہ مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ موت ہے۔ الموت جی یوصل الجیب الی الجیب کی رو سے پس موت بھی وصال حبیب کا زینہ ہونے کی وجہ سے مطلوب ہوئی البتہ جو موت کی آرزو دنیا کے مصائب و مشکلات سے گھبرا کر ہو۔ حدیث میں اس کو نوح کیا گیا ہے۔ اس لئے اب آیت اور حدیث میں تعارض نہیں رہا۔ کیونکہ شوق آخرت میں موت کی آرزو پسندیدہ ہے۔ اس پر اجر شہادت کا وعدہ ہے اور جو موت کی خواہش جزع فزع کی وجہ سے ہو وہ ناپسندیدہ ہے۔

لا یتمنونہ ابدأ۔ سورۃ بقرہ میں ”لن یتمنوه“ فرمایا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہود سے موت کی تمنا تا کید ابھی منفی ہے جیسا کہ بقرہ میں ہے۔ اور غیر موکدہ طریقہ پر بھی منفی ہے جیسے یہاں ہے۔ پس ہر حال میں ان سے موت کی تمنا کرنے کی امید نہیں ہے۔ یہ پشین گوئی فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ممکن ہے یہود نے موت کی تمنا کی ہو۔ اس لئے اگر موت کی تمنا کی ہوئی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر وہ آرزو کرتے تو ضرور موت آجاتی مگر آپ سے مرعوب ہو کر ایسے ڈر گئے کہ دیوار بولے تو بولے لگرو نہ بولے۔ اذ انودی۔ اس سے خطیب اور منبر کے سامنے اذان جمعہ مراد ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اذان آنحضرت ﷺ کے زمانے میں رائج نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں جب زیادہ لوگ ہو گئے اور کاروبار اور مشاغل بڑھ گئے تو صحابہؓ کے مشورہ سے پہلی اذان کا اضافہ کیا گیا۔ جو پہلے مقام زوراء پر چڑھ کر کہی جاتی تھی۔ اور چونکہ سب صحابہؓ اس پر اجماع ہو گیا اور خلیفہ راشد کی سنت ہے۔ اس لئے حدیث علیکم بسنتی و سنتہ خلفاء الراشدین کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک آیت کا مصداق اب بھی اذان اول ہوگی۔

صاحب کشاف نے نکتہ چینی کرتے ہوئے اگرچہ کہا ہے کہ اذان اول آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ نے جاری فرمائی۔ جیسا کہ حجاج نے اپنے زمانہ میں خطبہ کی اذان اور اذان اول کے درمیان ایک درمیانی اذان کا اضافہ کیا تھا۔ پھر آیت کا مصداق اس کو کس طرح کہا جاسکتا ہے جس کا امام زاہد نے یہ جواب دیا ہے کہ اذان سے بعینہ یہ کلمات مراد نہیں بلکہ وقت کا شروع ہونا مراد ہے اور وہ خطبہ کی اذان پر ہوتا ہے۔ اس وقت دنیاوی معاملات کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر صاحب مدارک اور صاحب ہدایہ مطلق اذان سے اذان اول مراد لے رہے ہیں۔ نیز ذکر اکر اللہ کے اطلاق سے امام اعظمؒ نے یہ سمجھا ہے کہ خطبہ میں صرف سبحان اللہ الحمد للہ پر بھی اگر اکتفا کر لیا جائے تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک طویل خطبہ شرط ہے جس کو عرف میں کہا جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ دو خطبے فرماتے ہیں۔ پہلے خطبے میں حمد و صلوٰۃ اور وعظ ہونا چاہیے اور دوسرے خطبے میں حمد و صلوٰۃ کے ساتھ خلفاء اور صحابہؓ کا ذکر بھی ہونا چاہئے۔ یہ تفصیل تو خطبہ کی ہے لیکن اگر ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ ہو تو چونکہ اسعواجع کا صیغہ ہے اس لئے اس کی رعایت ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا ہونا انعقاد جمعہ کے لئے ضروری ہے۔ لیکن امام اعظمؒ امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری فرماتے ہیں۔ کیونکہ مساعی تین ہونے چاہیں اور ذکر اللہ یعنی خطیب امام ان کے علاوہ ہونا چاہیے۔ نیز ”اذنودی“ سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ منادی اور ہونا چاہیے اور مساعین اس کے علاوہ ہوں اور امام شافعیؒ کے نزدیک

جمعہ میں چالیس آدمیوں کا اجتماع ہونا چاہیے۔ نیز اگر مقتدی سجدہ میں جانے سے پہلے نماز سے ہٹ جائے تو پھر مستقل طور سے نماز ظہر ادا کرے اور سجدہ کے بعد اگر جماعت سے نکلے تو نماز جمعہ ہی پوری کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد نکل جانے سے نماز جمعہ پوری کرنی ہوگی۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے نکلنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

فاسعوا۔ اس سے اذان جمعہ کے بعد، سعی یعنی نماز جمعہ کی تیاری کا واجب ہونا اور خرید و فروخت وغیرہ کاروبار کا ممنوع ہونا ثابت ہوا، لیکن اگر سعی جمعہ جاری رہتے ہوئے کوئی کاروباری معاملہ کیا جائے جس سے تیاری میں کوئی خلل نہ پڑے تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ یا نماز جمعہ ہے۔ دونوں کا واجب ہونا اس سے ثابت ہوا۔ قرآن کریم میں یہی آیت ہے جس سے وجوب جمعہ ثابت ہوتا ہے۔ اور ذلکم خیر لکم اس کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ خبریت عام ہے واجب کو بھی شامل ہے۔

من یوم الجمعۃ۔ اذاکا بیان ہے عرب اس دن کو عربہ کہا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے عبادتی اجتماع کی وجہ سے اس کا نام جمعہ رکھا۔ یہود کے یہاں یوم السبت اور نصاریٰ کے یہاں یوم الاحد مذہبی عظمت کے حامل رہے ہیں۔ لیکن جمعہ کی عظمت سب سے بالا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور تاریخی اہم واقعات سے ثابت ہے۔ منجانب اللہ امتوں کی رائے اور اجتہاد پر اس دن کے انتخاب کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن اسلام لانے والے حق کو پاسکے اور دوسرے چوک گئے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق اس بارہ میں یہ ہے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا دن ہے۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار کا دن ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے علماء اسلام کو بھی اس کی تعین میں مشکل پیش آئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور اس کے قائل ہو گئے کہ یوم السبت بار کا دن ہے۔ اور اس اشکال کو اس سے اور بھی تقویت زیادہ ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت سنچر کے دن کو کہتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ عرب دور جاہلیت میں دنوں کے یہ نام نہیں تھے۔ جو ان کے یہاں بعد میں مستعمل ہوئے۔ تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضع ہیں۔ ورنہ پہلے عرب جمعہ کو عربہ کہتے تھے۔ عربہ عبرانی لفظ ہے۔ جس کا مفہوم وہی ہے جو ہمارے محاورہ میں عرف کا ہے۔ اردو محاورہ میں ہر اسلامی تہوار سے ایک روز پہلے کو عرفہ بولتے ہیں۔ بعینہ یہی عرف عربہ تھا۔ چونکہ یہود ہفتہ ”یوم السبت“ تعطیل کا دن مانتے تھے۔ اس لئے جمعہ کو عرب عربہ کہتے تھے۔ چنانچہ یہ لفظ مسلمانوں میں بھی رائج رہا۔ بعض احادیث میں بھی یہی لفظ پایا جاتا ہے۔

بہر حال چونکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے۔ اس لئے لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو یوم الاحد یعنی پہلا دن کہیں۔ علماء اسلام نے بھی عرف کا لحاظ رکھا۔ اور ہفتہ کو یوم السبت سمجھا اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی سے شروع مانا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بات خلاف تحقیق ہے۔ کیونکہ مسند امام شافعیؒ میں روایت ہے کہ ”استواء علی العرش“ جمعہ کے دن ہوا۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ عالم کی تخلیق کی ابتدا سنچر کے دن ہوئی لہذا ان دونوں روایتوں کی بنیاد پر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ”یوم الاستواء“ یعنی تخلیق عالم سے فراغت اور تعطیل کا دن جب جمعہ کا تھا اور تخلیق کا آغاز سنچر سے ہوا۔ تو بلا تردید ”یوم السبت“ یقیناً جمعہ ہی کا نام ہے۔ ہفتہ یا اتوار کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ تخلیق عالم کی ابتداء ہی سے ہے۔ کیونکہ اس دن ہی اللہ کے استواء علی العرش کی عید تھی۔ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ روز میں پیدا فرمایا اور صحاح کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو جمعہ کے روز پیدا فرما کر اس ساتویں روز عید منائی کہ سارے عالم پر اس کے استیلا اور غلبہ اور سلطنت کا اظہار ہو گیا۔ یہی ہے استواء عرش کی حقیقت۔ لیکن جمعہ کے دن حضرت آدمؑ کی تخلیق پر شبہ ہے کہ پھر تو پورا ہفتہ سات دن تخلیق ہی میں گزرے۔ پھر یوم السبت یعنی تعطیل کا دن کہاں ہوا؟ لیکن تفسیر مظہریؒ میں قاضی ثناء اللہ قدس سرہ نے اس کا حل یہ کیا ہے کہ وہ جمعہ جس میں حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی۔ ان چھ دنوں سے متصل جمعہ نہیں تھا۔ جن میں تخلیق عالم ہوئی۔ جیسا کہ عام طور پر علماء محدثین نے سمجھا ہے بلکہ بعد کا کوئی جمعہ ہوگا۔

اس طرح چھ دنوں میں تخلیق عالم بھی ہو جاتی ہے اور جمعہ کے تخلیق آدم بھی اور جمعہ یوم السبت بھی رہتا ہے اور کوئی خلجان نہیں رہتا۔ صحاح کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے ہمارے لئے جمعہ کو پسند فرمایا اور دوسری امتوں نے اس کو ٹال دیا۔ نصاریٰ نے اتوار کو یہود نے بار کو پسند کر کے تعطیل کا دن قرار دیا۔ محدثین نے اس کو دو تو جیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ عید اور جشن کے دن کا انتخاب امتوں کی رائے اور اجتہاد پر رکھا گیا تھا۔ امت محمدیہ جو اب کو باگئی اور دوسری امتیں محروم رہیں۔ دوسری تو جیہ یہ کہ حق تعالیٰ نے دوسری امتوں پر بھی جمعہ کا دن قرار دیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اپنی اغراض و مصالح کے پیش نظر اس کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ انبیاء و وقت کو اس میں ٹھک کیا کہ وہ اس دن کو تعطیل کا دن نہ رہنے دیں۔ مگر امت محمدیہ نے اس نعمت کو رضاء و رغبت قبول کر لیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

اور سعی سے مراد مطلق چلنا نہیں ہے ورنہ فاشوا کہا جاتا ہے اور نہ دوڑ دھوپ یا بھاگنا مراد ہے کیونکہ حدیث میں ہے اذا اقيمت الصلوة فلا تاتوها تسعون۔ بلکہ جلد تیاری کرنا مقصود ہے۔ البتہ فی الجملہ لپک کر جمعہ کے لئے چلنا بہتر ہے۔ اسی طرح ”وذرو البیع“ سے مراد مطلق مشاغل دنیا چھوڑ دینا ہے۔ اور خرید و فروخت کی تخصیص اس لئے کی کہ اس وقت یہ کمثرت ہوتی ہے۔ یعنی دنیا کا کاروبار چھوڑ کر آخرت کے کاروبار میں لگوا، اہل اصول کہتے ہیں کہ افعال شریعہ خرید و فروخت وغیرہ سے چونکہ ممانعت ہو رہی ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت باطل شروع اور بوصفہ غیر مشروع رہے گی، لیکن اگر خرید و فروخت نماز جمعہ کی تیاری میں نخل نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ نماز کے بعد یہ ممانعت اباحت سے بدل گئی۔ کیونکہ ممانعت کے بعد حکم اباحت کے لئے ہوا کرتا ہے۔ پس فاذا قضيت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری جگہ اذا حللتهم فاصطادوا فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ امام زہد کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کی اجازت پر یہ آیت دلیل ہے۔ اور جو طلب حلال اور طلب علم دونوں کو فرض بعد الفرض کہتے ہیں وہ اس حکم کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن فائز و اسے مراد اگر علماء صلحاء کی زیارت اور مریضوں کی عیادت، ہو تو پھر یہ حکم مستحب ہوگا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس وقت نکاح، ہیہ صدقہ کے علاوہ دوسرے معاملات کرنے سے منع ہو جائیں گے اور وہ سامان واپس کیا جائے گا اور سامان نہ ہوا تو قیمت یوم القبض دلائی جائے گی، عطاء سے منقول ہے کہ جب پہلی اذان ہو جائے تب خرید و فروخت، صنعت و حرفت، کتابت، سونا، بیوی کے پاس جانا، کھیل تفریح منع ہے۔ بہر حال اس سے اصولیوں کی یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قضاء کا لفظ بول کر ادا مراد لی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس کا برعکس بھی صحیح ہے اور ”فابلا مہلت تفریج کے لئے ہے، یعنی نماز کے فوراً بعد کاروبار میں لگ جاؤ، اس میں اشارہ ہے کہ اس نماز کے بعد نماز فرض نہیں ہے، پس نماز جمعہ کے بعد ظہر نہ پڑھے، اور ”واذکرو اللہ“ کے معنی یہ ہیں کہ کاروبار میں لگنے کے بعد ذکر اللہ بالکلیہ مت چھوڑ دو، بلکہ ذکر خاص یعنی خطبہ نماز اگر چہ ہو گیا ہے تاہم ذکر عام ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔

واذا راوا تجارۃ، جب نماز کے وقت کاروبار کی اجازت نہیں تو لہو و لعب اور خرافات کی کیسے اجازت ہوگی۔ ”اولہوا“ میں او معنی واو ہے ممکن ہے بعض افراد خطبہ چھوڑ کر خرید و فروخت کے لئے اور بعض لوگ شادی بیاہ کے کھیل تماشہ میں شرکت کے لئے چلے گئے ہوں، صاحب مدارک کہتے ہیں ”وترو کو لا قائما“ سے معلوم ہوا کہ خطیب کھڑے ہو کر خطبہ دے اور نماز شروع ہونے کے بعد اگر مسلمان بازار چلے گئے تو قیام نماز مراد ہوگا، بظاہر آیت میں تمام مسلمانوں کو اگرچہ عام خطاب ہے لیکن مراد خاص مکلفین ہیں، یعنی آزاد، عاقل، بالغ، تندرست، متمم، مسلمان مرد جس کی آنکھ، پاؤں سلامت ہوں، چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں الجمعة واجب علی کل مسلم فی جماعة الا علی اربعة عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض،

یہ تخصیصات اس نص کو قطعیت سے خارج نہیں کریں گی، جیسے نماز، زکوٰۃ، حج، روزوں کی تخصیصات ان کی قطعیت کے خلاف نہیں ہیں، چنانچہ وجوب جمعہ کی جس طرح چھ شرائط ہیں اسی طرح ادائے جمعہ کے لئے بھی شرائط ہیں، جو حسب ذیل ہیں، شہر یا قریہ کبیرہ، جس میں شہری ضروریات مہیا ہوں، حاکم وقت، وقت ظہر، خطبہ، جماعت، اجازت عام، شہریت چونکہ ہر زمانہ کی مختلف رہی ہے، اسلئے کتابوں میں شہریت کی

مختلف تفسیریں ملتی ہیں، ان شرائط کے پائے جانے میں جن کو شامل رہا انہوں نے جمعہ کے بجائے ظہر کو اختیار کر لیا، اور بعض احتیاطاً الظہر بھی جمعہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں، پھر جہاں پہلے سے جمعہ باوجود شرائط نہ ہونے کے قائم ہو گا اس میں نرمی کو پسند کرتے ہیں اور اس کو جاری رہنے دینے کو پسند کرتے ہیں، (تفسیرات احمدی، مکتوب فارسی مولانا قاسم عذری)

وابتغوا، منس نے مقدر مانا ہے اور من فضل اللہ کو صلہ مانا ہے لیکن بعض نے فضل اللہ سے رزق مراد لیا ہے، مرفوع روایت میں ہے ”لیس یطلب دنیا ولكن حضور جنازة وعبادة من بعض“ خیر الرازقین، غیر اللہ کو لذہ رازق کہا گیا، حقیقی رازق اللہ ہے۔

رابط آیات: سورۃ صاف میں کفار کا مستحق قتل ہونا اور توحید و رسالت کا برحق ہونا بیان فرمایا گیا تھا اس سورۃ کی ابتداء میں توحید و رسالت کا اثبات اور منکرین کا مستحق مذمت و وعید ہونا ارشاد ہے اور چونکہ یہود کی دھمکی رگ حرص و طمع اور محبت دنیا ہے، اس لیے دوسرے رکوع میں احکام جمعہ کے ذیل میں مسلمانوں کو دنیا کی بجائے آخرت کی ترجیح کا حکم دیا گیا ہے، نیز دونوں صورتوں کے اخیر میں تجارت کا ذکر ہے، پہلی میں اخروی تجارت کا اور دوسری میں دنیاوی تجارت کا۔

شان نزول و روایات: ان زعمتم انکم اولیاء، یہود خود کو ابناء اللہ و احبابہ کہتے تھے اور یہ کہ لا یدخل الجحہ الا من کان ہوذا او نصاری، اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، مدینہ طیبہ میں غلہ کی کمی ہو گئی، لوگ بھوک سے پریشان تھے کہ دیکھ کلی بن خلیفہ تجارتی سامان لے کر شام سے آئے، اور بازار میں ایسے وقت دف سے اعلان ہو رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، لوگ اعلان سنتے ہی خطبہ چھوڑ کر بازار کی طرف ہوئے، صرف بارہ حضرات جن میں عشرہ مبشرہ بھی تھے، خطبہ میں بدستور حاضر رہے، عشرہ مبشرہ کے علاوہ بلالؓ اور ابن مسعودؓ بھی تھے ایک دعائیت میں ابن مسعودؓ کے بجائے عمارؓ کا نام ہے، اور مسلم کی روایت میں جابرؓ کا نام بھی ہے، اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ بارہ مرد اور سات عورتیں رہ گئی تھیں، اور بعض نے آنحضرت اور بعض نے چالیس افراد کا کہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لو خرجوا کلهم لاضطرو المسجد علیہم لارا اس زمانہ میں عید کی طرح جمعہ میں بھی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوا کرتا تھا، جانے والے یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی ہے، خطبہ میں چلے جانے کا کوئی مضاائقہ نہیں ہے، تب یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد پھر نماز جمعہ سے پہلے خطبہ مقرر فرما دیا، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خطبہ پہلے ہوتا تھا، تو جانے والوں کا ارادہ جلد واپسی کا ہوگا، پھر صحابہؓ کی ابتدائی حالت تھی اور زمانہ قحط کا تھا پھر اجلہ صحابہ بچے رہے، پھر اجتہادی خطا ہوئی، اس لئے گنجائش اعتراض بالکل نہیں ہے۔

﴿تشریح﴾ فی الامین، عرب کو امی (ان پڑھ) اس لئے کہا کہ ان میں علم و ہنر کچھ نہ تھا، اور نہ کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس تھی، معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدی جانتے تھے، پورے ملک میں شاید انگلیوں پر گنے جاسکتے ہوں، ان کی جہالت و خست و بربریت ضرب المثل تھی، بت پرستی، اوہام پرستی، فسق و فجور کا نام ملت ابراہیمی رکھ چھوڑا تھا، تقریباً ساری قوم اسی طرح کی گمراہیوں میں بھٹک رہی تھی کہ اللہ نے اسی قوم میں سے ایک رسول بھیجا، جس کا امتیازی لقب نبی امی تھا مگر علوم الہیہ کی روشنی سے سارے عالم کو جگمگا دیا۔

خاتم النبیین اور امام اعظمؒ کے متعلق پیشین گوئی: و اخرین منهم، یعنی رسول قیامت تک آنے والی ساری دنیا کے لئے بھی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ سے اس دوسری قوم کی نسبت پوچھا گیا، تو آپؐ نے سلمان فارسی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا

کہ عظیم یادیں اگر ثریا پر بھی پہنچے گا تو اس کی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئے گا، شیخ جلال الدین سیوطی وغیرہ علماء کبار نے تسلیم کیا ہے کہ اس کا بڑا مصداق امام اعظم ابوحنیفہ ہیں جو فارسی النسل ہیں، تاہم فارس کی یہ تخصیص شرف کے لئے ہے حصر کیلئے نہیں ہے، چنانچہ آج دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام اور غیر اسلام کے خوشہ چیں بکلی گئے ہیں، سارا عرب و عجم اسلام کے خلقہ بکوشوں سے بھر ہوا ہے، نیز تقریباً دو تہائی مسلمان ابوحنیفہ کے ماننے والے ہیں۔

حملوا التوراة، بلاشبہ تورات جس کے بنی اسرائیل حال بنائے گئے تھے، حکمت و ہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا، مگر جب وہ اس سے مستفید نہ ہوئے تو وہی مثال ہو گئی ”نہ محقق شدی نہ دانشمند، چار پایہ برو کتابے چند“ ایک گدھے پر علم و حکمت کی کتنی کتابیں لا دو، بوجھ میں دبنے کے سوا اسے کچھ پتہ نہیں، وہ تو صرف گھاس کی تلاش میں ہے، اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ پیٹھ پر حمل و جوار ہل دے ہوئے ہیں یا سنگریزے، و زرف، اگر وہ محقق اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں، لہذا میں بڑا عالم اور محرز ہوں، تو یہ اور بھی زیادہ گدھا پن ہوگا۔

علامت ولایت: ان زعمم۔ اس گدھے پن اور جہل مرکب اور حماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے ہم ہی بلا شرکت غیرے اللہ کے دوست اور ولی، اور جنت کے تہاء و قدار ہیں، بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے، لیکن واقعی دل میں اگر یہی یقین ہے اور اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو دنیا کے مکدر معیش سے دل برداشتہ ہو کر محبوب حقیقی کے اشتیاق میں اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے، جب کہ ارشاد نبوی ہے،

لوددت انی اقل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقل، اسی طرح صحابہ کرامؓ اور اہل اللہؓ سبھی وصال جاناں کے آرزو مند رہتے ہیں، دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر نہیں کہ وہ تمنا تو نا پسندیدہ ہے بلکہ شوق محبوب اور لقاء آخرت میں موت کو عزیز و محبوب سمجھتے تھے۔

غدا نلقى الاحیة (محمد اور حزبہ) اور یا حبذا الجنة و اقربها۔ طیبہ و باردا شربھا۔ نیز حبیب جاء علی ناقہ اور یا بنی لا یبالی ابوک مسقط علی الموت او مسقط علیہ الموت۔ لیکن ان جموع نے مدعیوں کے افعال و حرکات پر نظر ڈال کر دیکھو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے اور گھبرانے والا کوئی نہیں ہے، مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ بلکہ اس لئے کہ اول تو دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کھمی نہیں بھرتا۔ دوسرے سمجھتے ہیں کہ جو کر توت ہم نے کئے ہیں یہاں چھوٹے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ جو دم گزر رہا ہے، غنیمت ہے۔ گائے قصائی کے سامنے جانے سے جس طرح ڈرتی ہے وہی حال ان کا موت کے تصور سے ہے۔ کیونکہ ان کو اپنا انجام بد معلوم ہے۔ اس لئے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس آرزو کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی یہودی اس وقت اگر موت کی تمنا کر گزرتا تو فوراً اچھوٹ کر ہلاک ہو جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو جھوٹ موٹ بھی ہمت نہیں ہوئی۔ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے اس کو مہملہ پر محمول کیا ہے۔

نشان عداوت: قل ان الموت۔ یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ ہزار کوشش کریں مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بچھ رہیں۔ وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں۔ آخر مرنے کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہوگی اور تم ہو گے۔

اذا نودی۔ یہاں مسلمانوں کو بر موقع ہدایت کی گئی کہ تم یہودی طرح دنیا کے دھندوں میں لگ کر اللہ کی یاد اور موت کے تصور کو فراموش مت کرو خصوصیت سے جمعہ کا وقت بھی ایسا ہے کہ اس میں کاروبار و زوروں پر ہوتا ہے۔ اس وقت تم دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی خطبہ کے وقت بات چیت کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئیں۔ یعنی وہ

یہود کی طرح ہے جن کی مثال گدھے کی سی ہے۔

اذان و جمعہ کا حکم: یا ایہا الذین امنوا۔ عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بعض پر جمعہ فرض نہیں ہے اسی طرح ہر اذان کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ کاروبار کر کے بھی عام نمازوں میں جماعت مل سکتی ہے اور جمعہ ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے پھر کہاں ملے گا۔ اس لئے اذان جمعہ مراد ہے قرآن میں جس اذان کا ذکر ہے وہ خطبہ والی اذان ہے لیکن اس سے پہلے والی اذان جو صحابہ کے اجماع سے دور عثمانی میں مقرر ہوئی۔ کاروبار کی ممانعت میں اس کا حکم بھی قدیم اذان خطبہ کی طرح ہے۔ علت کے اشتراک سے حکم بھی مشترک ہوا کرتا ہے۔ البتہ اتنا فرق رہے گا کہ یہ حکم اذان قدیم میں تو مخصوص اور قطعی ہوگا۔ اور اذان اول جدید میں ظنی اور اجتہادی ہوگا۔ اس سے تمام اشکال رفع ہو گئے اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے۔ مگر نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت میں پہنچ جانا چاہیے کہ خطبہ سن سکے اور جماعت میں شریک ہو سکے۔

لظائف سلوک: اذ بعث فی الامیین رسولاً۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب عادیہ میں علم کا اضافہ موقوف نہیں ہے۔ پس امت کے ساتھ ولایت جمع ہو سکتی ہے۔ یعنی امی شخص ولی ہو سکتا ہے۔ البتہ ضروری شرعی امور کا جاننا ضروری ہے۔ اگرچہ بغیر رسمی تعلیم کے ہو۔ ویز کیہم۔ روح المعانی میں بعض کا قول ہے کہ يتلو علیہم میں اشارہ ہے۔ افاضہ قلبیہ کی طرف اور یز کیہم میں افاضہ قلبیہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ایک فرد توجہ اور رابطہ بھی ہے۔ اور رابطہ کا ثبوت نقلی دلیل پر موقوف نہیں۔ اس کی برکت مشاہدہ سے ثابت ہے۔ و اخرین منهم۔ روح المعانی میں ہے کہ بعض کے نزدیک يعلمہم کی ضمیر مغلوب پر آخرین کے عطف میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا فیضان امت پر قیامت تک جاری رہے گا اور اولیاء اللہ آپ کے وارث ہیں ان کا فیض بھی وفات کے بعد جاری رہتا ہے۔ مثل الذین حملوا النورۃ۔ اس میں اشارہ ہے اس شخص کی بد حالی کی طرف جو علم کے باوجود انکار کرے۔ ان زعمتم انکم اولیاء۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت کی تمنا اگرچہ عقلی ہو۔ علامات ولایت میں سے ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدعی حال کا امتحان ہونا چاہیے۔

فاذا قضیت الصلوۃ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دینی مصالح نشاط و فرحت کی خاطر بعض مباحات میں مشغول ہونا بھی مطلوب ہے بشرطیکہ دین پر ان مباحات کو ترجیح نہ دی جائے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ اس عتاب میں اشارہ ہے کہ مریدین سے جب کوئی غلطی ہو جائے تو ان کی تادیب و تربیت کی جائے۔

سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ

سورة المنافقون مدنیہ احدی عشرہ آیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا بِالْسِتِّهِمْ عَلٰی خِلَافٍ مَا فِی قُلُوْبِهِمْ نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ يَعْلَمُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَكَاِبُونَ ﴿۲﴾ فِیْمَا اَضْمَرُوْهُ مُخَالِفًا لِمَا قَالُوْهُ اتَّخَذُوْا اٰیْمَانًا مِنْهُمْ جُنَّةً سِتْرَةً عَنْ اَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدُّوا بِهَا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اٰی عَنِ الْجِهَادِ فِیْهِمْ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ اٰی سُوْءِ عَمَلِهِمْ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِاللِّسَانِ ثُمَّ كَفَرُوْا بِالْقُلُوْبِ اٰی اِسْتَمَرُّوْا عَلٰی كُفْرِهِمْ بِهٖ فَطُبِعَ خُتَمٌ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ بِالْكَفْرِ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۴﴾ الْاٰیْمَانُ وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ لِجَمَالِهَا وَاِنْ یَقُوْلُوْا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ لِفَصَاحَتِهِ كَاَنَّهُمْ مِنْ عَظْمِ اَجْسَامِهِمْ فِی تَرْكِ التَّفْهَمِ خُشْبٌ بِسُكُوْنِ الشَّیْنِ وَضَمِّهَا مُسْنَدَةٌ مُّمَالَةٌ اِلَى الْجِدَارِ یَحْسُبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ تُصَاحُ كِبْدًا فِی الْعَسْكَرِ وَاِنْ شَا دِ ضَالَّةٌ عَلَیْهِمْ لَمَّا فِی قُلُوْبِهِمْ مِنَ الرَّعْبِ اَنْ یَنْزَلَ فِیْهِمْ مَا یُبِیْحُ دِمَاءَهُمْ هُمْ الْعَدُوُّ فَاحْلَرُّهُمْ فَاِنَّهُمْ یَقْسُوْنَ سِرَّكَ لِلْكَفَّارِ قَاتِلَهُمُ اللَّهُ اَهْلَكَهُمْ اَنْیَ یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵﴾ كَیْفَ یُضَرِّفُوْنَ عَنِ الْاٰیْمَانِ بَعْدَ قِیَامِ الْبُرْهَانِ وَاِذَا قِیلَ لَهُمْ تَعَالَوْا مُعْتَذِرِیْنَ یَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَسُوْلُ اللَّهِ لَوْوَا بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ عَطَفُوْا رُءُوسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصَلُّوْنَ یُعْضُوْنَ عَنْ ذٰلِكَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۶﴾ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ یَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ اِنَّ اللَّهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۷﴾ هُمْ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا صَحَابِیْهِمْ مِنَ الْاَنْصَارِ لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللَّهِ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا یَرْفُقُوْا عَنْهُ وَاللَّهُ خَزَاۤئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالرِّزْقِ فَهُوَ الرَّازِقُ لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَغَیْرِهِمْ وَلٰكِنْ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۸﴾ یَقُوْلُوْنَ لَنْ رَّجِعْنَا اٰی مِنْ غَزَوِهِ بَنِی

الْمُصْطَلَقِ إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَّ أَلَا عَزُّ عَنْهُمْ بِهِ أَنْفُسُهُمْ مِنْهَا الْآذِلُ عَنَّا بِهِ الْمُؤْمِنِينَ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ
الْغَلْبَةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸﴾ ذَلِكَ لِأَنَّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ
تُشْغِلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ الصَّلَوَاتِ الْحَمِيسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۹﴾ وَأَنْفِقُوا فِي الزَّكَاةِ مِمَّا رَزَقْنَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ
رَبِّ لَوْلَا لَوْ بَعَثَنِي مَلَأَ أَوْلَا زَائِدَةً وَلَوْ لَتَمَنَّيْتُ أَنْ تُخَرِّجَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ فَأَصِدِّقْ بِإِدْعَاءِ النَّاسِ فِي
الْأَصْلِ فِي الصَّادِ أَتَصَدَّقُ بِالزَّكَاةِ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰﴾ بَأَنَّ أَحْمَجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُ مَا قُصِرَ فِي الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ إِلَّا سَأَلَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَنْ يُؤَخَّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ بِالنَّاسِ وَالْبَيَاءِ

ترجمہ:.....سورۃ منافقون مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو
(دلوں کے برخلاف زبانوں سے) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں
اور اللہ گواہی دیتا ہے (جانتا ہے) کہ یہ منافق جھوٹے ہیں (زبان کے برخلاف جو کچھ چھپاتے ہیں اس میں) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپرینا
رکھا ہے (مال و جان کے لئے ڈھال) پھر یہ لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد) سے روکتے ہیں۔ بے شک ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ ان
(کی بد عملی) اس لئے ہے کہ یہ لوگ (صرف زبانی) ایمان لے آئے مگر کافر رہے (دل سے یعنی اپنے کفر پر جمے رہے) سوان کے دلوں پر (ان
کے کفر کی وجہ سے) مہر کر دی گئی ہے اس لئے یہ (ایمان) کو نہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت (خوب صورتی) میں آپ کو
خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں (تو فصاحت بلاغت کی وجہ سے) آپ ان کی باتیں سننے لگیں گویا یہ (ڈیل ڈول کے باوجود) سمجھ
ہونے میں (لکڑیاں ہیں) (شین کے سکون و ضمہ کے ساتھ) جو ٹیک دی گئی ہیں (دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئی ہیں) ہر غل غپاڑہ کو (جو لشکر
میں کسی منادی یا گم شدہ چیز کے اعلان کی وجہ سے ہو) اپنے اوپر خیال کرنے لگتے ہیں (دل میں رعب پیدا ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ
ہمارے قتل کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے) یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیے (کیونکہ کافروں سے آپ کے راز بھی اگلے ہیں) اللہ
انہیں عارت (برباد) کرے۔ یہ کہاں پھرے جاتے ہیں (دلیل قائم ہونے کے باوجود یہ ایمان سے کیسے روگردانی کر رہے ہیں، اور جب ان
سے کہا جاتا ہے کہ (معذرت خواہ بن کر) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو پھر لیتے ہیں (تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے) اپنے سر اور
آپ ان کو دیکھیں گے کہ بے رخی (اس سے کنارہ کشی) کرتے ہیں، تکبر کرتے ہوئے ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ آپ ان کے لئے
استغفار کریں (ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی) یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بلاشبہ
اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہ ہیں جو (اپنے انصار بھائیوں سے) کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ و رسول کے پاس (مہاجرین)
ہیں، ان پر کچھ مت خرچ کرو۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر (تتر بتر) ہو جائیں گے۔ اور اللہ ہی کے ہیں سب آسمانوں اور زمین
کے خزانے (رزق کے، لہذا مہاجرین وغیرہ کا وہی روزی رساں ہے) لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب (غزوہ بنی مصطلق
سے) مدینہ لوٹ جائیں گے تو نکال باہر کرے گا عزت والا (مرا خود ہیں) وہاں سے ذلت والے کو (یعنی مسلمانوں کو) اور عزت (غلبہ) اللہ ہی
کی ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔ لیکن منافقین (اس کو) جانتے نہیں ہیں۔ اے اہل ایمان تمہیں غافل نہ کرنے پائیں۔ تمہارے

مال و اولاد، یا دالکی (بچہ و قتلہ نمازوں) سے اور جو ایسا کرے گا ایسے ہی لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ اور (زکوٰۃ میں) خرچ کرو۔ اس میں سے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آکھڑی ہو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ (نہ لولا یعنی حلا ہے بالآزائد ہے اور لو تمنا یہ ہے) مجھ کو تھوڑے دنوں کی مہلت دے دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا (اصل میں تا کو صادمیں اوعام کر دیا، میں زکوٰۃ دے لیتا) اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (حج کر لیتا، ابن عباس مقرر مانتے ہیں جو شخص زکوٰۃ حج میں کوتاہی کرتا ہے وہ مرنے کے وقت دنیا میں رہنے کی ضرورت درخواست کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کا وقت آجاتا ہے ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے (تعلّمون تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے)۔

تحقیق و ترکیب: سورۃ المنافقون۔ اس کا مدنی ہونا اور گیارہ آیات پر مشتمل ہونا بالا جماع ہے۔

اذا جاء لك المنافقون۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ جواب شرط قالو ہے اور بعض نے محذوف کہا ہے۔ اسی فلا تقبل منهم لیکن بعض نے اتخذوا ایمانہم کو جواب کہا ہے۔ مگر وہ بعید ہے۔

واللہ یعلم جملہ معترضہ ہے نشہد اور واللہ یشہد کے درمیان اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر یہ جملہ نہ لایا جاتا تو شبہ رہتا کہ ممکن ہے منافقین کا رسول اللہ کہنا فی نفسہ غلط ہے۔ اب اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

ان المنافقین لکاذبون۔ یعنی اس قول میں کاذب نہیں۔ بلکہ ان کے دل میں جور رسالت کا انکار چھپا ہوا ہے اس میں جھوٹے ہیں۔ اس لئے نظام معترضی کا صدق و کذب کی تعریف میں اعتقاد کے مطابق ہونے نہ ہونے کی قید لگا کر اس آیت سے استدلال کرنا غلط ہوگا۔ معلوم ہوا کہ صرف واقعہ کی مطابقت عدم مطابقت کا لحاظ کیا جائے گا۔ نہ صرف اعتقاد و واقعہ دونوں کی مطابقت غیر مطابقت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جس سے اصدق اور کذب کے درمیان واسطہ ثابت کیا جاسکے اور مشہور جواب نظام کا یہ ہے کہ منافقین کا اس خبر کو شہادت کہنا یا اس کو شہادت کا نام دینا غلط بیانی ہے۔ کیوں کہ شہادت دل سے ہوا کرتی ہے اور ان کی یہ خبر دل سے نہیں ہے۔ بلکہ اوپر دل سے ہے۔ جس کو خبر کہنا چاہیے تھا۔ اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ منافقین اس خبر واقعی کو صادق کے بجائے کاذب سمجھتے ہیں یعنی فی الواقع یہ کاذب ہیں۔ بلکہ اپنے زعم فاسد میں کاذب ہیں کہ انہوں نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔ یا لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی یفرضوا اور ولن رجعنا الی المدینۃ ان اقول کے انکار میں کاذب ہیں۔ اس طرح یہ پانچ جواب ہو گئے ہیں۔ پہلا جواب مفسر کا ہے۔

بانہم امنوا۔ مفسر نے باللسان کہہ کر یہ شبہ دور کر دیا کہ منافقین کا دلی ایمان مراد نہیں۔ صرف زبانی اقرار مراد ہے۔

اتخذوا ایمانہم۔ اس آیت میں شہادت پر یمن کا اطلاق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ لفظ شہادت سے بھی یمن ہو جاتی ہے۔ جس کا پورا کرنا ضروری ہے ورنہ کفارہ ضروری ہوگا۔ چنانچہ کشاف، مدارک اور تفسیر زاہد یہ میں ایسے ہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ اگر ایمان سے مراد منافقین کا جھوٹا حلف لیا جائے۔ یا ایمان کسرہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر یمن کی بحث اس سے متعلق نہیں ہوگی۔ خشب مسندہ۔ جس طرح بے کار لکڑی دیوار سے لگا کر ایک طرف رکھ دی جاتی ہے۔ یہی حال منافقین کے ناکارہ ہونے کا ہے۔ بلی کا گو لپینے کا نہ پوتنے کا۔

کل صیحة، یحسبون کا یہ مفعول اول ہے اور علیہم مفعول ثانی ہے استغفوت میں ابتدا بال سکون ہے چونکہ ہمزہ استفہام سے ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمزہ وصل کی ضرورت باقی نہیں رہی، ورنہ لفظ سواء کے بعد آنے کی وجہ سے تسویہ کے معنی بدستور ہیں۔ لن رجعنا۔ صحیحین کی روایت میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی مراد ہے۔ لیکن امام نسائی غزوہ تبوک سے واپسی کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ای کو ترجیح دے رہے ہیں۔

عن ذکر اللہ۔ بن مردویہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایت تخریج کرتے ہوئے اور ابن منذرؒ، عطاء اور ضحاکؒ سے تخریج کرتے ہوئے ذکر بند سے

بخوبی نمازیں مراد لیتے ہیں۔

انفقوا۔ ابن منذر ضحاک سے زکوٰۃ اور نفقہ حج مراد لیتے ہیں۔ اور ترمذی ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔ من کان له مال يبلغه حج بيت ربه او معجب عليه الزكوة فلم يفعل مال الرجعة عند الموت فقال به رجل يا ابن عباس اتق الله فانما يسال الرجعة الكفار فقال سألوا عليكم بذلك قرأنا فقرا الآية۔ اس لئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ اہل توحید نہیں ہیں۔ ورنہ دنیا میں دوبارہ آنے کی تمنا کیوں کرتے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ طبعی موت آنے سے پہلے وجود حقیقی حاصل کرنے کے لئے ارادہ روحانی سے وجود مجازی کا اتفاق کر دینا چاہیے۔ ورنہ حیات جاودانی سے محروم ہو کر جاہلیت کی موت مرے گا۔ کیونکہ نفس اللہ کی معرفت سے جاہل ہے اور حیات ابدی معرفت حقیقی کا نام ہے۔ اور وہ بلا نفس و طبیعت کی موت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس جو شخص اس موت ارادی کو نہیں چکھے گا۔ وہ طبعی موت کے وقت دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ تاکہ برضاء و رغبت وجود مجازی کو تصدیق کر دے اور وجود حقیقی سے ہمسکار ہو کر زمرہ صالحین میں داخل ہو جائے۔

لن يؤخر الله۔ یہ جملہ مستانفہ ہے مگر منفیہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔ اس سوال کا جواب ہے کہ هل يؤخر الا جل هذا التمني۔

رابط آیات:..... سورہ صف میں یہود کا ذکر تھا۔ اس سورہ میں منافقین کا ذکر ہے جو اکثر یہود تھے۔ نیز پچھلی صورت کے اخیر میں آخرت کو دنیا پر ایثار کرنے کا ذکر تھا۔ اس صورت کے اخیر میں بھی یہی ذکر ہے۔ اور یہ مضمون منافقین کے حال کے مطابق ہی تھا کیونکہ وہ مال و اولاد پر گھمنڈ کیا کرتے تھے۔ اس مال و اولاد سے قلب کو غلو کے ساتھ وابستہ کرنے کی ممانعت ہے۔

شان نزول:..... غزوہ تبوک یا غزوہ بنی المصطلق میں حجاجہ بن اسید مہاجر اور سان جہنی انصاری کے درمیان پانی پر لڑائی ہو گئی۔ سان انصاری عبد اللہ بن ابی کا حلیف تھا۔ مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا تو ایک مہاجر نے بڑھ کر سان کو طمانچہ مارا۔ تو عبد اللہ اپنے حلیف کی حمایت میں بولا۔ ما صحبنا محمد الا نتلطم وجوهنا الله ما مثلنا ومثلهم الا كما قال القائل سمن كليك يا كليك اماوا الله لن رجعا الى المدينة ليخرجن الا عز منها الاذل۔ پھر اپنے آدمیوں سے کہنے لگے۔ ماذا فعلتم بانفسكم قد انزلتموهم بلادكم وقاسمتموهم في اموالكم اماوا الله لو امسكتهم عنهم فضل الطعام لتحولوا من عندكم فلم تنفقوا عليهم حتى ينفضوا من حول محمد۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم نے ان پر بیسیوں کوروٹیاں کھلا کھلا کر بگاڑ دیا۔ اب مدینہ جا کر ان کو خرچ دینا بند کر دو، یہ خود ہی چلے جائیں گے۔ ورنہ ہم عزت والے ہیں ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ یہ باتیں زید بن ارقمؓ نے سن کر حضور ﷺ سے جا کہیں۔ آپ ﷺ نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور قسم کھا بیٹھا۔ زید بن ارقمؓ کو اس سے بڑا رنج اور دکھ ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ابن ارقمؓ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے کان کی تصدیق فرمادی تب انہیں سکون ہوا۔ عبد اللہ کی باتیں جو لوگوں نے سنی تھیں انہوں نے اس سے کہا بھی کہ تو حضور ﷺ کے پاس جا کر توبہ کر لے۔ مگر ان سے اس کا بھی انکار کر دیا اور چونکہ سب منافقین دل سے اس کی باتوں پر راضی تھے۔ اس لئے سب کی طرف نسبت کر دی گئی۔

﴿تشریح﴾..... قالوا نشهد۔ یعنی منافقین کہتے ہیں کہ ہم دل سے آپ ﷺ کو سچا رسول سمجھتے ہیں۔ فرمایا جھوٹ کہتے ہیں۔ ان کا دلی اعتقاد نہیں ہے، واقع میں وہ آپ ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں۔ محض زبانی باتیں بتاتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور ایک اسی بات پر کیا منحصر ہے، جھوٹ تو ان کے ضمیر میں پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ میں جس کا ذکر آ رہا ہے۔ صریح جھوٹ بولا کہ اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی۔

جھوٹی قسموں کو آڑ بنانا: اتخلفوا ایمانہم۔ یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت سرزد ہوئی۔ اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا کھڑا ہوا۔ فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر چھوٹ گئے۔ لوگ ان کو بظاہر مسلمان سمجھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی جھوٹی قسموں کا نقصان انہیں تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ یہ فساد و سرول تک متعدی ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور برا کام کیا ہوگا۔

لک بانیہم۔ یعنی گوزبان سے اظہار بیان کیا مگر دل سے بدستور مکرر ہے اور ایمان کے دعویدار ہو کر کافروں کے کام کئے۔ اس بے ایمانی اور ریب و دغا کا یہ اثر ہوا کہ ان کے دلوں پر ہر گنگ گئی۔ اب اس حالت پر پہنچ کر ان کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے جب انسان کا دل برے کرتوتوں سے مسخ ہو جائے پھر نیک و بد سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جب انسان کے دل تو واقعی مسخ ہو چکے مگر ذیل ڈول تو دیکھو تو بڑے چکنے چڑے، بات کرتے ہیں تو بڑی لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا سمجھ جائے۔ ان کی مثال اس خشک اور بے کار لکڑی کی ہے جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے کھینے میں کیسی موٹی۔ مگر بے سہارا ایک سینڈ بھی کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں جلانے کے کام ضرور آ سکتی ہے۔

منافق پر لے درجے کا بزدل ہوتا ہے: یہی حال منافقوں کا ہے اوپر سے خول بڑا اچھا مگر اندر سے خالی خولی کسی کام کے ہیں۔ صرف دوزخ کے ایندھن ہیں۔ بزدل، ڈرلوک اتنے کہ اگر کہیں شورشیں تو دہل جائیں۔ اور سمجھیں کہ ہم پر بھی کوئی بلا آئی۔ تپاک حرکتوں کی وجہ سے ہر وقت انہیں کھانکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے کہیں ہماری مکاری کا پردہ چاک تو نہیں ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اب بھی وقت نہیں گیا۔ آؤ مول اللہ ﷻ کے پاس چل کر اپنا قصور معاف کرالو۔ آپ کے استغفار کی برکت سے تمہاری خطا معاف ہو جائے گی۔ مگر کبر و نخوت کے مارے یک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے ہیں اور بڑی شان بے نیازی سے گردن ہلا کر سر گھما کر رہ جاتے ہیں۔

وہاء علیہم۔ ممکن ہے آپ اپنے اخلاق و مروت سے ان کے طالب عفو ہوں۔ مگر یاد رہے اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ رندایسے بے توفیقوں کو ہدایت نصیب ہوا کرتی ہے۔ منافقین کے لئے یہ استغفار آپ کے لئے چاہے کسی منقبت کا باعث ہو مگر خداوند کے لئے بے سود ہے۔ چنانچہ سواء علیک نہیں فرمایا۔ بلکہ سواء علیہم فرمایا ہے۔ ہم الذین یقولون۔ یہ عبد اللہ بن ابی کی اسی گفتگو کی طرف اشار ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔ مگر آنحضرت ﷺ کے بلانے پر وہ صاف مکر گیا۔ کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی میں جھوٹ کہہ دیا۔ لوگ زید پر آ زے کئے گئے۔ وہ بے چارے سخت محجوب اور نادام ہوئے۔ یہ آیات نازل ہوئیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے تجھے سچا کر دکھایا۔

حقیقی عزت کا مالک: واللہ خزائن۔ یہ منافقین کا جواب ہے کہ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام زمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہی ہے۔ کیا وہ ان لوگوں کو بھوکوں مار دے گا۔ جو بغیر کسی خدمت میں رہتے ہیں۔ منافقین اگر ہاتھ کھینچ لیں گے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے نہ پر بند کر دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں پر خرچ کرتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اسکی توفیق کے بغیر کوئی ایک پیسہ خرچ نہیں کر سکتا اور انہیں خبر نہیں عزت والا کون ہے؟ اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے اور پھر اس تعلق سے رسول ﷺ اور ایمان والوں کی ہے۔ روایات میں ہے کہ ابن ابی کے یہ الفاظ جب اس کے بیٹے عبد اللہ کو پہنچے جو نہایت مخلص مسلمان تھے تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور بولے کہ اب تک اقرار نہ کرے گا رسول ﷺ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ مدینہ میں گھسنے دوں گا۔ آخر اقرار کر کر چھوڑا۔

تلقہکم اموالکم یعنی مسلمانوں کو یہود و منافقین کی طرح مال و اولاد کے گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات بڑے خسارہ اور ٹوٹے کی ہے کہ ”باقی“ کو چھوڑ کر فانی میں انسان دل لگا بیٹھے۔ مال و اولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ بنادے۔ اگر ان مندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں بھی قلبی سکون حاصل نہ ہوا۔

اللہ کے لئے مال خرچ کرنے سے اللہ کا نہیں انسان کا فائدہ ہے: وانفقوا۔ یہ جواب ہے منافقین کے قول لا تنفقوا کا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو۔ ورنہ موت سر پر کھڑی ہے اس وقت بچھٹانا پڑے گا کہ ہم نے کیوں اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کیا۔ اس وقت کجس آرزو کرے گا کہ کچھ مہلت اور مل جاتی تو میں خیرات کر کے نیک بنتا اور اللہ کے سامنے سرخرو ہوتا۔ لیکن وہاں تاخیر کیسی؟ جس شخص کی عمر جتنی لکھ دی اور جو میعاد مقرر کر دی اس کو پورا ہونے پر ایک لمحہ کی ڈھیل نہیں ہو سکتی۔ ابن عباسؓ کے نزدیک یہ تمنا قیامت کے دن کرے گا۔ بہر حال اس تمنا کا کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ اللہ کو سب کی سب کچھ خبر ہے وہ جانتا ہے کہ اگر تمہیں دنیا میں بھیجا گیا ہے یا مہلت دی گئی تو کیا عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے۔

لطا ئف سلوک: ہم الذین یقولون۔ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو مال و دولت کی کمی کے سبب اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ لا تلہکم اموالکم۔ اس میں غفلت کی مذمت ہے۔

سُورَةُ التَّغَابُنِ

سُورَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَزِيهِهَ فَاَلْلَامُ رَائِدَةٌ وَأَتَى بِمَا دُونَ تَغْلِيًّا لِلاَكْثَرِ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْكُمْ كَافِرٌ وَ مِنْكُمْ مُؤْمِنٌ فِي
أَصْلِ الْخَلْقَةِ ثُمَّ يُمَيِّتُهُمْ وَيُعِيدُهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ أَدَّجَلَ شَكْلَ الْآدَمِيِّ أَحْسَنَ الْأَشْكَالِ وَالْيَهُ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ يَعْلَمُ
مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾ بِمَا فِيهَا
مِنَ الْأَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ نَبُوحُ الْبُرْجِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ
عُقُوبَةُ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦﴾ مَوْلَاهُ ذَلِكَ أَى عَذَابِ الدُّنْيَا بِأَنَّهُ ضَمِيرُ الشَّانِ
كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْإِيمَانِ فَقَالُوا أَبَشِّرْ أُرِيدَ بِهِ الْجِنْسَ يَهْدُونَنَا
فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا عَنِ الْإِيمَانِ وَاسْتَغْنَى اللَّهُ عَنْ إِيْمَانِهِمْ وَاللَّهُ غَنِيٌّ عَنْ خَلْقِهِ حَمِيدٌ ﴿٧﴾ مَحْمُودٌ فِي أَعْمَالِهِ
زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ مُخَفَّفَةٌ وَأَسْمَاهَا مُحَذَّرَةٌ أَى أَنَّهُمْ لَنْ يُعَذَّبُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّيَنَّ
بِمَا عَمَلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٨﴾ فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الْقُرْآنِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٩﴾ أَذْكَرُ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ يَغْنِبُ الْمُؤْمِنُونَ
الْكَافِرِينَ بِأَخْذِ مَنَازِلِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ فِي الْحَنَةِ لَوْ آمَنُوا وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ
وَيُدْخِلْهُ فِي قَرَارَةِ النَّوْنِ فِي الْفَعْلَيْنِ جَنَّتْ تَجْوَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خِلْدَيْنِ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ
الْقَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِ الْقُرْآنِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خِلْدَيْنِ فِيهَا وَبِ

۱۰۰ ﴿۱۰۰﴾ هِيَ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يِقْضَاهُ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ فِي قَوْلِهِ إِنَّ الْمُصِيبَةَ
 بِقَضَائِهِ يَهْدِ قَلْبَهُ لِلصَّيْرِ عَلَيْهَا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ۱۰۱ ﴿۱۰۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ
 فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ۝ ۱۰۲ ﴿۱۰۲﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ ۱۰۳ ﴿۱۰۳﴾
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَرْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عُذُوًّا لَكُمْ فَأَحْذَرُوهُمْ ۚ إِنَّ تَطِيعُوهُمْ فِي السَّخْفِ
 عَنْ الْخَيْرِ كَالْجِهَادِ وَالْهَجْرَةِ فَإِنَّ سَبَبَ نَزُولِ آيَةِ الْإِطَاعَةِ فِي ذَلِكَ وَإِنْ تَعَفَّوْا عَنْهُمْ فِي تَطِيعَتِهِمْ عَنْ ذَلِكَ
 الْخَيْرِ سَعَتَيْنِ بِمُشَقَّةٍ فَرَأَيْتُمْ عَلَيْهِمْ وَتَصَفَّحُوا وَتَغَفَّرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ۱۰۴ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ
 وَأَوْلَادُكُمْ فَتْنَةٌ لَكُمْ شَاغِلَةٌ عَنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ۱۰۵ ﴿۱۰۵﴾ فَلَا تَقْوُوهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالْأَمْوَالِ
 وَالْأَوْلَادِ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نَا سَخَةً لِقَوْلِهِ اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَاسْمَعُوا مَا أَمَرْتُمْ بِهِ سَمَاعَ قُبُولٍ
 وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا فِي الطَّاعَةِ خَيْرًا لَا نَفْسَكُمْ خَيْرٌ بِكُنْ مُقَدَّرَةً جَوَابُ الْأَمْرِ وَمَنْ يُؤْخَرْ شَحَّ نَفْسِهِ
 فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ۱۰۶ ﴿۱۰۶﴾ إِن تَقَرُّضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا بَأَن تَصَّدَّقُوا عَنْ طَيْبِ قَلْبٍ
 يُضَحِّفَهُ لَكُمْ وَفِي قِرَاءَةٍ يُضَعِّفُهُ بِالتَّشْدِيدِ بِأَلْفِ عَشْرَةٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ وَكَثْرَ وَهُوَ التَّصَدَّقُ عَنْ طَيْبِ قَلْبٍ
 وَيَغْفِرَ لَكُمْ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ شَكُورٌ مَجَازٌ عَلَى الطَّاعَةِ حَلِيمٌ ۝ ۱۰۷ ﴿۱۰۷﴾ فِي الْعِقَابِ عَلَى الْمُعْصِيَةِ عِلْمُ الْغَيْبِ
 ۝ ۱۰۸ ﴿۱۰۸﴾ السِّرُّ وَالشَّهَادَةُ الْعَلَانِيَةُ ۚ هُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ ۱۰۹ ﴿۱۰۹﴾ فِي صُنْعِهِ ۝

ترجمہ: سورۃ تغابن مکہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں اٹھارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی
 پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور من کی بجائے مالا یا گیا اکثریت کی تقلیب کرتے ہوئے) اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے
 اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔ سو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن (پیدائشی طور پر، پھر تمہیں موت دے کر پہلی حالت پر دوبارہ
 پیدا کرے گا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ پر پیدا کیا ہے۔ اور تمہارا عمدہ نقشہ بنایا (کیونکہ
 انسان کو بہترین شکل پر پیدا کیا گیا ہے) اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا جاننے والا ہے (یعنی دلی راز اور
 اعتقادات) کیا تمہیں (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا (دنیا میں کفر کی سزا
 بھگتی) اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہونے والا ہے۔ یہ (دنیا کی سزا) اس لئے ہے (ضمیر شان ہے) کہ ان
 لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر کھلے دلائل لے کر آئے (ایمان کی واضح دلیلیں) سو ان لوگوں نے کہا کہ کیا آدمی (انسان کی جنس مراد ہے) ہم کو
 ہدایت کریں گے۔ غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا (ایمان سے) اور اللہ نے (ان کے ایمان کی) پرواہ نہ کی اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے
 نیاز ستودہ صفات ہے (بہترین کارگزاری والا) یہ کافر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (ان خفہ ہے جس کا اسم محذوف ہے اسی انہم) ہرگز دوبارہ زندہ نہیں
 کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

پھر جو کچھ تم نے کیا ہے سب کچھ تمہیں جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے سو تم اللہ، اس کے رسول اور نور (قرآن) پر ایمان

لاؤ۔ جو کہ ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (یاد کیجئے) جس روز ہم تم سب کو جمع کریں گے۔ جو جمع ہونے کا دن (قیامت) ہوگا۔ وہ یہی دن ہے سو دوزیاں کا (مسلمان کافروں کو خسارہ میں ڈال دیں گے۔ ان کے جنت کے گھر اور بیویاں لے کر جو ان کو ایمان لانے کی صورت میں ملتیں) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اس کو داخل کرے گا (ایک قرأت میں یکفر اور یہ غلطہ دونوں فعل نون صیغہ مشکم کے ساتھ ہیں) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیات (قرآن) جھٹلائی ہوں گی۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے۔

کوئی مصیبت بدوں حکم (قضا) الہی کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے (یہ سمجھتا ہے کہ مصیبت اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو (مصیبت پر صبر کرنے کی) راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم پہلو تہی کرو گے تو ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ صاف صاف (کھلے طور پر) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو (ان کا کہنا ماننے سے جہاد و ہجرت جیسے نیک کاموں میں پیچھے ہٹ کر، کیونکہ آیت کا شان نزول ایسے کاموں میں ان کا کہنا ماننا ہے) اور اگر تم ان کو معاف کر دو (تم کو پچھلے کاموں سے بددکھنے پر۔ ان سے جدا ہونے کی مشقت پر رحم کھا کر) اور درگزر کر دو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے تمہارے مال و اولاد اس تمہارے لیے ایک آزمائش ہے (آخرت کے کاموں سے رکاوٹ) اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے (لہذا مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو نہ گنوا بیٹھنا) سو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (یہ آیت ناسخ ہے۔ آیت فاتحوا اللہ حق ثقافتہ کی) اور سنو (جو کچھ تمہیں حکم دیا جا رہا ہے قبولیت کے ساتھ) اور کہنا مانو (اور نیک کاموں میں) خرچ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (کیونکہ مقدور کی خبر ہے اور جواب امر ہے) اور جو شخص نفسانی خواہش سے محفوظ رہا۔ سوائے ہی لوگ قلاچ پانے والے (کامیاب) ہیں۔

اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے۔ (خوش دلی سے خیرات کرو گے) تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا جائے گا (ایک قرأت یہ ضعفہ تشدید کے ساتھ ہے ایک کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے زائد ثواب عطا کریگا۔ اور صدقہ خوش دلی سے ہونا چاہیے) اور تمہارے گناہ (اگر چاہے گا) بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دال (فرمانبر داری کا صلہ دینے والا) بڑا بردبار ہے (قصوروں پر سزا دینے میں) پوشیدہ (خفی) اور اعلانیہ (ظاہر) کا جاننے والا (اپنے ملک) میں زبردست (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔

تحقیق و ترکیب: سورۃ النفاہین۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کو نفاہین کہتے ہیں۔ اہل جنت کا دوزخیوں کے جنتی مقام پر قبضہ کر کے نقصان پہنچانا تو صحیح ہے۔ مگر جہنمیوں کے جنتیوں کے جہنمی مقام پر قبضہ کی صورت میں نفاہین کہنا حکم و استہزاء کے طور پر ہے۔ یہ سورت مکی ہے۔ بجز آیت یا لہذا الذین امنوا کے وہ مدنی ہے۔

فمنکم کافر۔ ارادہ اذلی کے اعتبار سے کافر و مومن فرمایا۔ انسان کا عمل تقدیر ازیلی کے مطابق ہوتا ہے۔ جس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) سعید ازیلی ہو اور مرنے تک دنیا میں مومن رہے۔

(۲) شقی ازیلی ہو اور اسی کے مطابق رہے۔

(۳) ازل میں سعید قرار دیا جائے اور دنیا میں کفر پر رہے مگر خاتمہ ایمان پر ہو۔ یہ تینوں صورتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(۴) ساری عمر مومن رہے اور آخر میں کفر پر مرے۔

غرضیکہ انما العبرة بالخواتیم۔ خاتمہ ہی سے تقدیری فیصلہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر وغیرہ اعمال سب اللہ کی

مخلوق ہیں۔ لیکن رجسٹری معترزی ہونے کی وجہ سے فمنکم کافر کے معنی کفر کرنے والے کے لیتے ہیں یعنی انسان اس کو وجود میں لاتا ہے۔ چنا نچہ ان کی دلیل واللہ بما تعملون بصیر ہے یعنی ایمان و کفر جو انسان کا عمل ہے اللہ اسے دیکھتا ہے۔ یہ اللہ کے اعمال نہیں ہیں۔ پس پہلی صورت میں فافصلیہ ہوگا اور دوسری صورت میں تعقیبہ ہوگا۔ آیت فطرة الله التي فطر الناس علیہا اور حدیث کل مولود یولد علی الفطرة اهل سنت کی تائید کرتی ہے۔ اور حدیث ان احدکم یعمل بعمل اهل الجنة حتی ما یکون بینہ و بینہا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اهل النار فیدخلہا وان احدکم فیعمل بعمل اهل النار حتی ما یکون بینہ و بینہما الا ذراع فیسبق علیہا الکتاب فیعمل بعمل اهل الجنة فیدخلہا۔ حاصل یہ ہے کہ اعمال میں دو نسبتیں ہوتی ہیں۔ اللہ کی طرف ان کو موجود کرنے کی اور بندوں کی طرف ان کو عمل میں لانے کی پہلے کو مخلوق اور دوسرے کو کسب کہا جاتا ہے۔

فاحسن صورکم۔ سورہ تین میں ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اور دلیل اس کے احسن ہونے کی یہ ہے کہ انسان کسی دوسری مخلوق کی شکل اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ نیز انسان کا مستقیم ہونا امتیاز خصوصی ہے۔ انسان کیسا ہی کریمہ۔ انظر ہوا جو انوروں سے بہتر ہی سمجھا جائے گا۔

وبال۔ وبال کے معنی بوجھ کے ہیں۔

وبیل۔ اس کھانے کو کہتے ہیں کہ جو معدہ پر بار ہو وابل بوجھل بارش عقوبت اور سزا کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں ثقل معنوی ہوتا ہے۔

البشر۔ ہمزہ انکاری ہے اور بشر فعل مضمر کا فاعل ہے۔ ای یھدو فنا بشر اور چونکہ بشر اسم جنس ہے اس لئے ضمیر جمع لانا بھی صحیح ہوگا۔

زعم الذین۔ زعم دو مفعول کی طرف متعدی ہے جن کے قائم مقام ان لن یبعثوا ہے۔ ان سے مراد اہل مکہ ہیں۔ جیسے ابو حیانؒ کی رائے ہے اور قل ملی بھی اس کا قرینہ ہے، اس لئے اس سے الذین کفروا من قبل مراد لینا مناسب نہیں ہے۔

یوم بمعکم۔ یہ ”لنموت“ کا ظرف ہے اور درمیان میں جملے معترضہ ہیں یا یوم کو اذکر کا مفعول کہا جائے۔ قیامت کا دن سارے عالم کے اجتماع کا دن کا ہوگا۔ اس لئے یوم الجمع کہا ہے۔

یوم النغبان۔ مفسر نے یغین المومنون سے اشارہ کیا ہے کہ باب تفاعل اپنے معنی میں نہیں ہے، کیونکہ کافر کی جنتی جگہ چھن جانے سے تو اس کا غبن ہوگا، لیکن مومن کی دوزخی جگہ کافر کو مل جانے سے مومن کا غبن نہیں ہے، غبن باب ضرب سے ہے۔

یھد قلبہ۔ مصیبت کے وقت انا اللہ کہے اور صبر کرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ انشراح قلب کے ساتھ مزید طاعت میں لگ جائے یا ہدایت سے مراد یہ یقین کرنا کہ جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جو مقدر میں نہیں وہ آنہیں سکتی۔

فان تولیتم۔ جواب شرط مقدر ہے۔ ای فلا ضرر ولا یاس۔ اور فانما علی رسولنا مخرؤف کی علت ہے۔

فلیتوکل۔ توکل اخلاق کے بلند مقام میں سے ہے حدائق نہیں ہے۔ التوکل هو الثقة بما عند الله و بالیاس مما فی یدئ الناس۔ اور بظاہر امر سے وجوب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن توکل کے بھی درجات ہیں۔ عوام و خواص سب اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے مکلف ہیں۔

فاتقوا الله۔ مفسر اس کو ناخ کہہ رہے ہیں۔ جیسا کہ قتادہؒ، ربیعؒ، ابن الحسن اور سدی کی رائے ہے۔ لیکن ابن عباسؒ دونوں آیات کو محکم فرماتے ہیں اور آیت نساء میں تقاتہ کی ضمیر اللہ کی طرف نہیں بلکہ تقویٰ کی طرف ہے۔ اور حق تقویٰ بقدر استطاعت مراد ہے۔ پس دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا۔ ممکن ہے اول وہلہ میں صحابہ نے آیت نساء کا مفہوم ظاہری سمجھا ہو اور اس سے پریشان ہو گئے ہوں اور پھر دوسری آیت نازل ہونے پر اس کو صحیح سمجھ لیا ہے۔

خیر الکم۔ مفسر ابو عبیدہؒ کا اتباع کرتے ہوئے یکن مقدر کی خبر مان رہے ہیں۔ لیکن یہ ترکیب نادر ہے۔ کیوں کہ کان مع اسم کے محذوف ہے

اور اس کی خبر موجود ہے۔ بیان اور لو کے بعد ہوا کرتا ہے۔ اس جملہ کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ سیوہ کی رائے یہ ہے کہ فعل محذوف کا یہ مفعول ہے ای ایوا خیراً لا نفسکم۔

۲۔ تقدیری عبارت یکن الانفاق خیر الکلم ہو یعنی خیراً یکن کی خبر جیسا کہ ابو عبیدہ اور مفسر کی رائے یہ ہے۔

۳۔ کسائی اور فراء کے نزدیک یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای انفاقا خیراً۔

۴۔ کو فیوں کے نزدیک حال ہے۔

۵۔ انفقا کا مفعول کہا جائے۔ ای انفقا مالا خیر ابضاعہ۔ ابن کثیر اور ابن عامر کے نزدیک باب تفعیل سے مشدو ہے۔

رابط آیات: سورۃ منافقین کے اخیر میں آخرت کی ترغیب اور اس کے چھوڑنے پر ترہیب تھی۔ اس سورت میں آخرت اختیار کرنے اور چھوڑنے والوں کی جزاء و سزا کا بیان ہے اور اسی سابقہ مضمون ترغیب و ترہیب کی تکمیل ہے۔ اور چونکہ پچھلی سورتوں میں مشرکین، منافقین، مؤمنین کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے بھی اس سورت کو خاص طور سے سب سورتوں سے ربط ہے۔

شان نزول و روایات: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت یا ایہا الذین امنوا ان من ازواجکم الخ ان اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ مگر ان کی بیویاں اور اولاد مانع ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے حاضر ہو کر جب دیکھا کہ لوگوں نے بہت کچھ احکام حاصل کر لیے ہیں تو انہیں غصہ آیا اور ان بیوی بچوں کو سزا دینی چاہی۔ تو پھر ان تعفو کا حکم نازل ہوا۔ لیکن ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک انجعی کے متعلق مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ اہل و عیال والے تھے، جب انہوں نے غزوہ بدر میں جانے کا ارادہ کیا تو سب رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں۔ عوف نے حضور ﷺ سے صورت حال عرض کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: هو الذی خلقکم۔ یعنی اللہ ہی نے سب آدمیوں کو پیدا کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سب اسی پر ایمان لاتے، مگر ہوا یہ کہ بعض پھر گئے، اور بعض ماننے والے رہے۔ بے شک اللہ نے انسان میں دونوں راستوں کی صلاحیت رکھی ہے۔ تاہم اس نے سب کو صحیح فطرت پر پیدا کیا۔ پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے ماحول سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی۔ اگرچہ ان دونوں کا علم اللہ کو پہلے سے تھا کہ کون کس طرف جائے گا۔ اور اسی کے مطابق انعام یا سزا کا مستحق ہوگا۔ یہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہو گا پس اللہ کے اس علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کے اختیار و ارادہ کی قوت باقی نہ رہے۔ اور وہ یہ کہہ کر صاف بچ نکلنے کی کوشش کرے۔ کہ میں کیا کروں۔ میں تو قسمت کا مارا مجبور تھا۔

انسان ”عالم صغیر“ اور خلاصہ کائنات ہے: فاحسن صور کم۔ صورت شکل میں یہی انسان سب سے بہتر ہے اور دماغی اور قلبی ملکات اور باطنی قوتوں میں یہی سارے عالم سے ممتاز بلکہ سارے جہاں کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اسی لئے اہل حقیقت اس کو ”عالم صغیر“ کہتے ہیں۔ فقوالوا۔ یعنی پچھلی قوم کے ناجاروں نے پیغمبروں کے جواب میں بس یہی کہا کہ کیا ہمارے ہادی ہم جیسے ہی بھیجے گئے ہیں۔ اللہ کو اگر بھیجتا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجا ہوتا۔ گویا وہ رسول ہونے کو انسان ہونے کے خلاف سمجھتے تھے، اسی لئے پیغمبروں کی باتیں ان کے گلے نہیں اتریں، تعجب ہے آنحضرات پر جو اس آیت سے رسول کو بشر کہنے والوں کے کفر کا اثبات کرتے ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ آیت اس کے برعکس ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسول کے بشر ہونے کا انکار کر دیں۔ تاہم کسی کی تکفیر میں یہ بڑی احتیاط کرنی چاہئے

کیونکہ اسلام میں داخل کرنے کی اگر ہمیں سعادت حاصل نہیں ہو سکتی تو کم از کم اسلام سے نکالنے کی خدمت تو انجام نہ دیں۔
ذکر یوم النغبہ۔ یعنی قیامت ہار جیت کا دن ہوگا۔ ہارنا تو یہ ہوگا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے زاس المال بھی گنوا بیٹھے۔ اور
جیتنا ہی ہے کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے۔

قناعت ہی سے بڑی دولت و سلطنت ہے..... ما اصاب من مصیبة۔ دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ کی مشیت سے ہوتی ہے، مسلمان کا جب اس پر پختہ یقین ہے تو پھر کسی مصیبت پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ راضی رہنا چاہیے۔ اللہ مومن کے دل کو صبر اور تسلیم و رضا کی خود سے دیتا ہے۔ جس سے عرفان کی راہیں کھل جاتی ہیں اور ملک قناعت حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ جو تکلیف و مصیبت اللہ نے بھیجی ہے وہ عین حکمت ہے، وہی جانتا ہے کہ کون تسلیم و رضا کی راہ پر چلا اور کس کا ظرف اسرار و حکم کی صلاحیت رکھتا ہے۔

واطیعوا اللہ۔ ہر حال میں خواہ خوشی ہو یا غم، اللہ و رسول کا حکم مانو۔ پیغمبر تو نیک و بد سب سمجھا کر اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب اپنے نفع و نقصان کو خود سوچو۔ اللہ کو تمہاری اطاعت یا نافرمانی سے کوئی نفع نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پھر لائق بندگی صرف اسی کی ذات ہے۔ نہ کوئی اور بندگی کے لائق ہے اور نہ کوئی بھروسہ کے قابل ہے۔

ان من ازواجکم۔ انسان بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر کبھی کبھی اللہ و رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ بلکہ ان بندھنوں میں جکڑ بند ہو کر بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے اور برائیوں میں پڑ جاتا ہے اور ان کی بے جا فرمائشوں کا طومار کسی وقت دم نہیں لینے دیتا اور اسی چکر میں پڑ کر انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ پس ایسے اہل و عیال ظاہر ہے کہ انسان کے لئے پھندہ ہیں۔ وہ حقیقی دوست نہیں بلکہ جنجال ہیں۔ اور ایسے دوست نما دشمن ہیں۔ جن کی دشمنی کا بسا اوقات احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ ذرا ہوشیار رہو اور ایسے رویہ سے بچو کہ جن میں دنیا تو سنورے یا نہ سنورے مگر عقبی یقیناً برباد ہو جائے۔ اس آیت کے مفہوم میں نیک بیویاں اور صالح اولاد داخل ہیں۔ وہ تو غیر مترقبہ ہیں۔ اس لئے من ازواجکم فرمایا۔ جس میں من تبعضیہ اسی فرق کو ظاہر کر رہا ہے۔

وان تعفوا۔ یعنی ہر چند کہ ایسے اہل و عیال دشمن ہیں۔ لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہونا چاہئے کہ تم ان کے انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اس سے خانگی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک شرع اور عقل اجازت دے۔ ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرو۔ اللہ ہی اس مہربانی کے بدلہ تم پر مہربانی فرمائے گا۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے یقیناً بندہ ان کو معاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اول تو شرعاً عقلاً گنجائش ہونے کی قید لگا دی ہے۔ اس لئے شبہ نہیں رہتا، دوسرے ان حقوق کی معافی تو اللہ سے متعلق ہے۔ اگرچہ تعفوا و تصفحوا و تغفروا میں بندوں کی طرف اسناد مجازی ہے۔ گویا یوں کہنا چاہئے تھا۔ لم تعاقبوا لم تشربوا ولم تحقدوا انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ یعنی اہل و عیال میں اللہ آزمائش کرتا ہے کہ کون فانی چیزوں میں پھنس کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے اور کس نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔

اطاعکسلوک۔ ومن یومن باللہ یهد قلبہ۔ اہل حال کے مال کا اس میں اثبات ہو رہا ہے۔

فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلوک و تربیت و اصلاح میں تدریجی رفتار سے چلنا کافی ہے۔

سُورَةُ الطَّلَاقِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ الْمُرَادُ وَأُمَّتُهُ بِقَرِينَةٍ مَا بَعْدَهُ أَوْ قُلْ لَهُمْ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ أَرَدْتُمْ فَطَلَقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ لَا وَلَهَا
بِأَنْ يَكُونَ الطَّلَاقُ لَمْ تُمْسَ فِيهِ لِتَفْسِيرِهِ بِذَلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ احْفَظُوا التَّرَاجُعَ قَبْلَ فَرَاغِهَا
وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ أَطِيعُوهُ فِي أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يُخْرِجَنَّ مِنْهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ
عِدَّتُهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ زَنًا مُبَيَّنَةٍ يَفْتَحُ الْبَيِّنَاتُ وَكَسَرَهَا أَيْ بَيَّنَّتْ أَوْ بَيَّنَّ فَيُخْرِجَنَّ لَا قَامَةَ الْحُدُودِ عَلَيْهِنَّ
وَتِلْكَ الْمَذْكُورَاتُ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ
بَعْدَ ذَلِكَ طَّلَاقًا أَمْرًا ﴿٢﴾ مُرَاجَعَةٌ فِيمَا إِذَا كَانَ وَاحِدَةً أَوْ اثْنَيْنِ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ قَارِبِينَ انْقِضَاءُ
عِدَّتِهِنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِأَنْ تَرُاجِعُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ مِنْ غَيْرِ ضَرَارٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَمْسِكُوهُنَّ حَتَّى
تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُضَارَّوهُنَّ بِالْمُرَاجَعَةِ وَاشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِنْكُمْ عَلَى الرَّجْعَةِ أَوْ لِفِرَاقٍ وَاقِيمُوا
الشَّهَادَةَ لِلَّهِ لَا لِلْمَشْهُودِ عَلَيْهِ أَوَّلُهُ ذَلِكَ يُؤْغِظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ
يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٣﴾ مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ يَخْضُرُ بَيْتُهُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ فِي أُمُورِهِ فَهُوَ حَسْبُهُ كَافِيهِ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ مُرَادُهُ وَفِي قِرَاءَةِ الْإِضَافَةِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ
كُرْحًا وَشِدَّةً قَدْرًا ﴿٤﴾ مِقَاتًا وَاللَّعْنُ بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ يَنْسَنُ مِنَ الْمَحِيضِ بِسُغْنَى
الْحَيْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ شَكَّكُمْ فِي عِدَّتِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّعْنُ لَمْ يَحْضَنْ لِيُصْغِرَنَّ
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالْمُسْلِمَتَانِ فِي غَيْرِ الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَزْوَاجُهُنَّ أَمَّا هُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ مَا فِي آيَةِ الْبَقَرَةِ يَتَرَبَّصْنَ
بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ انْقِضَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطْلَقَاتٍ أَوْ مُتَوَفَّى عَنْهُنَّ
أَزْوَاجُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٥﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ

الْمَذْكُورُ فِي الْعِدَّةِ أَمْرًا لِلَّهِ حُكْمُهُ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۖ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿۵۵﴾
 أَسْكِنُوهُمْ أَى الْمُطَلَّقاتِ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ أَى بَعْضِ مَسَاكِينِكُمْ مِنْ وَجَدْتُمْ أَى سَعَيْتُمْ عَطْفَ بَيَانٍ أَوْ
 بَدَلٍ مِمَّا قَبْلَهُ بِأَعَادَةِ الْحَارِ وَتَقْدِيرِ مُضَافٍ أَى مَكْنَةِ سَعَيْتُمْ لَا مَا دُونَهَا وَلَا تَضَارُّ وَهَنْ لَتَضَيَّقُوا
 عَلَيْهِنَّ ۖ الْمَسَاكِينُ فَيَجْتَحِنَ إِلَى الْخُرُوجِ أَى النَّفَقَةِ فَيَقْتَدِينَ مِنْكُمْ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمَلٍ فَانْفِقُوا عَلَيْهِنَّ
 يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۖ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ أَوْ لَا دَكُم مِنْهُنَّ فَاتَّوَهُنَّ أَجُورَهُنَّ عَلَى الْإِرْضَاعِ وَاتَّمَرُوا بَيْنَكُمْ
 وَبَيْنَهُنَّ بِمَعْرُوفٍ حَمِيلٍ فِي حَقِّ الْأَوْلَادِ بِالتَّوَافُقِ عَلَى أَجْرِ مَعْلُومٍ عَلَى الْإِرْضَاعِ، وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ تَضَايَقْتُمْ
 فِي الْإِرْضَاعِ فَامْتَنِعَ الْآبُ مِنَ الْأَجْرَةِ مِنْ فِعْلِهِ فَسْتَرْضِعْ لِلْآبِ لَهُ أُخْرَى ﴿۲۶﴾ وَلَا تُكْرَهُ الْأُمُّ عَلَى إِرْضَاعِهِ
 لِيُنْفِقَ عَلَى الْمُطَلَّقاتِ وَالْمَرْضِعَاتِ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قَدِرَ ضَيْقٌ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ
 بِعَاطَاةِ اللَّهِ أَى عَلَى قَدَرِهِ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا آتَاهَا ۖ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿۲۷﴾ وَقَدْ جَعَلَهُ
 بِالْفَتْوحِ وَكَأَيِّنْ هِيَ كَافُ الْحَرْدِ خَلَّتْ عَلَى أَى بِمَعْنَى كَمْ مِنْ قَرِيبَةٍ أَى وَكَثِيرٍ مِنَ الْقُرَى عَتَتْ عَصَتْ
 يَعْنِي أَهْلُهَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبْنَهَا فِي الْأَجْرَةِ وَإِنْ لَمْ تَجِءْ لَتَحْقُقْ وَقُوعُهَا حِسَابًا شَدِيدًا
 وَعَذَابُهَا عَذَابًا نَكْرًا ﴿۲۸﴾ يَسْكُونُ الْكَافِ وَضَمَّهَا فَطِيعًا وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا
 عُقُوبَتَهُ وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۲۹﴾ خَسَارًا وَهَلَاكَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا تَكْرِيمُ الْوَعِيدِ تَاكِدٌ
 فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ أَصْحَابُ الْعُقُولِ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ نَعْتَ لِلْمُنَادِي أَوْ بَيَانٌ لَهُ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ
 ذِكْرًا ﴿۳۰﴾ هُوَ الْقُرْآنُ رَسُولًا أَى مُحَمَّدًا مَنْصُوبٌ يَفْعَلُ رَأَى وَأَرْسَلَ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ
 يَفْتَحُ الْيَاءُ وَكَسْرُهَا كَمَا تَقَدَّمَ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بَعْدَ مَجِيءِ الذِّكْرِ وَالرَّسُولِ مِنْ
 الظُّلُمَاتِ الْكُفْرِ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِ إِلَى النُّورِ الْإِيمَانِ الَّذِي قَامَ بِهِمْ بَعْدَ الْكُفْرِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ
 صَالِحًا يُدْخِلْهُ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ
 لَهُ رِزْقًا ﴿۳۱﴾ هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ الَّتِي لَا يَنْقُطُ نَعِيمُهَا اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ
 يَعْنِي سَبْعَ أَرْضِينَ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ الْوَحْيُ بَيْنَهُنَّ بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَنْزِلُ بِهِ جِبْرِيلُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى
 الْأَرْضِ السَّابِعَةِ لِيُعَلِّمُوا مَتَعَلِّقٌ بِمَحْبُوفٍ أَى أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّزْيِيلِ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
 ﴿۳۲﴾ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۳۳﴾

اے پیغمبر مرد! آپ اور آپ کی امت ہے جیسا کہ بعد میں جمع کے صیغوں سے معلوم ہو رہا ہے یا تقدیر عبارت قل لم ہے (جب تم لوگ طلاق دو) طلاق دینے کا ارادہ کرو) عورتوں کو ان کے عدت سے پہلے طلاق دے دو (عدت کے اول طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہیے جس میں مرد بیوی کے پاس نہ گیا ہو جیسا کہ حدیث شریفین میں آیا ہے) اور عدت کو یاد رکھا کرو (عدت کی نگہداشت رکھو تا کہ رجعت، عدت ختم ہونے سے پہلے ہو سکے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے (اور امر و نہی میں اس کی فرمانبرداری کرو) ان عورتوں کے ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (عدت گزرنے تک) مگر وہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں (مبینہ فحشہ یا اور کسریا کے ساتھ یعنی بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا بیان کی گئی ہو۔ پس اس صورت میں ان پر حد قائم کرنے کے لئے نکلنا ہوگا) اور یہ سب اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے تجھے معلوم نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق کے بعد کوئی بات پیدا کرے) (ایک یا دو طلاق ہونے کی صورت میں خاوند بیوی کو پھر ملا دے) پھر جب عورتیں عدت کو پہنچ جائیں (عدت گزرنے کا زمانہ قریب پہنچ جائے) تو ان کو روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) قاعدہ کے مطابق (تکلیف دیئے بغیر) یا قاعدہ کے موافق رہائی دے دو (عدت پوری ہونے تک اور رجعت کے لئے مدتاً) اور آپس میں سے دو معتبر گواہ (رجعت یا علیحدگی پر) کر لو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو (مخالف یا موافق کے لئے نہیں) اس مضمون کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان (دل میں خطرہ) بھی نہیں ہوتا اور جو شخص (اپنے کاموں میں) اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (یعنی اپنی مراد اور ایک قرأت میں ”بالغ امرہ“ مضافت کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا (جیسے خوشحالی اور تنگی، ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں (دونوں جگہ ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تم کو (ان کی عدت میں شک) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو حیض آیا ہی نہیں (کسئی کی وجہ سے) (ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔ اور یہ دونوں مسئلے اس وقت ہیں جب خاوند کا انتقال نہ ہوا ہو۔ لیکن وفات کی صورت میں ایسی عورتوں کی عدت وہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا میں بیان کی گئی ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت (خواہ وہ عورتیں مطلقہ ہوں یا ان کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو ان کی عدت کا پورا ہونا) ان کا حمل کا پیدا ہو جانا اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے (دنیا و آخرت کے) ہر کام میں آسانی کر دے گا۔ یہ (عدت میں مذکور) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دوزر کر دے گا۔ اور اس کو بڑا اجر دے گا۔ تم ان (مطلقہ عورتوں) کو (اپنے مکانات میں سے) رہنے کی جگہ دو اپنی وسعت کے مطابق (یعنی جتنی تمہاری گنجائش ہو۔ یہ عطف بیان ہے یا با قبل کا بدل ہے جار کا اعادہ کرتے ہوئے اور مضاف مقدر مان کر یعنی اپنی حیثیت کے موافق مکان دو، اس سے کم نہیں ہونا چاہیے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔ (مکان دے کر تا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا نفقہ دینے لگے۔ کہ فدیہ لینے پر تم سے مجبور ہو جائیں۔

اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لیے (تمہاری اس اولاد کو جو ان سے ہے) تو تم ان کو اجرت دو (دودھ پلائی کی) اور باہم (اپنے اور عورتوں کے درمیان مناسب مشورہ کر لیا کرو) جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔ دودھ پلانے کی اجرت طے کر کے) اور اگر تم باہم کشش کرو گے (دودھ پلانے میں تنگی برتنے لگو۔ اس طرح کہ باپ تو اجرت سے ہاتھ کھینچ لے اور ماں دودھ پلانے سے دستبردار ہو جائے) تو دوسری صورت اس (باپ) کے لئے دودھ پلائے گی (ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا) خرچ کرنا چاہیے (مطلقہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر) وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق اور جس کی آمدنی کم (تنگ) ہو اس کو چاہیے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے گا (چنانچہ فتوحات کے ذریعہ اس وعدہ کو پورا فرما دیا ہے) اور کتنی ہی (کاف جارہ) اسی بمعنی کم پر داخل ہوا ہے) بستیاں تمہیں (یعنی بہت سے بستیاں تمہیں) جنہوں نے سرتابی کی (یعنی بستی والوں نے سرکشی کی) اپنے پرور

دگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے، ہو ہم نے ان کا سخت حساب کیا (آخرت میں وہ اگرچہ ابھی آنی نہیں، لیکن یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (نکرا سکون کاف اور ضحہ کاف کے ساتھ، عذاب جہنم مراد ہے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا (تباہی اور بربادی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (دوبارہ تاکید و امید کے لئے ہے) سو اللہ سے ڈرو۔ اے سمجھ دارو (تقصدو) ایماندارو (مناوی کی صفت ہے یا اس کا بیان ہے) اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ (قرآن) بھیجا ہے ایک ایسا رسول یعنی محمد ﷺ یہ فعل مقدر کی وجہ سے منسوب ہے ای وارسل (جو تمہیں اللہ کے احکام سناتے ہیں پڑھ کر صاف صاف) فتح یا اور کسرہ کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزرا) تاکہ ایمان داروں، نیکو کاروں کو (ذکر اور رسول آنے کے بعد) لے آئیں تاریکیوں سے (اس کفر کی جس پردہ ہیں) نور کی طرف کفر کے بعد (جو انہیں ایمان حاصل ہوا ہے) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا۔ اللہ اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اچھی روزی دی (جنتی رزق جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کی طرح (سات) زمینیں بھی۔ احکام (وحی) نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب میں (آسمانوں اور زمین میں جبرئیل ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک لاتے ہیں) تاکہ معلوم ہو جائے (محذوف کے متعلق ہے۔ اے اعلمکم بذلک الخلق والتزیل) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

تحقیق و ترکیب۔ یا ایہا النبی۔ حکم اگرچہ عام ہے۔ لیکن ندا آنحضرت ﷺ کے لئے خاص ہے جس کی دو توجیہوں کی طرف توجہ مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ ایک توجیہ تو امر ادا متہ کی ہے۔ یعنی عبارت میں واو اور معطوف محذوف ہیں۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ "یا ایہا النبی وامتہ" یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے سرائیل تقسیم انحر کم کو اصل میں الحرد والبرہ تھا اور بقول صاحب کشف خطاب میں خصوصیت اس لئے ہے کہ آنحضرت ﷺ رئیس قوم تھے۔ چنانچہ رئیس قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ یا فلان افعلوا کیت وکیت حالانکہ مراد عام ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی "اذا طلقتم" صیغہ جمع کا قرینہ ہے اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ یا ایہا النبی قل لھم اذا طلقتم الخ عبارت مقدر مانی جائے اس صورت میں گویا حقیقہ مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یا ایہا النبی کی طرح اذا طلقتم کا خطاب بھی آنحضرت ﷺ کو ہے اور صیغہ جمع تعظیماً لایا گیا ہے۔

طلقتم۔ مفسر نے طلاق سے ارادہ طلاق مراد لیا ہے۔ تاکہ طلقتم کے بعد فطلقھن صحیح ہو جائے ورنہ تحصیل کا اشکال رہتا ہے۔ کیونکہ طلاق پر طلاق کیسے مرتب ہو سکتی ہے۔ اور النساء سے مدخولہ عورتیں مراد ہیں جنہیں حیض آتا ہے۔ کیونکہ حاملہ اور آنہ کا بیان آگے آ رہا ہے۔ لعدتھن ای مستقبلات عدتھن۔ جیسے کہا جائے۔ اتینہ للیلۃ فبقیت من رمضان ای مستقبلہا۔ ایک قراءت میں فی قبل عدتھن ہے یعنی ایسے وقت طلاق دو کہ عدت کا احصاء یعنی مکمل شمار ہو سکے اور یہ صورت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب طلاق عورت کے پاک رہنے کے زمانے میں دی گئی ہو۔ اور دونوں میں خاوند بیوی کے معاملات نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ پورے تین حیض عدت اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر بحالت حیض طلاق دی گئی تو پھر احصاء عدت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس حیض کو بھی طلاق میں شمار کیا جائے تو تین حیض سے کم عدت لازم آئے گی۔ اور نہ شمار کیا جائے تو عدت تین حیض سے بڑھ جائے گی۔ حالانکہ حیض تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا اگر بحالت وطی کر کے طلاق دی تو عدت تذبذب میں پڑ جائے گی کہ حاملہ ہو گئی ہو تو پھر عدت وضع حمل قرار دی جائے اور غیر حاملہ ہو تو عدت اور بھی جائے۔ غرضیکہ عورت معلقہ ہو کر رہ جائے گی نہ معتدہ کہلائے گی اور نہ شوہر والی بلکہ اوپر لٹکی رہے گی نیز مطلقہ مدخولہ ہونی چاہیے۔ نہ صغیرہ ہو اور نہ آنہ۔ اور نہ حاملہ۔ کیونکہ غیر مدخولہ کو طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہی نہیں ہوتی اور باقی عورتوں کے لئے حیض نہیں ہے۔ پس غیر مدخولہ کو تو بحالت حیض بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح

باقی عورتوں کو ہمبستری کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔ جس کی تفصیلی بحث یہ ہے کہ وطی سے خالی طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے تو یہ طلاق احسن کہلاتی ہے اور غیر موطوہ کو ایک طلاق دی جائے خواہ بحالت حیض ہی ہو۔ یا موطوہ یہ جب کہ وہ حیض والی ہو تو ایسے طہروں میں الگ الگ تین طلاقیں دینا جن میں ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ دونوں صورتیں طلاق احسن کہلاتی ہیں۔

لیکن بحالت حیض طلاق دینا یا وطی والے طہر میں طلاق دینا یا دو تین طلاقیں ایک دم طہر میں دے دینا، تینوں صورتیں طلاق بدعی کی ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک متعدد طلاقیں بدعی نہیں ہوں گی۔ بشرطیکہ بے وطی طہر میں ہوں۔ لیکن بقول صاحب کشاف امام مالک فرماتے ہیں کہ طلاق سنی صرف ایک طلاق ہے وہ تین طلاقیں کو خواہ ایک دم دی جائیں یا الگ الگ مکروہ فرماتے ہیں۔ البتہ حنفیہ ایک طہر میں ایک سے زائد طلاق کو مکروہ فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ امام مالک تو طلاق سنی میں وقت اور عدد دونوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور امام شافعی صرف ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ گناہ سے تاہم واقع ہو جائے گی۔ سعید بن المسیب اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی امام محمد امام ذفر کے نزدیک حاملہ سنی طلاق ایک ہی دی جائے۔ نیز ہمارے نزدیک صحیح روایات میں مدخول کو طلاق بابت دینا مکروہ ہے۔ بہر حال حنفیہ کے نزدیک ”اعدتھن“ سے مراد حیض ہے جیسا کہ شان نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک طہر کے معنی ہیں اور ”فطلقوهن لعدتھن“ کے معنی فنی عدتھن کے ہیں۔ لام وقتیہ ہے اور وقت طلاق بالا اتفاق طہر ہے۔ اس لئے وہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مطلقہ کی عدت تین طہر ہیں۔ آیت ”ثلاثہ قررہ“ کے معنی بھی طہر ہی کے لیتے ہیں۔ تفصیلات سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور احصاء العدد مردوں کو مخاطب احتیاطاً کیا گیا ہے کیونکہ عورتیں کم سمجھ ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ احصاء نہ کر سکیں غرضیکہ عدت میں احتیاط کی تاکید مقصود ہے کہ عورت کی حق تلفی نہ ہو اور انہیں ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

آیت میں دوسرا مسئلہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ زنا نہ عدت میں عورت شوہر کے مکان سے بلا مجبوری نہ خود نکلے اور نہ شوہر وغیرہ اس کا نکالیں۔ البتہ عورت سے بدکاری، چوری سرزد ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ اس وقت عورت کو باہر نکالا جاسکتا ہے۔ یا ”ایمان فاحشہ“ سے مراد بطور مبالغہ عورت کا باہر نکلنا ہوا ہو۔ یعنی عورت بے ضرورت باہر نکلے گی۔ تو یہ بھی فاحشہ شمار ہوگا۔ بہر حال معتدہ کے لئے سکنی کا ضروری ہونا آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور یہ عورت کو اس مسکن میں سکونت کی پابندی کرنی چاہیے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ”باب العدة“ فرماتے ہیں۔ علی ان تخرج المطلقة من البیت اور فرمایا۔ کہ الفاحشة نفس الخروج و قيل الزنا فيخرجن لا قامة الحدو المعنى باعتبار الخروج والثاني باعتبار الاخراج ثم صرح في بيوتهن بان البیت المضاف اليها و هو الذى تسكنه فعليها ان تعتد في المنزل الذى تضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت لهذه الایۃ۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے باب الرجعت میں امام زفر پر رد کرتے ہوئے فرمایا لا يجوز المسافرة بالمطلقة الرجعية حتى يشهد الى رجعتها لقوله تعالى ولا تخرجوهن من بيوتهن الاية و ذلك لانه لم يمنع الاخراج للزوج مطلقا والمسافرة نوع من الاخراج علم ان المسافرة بها ممنوعة وانما جوزنا بالاظهار۔ اور صاحب مدارک کہتے ہیں کہ بیوت کی اضافت عورتوں کی طرف سکنی کے لئے ہے، ملک کے لئے نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سکنی واجب ہے۔

کوئی اگر یہ حلف کرے کہ میں اپنے مکان میں داخل نہیں ہوں گا۔ تو اس صورت میں بھی حائث ہو جائے گا جب کہ دوسرے کے مملوہ مکان میں سکونت رکھتا ہو اور اس میں داخل ہو جائے۔ نیز عورت کے اس سکونی مکان پر زبردستی قبضہ کرنے کی صورت میں بھی اخراج کہلائے گا۔ یعنی جائز نہیں ہے۔ اور الفاظ بیت منزل دار میں جو فرق ہے اس کے پیش نظر آیت میں من بیوتھن کہنے اور من دو دھن یامن منا زلھم نہ کہنے میں یہ اشارہ نکلتا ہے کہ صرف سکنی سے رجعت کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ اور بگڑا ہوا گھر پھر بن جائے۔ یا اس جملہ کو مستأنفہ کہا جائے۔ اور صاحب کشاف اور صاحب مدارک کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کا تعلق پہلے پورے بیان سے ہے۔

مبینه۔ ابن کثیر ابو بکر کے نزدیک فتح کے ساتھ ہے یعنی کھلی ہوئی بدکاری اور دوسرے قراء کے نزدیک کسریا کے ساتھ ہے یعنی ظاہر کرنے والی عورت کی بدکاری۔ اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق رجعی یا بائنہ کی صورت میں بالکل بہرہ نکلتا چاہیے البتہ عدت وفات ہو تو دن میں محنت مزدوری کے لئے احتیاط اور پردہ کے ساتھ باہر جاسکتی ہے۔ رات مکان عدت میں ہی گزارنی چاہیے۔ نیز طلاق بائنہ کی صورت میں مرد بھی اگر اسی مکان میں رہے تو مرد و عورت کے درمیان پردہ رہنا چاہیے۔ بلکہ ایسی عورت بھی اگر ساتھ رہے تو بہتر ہے جو عورت مرد کو حرام کاری سے روک سکے۔ لیکن مرد اگر آزاد منش ہو یا گھر تنگ ہو تو پھر مرد کو باہر ہی رہنا چاہیے۔

تیسری بات ان آیات میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ مرد خواہ مخواہ جاہلیت کے دستور پر عدت کو طول نہ دے۔ بلکہ زمانہ عدت میں اگر باہمی ملاپ کرنا مصلحت سمجھے تو حسن سلوک کی نیت سے رجعت کر لے۔ ورنہ عدت پوری ہوتے ہی عورت کو خوبصورتی سے رخصت کر دے یعنی مہر متعدد دے کر اور حقوق پورے ادا کر کے الگ کر دے۔ "فامسکوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف" میں یہ دونوں پہلو ذکر کر دیئے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے بہت سے مواقع پر اس کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ ان کے باب العنین میں ہے لما فوت الامساك بالمعروف فینوب القاضی منابة فی السیریح بالا حسان۔ علیٰ ہذا باب اللعان میں کہا لما عجز عن الامساك بالمعروف باب القاضی منابة فی التسیریح بالا حسان۔

واشہد ذوی عدل منکم یعنی وہ مسلمان منصف مزاج آدمیوں کی گواہی کرلو۔ اور قوادہ کہتے ہیں کہ دو آزاد گواہوں کو رجعت پر شاہد بنانا مراد ہے۔ تاکہ آئندہ بدکاری کی تمہت نہ رہے۔ یہ حکم بھی آیت اشہدو ۱۱ ذاتیابنعم کی طرح استحباب پر محمول ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کی ایک روایت کے مطابق واجب ہے۔ صاحب ہدایہ نے باب الرجعة میں تصریح کی ہے۔ ولنا اطلاق النصوص عن قید الاشهاد۔ پھر آگے چل کر کہا۔ وما تلاہ محمول علیہ الا ترى انه قرنہا بالمغاربة وهو فیہا مستحب اور تفسیر زاہدی میں ہے کہ آیت میں گواہ بنانے کو امساك اور مفارقت کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اور مفارقت بغیر گواہی کے صحیح ہے۔ اسی طرح امساك بھی بغیر رجعت بھی بغیر گواہ صحیح ہو فی چاہیے۔ اور صاحب اتقان کہتے ہیں کہ آیت ماندہ ذوی عدل منکم اور اخرا من غیر کم اس آیت اشہد واذوی عدل کے ذریعہ منسوخ ہے۔ یعنی اب ذمی کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ لیکن پہلی آیت کا تعلق وصیت سے ہے اور اس آیت کا تعلق رجعت سے ہے۔ اس لئے صاحب اتقان کا بیان شافعی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوا کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت اگرچہ رجعت کے بیان میں ہے مگر الفاظ عام ہیں۔

واقیموا الشہادۃ للہ۔ اس میں پچھلے کلام کی روش تبدیل ہو گئی۔ یہاں گواہوں کو خطاب ہے۔ گواہی خالص خدا کے لئے ہونی چاہیے کسی کی جانب داری یا رعایت۔ پیش نظر نہیں ہونی چاہیے۔ ذلکم یو عظم بہ من کان یومن باللہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ فشار شرائع احکام کے مکلف نہیں ہیں۔

بالغ امرہ۔ جمہور کے نزدیک بغیر اضافت کے اور خفض کے نزدیک اضافت کی صورت میں ہے۔ واللأئی یسن۔ اکثر قراء کے نزدیک ہمزہ اور یا کے ساتھ ہے اور ورش اور بزمی کے نزدیک بغیر یا کے ہے مطلقہ حائضہ کی عدت اور عدت وفات کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں غیر حائضہ کی عدت کا بیان ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں۔ حیض نہ آنا کسنی کی وجہ سے ہوگا۔ یا کبرسنی کی وجہ سے یا حاملہ ہونے کی وجہ سے پہلی دونوں صورتوں میں عدت تین مہینے ہوگی۔ اور تیسری صورت میں وضع حمل عدت ہوگی۔ سن ایاس میں اختلاف ہے بعض نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال مانا ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ جب حیض کی بندش ہو جائے۔ عمر خواہ کچھ ہو۔ ان اربعہ میں غیر حائضہ کی عدت میں شک مراد ہے۔ یا سن ایاس پر عورت پچپن کے بعد خون میں شبرہ کرنے لگے کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اور بقول کشاف و مدارک کی جب شک کی حالت میں تین ماہ عدت ہے تو بلا شک یہ عدت بدرجہ اولیٰ ہوگی اور کم سن کی وجہ سے غیر حائضہ کا حکم

والانی لم یحصن میں بیان کیا گیا ہے جس میں کس بھی داخل ہیں اور وہ عورت بھی جو سن بلوغ کو پہنچ گئی۔ مگر حیض ابھی نہیں آیا، صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ وان كانت لا تحيض من صغر واکبر فعلتها ثلثة اشهر۔ لقوله تعالى واللاهی ینسن من الایة وکذا التی بلغت بالسن

ولم تحصن باخر الایة۔ صاحب ہدایہ کی ظاہری عبارت سے اگرچہ مفہوم ہوتا ہے کہ کس کبیر اسن کی طرح آیت اللاهی ینسن میں داخل ہے۔ لیکن امان نظر سے دیکھا جائے تو بالغہ بالسن کی طرح کس آیت اللافی لم یحصن میں داخل ہے۔ آیت میں لف و نشر اس کا قرینہ ہے بہر حال مہینوں سے عدت کا ہونا اس کی دلیل ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے کیونکہ حیض نہ ہونے کی وجہ سے ہی عدت مہینوں میں تبدیل ہوگئی۔ ورنہ حائضہ کی عدت تو حیض سے شمار ہوتی ہے۔ گویا آزاد عورت جو سن نساء کم کا مصداق ہے اس کا ہر مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہوا۔ اسی آئہ باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگئی۔ کیونکہ حیض میں تو تجوی ممکن نہیں۔ مگر مہینوں میں تجوی ہو سکتی ہے۔ واللاهی لم یحصن مبتداء ہے۔ مفسر نے اس کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جملہ ”فعلتہن ثلثة اشهر“ کی بجائے مفرد محذوف مانا جائے۔ مثلاً فکذلک یا مطلقہن اور سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ اللاهی لم یحصن کو اللاهی ینسن پر عطف کیا جائے اور دونوں کی خبر فعلتہن ثلثة اشهر ہے۔

واولات الاحمال۔ یہ مبتداء ہے۔

اجلہن۔ مبتداء ثانی ہے جس کی خبر ان یضعن ہے۔ پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہے۔ اس میں تیسری حالت حاملہ کا بیان ہے۔ عورت آزاد ہو یا باندی، مطلقہ ہو یا متونی عنہا الزوج ہو چاروں صورتیں اس میں آجاتی ہیں۔ کیونکہ یہ آیت طلاق آیۃ بقرۃ والذین یتوفون الخ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ عموم اگرچہ دونوں آیتوں میں ہے لیکن بعد میں نازل ہونے کی وجہ سے آیت طلاق کے عموم کو ترجیح دی جائے گی۔ تاکہ ممکنہ حد تک دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ غیر حاملہ کی عدت وفات چار مہینے دس دن ہوگی۔ اور حاملہ کی عدت طلاق و وفات دونوں وضع حمل ہوں گی۔ بیضاوی نے اس کی وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ اول تو اولات الاحمال کا عموم ذاتی ہے۔ اور ازواج کا عموم عرضی ہے۔ دوسرے آیت طلاق میں حکم معطل ہے برخلاف آیت بقرہ کے۔ نیز سبیحہ بنت الحارث کے شوہر کے انتقال سے چند روز بعد ہی بچہ پیدا ہو گیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے عدت ختم ہونے کا حکم دے دیا۔ چوتھے آیت طلاق موخر الزول ہے پس اس کی تقدیم تو تخصیص ہوگی۔ بقول صاحب کشاف وغیرہ ابن مسعود، ابو ہریرہ کی یہی رائے ہے۔ البتہ حضرت علی ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاملہ کو عدت وفات وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں سے جو مدت طویل ہو وہ گزارنی چاہیے۔ لیکن صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ ان كانت حاملاً فعلتها ان تضع حملها لقوله تعالى واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن اور باندی کا حکم بھی یہی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود، حضرت علی کے جواب میں فرماتے ہیں۔ لو وضعت وزوجها علی سریر لا یقض عدتها وحل لها ان تزوج۔ پھر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اذا مات الصغیر من امراته ولها فعلتها ان تضع حملها وهذا عند ابی حنیفہ و محمد و قال ابو یوسف فعلتها اربعة اشهر و عشرًا و هو قال الشافعی لان الحمل لیس بثابت النسب منه فصار كالحدیث بعد الموت لهما اطلاق قوله تعالى واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن۔ اور صاحب ہدایہ فصل نفاس میں لکھتے ہیں۔ ان العدة فی النوائین تنقضي بالا خیر من الولدین اذا لحمل المضاف الیہن اعنی قوله حملهن نعم الكل۔ غرضیکہ آئہ، کس، بالغہ بالسن کے عدت تین ماہ ہونے کا حکم بھی عام ہونا چاہیے۔ جس میں عدت طلاق اور عدت وفات دونوں آجائیں۔ آئہ کی عدت وفات تین مہینے دس دن ہیں ہماری دلیل آیت حمل ہے۔ یہی رائے ابن مسعود کی ہے۔ آیت حمل خاص نہیں ہے بلکہ سورہ طلاق میں جن کا ذکر ہے سب کو عام ہے۔ لیکن امام زاہد کی تفسیر ہے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ مطلقہ کی عدت کے ساتھ خاص ہے۔ طلاق ہی کی صورت میں یہ عدت ہوگی اور مطلقہ بھی مدخولہ ہونی چاہیے اور عدت وفات عام ہے جس میں ذوات الحیض، آئہ صغیرہ مدخولہ سب داخل ہیں اور حاملہ کی عدت نسب سے زیادہ عام ہے

جس میں حائضہ، آنکھ، صغیرہ، مدخولہ، غیر مدخولہ عدت و فاق، طلاق سب آجاتی ہیں۔ لہذا عدت تین طرح کی ہوگئی۔ خاص، عام، اعم۔ اسکوہن من حیث سکنتم۔ اس آیت میں چند مسائل ہیں۔

۱۔ عدت طلاق میں سکنی واجب ہے اور وہ حسب حیثیت ہوگا۔ من حیث میں من تبغیضہ ہے ای بعض مکان۔ جیسے بغضوا من ابصارہم ای بغض ابصارہم۔ قنادرہ کہتے ہیں کہ ایک ہی مکان ہو تو اس کے کچھ حصہ میں معتدہ رہ سکتی ہے اور رازی کہائی کی رائے ہے کہ من صدکا ہے۔ یعنی ایک ہی جگہ دونوں کو رہنے کی اجازت ہے۔ انھوں نے اور ابوالبقاء من ابتدائہ مانتے ہیں۔ یعنی جس طرح تم رہتے ہو معتدہ کو اسی طرح رکھو۔ من وجدکم صاحب کشف کے نزدیک من حیث سکنتم کا حلف بیان ہے اور ابوالبقاء بدل مانتے ہیں۔ اور من وجدکم میں من بیان یہ ہے جیسا کہ صاف کشف کی رائے ہے۔ فخر الاسلام نے اقسام السنہ میں ذکر کیا ہے کہ اس آیت سے سکنی و نفقہ دونوں کا واجب ہوتا معلوم ہوا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اذا ادى الرجل المهر اخرجها شاء ولا يجوز لها المنع لعموم قوله اسکوہن من حیث سکنتم۔ یہ آیت اگرچہ مطلقہ کے بارے میں ہے۔ منکوحہ کے متعلق نہیں ہے۔ تاہم لفظ عام ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے گا۔

۲۔ مطاقہ حاملہ کا نفقہ بھی واجب ہے۔ وان کف اولات حمل فانفقوا علیھن۔ بچہ کی رعایت کے پیش نظر نہ نفقہ رکھا گیا۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مطاقہ رجبیہ، بانہ کے لئے بھی یہ نفقہ ضروری ہوگا عورت کے محبوس رہنے کی وجہ سے اور للمطلقات متاع بالمعروف کی رو سے۔ اور ان سے سکنی بھی ضروری ہوگا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی کے نزدیک اس آیت کی رو سے صرف حاملہ کے لئے نفقہ ضروری ہے۔ جیسا کہ بیضاوی اور مدارک اور ہدایہ باب النفقہ میں ہے۔ لیکن حسن کے نزدیک مطاقہ بانہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔

فاطمہ بنت قیس کو طلاق ملنے ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لا سکنی لک ولا نفقہ۔ ہماری دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ فرمایا تھا۔ لا ندع کتاب ربنا ولا سنة نبينا بقول امرأة لا ندرى صدقت ام كذبت حفظت ام نسيت سمعت النبی ﷺ يقول لها السکنی والنفقہ۔ صاحب کشف نے کہا ہے کہ چونکہ وہم ہو سکتا تھا کہ کہیں حاملہ کا زماہ عدت طویل نہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے زائد مدت ساقط ہو جائے۔ اس لئے اللہ نے حاملہ کی قید لگائی، تخصیص مقصود نہیں ہے۔ لیکن حاملہ کی عدت و فاق کتنی ہے، اس میں اختلاف ہے ایک جماعت غیر حاملہ پر قیاس کرتے ہوئے کہتی ہے کہ حاملہ کے لئے عدت نہیں ہے۔ اور حضرت علیؓ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے۔

۳۔ طلاق اگر بچہ کو پانادودھ پلائے تو فان ارضعن لکم فاتوہن اجورہن کی وجہ سے اس کے لئے اجرت ہے۔ لیکن ذمہ کی وجہ سے امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ نفقہ میں مرد کے حال کی رعایت کی جائے گی۔ کرنی کا قول بھی یہی ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک مرد و عورت دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی۔ خصاف نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

چنانچہ ابوخیان کی بیوی ہندہ کو آپ نے یہ کہہ کر اجازت دی تھی۔ خذی من مال زوجک ما یکفیک و ولدک جس سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے حال کی رعایت فرمائی۔ اور آیت کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ فی الحال مرد کو وسعت کے مطابق مکلف کر دیا گیا ہے۔ لیکن بقیہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔ صاحب ہدایہ نے باب النفقہ میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ لیکن صاحب کشف و مدارک نے مطاقہ اور مرد و عورت کے حق میں عام مانا ہے۔

بہر حال ماں پر بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ باپ کی ذمہ دودھ پلانے والی مقرر کرنا واجب ہے۔ الا یہ کہ باپ محتاج ہو۔ یا بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئے۔ تو پھر منکوحہ ہونے اور طلاقہ رجبیہ ہونے کی صورت میں اور ایک روایت کے مطابق مطلقہ بانہ کی صورت میں بھی بلا اجرت ماں دودھ پلائے۔ البتہ عدت کے بعد اپنے بچہ کو دودھ پلانے۔ اسی طرح دوسری بیوی کا بچہ ہو تو دونوں صورتوں میں اجرت لے سکتی ہے۔ نیز اجرت کے سلسلہ میں دوسری عورت کے مقابلہ ماں کو ترجیح دی جائے گی۔ الا یہ کہ زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے اور عدت کے بعد ماں کا مستحق

اجرت ہونا فان ارضعتکم کی فاء سے سمجھ میں نہورہا ہے۔ کیونکہ وضع حمل کے بعد فاء آئی ہے اور وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عدت کے بعد ماں کو اجرت دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ وہ مثل لحمیہ کے ہوگئی ہے۔ اس سے مطلقاً دودھ پلانے والی کی اجرت کا جواز نکل آیا۔ البتہ آیت میں لفظ اجور ہے۔ اب آیا کھانا کپڑا بھی اجرت شمار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ تو اعتماساً اجازت دیتے ہیں۔ لیکن صاحبین قیاس طاہر کی رو سے ناجائز کہتے ہیں۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ آیت سورہ بقرہ و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف کو دودھ پلانی کی اجرت پر محمول نہ کیا جائے لیکن اگر یہ آیت اجرت پر محمول کی جائے۔ جیسا کہ فخر الاسلام بزدویؒ وغیرہ کی رائے ہے۔ جس کا ذکر اشارہ انص کی بحث میں ہے تو پھر امام اعظمؒ کی کھلی دلیل ہو جائے گی۔

دودھ پلانی کی اجرت سے متعلق چند جزئیات یہ ہیں۔

- ۱۔ فقہی کتابوں میں صراحت ہے کہ ان کو بچہ کو نہلانے، کپڑے دھونے اور کھانے کا بندوبست کرنا ضروری ہے اور یہ کلی خرچہ بچہ کے باپ پر ہوگا۔
 - ۲۔ ہاں مدت رضاعت کے بعد بکری وغیرہ کا دودھ پلائے یا غذا کا انتظام کرے تو اس کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہوگی۔
 - ۳۔ اور ان کا شوہر اپنے مکان میں اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ بچہ کے باپ کے مکان پر رہتے ہوئے نہیں کر سکتا۔
 - ۴۔ لیکن بچہ کا باپ اگر دودھ پیاری کے شوہر کو اس کے اپنے مکان پر بھی صحبت کی اجازت نہ دے تو دودھ پیاری کا شوہر اجارہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔
 - ۵۔ اسی طرح اگر ان کا بیار پڑ جائے یا حاملہ ہو جائے تو بچہ والے بھی اجارہ منسوخ کر سکتے ہیں۔
- من قریۃ مجاز مرسل کے طریقہ پر محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔ اور اعد اللہ کی ضمیر جمع اہل قریہ کی طرف راجع ہوگی۔ ذکر رسول مفسر نے رسول کی نوترہ کمیوں میں سے ایک ترکیب بیان کی ہے چنانچہ ان کا خلاصہ یہ ہے۔
- ۱۔ زبان اور فارسی اس کو ذکر مصدر کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ جیسے دوسری آیت میں ہے او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیمنا۔
 - ۲۔ رسول کو بطور مبالغہ ذکر قراردے کر ذکر سے بدل مانا جائے۔
 - ۳۔ رسول بدل ہو ذکر سے حذف مضاف کے ساتھ ای النزل و اذکر رسولاً۔
 - ۴۔ رسول اس محذوف کی صفت ہو۔
 - ۵۔ رسولاً، ذکر سے بدل ہو، حذف مضاف ہو، رسولاً میں ای ذکر دار رسول اس صورت میں دار رسول، ذکر کی صفت ہوگی۔
 - ۶۔ رسولاً بمعنی رسالۃ ہو۔ اس صورت میں بغیر تاویل کے رسولاً میں بدل صریح ہو جائے گا۔ یا بقول فارسی کے بیان بھی ہو سکتا ہے باوجود نکرہ ہونے کے۔ لیکن بتلوا علیکم پر نظر کی جائے تو یہ ترکیب بعید معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ رسالت کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ الایہ کہ مجاز اختیار کیا جائے۔

۷۔ جیسا کہ مفسر نے کہا ہے کہ رسولاً فعل مقدر مری وجہ سے منصوب ہے۔

- ۸۔ رسولاً کو منصوب علی الاغواء کہا جائے ای اتبعوا والزموا رسولاً اسی طرح رسولاً کے مصداق میں راہیں مختلف ہیں۔ آنحضرت ﷺ مراد ہیں یا قرآن کریم یا جبرئیل امین ہیں۔ زبھریؒ کے نزدیک رسول ذکر سے بدل ہے۔ مراد جبرئیل ہیں کیونکہ وہی آیات اللہ تلاوت کرتے ہیں جو انزال ذکر ہے۔

ومن الارض مثلہن۔ عام قراء مثلہن کو منصوب کہتے ہیں۔ سبع معمولات پر عطف کرتے ہوئے یا فعل محذوف کا مفعول ہے۔ اسی خلق مثلہن من الارض اور قراءت شاذ رفع کی بھی ہے۔ مبتداء مؤخر کو مانتے ہوئے من الارض خبر مقدم ہے۔ آسمانوں کے سات ہونے پر تو علماء اسلام کا اتفاق ہے اور یہ کہ سب اوپر نیچے ہیں لیکن زمین کے متعلق جمہور کی رائے تو یہ ہے کہ وہ بھی آسمانوں کی طرح اوپر نیچے سات ہیں اور فاصلہ سے ہیں۔ اور سب مخلوقات آباد ہیں۔ البتہ دین و اسلام کی دعوت اوپر کے طبقہ پر رہنے والوں سے متعلق ہے۔ آثار و تقلیات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا کیا آپ ﷺ کے علاوہ کسی نبی کا نیچے طبقوں کے لئے آنا ثابت نہیں ہے۔ اس طرح اور طبقات میں آفتاب و ماہتاب علیحدہ ہیں یا ان کا نور وہاں پہنچتا ہے، علماء دونوں طرف گئے ہیں۔ ضحاک کی رائے ہے کہ یہ سب زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ساتوں زمینیں طبقات کی صورت میں ہیں۔ بلکہ یہی زمین سات ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان قطععات کے درمیان سمندر اور دریا حائل ہیں اور ان سب پر آسمان تباہوا ہے لیکن قرطبی روایات کی بناء پر جمہور کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

بیتزل الامور بینہن۔ علامہ بیہقی نے ابوالفتحی کے طریق سے ابن عباس کا اثر نقل کیا ہے اس کی سند بیہقی نے صحیح کہا۔ مگر شاذ بھی کہا ہے کیونکہ ابوالفتحی کا متابع نہیں ملا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگر اس کی مثل ابن عباس سے ثابت ہو تو کہا جائے گا کہ ممکن ہے انہوں نے اسرائیلیات سے اس کو لیا ہوگا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تخریر الناس میں اس پر بے نظر کلام فرمایا ہے۔ انہوں نے امام احمد، ترمذی کی مرفوع روایات کو ابو ہریرہ کی وجہ سے زمین کو سات طبقات پر مانا ہے۔ اور یہ کہ جس طرح آسمانوں میں اوپر نیچے کو احکام اترتے ہیں۔ اسی طرح زمین کے طبقات میں بھی اوپر کا طبقہ اصل ہے۔

اور نیچے طبقات میں تابع ہیں۔ ابن عباس کی روایت ہے۔ سید السموات السماء اللہی فیہ العرش و سید الارضین التی انتم علیہا۔ جہاں اس سے آسمان اول اور زمین اول کی فضیلت دوسرے آسمانوں اور زمینوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ ایسے ہی وہاں کے رہنے والے بھی دوسرے رہنے والوں سے افضل ہوں گے۔ اور اس زمین اول میں آنحضرت ﷺ مکرز نبوت ہیں اور شریعت اسلامیہ اصول شرائع ہے پس آپ اور آپ کی شریعت بھی سب زمینوں پر حاکم رہے گی۔ اور ابن عباس کا اثر تو اگرچہ تو اثر کو نہیں پہنچا اور نہ اس کے مضمون کو اجماعی کہا جاتا ہے۔ تاہم ایسے آثار کا انکار بھی مناسب نہیں۔ جب کہ اس آیت کے الفاظ بھی مشیر ہیں۔ ائمہ حدیث نے اس اثر کی تصحیح کی ہے، اور بیہقی نے شاذ کہنے کے باوجود صحیح مانا ہے۔ اس لئے یہ شذوذ باعث طعن نہیں رہتا۔ کیونکہ شاذ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ثقہ راوی دوسرے تمام ثقات کے برخلاف کوئی بات کہے۔ دوسرے یہ کہ کسی روایت کا راوی صرف ایک ثقہ شخص ہو۔ چنانچہ یہاں دوسری صورت ہے اور وہ تصحیح ہی میں شمار ہوتی ہے پھر اس اثر سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جلالت اور زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے لائق قبول ہے۔

رابط آیات: سورۃ تغابن کے اخیر میں بعض بیویوں اور اولاد کا دینی اعتبار سے دشمن ہونا بتلایا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ ان کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں اس دشمنی کا خیال کرنے سے کوتاہی ہوتی۔ خاص کر جب مفارقت بھی ہو جائے۔ اس لئے سورہ طلاق میں مطلقہ عورتوں اور شیر خوار اولاد کے احکام سے اس کی تلافی کر دی ہے یعنی جب جدائی کے باوجود عورتوں کے حقوق نگہداشت کا حکم ہے تو موافقت کی صورت میں یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ ان احکام ذیل میں چار جگہ چونکہ تقویٰ کا حکم اور ترغیب ہے۔ اس لئے دوسرے رکوع کو پورا مضمون اس کی تاکید میں ہے۔ اور یہ بھی بتلایا ہے کہ دنیاوی معاملات کی رعایت بھی شریعت میں ضروری ہے۔

شان نزول و روایات: امام مالک، شافعی، شیعہ، ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ سب نے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ نے بحالت حیض بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے نہایت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ لیوا جمعہا ثم یمسکھا حق لظہر ثم تحيض فطہر فان بدالہ ان یطلقہا طاهرا قبل ان یمسہا فتلک العدة التی امر اللہ ان تطلق لہا النساء۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء پڑھ کر سنائی اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حصہ طلاق دی یا دینی چائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی الا ان یا تین بفاحشة۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ الفاحشة ان تبدوا والمرأة اهل

الرجل فاذا بدت علیہم بلسانہا فقد حل لہم اخر اجہا۔ اور ابن عمر فرماتے ہیں۔ اور ابن عمر فرماتے ہیں۔ خروجا من بیتہا قبل انقضاء العدة ہو الفاحشة بعد ذلک امرا۔ فاطمہ بنت قیس کی طویل روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں انما النفقة والسكنی للمرأة علی زوجها ما كانت له علیہا رجعة اذالم یکن فلا نفقة ولا سكنی۔ لیکن جو حضرات مطلقہ ہائے اور وفات کے لئے بھی نان نفقہ مانتے ہیں۔ وہ امرا سے مراد یہ لیتے ہیں کہ شاید منجاب اللہ کوئی خاص حکم یا ناسخ آجائے۔ ومن حق اللہ عوف بن مالک اٹھنے کے صاحبزادہ سالم کو کفار نے گرفتار کر لیا۔ اور حضرت عوف حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ اہل کے کی گرفتاری اور اپنے فاقہ کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اتق اللہ واكثر لا حول ولا قوة الا بالله العظیم، چنانچہ عوف نے تعمیل ارشاد کی، یہ بھی اپنے مکان میں تھے کہ ان کے صاحبزادہ سالم نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دیکھا تو اس کے ساتھ سواوٹ بھی تھے۔ ہوا یہ کہ دشمن کی نظر بچا کر سواوٹ سمیت بھاگ آئے۔

ان اربعہ۔ محدثین کی ایک جماعت نے ابی بن کعب سے تخریج کی ہے کہ عورتوں کی عدت سے متعلقہ سورت بقرہ کی آیات جب نازل ہوئیں تو اہل مدینہ نے کہا کہ بعض عورتیں ابھی رہ گئی ہیں۔ جن کے احکام معلوم نہیں ہوئے۔ مثلاً چھوٹی بڑی عورتیں جن کو حیض نہیں آتا اور حاملہ عورتیں ان کے متعلق قرآن نازل نہیں ہوا۔ تب یہ آیات نازل ہوئی۔ اس لئے ان اربعہ سے شروع کیا۔ ورنہ اس کا مفہوم مراد نہیں ہے۔

حتی یضعن حملہن۔ اسی نفقہ کے خاص حاملہ کے لئے مخصوص ہونے پر ائمہ ثلاثہ فاطمہ بنت قیس کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لیس علیہ نفقہ فرمادیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نفقہ صرف حاملہ کے لئے ہے۔ لیکن حنفیہ اس روایت کو مخدوش مانتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حدیث ظاہر کیا ہے اور آیت میں قید حمل احترازی نہیں ہے۔

ومن الارض مملہن۔ عن ابی ہریرۃ قال بینما نبی اللہ ﷺ جالس واصحابہ اذا نبی علیہم سحاب فقال النبی ﷺ هل ما تدریون ما هذا؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال هذه العنان هذه روايات الارض يسوقها اللہ الى قوم لا يشكرون ولا يدعونہ ثم قال هل تدریون ما فو تکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فانما الرقیع سقی محفوظ و موج مکفوف ثم قال هل تدریون ما بینکم و بینہا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال بینکم و بینہا خمس مائة ثم قال كذلك قال هل تدریون ما فوق ذلک قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال سماء ان بعد ما بینہما خمس مائة سنة ثم قال كذلك حتی عد سبع سموات ما بین کل سمائین ما بین السماء والارض ثم قال هل تدریون ما فوق ذلک قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ان فوق ذلک العرش و بینہ و بین السماء بعد ما بین السمائین ثم قال هل تدریون ما الذی تحکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال انها الارض ثم قال هل تدریون ما تحت ذلک قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ان تحتها ارضا اخرى بینہما مسيرة خمس مائة حتی عد سبع ارضین بین کل ارضین مسيرة خمس مائة ثم قال والذی نفس محمد عیدہ لو انکم ولیتم بحبل الی الارض السفلی لہبط علی اللہ ثم قرأ هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بکل شئی علیم (احمد، ترمذی) عن ابن عباس ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض ادم کادمکم و نوح کوحکم و ابراهیم کابراہیمکم و عیسی کعیسکم و نبی کنبیکم۔ (ترمذی منشور)

﴿تشریح﴾:..... یالہا النبی نبی کو مخاطب بنا کر ساری امت سے خطاب ہے

احکام طلاق وعدت۔ (۱) اگر کسی ضرورت یا مجبوری سے ان بیویوں کو طلاق دینے لگو جو مدخلہ (حقیق یا حکمی ہوں) تو انہیں زمانہ عدت یعنی

حیض سے پہلے ایسے طہر میں طلاق دو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو (عند الاحناف) کیا یہ معنی ہیں۔ ابتداء عدت یعنی طہر میں طلاق دو (عند الشوافع)۔
۲۔ اور عدت کو یاد رکھو۔

۳۔ اللہ سے ڈرتے رہو یعنی طلاق اور عدت خلاف شرع صورتیں اختیار نہ کرو۔

۴۔ زمانہ نکاح کی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی عورتوں میں رہنے دو۔ باہر مت نکالو۔

۵۔ عورتیں خود بھی نہ نکلیں بلکہ حق شرعی سمجھ کر عدت گھر میں بسر کریں۔

۶۔ ہاں اگر بدکاری، چوری، وغیرہ کریں تو سزا کے لئے نکالی جاسکتی ہیں۔ یا بقول بعض اگر زبان درازی کریں اور ہر وقت رنجش و تکرار رکھیں تو نکال دینے کی اجازت ہے۔

۷۔ جو اس کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ ظالم کہہ گا ہوگا۔

۸۔ طلاق کے بعد شاید اللہ بہتر صورت نکال دے۔ اس میں طلاق رجعی کے بہتر پہلو کی طرف توجہ دلا کر رجعت کی ترغیب ہے۔

۹۔ عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرنا چاہو تو جائز ہے۔

۱۰۔ چھوڑنا مصلحت ہو تو خوبصورتی سے شرعی دستور پر عورت کو رخصت کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے طریقہ پر عورت کو آدھ میں لٹکی ہوئی مت چھوڑ دو۔

۱۱۔ دونوں صورتوں میں دو معتبر آدمیوں کی گواہی کرالو۔

۱۲۔ گواہوں کو چاہیے کہ بلا رد و رعایت ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔

۱۳۔ اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کو اخروی اور دنیوی نقصان سے بھی بچالیتا ہے اور انہیں رزق ایسی جگہ سے فراہم کر دیتا ہے جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہ ہو۔ اخروی ضرر سے بچانا یہ ہے کہ اسے عذاب سے نجات ہو جائے اور رزق اخروی جنت اور نعمائے جنت ہیں اور دنیوی ضرر و طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ضرر حسی جو اکثری ہوا کرتا ہے اس کا دفعیہ یہ ہے کہ بلائیں جائے۔ اور رزق حسی کی فراغت ہو جائے۔ دوسرے باطنی طور پر ضرر دفع ہو جائے کہ اس بلا پر صبر ہو جائے کہ یہ بھی نجات ہے اس کے اثر سے۔ اور قلیل رزق پر قناعت ہو جائے کہ یہ بھی اثر سکون و طمانیت کے لحاظ سے رزق حسی ہی کے حکم میں ہے اور اس کا لا مستعجب اس لئے کہا کہ حصول طمانیت و سکون کا ظاہری ذریعہ تو فراوانی رزق ہوا کرتا ہے۔ مگر قناعت سے سکون حاصل ہو جانا خارج از گمان ہے۔

۱۴۔ اور تقویٰ کا ایک شعبہ توکل ہے۔ جو اللہ پر توکل کرے گا (اس کا اثر یہ ہے کہ اللہ اس کے لئے سب مہمات میں کافی ہو جائے گا۔ یعنی اصلاح مہمات کے لئے کافی ہونے کا اثر خاص ظاہر فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کا کافی ہونا تو سارے عالم کے لئے عام ہے نیز یہ اصلاح مہمات بھی عام ہے۔ خواہ حسی طور پر ہو یا باطنی ہو۔ کیونکہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اور اس نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے چنانچہ اصلاح مہمات کا وقت اور انداز بھی اسی کے ارادہ اور حکمت پر ہے۔

۱۵۔ مطلقہ بیویوں میں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تمہیں ان کی مدت کی تعیین میں شبہ ہو جیسا کہ تمہارے پوچھنے پر معلوم ہو رہا ہے تو ان کی مدت تین مہینے ہے۔

۱۶۔ اسی طرح جن بیویوں کو کسی کی وجہ سے ابھی حیض نہیں آیا تو ان کی مدت بھی تین مہینے ہے۔

۱۷۔ حاملہ بیویوں کی مدت بچہ پیدا ہو جانا ہے۔ بچہ مکمل ہو یا ناقص، حتیٰ کہ ایک انگلی ہی سہی۔

۱۸۔ مطلقہ عورتوں کو اپنی مقدور کے مطابق رہائش کی جگہ بھی جہاں تم رہتے ہو۔ البتہ بانہ ہونے کی صورت میں شوہر بیوی کے درمیان حامل کا ہونا ضروری ہے۔

۱۹۔ ان کو تنگ کر کے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

۲۰۔ مطلقہ بیویاں اگر حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ان کو نان نفقہ کا خرچہ دو۔ اور بچہ جننے کی قید حاملہ کے لئے لگانا اس لئے ہے کہ غیر حاملہ بیویوں کا خرچ تین حیض یا تین مہینے کا ہوگا۔ اور اس تخصیص ذکر کی کا نکتہ یہ ہے کہ ممکن ہے، ابتداء عمل میں طلاق ہوئی تو بچہ پیدا ہونے کی مدت تین حیض یا تین مہینے کی نسبت غالباً زیادہ ہوگی۔ اور اسنے دونوں کا خرچ نفس پر شاق ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو صراحۃً فرمادیا اور مطلقاً مطلقات کے لئے نفقہ سکنتی حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مطلقہ یا نہ غیر حاملہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنتی۔ ان کے نزدیک اسکنوہن کی ضمیر مطلقہ رجحیہ کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ ان کن اولات حمل کی ضمیر ان کے نزدیک بھی مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اسکنوہن کے علاوہ سب ضمیر مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ خود اسماک کا حکم رجحیہ کے مرجع ہونے کا قرینہ ہے۔

۲۱۔ مطلقہ بیویاں خواہ پہلے سے بچہ والی ہوں یا بچہ ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو۔ وہ اگر بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دینی چاہیے۔

۲۲۔ دودھ پلائی کی اجرت باہمی مشورہ سے طے کر لی جائے۔ کیونکہ بچہ دونوں کا ہے۔ دونوں ہی کے پیش نظر اس کی مصلحت ہونی چاہیے۔

۲۳۔ لیکن اگر اجرت کے معاملہ میں باہمی گفتگو ہو تو پھر دوسری کوئی عورت دودھ پلائے گی۔ یعنی دوسری انا تلاش کر لو۔

اس خبر سے مقصود حکم ہے اور اس میں مرد کو کم اجرت دینے پر عتاب ہے کہ یہاں دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ آخر وہ بھی تو اجرت مانگے گی۔

مفت دودھ نہیں پلائے گی۔ پھر کیوں نہ ماں کو پوری اجرت دے دو۔ اسی طرح عورت کو زیادہ اجرت طلب کرنے پر عتاب ہے تو اگر خیرے کرتی رہے گی تو دوسری عورت موقعہ سے فائدہ اٹھا لے گی۔ اس لئے تو ہی کیوں گراں بنتی ہے۔

۲۴۔ دودھ پلائی کی اجرت اور خرچہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرے گا۔ امیر ہو تو امیرانہ، اور غریب ہو تو غریبانہ۔

مذکورہ احکام کی علت:..... آیت لا تدوی جس میں طرح طلاق رجعی کی ترغیب کا پہلو ہے۔ اسی طرح آیت کی ابتدا احکام کی علت بھی ہے۔ خواہ صراحۃً، خواہ اشارۃً۔ مثلاً عدت کی نگہداشت کی علت تو اس طرح ہے کہ عدت یاد نہ رہی تو رجعت کیسے کرے گا۔ اور اس سے فائدہ کیسے اٹھائے گا۔ علیٰ ہذا دفعۃً تین طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ اگر طلاق متفرق طور پر دے گا تو رجعت کی گنجائش رہے گی۔ اور دفعۃً تینوں طلاق دے ڈالنے سے یہ مصلحت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح حالت حیض میں طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق کا سبب ممکن ہے۔ نفرت طبعی ہے۔ اور جب حالت طہر میں وہ نفرت چلی جائے گی اور نکاح میں رکھنے کا ارادہ ہوگا تو خواہ مخواہ اپنی حماقت پر حسرت و ندامت ہوگی۔ اور گو بحالت حیض طلاق دینا رجعت کے لئے مانع نہیں ہے۔ لیکن اس طرح حسرت سے تو بچاؤ رہے گا۔ علیٰ ہذا زمانہ عدت میں گھر سے باہر نہ نکالنے کی علت اس طرح ہوگی۔ کہ بعض دفعہ گھر سے نکال دینے کی صورت میں رجعت کرنے یا دوبارہ نکاح کرنے میں طبعاً رکاوٹ ہو جاتی ہے اور اس میں دونوں یا ایک کا نقصان ہے۔ اسی طرح خود عورت کے گھر سے نہ نکلنے کی علت اس طرح ہے کہ بعض دفعہ مرد کی نفرت عورت کے نکل جانے سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ایک جگہ رہنے میں ممکن ہے کہ مرد کو رجعت یا دوبارہ نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو جائے۔ غرضیکہ لعل اللہ الخ کی حکمت سب عورتوں میں شامل ہے۔

و کائن من قریۃ۔ شرعی احکام کی بالخصوص عورتوں سے متعلق ہدایات کی پابندی کرو۔ اگر نافرمانی کرو گے۔ تو یاد رہے کہ کتنی ہی استیاء اللہ کی نافرمانی کا خمیازہ بھگت چکی ہیں۔ ہم نے ان کو سرکشی پر سختی سے جائزہ لیا اور ان کو ایسی آفت میں پھنسا یا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ذکر ارسولا۔ ذکر اگر بھی ذاکر ہو تو خور سول مراد ہوں گے۔

زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں:..... ومن الارض مثلہن یہ سات زمینیں ممکن ہے نظر آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے

کہ نظر نہ آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ آج کل مرغ وغیرہ کی نسبت سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں۔ باقی احادیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا آیا ہے ممکن ہے کہ وہ بعض حالات کے لحاظ سے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اوپر دکھائی دیتی ہیں۔

یتنزل الامور۔ عالم کے انتظام و تدبیر کے لئے اللہ کے احکام، بنیویہ و تشریعیہ آسمانوں اور زمینوں میں اترتے رہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی موقوف روایت سبع ارضین فی کل ارض نبی کنیکم وادم کا دمکم ارض مشکلات میں نشا کر جاتی ہے۔ اس کی سہل ترین توجیہ صاحب روح المعانی نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ والمواد ان فی کل ارض خلفا یرجعون الی اصل واحد رجوع بنی ادم فی ارضنا الی ادم علیہ السلام و فیہم افراد ممتازون علی سائرہم کنوح و ابراہیم وغیرہما فینا۔ اور غالباً اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرمایا پڑا۔ لو حدثکم بتفسیرہا لکفرتم و کفرتم بتکذیبکم بہا (درمنشور) اس سے زیادہ سمجھنے کی عام لوگوں میں چونکہ استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ عوام کو اس میں پڑنا چاہیے اور نہ خواص کے بارے میں بدگمانی کرنی چاہیے۔ اور چونکہ بقول صاحب روح المعانی بعض نے اس حدیث کو موضوع شمار کیا ہے۔ اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس حدیث کے منوالے میں عوام پر زور دیں جب کہ اس کی صحت ہی پہلے سے مختلف رہی ہے۔ اور اس سورت کی آیات تقویٰ میں ایک بلیغ ربط یہ ہے کہ اول اتقوا اللہ میں حکم ہے۔ پھر من یتق اللہ دنیوی و اخروی برکات کے لئے جامع ہے اور من یتق اللہ یجعل لہ میں دنیوی برکات کا اور من یتق اللہ یکفرا الخ میں دنیوی برکات کا ذکر ہے۔ گویا پہلے اجمال ہوا پھر تفصیل وان اللہ قد احاط یعنی اللہ کی صفات علم و قدرت کے اظہار کے لئے یہ سارا کونی تشریحی نظام پھیلا یا ہے۔ بقیہ صفات الہی انہی دو مرکزی صفتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ صوفیاء جو کنت کنزاً مخفیاً فاحییت ان اعراف بیان کرتے ہیں وہ اگرچہ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث نہیں ہے۔ تاہم اس آیت کے مضمون سے ماخوذ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم۔

لظائف سلوک:..... لاندہری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مختلف شقوں میں اگر مختلف مصلحتیں ہوں تو کسی قطعی فیصلہ میں جلدی نہ کرے۔ اس میں مرید سے قطع تعلق بھی داخل ہے۔ اسی طرح اسباب معاش کا اہل وطن سے تعلق کا چھوڑنا بھی اس میں داخل ہے۔

ومن یتق اللہ تقویٰ کی ان برکات کا اہل طریق ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ و اتتمروا بینکم بمعروف و عورت سے ناقص اتقل ہونے کے باوجود مشورہ کرنے میں ان کی دلجوئی ہے اور بعض دفعہ ناقص سے بھی کامل رائے مل جاتی ہے۔ پس یہ دونوں پہلو اہل طریق کی عادت اور مطلوب میں داخل ہیں۔ وان تعاسرتم۔ سے معلوم ہوا کہ نہ خود ایسی تنگی میں پڑے اور نہ دوسرے کو ڈالے جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ اہل طریق تو کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

قد انزل اللہ الیکم ذکراً۔ ان رسول اگر ذکر کی صفت ہو تو بطور سابقہ دونوں میں اتحاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شیخ کی صحبت اور گفتگو کا کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ بالواسطہ وہ بھی ذکر ہے۔

سُورَةُ التَّحْرِيمِ

سورة التحريم مدنية اثنتا عشرة اية

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ؟ مِنْ أَمْرِكَ مَا رِيةَ الْقِبْطِ لَمَّا وَقَعَهَا فِي بَيْتِ حَفْصَةَ وَكَانَتْ غَالِيَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَيْهَا كَوْنُ ذَلِكَ فِي بَيْتِهَا وَعَلَى فِرَاشِهَا حَيْثُ قُلْتُ هِيَ حَرَامٌ عَلَى تَبَعِي بِتَحْرِيمِهَا مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ أَيْ رِضَا مِنْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢﴾ غَفَرْتُ لَكَ هَذَا التَّحْرِيمَ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ شَرْعًا لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ تَحْلِيلُهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ وَمِنْ الْإِيمَانِ تَحْرِيمُ الْآمَةِ وَهَلْ كَفَرَ ۖ قَالَ مُقَاتِلٌ ائْتَقِ رَقَبَةً فِي تَحْرِيمِ مَارِيَةَ وَقَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُكْفَرْ لَأَنَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ وَاللَّهُ مُؤَلِّمُكُمْ نَا صِرْتُكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣﴾ وَادْكُرْ إِذَا سَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ هِيَ حَفْصَةُ حَدِيثًا هُوَ تَحْرِيمُ مَارِيَةَ وَقَالَ لَهَا لَا تُفْسِدِيهِ فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهِ عَائِشَةُ ظَنَّا مِنْهَا أَنَّ لَا حَرَجَ فِي ذَلِكَ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ إِطْلَعَهُ عَلَيْهِ عَلَى الْمَنَابِ بِهِ عَرَفَ بَعْضَهُ لِحَفْصَةَ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ تَكْرِمًا مِنْهُ فَلَمَّا نَبَأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٤﴾ أَيْ اللَّهُ إِنْ تَتُوبَا أَيْ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا مَالَتْ إِلَى تَحْرِيمِ مَارِيَةَ أَيْ سِرْتُكُمْ ذَلِكَ مَعَ كَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ ۖ لَهُ وَذَلِكَ ذَنْبٌ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوفٌ أَيْ تَقَبُّلاً وَأَطْلَقَ قُلُوبٌ عَلَى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعَبَّرْ بِهِ لِاسْتِشْقَالِ الْجَمْعِ بَيْنَ تَنْبِيْهِنِ فِيمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ وَإِنْ تَظْهَرَا بِإِدْعَامِ النَّاسِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِي الظَّاهِرِ وَفِي قِرَاءَةِ بِذَوْنِهَا فَتَعَا وَنَا عَلَيْهِ أَيْ النَّبِيُّ فِيمَا يَكْرَهُهُ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ فَضَّلَ مُؤَلَّهُ نَاصِرَهُ وَجَبْرِئِلَ وَصَالِحَ الْمُؤْمِنِينَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ مَعْطُوفٌ عَلَى مَحَلِّ اسْمِهِ إِنْ فَيَكُونُونَ نَاصِرِيهِ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ بَعْدَ نَصْرِ اللَّهِ وَالْمَذْكُورِينَ ظَهَرَ ﴿٥﴾ ظَهَرَاءُ أَعْوَانُ لَهُ فِي نَصْرِهِ عَلَيْكُمْ عَسَى رَبُّهُ أَنْ تَلْقَوْنَ أَيْ طَلَّقَ النَّبِيُّ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُبَدِّلَهُ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُمْ خَيْرٌ عَسَى وَالْحُمْلَةُ جَوَابُ الشَّرْطِ وَلَمْ يَقَعْ التَّبْدِيلُ لِعَدَمِ وَقُوعِ الشَّرْطِ مُسْلِمَتِ مُقَرَّاتٍ بِالْإِسْلَامِ مُؤْمِنَتِ مُخْلِصَاتِ قُنُوتِ مُطِيعَاتِ تَبْلُغِ

عِبَادَاتٍ شَلَحَتْ صَائِمَاتٍ أَوْ مَهَا جِرَاتٍ تَيْبَتْ وَأَبْكَارًا ﴿٥٥﴾ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ
وَأَهْلِيكُمْ بِالْحَمْلِ عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ الْكَفَّارُ وَالْحِجَارَةُ كَأَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يَعْنِي أَنَّهَا
مُفْرِطَةُ الْحَرَارَةِ تَقْدُ بِمَا ذَكَرَهُ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تَقْدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِهِ عَلَيْهَا مَلَكَةٌ خَزَنَتُهَا عِدَّتُهُمْ تِسْعَةَ عَشَرَ
كَمَا سَيَأْتِي فِي الْمُنَادِي غِلَاطٌ مِنْ غِلَظِ الْقَلْبِ شِدَادًا فِي الْبَطْشِ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ بِدَلٍّ مِنَ الْجَلَالَةِ
أَيُّ لَا يَعْصُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٦﴾ تَا كَيْدٌ وَالْآيَةُ تَحْوِيفٌ لِلْمُؤْمِنِينَ عَنِ الْإِرْتِدَادِ
وَلِلْمُنَافِقِينَ الْمُؤْمِنِينَ بِالسَّيِّئَةِ دُونَ قُلُوبِهِمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَدُوا الْيَوْمَ يُقَالُ لَهُمْ ذَلِكَ عِنْدَ
عِ ۱۹ دُخُولِهِمُ النَّارِ لَا يَنْفَعُكُمْ إِنَّمَا تَجْزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٧﴾ أَيُّ جَزَاءٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوَبُّوْا
إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا بِفَتْحِ النَّوْنِ وَضَمِّهَا صَادِقَةٌ بَانَ لَا يُعَادُ إِلَى الذَّنْبِ وَلَا يُرَادُ الْعَوْدُ إِلَيْهِ عَسَى رَبُّكُمْ
تُرْجِيَةً تَقَعُ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ بَسَاتِينَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزَى
اللَّهُ بِادْخَالِ النَّارِ النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ أَمَامَهُمْ وَيَكُونُ بَأْيَمَانِهِمْ يَقُولُونَ
مُسْتَانَفٌ رَبَّنَا آتِنَا لَنَا نُورَنَا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمُنَافِقُونَ يُطْفِئُ نُورَهُمْ وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَلِيلٌ ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ بِالسَّيْفِ وَالْمُنَافِقِينَ بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ ۖ بِالْأَنْتَهَارِ
وَالْمَقَاتِ وَمَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ وَبِنَسِ الْمَصِيرِ ﴿٥٩﴾ هِيَ ضَرْبُ اللَّهِ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا أُمَرَاتُ نُوحٍ
وَأُمَرَاتُ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَهُمَا فِي الدِّينِ إِذْ كَفَرَتَا وَكَانَتِ امْرَأَةُ
نُوحٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةُ يَقُولُ لِقَوْمِهِ إِنَّهُ مُحَنُونٌ وَامْرَأَةُ لُوطٍ وَاسْمُهَا وَاعِلَةُ تَدُلُّ عَلَى أَضْيَافِهِ إِذَا نَزَلُوا بِهِ لَيْلًا بِإِقْعَادِ
النَّارِ وَنَهَارًا بِالتَّدْحِينِ فَلَمْ يُغْنِيَا أَيُّ نُوحٍ وَلُوطٍ عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَقِيلَ لَهُمَا ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الذَّاخِلِينَ ﴿٦٠﴾ مِنْ كُفَّارٍ قَوْمِ نُوحٍ وَقَوْمِ لُوطٍ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا أُمَرَاتُ فِرْعَوْنَ أَمْنَتْ
بِمُوسَى وَاسْمُهَا أَسِيَّةٌ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بِأَنْ أَوْتَدَ يَدَيْهَا وَرَجُلَيْهَا وَالْقَى عَلَى صَدْرِهَا رَحِيَّ عَظِيمَةً وَاسْتَقْبَلَ بِهَا
الشَّمْسُ فَكَانَتْ إِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مِنْ وَكَلٍ بِهَا ظَلَّتْهَا الْمَلَائِكَةُ إِذْ قَالَتْ فِي حَالِ التَّعَذِّبِ رَبِّ ابْنِ لِي
عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ فَكَشَفَ لَهَا فَرَأَتْهُ فَسَهَّلَ عَلَيْهَا التَّعَذِّبَ وَنَجَّيْنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَتَعَذِّبِهِ
وَنَجَّيْنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦١﴾ أَهْلُ دِينِهِ قَبَضَ اللَّهُ رُوحَهَا وَقَالَ ابْنُ كَيْسَانَ رُفِعَتْ إِلَى الْجَنَّةِ حَيَّةٌ
فَهِيَ تَأْكُلُ وَتَشْرَبُ وَ مَرِيَمَ عَطَفَ عَلَى امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ ابْنَتِ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفَظَتْهُ
فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا أَيُّ جِبْرِئِيلُ حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْبِ دَرْعِهَا بِخَلْقِ اللَّهِ فَعَلَهُ الْوَاصِلَ إِلَى فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ

بِعِيسَىٰ وَصَلَّاتٍ بِكَلِمَةٍ رَبَّهَا بِشَرَاتٍ لِّهٖ وَكُتِبَ لَهُ الْمَنْزِلَةُ وَكَانَتْ مِنَ الْقُنْتَيْنِ ﴿١٢١﴾ مِنَ الْقَوْمِ الْمُطِيعِينَ ۔

ترجمہ.....: سورۃ تحریم مدنیہ ہے جس میں ۱۲ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے نبی! اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں (یعنی ماریہ قبطیہ جو آپ ﷺ کی حرم ہیں۔ حصہ کی عدم موجودگی میں آپ نے ان سے زن و شوکی کے معاملات کر لئے۔ جب وہ آئیں اور دیکھا کہ یہ سب کچھ ان کے گھر اور بستر پر ہوا تو انہیں گراں گزرا، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو خوش کرنے کے لئے فرمادیا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہیں) آپ ﷺ (اس کو حرام کہہ کے) اپنی بیویوں کی خوشنودی (رضامندی) حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (آپ کا یہ حرام کرنا بھی ہم نے معاف کر دیا) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے قسموں کا کھولنا مقرر (مشروع) فرمایا ہے (سورۃ مائدہ والا کفارہ ادا کر کے قسمیں کھولی جاسکتی ہیں۔ حرم کو حرام کرنا بھی اس قسم میں داخل ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ نے کفارہ ادا فرمایا؟ مقاتل فرماتے ہیں کہ ماریہ کے سلسلے میں آپ نے غلام آزاد فرمایا اور حسن کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کے لئے معافی ہو چکی) اور اللہ تمہارا کارساز (مددگار) ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے اور (یاد کرو) جب کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی بیوی (حصہ) سے ایک بات چپکے سے فرمائی (ماریہ) کو حرام کر لیا اور یہ کہ اس کو کسی سے کہنا مت (سو پھر جب اس بیوی نے وہ بات بتلا دی (عائشہؓ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں کیا حرج ہے) اور پیغمبر ﷺ کو اللہ نے اس (خبر) پر مطلع (آگاہ) کر دیا تو پیغمبر ﷺ نے (حصہ کو) تھوڑی سی بات بتلا دی اور تھوڑی سی (حروت میں) ٹال گئے۔ سو پیغمبر ﷺ نے جب اس بیوی کو وہ بات جتلائی تو بیوی کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر کر دی ہے۔ اے دونوں بیویو! (حصہ اور عائشہؓ) اگر تم اللہ کے آگے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں (ماریہ کے حرام کر دینے کی جانب یعنی آنحضرت ﷺ نے اس تحریم کو باوجود ناگواری سمجھنے کے تم دونوں کو چپکے سے بتلادیا۔ اور یہ کو تائید ہے، جواب شرط محذوف ہے۔ یعنی دونوں کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا اور قلمین کی بجائے قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لفظ ایک کلمہ کے حکم میں ہو اور اس میں دو جمع کا اکٹھا ہونا دشوار ہوتا ہے) اور اگر تم دونوں کا روایاں کرتی رہیں (تظاہر کی اصل متظاہر جس میں تائید ثانیہ کو خطا میں ادغام اور ایک قراءت میں بغیر ادغام ہے۔ تم دو بیویاں ایک دوسرے کی تائید کرتی رہیں) پیغمبر کے مقابلہ میں (اس کی مرضی کے خلاف) تو اللہ ہی (ہو ضمیر فصل ہے) پیغمبر کا رفیق (مددگار) ہے اور جبرئیل اور میک بندے ہیں۔ (یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ اس کا عطف اسم ان کے محل پر ہے۔ یعنی یہ سب پیغمبر کے مددگار ہیں) اور ان کے علاوہ فرشتے (اللہ اور جبرئیل صالح المؤمنین کی مدد کے علاوہ) مددگار ہیں (ظہیر بمعنی ظہراء۔ تم دونوں بیویوں کے مقابلہ میں ان کی مدد حضور ﷺ کو حاصل رہے گی) اگر پیغمبر عورتوں (اپنی بیویوں) کو طلاق دے دیں تو بہت جلد بدل دے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) تم سے اچھی بیویاں (عسیٰ کی خبر ہے۔ اور جملہ جواب شرط ہے اور چونکہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے تبدیلی کی نوبت بھی نہیں آئی) جو اسلام والیاں (اسلام کا اقرار کرنے والی) ایمان والیاں (اخلاص والی) فرمانبرداری کرنے والیاں (اطاعت گزار) توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں (روزہ دار یا ہجرت کرنے والیاں) ہوں گی۔ کچھ بیوائیں کچھ کنواریاں، اے ایمان والو! تم بچاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر آمادہ کر کے) اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر ہیں (جیسے پتھروں کے بت یعنی وہ آگ انتہائی گرم ہوگی جو ان چیزوں سے دھونکائی جائے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوگی جو ٹکڑیوں وغیرہ سے دہکتی ہے) جس پر فرشتے ہیں (جہنم پر مامور فرشتے جن کی تعداد سورۃ مدثر میں انیس ۱۹ آری ہے) جو تند خو (سخت مزاج) مضبوط (پکڑ میں) ہیں۔ جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے (ماہر، اللہ سے بدل ہے۔ یعنی حکم الہی سے باہر نہیں ہوتے) اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں (یہ جملہ تاکید ہے اس میں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے ڈرانا ہے۔ اور منافقین کو بھی ڈرانا ہے جو دل سے نہیں صرف زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں) اے کافرو! آج تم عذر مت کرو (کافروں سے دوزخ میں ڈالنے کے وقت یہ کہا جائے گا۔ یعنی

معذرت کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے) پس تم کو تو اس کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو) نصوص فتحی نون کے ساتھ اور ضم نون کے ساتھ۔ بمعنی صادقہ کہ پھر نہ وہ قصور کرے۔ اور نہ اس کا ارادہ ہو) امید ہے (جو پوری ہو کر رہے گی) کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں پہنچائے گا۔ ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جازی ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا (دوزخ میں لے جا کر) نبی کو اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو۔ ان کا نور ان کے سامنے (آگے) دوڑتا ہوگا اور ان کے داہنے۔ یوں دعا کرتے ہوں گے (جملہ مستافہ ہے) اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھے (جنت میں جانے تک) اور منافقین کا نور گل ہو جائے گا) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے (ہمارے پروردگار) آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اے نبی! کفار سے (تکوار کے ذریعہ) اور منافقین سے (زبان اور دلیل سے) جہاد کیجئے اور ان پر (ڈانٹ ڈپٹ کر) سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں عورتیں، ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں خاوندوں کے ساتھ خیانت کی (بلحاظ دین کے کہ دونوں کافر ہو گئیں۔ نوح کی بیوی جس کا نام ولہلہ تھا اپنی قوم سے کہنے لگی کہ نوح تو دیوانہ ہے۔ اور لوط کی بیوی جس کا نام ولہلہ تھا اپنی قوم کو آگے جلا کر اور دن کو آنے والے مہمان کی اطلاع دہواں کر کے کر دیا کرتی تھی) سو وہ دونوں نیک بندے (نوح و لوط) اللہ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آ سکے۔ اور حکم ہو گیا (ان دونوں بیویوں کے لئے) کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ (یعنی تو م نوح و لوط کے اور کافروں کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے (جو موسیٰ پر ایمان لائیں تھیں جن کا نام آسیہ تھا۔ فرعون نے اس کو چومنا کر کے سزا دی اور ان کی چھاتی پر ایک بڑا پتھر بھاری رکھوا دیا اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا، چنانچہ جب وہاں سے سنتری بٹتے تو فرشتے سایہ کر کے کھڑے ہو جاتے) جب کہ اس بی بی نے (سزا کی حالت میں) دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں، اپنے قرب میں مکان بنائیے (چنانچہ جنت ان پر منکشف ہو گئی جسے دیکھ کر انہیں سزا ملنی معلوم ہونی لگی) اور مجھ کو فرعون سے اور اس کی کاروائی (سزا) سے محفوظ رکھے اور مجھ کو تمام ظالموں سے محفوظ رکھے (جو فرعون کے طریقہ پر ہیں، چنانچہ اللہ نے ان کی روح قبض کر لی۔ اور ابن کیسان کہتے ہیں کہ وہ زندہ اٹھالی گئیں، وہ کھاتی بیٹی ہیں) اور مریم کا حال بیان کرتا ہے (اس کا عطف امراۃ فرعون پر ہے) جو عمر ان کی بیٹی تھی جنہوں نے اپنی ناموس کو محفوظ (برقرار) رکھا۔ سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی (یعنی جبریل نے ان کے گریبان میں پھونک ماری اللہ کے حکم سے جبریلی پھونک کا اثر رحم میں پہنچا جس سے عیسیٰ رحم میں ٹھہر گئے) اور مریم نے اپنے پروردگار کے پیغامات (احکامات شرع) کی اور اس کی کتب (منزلہ) کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں (فرمانبردار لوگوں) میں سے تھیں۔

تحقیق و ترکیب:..... ماریہ قبطیہ۔ مقوقس نے شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کی تھی۔ انہی کے سطن سے صاحبزادہ

ابراہیم پیدا ہوئے۔

تحلۃ ایمانکم۔ فقہانے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی مباح چیز کو حرام کر لینا قسم ہے۔ جس کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔ چونکہ حلال چیز کو حرام کر لینا غلطی تھی۔ اس لئے واللہ غفور ورحیم فرمایا۔ اور بعض نے اس کے معنی یہ لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے قسم سے بچنے کا ایک راستہ پیدا کر لیا کہ اگر کوئی انشاء اللہ کے ساتھ حلف کر لے تو حلف منعقد نہیں ہوتا۔ اس سے بھی حلال کو حرام کر لینے سے یقین کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ الفاظ استثناء کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ حادث نہیں ہوا جیسا کہ مدارک میں ہے۔ لہذا قاضی بیضاوی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حرام کرنے کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے یقین کا لفظ بھی فرمایا تھا۔ اس لئے یقین ہوئی صرف تحریم سے یقین نہیں ہوئی وجہ اس کے غیر صحیح ہونے کی یہ ہے کہ آیت میں تحریم کو یقین کہا گیا ہے، اس طرح قاضی کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں رہا کہ کفارہ واجب ہونے سے

یہین ہونا لازم نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے صرف کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس پر یہین کا لفظ فرمایا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو قاضی کے ان دونوں کلاموں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

صاحب کشاف نے حلال کو حرام کرنے کی تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی کھانے کو حرام کرے تو قسم کھانا کھانے پر محمول ہوگی اور باندی کو حرام کر لینے کو اس سے محبت پر محمول کیا جائے گا اور بیوی کو حرام کرنے سے ایلاء ہو جائے گا جب کہ کوئی اور نیت نہ ہو۔ لیکن اگر ظہار کی نیت سے کہا تو طلاق بائنہ سمجھی جائے گی۔ اور دو یا تین طلاقیں کی نیت سے کہا تو وہی نیت مستبر ہوگی۔ اور اگر کہا کہ میں نے جھوٹ کہا تھا تو دیانہ صحیح سمجھا جائے گا۔ البتہ قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ کہا کہ سب حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کو صرف کھانے پر محمول کیا جائے گا جب کہ کسی اور چیز کی نیت نہ ہو۔ ورنہ جو نیت کرے گا تو اسی کا اعتبار ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا یہین ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے یہی منقول ہے۔ صاحب ہدایہ باب ایلاء میں لکھتے ہیں۔ اذ قال لامرأته انت علی حرام فان قال اردت الکذب فهو كما قال وقيل لا يصدق في الفقهاء وان قال اردت الطلاق فهي تطليقة بائن الا ان بنوى الثلث وان قال اردت الظهار الا عند محمد وان قال اردت التحريم ولم ير د شيئا فهو ايلاء ومنهم من يصرف لفظ التحريم الى الطلاق من غير نية بحكم العرف۔

اسی طرح فقہاء نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا بھی یہین کہلاتا ہے جس پر کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ مباح کو حرام کرنے سے اس کی ضد کا واجب ہونا لازم کہلاتا ہے۔ اگرچہ اس میں قسم کا لفظ نہ بولا جائے کیونکہ یہ یہین ہے۔ اور یہین اگر گناہ پر ہو تو اس سے بچنا اور اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور گناہ نہ ہو تو اس کو کرنا ضروری اور اس کے خلاف کرنے پر کفارہ لازم ہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے وہ تحریم حلال کو یہین نہیں سمجھتے۔ البتہ بیوی کو حرام کر لینے کی صورت میں کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر حرام کرنے سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق رجعی سمجھی جائے گی۔

اور حضرت علیؓ کے نزدیک تین طلاقیں اور زید کے نزدیک ایک ایک طلاق بائنہ اور حضرت عثمانؓ کے نزدیک ظہار ہوگا۔ اور مسروقؒ و شعبیؒ کے نزدیک اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ آیت لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم اور آیت لا تقولوا لما تصف السنتكم الکذب هذا حلال و هذا حرام کی وجہ سے۔ شوافع کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ کفارہ لازم ہونے سے یہین ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے حضور ﷺ نے یہین کا لفظ فرمایا ہو۔ چنانچہ عبدالرزاق شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وحلف بيمين مع التحريم فعاقبه في التحريم وجعل له كفارة اليمين۔

لیکن قتادہ کے قول سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔ حرمها فكانت يميناً۔ الفاظ قرآنیہ حنفیہ کی تائید کرتے ہیں اور ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ ان کے پاس ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا۔ جعلت امرأتي محلي حراماً وابن عباسؓ نے فرمایا۔ تجھ پر بڑا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور یہ آیت ثلاث فرمائی۔ اور نذر کا حکم یہ ہے کہ اگر گناہ کی نذر مانی ہے تو اس کو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس پر کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر گناہ کے علاوہ کسی اور کام کی نذر کی تو اس کا کرنا لازم ہوگا اور اس کی خلاف ورزی سے کفارہ آجائے گا۔ اور اگر نذر وہ یہین دونوں کسی نے کیں۔ تو پھر مقتضی پر عمل واجب ہو جائے گا۔

واللہ غفور رحيم۔ یعنی کفارہ امت کی تعلیم کے لئے ہے آپ کو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بغض کی رائے ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا۔ اسر النبی۔ ماریہ کے حرام کر لینے کو رازدارانہ طور پر آپ نے کہا تھا اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کے والد کے خلیفہ ہونے کی بشارت دی تھی۔

فلما نبأت به۔ مفسر نے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ اول مفعول کی طرف خود اور دوسرے مفعول کی طرف حرف جر کے

ذریعہ متعدی، کبھی تخفیفاً حرف جار حذف بھی ہو جاتا ہے اور مفعول اول بھی قرینہ لفظیہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں یہ تینوں استعمال موجود ہیں۔ چنانچہ بابت بدو مفعولوں کی طرف متعدی ہے مگر اول مفعول محذوف ہے اور مفعول ثانی مجرور بالباء ہے۔ ای لبات بہ غیر ہا اور فلما نباہہ میں دونوں مفعول موجود ہیں اور من انباک ہذا میں بھی دونوں موجود ہیں۔ مگر جار محذوف ہے۔
اظہر ہ اللہ علیہ علی المنبا بہ سے مراد حصہ گوماریہ کے حرام ہونے کی خبر ہے۔

واعرض عن بعض۔ اس سے مسئلہ خلافت بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا افشاء باعث فتنہ نہ ہو جائے۔ اس لئے اس پر عتاب ہوا۔
فقد صغت۔ فاتعلیلہ ہے۔ ای ان تتوبا الی اللہ لا جل الذنب الذی صدر منكما وهو انه قد صغت۔

وذلك ذنب۔ یعنی حضور ماریہ کے حرام کرنے کو اگرچہ ناپسند فرماتے تھے۔ مگر دونوں بیٹیوں سے اس کو چپکے سے فرمایا۔ پس اس کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ جواب شرط کے متعلق خطیب کی رائے ہے کہ محذوف میں قرینہ کی وجہ سے ای ان تتوبا کان خیر الکما اور قلبا کما کی بجائے قلوبکما چونکہ سہل ہے اس لئے عربی مذاق کی رعایت کی گئی ہے حقیقہ اگرچہ یہ ایک کلمہ نہیں ہے لیکن مضاف، مضاف الیہ کا جزو ہوتا ہے اس لئے اس کو حکماً ایک کلمہ کہا گیا ہے۔

تظہروا ابو عمر، ابن کثیر، نافع، ابن عامر کے نزدیک یہ لفظ بغیر تشدید کے پڑھا گیا ہے۔

وجبریل۔ لعل اسم ان پر عطف بعض نجات کا مذہب ہے اور جبریل مبتداء صالح المومنین معطوف ہے اور ظہیر سب کی خبر ہو سکتی ہے۔
هو مولاه۔ سب کے ساتھ لگایا جائے گا۔

ظہیر۔ بروزن فعل اس میں واحد وغیرہ یکساں ہیں۔

صالح المومنین۔ کے اضافہ میں آنحضرت ﷺ کی توقیر اور مسلمانوں کی تالیف مقصود ہے۔

عسیٰ رہ۔ لفظ اگر ترجی کے لئے ہو تو شبہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے جب طلاق نہیں دی تو یہ خبر غلط ہوگئی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ خبر شرط پر مطلق تھی۔ پس نہ شرط ہوئی اور نہ خبر۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ عسیٰ تخویف کے لئے ہے۔

سننحت۔ ابن عباس اس کے معنی روزہ دار کے فرماتے ہیں۔ کیونکہ سارح کہتے ہیں کہ جس کے پاس زاد نہ ہو۔ چنانچہ وہ زاد کے آنے تک رک رکھتا ہے روزہ دار کا حال بھی افطار تک رکے رہنے کا ہے۔

نصوحا۔ اکثر قراء کے نزدیک فتح نون کے ساتھ ہے۔ شکور کی طرح مبالغہ کے لئے ہے۔ یعنی پر خلوص دعا۔ اور ضمہ نون کے ساتھ مصدر ہے۔ دونوں متواتر قراءتیں ہیں۔ انخس اس کے معنی صادق کے لیتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ رجل صبور شکور ای بالغ فی النصیح۔ قاشانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی طرح توبہ کے بھی مراتب ہیں۔ تقویٰ کا اول مرتبہ منکرات شرع سے بچنا اور آخری درجہ انانیت سے خالی ہو جانا ہے۔ اسی طرح توبہ کا اول درجہ گناہوں سے باز آ جانا اور آخری درجہ وجود کے گناہ سے نکل جانا جو اہل تحقیق کے نزدیک سارے گناہوں کی جڑ ہے توبہ نصوح کے لئے تین شرطیں ہیں۔ فعل پر ندامت فعل کا ترک آئندہ نہ کرنے کا عزم۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ سے منقول ہے۔ التوبة النصوح ان يتوب العبد من العمل السيئ ثم لا يعود اليه ابداً اور ابن عباسؓ سے موقوف و مرفوع روایت میں بھی یہی ہے۔ ممکن ہے تیسری شرط خواص کی توبہ ہی ہوتا کہ اہلسنت کے اس مسلک کے خلاف نہ ہو کہ توبہ کے لئے ندامت اور نہ کرنے کا عزم شرط ہے۔

معتزلہ کے نزدیک توبہ کے لئے شرط ہے۔ مظالم کار و دار آئندہ کے لئے اس گناہ کا ترک اور ندامت کا تسلسل۔ اور یہ اہلسنت کے نزدیک واجب نہیں جیسا کہ شرح مواقف میں ہے اور حسن کہتے ہیں کہ توبۃ النصوح ہی ان یکون العبد نادماً علی ما مضی مجمعاً علی ان لا يعود فیہ۔

ابن میتب کہتے ہیں توبۃ تنصوحون انفسکم عسیٰ ربکم۔ عسیٰ توقع کے لئے ہے لیکن واجب الوقوع ہے۔ کیونکہ کریم کا اطماع متیقن

ہوتا ہے۔

والذین امنوا۔ اگر اس کا عطف النبی پر ہے تو معہ پر وقف کیا جائے گا۔ اور نورہم یسعی جملہ مستاتھ ہو جائے گا یا حال ہوگا۔ یا الذین امنوا جملہ مبتدا اور نورہم الخ اس کی خبر ہے۔

انعم لنا۔ اتمام سے مراد جنت میں جانے تک دوام ہے۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ منافقین کا نور بجھنے پر مومنین ڈر کر یہ دعا کریں گے۔ والمنافقین۔ ضرورت کے وقت منافقین کے ساتھ جہاد بالسیف کی بھی اجازت ہے۔

فجانتا حما۔ مفسر نے فی الذین کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ خیانت سے زنا مراد نہیں ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ ما ذلت امرأۃ نبی قط چنانچہ اذ کھو نا تفسیری عبارت خانتا کی علت ہے یعنی کفر کی وجہ سے دینی خیانت کی۔

ففطخنا فیہ۔ فطخ فرج سے مراد فطخ جیب و روع ہے۔ جیسے مفسر نے اشارہ اور دوسرے حضرات نے تصریح کی ہے اور بھائی فرج حقیقی مراد لیتے ہیں پھر تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

بخلق اللہ۔ اس کا تعلق لفطخنا سے ہے بخلفنا کہنا چاہیے تھا۔

من القننین۔ چونکہ ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں؛ اس لئے صلحا کا گھرانہ سمجھا جاتا تھا اور جمع ذکر لانے میں نکتہ یہ ہے کہ طاعت الہی میں مردوں سے کم نہیں تھیں۔

رابط آیات:..... سورۃ طلاق کی طرح سورۃ تحریم میں بھی عورتوں سے متعلق مضامین ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں عام عورتوں کے احکام تھے اور اس میں خاص عورتوں کے۔ نیز پہلی سورت میں طلاق پر مرتب ہونے والے احکام کا بیان تھا اور اس میں ازواج مطہرات کو طلاق سے ڈرانا ہے اور جس طرح پہلی سورت کے اخیر میں اطاعت کی عام تاکید تھی۔ اسی طرح اس سورت میں ازواج کے خطاب کے بعد عام طور پر رجوع الی اللہ کی تاکید ہے۔ اس طرح دونوں سورتوں کے سب اجزاء باہم متناسب ہو گئے۔

شان نزول و روایات۔ مفسر نے ماریہ قبطیہ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے تفصیلی روایت یہ ہے۔ ان النبی ﷺ کان یقسم بین نسائه فلما کان یوم حفصۃ ستاذنت رسول اللہ ﷺ فی زیارۃ ابیہا فاذن لها فلما خرجت ارسل رسول اللہ ﷺ الی جاریتہ ماریہ القبطیہ فادخلها بیت حفصۃ فوقع علیہا فلما رجعت حفصۃ وجدت الباب مغلقا فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ ﷺ ووجہہ یقطر عرقاً وحفصۃ تبکی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماریہ کیا کیا فقالت انما اذنت لی من اجل ذلک ادخلت امتک بیتی ثم وقعت علیہا فی یومی علی فراشی اما رایت لی حرمة وحقا ما کنت تصنع هذا بامرأة منهن فقال رسول اللہ ﷺ ایس ہی جا رہی تھی قد احلها اللہ لی فہی حرام علی التمس بذلک رضاک فلا تخبری بهذا امرأة منهن فلما خرج رسول اللہ ﷺ فرغت حفصۃ الجدار الذی بینہا و بین عائشۃ فقالت الا ابشرک ان رسول اللہ ﷺ قد حرم علیہ امۃ ماریہ وان اللہ قلر احنا منها واخبرت عائشۃ بما رأت فلم تکلم فطلقها رسول اللہ ﷺ بطریق الجزاء علی الفشاء سترہ۔ یہاں تک تو روح البیان، خطیب وغیرہ کا بیان تھا آگے خطیب کی عبارت مختلف ہوئی۔ اس میں یہ ہے۔ واخبرت عائشۃ فلم یزل نبی اللہ ﷺ حتی حلف ان لا یقر بها ای الماریہ۔ خطیب کی عبارت تو مفسر کی موید ہے کہ ماریہ کی حرمت مراد ہے اور اسی سے رجعت کا حکم ہے۔ لیکن روح البیان کا بیان مفسر کے برعکس ہے۔ اس سے حصہ کی حرمت و رجعت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ انہ ﷺ کا کہنا تھا کہ اے امہ یطاً! تم تو انزل بہ و حفصہ و عائشہ حتی حرمها فانزل اللہ یا ایہا النبی۔ لیکن تفسیرات احمدیہ میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے۔ انہ علیہ السلام خلا ہمارۃ فی یوم عائشہ و علمت بذلك حفصہ فقال لہا اکمی علی وقد حرمت ما رۃ علی نفسی و ابشرک ان ابا بکر و عمر یملکان بعدی امرأتی فاخبرت بہ عائشہ و کانتا متصافین منزلت فنزلت و قبل انہ علیہ السلام دخل یوم علی حفصہ یوم نوبتها و کان عمر مریضاً فلذبت لعیادة ابیہا علی ما فی الحینی اولتاتی الطعام منہ الی رسول اللہ ﷺ ما فی الزاہدی فطلب علیہ السلام ماریۃ القبطیۃ فی مکانہا و لما عملت ذلک ثقل علیہا فحرمہا لا جلہا و بشرہا بخلافۃ الشیخین فارضا منا بذلك و استکمنا فلم تکتُم فطلقہا و اعنزل نساء ہ و مکث تسعا و عشرين لیلة فی بیت ماریۃ فنزل جبرئیل و قال راجعہا فانہا صرامة و انتہا لمن نساء ک فی الجنة ہکذا فی الکشاف و المدارک او انہ طلقہا و لکن اشتکی منها ہکذا فی الزاہدی و قد ذکرہو فی ہذا المقام و جوہا شتی و قصصاً مختلفہ و حکایات طویلہ۔ لیکن صحیح بخاری کی روایت اس سلسلہ میں دوسری ہے۔ عن جابر انہ ﷺ کان یمکث عند زینب بنت جحش و یشرب عندها عسلاً فواطئت بہ عائشہ و حفصہ فقلن لہ انا نشم منک ریح المغافیر فحرم العسل فنزلت یا ایہا النبی۔ امام نسائی فرماتے ہیں۔ حدیث عائشہ فی العسل فی غایۃ الجودۃ و حدیث ماریۃ لم یات من طریق جید۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ الصحیح انہا فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المروی فی غیر الصحیحین فانہا لم یات من طریق صحیح۔

تفسیرات احمدیہ میں اس کی تفصیل درج ہے۔ ان النبی ﷺ کان احب العسل فاذا دخل زینبؓ یوما قربتہ شراباً لطیفاً و اقدمتہ بین ایدی رسول اللہ ﷺ فشرب بہ و احسن علیہ فقلت تلک الحلة علی بعض الازواج اعنی عائشہ و حفصہ و غیرہما فحلفت بانہ ان دخل علینا علیہ السلام نقول لہ شاہدنا منک ریح المغفور فلما دخل علیہ السلام قلن یا رسول اللہ شاہدنا منک ریح المغفور فقال علیہ السلام ما شربت المغفور و لکن شربت العسل فی بیت زینبؓ فقال حرمت نخلة الفوط حرم العسل علی نفسی فواللہ لا اکل فنزلت علی ما قالوا و قبل شراب العسل عند الحنفیۃ فواطات عائشہ سودہ و صفیۃ فقلن لہ انا نشم منک ریح المغافیر الخ صرح بہ فی البیضاوی بہت ممکن ہے کہ یہ سب واقعے ہوئے ہوں اور بعد میں یہ آیات نازل ہوئیں ہوں۔

فخانتا ہما۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ بخیانۃ امراۃ نوح قولہا انہ مجنون و خیانۃ امراۃ لوط و دلا لہا علی ضیفہ۔ کلبیؒ کہتے ہیں۔ اسرتا النفاق و اظہرتا الایمان۔

امراۃ فرعون۔ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔ ان فرعون و تد لا مراۃ اربعۃ فی یدیہا و رجلیہا فکانوا اذا تفرقوا اظلتہا الملائکۃ۔ دوسری روایت ہے، ان فرعون و تد لا امراۃ او تاداو اوضعہا علی صدرہا ریحی و استقبل بہا عین الشمس فرفعت رأسہا الی السماء فقالت رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنة فخرج اللہ بہا عن بیتہا فی الجنة۔ اور سلمانؓ کی روایت ہے۔ کانت امراۃ فرعون تعذب فاذا انصرفوا عنها اظلتہا الملائکۃ باجنحتہا و کانت تری بیتہا فی الجنة۔

اور حسن بن کیسانؓ کہتے ہیں۔ رفعت الی الجنة وہی حیۃ تا کل و تشرب۔

﴿تشریح﴾..... آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا۔ اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا۔ پھر کئی روز بھی معمول ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے دل کرتی تھیں کہ آپ ﷺ کو چنانچہ آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینبؓ کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دیکھیں ہوں گی۔ حفصہؓ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اسی قسم کا قصہ ماریہؓ قبطیہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جو آپ ﷺ کی حرم اور صاحبزادہ ابراہیمؓ کی والدہ تھیں۔ اس میں بھی آپ ﷺ نے قسم بیویوں کو ٹھمن کر دیا۔ اور حفصہؓ کو منع کر دیا کہ دوسروں کے سامنے اس کا اظہار مت کرنا۔ مگر حضرت حفصہؓ نے یہ بات حضرت عائشہؓ سے چھپ دی۔ آپ ﷺ نے حفصہؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم نے عائشہؓ سے یہ بات کیوں کہہ دی۔ حالانکہ میں نے منع کر دیا تھا اور وہ تعجب ہو کر بولیں۔ آپ ﷺ سے کس نے کہا۔ شاید عائشہؓ کی طرف خیال کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔

قسم کا حکم:..... فحله ایماکم۔ حلال اور مباح چیز کو مباح سمجھتے ہوئے اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا کہ میں اس کام کو نہیں کروں گا تحریم حلال ہے۔ اگرچہ یہ پابندی صحیح مصلحت کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے منع نہیں ہے۔ مگر حضور ﷺ کی رفعت کے شایان شان نہیں تھی کیونکہ اس میں بعض ازواج کی خوشنودی مزاج کی خاطر آئندہ امت کے لئے ایک اسوہ قائم ہوتا تھا۔ جو شکی کا موجب نہ ہوتا۔ اس لئے حمیہ فرمادی کہ بیویوں کے ساتھ بے شک خوش اخلاقی کی ضرورت ہے مگر اس حد تک نہیں کہ ایک جائز چیز سے محروم ہو جائیں۔ خیر اس خلاف اولیٰ بات کو ہم معاف کئے دیتے ہیں۔

پہلی شریعتوں میں اس کا خلاف اولیٰ نہ ہونا آیت کل الطعام الخ پارہ لن تالوا میں گزر چکا ہے اور تحریم حلال کے اقسام و احکام آیت لا تحرما طیات سورہ مائدہ میں گزر چکے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا ہوگا کہ میں اپنے اوپر شہد کو حرام کرتا ہوں۔ یا فرمایا ہوگا کہ واللہ میں شہد نہیں پیوں گا۔ بہر صورت یہ قسم ہے۔ اور چونکہ اس کا اثر تحریم ہے۔ یعنی اس سے بچنا ضروری ہے اس لئے اس کو تحریم سے تعبیر فرما دیا جس پر کفارہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غلام آزاد فرما دیا۔

آنحضرت ﷺ کی مروّت:..... عرف بعضہ و اعرض عن بعض، یعنی آپ ﷺ کی غایت کرم اور اخلاق کی بات ہے کہ خلاف ورزی کرنے پر بیوی کی شکایت بھی کرنے بیٹھے تو آدمی بات کی اور آدمی کو گول کر گئے کہ شرمندگی اور خجالت زیادہ ہوگی۔ پس کچھ کہا اور کچھ نہیں کہا۔ تا کہ وہ سمجھیں کہ بس آپ کو اتنے ہی کی خبر ہوتی ہوگی تو شرمندگی کم ہوگی۔ اور بیویوں کو سنا دیا کہ وہ محجوب ہو کر تائب ہوں۔ پس جو بات اللہ و رسول نے ٹلا دی ہم کیا جانیں؟ اسی لئے ٹلا دی کہ بے ضرورت چہر چاند ہو۔ تاکہ اور لوگ برا نہ مانیں۔ خلافت کا مضمون جو بعض روایات میں آیا ہے وہ بعض شیعہ حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ال لئے خلافت کے معاملہ میں انہیں مجبور ہونا چاہیے۔

ان تقوا بالی اللہ:..... حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو فرمایا گیا کہ تمہارے دل اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کوڑھلک گئے تھے یعنی یہ کہ دوسری بیویوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنالیں ہر ایک بیوی کی یہی تمنا تھی کہ وہ زائد از زائد حضور ﷺ کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات حاصل کر لیں۔ حب رسول اگرچہ نہایت مستحسن چیز ہے لیکن اس طور پر نہیں کہ دوسروں کے حقوق تلف ہو جائیں اور دوسروں کے دل ٹوٹیں کہ یہ چیزیں قبیح ہیں اور قبیح کا ذریعہ بھی قبیح ہوتا ہے مرد کے لئے یہ موقعہ قتل و تدبر اور خوش اخلاقی کے اتمام کا نازک ترین موقعہ ہوتا ہے حضور ﷺ اس

نازک موقع پر بھی اسی غیر متزلزل ثبات قدمی کے ساتھ جیسے رہے جس کی توقع سید الانبیاء علیہ السلام کی سیرت پاک سے ہو سکتی تھی۔ غرضیکہ اس لحاظ سے ازواج کو تنبیہ فرمائی گئی کہ محبت میں اعتدال ملحوظ رکھو اور بے اعتدالی سے پرہیز کرو۔

گھریلو نازک پیچیدگیاں:..... وان تظاہر اعلیہ۔ خاوند بیوی کے معاملات بعض مرتبہ ابتداء بہت معمولی نظر آتے ہیں۔ لیکن ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورتحال اختیار کرتے ہیں۔ خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے، اس لئے متغیر فرما دیا کہ دیکھو اگر تم اس طرح کی کاروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔ تو یاد رکھو کہ ان سے پیغمبر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اللہ فرشتے، نیک بندے، ایمان دار لوگ جس کے رفیق کار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ ہاں تمہیں ضرر پہنچنے کا امکان ہے۔ اور بعض اسلاف نے صالح المؤمنین کا مصداق ابو بکرؓ، و عمرؓ کو کہا ہے۔ شاید صاحبزادیوں کی مناسبت سے ہو۔ انہیں ہی سے ہر ایک کی رفاقت حسب مراتب ہوگی۔ حق تعالیٰ کی رفاقت تو حقیقی ہے اور جبریل کی رفاقت واسطہ فیض ہونے کی وجہ سے اور فرشتوں کی رفاقت سیکہ نازل کرنے کے اعتبار سے ہے اور مؤمنین کی رفاقت تابع ہونے کے لحاظ سے۔

عسیٰ رہہ ان طلقن۔ یعنی یہ دوسرے دل میں نہ لانا کہ آخر مردوں کو بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں۔ اس لئے مجبوراً ہماری باتیں سنی جائیں گی۔ یاد رکھو کہ اللہ چاہے تو پیغمبر کے لئے تم سے بہتر بیویاں پیدا کر دے۔ اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔ حیات کا ذکر اس لئے ہے کہ بعض مرتبہ بعض مصالح کے لحاظ سے ان کو غیر شادی شدہ پر ترجیح دی جاتی ہے اور خیراً ممکن سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالفعل ازواج سے بہتر کچھ عورتیں نہیں ہاں اگر تبدیلی کی نوبت آتی تو اللہ تعالیٰ بہتر بیویاں دے سکتا تھا۔

یا ایہا الدین امنوا قوا انفسکم۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر لائے سمجھا کر ڈرا کر، پیار سے مار سے جس طرح سے ہو سکے۔ دیندار بنائے اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کھینچی ہے۔ یہ بے قصور ہے۔ ملائکہ غلاظ۔ یعنی جہنم پر ایسے فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ نہ کسی پر رحم کھا کر چھوڑیں اور نہ کوئی ان کی زبردست گرفت سے چھوٹ کر بھاگ سکے۔ وہ نہ حکم الہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور نہ سستی اور نہ ہی وہ اس کی تعمیل سے عاجز ہیں۔

نادر تحقیق:..... تو یہ نصوحا۔ صدق دلی سے تو یہ یہ ہے کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے اگر تو بہ کے بعد اپنی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ تو بہ میں کچھ کسر رہ گئی اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ گناہ چھوڑنے کے پختہ ارادے میں تحقیق یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنے کا ارادہ نہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن دل میں اگر گناہ خطور کرے تو قدرت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ بھی ضروری ہے۔ البتہ اگر قدرت نہ ہو تب بھی یہ ارادہ ضروری ہے کہ اگر قدرت ہوگی تب بھی گناہ نہیں کروں گا۔ اور دوزخ سے بچنے میں صرف تو بہ کا ذکر اس لئے ہے کہ معصوم کے علاوہ کون ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہو، اس لئے تو بہ کی حاجت زیادہ عام ہوئی۔ اور چونکہ طاعت نہ کرنا معصیت ہے اور تو بہ میں ترک معصیت ضروری ہے پس اس عموم میں فعل طاعت بھی آگیا۔ اس طرح یہ حکم طاعت بجالانے اور گناہ سے بچ رہنے کو عام ہو گیا۔

والدین امنوا۔ یعنی نبی کا کہنا ہی کیا۔ اللہ ان کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہیں کرے گا بلکہ اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ یہاں صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانا ہے پیغمبر کا ذکر یقین کی تقویت کے لئے ہے۔ نبی جیسے نبی کا رسوانہ ہونا یقینی ہے ایسا ہی مسلمانوں کی رسوائی نہ ہونا بھی یقینی ہے اور رسوائی سے خاص کفر کی رسوائی مراد ہے۔ آیت ان الخزی الیوم والساء علی الکافرین کی رو سے۔ اسی طرح مؤمنین سے مطلق مومن مراد ہے اور یہ عام رسوائی قیامت میں ہوگی۔ اس لئے قیامت کی تخصیص کر دی۔

وبناکم۔ قیامت میں ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نور عطا ہوگا۔ منافقین کا نور جب گل ہونے لگے گا تب مؤمنین یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ نوید ایمان

اخیر تک رکھے۔ یا یہ معنی ہیں کہ نور ایمان دل میں ہے۔ دل بڑھے تو سارے بدن میں سرایت کرے اور گوشت پوست میں رچ جائے۔ اور یہ اتمام نور سب مومنین کے لئے عام ہے اور اس سے گنہ گار مسلمانوں کا دوزخ میں نہ جانا لازم نہیں آتا کیونکہ نور ایمان کے رہتے ہوئے بھی گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جانا ممکن ہے۔ رہا یہ شبہ کہ پھر نور باقی رہے یا گل نہ ہونے سے کیا فائدہ؟ سوال تو حکم ہے۔ کہ وہ نور اصل میں ان کے ایمان کی صورت مثالیہ ہو اور اس کا نور باقی رہنا وجود ایمان کے لوازم میں سے ہے اور لوازم میں غایت کا سوال ہی زائد ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس نور سے انیت ہونا بھی اس کی غایت ہے۔ یعنی کفار کی طرح گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں وحشت نہیں ہوگی۔

آیت یا ایہا اللدین سے کفار کا بغض ہونا معلوم ہوا اس لئے حضور ﷺ کو بطور تفریح کے ارشاد ہے اور ان کے جنہمی ہونے کی اطلاع بھی ہے کہ کفار و منافقین سے سختی سے نبٹئے۔ گویا حضور ﷺ کی نرم خوئی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دلوں کو فرماتا ہے کہ تم کی کجی کرو اور آپ ﷺ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔ ہمارے پاس جب یہ آئیں گے تو ہمارے یہاں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی۔

انسان کا اپنا عمل اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے..... اوپر کی آیت قوا انفسکم و اہلیکم سے دو باتیں معلوم ہوئی تھیں، ایک گھر والے پر گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری جو دلالت مطاہقی کے طور پر ہے۔ دوسرے گھر والے کی خود اپنی اصلاح جو دلالت التزامی سے معلوم ہوئی۔ جو اگرچہ قوا انفسکم و اہلیکم کے عموم میں دلالت مطاہقی کے طور پر بھی داخل ہو سکتی ہے۔ پس اس دوسری صورت کے واجب ہونے پر جس کا زیادہ مصداق عورتیں ہوتی ہیں۔ دوسو سے ہو سکتے تھے ایک دوسو صلحاء کے متعلقین کو ہو سکتا تھا کہ اگر ہم صلحاء نہ بھی ہوں تب بھی ان صالحین کے انتساب میں ہمارے لئے فلاح آخرت ہے! اسی طرح دوسرا دوسو غیر صلحاء کے متعلقین کو ہو سکتا تھا کہ اگر ہم نیک بھی ہو جائیں تب بھی ان غیر صلحاء کی شامت میں پھنسا پڑے گا۔ اور ایک تیسرا شبہ کنواری یا بیوہ عورتوں کو بھی ہو سکتا ہے جو ہر دست کسی صالح یا غیر صالح سے وابستہ نہیں ہیں۔ وہ یہ کہ شاید عورتوں کی کامل اصلاح مردوں کی اصلاح پر موقوف ہوگی۔ جب ہی تو مردوں کو اصلاح کا حکم ہوا ہے۔ ان شبہات کے رفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اجمالاً عورتوں کے چند قصے فرمادیئے ہیں۔

نوح و لوط کی بیویوں کے قصے تو پہلا شبہ دور ہو گیا۔ اور فرعون کی بیوی کے قصہ سے دوسرا دوسو دور ہو گیا اور حضرت مریم کے قصہ سے تیسرا دوسو رفع ہو گیا اور چونکہ پہلے دوسو میں زیادہ ابتلاء ہے۔ اس لئے اس کے دوہرے قصے بیان فرمادیئے۔ اور تیسرے دوسو میں مردوں کو خطاب کرنا تسہیل صلاح کے لئے ہے۔ یہ نہیں کہ صلاح کا توقف اصلاح پر ہے کہ اگر اصلاح ہوگی تو صلاح حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔

اچھی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں..... اموات نوح و اموات لوط۔ حضرت لوط اور نوح کیسے نیک بندے ہیں مگر دونوں کے گھروں میں بیویاں منافق تھیں۔ بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا۔ مگر دل سے کافروں کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا۔ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا۔ پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الہی سے نہ بچا سکا۔ ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی ایمانداران کا شوہر پکا باغی۔ مگر وہ بیوی خاوند کو خدا کے عذاب سے نہ بچا سکی اور نہ ہی خاوند کی شرابت و خباثت کے جرم میں بیوی کو کچھ آنچ آسکی۔ یہ وہم نہ کیا جائے نوح و لوط کے بیویوں کے قصے ازواج مطہرات کے لئے سنائے۔ کیونکہ ان کے لئے تو سورۃ نور میں الطبیات للطیین کہا جا چکا ہے اور اگر ایسا وہم کیا جائے۔ تو فرعون کی بیوی کی مثال مجازاً اللہ کس پر چسپاں کی جائے گی۔

امراۃ فرعون۔ حضرت موسیٰ کی انہوں نے پرورش کی تھی اور ان کی مددگار تھیں اور ان کی معتقد تھیں بعد میں جب فرعون کو یہ حال کھلا تو انہیں سخت اذیتوں میں مبتلا کیا۔ مگر وہ اس سے مس نہ ہوئیں۔ حتیٰ کہ جان شیریں جان آفرین کے سپرد کردی۔ حدیث میں ان کے ولی کامل ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ نے بھی ان کے ساتھ مریم کا ذکر کیا ہے۔ فنہننا فیہا۔ نفع جبریلی جس کی برکت سے استقرار حمل ہوا حق تعالیٰ نے اپنی

طرف منسوب فرمایا کہ فاعل حقیقی اور موثر بالذات وہی ہیں۔ آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کے سوا کون ہے؟ بعض مفسرین نے فوج کے معنی چاک گریباں کے لئے ہیں۔ یہ نہایت بلیغ کنایہ ہے۔ ان کی عفت و پاکدامنی سے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے گریبان تک بھی کسی کا ہاتھ پہنچنے نہیں دیا۔ عرب بولتے ہیں۔ فلان نقی الجیب، طاہر الدلیل۔ اردو میں بھی پاکدامنی کا لفظ عفت سے کنایہ ہوتا ہے اور دامن کی پاکی ناپاکی سے بحث نہیں ہوتی۔

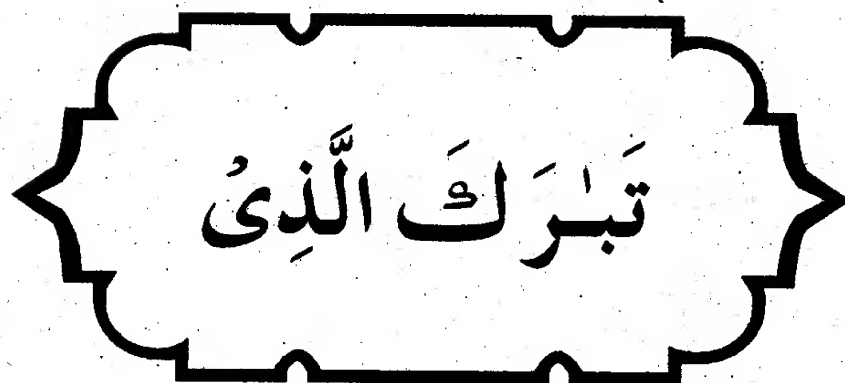
لَطَائِفُ سَلُوكٍ..... یا ایہا النبی لم تحرم۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کی اتنی رعایت نہ کرو کہ اپنا دنیاوی نقصان ہونے لگے کہ اس سے دوسرے کے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں۔

اعرض عن بعض۔ اللہ کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ دوسروں کو زیادہ فحش نہیں کرتے۔

تَوَبَّأَ إِلَى اللَّهِ۔ توبہ خالص کے وجوب پر نص ہے۔

امراً نوح۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض صلحاء کے انتساب پر ناز نہ کرے جب تک اپنے پاس طاعت نہ ہو۔

پارہ نمبر ﴿۲۹﴾





فہرست پارہ ﴿تَبَرُّكُ الذی﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۰۳	قرآنی حقائق کا سرچشمہ ہے	۴۷۸	فضائل و شان نزول
۵۰۹	قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا	۴۷۸	آسمان موجود ہیں یا نہیں
۵۱۰	انسان جی کیا اور بے صبر ہے	۴۸۰	نڈرنے کا انجام
۵۱۰	بروں کا پتا کر اللہ اچھوں کو کھڑا کر سکتا ہے	۴۸۰	زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے
۵۱۶	مومن و کافروں کو اگر چہ موت آتی ہے مگر دونوں کے	۴۸۰	پرندے زمین پر گرتے نہیں ہیں
۵۱۷	ثمرات الگ الگ تیرے	۴۸۱	ایک موحد اور مشرک کی چال الگ الگ ہے
۵۱۷	ایک شبہ کا ازالہ	۴۸۱	مسلمان آباد ہوں یا بر باد کافروں کو کیا فائدہ؟
۵۱۷	دلائل قدرت	۴۸۹	شان نزول و روایات
۵۱۸	استدراج	۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانہ ہیں
۵۲۷	شان نزول	۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم
۵۲۷	انسان پہلے جنات سے ڈرا کرتے تھے	۴۹۱	مذہب مذموم ہے لیکن ملاطفت و حکمت مستحسن ہے
۵۲۷	شبہات کا ازالہ	۴۹۱	مال و دولت کی بجائے اعمال و اخلاق لائق توجہ ہونے چاہئیں
۵۲۷	قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دو طرح کے ہوں گے	۴۹۲	کیا پرہیزگار اور گناہ گار دونوں برابر ہو سکتے ہیں
۵۲۹	اسلام کا دوسرے مذہب سے امتیاز	۴۹۲	قیامت میں تجلی ساق
۵۲۹	پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے	۴۹۲	عبد نہ کرنے کی سزا
۵۲۹	ابلاغ اور رسالت میں فرض	۴۹۳	حضرت یونس کا غم
۵۲۹	علم غیب کی بحث	۴۹۳	آنحضرت ﷺ کو جلی کنی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا
۵۳۰	وحی کی حفاظت	۵۰۰	نافرمان قوموں پر عذاب الہی
۵۳۸	شان نزول و روایات	۵۰۱	ایک شبہ کا ازالہ
۵۳۹	وحی کا نقل	۵۰۱	دو زنجیروں کی درگت
۵۴۰	رات کا جاگنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی	۵۰۲	قرآن کیا ہے
۵۴۰	شب بیداری کی تیسری حکمت	۵۰۲	دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے
۵۴۱	اللہ سے باقی بچ کر کہاں جاسکتے ہیں	۵۰۳	جھوٹے اور سچے نبی کا فرق

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۶۷	انسان باطبع عجلت پسند ہے	۵۴۲	دشواری کے بعد آسانی
۵۶۷	جانکنی کا ہولناک منظر	۵۵۱	شان نزول و روایات
۵۶۸	قیامت کی عقلی دلیل	۵۵۳	کپڑوں اور نفس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے
۵۶۷	انسان کی فطرت یکساں طور پر رہنما ہے	۵۵۳	لاچکی کی نیت کبھی نہیں بھرتی
۵۷۷	دنیا میں ابرار کا حل اور آخرت میں ان کی شان	۵۵۳	ولید پلیدی کی خباثتیں
۵۷۷	جنت کی نعمتیں اور عیش و عشرت	۵۵۳	قرآن کی ہر زمانے میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے کی تردید کرتی ہے
۵۷۷	قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اثر تا ہی حکمت و مصلحت ہے	۵۵۳	دوزخ میں انیس فرشتے کیوں مقرر ہیں؟
۵۷۸	انسان کا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہے	۵۵۵	دوزخ معمور انیس فرشتوں کی حکمت
۵۸۶	مختلف قسمیں اور ان کی مضمون قسم سے مناسبت	۵۵۵	ایمان میں زیادتی و کمی
۵۸۶	قیامت کا ہولناک نقشہ	۵۵۶	حاکمانہ جواب
۵۸۶	مقرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی	۵۵۶	مقربین اور اصحاب الیمین
۵۸۷	مرکز جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھانا کیوں مشکل ہے	۵۵۷	کفار کیا فرعی احکام کے مکلف ہیں؟
۵۸۷	قیامت کی ہیبت و وحشت	۵۵۷	خن سازی بہانہ بازی
۵۸۸	دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل	۵۶۵	شان نزول و روایات
		۵۶۵	قسموں کی مناسبت
		۵۶۶	اللہ کا کمال قدرت
		۵۶۶	قیامت کے ڈر سے عیش میں کھنڈت پڑتی ہے
		۵۶۶	انسان کی خالت توحید کی دعوت ہے
		۵۶۷	کلام الہی مربوط پڑ

تَبَرَّكَ الَّذِي

سُورَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

تَبَرَّكَ تَنْزَهُ عَنْ صِفَاتِ الْمُحْدِثِينَ الَّذِي بِيَدِهِ فِي تَصَرُّفِهِ الْمُلْكُ السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱) الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ فِي الدُّنْيَا وَالْحَيَاةَ فِي الْآخِرَةِ أَوْ هُمَا فِي الدُّنْيَا فَالْنُّطْفَةُ تَعْرِضُ لَهَا الْحَيَاةُ وَهِيَ مَسَابِهُ الْإِحْسَاسِ وَالْمَوْتُ ضِدُّهَا أَوْ عَدَمُهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِي بِمَعْنَى التَّقْدِيرِ لِيَسْلُوكُمْ لِيَخْتَبِرَكُمْ فِي الْحَيَاةِ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا أَطْوَعَ لِلَّهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي إِنْتِقَامِهِ مِمَّنْ عَصَاهُ الْغَفُورُ (۲) لَمَنْ تَابَ إِلَيْهِ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِ مِمَّا سِةَ مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ لَهُنَّ وَلَا لغيرِهنَّ مِنْ تَقَوُّتٍ تَبَاطَيْنِ وَعَدَمِ تَنَاسُبٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ أَعِدْهُ إِلَى السَّمَاءِ هَلْ تَرَى فِيهَا مِنْ فُطُورٍ (۳) صُدُوعٍ وَشُقُوقٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ يَنْقَلِبُ يَرْجِعُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِنًا ذَلِيلًا لِعَدَمِ إِدْرَاكِ خَلَلٍ وَهُوَ حَسِيرٌ (۴) مُنْقَطِعٌ عَنْ رُؤْيَا خَلَلٍ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا الْقُرْبَى إِلَى الْأَرْضِ بِمَصَابِيحَ بِنُجُومٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا مَرَاجِمَ لِلشَّيْطَانِ إِذَا اسْتَرْقَوْا السَّمْعَ يَأْنٍ يَنْفَصِلُ شَهَابٌ عَنِ الْكَوْكَبِ كَالْقَبَسِ يُؤْخَذُ مِنَ النَّارِ فَيَقْتُلُ الْحَيَّ أَوْ يُحْيِيهِ لَا إِنْ الْكَوْكَبُ يَزُولُ عَنْ مَكَانِهِ وَاعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (۵) النَّارِ الْمُوقَدَةِ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۶) هِيَ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْحِمَارِ وَهِيَ تَفُورُ (۷) تَغْلَى تَكَادُ تَمِيزُ وَقُرْئِ تَمِيزٌ عَلَى الْأَصْلِ تَنْقَطِعُ مِنَ الْغَيْظِ غَضَبًا عَلَى الْكُفَّارِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ سَأَلُوهُمْ خَزَنَتُهَا سَوَالٌ تَوْبِيخٍ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ (۸) رَسُولٌ يُنذِرُكُمْ

عَذَابَ اللَّهِ تَعَالَى قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرُهُ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ مَا أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِ الْمَلَائِكَةِ لِلْكَافِرِ حِينَ أَخْبَرُوا بِالْكَذِبِ وَأَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِ الْكُفَّارِ لِلنَّذْرِ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَأَعْرِضُوا حَيْثُ لَا يَنْفَعُ الْإِعْرَافَ بِذُنُوبِهِمْ وَهُوَ تَكْذِيبُ النَّذْرِ فَسُحْقًا لِمَنْ كَانُوا فِيهِ وَضَمَّتْهَا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾ فَبَعْدَ لَهُمْ عَنْ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ يَخَافُونَهُ بِالْغَيْبِ فِي غَيْبَةٍ عَنْ أَعْيُنِ النَّاسِ فَيُطِيعُونَهُ سِرًّا فَيَكُونُونَ عِلَالِيَّةً أُولَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ أَيْ الْحَنَّةُ وَأَسِرُوا أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلَكُمْ أَوَاجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ تَعَالَى عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ بِمَا فِيهَا فَكَيْفَ بِمَا نَطَقْتُمْ بِهِ وَسَبَبُ نَزُولِ ذَلِكَ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَسِرُوا قَوْلَكُمْ لَا يَسْمَعُكُمْ إِلَهٌ مُحمَّدٌ عَ الْإِلَهِمْ مَنْ خَلَقَ مَا تُسِرُّونَ أَيْ ائْتَنَفِي عِلْمُهُ بِذَلِكَ وَهُوَ اللَّطِيفُ فِي عِلْمِهِ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ فِيهِ لَا هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا سَهْلَةً لِلْمَشْيِ فِيهَا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَجَانِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ الْمَخْلُوقِ لَا خَلْقَكُمْ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ مِنَ الْقُبُورِ لِلْحَزَاءِ ءَامَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَإِدْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْأُخْرَى وَتَرْكِهَا وَإِدْخَالِهَا أَلِفًا مِّنْ فِي السَّمَاءِ سُلْطَانُهُ وَقُدْرَتُهُ أَنْ يَخْسِفَ بَدَلَ مِّنْ مِّنْ بِيكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾ تَتَحَرَّكُ بِكُمْ وَتَرْتَفِعُ فَوْقَكُمْ أَمْ آمَنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ بَدَلَ مِّنْ مِّنْ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا رِيحًا تَرْمِيكُمْ بِالْحَصْبَاءِ فَسَتَعْلَمُونَ عِنْدَ مُعَابَةِ الْعَذَابِ كَيْفَ نَذِيرٌ ﴿١٧﴾ إِنْ دَارَى بِالْعَذَابِ أَيْ أَنَّهُ حَقٌّ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْأُمَمِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ ﴿١٨﴾ إِنْكَارِي عَلَيْهِمْ بِالْكَذِبِ عِنْدَ إِهْلَاكِهِمْ أَيْ أَنَّهُ حَقٌّ أَوَّلَمْ يَرَوْا يَنْظُرُوا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ فِي الْهَوَاءِ صَفَتْ بِأَسْطَاتٍ أُنْجَحَتْهُنَّ وَيَقْبِضْنَ أُنْجَحَتْهُنَّ بَعْدَ الْبُسْطِ وَقَابِضَاتٍ مَا يُمْسِكُهُنَّ عَنِ الْوُقُوعِ فِي حَالِ الْبُسْطِ وَالْقَبْضِ إِلَّا الرَّحْمَنُ بِقُدْرَتِهِ أَنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بِصِيرٌ ﴿١٩﴾ الْمَعْنَى لَمْ يَسْتَدِلُّوا بِثُبُوتِ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ عَلَى قُدْرَتِنَا أَنْ نَفْعَلَ بِهِمْ مَا تَقَدَّمَ وَغَيْرُهُ مِنَ الْعَذَابِ آمَنَ مُبْتَدَأُ هَذَا خَبَرُهُ الَّذِي بَدَلَ مِنْ هَذَا هُوَ جُنْدٌ أَعْوَانٌ لَّكُمْ صِلَةُ الَّذِي يَنْصُرُكُمْ صِفَةُ جُنْدٍ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ أَيْ غَيْرِهِ يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهُ أَيْ لَا نَاصِرَ لَكُمْ إِنْ مَا الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ غَرَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِأَنَّ الْعَذَابَ لَا يَنْزِلُ بِهِمْ آمَنَ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ الرَّحْمَنُ رِزْقَهُ أَيْ الْمَطَرِ عَنْكُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْدُوفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ فَمَنْ يَرْزُقُكُمْ أَيْ لَا رَازِقَ لَكُمْ غَيْرُهُ بَلْ لَّجُوا تَمَادُّوا فِي عُتُوِّ تَكْبَرٍ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾ تَبَاعَدَ عَنِ

الْحَقِّ أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا وَقِيعًا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا مُّعْتَدِلًا عَلَىٰ صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۳۰﴾ وَخَبَرُ مِنَ الثَّانِيَةِ مَحذُوفٌ دَلَّ عَلَيْهِ خَبَرُ الْأُولَىٰ أَيُّ أَهْدَىٰ وَالْمَثَلُ فِي الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ أَيُّ أَهْمَا عَلَىٰ هُدَىٰ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ خَلْقَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ الْقُلُوبَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿۳۱﴾ مَا مَزِيدُهُ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ مُّخْبِرَةٌ بِقِلَّةِ شُكْرِهِمْ جَدًّا عَلَىٰ هَذِهِ النِّعَمِ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ خَلْقَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۳۲﴾ لِلْحِسَابِ وَيَقُولُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ فَمَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ وَعَدَدُ الْحَشْرِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۳﴾ فِيهِ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ بِمَحَبَّتِهِ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۳۴﴾ بَيْنَ الْإِنذَارِ فَلَمَّا رَأَوْهُ أَيُّ الْعَذَابِ بَعْدَ الْحَشْرِ زُلْفَةً قَرِيبًا سَيِّئَتْ إِسْوَدَتْ وَجُوهَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ أَيُّ قَالَ الْخَزَنَةُ لَهُمْ هَذَا أَيُّ الْعَذَابِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ يَنْذَرُهُ تَدْعُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّكُمْ لَا تَبْعَثُونَ وَهَذِهِ حِكَايَةُ حَالٍ تَأْتِي غَيْرَ عَنْهَا بِطَرِيقِ الْمُضِيِّ لِتَحَقُّقِ وَقُوعِهَا قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِعَذَابِهِ كَمَا تَقْصِدُونَ أَوْ رَحِمْنَا فَلَمْ يُعَذِّبْنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ ﴿۳۶﴾ أَيُّ لَا مُجِيرَ لَهُمْ مِنْهُ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ عِنْدَ مُعَايِنَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۷﴾ بَيْنَ أَنْحَنُ أَمْ أَنْتُمْ أَمْ هُمْ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا غَائِرًا فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ ﴿۳۸﴾ حَارِ تَنَالَهُ الْأَيْدِي وَالْذَّلَاءُ كَمَا يَكُونُ أَيُّ لَا يَأْتِي بِهِ إِلَّا اللَّهُ فَكَيْفَ تَنْكُرُونَ أَنْ يَبْعَثَكُمْ وَيَسْتَحِبُّ أَنْ يَقُولَ الْقَارِئُ عَقِيبَ مُعِينِ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ وَتَلَيْتُ هَذِهِ الْآيَةَ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَحَرِّينَ فَقَالَ تَأْتِي بِهِ الْقَوْسُ وَالْمُعَاوِلُ فَذَهَبَ مَاءٌ عَيْنِهِ وَعَمِيَ نَعُودُ بِاللَّهِ مِنَ الْجُرْأَةِ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى آيَاتِهِ

سورۃ ملک مکہ ہے جس میں تیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے پاک) جس کے قبضہ (تصرف) میں تمام ملک (سلطنت و قدرت) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت کو (دنیا میں) اور حیات کو پیدا کیا ہے (آخرت میں) یا موت و حیات دونوں دنیا میں پیدا کیں۔ چنانچہ نطفہ میں جان آتی ہے جس کے ذریعہ احساس ہوتا ہے اور موت، حیات کی ضد کا نام ہے یا اس کے عدم کا؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ دوسری صورت میں خلق کے معنی تقدیر کے ہوں گے) تاکہ (دنیا میں) تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا (اللہ کا بہت فرمانبردار) ہے اور وہ (کافرانوں سے انتقام لینے میں) زبردست (توبہ کرنے والوں) کو بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے (جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہیں) تو اللہ کی صنعت میں (آسمانوں اور دوسری چیزوں کی

بناوٹ میں) کوئی خلل (فرق اور بے ٹکاپن) نہیں دیکھے گا، سو تو پھر نگاہ ڈال کر (دوبارہ آسمانوں کو) دیکھ لے، کہیں تجھ کو (اس میں) کوئی خلل (پھٹن، شکاف) نظر آتا ہے؟ پھر بار بار (یکے بعد دیگرے) نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی (کوئی خلل دکھائی نہ پڑنے کی وجہ سے) اور ماندہ بن کر (خلل نظر نہ آنے کی وجہ سے تھک کر) اور ہم نے (زمین سے) قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے (جس وقت سے وہ چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں تو ستارہ سے انگارہ کی طرح کا ایک ٹکڑا جھڑتا ہے اور وہ اس جن کو بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا ڈالتا ہے یہ نہیں کہ ستارہ ٹوٹتا ہو) اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (جو بدعتی آگ ہے) اور جو اپنے پروردگار کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ جب (یہ) لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑی زور کی آوازیں گے (جو گدھے کی آواز کی طرح کی دھاڑ ہوگی) اور وہ جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ پڑے گی (ایک قرأت میں تسمیز اصلی حالت میں ہے۔ یعنی ٹکڑے ہو جائے گی) مارے غصہ کے (کفار پر) جب اس میں (ان کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اس سے (ڈانٹتے ہوئے) پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا (جو تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا) وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا مگر ہم نے اس کو جھٹلادیا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا تم بڑی غلطی میں پڑے ہو (ممکن ہے یہ اخیر جملہ فرشتوں نے کفار سے کہا ہو۔ جب کہ کافروں نے ان کو اپنے جھٹلانے کی خبر دی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار ہی کے کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے پیغمبروں سے کیا) اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے (غور سے) یا سمجھتے (فکر و تامل کرتے) تو ہم اہل دوزخ نہ ہوتے۔ غرض اقرار کریں گے (مگر جب کہ اقرار سے کچھ فائدہ نہ ہوگا) اپنے جرم (پیغمبروں کو جھٹلانے) کا، سولعت ہو (سکون حا اور ضمہ حا کے ساتھ ہے) دوزخیوں پر (خدا کی مار ہو) بلاشبہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بے دیکھے (لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بس مخفی طور پر اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں تو اعلانیہ اطاعت تو بدرجہ اولیٰ کرتے ہوں گے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (جنت) ہے اور (لوگو) تم چھپا کر بات کرو، یا پکار کر کہو، وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (سو تمہاری بات چیت سے وہ کیسے آگاہ نہیں ہوگا۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ آہستہ آہستہ باتیں کرو کہیں محمد کا خدا نہ سن لے) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے (تمہاری پوشیدہ باتیں یعنی کیا اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیز کی خبر نہیں ہے) اور وہ باریک بین ہے (بلحاظ علم کے) (باخبر ہے) (ایسی بات نہیں ہے) وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا (چلنے کے قابل نرم بنادیا) سو اس کے راستوں (اطراف) میں چلو پھرو اور اس کی روزی میں سے (جو اس نے تمہاری خاطر پیدا فرمائی) کھاؤ پو اور اس کے پاس (قبروں سے اٹھ کر جزا کے لئے) دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے اور دونوں کے ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر ہے) اس ذات سے جو آسمان میں ہے (اس کی سلطنت و قدرت) کہ وہ تمہیں رہنے دے (من سے بدل ہے) زمین میں پھر وہ زمین تھر تھرانے لگے (ڈانواؤں ہو کر تمہارے اوپر آ جائے) یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم پر چلا دے (من سے بدل ہے) ہوائے تند (جس میں پتھریاں اڑ کر تمہیں لگیں) سو عنقریب (عذاب آنے پر) تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا (عذاب کے سلسلہ میں یعنی برحق تھا) اور ان سے پہلے (امتوں کے) جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ (تباہ کر کے جھٹلانے کا مزہ چکھا دیا یعنی عذاب برحق نکلا) کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے اوپر (ہوا میں) پر پھیلائے ہوئے (بازو دکھو لے ہوئے) ہیں اور سمیٹ لیتے ہیں (اپنے پر پھیلائے کے بعد، یقبضن بمعنی قابضات ہے) ان کے پروں کے پھیلائے اور سمیٹنے کے وقت) کوئی تھاے ہوئے نہیں بجز

رحمان (کی قدرت) کے بے شک وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ کافر پرندوں کو ہوا میں دیکھ کر ہماری قدرت نہیں سمجھتے کہ ہماری پہلی کارروائی کر کے اور دوسرے طریقوں سے انہیں عذاب دے سکتے ہیں) ہاں کون ہے؟ (مبتداء) وہ (خبر) جو (ہذا سے بدل ہے) تمہارا لشکر (مدگار بن کر لکھم الذی کا صلہ ہے) تمہاری حفاظت کرے (جند کی صفت ہے) الرحمن کے سوا (یعنی اس کے علاوہ کون اس کے عذاب کو تم سے دور کر سکتا ہے یعنی کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے) کافر تو زے دھوکہ میں ہیں (شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ ان پر عذاب نہیں آئے گا) ہاں! وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچا دے؟ اگر (رحمن) اپنی روزی بند کر دے (یعنی بارش روک لے۔ جواب شرط محذوف ہے جس پر پہلا کلام دلالت کر رہا ہے۔ یعنی فہم یوزقکم حاصل یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جیسے ہوئے (حد سے بڑھے ہوئے) ہیں۔ سرکشی (تکبر) اور نفرت (حق سے دوری) پر۔ سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہے یا وہ شخص جو سیدھا (میان روئی کے ساتھ) ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو (دوسرے منہ کی خبر محذوف ہے جس پر چل کر منہ کی خبر دالت کر رہی ہے۔ یعنی اھدیٰ اور یہ مثال مومن و کافر کی ہے کہ ان میں سے کون ہدایت پر ہے) آپ کہہ دیجئے کہ وہی ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (مازائد ہے اور جملہ مستانہ ہے، ان نعمتوں پر ان کا بہت کم شکر ادا کرنے کی اطلاع دینے کے لئے ہے) آپ کہئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس (حساب کے لئے) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا۔ اگر تم سچے (اس میں) آپ کہئے کہ اس کے (آنے کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس عذاب کو (حشر کے بعد) آتا ہوا (نزدیک) دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بگڑ (کالے ہو) جائیں گے اور کہا جائے گا (داروغہ جنم کی زبانی) یہی (عذاب) ہے وہ جس کو تم (ڈرانے کے وقت) کہا کرتے تھے (کہ تمہارا حشر نہیں ہوگا اور یہ آئندہ کے حال کی حکایت ہے جس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یقینی ہونے کی وجہ سے آپ کہئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے (مومنین کو عذاب کے ذریعہ جو تمہارا مقصد ہے) یا ہم پر رحم فرما دے (ہمیں عذاب نہ دے۔ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا) کوئی نہیں بچا سکتا) آپ کہئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں سو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (تاء اور یاء کے ساتھ ہے عذاب آنے پر) کہ کون صریح گمراہی میں ہے (ہم یا تم یا وہ) آپ کہئے اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (زمین میں) نیچے کو غائب ہی ہو جائے، سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (جس تک ہاتھ اور ڈول پہنچ جائیں جیسا کہ عام طور پر پانی میں ہوتا ہے یعنی بحر اللہ کے کوئی نہیں لاسکتا۔ پھر کیسے قیامت میں اٹھنے کا انکار کر رہے ہو۔ قاری کے لئے مستحب ہے کہ معین پر پہنچنے کے بعد جواب میں اللہ رب العالمین کہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یہ آپ ایک متکبر کے سامنے بڑھی گئی تو جواب میں کہئے لگا ہم بھاؤ ڈول اور کدال سے پانی نکال لائیں گے۔ چنانچہ فوراً اس کی آنکھ کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا خدا کی پناہ۔ اللہ اور اس کی آیات کے مقابلہ میں ایسی جرأت۔

تحقیق و ترکیب:..... سورۃ الملک۔ اس سورۃ کا نام واقعہ اور منجیہ بھی ہے اور تورات میں اس کا نام مانعہ بھی آیا ہے۔ اس شہاب اس کو مجادلہ کہا کرتے تھے۔

الموت والحیات۔ المسند کے نزدیک یہ دونوں صفتیں علم و قدرت کے علاوہ ہیں اور حرارت و برودت کی طرح دونوں وجودی ہیں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ذات سے زائد ہوتی ہیں۔ ابن عباسؓ کلمیٰ مقاتلؓ فرماتے ہیں۔ ان الموت والحیات جسمان۔ البتہ معتزلہ کے نزدیک موت عدی ہے۔ خواہ عدم سابق ہے یا عدم لاحق۔ پہلی صورت میں تقابل تضاد ہوگا اور دوسری صورت

میں تقابل عدم ملکہ نیز پہلی صورت میں خلق اپنے معنی میں رہے گا۔ لیکن دوسری صورت میں بمعنی قدر ہوگا۔ یعنی ارادۃ الہی کا تعلق جو موجودات اور معدومات دونوں سے ہو سکتا ہے۔

لیسلو کم۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معلومات متجدد ہونے کی وجہ سے علم الہی کا تجدد لازم آتا ہے کیونکہ یہاں یہ مراد ہے کہ اللہ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسے آزمائش کرنے والا کیا کرتا ہے۔

ایکم احسن عملاً۔ ایکم مبتداء اور احسن خبر اور عملاً تیسرے اور جملہ محل نصب میں ییسلو کم کا مفعول ثانی ہے ابوالسعود کہتے ہیں کہ تعلق عمل اگرچہ افعال قلوب کا خاصہ ہے۔ لیکن بلی میں چونکہ انجام کا علم ہوتا ہے اس لئے بطور تمثیل یا استعارہ تبعیہ اس کو بھی افعال قلوب کے قائم مقام کر لیا جاتا ہے۔

سبع سموات۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا آسمان لپٹی ہوئی موج ہے اور دوسرا سفید مرمر کا اور تیسرا لوہے کا اور چوتھا پتیل کا اور پانچواں چاندی کا اور چھٹا سونے کا اور ساتواں سرخ یا قوت کا ہے۔

طباقاً طبقہ کی جمع ہے جیسے رحبۃ کی جمع رحاب آتی ہے۔ یا طبق کی جمع ہے۔ جیسے جمل اور حبل کی جمع جمال اور حبال آتی ہے یا مصدر ہے بطور مبالغہ سموات کی صفت ہے یا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ طابق النعل بالنعل سے ماخوذ ہے۔ بقائی کہتے ہیں کہ آسمان کا ہر جز دوسرے جز کے مطابق ہے، کوئی جز خارج نہیں ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ زمین کو کروی مانا جائے اور آسمان دنیا زمین کے لئے محیط ہے۔ جس طرح اندھے کا چھلکا اپنی سفیدی اور زردی کے لئے محیط ہوتا ہے، بقیہ تمام آسمان بھی اسی طرح ایک دوسرے پر محیط ہیں اور عرش و کرسی ان پر محیط ہیں۔ ساتواں آسمان اس کے سامنے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسے ایک چھلہ میدان میں پڑا ہو، اہل بیت بھی یہی کہتے ہیں اور ظاہر شرع بھی اس کے موافق ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے درمیان فاصلے ہیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے چپکے ہوئے نہیں جو فلاسفہ کا نظریہ ہے۔

ماتوی۔ مفسر نے لہن سے جملہ متانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قاضی بیضاوی اس کو سبع سموات کی صفت مان رہے ہیں۔

فار جمع البصر۔ یعنی بار بار کی نظر سے بھی کوئی عیب نظر نہیں آئے گا یہ جملہ ماتوی پر مرتب ہے۔ کسرتین۔ کسرتین کے معنی میں ہے۔ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے تثنیہ مراد نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے۔ جیسے لیک وسعدیک وحنایک وھذا ذیک میں کثرت مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ تثنیہ حقیقی لینے کی صورت میں ینقلب الیک البصر سے تعارض ہو جائے گا۔ لیکن ابن عطیہ اس کے معنی کسرتین کے لیتے ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ پہلی نظر تو آسمان کی نو بیاںش و آرائش دیکھنے کے لئے اور دوسری نظر ستاروں کی چال و گردش دیکھنے کے لئے ہے۔

من فطور۔ زختری کہتے ہیں کہ فطر کی جمع ہے فطرہ فانفطر بمعنی شق۔

حسیر۔ بمعنی کلیل۔ فعیل بمعنی فاعل ہے۔

حسور کے معنی تھک جانے اور عاجز ہو جانے کے ہیں۔

سماء الدنیا۔ مصنف نے اشارہ کیا ہے کہ آسمان کا قرب مطلق مراد نہیں بلکہ اضافی قرب یعنی بلحاظ زمین مراد ہے ورنہ عرش کے اعتبار سے تو یہ نسبت برعکس ہے۔ زحل ساتویں آسمان پر اور مشتری چھٹے پر اور مریخ پانچویں پر، آفتاب چوتھے پر، زہرہ تیسرے

پر، عطار دوسرے پر اور چاند آسمان دنیا پر۔ اس طرح سبع سیارات اہل ہندسہ کے نزدیک سبع مسفوات میں منتشر ہیں۔ ایک ایک ستارہ ایک ایک فلک ثابت میں مانتے ہیں لیکن آیت میں صرف آسمان دنیا کی آرائش کا ذکر ہے یعنی خود اس میں کوئی ستارہ نہیں ہے یہ آسمان صاف ہے اور والے آسمانوں کے ستارے اس میں سے اہل دنیا کو دکھائی دیتے ہیں۔

رجومہ۔ رجومہ مصدر ہے بمعنی تیر جیسا کہ مدارک میں ہے اسی لئے مفسر نے مراحم کہا مصدر مفعول مراد ہے چونکہ لفظ زینت تو یہ چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ برقرار رہیں۔ ورنہ آرائش کیسی اور شیاطین کا رجم چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ قائم نہ رہیں۔ دونوں باتوں کے جمع کرنے کی کیا صورت ہے؟ مفسر نے اسی کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رجم ستاروں کے ٹکڑوں سے ہو جاتا ہے سارے ستاروں کے ٹوٹنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے آگ کی چنگاریاں اڑتی رہتی ہیں لیکن آگ بدستور قائم رہتی ہے۔

ان انتم۔ اگر یہ فرشتوں کا کلام ہے تو تقدیر عبارت قالت الحزنة ان انتم الخ ہوگی لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی کفار کا مقولہ ہے۔ فسحقا۔ صراح میں ہے کہ مسحق کے معنی دوری کے ہیں۔ یہ منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ای الزمہم اللہ سحقاً اور یا مصدر کی وجہ سے منصوب ہے ای سحقہم اللہ سحقاً۔

فی منا کبھا۔ بقول بغوی منکب کے معنی جانب کے ہیں۔ منکب الرجل۔ الرمح نکباء۔ تنکب فلان بولتے ہیں۔ ء امنتم۔ اس میں پانچ قراتیں ہوئیں۔ دو تحقیق ہمزہ کی اور دو تسہیل ہمزہ کی اور پانچوں ابدال ہمزہ کی۔ ان یخسف۔ یہ من سے بدل اشتمال ہے۔

حاصباً۔ صراح میں ہے کہ سخت ہوا جس میں سنگریزے برسیں۔

کیف نذیر۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نذیر بمعنی انذار ہے اور یا مخذوف ہے۔

ویقبضن۔ مفسر نے قابضات سے اشارہ کیا ہے کہ فعل اسم فاعل کی تاویل کر کے صافات پر عطف ہو رہا ہے اور دونوں کی تعبیر میں فرق کا نکتہ یہ ہے کہ اصل اڑنے میں پروں کا پھیلا نا ہے اور پروں کا سیٹھا خلاف اصل ہے پس اصل حالت کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اسم فاعل سے تعبیر کیا گیا ہے اور عارضی حالت کو فعل سے تعبیر کیا گیا جو حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

ام من۔ ام منقطعہ ہے۔ بمعنی بل من استفہام پر داخل ہے۔ اس لئے بل اور ہمزہ دونوں کے ساتھ تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ من اگرچہ نکرہ ہے۔ لیکن سیبویہ کے نزدیک اس کو مبتداء بنانا صحیح ہے۔ جبکہ مبتداء اسم استفہام ہو اور دوسرے حضرات کے نزدیک ترکیب برعکس ہوگی یعنی هذا مبتداء ہے اور من خبر ہے۔

هو جندلکم۔ ينصرکم مفرد لایا گیا۔ لفظ جند کی رعایت ورنہ معنی کی رعایت سے ينصر و نکم آنا چاہئے تھا چنانچہ مفسر نے اعوان سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ جند لفظ مفرد اور معنی جمع ہے اور لانصاھر سے مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ من استفہام انکاری کے لئے ہے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ ام منقطعہ بمعنی بل ہے ہمزہ استفہام کے معنی میں نہیں ہے۔ ورنہ دو استفہاموں کا اجتماع لازم آئے گا اور جملہ استفہامیہ کفار کے عقیدے کے پیش نظر لا ما گیا۔ غیر اللہ کو ناصر، رازق مانتے تھے اور من موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہذا مبتداء اور الذی خبر، جملہ کر صلہ ہو جائے گا۔ بتقدیر القول ای اعلم الذی یقال فی حقہ هذا والذی هو جندلکم ينصرکم من دون الرحمن۔

ام من هذا الذی یرزقکم۔ زختری من موصولہ کہتے ہیں۔

یمشی مکباً۔ مکب اسم فاعل ہے۔ اکب لازم کا جو کب کا مطاوع ہے کب متعدی آتا ہے کتبہ اللہ اور اکب لازم آتا

ہے۔ اکب بمعنی سقط اگرچہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ ہمزہ تعدیہ کے لئے آیا کرتا ہے مگر یہاں برعکس ہے۔

امن یمغسی۔ دوسرے من کے خبر کی ضرورت نہیں کہ زید قائم ام عمرو میں خبر محذوف ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ عمرو کا عطف زید پر عطف مفردات کے قلیل سے مان لیا جائے تو دونوں کی خبر واحد لائی جائے گی۔ کیونکہ ام احد الشیثین کے لئے ہوتا ہے یہاں بھی یہی توجیہ ہو سکتی ہے پھر مفسر کی توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی اس آیت میں مشبہ بہ تو مذکور ہے مگر مشبہ محذوف ہے جیسا کہ سیاق دلالت کر رہا ہے۔ مفسر نے ایہما اھدی سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفصیل مراد نہیں ہے بلکہ مراد اصل فعل ہے۔

قلیلا ماتشکرون۔ قلیلا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اے شکر اقلیلاً اور مازاندہ ہے تاکید قلت کے لئے اور جملہ حال مقدر ہے اور کفار اگر مخاطب ہیں تو قلیل کے معنی عدم کے ہوں گے ورنہ ظاہری معنی ہیں۔

ان کنتم صدقین۔ جواب شرط محذوف ہے افینوا وقتہ۔

فلما راوہ مجاہد عذاب بدر مراد لیتے ہیں۔

زلفۃ۔ مصدر ہے مذکور و مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔

تدعون۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ادعاء بمعنی دعویٰ سے ہے مفعول مقدر ہے اور بعض نے دعا سے ماخوذ مانا ہے۔

فستعلمون۔ اکثر قراء کے نزدیک تاء کے ساتھ اور کسائی کے نزدیک یا کے ساتھ ہے۔

من ہو فی ضلال مبین۔ مفسر نے انحن سے اشارہ کیا ہے کہ من استفہامیہ مبتداء ہے۔ ہو ضمیر منفصل ہے اور ظرف خبر

ہے پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے ستعلمون کا اور انتم کا تعلق تا کی قرأت سے اور ہم کا تعلق یا کی قرأت سے ہے۔

غورا۔ یہ اصبح کی خبر ہے اور اسم فاعل کے ساتھ تاویل خبر کے صحیح کرنے کے لئے کی ہے اور مصدر مبالغہ کے لئے بھی ہو سکتا

ہے اہل مکہ کے لئے پانی صرف پیر زمزم اور پیر معونہ میں تھا۔

معین۔ اس کا اصل معیون بروزن مفعول تھی۔ جیسے کہ بیع کی اصل مبیوع تھی حرفی تعلیل ہوگی۔ بعض کے نزدیک معین

الساوی کشر سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں فعلیل کے وزن پر ہوگا مفعول کے وزن پر نہیں۔ اول صورت پر یم زائد اور دوسری

صورت میں یم اصلی رہے گا۔

ربط آیات:..... سورہ تحریم میں رسالت کے حقوق کا بیان ہوا تھا۔ اس سورت میں توحید کے حقوق ارشاد ہیں اور ان کے پورا

کرنے نہ کرنے پر نتائج مرتب ہونے کا تذکرہ ہے نیز پہلی سورت میں خاص اہل سعادت و شقاوت کا ذکر تھا اور اس سورت میں مطلقاً

سعداء اور اشقیاء کا بیان ہے۔

فضائل و شان نزول:..... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان سورۃ من کتاب

اللہ ماہی الاثلثون ایتہ شفعت لرجل یوم القیامۃ فاخر حتہ من النار وادخلتہ الجنة وہی سورۃ تبارک۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میت جب قبر میں رکھ دی جاتی ہے تو عذاب اگر پاؤں کی جانب سے آنا چاہے گا تو یہ سورت رکاوٹ

بن جائے گی۔ کیونکہ یہ شخص پاؤں پر کھڑے ہو کر رات میں تلاوت کرتا تھا اسی طرح سر ہانے سے عذاب آنا چاہے گا دھڑ سے بھی تلاوت

کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے گی اور فرمایا۔ ہی المانعة من عذاب اللہ وہی فی التورۃ سورۃ الملک من قرأھا فی لیلة

فقد اکثر واطنبت۔

ابن عباسؓ آنحضرتؐ سے نقل کرتے ہیں کہ وددت ان تبارک الملک فی قلب کل مومن واسروا قولکم۔ مفسرؒ نے جو شان نزول ذکر کیا ہے وہ بقول بغوی ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿تشریح﴾: تبارک الذی۔ اس میں اللہ کی صفات و اعمال کا بیان ہے کہ اس نے موت و حیات کا یہ سارا نظام اس لئے کر رکھا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے، کون اچھے؟ تاکہ اس پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں سامنے آ سکے۔ اگر فرض کرو پہلی زندگی نہ ہوتی تو کون عمل کرتا اور موت نہ آتی تو لوگ مبداء اور منتہی سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ یا ایک دم اگر ساری دنیا پیدا ہوتی اور ایک ساتھ سب مر جاتے تب بھی آزمائش و عبرت حاصل نہ ہوتی۔ اب دونوں سلسلے تدریجاً جاری ہیں جو ہر آن موعظمت میں موثر ہیں۔

آسمان موجود ہیں یا نہیں؟: سبع سموات۔ احادیث میں سات آسمان اور ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافتوں کا ذکر ہے۔ مگر مفسرینؒ نے اس کی کہیں تصریح نہیں کی کہ اوپر جو ہمیں نیلگوئی نظر آتی ہے، وہی آسمان ہے ہو سکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگوئی نور و ظلمت کا مجموعہ ہو۔ جو آسمان کی چھت گیری ہو۔

بظاہر ماستری فی خلق الرحمن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بلا حجاب یا اس نیلگوں سقف کے حجاب میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ اگر اس میں کوئی عیب و خلل ہوتا تو نظر آ جاتا۔ رہا یہ شبہ کہ پھر دروازے نظر کیوں نہیں آتے؟ ممکن ہے دروازے اتنے بڑے نہ ہوں جو اتنی دور سے نظر آئیں اس پر پھر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید شقائق اور شقوق بھی چھوٹے ہوں تو جواب یہ ہے کہ عادتاً بڑی عمارت میں جب شکاف پڑتا ہے تو بڑا ہی شکاف پڑا کرتا ہے پھر وہ روزانہ بڑھا کرتا ہے پس یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا حالانکہ اب تک نظر نہیں آیا اور ایسے موقعوں پر ملازمت عادیہ کافی ہوتی ہے اور آسمان کا اگر غیر مرئی ہونا ثابت ہو جائے تو پھر عقلی نظر کو نظر حسی سے تشبیہ دیتے ہوئے فکر و تامل کرنے کے معنی لے لئے جائیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آسمان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ بڑی گہری نظر سے دیکھا جائے تو اللہ کا کوئی کام خلاف حکمت معلوم نہیں ہوگا اور جس کو خلاف حکمت ہونے کا وہم ہوتا ہے وہ عقلی نظر کی وجہ سے ہوتا ہے تعمق کیا جائے تو حکمت کھل جائے گی۔

بہر حال قدرتی نظام میں ذرہ برابر فرق نہیں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، سات آسمان، اجرام علویہ تک سب چیزوں میں یکساں کاریگری دکھائی دیتی ہے کہ بعض چیزوں کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یوں ہی بے شکے پن سے بیکار و فضول بنا ڈالا ہو۔ جہاں کسی کو یہ وہم گزرے تو سمجھو کہ یہ اس کی عقل و نظر کا قصور و فتور ہے نیچے سے اوپر تک ساری کائنات ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی روزن یا دراز نہیں ہے ہر چیز ویسی ہی ہے جیسا اسے ہونا چاہئے تھا۔ آسمانوں کو دیکھو، کہیں اونچ نیچ یا خلل و شکاف نہیں بلکہ ایک صاف، ہموار، مربوط و منظم چیز نظر آئے گی جس پر ہزاروں قرن گزر گئے۔ مگر مجال ہے کہیں کوئی فرق پڑا ہو اور بار بار دیکھو تب بھی کہیں کوئی فرق نہیں دکھائی دے گا۔ تمہاری نگاہ تھک جائے گی، آنکھیں چکر ا جائیں گی اور لگا تار نظر ڈالنے سے نگاہیں ذلیل و ماندہ ہو کر نا کام واپس آ جائیں گی پر قدرتی نظام میں ادنیٰ جہول نظر نہیں آئے گا۔

ولقد زینا السماء۔ اودھ دنیا کے اس آسمان کی طرف رات کو نظر کرو، ستارے کیسے جگ جگ گ کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت اور منقش چادر معلوم ہوتی ہے آسمان کی شان، شوکت، چمک، دمک کے کیا کہنے۔

نہ ڈرنے کا انجام:..... الم باتکم نذیر۔ اس وقت یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل و محجوب کرنے کے لئے ہوگا۔ چنانچہ نہایت حسرت و ندامت کے ساتھ کھسیانے ہو کر وہ جواب دیں گے کہ بے شک! ڈرانے والے آئے تھے، ہم نے ان کی بات نہ مانی اور برابر انہیں جھٹلاتے رہے مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانے والے ہی سچے نکلیں گے اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سننے یا عقل سے کام لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقعہ کیوں ملتا۔

فاعتبروا۔ قیامت کے روز دوزخ میں دوزخی خود اقرار کر لیں گے کہ بے شک ہم مجبور ہیں یوں ہی بے مقصود ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جا رہا ہے۔ لیکن اس وقت اقرار سے کیا حاصل ارشاد ہوگا دفع ہو جاؤ۔ بالغیب کا ایک مطلب تو وہ ہے جو مفسرین نے بیان فرمایا کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر خلوت و تنہائیوں میں اپنے خدا کو یاد کر کے خائف رہتے ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کو دیکھا نہیں، وہ نظروں سے اوجھل ہے، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پیغمبروں کے بتلانے سے پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی کے تصور سے کانپتے ہیں اور اس کے عذاب کے دھیان سے بھی لرز جاتے ہیں۔

انہ علیہم بذات الصدور۔ اللہ کو اگرچہ تم نہیں دیکھتے، مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تمہاری خلوت و جلوت سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں جو خیالات اور سینوں میں جو راز ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں ہو تمہارا اور تمہارے اقوال و افعال ہر چیز کا خالق و مختار وہ ہے اس لئے اسے ہر چیز کا پورا پورا علم بھی ہے کیونکہ علم کے بغیر کسی چیز کا پیدا کرنا ہی ممکن نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو پیدا کرے وہی نہ جانے۔

زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے:..... هو الذی جعل لکم الارض۔ انعامات الہی پر نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ زمین تمہارے پھرنے، بولنے، جوتنے، کھانے کمانے کے لئے بنائی گئی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ جس نے تمہیں روزی دی ہے، ایک دن اس کے پاس جانا ہے اسی کے ساتھ اگر آسمانوں پر نظر ڈالو گے تو تمہیں اللہ کی شات تمہاری نظروں سے نظر آئے گی۔ زمین اگرچہ تمہارے لئے ذلیل و پامال ہے مگر اس پر حکومت آسمان والے کی ہے وہ اگر تم کو چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے۔ زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور تم اس میں اترتے جاؤ لہذا اس مالک مختار سے نڈر بن کر شرارتوں پر نہ اتر آؤ اور اس کی ڈھیل پر خود فریبی کا شکار نہ ہو جاؤ زمین پر چلو پھرو، مکاؤ دھماؤ، مگر اللہ کو نہ بھولو، ورنہ وہ تم پر آنے لگے بھیج سکتا ہے، پتھروں کا مینہ برس سکتا ہے، اس وقت کیا کرو گے تمہاری ساری دوزخ و دھوپ دھری رہ جائے گی آخر پہلی قوموں کی تباہی سے عبرت پکڑو۔

پرندے زمین پر گرتے نہیں ہیں:..... اولم یروا الی الطیر۔ زمین و آسمان کے بعد اب درمیانی چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرو آسمان و زمین کے درمیان پرندوں کو دیکھو، کس طرح پرکھول یا سمیٹ کر ہوا میں تیرتے یا معلق رہتے ہیں اور نقل طبعی اور سیلان مرکز کے باوجود کس طرح تھمتے رہتے ہیں اور گرتے نہیں۔ زمین کی کشش اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ سکتی ہے مگر بتلاؤ رحمٰن کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضاء میں تھام رکھا ہے بلاشبہ رحمٰن نے اپنی رحمت و حکمت سے اس کی ساخت ایسی کی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ پس وہ آسمان سے سرکشوں پر عذاب بھی اتار سکتا ہے مگر جس طرح پرندے رحمت سے تھمتے ہوئے ہیں، اسی طرح عذاب بھی رحمت کے باعث رکھا ہوا ہے۔

هو جسدکم۔ رحمان سے الگ ہو کر اگر کسی کو کہیں سے مدد پہنچنے کی امید ہو تو وہ سخت دھوکا میں پڑا ہوا ہے وہ عذاب بھی نہ پہنچے گا۔ زمین پر ہرگز کسی کو کہیں سے مدد پہنچنے کی امید ہو تو وہ سخت دھوکا میں پڑا ہوا ہے وہ عذاب بھی نہ پہنچے گا۔ زمین پر ہرگز کسی کو کہیں سے مدد پہنچنے کی امید ہو تو وہ سخت دھوکا میں پڑا ہوا ہے وہ عذاب بھی نہ پہنچے گا۔

اور سرکشی سے دین فطرت کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں جو ناہموار راستہ پر اور اوندھام نہ ہو کر چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے مقصد اعلیٰ تک وہی پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا چلے۔

ایک موحد اور مشرک کی چال الگ الگ ہے..... ایک موحد و مشرک کی چال میں جیسے دنیا میں فرق ہے، محشر میں بھی یہی ہوگا حالانکہ سننے کے لئے اللہ نے کام اور دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل دیئے ہیں کہ ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگائیں اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگیں مگر شکر گزار بندے کم ہیں۔ انسان غور کرے کہ ابتداء بھی اس سے ہوئی ہے اور انتہاء بھی اس پر ہوگی جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے اس لئے ایک دم بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے تھا ہمہ وقت اسی کی فکر و فی چاہئے تھی مگر کتنے ہیں ایسے بندے؟ رہا قیامت کے بارے میں، یہ پوچھتے رہتے ہیں سو اس کا بار بار جواب دیا جا رہا ہے تاکہ ٹھیک ٹھیک ناپ تول کر اس کی تعین اللہ کو معلوم ہے مجھے نہیں معلوم البتہ جو یقینی چیز آنے والی ہے اس سے خبردار کر دینا اور خوفناک مستقبل کی نشاندہی میرا فرض منصبی ہے جو میں ادا کر چکا ہوں۔

فلما راوہ۔ منکرین اب تو جلدی بچا رہے ہیں لیکن جب وعدہ قریب آئے گا، بڑے بڑے مشرکوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔

مسلمان آباد ہوں یا برباد، کافروں کو کیا فائدہ؟..... قل ارایتکم۔ یعنی اس وقت کفار اگر چہ تمنا کرتے ہیں کہ جلد مر مر کر قصہ ختم ہو جائے لیکن حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ کہنے کہ میں اور میرے ساتھی بالفرض اگر دنیا میں سب ہلاک ہو جائیں، تمہارے خیال کے مطابق اور یا مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے فضل سے اللہ کا میاب و بامراد فرمائے ہمارے عقیدے کے مطابق غرض ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی ہو، تم بتلاؤ کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ؟ دنیا میں ہمارا انجام کچھ بھی ہو، بہر حال آخرت میں ہمارے لئے بہترائی ہے اسی لئے ہم جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی میں تم نے کیا عافیت سوچی، جس دردناک عذاب کا آنا یقینی ہے اس سے بچنے کا راستہ کیا سوچا؟ ہماری فکر چھوڑو، اپنا انجام سوچو کہ کسی حالت میں بھی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

ان اصبح۔ زندگی اور موت کے سبب اس باب اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں ایک پانی ہی کو لے لو جس سے ہر چیز کی زندگی ہے۔ اگر دنیا کا سارا پانی زمین میں اتر جائے تو آخر وہ کون سی ہستی ہے جو اتنا صاف شفاف پانی مہیا کر دے جو زندگی اور بقا کے لئے کافی ہے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سبب چشمہ خشک ہو چکے اس وقت ہدایت و معرفت کا نہ خشک ہونے والا چشمہ محمدی جاری کر کے ساری انسانیت اور عالم پر اللہ نے کتنا احسان عظیم فرمایا۔

اطاعک سلوک:..... وقالوا لو کنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فلاح کے دو طریقے ہیں۔ ایک تقلید، دوسرے تحقیق۔ پس جس مرید میں تحقیق کی قابلیت نہیں اس کو تقلید کرنی چاہئے شیخ سے مزاحمت یا دلیل کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

سُورَةُ الْقَلَمِ

سُورَةُ نَمَكِيَّةٌ ثِنْتَانِ وَحَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَ أَحَدُ حُرُوفِ الْهِجَاءِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْقَلَمُ الَّذِي كَتَبَ بِهِ الْكَائِنَاتِ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَمَا
 يَسْطُرُونَ ﴿١﴾ أَيِ الْمَلَائِكَةِ مِنَ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ مَا أَنْتَ يَا مُحَمَّدٌ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿٢﴾ أَيْ
 انْتَفَى الْجُنُونُ عَنْكَ بِسَبَبِ أَنْعَامِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا وَهَذَا رَدُّ لِقَوْلِهِمْ أَنَّهُ لَمَجْنُونٌ وَإِنَّ لَكَ
 لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿٣﴾ مَقْطُوعٍ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ دِينٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾ فَسَتَبْصُرُ وَيُبْصُرُونَ ﴿٥﴾
 بِأَيْكُمْ الْمُفْتُونُونَ ﴿٦﴾ مُصَدَّرٌ كَالْمَعْقُولِ أَيْ الْفُتُونُ بِمَعْنَى الْجُنُونِ أَيْ أَيْكَ أَمْ بِهِمْ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ
 بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٧﴾ لَهُ وَأَعْلَمُ بِمَعْنَى عَالِمٍ فَلَا تُطْعِ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٨﴾
 وَدُّوا تَمَنُّوا لَوْ مُصَدَّرِيَّةٌ تَذْهِنُ تَلِينُ لَهُمْ فَيُذْهِبُونَ ﴿٩﴾ يَلِينُونَ لَكَ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى تَذْهِنُ وَإِنْ جُعِلَ
 جَوَابُ التَّمَنَّى الْمَفْهُومُ مِنْ وَدُّوا قَدَّرَ قَبْلَهُ بَعْدَ الْفَاءِ هُمْ وَلَا تُطْعِ كُلَّ خَلَّافٍ كَثِيرِ الْخَلْفِ بِالْبَاطِلِ
 مَهِينٍ ﴿١٠﴾ حَقِيرٍ هَمَّازٍ عِيَابٍ أَيْ مُغْتَابٍ مَشَاءَ بَنِيمٍ ﴿١١﴾ سَاعَ بِالْكَلَامِ بَيْنَ النَّاسِ عَلَى وَجْهِ الْإِفْسَادِ
 سَنَهُ مَنَاعٍ لِلْخَيْرِ بِخَيْلٍ بِأَمَالٍ عَنِ الْحَقِّ مُعْتَدٍ ظَالِمٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ أَثِمَ عُتِلَ أَغْلِيظَ جَافٍ بَعْدَ
 ذَلِكَ زَنِيمٍ ﴿١٣﴾ دُعِيَ فِي قُرَيْشٍ وَهُوَ الْوَلِيدُ الْمُغِيرَةُ ادَّعَاهُ أَبُوهُ بَعْدَ ثَمَانِي عَشْرَةَ سَنَةً قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ
 رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا لَا نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ شَبَّحَهُ وَتَعَالَى وَصَفَ أَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ مِنَ الْغُيُوبِ فَالْحَقُّ بِهِ
 عَارًا لَا يَمَارِقُهُ أَبَدًا وَنَعَى بِزَيْنِهِ حَقًّا قَبْلَهُ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَيْنَ ﴿١٤﴾ أَيْ لِأَنَّهُ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ
 إِذَا تَتَلَّى عَلَيْهِ آيَاتُنَا الْقُرْآنَ قَالَ هِيَ آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾ أَيْ كَذَّبَ بِهَا لِأَنْعَامِنَا عَلَيْهِ بِمَا ذَكَرْهُ فِي قِرَاءَةِ
 ءَ أَنْ يَهْمَزَتَيْنِ مَفْتُوحَتَيْنِ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾ سَنَجْعَلُ عَلَى أَنْفِهِ عَلَامَةً يُعَرِّبُهَا مَا عَاشَ
 فَخُطِمَ أَنْفُهُ بِالسَّيْفِ يَوْمَ نَبْذِرُ إِنْسَابَلُونَاهُمْ امْتَحَنَّا أَهْلَ مَكَّةَ بِالْقَحْطِ وَالْجُوعِ كَمَا بَلَّوْنَا أَصْحَابَ

الْجَنَّةِ الْبُتَّانِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا يَفْقَعُونَ ثَمَرَتَهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَقَتَ الصَّاحِ كَيْلًا يَشْعُرُ لَهُمُ
 الْمَسَاكِينُ فَلَا يُعْطَوْنَ مِنْهَا مَا كَانَ أَبُوهُمْ يَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِمْ مِنْهَا وَلَا يَسْتَشْنُونَ ﴿۱۸﴾ فِي يَمِينِهِمْ بِمَشِيَةِ
 اللَّهِ تَعَالَى وَالْحُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ أَيْ وَشَانُهُمْ ذَلِكَ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَبِّكَ نَارًا أَحْرَقَتْهَا لَيْلًا وَهُمْ
 تَائِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ كَاللَّيْلِ الشَّدِيدِ الظُّلُمَةُ أَيْ سَوْدَاءٌ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنْ
 أَغْدُوا عَلَيَّ حَرْثَكُمْ غَلَّتْكُمْ تَفْسِيرٌ لِلتَّنَادَى أَوْ أَنْ مُصَدِّرِيَّةٌ أَيْ بَانَ أَنْ كُنْتُمْ صَرِمِينَ ﴿۲۲﴾ مُرِيدِينَ
 الْقَطْعَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ﴿۲۳﴾ يَتَسَارُونَ أَنْ لَا يَدْخُلْنَهَا الْيَوْمَ
 عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ تَفْسِيرٌ لِمَا قَبْلَهُ أَوْ أَنْ مُصَدِّرِيَّةٌ أَيْ بَانَ وَغَدُوا عَلَيَّ حَرْثٌ مِّنْ لِّلْفُقَرَاءِ
 قَدِيرِينَ ﴿۲۵﴾ عَلَيْهِ فِي ظَنِّهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهَا سَوْدَاءٌ مُحْتَرَقَةٌ قَالُوا إِنَّا لَصَالَتُونَ ﴿۲۶﴾ عَنْهَا أَيْ لَيْسَتْ هَذِهِ
 ثُمَّ قَالُوا لَمَّا عَلِمُوا بِهَا بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ ثَمَرَتَهَا بِمَعْنَى الْفُقَرَاءِ مِنْهَا قَالَ أَوْ سَطُّهُمْ خَيْرُهُمْ أَلَمْ
 أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا هَلَّا تَسْبَحُونَ ﴿۲۸﴾ اللَّهُ تَائِبِينَ قَالُوا سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۹﴾ بِمَعْنَى الْفُقَرَاءِ
 حَقَّهُمْ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتْلَاوُمُونَ ﴿۳۰﴾ قَالُوا يَا لَلنَّاسِ وَيَلْنَا هَلَاكُنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۱﴾
 عَسَى رَبُّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ ﴿۳۲﴾ لَيَقْبَلُ تَوْبَتَنَا وَيَرُدُّ
 عَلَيْنَا خَيْرًا مِّنْ حَتِّتَارِيهِ أَنَّهُمْ أَبَدُوا خَيْرًا مِنْهَا كَذَلِكَ أَيْ مِثْلُ الْعَذَابِ لِهَؤُلَاءِ الْعَذَابِ لِمَنْ خَالَفَ
 أَمْرًا مِّنْ كُفَّارِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ وَلِلْعَذَابِ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ عَذَابُهَا مَا خَالَفُوا ﴿۳۴﴾
 أَمْرًا وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا إِنْ بَعَثْنَا نَعْطَى أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِنْ لِّلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ﴿۳۵﴾ أَفَجَعَلَ
 الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۶﴾ أَيْ تَابِعِينَ لَهُمْ فِي الْعَطَاءِ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۷﴾ هَذَا الْحُكْمُ
 الْفَاسِدُ أَمْ بَلْ لَكُمْ كِتَابٌ مُّنزَّلٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۳۸﴾ تَقْرَءُونَ إِنْ لَّكُمْ فِيهِ لَمَّا تَخِيرُونَ ﴿۳۹﴾
 تَخَارُونَ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عُهُودٌ عَلَيْنَا بِالْعَةِ وَاتِّقَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِمَعْنَى بَعْلَيْنَا فِي هَذَا الْكَلَامِ
 مَعْنَى الْقَسَمِ أَيْ أَقْسَمْنَا لَكُمْ وَجَوَابُهُ إِنْ لَّكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ ﴿۴۰﴾ بِهِ لَانْفُسَكُمْ سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ بِذَلِكَ
 الْحُكْمِ الَّذِي يَحْكُمُونَ بِهِ لَانْفُسِهِمْ مِنْ أَنَّهُمْ يُعْطَوْنَ فِي الْآخِرَةِ أَفْضَلَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَعِيمٌ ﴿۴۱﴾ كَفِيلٌ
 لَهُمْ أَمْ لَهُمْ أَيْ عِنْدَهُمْ شُرَكَاءُ مُوَافِقُونَ لَهُمْ فِي هَذَا الْقَوْلِ يُكْفِلُونَ لَهُمْ بِهِ فَإِنْ كَانَ كَذَلِكَ فَلْيَاتُوا
 بِشُرَكَائِهِمُ الْكَافِلِينَ لَهُمْ بِهِ أَنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۴۲﴾ أَذْكَرُ يَوْمٌ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ
 شِدَّةِ الْأَمْرِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ يُقَالُ كَشَفَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ إِذَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ فِيهَا وَيُدْعَوْنَ

إِلَى السُّجُودِ اِمْتَحَانًا لِّإِيمَانِهِمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۶۸﴾ تَصِيرُ ظُهُورُهُمْ طِبَاقًا وَاحِدًا خَاشِعَةً حَالٌ مِنْ صَمِيرٍ يُدْعَوْنَ إِلَى دَلِيلَةٍ أَبْصَارُهُمْ لَا يَرَفَعُونَهَا تَرَاهُمْ تَعَشَّاهُمْ ذَلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ فِي الدُّنْيَا إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلَمُونَ ﴿۶۹﴾ فَلَا يَأْتُونَ بِهِ بِأَنْ لَا يَصْلُوا فَذَرْنِي دَعْنِي وَمَنْ يُكَذِّبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ الْقُرْآنَ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ نَأْخُذُهُمْ قَلِيلًا قَلِيلًا مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ أَهْلُهُمْ إِنْ كِيدِي مَتِينٌ ﴿۷۱﴾ شَدِيدٌ لَا يُطَاقُ أَمْ بَلْ تَسْتَلْهُمْ عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مِمَّا يُعْطُونَكَ مُثْقَلُونَ ﴿۷۲﴾ فَلَا يُؤْمِنُونَ لِذَلِكَ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ أَيْ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ الَّذِي فِيهِ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۷۳﴾ مِنْهُ مَا يَقُولُونَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فِيهِمْ بِمَا يَشَاءُ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ فِي الصَّخْرِ وَالْعَجَلَةِ وَهُوَ يُنْصَرِفُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِذْ نَادَى دَعَارَتَهُ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۷۴﴾ مَمْلُوءٌ عَمَّا فِي بَطْنِ الْحُوتِ لَوْلَا أَنْ تَذَرَكَهُ أَدْرَكَهُ نِعْمَةٌ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِ لَنَبَذَ مِنْ بَطْنِ الْحُوتِ بِالْعَرَاءِ بِالْأَرْضِ الْفِضَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۷۵﴾ لَكِنَّهُ رَحِمَ وَنَبَذَ غَيْرُ مَذْمُومٍ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ بِالنُّبُوَّةِ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۷۶﴾ الْأَنْبِيَاءُ وَإِنْ يَكَاذِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِضَمِّ الْبَاءِ وَفَتْحِهَا بِأَبْصَارِهِمْ أَيْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظْرًا شَدِيدًا يَكَاذِبُونَ أَنْ يُصْرِعَكَ وَيُسْقِطَكَ عَنْ مَكَانِكَ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ الْقُرْآنَ وَيَقُولُونَ حَسَدًا إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۷۷﴾ بِسَبَبِ الْقُرْآنِ الَّذِي جَاءَ بِهِ وَمَا هُوَ إِلَّا الْقُرْآنُ الْإِذْ كُرِّ مَوْعِظَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۷۸﴾ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ لَا يَحْدِثُ بِسَبَبِهِ جُنُودٌ

سورہ نون مکیہ ہے اس کی باون آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: (نون منجملہ حروف ہجائیہ ہے جس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قلم کی (جس سے کائنات کا حال لوح محفوظ میں لکھا) اور (فرشتوں کے لوح محفوظ میں خیر و فلاح) لکھنے کی کہ آپ (اے محمد!) بفضل خدا مجنون نہیں ہیں (یعنی آپ کو جنون نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ پر نبوت وغیرہ کا انعام فرمایا ہے۔ اس میں کفار کے قول ”انہ لمجنون“ کا رد ہے) اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم (موقوف) ہونے والا نہیں ہے، بلاشبہ آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سو عنقریب آپ ہی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا؟ (مفتون، معقول کی طرح مصدر ہے، پس فتون بھی جنون ہوا یعنی یہ عارضہ آپ کو ہے یا ان کو ہے) آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی جانتا ہے (اعلم بمعنی عالم ہے) تو آپ ان کی تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ ماننے کیلئے یہ چاہتے ہیں کہ آپ (لو مصدر یہ ہے) ڈھیلے (نرم) پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ سے نرمی کرنے لگیں۔ بدھنون، تدھن پر معطوف ہے اور اگر اس کو جواب نہ منی مانا جائے جو تمنا و کوا سے مفہوم ہو رہی ہے تو بدھنون سے پہلے اور فسا کے بعد ہم مقدر مانا جائے گا) اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت

قسمیں کھانے والا ہو (جھوٹا) بے وقعت (بے حیثیت) ہو عیب جو (نکتہ چینی یعنی غیبت میں مبتلا) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو (لوگوں میں فساد ڈالنے کے لئے لگائی بجھائی کرتا پھرتا ہو) نیک کام سے روکنے والا (مالی حقوق میں بخیل) ہو، حد سے گزرنے والا (ظالم) ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج و تند خو بد خصلت) ہو۔ اس کے علاوہ حرام زادہ ہو (جو قریش میں یوں ہی منسوب ہو یعنی ولید بن مغیرہ، جس کے باپ نے اٹھارہ سال بعد اس کو اپنی طرف منسوب کیا تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ نے جس قدر اس کی برائی کی کسی اور کی بیان کی ہو۔ لہذا یہ عار ہمیشہ کے لئے اس کو لگ گئی اور ”بعد ذلک“ ظرف ہے جس کا تعلق زینم کے ساتھ ہے) اس وجہ سے کہ وہ مال و اولاد والا ہے (ان معنی میں لان کے ہے۔ اس کا تعلق اگلے جملے کے مدلول سے ہے) جب ہماری آیات (قرآن) پڑھ کر اس کے سامنے سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ (یہ) بے سند باتیں ہیں (یعنی ان آیتوں کی تکذیب اس لئے کرتا ہے کہ ہم نے اس پر مذکورہ انعام کیا ہے اور ایک قرأت میں ان دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے) ہم عنقریب اس کی ناک میں داغ لگائیں گے (اس کی ناک پر ہم ایسا نشان کر دیں گے جو زندگی بھر اس کے لئے عار رہے گا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں اس کی ناک کٹی) ہم نے ان (اہل مکہ) کی قحط اور بھوک کے ذریعہ آزمائش کر رکھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی کہ اس کا پھل توڑ لیں گے (درختوں سے اتار لیں گے) صبح چل کر (بالکل سویرے، اس لئے کہ کہیں فقیروں کو پتہ نہ لگ جائے) اور ان کو دینا نہ پڑے کیونکہ ان کا باپ غریبوں کو بہت صدقہ دیا کرتا تھا (اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا) (یعنی قسم کی ساتھ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی ان کی حالت یہ تھی) سو اس باغ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا (یعنی رات کو باغ میں آگ لگ گئی) اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کھیت کٹا ہوا (اندھیری رات کی طرح سیاہ ہو گیا تھا) صبح کے وقت وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو (کھلیاں پر، یہ پکارنے کی تفصیل ہے۔ یا ان مصدر یہ ہے یعنی اصل بان تھا) اگر تم کو پھل توڑنا ہے (توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو جواب شرط پر مائل دلالت کر رہا ہے) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے (آہستہ آہستہ) باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج پہنچنے نہ پائے (مائل کی تفسیر ہے، یا ان مصدر یہ ہے یعنی اصل میں بان تھا) اور اپنے کو اس کے (فقیروں کو) نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے تھے (اپنے گمان میں) پھر جب اس باغ کو دیکھا (سیاہ جلا ہوا) تو کہنے لگے یقیناً ہم رستہ بھول گئے (یعنی باغ ہمارا نہیں معلوم ہوتا پھر سوچ کے کہنے لگے) بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ فقیروں سے روک کر ہم بھی محروم رہ گئے) ان میں جو بھلا (اچھا) آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ اب تسبیح (توبہ اللہ سے) کیوں نہیں کرتے، سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بلاشبہ ہم قصور وار ہیں (فقیروں کا حق مار کر) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے۔ کہنے لگے ہماری کم بختی! بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے، شاید ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ بدلہ میں ہم کو دے دے۔ (یبد لئنا، تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے) ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ (وہ ہماری توبہ قبول کر لے اور ہمارے باغ سے بڑھیا باغ ہمیں مرحمت فرمادے۔ نقل ہے کہ اس سے بڑھ کر انہیں باغ مل گیا) اسی طرح (جیسے ان کو عذاب ہوا) عذاب ہوا کرتا ہے (ہمارے حکم کے خلاف کرنے والوں کو خواہ وہ مکہ والے ہوں یا دوسرے) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے (کیا خوب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جان لیتے) (ہمارے عذاب کو تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔ اگلی آیات مکہ والوں کے اس کہنے پر فاضل ہوئیں کہ قیامت اگر نازل ہوئی تو ہمیں مسلمانوں سے بہتر حالت نصیب ہوگی) بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں کیا ہم فرما نیر داروں کو ناظر مانوں کے برابر کر دیں گے (یعنی عطا کرنے میں فرمانبرداروں کو ناظر مانوں کے تابع کر دیں گے) تم کو کیا ہو گیا، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو (غلط) کیا (بلکہ) تمہارے پاس کتاب ہے (اتری ہوئی) جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ

چیز ہے جو تم پسند کرتے ہو (چاہتے ہو) کیا تمہارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر کھائی گئی ہیں اور وہ قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی مضبوط) ہوں (السی یوم القیامۃ بلحاظ معنی علیہنا سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں۔ یعنی کیا ہم نے تمہارے خاطر قسم کھا رکھی ہے اور جواب قسم یہ ہے) کہ وہ چیزیں تم کو ملیں گی جو تم فیصلہ کر چکے ہو (اپنے متعلق) ان سے پوچھتے کہ ان میں اس کا (جو فیصلہ یہ اپنے متعلق کر رہے ہو کہ انہیں آخرت میں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ملے گا) کون ذمہ دار ہے۔ کیا (ان کے خیال میں) ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو اس بات میں ان سے متفق ہوں اور اس کے ذمہ دار ہوں اگر واقعی ایسا ہے) تو ان کو چاہئے کہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں (جو ان کے ذمہ دار ہوں) اگر یہ سچے ہیں (یاد کیجئے) جس دن کہ سخت آفت ہوگی (قیامت کے روز حساب کتاب کی سختی مراد ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کشف البصر عن سباق۔ جب کہ گھسان کی لڑائی ہو رہی ہو) اور (ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے) ان کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا، سو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (ان کی کمر تختیہ ہو جائے گی) جھکی ہوں گی (بدعون کی ضمیر سے خاشعۃ حال ہے بمعنی ذلیل) ان کی آنکھیں (اوپر کو اٹھانیں سکیں گے) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (پھر بھی سجدہ نہیں کرتے تھے کیونکہ نماز نہیں پڑھتے تھے) سو مجھ کو اور جو میرے اس کلام (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں رہنے دیجئے ہم انہیں بتدریج لئے جا رہے ہیں (آہستہ آہستہ پکڑ رہے ہیں) اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت (ڈھیل) دے رہا ہوں۔ بلاشبہ میری تدبیر بڑی مضبوط (ناقابل شکست) ہے کیا آپ ان سے (تبلیغ احکام کے بدلہ) کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے (جو آپ کو دیں گے) دبے جاتے ہیں (اس لئے ایمان لا رہے ہیں) یا ان کے پاس غیب ہے (یعنی لوح محفوظ جس میں غیب کی باتیں ہیں) کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں (مجلدہ ان کے ان کی یہ بات بھی ہے) سو آپ صبر سے بیٹھے رہئے اپنے رب کی تجویز پر (جو کچھ وہ چاہے) اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے (بیزاری اور جلدی کرنے میں یونس علیہ السلام مراد ہیں) جبکہ اس نے (اپنے پروردگار سے) دعا کی اور وہ مارے غم کے گھٹ رہے تھے (مچھلی کے پیٹ میں سخت رنجیدہ تھے) اگر دیکھیری نہ کرتی ان کے رب کی نعمت (رحمت) تو وہ ڈالے جاتے (مچھلی کے پیٹ سے) میدان (کھلی جگہ) میں بد حالی کے ساتھ (لیکن اللہ نے ان پر رحم کیا۔ اس لئے وہ بد حالی کے بغیر میدان میں ڈال دیئے گئے) پھر ان کے رب نے (نبوت کی وجہ سے) ان کو برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین (انبیاء) میں سے کر دیا اور کافر ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر (ضمہ یا اور فتح یا کے ساتھ ہے) گرا دیں گے، (یعنی گھور گھور کراہی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے آپ کو پتہ دیں گے اور مرتبہ سے گرا دیں گے) جبکہ یہ قرآن سنتے ہیں اور (حد کے مارے) کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے (اس قرآن کی وجہ سے جو آپ پیش کر رہے ہیں) حالانکہ یہ (قرآن) نصیحت ہے تمام جہانوں کے لئے (انسان و جنات کے لئے قرآن کے پاس تو جنوں پھٹک بھی نہیں سکتا)۔

تحقیق و ترکیب: قنادہ اور حسن اور ابن عباس سے ان کے معنی دوات کے اور ابن عباس سے مرفوع روایت ہے کہ اس کے معنی مچھلی کے ہیں۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ رحمن، نصیر، ناصر، نور، اسماء حسنی کا نور مراد ہے مفسر نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حرف بجائیہ ہیں بعض نے اسم قرآن، اسم سورت کہا ہے اور بعض مچھلی یا دوات کے معنی لیتے ہیں۔ لیکن قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے۔ بمجنون۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ باسببیہ ہے۔ اس کا تعلق نئی سے ہے اور خبر کی ضمیر مستتر سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ ای ما انت بمجنون متلبساً بنعمت ربک۔ انک لعلی خلق عظیم۔ قرآن کی صفت بھی عظیم ہے اور آپ کی شان بھی عظیم ہے اور آپ میں شکر و تحسین، خلعت ابراہیم، اخلاص موسیٰ، وفاء عہد اسماعیل، صبر یعقوب و یوسف، معذرت داؤد، نور سلیمان، عیسیٰ علیہم السلام و غیرہ اوصاف عالیہ جمع ہیں: حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری، آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تہاداری

کسی عارف نے خوب کہا ہے:

لکل نبی فی الانام فضیلة وجملتها مجموعة لمحمد

نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدی ہے دنیا تو خلق حسن کہلاتا ہے جیسا کہ ہل جزاء الاحسان الا الاحسان اور جزاء سیئۃ سیئۃ مغلطاً فرمایا گیا ہے۔ لیکن نیکی کا صلہ نیک دینا اور بدی کو معاف کر دینا خلق کریم ہے۔ واعف عن من ظلمک ارشاد نبوی ﷺ ہے مگر بھلائی کا بدلہ زیادہ بھلائی سے دینا اور برائی کو محض معاف کر دینا ہی نہیں، بلکہ اس کے صلہ میں احسان کرنا یہ ہے خلق عظیم، جس کے حامل آنحضرت ﷺ ہیں فرماتے ہیں احسن الی من اساء الیک:

بدی را بدی سهل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء

بایکم المفتون۔ المفتون بمعنی جنون۔ ایکم خبر مقدم۔ المفتون، مبتداء مؤخر ہے۔ جملہ نکل نصب میں ہے ماقبل کا معمول ہے اور مفتون مصدر بمعنی فتون ہے جیسے معقول بمعنی عقل ہے۔ اس میں ابو جہل، ولید جیسے لوگوں کی طرف تعریض ہے۔ فیدھنون۔ یعنی تدھن کی طرح یہ بھی لٹو کے تحت میں ہے گویا دونوں چیزیں تنہا میں داخل ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کا سبب ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ فیدھنون کو جواب تمنی مانا جائے مبتداء مقدر مانتے ہوئے ای فہم یدھنون۔ اس پر زخشریؒ نے اعتراض کیا ہے کہ جواب تمنی ہونے کی وجہ سے مقدر ان منصوب ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ یہاں مرفوع ہے؟ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جملہ اسمیہ جملہ تمنائیہ ہے۔

مہین۔ رائے و تدبیر میں یا اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ اگرچہ ولید اپنی قوم میں ذی عزت ہے اس لئے دونوں باتوں میں منافات نہیں ہے اور ابن عباسؓ مہین سے جھوٹا ہونا مراد لے رہے ہیں پس جھوٹا شخص تو لوگوں میں بھی حقیر سمجھا جاتا ہے۔

بنسیم۔ چغل خوری اگر برائی کے لئے ہو تو نہایت بری عادت ہے۔ حدیث میں ہے لا یدخل الجنة النمام۔ لیکن اصلاح کے سلسلہ میں اگر ایک دوسرے کی بات نقل کی جائے تو وہ صرف نام کی چٹکھوری کہلائے گی۔ حدیث میں ہے۔ لیس النمام الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا دینمی خیرا۔

زنیم۔ ولید فی الحقیقت صحیح النسب ہیں تھا مغیرہ نے ولید کو اٹھارہ سال بعد پناہ دیا کہا تھا۔

ان کان ذا مال وبنین۔ یعنی لان کان ذا مال وبنین۔ ہماری آیات کو جھٹلانا ہے جس پر اذا تلتی علیہ آیاتنا دلالت کر رہا ہے یہ مطلب تو تفسیری عبارت کا ہے۔ لیکن مدارک میں ہے کہ ان کان ذا مال وبنین لا تطع سے متعلق ہے اور بقول مفسرؒ ان کان ذا مال "ایک قرأت میں دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ استفہام تو بخ ہے۔ یہ قرأت ابن عامر، شعبہ، ہمزہ کی ہے اور بغیر ہمزہ کی قرأت پر یہ مفعول نہ ہوگا فعل مضمر عامل ہوگا۔ ای یکفر ان کان ذا مال الخ اور اس فعل مقدر کا قرینہ اذا تلتی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین ہے۔ اس کو اذا تلتی یا قال کا معمول نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اذا اپنے مابعد کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے اور مضاف الیہ مضاف سے پہلے عمل نہیں کرتا۔

علی الخراطوم۔ وسم کے معنی علامت نشان ہیں درندوں کی ناک کو خراطوم کہا جاتا ہے بلکہ ہاتھی کی سونڈ اور سور کی تھوڑی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں استہزاء فرمایا گیا۔ چنانچہ بدر میں جو زخم اس کی ناک پر لگا وہ نشان عار مدت العمر باقی رہا۔ بمشیۃ اللہ۔ چونکہ انشاء اللہ مفید تعلق ہے اس لئے استثناء سے تعبیر کیا گیا چنانچہ لاخر جن ان شاء اللہ اور لاخر جن الا ان یشاء اللہ ایک ہی حاصل ہے۔

کالصریم۔ لیل صریم کالی رات، اور بعض نے سفید دن کی طرح معنی لئے ہیں۔ یعنی سوکھ کر سفید ہو گیا اور ابن عباسؓ سے سیاہ راکھ کے معنی منقول ہیں۔

ان اغدوا۔ ان مفسرہ یا مصدر یہ ہے۔

علیٰ حر۔ حر د کے معنی منع کے ہیں۔ حار دت السنۃ بارش رک جائے۔ حار دت الابل دودھ نہ دے۔

اوسطہم۔ بلحاظ رائے کے یا عمر کے اوسط کہا اور صاحب کشف نے اعدل اور خیر کے معنی لئے ہیں۔

لولا تسبحون۔ تسبیح اور استثناء یعنی انشاء اللہ کہادونوں میں تعظیم کے معنی ہیں اس لئے تسبیح بول کر استثناء مراد ہے یا بقول مفسرؒ توبہ کرنے کے معنی ہیں۔

کذلک۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء ہے العذاب خبر ہے۔

لو کانوا یعلمون۔ لو کا جواب مقدر ہے اور یعلمون کا مفعول محذوف ہے اور اس کو بمنزلہ لازم ہی کہہ سکتے ہیں۔ ای لو کانوا من اهل العلم لما خالفوا کالمجرمین۔ تفسیری عبارت تابعین کے معنی مساوین کے ہیں اور جب مساوات نہیں تو مجرمین مسلمین سے بدرجہ اولیٰ افضل نہیں ہوں گے۔

مالکم۔ یہ جملہ ہے اس لئے اس پر وقف مناسب ہے۔

ان لکم۔ لکم خبر مقدم اور ما اسم مؤخر ہے جس کے ساتھ لام تاکید ہے پھر یہ جملہ تدرسون کا معنی مفعول ہوگا۔ بظاہر یہاں ان بالفتح آنا چاہئے تھا۔ لیکن لام چونکہ مکسورہ کے ساتھ آتا ہے اس لئے یہاں مکسور لے آئے اور تدرسون اگرچہ افعال قلوب میں سے نہیں ہے معنی حکم کے متضمن ہونے کی وجہ سے لفظاً معلق عن العمل ہو گیا۔

بالغۃ۔ مفسرؒ نے لازم معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

الیٰ یوم القیامۃ۔ بالغۃ کے متعلق ہے یعنی قیامت تک رہنے والی قسم اور لکم سے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ ای ثابتۃ لکم علینا اور اس جملہ میں معنی قسم ہیں۔ ای اقسامنا لکم تفسیری عبارت ”متعلق معنی بعینا“ میں تعلق باصطلاح مراد نہیں کہ وہ فعل یا معنی فعل کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ تعلق اتصالی مراد ہے۔

سلہم۔ ضمیر متصل اول مفعول ہے اور مفعول ثانی جملہ ایہم زعیم ہے اور بذلک متعلق ہے زعیم کے اور سلہم لفظاً معلق عن العمل ہے استفہام کی وجہ سے۔

یکشف عن ساق۔ کنایہ اور استعارہ تمثیلیہ کیا گیا ہے دراصل کشف ساق شدت و مشقت کے وقت ہوا کرتا ہے۔

الیٰ السجود۔ آخرت چونکہ دار التکلیف نہیں اس لئے سجدہ سے مقصود آزمائش ایمان ہے، سجدہ تکلفی مراد نہیں۔ غرضیکہ غیر مخلصین کی کسر تختہ ہو جائے گی اور وہ سجدہ میں نہیں جا سکیں گے البتہ آئندہ سجدہ سے سجدہ صلوٰتی مراد ہے لیکن مفسرین کا اتفاق اس پر ہے کہ پہلے سجدہ سے مراد یہی سجدہ صلوٰۃ ہے۔

فذرنی۔ مفعول اول متصل ہے اور ومن یکذب مفعول پر معطوف ہے یا مفعول معہ ہے۔

سنستدرجہم۔ یعنی آہستہ آہستہ مجرمین کو پکڑ رہے ہیں لیکن بقول زخشریؒ عذاب درجہ بدرجہ دینا مراد ہے چنانچہ اللہ بندوں کو تمام نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے مگر پھر بھی وہ نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ استدرج ہے بلکہ جوں جوں نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں معاصی بھی بڑھتے ہیں۔

ام عندہم الغیب۔ ابن عباسؓ لوح محفوظ مراد لیتے ہیں اور بعض نے عام مغیبات مراد لی ہے۔ چنانچہ فہم یکتبون اس کا قرینہ ہے۔

اذ نادى مضاف محذوف سے منصوب ہے۔ ای لا یکن حالک کحالہ فی وقت ندائہ مضاف محذوف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امر دینی کا تعلق ذوات سے نہیں بلکہ احوال سے ہوا کرتا ہے۔

فاجتباہ ربہ۔ مفسرؒ کے بالنوۃ کہنے سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت یونسؑ کو نبوت اس کے بعد ملی جیسا کہ بعض مفسرینؒ کی رائے ہے لیکن اگر بعض کی رائے پر نبوت پہلے مانی جائے تو پھر مراتب و وحی مراد ہوں گے۔

لیس لقونلک۔ اکثر قراء کے نزدیک ضمہ یا کے ساتھ اور نافع کے نزدیک فتح کی قرأت ہے۔ اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ کھا جانے والی نظروں سے آپ کو گھورتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کو نظر لگا دینا چاہتے ہیں۔

لما سمعوا۔ اگر لما ظرفیہ ہو تو پھر لیس لقونلک کے ذریعہ منسوب ہوگا۔ لیکن اگر لما کو حرف مانا جائے تو اس کا جواب محذوف ہوگا اور دال بر جواب موجود ہے لیکن جو حضرات جواب کی تقدیم کی اجازت دیتے ہیں، وہ اسی کو جواب کہتے ہیں۔

رابط آیات..... سورۃ ملک میں زیادہ توجہ منکرین توحید کی طرف رہی۔ لیکن اس سورت میں زیادہ دھیان شان نبوت میں گستاخی کرنے والوں کی طرف ہے اور نبوت کا انکار چونکہ کفر ہے اس لئے بعض آیتوں میں ان کی دنیاوی اور اخروی سزاؤں کو بیان ہے۔

شان نزول و روایات..... ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ نون سے خاص مچھلی مراد ہے جس پر زمین رکی ہوئی ہے اور مفسرؒ کے نزدیک ن اسماء الہیہ کا اختصار ہے۔ روح البیان میں ہے کہ جب آیت لا تطع کل حلاف نازل ہوئی تو ولید اپنی ماں سے بولا۔ ان محمدا وصفنی بتسع صفات اعرفها غیر التاسع منها فان لم تصدقنی الخبر ضربت عنقک فقال لہ ان ایاک کان عیناً فخفضت علی المال لابن عمک یعنی یکون المال میراثا لہم فاجزت فلان الغلام ومکت من نفسی فانت منه۔

لولا تسبحون۔ بعض کی رائے ہے کہ اس زمانہ میں سبحان اللہ ہی انشاء اللہ کے درجہ میں تھا۔

عسی ربنا ان یدلنا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تائب ہو گئے تھے اور اللہ کو ان کا مخلص ہونا معلوم ہو گیا تو انہیں دوسرا باغ مرحمت ہو گیا جس کے انگوروں کا یہ حال تھا کہ اس کا ایک خوشہ ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔ بغویؒ اور زحشرؒ نے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ اگر ہمارے نقصان کی تلافی ہوگی تو ہم بھی اپنے باپ کی طرح عمل خیر کریں گے چنانچہ خوب دعا کی تو رات ہی کو بہترین باغ عنایت فرمادیا۔ وامر جبریل علیہ السلام ان یقتلع تلک الجنة المحترقة فیجعلھا بزغر من ارض الشام ویاخلد من ارض الشام فیجعلھا مکانھا۔

افجعل المسلمین۔ مقاتلؒ کہتے ہیں کہ جب آیت ان للمتقین نازل ہوئی تو کفار مکہ کہنے لگے۔ اول تو آخرت ہوگی نہیں، اگر ہوئی تو ہمیں ہی برتری حاصل رہے گی اور برتری نہ ہوئی تو برابری تو ضرور رہے گی اس پر افجعل المسلمین نازل ہوئی۔ یدعون الی السجود کعب احبار سے نقل ہے۔ ”واللہ ما نزلت هذه الاية الا فی الذین یتخلفون عن الجماعة“ اور ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ کانوا یسمعون حی علی الفلاح ینجیون۔

سنستدرجہم۔ حدیث میں ہے اذا رایست اللہ ینعم الی عبد وهو یقم علی المعصیۃ فاعلم انه استدراج۔

یستدرج به العبد.

فاصبر لحکم ربک . غزوہ احد میں جب کچھ صحابہؓ منافقین کے بہکانے میں آ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ نے ان پر بدعا کرنے کا ارادہ کیا اس وقت یہ حکم نازل ہوا اور بعض کے نزدیک جب آپ اہل مکہ سے تنگ دل ہو گئے اور آپ نے ثقیف کے بدر میں کرنی چاہی تو کچھ نادانوں نے آپ پر خشت ہاری کر دی جس سے پائے مبارک لہو لہان ہو گئے اس پر پھر آپ نے ان کے لئے کرنی چاہی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ غرض پہلی صورت میں آیت کو مدنی اور آخر صورت میں کی ماننا ہوگا۔

﴿تشریح﴾ آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کو رنجیدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کلمات تسلی ارشاد فرما رہے ہیں کہ سب پر اللہ کا ایسا انعام ہو جس کو ہر آنکھ دیکھ رہی ہے۔ یعنی انتہائی فصاحت و بلاغت اور حکمت دانائی کے موافق و مخالف سب کے دل سوہ لئے اور ایسے پاکیزہ اخلاق کہ سب کو گرویدہ بنا لیا ایسی مقدس ہستی کو دیوانہ کہہ دینا کیا خود کہنے والوں کی دیوانگی کی دلیس نہیں ہے؟

رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں بہت سے مصلحین اور رہنما گزرتے ہیں کہ جن کو شروع شروع میں لوگوں نے دیوانہ کہہ کر پکارا مگر اسی کے ساتھ تاریخ ہمیں یہ بھی بتلاتی ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق رہا ہے۔ پس جس طرح پہلے مصلحین پر عکسہ چینی کرنے والوں کا انجام ہوا، وہی ان بد لگام لوگوں کا ہوگا کہ ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا لیکن آپ کا نام و نشان و کام جبریدہ عالم پر ہمیشہ سنہرے حروف میں لکھا رہے گا ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی جس کی لازوال فضیلت و برتری کو قلم ازل لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا بھلا کس کی مجال ہے کہ کچھ پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو بھی مٹا سکے۔

رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم وانک لعلمی خلق عظیم . کیا دیوانوں اور پاگلوں کا ایسا شاندار اور پائیدار مستقبل کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنوں کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے کسی نے دیکھی ہے پھر جس کا مرتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو، اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہئے، اللہ نے جن اعلیٰ اخلاق پر آپ ﷺ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان کا تصور کیا جاسکتا ہے، اسی طرح آپ کی زبان اگر قرآن ہے تو اس کی تفسیر آپ کے اعمال و اخلاق میں پیدا کئی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی کہ کوئی چیز بھی آپ کو حد اعتدال سے ادھر ادھر نہیں کر سکتی یہ آپ کا خلق عالی ہی ہے جو جاہلوں اور کینوں کی خفیف حرکتوں پر کان دھرنے نہیں دیتا۔ پھر کسی کے مجنون کہنے پر کیا التفات کریں گے بلکہ الٹی آپ ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں ہر وقت جان گھلائے جا رہے ہیں بلکہ سچ پوچھو تو ان نادانوں کی عقل سوز حرکتوں نے آپ کے کریمانہ اخلاق کو گدگدایا اگر یہ نالائقیوں نہ ہوتیں تو آپ کے اندرونی جوہر دنیا کے سامنے کیسے آتے۔ جہاں یہ ایک تکوینی پہلو ہے وہیں اخلاقی عظمت کا عمیق ترین پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی دنیا کی حقیر ہستیوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو ہرگز نہ بھولے یہ چیز جب تک دل میں رہے گی، عدل و اخلاق کی میزان پورے طور پر ہاتھ میں رہے گی۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک عمدہ بات کہی ہے۔ سیمی خلقه عظیماً اذ لم تکن له ہمة سوی اللہ

عاشر الخلق بخلقہ وزایلہم بقلبہ فکان ظاہرہ مع الخلق وباطنہ مع الحق۔ یعنی حکماء نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے۔ علیک بالخلق مع الخلق وبالصدق مع الحق۔

فستبصرون ویبصرون۔ یعنی عنقریب فریقین کھلی آنکھیں دیکھ لیں گے کہ ان میں سے کون ہوشیار رہا اور کس کی عقل ماری گئی تھی کہ پاگوں کی طرح پکلی پکلی باتیں کرتا تھا۔ یوں اگرچہ پوری طرح کا علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ میں آنے والے ہیں اور کون بھٹکنے والے ہیں مگر نتائج جب سامنے آجائیں گے تو سب کو نظر آجائے گا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی راہ زنی پر ناکام و نامراد رہا اور چونکہ راہ راست پر آنے والے اور نہ آنے والے سب اللہ کے علم میں طے شدہ ہیں اس لئے دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں کچھ رو رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو سیدھی راہ پر آنا ہوگا آکر رہے گا اور جو محروم ازلی ہوگا وہ کسی صورت مابنے والا نہیں ہے۔

مداہنت مذموم ہے، لیکن ملا طفت و حکمت مستحسن ہے..... فلا تطع المبکذین۔ مشرکین نے جو آپ سے اپنے بتوں کے متعلق زبان بند رکھنے کی خواہش کی ہے اور ساتھ ہی یہ پیشکش کی کہ ہم آپ کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ کے طور طریق سے تعرض نہ کریں گے تو ہرگز آپ ان کی باتوں میں نہ آئیے۔ کیونکہ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کر کے اپنی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کرنا ہے یہ خود ایمان کی طرف آنا نہیں چاہتے بلکہ آپ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں آپ تو ہر طرف سے دھیان ہٹا کر اپنی دھن میں لگے رہنے، کام کئے جائیے کسی کو منوادینے کے آپ ذمہ دار نہیں۔ اس تقریر سے مداہنت میں جو مذموم ہے اور ملا طفت و حکمت میں جو محمود ہے فرق واضح ہو گیا۔

مال و دولت کے بجائے اعمال و اخلاق لائق توجہ ہونے چاہئیں..... ولا تطع کل حلاف۔ ولید بن مغیرہ جس کے دل میں اللہ کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسمیں کھا لینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور لوگوں کو اطمینان و یقین دلانے کے لئے بار بار قسمیں کھاتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوتا رہتا ہے اور ان پری خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے زمانہ ہے اس میں یہ ساری برائیاں موجود ہیں، ایک شخص محض اس وجہ سے کہ اس کے پاس مال و اولاد ہے، اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے عادات و اخلاق ہیں جس میں شرافت و صداقت نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔

انا بلوناہم۔ مال و اولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں، نہ اللہ کے ہاں اس کی قدر و قیمت ہے اس لئے اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئے یہ تو منجانب اللہ ان کی آزمائش ہے جو پہلے ہی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ایک مالدار کا انتقال ہوا اور ترکہ میں اس نے ایک باغ چھوڑا، جس میں کئی بھائی شریک رہے باپ اگرچہ غرباء پر بکثرت خیرات کیا کرتا تھا۔ مگر اولاد نے سوچا کہ اس طرح مال لٹانے اور برباد کرنے سے کیا فائدہ؟ ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ غرباء اور فقیروں کو دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار اور باغ کی بہار گھر ہی میں آجائے۔ چنانچہ صبح ہی پھل توڑ کر گھر لے آئے کا مشورہ ہوا اور اس تدبیر پر اتنا یقین ہوا کہ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ مگر ہوا یہ کہ رات ہی کو بگولا اٹھا، باغ کو آگ لگی اور باغ سب صاف ہو گئے۔ سب بھائی قرار داد کے مطابق صبح باغ میں پہنچے تو دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ سمجھے کہ ہم براہ بھول کر کہیں اور نکل آئے غور کیا تو پتہ چلا کہ جگہ تو وہی ہے مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور ہم محروم رہ گئے منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہوشیار تھا۔ اس نے پہلے ہی مشورہ کے وقت متنبہ کیا تھا کہ تم اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو اور یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور غریبوں کی خدمت سے دریغ نہ کرو جب کسی نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا تو چپ ہو رہا اور انہی کا شریک حال ہو گیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر ان کو وہ بات یاد دلائی تو آخر

میں سب نام ہوئے اور کہنے لگے واقعی زیادتی ہماری ہی تھی کہ غریبوں کا حق مارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرص و طمع میں آکر اصل بھی کھو بیٹھے یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی تھوروار ہیں تاہم اللہ سے ناامید نہیں ہیں کیا عجب ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بڑھ کر باغ ہم کو عطا کر دے۔

كذلك العذاب. یہ تو دنیا کے عذاب کی ایک ادنیٰ جھلک تھی جسے کوئی نال نہ سکا بھلا آخرت کی بڑی آفت کو کون نال سکتا ہے سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔

کیا پرہیزگار اور گناہ گار دونوں برابر ہو سکتے ہیں:..... ان للمتقين. دنیا کے باغ و بہار کو کیا لئے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ جس میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں وہ خاص متقین کے لئے ہیں رہا کفار و مشرکین کا یہ سمجھ بیٹھنا کہ جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش و عشرت میں رکھا، آخرت میں بھی یہی وہ معاملہ رہے گا، بلکہ وہاں اگر مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بڑھ کر ہوگی۔ اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیشہ کا ایک وفادار غلام اور ایک نافرمان باغی دونوں انجام میں برابر ہو جائیں بلکہ مجرم اور باغی مزے میں اور وفادار محروم یا کمتر ہو جائیں۔ اس سے بڑھ کر خلاف فطرت و عقل کیا بات ہو سکتی ہے خیر اس بارے میں نقلی ہی دلیل اگر تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ۔ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے قسم کھالی ہے کہ جو کچھ تم اپنے دل میں ٹھہرا لو گے وہی دیا جائے گا اور جس طرح آج عیش و عشرت میں ہو، قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے جو شخص اس کو ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، اسے سامنے کر وہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے ہاں! اگر محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کئے جارہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دیں گے اور مرتبے دلا دیں گے تو اس کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ میں بلالائیں اور اپنی من مانی کا روائی کرادیں مگر یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں، وہ تمہاری کیا مدد کریں گے خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

قیامت میں تجلی ساق:..... یوم یکشف عن ساق. اس کا ذکر مرفوع حدیث شیخین میں اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق کی تجلی فرمائے گا۔ ساق کے معنی پنڈلی کے ہیں لیکن صفات و حقائق الہیہ میں سے کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے، جس کو کسی خاص مناسبت سے ساق فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے الفاظ و جہہ اور بسد ہیں۔ یہ ”تشابہات“ کہلاتے ہیں۔ جن کے لغوی معنی اگرچہ معلوم ہوتے ہیں مگر وہ مراد نہیں ہوتے ان پر بلا کم و کیف و بغیر چوں چر ایسے ہی ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات، سمع بصر وغیرہ صفات پر رکھتے ہیں۔ غرض اور تجلی ساق کو دیکھتے ہی مومنین و مومنات تو سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو دنیا میں ریاکاری کا سجدہ کیا کرتا تھا اس کی کمر تنہ ہو کر رہ جائے گی اور کفار و مشرکین بدرجہ اولیٰ اس صفت سے محروم رہیں گے لیکن سجدہ کی طرف بلانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قیامت جب دارالکلیف نہیں، پھر سجدہ نماز کی طرف کیوں بلایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ سجدہ کا حکم ہوگا بلکہ خود اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ بے اختیار فوراً سجدہ میں گر پڑیں گے اور ممکن ہے کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ مخلصین منافقین کفار میں عملی امتیاز و تفریق ہو جائے اس آیت کشف کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تشابہات پر عجیب و غریب تبصرہ فرمایا ہے۔

سجدہ نہ کرنے کی سزا:..... خاشعة ابصارہم. یعنی قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا کہ ندامت و شرمندگی کے مارے ان کی آنکھ نہ اٹھ سکے گی حالانکہ دنیا میں یہ حال تھا کہ اچھے خاصے تندرست ہوتے ہوئے بھی کبھی ایک سجدہ کی توفیق نہ ہو سکتی تھی کہ اپنی فطری

استعداد ہی کھو کر رکھ دی اب چاہیں بھی توجہ نہیں کر سکتے۔

فسدنسی۔ یعنی ان کو عذاب تو یقیناً ہوگا لیکن ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے میں ان سے خود نمٹ لوں گا اور اس طرح آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ ہی نہ چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر رگن رہیں گے لیکن اندر ہی اندر سکھ اور چین کی نیند حرام ہو جائے گی میری خفیہ تدبیر تو ایسی چکی ہے جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔

ام تسنلہم۔ آپ کی بات کیوں نہیں مانتے آخر وجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے اس پر کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ جس کے بوجھ میں وہ بے جا رہے ہیں یا کہیں ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے جسے بحفاظت وہ لکھ لیتے ہیں اس لئے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے اور جب ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں تو پھر بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا کہا جائے۔

حضرت یونسؑ کا غم: وہو مکتوم۔ مکتوم کے معنی مغموم کے ہیں اور وہ غم بھی کئی غموں کا مجموعہ تھا ایک غم قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اجازت صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں قید رہنے کا، دل ٹوٹا ہوا تھا کہ آیت کریمہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کے الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔ جس کی برکت سے اللہ نے مچھلی کی قید تنہائی سے نجات دی۔ بفضل خداوند اگر دستگیری نہ ہوتی تو پھر اس چٹیل میدان میں پڑے رہتے اور وہ کمالات باقی نہ رہتے جواب تک قائم تھے مگر اللہ نے اس غلٹگی کے صلہ میں مزید مراتب سے نواز اور نیک شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔

آنحضرت ﷺ کو جلی کئی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا: وان یکاد الذین کفروا۔ شروع سورت کی طرح پھر روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف ہو گیا۔ فرمایا کہ مخالفین کا حال تو یہ ہے کہ قرآن سن کر غصہ کے مارے جلی کئی نظروں سے گھور گھور کر آپ کو دیکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مرتبہ سے آپ گزر جائیں اور زبان سے بھی آواز بے کتے ہیں اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں اور قرآن کو عیاذ باللہ دیوانہ کی بڑ۔ حالانکہ یہ سارے جہان کے لئے سرتاپا نصیحت ہے اور بعض نے لیس لفظوں کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ کو نظر لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جو نظر لگانے میں مشہور تھا اس کو اس پر آمادہ کر کے بلایا آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اس نے آکر ہر چند زور لگائے مگر آپ کے لاجول پڑھنے سے ناکام و نامراد واپس چلا گیا آج کل مسمریزم ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے اس لئے نظر لگانے کے معاملہ پر رد و کرنا فضول ہے اور بے شمار واقعات تجربہ میں ہیں۔ پھر اس سے انکار نا انصافی ہے۔

لطائف سلوک: وانک لعلی خلق۔ حضرت عائشہؓ اس کی تفسیر فرماتی ہیں۔ ”یرضی لرضاء و یسخط بسخطہ“ اس میں تخلق باخلاق اللہ کی طرف اشارہ ہے جس کا کمال درجہ فنا ہے اور اس سے پہلے مانت بنعمۃ ربک بمنجون فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ سوء اخلاق ایک قسم کا جنون ہے۔

ولا تطع کل حلاف۔ اس میں اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ذکر ہے اہل طریق کو ان سے بچنا چاہئے۔
یوم یکشف۔ احادیث میں حق تعالیٰ کی ساق فرمایا گیا ہے علماء تو اس کو متشابہات پر محمول کرتے ہیں مگر صوفیاء اس کو تجلی صورت ہی کہتے ہیں بلکہ بعض اہل معرفت کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کی صورت میں یہ تجلی رونما ہوگی۔

ولا تکن کصاحب الحوت۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مقام کے لئے صاحب حال کا فعل اور صاحب مقام اعلیٰ کے لئے صاحب مقام عالی کا فعل کبھی نقض ہوتا ہے جس سے منع کیا جاتا ہے۔

وان یکساد الذین۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطن میں بھی تصرفات ہو سکتے ہیں اور وہ کسی تاثیرات طبعیہ ہیں اہل حق پر غالب آسکتے ہیں پس تاثیر نفسانی علامت ولایت نہیں ہے۔

سُورَةُ الْحَاقَّةِ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ اِحْدَى اَوَاثِنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَاقَّةُ ﴿۱﴾ الْقِيَمَةُ الَّتِي يَحِقُّ فِيهَا مَا اُنْكِرَ مِنَ الْبُعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْخِزَاءِ اَوِ الْمُظْهِرَةِ لِذَلِكَ مَا الْحَاقَّةُ ﴿۲﴾
تَعْظِيْمُ لِسَانِهَا وَهَمَّا مُبْتَدَأٌ وَخَبِرٌ خَبِرَ الْحَاقَّةِ وَمَا اَذْرَكَ اَيَّ اَعْلَمَكَ مَا الْحَاقَّةُ ﴿۳﴾ زِيَادَةُ تَعْظِيْمِ
لِسَانِهَا فَمَا الْاَوَّلَى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ خَبْرٌ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبْرُهَا فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لَا دَرَى كَذَبْتُ
ثُمُودُ وَعَادُ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ الْقِيَامَةُ لِأَنَّهَا تُقْرَعُ الْقُلُوبُ بِأَهْوَالِهَا فَاَمَّا ثُمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾
بِالصَّيْحَةِ الْمُحَاوِرَةِ لِلْحَدَفِ الشَّدَةِ وَاَمَّا عَادُ فَأُهْلِكُوا بِرِيحِ صَرْصَرٍ شَدِيدَةِ الصَّوْتِ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾
قُوَّةٍ شَدِيدَةٍ عَلَى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وَشِدَّتِهِمْ سَخَرَهَا اَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ
اَوَّلُهَا مِنْ صُبْحِ يَوْمِ الْاَرْبَعَاءِ لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ شَوَالٍ وَكَانَتْ فِي عِجْرِ الشِّتَاءِ حُسُومًا مُتَتَابِعَاتٍ شَبَّهَتْ
بِتَتَابُعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِي اِعَادَةِ الْكُفَى عَلَى الدَّاءِ كَرَّةً بَعْدَ اُخْرَى حَتَّى يَنْحَسِمَ فَرَى الْقَوْمِ فِيهَا صَرْعَى
مَطْرُوحِينَ مَا كَانُوا كَانَتْهُمْ اَعْجَازُ اُصُولٍ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾ سَاقِطَةٌ فَارِعَةٍ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ
بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ صِفَةُ نَفْسٍ مُتَقَدَّرَةٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَيَّ بَاقٍ لَا وَجَاءَ فَرْعُونَ وَمَنْ قَبْلَهُ اَتْبَاعُهُ وَفِي قِرَاءَةِ فِتْحِ
الْقَافِ وَسَكُونِ الْبَاءِ اَيَّ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْاُمَمِ الْكَافِرَةِ وَالْمُؤْتَفِكُثِ اَيَّ اَهْلِهَا وَهِيَ قُرَى قَوْمِ لُوطٍ
بِالْحَاطَةِ ﴿۹﴾ بِالْفِعْلَاتِ ذَاتِ الْخَطَايَا فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ اَيَّ لُوطًا وَغَيْرِهِ فَاَحْذَرَهُمْ اَحْذَرَةً
رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ زَائِدَةٌ فِي الشَّدَةِ عَلَى غَيْرِهَا اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ عَنَّا فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْجِبَالِ وَغَيْرِهَا رَمَنَ
الطُّوفَانَ حَمَلْنَكُمْ يَعْنِي اَبَاءَكُمْ اِذْ اَنْتُمْ فِي اَصْلَابِهِمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ السَّفِيْسِيَّةُ الَّتِي عَمِلَهَا نُوحٌ
صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَنَحَاهُو وَمَنْ كَانَ مَعَهُ فِيهَا وَغَرِقَ الْبَاقُونَ لِنَجْعَلَهَا اَيَّ هَذِهِ الْفِعْلَةِ وَهِيَ

اِنْجَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَاهْلَاكُ الْكَافِرِينَ لَكُمْ تَذْكِرَةٌ عَظِيمَةٌ وَتَعِيَهَا لِيَحْفَظَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿۱۱﴾ حَافِظَةٌ لِّمَا
 تَسْمَعُ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۱۲﴾ لِّفَصْلِ بَيْنَ الْخَلْقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ وَحُمِلَتِ رُفْعَتُ
 الْاَرْضِ وَالْجِبَالُ فَذُكَّتَا دُكَّتًا وَاحِدَةً ﴿۱۳﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۴﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ
 وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿۱۵﴾ ضَعِيفَةٌ وَالْمَلَكُ يَعْنِي الْمَلَائِكَةَ عَلَى اَرْجَائِهَا
 حَوَائِبَ السَّمَاءِ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ اَيَ الْمَلَائِكَةِ الْمَذْكُورِينَ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿۱۶﴾ مِنَ
 الْمَلَائِكَةِ اَوْ مِنْ صُفُوفِهِمْ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لِلْحِسَابِ لَا تَخْفَى بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۷﴾ مِنَ
 السَّرَائِرِ فَاَمَّا مَنْ اُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ خُطَابًا لِّجَمَاعَتِهِ لِمَا شَرِبَهُ هَاؤُمُ خُذُوا اَقْرَءُوا
 كِتَابِيَّ ﴿۱۸﴾ تَنَازَعَ فِيهِ هَاؤُمُ وَاَقْرَءُوا اِنِّي ظَنَنْتُ تَيَقَّنْتُ اِنِّي مُلِقٍ حِسَابِيَّ ﴿۱۹﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ
 رَّاضِيَةٍ ﴿۲۰﴾ مَرْضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۱﴾ قُطُوفُهَا ثَمَارُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۲﴾ قَرِينَةٌ يَتَنَاولُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ
 وَالْمُضْطَجِعُ يَقَالُ لَهُمْ كُلُّوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيئًا حَالٌ اَيَ مُتَهِنِينَ بِمَا اسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۳﴾
 الْمَاضِيَةِ فِي الدُّنْيَا وَاَمَّا مَنْ اُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَلتَّسْبِيهِ لَبِئْسَ لَمْ اُوْتِ كِتَابِيَّ ﴿۲۴﴾ وَلَمْ
 اَدْر مَا حِسَابِيَّ ﴿۲۵﴾ يَلْبِئْتُهَا اَيَ الْمَوْتُ فِي الدُّنْيَا كَانَتِ الْقَاضِيَةُ ﴿۲۶﴾ الْقَاطِعَةُ لِحَيَاتِي بِاَنِّ لَا اُبْعَثُ مَا
 اَغْنِي عَنِّي مَالِيَّ ﴿۲۷﴾ هَلَلْتُ عَنِّي سُلْطَانِيَّ ﴿۲۸﴾ فُوتَنِي وَخُجِنِي وَهَاءُ كِتَابِيَّ وَحِسَابِيَّ وَمَالِيَّ
 وَسُلْطَانِيَّ لِلْسَّكْتِ تَثَبُّتٌ وَقَفًا وَوَصَلًا اِتِّبَاعًا لِمُصْحَفِ الْاِمَامِ وَالنَّقْلِ وَمِنْهُمْ مَنْ جَدَفَهَا وَصَلًا خُذُوْهُ
 خِطَابٌ لِّخَزَنَةِ جَهَنَّمَ فَعُلُوْهُ ﴿۲۹﴾ اَجْمَعُوْا يَدِيْهِ اِلَى عُنُقِهِ فِي الْغَلِّ ثُمَّ الْجَحِيْمُ النَّارُ الْمُحْرِقَةُ صَلَوَةُ ﴿۳۰﴾
 اَدْخَلُوْهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ الْمَلِكِ فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۱﴾ اَيَ اَدْخَلُوْهُ فِيْهَا بَعْدَ
 ادْخَالِهِ النَّارِ وَلَمْ تَمْنَعْ الْفَاءُ مِنْ تَعْلُقِ الْفِعْلِ بِالظَّرْفِ الْمُقَدَّمِ اِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۲﴾
 وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۳﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ قَرِيْبٌ يَنْتَفِعُ بِهِ وَلَا طَعَامٌ
 اِلَّا مِنْ غَسَلِيْنِ ﴿۳۵﴾ صَدِيْدُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ شَجَرٍ فِيْهَا لَا يَأْكُلُهُ اِلَّا الْخَطُوْنُ ﴿۳۶﴾ الْكَافِرُوْنَ فَلَا لَازِئَةً لِّهٖ
 اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ مِنْهَا اَيَ بِكُلِّ مَخْلُوْقٍ اِنَّهُ اَيَ الْقُرْاٰنِ
 لِقَوْلِ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۳۹﴾ اَيَ قَالَهُ رِسَالَةٌ عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا
 مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَا يَقُولُ كَاھِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذْكُرُوْنَ ﴿۴۱﴾ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَا اِنَّهٗ مُؤَكَّدَةٌ
 وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِاَشْيَاءٍ يَسِيْرَةٍ وَتَذَكَّرُوْهَا مِمَّا اَتٰى بِهٖ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَيْرِ وَالصَّلٰةِ

وَالْعَافِ فَلَمْ تَغْنِ عَنْهُمْ شَيْئًا بَلْ هُوَ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ اٰی النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْاَقَاوِلِ ﴿۳۴﴾ بَاۤءَ قَالَ عَنَّا مَا لَمْ نَقُلْهُ لَا خَدُّنَا لِنَلْنَا مِنْهُ عِقَابًا بِالْیَمِیْنِ ﴿۳۵﴾ بِالْقُوَّةِ
وَالْقُدْرَةِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿۳۶﴾ نَبَاطَ الْقَلْبِ وَهُوَ عِرْقٌ مُّتَّصِلٌ بِهٖ اِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُهُ
فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ هُوَ اِسْمٌ مَّاوَمِنْ زَائِدَةٌ لِّتَاكِیْدِ النَّفْیِ وَمِنْكُمْ حَالٌ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَٰجِرِیْنِ ﴿۳۷﴾
مَا نَعِیْنُ خَبْرًا مَاوُجُمِعَ لِاَنَّ اَحَدًا فِی سِیَاقِ النَّفْیِ بِمَعْنٰی الْحَمْعِ وَضَمِیْرُ عَنْهُ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِی
لَا مَبَیْعَ لِنَاعْنَهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ اِی الْقُرْآنَ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ اِیْهَا
النَّاسُ مُكْذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ بِالْقُرْآنِ وَمُصَدِّقِیْنَ وَاِنَّهٗ اِی الْقُرْآنَ لَحَسْرَةٌ عَلٰی الْكُفْرِیْنَ ﴿۴۰﴾ اِذَا رَاوْا ثَوَابَ
الْمُصَدِّقِیْنَ وَعِقَابَ الْمُكْذِبِیْنَ بِهٖ وَاِنَّهٗ اِی الْقُرْآنَ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۴۱﴾ اِی لِّلْیَقِیْنِ حَقُّ الْیَقِیْنِ فَسَبِّحْ نَزَّهَةً
۵۴ بِاِسْمِ زَائِدَةٍ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: سورۃ حاقہ مکہ ہے۔ ۵۱ یا ۵۳ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ ہونے والی چیز (قیامت کہ اس میں تمام وہ باتیں محقق ہو جائیں گی جن کا انکار کیا گیا یعنی بعث حساب یا قیامت ان باتوں کو ظاہر کر دے گی) کیسی کچھ ہے وہ چیز جو ہونے والی ہے (اس میں قیامت کا عظیم الشان ہونا بتلایا گیا ہے اور ما مبتداء اور الحاقہ ثانیہ خبر ہے۔ یہ جملہ خبر ہے الحاقہ اول کی اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ عظمت شان ہے۔ ما اول مبتداء اور ادراک خبر ہے اور ما ثانیہ مبتداء الحاقہ خبر۔ جملہ ادروی کے مفعول ثانی کے محل میں ہے) ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز کی تکذیب کی (قیامت جو اپنی ہولناکی سے دلوں کو کھڑکھڑا دے گی) (سومود تو ایک چیخ سے ہلاک کر دیئے گئے) (جوحد سے زیادہ شدید چٹکھا اٹھی) اور عاد ایک تیز تند (زنائے کی آواز) ہوا کے جھکڑ سے ہلاک کر دیئے گئے (جو قوم عاد کے طاقتور ہونے کے باوجود انتہائی سخت تھی) کہ اللہ نے اس ہوا کو (زبردستی) ان پر مسلط کر دیا تھا۔ سات رات اور آٹھ دن (۲۳ شوال بدھ کی صبح سے جاڑوں کے آخر میں) متواتر (مسلل جیسا کہ لگاتار داغنے والا داغنا ہے آخر تک اسی طرح یہاں عذاب لگاتار رہا) سو تو اس قوم کو اس میں اس طرح پڑا ہوا دیکھتا ہے (گرا ہوا تباہ) کہ گویا وہ گری ہوئی (بالکل ٹوٹی ہوئی) کھجوروں کے تنے (جڑیں) ہیں۔ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (باقیہ نفس مقدر کی صفت ہے اور تا مبالغہ کی ہے یعنی کوئی باقی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں باقی) اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (اس کے پیروکاروں نے اور ایک قرأت میں فتح قاف اور سکون بسا کے ساتھ ہے۔ یعنی فرعون سے پہلے کافروں نے) اودھائی ہوئی بستیوں نے (یعنی اہل بستی نے، اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں) بڑے بڑے قصور کئے (ایسے کام جو سر خطا ہیں) سو انہوں نے اپنے رب کے رسول (لوط وغیرہ) کا کہنا نہ مانا۔ سو اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑ لیا (اوروں سے بڑھ چڑھ کر) ہم نے جب کہ پانی کو طغیانی دی (زمانہ طوفان میں پہاڑ وغیرہ ہر چیز پر پانی چڑھ گیا) ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ دادا کو کہ تم ان کی پشتوں میں تھے) کشتی پر سوار کیا (جونوح علیہ السلام نے تیار کی تھی، وہ اور ان کے ساتھ توج گئے اور باقی سب ڈوب گئے) تاکہ ہم بنادیں، اس کو (یعنی مومنین کی نجات اور کافروں کی بربادی کی کارروائی کو) تمہارے لئے ایک یادگار (عبرت) اور یاد رکھیں (محفوظ کر لیں) یاد رکھنے

والے کان (جو سنی ہوئی باتوں کو محفوظ کر لیتے ہیں) پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی (مخلوق کے فیصلہ کے لئے فتح غائبہ مراد ہے) اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر دونوں ایک دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز (قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس وقت نہایت بودا (کمزور) ہوگا اور فرشتے آسمان کے کناروں پر آ جائیں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو (مذکورہ فرشتے) اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (فرشتے آٹھ ہوں گے یا فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی) جس روز تم (حساب کے لئے) پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہوگی۔ (تخفیفی تا دریا کے ساتھ ہے) پھر جس شخص کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بول اٹھے گا (خوشی کی بات اپنی جماعت سے کرتے ہوئے) کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو (کتابیہ میں ہاؤم اور اقرء و اکا تازع ہو رہا ہے) میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے، غرض وہ شخص پسندیدہ (عمدہ) عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے (پھل) جھکے ہوئے ہوں گے (جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے حاصل ہو سکیں گے۔ ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ (حال ہے، یعنی خوشی بخوشی) ان اعمال کے سلسلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام میں (دنیا میں) کئے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ کہے گا (تنبیہ کے لئے ہے) کاش مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی (جو دنیا میں آچکی تھی) خاتمہ کر دیتی (مجھے نیست و نابود کر دیتی پھر میرا بعث ہی نہ ہوتا) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ مجھ سے گیا گزرا ہوا (یعنی بیری قوت اور دلیل کچھ بھی نہیں رہی۔ ان تمام الفاظ میں ہسا سکتہ کی ہے۔ جو حالت وقف اور وصل دونوں میں برقرار رہتی ہے۔ محض ثانی میں اسی طرح منقول ہونے کی وجہ سے لیکن بعض قراء نے بحالت وصل اس کو حذف کر دیا ہے) اس شخص کو پکڑو (دار و نہ جہنم کو نطاب ہے) اور اس کو طوق پہنا دو (ہاتھوں کو گلے میں باندھ دو) پھر دوزخ میں (دبکتی ہوئی آگ) میں اس کو جھونک (ڈال) دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جو ستر گز ہے (فرشتہ کی ناپ سے) اس کو جکڑ دو (یعنی دوزخ میں جھونک کر زنجیروں میں جکڑ دو۔ ظرف مقدم میں فعل کے عمل کرنے سے فاسد مانع نہیں ہے) یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ غریب آدمیوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس شخص کا آج نہ کوئی دوست ہے (کہ جس سے اس کو نفع پہنچ جائے) اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون دوزخیوں کے کچھو یا دوزخی درخت) کے جس کو بڑے گناہگار (کافر) کے سوا کوئی کھانا نہ سکے گا پھر میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ان یزروں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (یعنی ساری مخلوق کی) کہ یہ (قرآن) کلام ہے ایک معزز فرشتہ ٹالایا ہوا (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کا ہن کا کلام ہے، تم بہت کم سمجھتے دو (دونوں فعل تبا اور یا کے ساتھ اور معزائد ہے تاکید کے لئے یعنی یہ لوگ ان باتوں کو تو مانتے ہیں اور انہیں یاد بھی رکھتے ہیں جو بہت معمولی ہیں بمقابلہ آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات یعنی خیر اور صلہ اور عفاف کے، حالانکہ وہ باتیں ان کے لئے کچھ مفید نہیں بلکہ) اللہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اگر یہ (نبی) ہمارے اوپر کچھ باتیں لگا دیتے (یعنی ایسی بات کہہ دیتے جو ہم نے نہیں کہی) تو ہم پکڑ لیتے (تھام لیتے سزاء) ان کا داہنا ہاتھ (زور لور طاقت سے) پھر ہم ان کی رگ جان کاٹ ڈال دیتے (رگ دل جو دل سے وابستہ ہیں وہ کٹ جائے تو مر جائے) پھر تم میں کوئی (احد اسم ما ہے اور من زائد ہے تاکیدی کے لئے اور معکم من احد سے ال ہے) ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (روکنے والا یہ مسا کی خبر ہے اور جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ احد نفی کے تحت ہونے کی نہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عنہ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یعنی عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوتی) اور بلاشبہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ (اے لوگو!) تم میں تکذیب کرنے والے بھی ہیں (قرآن کی اور تصدیق

کرنے والے بھی) اور یہ قرآن کافروں کے لئے موجب حسرت ہے (جب وہ تصدیق کرنے والوں کا ثواب اور تکذیب کرنے والوں کا عذاب دیکھیں گے) اور یہ (قرآن) تحقیقی اور یقینی بات ہے، سو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے (لفظ اسم زائد ہے)

تحقیق و ترکیب: الحاقۃ۔ بقول زخشری اصل میں ”الحاقۃ ماہی“ عبارت تھی۔ لیکن بہشت زیہ کرنے کے بجائے ضمیر اسم ظاہر لایا گیا۔ اس پر توافق ہے کہ حاقہ قیامت کا نام ہے مگر حاقہ کہنے کی وجہ میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ حق بمعنی ثابت سے مانوڑ ہے قیامت کو واجب الوقوع ہونے کی وجہ سے حاقہ کہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت میں تحقیق ہو جائیں گے۔ تیسرے یہ کہ قیامت صادق اور یقینی چیزوں میں سے ہے چنانچہ اس کا ثواب و عذاب وغیرہ بھی وہ امور ہیں جن کا وجود ضروری ہے۔ وما ادر الٹ۔ ادری متعدی بد و مفعول ہے۔ کاف مفعول اول اور ما الحاقہ مفعول ثانی محل نصب ہے بخلاف الجار ہے۔ کیونکہ مفعول ثانی کی طرف ماکے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ولا ادر اکم یہ میں ہے۔

بالطاغیۃ۔ ابن عباس اور قتادہ صحیحہ کے معنی لیتے ہیں اور بعض یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی طغیانی کی وجہ سے تباہ ہو گئے اس صورت میں عافیۃ کی طرح طاغیۃ مصدر ہوگا لیکن معنی بعد کی عبارت کے مناسب نہیں ہے۔
ریح صر صر۔ صر بابت کے معنی چیخ کے ہیں اور بالکسر ہالہ کے معنی ہیں۔

عاتیۃ۔ عت کے معنی سے حد سے تجاوز کے ہیں اور بے اندازہ کے معنی بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ما ارسل اللہ سفۃ من ریح الا بمکیال ولا قطرة من ماء الا بمکیال الا یوم عاد و یوم نوح۔

حسوما۔ ابن منذر کی روایت میں ہے جمع کے دن سے عذاب شروع ہوا سات رات آٹھ دن رہا پھر سب مر گئے اور ہوا نے نعشوں کو سمندر میں پھینک دیا۔ وہب فرماتے ہیں کہ اسی لئے عرب ان دنوں کو ”ایام عجوز“ کہتے ہیں۔ آخری جاڑوں کی وجہ سے اور یا اس لئے کہ ایک بڑھیا ہوا سے بچنے کے لئے ایک سرنگ میں گھس گئی مگر ہوانے وہاں بھی اسے ہلاک کر دیا تھا۔ حسوماً یہ نعت ہے سبع لیال و ثمانیۃ ایام کی۔ یا سخرھا کے مفعول سے حال ہے۔ حسوم کے معنی بار بار ٹکڑے دینا حتیٰ کہ بیماری کا مادہ ختم ہو جائے۔ مفسر نے متابعات سے مجاز مرسل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لگا تار ہوا کے جھونکوں کو داغنے کے ٹکڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور عطیۃ نے حسوماً کے معنی شوم اور بدبختی کے لئے ہیں گویا ہوانے ساری خیر ختم کر دی۔

نخل خاویہ۔ خاویہ کے معنی خالی کے ہیں اور بعض کے نزدیک ساقط کے معنی ہیں۔ مفسر نے شافعی المسلب ہونے کی وجہ سے عموم مجاز کے طور پر دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

من باقیۃ۔ ای نفس باقی اور استفہام انکاری ہے۔

ومن قبلہ۔ ابو عمر اور کسائی کے نزدیک کسر قاف کے ساتھ اور اکثر قراء کے نزدیک فتح قاف کے ساتھ ہے۔
والموتفکات۔ ایضاک کے معنی انقطاع اور اکھاڑ پھینکنے کے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو قومیں گناہوں میں منہمک ہو کر تباہ ہو گئیں۔

بالخطیۃ۔ گناہگار چونکہ اہل ہستی ہیں اس لئے مفسر نے اشارہ کر دیا کہ یہ موصوف کی صفت ہے۔ شرک، بدکاری، تالیان بجانا، گوز مارنا وغیرہ رائیوں میں یہ لوگ مبتلا تھے۔

حملنا کم۔ مضاف محذوف ہے۔ ای حملنا آباء کم۔ گویا پادادا کی پشتوں میں موجود ہونے کی وجہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ ساری دنیا حضرت نوح کے بعد سام، حام، یافث تینوں صاحبزادوں کی اولاد سے ہے۔

تعیہا۔ دعی حفاظت کرنا، ایعاء حفاظت کرنا۔

نفخۃ واحدہ۔ ابن عباسؓ نے معنی فرماتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی حساب کتاب ہوگا اور بعض کے نزدیک نفخہ اولیٰ مراد ہے۔
فیومئذ۔ اسی اذانفخ و حملت۔

وقعت الواقعة۔ یہ ترکیب قائم القائم کی طرح بے فائدہ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ قیامت کا علم ہے۔ اشتقاقی معنی مراد نہیں جس کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

علیٰ ارجائہا۔ دنیا کا ہولناک منظر دیکھنے کے لئے فرشتے کناروں پر آ جائیں گے۔

ویحمل عرش۔ حاملین عرش فرشتے ”الامن شاء اللہ“ کے تحت ہونے کی وجہ سے ”فصعق من فی السموات“ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ آٹھ فرشتے مینڈھوں کی شکل پر ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سر عرش سے ملے ہوئے اور پاؤں چلی زمین پر ہوں گے اور پانچ سو سال کی مسافت کے برابر طویل سینک ہوں گے اور کھر سے پیٹھ تک زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہوگا اور یہ کہ کسی کا چہرہ انسانی اور کسی کا شیر جیسا اور کسی کا بیل جیسا اور کسی کا گدھ جیسا ہوگا۔ ابن جریرؒ، ابن زیدؒ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اس وقت حاملین عرش چار ہیں اور قیامت میں آٹھ ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کا عدد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ البتہ آٹھ صفوں میں ہوں گے اور حسنؒ کہتے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد اللہ کو معلوم ہے۔

۸ ہیں یا ۸ ہزار یا آٹھ صفیں۔ امام رازیؒ آٹھ افراد ماننا اولیٰ کہتے ہیں۔

ہاؤم۔ یہ فعل صریح ہے یا اسم فعل بہر دو صورت خذوا کے معنی ہیں۔ یہاں آیت میں اسم فعل ہے جس میں مد و قصر دونوں لغت ہیں۔ مفر دثنیہ جمع مذکر مؤنث سب میں یہ دونوں لغت ہیں۔ کاف خطاب بھی اس کے ساتھ لگتا ہے جس میں واقع کی مطابقت کی جائے گی۔ جیسے ہان، ہاء ن، ہاک، ہاء ک اور کاف خطاب کی جگہ اگر ہمزہ ہوگی تو اس میں کاف جیسا تصرف کیا جائے گا۔ جیسے ہاء یازید۔ ہائی یا ہند، ہاء ما، ہاؤم، ہائون۔ یہ لغت القرآن ہے۔ لیکن اگر فعل صریح کے ساتھ ضمائر بارزہ مرفوعہ لکھیں تو ان میں تین لغات ہوں گی۔ ایک یہ کہ عطیٰ یعطیٰ کی طرح ہائی یازید، ہائی یا ہند، ہائی یازید ان، یا ہندان ہاء و یا یزیدون، ہائیں یا ہندات کہا جائے۔ دوسرے یہ کہ ہب کی طرح کہا جائے۔ ہاہی، ہاء ہا، ہاؤہان۔ ایسے ہی میں جیسے ہب ہبی ہبا ہبوا تیسر لغت یہ کہ خف، خافی، خافا، خافوا، خفن کی طرح ہاء، ہائی، ہاء ا، ہاء وا، ہان کہا جائے۔ اسی طرح اس لفظ کے مدلول میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ خذوا کے معنی میں ہے اور بعض نے تعالوا کے معنی لئے ہیں۔ اس صورت میں الٰہی کے ذریعہ متعدی ہوگا اور بعض نے قصد کے معنی لئے ہیں۔

کتابیہ۔ یا کافتحہ ظاہر کرنے کے لئے ان کلمات میں ہائے سکتہ لائی گئی ہے اور کو فیوں کے مذہب پر اول کو اور بصریوں کے مذہب پر دوسرے کو عامل مان کر دوسرے فعل میں ضمیر لائی جائے گی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ”ہاؤم کتابی“ اقراء و کتابیہ پہلے کو حذف کر دیا گیا ثانی کی دلالت کی وجہ سے۔ کوئی اولیت کی اور بصری قرب کی رعایت کرتے ہیں ہائے سکتہ وقف میں ثابت اور وصل میں ساقط ہونی چاہئے۔ مگر محف عثمانی میں موجود ہونے کی وجہ سے ہر حال میں ہا باقی رہے گی اور وقف کو وصل پر ترجیح دیتے ہوئے۔

انی ظننت۔ چونکہ الایمان بین الخوف الرجاء ہے اس لئے اللہ نے رجاء کو پورا کیا اور خوف سے بچالیا۔

راضیہ۔ فاعل بمعنی مفعول ہے۔ ہنینا حال اگر ہے تو ہیننا بمعنی متہین ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای اکلا

و شر باً ہیننا یا خود مصدر ہے۔ ای ہننتم ہینا

سلطانیہ۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ سلطانیہ کی یہ دونوں تفسیریں ہیں۔ صاحب مفصلؒ نے لکھا ہے کہ جس متحرک پر حرکت اعرابیہ نہ ہو وہاں وقف باظہار جائز ہے۔ حرکت کو محفوظ رکھنے کے لئے اور باوجودیکہ ترک حاصل ہے مگر محف عثمانی کی وجہ سے وقف و وصل دونوں حالتوں میں ہا باقی رہے گی بلکہ مثل متواتر سے بھی ہا ثابت ہے۔ جیسا کہ مختصرؒ نے ذکر کیا ہے اور بعض نے اصل کی

رعایت کرتے ہوئے حالت وصل میں حذف کر دیا ہے۔

سبعون ذراعا۔ حسنؒ تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون سا ذراع مراد ہے۔ ابن عباسؓ فرشتہ کی ذراع فرماتے ہیں معروف بکالیؒ جو کہ کوفہ میں تھے وہ ذراع کے متعلق کہتے ہیں۔ سبعون باعاً و الباع مابینک (الکوفۃ) و بین مکہ، اور امام محمد کی روایت سے ذراع کا طول مابین السماء و الارض معلوم ہوتا ہے۔

فلیس لہ الیوم۔ یوم سے مراد آخرت ہے اور جمیم اور اس کے معطوفات لیس کا اسم ہے اور ظرف مقدم خبر ہے۔ دوزخیوں کے کھانے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے اور آیت ”شجرۃ الزقوم طعام الایم اور الامن ضریع الخ“ اور ”اولئک مایا کلون فی بطونہم الی النار“ میں بھی ہے، سب میں کوئی منافات نہیں بلکہ حصراً اضافی ہے اور مقصد مشترک یہ ہے کہ وہ کھانا نفع سے خالی ہوگا۔ غسلین۔ ابن عباسؓ اس کے معنی صدید یعنی رخیوں کا دھوون لے رہے ہیں۔

رسول کریمؐ یعنی بد خلقی سے کوسوں دور ہیں اور قرآن کلام الہی ہے اس کو اقوال رسول بلحاظ تبلیغ کہا گیا۔ تذکرون۔ قومون اور تذکرون اہل کوفہ کی قرأت بالتحفیف ہے اور باقی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔ منہ الوتین۔ مفسرؒ نے ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں۔ هو الجبل الذی فی الظہر۔ عنہ حاجزین۔ ضمیر عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے یا نقل کی طرف۔ وانه لتذکرۃ۔ یہ اور اس کے بعد کا عطف جواب قسم پر ہے پس یہ بھی مجملہ مقسم علیہ ہے۔

منکم مکذبین۔ مفسرؒ نے ”مصدقین“ سے اشارہ کیا ہے کہ آیت میں واوسیت معطوف محذوف ہو رہا ہے۔ لحق الیقین۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ صفت موصوف کی طرف مضاف ہو رہی ہے معنی یہ ہوں گے کہ جو قرآن کو مضبوط پکڑ کر اس پر عمل پیرا ہوگا وہ اہل حق الیقین میں سے ہو جائے گا۔ یقین کے علی الترتیب تین مراتب ہیں علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین۔

رابط آیات: سورۃ نون میں رسالت کے اثبات کے ساتھ کفار کے مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں مجازات کی تحقیق اور اس کا وقت اور اس میں ہونے والے بعض واقعات کا ذکر ہے اور ختم سورت پر قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس سے مجازات کی تحقیق و تقریر بھی ہو رہی ہے کیونکہ قرآن اس پر دال ہے اور دلیل کی سچائی مدلول کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے نیز قرآن کی صداقت بچھلی سورت کے مضمون رسالت کے بھی مناسب ہے۔

﴿تشریح﴾ الحاقۃ۔ قیامت کی وہ گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الہی میں طے ہو چکا تھا اس وقت حق ناحق بالکل کھلے طور پر الگ الگ ہو جائے گا اور تمام حقائق روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائیں گے اور قیامت کا انکار کرنے والے سب کے سب مغلوب ہو جائیں گے۔ جانتے ہو کہ وہ گھڑی کیسی ہے اور اپنے اندر کیا کچھ رکھتی ہے؟ اس کی کیفیات کا احاطہ شعور و ادراک سے باہر ہے تاہم بطور تمثیل چند واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے قیامت کبریٰ کا ہلکا سا نمونہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قوم ثمود و عاد نے اس آنے والی ساعت کو جھٹلایا جس سے سارا عالم جھنجھوڑ کر رکھ دیا جائے گا اور بڑی سے بڑی مضبوط مخلوق کو زیر و بر اور ریزہ ریزہ کر کے رکھ دے گی پھر دیکھ لو کہ دونوں کا انجام کیا ہوا؟

نافرمان قوموں پر عذاب الہی: قوم ثمود تو ایک بھونچال کی نذر ہو گئی جس سے سب تہہ و بالا ہو کر رہ گئے اور قوم عاد پر ہوا کے ایسے سخت جھکڑ چلے کہ اور تو اور فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مقرر ہیں ان کے ہاتھوں سے نگی جاتی تھی۔ طاقت کے نشہ میں جو لوگ چور تھے ہوا کے تھیروں نے انہیں اس طرح پچھاڑ کر رکھ دیا کہ گویا گھوڑے کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جس کا محض ٹھڈرہ گیا ہو۔ پس آج کیا ان کا نام و نشان اور بیچ باقی ہے۔ پھر ان دونوں قوموں کے بعد فرعون بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا ہوا آیا اور اس سے پہلے قوم نوح و

شعیب و لوط بھی آئیں جو گناہوں میں غرق رہیں اور اپنے پیغمبروں کی نافرمان رہیں۔ خدا سے مقابلہ آرائی میں لگے رہے آخر خدا نے سب کو ایسا پکڑا کہ کسی کی کچھ پیش نہ چل سکی۔ طوفان نوح تو اتنا خطرناک اور بھیانک تھا کہ اگر اللہ اپنا فضل و احسان نہ کرتا تو بظاہر اسباب کوئی بھی انسان نہ بچتا۔ مگر ہم نے اپنی قدرت و حکمت سے نوح اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی مگر ”جسے خدا رکھے اسے کون چکھے“ اب رہتی دنیا تک لوگ اس کو یاد رکھیں اور جو کان معقول بات سنتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح یہاں پر فرما نبرد داروں اور نافرمانوں کو الگ الگ کر دیا گیا ہے، قیامت کے ہولناک حادثہ میں بھی یہی حال ہوگا۔ جب ”نخۃ اولیٰ“ ہوگا تو زمین اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا جو آسمان لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس درجہ مستحکم اور مضبوط ہو کہ کہیں ذرا سا بھی شگاف نہیں پڑا، اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور درمیان سے پھٹنے کا تو فرشتے آسمان کے کناروں پر سمت آگے نچے ثانیہ کے وقت اور عرش جس کو اب تک وہ چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں جن کی قوت و طاقت اور بزرگی کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے قیامت کے دن ان فرشتوں کو دو گنا کر دیا جائے گا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرشتوں کے آٹھ ہونے پر دقیق و بسیط بحث کی ہے۔ یہاں یہ وسوسہ ہو سکتا ہے کہ جب اذا نفخ سے نخۃ اولیٰ مراد ہے اور یومئذ اس کا بدل ہے اور وقعت اپنے معطوفات سمیت اس میں عامل ہے تو پھر عرش کا اٹھانا وغیرہ واقعات بھی نخۃ اولیٰ کے ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، مگر قیامت ایک وسیع وقت ہے، اس کے تمام اجزاء حکم میں وقت واحد کے ہیں۔ اس لئے نخۃ ثانیہ کے واقعات کا طرف نخۃ اولیٰ کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:..... یومئذ تعرضون۔ غرض اس وقت اللہ کی عدالت میں حاضر کئے جاؤ گے اور نیکی بدی سب کچھ منظر عام پر آ جائے گی۔ کوئی چیز چھپ نہ سکے گی۔ جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوگا جو اس کے مقبول اور نجات یافتہ ہونے کی علامت ہوگی وہ خوشی کے مارے ہر ایک کو دکھلاتا پھرے گا کہ آؤ میاں میرا اعمال نامہ تو ذرا پڑھو میں دنیا ہی میں سمجھتا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہوگا اور اس خیال سے میں ڈرتا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا۔

آج اس کا خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ بفضلہ میرا حساب صاف ہے۔

قطوفھا دانیۃ۔ جنت کے پھل ہر حال میں سہولت حاصل ہو سکیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ دنیا میں تم نے اللہ کے لئے نفسانی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اٹھائی تھیں اس لئے آج خوب رچ بس کر کھاؤ پیو کوئی روک ٹوک نہیں نہ بد مضمی وغیرہ، نہ بیماری اور نہ اس کے ختم ہونے کا کھٹکا۔

دوزخیوں کی درگت:..... واما من اوتی کتابہ بشمالہ۔ جس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ آئی کجی۔ اس وقت حسرت سے آرزو کرے گا کہ کاش! یہ اعمال نامہ ہی نہ ملتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی اور اے کاش! موت ہمیشہ کے لئے میرا قصہ ہی ختم کر ڈالتی کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا یا اب پھر موت آ کر میرا القمہ کر لیتی۔ افسوس کہ آج میرے کچھ کام نہ آسکا، نہ آج میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے اور نہ عذر کی گنجائش ہے۔ فرشتوں کو ارشاد ہوگا کہ اسے پکڑو گٹھے میں طوق ڈال دو اور دوزخ میں لے جا کر جھونک دو اور ستر گز لمبی زنجیریں باندھ جوڑ کر ڈال دو کہ چلتے وقت حرکت نہ کر سکے اور تکلیف میں شدت محسوس کرنے اتنی لمبی زنجیر کا راز اللہ کو معلوم ہے آگے دوزخیوں کی دنیاوی حالت کا بیان ہے کہ نہ انہوں نے دنیا میں رہ کر اللہ کو جانا، نہ بندوں کے حقوق پہچانے، خود تو محتاجوں کی مدد کیا کرتے تھے، دوسروں کو بھی ترغیب نہ دی، پھر نجات کیسی؟ اور عذاب میں تخفیف کیسی؟ اللہ کو جب

انہوں نے دوست نہ بنایا تو آج ان کا دوست کون بن سکتا ہے کہ جو مصیبت سے بچا سکے اور وقت پر کام آ سکے اور کھانا اگرچہ تقویت کا باعث ہوتا ہے مگر انہیں کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ مل سکے گا جو راحت و قوت کا باعث ہو۔ انہیں دوزخیوں کی پیپ ملے گی جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی ہم بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلے گا مگر کھا کر ظاہر ہوگا کہ اس کا عذاب بھوک کے عذاب سے کچھ سوا ہی ہے۔

قرآن کیا ہے:..... فلا اقسام۔ فرمایا کہ جنت و جہنم کا بیان کوئی شاعری نہیں ہے، نہ کائناتوں کی انکل پچو باتیں ہیں، بلکہ ہم قسم یقین دلاتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کو ایک بزرگ فرشتہ لے کر آسمان سے ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا اور آسمانی سے لانے والا اور زمین کو پہنچانے والا دونوں ہی رسول کریم ہیں۔ ایک کا کریم ہونا آنکھوں سے دیکھتے ہو اور دوسرے کا کریم ہونا پہلے کے بیان سے ثابت ہے۔ دراصل عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے، دوسرے کو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، مگر عقل وغیرہ سے انسان اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم جتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، تب بھی وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی۔ لیکن حکماء کے دلائل و براہین کے آگے ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی یاد دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعے حواس کی ان غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں ہے آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس طرح ہو بس تمام عالم میں ایک وحی الہی ہے جو غلطیوں سے اور کوتاہیوں سے مبرا ہے بلکہ تمام عقلی قوتوں کی اصلاح کر سکتی ہے۔

جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں، وہاں عقل کام دیتی ہے۔ ایسے ہی جس میدان میں عقل مجر د کام نہیں دیتی یا ٹھو کر رکھتی ہے وہاں وحی الہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں ”ما تبصرون وما لاتبصرون“ کی قسم کھائی۔ یعنی جنت و دوزخ وغیرہ کے جو حقائق پہلی آیات میں بیان ہوئے ہیں لگہ و گھسوٹ محسوسات سے بلند ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو محسوس اور غیر محسوس چیزوں کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم ﷺ کا کلام ہے جو حواس اور عقل سے بالا حقائق کی وحی الہی سے خبر دیتا ہے جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض انہیں چیزوں کو رسول کریم ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے ماننے میں کیا تامل ہے۔

دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے:..... قليلا ما تؤمنون۔ یعنی قرآن کا کلام الہی ہونا کبھی کبھی اس کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آئی ہے جو ایمان و نجات کے لئے ناکافی ہے۔ پھر بھی آخر کار اس کو شاعری کہانت کہہ کر اڑا دیتے ہو۔ کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ شاعر کا شاعرانہ کلام ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ شعر میں وزن اور بحر ہوتی اور قرآن میں اس کا پتہ نہیں۔ دوسرے شاعروں کا کلام اکثر بے اثر ہوتا ہے اور ان کے اکثر مضامین محض خیالی اور وہمی ہوتے ہیں اور قرآن کریم سرسمر حقائق ہے اور محکم اصولوں، قطعی دلیلیوں، یقینی حجتوں سے لبریز ہے۔ پورا دھیان و توجہ ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ کسی کا ہن کا کلام نہیں ہے، کیونکہ ان کا کلام جتنا ہی ہوا کرتا ہے اور جتنا ہی کلام معجزہ نہیں ہوتا کیونکہ ایک جن جس طرح ایک کا ہن کو کلام سکھاتا ہے دوسرا جن بھی ویسا ہی کلام دوسرے کا ہن کو سکھلا سکتا ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے سب جس و انس مل کر بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے نیز کائناتوں کے کلام میں بہت سے الفاظ محض تنک بندی کے طور پر بالکل بے کار، بے فائدہ بھرتی کے ہوتے ہیں اور اس کا نام الہی میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کائناتوں کی باتیں صرف چند مبہم معمولی خبریں ہوتی ہیں لیکن علوم عالیہ و تحقیقات ان کے بس سے باہر کی بات ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے، وہ ادیان و شرائع کے اصول و قوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں اور

فرشتوں، جنت و دوزخ کے بیانات پر مشتمل ہے اسی لئے ساری جہان کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔

جھوٹے اور سچے نبی کا فرق: ولو تقول علینا کسی کے گردن مارنے اور قتل کرنے کا دستور یہ تھا کہ جلا داس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا تھا تا کہ قتل سے پھر کر وہ آدمی بھاگ نہ جائے۔ اسی دستور پر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ کا رسول، اللہ پر جھوٹ بنا تا تو اللہ اس کا دشمن ہو جاتا اور ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن مار دیتا۔ حاصل یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول کوئی بات اللہ کی طرف غلط منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے تو فوراً اس پر عذاب آ جائے۔ غرضیکہ جھوٹے مدعی نبوت کو پھینچنے نہیں دیا جاتا بلکہ فی الفور ہلاک کر دیا جاتا ہے یا اس کا جھوٹ ظاہر ہو جانے سے ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ ورنہ وحی الہی سے امن اٹھ جائے اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائے جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی جو حکمت تشریح کے خلاف ہے لیکن جس کا رسول ہونا آیت و براہین سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ کھلے ہوئے دلائل اور علانیہ قرآن اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بے ہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو لائق توجہ نہیں سمجھے گا اور نہ دین الہی میں کوئی اشتباہ و التباس ہوگا۔

ہاں البتہ معجزات وغیرہ سے اس کی صداقت ثابت ہونا بھی محال ہے۔ بلکہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے ایسی باتیں ظاہر کر دے جو اس کے جھوٹے دعویٰ کے برخلاف ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ کسی شخص کو کسی اعلیٰ منصب پر مقرر کرے اور سند و فرمان دے کہ کہیں اس کو روانہ کرے۔ اب اگر اس سے بادشاہ پر جھوٹ باندھنا ثابت ہو جائے یا خدمت میں کوئی خیانت اس سے سرزد ہو جائے تو فوراً اس کا تدارک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکنا پھرے کہ میرے لئے بادشاہ کا یہ فرمان ہے اور گورنمنٹ نے میرے ذریعہ یہ احکام دیئے ہیں تو کون اس کی بات پر دھیان دیتا ہے اور کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعویٰ کی تردید کرتا ہے۔ بہر حال اس آیت میں حضور ﷺ کی نبوت پر استدلال نہیں ہے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ کلام الہی ہے جس میں ایک شوشہ بھی نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے ملا نہیں سکتے اور نہ آپ کی یہ شان ہے کہ آپ کوئی بات اللہ کی طرف سے یوں ہی منسوب کر دیں۔

قرآن حقائق کا سرچشمہ ہے: وانہ لندکرہ۔ اللہ سے ڈرنے والے تو اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کرتے ہیں اور جن کے دل میں ڈر نہیں وہ ان کو جھٹلائیں گے مگر ایک وقت آنے والا ہے کہ یہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت و پشیمانی کا سبب ہوگا اس وقت وہ پچھتائیں گے کہ کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی حالانکہ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین میں ہر تا سر بیج اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اس پر ایمان لا کر اپنے رب کی تسبیح و حمد میں مشغول ہو۔

لطائف سلوک: ولو تقول علینا الخ جس طرح جھوٹے نبی کا حال ہے، اسی طرح جھوٹا مدعی ولایت ہلاک کیا جاتا ہے۔ مگر نبوت ایک امر ظاہر ہے اس کا جھوٹا مدعی ظاہراً بھی ہلاک ہوتا ہے اور ولایت باطنی امر ہے اس کا جھوٹا مدعی باطنی طور پر ہلاک ہوتا ہے جس کا پیہ اہل باطن کو چل جاتا ہے۔ اس کے آثار خدا لان و ظلمت ہے اس لئے اہل اللہ جس سے نفرت کریں اس سے بچنا چاہئے۔ وانہ لحق الیقین۔ صوفیاء کی اصطلاح میں یقین کے تین مراتب ہیں۔ سب سے اعلیٰ عین الیقین، اس سے کم حق الیقین، اس سے کم علم الیقین کا درجہ ہے۔ سورہ تکوین میں بھی علم الیقین کے یہی معنی ہیں۔

سُورَةُ الْمَعَارِجِ

سُورَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ أَرْبَعٌ وَارْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَالِ سَائِلٌ دَعَا دَاعٍ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ﴿۲﴾ هُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ اللَّهُ
 إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ الْآيَةُ مِنَ اللَّهِ مُتَّصِلٌ بِوَاقِعِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ مَصَاعِدُ الْمَلَائِكَةِ وَهِيَ السَّمَوَاتُ
 تَعْرُجُ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ جِبْرِيلُ إِلَيْهِ إِلَى مَهَبِطِ أَمْرِهِ مِنَ السَّمَاءِ فِي يَوْمٍ مُتَعَلِّقٍ
 بِمَحْدُوفٍ أَيْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ بِالنِّسْبَةِ إِلَى
 الْكَافِرِ لَمَّا يُلْقَى فِيهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُونُ عَلَيْهِ أَخَفٌ مِنْ صَلَوةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيَهَا فِي الدُّنْيَا
 كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ فَاصْبِرْ هَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْقِتَالِ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿۵﴾ أَيْ لَا فَرْعَ فِيهِ إِنَّهُمْ يَرُونَهُ
 أَيْ الْعَذَابَ بَعِيدًا ﴿۶﴾ غَيْرُ وَاقِعٍ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿۷﴾ وَأَفْعَالًا مُحَالَةً يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ مُتَعَلِّقًا بِمَحْدُوفٍ
 أَيْ يَقَعُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ كَذَائِبِ الْفُضَّةِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ كَالصُّوفِ فِي الْخِفَّةِ وَالطَّيْرَانِ
 بِالرَّيْحِ وَلَا يَسْتَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿۱۰﴾ قَرِيبٌ قَرِيبُهُ لِاشْتِغَالِ كُلِّ بِحَالِهِ يُبْصِرُونَهُمْ يُبْصِرُ الْأَحْمَاءُ
 بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُونَ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ وَالْحُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ يَوْمَ الْمُجْرِمُ يَتَمَنَّى الْكَافِرُ لَوْ بِمَعْنَى أَنْ
 يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ بِكُسْرِ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا بِبَيِّنَةٍ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتُهُ زَوْجَتُهُ وَآخِيهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيلَتِهِ
 عَشِيرَتُهُ لِفَصِيلِهِ مِنْهَا الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿۱۳﴾ تَضُمُّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿۱۴﴾ ذَلِكَ الْإِفْتِدَاءُ
 عَطْفٌ عَلَى يَفْتَدِي كَلَّا رَدِّعْ لَمَّا يُؤَدِّهِ إِنَّهَا آيَةُ النَّارِ لَطْفٌ ﴿۱۵﴾ اسْمٌ لِحَبْنَمَ لِأَنَّهَا تَلَطَّى أَيْ تَلَهَّبُ عَلَى
 الْكُفَّارِ نَزَاعَةً لِلشَّوَى ﴿۱۶﴾ جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ جِلْدَةُ الرَّاسِ تَدْعُوا مَنْ أَذْبَرُوا تَوَلَّى ﴿۱۷﴾ عَنِ الْإِيمَانِ

بِأَن تَقُولَ إِلَىٰ آلِي وَجَمَعَ الْمَالِ فَأَوْعَىٰ ﴿۱۸﴾ أَمْسَكَهُ فِي وَعَائِهِ وَلَمْ يُؤَدِّ حَقَّ اللَّهِ تَعَالَىٰ مِنْهُ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿۱۹﴾ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ وَتَفْسِيرُهُ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿۲۰﴾ وَقَتَ مَسِّ الشَّرِّ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۲۱﴾ وَقَتَ مَسِّ الْخَيْرِ آيَ الْمَالِ لِحَقِّ اللَّهِ تَعَالَىٰ مِنْهُ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۲۲﴾ آيَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿۲۳﴾ مَوَاطِنُونَ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿۲۴﴾ هُوَ الزَّكَاةُ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۲۵﴾ الْمُتَعَفِّفِ عَنِ السُّؤَالِ فَيَحْرُمُ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۲۶﴾ الْحَزَاءِ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ﴿۲۷﴾ خَائِفُونَ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۲۸﴾ نَزْوِلُهُ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۲۹﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ مِنَ الْأَمَاءِ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ﴿۳۱﴾ الْمُتَحَاوِرُونَ الْحَلَالِ إِلَى الْحَرَامِ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَنَتِهِمْ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْأَفْرَادِ مَا اتَّعَمُّوا عَلَيْهِ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ وَالْدُنْيَا وَعَهْدِهِمُ الْمَآخِذُ عَلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ رَاغُونَ ﴿۳۲﴾ حَافِظُونَ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْجَمْعِ قَائِمُونَ ﴿۳۳﴾ يُقِيمُونَهَا وَلَا يَكْتُمُونَهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۴﴾ بِأَدَائِهَا فِي أَوْقَاتِهَا أُولَٰئِكَ فِي جَنَّةٍ مُّكْرَمُونَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ نَحُوكَ مُهْطِعِينَ ﴿۳۶﴾ حَالٌ آيَ ﴿۳۷﴾ مُدْبِئِي النَّظَرِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْكَ عِزِينَ ﴿۳۸﴾ حَالٌ أَيْضًا آيَ جَمَاعَاتٍ خَلَقًا خَلَقًا يَقُولُونَ اسْتَهِزَاءً بِالْمُؤْمِنِينَ لَئِنْ دَخَلَ هَؤُلَاءِ الْجَنَّةَ لَنُدْخِلَنَهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالَىٰ أَيْطَمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿۳۹﴾ كَلَّا رُدُّعٌ لَهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِي الْجَنَّةِ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ كَغَيْرِهِمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾ مِنْ نُّطْفٍ فَلَا يَطْمَعُ بِذَلِكَ فِي الْجَنَّةِ وَأَنَّمَا يَطْمَعُ فِيهَا بِالتَّقْوَىٰ فَلَا زَائِدَةَ أَقْسَمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَسَائِرِ الْكَوَاكِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿۴۱﴾ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ نَارِيَّ بَدَلَهُمْ خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَنَّاخُنْ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۴۲﴾ بِعَاجِرِينَ عَنْ ذَلِكَ فَذَرَهُمْ أَتْرَكَهُمْ يَخُوضُوا فِي بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوا فِي دُنْيَاهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۴۳﴾ فِيهِ الْعَذَابُ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ الْقُبُورِ سِرَاعًا إِلَى الْمَحْشَرِ كَانَتْهُمْ إِلَى نَضْبٍ وَفِي قِرَاءَةِ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ شَيْءٌ مَنْصُوبٌ كَعَلِمٍ أَوْ رَايَةٍ يُؤْفَضُونَ ﴿۴۴﴾ يُسْرِعُونَ خَاشِعَةً ذَلِيلَةً أَبْصَارُهُمْ تَرَاهُمْ تَغْشَاهُمْ ذَلَّةٌ ذَلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۴۵﴾ ذَلِكَ مُبَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ الْخَبَرُ وَمَعْنَاهُ يَوْمُ الْقِيَمَةِ

سورۃ معارج مکہ ہے۔ جس میں ۴۴ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ایک درخواست کرنے والا درخواست کرتا ہے (دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے) اس عذاب کی جو کافروں پر ہونے والا ہے، جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے (نضر بن الحارث مراد ہے جس نے دعا کی تھی۔ اللہم ان کان هذا هو الحق فامطر علينا) جو اللہ کی طرف سے (اس کا تعلق واقع سے ہے) جو بیڑھیوں کا مالک ہے (فرشتوں کو آسمانوں پر چڑھانے والا ہے) چڑھ کر جاتے ہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) فرشتے اور روح (جبریل) اس کے پاس (آسمان کے اس حصہ میں جہاں حکم الہی آتا ہے) ایسے دن میں ہوگا (اس کا تعلق محذوف سے ہے اسی یقع العذاب بہم فی یوم القيامة) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یہ مقدار کافروں کو وہاں کی سختی کی وجہ سے معلوم ہوگی، ورنہ مومن کے لئے وہ دن دنیا کی ایک فرض نماز سے ہلکا پھلکا معلوم ہوگا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) سو آپ صبر کیجئے (یہ حکم جہاد کی مشروعت سے پہلے کا ہے) بہترین صبر (جس میں حرف شکایت نہ آئے) یہ لوگ اس (عذاب) کو بعید دیکھ رہے ہیں (یعنی نہیں آئے گا) اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں (یعنی ضرور واقع ہو کر رہے گا) جس دن آسمان ہو جائے گا (اس کا تعلق محذوف یعنی یقع کے ساتھ ہے) تلخٹ (پکھلی ہوئی چاندی) کی طرح اور پہاڑ رگین اون کی طرح ہو جائیں گے (ہلکے ہونے اور ہوا میں اڑنے کے لحاظ سے روئی کی طرح ہو جائیں گے) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (کیونکہ ہر ایک کو نفسا نفسی پڑی ہوگی) ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے (عزیز، قریب ایک دوسرے کو پہچان لیں گے مگر بات نہیں کر سکیں گے۔ جملہ مستانفہ ہے) مجرم (کافر) تمنا کرے گا کہ کاش وہ فدیہ میں دے دے اس روز کے عذاب سے (یومئذ کسرہ میم اور فتح میم کے ساتھ ہے) اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی، کنبہ کو (خاندان کو فسیلہ کہتے ہیں کیونکہ یہ اس سے نکلا ہے) جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اس کو بچالے (فدیہ دینا، اس کا عطف بقتدی پر ہے) یہ ہرگز نہ ہوگا (تمنا پر ڈانٹ ہے) وہ (آگ) ایسی شعلہ زن ہوگی (لظی جہنم کا نام ہے کیونکہ وہ کفار پر دہکے گی) کھال کو اتار دے گی (شواہ کی جمع ہے سر کی کھال کو کہتے ہیں) وہ اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور بے رخی کی ہوگی (ایمان سے، یہ کہے گی کہ آ) اور (مال) جمع کیا ہوگا اور اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (خزانہ میں محفوظ۔ اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے) حال مقدورہ ہے جس کی تفسیر آگے ہے) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (تکلیف کے وقت) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے (خیر یعنی مال حاصل ہونے پر اللہ کا حق ادا کرنے میں) مگر وہ نمازی (مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ (پابندی) رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں مقررہ حق (زکوٰۃ) ہے سوالی غیر سوالی سب کے لئے (محروم جو سوال نہ کرنے کی وجہ سے محروم رہ جائے) اور قیامت (جزا) کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے (خائف) ہیں۔ واقعی ان کے پروردگار کا عذاب (نازل ہونا) بے خوفی کی چیز نہیں ہے اور اپنی شر مگاہ کی حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں! جو اس کے علاوہ طلبگار ہو۔ ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں (حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے) اور اپنی امانتوں (ایک قرأت میں مفرد لفظ کے ساتھ ہے، یعنی دین و دنیا کی کوئی بھی امانت) اور اپنے عہد سے (جو اس پر ان سے لیا جائے) پاس (خیال) رکھنے والے ہیں اور اپنی شہادت کو (ایک قرأت میں جمع کے ساتھ ہے) ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (چھپاتے نہیں) اور اپنی نماز کی (بروقت) پابندی کرتے ہیں ایسے لوگ بہشت میں عزت سے داخل ہوں گے۔ سو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی جانب (طرف) دوڑے آ رہے ہیں (حال ہے۔ یعنی نظر جمائے ہوئے) دائیں بائیں سے (آپ کی طرف) جماعتیں بن بن کر (یہ بھی حال ہے، یعنی حلقے بنا بنا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے اگر یہ جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا ان میں سے ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (جنت میں جانے کی ہوس پر ڈانٹ ہے) ہم نے ان کو (ادروں کی طرح) ایسی چیز سے پیدا کیا، جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ (یعنی نطفہ سے پھر محض اس کی وجہ سے جنت میں جانے کی کیسے ہوس رکھتے ہیں ہاں تقویٰ کی بنیاد پر امید رکھی جاسکتی ہے) پھر (لازائد

ہے) میں تمہکھاتا ہوں مشرقوں، مغربوں کے مالک کی (آفتاب ماہتاب ستارے سب اس میں آگئے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں سو آپ ان کو رہنے دیجئے (چھوڑیے) اس شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو (واسطہ پڑے) جس میں ان سے (عذاب کا) وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے نکل کر (محشر کی طرف) اس طرح دوڑیں گے۔ جیسے یہ کسی پرستش گاہ کی سمت (ایک قرأت میں دونوں حرفوں کا ضمہ ہے ایسی چیز جو کھڑکی کی جائے جیسے جھنڈا وغیرہ) دوڑتے ہیں ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی (ذلیل) ہوں گی ان پر رسوائی چھائی ہوگی یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (ذلک مبتداء ہے اور بعد کا جملہ خبر ہے، مراد قیامت کا دن ہے)۔

تحقیق و ترکیب: بعد عذاب واقع باتعدیہ کے لئے ہے اور دعا بمعنی استدعا ہے۔ یا استعجل کے معنی کو متضمن ہے۔ واقع بمعنی سیقع ہے دنیاوی عذاب تو غزوہ بدر کی صورت میں ہوا جس میں نصر بن حارث مارا گیا اور آخرت کا عذاب مزید برآں ہے۔ للکفرین اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سال کے متعلق ہو جو بمعنی دعا ہے۔ ای دعا لہم دوسرے یہ کہ واقع کے متعلق ہو اور اس میں لام علت ہے۔ ای نازل لا جہلم۔ تیسرے یہ کہ لام بمعنی علی ہو۔ ای واقع علی الکافرین۔ چنانچہ حضرت ابی کی قرأت علی الکافرین سے اس کی تائید ہوتی ہے اس صورت میں اس کا تعلق واقع کے ساتھ ہوگا۔

لیس لہ۔ یہ عذاب کی دوسری صفت ہے جو اظہر ہے اور جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے یا عذاب سے یا ضمیر کافرین سے حال ہے۔ من اللہ۔ اس کا تعلق واقع سے ہے اور لیس لہ جملہ مقررہ ہوگا عامل معمول کے درمیان جب کہ اس کو مستانفہ مانا جائے۔ لیکن عذاب کی صفت ماننے کی صورت میں مقررہ نہیں ہوگا۔

ذی المعارج۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ عروج کے معنی صعود کے ہیں اور بعض نے مومنین کے جنتی مدارج مراد لئے ہیں۔ والروح۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ عطف خاص علی العام ہے اور الیہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی طرف فرشتوں کے صعود کرنے سے لازم آتا ہے کہ اللہ کسی مکان میں ہو۔ مفسر نے مہبط امرہ سے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور ”مہبط امر“ سے مراد آسمان ہے۔

مقدارہ الف سنة۔ یعنی فرشتوں کے علاوہ دوسری چیزوں کو دنیا کے وقت سے پچاس ہزار سال چڑھائی میں لگیں گے کیونکہ ہر زمین کا دل پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔ اسی طرح ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال مسافت ہے اسی طرح چودہ ہزار سال کی مسافت ہوگی پھر ساتویں آسمان سے عرش تک چھتیس ہزار سال کی پس مجموعی مسافت پچاس ہزار سال ہوگی جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے یا اس مقدار کا تعلق لفظ واقع سے ہے یعنی عذاب آخرت اتنے طویل دن میں واقع ہوگا اور یہ طوالت حقیقہ ہوگی یا کفار کے اعتبار سے اضافی ہوگی کہ انہیں پچاس جگہوں میں رکھا جائے گا اس طرح کہ ہر جگہ میں ہزار سال پڑے رہیں گے برخلاف مومنین کے، انہیں قیامت کا دن مختصر معلوم ہوگا جیسے ظہر و عصر کا درمیانی وقفہ چنانچہ امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ابو سعید خدریؓ سے مرفوع روایت اسی طرح نقل کی ہے۔

فاصبر۔ اس کا تعلق سال سے ہے یعنی اس کے تسخیرانہ سوال پر آپ صبر کیجئے۔ مقصود تسلی ہے۔

نراہ۔ صیغہ جمع میں تعظیم مقصود ہے۔

یوم تکنون السماء۔ اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق لفظ قریب سے ہو اور یہی ظاہر ہے البتہ نراہ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہو جس پر لفظ واقع دلالت کر رہا ہے۔ ای یقع یوم الخ تیسرے یہ کہ اس کا تعلق بعد میں مقدر مانا جائے۔ ای یوم یکنون السماء یکنون کیت و کیت۔ چوتھے یہ کہ نراہ کی ضمیر سے بدل مانا جائے، جبکہ اس کا مرجع یوم القیامة ہے۔

کالمہل۔ حسن نے پھلی ہوئی چاندی کے معنی لئے ہیں۔ لیکن ابن عباسؓ چھٹ کے معنی لیتے ہیں۔

لا یستل حمیم۔ اس کے بعد یصور و نھم میں دونوں ضمیریں جمع ہیں کیونکہ حمیم، حمیماء، دونوں نکرہ تحت الٹھی ہونے سے عام ہیں۔ یومئذ۔ اکثر قراء کے نزدیک کسرہ میم کے ساتھ ہے عذاب کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور نافع، کسائی کے نزدیک فوج کے ساتھ ہے مضاف الیہ کے معنی قبول کرنے کی وجہ سے۔

لفصیلته۔ فعیل بمعنی مفعول اولاد بھی والدین سے نکلتی ہے اور والدین اولاد سے جدا ہو جاتے ہیں اس لئے فیصلہ کیا جائے گا۔ کلا یہاں حقاً کے معنی میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ”ثم ینجیہ“ پر کلام پورا ہو جائے۔ لیکن اگر لانا فیہ کے معنی میں ہو تو پھر کا پر کلام پورا ہوگا۔

انھا لظی۔ ضمیر جنہم کی طرف راجع ہے جو عذاب سے مفہوم ہو رہا ہے اور لظی ان کی خبر اور نزاعۃ خبر ثانی ہے لظی اصل میں لپٹ کو کہتے ہیں۔ جنہم کا علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے تانیث و علیت کی وجہ سے، اور بعض نے ضمیر قصد کی طرف راجع کی ہے اور بعض کے نزدیک ضمیر مبہم ہے جس کی ترجمانی خبر کر رہی ہے۔ جیسا کہ زخشری کی رائے ہے۔ پہلی صورت میں لظی ان کی خبر ہوگا اور نزاعۃ خبر ثانی ہے یا مبتداء ہے محذوف کی خبر ہے ای ہی نزاعۃ یا لظی ضمیر منسوب سے بدل ہو اور نزاعۃ ان کی خبر ہو۔ تدعوا۔ دوزخ یا خزنہ جنہم کی طرف ضمیر راجع ہے۔

ہلوعا۔ حال مقدرہ ہے خلق سے ہلوع کہتے ہیں۔ ایسی حالت کو جو نہ خوشی کو سنبھال سکے اور نہ غمی کو۔ ناقہ ہلوع، پھ تلی اوٹنی۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اوصاف نہ خلقت کے وقت تھے نہ ولادت کے وقت۔

جزوعا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اذا جزوعا کا معمول ہے اور ”جزوعا و منوعا“ میں تین صورتیں ہیں۔ ہلوعا کی ضمیہ سے دونوں حال ہوں۔ ای ہلوعا حال کو نہ جزوعا و عا وقت مس الشر و منوعا وقت الخیر۔ دوسرے یہ کہ کان یا صار مضمکر خبر ہوں۔ ای اذا معہ الشر کان جزوعا و اذا معہ الخیر کان منوعا۔ تیسرے یہ کہ یہ دونوں ہلوعا کی صفتیں ہوں۔

لامانائهم۔ ابن کثیر کے نزدیک مفرد اور باقی قراء کے نزدیک جمع کی قرأت ہے۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ امانت اسم جنس ہے۔ امانت منجانب اللہ احکام شرع ہیں اور مخلوق کی امانت مال وغیرہ کو ودیعت رکھنا۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ امانت جوارح کی حفاظت اور عہد قلب کی حفاظت، توحید کے متعلق اور رعایت کسی چیز کی نگرانی، حفاظت اور دیکھ بھال کو کہتے ہیں چنانچہ احادیث میں خیانت کو منافق کی حفاظت کہا گیا ہے۔

یسحافظون۔ پہلے دائمون فرمایا گیا۔ مفسر نے دونوں میں فرق کی طرف اشارہ کیا ہے نماز کا دوبارہ ذکر اہتمام کے لئے ہے اور خود اس کلام میں بھی تاکیدات ہیں۔ مثلاً: ضمیر کا مقدم کرنا، جار مجرور کا فعل پر مقدم کرنا بعض جملہ اسمیہ ہیں جن میں دوام و ثبات ہے اور بعض فعلیہ ہیں جن میں استمرار تجدیدی ہے۔ فمال الذین۔ ما مبتداء الذین کفروا خبر ہے۔ ای ای شئی ثبت لہم و حملہم علی نظرہم الیک اور قبلک اور مہطعین اور عن الیمین وعن الشمال اور عزین چاروں حال ہیں۔ موصول سے عزین کے معنی جماعات کے ہیں۔ یہ جمع ہے۔ عذہ بمعنی جماعت کی اور حلقا سے اشارہ ہے کہ عزین متعلق ہے یمین کا اور یقولون سے مفسر نے شان نزول اگلی آیت کا بیان کیا ہے اور فمال کلام حضرت عثمان کے مصحف کے اتباع میں علیحدہ لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہو کہ قرآن کا رسم الخط بھی ماثر اور توفیقی ہے۔ اس میں رائے و قیاس کو دخل نہیں ہے۔ ابوالتبار عزین کو مہطعین سے حال متداخلہ کہتے ہیں اور عن الیمین کا تعلق عزین سے ہے اور محذوف سے متعلق ہو کر حال بھی ہو سکتا ہے۔

مما یعلمون۔ یعنی کندے قطرہ سے پیدا کئے گئے جو عالم قدس کے شایان شان نہیں ہے پھر بغیر ایمان و عمل کس طرح جنت کا استحقاق سمجھتے ہیں ہاں صفات ملکیت کے ساتھ البتہ استحقاق کہیں تو صحیح ہے۔

علی ان یندل۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کو اللہ نے نعم البدل بنا دیا۔ یومہم۔ یوم کی اضافت چونکہ سب انسانوں کی طرف صحیح ہے اور کفار و مجملہ انسانوں کے ہیں اس لئے ان کی طرف

نافت کردی گئی ہے یا کہا جائے کہ قیامت کا دن کفار کے حق میں یوم العذاب اور مومنین کے حق میں یوم الثواب ہے۔ گویا اس بیشیت سے دو دن ہو گئے اس لئے یوم کی اضافت صرف کفار کی طرف بلحاظ عذاب کے ہوئی۔

السی نصب۔ بت یا نشان۔ عام قرآنہ فتح اور سکون کے ساتھ اور ابن عامر اور حفص کے نزدیک دونوں حرف مضموم ہیں اور عمران الجوی اور مجاہد دونوں حرفوں پر فتح پڑھتے ہیں اور حسن وقادہ غنمہ اور سکون اول کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اسم مفرد تیرھ گاہوں اور ندروں میں جو جھنڈے لگے رہتے ہیں۔ لیکن ابو عمر کہتے ہیں کہ جال کی ڈور کو نصب کہا جاتا ہے کہ شکاری شکار پھنسنے پر فوراً اس کی طرف بتا ہے لیکن دوسری قرأت یعنی ضمتین کی صورت میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسم مفرد ہو جس کے معنی بت کے ہیں جس کی تنش کی جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ نصاب کی جمع ہے جیسے: کتاب کی جمع کتب۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نصب کی جمع ہو۔ جیسے: رہن کی جمع رہن۔ اور سقف کی جمع مسقف۔ یہ ابواحسن کی رائے ہے اور انصاف جمع الجمع ہوگی۔ اور تیسری قرأت تین کی، اس میں فعل بمعنی نعل ہے جیسے قبض بمعنی مقبوض اور چوٹی قرأت دوسری قرأت کی تخفیف ہے۔ ابن عباس نصب کے معنی جھنڈے کے اور بعض نے بت روپو جاکے پھر کے معنی لئے ہیں۔ جیسے: ما ذبح علی النصب فرمایا گیا۔

یوفضون۔ بمعنی یسر عون یلےبقون یا یسطلقون ہے جو قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔

ابط آیات:..... سورہ حاقہ کی طرح اس سورت میں بھی مجازات کا اور بعض ایسے اعمال کا بیان ہے جو موجب مجازات ہیں۔

﴿تشریح﴾:..... عذاب کی درخواست کرنے والے اگر پیغمبر ہیں تو تب مطلب یہ ہے کہ کفار پر عذاب الہی ضرور آئے گا کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا۔ لیکن اگر عذاب مانگنے والے کافر ہیں جیسا کہ فامطر علینا حجارة، او انتنا بعدذاب الیم سے معلوم ہوتا ہے گویا ازراہ تمسخر انکار یہ کہا کرتے تھے تو پھر مطلب ہوگا کہ عذاب مانگنے والے دراصل ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر نہ والی ہے کسی کے روئے نہیں رک سکتی کفار کی عقل ماری گئی کہ اپنی طرف سے ایسی بات چاہ رہے ہیں۔

قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا؟..... تعرج الملائکہ۔ فرشتوں اور مومنین کی ارواح آسمانوں کو طے کر کے درجہ بدرجہ اللہ کا رب حاصل کرتی ہیں۔ یا اللہ کے بندے اس کی فرمانبرداری میں دل و جان سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر روحانی قیات کے زینے طے کر کے مقام قرب و شرف حضوری حاصل کرتے ہیں۔ اب آگے اعمال اور ان کے درجات میں فرق مراتب ہے لمحہ شہادت سے تودم کے دم میں ترقی ہو جاتی ہے لیکن نماز کی ترقی میں ایک ساعت اور روزہ کی ترقی میں دن بھر، اور پورے روزوں کی قیامت میں مہینہ بھر اور حج کی ترقی میں سال بھر لگتا ہے یہی حال فرشتوں کے عروج کا ہے۔

خمسین الف سنة۔ یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک قیامت کا دن ہے جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی اور تمام مخلوقات کی ارواح خدمت گار بن کر اس میں شامل رہیں گی اور عظیم کام کے سرانجام ہونے کے بعد ان کو عروج ہوگا۔ لیکن ایک مومن کے لئے یہ مدت نہایت ہلکا، پھلکا معلوم ہوگا۔

فاصبر۔ چونکہ تمسخر کے انداز میں کفار عذاب کے متعلق شور مچا رہے تھے اس لئے فرمایا آپ ان کے خیال میں نہ آجائیں بلکہ برواستقلال سے رہیں نہ تنگ دل ہوں اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر آئے آپ کا صبر، ان کا تمسخر ضرور رنگ لائے گا یہ تو قیامت کو نیاز امکان اور دور از عقل سمجھتے ہیں لیکن ہمیں تو اتنی قریب دکھائی دے رہی ہے کہ گویا آ کی رکھی ہے۔

مفسر مہل کا ترجمہ پھلکی ہوئی چاندی۔ سے کر رہے ہیں اور بعض نے تلچھٹ ترجمہ کیا ہے۔

لایسئل حمیم۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا اس وقت نظر آ جائے گا کہ سب کی دوستی تلکی تھی۔

نرم تو یہ چاہے گا کہ بس چلے تو ساری دنیا کو فدیہ میں دے ڈالے، اور جان فسخ جائے۔ مگر نہ یہ ہوگا، نہ وہ مجرم کو دوزخ کہاں چھوڑے۔ وہ تو

کھال اتار کر کچھ اندر سے نکال لیتی ہے دوزخ کی ایک چیخ ہوگی جتنے لوگ دنیا میں حق سے منہ موڑ کر چلتے بنے اور مال بنور نے میں لگے رہتے تھے وہ سب اس کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔ مفسر کے مطابق بعض آثار میں ہے کہ دوزخ لوگوں کو پکارے گی تو لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے کہ اتنے میں ایک لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح کھالے گی جس طرح جانور زمین سے دانہ چک لیتا ہے۔

انسان جی کا کچا اور بے صبر ہے: ان الانسان . یعنی انسان جی کا کچا، بے صبر، بے توفیق پیدا ہوا ہے۔ فقر، فاقہ، بیماری، سختی کوئی بھی حال ہوا ایک دم گھبرا اٹھتا ہے بلکہ مایوس و بے ہمت ہو جاتا ہے گویا اب اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔ لیکن مال و دولت، فراخی اور تندرستی ملتی ہے تو پھر نیکی کے لئے ہاتھ نہیں اٹھتا اور مالک کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی البتہ جو بچے نمازی ہیں، گڈے دار نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز کی پابندی بھی رکھتے ہیں اور جب نماز پڑھتے ہیں تو نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کی یہ شان نہیں ہے۔ آگے ان کے اور اوصاف بیان فرمائے جا رہے ہیں منجملہ ان امانتوں اور عہدوں کی پاسداری بھی ہے۔ ان دو لفظوں میں اللہ اور بندوں کے سب حقوق آگئے کیونکہ آدمی کے پاس جتنی قوتیں ہیں سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ ان کو اسی کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہئے اور جو قول و قرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہئے۔

یخافظون . اس میں آداب ظاہری و باطنی سب کی رعایت آگئی یہاں تک جنتیوں کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہے، جن کو نماز ہی سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

فصاں الذین . یعنی کفار قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر آپ پر اٹھ پڑے چلے آتے ہیں۔ پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کر لئے جائیں گے ہرگز نہیں، اس خداوند عادل و حکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے مہطعین کا مفہوم دوسرا لیا ہے کہ یہ کافر قرآن سن کر کیوں بدکتے ہیں اور غول کے غول بنا کر کیوں آپ کے پاس سے بھاگتے ہیں اور اس نفرت و وحشت پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص بے کھٹکے جنت میں جا گئے، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

خلقہم مما یعلمون . یعنی مٹی اور گندہ قطرہ سے بنا ہوا انسان بذات خود اس لائق کہاں کہ بہشت بریں کا مستحق ہو البتہ ایمان کی جلا اس قابل بنا سکتی ہے۔ یا ماما یعلمون سے اوصاف قبیحہ مذکور مراد ہوں کہ ان کی موجودگی میں پھر جنت کے خواب کیسے دیکھ رہا ہے۔ رب المشارق والمغرب . کیونکہ نقطہ طلوع و غروب روزانہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے جمع کے صیغہ استعمال کئے گئے۔

بروں کو ہٹا کر اللہ اچھوں کو کھڑا کر سکتا ہے: علی ان یندل . یعنی جب اللہ ان سے بہتر پیدا کر سکتا ہے تو خود ان کو دوبارہ بھیجیوں نہیں پیدا کر سکتا یا خیر اسے مراد دوبارہ پیدا کرنا ہے کیونکہ بہر حال آخرت کی زندگی دنیاوی زندگی سے اکمل ہوگی یا یہ منشاء ہے کہ آپ ان کے مسخر آ میز رویہ پر اور بھتیوں سے ملول ورنجیدہ نہ ہو جائے ہم اسلام کو ان سے بہتر خادم مہیا کر دیں گے۔ چنانچہ کفار و قریش کی جگہ اللہ نے انصار مدینہ کو کھڑا کر دیا اور اہل مکہ پھر بھی اللہ کے قبضہ سے باہر نہیں نکل سکے اور قسم سے بھی اس مضمون کو مناسب ہے کہ جس طرح آئے دن روزانہ مشرق و مغرب ہم تبدیل کرتے رہتے ہیں ان کا بدل دینا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟ فذہمہ . خیر اب تو تھوڑے دن کی ڈھیل ہے سزا بہر حال یعنی ہے لوگ قبروں سے نکل کر محشر کی طرف اس طرح کشاں کشاں دوڑیں گے جس طرح کبھی تیر تیر گاہ کی طرف پجاری عقیدت سے دوڑتے ہیں۔

لظائف سلوک: ان الانسان خلق هلو عا الخ اس سے معلوم ہوا کہ طاعات و عبادات کو قوت قلبیہ میں بڑا دخل ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

سُورَةُ نُوحٍ

سُورَةُ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ أَوْ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ أَيْ بِأَنْذَارِ قَوْمِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ إِنْ لَمْ يَؤْمِنُوا عَذَابَ
 الْيَوْمِ ﴿١﴾ مَوْلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قَالَ يَقَوْمُ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٢﴾ بَيْنَ الْإِنْذَارِ أَنْ أَيْ بِأَنْ أَقُولَ لَكُمْ
 اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ٣﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ مِنْ زَانِدَةٍ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يُغْفِرُ بِهِ مَا قَبْلَهُ أَوْ
 تَبِعِيضَهُ لِإِخْرَاجِ حُقُوقِ الْعِبَادِ وَيُؤَخِّرُكُمْ بِأَعْدَابِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى أَجَلِ الْمَوْتِ إِنْ أَجَلَ اللَّهُ
 بِعَذَابِكُمْ إِنْ لَمْ تَؤْمِنُوا إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ ذَلِكَ لِأَنْتُمْ قَالْتُمْ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ
 قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾ دَائِمًا مُّتَّصِلًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ عَنِ الْإِيمَانِ وَإِنِّي كُلَّمَا
 دَعَوْتُهُمْ لَتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ لِيَلَّا يَسْمَعُوا كَلَامِي وَاسْتَعْشَوْا يَتَابِعَهُمْ غَطُّوا
 رُءُوسَهُمْ بِهَا لِيَلَّا يَنْظُرُونِي وَأَصْرُوا عَلَىٰ كُفْرِهِمْ وَاسْتَكْبَرُوا وَتَكَبَّرُوا عَنِ الْإِيمَانِ اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ إِنِّي
 دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ﴿٨﴾ أَيْ بِأَعْلَاءِ صَوْتِي ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ صَوْتِي وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ الْكَلَامَ
 اسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ مِنْ الشِّرْكِ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلُ السَّمَاءَ الْمَطَرَ وَكَانُوا
 قَدْ مُنَعُوهُ عَلَيْهِمْ مَذَرًا ﴿١١﴾ كَثِيرَ الدُّرُورِ وَيُمَدِّدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَيْنَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ بَسَاتِينَ
 وَيَجْعَلُ لَكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾ حَارِيَةً مَالِكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ أَيْ تَامِلُونَ وَقَارَ اللَّهِ إِنَّا كُنْمْ بَانَ
 تَؤْمِنُوا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ جَمَعَ طَوْرٌ وَهُوَ الْحَالُ فَطَوْرًا نُطْفَةٌ وَطَوْرًا عِلْقَةٌ إِلَىٰ تَمَامِ خَلْقِ
 الْإِنْسَانِ وَالنَّظَرُ فِي حَالِهِ يُوجِبُ الْإِيمَانَ بِخَالِقِهِ أَلَمْ تَرَوْا تَنْظُرُوا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ
 طِبَاقًا ﴿١٥﴾ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ أَيْ فِي مَجْمُوعِهِنَّ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنْيَا نُورًا
 وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ مُضْبَاحًا مُضِيئًا وَهُوَ أَقْوَىٰ مِنْ نُورِ الْقَمَرِ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ خَلَقَكُمْ مِنْ

الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿۷۱﴾ إِذْ خَلَقَ أَبَاكُم مِّنْهَا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا مَقْبُورِينَ وَيُخْرِجُكُمْ لِّلْبَيْتِ إِخْرَاجًا ﴿۷۲﴾
 وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿۷۳﴾ مَبْسُوطَةً لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا طُرُقًا فِجَاجًا ﴿۷۴﴾ وَاسِعةٌ قَالَ
 نُوحُ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا أَى السُّفْلَةِ وَالْفُقَرَاءِ مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ وَهُمْ الرُّؤْسَاءُ الْمُنْعَمُ
 عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ وَوُلِدِ بَضْمُ الْوَاوِ وَسَكُونُ اللَّامِ وَبِفَتْحِهِمَا وَالْأَوَّلُ قِيلَ جَمْعُ وَلِدٍ بِفَتْحِهِمَا كَخَشَبٍ
 وَخَشْبٍ وَقِيلَ بِمَعْنَاهُ كَبَحْلٍ وَبَحْلٍ الْأَخْسَارُ ﴿۷۵﴾ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَمَكْرُؤًا أَى الرُّءْسَاءُ مَكْرًا
 كِبَارًا ﴿۷۶﴾ عَظِيمًا جَدًّا يَابَانُ كَذَّبُوا نُوحًا وَآذَوْهُ وَمَنِ اتَّبَعَهُ وَقَالُوا لِّلْسُفْلَةِ لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ
 وَدًّا بَفَتْحِ الْوَاوِ وَضَمِّهَا وَلَا سَوَاعَا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿۷۷﴾ هِىَ أَسْمَاءُ أَصْنَائِهِمْ وَقَدْ أَضَلُّوا
 بِهَا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بَانَ أَمْرُهُمْ بِعِبَادَتِهَا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿۷۸﴾ عَطَفَ عَلَى قَدْ أَضَلُّوا
 دَعَا عَلَيْهِمْ لِمَا أَوْجَى إِلَيْهِ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ مِمَّا مَاصِلَةً خَطِئَتِهِمْ وَفَى قِرَاءَةٍ
 (خَطِئَتِهِمْ) بِالْهَمْزَةِ أَغْرِقُوا بِالطُّوفَانِ فَأَدْخِلُوا نَارًا تُغْرِقُوهَا بِهَا عَقَبَ الْإِعْرَاقِ تَحْتَ الْمَاءِ فَلَمْ
 يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ أَى غَيْرِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿۷۹﴾ يَمْنَعُونَ عَنْهُمْ الْعَذَابَ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى
 الْأَرْضِ مِنَ الْكُفْرَيْنِ دَيَّارًا ﴿۸۰﴾ أَى نَازِلِ دَارٍ وَالْمَعْنَى أَحَدًا إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ
 وَلَا يَلْدُوا إِلَّا فَاَجِرًا كَفَرًا ﴿۸۱﴾ مَنْ يَفْجُرْ وَيَكْفُرْ قَالَ ذَلِكَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْإِيحَاءِ إِلَيْهِ رَبِّ اغْفِرْ لِي
 وَلِوَالِدَيَّ وَكَانَا مُؤْمِنَيْنِ وَلَمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُنزَلِي أَوْ مَسْجِدِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ إِلَى
 يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿۸۲﴾ هَلَاكَ فَاهْلِكُوا

سورۃ نوح مکہ ہے۔ جس میں ۲۸ یا ۲۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم ڈراؤ (یعنی ڈرانے کے ساتھ) اپنی قوم! کو اس سے پہلے کہ (اگر وہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر دردناک عذاب آئے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دہ ہو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف (کھلے طور پر) ڈرانے والا ہوں کہ تم (یعنی میں تم سے کہتا ہوں کہ) اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا (من زائد ہے کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا من تجعظیہ ہے۔ کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے) اور تم کو (بغیر عذاب کے) مقررہ وقت (موت) تک مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (تمہارے عذاب کا اگر تم ایمان نہ لائے) جب آجائے گا تو ملے گا نہیں اگر تم سمجھتے (اس کو تو ایمان لے آتے) نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن (ہمیشہ مسلسل) بلایا، سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے (ایمان سے) اور میں نے جب بھی بلایا، تا کہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تا کہ میرا کلام نہ سن سکیں) اور اپنے کپڑے

لیٹ لئے (سروں کو کپڑوں سے چھپالیا تاکہ مجھ کو دیکھ نہ سکیں) اور اصرار کیا (کفر پر) اور انتہائی تکبر کیا (ایمان لانے سے) پھر میں نے ان کو با آواز بلند (زور سے) بلایا۔ پھر میں نے ان کو اعلان یہ (آواز سے) بھی سمجھایا اور ان کو غنی طریقہ پر بھی سمجھایا چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے (شرک کا) گناہ بخشو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، تم پر بارش بھیجے گا (وہ لوگ قحط سالی میں مبتلا تھے) کثرت سے (کافی مقدار میں) اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ اگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کا پاس نہیں کرتے (اللہ نے جو تمہیں وقار عطا کیا ہے، اس میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاؤ) حالانکہ اس نے تمہیں طرح بہ طرح بنایا (اطوار و طور کی جمع ہے، جس کے معنی حال کے ہیں چنانچہ ایک کیفیت نطقہ کی تھی ایک حالت علقہ سے لے کر پیدائش کی تکمیل تک رہی پیدائش پر غور کرنا پیدا کرنے والے پر ایمان لانے کا سبب ہو جاتا ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں (تم نے دیکھا نہیں) کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے (تہہ بر تہہ) بنائے اور آسمان میں (یعنی ان کے مجموعہ میں جس کا ظہور آسمان دنیا میں ہو رہا ہے) چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا (روشن جو چاند کی روشنی سے زیادہ تیز ہے) اور اللہ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طور پیدا کیا (یعنی تمہارے باؤ آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہیں زمین ہی میں لے جائے گا (قبر کی صورت میں) اور تم کو باہر لے آئے گا (قیامت کے وقت) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (پھیلایا ہوا) فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے (کشادہ) راستوں پر چلو پھرو۔ نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے (یعنی گھٹیا اور غریب) لوگوں کی بیروی کی کہ جن کے مال اولاد نے (ریس لوگ جن پر اللہ نے مال و اولاد کا انعام فرمایا، لفظ و لسد ضمہ واو اور سکون لام کے ساتھ اور ان دونوں کے فتح کے ساتھ ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک پہلی صورت میں ولد کی جمع ہے جیسے خشب کی جمع خشب اور بعض جمع کے معنی پر کہتے ہیں۔ جیسے بسخل کی معنوی جمع بسخل ہے) انہی کو نقصان زیادہ پہنچایا۔ (لحاظ سرکش اور کفر کے) اور جنہوں (ریسوں) نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نوح کو جھٹلایا، ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ستایا) اور جنہوں نے (کم درجہ کے لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وہ کو (فتح واو اور ضمہ واو کے ساتھ ہے) اور نہ سواغ کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور نہ نسر کو (یہ سب بتوں کے نام ہیں) اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا (کہ) انہیں بھی بت پرستی پر مجبور کر دیا اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھادیتجئے (قد اصلوا پر عطف ہو رہا ہے۔ حضرت نوح پر جب یہ وحی آئی۔ انہ لسن یومن من قومک الا من قد امن تب انہوں نے یہ بددعا فرمائی) اپنے ان (ماصلہ ہے) گناہوں کی وجہ سے (ایک قرأت میں خطیسا تہم ہمزہ کے ساتھ ہے) غرق کئے گئے (طوفان میں) پھر آگ میں داخل کئے گئے (غرق کرنے کے بعد پانی کے نیچے آگ میں داخل کر کے عذاب دیا گیا) اور انہوں نے اللہ کے سوا کوئی جہاں بھی نہ پایا (جو انہیں عذاب سے بچالیتا) اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں ایک باشندہ بھی زمین پر نہ چھوڑ (یعنی کسی بھی گھر میں رہنے والا ہو، حاصل یہ کہ کوئی بھی ہو) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے فاجر کافر اولاد ہی پیدا ہوگی۔ (یہ بددعا بھی اسی وحی کے بعد کی ہے جس کا بیان ہو چکا) اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو (جو مومن تھے) اور جو مومن میرے گھر (مکان یا مسجد) میں داخل ہیں اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کو (جو قیامت تک آنے والے ہیں) بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھادیتجئے۔ (چنانچہ سب تباہ ہوئے)۔

تحقیق و ترکیب: ثمان۔ کسرہ نون یا ضمہ نون کے ساتھ ہے اور دونوں صورتوں پر اس کی اصل ثمانی ہے البتہ اگر اس کی یا کا حذف صریح قاعدہ کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ قاضی میں ہو۔ تب تو یہ کسرہ لفظ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب یا ئے محذوفہ پر ہوگا ورنہ حذف یا ید اور دم کی طرح ہوگا اور یہ لفظ ضمہ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب خود اسی پر ہوگا۔

ان اندر۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ان مصدر یہ ہے جو فعل مضارع کے لئے ناصب ہوتا ہے۔ ای از سلسلہ بان قلنا لہ اندر اور ان تفسیر یہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ از سال میں قول کے معنی ہیں۔

ان اعبسوا۔ اس میں مفسر نے ان تفسیریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر حقوق العباد اسلام لانے کے بعد بھی مغفرت سے خارج رہتے ہیں۔ تو پھر من ذنوبکم میں من تبعیضہ رہے گا جس میں کافروں کے حقوق، جان و مال بھی آتے ہیں۔ البتہ حلی کافر جو مباح الدم والمال ہیں ان کے حقوق اسلام لانے سے معاف رہیں گے۔ تاہم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی قوم کافر اہل ذمہ نہیں تھی۔ اس لئے کہا جائے گا کہ من زائد ماننا بہتر ہے یعنی اسلام سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں حقوق العباد بھی معافی میں داخل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اسلام سے پہلے سب گناہ بھی مجموعہ کا بعض ہی ہیں۔ اس لئے من تبعیضہ لینا بھی باعث اشکال نہیں ہے۔

ان اجل اللہ۔ بظاہر ویؤخر کم اور لایؤخر دونوں جملوں میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اس کے بعد دفعیہ کی طرف مفسر اشارہ کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یؤخر ہم سے مراد بر تقدیر ایمان موت تک تاخیر بغیر عذاب ہے اور لایؤخر ہم سے عدم ایمان کی صورت میں عدم تاخیر عذاب مراد ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک آسان توجیہ یہ ہے کہ اجل دوم کی ہوتی ہے۔ اجل قریب غیر مبرم اور اجل بعید مبرم۔ تاخیر کا حکم پہلے قسم پر اور تاخیر نہ ہونے کا حکم دوسری قسم پر ہے۔ کیونکہ اجل اللہ میں اضافت عہد یہ ہے اور معبود اجل موت ہے۔ ای امنوا قبل الموت تسلموا من العذاب فان اجل الموت اذا جاء لایؤخر ولا یمكنکم الایمان۔
لو کنتم۔ مفسر نے مفعول علم کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور جواب لو مقدر ہے۔ اس میں طاعت پر مغفرت مرتب ہونے اور موت تک عذاب ملتوی ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا ہے کہ جب موت آجائے تو پھر ملتوی ہونے کی بات نہیں رہتی۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس فعل متعدی کو بمنزلہ لازم مان لیا جائے۔ ای لو کنتم من اهل العلم۔
لیلاً و نهاراً۔ کنایہ ہے دوام سے۔

الافراد۔ دعوت ایمان اگرچہ فرار کا سبب نہیں، لیکن فرار چونکہ دعوت کے سبب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کر دی۔ واستکبروا۔ س ت طلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے اور جہاراً مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای دعاء جہاراً یا زید عدل کی طرح حال ہے۔

استغفروا۔ محض استغفار مراد نہیں ہے کیونکہ کافر کا استغفار معتبر نہیں، بلکہ ایمان مطلوب ہے جو باعث مغفرت ہے یا بقول صاحب مدارک کہا جائے استغفار دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کفر سے استغفار، دوسرے گناہوں سے استغفار۔
مداراً۔ مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں مذکور و مؤنث برابر ہوتے ہیں۔

یوسل، یمددکم، یجعل تینوں جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہیں۔
رجا کے معنی اعتقاد اور وقار دراصل حلم سکون کو کہتے ہیں لیکن یہاں عظمت کے معنی مراد ہیں۔
مالکم جملہ خبریہ ہے اور لاترجون جملہ حالیہ ہے اور وقاراً مفعول بہ ہے ترجون کا۔ لیکن نے ایاکم مفعول مقدر مانا ہے اور اللہ میں لام بینین کا ہے اور وقار بمعنی توقیر ہے جس کا فاعل اللہ ہے۔ گویا کفار نے جب ”مالکم لاترجون للہ ان توقروا وتعظموا“ سنا تو سوال ہوا کہ ”للمن التوقیر“ جواب میں ”للہ وقاراً“ فرمایا گیا۔ اس صورت میں لام بمعنی من ہوگا۔ ای وقارکم کاننا من اللہ نیز لام کا تعلق ترجون کے ساتھ ہوگا اور من کے معنی میں ہوگا۔ ای مالکم لاتہاملون من اللہ توقیراً لکم بان تو منوا بہ فتصیروا موقرین عنده، قاضی بیضاویؒ بھی معنی لے رہے ہیں اور دوسرے معنی یہ لیتے ہیں کہ وقاراً سے مراد اللہ کی عظمت ہے اور لکم اس کا مفعول ہے۔ ای مالکم لاتعتقدون عظمۃ اللہ تعالیٰ۔

وقد خلقکم۔ حال ہے ترجون سے اور اطوار اتاویلی حال ہے۔ ای منتقلین من حال الی حال۔
وجعل الشمس۔ چونکہ ”جعل القمر فیہن“ میں فیہن آ گیا ہے، اس لئے یہاں مقدر کر لیا گیا۔ چاند تو بالاتفاق اہل بیت کے نزدیک آسمان دنیا سے متعلق ہے۔ البتہ شمس کے متعلق اختلاف ہے۔ چونکہ پانچویں آسمان پر مانا گیا اور بعض کی رائے ہے کہ ہوسم سما

میں چوتھے آسمان پر اور موسم گرما میں ساتویں آسمان پر رہتا ہے اور چاند سورج کا رخ اوپر کی جانب اور دونوں کی پشت زمین کی جانب ہے۔
واللہ ابتیکم۔ نباتاً مجرد ہونے کے باوجود ابتیکم کا مفعول مطلق ہے اور سیبویہ کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ ابتیکم کی دلالت انبات پر دلالت تصنیی ہے۔ فبتیکم نباتاً میں نبات کی دلالت نبتم پر التزائی ہے۔
لکم الارض بساطاً۔ زمین کی بساط سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کروئی نہیں ہے کیونکہ اگر کرہ بڑا ہو تو وہ بسیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے زمین کا کروئی ہونا خلاف شرع نہیں ہے اور نہ اس نص کے منافی ہے۔
سبلاً فجاجا۔ مفسر نے واسعة سے اشارہ کر دیا کہ فجاج صفت مشبہ ہے اور سبلاً کی صفت ہے کشادہ راستہ کے معنی میں ہو کر بدل یا عطف بیان ہے۔

انهم عصونی۔ یہ بددعا کرنے کی تمہید ہے۔

وولدہ نافع ابن عامر، عامر نے دونوں واؤ کو فتح پڑھا ہے اور باقی قرآن ضمہ واؤ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لام ساکن جیسے: خشب کی جمع خشب ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ ولد میں ایک لغت و لد بھی ہے۔ یہاں یہ لفظ مفرد اور جمع دونوں ہو سکتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ولد میں لام پر تینوں حرکات اور سکون ہو سکتا ہے اور مفرد و جمع دونوں بن سکتے ہیں۔

عظیماً۔ بقول زحشری سے عظیماً ابلغ ہے۔

ودا۔ اکثر قراء کے نزدیک فتح واؤ کے ساتھ اور نافع کے نزدیک ضمہ واؤ کے ساتھ ہے۔ مردانہ صورت کا بت تھا اور سواع زنا نہ شکل کا بت۔ یعوث شیر کی شکل کا بت اور یعوق گھوڑے کی شکل کا بت تھا اور نسر گدھ کی شکل پر تھا۔ یعوق و نسر کے ساتھ صرف نفی نہیں ہے انتہائی تاکید کی وجہ سے جس سے اشارہ ہے کہ ہر فرد مقصود ہے، مجموعہ مقصود نہیں ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پانچوں حضرات آدم کے صاحبزادوں کے نام ہیں جن میں سب سے بڑا وہ تھا۔ جیسا ابن زبیرؓ فرماتے ہیں۔ نیز یہ سب اولیاء کالمین تھے۔ ان کی وفات پر ان کے ماننے والوں کو انتہائی رنج و الم ہوا تو پھر لوگوں نے ان کی صورتیں تیار کر کے ان کے نام کے مندر بنانا لے اور پوجا پاٹ شروع کر دی اور لوگ خدا کو چھوڑ بیٹھے حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی انہوں نے علم تو حید بلند کیا تو لوگ بد کے اور مقابلہ آرائی شروع کر دی۔

وقد اضلوا۔ فعل مقدر کا محمول ہے۔ اسی وقال وقد اضلوا۔ گویا قال نوح پر اس کا عطف ہے۔ لیکن خبر کا انشاء پر اور انشاء کا خبر پر عطف جائز ہے تو پھر اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ مفسر نے بیان امر و ہم سے اشارہ کیا ہے کہ اضلو کی ضمیر نوسا کی طرف راجع ہے بقول مقاتلؓ، لیکن بتوں کی طرف سے بھی ضمیر راجع ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ آیت انھن اضلن میں ہے۔

ولا تزد الظلمین۔ اس میں واؤ حکایات کا ہے محکی کا نہیں ہے اس لئے اس کو انشاء کا عطف خبر پر نہیں کیا جائے گا بلکہ مفرد کا مفرد پر ہے۔ نیز اس کا عطف محذوف پر بھی ہو سکتا ہے۔ اسی فاخذ بهم ولا تزد اس صورت میں واؤ محکی کا ہو جائے گا باوجودیکہ انبیاء رحمت و شفقت سے لبریز ہوتے ہیں مگر عبدالرزاقؓ، ابن المنذرؓ نے قاعدہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی جب ان کی طرف سے مایوسی ہوگئی، تب یہ بددعا یہ کلمات فرمائے۔

مما خطیئناہم۔ اس میں ما زاد ہے تفسیری عبارت ”ماصلة“ کا یہی مطلب ہے۔

فادخلوا ناراً۔ یہاں برزخ کی آگ مراد ہے خماک فرماتے ہیں کہ ”یعنی یعوقون من جانب و یحرقون من جانب اور مقاتلؓ فرماتے ہیں کہ آخرت کی آگ مراد ہے اور فاتحیہ اس لئے ہے کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان کا فاصلہ کا عدم ہے۔

دیارا۔ لغت میں دیار دار کو کہتے ہیں لیکن مراد گھر والے ہیں۔ بلکہ احدا کے مرادف ہے۔ گویا دیار ان اسماء میں سے ہے جو نفی عام کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ما بالدار یار دار پس دیار دار سے ماخوذ ہے۔ اس لئے گھر میں آنے والے کو کہتے ہیں مگر مراد عام ہوتی ہے۔

رابط آیات: پچھلی سورت میں عذاب کے اسباب کا بیان تھا، جن سے ایک پیغمبر کی تکذیب ہے۔ اس سورت میں بھی قصہ نوح کے ذیل میں اسی کا بیان ہے نیز اس سورت میں اخروی عذاب کے علاوہ دنیاوی عقوبت کا بھی ذکر ہے اور اس کے ذیل میں حضور ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ کی قوم کی طرح قوم نوح نے بھی تکذیب کی تھی اس لئے پریشان اور مکدر نہ ہو جائیے۔

﴿تشریح﴾: من قبل ان یأتیہم۔ یعنی کفر کی بدولت دنیا میں طوفان کا اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہونے سے پہلے ان کو ڈرائیے ممکن ہے کہ سنہل جائیں۔ یعنی ایمان کی بدولت پچھلی کوتاہیاں اور ان کی حق تلفیاں معاف کر دی جائیں گی اور کفر کی صورت میں جس عذاب سے دوچار ہوتے اس سے بچ جائیں گے۔

ویؤخرکم۔ یعنی جس طبعی موت آنے تک ڈھیل ہے۔ مقررہ وقت آنے پر عام قانون کے مطابق تمام جانداروں کو موت تو بہر حال آئے گی کفر کی حالت ہو یا ایمان کی۔ لیکن بدوئوں حالتوں میں فرق اتنا ہے کہ کفر میں دونوں عذاب ہوں گے اور ایمان کی بدولت دونوں عذاب سے محفوظ رہو گے اور دنیاوی سزا کی نفی خاص طور سے اس لئے کی گئی کہ بعض اوقات ایمان کے باوجود دنیاوی کلفتیں بھی پیش آ جاتی ہیں۔ پس اس کی نفی سے ایمان لانے پر مزید فضل کا وعدہ ہے۔

مومن و کافر دونوں کو اگرچہ موت آتی ہے مگر دونوں کے ثمرات الگ الگ ہیں: اور ان اجل اللہ میں یہ نکتہ ہے کہ جس طرح مومن و کافر دونوں کو موت آتی ہے اسی طرح یہ نہ سمجھا جائے کہ مومن و کافر دونوں کو یکساں ثمرات ملتے ہیں۔ کیونکہ موت تو بقاضائے حکمت ضروری ہے اس کا ملنا ایمان کے ثمرات سے نہ ہو اس لئے اس کا ترتیب بھی ضروری نہیں البتہ عذاب سے بچنا ملنا ثمرات ایمان سے ہے اور ان کا مرتب ہونا بھی ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہو تو کسی کے ٹالے نہیں ملے گا، نہ ڈھیل دی جائے گی یا یہ مطلب ہوا کہ موت کا وقت معین پر آنا ضروری ہے، وہ ٹل نہیں سکتی۔ حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ نے ان آیات کی تشریح ایک اور طرح کی ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے سے انسانی نسل قیامت تک رہے گی لیکن سب بندگی چھوڑ دو گے تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ طوفان نوح میں یہی ہوا بھی کہ جس نے بندگی کی بھج گئی اور نہ تباہی کا شکار ہوا۔

لیلا و نہارا۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ہاڑھے نومو برس سمجھاتے رہے:

اذا کان الطابع طابع سوء فلا ادب یفید ولا ادیب

کانقشہ رہا۔ جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ بارالہ! میں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی رات کی تاریکی اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا مگر ان پتھروں کے ایک جو تک نہیں لگی۔ بلکہ ہوا یہ کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا، یہ بد بخت اور زیادہ منہ پھیر کر بھاگے، میری طرف سے جتنی شفقت و دلسوزی کا اظہار ہوا، ان کی طرف سے اتنی ہی نفرت و بیزاری بڑھتی رہی حتیٰ کہ انہیں میری بات کا سننا تک گوارا نہیں ہے لوگ نہیں چاہتے کہ یہ آواز کان پر پڑے، کپڑے سے منہ ڈھانپ لیتے ہیں کہ کہیں ایک دوسرے کی صورت نہ نظر پڑ جائے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں کہ کسی وقت اگر ڈھیلی پڑ جائیں تو اس کپڑے سے کچھ روک ہو جائے۔ غرض کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے اور کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور میری بات پر دھیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ مجموعی طور پر جلسوں میں جا کر بھی ان کو سمجھایا اور علیحدگی میں بھی حق نصیحت ادا کیا، صاف صاف کھول کھول کر، اشاروں، کنایوں میں، زور سے اور

آہستہ، غرض ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لی، اور یہاں تک کہہ دیا کہ سینکڑوں برس سمجھانے کے بعد اب بھی اگر میری بات مان لی اور اپنے مالک کی طرف جھک گئے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کرالیں تو یاد رکھو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دے گا اور تمہارے ایمان کی بدولت تمہاری قحط سالی دور ہو جائے گی اور موسلا دھار بارش سے تمہارے باغات، کھیت، سیراب و شاداب ہو جائیں گے پیداوار، جانور، دودھ، گھی سب میں برکت ہوگی اور بانجھ عورتوں کی گود اولاد سے بھر جائے گی اور آخرت کی نعمتیں ان کے علاوہ ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:..... قادی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے زیادہ حریص تھے اس لئے یہ فرمایا گیا اس پر یہ شبہ کیا جائے کہ بسا اوقات ایمان و استغفار پر بھی دنیاوی نعمتیں مرتب نہیں ہوتیں، جواب یہ ہے کہ اول خاص طور پر ان لوگوں کے لئے وعدہ ہوگا اور اگر عام بھی ہو تب بھی ان سے چیزیں مل جائیگی وعدہ کا پورا ہونا کہلائے گا۔

امام اعظمؒ اسی آیت کے پیش نظر استسقاء کی حقیقت و روح، توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ فرماتے ہیں جس کی کامل صورت نماز ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تقریر کو بلا انکار نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ استغفار بارش کا سبب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ استسقاء کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے اور صرف استغفار کیا۔ کسی نے کہا بھی مارا بسناک استسقیق فرمایا استسقیق بجاری السماء النبی یمنزل بها المطر اور تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالى استغفروا ربکم الخ..... وان صلوا واحد انا جاز وليس الجماعة فيه مسنونة عندنا كما هو قولهما ولا خطبة ايضا كما قال محمد ان فيه خطبتين كخطبة العيد وقال ابو يوسف انها الخطبة الواحدة وبهذا القدر تم المقصود۔

تفسیر مدارک و کشاف میں ہے کہ ایک شخص نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قحط سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا استغفروا اللہ۔ دوسرے نے آکر فخر کی شکایت کی، تیسرے نے اولاد کم ہونے کی، چوتھے نے پیداوار کم ہونے کی۔ مگر انہوں نے سب کو استغفار کی تلقین فرمائی۔ اس پر بیچ بن صبیح نے عرض کیا کہ کیا سب تکالیف کا ایک ہی علاج ہے امام موصوفؒ نے اپنی تائید میں یہی آیت پیش کی۔

دلائل قدرت:..... مالکم لا ترحون۔ اگر تم اللہ کی فرمانبرداری کرو گے تو اس کی بڑائی سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ تمہیں بڑائی اور وقار عطا فرمائے گا اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت و جبروت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ آخر تم نے ماں کے پیٹ میں طرح طرح کے رنگ بدلنے اور مادہ اصلی سے لے کر موت تک کتنی پلٹیاں انسان کھاتا ہے اور کتنے اتار چڑھاؤ سے گزرتا ہے پھر اوپر تلے آسمان کے کروں کو دیکھو، پھر چاند، سورج پر نظر ڈالو کہ سورج کتنا گرم اور تیز ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کا نور ہو جاتی ہے جلتے چراغ کی تشبیہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے اور چاند کا نور اسی چراغ کی روشنی کا ٹھنڈا جھروکہ ہے۔ جعل لکم الارض بساطا۔ زمین لینے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے قابل بنائی اور راستے ایسے بنا دیئے کہ کوئی شخص چاہے تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے۔

قال نوح۔ قوم کے رستے ہوئے ناسوروں کا ذکر فرمایا۔ جن میں سب سے بڑا ناسور نافرمان مالداروں کی بے جا پیروی کرنا ہے جس سے دین تباہ ہوتا ہے اور طرح طرح کی سازشوں کا شکار بنتے ہیں یہ لوگ دوسروں کو بہکاتے اور بھڑکاتے ہیں کہ اپنے معبودوں پر جھڑپنا اور نوحؑ کے بہکانے میں نہ آنا اور آنے والی نسلوں کو بھی یہی وصیت کرتے رہے۔ انہوں نے ہر مطلب کا ایک الگ بت بنا رکھا تھا۔ عرب میں بھی یہی وبا پھیلی۔ ہندوستان میں وشنو، برہما، اندر، شو، ہنومان وغیرہ ناموں سے کتنے ہی بتوں کی پرستش

ہزاروں برسوں سے ہوتی چلی آرہی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے یہ اولیاء اللہ تھے، جن کی صورتیں ان کے پرستاروں نے بنائی تھیں آگے چل کر ان کی پرستش ہونے لگی۔

استدراج: ولا تزد الظالمین. یعنی اے اللہ! اب ان کی ہزایہ ہے کہ اپنی گمراہیوں میں ہمیشہ ہی بھٹکتے رہیں اور بطور استدراج انہیں اسی طرح سیدھی راہ نہ بن پڑے اور تیری معرفت سے یہ نا آشنا ہی رہیں، جیسا کہ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز قدس سرہما کی رائے ہے اور عام مفسرین ظاہری معنی لے رہے ہیں کہ اے اللہ! ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے، تاکہ جلد ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور عذاب الہی کا نشانہ بنیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے وحی سے مطلع ہو کر ہزار سالہ تجربہ کے نتیجے میں مایوس ہو کر یہ بد دعا فرمائی جس طرح جسم کا کوئی عضو گل سڑ جائے اور زندگی و صحت کی صلاحیت سے محروم ہو جائے تو پھر اس کا استیصال ہی بہتر ہے ورنہ سارا جسم گل سڑ کر تباہ ہو سکتا ہے اس کو بے رحمی و شقاوت نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ دعائے موسیٰ جو سورہ یونس میں گزری وہ بھی اس قبیل سے تھی۔ بہر حال طوفان نوح آیا اور وہ لوگ بظاہر پانی میں ڈبو دیئے گئے مگر فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے اور پانی سے بجلی کی ایجاد نے تو کھول دیا ہے کہ خود پانی بھی بڑی تیز آگ ہے اسی عذاب الہی میں ان کے بت کچھ کام نہ آ سکے سب سمیڑی کی حالت میں یونہی مر کھ پ گئے۔

وقال نوح. حضرت نوح علیہ السلام کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی اور عرض کیا۔ بارالہ! ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ ان کو باقی رکھا جائے۔ سب کا صفایا کر دے ورنہ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ جو کوئی بچے گا اس کی نسل بھی ”سانپ کا بچہ سانپ“ کا مصداق ہوگی اور موجودہ لوگ خود تو کیا ٹھیک ہوتے دوسروں کو بھی خراب کرنے کے درپے رہتے ہیں اس لئے ایمانداروں کی حفاظت کی خاطر بھی ان کا بیج مٹا دے۔ رب اغفر لی. میرے پروردگار! میرے مرتبے کے لائق مجھ سے جو تقصیر ہوئی اپنے فضل سے اس کو معاف فرما اور میرے والدین اور میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں جو مومن ہو کر آئے بلکہ عام مومن و مومنات کی مغفرت فرما دے۔ اللھم اجعلنی منہم. آمین۔ اس دعا سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کے والدین مومن ہوں گے اور اگر ان کا غیر مومن ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اوپر کے آباؤ اجداد مراد ہوں گے اور تنبیہ مفرک کا نہیں بلکہ جنس کا مراد ہوگا۔

لطائف سلوک: ثم انی دعوتهم جہاراً. اس سے حضرت نوح کی انتہائی شفقت معلوم ہوتی ہے اور جاہل کی ہدایت و ارشاد میں ایسا ہی اہتمام ہونا چاہئے اور یہ تصدی یعنی درپے ہونا نہیں ہے، کیونکہ تصدی قصد ثمرہ میں ہوتی ہے اور یہ اہتمام قصد طریق میں ہے۔

ولا تذرن. اس سے معلوم ہوا کہ صلحاء کے آثار و تبرکات کا زیادہ اہتمام کرنا جب کہ اس میں دینی مفیدہ کا خطرہ ہو۔ واجب التبرک ہے۔

ولا تزد الظالمین. پیغمبر اور صاحب وحی کے لئے تو مخالفین کے لئے گمراہی اور تباہی کی بد دعا کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن دوسروں کو اس کا حق نہیں ہے جیسے بعض مدعیان مشیخت ولایت کر دیتے ہیں۔

سُورَةُ الْجِنِّ

سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا مُحَمَّدٌ لِلنَّاسِ أُوحِيَ إِلَيَّ أَخْبِرْتُ بِالرُّوحِ مِنَ اللَّهِ أَنَّهُ الضَّمِيرُ لِلشَّانِ اسْتَمَعَ لِقِرَاءَتِي نَفَرٌ مِنَ
الْجِنِّ جِنَّ نَصِيبِينَ وَذَلِكَ فِي صَلَوةِ الصُّبْحِ يَبْطِنُ نَخْلَةً مَوْضِعَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمْ الَّذِينَ ذُكِرُوا
فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ الْآيَةُ فَقَالُوا الْقَوْمِ لَهُمْ لَمَّا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا
عَجَبًا ۝۱ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ فِي فَصَاحَتِهِ وَغَرَازَةِ مَعَانِيهِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ الْإِيمَانِ وَالصَّوَابِ
فَأَمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِكَ بَعْدَ الْيَوْمِ رَبَّنَا أَحَدًا ۝۲ وَأَنَّهُ الضَّمِيرُ لِلشَّانِ فِيهِ وَفِي الْمَوْضَعَيْنِ بَعْدَهُ تَعَالَى
جَدُّ رَبَّنَا تَنَزَّهَ جَلَالُهُ وَعَظَمَتُهُ عَمَّا نُسَبِّ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً زَوْجَةً وَلَا وَلَدًا ۝۳ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ
سَفِينُهَا جَاهِلُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝۴ غُلُّوا فِي الْكَذِبِ بِوصْفِهِ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ وَأَنَا ظَنُّنَا أَنَّ مُحَقِّقَةً
أَيُّ أَنَّهُ لَنْ يَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝۵ بِوصْفِهِ بِذَلِكَ حَتَّى بَيَّنَّا كَذِبَهُمْ بِذَلِكَ قَالَ تَعَالَى
وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ حِينَ يَنْزِلُونَ فِي سَفَرِهِمْ
بِمَخَوفٍ يَقُولُ كُلُّ رَجُلٍ أَعُوذُ بِسَيِّدِ هَذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّ سَفْهَائِهِ فَرَادَوْهُمْ بِعَوْدِهِمْ بِهِمْ رَهَقًا ۝۶
طُغْيَانًا فَقَالُوا سُدْنَا الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَأَنَّهُمْ أَيُّ الْجِنِّ ظَنُّنَا كَمَا ظَنَنْتُمْ يَا إِنْسُ أَنَّ مُحَقِّقَةً أَيُّ أَنَّهُ لَنْ
يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝۷ بَعْدَ مَوْتِهِ قَالَ الْجِنُّ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ رُؤْمًا اسْتِرَاقَ السَّمْعِ مِنْهَا
فَوَجَدْنَا مُهْلِكْتَ حَرَسًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ شَدِيدَةً وَشُهَبًا ۝۸ نَحْنُ مَحْرُفَةٌ وَذَلِكَ لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا كُنَّا أَيُّ قَبْلِ مَبْعَثِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ أَيُّ نَسْتَمِعُ
فَمَنْ يَسْتَمِعُ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شُهَابًا رَصَدًا ۝۹ أَيُّ أَرُصِدُ لَهُ لِيُرْمِيَ بِهِ وَأَنَا لَأَنْدَرِي أَشْرًا أُرِيدُ بَعْدَ

اسْتَرِاقِ السَّمْعِ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾ خَيْرًا وَأَنَامِنَا الصَّلِحُونَ بَعْدَ
 اسْتِمَاعِ الْقُرْآنِ وَمِنَادُونَ ذَلِكَ أَيُّ قَوْمٍ غَيْرُ الصَّالِحِينَ كُنَّا طَرِيقًا قَدِيدًا ﴿١١﴾ فَرَقًا مُحْتَظِلِينَ مُسْلِمِينَ
 وَكَافِرِينَ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ مَحْفَقَةً أَيْ إِنَّهُ لَنْ نُعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجِزَهُ هَرَبًا ﴿١٢﴾ أَيْ لَا نُفَوِّتُهُ
 كَائِنِينَ فِي الْأَرْضِ أَوْ هَارِبِينَ مِنْهَا إِلَى السَّمَاءِ وَأَنَا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَى الْقُرْآنَ آمَنَابِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ
 بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بِتَقْدِيرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ بَخْسًا نَقْصًا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾ ظُلُمًا بِالزِّيَادَةِ فِي سَيِّئَاتِهِ
 وَأَنَامِنَا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ الْجَائِرُونَ بِكُفْرِهِمْ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾
 قَصَدُوا هِدَايَةً وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾ وَقُودًا وَأَنَا أَنَّهُمْ وَإِنَّهُ فِي اثْنِي عَشَرَ مَوْضِعًا
 هِيَ وَإِنَّهُ تَعَالَى إِلَى قَوْلِهِ وَأَنَامِنَا الْمُسْلِمُونَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِكُسرِ الْهَمْزَةِ اسْتِيْنَافًا وَبِفَتْحِهَا بِمَا يُوجِّهُ بِهِ قَالَ
 تَعَالَى فِي كُفَّارِ مَكَّةَ وَأَنْ مَحْفَقَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَجْدُوفٌ أَيْ وَإِنَّهُمْ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى أَنَّهُ اسْتَمَعَ
 لَوْ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ أَيْ طَرِيقَةِ الْإِسْلَامِ لَا سَقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ كَثِيرًا مِنَ السَّمَاءِ وَذَلِكَ
 بَعْدَ مَارْفَعِ الْمَطَرِ عَنْهُمْ سَبْعَ سِنِينَ لَنَفْتِنَهُمْ لِنَحْتَبِرَهُمْ فِيهِ فَنَعْلَمُ كَيْفَ شَكَرْتَهُمْ عِلْمَ ظُهُورٍ وَمَنْ
 يُعْرِضُ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ الْقُرْآنَ يَسْلُكُهُ بَالْتُونِ وَالْيَاءِ نُدْخِلُهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ شَاقًّا وَأَنَّ الْمَسْجِدَ
 مَوَاضِعَ الصَّلَاةِ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا فِيهَا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ بَانَ تُشْرِكُوا كَمَا كَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى
 إِذَا دَخَلُوا كَنَائِسَهُمْ وَيَبْعُهُمْ أَشْرَكُوا وَإِنَّهُ بِالْفَتْحِ وَبِالْكَسْرِ اسْتِيْنَافًا وَالضَّمِيرُ لِلشَّانِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ
 مُحَمَّدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوهُ يَعْْبُدُهُ بِيْطْنِ نَحْلٍ كَادُوا أَيْ الْحِنْ الْمُسْتَمْعُونَ لِقِرَاءَتِهِ
 يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ بِكُسرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا جَمْعُ لِبَدَةٍ كَالْبَدِي فِي رُكُوبِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا
 اِرْزُقُوا مَا جَرَّصًا عَلَى سَمَاعِ الْقُرْآنِ قَالَ مُجِيبًا لِلْكُفَّارِ فِي قَوْلِهِمْ ارجع عما أنت فيه وفي قِرَاءَةِ قُلْ إِنَّمَا
 أَدْعُوا رَبِّي إِلَهَا وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا عَيًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ خَيْرًا
 قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ مَنْ عَذَابِهِ إِنْ عَصَيْتُهُ أَحَدًا وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ أَيْ غَيْرِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾
 مُلْتَحَاً الْإِبْلَغُ اسْتِثْنَاءٌ مِنْ مَفْعُولِ أَمْلِكُ أَيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ إِلَّا الْبَلَاغَ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ أَيْ عَنْهُ وَرِسَالَتِهِ
 عَطَفَ عَلَيَّ بَلَاغًا وَمَا بَيْنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ وَالْإِسْتِثْنَاءِ اعْتِرَاضٌ لِتَاكِيدِ نَفْيِ الْإِسْطِطَاعَةِ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ فِي التَّوْحِيدِ فَلَمْ يُؤْمِنْ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا مِنْ ضَمِيرٍ مَنْ فِي لَهُ رِعَايَةً لِمَعْنَاهَا
 وَهِيَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَالْمَعْنَى يَدْخُلُونَهَا مُقَدَّرًا خُلُودَهُمْ فِيهَا أَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتَّى إِذَا رَأَوْا حَتَّى ابْتِدَائِيَّةً

فِيهَا مَعْنَى الْغَايَةِ لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا أَيْ لَا يَزَالُونَ عَلَى كُفْرِهِمْ إِلَى أَنْ يَرَوْا مَا يُوعَدُونَ مِنَ الْعَذَابِ فَسَيَعْلَمُونَ عِنْدَ حُلُولِهِ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرِ أَوْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَنْ أضعَفَ نَاصِرًا أَوْ أَقْلُ عَدَدًا ﴿۷۳﴾ أَعَوْنَا أَهْمَ أَمْ الْمُؤْمِنُونَ عَلَى الْقَوْلِ الْأَوَّلِ أَوْ أَنَا أَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِي فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ فَنَزَلَ قُلْ إِنَّ أَى مَا أَدْرِي أَقْرَبُ مَا تُوعَدُونَ مِنَ الْعَذَابِ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿۷۴﴾ غَايَةً وَأَجَلًا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ مَا غَابَ بِهِ عَنِ الْعِبَادِ فَلَا يُظْهِرُ يَطْلُعُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿۷۵﴾ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ مَعَ إِطْلَاعِهِ عَلَى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةٌ لَهُ يَسْلُكُ يَجْعَلُ وَيَسِيرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَى الرَّسُولِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿۷۶﴾ مَلَائِكَةٌ يَحْفَظُونَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ فِي جُمْلَةِ الْوَحْيِ لِيَعْلَمَ اللَّهُ عِلْمَ ظُهُورِ أَنْ مُحَقَّقَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ أَى أَنَّهُ قَدْ أَبْلَغُوا أَى الرُّسُلِ رِسَالَتِ رَبِّهِمْ رُوِيَ بِجَمْعِ الضَّمِيرِ مَعْنَى مَنْ وَأَحَاطَ بِمَالِدِيهِمْ عَطَفَ عَلَى مُقَدَّرِ أَى فَعَلِمَ ذَلِكَ وَأَخْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۷۸﴾ تَمَيِّزٌ وَهُوَ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ وَالْأَصْلُ أَحْصَى عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ

سورہ جن مکیہ ہے جس میں ۲۸ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: (اے محمد! آپ لوگوں سے) فرمادیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے (اللہ کا پیغام) کہ بلاشبہ (ضمیر شان ہے) جنات کی ایک جماعت نے (میری قرأت) سنی ہے (جنات نصیسن مراد ہیں، صبح کی نماز کا واقعہ ہے، مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ہوا تھا، اسی کا ذکر و اذصر فنا الخ میں بھی گزر چکا ہے۔ چنانچہ ان جنات نے اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے (جس کی فصاحت اور معانی کا پھیلاؤ وغیرہ حیرت انگیز ہے) جو (ایمان و درنگی کی) راہ راست بتلاتا ہے۔ سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور (آج کے دن سے) ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور یہ واقعہ ہے (یہاں اور اس کے بعد، دونوں جگہ ضمیر شان ہے) کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے (اس کی عظمت و جلالت تمام نامناسب باتوں سے پاک ہے) نہ اس نے کسی کو بیوی (اہلیہ) بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق (بے وقوف) ہوتے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں (بیوی بچہ کی نسبت کر کے انتہائی جھوٹ کہتے ہیں) اور ہمارا یہ خیال تھا کہ (ان خفیفہ ہے تقدیر عبارت انہ ہے) انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہیں کہیں گے (اسی قسم کی جھوٹی باتیں نہیں لگائیں گے کہ ہمیں ان کا جھوٹ ظاہر کرنا پڑے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ پناہ لیا کرتے تھے۔ جنات میں سے بعض لوگوں کی (جب انسان سفر میں کسی خوفناک جگہ منزل کرتے تو ہر آدمی کی زبان پر ہوتا کہ میں یہاں کے بدقتاش جنات کی شرارت سے یہاں کے سردار کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں) سو ان آدمیوں نے (شریر جنات سے سرداروں کی پناہ چاہ کر) ان کی بددماغی اور بڑھادی (چنانچہ وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم جن و انس کے حاکم ہیں) اور ان (جنات) نے بھی ایسا ہی خیال کر رکھا تھا۔ جیسا کہ (اے انسانو!) تم نے خیال کر رکھا ہے کہ (ان خفیفہ ہے اسی الفہ) اللہ تعالیٰ کسی کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ نہیں کرے گا (جن بولا کہ) ہم نے آسمان کی تلاشی لی تا چاہی (چوری چھپے) سو ہم نے اس کو (فرشتوں کے) سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا (جلادینے والے ستاروں سے، یہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ہوا) اور ہم (حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے) آسمانوں کے موقعوں میں سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے

لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (جواس کے مارنے کے لئے مہیا کیا گیا) اور ہم نہیں جانتے کہ کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے (چوری چھپے سننے کے بعد) زمین والوں کو یا ان کے رب نے ان کو ہدایت (خیر) کا ارادہ فرمایا ہے اور (قرآن سننے کے بعد) بعض ہم میں نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں (یعنی غلط قسم کے لوگ) ہم مختلف طریقوں پر تھے (مترقب جماعتیں، کچھ مسلمان کچھ کافر) اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ (ان مخفیہ ہے ای انہ) ہم زمین میں اللہ کو ہر انہیں سکتے اور نہ بھاگ کر ہر اسکتے ہیں۔ یعنی (اللہ سے چھوٹ کر زمین میں یا بھاگ کر آسمان میں کہیں جانہیں سکتے) اور ہم نے جب ہدایت (قرآن) کی بات سن لی تو اس کا یقین کر لیا۔ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا تو اسے (فائدہ کے بعد) مقدر ہے (نہ کسی کی نیکیوں کے گھٹنے) کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کہ ظلم کر کے برائی میں اضافہ کر دیا جائے اور ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے راہ ہیں) (اپنے کفر کی وجہ سے، حق سے ہٹے ہوئے) سو جو شخص مسلمان ہو گیا تو اس نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (راہ ہدایت اختیار کر لی) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے اندھن ہیں (انسا، انہم، انہ بارہ جگہ انہ تعالیٰ سے لے کر انسا منا المسلمون تک اور ان کے درمیان ہمزہ مکسور کے ساتھ جملہ متانفہ ہے اور فتح ہمزہ کے ساتھ بھی توجید کی جاتی ہے) آگے کفار مکہ کے بارے میں ارشاد ہے (اور وہ لوگ) (ان مخفیہ ہے بوجہ نقل کے جس کا اسم محذوف ہے ای وانہم۔ انہ استمع پر اس کا عطف ہوگا) اگر (اسلام کے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو سیراب کرتے بکثرت پانی سے (بارش کے ذریعہ، سات سال قحط کے بعد) تا کہ اس میں ان کا امتحان کریں (کھلے طور پر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے شکر کی کیا حالت رہی ہے) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا ہم اس کو (ن اور یا کے ساتھ ہے) داخل کریں گے سخت عذاب میں اور مسجدیں (نماز پڑھنے کی جگہیں) اللہ کی ہیں، سو اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو (شرک کرتے ہوئے جیسا کہ یہود نصاریٰ اپنے کنیتوں، گرجوں میں داخل ہو کر شرک کرتے تھے) اور واقعہ یہ ہے کہ (انہ فتح ہمزہ اور کسر ہمزہ کے ساتھ جملہ متانفہ ہے اور ضمیر شان ہے) جب اللہ کا بندہ خاص (محمد ﷺ) خدا کی عبادت کرنے (ظن خلدہ میں) کھڑا ہوتا ہے تو لوگ (یعنی جنات اس کی قرأت سننے کے لئے) اس پر بھیڑ لگائے کہ وہ جاتے ہیں (لبدا کسرۃ لام اور ضمہ لام کے ساتھ لبدۃ کی جمع ہے۔ قرآن سننے کے شوق میں ایک دوسرے کی گردن پر چڑھے جاتے ہیں) فرمایا (کفار کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مطالبہ کا آپ اپنی دعوت سے باز آ جائیے اور ایک قرأت میں قفل ہے) کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے مجھ کو (نا فرمانی کی صورت میں) اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا میں کوئی پناہ (ٹھکانا) پاسکتا ہوں۔ لیکن پہنچانا (املک کے معمول سے استثناء ہے ای لا املک لکم الا البلاغ الیکم) اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغامات کا ادا کرنا (اس کا عطف بسلاغا پر ہے اور مستثنیٰ اور استثناء کے درمیان جملہ مقررہ ہے۔ استطاعۃ کی نفی کی تاکید کے لئے) اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا نہیں مانتے (توحید کے متعلق یعنی ایمان نہیں لاتے) تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ رہیں گے (یہ حال ہے لہ کی ضمیر سے جس کا مصداق من ہے معنی کی رعایت کرتے ہوئے اور یہ حال مقدرہ ہے، یعنی بدخلو نہا مقداراً خلودہم) ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھ لیں گے (حتیٰ ابتدائے ہے جس میں غایت کے معنی ہیں جو اس سے پہلے مقدر ہے۔ ای لایزالون علی کفرہم الی ان یروا) جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی عذاب) اسی وقت جان لیں گے (عذاب آنے پر، غزوۃ بدر میں یا قیامت کے دن) کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (کفار یا مؤمنین، پہلی رائے کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق میں یا وہ۔ چنانچہ کچھ کافر کہنے لگے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اس پر ارشاد ہوا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خبر نہیں کہ جس (عذاب) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت و راز مقرر کر رکھی ہے (جس کا پتہ اس کے سوا کسی کو نہیں ہے) غیب (جو بندوں سے اوہل ہے) کا جاننے والا وہی ہے، سو وہ اپنے غیب پر (لوگوں میں سے) کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، سو وہ (باوجود پیغمبر کو مطلع کرنے کے غیب بن باتوں میں سے جو چاہے بطور معجزہ کے بھیج دیتا ہے) چلاتا ہے۔ پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے (جو پوری وحی پہنچانے

تک اس کی حفاظت کرتے رہیں) تاکہ (کھلے بندوں) اللہ کو معلوم ہو جائے (ان مخفیہ ہے اسی انہ) کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے ہیں (ضمیر جمع لانے میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے) اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس کا عطف مقدر پر ہے۔ اسی فعل علم ذلک) اور اس کے ہر چیز کی تعداد معلوم ہے (تمیز ہے مفعول سے بدلی ہوئی اصل عبارت احصیٰ عدد کل شیء تھی)۔

تحقیق و ترکیب: من الجن۔ جن کی تعریف یہ ہے۔ جسم ناریہ ہوائیہ لها قدرة علی التشکلات بالصور الشریفہ والخسیسۃ وتحکم علیہم الصورۃ اور فرشتہ کی تعریف یہ ہے جسم نورانیہ لها قدرة علی التشکلات بالصور الغیر الخسیسۃ ولا تحکم علیہم الصور۔ اس سے دونوں میں فرق بھی واضح ہو گیا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جنات ابلیس کی نسل ہے۔ ان میں جو زیادہ شریر و سرکش ہوتے ہیں ان کو شیاطین کہا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جن جان کی اولاد اور شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں۔ نفخہ اولیٰ پر ابلیس مع شیاطین مرجائیں گے اور نصیبین یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔ سفیہنا۔ سفیہ سے مراد اگر متمدن انسان ہو تب تو اضافت جنس کے لئے ہوگی اور سفیہ سے مراد اگر ابلیس ہو تو پھر اضافت عہد کے لئے ہوگی۔

علی اللہ کذباً۔ یعنی پہلے ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جن خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے اس لئے شرک کو صحیح سمجھتے رہے۔ مگر جب شرک کا غلط ہونا واضح ہوا تو معلوم ہوا کہ خدا کے معاملہ میں بھی جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔ وانہ کان رجال۔ جنات کی گفتگو کے درمیان یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ بھی جنات کا کلام ہے۔ رجال من الجن۔ مفسر نے جن کلمات کو نقل کیا ہے مسافران کو کہہ کر رات بھر آرام سے بسر کرتا۔ بلکہ اگر کوئی راستہ بچلتا یا کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو جنات اس کی مدد کر دیتے۔ سب سے پہلے اس بدعت کی ایجاد یمن کے قبیلہ بنو حنیفہ سے ہوئی بعد میں سارے عرب میں یہی خیال پھیل گیا اسلام نے آ کر ان خیالات کی اصلاح کی کہ جن کا وجود اور ان کی قوت تو لائق تسلیم ہے مگر لائق استعانت و استعاذہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

فزاوہم دھقا۔ مفسر نے دھقا کی تفسیر سدنہ کے لفظ سے فرمائی ہے۔ صراح میں ہے کہ سدیسد کسرہ کے ساتھ بمعنی "صارا سدیدا" ہے اور بعض کے نزدیک "سادیسود" سے ہے۔ انہم ظنوا۔ مفسر نے ضمیر غائب جنات کی طرف اور ظننہم کی ضمیر خطاب انسانوں کی طرف راجع کی ہے لیکن اگر یہ جنات کا باہمی کلام ہے تو پھر ضمیریں برعکس ہوں گی۔

فوجدناہا۔ یہ اگر متعدی بیک مفعول ہے۔ پھر جملہ ملئت حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا لیکن اگر متعدی بدو مفعول ہے تو پھر یہ جملہ مفعول ثانی کی وجہ سے منصوب ہے۔ گئے گا۔ اور حوساً تمیز کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ امتلاء الماء اناءً اور حوس اسم جمع ہے حارس کی۔ جیسے خادم ن اسم جمع خدم۔ حارس بمعنی نگران حراست مصدر ہے اور شدید حرس کی صفت ہے بلحاظ لفظ کے اگر معنی کی رعایت کی جاتی پھر صفت شداد آتی۔

شہب۔ شہاب کی جمع ہے۔ جیسے کتاب کی جمع کتب ہے۔ جنات کا رجم اگرچہ مفسر آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد سے بتلا رہے ہیں لیکن زخمری کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ شیاطین کا رجم پہلے ہی ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ جاہلیت کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے البتہ اس میں شدت آنحضرت ﷺ سے شروع ہوئی معمر زہری سے بھی یہی نقل کرتے ہیں بلکہ لفظ ملئت سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ کثرت آنحضرت ﷺ کے وقت سے شروع ہوئی۔

شہاباً رصداً۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ رصداً مصدر بمعنی مفعول ہے اور لہ کا علق رصداً سے ہے۔ دوسرے مفسر رصداً مصدر بمعنی اسم فاعل مانتے ہیں۔

اشرارید۔ بعض کے نزدیک یہ قول جنات کا ہے اور بعض ابلیس کا کہتے ہیں۔

رشد سے ایمان اور شرک سے کفر مراد ہے شر میں رفع زیادہ بہتر ہے فعل مضمر کی وجہ سے۔

منادون ذلک۔ منا خبر مقدم اور دون مبتداء مؤخر ہے غیر کے معنی میں اور اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے اس پر فتح ہے یا مجزوف کی صفت ہے۔ ای ومنافریق دون ذلک اور موصوف سے من جمعیضیہ کا حذف بکثرت ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ مناظعن اور منا اقام ای منافریق ظعن۔

کنا طرائق اس میں کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ کنا ذوی طرائق ای ذوی مذاہب مختلفہ تقدیر عبارت ہوگی۔

۲۔ کنا فی اختلاف احوالنا مثل الطرائق المختلفہ تقدیر مانی جائے۔

۳۔ کنا فی طرائق مختلفہ تقدیر نکالی جائے۔

۴۔ تقدیر عبارت کانت طرائقنا قلا دھاو۔ بحذف المضاف اور ضمیر مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو۔

چنانچہ حضرت حسنؓ ہمدی کہتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی قدریہ، جبریہ، رافضیہ وغیرہ مختلف مذہبی گروہ ہوتے ہیں۔

فلا یخاف۔ ای فہو لا یخاف۔ پس یہ جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ورنہ فاحذف ہونی چاہئے تھی اور جواب شرط کی وجہ سے جزم آنا چاہئے تھا۔ لیکن اس تقدیر پر کیا فائدہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سورت تجویز کی؟ جواب یہ ہے کہ اس طرف کلام سے تحقیق و تاکید مقصود ہے کہ مومن ضرور مستحق نجات ہے اور مومن کے لئے نجات مخصوص ہے دوسرے کے لئے نہیں۔ لہو یخاف کے معنی یہ ہیں کہ غیرہ یکون خائفاً۔ شروع سورت میں انہ استمع صرف فتح ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انا سمعنا صرف کسرہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد وان المساجد میں صرف فتح ہمزہ ہے اور وانہ لما قام میں دونوں وجہیں ہیں۔ پس اس طرح کل مواقع سولہ ہوئے۔ جن میں سے دو جگہوں میں فتح واجب ہے اور ایک جگہ کسرہ واجب ہوا اور تیرہ جگہیں ایسی ہیں جہاں فتح کسرہ دونوں جائز ہیں۔ بارہ جگہیں مفسر علام نے بیان کی ہیں اور ایک جگہ ان کے بعد ”انہ لما قام“ ہے۔ ابو عمر اور نافع اور ابن کثیر اور ابو بکر کے نزدیک کسرہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ ”انا سمعنا“ پر عطف کرتے ہوئے گویا کل جملے ان کے اقوال کی حکایت ہے اور سب جملے مستقل ہیں۔ و بفتحھا

بما یوجہ بہ۔ یعنی فتح کی توجیہ جاری کرتے ہوئے فتح ہمزہ بڑھایا جائے گا اور فتح کی وجہ دو ہیں، ایک یہ کہ ”انہ استمع“ پر عطف کیا جائے۔ لیکن یہ وجہ انا لمسنا السماء اور انا کنا اور لاندری جیسے مواقع میں ٹوٹ جاتی ہے۔ جہاں ان کا عطف درست نہیں معنی غلط ہونے کی وجہ سے مگر پھر فتح پڑھا جا رہا ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں قول مقدر مان لیا جائے۔ ای اوحی قولہم ذلک اور دوسری توجیہ فتح کی یہ ہوگی کہ ان کا عطف بہ پر ہوگا۔ ”امنا بہ“ میں تقدیر جار کرتے ہوئے اور اُن ان میں حرف جر کی تقدیر قیاسی ہے یا جار مجرور کے محل پر عطف کیا جائے۔ ای صدقناہ و صدقناہ انہ تعالیٰ جدر بنا وانہ کان یقول سفیہنا۔

وان لو استقاموا۔ اس میں ان مخففہ ہے، ضمیر اسم محذوف ہے جس کا مرجع قریش اور جن وانس ہیں اگرچہ بعض حضرات اس کو ضمیر شان کہتے ہیں۔ لیکن ضمیر شان بے ضرورت ہے۔

یسلکہ۔ لفظ سَلَک مفعول ثانی کی طرف فی کے ذریعہ متعدی ہوا کرتا ہے اور یہاں براہ راست متعدی ہو رہا ہے۔ مفسر اس کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ بقول صاحب کشاف سَلَک دخل کے معنی کو متضمن ہے۔

صعداً بطور استعارہ بمعنی مشقت ہے۔

ان المساجد۔ یہ حصہ بھی منجملہ وحی کے ہے مساجد جمع مسجد ہے اور مسجد مصدر میسی اور ظرف دونوں بن سنا ہے اور ظرف کی صورت میں اعضاء تجود یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

وانہ لمقام۔ اس میں تجون کی طرف اشارہ ہے جہاں عبد اللہ بن مسعود بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ بارہ یا ستر ہزار جنات حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوئے یہ بیعت شق قمر کے موقع پر ہوئی۔ مفسر اگر چہ ظن نخلہ کا نام لے رہے ہیں تاہم اس سے پہلے بھی بطن نخلہ میں سات یا نو جنات حاضر خدمت ہوئے تھے۔

کادوا یکون علیہ لبداء۔ اس کا قرینہ ہے کہ تجون کی بیعت مراد ہے، جس میں جنات کا خم غیر حاضر ہوا تھا۔ لبداء کہتے ہیں ایک دوسرے پر تہہ برتہ ہونا۔ لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ لبداء کی جمع ہے، سدرۃ غرقہ کے وزن پر۔

قال انما ادعوا۔ عاصم، حمزہ کی قرأت پر قال کے بجائے قل ہے۔ غیوث سے خطاب کی طرف التفات کرتے ہوئے ادعوا مفسر نے الہا نکال کر اشارہ کیا ہے کہ ادعوا معنی اعتقد ہے اور رد مفعول کی طرف متعدی ہے اور اعيد کے معنی اگر لئے جائیں تو پھر اس تقدیر کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ضرا بطور مجاز مرسل ضر سے غمی مراد ہے سبب بول کہ مسبب مراد لیا گیا ہے۔

الا بلاغا۔ یہ ملتحدہ سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور فراء کی رائے یہ ہے کہ یہ استثناء نہیں ہے بلکہ شرط و جزاء ہے ای ان لا ابلغ بلاغا۔ ای ان لم ابلغ لم اجد من دونہ ملتجاء ولا معجیر الی۔ حتی اذا راوا۔ یہ غایت ہر حال مقدہ جو پہلے فی الدین سے مفہوم ہو رہا ہے کیونکہ خلود فی النار۔ دوام کفر کو مستلزم ہے کیونکہ ایمان سے خلود نار منقطع ہو جاتا ہے۔

فبعلمون۔ یہ اذا کا جواب ہے، اس آیت کے معنی مختلف ہیں اور آراء بھی مختلف ہیں۔ تاہم ظاہری معنی یہ نکل رہا ہے کہ مسجد میں دنیاوی گفتگو جائز نہیں ہے بلکہ درس و تدریس اور فیصلہ مقدمات کی اجازت بھی نہیں ہے حتیٰ کہ تلاوت یا ذکر اتنی جہر سے کہ نماز میں خلل انداز ہونا پسندیدہ اور موضوع مسجد سے خارج ہے اور بعض اہل علم نے اگر ان چیزوں کی اجازت دی ہے تو دنیا کی باتیں کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ اس آیت کی رو سے جب ذکر اللہ کے ساتھ دوسری باتیں جائز نہیں تو خاص دنیاوی باتیں کس طرح جائز ہوں گی۔ حدیث میں ہے۔ من تکلم بکلام الدنیا فی خمسۃ مواضع احبط اللہ من عبادۃ اربعین سنۃ۔ ۱۔ مسجد۔ ۲۔ تلاوت قرآن۔ ۳۔ وقت اذان۔ ۴۔ مجلس علماء۔ ۵۔ زیارت قبور۔ تفسیر زاہدی میں ہے کہ ان المساجد اللہ سے مراد مسجد حرام ہے کیونکہ وہ تمام مساجد کا قبلہ ہے اور بعض نے اس سے سجدہ کے اعضاء اور بعض نے سجدات مراد لئے ہیں اور سین محض تاکید کے لئے استیصال کے لئے نہیں ہے کیونکہ عذاب کے وقت بھی یہ علم حاصل رہتا ہے۔

من اضعف۔ من استفہامیہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور اضعف خبر ہے اور جملہ قائم مقام مفعولین کے لئے بعلمون کے اور من موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اضعف مبتداء محذوف ہو کی خبر ہے اور جملہ صلہ ہے اور عائد محذوف ہے ورنہ صلہ طویل ہو جاتا اور ناصرا انا اکثر منک مالا کی طرح تمیز ہے۔ ایسے ہی "اقل عددا" تمیز ہے مفسر کے قول اول سے مراد بذرا اور ثانی سے مراد قیامت ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین نے یعین نہیں کی۔ بلکہ دونوں صورتوں میں دونوں تو جیہیں ہو سکتی ہیں۔

قل ان ادوی۔ نصر بن حارت کے بواب میں کہا گیا ہے۔

اقرب۔ خبر مقدم ہے اور ما تو عدون مبتداء موخر ہے اور قریب مبتداء بھی ہو سکتا ہے استفہام پر اعتماد کی وجہ سے اور ما تو عدون اس کا فاعل ہے۔ ای اقرب الذی تو عدون جیسے کہا جائے اقام ابو ک اور ما تو عدون۔ میں ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ سوتب عائد محذوف ہوگا اور مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس میں عائد کی ضرورت ہی نہیں۔ زخشری کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ام یجعل لہ ربی امدا کے کیا معنی؟ کیونکہ آمد قریب اور بعید دونوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ تو دلوان بینہما و بینہ امداء بعیدا۔ میں بعید کے لئے استعمال ہے جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ و بعدہ قیامت کو قریب سمجھتے تھے۔ اس لئے آیت کے معنی یہ ہوں گے۔ ما ادوی

هو حال متوقع في كل ساعة ام مؤجل ضربت له غايه.

فلا يظهر على غيبه. معتزليه اور كراميه اس سے كرامات اولياء کے بطلان پر استدلال كرتے ہیں لیکن اہل حق کی طرف سے اس کے كئی جواب ہیں۔

۱۔ اول یہ ہے کہ بیان غیب سے مراد قیامت ہے جیسا کہ سیاق آیت دلالت کر رہا ہے پس ممكن ہے اللہ نے کسی پیغمبر یا فرشتہ کو اس کی اطلاع كردی ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رسول سے فرشتہ مراد ہو اور اظہار سے مراد بلا واسطہ ہو۔ پس كرامات اولياء اور ان کی اطلاعات مغیبات پر فرشتوں کی تلقین ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ شیخ اکبر فتوحات میں لکھتے ہیں یا خواب کے ذریعہ ہوتی ہوگی جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں۔

۳۔ شرح مقاصد میں ہے کہ غیب سے عام معنی مراد ہیں کیونکہ اسم جنس مضاف بمنزلہ معرف بالام کے ہوتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اصل میں مصدر ہو۔ ای لا یطلع علی غیبہ اجداد۔ پس یہ اس کے منافی نہیں کہ بعض کو بعض مغیبات کی اطلاع ہو جائے۔

۴۔ ولی کو معرفت ظن الغیب کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس کو علم غیب نہیں کہا جائے گا اور اس آیت میں پیغمبر کے علاوہ کے لئے علم غیب کے اعلام کی نفی کی گئی ہے اور ممكن ہے حق اس سے متجاوز نہ ہو اور تفسیر مدارک میں تاویلات سے نقل کیا گیا ہے کہ آیت میں مجتہدین کی تکذیب پر دلالت ہے۔ حالانکہ مجتہدین کی خبر صحیح نکلتی ہے اسی طرح اطباء نباتات کی طبیعت و تاثیر سے واقف ہوتے ہیں اور یہ باتیں نور و فکر سے ہرگز نہیں معلوم ہوتیں بلکہ کسی نبی پر یہ علم اترا ہوگا جو بعد میں باقاعدہ ایک فن مدون ہو گیا۔

فلا يظهر. ابن سنیح کی رائے یہ ہے کہ اللہ اپنے مخصوص علم کو پیغمبر کو عطا فرماتا ہے البتہ جو علم غیب مختص ہوتا ہے وہ انبیاء کے علاوہ اوروں کو بھی معلوم ہو سکتا ہے خواہ انبیاء کے توسط سے یا دلائل قائم کر کے اور ترتیب مقدمات کے ذریعہ یا بطریق الہام کے۔ حاصل یہ کہ اپنے پسندیدہ پیغمبر کو اللہ چاہے تو بعض مغیبات سے دے سکتا ہے۔

یسئلک من بین یدیه یعنی پیغمبر کو جب کوئی پوشیدہ راز بتلایا جاتا ہے تو فرشتے چاروں طرف سے اس کی حفاظت کرنے پر مامور كردیے جاتے ہیں شیطانی تصرف و گزند سے بچانے کے لئے اس آیت سے پیغمبروں کے لئے علم غیب متنازع فیہ پر استدلال كرنا كم فہمی ہے بلکہ اس سے تو اس کے خلاف ثابت ہو رہا ہے۔

لیعلم اللہ. اشکال یہ ہے کہ علم حادث کی غایت علم قدیم کس طرح ہو سکتا ہے مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ علم کا ظہور اور تعلق مراد ہے اور جواب میں یہ کہتے ہیں کہ لیعلم کی ضمیر پیغمبر کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ عبدالرزاق نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر جان لے کہ رسول نے اللہ کا پیغام دیا ہے اور مجاہد فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ جان جائے پیغمبر کی تکذیب کرنے والا کہ انہوں نے پیغام الہی پہنچا دیا۔

واحاط. مفسر تو علم مقدر پر عطف کر رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فلا یظهر پر عطف ہے۔ ای عالم الغیب فلا یظهر واحاط بما عند الرسول. البتہ چونکہ ماضی کا عطف مضارع پر مستحسن نہیں ہے، اس لئے مفسر نے قد مقدر مان کر جملہ حالیہ قرار دیا ہے۔ عدد ۱۱۔ یہ احصی کے مفعول سے تمیز ہے اور بعض نے اس کو حال کہا ہے۔ ای معدودا۔

رابط آیات: سورہ نوح میں قوم نوح کے کفر و عقوبت کا حال سنا کر معاصر کفار کو ڈرانا تھا ایمان نہ لانے پر اور اس سورہ جن میں جنات کے ایمان لانے کا بیان کر کے ایمان کی طرف ترغیب ہے جس میں توحید و رسالت و مجازات سب داخل ہیں گویا یہ تاثر دینا ہے کہ جب ناری الاصل مخلوق ایمان لے آئی تو ترابی الاصل مخلوق کو بطریق اولی ایمان قبول کرنا چاہئے۔

شان نزول:..... اس سورت کا شان نزول وہی ہے جو سورۃ احقاف کے آخر رکوع کی آیت واذا صرفنا الخ کی تمہید میں ذکر ہوا چکا ہے۔ بہر حال جب یہ جنات اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگے ”اننا سمعنا قرانا عجا لیا“ تو اس پر قل اوحی الی الخ آیات نازل ہوئیں۔ چند واقعات کا ذکر ضروری ہے جن کا تفسیر سے تعلق ہے۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں میں جا کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور کوئی عمومی بندش نہ تھی۔ مگر بعثت کے بعد سختی سے بندش کر دی گئی اور شہاب ثاقب کے ذریعہ مار بھگایا جانے لگا تو جنات میں تشویش ہوئی جس کی تفتیش میں نکلے تھے کہ آنحضرت ﷺ تک رسائی ہوگئی۔

۲۔ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کسی جنگل بیابان میں پڑاؤ ہوتا تو لوگ وہاں کے جناتی سردار سے پناہ چاہتے تھے۔

۳۔ آنحضرت ﷺ کی بددعا سے کئی سال تک مکہ معظمہ میں قحط رہا۔

۴۔ ابتدائی دعوت اسلام کے موقع پر مخالف کفار نے آنحضرت ﷺ پر ہجوم اور زعم کیا۔

ان المساجد للہ۔ بعض صحابہؓ نے مسجد نبوی کے دور ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ نماز پڑھنے پر معذرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان المساجد کلھا للہ۔ اس پر تائید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:..... نبی کریم ﷺ صبح کی نماز میں قرآن کریم پڑھ رہے تھے کچھ جنات کا گزر ہوا تو قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو بھی شوق دلایا کہ ہم نے عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو اپنی تاثیر سے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ معرفت الہی کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم نے تو سنتے ہی اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ یقیناً یہ کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اس کے بعد بھی کئی بار خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے قرآن سیکھا۔

وانہ تعالیٰ۔ یہاں سے آخر سورت تک جہاں جہاں تک ان آ رہا ہے اس میں ایک قرأت کسرہ کی ہے۔ اس صورت میں قالوا کے معمول ہو جائیں گے۔ لیکن فتح کی قرأت پر بقرینہ قالوا سب جگہ اذ کی وامقدرا مانا جائے گا اور سب اس کے معمول ہو جائیں گے۔ ان دونوں وجہوں پر جنات کا کلام ہونے کی وجہ سے حاصل ایک ہی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی مذہبی گروہ بندی تھی اور انسانوں کی طرح مختلف نظریات رکھتے تھے۔

سفہینا۔ اللہ کی شان میں ایسی بے ہودہ فضول باتیں اپنی طرف سے بے وقوف کہہ سکتا ہے ان سب میں شیطان بڑا بے وقوف ہے ممکن ہے یہاں وہی مراد ہو، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سب انسان اور جنات کی اتنی بڑی تعداد اللہ کی جناب میں جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہیں کریں گے جبکہ ان میں بہت سے یقیناً دانشمند بھی ہوں گے بس اس فریب سے ہم مغالطہ میں آ گئے لیکن قرآن سن کر یہ تاریکی چھٹی اور ایسی اندھی تقلید سے نجات ملی۔

انسان پہلے جنات سے ڈرا کرتے تھے:..... وانہ کمان رجال۔ دور جاہلیت میں جنوں سے غیب کی خبریں معلوم ہونا جانے کا غلط عقیدہ ذہنوں میں جما ہوا تھا ان کو خوش کرنے کے لئے بھینٹ بھی چڑھایا کرتے تھے اور جنات کے سرداروں سے پناہ بھی چاہا کرتے تھے، جس سے جنات کی سرگردانی اور بھی بڑھ گئی تھی اور وہ سر چڑھنے لگے تھے اور اس طرح خود انسانوں کی گمراہی اور شرک

میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ بالآخر قرآن نے آ کر ان سب خرابیوں کی جزا کا فیصلہ کر دیا کہ کس طرح مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر ہو اور یہ کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا جتنے آچکے، بس آچکے۔ بہت سے انسان بھی انہیں باتوں کے قائل تھے مگر اب قرآن سن کر پتہ چلا کہ خدا نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو عقیدہ قیامت کا اعلان کرتا ہے۔ جس میں رتی رتی کا حساب دینا ہو گا چنانچہ آسمان کے قریب حسب معمول پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوتے ہیں اب غیب کی خبریں سننا تو کیا معنی؟ کسی کو پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا ہے۔ جو ارادہ بھی کرتا ہے اسے انکارے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

شبہات کا ازالہ: وانا کنا نقعد۔ یہ مواقع آسمان کے اجزاء کے ہوں یا ہوا کے اجزاء کے یا کسی ملاء اور خلاء کے ہوں اور جنات اپنی لطافت اور ثقل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر اس طرح ٹھہر سکتے ہیں جیسے ہوا میں پرندے چلتے پھرتے ٹھہر جاتے ہیں۔ پہلے اتنی روک ٹوک اور سختی نہ تھی، کچھ پابندی کے باوجود گھات لگا کر کچھ سن آیا کرتے تھے مگر اب نا کہ بندی کا یہ حال ہے کہ جہاں کسی نے ذرا ارادہ کیا اور شہاب ثاقب کے آتشیں گولوں نے اس کا تعاقب کیا۔

آیت فمن يستمع الان۔ پھر اگر یہ شبہ ہو کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی تو شہاب بنتے تھے پھر تحقیق کیسی؟ جواب یہ ہے کہ پہلے اسباب طبعیہ کے ماتحت شہاب بنتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے بعد فرشتوں کا ان میں تصرف اور شیاطین اور جم کرنا یہ خصوصی اثر مراد ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آخر یہ جدید انتظامات اور سخت پہرے خدا جانے کس مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ قرآن کا نازل ہونا اور پیغمبر عربی کا آنا ان کا سبب ہو۔ یہ تو ہماری سمجھ میں بھی آتا ہے مگر نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ لوگ قرآن کی ہدایات قبول کر کے راہ راست پر آجائیں گے اور اللہ کی خصوصی عنایات کے مستحق بنیں گے یا ان سے روگردانی کر کے باداش کے طور پر تباہ و برباد ہوں گے؟ اس کا حال اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے، شاید اس سے علم غیب کی نفی کی تقویت مقصود ہو لوگ تو علم غیب کی نسبت جنات کی طرف کرتے ہیں حالانکہ ہمیں اتنی بھی خبر نہیں ہے۔ جس طرح قرآن سے پہلے سب کی راہ ایک نہیں تھی، لوگ اچھے بروں میں بٹے ہوئے تھے، ہر ایک کی راہ الگ الگ تھی، اب قرآن آنے کے بعد سب کو نیک اور ایک ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن ہو گا اب بھی وہی کہ لوگ فرقوں میں بٹ جائیں گے تاہم یہ یقین کر لینا چاہئے کہ اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ کہیں زمین میں چھپ کر، نہ ادھر ادھر بھاگ کر، نہ ہوا میں اڑ کر۔

قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دو طرح کے ہو گئے: وانا لما سمعنا جنات میں اللہ نے سب سے پہلے ہمیں ہی قرآن سننے اور پیغمبر پر ایمان لانے کا موقع عنایت فرمایا ایک منٹ کی بھی دیر نہیں کی اللہ کے ہاں سچے ایماندار کے لئے کوئی کھٹکا نہیں اور نہ اس کی نیکی ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے اور نہ ہی ظلم و زیادتی کا امکان ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی غرض ایماندار آدمی نقصان، ذلت و رسوائی سب سے محفوظ ہے۔ بہر حال قرآن نازل ہونے کے بعد دو طرح کے لوگ ہو گئے۔ ایک پیغام الہی قبول کرنے والے اور سمع و طاعت سے گردن جھکانے والے یہ تو تلاش حق میں کامیاب کہلائیں گے۔ اور ایک وہ ہیں جنہوں نے نا انصافی اور کجروی کا راستہ اختیار کیا اور احکام الہی کی فرمانبرداری سے انحراف کیا یہ جہنم کے کندے اور دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

وان لو استقاموا۔ اس سے پہلے جنات کی گفتگو نقل کی گئی تھی اور یہاں سے حق تعالیٰ کی نصائح ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ انسان و جنات اگر سیدھی راہ چلتے ہیں تو ایمان و طاعت کی بدولت ان کے لئے ظاہری و باطنی برکات کی سیرابی ہے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہے کہ آیا نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر نعمت بجالاتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ

آنحضرت ﷺ کی بددعا سے اس وقت اہل مکہ قحط سالی کی گرفت میں آ گئے تھے۔ تنبیہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر اب بھی اپنی شرارت و سرکشی سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چل نکلیں تو ہم بارانِ رحمت سے ملک کو سرسبز و شاداب کر سکتے ہیں ورنہ اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکا بلکہ وہ ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہے۔

اسلام کا دوسرے مذاہب سے امتیاز:..... وان المساجد اور یاد الہی کے لئے یوں تو کسی جگہ کی تخصیص نہیں ہے۔ ساری زمین ہی اس امت کے لئے مسجد بنادی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح مندر اور گرجا کی قید نہیں ہے، یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ عبادت کے لئے ہر جگہ سر جھکا سکتی ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابة موقوتا۔ زمان عبادت تو اس امت کے لئے خاص ہے۔ مگر حدیث جعلت لی الارض کلھا مسجداً او طھورا کے لحاظ سے مکان عبادت میں تعیم ہے۔ تاہم عبادت ہی کے لئے جو مکان مسجد کے نام سے خاص کئے جائیں ان کو اور زادہ امتیاز اور شرف حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا ظلم عظیم اور بدترین شرک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید ہر جگہ ہے، شرک کی اجازت کہیں بھی نہیں بالخصوص مساجد جو اللہ کے نام تنہا اسی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس میں شرکیہ راگ الاپنا حد درجہ گمراہی ہے۔ بعض مفسرین ”مساجد“ سے مراد وہ اعضاء لیتے ہیں جو عبادہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ خدا کے بنائے ہوئے اعضاء کو اور کے آگے کیوں جھکاتے ہو سر اللہ ہی کے آگے جھکنا چاہئے اور ہاتھ اسی کے آگے ٹیکنا چاہئیں۔

پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے:..... وانہ لما قام۔ محمد رسول اللہ ﷺ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں۔ مومنین تو قرآن سننے کے شوق و ذوق میں اور کفار عناد میں بجوم کرتے ہیں آپ کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر بھیڑ کیوں کرتے ہو میں کوئی بری، نامعقول بات تو نہیں کہتا صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں گردانتا اس میں لڑنے جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ پھر بھی یاد رکھو، میرا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہے جو ہر قسم کی دوزی سے پاک اور بے نیاز ہے اس لئے مجھ پر تمہارے اس بجوم کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ میں اپنے طریقہ سے دستبردار ہو جاؤں۔ یہ صحیح ہے کہ میرے اختیار میں نہیں کہ تم سب کو راہ پر لے آؤں یا نہ آنے کی صورت میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا دوں؟ یہ سب باتیں اللہ کے قبضہ کی ہیں۔ تمہارا نفع نقصان تو بجائے خود، میں تو خود اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں بالفرض میں اگر اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو نہ اللہ سے مجھے کوئی بچا سکتا ہے اور نہ کہیں بھاگ کر جاسکتا ہوں۔ میرے اختیار میں بس اس نے یہ دے رکھا ہے کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں اسی فرض کی بجا آوری پر اس کی حمایت و پناہ میں رہ سکتا ہوں البتہ اللہ کی اور میری نافرمانی سے تمہیں نقصان ضرور پہنچے گا۔

ابلاغ اور رسالت میں فرق:..... ابلاغ اور رسالت میں تحقق کے لحاظ سے عموم خصوص من وجہ ہے اگر ایک حکم کا اعلان کیا جائے اور دوسرے احکام کا اعلان نہ ہو تو ابلاغ متحقق ہوگا رسالت متحقق نہ ہوگی اور اگر سب احکام خاص خاص لوگوں کو پہنچا دیئے جائیں مگر عام اعلان نہ ہو تو رسالت کا تحقق ہوگا، ابلاغ کا نہیں اس لئے دونوں کو جمع کر کے بتلادیا کہ نبی کے ذمہ تمام احکام کا عام طور پر پہنچانا واجب ہے۔

علم غیب کی بحث:..... حتی اذا راوا۔ تم یہ سمجھ کر کہ محمد ﷺ کے ساتھی بہت تھوڑے سے ہیں اور وہ بھی کمزور، مجھ پر بجوم کرنے کے چڑھ آتے ہو تو یاد رکھو، وقت آئے گا جب تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور کم تعداد ہیں؟ رہا یہ کہ یہ وعدہ کب پورا

ہوگا جلد یا بدیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا، قیامت کا نپا تلا وقت اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان مغیبات میں سے ہے جو اللہ کے لئے مخفی ہیں وہ اپنے پورے بھید کسی کو نہیں دیتا ہاں! جو اس کے رسول ہیں ان کے منصب کے شایان شان بھیدوں کی خبر وحی کے ذریعہ ان کو دے دیتا ہے۔ خواہ وہ نبوت کے لئے متعلق ہوں۔ جیسے: پیشین گوئیاں خواہ فروغ نبوت سے ہوں جیسے علوم احکام اور وحی بڑے محفوظ طریقہ سے ان کو دی جاتی ہے۔ جس میں نہ بیرونی شیطانی کا دخل ہے اور نہ اندرونی نفسانی آمیزش ہے انبیاء کے علوم میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اور وہی معلومات میں کئی طرح کے احتمالات ہو سکتے ہیں اس لئے محققین صوفیاء کہتے ہیں کہ وہی اپنے کشف والہام کو قرآن و سنت پر پیش کرے موافقت کی صورت میں قابل قبول ورنہ قابل رد۔ علم غیب پر آیت و ماسکان اللہ لیطلبکم علی الغیب الخ (آمل عمران) اور آیت ان اللہ عنده علم الساعة الخ وغیرہ کے مواقع پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔

وحی کی حفاظت: لیعلم ان قد ابلھوا۔ یعنی اتنے زبردست انتظامات اس لئے نہیں کہ اللہ دیکھ لے کہ فرشتوں اور پیغمبروں دونوں نے اپنے اپنے فرائض بلا کم و کاست ٹھیک ٹھیک انجام دیئے ہیں یوں ہر چیز اللہ کے قبضہ اور حکمرانی میں ہے وحی الہی میں تغیر و تبدل کا امکان ہی نہیں، تاہم یہ چوکی، پہرے، شان حکومت ظاہر کرنے اور سلسلہ اسباب کی حفاظت کے لئے بہت سی حکمتوں کے پیش نظر ہے ورنہ اللہ کو کچھ حاجت نہیں ہے آنحضرت ﷺ کے محافظ پہرہ دار چار تھے۔

یسئلک۔ میں چوری اور القباس سے حفاظت مقصود ہے اور احاطہ سے وسائط کی حفاظت بلحاظ صلاحیت مراد ہے اور احصیٰ سے نسیان سے حفاظت مقصود ہے۔ بس اس طرح اول سے آخر تک سب حفاظتیں آگئیں۔ حاصل یہ نکلا کہ قیامت کا علم نبوت کے علوم میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کا نہ ہونا نبوت میں رخنہ انداز نہیں اور نہ قیامت کے نہ واقع ہونے کو مستلزم ہے۔ البتہ آپ کو علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور وہی مقصد بعثت ہیں ان میں احتمال خطا نہیں ہے اس لئے ان سے مستفید ہونا چاہئے اور زوائد کی تحقیق میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جنات کی تحقیق آ کام المرجان اور تفسیر عزیزی میں ملاحظہ کی جائے۔

لطاائف سلوک: انہ کان رجال۔ اس سے ان لوگوں کی مذمت واضح ہے جو خود کو زبردستی صوفیاء میں شمار کرتے ہیں اور

ایسے ایسے تعویذات و عملیات میں مشغول رہتے ہیں جن میں جنات اور موکلوں کو نداء کی جاتی ہے اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

قل انی لا املک۔ اس سے آنحضرت ﷺ کے قدرت مستقلہ اور علم محیط کی نفی صراحتہ معلوم ہو رہی ہے پھر دوسرے تو کس شمار میں ہیں۔

سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ

سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ أَوَّلًا قَوْلُهُ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ إِلَى آخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ تِسْعَ عَشْرَةَ أَوْ عَشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ النَّبِيُّ وَاصِلُهُ الْمُزَّمِّلُ أَدْعَمَتِ النَّاءُ فِي الزَّائِ أَيْ الْمُتَلَفِّفُ بِشَيْبِهِ حِينَ مَجِئِ الْوَحْيِ لَهُ خَوْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهِ قُمْ أَلِيلَ صَلِّ الْأَقْلِيلَا ﴿٢﴾ نَصْفَةَ بَدَلٍ مِنْ قَلِيلًا وَقَلَّتْ بِالنَّظَرِ إِلَى الْكُلِّ أَوْ انْقُصَ مِنْهُ مِنَ النِّصْفِ قَلِيلًا ﴿٣﴾ إِلَى الثَّلَاثِ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ إِلَى الثَّلَاثِينَ وَأَوَّلِ التَّخْيِيرِ وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَنَبَّتْ فِي تِلَاوَتِهِ تَرْتِيلًا ﴿٤﴾ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴿٥﴾ مَهِيًا أَوْ شَدِيدًا لِمَافِيهِ مِنَ التَّكَايُفِ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ الْقِيَامَ بَعْدَ النَّوْمِ هِيَ أَشَدُّ وَطَأُ مُوَافَقَةُ السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلَى تَفْهَمِ الْقُرْآنِ وَأَقْوَمُ قِيلًا ﴿٦﴾ آيِنُ قَوْلًا إِنَّ لَبَّ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا ﴿٧﴾ تَصَرُّفًا فِي إِشْغَالِكَ لَا تَفَرُّغُ فِيهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ أَيْ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي ابْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ وَتَبَتَّلْ انْقَطِعْ إِلَيْهِ فِي الْعِبَادَةِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾ مَصْدَرُ تَبَتَّلَ جِئَ بِهِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلَزُومُ التَّبَتُّلِ هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ مَوْكُولًا لَهُ أُمُورُكَ وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ أَيْ كُفَّارُكُمْ مِنْ أَذَاهُمْ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ لَا جَزَعَ فِيهِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِقِتَالِهِمْ وَذَرْنِي أَتْرُكْنِي وَالْمُكْذِبِينَ عَطَفْتُ عَلَى الْمَفْعُولِ أَوْ مَفْعُولٍ مَعَهُ وَالْمَعْنَى أَنَا كَافِيكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيدُ قُرَيْشٍ أُولَى النِّعْمَةِ الْتَعَمُّ وَمَهْلَهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾ مِنَ الزَّمَنِ فَقْتُلُوا يَغْدُ يَسِيرُ مِنْهُ يَبْدُرُ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا قِيُودًا ثِقَالًا جَمْعُ يَكْلٍ يَكْسِرُ النَّوْنُ وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ نَارًا مُحَرَّقَةً وَطَعَامًا ذَاغَصَةً يَغْصُ بِهِ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الرُّقُومُ أَوْ الصَّرِيْعُ أَوْ الْغَسْلِيُّنُ أَوْ شَوْكٌ مِنْ نَارٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يَنْزِلُ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ مُؤَلِّمًا رِيَادَةً عَلَى مَا ذَكَرْ لِمَنْ كَذَبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ تَرْجُفُ تَزَلْزَلُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَحِيبًا رَمَلًا مُجْتَمَعًا مَهِيلًا ﴿١٤﴾ سَائِلًا بَعْدَ اجْتِمَاعِهِمْ وَهُوَ مِنْ هَالٍ يَهِيلُ وَأَصْلُهُ مَهِيلٌ لُ اسْتَقْلَبَتِ الضَّمَّةُ إِلَى الْيَاءِ فَنُقِلَتْ إِلَى

الْهَاءِ وَحُذِفَتِ الْوَاوُ ثَانِي السَّاكِنِينَ لِرِزَادَتِهَا وَقُلِبَتِ الضَّمَّةُ كَسْرَةً لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ يَا
 أَهْلَ مَكَّةَ رَسُولًا هُوَ مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا يَصْدُرُ مِنْكُمْ
 مِنَ الْعَصِيَانِ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ وَهُوَ مُوسَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَعَصَى
 فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾ شَدِيدًا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ فِي الدُّنْيَا يَوْمًا
 مَفْعُولٌ تَتَّقُونَ أَيَّ عَذَابِهِ أَيَّ بَائٍ حِصْنٍ تَحْصِنُونَ مِنْ عَذَابٍ يَوْمٍ ^{لَوْ كُنْتُمْ} يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ جَمْعُ
 أَشْيَبٍ لَشِدَّةٍ هَوْلِهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَالْأَصْلُ فِي شَيْبٍ شَيْبٌ الضَّمُّ وَكُسِرَتْ لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي
 الْيَوْمِ الشَّدِيدِ يَوْمٌ يَشِيبُ نَوَاصِي الْأَطْفَالِ وَهُوَ مُحَازٌ وَيَحُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُّ فِي الْآيَةِ الْحَقِيقَةُ
 فِي السَّمَاءِ مُنْفَطِرًا ذَاتُ انْفِطَارٍ أَيَّ انْشِقَاقٍ بِهِ بِذَلِكَ الْيَوْمِ لَشِدَّتِهِ كَانَ وَعْدُهُ تَعَالَى بِمَجِيءِ ذَلِكَ
 الْيَوْمِ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ أَيُّ هُوَ كَائِنٌ لَا مُحَالَةَ إِنَّ هَذِهِ الْآيَاتِ الْمُخَوِّفَةِ تَذَكُّرَةٌ عِظَّةٌ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ
 اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ طَرِيقًا بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَى أَقْلٍ مِنْ ثُلثِي
 اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ بِالْجَرِّ عَطَفٌ عَلَى ثُلْثِي وَبِالنَّصْبِ عَطَفٌ عَلَى أَدْنَى وَقِيَامُهُ كَذَلِكَ نَحْوَمَا أَمَرَهُ
 أَوَّلُ السُّورَةِ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ عَطَفٌ عَلَى ضَمِيرِ تَقُومُ وَجَازٌ مِنْ غَيْرِ تَاكِيدٍ لِلْفَصْلِ وَقِيَامُ
 طَائِفَةٍ مِنَ أَصْحَابِهِ كَذَلِكَ لِلتَّاسِي بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى مِنَ اللَّيْلِ وَكَمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ
 يَقُومُ اللَّيْلَ كُلَّهُ احْتِيَاطًا فَقَامُوا حَتَّى انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ سَنَةً أَوْ أَكْثَرَ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاللَّهُ
 يُقَدِّرُ يُحْصِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مُحْدَوَةٌ أَيُّ أَنَّهُ لَنْ تُحْصَوْهُ أَيُّ
 اللَّيْلِ لَتَقُومُوا فَيَمَاجِبُ الْقِيَامِ فِيهِ الْإِبْقِيَامُ جَمِيعِهِ وَذَلِكَ يَشْقُ عَلَيْكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ إِلَى
 التَّخْفِيفِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ بِأَنْ تُصَلُّوا مَا تَيَسَّرَ عَلِمَ أَنْ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ أَيُّ
 أَنَّهُ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضًى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يُسَافِرُونَ يَتَسَفَّحُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ
 يَطْلُبُونَ مِنْ رِزْقِهِ بِالتَّجَارَةِ وَغَيْرِهَا وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَكُلٌّ مِنَ الْفِرَقِ الثَّلَاثِ يَشْقُ
 عَلَيْهِمْ مَا ذَكَرَ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نَسَخَ ذَلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فَاقْرَءُوا
 مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ لَكُمْ تَقَدَّمَ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَءُوا اللَّهَ بِأَنْ تُنْفِقُوا
 مِمَّا سَوَى الْمُفْرُوضِ مِنَ الْمَالِ فِي سَبِيلِ الْخَيْرِ قَرْضًا حَسَنًا عَنْ طَيْبِ قَلْبٍ وَمَا تَقَدَّمُوا لَأَنْفُسِكُمْ مِنْ
 خَيْرٍ تُجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ مِمَّا خَلَفْتُمْ وَهُوَ فَضْلٌ وَمَا بَعْدَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةً يَشْبَهُهُ لَا مِتَابَعَهُ

ع
۱۳

مِنَ التَّعْرِيفِ وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۴۳﴾ لِلْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ:..... پوری سورۃ مزمل مکہ ہے۔ بجز آیت ان ربک السخ کے مکہ ہے اور یہ آیت مدنیہ ہے۔ کل آیات ۱۹ یا ۲۰ ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (نبی، منزل دراصل منزل تھا، تا کو از اسے بدل کر ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت مارے ہیبت کے چادر اوڑھنے والا) رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی (تہائی) رات یعنی آدھی رات (یہ قلیل سے بدل ہے اور آدھی رات کو قلیل کہنا تمام رات کے اعتبار سے ہے) یا آدھی رات سے کچھ گھٹا کر (تہائی رات تک) یا آدھی رات سے کچھ بڑھا کر (دو تہائی رات تک) او تحیر کے لئے ہے) اور قرآن کو خوب صاف صاف (مٹھر مٹھر کر) پڑھا کرو۔ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (جو پر ہیبت اور سخت ہوگا تکالیف کے لحاظ سے) بلاشبہ رات کو (سونے کے بعد) اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے (قرآن کے سمجھنے میں سننے کی اور دل کی موافقت رہتی ہے) اور بات خوب ٹھیک (نکھر کر) نکلتی ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے (کاموں کے ہجوم میں تلاوت کا موقعہ نہیں ملتا) اور اپنے رب کا نام لیتے رہئے (قرأت شروع کرنے سے پہلے بسم الله الرحمن الرحيم پڑھئے) اور (عبادت کے وقت) سب سے الگ تھلک ہو جائیے (متصل کا مصدر ہے، فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے اس وزن پر لایا گیا ہے) تسلسل کا ملزوم ہے، وہ (شرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اسی کو اپنا کارساز کہئے) (سب کام اسی کے حوالہ کیجئے) اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اہل مکہ آپ کو ستاتے ہیں) ان پر آپ صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ آپ ان سے الگ ہو جائیے (جس میں حرف شکایت زبان پر نہ آئے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں (ان کا مفعول بہ پر عطف ہے یا یہ مفعول معہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں ان قریشی سرداروں سے ٹھنسنے کے لئے کافی ہوں) ناز و نعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے اور ان لوگوں کو کچھ دنوں کی اور مہلت دے دیجئے (چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد غزوہ بدر میں قریشی سردار مارے گئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں (وزنی انکسالی جمع ہے نکل بکسر نون کی) اور دوزخ (کی جلانے والی آگ) ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (جو گلے میں پھنسا لگا دے۔ زقوم یا ضریح یا غسلین یا آگ کے کانٹے مراد ہیں جو نہ نکلیں اور نہ اتریں) اور دردناک عذاب ہے (تکلیف دہ، مذکورہ مصیبتوں سے بڑھ کر پیغمبروں کو جھٹلانے والے کے لئے) جس دن کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں اور پہاڑ ریگ روال (ریت کا تودہ) ہو جائیں گے۔ (جو جمع ہو کر بہہ جائے گا۔ مہیلا باب ضرب سے ہے دراصل مہیول تھا یا پرمضہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ہنا کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے پھر اجتماع ساکنین ہوا۔ داؤد اند ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور یہاں کی مناسبت سے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا ہے) بے شک ہم نے (مکہ والو) تمہارے پاس ایک ایسے رسول (محمد ﷺ) بھیجے ہیں جو تم پر گواہی دیں گے (قیامت میں جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہوں گے) جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پس فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑ، پکڑ لیا۔ سو اگر تم نے (دنیا میں) کفر کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے (نہ سو، تنقون کا مفعول ہے یعنی اس دن کے عذاب سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس دن کے عذاب سے بچ کر کس قلعہ میں پناہ لو گے) جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا (شیبا، اشیب کی جمع ہے، بوڑھا ہونا ہول دلی سے ہوگا قیامت کا دن مراد ہے شیب کا شین اصل میں مضموم تھا۔ لیکن یا کی مناسبت سے اس پر کسرہ آ گیا سخت دن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے بچوں کو بوڑھا بنا دیا۔ یہ مجاز ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں ہیئتہ بوڑھا کر دینا مراد ہو) جس میں آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) اس (دن کی سختی کی وجہ سے) بلاشبہ

اللہ کا وعدہ (اس عذاب کے آنے میں) ضرور ہو کر رہے گا (اسے کوئی ٹلا نہیں سکتا) یقیناً یہ (ڈرانے والی آیات) نصیحت (مخلوق کے لئے موعظت) ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف (ایمان و طاعت) کا راستہ اختیار کر لے۔ آپ کے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات (جر کے ساتھ فلتی پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ادنیٰ پر عطف ہے اور آنحضرت ﷺ کا قیام لیل بھی اسی کے مطابق تھا۔ جس کا حکم شروع سورت میں ہو چکا ہے) اور آپ کے ساتھیوں میں سے بعض آدمی کھڑے رہتے ہیں (طائفۃ کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہو رہا ہے اور ضمیر متصل کی تاکید کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ میں فاصلہ ہو گیا اور آپ کے اقتداء میں بعض صحابہ بھی رات کو ویسے ہی قیام کر لیا کرتے تھے۔ لیکن بعض صحابہ کو چونکہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنی رات گئے تک نماز پڑھی اور کتنی رات رہ گئی، اس لئے احتیاطاً سناری رات کھڑے نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاؤں پر دم آ جاتا۔ ایک سال یا ایک سال سے زائد یہ سلسلہ رہا، پھر ان پر تخفیف کر دی گئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) دن رات کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو معلوم ہے کہ (ان مخفہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای انہ) تم اس کو منضبط نہیں کر سکتے (یعنی رات کے قیام کے لئے صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے تمام رات کھڑے رہتے ہیں جس سے تمہیں دشواری ہوتی ہے) تو اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (تمہیں سہولت دے کر) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (نماز میں یعنی جتنی نماز پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) اللہ کو معلوم ہے کہ (ان مخفہ ہے ای انہ) تم میں بعض بیمار ہوں گے اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے (تجارت وغیرہ کر کے روزی حاصل کریں گے) اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اور تینوں قسم کے لوگوں پر مذکورہ قیام لیل دشوار ہوگا۔ اس لئے سہولت کے مطابق قیام کی اجازت دے کر سہولت دے دی۔ پھر پنج وقتہ نمازوں کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا) سو تم لوگ جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور (فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض دو (یعنی فرض کے علاوہ بھی خیر کے کاموں میں مال خرچ کیا کرو۔ اچھی طرح (خوش دلی سے) اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس پہنچ کر۔ اس سے اچھا (جو تم نے مال چھوڑا ہے۔ ہو ضمیر فصل ہے اور مابعد اگرچہ معرفہ نہ ہو سکنے میں معرفہ کے مشابہ ہے) اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو۔ بلاشبہ اللہ (مؤمنین کے لئے) غفور رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب: المزمل حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ یا ایہا المزمل بالنبوة والمدثر بالرسالة اور عکرمہ سے یہ معنی بھی منقول ہیں کہ یا ایہا الذین زمل هذا الامر یعنی پہلے اس کو اٹھایا، پھر ست ہو گیا۔

۲۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ یا ایہا المزمل بالقرآن۔

۳۔ قتادہ کہتے ہیں۔ یا ایہا المزمل بشیابہ

قم الیل۔ قیام سے تہجد کے لئے اٹھنا اور تہجد پڑھنا ہے۔

اوزد علیہ۔ ای علی النصف علی الثلثین۔ غرض کہ آدھی رات یا کم و بیش وقت تک نوافل پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ الا قلیلاً کل رات کے اعتبار سے نصف کو قلیل کہا گیا ہے اور نصفہ بدل ہے۔ لیل سے اور الا قلیلاً استثناء ہے۔ ای نصف اللیل الا قلیلاً من النصف حاصل یہ ہے کہ یا نصف شب قیام کیجئے یا اس سے کم و بیش اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منہ اور علیہ کی ضمیریں اقل من النصف یعنی ثلث کی طرف راجع ہوں۔ اب اختیار ثلث اور اس سے کم یعنی ربع اور اس سے زائد یعنی نصف کے

درمیان رہے گا۔ لیکن اولیٰ اور صواب وہی ہے جو مفسر نے سلف کے مطابق اختیار کیا ہے چنانچہ ابن حجر کہتے ہیں کہ طبری نے اس پر جزم کیا ہے اور ابن ابی حاتم، عطاء، خراسانی سے یہی معنی نقل کئے ہیں۔

رتل القرآن ترتیلاً۔ ترتیل کہتے ہیں ٹھہر ٹھہر کر الگ الگ حروف ظاہر کر کے پڑھنا اور اصطلاح تجوید میں تدویر کہتے ہیں ترتیل کے مقابلہ میں روانی کے ساتھ پڑھنے کو اور حذر کہتے ہیں بہت جلد اور تیز پڑھنا۔ مگر اس طرح کہ حروف کٹنے نہ پائیں اور مخارج و صفات کی رعایت رہے۔ یا ایہا المزمحل میں خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے۔ مگر حکم میں آپ کے ساتھ امت بھی ہے۔ اللہ نے رات کے قیام کا حکم دیا اور مقدار قیام میں اختیار دے دیا اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ترتیل میں وقوف اور مخارج کی رعایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور قیام میل سے مراد اگرچہ تہجد ہے تو وہ ابتداء اسلام میں واجب بلکہ بقول کشاف فرض تھا۔ بعد کی آیات سے فرضیت منسوخ ہو کر استحباب رہ گیا اور حسن فرماتے ہیں کہ تنہائی رات کا قیام فرض تھا یا واجب اور اختیار کا تعلق مقدار سے ہے۔ پھر دس سال بعد وہ بھی منسوخ ہو گئی کبھی کہتے ہیں کہ پہلے صبح تک صحابہ قیام میل فرماتے تھے اور بعض حضرات پہلے ہی سے تہجد کو نقل کہتے ہیں جس کا قرینہ اختیار ہے۔ نیز اگلی آیت فہو جسد بہ ناسفۃ لک سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔

قولا ثقیلاً۔ قائد فرماتے ہیں کہ واللہ قرآن کے فرائض و صدور ثقیل ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے احکام حلال و حرام ثقیل ہیں۔ مقاتلؓ اور نوای اور صدوقی وجہ سے قرآن کو ثقیل کہتے ہیں اور بعض ثقیل کے معنی کریم لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قرآن ثقیل ہے دلیل کے لئے اگر توفیق نہ ہو اور نفس اگر مرکزی نہ ہو تو اس کو اٹھانیں سکتا اور بعض نے وحی مراد لی ہے۔

ناشئة اللیل۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ عافیہ کی طرح ناشیۃ مصدر ہے۔ منشاء بمعنی قام و نهض۔

وطاً کسر واو اور فتح طاء کے ساتھ۔ ابو عمرو۔ ابن عامر کی قرأت پر مد کر کے پڑھا گیا ہے۔ مواطاۃ بمعنی موافقت قرآن نبوی کے لئے زبان اور کان دونوں ہی کی موافقت دل سے ہونی چاہئے اور وہ دن کے مقابلہ میں رات کو زیادہ ہوتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ ان تواطو اسمعک و بصرک و قلبک بعضہ بعضاً۔ دوسری قرأت باقی قرأت کی فتح واو اور سکون کے ساتھ ہے۔ یعنی کھفت و مشقت یعنی رات کو نماز پڑھنا دن کے مقابلہ میں دشوار ہے۔ حدیث میں ہے۔ اللہم و اشد دو طشک علی مضر۔ و اقوم قلیلاً۔ رات میں سکون کی وجہ سے الفاظ صاف سنائی دیتے ہیں۔

واذکر اسم ربک۔ زخمریؓ کہتے ہیں۔ دم علی ذکر کی اسی طرح ذکر بھی عام ہے، تسبیح و تہلیل، تکبیر تلاوت قرآن کو۔ و تبتل الیہ تبخیلاً۔ بتل کے معنی دنیا سے دل برداشتہ ہونے کے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا سے بالکلیہ منقطع ہو کر اللہ سے لو لگا لینا۔ باب تفعیل فو اصل آیات کی رعایت سے لایا گیا۔ تبعیل کے لئے بتیل لازم ہے۔ بتول اس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں سے بالکل بے توجہ ہے، اور نیشاپوریؓ کہتے ہیں کہ ”و تبتل نفسک“ نہیں کہا گیا۔ کیونکہ بتیل خود مقصود بالذات ہے اس لئے پہلے بتیل میں مقصود بالذات کو ظاہر کر دیا۔ پھر آگے وب المشرق سے باعث بتیل کو بتلادیا۔ مفسر لفظ مصدر سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ دو وجہ سے لفظ تبعیل لایا گیا۔

۱۔ لفظی اعتبار سے تو اصل کی گئی۔

۲۔ اور معنوی لحاظ سے تبخیلاً مصدر لایا گیا جو طرہ و م ہے اور فعل بتیل لایا گیا جو لازم ہے۔ رب المشرق خبر ہے متبداء محذوف ہو کی یا مبتداء ہے جس کی خبر لا الہ الا هو ہے۔

وکیلا۔ بولتے ہیں۔ وکله الی نفسه و امر موکول الی رائک و کل وکول کے معنی کام کسی کے حوالہ کر دینا۔
اولی النعمۃ۔ زختری کہتے ہیں۔ نعمۃ بالفتح تنعم کے اور بالکسر انعام کے اور بالضم حسرت کے معنی میں ہے۔
یوم ترجف لدینا کا تعلق اور یوم طرف کا نائب ایک ہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ استقر بہم عندنا ما ذکر
یوم ترجف یا ذرنی کا ظرف ہے یا دونوں کا ظرف ہے۔

کشیاً۔ کتب الشنی۔ کسی چیز کو جمع کرنا۔ فعل بمعنی مفعول ہے۔
فعصی فرعون الرسول۔ اس میں الف لام عہد ذکر کی ہے رسول کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ نکرہ ہے جب معرفہ کی صورت
میں دوبارہ ذکر کیا جائے تو قاعدہ کے مطابق دونوں کا مصداق ایک ہوتا ہے۔
فکیف تتقون ان کفرتم۔ بقول واحدی آیت میں تقدیم تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فکیف تتقون یوما
یجعل الولدان شیبا ان کفرتم۔

یوما یجعل۔ یہ منصوب محذوف الجار ہے۔ ای ان کفرتم بیوم القیامۃ۔ عام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یوما کے بعد جملہ
اس کی صفت ہے اور عائد محذوف ہے۔ ای یجعل الولدان فیہ۔ جیسا کہ ابوالبقاء کہتے ہیں۔ یجعل میں ضمیر کا مرجع حق تعالیٰ ہیں اور
بہتر صورت یہ ہے کہ یجعل میں عائد مضمر ہو اور فاعل ہو اور یجعل کی نسبت یوم کی طرف بطور مبالغہ ہے یعنی قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا
بنادے گا اور زید بن علی کی قرأت میں یوم کی اضافت جملہ کی طرف ہے اور فاعل ضمیر باری تعالیٰ ہے اور جعل بمعنی نصیر ہے۔
شیبا۔ مفعول ثانی ہے جو اشیب کی جمع ہے۔

السماء۔ مبتداء ہے خبر منقطر ہے بہ ای بسبب ذلک الیوم۔
فمن شاء اتخذ۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ اتخذ الی ربہ سیبلا۔ اگر جواب ہے تو اس کی شرط کہاں ہے؟ کیونکہ شاء شرط
نہیں بن سکتا۔ تا وقتیکہ اس کا مفعول مذکور نہ ہو اور اگر مجموعہ جملہ کو شرط بنایا جائے تو جواب کہاں ہے؟ جواب میں پہلی صورت اختیار کی
جائے گی اور شاء کا مفعول محذوف ہوگا۔ ای فمن شاء النجاة اتخذ الی ربہ سیبلا یا تقدیر عبارت فمن شاء ان یخذ الی ربہ
سیبلا اتخذ الی ربہ سیبلا ہوگی۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اتخاذ سبیل سے مراد تقرب الی اللہ ہے جو اوامر کے امتثال اور نواہی کے
اجتناب سے حاصل ہوتا ہے۔

تقوم ادنیٰ۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ دو ٹکٹ رات اور نصف شب سے تو اقلیت واضح ہے۔ مگر اقلیت ٹکٹ سے بھی کم کیسے ہو سکتی
ہے۔ جبکہ ٹکٹ لیل سے کم کرنے کا حکم نہیں تھا بلکہ صحابہ کو دو ٹکٹ اور نصف اور ایک ٹکٹ میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا ہوتا۔ اشکال
یہ قرأت جر کی صورت میں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ادنیٰ کے معنی قرب کے ہیں اور استعارہ اقل سے ہے کیونکہ دو چیزوں میں جب مسافت
کم ہوتی ہے تو ان کے درمیان تاخیر بھی اقل ہو جاتا ہے اور اکثر کی صورت میں اکثر رہتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ آپ تہائی نصف، دو
تہائی رات کے قریب قیام فرماتے ہیں۔ ادنیٰ سے تعبیر اس لئے فرما دیا کہ کیونکہ وقت کی تعیین میں اس دور میں تخمینہ ادھ تقریبی تھی۔ تحقیق
نہیں تھی اور شریعت نے اتنی تدقیقات کا مکلف قرار نہیں دیا۔ الفاظ ”نصف و ثلث“ ابو عمر و نافع، ابن عامر کے نزدیک بالجہر ہیں اور
باقی قرأت کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔

وطائفۃ۔ اس کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر بغیر ضمیر منفصل کی تاکید کے ہے۔ تفسیر کی عبارت ”للفصل“ کا مطلب یہ ہے کہ
یہ جواز فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ عطف کے لئے ضمیر منفصل لانا ضروری ہے۔ تفسیر میں جو ایک سال مدت بتلائی ہے یہ پوری

سورت کے کئی ہونے پر ہے اور "واکثر" میں چھ مہینہ کا اضافہ ہے۔ کل مدت سولہ ماہ یہ بھی سورت کے کئی ہونے کی تقدیر پر ہے لیکن آیت "ان ربک" مدنیہ ہونے کی صورت میں دس سال مدت ہوگی اور "فخفف عنهم" بظاہر ضمیر اگرچہ پوری رات قیام کرنے والوں کی طرف راجع ہے لیکن معتمد علیہ بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ دونوں تخفیف میں داخل ہیں۔

لن تحصوه۔ احصاء کے معنی پورا پورا لحاظ کرنے کے ہیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وصول الی اللہ، سالک کے سلوک پر نہیں ہے بلکہ فضل الہی پر ہے۔ کہتے سالک رجعت کا شکار ہو گئے اور حصول سے محروم رہ گئے۔ لیس کل من سلک وصل لا کل من وصل اتصل ولا کل من اتصل انفصل فاقروء واتسمیة الكل باسمه الجزء کے طور پر قرأت سے مراد نماز ہے یا نماز میں قرآن پڑھنا مراد ہے اور بعض نے صرف مغرب و عشاء کی نمازیں مراد لی ہیں، پہلی اور آخری سورت میں امر استحباب کے لئے ہوگا۔ لیکن درمیانی دوسری صورت میں حکم وجوبی ہے۔

۱۔ اگر نماز میں قرأت قرآن مراد ہے تو اس آیت کی وجہ سے وہ فرض ہے۔ جیسا کہ صاحب مدارک اور فقہاء اور اصولیوں کی رائے ہے اور نماز کے علاوہ اگر قرأت مراد ہے تو پھر یہ حکم احتمالی ہے یا نماز تہجد بقدر ہمت مراد ہے۔ جیسا کہ صاحب کشاف اور بیضاوی کی رائے یہی ہے اور بقول مدارک دوسرا فقرہ واپس لے کر تاکید ہے اور نماز روزہ سے مراد افطس ہیں۔ آیت کے مدنیہ ہونے کی تقدیر پر روشنی آیت اگر یکہ ہے تو پھر صدقہ الفطر مراد ہوگا۔ جیسا کہ صاحب کشاف کی رائے اور وافر ضوا اللہ سے صدقات نافلہ مراد ہوں گے۔ بلکہ بقول بیضاوی بہتر یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی مراد لی جائے اور امام زادہ کی رائے ہے کہ فاقروء وا سے مراد داخل ہیں اور اقیموا الصلوٰۃ و تہجد کے لئے ناخ ہے اور قرض حسن سے مراد عطیات ہیں۔ جن میں نہ احسان جتنا ناہو، نہ اذیت رسانی، آیت فاقروء وا سے مراد نماز میں قرأت کا فرض ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل اصول نے لفظ صا کے عموم سے سورہ فاتحہ کے فرض نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ البتہ نظم آیت سے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ اس سے نماز کی قرأت مراد ہے۔ تاہم یہ کہا جائے گا کہ آیت سے چونکہ مطلق قرأت کی فرضیت معلوم ہو رہی ہے اور قرأت کی فرضیت نماز ہی میں ہوتی ہے۔ نماز سے باہر کسی کے نزدیک بھی قرأت فرض نہیں۔ اس لئے آیت میں نماز ہی کی قرأت کی فرضیت مراد ہوگی یا مقام کی تقریر اس طرح کی جائے گی کہ ابتداء آدمی تہائی رات قیام لیل ضروری تھا۔ جس میں صرف قرأت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ رکوع سجدہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ دنل کا عطف فم اللیل پر بھی بتا رہا ہے کہ بعد میں واد کھوا و اسجوا سے نماز میں رکوع و سجدہ کی فرضیت ہوئی۔ پس آیت فاقروء وا سے طول قرأت کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور نفس قرأت کی فرضیت باقی رہ گئی۔ البتہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحة الكتاب وغیرہ احادیث کی رو سے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب رہے گا۔ تا کہ آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا واجب ہونا بھی ثابت ہو اور دونوں نصوص کی حیثیت کا فرق بھی ملحوظ رہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے وہ حدیث مذکور کی وجہ سے سورہ فاتحہ پڑھنے کو نماز میں فرض فرماتے ہیں اور امام مالک کے نزدیک سورہ فاتحہ اور سورت دونوں کا پڑھنا حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحة الكتاب والسورة کی وجہ سے فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دونوں واجب ہیں۔ البتہ بلا تعین مطلق قرأت فرض ہے۔ فرضیت تو صا کے عموم قطعی ہونے کی وجہ سے ہے اور وجوب روایت کے ظنی ہونے کی وجہ سے اس طرح سے آیت و روایت دونوں کا حق ادا ہو جاتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ عام ظنی ہوتا ہے اس لئے آیت و روایت دونوں ان کے نزدیک برابر ہیں۔ حدیث مذکور سے آیت کے عموم کی تخصیص ہو گئی۔ غرضیکہ قرأت کی فرضیت غیر فرضیت اس مختلف فیہ اصل پر متفرع ہے۔ پھر فرضیت کی مقدار کتنی ہے؟ اکثر کی رائے تو ایک طویل یا تین چھوٹی آیات ہیں اور بعض نے مطلقاً ایک آیت مانی ہے۔ خواہ لمبی ہو یا چھوٹی۔ تاہم اگر کسی نے ایک آیت سے کم بھی تلاوت کی تو اس صورت میں عام ظنی ہو جائے گا اور امام شافعیؒ سے معارضہ نہیں ہو سکے گا۔ بزدلیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ایک آیت سے کم مقدار کو عرف میں قرأت نہیں کہا جاتا اور عرف ہیۃ لغوی سے فائق ہوتا ہے۔ رہا صرف بسم اللہ الخ پڑھ لینا اس لئے کافی نہیں ہے کہ اس کا قرآن ہونا مختلف فیہ ہے۔ احتیاطاً نماز کے جواز کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ یا جواب میں یوں کہا جائے کہ شبہ ما کے عموم میں ہوا ہے۔ امر کے وجوب میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا وجوب معلوم ہو رہا ہے۔ پھر امام صاحب کے نزدیک چونکہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے، اس لئے قدرت ہوتے ہوئے قرآن کو غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی البتہ عاجز کی بات مجبوری کی ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک نماز غیر نماز میں قادر اور عاجز دونوں کے لئے جائز ہے۔ بعد میں امام صاحب نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا۔ تاہم اس کو عادت بالینا اور معمول کو لینا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی عبارت میں پڑھنا بھی درست نہیں جو محتمل المعانی یا مودل ہو اور بعض نے یہ قید لگائی کہ دانستہ غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہ پڑھے، ورنہ جنون سمجھا جائے گا۔ جس کی دوا ہونی چاہئے یا پھر زندق

ثم نسخ ذلك. امام شافعیؒ نے اہل علم سے نقل کیا ہے کہ سورۃ مزمل کی آخری آیات نے قیام لیل منسوخ کر دیا ہے۔ مگر فاقر و اما تیسر کی وجہ سے بقدریسر یعنی ہے۔ باقی قیام مذکور منسوخ ہوا۔ مطلق قیام منسوخ نہیں ہوا۔
واتوا الزکوۃ. اگر وجوبی زکوۃ مراد ہے تو یہ آیات مدنی ہوں گی۔ لیکن اگر پوری سورت کی ہو تو کہا جائے گا کہ اصل زکوۃ مکہ میں شروع ہو چکی تھی۔ مگر اس کا اتمام مدینہ میں ہوا۔ یا زکوۃ سے مراد صدقہ نقلی ہے۔

وما تقدّموا. ما شرطیہ ہے اور تجدوہ جواب شرط اور عندا للہ، تجدوہ کا ظرف ہے یا ضمیر سے حال اور خیر تجدوہ کا مفعول ثانی ہے اور ہو مفعول اول کی تاکید ہے اور اعظم کا عطف خیر پر ہے اور اجرا تمیز ہے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ ابوالسبیل نے ”ہو خیر و اعظم اجر“ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ مبتداء خبر ہے۔ تفسیری عبارت میں ایک اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ضمیر فعل دو معنوں کے درمیان ہوا کرتی ہے لیکن یہاں معرفہ اور نکرہ کے درمیان ہو رہی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ خیر اعرضہ اگرچہ نہیں مگر معرفہ کے مشابہ ضرور ہے کیونکہ یہ اسم تفصیل ہے اور اسم تفصیل کے ساتھ جب من لفظاً ہو یا تقدیراً تو اس پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خود معرفہ پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا اور یہاں من مقدر ہے۔ چنانچہ ”مما خلفتم“ میں مفسر نے من کو ظاہر کر دیا ہے۔

رابط آیات: سورۃ جن میں کفار کو توحید و رسالت و مجازات پر ایمان لانے کی ترغیب تھی۔ اس سورۃ مزمل میں ان کے ایمان نہ لانے پر آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے اور تسلی کی تقویت کے لئے آپ ﷺ کو ذکر کی کثرت اور رات کو نوافل و تہجد پڑھنے کا حکم ہے اور اسی کے ضمن میں ان تینوں مضامین کا اثبات بھی ہے۔ شروع سورت کے ایک سال بعد آخری آیت نازل ہوئی جس میں قیام لیل کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا گیا۔ بعض کے قول پر صرف امت سے اور بعض کے قول پر آنحضرت ﷺ سے بھی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

شان نزول و روایات: مکہ کے غار حرا میں آنحضرت ﷺ بعثت سے پہلے ریاضت و مجاہدہ کرنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے ایک دفعہ جبریلؑ کو مہیب شکل میں دیکھا اور آپ پر آیات اقرار نازل ہوئیں تو آپ اس خوفناک حالت سے وہشت ناک

ہو گئے قتل کر دینا چاہئے۔ البتہ قرآن میں صرف معنی کی رعایت کرنے پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ پھر فاقر و اما تیسر کی تحقیق لازم آئی کہ لفظ کی رعایت کی گئی اور اگر لفظ کی رعایت کی جائے اور غیر عربی کا عربی کے قائم مقام مانا جائے تو آیت میں حقیقت و مجاز دونوں کا جمع کرنا لازم آئے گا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآنیت میں معنی کی تحقیق ”من البقرآن“ میں لفظ من کی وجہ سے ہے۔ بمعنیہ ہے۔ پس معنی بھی قرآن کا بعض ہے۔ اس طرح نظم قرآن کا اعتبار کرتے ہوئے عربی میں اجازت سے ہتھیہ و مجاز کا جمع کرنا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حقیقی معنی لے کر مجازی معنی قیاس سے ثابت کئے جائیں گے۔

لیکن اگر فاسقروا سے مراد قرآن کی تلاوت بطور استجاب ہو تو اس کی کئی مقدار ہونی چاہئے۔ اس میں یہی اختلاف ہے۔ بعض نے تین آیات، بعض نے سو آیات، بعض نے دو سو آیات بتلائی ہیں۔ انس بن مالکؓ کی روایت ہے۔ من قرء کل یوم خمس آیات لم یکتب من الغافلین ومن قرء مائۃ ایتۃ یکتب من المطیعین ومن قرء مائتی ایتۃ لم یخاصم القرآن معہ یوم القيامة ومن قرء خمس مائۃ ایتۃ یکتب لہ فطران من الاجر۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ابن عمرؓ سے فرمایا۔ اکتتم فی کل شهر مرة فقل ازاد طاقة فقل فی کل عشرين مرة فقل ازاد طاقة فقل فی کل عشرة مرة فقل ازاد طاقة فقل فی کل سبعة ایام ولا تزدد۔

قرآن کا ختم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ختم احزاب، جو قرآن کی سات منزلوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہ نہایت مفید اور دافع بلیات ہے۔ جمعہ کے روز سے شروع کیا جائے۔ پہلے دن فاتحہ سے سورۃ انعام تک، پھر سورۃ انعام سے سورۃ یونس تک پھر سورۃ یونس سے طہ تک۔ پھر عبکوت تک۔ پھر زمر تک، پھر واقحہ تک، پھر ختم تک اور دوسرا ختم ”بشوق“ کہلاتا ہے۔ یعنی جمعہ کے دن فاتحہ سے شروع کر کے مائدہ تک، پھر یونس تک، پھر بنی اسرائیل تک، پھر شعراء تک، پھر الصافات تک، پھر قاف تک، پھر آخر تک۔ ۱۲ منہ۔

ہو کر گھر واپس تشریف لائے اور اپنی بیوی خدمتِ الکریمؐ سے فرمایا: زمعلونی زمعلونی لقد خشیت علی نفسی۔ حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے عرض کیا۔ ”کیا لا یشخزیک اللہ ابدا انک تصلی الرحم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ غرض کہ مزمل اسی کیفیت کی طرف مشیر ہے۔ سورۃ مزمل ابتدائی سورتوں میں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک شب چار اوڑھے استراحت فرما رہے تھے۔ اس لئے آپ کو مزمل خطاب کر کے تہجد کے لئے اٹھایا گیا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ قریش نے دہرائندہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آپ کے لئے کوئی لقب تجویز کرنا چاہئے۔ کسی نے کہا، کسی نے جادوگر، کسی نے شاعر اور کسی نے مجنون۔ زیادہ رجحان ساحر کہنے کی طرف ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا تو غمگین اور رنجیدہ ہوئے اور کپڑا اوڑھ کر آپ لیٹ رہے جیسا کہ مغموم آدمی لیٹ رہتا ہے اس پر ملاطفت کے لئے حق تعالیٰ نے اس عنوان سے آپ کو خطاب فرمایا۔ حضرت علیؓ ایک مرتبہ گھر سے نفا ہو کر مسجد میں آ کر لیٹ گئے آنحضرت ﷺ نے آ کر فرمایا۔ قم یا ابوتراب۔ یہاں بھی حق تعالیٰ نے یا ایہا المزمل قم اللیل فرمایا کہ ان باتوں سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اٹھئے اور عبادت و ریاضت میں لگئے۔

ودتل القرآن ترتیلا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کو صاف صاف پڑھنا چاہئے۔ ولا تنسوه کثیر الدقل ولا تہزہ ہز الشعر فقوا عند محابہ وحرکوبہ القلوب ولا یکون ہم احذکم اخر السورۃ۔

یوما یجعل الولدان۔ طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ پڑھتے ہوئے فرمایا۔ ذلک یوم القیامۃ حین یقال لادم قم فابعث عن ذریکتبعنا الی النار قال منکم کم یارب قال من کل الف تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین۔ انک تقوم ادنیٰ۔ امام احمدؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ و ترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ سے تخریج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ ان اللہ قد فرض قیام اللیل فی اوائل هذه السورۃ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولاً حتی انتفخت اقدامہم وامسک اللہ خاتمتہا فی السماء اثنی عشر شہراً ثم انزل اللہ التخفیف فی اخر هذه السورۃ فصار قیام اللیل تطوعاً اور سعید بن جبیرؓ سے ابن جریرؒ نے تخریج کی ہے کہ مکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی هذه الحال عشر سنین یقوم اللیل کما امروا کانت طائفة عن اصحابہ یقومون معہ فانزل اللہ بعد عشر سنین ان ربک یعلم الخ فخفف اللہ عنہم بعد عشر سنین اور بعض نے درمیانی وقفہ سولہ ماہ بتلایا ہے۔

واتوا الزکوة۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ ماسوی الزکوة من صلة الرحم وقری الضیف۔

﴿تشریح﴾:..... حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ اس سورہ میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئے ہیں۔ گویا یہ سورت اس شخص کی ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ کیونکہ مزمل لغت عرب میں کشادہ کپڑا اپنے اوپر لپیٹنے والے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بھی تہجد و تلاوت کے وقت اسی ہیئت سے بیٹھتے تھے نیز جو لوگ کپڑے میں لپٹے رات کو آرام کرتے ہیں ان کو تنبیہ ہے کہ انہیں ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزارنا چاہئے ہاں کبھی ناغہ ہو جائے اور اتفاق سے رات کو نہ اٹھ سکے تو معاف ہے۔

وجی کا نقل:..... ورتل القرآن۔ یعنی تہجد میں قرآن شہرہ ظہر کر صاف صاف پڑھئے اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے ذوق شوق میں ترقی ہوتی ہے نماز کے علاوہ تلاوت کا حکم بھی یہی ہے تخصیص محض مقام کی وجہ سے ہے۔ آگے اس کی علت ارشاد ہے کہ ہم عنقریب تم پر ایک بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ جس کے سامنے راتوں کو جاگنا اور شب بیداری آسان ہے۔ قرآن مسلسل وجی کی صورت میں نازل ہوگا جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی، وزنی اور کیفیات کے لحاظ سے بہت بھاری ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ قرآن نازل ہونے کے وقت آپ کو بے حد گرانی اور سختی ہوتی تھی حتیٰ کہ جاڑے کے موسم میں آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو اونٹ جیسا طاقتور اور متحمل جانور تحمل نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ

کی رات زید بن ثابتؓ کی رات پر تھی کہ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی رات ان پھٹ جائے گی اس کے علاوہ عرب کی سنگلاخ زمین میں اور اس ماحول میں قرآن کی دعوت و تبلیغ اور اس کے حقوق کو پوری طرح ادا کرنا کوئی آسان کام اور کھیل نہیں تھا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے برداشت کرنا درحقیقت لوہے کے پنے چبانا تھا اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپؐ پر بھاری تھا تو دوسری حیثیت سے کافروں پر اور منکروں پر شاق تھا غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرتؐ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن نازل ہو چکا، رات کو اس کی تلاوت کیا کرو۔

رات کا جاگنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی:..... اس ارشاد الہی میں تسہیل کا پہلو بھی ہے اور علت کا پہلو بھی۔ تسہیل کی تقریر یہ ہے کہ آپؐ رات کے قیام کو شاق نہ سمجھیں۔ ہم تو اس سے بھی بھاری کام آپؐ سے لینے والے ہیں اور علت کی تقریر اس طرح ہوگی کہ آپؐ کو رات کے قیام کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ آپؐ ریاضت و مجاہدہ کے خوگر ہو جائیں اور نفس میں قوت و کمال پیدا ہو کر وحی جیسی بوجھل چیز کے سنبھالنے کی صلاحیت اور عادت ہو جائے آگے ان ناشنبۃ السیل الخ میں دوسری علت ارشاد ہے۔ یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روند اجاتا ہے اور خواہشات نفس آرام و نیند پامال کی جاتی ہیں۔ تاہم اس وقت کی خوبی یہ ہے کہ سکون کا وقت ہونے کی وجہ سے دعا اور ذکر سید حادل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ زبان اور دل ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے دل اور ذہن میں جمی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ وقت دنیا کے ہنگاموں اور شور و شر کے کم ہونے اور آسمان سے خداوند قدوس کے نزول اجلال کے برکات اور اثرات اترنے کا ہوتا ہے۔ جس سے دل میں عجیب کیفیت و لذت اور سرور و انبساط پیدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ دنیا کے بکھیروں سے نجات کی وجہ سے ایک قسم کی فراغت اور فرصت رہتی ہے اور ذکر و فکر میں باطمینان خوب جی لگتا ہے۔ اسی لئے جس نے جو کچھ پایادہ رات ہی کو پایا ہے یہ دوسری بات ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے رات کا سکون ہنگاموں سے بدل گیا ہے بلکہ حد سے زیادہ رنگ رلیاں اور کھیل تماشے، تفریحات اور رنگ رلیاں رات ہی کو رہتے ہیں۔

شب بیداری کی تیسری حکمت:..... ان لک فی النهار سے تیسری علت ارشاد ہے۔ یعنی دن میں اور بہت سے کام رہتے ہیں۔ دنیاوی کام جیسے مہمات خانہ داری کی تدابیر گو وہ بھی بالواسطہ دینی ہوں اور براہ راست دینی مصروفیات جیسے تبلیغ و جہاد کے مشاغل، تاہم بلا واسطہ پروردگار کی عبادت و مناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص رکھنا مناسب ہے، اگر عبادت میں مشغول رہ کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیام شب کے علاوہ عام اوقات میں بھی ذکر اللہ کرو اور سب سے قطع کر کے اسی کے ہو رہو۔ یعنی تعلق مع اللہ سب پر غالب رکھو ان سب ہدایات کا تسلی میں دخیل اور موثر ہونا ظاہر ہے آگے توحید کی تاکید ہے۔

رب المشرق۔ مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے۔ یعنی دن و رات کا مالک وہی ہے زمین و زمان اسی کے ہیں لہذا اسی کی رضا جوئی میں لگے رہنا چاہئے۔ بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہئے وہ جب کارساز ہے تو پھر دوسروں سے کٹ جانے کی کیا پرواہ ہے۔ رہا کفار جو آپؐ کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ان باتوں پر صبر کرو اور خوبصورتی سے ان سے الگ ہو جاؤ۔ ان کی شکایت اور انتقام کی فکر نہ کرو یہ مطلب نہیں کہ بالکل حالات سے بھی بے خبر ہو جاؤ یا ان کی نعمیت اور خیر اندیشی سے بھی بے تعلق ہو جاؤ۔ غرض جس طرح بن پڑے یہ کام تو بدستور کرتے رہیں اور کبھی جوش انتقام ہو تو یہ سمجھ لیجئے کہ ان کے لئے ہم کافی ہیں۔

ذرنسی الخ یعنی تھوڑی بہت ڈھیل کی بات الگ ہے ورنہ حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو عیش و آرام کی زندگی گزار رہے

ہیں ان کو میرے حوالے کیجئے میں خود منٹ لوں گا۔ آگے عذاب کی کچھ تفصیل ہے۔
یسوم تسرجف۔ یعنی عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ کانپ کر کر پڑیں گے اور دیت کے تو دونوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائیں گے، جن پر قدم نہ جم سکے۔

اللہ کے باغی بچ کر کہاں جاسکتے ہیں:..... فکیف تصقون۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی حلیل القدر پیغمبر ہیں تو جس طرح ان کی قوم تکذیب کی پاداش میں جلا ہوئی، آپ کی قوم کیسے بچ سکتی ہے اور بالفرض دنیا میں بچ بھی گئے تو اس دن سے کیسے بچ گئے، جس کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں مگر اس دن کی سختی اور لمبائی کا بھی اثر ہوگا اللہ کا یہ وعدہ اٹل ہے، وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ خواہ تم کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔

ان هذه تذکرة۔ ہمارا کام نصیحت تھا وہ کر دی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس پر عمل کرے اور رب تک پہنچ جائے راستہ کھلا ہوا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ اللہ کا کچھ فائدہ ہے، سو دفعتاً اپنا فائدہ سمجھو تو اس پر چلو۔

ان ریلک یعلم۔ سال بھر شب بیداری کا حکم رہا لیکن بعد میں تسہیل کی جا رہی ہے۔ بعض صحابہؓ پہلے حکم پر اس سختی سے عمل کر رہے تھے کہ رات کو سر کے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ آنکھ لگ جائے اور نیند کا غلبہ ہو تو جھکا لگ کر آنکھ کھل جائے اس لئے اس میں سہولت کر دی گئی ہے۔

دشواری کے بعد آسانی:..... واللہ یقدر السیل والنہار۔ یعنی رات دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص انداز سے ان کو گھنٹا تا بڑھا تا رہتا ہے اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ روزانہ آدمی تہائی دو تہائی رات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ مشکل تھا اور گھڑی گھنٹوں کا سامان نہیں تھا اس لئے صحابہؓ کو بڑی دشواری تھی۔ اس لئے آسانی فرمائی جا رہی ہے کہ اب نہ تہجد فرض ہے اور نہ وقت اور مقدار تلاوت کی کوئی تحدید ہے کیونکہ آخرا انسان کبھی بیمار بھی ہوتا ہے کبھی سفر میں بھی جانا ہوتا ہے، خواہ وہ علم کی تلاش میں ہو یا جہاد کے لئے تجارت کے لئے ہو یا کسی اور کام کے لئے۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ شب بیداری سخت دشوار ہوگی اس لئے تخفیف کی جاتی ہے کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو، پڑھ لیا کرو۔ خود کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں اہتمام سے پڑھتے رہو اور باقاعدہ رکوع ادا کرتے رہو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ جو کو ان باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی اس کو فرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسد دیا جائے تو وہ بھی اس کے عہد میں داخل ہو سکتا ہے۔ تم جو نیکی یہاں کرو گے وہ سب اللہ کے ہاں پہنچ رہی ہے جو وقت پر تمہارے کام آئے گی۔

واستغفروا اللہ۔ یعنی احکام بجالا کر پھر اللہ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگو وہ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ اللہ کا جتنا بڑا بندہ۔۔۔۔۔۔ ہے ان قدر اپنے کو تفسیر دار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے کریم! غفور رحیم! سب کی خطائیں معاف فرما اور سب کے صدقہ میں اس عبد اشیم کو بھی نواز دے۔

لطائف سلوک:..... یا ایہا المزمّل سے سبحا طویلا تک صوفی کے مشاغل بیان فرمائے گئے ہیں اور ان ناشئۃ اللیل میں شب بیداری کا اندرونی داعیہ اور ان لک فی البہار میں خارجی داعیہ ارشاد فرمایا گیا ہے پس اس سے رات اور خلوت کے اسرار بھی معلوم ہو گئے۔

علم ان لن تحصوہ۔ اس میں مجاہدہ اور اوراد کی سہولت کی رعایت ہے جیسا کہ محققین بھی برتاؤ کرتے ہیں۔

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ السَّبَّحُ وَأَصْلُهُ الْمُدَّثِّرُ أَدْعَمَتِ النَّاءُ فِي الدَّالِ أَيْ الْمُتَلَفِّفِ بِنِيَابِهِ عِنْدَ نَزْوِلِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ قُمْ فَأَنْذِرْ ﴿٢﴾ خَوْفَ أَهْلِ مَكَّةَ بِالنَّارِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ عَظُمَ عَنْ إِشْرَاكِ الْمُشْرِكِينَ وَثِيَابَكَ فَطَهَّرْ ﴿٤﴾ عَنِ النَّجَاسَةِ أَوْ قَصَرُهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خِيَلَاءَ فَرُبَّمَا أَصَابَتْهَا نَجَاسَةٌ وَالرُّجُزُ فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَوْتَانِ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾ أَيْ دُمَ عَلَى هَجْرِهِ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْبِرُ ﴿٦﴾ بِالرَّفْعِ جَاءَ أَيْ لَا تَعْطِ شَيْئًا لِنَطْلُبِ أَكْثَرِ مِنْهُ وَهَذَا خَاصٌّ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَحْمَلِ الْأَخْلَاقِ وَأَشْرَفِ الْأَدَابِ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾ عَلَى الْأَوَامِرِ وَالنَّوَاهِي فَإِذَا نَقَرُ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ نُفِخَ فِي الصُّورِ وَهُوَ الْقُرْنُ الْبَفِخَةُ الثَّانِيَةُ فَذَلِكَ أَيْ وَقْتُ النَّفْرِ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ الْمُبْتَدَأُ وَنَبِيٌّ لِإِصْافَتِهِ إِلَى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبِرَ الْمُبْتَدَأُ يَوْمَ عِيسَى ﴿٩﴾ وَالْعَامِلُ فِي إِذَا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ أَيْ اِشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرِ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ يَسِيرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَيْ فِي عُسْرِهِ ذَرْنِي أَتْرَكْنِي وَمَنْ خَلَقْتَ عَظْفٌ عَلَى الْمَفْعُولِ أَوْ مَفْعُولٌ مَعَهُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ حَالٌ مِنْ مَنْ أَوْ مِنْ ضَمِيرِهِ الْمَحْدُوفِ مَنْ خَلَقْتَ أَيْ مُنْفَرِدًا بِأَهْلِ وَلَا مَالٍ وَهُوَ الْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ وَجَعَلْتَ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَأَسْعَامُ تَصْلًا مِنَ الزُّرُوعِ وَالضُّرُوعِ وَالْجَارَةِ وَبَيْنَيْنِ عَشْرَةٌ أَوْ أَكْثَرُ شُهُودًا ﴿١٣﴾ يَشْهَدُونَ الْمَحَافِلَ وَتَسْمَعُ شَهَادَتَهُمْ وَمَهَّدْتُ بَسَطْتُ لَهُ فِي الْعَيْشِ وَالْعُمُرِ وَالْوَلَدِ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا لَا أَزِيدُهُ عَلَى ذَلِكَ إِنَّهُ كَانَ لَا يَسْتَنِي أَيْ الْقُرْآنَ عَيْنِدًا ﴿١٦﴾ مُعَانِدًا سَارُهُ قَهْ أَكَلَفُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ مَشَقَّةً مِنَ الْعَذَابِ أَوْ جَبَلًا مِنْ نَارٍ يَصْعَدُ فِيهِ ثُمَّ يَهْوَى أَبَدًا إِنَّهُ فَكَّرَ فِيمَا يَقُولُ فِي الْقُرْآنِ

الَّذِي سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَأَى فِي نَفْسِهِ ذَلِكَ فَقَتِلَ لَعْنٌ وَعَذَابٌ كَيْفَ
 قَدَرُ ﴿٧٤﴾ عَلَى أَى حَالٍ كَانَ تَقْدِيرُهُ ثُمَّ قَتِلَ كَيْفَ قَدَرُ ﴿٧٥﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٧٦﴾ فِي وَجْهِ قَوْمِهِ أَوْ يَمَّا يَدْخُ
 بِهِ ثُمَّ عَبَسَ قَبَضَ وَجْهَهُ وَكَلِمَةً ضَيْقًا بِمَا يَقُولُ وَيَسْرَ ﴿٧٧﴾ زَادَ فِي الْقَبْضِ وَالْكَلْجِ ثُمَّ أَذْبَرَ عَنِ
 الْإِيمَانِ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٧٨﴾ تَكَبَّرَ عَنِ اتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِيمَا جَاءَ بِهِ إِنْ مَا هَذَا
 الْأَسْحَرُ يُؤْفَرُ ﴿٧٩﴾ يُسْقَلُ عَنِ السَّحَرَةِ إِنْ مَا هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٨٠﴾ كَمَا قَالُوا إِنَّمَا يَعْلَمُهُ بَشَرٌ
 مِثْلُكُمْ أَدْخَلَهُ سَقْرَ ﴿٨١﴾ جَهَنَّمَ وَمَا أَذْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٨٢﴾ تَعْظِيمٌ لِشَانِهَا لَا تُبْقَى وَلَا تَذَرُ ﴿٨٣﴾ شَيْئًا
 مِنْ لَحْمٍ وَلَا عَصَبٍ إِلَّا أَهْلَكَتَهُ ثُمَّ يَعُودُ كَمَا كَانَ لَوَاحَةً لِلْبَشَرِ ﴿٨٤﴾ مُحَوَّرَةً لظَاهِرِ الْجِلْدِ عَلَيْهَا
 تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٨٥﴾ مَلَكًا خَزَنَتُهَا قَالَ بَعْضُ الْكُفَّارِ وَكَانَ قَوِيًّا شَدِيدًا الْبَاسِ أَفَأَكْفِيكُمْ سَبْعَةَ عَشَرَ
 أَكْفُونِي أَنْتُمْ أَتَيْنِ قَالَ تَعَالَى وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ الْأَمْلِكَةَ أَى فَلَا يُطَاقُونَ كَمَا يَتَوَهَّمُونَ وَمَا
 جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ ذَلِكَ الْآفِيَّةَ ضَلَالًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا بَانَ يَقُولُوا لِمَ كَانُوا تِسْعَةَ عَشَرَ لَيْسَتِ بَيْنَ لَيْسَتَيْنِ
 الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ أَى الْيَهُودُ صَدَقَ النَّبِيُّ فِي كَوْنِهِمْ تِسْعَةَ عَشَرَ الْمُؤَافِقَ لِمَا فِي كِتَابِهِمْ وَيَزْدَادُ
 الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِيْمَانًا تَصْدِيقًا لِمُؤَافَقَةِ مَا أَنَّى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِي
 كِتَابِهِمْ وَلَا يَرْتَابُ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ غَيْرِهِمْ فِي عَدَدِ الْمَلِكَةِ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ
 فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ شَكٌّ بِالْمَدِينَةِ وَالْكَافِرُونَ بِمَكَّةَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا الْعَدَدِ مَثَلًا سُمُوهُ لِعَرَابَتِهِ
 بِذَلِكَ وَأَعْرَبَ حَالًا كَذَلِكَ أَى مِثْلَ اضْلالٍ مُنْكَرٍ هَذَا الْعَدَدِ وَهُدًى مُصَدِّقَةً يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ
 وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ الْمَلَا ئِكَةُ فِي قُوَّتِهِمْ وَأَعْوَانِهِمُ الْأَهْوُ وَمَاهِي أَى سَقَرُ
 الْأَذْ كَرَى لِلْبَشَرِ ﴿٨٦﴾ كَلَّا اسْتَفْتَحَ بِمَعْنَى إِلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٨٧﴾ وَالسَّيْلِ إِذَا يَفَتْحَ الدَّالِ دَبَرِ ﴿٨٨﴾ جَاءَ
 ١٥ بَعْدَ النَّهَارِ وَفِي قِرَاءَةٍ إِذَا أَذْبَرَ بِسُكُونِ الدَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ أَى مَضَى وَالصُّبْحُ إِذَا اسْفَرَفَ ﴿٨٩﴾ ظَهَرَ أَنَّهَا
 أَى سَفَرٌ لَا خَذَى الْكَبِيرِ ﴿٩٠﴾ الْبَلَايَا الْعِظَامُ نَذِيرًا حَالٍ مِنْ أَحَدَى وَذِكْرٌ لِأَنَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَابِ
 لِلْبَشَرِ ﴿٩١﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْبَشَرِ أَنْ يَتَقَدَّمَ إِلَى الْخَيْرِ أَوِ الْحَنَةِ بِالْإِيمَانِ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٩٢﴾ إِلَى
 الشَّرِّ أَوِ النَّارِ بِالْكَفْرِ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٩٣﴾ مَرْهُونَةٌ مَا خُودَةٌ بِعَمَلِهَا فِي النَّارِ إِلَّا
 أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٩٤﴾ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ فَتَأْخُذُونَ مِنْهَا كَاتِبُونَ فِي حَشٍّ يَتَشَاءُ لَوْ أَنَّ ﴿٩٥﴾ بَيْنَهُمْ عَنِ
 الْمُجْرِمِينَ ﴿٩٦﴾ وَحَالَهُمْ وَيَقُولُونَ لَهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْمُؤَحِّدِينَ مِنَ النَّارِ مَا سَلَكُكُمْ أَدْخَلَكُمْ فِي

سَقَرٌ ﴿۷۴﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيِّينَ ﴿۷۵﴾ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِينِ ﴿۷۶﴾ وَكُنَّا نَخْوَضُ فِي
الْبَاطِلِ مَعَ الْخَاطِئِينَ ﴿۷۷﴾ وَكُنَّا نَكْذِبُ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۷۸﴾ الْبُعْثُ وَالْجَزَاءُ حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ ﴿۷۹﴾
الْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿۸۰﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالْمَعْنَى لَا شَفَاعَةَ
فَمَا مُبَدَأُ لَهُمْ خَبْرَهُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ اِنْتَقَلَ ضَمِيرُهُ إِلَيْهِ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۸۱﴾ خَالَ مِنْ الضَّمِيرِ
وَالْمَعْنَى أَيْ شَيْءٌ حَصَلَ لَهُمْ فِي إِغْرَاضِهِمْ عَنِ الْإِتْعَاطِ كَانَهُمْ حُمْرٌ مُسْتَنْفَرَةٌ ﴿۸۲﴾ وَحُشِيَّةٌ فَرَّتْ
مِنْ قُسُورَةٍ ﴿۸۳﴾ أَسَدٌ أَيْ هَرَبَتْ مِنْهُ أَشَدُّ الْهَرَبِ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ أَمْرٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا
مُنْشَرَةً ﴿۸۴﴾ أَيْ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِإِتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ
عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُهُ كَلَّا رَدَّ عَمَّا أَرَادُوهُ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿۸۵﴾ أَيْ عَذَابَهَا كَلَّا اسْتِفْتَحَ إِنَّهُ أَيْ
الْقُرْآنَ تَذْكَرَةً ﴿۸۶﴾ عِظَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿۸۷﴾ قَرَأَهُ فَاتَّعِظَ بِهِ وَمَا يَذْكُرُونَ بِالْيَأَىٰ وَالنَّيْءِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ
هَٰذَا اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ بَانَ يَتَّقَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۸۸﴾ بَانَ يَغْفِرَ لِمَنْ اتَّقَاهُ

ترجمہ:..... سورۃ مدثر کی یہ ہے۔ جس میں ۵۵ آیات ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اے کپڑے میں لپٹنے والے (نبی یہ لفظ دراصل متدثر تھا۔ تاکہ وصال میں اوغام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت کپڑے میں لپٹنے والے) اٹھیے پھر ڈرائیے (اہل مکہ اگر ایمان نہ لائیں تو انہیں دوزخ سے ڈرائیے) اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کیجئے (مشرکین کے شرک سے بالابتلائیے) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (گندگی سے یا اپنے کپڑے چھوٹے بنائیے۔ عربوں کی طرح نہیں کہ وہ تکبر کی وجہ سے بڑے ڈھیلے ڈھالے پہنتے تھے کہ اکثر نجاست آلودہ ہو جاتے تھے) اور بتوں سے (آنحضرت ﷺ نے اس کی تفسیر بت ہی کے ساتھ فرمائی ہے) الگ رہئے (یعنی چھوڑے رکھئے) اور کسی کو اس لئے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو (تستکثر رفع کے ساتھ حال ہے یعنی کسی کو کوئی چیز اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ دے یہ حکم حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ آپ کو بہترین اخلاق اور عمدہ آداب کا پابند کیا گیا ہے) اور اپنے رب کے لئے (احکام و منہیات پر) صبر کیجئے، پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا (فحی ثانیہ مراد ہے) سو (وہ وقت صور پھونکنے کا یعنی) وہ دن ایک سخت دن ہوگا (اذا میں عامل مدلول جملہ ہے یعنی اشعد الامر) کافروں پر جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ دن مومنین پر آسان ہوگا سخت ہونے کے باوجود) مجھ کو رہنے دیجئے (چھوڑیے) اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا ہے (مفعول پر عطف ہے یا مفعول معہ ہے) اکیلا (یہ من سے حال ہے یا خلقت کی ضمیر محذوف سے حال ہے یعنی یکہ و تنہا تھا بغیر اہل اور مال کے۔ ولید بن مغیرہ مراد ہے) اور اس کو بکثرت مال دیا (نہایت پائیدار کھیتی باڑی اور دودھ بوند اور تجارت) اور بیٹے (دس یا زیادہ) جو بلائے جاتے (محفلوں میں اور ان کی گواہی معتبر ہوتی) اور سب طرح کا سامان (عیش، عمر، اولاد) اس کے لئے مہیا کر دیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں (زیادہ نہیں دوں گا) وہ ہماری آیات (قرآن) کا مخالف (دشمن) ہے۔ میں عنقریب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (صعود سے عذاب کی مشقت یا آگ کا پہاڑ مراد ہے جس پر وہ چڑھے گا، پھر گرے گا۔ بس یہی ہوتا رہے گا) اس شخص نے سوچا (آنحضرت ﷺ سے قرآن سن کر جو کچھ کہتا ہے) پھر

ایک بات تجویز کی (اپنے دل میں اس کے متعلق) سواس پر خدا کی مار (لعنت عذاب) کیسی تجویز کی (کس حال پر تجویز کی) پھر اس پر خدا کی مار ہو کسی بات تجویز کی۔ پھر منہ بنایا (اپنی قوم کے سامنے۔ یا اس پر عیب جوئی کی گئی) پھر منہ بسورا (یعنی منہ بنایا اور برسا بنایا۔ اپنی بات سے متکدل ہوتے ہوئے) اور زیادہ منہ بسورا (خوب نیز حاتر چھا کیا) پھر منہ پھیرا (ایمان لانے سے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے سے) اور تکبر کیا پھر بولا (وحی کی نسبت) کہ یہ تو جادو ہے (جادو گروں سے) منقول۔ پس یہ تو آدمی کا کلام ہے (چنانچہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ کوئی انسان پیغمبر کو سکھلاتا ہے) میں اس کو عنقریب دوزخ میں داخل کروں گا، اور تمہیں پتہ ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (اس میں دوزخ کا ہولناک ہونا بتلانا ہے) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (لوشت ہڈی میں سے کچھ بھی، مگر اس کو ختم کر دے گی۔ پھر از سر نو سب چیزیں جوں کی توں ہو جائیں گی) وہ بدن کی ہیبت بگاڑ دے گی (کھال جلا ڈالے گی) اس پر انیس فرشتے ہوں گے (جہنم کے داروغہ) ایک کافر جو نہایت طاقتور تھا کہنے لگا کہ میں ان میں سے سترہ کو کافی ہو جاؤں گا اور دوسے تم بٹ لینا اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ (اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں) یعنی ان میں اتنی طاقت نہیں جیسا کہ انہیں وہم ہو رہا ہے (اور ہم نے جو ان کی تعداد ایسی رکھی ہے وہ صرف کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہے) تاکہ وہ یہ کہیں کہ وہ انیس کیوں ہیں) اس لئے کہ اہل کتاب یقین کر لیں (یعنی یہودی پیغمبر کو سچا سمجھ لیں ان فرشتوں کی تعداد انہیں ہونے میں جو ان کی کتاب کے موافق ہے) اور (اہل کتاب میں سے) ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے (یقین زیادہ ہو جائے) کہ جو حضور ﷺ بیان فرما رہے ہیں وہی ان کی کتاب میں ہے (اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک نہ کریں) (جو مومن اہل کتاب کے علاوہ ہوں، فرشتوں کی تعداد کی نسبت) اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے (مدینہ میں شکی ہیں) اور (مکہ کے) کافر کہنے لگیں کہ اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اس (تعداد) عجیب سے (غرابت کی وجہ سے اس کو مشل کہا گیا، اور اس پر حال کا اعراب لایا گیا ہے) اسی طرح (یعنی ان منکرین عدد کی گمراہی اور ماننے والوں کی ہدایت کی طرح) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو (فرشتوں کی طاقت اور ان کے معاونین کو) بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور یہ (دوزخ) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔ سچ (کلام) استفتاح کے لئے بمعنی (الا ہے) قسم ہے چاند کی اور رات کی (اذا فتح کے ساتھ ہے) جب جانے لگے (دن جانے کے بعد اور ایک قراءت میں اذا دبر سکون ذال کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہمزہ ہے جانے کے معنی میں) اور صبح کی جب روشنی ہو جائے کہ وہ (دوزخ) بڑی بھاری چیز (مصیبت) ہے جو بڑا ڈر ادا ہے (نفسیر، احدی سے حال ہے اور مذکر اس لئے لایا گیا کہ عذاب کے معنی میں ہے) انسان کے لئے یعنی تم میں (یہ بشر سے بدل ہے) جو آگے کو (بھلائی یا جنت کی طرف ایمان لا کر) پا پیچھے کو بٹے (برائی یا دوزخ کی طرف کفر کے ذریعہ) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے محبوس ہوگا (دوزخ میں اپنے اعمال میں ماخوذ) مگر دانے والے (مومنین کہ وہ دوزخ سے چھٹکارا پا کر) یہشتوں میں ہوں گے (ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کرتے ہوں گے۔ دوزخیوں (اور ان کے حال) کی (اور مسلمانوں کے دوزخ سے نکل آنے کے بعد دوزخیوں سے پوچھیں گے) کہ تمہیں دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے کہ نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور (غلط) مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت (بعث و جزا) کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (فرشتوں، نبیوں، نیکوں کی سفارش مراد ہے یعنی ان کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی) تو ان کو کیا ہوا کہ (ہا) مبتداء لہم اس کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور محذوف کی ضمیر خبر کی طرف راجع ہے) اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں (ضمیر سے حال یعنی نصیحت سے کنارہ کشی کر کے انہیں کیا ہاتھ آیا) کہ وہ گویا وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے دوڑے جارہے ہیں بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے

دیئے جائیں (یعنی اللہ کی طرف سے انہیں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا حکم ہوا۔ جب کہ مشرکین کہا کرتے تھے۔ لن نو من لک حتی تنزل علینا کتبا بانقر وہ) ہرگز نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے ہرگز نہیں (استفاح کے لئے ہے) یہ (قرآن) نصیحت (موعظت) ہے جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کر لے (پڑھ کر عبرت حاصل کر لے) اور یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے (یا اور تا کے ساتھ قراءت ہے) جب تک اللہ نہ چاہے۔ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے (اپنے سے ڈرنے والے کو بخش دیتا ہے۔)

تحقیق و ترکیب:..... المدثر۔ دراصل متدثر تھا۔ مدثر دثار سے ماخوذ ہے جس کے معنی اوپر کے لباس کے ہین اور شعار کہتے ہیں بدن سے متصل لباس کو۔ جمہور کی رائے ہے کہ سب سے اول اقرا نازل ہوئی۔ پھر تین سال بعد فترۃ وحی کے بعد یا ایہا المدثر نازل ہوئی۔ ممکن ہے اس سے آیات مراد ہوں۔ ورنہ سب سے پہلے پوری سورت سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔
فانذر۔ اگرچہ آنحضور ﷺ کی دونوں شانیں ہیں۔ بشیر و نذیر۔ لیکن ابتداءً صرف انذار پر اکتفا مناسب تھا پھر بعد میں "انارسلناک شہداً ومبشراً ونذیراً" ارشاد الہی ہوا۔

فکبر۔ ابو الفتح مصلیٰ کی رائے ہے کہ یہ فائزائد ہے اور زجاج کہتے ہیں کہ فامعنی جزائیت کے لئے ہے۔ ای قم فکبر ربک اور بعد کے جملوں کی بھی یہی تاویل ہوگی اور صاحب کشاف کہتے ہیں کہ فامعنی جزائیت کے لئے ہے۔ "ای شنی کان فلا تدع تکبیرۃ" اور تکبیر سے تکبیر افتتاح صلوٰۃ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لیکن اس وقت نماز فرض نہیں ہوئی تھی، اس لئے مفسر نے شرک سے تبری کے معنی لئے ہیں۔

آیت ربک فکبر میں صفت قلب ہے، الٹا پڑھنے سے بھی یہی جملہ بنتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعیل حکم کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی سن کر نعرہ لگایا اور خوش ہوئیں اور سمجھ گئیں کہ یہ وحی ہے۔ علماء نے اس کو تکبیر نماز پر بھی محمول کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ تکبیر تحریر فرض ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکن ہے۔ کیونکہ نماز کی جو شرائط ہیں وہی اس کی شرائط ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک تکبیر نماز کی شرط خارجی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی فرض کا تحریر کرے تو اس سے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں و ذکر اسم ربہ فصلی ہے۔ یعنی نماز کو ذکر کے بعد فرمایا گیا جس سے مراد تکبیر ہے اور فا کے ذریعہ صلوٰۃ کا عطف کیا گیا ہے جس سے دونوں میں مغایرت معلوم ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ارکان نماز کی طرح تکبیر میں تکرار نہیں ہے اور شرائط نماز کی رعایت اس لئے کی گئی کہ تکبیر قیام نماز سے متصل ہے۔ تکبیر کے سلسلہ میں منقول تو اللہ اکبر ہے۔ مگر طرفین کے نزدیک اللہ اجل اللہ اعظم الرحمن اکبر۔ لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر وغیرہ کہنا بھی جائز ہے۔ لیکن ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر تکبیر اچھی طرح کہہ سکتا ہے تو صرف اللہ اکبر یا اللہ الا کبر یا اللہ اکبر کہنا جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف پہلے دو لفظوں سے اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف پہلے لفظ سے جائز ہے۔ لیکن طرفینؒ فرماتے ہیں کہ مقصود تعظیم ہے اس لئے سب الفاظ صحیح ہیں بلکہ امام اعظمؒ تو صرف لفظ اللہ کہنے کی بھی اجازت دیتے ہیں اسی طرح صرف اللہ کہنا بھی جائز ہے۔ البتہ اللہم اغفر لی میں چونکہ دعا بھی ہے اس لئے کافی نہیں ہے۔

فطهر۔ زہریؒ نے پانی سے پاک کرنے کے معنی لئے ہیں اور ابن عباسؓ اور طاؤسؓ سے دامن چھوٹا رکھنے کے معنی ہیں۔ اور مجاہد اصلاح عمل مراد لیتے ہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ صل فیما بک طاہرۃ۔ پہلے معنی شبہ ہیں "و ثیابک فطهر" میں کئی احتمال ہیں۔ حضرت علیؒ فرماتے ہیں۔ قصرھا فاتہ القی واقعی ایک معنی یہ ہیں۔ اصلح اعمالک فطهر نفوسک من

العادات المستقرہ ایک معنی یہ ہیں۔ اصلاح اہلک یعنی کتابیہ سے نکاح نہ کرو بغیر مہر نکاح نہ کرو، چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھو۔ لیکن اکثر کی رائے کپڑوں کو پاک رکھنے کی ہے پھر یہ حکم اگرچہ تمام اوقات میں ہے مگر بیک فکیر سے متصل ہونے کی وجہ سے نماز کے وقت کپڑوں کی پاکی مراد ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ یجب علی المصلی ان یقدم الطہارۃ من الاحداث و الانجاس قال اللہ وثیابک فطہر۔ وان کنتم جنباً فاطہروا۔ نیز ستر بھی ہر وقت واجب ہے برخلاف کپڑوں کی پاکی کے۔ وہ نماز کے ساتھ خاص ہے چنانچہ بیضاوی وغیرہ تصریح کرتے ہیں۔ ان التطہیر واجب فی الصلوۃ محبوب فی غیرہا۔ پھر کپڑے پر اگر نجاست غلیظہ قدر درہم سے کم ہے، یا نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم پر ملی ہوئی ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ ورنہ دہرائی پڑے گی۔ نجاست مرئیہ میں تو اس کے عین کا ازالہ ضروری ہے خواہ اس کا نشان یا اثر رہے لیکن غیر مرئی نجاست میں تین دفعہ دھو کر نچوڑ دینا کافی ہے پھر حنفیہ کے نزدیک پانی اور پانی جیسی رقیق چیزوں سے پاکی حاصل ہو سکتی ہے۔

فما ہجر۔ بت پرستی چھوڑنے کے حکم سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ پہلے بت پرستی کرتے تھے اس لئے مفسر نے ”دم علی ہجرۃ“ سے تفسیر کی ہے۔ کہ جس طرح آپ اب تک اس سے بچے رہے آئندہ بھی بچے رہیں ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ ولا تمنن۔ یعنی احسان کے بدلہ کی نیت سے احسان کرنا اگرچہ دوسروں کے لئے جائز ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق کے خلاف ہوتے ہوئے خاص طور پر آپ کو منع کر دیا گیا ہے اور بعض نے ممانعت کو عام رکھتے ہوئے ممانعت تنزیہی قرار دی ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کسی کو کچھ مرحمت فرما کر بطور یا زیادہ ظاہر نہ کیجئے۔

فی السافور۔ فاعول کے وزن پر نقر سے ماخوذ ہے بمعنی قروح یعنی کھٹکھٹانا، مراد آواز کرنا ہے صور اسرافیل یعنی ان کی آواز مراد ہے۔ منقار مرغ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ ناقور سینگ جیسا ہے۔ جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اس میں سوراخ ہیں جس میں ارواح عالم ہوں گی ہر سوراخ سے روح نکلے گا نیچے کے بعد نکل کر اپنے اپنے جسام میں پہنچ جائیں گی جس سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جائے گی اور مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

فلذلک یومئذ یوم عسیر۔ ذلک سے وقت فقر کی طرف اشارہ ہے اور یومئذ ذلک سے بدل ہے اور چونکہ یوم اذا اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہے۔ اس لئے فتح پر مبنی ہو گیا معرب نہیں رہا اور اس پر تین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ ای اذا نقر فی الصور اور یومئذ خبر کا ظرف مستقر بھی ہو سکتا ہے۔ ای وقت النقر وقت عسیر حال کون ذلک الوقت یوم القيامة اور اذا نقر کا عامل ملول جملہ ہے۔ یعنی اشتد الامر اذا نقر غیر یسرا ای یسیر علی المؤمنین فی وقت عسرة علی الکافرین۔

وحیداً۔ یہ من خلقت میں من سے حال ہے ای ذرئی والذی ہو کذا حال کونہ وحیداً اور جب کہ معطوف علیہ سے حال نہ بنایا جاسکتا ہو۔ تب بھی صرف معطوف سے حال بنانا جائز ہے۔ یا خلقت کی ضمیر محذوف سے بھی حال ہو سکتا ہے ای خلقتہ وحیداً اسی طرح خلقت کی ضمیر متکلم سے بھی حال ہو سکتا ہے ای خلقتہ وحیداً اور ذرئی کی ضمیر منسوب سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ وحید سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس کا لقب بطور مدح وحید تھا یہاں جہکما بطور مذمت وحید فرمایا گیا۔ ولد اثرنا ہونے کی وجہ سے یعنی بلا باپ کے تھا ہے، یا اثرات میں یکنا ہے۔

• ضروع۔ سے مراد ذوات فروغ یعنی دودھ والے جانور ہیں۔

وبنین شہوداً۔ مجاہد سے منقول ہے کہ دس لڑکے تھے۔ اور سعید بن جبیر شہرہ کہتے ہیں۔ ان میں سے خالد، ہشام، ولید بن

ولید تین مسلمان ہو گئے تھے۔ اور شہود اس لئے کہا کہ مالدار ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی رہتے تھے۔ کسب معاش کے لئے سفر میں جانے کی حاجت نہیں تھی۔ یا اپنی وجاہت کی وجہ سے مجامع میں بلائے جاتے تھے۔

کلا۔ حق تعالیٰ نے پھر ولید کو نقصان میں مبتلا کر دیا کہ فقیر ہو کر مرا۔

سارہقہ صعوداً۔ امام احمد وغیرہ نے ابوسعیدؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جہنم کے پہاڑ پر چڑھنا اور گرنا ہوتا ہی رہے گا۔

وما ادرالک ماسقر۔ ما مبتداء ادراک خبر ہے اسی طرح ما مبتداء مسقر خبر ہے یا برعکس ترکیب کر لی جائے اور یہ جملہ

ادری کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

لا تبقی ولا تذر۔ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہیں اور عامل معنی تعظیم ہیں جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے اور ان کا

مفعول محذوف ہے۔ ای لا تبقی ما القی فیہا ولا تذرہ بل تہلکہ اور بعض نے تقدیر عبادت اس طرح مانی ہے۔ لا تبقی علی

من القی فیہا ولا تذر غایۃ العذاب الا وصلتہ الیہ اور دوسری ترکیب یہ ہے۔ کہ لا تبقی ولا تذر جملہ متانفہ ہوا۔

لواحة للبشر۔ عام قرأت رفع کی مبتداء مضمک کی خبر ہے۔ ای ہسی لواحة اس وقت قرأت سے لا تبقی کے متانفہ کی

تاکید ہو جائے گی لیکن حسن بن ابی عیلہ، زید بن علی، عطیہ عوفی کی قرأت نصب کی ہے اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ مسقر سے حال ہے اور معنی تعظیم اس میں عامل ہوں جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

۲۔ لا تبقی سے حال ہو۔

۳۔ لا تذر سے حال ہو۔

علامہ زبشرؒ کی اس کا نصب اختصاں تہویل کی وجہ سے مانتے ہیں اور شیخ جر جانی نے حال موکدہ کہا ہے وہ فرماتے ہیں لان

النار النی لا تبقی ولا تذر لا تكون الا مغیرۃ للبشر اور لواحة مبالغہ کا وزن ہے اس میں دو صورتیں ہیں:-

۱۔ لا ح یلوح ای انہا تظہر للبشر۔ حسن ابن کیسانؒ کی یہی رائے ہے۔

۲۔ جمہور کے نزدیک یہ لوحہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سیاہ کر دینے اور بدل دینے کے ہیں اور بعض لوح کے معنی شدت پیاس کے

لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے لاحہ العطش ولوحہ ای غیوہ۔

لوح یعنی جو کی ہوا البشر جمع ہے۔ بشرہ کی یعنی کھال کا رنگ بدل دینے والی اور یا انسان مراد ہے اور لام للبشر میں تقویت کا

ہے۔ جیسے ان کنتم للرویا میں لام تقویت کے لئے ہے اور یہ نصب کی قراءت لا تبقی کے محل میں ہونے کی تقویت کر رہی ہے۔ اسی

طرح علیہا تسعة عشر میں بھی حال اور استیناف کی ترکیب ہو سکتی ہے۔ ایک داروغہ جہنم اور اس کے ساتھ اٹھارہ فرشتے ہیں اور بعض

نے انیس فرشتے نقیب مانے ہیں اور بعض انیس ہزار فرشتے مانتے ہیں۔ وما یعلم جنود ربک الا هو سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ صحیح بات یہ ہوگی کہ انیس فرشتے نقیب اور ربکس کے درجہ کے ہوں۔ لیکن مجموعہ کا حال اللہ کو معلوم

ہے۔ اس پر ابوالاثر نامی ایک کافر جو بڑا طاقتور تھا کہنے لگا کہ ان میں سے سترہ کو تو میں کافی ہوں باقی دو فرشتوں کا اور لوگ انتظام کر لیں۔ یہ

اس کی بکواس ابو جہل کے اس کہنے پر ہوئی تھی۔ اما یستطیع کل عشرة منکم ان یاخذوا احدا منهم وانتم اللہم۔

الا فتنۃ۔ جعل کا مفعول ثانی ہے حذف مضاف کے ساتھ ای الا عیب لفتنہ اور للذین فتنہ کی صفت ہے اور فرشتوں کی

یہ تعداد دو وجہ سے فتنہ ہے۔ ایک تو اس لئے کہ کفار مذاق ملا رہے تھے کہ اس سے زائد فرشتے کیوں نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ اتنی

تھوڑی تعداد ہے جس سے ساری دنیا کے مجرموں کو کیسے سزا دی جاسکتی ہے؟

یستیعقن۔ اس کا تعلق جعلنا کے ساتھ ہے یعنی اللہ کا اس تعداد کی اطلاع دینا اہل کتاب میں یقین پیدا کرنے کے لئے ہے اور کافروں کے لئے فتنہ ہونا اس میں آئے آنا گویا اصل عبارت اس طرح تھی۔ وما جعلنا عدتهم الا تسعة عشرة۔ لیکن تسعة عشر کی بجائے فتنۃ للذین کفروا۔ کہہ دیا گیا کیونکہ تھوڑی تعداد کافروں کے لئے فتنہ بنی ہوئی تھی۔ اس لئے حاصل مضمون یہ ہوگا۔ ولقد جعلنا عدتهم عدة من شانها ان یفتن بها لا ھل استیقان المؤمن وحیرۃ الکافرین۔ یہاں اہل کتاب سے مراد یہود ہیں۔

ولا یرتاب الذین او توا الکتاب۔ اس میں یہود کے علاوہ دوسرے اہل کتاب نصاریٰ مراد ہیں اس لئے دونوں جگہ تغار ہو گیا پس تغارض کا شہ نہیں رہے گا اور مومنین سے مراد اہل اسلام ہیں۔ اس لئے ”اتوا الکتاب“ اور ”مومنون“ میں تکرار نہیں رہے گا۔

فی قلوبہم مرض بالمدينة۔ اس لئے کہا کہ نفاق مدینہ ہی میں رونما ہوا۔
بہذا مثلاً۔ مثلاً حال ہے ہذا سے ای ہذا حال کونہ مشابہا للمثل مفسر نے لغرابتہ سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ ”ماذا اراد اللہ“ میں ما مبتداء ذا خبر اور اراد اللہ صلہ ہے۔ اور مثلاً ”ہذہ ناقة اللہ“ کی طرح تمیز بھی ہو سکتی ہے چونکہ انیس فرشتوں کی تعداد باعث حیرت بنی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو مثل سے تعبیر فرمایا گیا۔
وما یعلم جنود ربک۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے حق تعالیٰ سے آسمانی مخلوق کی تعداد پوچھی ارشاد ہوا اننا عشر سبطاً عدد کل سبط عدد التراب۔ اسرار محمدیہ میں ہے کہ کوئی مکان یا گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ایسی مخلوق آباد نہ ہو جن کی شمار اللہ ہی جانتا ہے۔

کلا۔ منکرین کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کا کلمہ ہے بمعنی الا تنبیہ ہے اور علامہ رضی بمعنی حقاً کہتے ہیں۔
والسبل اذا دبہ۔ ابو عمر، ابن کثیر، ابن عامر، کسائی، ابو بکر کے نزدیک دبہ بغیر ہمزہ کے ہے۔ دبہ رنی فلان ای جاء خلفی۔ چنانچہ دن کے بعد رات آتی ہے۔ پس ”والسبل اذا دبہ“ کے معنی دن کے جانے کے بعد رات آنے کے ہیں۔ قطرب سے ایسے ہی منقول ہے۔ لیکن نافع، حمزہ، حفص کے نزدیک اذا سکون ذال کے ساتھ اور ادبہ ہمزہ کے ساتھ ہے ادبار جانے کے معنی ہیں۔
لا حدی الکبر۔ یعنی بکثرت بلاؤں میں سے ستر ایک بلا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جہنم کے سات طبقات میں سے ایک کا نام ستر ہے، دوسرے کا لظی، تیسرے کا حطمة، چوتھے کا سعیر، پانچویں کا ہاویہ، چھٹے کا جہنم۔ الکبر جمع ہے کبریٰ کی اور جمع مطر فعل فعلتہ کے وزن پر آتی ہے۔ ہاں الف کوتاہی جگہ کر لیا ہے۔

نذیراً للبشر۔ اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ احدى سے تمیز ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے ای اعظم الا کبر اندازاً۔ پس نذیر بمعنی انذار ہے۔

۲۔ نذیر، مصدر ہو بمعنی انذار اور فعل مضمر کی وجہ سے منسوب ہو جیسا کہ قراء کی رائے ہے۔

۳۔ فعل بمعنی مفعول ہو، اس صورت میں بقول زبان انھا کی ضمیر سے حال ہو جائے گا۔

۴۔ قم کے فاعل سے حال ہو جو شروع سورت میں ہے۔

۵۔ احدى کی ضمیر حال ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے گویا عبارت اس طرح ہوئی۔ اعظم الا کبر منذرہ۔

۶۔ انذر کی وجہ سے منسوب ہو جو شروع سورت میں ہے۔

۷۔ الکبر سے حال ہو۔

۸۔ ضمیر کبر سے حال ہو۔

۹۔ احدى الکبر سے حال ہو، ابن عطیہ یہی کہتے ہیں۔

۱۰۔ اعنی مضمک کی وجہ سے منسوب مانا جائے۔

اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہو سکتی ہیں رہا نذیر کا مذکر ہونا ذوالحال مؤنث ہونے کے باوجود بتاویل عذاب ہے لمن شاء منکم یہ جار مجرور سے بدل ہے۔

کمل نفس۔ یعنی ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ماخوذ ہوگا بجز اصحاب الیمین کے اس میں استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے اور منفصل بھی اور اصحاب الیمین سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنا مے ہوں گے اور بعض نے کہا ہے فرشتے یا بچے اصحاب الیمین میں آ گئے۔

لم نک من المصلین الخ سے جہنم میں جانے کی وجہ بتلائیں یعنی ہم نیک اعمال نہیں کرتے تھے۔ صاحب کشاف کی رائے ہے کہ سب جہنمیوں کو ان چاروں اعمال کے مجموعہ کی وجہ سے بھی عذاب ہو سکتا ہے اور یہی احتمال ہے کہ بعض کو بعض اعمال کی وجہ سے اور بعض کو دوسرے اعمال کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ بہر حال اس آیت سے امام شافعی وغیرہ استدلال کرتے ہیں کہ کفار اعمال فرعیہ کے بھی مکلف ہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک کفار مکلف بالاصول نہیں فروع کے احتمال کے وہ مکلف نہیں کیونکہ اعمال کا درجہ ایمان کے بعد ہے۔ غرض یہ کہ کفار، ایمان اور معاملات و عقوبات و عبادات کے اخروی مواخذہ کے اعتبار سے بالاتفاق مکلف ہیں۔ لیکن دنیا میں ان کی ادائیگی کے مکلف نہیں۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک دنیا میں بھی مکلف ہیں چنانچہ قاضی بیضاوی نے اپنے مسلک کی رعایت کرتے ہوئے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ لیکن امام زاہد نے اپنے مسلک کی رعایت سے جواب دیا ہے کہ آیت میں قبولیت اعمال کی نفی کی گئی ہے ادائیگی کی نفی مراد نہیں ہے۔ لیکن بظاہر حق بات وہ معلوم ہوتی ہے جو صاحب توضیح نے فرمائی کہ آیت سے مواخذہ اخروی کا ہونا مفہوم ہو رہا ہے نہ کہ دنیاوی ادائیگی کا البتہ تلوخ میں یہ بات صاف کر دی کہ بحالت کفر اعمال کا معتبر نہ ہونا بالاتفاق ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف نہیں کہ اسلام لانے کے بعد ان اعمال کی قصا نہیں کی جائے گی۔ بلکہ ثمرہ اختلاف صرف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ آیا کافر کے علاوہ ان احکام پر بھی آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احکام کو واجب اعتماد نہ کرنے پر تو بالاتفاق مواخذہ ہوگا۔ ہاں محض اعمال نہ کرنے پر مواخذہ ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے اور آیت دونوں حضرات کا مستدل بن سکتی ہے۔ اور لم نک من المصلین کی یہ توجیہ کرنا کہ لم نک من المعتقدين فرضية الصوة بطور مجاز ہوگا جو بغیر دلیل ثابت نہیں ہوگا۔

دھینہ۔ قاضی فرماتے ہیں کہ دھین بمعنی مرہونۃ ایسا ہی ہے۔ جیسے تشیمۃ، بمعنی شتم ہے۔ فعیل بمعنی مفعول نہ کہا جائے کیونکہ وہ مؤنث نہیں آتا۔

اصحاب الیمین۔ اس کا مصداق بقول حضرت علیؓ مسلمان بچے ہیں۔ کیونکہ وہ مکلف نہیں جو اپنے اعمال میں ماخوذ اور گردی ہوں۔

فسی جنات۔ مفسر نے پہلے کائناتوں سے متعلق محذوف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے پھر یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہو جائے گا اور جملہ استینافیہ کہلائے گا۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای ما شانہم، نیز فسی جنات، اصحاب الیمین سے یا يتسائلون کے فاعل سے حال ہو۔ جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے اور یسائلون کا ظرف بنانا اور بھی بہتر ہے اور تساؤل اہل جنت کا حقیقۃ

باہمی ہوگا اور یتساء لون بمعنی یستلون غیر ہم کہا جائے۔

ماسلککم فی سفر۔ اہل جنت کا اہل جہنم سے یہ پوچھنا پہلے تساول کے علاوہ ہے جو باہمی تھا اس لئے اس آیت اور ”فی جنت یتساء لون“ میں تعارض کا شبہ نہیں رہا مفسر علام ”و یقولون لہم الخ“ سے اس شبہ کا ازالہ کر رہے ہیں۔

و کنا۔ جہنمیوں کی کہانی ان کی اپنی زبانی ہے پہلا جملہ عام اور دوسرا جملہ خاص گمراہی کا بیان ہے۔

فما تنفعہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے لئے شفاعت نافع ہوگی۔ حدیث میں ہے ان من امتی من یدخل الجنة بشفاعت اکثر من ربيعة ومضر۔ بظاہر شیعہ ہو سکتا ہے کہ کلام مقید میں نفی قید کی ہوا کہتی ہے پس معلوم ہوا کہ کفار کے لئے شفاعت ہوگی مگر نافع نہیں ہوگی حالانکہ اہل سنت کا مسلک مطلق شفاعت کی نفی کا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں قید اور مقید دونوں کی نفی مقصود ہے۔ ای لا شفاعۃ لہم۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری آیت میں ہے۔ فما لنا من شافعیین اور مقصود کفار کے اس قول کا رد کرنا ہے۔ ہو لا شفعاءنا عند اللہ۔ نیز اس آیت سے مومنین کے لئے شفاعت کا نافع ہونا اس قاعدہ کی بنیاد پر نہیں ہے کہ کسی چیز پر نص کرنا اس کے خلاف کی نفی پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہاں کفار کی مذمت ہے، اور مذمت مومنین سے فرق کر کے ہو سکتی ہے۔ تیز مومنین کے لئے شفاعت کا مفید ہونا بکثرت آیات و روایات سے بھی ثابت ہے۔ لیکن معتزلہ کے نزدیک فساق مومنین کے لئے رفع درجات اور زیاتی ثواب کی شفاعت تو ہو سکتی ہے مگر عذاب سے بچنے کے لئے شفاعت نہیں۔ چنانچہ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ اس آیت میں شفاعت کے مفید ہونے کی دلیل ہے یعنی زیادتی درجات کے لئے کیونکہ صغائر معتزلہ کے نزدیک بلا توبہ بھی مطلقاً معاف ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔ لیکن کبار توبہ سے پہلے معاف نہیں ہو سکتے اور توبہ کے بعد شفاعت کی حاجت نہیں رہتی البتہ ثواب زیادہ ہونے کے لئے معتزلہ کا استدلال ان آیات سے ہے۔ لا یقبل منها شفاعۃ، ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ نصوص عام نہیں کہ تمام افراد اور تمام اقوال و اوقات مراد ہوں اور اگر عام ہی مان لیں تو ان سے مراد کفار ہیں تاکہ دونوں قسم کی نصوص جمع ہو جائیں۔

فما لہم عن النار۔ اس میں لہم کا تعلق محذوف ہے۔ ای حصل لہم اور اس سے محذوف کی ضمیر مستقر خبر یعنی جار مجرور کی طرف راجع ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب خبر جار مجرور ہوتی ہے تو اس کا متعلق وجوباً محذوف ہوا کرتا ہے اور اس کی جگہ ضمیر لے لیتی ہے اس لئے اس کو ظرف یا جار مجرور مستقر کہا جاتا ہے۔

من قسورہ۔ بمعنی شیر زختری کہتے ہیں کہ قسور سے فعولہ کا وزن ہے بمعنی فہد شیر کے معنی منقول ہیں۔ مجاہد، عطاء، ابو ہریرہ ابو موسیٰ سے رمۃ کے معنی منقول ہیں۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ ما اعلم بلغۃ احد من العرب ان القسورۃ الا سدھم عصبۃ الرجال۔

ربط آیات:..... سورہ مزمل کا مقصود اصل تو آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے اور کفار کو ڈرانا تبعاً تھا۔ سورہ مدثر میں اس کا برعکس ہے۔ اس لئے سورہ مزمل میں زیادہ آیات تسلی کی اور انداز کی کم تھیں اور اس سورۃ میں اس کا عکس ہے۔ سورہ مدثر میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے بالا جمال ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

شان نزول و روایات:..... صحیحین کی روایت میں فترۃ وحی کا حال ان الفاظ میں ہے۔ فبینا انا امشی سمعت صوتاً من السماء فاذا لملک الذی جاءنی بحراء قاعد علی کرسی بین السماء و الارض مخففت منہ فجئت اہلی

فقلت زملونی زملونی فانزل الله يا ايها المدثر قم فانذر الى قوله فاهجر ثم حمى الوحي ونابع .
اور طبرانی کی روایت ہے۔ ان الوليد ابن المغيرة صنع لقريش طعاماً فلما اكلوا قال ماتقول في هذا الرجل فقال بعضهم ساحرو قال بعضهم كاهن وقال بعضهم شاعر فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فحزن وقنع راسه وتدثر فنزل يا ايها المدثر الى قوله ولربك فاصبر .

مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ خود ولید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کو قرآن سنایا جس سے وہ متاثر ہوا مگر ابو جہل نے ورغلا دیا اور قریش میں تذکرہ ہوا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو کام بگڑ جائے گا اس لئے سب جمع ہوئے اور باہمی گفتگو چلی کسی نے آپ کو شاعر کہا، کسی نے کاهن و ساحر بتلایا۔ مگر ولید بولا کہ میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاهنوں کی باتیں بھی سن رکھی ہیں قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت لوگوں نے خود اس کی رائے پوچھی کہنے لگا سوچ لو چنانچہ سوچ ساچ کر کہنے لگا کہ مجھ کو سحر معلوم ہوتا ہے جس کی تاثیر سے دوستوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے حالانکہ اس سے پہلے سحر کی نفی کر چکا تھا مگر برادری کو خوش کرنے کے بات بنادی ذرنی سے ساسلیہ سقر تک یہی مضمون ہے۔

زہری سے منقول ہے کہ اول ما نزلت سورة اقراء باسم ربك الى ما لم يعلم فحزن رسول الله صلى الله عليه وسلم وجعل يعلو شراحي الجبل فاتاه جبريل انك نبي الله فرجع الى خديجة وقال دثروني وصبراً على ماء بارداً تنزل يا ايها المدثر .

۲۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے۔ قلنا يا رسول الله كيف نقول اذا دخلنا في الصلوة فانزل الله وربك فكبر فامرنا النبي صلى الله عليه وسلم ان نفتح الصلوة بالتكبير . بہر حال اس سورت کی ابتدائی آیات ابتداء نبوت میں نازل ہوئیں۔ اور سورت کا بقیہ حصہ بعد میں نازل ہوا اور اتقان میں ہے کہ سورۃ مدثر کا نزول سورہ مزمل کے بعد ہوا۔ یعنی سورۃ مدثر کا بقیہ حصہ سورہ مزمل کے بعد نازل ہوا۔

۳۔ آیت علیہا تسعة عشر جب نازل ہوئی تو ابو الاشد بولا کہ اے قریش! تم گھبرانا نہیں میں دس فرشتوں کو داہنے ہاتھ کے اور نو کو بائیں ہاتھ کے دھکے سے گردوں گا اور ابو جہل نے تو یہاں تک بڑ لگائی کہ کل انیس فرشتے ہی تو ہیں اور تم بہت ہو۔ کیا دس دس آدمی مل کر بھی ایک ایک فرشتے کو کافی نہیں ہوں گے اس پر وما جعلنا اصحاب النار الا الخ نازل ہوئی۔

ليستيقن الذين ترمي في جابر سے نقل کیا ہے کہ بعض یہود نے بعض صحابہ سے دریافت کیا۔ هل تعلم نبيكم عدد خزنة جهنم؟ قالوا لا ندري حتى نساله فجاءوا الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالوا كم عدد خزنة جهنم؟ قال تسعة عشر. آیت "ان يوتى صحفاً منشرة" کے متعلق قتادہ نے فرمایا کہ قال قائلون من الناس للنبي صلى الله عليه وسلم ان سرک ان تبایعک فاتنا بکتاب خاصۃ یا مرنا باتبا عک. اسی طرح هو اهل التقوى و اهل المغفرة کے متعلق حدیث میں ہے۔ يقول الله تعالى انا اهل ان اتقى فمن اتقى ان يشرك بي غيري فانا اهل ان اغفر له .

﴿تشریح﴾: قم فانذر . یعنی وحی کے بوجھ اور فرشتے کی ہیبت سے گھبرائے نہیں بلکہ منصب نبوت کی ذمہ داری سنبھالنے اور راحت و آرام سب چھوڑ کر لوگوں کو کفر و معصیت کے انجام بد سے ڈرائیں۔ ابتداء نبوت میں چونکہ ایک آدھ ہی مسلمان تھے اس لئے ڈرانے پر اکتفا کیا گیا اور بشارت کا ذکر نہیں فرمایا۔ و ربك فمكبر . اللہ کی بڑائی بولنے ہی سے دوسروں کے دل میں اس کی عظمت و بزرگی اور خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ تمام اعمال و اخلاق سے پہلے اللہ کی تعظیم و تقدیس کی معرفت ہے۔ غرض کہ اللہ کے کمالات

اور انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز کے اندر اور باہر اس کی کبریائی کا اعلان و اظہار تمہارا کام ہے۔

کپڑوں اور نفس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے:..... و ثيابك فطهر۔ یعنی دعوت توحید کے بعد نماز کا نمبر آتا ہے اس کے لئے کپڑوں کی پاکی شرط ہے اور جب کپڑوں کی پاکی ضروری ہوگی تو بدن کی طہارت بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی۔ اس لئے اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی بعض اہل علم نے اس سے نفس کی صفائی مراد لی ہے کہ گندے اخلاق سے ان کو بچاؤ اور بت پرستی سے الگ رکھو۔ حاصل یہ کہ ظاہری و باطنی، حسی و معنوی ہر قسم کی آلودگیوں سے مکمل پرہیز رکھو۔ اس کے بغیر اللہ کی بڑائی اس کے شایان شان دلنشین نہیں ہو سکتی۔ ان آیات میں خطاب اگرچہ خاص ہے مگر احکام عام ہیں۔

ولا تمنن تستکثر۔ اس میں اولوالعزمی اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے کہ دوسروں پر خرچ کرنا بدلہ کی نیت سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ عالی ظرفی کے تقاضہ سے دوسروں پر داد و بخش ہونی چاہئے اس کی مختلف تفسیریں اور بھی کی گئیں مگر یہ تشریح بے تکلف معلوم ہوتی ہے۔

ولربك فاصبر۔ یعنی دعوت و تبلیغ کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر صبر و برداشت سے کام لیجئے اس طرح ان آیات میں اپنی اور دوسروں کی اصلاح آگئی۔

آگے فاذ انقرو سے نہ ماننے والوں کے لئے وعید ہے صور پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا مگر صرف نافرمانوں کے حق میں، لیکن فرمانبردار اس کی سختیوں سے محفوظ رہیں گے۔

ذرنی ومن خلقت۔ یوں تو ہر انسان اپنی ماں کے پیٹ سے اکیلا اور خالی ہاتھ آتا ہے کوئی ساز و سامان لے کر نہیں آتا۔ لیکن یہاں ولید بن مغیرہ مراد ہے جو اپنے باپ کا اکھوتا بیٹا تھا اور دنیاوی ثروت کے لحاظ سے بھی وہ عرب میں یکتا شمار کیا جاتا تھا حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے سرکشوں کے بارے میں جلدی نہ کیجئے اور نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگ دل ہو جیئے۔ بلکہ انہیں ہمارے حوالہ کیجئے ہم ان کی خاطر خواہ مزاج پر سی کر دیں گے۔ آپ اس غم میں نہ پڑیئے۔

لا لچی کی نیت کبھی نہیں بھرتی:..... وبنین شہودا۔ یعنی انتہائی مالدار ہونے کی وجہ سے اس کے دسویں بیٹے ہر وقت نظروں کے سامنے رہتے محفلوں اور مجموعوں میں بلائے جاتے اور زینت محفل بنتے تھے کام کاج کے لئے نوکر چاکر آگے رہتے۔ ان کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور اتنا کچھ دینے پر بھی اس کی طمع پوری نہیں ہوتی تھی بلکہ اور مال و دولت بڑھانے کی فکر میں رہتا۔ یا آنحضرت ﷺ جب کبھی بہشت کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے تو کہتے لگتا کہ اگر یہ صحیح ہے تو یقین ہے کہ مجھے بھی یہ نعمتیں ضرور ملیں گی غرض کہ موجودہ نعمتوں کا حق تو کیا ادا کرتا بڑھوتری کی فکر میں رہتا ہے۔

کلانہ کان لا یستنا۔ یعنی جب وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی خیالی جنت بسائے چنانچہ اس کے بعد جو پھر دیوالیہ ہونا شروع ہوا تو بڑی ذلت و فقر کی حالت میں جان دی۔

سناہقہ۔ یعنی سخت ترین مصائب میں گرفتار ہو گیا دوزخ کے پہاڑ پر چڑھائے اور گرائے جائیں گے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہوگی۔

ولید پلید کی خباثتیں:..... انہ فکر۔ ایک مرتبہ ولید آنحضرت ﷺ کا قرآن سن کر متاثر ہوا مگر قریش میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی کی بات ہوگی۔ سب جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق تبصرے ہوئے۔ کسی نے

آپ کو شاعر، کسی نے کہا ہن کہا مگر ولید نے یہ کہہ کر تردید کر دی کہ میں خود شعر اور کہانت سے واقف ہوں۔ قرآن نہ شعر ہے اور نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر پھر تیری کیا رائے ہے؟ کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں پھر کچھ منہ بنا کر کہنے لگا کہ جادو معلوم ہوتا ہے جو باطل والوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ حالانکہ پہلے جادو ہونے کی تردید بھی کر چکا تھا۔ بلکہ کلام الہی ہونے کا اقرار کر چکا تھا مگر اب برادری کو خوش کرنے کے لئے یہ بات بنا دی۔ یعنی ولید ولید نے سوچ کر ایک بات گھڑ لی کہ قرآن جادو ہے خدا غارت کرے کیسی لغوبات کہی اور خدا غارت کرے کہ لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے بروقت کیسی بڑھانک دی کہ سن کر سب خوش ہو جائیں۔ الفاظ کے دہرانے میں یہ نہ کفر ہے کہ قرآن کو جادو کہنا بے تکاپن ہے۔ کیونکہ جادو ظاہر امور عادیہ میں سے ہونے کی وجہ سے خاص ایک حد تک اس کا اثر رہتا ہے۔ لیکن اس میں طاقت نہیں ہوتی کہ حاضرین کے علاوہ سارے غائبین پر بھی اثر انداز ہو جائے اور ماضی و مستقبل دونوں اس طرح اس کے زیر اثر آ جائیں کہ نہ پہلے اس جیسا کوئی کلام لاسکا اور نہ آئندہ اس جیسا کوئی کلام لاسکے گا اور جھوٹ سے کسی میں ایسا دعوے کرنے کی ہمت و جرأت نہیں ہوتی اور بالفرض کوئی کر بھی لے تو جلد ہی اس کی قلعی کھل جائے گی اور لوگ تکذیب کر دیں گے اس لئے اس مہمل تجویز کون نہایت تعجب خیز فرمایا۔

قرآن کی ہر زمانہ میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے کی تردید کرتی ہے:..... ان هذا الا قول البشر۔ یعنی ولید نے مجمع پر نگاہ ڈالی اور خوب سامنے بنایا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ قرآن کو ناپسند کرتا ہے پھر پیٹھ بھی پھیر لی تا کہ دیکھنے والوں کو یقین ہو جائے کہ اسے قرآن سے نفرت ہے اور وہ دل سے قرآن کو جادو بتلا رہا ہے۔ چنانچہ نہایت تکبر آمیز انداز میں بولا کہ بس یہ قرآن ایک جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور انسانی کلام ہے جس سے دوستوں عزیزوں میں تفریق ہو جاتی ہے۔ ساصلہ سقر۔ یہاں سے ولید کی اخروی سزا کا بیان ہے۔ یعنی عنقریب ہم اس کو جہنم رسید کر کے تکبر کا مزہ چکھائیں گے وہاں دوزخیوں کی کوئی چیز بھی صحیح سلامت نہیں بچے گی سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا اور پھر بدن کی کھال دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ جائے گی پھر اس کو جلا لیا جائے گا اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا ان آیات کی تفسیر اور طرح بھی کی گئی ہے۔ مگر سلف سے اسی طرح منقول ہے۔ اور ”لواحة للبشر“ کا مطلب یہ ہے کہ بدن کی کھال آگ میں جھلس کر حیثیت بگاڑ دے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جیسے دکھتا ہوا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدی کی پنڈلی پر کھال سرخ نظر آئے گی۔

دوزخ میں انیس ۱۹ فرشتے کیوں مقرر ہیں؟..... علیہا تسعة عشر۔ دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کی ایک بھاری جماعت مقرر ہوگی انیس فرشتے خازن اور افسر ہوں گے اور افسر اعلیٰ مالک کہلائیں گے یوں تو ایک فرشتہ بھی اپنی غیر معمولی طاقت و قوت کے بل پر بہت کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے مقررہ دائرہ میں رہ کر ہی اس کی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت عزرائیل لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جان، آئن واحد میں لے سکتے ہیں مگر ایک بچے میں جان نہیں ڈال سکتے۔ حضرت جبرائیل پلک جھپکنے پر وحی لاسکتے ہیں مگر بارش کا ایک قطرہ نہیں برسا سکتے۔ حق تعالیٰ نے جس طرح جسم انسانی میں ہر عضو سے ایک کام مقرر کیا ہے۔ آنکھ سننے اور سونگھنے اور کان دیکھنے اور بولنے کا کام نہیں کر سکتے۔ ہاتھ پاؤں سونگھنے کا کام نہیں کر سکتے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے دوزخیوں کے لئے طرح طرح کے عذاب مقرر کئے وہ سب ایک ہی فرشتہ سے متعلق نہیں کئے جاسکتے بلکہ ہر فرشتہ سے متعلق عذاب کی ایک خاص نوع ہوگی اور عذاب کی انیس قسمیں کیا ہیں جن پر انیس فرشتے مامور ہو گئے اور اتنی ہی تعداد کیوں رکھی گئی۔ اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عمیق و لطیف کلام فرمایا ہے اور حضرت تھانویؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کفار کو اصل عذاب عقائد حق کی مخالفت پر ہوگا جن میں سے عقائد قطعیہ نہیں:-

۱۔ اللہ پر ایمان لانا۔ ۲۔ عالم کو حادث ماننا۔ ۳۔ فرشتوں کو ماننا۔ ۴۔ آسمانی کتابوں کو ماننا۔ ۵۔ پچھلے پیغمبروں کو ماننا۔ ۶۔ تقدیر کو برحق ماننا۔ ۷۔ قیامت۔ ۸۔ جنت۔ ۹۔ جہنم کا یقین رکھنا۔ باقی عقائد انہی کی طرف راجع ہیں اور یہ وہ عقائد ہیں جن سے عملیات کا تعلق نہیں۔ لیکن جن عقائد کا تعلق اعمال سے ہے وہ دس ہیں۔ پانچ کا تعلق مامورات سے اور پانچ کا منہیات سے ہے۔ مامورات کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ ان کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ وہ شعائر اسلام یہ ہیں:-

۱۔ کلمہ شہادت کا اقرار کرنا۔ ۲۔ نمازوں کی اقامت۔ ۳۔ ایتائے زکوٰۃ۔ ۴۔ رمضان کے روزے۔ ۵۔ حج بیت اللہ۔ اور پانچ عقائد کا تعلق منہیات سے ہے یعنی ان کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے:-

۱۔ کفریات۔ ۲۔ قتل بالخصوص قتل اولاد۔ بہتان۔ ۳۔ زنا۔ ۴۔ چوری۔ ۵۔ عصیان فی المعروف۔ جس میں غیبت، ظلم، یتیموں کا مال چھین لینا وغیرہ سب آگیا۔ اس طرح یہ مجموعہ عقائد انیس ہو گئے۔ پس ممکن ہے ایک ایک عقیدہ پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہو اور ان سب میں بڑا عقیدہ تو حید ہے اس پر مامور فرشتہ بھی سب سے بڑا یعنی مالک ہوگا۔

دوزخ پر مامور انیس فرشتوں کی حکمت: وما جعلنا عدتہم۔ خازنین جہنم، کے انیس ہونے کو سن کر کافر ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں یہ انیس ہمارا کیا کر لیں گے۔ بہت سے بہت یہ ہوگا کہ ہر فرشتہ کے مقابلہ میں دس دس جٹ جائیں گے۔ ایک پہلوان نے ڈینگ ماری کہ سترہ کو تو اکیلا میں ہی کافی ہوں، دو کا تم مل کر صفایا کر دینا۔ اس آیت کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ وہ انیس ہیں مگر یہ دھیان رہے کہ آدمی نہیں بلکہ وہ فرشتے ہیں جن کی قوت و طاقت معلوم۔ پھر اس طرح کے تسخر کا کیا موقع! بلکہ اس طرح تعداد میں مکرروں کی جانچ کرنی ہے کہ دیکھیں کون سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی ٹھٹھا کرتا ہے۔ اور اس تعداد میں یہ بھی حکمت ہے کہ اہل کتاب کو قرآن کی حقانیت کا یقین ہو جائے گا کہ یہی تعداد صحیح اور واقعہ کے اور آسمانی کتابوں کے عین مطابق ہے اور یہ دیکھ کر پھر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو ان کے بیان میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا اور نہ وہ مشرکین کے تسخر سے دھوکہ میں پڑیں گے۔

اہل کتاب کے یقین کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی کتابوں میں بھی یہی عدد لکھا ہوگا اس لئے فوراً مان لیں گے اب اگر ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے ان کی کتابیں ضائع ہونے سے اس عدد کا ذکر بھی ضائع ہو گیا ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ عدد تو ان کی کتابوں میں نہ ہو لیکن وہ فرشتوں کی غیر معمولی قوت کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے اور امور تو فیہ بھی ان کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اس لئے ان کے پاس انکار کا کوئی مٹی نہیں تھا۔ پس آیت میں لفظ استیقان سے مراد انکار و استہزاء نہ کرنا ہوگا۔ تاہم پہلی وجہ ظاہر ہے۔

ایمان میں زیادتی و کمی: اسی طرح اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی کی بھی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اہل کتاب کے یقین کو دیکھ کر کیفیت کے لحاظ سے ان کا ایمان بھی قوی ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ باوجود یہ کہ اہل کتاب سے ملتے جلتے نہیں۔ مگر پھر بھی آپ کی وحی پچھلے انبیاء کے موافق ہے اس لئے ضرور آپ بھی برحق نبی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہوگی کہ جب کوئی نیا مضمون آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور مسلمان اس کی تصدیق کرتے تھے تو اس صورت میں ملحوظ کیت بھی ایمان میں اضافہ ہوتا تھا اور یقین کے اثبات اور شک کی نفی میں اگرچہ باہمی تلازم ہے۔ تاہم تاکید کے لئے لایو قاب بڑھا دیا۔ تاکہ دونوں باتوں کی تصریح ہو جائے۔

فسی قلسو بہم مرضی۔ مرض سے مراد شک و شبہ ہے۔ یعنی حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی بعض تو منکر ہو جاتے ہیں اور بعض متذبذب و متروڈ ہو جاتے ہیں۔ اور مکہ میں لوگ ایسے ہوں گے اور مرض سے نفاق بھی مراد ہو سکتا ہے اس صورت میں یہ ایک طرح کی ہشیشیں

گوئی ہوگی کہ دیکھو آگے چل کر مدینہ میں منافقین ہوں اور یہ بات کہیں گے۔ مومنین اور اہل کتاب کے شک اور اس کی نفی کو الگ الگ بیان فرمایا گیا دونوں کو یک جان نہیں کیا گیا کیونکہ مومنین کا یقین، اور شک کی نفی تو شرعی مراد ہے اور اہل کتاب کا یقین اور شک کی نفی لغوی ہے۔

’ماذا اراد الله‘۔ دوزخ کے داروغہ انیس ہوں یہ بے تکی بات بھلا اللہ کیوں کرتا! معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کی طبعزاد باتیں ہیں۔ جواب میں فرماتے ہیں۔

حاکمانہ جواب:..... كذلك يضل الله۔ یعنی ایک ہی چیز ہوتی ہے جس سے بد استعداد گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور سلیم الفطرت انسان فلاح یاب اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ جس کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے اور اسے توفیق نصیب ہوتی ہے اس کے تو ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے اور جسے ماننا ہی نہ ہو وہ کام کی بات کو بھی ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ یوں تو اللہ کے بے شمار فرشتوں کے لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے۔ انیس فرشتے تو افسر اعلیٰ ہوں گے۔ لیکن ان کے ساتھ اعموان و انصار کا عملہ کتنا ہوگا؟

مسلم کی روایت ہے کہ جہنم کے ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے تھامے ہوں گے اور پھر مقصود اصلی لوگوں کی عبرت و نصیحت کے لئے دوزخ کا حال بیان کرنا ہے۔ فرشتوں کی کمی زیادتی یا اس کی حکمت کے بیان کرنے نہ کرنے پر وہ موقوف نہیں ہے پس عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زوائد پر نظر نہ کرتے ہوئے مقصود اصلی پر نظر رکھی جائے تاکہ لوگ غضب الہی سے ڈر کر نافرمانی سے باز رہیں۔

آگے کلا والقمر سے قسموں سے کلام کو مؤکد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت میں جو بڑی بڑی ہولناک چیزیں پیش آنے والی ہیں دوزخ ان میں سے ایک مصیبت ہوگی اور چونکہ اس ڈرانے کا انجام قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے ایسی چیزوں کی قسم کھائی گئی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہیں۔ چنانچہ چاند کا بڑھنا پھر گھٹنا، اس دنیا کی نشوونما کا ایک نمونہ ہے اور اس کے آہستہ آہستہ ختم ہو جانے کا یہاں تک کہ چاند کے حلق کی طرف یہ عالم بھی فانی محض ہو جائے گا۔ اسی طرح اس دنیا کو آخرت کے ساتھ حقائق کے منور و منکشف ہونے میں ایسی ہی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گزر جانے اور اس عالم آخرت کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔

مقربین اور اصحاب الیمین:..... الا اصحاب الیمین۔ اصحاب الیمین کی تشریح سورہ واقعہ میں گزر چکی ہے۔ البتہ اصحاب الشمال کے مقابل ایسا مفہوم مراد ہے جس میں مقربین بھی شامل ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ مومنین دوزخ کے جس سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ روز الست بھی وہ حضرت آدم کی پشت کی داہنی جانب سے نکلے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور پھر حشر کے موقف میں بھی عرش کے داہنی سمت بہشت بریں میں کھڑے ہوں گے اور اعمال نامہ بھی ان کا داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ لوگ جنت کے باغات میں آزادی اور خوش عیشی سے رہیں گے آرام اور بے فکری کی فضا میں آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گنہگاروں کا حال دریافت کریں گے اور پھر معلوم ہونے پر خود گنہگاروں سے براہ راست مخاطب ہوں گے کہ میاں دنیا میں اتنے کامیاب ہوتے ہوئے یہاں دوزخ میں کیسے آ پڑے۔ وہ دنیا کا اپنا حال بیان کریں گے کہ ہم نے اللہ کا حق پہنچانا، نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بری صحبتوں میں رہ کر شبہات کے دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی کمبختی یہ ہوئی کہ ہمیں یقین نہیں ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی۔ یہاں آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین ہو گیا جن کو جھٹلایا کرتے تھے یعنی دنیا میں مرتے دم تک نافرمانی سے باز نہ آئے اور اسی حالت میں جان دی اس لئے دوزخ میں آنا پڑا۔

کفار کیا فرعی احکام کے مکلف ہیں:..... اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ کفار مکلف بالفروع ہیں کیونکہ ستر میں دو چیزیں ہوں گی۔ ایک عذاب دوسرے عذاب کی زیادتی۔ پس ممکن ہے ان اعمال کا مجموعہ عذاب اور زیادتی عذاب کے مجموعہ کا سبب اس طرح ہو کہ کفر و انکار تو نفس عذاب کا سبب ہو اور نماز وغیرہ اعمال سبب ہوں زیادتی عذاب کے اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ ہوں کہ ان فروع پر نفس عذاب نہیں ہوگا۔ البتہ عذاب کی زیادتی اس لئے ہوگی کہ آخر اصول کے ضمن میں ان فروع کے بھی تو مکلف تھے۔ پس ضمنی تکلیف زیادتی کا سبب ہوئی۔

لما تنفعهم شفاعۃ الشافعين . کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کرے گا اور کرے گا تو قبول نہیں ہوگی ان بد نصیبوں کو دیکھو کہ مصیبتیں سامنے ہیں مگر نصیحت سن کر شس سے مس نہیں ہوتے۔ بلکہ نصیحت سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور حق کا شور و غل اور شیران خدا کی آوازیں سن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں گدھا اول تو حماقت ہلاوت میں مشہور ہے۔ دوسرے شہری گدھا نہیں بلکہ جنگلی گدھا فرض کیا گیا جس کو گور خ کہتے ہیں۔ وہ تو خواہ خواہ ہی بدکتر ہوتا ہے۔ تیسرے کہیں شیر سے اگر اس کا پالا پڑ جائے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے۔

خن سازی بہانہ بازی:..... اہل یسریہ . پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتریں اور انہیں پیغمبر بنا دیا جائے یا پیغمبر کے اتباع کا حکم دیا جائے۔ حتیٰ نوتی مثل ما اوتیٰ رسل اللہ حتیٰ تنزل علینا کما بانفروہ۔ آگے جواب میں فرماتے ہیں۔ کلا الخ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔ اول تو ان کی درخواستیں بے تکی اور بے ہودہ اور پھر مقصد بھی نہیں کہ اس کے بعد مان جائیں گے۔ بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب آخرت سے ڈرتے نہیں اور نہ ان میں حق کی طلب ہے۔ بس یہ درخواست بھی محض تعنت کے طور پر ہے رہا ہر ایک کی مستقل کتاب کے لئے فرمائش ہو یہ بھی دفع الوقتی ہے۔ ورنہ ایک کتاب قرآن ہی سب کے لئے کافی ہے۔ قرآن اگرچہ ایک پرائز، مگر کام تو سب کے آتا ہے اللہ کی یا، اللہ کی مشیت اور توفیق کے تابع ہے اور مشیت اس کی حکمت کے تابع ہے اور حکمت کا احاطہ کوئی کر نہیں سکتا۔ اللہ ہی سب کی صلاحیت اور لیاقت سے واقف ہے۔ اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

ہو اہل التوفی . انسان خواہ کتنا ہی گناہ کرے گا لیکن جب اللہ سے ڈرے گا اور تقویٰ کی راہ پر چلے گا تو اللہ بھی توبہ قبول کر لے گا اور سب گناہ بخش دے گا۔ انس بن مالک کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر اس آیت کی تلاوت کے بعد بطور وضاحت یہ عبارت ارشاد فرمائی۔ قال ربکم عزوجل انا اہل ان تقی فلا یشرک بی شنی فاذا اتقانی العبد فانا اہل ان اغفر لہ . اے اللہ! ہم سب کے گناہ معاف فرما۔

لطا ئف سلوک:..... ولا تمنن تستكثر . روح المعانی میں بعض کی تفسیر نقل کی ہے کہ آپ کسی سے زیادہ کمانے کی نیت سے کچھ عطامنت کیجئے اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اپنے دیئے ہوئے کو زیادہ مت سمجھو اور بعض نے کہا ہے کہ اپنی نیکیوں کو زیادہ سمجھ کر مت جتلاؤ۔ ان سب صورتوں میں اخلاق و طریق کی تعلیم ہے۔

فما لہم عن الذکوة . ان آیات میں کالمین کی پیروی سے غار کرنے اور اپنے نفس کے لئے احوال و واردات کی توقع رکھنے کی مذمت ہے۔

سُورَةُ الْقِيَمَةِ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ مَكِّيَّةٌ أَرْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا زَايِدَةٌ فِي الْمَوْضِعَيْنِ أَقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَمَةِ ﴿١﴾ وَلَا أَقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾ الَّتِي تَلُومُ نَفْسَهَا وَإِنْ
اجْتَهَدَتْ فِي الْإِحْسَانِ وَحَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوفٌ أَيْ لَتُبْعَثَنَّ دَلَّ عَلَيْهِ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَيْ الْكَافِرُ
الَّذِينَ نَجْمَعُ عِظَامَهُ ﴿٣﴾ لِلْبُعْثِ وَالْإِحْيَاءِ بَلَى نَجْمَعُهَا قَادِرِينَ مَعَ جَمْعِهَا عَلَى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ﴿٤﴾
وَهُوَ الْأَصَابِعُ أَيْ نُعِيدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكِبِيرَةِ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ
الْأَلَامَ زَائِدَةً وَنَصَبَهُ بِأَنْ مُقَدَّرَةٌ أَيْ أَنْ يَكْذِبَ أَمَامَهُ ﴿٥﴾ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ دَلَّ عَلَيْهِ يَسْئَلُ أَيَّانَ مَتَى يَوْمُ
الْقِيَمَةِ ﴿٦﴾ سَوَالٌ اسْتَهْزَاءً وَتَكْذِيبٌ فَإِذَا بَرَقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾ بِكُسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا دَهْشَ وَتَحِيرَ لِمَا رَأَى
مِمَّا كَانَ يُكْذِبُ بِهِ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ أَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْؤُهُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ فَطَلَعَا مِنْ
الْمَغْرِبِ أَوْ ذَهَبَ ضَوْؤُهُمَا وَذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَغْرِبُ ﴿١٠﴾ الْفِرَارُ كَلَّا
رَدْعٌ عَنْ طَلَبِ الْفِرَارِ لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ لَا مَلْجَأَ يَتَحَصَّنُ بِهِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ مُسْتَقَرُّ
الْخَلَائِقِ فَيَحَاسِبُونَ وَيُجَارُونَ يُنَبِّئُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَآخَرَ ﴿١٣﴾ بِأَوَّلِ عَمَلِهِ وَآخِرِهِ بَلْ
الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ شَهِدَتْ تَنْطِقُ جَوَارِحُهُ بِعَمَلِهِ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ جَزَائِهِ وَلَوْ
أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾ جَمَعَ مَعْدَرَةً عَلَى غَيْرِ قِيَاسٍ أَيْ لَوْجَاءً بِكُلِّ مَعْدَرَةٍ مَاقِلَتْ مِنْهُ قَالَ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ
لَا تَحْرُكَ بِهِ بِالْقُرْآنِ قَبْلَ فَرَاغِ جِبْرِئِيلَ مِنْهُ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ خَوْفٌ أَنْ يَنْفَلِتَ مِنْكَ إِنَّ
عَلَيْنَا جَمْعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ قِرَاءَتُكَ إِيَّاهُ أَيْ جَرَيَانُهُ عَلَى لِسَانِكَ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ عَلَيْكَ بِقِرَاءَةٍ
جِبْرِئِيلَ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ اسْتَمِعْ قِرَاءَتَهُ فَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا

بَيَانُهُ (۲۰) بِالنَّفْهِسِ لَكَ وَالْمُنَاسَبَةُ بَيْنَ هَذِهِ الْآيَةِ وَمَاقَبَلَهَا أَنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتْ الْإِعْرَاضَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ تَعَالَى وَهَذِهِ تَضَمَّنَتْ الْمُبَادِرَةَ إِلَيْهَا بِحِفْظِهَا كَلَّا اسْتِفْتَاخَ بِمَعْنَى لَا بَلْ تُجِبُونَ الْعَاجِلَةَ (۲۱) الدُّنْيَا بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفَعْلَيْنِ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ (۲۲) مَلَا تَعْمَلُونَ لَهَا وَجُودَ يَوْمِيذٍ أَيْ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ نَاصِرَةً (۲۳) حَسَنَةً مُضِيئَةً إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةً (۲۴) وَوُجُودَ يَوْمِيذٍ بِاسِرَةٍ (۲۵) كَالِحَةٍ شَدِيدَةُ الْعُبُوسِ تَظُنُّ تَوْفَرَ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةً (۲۶) دَاهِيَةً عَظِيمَةً تَكْسِرُ فَقَارَ الظَّهْرِ كَلَّا بِمَعْنَى إِلَّا إِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ التَّرَاقِي (۲۷) عِظَامَ الْحَلْقِ وَقِيلَ قَالَ مَنْ حَوْلَهُ مَنْ رَاقٍ (۲۸) يُرْقِيهِ لِيَشْفَى وَظَنَّ أَيَقْنُ مَنْ بَلَغَتْ نَفْسُهُ ذَلِكَ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۲۹) فِرَاقُ الدُّنْيَا وَالتَّقْتُ السَّاقِ بِالسَّاقِ (۳۰) أَيْ إِحْدَى سَاقِيهِ بِالْآخَرَى عِنْدَ الْمَوْتِ أَوِ التَّقْتُ شِدَّةُ فِرَاقِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ اقْبَالِ الْآخِرَةِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ النَّمْسَاقُ (۳۱) أَيْ السَّوْقُ بَعْجٌ وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى الْعَامِلِ فِي إِذَا الْمَعْنَى إِذَا بَلَغَتْ النَّفْسُ الْحُلُقُومَ تُسَاقُ إِلَى حُكْمِ رَبِّهَا فَلَا صَدَقَ الْإِنْسَانُ وَلَا صَلَّى (۳۲) أَيْ لَمْ يُصَدِّقْ وَلَمْ يُصَلِّ وَلَكِنْ كَذَّبَ بِالْقُرْآنِ وَتَوَلَّى (۳۳) عَنِ الْإِيمَانِ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ يَتَمَطَّى (۳۴) يَتَبَخَّرُ فِي مَشْيِهِ إِعْجَابًا أُولَى لَكَ فِيهِ التِّفَاتُ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْكَلِمَةُ اسْمُ فِعْلٍ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِينِ أَيْ وَلَيْكَ مَا تَكْرَهُ فَأُولَى (۳۵) أَيْ فَهُوَ أُولَى بِكَ مِنْ غَيْرِكَ ثُمَّ أُولَى لَكَ فَأُولَى (۳۶) تَاكِيدٌ أَيْحَسَبُ يَظُنُّ الْإِنْسَانُ أَنْ يَتْرَكَ سُدَى (۳۷) هَمَلًا لَا يَكْلَفُ بِالشَّرَائِعِ أَيْ لَا يَحْسَبُ ذَلِكَ أَلَمْ يَلْكَ أَيْ كَانَ نُطْفَةً مِنْ مَنِيِّ يُمْنَى (۳۸) بِالْيَاءِ وَالنَّاءِ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ ثُمَّ كَانَ الْمَنِيُّ عِلْقَةً فَخَلَقَ اللَّهُ مِنْهَا الْإِنْسَانَ فَسَوَّى (۳۹) عَدَلَ أَعْضَاءَهُ فَجَعَلَ مِنْهُ مِنْ الْمَنِيِّ الَّذِي صَارَ عِلْقَةً أَيْ قِطْعَةً دَمٍ ثُمَّ مُضْغَةً أَيْ قِطْعَةً لَحْمٍ الزَّوْجَيْنِ النَّوعَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى (۴۰) يَحْتَمِعَانِ تَارَةً وَيَنْفِرُ كُلٌّ مِنْهُمَا عَنِ الْآخَرِ تَارَةً أَلَيْسَ ذَلِكَ الْفَعْلُ لِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى (۴۱) قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَى

ترجمہ: سورہ قیامہ کی ہے۔ اس میں پالیس آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحیم الرحیم۔

(دونوں جگہ لازم ہے) میں قسم کھاتا ہوں قیامت۔ یہ ان کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے (باوجود سبکی میں بے حد کوشش کرنے کے پھر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جواب قسم مخدوف ہے۔ یعنی ”لبعثن“ جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) کیا انسان (کافر) کا گمان یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں قطعاً جمع نہیں کریں گے (دوبارہ زندہ کرنے اور جلانے کے لئے) کیوں نہیں (ہم ضرور جمع کریں گے) کیونکہ ہم (ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ) اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلی کے پوروں تک جمع کر دیں (یعنی جب پوروں کی ہڈیاں ہم ٹھیک ٹھاک کر دیں گے تو بڑی کیسے نہیں کریں گے) بلکہ بعض دفعہ آدی یوں چاہتا ہے کہ گناہ کرتا رہے (لام زندہ ہے

اور ان مقدر کے ذریعہ منسوب ہے۔ تقدیر عبادت ان یکذب ہے) اپنی آئندہ زندگی میں بھی (مراود قیامت ہے جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (ہنسی مذاق اور انکار کے طریقہ پر) سو جب آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی (بـسـرق راء کے سرہ اور فتح کے ساتھ ہے، جس چیز کو جھٹلایا تھا اس کو سامنے دیکھ کر ہکا بکارہ جائے گا) اور چاند بے نور ہو جائے گا (اندھیرا ہو جائے گا، روشنی چلی جائے گی) اور سورج اور چاند ایک طرح کے ہو جائیں گے (چنانچہ پچھم سے نکلیں گے یا دونوں میں روشنی نہیں رہے گی اور یہ قیامت کے روز ہوگا) اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر جاؤں (بھاگوں) ہرگز نہیں۔ (نکل بھاگنے کی جستجو پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے (بچ نکلنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے) (صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی اس دن ٹھکانا ہے) مخلوق حساب کتاب کے لئے پیش ہوگی) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا (اعمال کا شروع آخر) جتلا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا (اس کے کام کی گواہی خود اس کے اعضاء دیں گے۔ بصیرت میں ہر مبالغہ کے لئے ہے۔ بہر حال عمل کا بدلہ ضرور ہوگا) اگرچہ وہ اپنے حیلے بہانے کرے گا (معاذیر معذرت کی جمع ہے خلاف قیاس یعنی پورا حیلہ بھی کرے گا تب بھی کچھ کارگر نہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتے ہیں) اے پیغمبر! آپ نہ ہلایا کیجئے (جبرائیل کے قرآن سننے سے پہلے) اپنی زبان قرآن کو جلدی لینے کے لئے (اس ڈر سے کہ کہیں قرآن چھوٹ نہ جائے) یقیناً ہمارے ذمہ ہے (آپ کے سینہ میں) اس کو جمع کر دینا اور اس کو پڑھو دینا (آپ کو اس کی قرأت آپ کی زبان پر جاری کر کے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (آپ کے سامنے جبرائیل سے پڑھوا کر) تو آپ اس کے تابع ہو جائیا کیجئے (یعنی جبرائیل کی قراءت سنا کیجئے۔ چنانچہ پہلے حضور ﷺ سنتے تھے پھر خود پڑھتے تھے) پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ (آپ ﷺ کو سمجھا دینا اور پچھلی آیت اور اس آیت میں مناسبت یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کی آیات سے اعراض تھا اور اس آیت میں ان کو حفظ کر کے شوق ظاہر کرنا ہے۔ اے منکر و ہرگز نہیں (کلا بمعنی الا کلمہ استغناح ہے) بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو (دونوں فعلوں میں تا اور بنا کے ساتھ ہے) اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو (اس کے لئے کام نہیں کرتے) بہت سے چہرے اس روز (قیامت میں) تروتازہ (بارونق) ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق (پیلے بے حد پڑمرودہ) ہوں گے۔ گمان (یقین) کر رہے ہوں گے ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (سخت جھٹکے کا جس سے کمر کا مٹکا ٹوٹ کر رہ جائے گا) ہرگز ایسا نہیں (کلا بمعنی الا) جب جان ہنسی (حلق کی ہڈی) تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے (ارد گرد لوگ کہتے ہیں) کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے (کہ جس کے جھاڑنے سے شفا ہو جائے) اور وہ گمان کر لیتا ہے (جس کا سانس ہنسی تک آ جائے وہ یقین کر لیتا ہے) کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے (دنیا سے رخصت ہونا ہے) اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے (جان نکلنے وقت پنڈلی ایک دوسری پر چڑھتی ہے۔ یاد دنیا سے رواں گئی اور آخرت کی آمد کی شدت میں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں) اس روز ترے پروردگار کے حضور جانا ہے (مساق بمعنی سوق ہے۔ یہ جملہ اذاکے عامل پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی سانس جب گلے میں اٹک کر رہ جائے تو اللہ کے حکم کی طرف رواں گئی شروع ہو جاتی ہے تو اس سلسلے میں اس (انسان) نے نہ تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن (قرآن کی) تکذیب کی تھی اور (ایمان سے) منہ موڑا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (خود پسندی کے ساتھ ناز و انداز سے چلتا تھا) تیری کبختی پر (یہاں غائب کے صیغے سے خطاب کی طرف التفات ہے اور کلمہ اولیٰ اسم فعل ہے اور لام بنیانا ہے۔ یعنی تیری شامت آگئی) کبختی آنے والی ہے (یعنی دوسرے کی بجائے تو بھی اس کا مستحق ہے) پھر تیری کبختی پر کبختی آنے والی ہے (یہ تاکید ہے) کیا یہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (فضول کسی شریعت کا پابند نہ ہو۔ یعنی انسان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے) کیا یہ شخص ایک قطرہ مٹی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا۔ (یا اور تا کے ساتھ ہے، رحم میں ٹپکایا گیا) پھر وہ خون کا ٹوٹھرا ہو گیا، پھر اللہ نے (اس سے) انسان بنایا، پھر اعضاء (مناسب طور پر) ٹھیک ٹھاک کئے۔ پھر اس کی (یعنی اس منی کی جو علاقہ یعنی خون کی پھٹک، پھر مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی ہو گئی تھی) دو تسمیں (نوعیں) کر دیں مرد و عورت (کبھی دونوں ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی الگ الگ) کیا وہ (ان کا مول کو سر انجام دینے والا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ضرور قدرت رکھتا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: لا اقسام قسم کے ساتھ کلام عرب میں لا زائد آتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لازائد نہیں ہے بلکہ نفی کے معنی ہیں یعنی قسم کھانے کی حاجت نہیں کیونکہ مضمون ظاہر و باہر ہے۔

السلوامة صیغہ مبالغہ ہے۔ یعنی انسان خواہ نیک کام کرے پھر بھی نفس ملامت کرتا ہے کہ زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور برائی کرنے پر تو خیر ملامت کرتا ہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ السلوامة هی اللتی تلوم علی الخیر والشر یقول لو فعلت کذا وکذا۔ حضرت حسنؓ سے منقول ہے۔ ان المؤمن لا تراہ الا یلوم نفسه ما اردت بحکممتی ما اردت بحلدیثی نفسی والا اراہ الا یعاتبہا وان الفاجر یمضی قد مالا یعاتبہا نفسه۔ اور نیکیوں پر نفس کا ملامت کرنا بطور ترغیب ہوتا ہے کہ اور زیادہ نیکیاں کی جائیں۔

الن نجمع۔ ہمزہ اور لام کے درمیان نون نہیں لکھا ہے بلکہ ہمزہ اور لام ملا کر لکھے ہوئے ہیں۔ ان مخففہ ہے۔ ضمیر شان اسم ہے اور لسن اور اس کے بعد کی عبارت خبر کی جگہ ہے۔ یہاں حرف نفی فاعل ہے اور پھر یہ جملہ حسب کا ایک مفعول ہے یا دونوں مفعول علی اختلاف الاقوال بلی۔ قادرین نفی کے بعد اثبات کیا جا رہا ہے، عام قرأت قادرین نصب کی ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ فعل مقدر کے فاعل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای بلی نجمعہا قادرین اور دوسرا قول یہ ہے کہ کان مضمکر کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای بلی کنا قادرین فی الابداء۔ اور ابن علیہ قادرین رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں، مبتداء محذوف کی خبر ہو کر ای بلی نحن قادرین مفسر نے ”مع جمعہا“ سے اشارہ کیا ہے۔ آیت کے مطلب کی طرف یعنی ہم ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ پوروں کے درست کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

لیفجر۔ لام زائد ہے اور ان مقدر ہے۔ ای یرید الا نسان ان یفجر امامہ۔ مفسر کی یہ توجیہ بہتر ہے بہ نسبت اس توجیہ کے کہ مفعول کو مقدر مانا جائے اور یوں تقدیر نکالی جائے۔ یرید الا نسان شہواتہ ومعاصیہ۔ نیز اس توجیہ سے بھی بہتر ہے کہ فعل کو بمنزلہ لازم کہا جائے یا مصدر کے معنی میں لے کر مبتداء کہا جائے اور تقدیر عبارت اس طرح نکالی جائے۔ اراۃ الا نسان کائنۃ لیفجر امامہ۔ مفسر نے ”ان یکذب“ سے اشارہ کیا کہ فجور کے معنی تکذیب کے ہیں۔ لفظ امامہ اس کا مفعول ہے اور ضمیر انسان کی طرف ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اس سے کافر منکر قیامت مراد لیتے ہیں۔

برق البصر۔ نگاہ پتھر جائے، ایک جگہ جم کر رہ جائے۔ یعنی آدمی دیکھ کر ہکا بکا رہ جائے لفظ برق میں دونوں لعنت مفسر نے بتلا دیئے۔

وجمع الشمس والقمر۔ یعنی ایک ہی سمت سے دونوں کا ٹکنا مراد ہے۔ اس طرح خوف بھی اس صورت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے صرف حاق کے معنی لے کر اہل بیت اور نجوم کی اصطلاح مراد نہ لی جائے اور یا کہا جائے کہ حسف تو نصف مہینہ میں ہو جائے گا اور چاند سورج کا جمع ہونا آخر ماہ میں ہوگا۔ یا جمع کرنے سے مراد دونوں کو بے نور کر دینا ہو یا ایک ہی آسمان میں دونوں کا جمع حقیقی مراد ہو۔ عطاء بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ یجمعان یوم القیامۃ ثم یقذفان فی البحر فیکو نان نار اللہ الکبریٰ۔

المفر مصدر ہے اسم ظرف نہیں ہے۔

لا وزر۔ بقول زختریؒ پناہ گاہ کے معنی ہیں وزر بمعنی ثقل سے ماخوذ ہے لا کی خبر محذوف ہے۔ ای لا وزر لہ المستقر مبتداء ہے اور الی ربک خبر مقدم ہے اور مصدر بمعنی استراہ بھی ہو سکتا ہے پھر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

بما قدم و اخر۔ مجاہدؒ و ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ما قدم عملہ الصالح والسنی الذی عملہ فی حیاتہ وما اخر

سننہ الذی یعمل بہا بعد موتہ حسنة او سیئہ اور بعض نے ما قدم سے عمل کا کرنا اور اخر سے عمل کا چھوڑنا مراد لیا ہے۔

علی نفسہ بصیرۃ۔ بصیرۃ کا مؤنث صیغہ اس لئے ہے کہ انسان سے اس کے اعضاء مراد ہیں یا ہائے مبالغہ مانی جائے جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ اعضائے بدن ہی گواہی کے لئے کافی ہوں گے کسی اور شاہد کی حاجت نہیں۔ ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، مقاتلؓ کی رائے بھی یہی ہے۔

معاذیرہ۔ معاذر کی جمع ہے معذرة کی جمع بنانے پر صاحب کشافؒ نے اعتراض کیا ہے کہ معاذیر معذرة کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے اسم جمع ہے یعنی خلاف قیاس جمع مانا جاسکتا ہے۔ جیسے منکر اور مرسل کی جمع مناکیر اور مراسیل ہیں۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ”القحیٰ معاذیرہ“ میں استعارہ تبعیہ ہے کہ معذرت پیش کرنے کو القاء سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی کنہ میں پانی تلاش کرنے کے لئے ڈول ڈالنے کے ہیں۔

لا تحرك به لسانك۔ جبرائیل امین کے وحی لانے پر آنحضرت ﷺ جلد یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے تا کہ ذہول نہ ہو جائے۔ اس لئے زبان جلد چلاتے جس سے یکسوئی میں فرق آتا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ پہلے باطمینان سن لیجئے محفوظ بعد میں کر دیا جائے گا بیک وقت دو کاموں کی طرف توجہ کرنے سے تعب بھی ہوگا اور کام بھی سلیقہ سے نہیں ہوگا۔ غرض کہ آپ کامل توجہ سے پہلے سن لیجئے پڑھو نا یاد کرنا اور سمجھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے۔ اس سے تعلیم میں شوق کا پسندیدہ ہونا جہاں معلوم ہوا وہاں قرآن شریف کا اتنا تیز پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں نا پسندیدہ ہونا بھی معلوم ہوا۔

متقدمین روانض۔ یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن کو رد و بدل کر دیا گیا ہے اور دلیل میں آیت لا تحرك الخ کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت ماقبل سے بے ربط ہے۔ حالانکہ کلام الہی بے ربط ہونا چاہئے۔ پس معلوم ہوا کہ تحریف ہوئی ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بطور جواب وجوہ مناسبت متعدد بیان کی ہیں۔ مفسرؒ بھی۔ ”والمنا سبتہ“ سے اسی کی کوشش فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی آیات میں کافروں کی آیات الہی سے بے توجہی اور غاد فرمائی گئی اور اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے شوق و رغبت کو آیات الہی کے سلسلہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ لیکن قاضی بیضاویؒ کی تقریر کا ما حاصل یہ ہے کہ آیت ”لا تحرك الخ“ میں بھی خطاب اسی عام انسان کو ہے جس کا ذکر قیامت کے ذیل میں اوپر سے آ رہا ہے۔ کہ اے انسان! تو اپنے اعمال نامہ کے پڑھنے میں جلدی نہ کر، پہلے سن لے پھر مکمل طریقہ سے اتمام حجت کر کے تیرا اطمینان کر دیا جائے گا۔ اگلی آیات کلا بل تحبون الخ کا تعلق بھی اسی مضمون قیامت سے ہے۔ اس طرح کلام نہایت مربوط ہو جاتا ہے۔

ثم ان علينا بیانه۔ علماء اصول نے بیان کی پانچ صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ۱۔ بیان تقریر۔ ۲۔ بیان تفسیر۔ ۳۔ بیان تغیر۔ ۴۔ بیان ضرورت۔ ۵۔ بیان تبدیل۔ پہلی دو صورتوں کا اعتبار تو موصول منفصل دونوں طرح ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم صرف کلام میں متصل ہونے پر معتبر ہے۔ اور پانچویں قسم صرف مفعولاً معتبر ہوگی۔ نیز پانچویں قسم کا تعلق کلام سے نہیں ہوتا بلکہ سکوت وغیرہ سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن فخر الاسلامؒ بیان تغیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ موصول اور منفصل معتبر ہونا چاہئے۔ کیونکہ کہ آیت میں ”ثم ان علينا بیانه“ فرمایا گیا ہے اور ثم تراخی کے لئے آتا ہے۔ نیز حقیقہ مراد پر اعتماد کے لئے تو مجمل خطاب بھی کافی ہوتا ہے۔ بیان مراد کا انتظار کرتے ہوئے اور متشابہ میں بیان کا انتظار نہ ہونے کے باوجود مجمل سے خطاب صحیح ہے۔ لیکن شروع فخر الاسلام میں یہ لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ”فاتبع قرآنہ“ فرمایا ہے اور مجمل کی اتباع بغیر بیان نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراخی کا تعلق بیان تقریر تبدیل سے تو ہو سکتا ہے مگر بیان تغیر سے نہیں۔ اس لئے شیخ فخر الاسلام کا فرمانا صحیح نہ رہا۔ الا یہ کہ کہا جائے کہ اتباع کا تعلق صرف اس حصہ سے ہے جو محتاج

بیان نہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جب ہم قرآن پڑھیں تو جتنا اتباع ہو سکے آپ کیجئے اور جو نہ ہو سکے تو ہم اس کو بیان کر دیں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ اتباع کا حکم ہی بشرط بیان ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مطلق اتباع کا حکم دیا ہے اعتقاداً و یا عملاً پھر مطلق بیان کا وعدہ بھی بیان فرمایا اس کا تحقق کہیں تو بیان تقریر کی صورت میں ہوگا اور کہیں بیان تغیر کی صورت میں اور کہیں بیان تفسیر کی شکل میں۔ غرض سب بیانات کا مفعول ہونا صحیح ہو گیا۔ لیکن یہ تقریر ہم کو اپنے معنی پر رکھنے کی صورت میں ہوگی۔ لیکن امام زاہدی کے رائے ہیں کہ ہم بمعنی مع ہے۔ جیسے ہم کسان من الذین امنوا میں ہے۔ اب مطلب ہوگا کہ آپ قرأت سنئے اس کے ساتھ بیان کی ذمہ داری ہماری ہے۔ پس حضور کا قولی یا فعلی بیان بھی اللہ ہی کا بیان سمجھا جائے گا۔

السی رہبا ناظرة۔ شرح عقائد نفسی میں مومنین کو آخرت میں دیدار الہی کے ہونے پر نقلی دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے۔ اس سے پہلے جملہ ”وجوہ یومئذ ناظرة“ میں وجوہ مبتداء اور ناظرة خبر ہے۔ اور ”السی رہبا ناظرة“ جملہ اسمیہ یا ظرفیہ حال واقع ہو رہا ہے۔ ناظرة کی ضمیر مستتر سے نظارة بمعنی تروتازہ اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ پس آیت میں مومنین کا دیدار سے مشرف ہونا اور ”وجوہ یومئذ باسرة“ اگلی آیت سے کفار کا اس نعمت سے محروم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن لغت میں نظر کے معنی انتظار کے بھی ہیں۔ اس وقت یہ لفظ خود متعدی ہوتا ہے جیسے وما یبظرون الا صیحة واحدة اور فکر کے معنی بھی آتے ہیں اس وقت فی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے کہا جاتا ہے نظرت فی الدمیر الفلانی اور کبھی راحت و مہربانی کے معنی میں بھی آتا ہے لام کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نظر الا میر لفلان اور جب دیکھنے کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے تو الی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نظرت الی من حسن اللہ وجہہ۔ چنانچہ شرح مواقف میں اس کو یقینی دلیل کہا گیا ہے۔ مشہور حدیث انکم مسترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر سے بھی روایت باری تعالیٰ ثابت ہو رہی ہے جس کو اکیس آثار صحابہؓ نے نقل فرمایا ہے اور یہ کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لیکن معزز نے بعد میں انکار کیا ہے کیونکہ علامہ زحشریؒ کہتے ہیں کہ یہاں دیکھنے کے معنی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ تو تقدیم جاری وجہ سے حصر کے ساتھ یہ معنی ہوں گے کہ صرف اللہ کو دیکھیں گے اور کچھ نہیں دیکھیں گے۔ حالانکہ یہ غلط بیانی ہوگی۔ اس لئے بقول صاحب کشف یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ نظر سے مراد انتظار لی جائے اور کہا جائے کہ وجہ سے مراد ذات ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنت کی نعمت و کرامت کا انتظار صرف اللہ سے کریں گے۔ لیکن قاضی بیضاوی نے زحشریؒ کی اس بات کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ وجہ سے جملہ اور ذات مراد لینا بعید ہے۔ کیونکہ انتظار اور درجاء کی نسبت وجہ کی طرف نہیں کی جاتی اور نظر جب الی کے ساتھ متعدی ہے تو انتظار کے معنی نہیں بلکہ روایت کے معنی آتے ہیں۔ رہا دیدار الہی کا حصر، عشاق کے لئے صحیح ہے کیونکہ وہ اس استغراق میں دوسری طرف التفات نہیں کریں گے۔ البتہ زحشریؒ کے قول کی تقریر اگر اس طرح کی جائے کہ ”وجوہ یومئذ ناظرة الی رہبا“ جملہ ایسا ہے کہ جیسے کہا جائے انا الی فلان ناظر ما یصنع۔ یعنی توقع اور انتظار میں مستعمل ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ نظر بمعنی انتظار لیا جا رہا ہے تو پھر قاضی کی گرفت سے زحشریؒ بچ جائیں گے۔ تاہم اہل سنت کی تابعدار روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے۔ منهم من یبظروہ فی صبح و مساء ومنہم من یبظروہ فی کل سبعة ومنہم من یبظروہ فی کل شہر ومنہم من یبظروہ فی کل سنة ومنہم من یبظروہ فی العمر مرة۔ جیسا کہ امام زاہدی بھی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ترمذی اور حاکم ابن عمر سے تخریج کرتے ہیں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی رہبا ناظرة تنظر کل یوم فی وجہ اللہ اور ابن مردویہ انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ یبظرون الی ربہم بلا کیفیة ولا حد محدود ولا صفة ملومة۔ اور ابن جریر حسنؓ سے تخریج کرتے ہیں۔ کہ الی رہبا ناظرة تنظر الی الخالق اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ تنظر الی وجہ رہبا باصرة۔ پھر نظر کے حقیقی معنی چھوڑ کر کنایہ لینا خلاف اصل ہے۔ علاوہ ازیں یہ

مقام مذہب ہے یہاں انتظار و توقع کے معنی نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ نیز وجہ کے ساتھ نظر کا جوڑ خود دیکھنے کے معنی ظاہر کر رہا ہے۔ جیسا کہ آیت فالتوبہ علیٰ وجہ ابی بات بصیرا اور قد نری تقلب و جھٹ فی السماء میں ہے۔ معتزلہ کا دوسرا استدلال دیدار الہی کی نفی پر آیت لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار سے ہے۔ نیز چونکہ روایت میں رائی اور مرئی دونوں کا کسی مکان یا چیز میں ہونا پھر آنے سامنے ہونا اور دونوں کے درمیان مناسب مسافت کا ہونا جو شرط ہے وہ حق تعالیٰ میں محال ہے۔ اس لئے روایت بھی محال ہوئی۔ جہاں تک آیت کا تعلق ہے۔ اول تو ادراک اور روایت میں فرق ہے ادراک کہتے ہیں خاص روایت کو جو بطور احاطہ کے ہو۔ پس ادراک کی نفی سے مطلق روایت کی نفی کیسے لازم آئی خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہو جاتی۔ دوسرے البصار سے روایت کی نفی بطور استغراق ہو رہی ہے یہ بھی مسلم نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ آیت میں تمام اوقات دیکھنے کی نفی کی جا رہی ہے یہ بھی نہیں بلکہ صرف دنیا میں دیکھنے کی نفی مقصود ہے اور آخری تیسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام شرائط ہمارے لئے ہیں لیکن بعض کے لئے ان شرائط کو لازم کرنا غائب کو شاہد و حاضر پر قیاس کرنا ہے آخر حق تعالیٰ اب بھی تو ہم کو دیکھتے ہیں حالانکہ ہمیں اللہ کے ساتھ ان میں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ شرح عقائد شفی میں مذکور ہے۔ اور فخر الاسلام بزودی فرماتے ہیں کہ آیت وجہ و وجوہ یومئذ ناظرہ تو مسئلہ روایت میں محکم ہے۔ سلف اس کو ظاہر ہی پر محمول کرتے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتقاد واجب ہے باقی دیکھنے کی کیا کیفیت ہوگی۔ وہ تشابہات کی طرح اللہ کے حوالے کرنی چاہئے۔ بہر حال اللہ کی روایت عقلاً ممکن ہے۔ اس لئے اس کو ماننا بھی صحیح ہے اور چونکہ نقل سے ثابت ہے اس لئے ماننا واجب ہے۔ ہاں اعتقاد ناممکن ہوتی تو پھر قاعدہ کے اعتبار سے نقلیات میں تاویل کی جاتی۔

بلغت النراقی گلے میں دائیں بائیں دو ہنسلیاں ہوتی ہیں جن کو تر قوتان کہنا چاہئے قرب کی وجہ سے گلے کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔

وقبل من راق۔ یا تو اس وقت اعزہ کے اظہار ہمدردی کے الفاظ مراد ہیں اور یا فرشتے ثواب اور عذاب کے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس روح کو کون لے جائے گا؟ رقی کے معنی صعود کے ہوئے۔

والتفت الساق۔ مفسر نے پہلے معنی حقیقی بیان فرمائے اور دوسرے معنی مجازی لئے ہیں۔

المساق۔ مصدر میسی ہے۔ تفسیری عبارت ہذا الخ سے مراد الی ربک یومئذ ہے۔

اولیٰ للک۔ فعل ماضی کا اسم ہے محل اعراب میں نہیں ہے۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو مفہوم سیاق کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی یہ کلمہ بد دعائیہ ہے۔ اور ”واللام للبتیین“ ای تبیین المفعول جیسے ”ہیت للک“ میں لام ہے اور لام زائد بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور بعض اس کو فعل ماضی دعائیہ کہتے ہیں۔ ولی سے ماخوذ ای ولا لک اللہ ما تکرہ۔ اصمعی کا قول قاربہ ما یہلکہ بھی اسی کے قریب ہے۔ جوہری نے بھی اس کو پسند کیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اسم وزن فعل ہے جس کے معنی ویسل کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فعلی کے وزن پر ہے ”آل یول“ سے بمعنی ”ابقاک النار“ لیکن سب سے بہتر تاویل یہ ہے کہ یہ اسم تفضیل سے مبتداء مقدر کی ہے۔ ای النار اولیٰ لک وانت احق بہا۔ تین جگہ یہ حکم یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا تجدید کے لئے۔ ای ویل لک فی القبر ویل لک حین البعث ویل لک فی النار۔

سدی۔ قاموس میں ہمل کے معنی بالکلیہ متروک کے ہیں۔

الزوجین۔ افراد مراد نہیں بلکہ مرد و عورت کی نوع مراد ہے۔ پس اگر کسی کے دو بچے اور ایک بچی یا اس کا برعکس بھی پیدا ہو جائے تب بھی کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

الیس ذلک بقادر۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو سبحانک اللہم بلی کہتے۔ (ابوداؤد، حاکم) ابن عباس فرماتے ہیں۔ سبح اسم ربک الا علی امام پڑھے یا اور کوئی تو اس کو سبحان ربی الا علی کہہ لینا چاہئے۔ اور جو لا اقسام الخ پڑھے اس کو سبحانک اللہم بلی کہنا چاہئے، وہ امام ہے یا اور کوئی۔ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ”والتین والزیتون“ تا آخر پڑھے تو اس کو ”الیس اللہ باحکم العاکمین“ پر بلی وانا علی ذلک من الشاہدین کہنا چاہئے۔ اسی طرح سورہ مسلات پڑھتے ہوئے فبای حدیث بعدہ یؤمنون پر پچھتے تو اس کو امنا باللہ کہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ الفاظ تزیید و تقدیس شمار کئے گئے ہیں لیکن بحالت نماز فقہاء اجازت نہیں دیتے۔

رابط آیات:..... پچھلی سورت ”مدثر“ میں آخرت کے احوال کی کچھ تفصیل تھی اور آخر میں ”لا یخافون الا خیرۃ“ ارشاد ہوا تھا۔ اس سورت ”قیامہ“ میں آخرت ہی کے حالات کی تفصیل ہے اور آخرت کے مقدمہ یعنی موت کا نقشہ بھی جغاذ کر فرمادیا اور بعث و قیامت کی مہاسبت سے آخر سورت میں ابتداء تخلیق کا حال بھی مذکور ہے۔

شان نزول و روایات:..... صحیحین و سنن میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیا لج من التنزیل شدۃ فکان یحک بہ لسانہ و شفیتہ مخافۃ ان ینفلت منه یرید ان یحفظ فانزل اللہ تعالیٰ ”لا تنحرک بہ لسانک“ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلک اذا اتاہ جبریل علیہ السلام اطرق و فی روایہ استمع فاذا ذهب قراؤہ کما وعد اللہ عزوجل۔ شیخین کی ایک روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ تم ان علینا بیانہ کے معنی ہیں ان بلسانک اور ”وجوہ یومئذ ناضرة“ سے متعلق اور ”الیس ذلک بقادر“ سے متعلق روایات ”عنوان تحقیق“ میں گزر چکی ہیں۔

﴿تشریح﴾:..... لا اقسام، عرف و عادت یہ ہے کہ کسی کام کے یقینی بنانے کے لئے بطور تاکید قسم کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس عرف کی رعایت فرمائی اور متعدد جگہ قسم کا استعمال فرمایا لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے معبود کی یا کسی محترم معظم شخصیت کی، یا کسی اہم، محبوب، نادر چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں۔ شریعت نے غیر اللہ کی قسم کھانے کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے، وہ اپنے علاوہ چیزوں کی قسم کھائے تو کوئی حرج نہیں۔ عام طور سے قرآن میں جو قسمیں استعمال ہوئی ہیں وہ عند اللہ معیوب ہیں یا کسی اعتبار سے منفعت بخش اور واقع ہیں۔ تاکہ مقسم علیہ کے لئے شاہد و حجت کے طور پر کام دے سکیں۔

قسموں کی مناسبت:..... یہاں حق تعالیٰ قیامت کی قسم کھا رہے ہیں جو عقلاً ممکن ہے اور پیغمبر صادق و صدوق کی خبر سے یقین الوقوع ہے۔ جس کے سچے ہونے پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ قیامت کی یہ قسم اس کے ہم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر فصحاء و بلغاء نے قسم اور مقسم علیہ میں مناسبت کی رعایت کی ہے۔ یہاں جواب قسم محذوف ہے یعنی کہ تم میرے پیچھے ضرور اٹھائے جاؤ گے اور بھلے برے کا حساب ضرور ہوگا۔ پس قسم اور مضمون قسم میں مناسبت واضح ہے۔ کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف روز قیامت ہے۔ دوسری قسم ”نفس لوامہ“ کی کھائی گئی ہے۔ محققین کی رائے ہے انسان کا نفس اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم بالا کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری اور اتباع شریعت میں اسے سکون و چین محسوس ہوتا ہو تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ یا ابتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة۔ لیکن اگر سفلی کی طرف جھک پڑا اور

دنیا میں بھی اپنی حالت سے خوب واقف ہوتا ہے۔ گو دوسروں کے آگے کتنے ہی حیلے حوالے کر کے بات کو رلانے کی کوشش کرے غرض کہ انسان اپنے احوال کو قیامت میں خوب جان لے گا۔ اس لئے یہ جتنا نا اس کے بتلانے کے لئے نہیں بلکہ اتمام حجت اور قطع جواب کے لئے اور چکانے کے لئے ہوگا۔ مگر شاہ صاحب اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ انسان اپنے احوال میں غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جان لے اور یہ سمجھ جائے کہ سب کو اسی کے پاس جانا ہے اور جو کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا تو یہ سب کے سب بہانے ہیں۔

کلام الہی مربوط ہے: لا تحرك به لسانك. حضور ﷺ نزول وحی کے وقت جبرائیل کی موجودگی میں سن کر یہ کوشش بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے کہ اس کو پڑھ کر یاد بھی کر لوں تاکہ بعد میں ذہول نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں سننا، پڑھنا، یاد کرنا، سمجھنا اتنی باتیں بیک وقت جمع ہو کر سخت الجھن کا باعث ہوتیں۔ اس لئے حق تعالیٰ آپ کو پریشانی سے بچا رہے ہیں کہ آپ خالی توجہ سے سن لیجئے۔ آگے سب چیزوں کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور ﷺ ایک سو ہو کر وحی کو سن لیتے اور جبرائیل کے ساتھ پڑھنا آپ نے چھوڑ دیا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے۔ اس وقت زبان سے ایک لفظ نہیں دہرایا۔ لیکن فرشتے کے چلے جانے کے بعد لفظ بہ لفظ پوری وحی مکمل ترتیب کے ساتھ ایک زیر زبر کی تبدیلی کے بغیر فرسنادی اور سمجھادی۔ یہ دنیا میں یسوعا الانسان بما قدم و آخر کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فروگزاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کر دے۔ کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے پچھلے اعمال سب کو جمع کر کے ایک وقت میں سامنے کر دے اور ان کو خوب طرح یاد دلادے اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرمادے۔ بے شک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ زیادہ پر قادر ہے۔ اس تقریر سے یہ آیات پہلی آیات سے پوری طرح مربوط ہو گئیں اور قدما و افاض کا یہ الزام غلط ہو گیا کہ ان آیات کی بے ربطی بتلا رہی ہے کہ قرآن میں ضروری رد و بدل ہوا ہے۔

انسان بالطبع عجالت پسند ہے: کلا بل تحبون العاجلة. انسان کی طبیعت اور ضمیر میں جلد بازی داخل ہے۔ ”خلق الانسان من عجل“۔ ”وكان الانسان عجولا“۔ فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ نیکیوں کے حامل ہیں۔ جلدی کرتے ہیں۔ جس کی ایک مثال ابھی لا تحرك به لسانك لتعجل به میں گزری ہے اور برے آدمی ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آئے۔ خواہ اس کا نتیجہ تباہی و ہلاکت ہو، پس اے لوگو! تمہارا قیامت سے انکار ہرگز کسی صحیح دلیل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ دنیا میں منہمک ہونے کی وجہ سے ہے دنیا چونکہ نقد الفدی ہے اس لئے مرغوب ہے اور آخرت ادھار سودا ہے اس لئے بودا ہے۔

وجوه يومئذ. مومنین کے چہرے قیامت کے دن ہشاش بشاش اور تر و تازہ ہوں گے اور محبوب حقیقی کے دیدار سے ان کی آنکھیں روشن ہوں گی۔ عنوان تحقیق میں آیات و روایات اور اجماع سے آخرت میں دیدار الہی کا ہونا بیان ہو چکا ہے جن گمراہوں کی قسمت میں یہ دولت نہیں وہ جانیں اور ان کا انکار اللہ لا تحرمننا من هذه النعمة التي ليس فوقها نعمة ووجوه يومئذ باصرة.

جان کنی کا ہولناک منظر: غیر مومنین کے چہرے اداس اور مرجھائے ہوئے ہوں گے اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ اب ایسے عذاب سے سابقہ پڑنے والا ہے جو کر توڑ کر رکھ دے گا فرماتے ہیں۔ ”کلا اذا بلغت التراقي“ یہ عذاب آخرت کچھ دور نہیں۔ اس کی پہلی منزل موت بالکل قریب ہے گویا یہ چھوٹا سا ایک نمونہ ہے منازل آخرت کا جہاں روح سمٹ کر ہنسی تک پہنچے اور سانس حلق میں رکنے لگے، سمجھ کہ سفر آخرت شروع ہو گیا۔ ایسے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو لوگ تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے

ہیں یہاں کوئی ہے دم کر کے اس کے دم کو بچالے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رحمت اور عذاب کے فرشتے باہم پوچھتے ہیں کہ کون اس کی روح نکال کر لے جائے گا گویا راتی، رقیہ بھی منتر جنت سے نہیں۔ بلکہ رقی سے ماخوذ ہوگا غرض کہ مرنے والا اب سمجھ لے گا کہ اب تو سب کو چھوڑ چھاڑ جانا ہی ہے، یا یہ کہ روح اب بدن کو چھوڑ کر رخصت ہو رہی ہے۔ چنانچہ سکرات کی کیفیات لوگوں پر مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پر مختصر اور سہل اور بعض پر نہایت طویل و کرب۔ کبھی مارے سختی کے پنڈلی پر پنڈلی چڑھتی ہے اور کبھی نچلے حصہ کے بے جان ہو جانے سے بے اختیار ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر گر جاتی ہے اور چونکہ محاورات عرب میں ساق بڑی بھاری مصیبت سے بھی کناہ ہوتا ہے۔ اس لئے آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سختی پر سختی کے ڈوب آ رہے ہوں گے دنیا کے چھوٹے کاغذ الگ عزیزوں کی جدائی کی کاپس منظر الگ، دشمنوں کے طعن و تشنیع کی فکر الگ اور سب سے بڑھ کر قبر و آخرت کے ہولناک مناظر کی دہشت سوار ہے۔ سفر آخرت کی ابتداء ہو چکی ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھینچنا شروع ہو گیا ہے مگر افسوس کہ ”فلا صدق ولا صلی“ اپنی حماقت و غفلت سے نہ کوئی سامان سفر پہلے سے مہیا کیا گیا اور نہ کوئی زاد راہ اور قوشہ ساتھ لیا۔ بلکہ سارا وقت وہاں کے لئے تکلیف دہ سامان جمع کرنے میں لگایا پیغمبروں کو سچا سمجھنے اور ان پر یقین کی بجائے ان کو جھٹلاتا رہا اور نمازوں میں مالک کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑے رہا۔ اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنی شرارت و سرکشی پر اکڑتا اور اترا تا رہا اور اپنے متعلقہ لوگوں کے پاس جا کر اس طرح ظاہر کرتا کہ گویا بہت بڑی بھاری اور ہنرمندی کا کام کر رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ”اولیٰ لک فاولی“ اوبد نصیب اب تیری شامت آئی۔ ایک دفعہ نہیں بار بار مانجھتی پرتو نہیں سمجھا اس لئے تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا اور کون مستحق ہوگا۔ شاید یقین و ایمان نہ لاتے اور نماز پڑھنے اور پھر جھٹلانے اور منہ موڑ لینے پر یہ خرابیاں بیان فرمائی ہوں اور لفظ ظم سے ان چیزوں سے قابل فخر سمجھنے پر زیادہ خرابی کی طرف اشارہ ہو۔ جیسا کہ ثم ذهب الی اہلہ کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔

قیامت کی عقلی دلیل:..... ایحسب الانسان . کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا اس پر کچھ کرنے نہ کرنے کے احکام کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ افحسبتم انما خلقنکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون . مرنے کے بعد کچھ پوچھ گچھ، حساب کتاب نہیں ہوگا۔ انسان اپنی ابتدائی خلقت پر غور نہیں کرتا کہ وہ پہلے عدم سے باپ کی کمر سے ہوتے ہوئے ماں کے رحم میں نطفہ کی بوند بن کر منتقل ہوا۔ پھر نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں منتقل ہوا، اور پھر گوشت کی بوٹی بنا اور ہڈیوں اور کھال سے بڑھ کر ایک ڈھانچہ تیار ہوا اور ظاہری جوڑ بند، اندرونی قوتیں سب ٹھیک ٹھاک کر دیں غرض کہ ایک بے جان نطفہ سے اچھا خاصا، جیتا جاگتا انسان بن گیا اور مرد و عورت کے امتیازات و خصوصیات جدا گانہ کر دیں۔ پھر یہ انقلابات کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے قبر، حشر، نشر میں تبدیل ہو جائے تو کیا بعید ہے؟ جو ذات انسان کو پہلی مرتبہ بنانے پر قادر ہے کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ سبحانک اللہم فیلی۔

لطا کف سلوک:..... لا اقسام بالنفس اللوامہ . نفس کی تین حالتیں ہیں:-

- ۱۔ نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا ہے۔
- ۲۔ نفس مطمئنہ . جو بھلائی پر جمنائے۔
- ۳۔ نفس لوامہ . پہلی دونوں متقابل حالتوں کے بیچ میں یہ تیسری حالت ہے کہ برائیوں کے کرنے پر شرمندہ ہو اور اچھائی کے چھوڑنے پر پچھتائے۔

سُورَةُ الْإِنْسَانِ

سُورَةُ الْإِنْسَانِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ إِحْدَى وَثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ قَدْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ آدَمَ حِينَ مِنَ الدَّهْرِ أَرْبَعُونَ سَنَةً لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْئًا مَذْكُورًا ﴿١﴾ كَانَ فِيهِ
مُصَوَّرًا مِّنْ طِينٍ لَا يَذْكُرُ أَوَّامًا أَوْ لَيْلًا بِأَلْسَانِ الْإِنْسَانِ الْحَنَسِ وَبِالْحَيْنِ مُدَّةَ الْحَمَلِ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ الْخَنَسَ
مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ أَحْلَاطٍ أَى مِنْ مَّاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْأَةِ الْمُخْتَلَطَيْنِ الْمُمْتَزَجَيْنِ نَبْتِلِيهِ نَجْتَبِرُهُ
بِالتَّكْلِيفِ وَالْحُمْلَةَ مُسْتَانِفَةً أَوْ حَالَ مُقَدَّرَةٍ أَى مُرِيدِينَ ابْتِلَاءً حِينَ تَأَهَّلَهُ فَجَعَلْنَاهُ بِسَبَبِ ذَلِكَ
سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٢﴾ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ بَيْنَالَهُ طَرِيقَ الْهُدَى يَبْعَثُ الرُّسُلَ إِمَامًا كَرِيمًا أَى مُؤْمِنًا وَأَمَّا
كَفُورًا ﴿٣﴾ حَالًا مِّنَ الْمَفْعُولِ أَى بَيْنَالَهُ فِي حَالِ شُكْرِهِ أَوْ كُفْرِهِ الْمُقَدَّرَةِ وَأَمَّا لِتَفْصِيلِ الْأَحْوَالِ إِنَّا
أَعْتَدْنَا هَيَّئًا لِلْكَافِرِينَ سَلْسِلًا يُسْحَبُونَ بِهَا فِي النَّارِ وَأَغْلَالًا فِي أَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ فِيهَا السَّلَاسِلُ
وَسَعِيرًا ﴿٤﴾ نَارًا مُّسَعَّرَةً أَى مُهَيَّجَةً يُعَذِّبُونَ بِهَا إِنَّ الْأَبْرَارَ جَمْعُ بَرٍّ أَوْ بَارٍ وَهُمْ الْمُطِيعُونَ يَشْرَبُونَ
مِنْ كَأْسٍ هَوَانًا شُرْبِ الْخَمْرِ وَهِيَ فِيهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمَرٍ تَسْمِيَةُ لِلْحَالِ بِاسْمِ الْمَحَلِّ وَمِنْ اللَّتَبْعِضِ
كَانَ مَزَاجُهَا مَا تَمَزَّجَ بِهِ كَافُورًا ﴿٥﴾ عَيْنًا بَدَلًا مِّنْ كَافُورًا فِيهَا رَائِحَتُهُ يَشْرَبُ بِهَا مِنْهَا عِبَادُ اللَّهِ
أَوَّلِيَّائُهُ يُفَجَّرُونَ بِهَا تَفْجِيرًا ﴿٦﴾ يَقُودُونَ بِهَا حَيْثُ شَاءُوا مِنْ مَنَازِلِهِمْ يُوقِفُونَ بِالنَّذْرِ فِي طَاعَةِ اللَّهِ
وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾ مُتَشِيرًا وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ أَى الطَّعَامَ وَشَهْوَتِهِمْ
لَهُ مُسْكِنًا فَقِيرًا وَيَتِيمًا لَا أَبَ لَهُ وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ يَعْنِي الْمَحْبُوسَ بِحَقِّ إِنْ مَانُطْعَمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَطَلَبِ
ثَوَابِهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ شُكْرًا فِيهِ عَلَى الْإِطْعَامِ وَهَلْ تَكَلَّمُوا بِذَلِكَ أَوْ عَلَّمَهُ اللَّهُ
مِنْهُمْ فَأَنَّى عَلَيْهِمْ بِهِ قَوْلَانِ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبَّنَا يَوْمًا عَبُوسًا تَكَلَّحَ الْوُجُوهُ فِيهِ أَى كَرِيهَ الْمَنْظَرِ لِشِدَّتِهِ

قَمَطِرٍۭا (۱۰) شَدِيدًا فِي ذَلِكَ فَوَقَّهُمْ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرَةً حُسْنًا وَاضَاءَةً فِي وُجُوهِهِمْ وَسُرُورًا (۱۱) وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا بِصَبْرِهِمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ جَنَّةً أُدْخِلُوهَا وَحَرِيرًا (۱۲) الْبُسُوهَ مُتَكِبِينَ حَالٍ مِّن مَّرْفُوعٍ أُدْخِلُوهَا الْمُقَدَّرَةَ وَكَذَٰلَا يَرُونَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ السُّرُرَ فِي الْحِجَالِ لَا يَرُونَ يَجْدُونَ حَالٍ ثَانِيَةً فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمَهْرِيرًا (۱۳) أَيْ لَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا وَقِيلَ الزَّمَهْرِيرُ الْقَمَرُ فِيهِ مُضِيئَةٌ مِّنْ غَيْرِ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ وَدَانِيَةٌ قَرِيبَةٌ غَطَفَ عَلَى مَحَلٍّ لَا يَرُونَ أَيْ غَيْرَ رَائِينَ عَلَيْهِمْ مِنْهُمْ ظِلُّهَا شَحَرَهَا وَذَلَّلَتْ قُطُوفُهَا تَذَلُّلًا (۱۴) أَذْنَيْتَ ثَمَارَهَا فَيَنَالُهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ فِيهَا بِأَنِيَّةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَأَكْبَابٍ أَقْدَاحٍ بِلَا عَرِي كَانَتْ قَوَارِيرًا (۱۵) قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ أَيْ أَنَّهُمْ مِنْ فِضَّةٍ يُرَى بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا كَالزُّجَاجِ قَدَّرُوهَا أَيْ الطَّائِفُونَ تَقْدِيرًا (۱۶) عَلَى قَدَرِي الشَّارِبِينَ مِّنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نَقْصٍ وَذَلِكَ الَّذِي الشَّرَابِ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا أَيْ خَمْرًا كَانَ مِزَاجُهَا مَاتَمِزُجٌ بِهِ زَنْجَبِيلًا (۱۷) عَيْنًا بَدَلٌ مِّنْ زَنْجَبِيلٍ فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا (۱۸) يَعْنِي أَنَّ مَاءَهَا كَالزَنْجَبِيلِ الَّذِي تُسْتَلَذُّ بِهِ الْعَرَبُ سَهْلُ الْمَسَاحِ فِي الْحَلْقِ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ بِصِفَةِ الْوِلْدَانِ لَا يَشْيَبُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسَبْتَهُمْ لِحُسْنِهِمْ وَانْتِشَارِهِمْ فِي الْخِدْمَةِ لَوْلَوْ ائْتَمُّوا (۱۹) مِّنْ سِلَكِهِ أَوْ مِنْ صَدْفِهِ وَهُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ وَإِذَا رَأَيْتَ ثُمَّ أَيْ وَجِدْتَ الرُّؤْيَا مِنْكَ فِي الْحَنَةِ رَأَيْتَ جَوَابَ إِذَا نَعِيمًا لَا يُوصَفُ وَمُلْكًا كَبِيرًا (۲۰) وَاسْعَا لَا غَايَةَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَوْقَهُمْ فَنَصَبَهُ عَلَى الطَّرْفِيَّةِ وَهُوَ خَيْرُ الْمُبْتَدَأِ بَعْدَهُ وَفِي قِرَاءَةٍ بِسُكُونِ الْبَاءِ مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ خَبَرُهُ وَالضَّمِيرُ الْمُتَّصِلُ بِهِ لِلْمَعْطُوفِ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ حَرِيرٍ خَضِرٍ بِالرَّفْعِ وَاسْتَبْرَقَ بِالْجَرِّ مَا غَلَطَ مِنَ الدِّيَّاجِ وَهُوَ الْبَطَّائِنُ وَالسُّنْدُسُ الظَّهَائِرُ وَفِي قِرَاءَةٍ عَكْسٌ مَا ذَكَرَ فِيهِمَا وَفِي أُخْرَى يَرْفَعُهُمَا وَفِي أُخْرَى يَجَرُّهُمَا وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِّنْ فِضَّةٍ وَفِي مَوْضِعٍ آخَرَ مِّنْ ذَهَبٍ لِلْإِيدَانِ بَأَنَّهُمْ يُحَلُّونَ مِنَ النَّوعَيْنِ مَعًا وَمُفَرَّقًا وَسَقَّهْمُ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (۲۱) مُبَالِغَةٌ فِي طَهَارَتِهِ وَنَظَافَتِهِ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا إِنَّ هَٰذَا النَّعِيمَ كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا (۲۲) إِنَّا نَحْنُ تَاكِدٌ لِاسْمِ إِنْ أَوْ فَضَّلْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا (۲۳) خَبَرًا أَيْ فَضَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِتَبْلِيغِ رِسَالَتِهِ وَلَا تَطْعُ مِنْهُمْ أَيْ الْكُفَّارِ إِنَّمَا أَوْ كَفُورًا (۲۴) أَيْ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةَ قَالَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ عَنْ هَٰذَا الْأَمْرِ وَيَحْجُوزُ أَنْ يُرَادَ كُلُّ أَثِمٍ وَكَافِرٍ أَيْ لَا تَطْعُ أَحَدَهُمَا أَبًا فِيمَا دَعَاكَ إِلَيْهِ مِنْ أَثِمٍ أَوْ كُفِّرِ

وَإِذْ كَرِهَ اسْمُ رَبِّكَ فِي الصَّلَاةِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۳۱﴾ يَعْنِي الْفَجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَمِنْ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿۳۲﴾ صَلَّى التَّطَوُّعَ فِيهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثُلَاثِهِ أَوْ نَصْفِهِ أَوْ ثُلَاثِهِ إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ الدُّنْيَا يَخْتَارُونَ عَلَى الْآخِرَةِ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿۳۳﴾ شَدِيدًا أَيَّ يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا يَعْمَلُونَ لَهُ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا قُوَّةَنَا أَسْرَهُمْ أَعْضَاءَهُمْ وَمَفَاصِلَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ فِي الْخَلْقَةِ بَدَلًا مِنْهُمْ بَأَن نُهْلِكَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿۳۴﴾ تَاكِيدٌ وَوَقَعْتُ إِذَا مَوْقِعَ إِنْ نَحْوِ إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبُكُمْ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَمْ يَشَأْ ذَلِكَ وَإِذَا لَمَّا يَقَعُ إِنْ هَذِهِ السُّورَةُ تَذَكُّرَةٌ عَظْمَاءٌ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۳۵﴾ بِالطَّاعَةِ وَمَا تَشَاءُونَ بِالنَّاسِ وَالْبَيِّنَاتِ اتَّخَذَ السَّبِيلَ بِالطَّاعَةِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ذَلِكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ﴿۳۶﴾ فِي فِعْلِهِ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ حَبِثَهُ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَالظَّالِمِينَ نَاصِبُهُ فَعَلَ مُقَدَّرٌ أَيَّ أَعَدَّ يُفْسِرُهُ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۳۷﴾ مُؤَلَّمًا وَهُمْ الْكَافِرُونَ

۳۱

ترجمہ: سورہ انسان مکہ یاد تھی ہے۔ جس میں ۳۱ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے شک انسان (آدم) پر ایک ایسا وقت آچکا ہے (چالیس سال) جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا (گارے کا پتلا بنا ہوا تھا جو ناقابل ذکر تھا یا عام محض انسان مراد ہے اور چین سے مراد زمانہ صل لیا جائے) ہم نے اسی (عام انسان) کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (مرد و عورت کے باہمی اختلاط سے جو مرکب تیار ہوا) اس طرح کہ ہم اس کو مکلف بنائیں۔ (شرعی احکام کا پابند کر کے دیکھیں۔ جملہ مستاتفہ ہے یا حال مقدر ہے۔ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس کو اہل ہونے پر مکلف بنائیں) تو ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا (اسی وجہ سے) بنایا۔ ہم نے اس کو رستہ بتلایا (پیغمبروں کو بھیج کر ہدایت کی رہنمائی کی) یا تو وہ شکر گزار (مومن) بنا اور یا ناشکرا ہو گیا (دونوں لفظ مفعول سے حال ہیں یعنی اس کے مقدر کفر و شکر کی حالت میں اس کو واضح کر دیا اور امارا تفصیل احوال کے لئے ہوتا ہے) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں (جن سے وہ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے) اور طوق (گلے میں پڑے ہوں گے جن میں زنجیریں بندھی ہوں گی) اور دہکتی آگ (تیز شعلہ والی، دہکتی ہوئی جس سے عذاب دیا جائے گا) تیار کر رکھی ہیں، نیک لوگ (سریاسار کی جمع ہے فرمانبردار مراد ہیں) پیس گئے ایسے جام شراب سے (کاس شراب کا پیمانہ جب کہ اس میں شراب موجود ہو مگر مراد خود شراب ہے محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے اور من جمع ضیہ ہے) جس میں کافور کی آمیزش (ملاوٹ) ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (کافور سے بدل ہے۔ اس میں کافور کی مہک ہوگی) اللہ کے بندے (نیک لوگ پیس گئے۔ جس کو بہا کر لے جائیں گے) اپنے مکانوں میں جہاں چاہیں گے گھمائیں گے) وہ لوگ واجبات کو (اللہ کی اطاعت میں) پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام (پھیلی ہوئی) ہوگی اور وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا (باوجودیکہ کھانے کی طرف شوق و رغبت ہوتی ہے) کھاتے ہیں غریب (فقیر) یتیم (بن باپ بچہ) اور قیدی (حق میں پکڑے ہوئے کو) ہم تو محض اللہ کی خوشنودی (ثواب حاصل کرنے) کے لئے کھانا کھاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں گے اور نہ شکریہ (کھانا کھانے پر، اہل جنت نے یہ کلام کیا، یا اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات سے یہ جان کر تعریف فرمائی۔ اس میں دونوں رائے ہیں) ہم ڈرتے ہیں خدا کی جانب کے ایک سخت دن سے (جس دن چہرے سیاہ پڑ جائیں گے یعنی مجلس جائیں گے

مارے تختی کے) جو نہایت سخت (شدید) ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس سخت دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو مرحمت (عطا) فرمائے گا تازگی (رونق اور چہروں کی رونق) اور خوشی اور ان کی چٹائی کے بدلہ میں (برائیوں سے بچنے کے سلسلہ میں) ان کو جنت (میں داخل کرے گا) اور ریشمی لباس (پہنائے گا) عنایت فرمائے گا اس حال میں کہ وہ تکبیر لگائے ہوں گے (یہ اور لایرون دونوں ادخلو ہا مقدر سے حال ہیں) مسہریوں (چھپر کھٹوں) پر نہ وہاں پائیں گے (سروں بمعنی یجدون حال ثانیہ ہے) پیش اور نہ جاڑا (یعنی گرمی سردی کچھ نہیں ہوگی اور بعض نے زمہریر سے چاند مراد لیا ہے۔ یعنی جنت میں بغیر سورج چاند کے روشنی رہے گی) اور جھکے ہوں گے یعنی نزدیک (لایسرون کے محل۔ یعنی غیر راسخین پر اس کا عطف ہو رہا ہے) ان پر درختوں کے سائے اور ان کے میوے ان کے اختیاری ہوں گے (قریب لٹکے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے سب طرح حاصل ہو سکیں) اور ان کے پاس چاندی کے برتن پیش کئے جائیں گے اور کانچ کے پیالے (کو کب جس پیالہ میں پکڑنے کی ہتھی بنی ہوئی نہ ہو) جو کانچ چاندی سے تیار ہوئی ہوگی (یعنی چاندی کے پیالے ہوں گے جس میں شیشہ کی طرح باہر سے اندر کا حصہ نظر آ جائے گا) جن کو (گھمانے والوں نے) اندازہ سے بھرا ہوگا (پینے والوں کے مطابق زیادہ نہ کم اور ایسی شراب عمدہ ہوتی ہے) اور ان کو اور بھی جام شراب پلایا جائے گا۔ جس میں سونہ کی آمیزش ہوگی۔ ایسے چشمے سے (ذبحیلا سے عینا بدل ہے) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا (یعنی اس کا پانی سونہ جیسا ہوگا، جس کو عرب پسند کرتے ہیں اور بسہولت گلے سے نیچے اترتا جاتا ہے) اور ایسے لڑکے لے کر آمد و رفت کریں گے جو سداڑ کے ہی رہیں گے (نوعمر ہی رہیں گے جو ان نہیں ہوں گے) تو اگر دیکھے تو انہیں (خوب صورتی اور خدمت کے لئے چلت پھرت کی رو سے) بکھرے ہوئے موتی سمجھے (جو لڑی اور پتی سے بکھر جائیں دوسری حالتوں کے مقابلہ میں یہ حالت سب سے خوبصورت ہوتی ہے) اور تو اس جگہ کو دیکھے (یعنی جنت میں تم کو دیکھنے کا اگر اتفاق ہو) تو تجھ کو دکھائی دے (اذا کا جواب ہے) بڑی نعمت (جس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی) اور بڑی سلطنت (بے انتہا وسیع) ان جنتیوں پر (یہ منصوب ظرفیت کی وجہ سے ہے اور بعد والے مبتدا کی خبر ہے اور ایک قرأت میں سکون یا کے ساتھ مبتدا ہے اور ما بعد خبر ہے اور اس کی متصل ضمیر معطوف علیہم کی طرف لوٹے گی) باریک ریشم کے سبز (رفع کے ساتھ) کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (۔) جو کے ساتھ موٹے ریشمی کپڑے جو استر میں کام آتے ہیں اور سندس جو ابرے میں کام آتے ہیں اور ایک قرأت میں اس کے برعکس ہے، اور تیسری قرأت دونوں کے رفع کے ساتھ ہے اور چوتھی قرأت دونوں کے جر کی ہے (اور ان کو چاندی کے نگین پہنائے جائیں گے) (دوسری جگہ سونے کے نگین آئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ دونوں طرح کے ہوں گے۔ خواہ دونوں ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ) اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کے لئے دے گا (پاکیزگی اور صفائی میں انتہا پر پہنچی ہوئی برخلاف شراب دنیا کے یہ (نعمتیں) تمہارا اصلہ ہے اور تمہاری محنت قبول ہوئی۔ ہم نے (نحن اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل) آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (ان کی خبر ہے۔ یعنی الگ الگ کر کے ہم نے اتارا ہے) (ایک دم نہیں اتار دیا) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (تبلیغ رسالت پر) جہے رہے اور ان (کفار) میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئے (یعنی عقبہ بن ربیعہ، اور ولید بن مغیرہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیجئے اور فاسق و کافر بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ یعنی آپ کسی کا بھی کہنا نہ مانیئے۔ وہ کسی برائی کی طرف بلائے یا کفر کی طرف اور (نماز میں) اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ صبح شام (فجر، ظہر، عصر میں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی مغرب و عشاء میں) اور رات کے بڑے حصے میں تسبیح و تقدیس کیا کیجئے (نوافل پڑھا کیجئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے یعنی دو تہائی رات یا آدھی رات یا تہائی رات) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں (آخرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں) اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (جو نہایت سخت یعنی قیامت کا دن ہے اس کے لئے کوئی عمل نہیں کرتے ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے (اعضا اور جوڑ) اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ (تن و توش میں ان کی بجائے نئے آئیں ان کو ہلاک کر کے) بدل دیں (یہ تاکید ہے۔ اور ان کی بجائے) اذا آیا۔ چنانچہ ان یشا یلہمکم آیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے یہ نہیں چاہا۔ اور اذا واقع ہونے والی بات کے لئے آتا ہے) (سورت)

نصیحت ہے (مخلوق کے لئے وعظ ہے) سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (اطاعت) کا راستہ اختیار کر لے اور تم کوئی چیز چاہ نہیں سکتے (تو اور یا کے ساتھ ہے فرمانبرداری کا راستہ اپنانا) بدون اللہ کے چاہے۔ اللہ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑا علم والا (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے (یعنی جنت میں، مراد مومنین ہیں) اور ظالموں کے لئے (اس کا ناصب فعل مقدر ہے یعنی اعدا جس کی تفسیر آگے ہے) اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تکلیف دہ ظالم سے کافر مراد ہیں)۔

تحقیق و ترکیب:..... هل اتی۔ استفہام تقریری ہے۔ ابوالسعود اور تفسیر کبیر دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ هل اتی علی الانسان اور هل اتی الثالث حدیث الغاشیہ دونوں جگہ هل یعنی قید ہے ”علی الانسان“ مفسر نے پہلے لفظ سے حضرت آدم اور دوسرے لفظ سے مراد عام انسان لیا ہے۔ حالانکہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے تو اس سے پہلا ہی شخص مراد ہوتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے۔ دوسرے الانسان سے پہلے مضاف محذوف مان لیا جائے۔ ای خلقنا ذریۃ الانسان اور اضافت اپنی تعلق کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ قاعدہ، مکرّمہ، شعی انسان سے مراد آدم لیتے ہیں۔ چالیس سال ان کا پتلا کم اور طائف کے درمیان پڑا رہا پھر روح ڈالی گئی۔ اور ضحاک ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ چالیس سال کا راز ہا پھر اور چالیس سال اور تغیر ہوا۔ مجموعی مدت چار چلے ہوئی۔

حين من الدهر۔ بغوی چالیس اور ابن عباسؓ ایک سو بیس سال فرماتے ہیں۔

لم یکن شیئاً مذکوراً۔ عالم ارواح عالم اجسام سے پہلے ہے مگر وہاں ہونا قابل ذکر نہیں کہلائے گا جب تک عالم اجسام میں نہ ہو۔ مفسر نے فیہ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ جملہ حین کی صفت ہے، عائد محذوف ہے اور انسان سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ ای اتی علیہ حین غیر مذکوراً۔

امشاج۔ شجعت الشئی کے معنی مخلوط ہونے کے ہیں یہ میثج یا میثج کی جمع ہے اور مرد و عورت کے نطفہ کے مجموعہ کی وجہ سے جمع استعمال کی گئی گویا ایک سے زائد پر جمع بول دی گئی ہے یا اس کے مختلف اجزاء مراد ہیں گویا ہر جز کو ایک عضو قرار دیا گیا ہے اور زختری یہ کہتے ہیں کہ افعال کا وزن کبھی مفرد کے لئے نادر طریقہ پر آتا ہے۔ سیبویہ کی رائے بھی یہی ہے جیسے لفظ امام۔

نبلیہ یہ خلقناہ کے فاعل سے حال ہے۔ ای خلقناہ حال کو نہ۔ مبتلین دوسری صورت یہ ہے کہ انسان سے حال ہو۔ کیونکہ جملہ میں دو ضمیر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ذو الحال کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ پھر رحم مادر میں نطفہ کے مختلف تصرفات اگر نبلیہ کے معنی ہیں تب تو یہ حال مقدر نہ کہلائے گا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ لیکن اگر ابتلائے سے مراد مکلف کرنا ہے تو بہر حال مقدرہ ہوگا۔ اسی طرح اختہار کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک خبر و شر دونوں کو عام جیسے کلبی کی رائے ہے۔ دوسرے بقول حسن خوشحالی میں صبر مراد ہو۔ اور مقاتل یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد عمل کا مکلف بنانا مراد ہے اور بعض امر و نہی کا پابند ہونا مراد لیتے ہیں۔ تفسیری عبارت ”حين قاهله“ کا مطلب یہ ہے کہ اہلیت پیدا ہونے کے بعد مکلف بنایا جائے۔

سمیعاً بصیراً۔ زیادہ منافع کا تعلق چونکہ دونوں اعضا سے ہے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی۔ پھر سماعت کو پہلے اس لئے بیان کیا کہ خطابیات میں سامعی چیزیں ناٹھ، ہوتی ہیں۔ نیز سمعی آیات یعنی آیات کے مقابلہ میں واضح ہوتی ہیں اور بصارت سے عام بصیرت مراد ہے۔ پس تعیم بعداً تخصیص ہو جائے گی۔

اما شاکر واما کفوراً۔ یہاں شاکر کے وزن پر کافر نہیں فرمایا تو اصل کی رعایت کرتے ہوئے نیز شاکر کے مقابلہ میں کافر چونکہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کفور مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ آگے دونوں کے بدلہ کولف وشر غیر مرتب کر کے بیان کیا۔ تاکہ کافر کی سزا کا بیان مستقل رہے۔

من کابس۔ شراب سے بھرا ہوا پیمانہ روح البیان کے مطابق شیشہ کا پیمانہ اور مجازاً شراب کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

کافور ۱۔ عطاء کہتے ہیں کہ کافور کی نہر بھی جنت میں ہوگی پانی میں ملا کر پلایا جائے گا۔ قنادہ کہتے ہیں کہ کافور کی آمیزش کر دی جائے گی اس پر مشک کی مہر لگی ہوگی یا ملاوٹ نہیں بلکہ کافور کی مہک اور خوشبو آئے گی۔ عبد اللہؓ نے اس کو قافور ۱ پڑھا ہے۔

یشرب بها۔ اس میں با زائد بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ابن ابی عیینہ کی قراءت ”یشربها“ اس پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز با، من کی معنی میں بھی ہو سکتی ہے۔ نیز اس سے حالت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ”ای مـمـز و جـة بـہـا“ چوتھی صورت یہ ہے۔ کہ با کا تعلق ”یشرب“ سے ہو اور ضمیر کا س کی طرف راجع ہو۔ ”ای یشربون العین بذلک الکاس“ اور بالصاق کے لئے ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ ”یشربون“ معنی ”یلتنون“ کو متضمن ہو۔ ای یلتنون بها شاربین۔ چھٹے یہ کہ یرون کے معنی کو متضمن ہو۔ ای یرون بها۔

ویطعمون الطعام۔ پہلے حق تعالیٰ نے جو دو بذل کو بیان فرمایا ہے یہاں اس کی تکمیل کا بیان ہے کہ ان میں خلوص ہوتا ہے ریا کاری نہیں ہوتی۔ عطاء کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے مزدوری کر کے کچھ جو حاصل کئے اور ان کو پس کر کچھ حریرہ تیار کیا کہ ایک مسکین آ گیا۔ آپ نے اس کو حرمت فرما دیا پھر دوبارہ کچھ تیار کیا پھر کوئی یتیم مسکین آ گیا آپ نے وہ بھی عنایت فرما دیا پھر تیسری مرتبہ تیار کیا، تو ایک مشرک قیدی آ گیا آپ نے وہ بھی دے ڈالا۔

علی جبہ۔ علی بمعنی مع اور ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔ لیکن ضمیر اللہ کی طرف بھی قرینہ حالیہ کی وجہ سے راجع ہو سکتی ہے۔ واسیرا۔ جو کسی حق میں گرفتہ ہو جیسے غلام، قیدی، تاوان اور ڈنڈ بھرنے والا، مجاہد مسجون اور ابن عباسؓ مشرک نہ ادا لیتے ہیں۔ لا نرید۔ حقیقتہً انہوں نے یہ کلام کیا ہے یا مجازاً کلام مراد ہے۔ سعید بن جبیرؓ دوسری شق کو ترجیح دے رہے ہیں اس سے کلام نفسی پر بھی دلالت ہوتی ہے۔

عبو ساقمطیراً۔ برا سامنہ بنانا۔

ظلالہا۔ چونکہ جنت میں سورج اور دھوپ نہیں ہے اس لئے سایہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ظلال کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے مفسر درخت کے معنی لے رہے ہیں۔

ویطاف۔ چونکہ یہاں گھومنے والے بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جو چیزیں گھمائی جائیں گی وہ مقصود ہیں۔ اس لئے صیغہ مجہول لایا گیا۔ آگے ”ویطوف علیہم ولدان“ میں اس کے برعکس مقصد ہے اس لئے معروف صیغہ لایا گیا ہے۔

کانت۔ یہ تادمہ ہے ضمیر اسم ہے جو اوانی اور اکواب کی طرف راجع ہے۔

قواریرا۔ قارورہ کی جمع ہے شیشہ کا جام۔ یہ لفظ دوبارہ لایا گیا۔

من فضة صفت کی تمہید کے لئے گویا جام کی صفائی اور چمک تو آئینہ جیسی ہوگی اور سفیدی نرمی چاندی جیسی۔

قدروہا۔ یعنی جام و مینا کو گردش میں لانے والے اتنے ہی شراب پیش کریں گے جتنی ضرورت ہوگی اور یا اہل جنت کی طرف ضمیر راجع ہے کہ وہ جتنی خواہش کریں گے جام میں اتنی ہی شراب آئے گی۔

زنجبیلا عینا۔ زنجیری کہتے ہیں کہ زنجبیل کے چشمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذائقہ اور خوشبو تو زنجبیل کی طرح ہو اور بہولت گلے سے اترنے میں سلسبیل ہوگا۔ زجاج سلسبیل ہوگا۔ زجاج سلسبیل، سلامت کی وجہ سے مانتے ہیں اور ابو عبیدہؓ شیریں اور عمدہ ہونے کے معنی لیتے ہیں اور مقاتلؓ کہتے ہیں دنیا کی زنجبیل کی طرح نہیں ہوگی۔

ولدان۔ یہ غلمان جنت کی نئی مخلوق ہوگی جو سد ابہار رہے گی اور حسن کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے معصوم بچے ہوں گے در منظوم کی بجائے در منثور سے تشبیہ کی وجہ خدمت گاری کے وقت چلتا پھرتا آتا جاتا ہے جنت کی ہر چیز خوبصورت ہوگی خدمت گار بھی خوبصورت ہوں گے اس لئے کوئی ناپاک خیال دل میں لانا گندہ دہنی اور بد باطنی ہوگا۔

اذا رایت ثم۔ رایت بمنزلہ لام ہے اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں اور ثم ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔

عالیہم نافع، حمزہ، سکون یا اور کسرہ ہا کے ساتھ اور باقی قراءتہ اور با ضمہ ہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ ہائے کنایہ کا

قاعدہ ہے کہ یاساکنہ کی صورت میں مسکور اور یاغے متحرکہ ہونے کی صورت میں مضموم ہوتی ہے۔ مانع اور حمزہ کی قراءت پر مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ عالیہم خبر مقدم، ثیاب مبتداء مؤخر ہو۔ دوسرے یہ کہ عالیہم مبتداء اور ثیاب فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہو۔ جیسا کہ آنحضرت کی رائے ہے۔ تیسرے یہ کہ عالیہم منصوب ہو لیکن سکون تخفیف کی وجہ سے ہے یہ رائے ابوالقاء ہے اسی طرح نصب کی قراءت پر بھی کئی توجیہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ظرف خبر مقدم اور ثیاب مبتداء مؤخر ہو۔ ای فوقہم ثیاب۔ کیونکہ بقول ابوالقاء عالی بمعنی فوق ہے۔ ابن عثیمہ اس کو ظرف مان کر منصوب مانتے ہیں بمعنی فوق۔ اور شیخ کی رائے یہ ہے کہ عالی اور عالیہ اسم فاعل ہیں ان کو ظرف بنانے کے لئے کلام عرب سے منقول ماننا ہوگا یعنی اصل کلام عالیک او عالیک ثوب تھا۔ لیکن اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسم فاعل کا وزن ظرف کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ خارج الدار الداخل الدار باطن الدار ظاہر الدار۔ یہاں ”عالیہم ثیاب“ بھی اسی قبیل سے ہے اور نصب کی صورت میں دوسری ترکیب یہ ہے کہ عالیہم کی ضمیر سے حال ہو اور تیسری ترکیب یہ ہے کہ حسبہم کے مفعول سے حال ہو اور چوتھے یہ کہ مضاف مقدر سے حال ہو۔ ای رایت اہل نعیم و ملک کبیر۔ پس عالیہم اہل سے حال ہو جو مقدر ہے۔ زختری نے ان تینوں ترکیبوں کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ و عالیہم بالنصب علی انہ حال من الضمیر فی یطوف علیہم او من حسبہم ای یطوف علیہم والدان علیا۔ المعطوف علیہ ثیاب او حسبہم لو لؤا عالیا لہم ثیاب ویجوز ان یراد اہل نعیم۔

خضر و استبرق۔ ابو عمرو، ابن عامر نے اول مرفوع اور ثانی مجرور پڑھا ہے۔ اور ابن کثیر و شعبیہ کی قراءت اس کے برعکس ہے۔ اور مانع و حفص دونوں کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ حمزہ اور کسائی دونوں کو مجرور پڑھتے ہیں۔ ابن کثیر شعبیہ کی قراءت پر ”سندس“ کی صفت ہونے کی وجہ سے ”خضر“ مجرور ہے اور ”استبرق“ مرفوع ہے ثیاب پر عطف کی وجہ سے ”حلوا“ اس کا عطف یطوف علیہم پر ہے لفظاً ماضی اور معناً مستقبل ہے۔ اور ”اساور“ حلوا کا مفعول ثانی ہے اور ”حلوا“ بمعنی یحلون ہے۔

من فضة۔ دنیا میں مستطیع امراء کے یہاں ایک ایک چیز کے کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں جنت میں بھی اسی طرح ہوں۔ یا بعض چیزیں سونے کی اور بعض چاندی کی۔ یا چاندی کی چیزیں ابرار کے لئے یا نوکروں چاکروں کے لئے اور سونے کی چیزیں مقربین اور مخدومین کے لئے ہوں گی۔

انا نحن۔ ضمیر کے تکرار میں تاکید اور اختصا ہے۔

ولا تطع منهم۔ غلبہ نے تو آنحضرت ﷺ کو اپنی بیٹی پیادہ دینے کا لالچ دیا تھا اور ولید نے بہت سے مال کا لالچ دیا تھا۔ اور آثم اور کفور سے مراد عام بھی ہو سکتی ہے۔ زختری یہ کہتے ہیں کہ اونچیر کے لئے آتا ہے۔ ولا تطع احدہما کے معنی دونوں کی فرمانبرداری سے روکنے کے ہیں۔ کیونکہ او دونوں میں سے ایک کے لئے ہے اور جب نفی کی جائے گی تو دونوں کی نفی ہو جائے گی کیونکہ ایجاب جزئی کی نقیض سلب کلی ہوتی ہے۔

فاسجد لہ۔ فاعلیت کے معنی بتلاری ہے۔ ای مہمسا یکن من شتی فصل من اللیل۔ بہر حال تہجد مراد ہے۔ خواہ پہلے آپ کے لئے واجب تھا بعد میں نفل ہو گیا یا شروع ہی سے نفل۔ ہا۔

یوماً ثقیلاً۔ نفل و خفت ذوات کسعات میں ہوا کرتے ہیں نہ کہ معافی میں لیکن یہاں دن کو مجازاً بھاری کہہ دیا ہے۔ شددنا اسرہم۔ قاموس میں اس کے معنی اعضاء کے ہیں مجاہد و ابو ہریرہ نے بھی یہی تفسیر فرمائی زختری اسو کے معنی ربط کے لیتے ہیں اسر الرجل اتی قید کر دیا۔

اذا شننا۔ زختری کہتے ہیں کہ یہاں ان کا موقع ہے جیسے ان تسولوا یستبدل۔ ان یشاء یدہبکم کیونکہ محتمل جگہ ان اور محقق جگہ اذا لانا جائے۔ پس حق تعالیٰ بجائے آدم کے اذا لا کر اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہماری قوت و قدرت کے آگے گویا محتمل بھی محقق ہو گیا ہے اور زختری اس میں یہ نکتہ بتلاتے ہیں کہ یہ وعید ہے بطور مبالغہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ گویا اس کا وقت معین ہو چکا ہے۔

وما تشاءون۔ اس میں بندہ کی مشیت کا ناکافی ہونا بتلادیا کہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے نہ بندہ مختار مطلق نہیں، اور نہ مجبور محض ہے۔ بلکہ اس کا معاملہ بین بین ہے بندہ کی مشیت کا خالق اللہ ہے اور کاسب بندہ ہے۔ اس لئے یہ آیت معتزلہ کے برخلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ پس زحشر کی گائیہ توجیہ کرنا الا ان یشاء اللہ بقہر ہم علیہا کھلی تحریف ہے۔ وما تشاؤن کا مفعول محذوف ہے جس کی طرف مفسر نے اتخاذ السبیل بالطاعة سے اشارہ کیا ہے۔

والظلمین۔ اس کا نائب اعد محذوف ہے جس کی تفسیر اعد مذکور کر رہا ہے۔ لیکن خود اعد مذکور کو عامل نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اعد متعدی بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ بواسطہ لام کے متعدی ہوا کرتا ہے۔ یہ تقدیر ایسے ہی ہے جیسے زید امر دت بہ کی تقدیر "جاوزت زیدا" ہے۔

رابط آیات:..... سورہ قیامتہ میں مجازات کا اثبات زیادہ اور کچھ اس کی تفصیل تھی۔ اس سورہ انسان میں زیادہ تر مجازات کی تفصیل ہے جس سے مقصود جزائے ایمان کی ترغیب ہے اور سورۃ کے شروع اور اخیر میں مجازات کا امکان و اثبات بیان فرمایا گیا ہے کفار کے انکار مجازات سے چونکہ آنحضرت ﷺ رنجیدہ ہوتے تھے اس لئے درمیان میں انا نحن نزلنا سے آپ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے۔

﴿تشریح﴾..... هل اتى على الانسان بلاشبہ پیدائش سے پہلے انسان کا کچھ نام و نشان نہیں تھا پہلے نطفہ، اس سے پہلے غذا، اس سے پہلے جماد تھا۔ غرض کہتے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا وہ حالت بھی اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔

امشاج کے معنی مخلوط کے ہیں۔ اول تو مرد و عورت کی الگ الگ مختلف رنگ کی مٹی کا اختلاط، پھر ہر ایک کی مٹی بھی مختلف غذاؤں کا جوہر ہے اور وہ غذا میں بھی مختلف عناصر سے مرکب ہیں پھر اس ناپاک بوند سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا کتنے ہی الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے کہ دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا یہ تو سمیع و بصیر ہے اور دوسرے سب اس کے آگے اندھے بہرے ہیں۔ لیکن مفسر بتلیہ کے معنی یہ لے رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو اس لئے بنایا اور اسے آنکھ کان دیئے کہ ہم اس کی آزمائش و امتحان کرنا چاہتے ہیں۔ تکالیف شرعیہ کا بوجھ رکھ کر دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کی وفاداری اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

انسان کی فطرت یکساں طور پر رہنما ہے:..... انا هدیناہ السبیل۔ انسان کو فطری سلامتی، پیدائشی عقل و فہم اور عقلی و نقلی دلائل نیکی کی راہ سمجھانے کے لئے دیئے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر ہی چلتے لیکن خارجی اثرات اور ماحول سے متاثر ہو کر ایک ڈگر پر نہ رہ سکے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا اور بعض نے حق پوشی اور ناشکری پر کمر باندھ لی۔ آگے چل کر جو لوگ رسم و رواج کے بندھنوں میں بندھے رہے اور لکیر کے فقیر بنے رہے وہ اللہ کی حکومت اور اس کے اقتدار کے خلاف رہے حق اور اہل حق کی عداوت و دشمنی کی آگ بھڑکاتے رہے۔ کبھی بھول کر بھی اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا اور نہ کبھی اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی طوق و سلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ آگے نیک کردار انسان کی جزا ہے کہ ایسے لوگ جنت کی بہاریں لوٹیں گے شراب کے جام نوش کریں گے، جن میں کافور کی آمیزش ہوگی یہ دنیا کا کافور نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ جنتی کافور ہوگا۔ جنت کے ایک خاص چشمہ کا ٹھنڈا، خوشبودار، سفید رنگ اور مفرح ہونے کی وجہ سے کافور نام ہوگا۔ مشروبات میں خاص کیفیات پیدا کرنے کے لئے بعض مناسب چیزوں کے ملانے کی عادت دنیا میں بھی ہے۔ اور چشمہ بن کے بننے کا مطلب درمنثور کی روایت کی مطابق یہ ہے کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں سونے کی چھڑیا ہوں گی۔ جدھر وہ چھڑیوں سے اشارہ کر دیں گے یہ نہریں اسی طرف ہو لیں گی۔ بہر حال یہ خاص جام اللہ کے خاص مقرب بندوں کو ملیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ درجہ کے ہوں گی پس اس سے ابرار کی بشارت میں قویت ہوگی اور اگر

ابراہر اور ”عباد اللہ“ کا مصداق ایک ہی ہو تو دو جگہ بیان کرنے سے الگ الگ مقصود ہوگا۔ ایک جگہ اس کی آمیزش کو بتلانا ہے اور دوسری جگہ اس کی کثرت اور تغیر بتلاتی ہے۔ آخر اسباب عیش کی کثرت بھی تو فرحت بخش اور لذت آفرین ہوا کرتی ہے۔

دنیا میں ابراہر کا حال اور آخرت میں ان کی شان: یوفون بالنذر۔ ابراہر کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اپنی لازم کی ہوئی چیز کا ذہیان رکھتے ہیں تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں اور قیامت کے دن سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ جس کی آفت اور سختی سے کوئی نہ بچ سکے گا لا من شاء اللہ۔ اور تیسرا وصف ان کا جو دو سٹخا ہے کہ اپنی ضرورت کے باوجود اللہ کی محبت کے جوش میں نہایت خلوص و شوق سے مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں۔ اور قیدیوں میں مسلمان ہی کی قید نہیں۔ بلکہ غیر مسلم قیدی بھی نیک سلوک اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے خاص طور سے بھلائی کی ہدایت فرمائی تھی اور صحابہؓ نے بڑی اعلیٰ حوصلگی سے اس کی تعمیل کی حالانکہ یہ قیدی غیر مسلم تھے اور مسلمان بھائی کا حق تو اور زیادہ ہے اور اگر ”اسیر“ کے مفہوم میں کچھ اور توسع کر لیا جائے تو غلام اور مقروض بھی اس کے تحت آسکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تو ایک طرح سے قیدی ہیں بلکہ طالبان علم اور طالبان سلوک بھی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی تو علم مولیٰ میں گرفتہ رہتے ہیں اور یہ کہلانے والے زبان خال یا قال سے اپنے اس ارادہ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں کہ محض اللہ کے لئے کھانا کھلانے کا بندوبست کیا ہے۔ کچھ بدلہ یا حسن صلہ پیش نظر نہیں ہے البتہ یہ کہنے کے لئے دوسرے سے ترغیب کا باعث ہو سکتا ہے جو مستحسن ہے اور بدلہ یا صلہ کا تو سوال ہی کیا یہاں تو پروردگار اور اس دن کا کھانا لگا ہوا ہے جس دن تیور چڑھے ہوئے اور پیشانی پر بل ہوں گے یہاں تو اخلاص کے بعد بھی ڈر لگا رہتا ہے وہ کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اخلاص وغیرہ میں کمی رہ جائے اور التام نہ پر مار دیا جائے۔

جنت کی نعمتیں اور عیش و عشرت: فوقہم اللہ۔ اللہ اپنے ان خاص بندوں کو ان خدشات و خطرات سے محفوظ و مامون رکھے گا، جن سے وہ ڈر رہے تھے اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا ہوگا۔ آخر دنیا میں رہ کر یہ اللہ والے بھی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے گناہوں سے بچے رہے اور اطاعت پر جے رہے پھر اللہ بھی انہیں عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ، لباس ہائے فاخرہ عنایت فرمائے گا۔ وہ امیروں، بادشاہوں کی طرح آرام کے ساتھ مست نشین رہیں گے۔ جنت کا موسم سحان اللہ کیا کہنے۔ دنیا میں بھی اس کی نظیر معتدل مقامات پر موجود ہیں۔ جہاں نہ گرمی کی تکلیف اور نہ سردی کی موسم نہایت صاف ستھرا ”بلدۃ طیبۃ و رب غفور“

و دانیۃ علیہم ظلالہا۔ جنتی درختوں کی ڈالیاں اور پھل پھول ان پر پھلے ہوئے ہوں گے کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس طرح چاہیں گے بے تکلف حاصل کر سکیں گے ممکن ہے درختوں کی شاخوں کو ”ظلال“ فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درختوں کا سایہ مراد ہو کیونکہ اس کے لئے آفتاب یا دھوپ ہی کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ روشنی کا ہونا کافی ہے کسی طرح کی بھی ہو۔ دنیا میں بھی سونے اور آرام کرنے کے لئے ہلکے اور ماند بلب لگائے جاتے ہیں۔ وہاں آنخورے شیشے کے ہوں گے اور شیشے چاندی کے ہوں گے۔ دنیا کے شیشے میں سفیدی نہیں ہوتی اور چاندی میں صفائی نہیں ہوتی کہ آبر پار نظر آجائے۔ اس لئے جنت میں دونوں وصفوں سے مرکب برتن تیار ہوں گے اور مناسب اندازہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو جام میں خواہش سے زیادہ بھریں گے کہ نہ بچ جائے اور نہ کم ہوگا کہ تنگی رہ جائے۔ بلکہ ہر شخص کے ذوق اور خواہش کے مطابق جام آئے گا تا کہ کسی قسم کی بھی بے لطفی نہ ہو سکے یہ جام نوکا فوری شراب کا تھا۔ دوسرا جام سوٹھ کی چاشنی سے لئے ہوئے ہوگا۔ سوٹھ عرب کو بہت پسند ہے۔ کیونکہ اس کی تاثیر گرم ہے۔ حرارت غریزہ کو بڑھاتی ہے اور متہ کا ذائقہ بھی بدلنا مقصود ہوتا ہے۔ مگر کافور کی طرح سوٹھ بھی دنیا کی نہیں ہوگی۔ بلکہ کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ سلیمیل کو زنجبیل کہنے لگے۔ اصل میں تو

یہ چشمہ بڑے عالی مرتبہ لوگوں کے لئے ہوگا جن کو مقررین کہا جاتا ہے مگر برابر بھی فیضاب ہوں گے سلسیل صاف بہتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ ”ولدان مخلصون“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں کے پاس سدا رہیں گے۔ اور ”لؤلؤا منشورا“ ہے تشبیہ نہایت بلیغ ہے۔ غلمان اپنی آب و تاب، حسن و جمال کے ساتھ ادھر ادھر پھرتے ہوئے یوں معلوم ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی ”واذا رایت“ جنت کا کیا پوچھنا، دیکھو تو یوں معلوم ہو کہ ایک بڑی بھاری نعمت اور عظیم الشان سلطنت ہے۔ وہاں کی پوشاک باریک اور دیزریشی کپڑے، غالیچے ہوں گے۔

”وحلوا اساور من فضة“ اس سورت میں تین دفعہ چاندی کے برتن، زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور دوسری سورت میں سونے کا پس یا تو دو ہر اسامان مراد ہے۔ جیسے امراء کے یہاں ہوتا ہے۔ اور یا بعض چیزیں سونے کی موزوں رہتی ہیں اور بعض پیزیں چاندی کی مناسب ہوا کرتی ہیں یا پھر فرق مراتب کے ساتھ یہ چیزیں عطا ہوں گی رہا مردوں کے لئے زیورات کا معیوب ہونا۔ سو جیسا دیس ویسا بھیس ایک چیز دنیا میں عیب ہے، وہاں عیب نہیں ہے ان سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا جام محبوب حقیقی کی طرف سے عطا ہوگا۔ جس میں نہ سرگرائی ہوگی، نہ بدبو، بد ذائقہ۔ بلکہ نہایت فرحت بخش کہ پی کر دل دماغ باغ باغ ہو جائے۔ شراب کا ذکر اس سورت میں تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ غرض ہے۔ پھر اول میں میسر ہون ہے اور دوسری جگہ یسقون ہے۔ جو اکرام کو بتلا رہا ہے۔ تیسری جگہ مفہم رہم فرمایا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہوگا غرض کہ اس طرح مضمون میں تکرار نہیں رہا۔ آگے مزید نوازش و عزت افزائی اور دل خوش کرنے کے لئے ان هذا الخ فرمایا گیا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ، اور تمہاری کوشش کا صلہ ہے ظاہر ہے کہ اس کو سن کر اہل جنت خوشی سے مست ہو جائیں گے۔

قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اتنا ہی حکمت و مصلحت ہے:..... انا نحن نزلنا۔ اچھے برے کاموں کے بدلہ کا ذکر ہو گیا مخالفین کی سزا آپ نے سن لی اب آپ مطمئن ہو کر کام میں لگ گئے اس سے طاعت و اطمینان کو اور تقویت ہوگی۔ قرآن بہت ہی مصالح اور حکم کے پیش نظر تھوڑا تھوڑا اتنا ہے آپ دل مضبوط رکھئے۔ لوگ آہستہ آہستہ نیک و بد کو سمجھ لیں کہ جنت کن اعمال کی وجہ سے ملتی ہے اگر پھر بھی یہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو اپنے رب کے حکم پر جبر رہئے۔ ان کی باتوں پر کان نہ دھریے جیسا کہ ولید وغیرہ کا فرخلف طریقوں سے آپ کو پرچانے کی کوشش کر رہے ہیں ہم وقت اللہ کو یاد رکھئے وہی سب زمخوں کا مرہم ہے نماز مغرب و عشاء یا تہجد پڑھا کیجئے۔

وسبحة لیلاً اگر پہلے جملہ سے مراد نماز مغرب و عشاء ہے تو اس سے مراد نماز تہجد ہو سکتی ہے پہلے جملہ سے تہجد اور اس جملہ سے تسبیح و تہلیل مراد ہوگی یعنی تہجد و تسبیحات پڑھئے۔

ان ہلولا۔ یہاں سے پھر مضمون تسلی ہے کہ آپ کی نصیحت جوان پر مؤثر نہیں ہوتی۔ اس کا سبب حب دنیا ہے جس میں یہ گرفتار ہیں دنیا چونکہ نقد ہے اس لئے مرغوب و محبوب ہے اور آخرت ادھار ہے اس لئے اس سے غافل ہیں۔ حالانکہ وہ دن بڑا سخت ہوگا اس کی فکر ہونی چاہئے مگر سمجھتے ہیں کہ مرگل گئے پھر کون دوبارہ ویسا ہی بنا کر کھڑا کرے گا۔ فرماتے ہیں ”نحن خلقنا ہم“ پہلے بھی ہم نے پیدا کیا، جوڑ بند درست کئے، اب ہماری قدرت کہیں چلی گئی۔ دوبارہ بنانا تو پہلے کی نسبت سہل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور اب فوری ہوگی مگر ہم جب چاہیں اسی بستی کو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب تبدیلی کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یہ نالائق سے باز نہ آئے تو ہم دوسری مخلوق بھی ان کی جگہ لاسکتے ہیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہوگی۔

انسان کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے:..... ان هذه تذکرة۔ آپ کا کام صرف فہمائش و نصیحت ہے۔ زور و

زبردستی کرنا نہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے۔ جو چاہے گا اپنا رستہ اللہ کی طرف بنالے گا خود آپ کا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے کے تابع ہے بندہ حق کی مشیت کے بغیر کر ہی کیا سکتا ہے وہ ہر شخص کی صلاحیت سے واقف ہے اسی کے مطابق وہ ہر ایک کو موقعہ دیتا ہے۔ جس میں استعداد اچھی ہوتی ہے ان کو نیکی کی توفیق دے دیتا ہے اور اپنی رحمت و فضل کا مستحق بنادیتا ہے اور بد فطرت کے لئے دردناک سزا تیار ہے۔

لطا ئف سلوک :..... انما نطعمکم الخ اس میں اخلاق کی ترغیب ہے۔

وسقاهم ربہم شرباً طہوراً۔ شراب کی یہ تیسری قسم پہلی دو قسموں سے بڑھ کر ہے جس میں سے ایک کافوری اور دوسری زنجبیلی تھی۔ لیکن اس میں طہوریت کے ساتھ حق تعالیٰ کا ساقی ہونا بتلایا جا رہا ہے اور بعض نے اس کو شراب روحانی سے تعبیر کیا ہے یعنی تجلی ربانی۔ ممکن ہے ابن فارض کے اس شعر میں شراب مراد ہو

سقونی وقالوا لا تفنن ولو سقوا جبال حنین ماسقونی تفتت

ابوزید سے کسی نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ایسی شراب مراد ہے جو غیر کی محبت سے پاک ہو اور فرمایا کہ یہ شراب اس کے مخصوص بندوں کو نصیب ہوتی ہے اور اللہ ہی پلاتا ہے شراب جب پی لیتے ہیں تو مست ہو جاتے ہیں اور جب مست ہو جاتے ہیں تو اڑنے لگتے ہیں اور جب اڑنے لگتے ہیں تو واصل ہو جاتے ہیں اور جب واصل ہو جاتے ہیں تو وصل سے ہمکنار ہو کر فی مقلد صدق عند ملیک مقتدر کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

اور بعض اہل اللہ نے ان شرابوں سے متبادر شراب مراد نہیں لی بلکہ ان ارواح پر انوار کا فیضان ایسے پانی کے مشابہ ہے جو پیاس کو بجھا دیتا ہے اور بدن کی تقویت کا باعث بن جاتا ہے اور پانی جس طرح مختلف ہوتے ہیں یہی حال ان انوار علویہ کا ہے ان میں سے بعض کافوری ہیں جن کا مزاج بار دو یا بس ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مناسب ہے جو دنیا میں مقام حزن و بقاء اور انقباض سے آشنا ہے اور بعض انوار زنجبیلی ہیں جن کا مزاج حار و یا بس ہے، یہ ایسے حضرات کے حصہ میں آئیں گے جو جسم و جسمانیات سے کم لگاؤ رکھنے والے اور اللہ کے علاوہ سے بے توجہ رہے ہیں۔ اسی طرح انسانی روح ترقی کے منازل طے کرتی کرتی نور مطلق تک پہنچ جاتی ہے یہ صدیقین کی شراب ہے اور پہلی شرابیں ابرار کی تھیں۔ لیکن صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اگر اس کو حقیقۂ حسی شراب پر محمول کر لیا جائے تو پھر حسی شراب جس کے انکار کی حاجت نہیں رہ جاتی۔

فمن شاء اتخذ الی ربہ سیلاً۔ سمیل اللہ سے مراد طریق صوفیاء ہے۔ جو اللہ کی ذات و صفات کا طالب ہو وہ اس راستہ پر چلے۔

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ﴿١﴾ أَيْ الرِّيحَ مُتَابِعَةً كَعُورِ الْفَرَسِ يَتْلُو بَعْضُهُ بَعْضًا وَنَصْبُهُ عَلَى الْحَالِ
فَالْعَصْفِ عَصْفًا ﴿٢﴾ الرِّيحَ الشَّدِيدَةَ وَالنَّشْرِ نَشْرًا ﴿٣﴾ الرِّيحَ تُنَشِّرُ الْمَطَرَ فَالْفَرْقِ فَرْقًا ﴿٤﴾
أَيْ آيَاتِ الْقُرْآنِ تَفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَالْمُلْقِيَتِ ذِكْرًا ﴿٥﴾ أَيْ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِلُ
بِالْوَحْيِ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ يُلْقُونَ الْوَحْيَ إِلَى الْأَمَمِ مُخَذَّرًا أَوْ نُذْرًا ﴿٦﴾ أَيْ لِلْإِعْذَارِ وَالْإِنْذَارِ مِنَ اللَّهِ
تَعَالَى وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ ذَالٍ نُذْرًا وَقُرِئَ بِضَمِّ ذَالٍ عَذْرًا إِنَّمَا تُوعَدُونَ أَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ مِنَ الْبَعْثِ
وَالْعَذَابِ لَوَاقِعُ ﴿٧﴾ كَائِنٌ لَمْ يَحَالَةَ فَإِذَا السُّجُودُ طُمِسَتْ ﴿٨﴾ مَحِي تَوْرَهَا وَإِذَا السَّمَاءُ
فُرْجَتْ ﴿٩﴾ شُقَّتْ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾ فُتَّتْ وَسِيرَتْ وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتْ ﴿١١﴾ بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ
بَدَلًا مِنْهَا أَيْ جُمِعَتْ لَوْ قَتِ لَا يَوْمَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ أُجِلَتْ ﴿١٢﴾ لِلشَّهَادَةِ عَلَى أُمَمِهِمْ بِالتَّيْلِغِ لِيَوْمِ
الْفُضْلِ ﴿١٣﴾ بَيْنَ الْخَلْقِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ إِذَا أَيْ وَقَعَ الْفُضْلُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَمَا أَذْرَيْكَ مَا يَوْمُ
الْفُضْلِ ﴿١٤﴾ تَهَوَّلَ لِسَانُهُ وَيَلْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٥﴾ هَذَا وَعَيْدُ لَهُمْ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦﴾
بِتَكْذِيبِهِمْ أَيْ أَهْلَكْنَاهُمْ ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ﴿١٧﴾ مِمَّنْ كَذَبُوا كُفَّارِ مَكَّةَ فَتُهْلِكُهُمْ كَذَلِكَ مِثْلُ
فَعَلْنَا بِالْمُكَذِّبِينَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿١٨﴾ يَكُلُّ مَنْ أَجْرَمَ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ فَتُهْلِكُهُمْ وَيَلْ يَوْمَئِذٍ
لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٩﴾ تَاكِدُ أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ ﴿٢٠﴾ ضَعِيفٍ وَهُوَ الْمَنِيُّ فَجَعَلْنَاهُ فِي
قَرَارٍ مَكِينٍ ﴿٢١﴾ حَرِيرٍ وَهُوَ الرَّجْمُ إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿٢٢﴾ وَهُوَ قَتُّ الْوِلَادَةِ فَقَدَرْنَا عَلَى ذَلِكَ فَنِعْمَ
الْقَدِرُونَ ﴿٢٣﴾ نَحْنُ وَيَلْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٤﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ مَصْدَرُ كَفَّتْ

بِمَعْنَى ضَمِّ أَى ضَامَّةٌ أَحْيَاءٌ عَلَى ظَهَرِهَا وَأَمْوَالُهَا (۳۱) فِى بَطْنِهَا وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِىَ شَمَخَتْ
جَبَالًا مُّرْتَفِعَاتٍ وَأَسْقَيْنُكُمْ مَّاءً فَرَاتًا (۳۲) عَذَابًا وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۳۳) وَيُقَالُ لِلْمُكَذِّبِينَ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنتُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ تُكَذِّبُونَ (۳۴) انْطَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِى ثَلَاثِ شُعَبٍ (۳۵)
هُوَ دُخَانٌ جَهَنَّمُ إِذَا ارْتَفَعَ افْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعَظَمَتِهِ لَا ظَلِيلَ كَنِينٍ يُظِلُّهُمْ مِنْ حَرِّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا يُغْنِى
يُرْدُّ عَنْهُمْ شَيْئًا مِنَ اللَّهَبِ (۳۶) لِلنَّارِ إِنَّهَا أَى النَّارِ تَرْمِى بِشَرِّهِ هُوَ مَا تَطَايَرَ مِنْهَا كَالْقَصْرِ (۳۷) مِنْ
الْبِنَاءِ فِى عَظَمِهِ وَارْتِفَاعِهِ كَأَنَّهُ جَمَلَتْ جَمْعُ جَمَالَةٍ جَمْعُ حَمَلٍ وَفِى قِرَاءَةِ جَمَالَةٍ صُفْرًا (۳۸) فِى
هَيْئَتِهَا وَلَوْنِهَا وَفِى الْحَدِيثِ شَرَارُ جَهَنَّمَ أَسْوَدُ كَالْقَيْْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّى سَوْدَ الْإِبِلِ صُفْرَ الشُّوْبِ سَوَادِهَا
بِصُفْرَةٍ فَيَقِيلُ صُفْرًا فِى الْآيَةِ بِمَعْنَى سَوْدٍ لِمَا ذَكَرَ وَقِيلَ لَا وَالشَّرُّ جَمْعُ شَرِّةٍ وَالشَّرَارُ جَمْعُ شَرَارَةٍ
وَالْقَيْْرِ الْقَارُ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۳۹) هَذَا أَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ لَا يَنْطِقُونَ (۴۰) فِيهِ بَشَىءٌ وَلَا يُؤْذَنُ
لَهُمْ فِى الْعُذْرِ فَيَعْتَذِرُونَ (۴۱) نَعُطَفَ عَلَى يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسْبِيبٍ عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِى حَيْزِ النَّفَى أَى لَا
إِذَنْ فَلَا إِعْتِدَارَ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۲) هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمْعُكُمْ أَيُّهَا الْمُكَذِّبُونَ مِنْ هَذِهِ
الْأَمَّةِ وَالْأَوَّلِينَ (۴۳) مِنَ الْمُكَذِّبِينَ قَبْلَكُمْ فَتَحَاسِبُونَ وَتُعَذِّبُونَ جَمِيعًا فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ حِيلَةٌ فِى
دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَكِيدُوا (۴۴) فَافْعَلُوا وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۵) إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِى ظِلِّ أَى
تَكَاثِفِ أَشْجَارٍ إِذَا شَمْسٌ يُظِلُّ مِنْ حَرِّهَا وَغُيُونُ (۴۶) نَابِغَةٌ مِنَ الْمَاءِ وَقَوَاقِحُ مِمَّا يَشْتَهُونَ (۴۷) فِيهِ
أَعْلَامٌ بِأَنَّ الْمَاكِلَ وَالْمَشْرَبَ فِى الْجَنَّةِ بِحَسَبِ شَهَوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسَبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِى
الْأَعْلَابِ وَيُقَالُ لَهُمْ كُلُّوا وَاشْرَبُوا هَيْئًا حَالٌ أَى مُتَهَيِّئِينَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۴۸) مِنَ الطَّاعَاتِ إِنَّا
كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِينَ نَجْزِى الْمُحْسِنِينَ (۴۹) وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۵۰) كُلُّوا وَتَمَتَّعُوا
حِطَابَ لِلْكَفَّارِ فِى الدُّنْيَا قَلِيلًا مِنَ الزَّمَانِ وَغَايَتُهُ إِلَى الْمَوْتِ وَفِى هَذَا تَهْدِيدٌ لَهُمْ إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ (۵۱)
وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۵۲) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا صَلُّوا لَا يَرْكَعُونَ (۵۳) لَا يَصَلُّونَ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ
لِلْمُكَذِّبِينَ (۵۴) فَبَآئِ حَدِيثٌ بَعْدَهُ أَى الْقُرْآنِ يُؤْمِنُونَ (۵۵) أَى لَا يُمَكِّنُ إِيْمَانَهُمْ بِغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ
اللَّهِ تَعَالَى بَعْدَ تَكْذِيبِهِمْ بِهِ لِاشْتِمَالِهِ عَلَى الْأَعْمَارِ الَّتِى لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَيْهِ غَيْرُهُ

ترجمہ: سورہ مزلت یکہ ہے۔ جس میں ۵۰ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ان ہواؤں کی جو آگے پیچھے بھیجی جاتی ہیں (مسلسل جیسے گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے لائن لگائے ہوئے ہیں۔ عرفا حال کی وجہ

سے منصوب ہے) پھر ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں (آندھی بن کر) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں (بارش کو منتشر کرتی ہیں) پھر ان آیات کی قسم جو فیصلہ کن ہوتی ہیں (قرآنی آیات جو حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو پیغام وحی لانے والے ہیں (یعنی جو فرشتے انبیاء و رسل کے پاس وحی لاتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کو پہنچائیں) تو بے کے لئے یاد کرانے کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف عذر قبول کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے اور ایک قرأت میں فخذوا اور عذرا ضمہ ذال کے ساتھ ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (مکہ کے کافروادوبارہ زندہ ہونے اور عذاب کی نسبت) وہ ضرور ہونے والی ہے (لا محالہ) سو جب ستارے بے نور (گل) ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) اور پہاڑ جب اڑتے پھریں گے (چوہہ ہو کر رواں دواں ہو جائیں گے) اور جب سب پیغمبر مقررہ وقت پر جمع کئے جائیں گے (اقتت واد کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے ساتھ جو واؤ سے بدلا ہوا ہے یعنی بروقت جمع ہوں گے) کس دن کے لئے (بڑے ہی دن کے لئے) پیغمبروں کا معاملہ ملتی رکھا گیا ہے (امتوں کو تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں گواہی کے لئے) فیصلہ کے دن کے لئے (مخلوق کے درمیان اس سے اذاکا جواب نکل آتا ہے یعنی مخلوق کا فیصلہ ہو کر رہے گا) اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (قابل ہیبت ہے) اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) کیا ہم پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں (ان کے جھٹلانے کی وجہ سے ان کو برباد نہیں کر دیا) پھر پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ ساتھ کر دیں گے (جو جھٹلانے والے ہیں جیسے کفار مکہ ان کو بھی تباہ کر دیں گے) اسی طرح جیسے جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا ہے (ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں) (یعنی آئندہ جو بھی جرم کرے گا اسے ہم مٹا کر چھوڑیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (تاکید ہے) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا (منی سے جو حقیر ہے) پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ نہیں رکھا (رحم میں برقرار رکھا) غرض ایک اندازہ ٹھہرا (جتنے تک) سو ہم کیسے اچھے اندازے ٹھہرانے والے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو سینے والی نہیں بنایا (کھفت یعنی ضم کا مصدر ہے یعنی ضامۃ) زندوں کو (اوپر کے حصہ میں) اور مردوں کو (نچلے حصہ میں) اور ہم نے اس میں اونچے اونچے (نہایت بلند) پہاڑ بنائے اور ہم نے تم کو میٹھا (شیریں) پانی پلایا۔ اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی (قیامت کے روز جھٹلانے والوں سے کہہ دیا جائے گا) جاؤ اس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو تین شانے سائبان کی طرف (جہنم کا دھواں جب اٹھے گا تو زیادہ ہونے کی وجہ سے تین طرف پھٹ جائے گا) جس میں نہ سایہ ہے (جو اس دن کی تپش بچا کر سایہ کا کام دے سکے) اور نہ وہ (آگ کی) لپیٹ سے بچ سکتا ہے (کچھ بھی رکاوٹ نہیں کرتا) وہ (آگ) انگارے برسائے گی (جو اس سے اتنے بڑے اڑیں گے) جیسے بڑے بڑے محل (ذیل ذہول کی عمارت) جیسے اونٹ (جمالۃ کی جمع ہے اور جمالۃ جمل کی جمع ہے اور ایک قرأت میں جمالۃ ہے) کالے کالے (شکل اور رنگت کے لحاظ سے حدیث میں ہے۔ جہنم کی چنگاریاں بجھنی کی طرح سیاہ ہوں گی۔ اہل عرب کالے کو صفر ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ کالا اور میادوںوں رنگ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض کی رائے ہے کہ آیت میں صفر کے معنی سود کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ اور شرشرۃ کی جمع ہے اور شرار جمع شرارہ کی اور قیرقار کو کہتے ہیں) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ (قیامت کا روز) وہ ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے (کچھ بھی) اور نہ ان کو اجازت ہوگی (عذر کی) سو معذرت بھی نہ کر سکیں گے (سو ذن پر عطف ہو رہا ہے بغیر سبب میں شرکت کے۔ اس لئے یہ نفی ہی میں داخل رہے گا۔ یعنی نہ ان کو اجازت ہوگی اور نہ وہ عذر کر سکیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تم کو (اے اس امت کے جھٹلانے والو!) اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے (تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو پس تم سب کا حساب کتاب بھی ہوگا اور عذاب بھی ایک ساتھ) سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو (اپنے سے عذاب دفع کرنے کا حیلہ) تو مجھ پر تدبیر چلاؤ (یعنی ضرور کر ڈالو) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں (گھنے درختوں میں کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے) اور (پانی کے بہتے) چشموں میں اور مرغوب میوؤں میں ہوں گے (اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا

کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھاؤ برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پانی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نماز نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جاسکتا ہے کیونکہ جو شانِ اعجازی اس میں ہے اور وہ میں نہیں ہے۔)

تحقیق و ترکیب: والمرسلات۔ پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں مگر سب کا موصوفِ محذوف ہے بعض نے سب جگہ رباح مقدر مانا ہے اور بعض نے سب جگہ ملائکہ اور بعض نے کہیں رباح کو اور کہیں ملائکہ کو مقدر مانا ہے۔ لیکن مفسر علام نے سب سے نزلاً طرز اختیار کیا ہے۔ پہلی تین قسموں کا موصوفِ رباح کو بنایا ہے۔ اس کے بعد چوتھے نمبر پر فارقات کا موصوفِ قرآن پاک کو بنایا اور پانچویں قسم کا موصوفِ ملائکہ۔

عرفاً۔ قاموس میں ہے کہ عرف گھوڑے کی گردن کے بالوں کو کہتے ہیں۔ یہ لغوی معنی ہیں پھر تابع کے معنی ھیفہ عرفہ بن گئی قاموس میں ہے ”طار القطان عرفاً“ یعنی آگے پیچھے ہو کر کونجیں اڑیں۔ اسی طرح ”جاء القوم عرفاً“ کے معنی ہیں اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ ہوائیں نفع بخش ہیں اور روح البیان میں ہے کہ مرسلات مرسلۃ کی جمع ہے بمعنی طائفہ۔ گویا فرشتے سالانہ دروازہ ہر وقت یکے بعد دیگرے آتے ہی رہتے ہیں۔ گھوڑے کی گردن پر جو تسلسل کے ساتھ بال ہوتے ہیں ان کو مرسلات کہتے ہیں۔ فرشتوں کے لئے نہایت بلیغ تشبیہ ہے اور ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مرسلات فرشتے ہیں اور عرف مکر کی ضد ہے۔ یعنی جو فرشتے اوامر و نواہی لاتے ہیں۔ مفسر نے ہوائیں مراد لے کر حال کی وجہ سے منصوب کہا ہے اور فرشتے مراد لینے سے مفعول لہ ہو جائے گا۔

الناشرات۔ نرم ہوائیں جو بارش لاتی ہیں، یا فرشتے مراد ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں یا اللہ کے احکام دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ الملقیات۔ ابن کثیر تو اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں کہ فارقات اور ملقیات سے مراد فرشتے ہیں۔

عدراً او نذرًا۔ یعنی محققین کا اعذار، اور مبطلین کا انداز، بجانب اللہ معلوم ہوا کہ عدلاً، نذرًا دونوں مصدر ہیں۔ اگرچہ پہلے عدلاً کا مصدر ہونا خلاف قیاس ہے۔ دونوں مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور معلل بہ ملقیات ہے اور اعذار سے مراد مخلوق کے عذر زائل کرنا اور انداز کے معنی ڈرانے کے ہیں اور مدارک میں ہے کہ عدل نذر مصدر ہیں۔ عذر کے معنی برائی دور کرنے کے ہیں۔ یاد کرو اسے دونوں بدل ہیں اور ذکر سے مراد وحی ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ عذیر و نذیر کی جمع ہے۔ جن کے معنی عاذر اور منذر کے ہیں۔ اس صورت میں دونوں حال کی وجہ سے منصوب اور ابن کثیر، نافع، ابن جبر، عامر، ابوبکر کے نزدیک نذرًا ضمہ ذال کے ساتھ ہے اور حسن کی قرأت میں عدلاً بھی بطریق شذوذ ضمہ ذال کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

القت۔ ابو عمرو علی نے اصل پرواؤ کے ساتھ اور باقی چھ قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

لای یوم اجلت۔ جار مجرور، اجلت کے متعلق ہے۔ جملہ متانفہ ہے یا قول محذوف کا مقولہ ہے۔ ای یقال لای یوم اور یہ قول حال ہو جائے گا۔ اقلت کے نائب فاعل سے ”لیوم الفصل“ سے استفہام تحویل و تعظیم کے لئے ہے۔

عبارت ”و یو خدمنہ جواب اذا“ زخمیری کی رائے کے مطابق۔

و مدارا۔ ما استفہامیہ مبتداء اور ادراک جملہ اس کی خبر ہے اور کاف مفعول اول ہے اور یوم الفصل جملہ قاسمقام مفعول ثانی ہے۔ پہلا استفہام استبعاد و انکار کے لئے اور دوسرا تعظیم کے لئے ہے۔ مفسر کی عبارت دوسرے استفہام سے متعلق ہے پہلے کو بیان نہیں کیا۔

ویل یومئذ . مبتداء اگرچہ نکرہ ہے لیکن شباب ہلاکت و دوام کے لئے رفع کی طرف عدول کر لیا گیا ہے ”سلام علیک“ میں بھی یہی صورت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ویل کلمہ عذاب و رسوائی ہے۔ اس سورت میں دس بار لایا گیا اس لئے تکذیب کرنے والوں کے بار بار طمانچے لگائے جائیں تاکہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں۔

السم نہلک . استفہام تقریری ہے یعنی نفی کے بعد جو چیز ہے اس کے اقرار کے لئے ہے اولین سے مراد حضرت آدم کے وقت سے آنحضرت ﷺ کے وقت تک کفار ہیں اور آخر میں امت محمدیہ کے کافر۔ کذلک ای فعلنا فعلا مثل هذا الفعل - تفسیر کی عبارت میں موصوف محذوف ہے۔

کفانا . فعال کا وزن بھی ثلاثی مجرد کیے لئے آتا ہے الکفت کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ مفسر نے اشارہ کر دیا ہے کہ مصدر بمعنی شتق ہے۔

انطلقوا . یہ تاکید ہے پہلے انطلقوا کی۔

ذی ثلاث شعب . بقول مفسر دھواں مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی زبان ہوگی، جو کفار کا احاطہ کر لے گی۔ اور مومن ظل عرش میں ہوں گے۔

لا ظلیل . یہ ظل کی صفت ہے اور صفت موصوف کے درمیان نفی کے افادہ کے لئے واسطہ نہیں ہوتا پہلی صفت کو اسم اور دوسری کو فعل لا کر اشارہ کیا ہے کہ نہ اس میں سایہ کی شان ہوگی اور نہ لپٹوں سے بچاؤ کی کوئی صورت متحدہ اور حادث ہوگی بطور تحکم اس کو ظل کہہ دیا ہے۔ کنین کے معنی سائر اور روک کے ہیں۔

نرمی بشرد . عام قرأت تو یہی ہے لیکن ابن عباس کی قرأت شاذ میں دونوں را کے درمیان الف اور شین کسور ہے اور مفتوح بھی۔ شرر جمع شرورہ کی اور شرار بھی شرورہ کی جمع ہے جیسے رقبۃ کی جمع رقاب ہے۔ شرارۃ چنگاری کو کہتے ہیں۔ ان شراروں کو پہلے تو بڑائی میں محل سے تشبیہ دی پھر رنگ اور کثرت و تسلسل میں اونٹوں سے تشبیہ دی۔ جس طرح جمالات قرأت سبعہ میں ہے۔ اسی طرح اخوان اور حفص نے جمالۃ پڑھا ہے۔ جمالۃ جمع ہے اور اس میں تاء تانیث جمع کی ہے جمل، جمال، جمالۃ بولتے ہیں۔ جیسے ذکر، ذکار، ذکارۃ، اسی طرح حجر، حجار، حجارۃ بولتے ہیں۔ عام نحاۃ کی رائے یہی ہے۔ لیکن ابو البقاء ذکارۃ اور حجارۃ کی طرح جمالۃ کو اسم جمع مانتے ہیں البتہ جمالات جمالۃ کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور جمال کی جمع بھی ہو سکتی ہے یعنی جمل کی جمع الجمع اور یہ بھی ممکن ہے کہ جمل مفرد کی جمع ہو۔

صفر . حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حجازی معنی میں ہے۔

هذا یوم لا ینطقون . دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ عند ربکم تختصمون . لیکن دونوں میں تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ قیامت میں مختلف اوقات میں مختلف احوال پیش آئیں گے جیسا کہ ابن عباس سے منقول ہے۔

فیعتذرون . مفسر ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں کہ فایا واء کے ذریعہ عطف کرنا معطوف کے نصب کو چاہتا ہے پھر آیت میں رفع کیسے آیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ نصب اس وقت آتا ہے جب کہ نفی سے متعجب ہو جیسے لا یقضی علیہم فیموتوا میں نصب ہے کہ موت معطوف کا سبب منفی ہے۔ لیکن جہاں معطوف متعجب نہ ہو جیسے یہاں لا یؤذن لہم فیعتذرون میں تو نصب کی بجائے رفع آئے گا اور کتاب سمین میں لکھا ہے کہ ”فیعتذرون“ میں رفع دو طرح ہے۔ ایک تو یہ کہ جملہ مستانفہ مانا جائے۔ ای فہم یعتذرون . ابوالیقاء اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ کفار ایسی گفتگو نہیں کر سکیں گے جو ان کے لئے نافع ہو، یا یہ معنی ہیں کہ بعض جگہ بولیں گے اور بعض جگہ نہیں بولیں گے اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ بقول مفسر یؤذن پر معطوف ہو پس منفی ہوگا اس پر اگر نصب ہوتا تو پھر یہ مسبب عنہ ہوتا۔ ابن عطیہ یہ کہتے ہیں کہ ”فیعتذرون“ جواب نفی کے موقع پر اس لئے منصوب نہیں ہوا کہ پھر فواصل آیات کی رعایت نہ رہتی گویا اس توجیہ کا حاصل محض مناسبت لفظی ہوا اور یہ کہ رفع و نصب دونوں یکساں جائز ہیں حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔

جمعنا کم . یوم الفصل کی تقریر اور بیان ہے۔ یعنی فیصلہ کے لئے تمہیں جمع کیا جائے گا اور ”والا ولین“ کا عطف کم پر ہوگا۔ یا یہ کہ مفعول مع ہے اور قول مقدر کا معمول ہے۔ بقول قرطبی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ویقال لہم ہذا یوم یفصل فیہ بین الخلاق فکیدونی . یعنی اپنے لئے کوئی تدبیر نکالو اور دیکھو کس مرتہ چھوڑنا۔

فبحسب ما یجد الناس یہ دنیا کے میوؤں کا بیان ہے کہ موسم پر ملتے ہیں بے موسم نہیں ملتے ”کلوا واشربوا“ مفسر نے پہلے ”یقال لہم“ سے اشارہ کر دیا۔ کہ تمہیں متقین سے حال ہے۔ جو ”فی ظلال“ ظرف میں ہے۔ ای ہم مستقرون فی ظلال مقولا لہم ذلک اور بعض کے نزدیک یہ کلام متانف ہے۔

انا کذلک . اس تشبیہ پر یہ اشکال ہو سکتا ہے۔ کہ ”متقین و محسنین“ تو ایک ہی ہیں۔ پس تشبیہ بفسف ہو گئی؟ جواب یہ ہے کہ متقین سے اعلیٰ اور کمال درجہ کے لوگ مراد ہیں اور محسنین ان سے کم پس دونوں کے اوصاف میں تو فرق رہا مگر مراتب و درجات برابر کر دیئے گئے۔

فہای حدیث . مفسر نے جو مدعا دکھا ہے کہ قرآن کی موجودگی میں دوسری کتابوں پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے مفسر کی دلیل اس کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ ہر چند قرآن دوسری کتابوں سے معجزہ میں بڑھا ہوا ہے مگر پھر بھی ایک شخص زیادہ معجزہ کو چھوڑ کر کم معجزہ پر ایمان لاتا ہے اس لئے مفسر کی تعلیل نتیجہ خیز نہیں رہتی۔ مفسر کو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ قرآن چونکہ دوسری کتابوں کا مصدق ہے وہ سب کتابیں ان میں موجود ہیں اس لئے اس کی تکذیب کے بعد ان کی تصدیق و ایمان کا سوال ہی نہیں رہتا۔

رابط آیات :..... سورہ انسان کی طرح اس سورہ مرسلات میں بھی قیامت کا واقع ہونا اور ان کے احوال اسباب کیفیات کا بیان ہے تاہم دونوں میں یہ فرق ہے کہ سورہ انسان میں زیادہ تر نفی مضامین تھے اور اس سورت میں زیادہ تر مضامین تہنیتی ہیں۔ اس لئے دس مرتبہ آیت ویل یومئذ للمکذبین کو دہرایا گیا ہے اور چونکہ جھٹلانے کا تعلق ہر جگہ الگ بات سے ہے۔ اس لئے معنی اس کو تکرار بھی نہیں کہہ سکتے۔ البتہ ظاہر ہے کہ تکرار جب کہ مفید تاکید ہو تو وہ بھی قابل اعتراض نہیں رہ جاتا جیسا کہ سورہ رحمن میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

شان نزول :..... سورہ مرسلات آنحضرت ﷺ پر ”لیلۃ الجن“ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ہمسفر تھا۔ منی کے ایک غار میں ہم ٹھہرے کہ یہ سورت نازل ہوئی ہم ابھی اس کے ورد ہی میں تھے کہ اچانک ایک سانپ برآمد ہوا ہم اس کے مارنے کے لئے جھپٹے کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وقتیم شرھا کما وقیت شرکم . چنانچہ منی کا یہ غار ”غار المرسلات“ سے موسوم ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مرسلات سے فرشتے مراد ہیں، جو احکام شرع لانے والے ہیں اسی طرح قوادۃ فداقات سے آیات قرآنی مراد لیتے ہیں اور ابن عباس فرشتے مراد لیتے ہیں۔ جو حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں اور مجاہد ہوائیں مراد لیتے ہیں جو بادلوں کو پراگندہ کر دیتی ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ فداقات و ملقیات سے بالا جماع ملائکہ مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾ :..... والمرسلات شروع میں ہوا۔ یعنی بھینی اور خوشگوار چلتی ہے جس سے لوگوں کو اچھی توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں مگر پھر کچھ دیر بعد ہی وہ ہوا تیز آندھی اور طوفان کی خوفناک کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس سے لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ پس دنیا و آخرت کا بھی یہی حال ہے کتنے ہی کام ہیں جنہیں لوگ مفید سمجھ کر کرنے لگ جاتے ہیں اور مستقبل کی توقعات قائم کر لیتے ہیں لیکن قیامت میں وہی کام خطرناک رنگ میں جب سامنے آئیں گے تو لوگ حیرت میں پڑ جائیں گے۔

مختلف قسمیں اور ان کی مضمون قسم سے مناسبت: والنشورات۔ جو لطیف ہوا میں بخارات کی شکل میں اوپر اٹھتی ہیں اور بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتی ہیں پھر حکم الہی کے مطابق انہیں مختلف حصوں میں بانٹ دیتی ہیں اور بارش ہو جانے پر پھر ان بادلوں کو ادھر ادھر، تتر بتر کر دیتی ہیں اور کچھ بادلوں کی خصوصیات نہیں بلکہ چیزوں کی مختلف کیفیات، مثلاً: خوشبو، بدبو وغیرہ بھی ہوا کی بدولت پھیل جاتی ہیں۔ غرض کہ جمع و تفریق جو ہوا کا ایک خاصہ ہے وہ آخرت کا ایک نمونہ بھی ہے ”حشر و نشر“ میں یہی جمع تفریق کا منظر سامنے آ جائے گا۔ چنانچہ آگے ارشاد ہے ”ہذا یوم الفصل جمعکم والاولین“ البتہ مفسر آیات قرآنی ”الفارقات“ کا مصداق قرار دے رہے ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ان سے حق ناحق الگ ہو جاتا ہے آخرت میں بھی اسی طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیں گی۔

فالمعلیات۔ یعنی ان ہواؤں سے اللہ کی یاد دل میں آ جاتی ہے دوجہ سے اگر خوف ناک ہوا میں ہیں تو آثار خوف نمایاں ہو کر توبہ و استغفار کی توفیق ہوگی اور وہ ہوا میں فرحت بخش ہوئیں تو شکر نعمت کے جذبات دل میں موجزن ہوں گے اور اپنی تفسیرات پیش نظر ہوں گی۔ نیز یہ ہوا میں وحی کی آواز بھی کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی۔ لیکن مفسر اس سے فرشتے مراد لے رہے ہیں۔ بہر حال روح المعانی میں ان پانچوں قسموں میں تین قسموں کے احتمالات کی تفصیل مذکور ہے اور ”عدواً او فداً“ کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وحی کے ذریعہ حق تعالیٰ کو کافروں کا یہ الزام اتارنا منظور ہے کہ سزا کے وقت یہ نہ کہیں کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔ اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈر سنانا ہے۔ تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو کلام الہی امر و نہی، عقائد و احکام پر مشتمل ہے وہ عذر کرنے کے لئے ہے کہ اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لئے دستاویز اور عذر ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم سے کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے چھوڑ دیا اور جو حصہ کلام کا منقول اور واقعات سے متعلق ہے وہ عموماً خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ہے اور اس سورت میں زیادہ تر مکذبین و منکرین کی طرف رخ تھا اس لئے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بہر حال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوا میں شاہد ہیں کہ ایک دن ضرور ایسا آنا چاہئے کہ مجرموں کو ان کے کفر کر دار تک پہنچایا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکل یہ مامون و مطمئن کر دیا جائے۔

قیامت کا ہولناک نقشہ: فاذا النجوم۔ سو جب تارے بے نور ہو جائیں، آسمان پھٹ پڑیں اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں اور پیغمبر آگے پیچھے مقررہ وقت کے مطابق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ دربار الہی میں پیش ہوں اس وقت سب کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور جانتے ہو کہ ان سب باتوں کو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے؟ یاد رکھو اس دن آخری اور دو ٹوک فیصلہ ہوگا اس کی حکمت ہی کا تقاضا ہے کہ یہ فیصلہ دنیا کی بجائے آخرت میں ہو ورنہ اللہ چاہتا تو ہر چیز کا فیصلہ ہاتھوں ہاتھ ہو جاتا۔

مکرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی: ویل یومئذ۔ اس فیصلہ کے دن کی نسبت بس اتنا سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز بڑی بدبختی اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا خلاف توقع جب ایک دم حالات سامنے آ جائیں گے تو ہوش اڑ جائیں گے اور سخت مایوسی اور بدحواسی طاری ہو جائے گی۔

الم نہلث الاولین۔ لوگ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ سب آدمی ایک دم کیسے مرجائیں گے اور کیسے یقین کیا جائے کہ اتنی بڑی دنیا ختم ہو جائے گی؟ دوزخ کا خیال اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور مصنوعی ہیں۔ اس کا جواب فرمایا جا رہا ہے کہ پہلے کتنے آدمی اور قومیں تباہ و برباد ہو چکیں اور آج تک بھی موت و تباہی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ پس جب پرانے مجرموں کی نسبت ہماری یہ عادت

معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ اب ہم ان کافروں کو بھی ان ہی کے پیچھے چلا کر دیں گے آخر ہماری قدرت میں کچھ فرق آ گیا ہے۔

ویل یومئذ۔ ایسے جھٹلانے والوں کی اس روز اچھی طرح خبر لیں گے اور خاص درگت بنائیں گے۔

الم نخلقکم۔ ماں کے رحم اور بچہ دانی میں اکثر نو مہینے تک اس پانی کی بوند کو بتدریج مختلف مراحل سے گزار کر جیتا جاگتا اچھا خاصا انسان بنا دیا جاتا ہے۔ اس سے اللہ کی عظیم قدرت اور کاریگری کا اندازہ کر لو اور یہ کہ کیا دوبارہ انسان کو زندہ نہیں کیا جاسکتا اور ”قدرنا“ کے معنی اندازہ کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی کیسے صحیح اندازہ سے ہم نے انسان کو بنا دیا کہ اتنی سی مدت میں کوئی ضروری چیز نہیں رہ گئی اور کوئی بے کار چیز زائد نہیں آ گئی۔

ویل یومئذ للمکذبین۔ جو لوگ مرکز زندہ ہونے کو محال سمجھا کرتے اور اس عقیدہ کا مذاق اڑایا کرتے وہ اس وقت اپنے لچر شبہات پر شرمندہ ہوں گے اور کف افسوس ملیں گے۔

مر کر جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھانا کیوں مشکل ہے؟..... الم نجعل الارض۔ زمین کو دیکھو زندہ بھی اسی پر رہتے ہیں اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی مٹی سے ملی اور مر کر بھی اسی میں ٹھکتا ہے۔ جب یہی ٹھکانا ہے، پھر دوبارہ اسی سے اٹھادینا کیوں مشکل ہوگا؟ پھر جو خدائے قادر نے اسی زمین پر پہاڑ جیسے مضبوط، وزنی، سخت، دیو ہیکل پیدا کر دیئے جو درائش سے مس نہیں ہوتے اور اسی زمین میں پانی جیسی سیال اور رقیق و نرم چیز پیدا کر دی جو بہتا رہتا ہے اور پینے والے آسانی سے پی جاتے ہیں۔ پس اللہ جب اسی ذرا سی زمین پر اپنی قدرت کے متضاد کرشمے دکھلاتا رہتا ہے کیا وہ قیامت میں نجات و عذاب کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا؟ پھر ایسی ہستی کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیا معنی؟

ویل یومئذ للمکذبین۔ ان جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں ساری دنیا کو ثواب و عذاب دینا کیسے ہو سکے گا؟

انطلقوا۔ کفار سے قیامت کے روز کہا جائے گا چلو ذرا اپنے جھٹلانے کا انجام بھی دیکھ لو وہ سامنے جو دوزخ کا دھواں اٹھ رہا ہے جسے تم سائبان سمجھو گے بقول قنادہ پھٹ کر اس کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے ہر ایک کو تین طرف سے گھیر لے گا۔ ایک ٹکڑا سر پر اور دو ٹکڑے دائیں بائیں۔ حساب سے فارغ ہوتے ہی یہ منکرین تو اسی دھوئیں کے سائبان میں رہیں گے اور ایمان دار عرش بریں کے سایہ میں آرام و اطمینان کھڑے ہوں گے۔ وہ دھواں بس نام کو سایہ ہوگا ورنہ بیرونی و اندرونی تپش و تمازت رہے گی اور اس سے اڑتی وہوئی چنگاریاں یا انگارے بڑے بڑے محل کے برابر ہوں گے۔ دھوئیں کو محل سے تشبیہ اگر بلندی میں ہے تب تو اونٹ سے بڑے اور پھیلے ہوئے ہونے میں ہوگی لیکن اگر محل سے تشبیہ بڑے ہونے میں ہے تو پھر اونٹ کے ساتھ تشبیہ دھولے اور مٹیالے ہونے میں ہوگی جو سیاہی کے قریب ہوتا ہے اور یادوں مل کر یہ مطلب ہوگا کہ پہلے دھواں محل کے برابر آئے گا اور پھر مختلف ٹکڑے ہو ہو کر اونٹ کی طرح ہو جائے گا اونٹوں کے ساتھ اہل عرب کی رعایت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ویل یومئذ للمکذبین۔ ان جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اول تو قیامت آئے گی نہیں اور آئی بھی تو یار لوگ مزہ میں رہیں گے۔

قیامت کی ہیبت اور دہشت..... ہذا یوم لا ینطقون۔ روز محشر کفار کہیں بول بھی نہ سکیں گے اور کہیں بولیں گے بھی تو بے فائدہ اس لئے بولنا نہ بولنا برابر رہے گا کیونکہ اب معذرت اور توبہ کا وقت گزر چکا ہے اب ان لوگوں کی تباہی کا وقت آ گیا ہے

جنہوں نے اللہ احکم الحاکمین کی بارگاہ کو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں کی طرح وہاں بھی کچھ دے دلا کر، زبان چلا کر چھٹی ہو جائے گی۔
ہذا یوم الفصل۔ پہلے سب کو اکٹھا کر کے آخری فیصلہ سنا دیا جائے گا پھر ان کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ لو ہم نے تمہیں جمع کر دیا ہے اور اب آپس میں صلاح کرو اور جو تدبیریں ہماری گرفت سے نکلنے کی ذہن میں آئیں کر دیکھو۔
ویل یومئذ للمکذبین۔ ان بد بختوں کی آج شامت آئے گی، جو دوسروں کے سہارے تک رہے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہمیں چھڑالیں گے۔

دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل:..... **ان المتقین**۔ ترہیب کے بعد ترغیبی مضمون ہے ارشاد ہے کہ دوزخیوں کے سایہ کا ذکر تو گزر چکا۔ لیکن جنتیوں کو عرش کا اور پھر جنت کا سایہ نصیب ہوگا کھانے پینے اور فواکھات کی افراط اور بہتات ہوگی اور جتنا دیا جائے گا کہ فضل الہی سے یہ تمہارے کئے کا پھل ہے اپنی محنت کا پھل کھا کر اب مگن رہو۔

ویل للمکذبین۔ مگر ان لوگوں کی سختی آگئی جو دنیا میں کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد اگر دوبارہ زندہ ہونا پڑا تو یار لوگ وہاں بھی مزے میں رہیں گے اب مسلمانوں کو سکھ میں اور خود کو دکھ میں دیکھ دیکھ کر اور بھی جلیں بھیں گے۔

کسوا و تسمعوا۔ یعنی اے مکذبین! دنیا میں چندے مزے اڑاؤ آخر یہ کھایا پیاسا بھلے کا تم کے مجرم ہواس لئے سزا بھی پکی ہوئی چاہئے اور جس طرح پھانسی پانے والے سے آخری طور پر اس کی خواہش کو پوچھا جاتا ہے اسی طرح ان کو آخری موقع دیا جا رہا ہے۔

ویل للمکذبین۔ بربادی ہے ان لوگوں کی جو دنیا کی بہاروں اور مڑوں پر سمجھ رہے تھے اور جس کو ریشم کی ڈوری سمجھ کر گلے میں ڈالا تھا وہ کالا ناگ تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ نماز میں خاص طور سے یا عام احکام میں اللہ کے آگے جھکو تو نہیں جھکتے۔

ویل یومئذ۔ لیکن آخر کو یہ لوگ پچھتائیں گے کہ کیوں نہ اللہ کے آگے جھکے وہاں سر جھکاتے تو آج سر بلند ہوتے۔
فبائی حدیث۔ قرآن جیسی معجز کتاب بھی اگر ان پر اثر انداز نہ ہو سکی تو پھر آخر کس بات پر ایمان لائیں گے قرآن کے بعد

کوئی اور کتاب آئے گی جس کے یہ منتظر ہیں؟ اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل۔

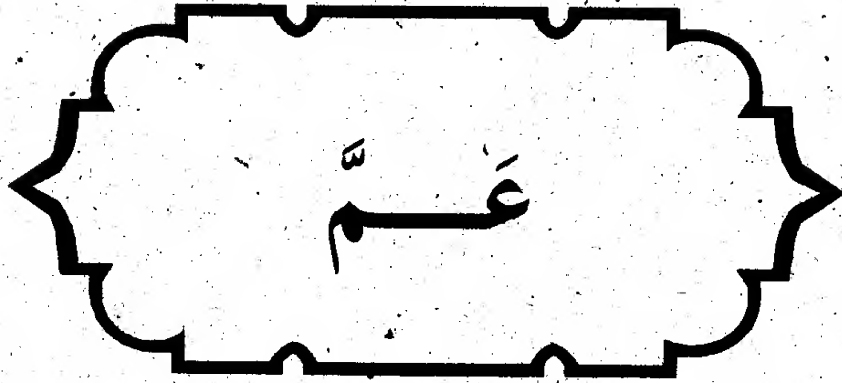
اطأف سلوک:..... **انطلقوا الی ظل**۔ روح المعانی میں ہے کہ تین کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ نفس کے لئے تین حجابات ہیں جو انوار قدس میں مانع ہیں۔ (۱) حس (۲) خیال (۳) وہم اور یہ نخل علم ہیں اور یا اس لئے ہے کہ عذاب تک لے جانے والی تین قوتیں ہیں۔ ۱۔ وہم۔ ۲۔ غصبیہ۔ ۳۔ شہویہ۔ اور یہ نخل عمل ہیں۔

واذا قیل لہم۔ یعنی تواضع و خشوع اختیار کرو اور کبر و نخوت کو چھوڑ دو جو قبول حق سے مانع ہے۔

(تم بحمد اللہ و بفضلہ لحصۃ من التفسیرات الاحکامیہ ومن البیان والمسائل السلوک

والفوائد العمالی وغیرھا) (لسابع عشر رمضان ۱۳۹۷ھ یوم الجمعہ)

پارہ نمبر (۳۰)



فہرست پارہ عم

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۱۹	قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے	۶۰۰	قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں
۶۱۹	امام راغب کی تحقیق ایک واضح مثال	۶۰۰	قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی
۶۲۷	ایک واضح مثال	۶۰۱	ایک علمی نکتہ
۶۲۷	دوا اجتہاد	۶۰۱	زمین کی حرکت و سکون
۶۲۷	محققانہ کلام	۶۰۱	دنیاوی رشتے ناطے آخرت میں ایک حد تک ختم ہو جائیں گے
۶۲۸	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ	۶۰۲	دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت
۶۲۹	بغیر قرآن چھوٹا جائز نہیں ہے	۶۰۲	جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت
۶۲۹	قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں	۶۰۳	نظام شمسی میں قوت الہی
۶۲۹	قرآن کا ادبیانہ طرز کلام	۶۰۳	بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے
۶۳۰	مفروہ انسان اپنے حقیقت پر ظہر رکھے	۶۰۳	دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں
۶۳۰	انسان کی بے بسی	۶۰۴	قیامت عقلاً بھی ضروری ہے
۶۳۱	ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرگودھے مگر انسان سرکش ہے	۶۰۴	قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی
۶۳۱	انسان کی بقا کے لئے سامان زندگی	۶۰۴	کیا جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی
۶۳۱	قدرت کی کرشمہ سازی	۶۰۵	کیا کفر و شرک محدود اور سزا لا محدود ہے
۶۳۸	زمینی چیزیں بھی تہہ بالہ ہو جائیں گی	۶۰۵	کفر و شرک کا تعلق دل سے پھر حسی سزائیں کیوں؟
۶۳۹	قیامت کا دوسرا مرحلہ	۶۰۶	جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ
۶۳۹	زندہ درگولہ کیوں کی چٹا	۶۰۶	دنیا اور جنت کے لذائذ میں فرق
۶۳۹	ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان	۶۰۶	جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل
۶۴۰	اسلام کی عظیم الشان برکات	۶۷۰	الہی سے ہوگا۔
۶۴۱	قیامت کی ہولناکی کا نقشہ	۶۷۰	عروج سے کیا مراد ہے
۶۴۲	جبرئیل امین اور رسول کریم	۶۸۰	شفاعت کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں
۶۴۲	رسول کریم نہ اپنے ظن و تخمین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان	۶۸۰	قیامت کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے
	کرنے پر بخل کرتے ہیں	۶۱۸	اللہ کی ایک جھڑکی

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۷۰۶	انسان کی دکھ بھری زندگی	۶۴۳	قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جاسکتا ہے
۷۰۷	انسان کی بڑی بھول	۶۴۷	انسان کی خود فریبی
۷۰۷	انسان کی فضول خرچیاں	۶۴۷	انسان خود فریبی کا شکار
۷۰۷	دشوار گزار گھاٹی	۶۴۷	انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا
۷۱۲	برائی اچھائی کا الہام	۶۴۸	انسان کی ساری زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے
۷۱۳	کون کا میاب ہے اور کون نا کام	۶۴۸	انسان کا حکم مائل فرشتوں کے سامنے رہتا ہے
۷۱۳	کوئی چیز نیکی ہے اور کوئی بدی ہے	۶۴۸	جنت اور اس کی بہار دانگی ہے
۷۱۳	ایک تاریخی نظیر	۶۵۵	لیں دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے
۷۱۳	فرمانی معجزہ	۶۵۶	کھین کیا ہے اور کہاں ہے؟
۷۱۹	تین جامع بنیادیں	۶۵۶	قرآن افسانے کی کتاب نہیں ہے
۷۲۰	راستہ آسان ہونے کا مطلب	۶۵۶	علمین کیا ہیں اور کہاں ہے؟
۷۲۱	اللہ کا نام اور انعام	۶۵۷	دوسروں پر ہنسنے کا انجام بد
۷۲۶	قسم اور جواب قسم میں مناسبت	۶۵۷	ایک سبق آموز نصیحت
۷۲۷	حالات کے مد و جزر کی مصالح	۶۶۳	پورا کرۂ زمین ہموار میدان ہو جائے گا
۷۲۷	حضور پر انعامات الہی کی بارش	۶۶۳	انسان محنت کر کے اپنی عاقبت سنوارنا یا لگاؤ نہ رہتا ہے
۷۲۷	قیسوں پر مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر	۶۶۳	نیکیوں اور بدوں کے مختلف انجام
۷۲۸	نازک مقام	۶۶۳	اللہ کے عدل و انصاف کا تقاضا
۷۲۸	ناداری کے بعد فنا	۶۶۵	قرآن کے ادب کا تقاضا
۷۲۹	قیسوں کا ٹھکانہ	۶۷۱	اچھائی کے سوا ان میں کوئی برائی نہ تھی
۷۲۹	سوال کا جواب تقفی بخش ہونا چاہئے	۶۸۲	عالم کی ہر چیز نہایت حکمت و دانائی سے بنائی ہے
۷۲۹	نعمتوں کی شکر گزاری	۶۸۳	بہار اور غزاں کی کرشمہ سازیاں
۷۳۳	شرح صدر کا مطلب کیا ہے	۶۸۳	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ
۷۳۳	بوجھاتا کرنے کا کیا مقصد	۶۸۳	اصل کامیابی کس کی ہے
۷۳۳	فکر خدا اور ذکر رسول	۶۹۸	دوزخیوں کا حال
۷۳۳	حضور کی شہرت و مقبولیت	۶۹۰	جنتیوں کا حال
۷۳۳	مہلکیں اتنی بدیں کہ آسان ہو گئیں	۶۹۰	قدرت کی کرشمہ سازیاں
۷۳۸	قیامت کا انکار باعث حیرت ہے	۶۹۱	نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہئے
۷۳۹	شہنشاہ کائنات	۶۹۹	قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے استدلال
۷۴۵	خود اقراء بھی اقراء کے حکم میں داخل	۶۹۹	عاد اور ارم کون تھے؟
۷۴۶	اسباب علم	۷۰۰	سرکش قوموں کا انجام
۷۴۶	مقام عبدیت سب سے عرقا ہے	۷۰۱	مال کی محبت ہی سب سے بڑا فتنہ ہے
۷۴۷	نماز سب سے زیادہ قرب الہی کا ذریعہ ہے	۷۰۱	نفس مطمئنہ کیا ہے

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۸۰۰	گرد و پیش کے حالات	۷۵۰	قرآن کب اور کتنی مدت میں نازل ہوا
۸۰۰	پیشین گوئی پوری ہوگئی	۷۵۱	شب قدر پر دو اشکال اور ان کا جواب
۸۰۰	چند سال میں عرب کی کایہ پلیٹ	۷۵۵	بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام فرق
۸۰۵	اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں	۷۵۵	مرا تپ کفر بھی مرا تپ ایمان کی طرح مختلف ہیں
۸۰۶	کلام میں تاکید اگرچہ بلاغت ہے لیکن تائیس ابلاغ ہے	۷۵۶	اہل کتاب پر تمام حجت ہو چکا ہے
۸۱۱	فتح سے عام مراد لینا زیادہ عمدہ ہے	۷۵۷	اہل ایمان کی بہترین مخلوق ہونے کی وجہ
۸۱۱	اسلام کی فتح کا ایک اور پہلو	۷۶۰	زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اُگل دے گی
۸۱۱	حضور کے استغفار کرنے کا مطلب	۷۶۱	قیامت کے روز زمین عالمی خبریں نشر کرے گی
۸۱۸	برے وقت پر نہ مالہ کام آتا ہے اور نہ اولاد	۷۶۲	بلحاظ اعمال لوگوں کی ٹولیاں بنادی جائیں گی
۸۲۱	بی جہا لو کا کردار	۷۶۲	زندگی بھر کا کچا چٹھا سامنے آ جائے گا
۸۲۱	خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بناوہ تو ان چیزوں کا بنانے والا ہے	۷۶۵	انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے
۸۲۱	اللہ کی احدیت اور واحدیت	۷۶۶	انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا
۸۲۲	فرق باطلہ پرورد	۷۶۹	وزن اعمال
۸۲۲	صمد کی جامع تفسیر	۷۷۲	فخر و مباحات کا انجام
۸۲۳	خدا کے بارے میں قدیم تصورات	۷۷۳	انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے
۸۲۳	خدا تعالیٰ جاہلانہ خیالات سے پاک ہے	۷۷۳	نعتیں کی پرش سب سے ہوگی
۸۲۹	پناہ میں آنے کے دو طریقے	۷۷۴	زمانہ کیا ہے
۸۲۹	مخلوق کا شر	۷۷۶	زندگی کا نفع نقصان
۸۳۰	اللہ کے تمام خیر افعال خیر ہیں	۷۷۷	زندگی خسران سے بچانے کیلئے چار باتیں ضروری ہیں
۸۳۱	حضور ﷺ پر جادو کا اثر نبوت کے خلاف نہیں ہے	۷۷۸	اعمال صالحہ
۸۳۲	جادو کے مقابلے میں وحی کے اثرات	۷۸۰	بد خصلت انسان کے لئے تباہی ہے
۸۳۲	تغییر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا	۷۹۰	قریش کی تجارت اور اس کا پس منظر
۸۳۲	کافر حضور ﷺ کو سحر زدہ کہتے تھے	۷۹۱	جس گھر کی بدولت عزت و روزی اس کا حق ادا کرو
۸۳۳	جادو محض شعبہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے	۷۹۲	اخلاقی پستی کی اجتناب
۸۳۳	بعض جادو کفر ہے اور بعض معصیت	۷۹۳	بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تحشیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے
۸۳۳	جہاز چوک پر اجرت کی اجازت	۷۹۳	نمازیوں پر نماز کا روبرار
۸۳۵	اعلیٰ درجہ کا توکل	۷۹۵	نماز بے حضور
۸۳۵	سورہ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت	۷۹۵	ریا کاری ایک طرح کا شرک ہے
۸۵۲	غواہیت و ضلالت کا فرق	۷۹۶	کنجوس کے لئے مال و جان آن سے بھی زیادہ عزیز ہے
		۷۹۹	کوثر کیا ہے؟

سُورَةُ النَّبَاِ

سُورَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ اِحْدَى وَاَرْبَعُونَ اَيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ عَنِ اَيِّ شَيْءٍ يَتَسَاءَلُوْنَ ﴿١﴾ يَسْأَلُ بَعْضُ قُرْبٰى بَعْضًا عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ يَبَيِّنُ لِدٰلِكَ الشَّيْءِ
وَالْاِسْتِفْهَامِ لِتَفْحِيْمِهِ وَهُوَ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقُرْآنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْبَعْثِ وَغَيْرِهِ
الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿٣﴾ فَالْمُؤْمِنُوْنَ يُشَبِّهُوْنَهُ وَالْكَافِرُوْنَ يُنْكِرُوْنَهُ كَلَّا رَدَّعَ سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ مَا يَحُلُّ
بِهِمْ عَلَى اِنْكَارِهِمْ لَهُ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾ تَاكِدٌ وَجِيءٌ فِيْهِ بِشَمِّ لِيْلَا يَذٰنِ بَانَ الْوَعِيْدِ الثَّانِي اَشَدُّ مِنَ
الْاَوَّلِ ثُمَّ اَوْمَاتَعَالٰى اِلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْعَبَثِ فَقَالَ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ﴿٦﴾ فِرَاشًا كَالْمِهْدِ
وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿٧﴾ يَثْبُتُ بِهَا الْاَرْضُ كَمَا يَثْبُتُ الْخِيَامُ بِالْاَوْتَادِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَخَلَقْنٰكُمْ
اَزْوَاجًا ﴿٨﴾ ذَكَوْرًا وَاُنَاثًا وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ رَاحَةً لَا يَبْدَاكُمْ وَجَعَلْنَا السَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ سَاتِرًا
بِسَوَادِهِ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَقَتَاللَّمْعَاشِ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سَبْعَ سَمَوٰتٍ شِدَادًا ﴿١٢﴾ جَمْعُ
شَدِيْدَةٍ اَيُّ قُوَّةٍ مُّحْكَمَةٍ لَا يُؤْبَرْ فِيْهَا مُرُوْرُ الزَّمٰنِ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا مُّنِيْرًا وَهَاجًا ﴿١٣﴾ وَقَادًا يَعْنِي الشَّمْسَ
وَاَنْزَلْنٰمِنْ الْمُعْصِرٰتِ السَّحَابٰتِ الَّتِي خَانَ لَهَا اَنْ تَمْطُرَ كَالْمُعْصِرِ النَّجَارِيَّةِ الَّتِي دَنَتْ مِنْ الْحِيْضِ
مَاءٌ نَّجَاجًا ﴿١٤﴾ صَبَابًا لِّيُخْرِجَ بِهِ حَبًّا كَالْحِنْطَةِ وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ كَالْبَبْرِ وَجَنَّتْ بِسَاتِيْنِ الْاَفَاكِ ﴿١٦﴾ مُلْتَفَّةٌ
جَمْعُ لَفِيْفٍ كَشْرِيْفٍ وَاَشْرَافٍ اِنْ يَوْمَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ وَقَتًا لِلثَّوَابِ وَلِلْعِقَابِ
يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ الْقُرْنُ بَدَلًا مِّنْ يَوْمِ الْفَصْلِ اَوْ يَبَيِّنُ لَهُ وَالنَّافِخُ اِسْرَافِيْلُ فَتَاتُوْنَ مِنْ قُبُوْرِكُمْ اِلَى
الْمَوَاقِفِ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ جَمَاعَاتٍ مُّخْتَلِفَةٌ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ شُقِّقَتْ لِنُزُوْلِ
الْمَلَائِكَةِ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ ذَاتَ اَبْوَابٍ وَسُوْرَتِ الْجِبَالِ ذَهَبَ بِهَا عَنْ اَمَّاكِهَا فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

هَبَاءَ أَى مِثْلِهِ فِى حِفَّةٍ سِيرَهَا إِنْ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٧٨﴾ رَاصِدَةً أَوْ مِرْصَدَةً لِلطَّغْيِينَ الْكَافِرِينَ
فَلَا يَتَحَاوَرُونَهَا مَابًا ﴿٧٩﴾ مَرَجَعَالَهُمْ فَيَذْخُلُونَهَا لِبُشَيْنِ حَالٍ مُّقَدَّرَةٍ أَى مُقَدَّرِ الْبُشْمِ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٨٠﴾
ذُهُورًا لِأَنِّهَايَةَ لَهَا جَمْعُ حُقَبٍ بِضَمِّ أَوَّلِهِ لَا يَذْخُلُونَ فِيهَا بَرْدًا نَوْمًا وَلَا شَرَابًا ﴿٨١﴾ مَا يَشْرَبُ تَلَذُّذًا
إِلَّا لِكُنْ مَحْمِيْمًا مَاءٌ حَارًّا غَايَةَ الْحَرَارَةِ وَغَسَاقًا ﴿٨٢﴾ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مَا يَسِيلُ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ
النَّارِ فَإِنَّهُمْ يَذْخُلُونَهُ جُوزُوا بِذَلِكَ جَزَاءً وَفَاقًا ﴿٨٣﴾ مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ فَلَا ذَنْبَ أَعْظَمَ مِنَ الْكُفْرِ وَلَا
عَذَابَ أَعْظَمَ مِنَ النَّارِ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ يَخَافُونَ حِسَابًا ﴿٨٤﴾ لِأَنكَارِهِمُ الْبُعْثَ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
الْقُرْآنِ كَذَابًا ﴿٨٥﴾ تَكْذِيبًا وَكُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْأَعْمَالِ أَحْصَيْنَاهُ صَبْطَنَاهُ كِتَابًا ﴿٨٦﴾ فِى اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ
النُّجَازِ عَلَيْهِ وَمِنْ ذَلِكَ تَكْذِيبُهُمُ بِالْقُرْآنِ فَذُوقُوا أَى فَيَقَالُ لَهُمْ فِى الْآخِرَةِ عِنْدَ وَقُوعِ الْعَذَابِ عَلَيْهِمْ
عَذَابُكُمْ جَزَاءُكُمْ فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٨٧﴾ فَوْقَ عَذَابِكُمْ إِنَّ لِّلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٨٨﴾ مَكَانَ فَوْزٍ فِى
الْحَيَاةِ خَلْدًا نَقِيبًا بَسَاتِينَ بَدَلٌ مِنْ مَفَازٍ أَوْ نَبَاتٍ لَهُ وَأَعْنَابًا ﴿٨٩﴾ عَطْفٌ عَلَى مَفَازٍ وَكَوَاعِبُ جَوَارِي
تَكْغَبَتِ تَذِيهَهُنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ أَتْرَابًا ﴿٩٠﴾ عَلَى سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تَرْبٍ بِكُسْرِ النَّاءِ وَسُكُونِ الرَّاءِ وَكَاسًا
دِهَاقًا ﴿٩١﴾ خَمْرًا مَالَةً مَحَالَهَا وَفِى الْقِتَالِ وَأَنَّهُمْ مِنْ خَمْرٍ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا أَى الْحَيَاةِ عِنْدَ شَرْبِ
الْخَمْرِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَحْوَالِ لَفَوْا بِاطْلَافٍ مِنَ الْقَوْلِ وَلَا كَذَابًا ﴿٩٢﴾ بِالتَّخْفِيفِ أَى كَذَبًا وَبِالتَّشْدِيدِ أَى
تَكْذِيبًا مِنْ وَاحِدٍ لِغَيْرِهِ بِخِلَافٍ مَا يَقَعُ فِى الدُّنْيَا عِنْدَ شَرْبِ الْخَمْرِ جَزَاءُ مَنْ رَبَّكَ أَى جَاَزَا هُمُ اللَّهُ
بِذَلِكَ جَزَاءُ عَطَاءٍ بَدَلٌ مِنْ جَزَاءٍ حِسَابًا ﴿٩٣﴾ أَى كَثِيرًا مَعَ قَوْلِهِمْ أَعْطَانِى فَأَحْسَبْنِى أَى أَكْثَرَ أَى
حَتَّى قُلْتُ حَسْبِى رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَرِّ وَالرَّافِعِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ كَذَلِكَ وَبِرَفْعِهِ مَعَ
جَرِّ رَبِّ السَّمَوَاتِ لَا يَمْلِكُونَ أَى الْخَلْقِ مِنْهُ تَعَالَى خُطَابًا ﴿٩٤﴾ أَى لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يُخَاطَبَهُ خَوْفَاتُهُ
يَوْمَ ظُرِفَ لِلْأَمْلِكُونَ يَقُومُ الرُّوحُ جَبْرِيلُ أَوْ جُنْدُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا حَالٌ أَى مُصْطَفَيْنِ
لَا يَتَكَلَّمُونَ أَى الْخَلْقِ إِلَّا مَنْ أَدْنَى لَهُ الرَّحْمَنُ فِى الْكَلَامِ وَقَالَ قَوْلًا صَوَابًا ﴿٩٥﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمَلَائِكَةُ كَانَ يَشْفَعُونَ لِمَنْ ارْتَضَى ذَلِكَ الْيَوْمَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَقُوعُهُ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ فَمَنْ شَاءَ
اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ مَابًا ﴿٩٦﴾ مَرَجَعًا أَى رَجَعَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِطَاعَتِهِ لِيَسْلَمَ مِنَ الْعَذَابِ فِيهِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ
أَى كُفَّارِ مَكَّةَ عَذَابًا قَرِيبًا أَى عَذَابَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ الْآتِى وَكُلُّ آتٍ قَرِيبٌ يَوْمَ ظُرِفَ لِعَذَابًا بِصِفَتِهِ يَنْظُرُ
عِى الْمَرْءَ كُلَّ امْرَأٍ مَا قَدَّمَتْ يَدُهُ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا حَرْفُ تَبَيَّنْ لِيَتَبَيَّنْ كُنْتُ تُرَابًا ﴿٩٧﴾

يَعْنِي فَلَا أَعَذَّبُ يَقُولُ ذَلِكَ عِنْدَ مَا يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لِلْبَهَائِمِ بَعْدَ الْإِقْتِصَاصِ مِنْ بَعْضِهَا لِبَعْضٍ كَوْنِي تَرَابًا
سورہ نبا مکہ ہے جس میں ۳۱ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں (قریش ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں) اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں (یہ اس چیز کا بیان ہے اور استفہام اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اور آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا قرآن ہے جس میں قیامت وغیرہ کا بیان ہے) جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (مومن تو اس کو ثابت کرتے ہیں لیکن کافرا انکار کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (کہ ان کے انکار پر کیا بلاناازل ہوتی ہے) پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یہ تاکید ہے اور قسم سے اٹھارہ ہے کہ دوسری وعید پہلی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر آگے حق تعالیٰ قیامت پر قدرت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے) کیا ہم نے زمین کو فرش (مثل بستر) اور پہاڑوں کو میٹھیں نہیں بنایا (ان سے زمین تھم گئی جیسے خیمہ کھمبوں پر تھا ہوتا ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) اور ہم ہی نے تمہیں جوڑہ جوڑہ (مرد و عورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت (بدن کے آرام) کی چیز بنایا۔ اور ہم ہی نے رات کو پردہ (اپنی اندھیر میں چھپا دینے والی چیز) بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت (دھندہ کرنے کے لئے) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے (شداد، شدیدۃ کی جمع ہے یعنی نہایت طاقتور جس پر پرانا ہونے کا کچھ اثر نہیں پڑتا) اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ (دہکتا ہوا یعنی آفتاب) بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے برسایا (جو بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں۔ وہ اس جو ان کی طرح ہوتے ہیں جو قریب انھیں ہو) بہت سا پانی (موسلا دھار بارش) ٹا کہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ (جیسے گہوں) اور بھوسہ (تھکے) اور گنجان باغ پیدا کریں (لپٹے ہوئے۔ لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے) بے شک فیصلہ کا دن (مخلوق کے درمیان) ایک مقررہ وقت ہے (ثواب و عذاب کے لئے) یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا (صور کے معنی سینک کے ہیں "یوم الفصل" کا بدل یا بیان ہے اور صور پھونکنے والے امر اٹل علیہ السلام ہوں گے) پھر تم لوگ (اپنی قبروں سے موقف کی طرف) گروہ درگروہ (مختلف جتھے) ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ فرشتوں کے اترنے کے لئے پھٹ جائے گا) پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے (اپنی جگہ سے ٹل جائیں گی) اور ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ (غبار یعنی ہلکے ہلکے) سبے شک دوزخ ایک گھاٹ کی جگہ ہے (تاک میں ہے یا کمین گاہ ہے) سرکشوں کا ٹھکانہ (کافراں سے نکل کر جا نہیں سکیں گے، اسی قرا گاہ میں گھسیں گے) جس میں وہ رہیں گے (حال مقدر ہے یعنی ان کا رہنا طے ہے) مدتوں (بے انتہا زمانہ حقب کی جمع ہے جو ضمہ اول کے ساتھ ہے) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چھکیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو حرے کے لئے پی جائے) بجز گرم (کھولتے ہوئے) پانی اور پیپ کے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ جو کچھوں دوزخیوں سے بے گاہہ ان کو دیا جائے گا۔ طے گا ان کو یہ) پورا بدلہ ملے گا (جو ان کے قصوروں کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور دوزخ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے) وہ لوگ حساب کا اندیشہ (خوف) نہیں رکھتے تھے (قیامت کو نہ ماننے کی وجہ سے) اور ہماری آیات (قرآن) کو خوب جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے (اعمال کی) ہر چیز کو دیکھ کر ضبط کر رکھا ہے (لوح محفوظ میں تاکہ اس پر ہم بدلہ دے سکیں گے، انہیں اعمال میں سے، ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے) سو مزہ چکھو (یعنی ان سے آخرت میں ان پر عذاب ہونے کے وقت کہا جائے گا کہ اپنا بدلہ چکھو) کہ ہم تمہارے عذاب (پر عذاب) کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بلاشبہ کامیابی ہے (جنت میں کامیابی کا مقام) یعنی باغ (مفلزا کا یہ بدل ہے یا بیان) اور ان گور اور نوخیز عورتیں (جن کی

چھاتیان ابھری ہوئی ہوں گے۔ کاعب کی جمع ہے) جو ہم عمر ہوں گی (بہسن قرب کی جمع ہے جو کسرتا اور سکون را کے ساتھ ہے) اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب ہوں گے (پیمانے شراب سے لبریز۔ سورہ محمد میں وانھو من خمر ہے) وہاں نہ کوئی یہودہ (غلط) بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (تحقیف کے ساتھ یعنی جھوٹ اور تشدید کے ساتھ تشدید کے ساتھ ہے یعنی ایک دوسرے کو جھٹلانا۔ اور دنیا میں شراب پینے کے وقت اس کے خلاف ہوتا ہے) یہ بدلہ ملے گا (یعنی اللہ انہیں یہ صلہ عطا فرمائے گا) آپ کے رب کی طرف سے انعام (جزاء کا بدلہ ہے) کافی (بہت زیادہ جیسے بولتے ہیں اعطانی فاحسبنی یعنی مجھے اتنا دیا کہ میں نے حسب یعنی بس کہہ دیا) جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا (جراور رفع کے ساتھ ہے) اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں۔ رحمن ہے کسی (مخلوق) کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا۔ کہ عرض معروض کر سکے (یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ دہشت سے اس کے آگے بات کر سکے) جس روز (لا یكون کا ظرف ہے) روح (جبرائیل یا لشکر خدائی) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (حال ہے بمعنی مصطفین) کوئی (مخلوق) بول نہ سکے گی۔ مگر یہ کہ اللہ کسی کو بات کرنے کی اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (مومن ہو یا فرشتہ وہ مثلاً ایسے شخص کے لئے سفارشی ہوں جس کے لئے اللہ اجازت دے دے) یہ دن یقینی ہے (اس کا ہونا واقعہ ہے۔ یعنی روز قیامت) سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے (اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کی پناہ میں ہو جائے تاکہ عذاب سے محفوظ رہ سکے) ہم نے ان (مکہ کے کافروں) کو نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (یعنی قیامت کے آنے والے عذاب سے اور جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے) جس دن (عذاب کا ظرف ہے مع اپنی صفت کے) ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا۔ جو (اچھے برے کام) اس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر کہے گا اے (حرف تنبیہ ہے) کاش میں مٹی ہو جاتا (یعنی میں عذاب سے بچ جاتا۔ یہ اس وقت کہے گا جب حق تعالیٰ جانوروں کا ایک دوسرے سے قصاص لینے کے بعد فرمائیں گے تم سب مٹی ہو جاؤ)۔

تحقیق و ترکیب: عم یہ لفظ اصل میں عن ما تھا۔ وصف غنہ میں نون میم شریک ہونے کی وجہ سے نون میم میں ادغام ہو گیا، پھر لم، بسم قیسم وغیرہ کی طرح اس میں سے بھی الف حذف ہو گیا۔ اہل عرب کثرت استعمال کی وجہ سے آٹھ جگہ ما موصولہ کے الف کو گرا دیتے ہیں۔ عن، من، با، فی، علی، الی حتی۔

یتساءلون۔ آپس میں قریش پوچھ پچھ کرتے یا آنحضرت ﷺ یا مسلمانوں سے قیامت کا استہزاء کرتے ہوئے چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

النبأ العظیم۔ یہ عطف بیان ہے اور یہاں استفہام حقیقی نہیں بلکہ تخم سے کنایہ ہے۔

سيعلمون۔ یعنی مرنے کے بعد اس انکار کی جو کچھ سزا ملے گی اس سورت کو سورت تساؤل بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں غیر ضروری سوالات پر ناگواری کا اظہار کرتا ہے کہ یہ کافر اند اور فاسقانہ طرز ہے۔ ثم سے مراد ناگواری ہے۔

السم نجعل الارض۔ یعنی جس کی قدرت کے یہ یو عظیم شاہکار ہیں۔ جن کا تذکرہ اگلی آیات میں فرمایا جا رہا ہے۔ کیا قیامت اس کی قدرت سے باہر ہے۔ نجعل کا مفعول اول ارض اور مہاوا مفعول ثانی ہے۔ کیونکہ جعل بمعنی نصیب ہے۔ لیکن اگر خلق کے معنی میں ہو تو پھر مہادا اور اوتاد احال مقدرہ ہو جائیں گے اور سبباتا بظاہر مفعول ثانی ہے۔ مہاد مہد سے ہے یعنی گہوارہ۔ اور سبباتا بروزن غراب ہے۔ سبت قتل کی طرح ہے۔ راحت گہری نیند کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی باعث راحت ہوتی ہے۔

معاشا۔ مصدر میسی ہے یہاں تقدیر مضاف ظرف واقع ہو رہا ہے اور اسم مکان بھی ہو سکتا ہے۔

وهاجا۔ چونکہ یہ سراجا کی صف ہے۔ جعلنا کا مفعول ثانی نہیں ہے۔ اس لئے مفسر نے جعلنا بمعنی خلقنا لیا ہے۔ ورنہ

مفعول اول نکرہ ماننا پڑے گا۔

المعصرات۔ بادل کے معنی ہیں۔ اگرچہ بادل معصورہ ہوتے ہیں عاصروہ اور معصورہ نہیں ہوتے یا اس میں ہمزہ حینونہ کی مانی جائے۔ یعنی تعدیہ کی نہیں ہے۔ جیسے احصد الذرع بولتے ہیں یعنی کھیتی پکنے کے قریب ہوگئی۔ اس میں ہمزہ فاعل کے ذی ماخذ بنانے کے لئے بھی مانی جاسکتی ہے جیسے اعسر، ایسر، اللحم اطفال میں ہے۔ امام راغب صاحب مفردات کہتے ہیں کہ المعصر جوان عورت جو شباب میں داخل ہو۔

ثجاجا۔ ثج متعدی سے ماخوذ ہے۔ لازم و متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ ثجہ، ثج دونوں صورت میں ہے۔

الفاف۔ گھنے اور تیرت۔ زخمری کہتے ہیں کہ الفاف اور ملتفة کا واحد نہیں ہے جیسے اذرع کا واحد نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ لف بکسر لام کی جمع ہے۔ جزع اجزاء اور سر، اسرار کی طرح۔ تیسرے یہ کہ لفیف کی جمع جیسے شہید، اشہاد، شریف، اشراف یالف کی جمع ہے اور وہ لفاء کی جمع بمعنی گھنا درخت۔

ان یوم الفصل۔ کفار کے قیامت کے بارے میں منکر ہونے کی وجہ سے ان لایا گیا ہے۔

میقاتا۔ ظرف زمان ہے فتحت مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اذا السماء انفطرت۔ اذا السماء انشقت کی وجہ سے یہاں پر آسمان کا پھٹنا مراد ہے۔ متعارف معنی کھلنے کے مراد نہیں۔

سرابا۔ دو پہر کو سخت دھوپ میں جو ارتعاشی کیفیت ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں جو پانی کی لہروں جیسی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن صاحب قاموس کے نزدیک لغت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ سراب یعنی ریت سے تشبیہ پر محمول کر لیا جائے کہ وہ پہاڑ محض خیالی رہ جائیں گے جیسے ریت خیالی پانی ہوتا ہے۔

مرصادا۔ مفسر نے اشارہ فرمایا ہے کہ ارصاد مبالغہ کے اوزان میں سے ہے بمعنی راصد اور للطاغین متعلق ہے یا اس کی صفت ہے اور مآبا کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت مرصاد اسے بدل الکل ہو جائے گا۔ نیز مرصاد اطرف بھی ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ وصدق الشئى ارصده اذا ترقبته فہی راصدة۔ یا بمعنی مرصد ہے ای معدۃ لہم کہا جاتا ہے ارصدت لہ، اعددت لہ مرصاد بمعنی انتظار کنندہ۔

البشیر۔ حال ہے ید خلونہا کی ضمیر سے للطاغین کی ضمیر سے۔

احقبا اس میں کئی صورتیں ہیں:-

۱۔ حضرت حسنؑ سے مروی ہے۔ ان الله لم يجعل لاهل النار مدة بل قال لا بشین فیہا احقبا و لیس لاحقبا عدة الا الخلود۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ لو علم اهل النار انہم یلبثون فی النار عدد حصی الدنیا لفرحوا و لو علم اهل الجنة انہم یلبثون عدد حصی الدنیا لحزنوا۔

۲۔ لفظ احقبا کی مدت خاص پر دلالت نہیں کرتا۔ البتہ حقب تنہا ہی مدت کے لئے ہے۔ پس آیت میں انواع عذاب کی فوقیت ہے۔ لیکن جہنم میں ٹھہرنے کی فوقیت نہیں ہے۔

۳۔ یہ آیت دوسری آیت لن نزیدکم الا عذابا سے منسوخ ہے یعنی عذاب کی تحدید نہیں رہی۔ خطیب میں ہے کہ ایک ہب اسی ۸۰ سال مدت ہے اور ہر سال بارہ مہینہ کا اور ہر مہینہ میں ۳۰ دن کا اور ہر روز ہزار سال کا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ سے منقول ہے۔ بہر صورت معتزلہ کے لئے اس آیت سے استدلال کا موقع نہیں۔ کہ دوزخ ایک مدت کے بعد ختم ہو جائے گی۔

لا یذوقون۔ اس کی کئی ترکیبیں ہیں:-

۱- یہ جملہ متانفہ ہے۔

۲- لبثین کی ضمیر سے حال متداخلہ ہو۔ ای لا یبثین غیر ذائقین۔ احقاب کی صفت ہو۔

۳- بردا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ برد کے معنی نیند کے ہیں۔ کسائی، لہو عبیدہؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ اہل عرب کا محاورہ ہے۔ منع البرد۔ البرد یعنی ٹھنڈک سے نیند اڑ گئی۔ اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نیند کے بعد ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پیاسا سو جائے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ لفظ ہذیل میں برد کے معنی نیند کے ہیں۔

الا حمیمہ۔ مفسرؒ نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن ولا شراباً کے عموم سے استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے لیکن استثناء کلام غیر موجب میں ہو رہا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ شراباً سے بدل بنایا جائے۔

غساقا۔ اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ لیکن حمزہ علی، حفصؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔

جزاء وفاقا۔ مفسرؒ نے پہلے عبارت ”جوزوا“ نکال کر اشارہ کر دیا کہ فعل محذوف کا یہ مفعول مطلق ہے اور ”مرا فاقاً لعلہم“ سے اشارہ ہے۔ کہ یہ جزاء کی صفت ہے بتاویل اسم فاعل اور حذف مضاف کی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ای ذاوفاق۔ یا بطور مبالغہ مصدر ہی رکھا جائے۔

کذاباً۔ زخمریؒ کہتے ہیں کہ فعال فعل کی جگہ کلام عرب میں بکثرت آتا ہے۔ لیکن ابن مالکؒ تسہیل میں لکھتے ہیں کہ یہ قلیل ہے۔ کذاباً بمعنی احصیناہ کا مفعول مطلق ہے کیونکہ احصاء اور کتابت دونوں کے معنی ضبط کرنے کے ہیں۔ پس نفس فعل میں مجاز ہوگا۔ جیسا کہ زخمریؒ کی رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ معنی احصاء کا مفعول مطلق کہا جائے۔ اس صورت میں نفس مصدر میں مجاز ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب علی الحال ہوا ی مکتوباً فی اللوح اور بعض کتاب سے اعمال نامہ مراد لیتے ہیں۔

لن نریدکم۔ قرآن میں دوزخیوں کے لئے یہ سب شدید وعید ہے۔

مفازا۔ جمصدر یا ظرف ہے۔

حداائق۔ مفازا سے بدل البعض ہوگا اگر مفازا ظرف ہو ورنہ مصدر ہونے کی صورت میں بدل اشتغال ہوگا۔

کواعب۔ روح البیان میں ہے کعبت المرأة کعبوا کے معنی چھاتی ابھرنے کے ہیں۔ یعنی ٹخنے کی طرح گول سڈول ہونے کے ہیں۔

کذاباً۔ کسائی کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے کیونکہ فعلاً ثلاثی کا مصدر ہے۔ مفاعلت کے لئے مطرد آتا ہے۔ اور باقی قراء کے نزدیک بالتشدید آتا ہے۔ عطاء زخمریؒ کہتے ہیں کہ عطاء، جزاء کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مگر قاضی اس سے متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ مصدر اس وقت عامل بن سکتا ہے۔ جب کہ مفعول مطلق نہ ہو۔

حساباً۔ بمعنی کافی۔ احسبت فلانا۔ یعنی میں نے اس کو کافی دے دیا۔ حتیٰ کہ وہ حسبی کہنے لگا اور ابن کثیرؒ کی

پیروی کرتے ہوئے مفسرؒ عطاء کثیر کے معنی لے رہے ہیں۔

رب السموات۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تین قراءتیں ہیں:-

۱- ابن کثیرؒ، نافح، ابو عمرؒ کے نزدیک رب اور رحمن دونوں میں رفع ہے۔

۲- عاصمؒ عبد اللہ بن عامر کے نزدیک دونوں میں جر ہے۔

۳۔ حمزہ، کسائی کے نزدیک اول میں جزا اور دوسرے میں رفع ہے۔ پھر رفع کی قراءت میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں:-

۱۔ رب السموات مبتداء اور رحمٰن خبر اور لا یملکون سے استیناف ہو۔

۲۔ رب السموات مبتداء اور رحمٰن اس کی صفت ہو اور لا یملکون خبر۔

۳۔ رب السموات خبر ہو، ہو مبتداء محذوف کی۔ اسی طرح رحمٰن سے پہلے ہو محذوف ہو۔

۴۔ الرحمن اور لا یملکون دونوں خبر ہوں اور جر کی قراءت پر رب سے بدل ہو جائے گا۔ لیکن تیسری قراءت پر ترکیب اس طرح ہوگی کہ رب سے رب السموات بدل ہونے کی وجہ سے رب کی صفت ہے۔

الرحمن۔ ابن حاتم، عاصمؒ کے نزدیک ماقبل کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور ابن کثیرؒ نافعؒ ابو عمرؒ کے نزدیک ماقبل کی صفت یا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور تیسری قراءت حمزہ، کسائی کی جس میں اس کو مبتداء محذوف کی خبر یا غیر محذوف کے لئے مبتداء مانتے ہوئے مرفوع پڑھا جائے۔

خطایا۔ یعنی بطور اعتراض و نکتہ چینی کوئی اللہ کے آگے بات نہیں کر سکے گا۔ لیکن شفاعت اس سے مستغنی ہے۔ کیونکہ وہ تو بطور خشوع و خضوع ہے۔

يقوم الروح۔ مراد جبرائیل ہیں یا اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوع نقل ہے کہ الروح جند من جنود اللہ لیسو بملائکة لهم روس وابدی وارجل اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی امام غزالیؒ احياء میں فرماتے ہیں الملک اللہ یقال له الروح وهو اللہ یولج الارواح فی الاجسام فانه یتنفس فیکون فی کل نفس من انفسه روح فی جسم وهو حق یشہده ارباب القلوب ببصائرهم۔

لا یتکلمون۔ یہ لا یملکون کی تاکید ہے یعنی اتنے مقرب ہوتے ہوئے بھی ان کی مجال نہیں کہ چوں کر سکیں۔ پھر اللہ کے آگے اور کس کا حوصلہ ہے کہ بول سکے؟ اور شفاعت بھی جب بلا اجازت نہیں ہو سکے گی تو اور کلام کا تو سوال ہی کیا؟

ذلک الیوم۔ مبتداء خبر ہے اور الحق صفت ہے الیوم کی یاد لک کی خبر ہے اور الیوم صفت ہو جائے گی۔

عذاباً قریباً۔ یعنی قریب ہونا اس لئے ہے کہ مستقبل قریب ہی ہوتا جاتا ہے۔ نیز عذاب کی ابتداء موت سے شروع ہو جائے گی اور موت قریب ہے۔ آگے ”یوم ینظر“ عذاب کا ظرف بھی ہے اور صفت بھی ای عذاباً کاننا یوم ینظر المرء اور مرء سے عام انسان مراد ہے یا الف لام سے عموم مراد لی جائے اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔

ما قدمت۔ ما موصولہ ہونے کی صورت میں ینظر کا مفعول ہے اور ما استفہامیہ اگر ہے تو پھر یہ قدمت کا مفعول ہوگا۔ اور ہاتھوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اکثر کام ہاتھ سے ہی کئے جاتے ہیں۔

تراباً۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ یحشر الخلق کلہم یوم القیامۃ البہائم والدواب والطیر۔ فبلغ من عدل اللہ ان یاخذنا لجماء من القرناء ثم یقول کونی تراباً فذلک حین یقول الکافر یا لیتی کنت تراباً۔

رابط آیات:..... اس سورت کا مضمون بھی وہی ہے جو سورہٴ مرسلات کا ہے۔ یعنی آخرت اور قیامت کا بیان اور اس کو ماننے نہ ماننے کے نتائج نے لوگوں کو آگاہ کرنا اسی کو بناء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے سورت کا نام ”سورۃ النباء“ اور چونکہ اسی میں منکرین کج کا ذکر کیا ہے اور پوچھ گچھ کرتے رہتے تھے۔ اس لئے اس کا نام ”سورۃ النساؤل“ بھی ہے۔

شان نزول:..... سورہ قیامت سے سورہ نازعات تک سب سورتوں کا مضمون یکساں معلوم ہوتا ہے اور یہ سب سورتیں مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔

﴿تشریح﴾:..... ہم یتساءلون۔ یعنی یہ لوگ کسی بات کی کھوج لگانے میں مصروف ہیں۔ کیا ان میں اتنی سمجھ ہے اور کیا خود وہ ایسی چیز ہے جو پوچھ پاچھ سے ان کی سمجھ میں آجائے گی ہرگز نہیں۔ ورنہ بے دیکھے ایمان لانے کا مطالبہ پھر کیسا؟ بڑی خبر سے قیامت اور آخرت کی خبر مراد ہے جس کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سنتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مومنین سے پوچھ گچھ کرتے تھے کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ اور بھائی کبھی پہلے بھی تم نے سنا ہے کہ مرکز کوئی زندہ ہوا یا ہوگا؟ بھلا کہیں سمجھ میں آتا ہے کہ جو ہڈیاں گل سرگزریزہ ریزہ ہو چکیں۔ ان میں پھر نئے سرے سے جان پڑے گی۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ دنیا کا یہ سارا جما جمایا نظام الٹ پلٹ ہو جائے اور جب قیامت کو آنا ہی ہے تو اب تک کیوں نہیں آگئی۔ تاکہ نیک و بد کا پتہ اسی دنیا میں چل جاتا، پھر آئی تو کیا فائدہ؟ اور جانتے ہو کہ کس چیز کے بارے میں سوال کر رہے ہو؟ وہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ نہایت عظیم الشان چیز ہے۔

قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں:..... ہم فیہ مختلفون۔ یعنی قیامت اور آخرت کے متعلق لوگ مختلف قسم کے نظریات اور افکار رکھتے ہیں۔ ان چہ میگوئیاں کرنے والوں میں بھی کوئی تو عیسائی خیالات سے متاثر ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا مانتا ہے۔ مگر جسمانی زندگی نہیں بلکہ روحانی زندگانی مانتا ہے اور کوئی صرف بدن کے اٹھنے کا قائل ہے۔ کوئی آخرت کے متعلق ڈاؤن اوڈول کہہ دے کہ وہ ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ ”ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین“ یعنی قیامت کی نسبت جھٹ پنا سا خیال تو آتا ہے مگر وجدان پر زور دیتے ہیں تو یقین نہیں آتا۔ شک اور تذبذب کی سی کیفیت ہے۔ نہ مانتے بن پڑتا ہے نہ انکار کرتے۔ اور کوئی بالکل صفائی سے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بس جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی زندگانی ہے۔ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔

ما ہی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدھر۔ ان ہی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین۔ اور جو کچھ لوگ ان کی طرح دہریے تو نہ تھے۔ خدا کو مانتے تھے مگر دوبارہ جی اٹھنے کو ناممکن سمجھتے تھے۔ یعنی جب ہڈیوں تک کا نام و نشان نہ رہے پھر دوبارہ زندگی کا لباس پہن لے یہ بات جیسے مشاہدہ میں نہیں آتی ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ من ینحی العظام وہی دمیم۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

بعض تو محض مجازات عقلی مانتے ہیں اور بعض صرف خیالی اور وہی مانتے ہیں اور بعض حسی مانتے ہیں اور بعض ان تینوں کے علاوہ معاد مانتے ہیں اور بعض تنازع اور آواگون کے قائل ہیں۔ یوں ہی سب انکل کے تیر چلار۔ یہ تھے علم ہوتا تو سب ایک ہی بات مانتے جیسا کہ مومنین، وہ اسی بات کو مان رہے ہیں جس کو از آدم تا اس دم سارے نبی کہتے چلے آئے یعنی جسم روح کا دوبارہ جی اٹھنا اور اللہ کے حضور کی پیشی وغیرہ۔

قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی:..... کلا سیعلمون۔ یعنی انبیاء کی متفقہ ہدایت و تعلیم کے باوجود اس عقیدہ کو نہیں مانیں گے، ہرگز نہیں مانیں گے اور اپنی بے اصل اور غلط باتوں پر بند رہیں گے۔ سو وہ وقت دور نہیں کہ جب وہ بولناک منظر سامنے آجائے گا اور وہ چیز جس کے بارے میں یہ فضول چہ میگوئیوں میں الجھ رہے ہیں حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ تب معلوم ہو جائے گا۔ کہ قیامت کیا ہے اور اس کا انکار ہٹ دھرمی کے سوا کیا تھا؟ اس وقت پیغمبر کا ایک ایک حرف سچ

لکھے گا۔ لفظ سکلا کا تکرار اور ہم بعض حضرات کے نزدیک تاکید کے لئے ہے۔ لیکن بعض حضرات نے پہلے جملہ کو برزخ کے اثبات پر اور دوسرے کو قیامت کے اثبات پر محمول کیا ہے۔ عالم برزخ کی مجازات تو خیال کرنے کے مثل ہوگی اور قیامت کی جزاء و سزا حقیقی ہوگی۔ کیونکہ وہاں روح کا تعلق بدن سے اگرچہ ہوگا۔ لیکن اس تعلق کے باوجود روح پر تجربہ غالب رہے گا اور غلبہ تجرد کے باوجود تعلق کی کیفیت اس روز کھل جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں تو روح کا بدن سے تعلق غالب اور تجرد مغلوب ہے۔ لیکن عالم برزخ میں اس کا برعکس ہوگا۔ یعنی تجرد غالب اور تعلق مغلوب ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یہ عالم ظاہر ہے۔ اس لئے یہاں اجسام ظاہر اور ارواح مخفی ہیں اور وہ عالم ارواح و حقائق ہوگا۔ اس لئے وہاں معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ پس تعلق کی جامعیت اور تجرد کا غلبہ، قیامت سے پہلے اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

ایک علمی نکتہ:..... یہاں سورہ نباء میں چونکہ اہل ایمان مخاطب ہیں جو قیامت کے قائل ہیں۔ اس لئے سیعلمون میں سین لایا گیا جو قربت پر دلالت کرتا ہے۔ برخلاف سورہ نکاح کے وہاں کفار مخاطب ہیں۔ جو منکر قیامت ہیں۔ اس لئے ان کی رعایت سے ”سوف تعلمون“ لایا گیا۔ جو بعد پر دلالت کرتا ہے، انہم یروہ بعداً و نہ قریباً۔ اس کے بعد ”الم نجعل الارض“ سے بطور استفہام اقراری نو چیزیں ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ جن پر عوام کے ذہن میں دنیا کا مدار ہے۔ ان چیزوں میں سب کی شرکت مانتے ہوئے پھر سب سے علیحدگی تجویز کرنا گویا اجتماع ضدین کرنا ہے۔ زمین کو انسان کے لئے فرش بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر سکون و اطمینان سے آرام کرتے اور لیٹتے اور کروٹیں لیتے ہیں۔ کھیتی، باڑی، صنعت و حرفت، تجارت، کاروبار، مرنا جینا، سب کچھ اسی پر کیا جاتا ہے۔ مسلم غیر مسلم سب اس میں شریک ہیں۔ اب یہیں سے قیامت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ تاکہ وہاں نیک و بد کا امتیاز ہو سکے۔ مومن کے لئے ارشاد ہے۔ من عمل صالحاً فلا نفسہم یمہدون اسی طرح کفار کے حق میں فرمایا گیا۔ لہم من جہنم مہاد۔

زمین کی حرکت و سکون:..... والجبال اوتاداً۔ ابتداء میں زمین کو پیدا کر کے جب پانی پر بچھایا گیا تو ہوا ہے پانی میں تموجی لہریں اور زمین میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہوئی۔ یعنی کشتی کی طرح زمین ڈانوا ڈول ہونے لگی۔ اس اضطرابی کیفیت کو دور کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے۔ جنہوں نے زمین کے لئے میٹھوں کا کام کیا اور زمین کو قرار آ گیا۔ یاد رہے کہ پہاڑوں سے زمین کی ذاتی حرکت و سکون ہرگز ہٹانا نہیں ہے۔ بلکہ حرکت عرضی کو سکون سے بدلنا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمومی نفع میں بھی مسلم و کافر یکساں شریک ہیں ان میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ نیک و بد میں امتیاز کے لئے آخرت ہو جو جنت و دوزخ میں بنی ہوئی ہو، ایک فرمانبرداروں کا مسکن ہو اور دوسری جگہ نافرمانیوں کا ٹھکانا۔

دنیاوی رشتے ناطے آخرت میں ایک حد تک ختم ہو جائیں گے:..... وخلقناکم ازواجاً۔ ازواج سے مراد اگر مرد و عورت کے انسانی جوڑے ہیں۔ تب تو ان قدرتی حکمتوں اور مصلحتوں کی طرف اشارہ ہوگا۔ جن سے یہ جوڑے وابستہ ہو کر پر سکون زندگی گزارتے ہیں۔ ومن ایاہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا۔ مثلاً: دونوں میں میل ملاپ، نسل، رشتے ناطے، متعلقات، ایک دوسرے کے حقوق، دکھ سکھ میں شرکت وغیرہ ایسے فوائد ہیں جن سے نیک و بد سب مستفید ہوتے ہیں۔ یہ رشتے ناطے بس دنیا ہی تک ہیں۔ اگر آخرت میں بھی یہ رہیں تو بسا اوقات ایک رشتہ دار کی تکلیف کا اثر دوسرے رشتہ دار کو ہونے سے اس کا عیش مکدر ہو جاتا۔ اس لئے اللہ نے آخرت میں رشتوں کو منقطع کر دیا۔ تاکہ جو عیش میں ہے وہ اپنی جگہ مگن رہے اور جو مصیبت میں ہے

وہ خود بھگتتا رہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم اور لایستل حمیما اسی طرح ازواجاً سے مراد شکلوں، رنگوں کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ وجعلنا نوکم سباً یعنی نیند سے نکلان دور ہو کر آرام و سکون ملتا ہے۔ اور انسان چاق و چوبند، تازہ دم ہو جاتا ہے۔ نیند نہ ہو تو زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ کھانا نہ کھانے سے طبیعت اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی کہ جاگنے سے ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔

دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت: وجعلنا الیل لباساً۔ رات کے لباس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پردہ داری اور راز داری کے کام رات کو باطمینان کیے جاسکتے ہیں۔ بیویوں سے ملنا اور اچھے بری مشورے، راز و نیاز اور مخالفین سے چھپنا، عیش و عشرت، رنگ رلیاں، چوری، خیانت، تہجد و مراقبہ وغیرہ بہت سے کام رات کو بحسن و خوبی ہوتے ہیں۔

الملیل للعاشقین سترأ یالیت او قاتہ تدوم

اور ظاہر ہے کہ آخرت ان دونوں کاموں میں مختلف ہونی چاہئے۔ یعنی وہاں نیند اور سونا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ نیک آدمی تو ہمہ وقت خوشی میں مست رہے گا۔ نیند کی اول تو وہاں ضرورت نہیں پڑے گی۔ دوسرے نیند کی وجہ سے بڑے بڑے فوائد اور دائمی اجر سے محروم ہو جائے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ لا یمسنا فیہا نصب ولا یمسنا فیہا لغوب اور بد آدمی ہے تب بھی رنج و الم اور دکھ درد سے ایک لمحہ بھی اسی فرصت نہیں ملتی چاہئے، پھر نیند کہاں؟ اسی طرح قیامت کے تمام حالات سب پر عیاں اور ظاہر رہنے چاہئیں۔ تاکہ اہل جنت کی عزت بھی نمایاں ہو اور اہل دوزخ کی رسوائی بھی کھلے عام ہو سکے۔ غرض کہ ہر چیز طشت از بام ہو جائے۔ کوئی چیز بھی چھپی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ مجلس نکاح رات کو منعقد ہونی چاہئے یا دن کو فرمایا رات کو کیونکہ ادھر رات کو لباس اور ادھر "ھن لباس لکم" عورتوں کو لباس فرمایا ہے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہے۔

جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت: وجعلنا النهار معاشاً۔ یعنی رات تو آرام کی خاطر اور پرسکون بنانے کے لئے تاریک رکھی ہے۔ لیکن دن اس لئے روشن کر دیا کہ تم زیادہ آسانی سے روزی اور کمائی کا دھندہ کر سکو اور رات دن کا یہ مسلسل الٹ پھیر کرتے رہنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً: یہی کہ یہ سب کچھ بے مقصد اور اتفاقیہ نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے بڑی حکمت یہ کام کر رہی ہے کہ تم نہ مسلسل کام کر سکتے ہو کہ تھک کر چور ہو جاؤ۔ اور نہ بالکل سکون ہی کی نذر ہو جاؤ، ورنہ معطل ہو کر رہ جاؤ گے۔ زندگی نام ہے حرکت کا۔ اس لئے حرکت دینی چاہئے اور سکون حرکت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن آخرت میں چونکہ جنتیوں کو نعمت کی تلاش نہ ہوگی اور نہ جہنمیوں کو مصیبت کی تلاش ہوگی۔ اس لئے کہ وہاں دن کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ شمساً ولا زہمہویرا۔ رات دن کی مناسبت سے آگے زمین و آسمان کا ذکر ہے۔ وبنینا فوقکم سبعاً شداداً۔ آسمانوں کی مضبوطی کا حال یہ ہے کہ قمر نہا قرن گزرنے پر بھی آج تک کہیں اس میں رخنہ یا شکاف نہیں آیا اور اس کی سرحدات بھی اتنی مستحکم ہیں کہ مجال ہے کہیں کوئی فرق آئے۔ بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے نہ کوئی ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور نہ زمین پر آتا ہے۔ حالانکہ ان کی حرکات مختلف سمتوں میں بھی ہوتی ہیں۔ دنیا میں موسن و کافر برابران سے استفادہ کر رہے ہیں، کوئی فرق نہیں ہے اس لئے آخرت ہونی چاہئے۔ جہاں جا کر ان میں فرق کھلے۔ چنانچہ جنتی بھی حسب مراتب مختلف درجات میں ہوں گے۔ اور جہنمی بھی اسی طرح مختلف درجات میں ہوں گے۔

نظام شمسی میں قدرت الہی: وجعلنا سراجاً وهاجاً۔ وهاج انتہائی گرم اور نہایت روشن کو کہتے ہیں اور سورج میں یہ دونوں وصف بدرجہ کمال موجود ہیں۔ سورج جس کو نیز اعظم کہا جاتا ہے۔ کتنا بڑا کرہ ہے؟ اس کا قطر زمین سے ۱۰۹ گنا بڑا ہے اور اس کا حجم زمین کے حجم سے (۳۳۳۰۰۰) ہزار گنا زیادہ ہے اور اس کا درجہ حرارت (۱۴۰۰۰۰۰۰) ڈگری سینٹی گریڈ ہے اور اس کی روشنی کا یہ حال ہے۔ کہ زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہونے کے باوجود انسان اگر اس پر براہ راست نظر جمائے کی کوشش کرے تو اپنی آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھے اور اس کی پیش کا یہ حال ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں درجہ حرارت (۱۴۰) ڈگری فارن ہائڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل و کرم ہے کہ ہماری زمین اس سے اتنے فاصلے پر رکھی گئی ہے کہ قابل برداشت گرمی سردی کی وجہ سے اس پر رہنا ممکن ہو سکا۔ نہ اتنے قریب کہ جل بھن کر رہ جائیں اور نہ اتنی دور کہ برف کی طرح جم کر رہ جائیں۔ غرض کہ سورج بڑی طاقت کا خزانہ ہے۔ اس سے کھیتیاں اور پھل پک رہے ہیں۔ سمندروں سے بھاپ اٹھ رہی ہے اور وہ ہواؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر بارش کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ قدرت نے کتنی زبردست بھی تیار کی ہے کہ اربوں سال سے نظام شمسی میں مختلف اقسام کی شعاعیں، روشنی، حرارت پھینکے چلی جا رہی ہے۔ فتبارک الله احسن الخالقین۔

بہر حال سورج کا فیض ساری دنیا کو پہنچ رہا ہے۔ اس لئے آخرت کا ہونا ضروری ہوا کہ جہاں دوزخ کی سخت گرمی اور حرارت سے جھلس جائیں گے۔ وہاں ساکنان جنت جمال الہی کے نور سے مستفید ہوں گے۔

بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے: وانزلنا من المعصرات۔ نچرنے والی بدلیوں، یا نچوڑنے والی ہواؤں سے بارش اور پیداوار کا جو نظام اللہ نے قائم کر رکھا ہے اس سے اس کی قدرت و حکمت کے حیرت انگیز کمالات سامنے آتے ہیں۔

لنخرج به حبا و نباتا و جنات الفاھا۔ اس سے گنجان باغ اور گھنے درخت مراد ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کر دیئے برخلاف قیامت کے وہاں نیک اعمال لوگوں کو باغ و بہار ملیں گے اور بدکار لوگوں کو آگ، چنگاریوں، دھوئیں سے پالا پڑے گا۔ انطلقوا الى ظل ذي ثلث شعب۔

دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں: قدرت کی یہ عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر منکرین کو یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنی آنکھیں کھول کر اپنی پیدائش، سونے، جاگنے اور دن رات کے اس انتظام اور زمین، آسمان، پہاڑوں کو دیکھو اور سورج جیسے ہیبت ناک کرہ کو دیکھو، پادلوں سے برسنے والی بارش اور اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھو تو صاف سمجھ میں آ جائے گا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت کا مالک ہے۔ کیا اس کو دوبارہ زندہ کر دینا اور حساب کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا۔ اور نیز یہ بات کیا اس کی حکمت کے خلاف نہ ہوگی۔ کہ اتنے بڑے کارخانے کو یونہی بے نتیجہ چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہئے۔ اسی کو ہم آخرت کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔

بہر حال یہ سب کچھ نہ اس کی زبردست قدرت کے بغیر وجود میں آ سکتا ہے اور نہ اس باقاعدگی کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے۔ نیز اس کا کوئی کام بے مقصد و بے حکمت نہیں ہے۔ یہ بات بس ایک نادان ہی کہہ سکتا ہے کہ جو قدرت ان ساری چیزوں کو وجود دینے اور فنا کر دینے پر قادر ہے۔ وہ دوبارہ پیدا کر دینے پر قادر نہیں ہے اور یہ بات بھی ایک نا سمجھ ہی کہہ سکتا ہے کہ جس دانا اور بیباک انسان نے کوئی کام بھی اس کائنات میں بے مقصد نہیں کیا اس نے انسان کو اپنی بے شمار مخلوقات پر بے مقصد ہی تصرف کے اختیارات دے ڈالے

ہیں اور انسان دنیا میں رہ کر ان چیزوں کو کیسے ہی استعمال کرے کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔ کوئی کتنی بھلائیاں یا برائیاں کرتے کرتے مرجائے اسے کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ یوں ہی مٹی میں مل کر ختم ہو جائے گا۔

قیامت عقلاً بھی ضروری ہے:..... ان یوم الفصل الخ اس فیصلہ کے دن نیک و بد میں پورا امتیاز کر دیا جائے گا اور ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کر دیا جائے گا کہ کسی طرح کا اشتراک باقی نہ رہے۔ نیکی اور بدی اپنے اپنے مراکز میں پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ اتنا کامل امتیاز و افتراق دنیا میں رہتے ہوئے نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ بالا نعمتوں میں سب کا اختلاط و اشتراک بھی بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ اشتراک و افتراق دونوں نقیض اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں دنیا میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ لامحالہ اشتراک کے لئے دنیا اور افتراق کے لئے آخرت ہونی چاہئے جس کو یوم الفصل کہا گیا۔

یوم ینفخ فی الصور۔ نفخ صور سے آخری مرتبہ پھونکنا مراد ہے۔ جس کے اثر سے یکا یک مردے جی اٹھیں گے اور یہ ٹولیاں لوگوں کے عقائد و اعمال کے لحاظ سے ہوں گی۔ اسی وقت آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائے گا کہ گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔

قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی:..... وسیرت الجبال۔ جس طرح چمکتی ریت پر پانی کا گمان ہو جاتا ہے۔ یہی حال قیامت قائم ہونے پر ہوگا کہ ریت کے تودے پہاڑ معلوم ہوں گے۔ دراصل یہ قیامت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں آخری نفع صورت کی کیفیت کا بیان ہے۔ اس کے بعد فقہ ثانیہ کی کیفیات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کے ریت ہو جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر ریت بن جائیں گے۔ اس طرح کہ گویا یہاں پہلے کبھی پہاڑ تھے ہی نہیں۔ ان جہنم۔ جس طرح گھات میں شکار اچانک پھنس کر رہ جاتا ہے۔ جتنا پھڑ پھڑائے گا، ناچے کودے گا، اتنا ہی اُلجھے گا۔ یہی حال خدا کے باغیوں سرکشوں کا ہوگا کہ منکر ہونے کی وجہ سے دوزخ ان کے لئے گھات ثابت ہوگی۔ وہ انہی کی تاک میں ہے۔ ہب کہتے ہیں نہ ختم ہونے والی مدت کو۔ قرن پہ قرن گزرتے چلے جائیں گے۔ مگر ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔

کیا جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی؟:..... کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی کیونکہ احتساب یعنی ”مدتیں“ کبھی نہ کبھی ختم تو ہوں گی۔ ان کا سلسلہ لا متناہی تو نہیں چل سکتا۔ بلکہ کسی نہ کسی حد تک ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ بنیاد سر اسر کمزور بے جان ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ ہب کہتے ہیں ایسی مدت کو جو کبھی ختم نہ ہو۔ پھر انہوں نے اس لفظ سے یہ کیسے سمجھ لیا اور استدلال کیسے کر بیٹھے؟ دوسرے قرآن کریم میں چونتیس جگہ جہنم کے لئے خلود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں۔ پھر ان میں سے تین مقامات میں لفظ ابد کا اضافہ بھی فرما دیا گیا ہے۔ بلکہ سورہ مائدہ میں تو ایک جگہ یہاں تک فرما دیا گیا ہے کہ وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر ہرگز نہیں نکل سکیں گے۔

تیسرے یہ کہ ”جنت و جہنم“ دونوں کے لئے سورہ ہود میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ خالد بن فیہا مادامت السموات والارض پھر دونوں میں اس فرق کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ باقی نہیں رہے گی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو ان پر رد کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ بالفرض اگر ایک ہب کی مدت معلوم بھی ہو تب بھی احتساب کی مدت کا معلوم ہونا کیسے ثابت ہوا۔ نیز بعض مفسرینؒ کی رائے ہے کہ یہاں دوزخیوں کے لئے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت بیان کرنا مقصود ہی نہیں۔ بلکہ یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں تھوری مدت کو سیکنڈوں منٹوں سے اور اس سے زیادہ کو گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں سے اور اس سے زیادہ کو سالوں اور قرونوں سے تعبیر کرنے کا جو دستور انج ہے دوزخ میں یہ سب پیمانے بے کار ہو جائیں گے۔ وہاں لا متناہی

مدت کو احتساب سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ وہاں کا پیمانہ ہوگا۔ علاوہ ازیں فراموشی کی رائے تو یہ ہے کہ احتساب کا تعلق لا بشین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ لا یسدوقون کے ساتھ ہے۔ یعنی اتنی مدت تو آگ کی پیش سے جھلتے رہیں گے اور ٹھنڈے پانی کے نام تک سے آشنا نہ ہوں گے۔ پھر کہیں مدتوں بعد ان کو طبقہ زمہریر میں ڈالا جائے گا اور اس سخت عذاب کے بعد پھر آگ کے عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ غرض ابد لا باد تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا اور چونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لہم شراب من حمیم اس لئے یہاں بھی لا مشربا کے ساتھ الا حمیما کا استثناء فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے۔ نہ خوشگوار چیز پینے کو ملے گی۔ جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ جائیں گی اور دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی راد پیپ، کچھو پلائی جائے گی۔ اول تو پینا مشکل اور اگر کچھ زہر مار کر بھی لیس گے تو پیتے ہی زہر تمام بدن میں سرایت کر جائے گا۔ غساق آنکھ کے میل اور ڈھیز کو بھی کہتے ہیں۔ بلکہ ہر ستری ہوئی بد بودار چیز کو غساق کہا جاتا ہے۔

کیا کفر و شرک محدود اور سزا محدود ہے:..... جزاء وفاقاً انہم کانوا لا یرجون حساباً۔ بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کفر و شرک تو محدود لگتے ہیں۔ لیکن دوزخ کی سزا غیر محدودی بھاری ہے۔ ان آیات میں اسی کا ازالہ ہے کہ کفر و شرک محدود نہیں بلکہ لا محدود جرم تھا۔ کیونکہ اول تو ایمان و کفر کا تعلق اللہ کی ذات و صفات سے ہے اور وہ لا متناہی ہے پس ایمان و کفر بھی لا متناہی ہوں گے۔ دوسرے انہیں روز حساب اور قیامت کی توقع ہی نہیں تھی۔ کہ خوف کے مارے برا کام نہ کرتے یا ثواب کی امید پر بھلا کام کرتے۔ پس ان کے اعمال کا محدود اور وقتی ہونا لا چاری سے تھا۔ کچھ امید و خوف کے سبب سے نہیں تھا۔ بلکہ ”عصمت بی بی از بے چارگی“ کے طور پر تھا۔ دنیا میں وہ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے کہ وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ جب انہیں خدا کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ تیسرے کفر و شرک اور ان کے اعمال، ان کی روجوں میں سرایت کر چکے تھے اور طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ پس جب روح ابدی ہے تو طبیعت اور اعمال بھی اس کے تابع ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اعمال جوارح کو متناہی کہا جائے گا۔ مگر تکذیب و تصدیق تو روح و قلب کا مشل ہے۔ وہ روح کے ساتھ دوامی ہوگا۔ پس اس کی سزا بھی دوامی ہی ہوگی۔

کفر و شرک کا تعلق دل سے ہے پھر حسی سزائیں کیوں؟:..... و کذبوا بانہینا کذاباً۔ یعنی جس چیز کی انہیں امید نہ تھی وہی چیز سامنے آ گئی اور جس کو جھٹلاتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لی۔ اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکر تے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ کفر و شرک تو افعال قلوب میں سے ہیں۔ جن کا دل سے تعلق ہے، جوارح اور اعضاء سے تعلق نہیں۔ پھر دوزخ کی ظاہری حسی سزائیں کیوں دی جائیں گی؟ وکل شئی احصیناہ میں اس کا جواب ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی کے مطابق باقاعدہ و فائز میں ان کے اندراجات ہیں۔ اچھایا برا کوئی بھی عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ اقوال و افعال، حرکات و سکنات حتی کہ خیالات و افکار تک مکمل ریکارڈ ہم تیار کرتے جا رہے تھے۔ لیکر، کافر اپنی بے وقوفی سے یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ چاہیں کرتے رہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حالانکہ صرف حاکم کا جاننا کافی ہوتا ہے۔ دوسروں پر ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں اور اللہ رتی رتی سے باخبر ہے۔ اس لئے رتی رتی کا بھگتان کرنا ہوگا۔

فلن نؤید کم الا عذاباً۔ یعنی جس طرح تم گناہ میں برابر بڑھتے جا رہے تھے۔ اسی طرح ہم بھی عذاب میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ موت حائل ہو جانے سے ان کا بڑھنا تو رک گیا اور ہمارا بڑھنا جاری رہا کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ زدنا ہم عذاباً فوق العذاب۔

شبہ کا جواب: البتہ گنہگار اہل ایمان کی یہ کیفیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کی ارواح تو ایمان کی وجہ سے پاک تھیں صرف اعضاء مجرم تھے جن کی سزا محدود اور وقتی ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ مصیبت و کلفت جب دائمی ہو جاتی ہے تو پھر وہ مصیبت نہیں رہ جاتی۔ بلکہ عادت اور طبیعت بن جاتی ہے۔ اس لئے دوزخی کافروں کو کچھ عرصہ کے بعد وہاں کی تکالیف، تکالیف نہیں معلوم ہونی چاہئیں؟ جواب یہ ہے کہ راحت و تکلیف کا احساس بدن کی کھال کو ہوا کرتا ہے۔ زخم کی کھال اگر گل جائے یا مردہ ہو جائے تو اس کا احساس یقیناً ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر نئی کھال آجائے تو احساس بھی تازہ اور نیا ہو جاتا ہے جو پہلے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں بھی یہی ہوگا۔ بدلنا ہم جلو دا غیر ہا لیدو قوا العذاب۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سوء مزاج اگر منفق ہو تب تو تکلیف کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن سوء مزاج مختلف ہونے کی صورت میں تکلیف و احساس بدستور رہتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ یہاں کے تقاضے اور ہیں اور وہاں کے طور طریق دوسرے ہیں۔ اور دوزخیوں کے عذاب کی زیادتی کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ ان کے مخالفین اہل ایمان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان للمتعین مفازا۔ متعین کا لفظ ”لا یرجون حساباً“ کے مقابل آیا ہے۔ اس لئے معنی میں بھی قابل کا لحاظ ہوگا۔

جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ: کو اعب اترا با۔ نوحاستہ عورتیں جن کی جوانی پورے ابھار پر ہوگی اور وہ سب آپس میں ہم سن ہوں گے، یا اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔ کیونکہ سب ارواح کا اپنے بدن سے تعلق ایک ہی وقت یعنی نخلہ ثانیہ پر ہوگا۔ گویا سب کی پیدائش بیک وقت ہوگی۔ انا انشائہن انشاء فجعلناہن ابکارا عربا اترا با لا صحاب الیمین اور یہ جنتی بیویاں مردوں کی ہم جنس اور ہم عصر ہوں گی تاکہ لطف و دو بالا رہے۔ کیونکہ نا جنس سے جس طرح عیش مکدر ہو جاتا ہے، عمر کے تفاوت سے بھی بے لطفی رہتی ہے۔ اسی لئے جوان اور بوڑھوں میں زیادہ جوڑ اور میل ملاپ نہیں ہوتا۔ اور مرد و عورت کی عمر کچھ تفسیروں میں تینتیس سال لکھی ہے اور بعض روایات میں عورتیں سترہ اٹھارہ سال کی بتلائی گئی ہیں اور مرد تینتیس سال کے سومردوں کو پختہ میوے جیسا سمجھنا چاہئے اور عورتوں کو اس پھل کی طرح جس کا کچا پکے سے بہتر ہوتا ہے۔ جیسے کھیر الگڑی وغیرہ۔

و کما ساء دھاقا۔ شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ہوں گے۔ ایک پر ایک لگا تار دیئے جائیں گے۔ لفظ ”دھاقا“ میں دونوں مفہوم داخل ہیں اور مقصد تفریح و قوت میں اضافہ ہوگا۔

دنیا اور جنت کے لذائذ میں فرق: یہ سب سامان عیش و عشرت دنیا کے سامان سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہوگا نہ کہ حقائق و کوائف کی۔ بقول ابن عباس حقائق میں بڑا فرق ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی چیزوں کا خاصہ ان کی کثیف عنصری مواد پر صورت نوعیہ مرتب ہونے سے ہوتا ہے۔ لیکن بہشت کے لطیفہ مواد منالیہ میں خاصہ، اسماء الہیہ اور حقائق قدسیہ کی تجلیات کی تاثیر سے پایا جائے گا۔ دنیا میں بھی اگرچہ اسماء الہیہ کی تاثیرات ہی ظہور کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن آخرت اور دنیا میں کمال ظہور، طہارت نشاط، لطافت مواد کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے۔

برمرتبہ از وجود حکمے دارد
گرفرق مراتب کنی زندیقی

اسی لئے ارشاد فرمایا۔ لا یسمعون فیہا لغوا ولا کذابا۔ قرآن کریم کے متعبد مقامات پر یہ بات جنت کی بڑی نعمتوں

میں شمار کی گئی ہے کہ آدمی کے کان وہاں گندی، جھوٹی، بیہودہ باتوں کے سننے سے محفوظ رہیں گے وہاں نہ کوئی یا وہ کوئی ہوگی اور نہ فضول کپ بازی، نہ کوئی کسی سے جھوٹ بولے گا، نہ کسی کو جھٹلائے گا۔ یہاں کالم گلوچ، بہتان، افتراء تہمت اور الزام تراشیوں کا جو طوفان برپا ہے اس کا کوئی نام و نشان وہاں نہ ہوگا۔

جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل الہی سے ہوگا:..... اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا میں جس طرح مختلف ملکوں کی آب و ہوا اور موسموں کے اثرات پڑتے ہیں اور ان سے سردی، گرمی، ارزانی، گرانی ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جنت میں بھی یہ کیفیات ہوں گی۔ فرمایا نہیں، بلکہ جزاء من ربك عطاء حسبا۔ یعنی رتی رتی کا حساب ہو کر بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا اور یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت الہی سے ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں ہے۔ آدمی کا اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچنا ہی مشکل ہے۔ رہی جنت تو وہ اس کے فضل اور رحمت سے ملتی ہے۔ اسی کو ہمارے عمل کا بدلہ کہنا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔ یا ”جزاء“ کے بعد ”عطا حسبا“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو صرف وہی جزاء نہیں دی جائے گی جس کے وہ مستحق تھے۔ بلکہ ان کو بھرپور اور مزید انعام دیا جائے گا برخلاف جہنمیوں کے۔ ان کی نسبت صرف اتنا فرمایا گیا کہ ان کے کرتوتوں کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ یعنی جرائم کے مطابق ناپا تلا بدلہ دیا جائے گا، نہ کم نہ زیادہ۔

رب السموات والارض وما بينهما الرحمن لا يملكون منه خطابا۔ یعنی جہاں ایک طرف نوال و جمال اتنا، وہاں دوسری طرف عظمت و جلال کا حال بھی یہ ہے کہ کوئی اس کے آگے چوں نہیں کر سکتا اور اس کے رعب کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ از خود اللہ کے حضور زبان کھول سکے یا عدالت کے کام میں لب ہلا سکے۔

روح سے کیا مراد ہے؟..... یوم يقوم الروح الخ روح سے مراد عام جاندار ہیں یا ”روح القدس“ چہرائل امین ہیں اور یا وہ ”روح اعظم“ مراد ہے جس سے بنیادی حصوں کا انشعاب ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ روح سے مراد وہ لطیفہ دراکہ ہے جو ہر مخلوق کو عطا ہوا ہے۔ خواہ وہ آسمان ہو یا زمین، پہاڑ ہوں یا درخت، ہوا ہو یا پتھر، اسی لطیفہ دراکہ کی وجہ سے ہر چیز وقف تسبیح ہے۔ و ان من شئی الا یسبح بحمده، کل قد علم صلواتہ و تسبیحہ۔ اسی کو سورہ یسین میں ”ملکوت کل شئی“ تعبیر فرمایا گیا ہے۔ دراصل یہ لطیفہ ایک نورانی جوہر ہے جو تمام جوہر و اعراض سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی کی وجہ سے قیامت میں نیک اعمال، کعبہ معظمہ، آسمان، زمین، دن، رات گواہی دیں گے یا شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ مؤذن کی اذان جہاں جہاں پہنچتی ہے وہ سب چیزیں قیامت میں گواہی دیں گی۔ ہر چیز کو مناسب شکل عطا کی جائے گی۔ اور انسان اور دوسری مخلوق کی ارواح کے بدن سے تعلق میں یہ فرق ہے کہ انسان کے لئے تو دوائی تعلق ہے اور حلول سریانی کے مشابہ ہے۔ کہ تمام قوائے طبعہ نباتیہ، حیوانیہ میں آکر اپنے حکم کے تابع کر دیتا ہے اور دوسری چیزوں کا تعلق غیر دوائی اور حلول طریانی کے مشابہ ہے۔ چنانچہ بعض اوقات اس کا اثر دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے کہ درخت اور پتھر انبیاء کو سلام کلام کرتے ہیں، ان کے احکام بجالاتے ہیں۔ قیامت کے روز یہ تعلق قریب قریب دوائی اور حلول سریانی کے مشابہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب بہت سے عجائبات ظاہر ہوں گے۔ راز اس میں یہ ہے کہ روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے اس تعلق کا اثر ظاہر ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت کا غلبہ اسی طرح قیامت کے قریب احکام روح کا غلبہ ہوگا۔ اس لئے خوارق ظاہر ہوں گے اور ہر چند کہ اللہ کی عظمت و جلال ذاتی ہے۔ لیکن اس کا کمال ظہور قیامت کے روز ہوگا۔

شفاعت کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں: لا یتکلمون الا من الخ سب دم بخود رہیں گے۔ کسی کی مجال نہیں ہوگی شفاعت کے لئے لب کشائی کر سکے۔ الا یہ کہ دو شرطیں پائی جاتی ہوں ایک یہ جس کو جس کے حق میں شفاعت کی اجازت ملے گی وہی شفاعت کر سکے گا اور اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا۔ نہ دوسرا کوئی شفاعت کر سکے گا اور نہ دوسرے کے حق میں شفاعت ہوگی۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ سفارش بھی صحیح ہو اور بے جا نہ ہو۔ یعنی کافر و مشرک کے بارے میں سفارش نہ ہو۔ بلکہ گنہگار مسلمان کے لئے ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن حق کا روز ہوگا۔ وہاں ناحق کی بات نہیں چلے گی دنیا کی طرح نہیں۔ جس میں جھوٹ سچ سب غلط ہوتا ہے۔ نیز اسی روز اچھے برے، نیک و بد میں امتیاز ہو جائے گا۔ اگرچہ دنیا میں سب گڈ مڈ رہے ہیں۔ ”عذابا قریبا“ سے مراد برزخ کا عذاب ہے جو ہر شخص کو مرنے کے بعد پیش آئے گا۔

برزخی عذاب ساری دنیا کو دکھلانے کی ضرورت نہیں: اس برزخی عذاب کے لئے سارے عالم کبیر کو خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عالم صغیر میں ہر شخص کی انفرادی موت ہی کافی ہے۔ کیونکہ برزخی عذاب کی حقیقت گناہوں اور برے کاموں کی حقیقت اسی مردے پر ظاہر کرنا ہے جس پر یہ بد عملیاں غالب تھیں تاکہ یہ ڈراؤنی شکلیں اس کی قوت خیالیہ پر چھائی رہیں۔ حقیقی عذاب کہ جس میں تمام اہل حق اور گواہ جمع ہوں اور اگلے پچھلوں کا مجمع اللہ کے دربار عام میں جمع ہو اور حق تعالیٰ بے حجاب تجلی فرمائیں۔ وہ یوم یبظر المرء ما قدمت یداہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں دو ہاتھوں سے مراد نیکی اور بدی کی قوتیں ہیں، اور نیکیوں بدیوں کو آگے بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ نیکی کی نورانیت اور بدی کی ظلمت اس کی ذات میں پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی محبت دل میں نہ جم جائے۔ اس عمل کی تقویم یا ترجیح اس وقت تک ممکن نہیں۔ اور عالم مثال میں اس کے مناسب ایک شکل و صورت ہوتی ہے۔ پس جب انسان کا نفس دنیا کے ادراک و تصرفات سے فراغت کے بعد بالکل آخرت کے ادراکات و تصرفات کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس وقت ان کو دیکھے گا۔ اور عذاب کی اس قسم کے مقابل فلاسفہ اور حکماء بھی ہیں اور خواب پر قیاس کرتے ہوئے اس کو واقعی جانتے ہیں۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ خواب کے عذاب سے تو جاگتے ہی خلاصی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفس عالم شاہد کے ادراکات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن برزخی عذاب سے اس طرح کی خلاصی ممکن نہیں ہے کیونکہ وہاں بیداری نہیں ہے اور عذاب قیامت و آخرت کو تو کسی کی عقل ادراک ہی نہیں کر سکتی۔ بہر حال برزخی عذاب فعل واقع ہونے سے قریب ہے۔ اور بلحاظ تصور و تصدیق کے بھی قریب ہے۔ تاہم صحیح ایمان اور درست اعتقاد کی بدولت اس برزخی عذاب قریب سے بھی نجات ملے گی۔ کیونکہ اعمال بد کی اشکال بد اگرچہ گنہگار کی ذات میں ظلماتی صورت میں مرتسم ہیں۔ لیکن آفتاب ایمان کا نور ان تاریک بدلیوں کو پھاڑ کر رکھ دے گا۔ برخلاف کافر کے۔ اس کے پاس ذرہ بھر ایمان کا نور نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف کفر و بد عملی کی ظلمتیں ہوں گی۔ اس لئے وہ یاس و حسرت سے پکارا اٹھے گا۔ ”یا تسنی کنت ترابا“ کاش میں دنیا میں پیدا ہی نہ ہوتا یا مر کر مٹی ہو جاتا اور دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

قیامت کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے: رہا یہ عذاب قیامت کو قریب کیسے کہا گیا ہے۔ حالانکہ ابھی تو نہ معلوم قیامت میں کتنا وقت ہے؟ جواب یہ ہے کہ انسان کو وقت کا احساس اسی وقت تک رہتا ہے۔ جب تک وہ دنیا کے ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب صرف روح باقی رہ جائے گی تو وقت کا احساس و شعور ختم ہو جائے گا۔ قیامت میں جب انسان اٹھے گا تو اسے یوں محسوس ہوگا۔ کہ اسے ابھی کسی نے سوتے سے جگا دیا ہے۔ اسے یہ بالکل احساس نہیں ہوگا کہ وہ ہزار ہا سال کے بعد زندہ ہو رہا ہے اور خاک ہونے کی تمنا کرنا اس لئے ہوگا کہ خاکی انسان کی اصل خاک ہی ہے، گویا وہ بھی مرکب عنصر ہے۔ عنصر بسیط نہیں ہے۔ یہ

ایسے ہی ہے جیسے سفر میں کسی کو حادثہ پیش آ جائے اور یہ کہنے لگے۔ کہ کاش میں گھر سے ہی باہر نہ نکلتا، حالانکہ وہ یہ بھی آرزو کر سکتا تھا کہ میں راستہ ہی سے واپس ہو جاتا یا آگے ہی نہ بڑھتا۔ مگر مصیبت سے انتہائی دوری حاصل کرنے کے لئے یہ جملہ کہتا ہے۔ دوسرے یہ بھی سمجھے گا کہ اس وقت یہ ساری مصیبت میری روح کے باقی رہنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر میں صرف بدن یا خاک ہوتا تو یہ بھیانک آفت میں کیوں پھنستا۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع و موقوف روایت ہے کہ جانوروں سے قصاص اور بدلہ لینے کے بعد حکم ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ دیکھ کر کافر غبطہ کریں گے کہ کاش ہماری رہائی کی بھی یہی صورت ہو جاتی۔ اور بعض صوفیاء کا خیال ہے کہ خاک ہونے سے مراد خاکساری اور فروتنی ہے کہ کبر و غرور نہ کرتا تو اس آفت سے بچ جاتا۔ اسی طرح کافر سے مراد ابلیس بھی ہو سکتا ہے کہ آدمؑ اور اولاد آدمؑ پر نوازشوں کو دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ میں ناری نہ ہوتا بلکہ خاکی ہوتا۔ اس سے پہلے جملہ خلقتی من نار و خلقته من طین کا رد عمل ظاہر ہوگا۔

خلاصہ سورت : آنحضرت ﷺ کی ابتدائی دعوت کے تین بنیادی اصول تھے :-

- ۱۔ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔
 - ۲۔ اللہ نے محمد ﷺ کو اپنا رسول بنایا ہے۔
 - ۳۔ دنیا کی زندگی کے بعد ایک دوسرا عالم آئے گا جس میں ہر چیز پہلی آیت پر پیش ہو کر اللہ کے آگے حساب کتاب دے گی اور اس کے مطابق اس پر جزاء و سزا ہمیشہ کے لئے مرتب ہو جائے گی۔ مومن و صالح سد جنت میں رہیں گے۔ اور کافر ہمیشہ اور مومن اور فاسق علی الحساب دوزخ میں رہیں گے۔
- جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کسی نہ کسی درجہ میں مشرکین مکہ اس کو مانتے تھے۔ بلکہ اس کو خالق، رازق، رب اعلیٰ بھی مانتے تھے۔ البتہ وہ اور ہستیوں کو بھی خدائی صفات، اختیارات اور الوہیت میں شریک گردانتے تھے۔

دوسری بات کو بھی اگرچہ وہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ مگر اس کو کیا کریں کہ محمد (ﷺ) کی چالیس سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے سامنے تھا۔ جس میں کہیں انہیں انگلی ٹیکنے کی جگہ نہ ملی۔ بلکہ آپ کی نیک چلنی، راست روی، دانشمندی پاکیزگی اخلاق، عالی ظرفی کے سب قائل تھے۔ اس لئے دوسروں کو قائل کرنا تو بجائے خود، وہ اپنے طور پر بھی سوچتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ سب باتوں میں تو سچے ہوں مگر صرف پیغمبری کے دعویٰ میں جھوٹے ہوں۔

لیکن خیر یہ دونوں باتیں تو کسی نہ کسی درجہ میں گلوگیر ہو ہی رہی تھیں۔ سب سے زیادہ انہیں تیسری بات نے مشکل میں ڈال رکھا تھا۔ وہ سب سے زیادہ حیرانی و تعجب میں مبتلا تھے۔ مرنے کے بعد جوں کا توں دوبارہ زندہ ہونے کو خارج از عقل اور ناممکن سمجھ کر مذاق اڑاتے تھے۔ تاہم یہ اسلام کا بنیادی پتھر تھا۔ اس کے بغیر اگلی عمارت کا اٹھنا ممکن نہ تھا۔ اور اسلام جو انقلاب لانا چاہتا تھا یعنی دنیا میں خدا پرستی، صالح معاشرہ خدا ترسی وہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک آخرت کا اعتقاد مکمل طور پر ان کے ذہن نشین نہ کر دیا جاتا۔ اسی لئے ابتدائی مکی سورتوں میں پورا زور اسی عقیدہ آخرت کے دلوں میں جا گزیر کرنے پر صرف کیا گیا اور ساتھ ساتھ درمیان میں توحید و رسالت کو بھی بالاختصار مدلل طور پر جمادیا گیا۔ آخرت کے یقین کو مختلف مگر نہایت مؤثر انداز میں بار بار دہرایا گیا۔ تاکہ بنیاد مضبوط و مستحکم ہو جائے۔

چنانچہ سورہ نبا میں سب سے پہلے ”عم یتساءلون“ میں ان غیر معمولی چرچوں کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جن سے مکہ کی فضا گونج رہی تھی۔ پھر انکار کرنے والوں کے آگے کائنات کی تو بڑی بڑی چیزوں کو رکھ کر پوچھا گیا۔ کہ کیا تم ان چیزوں کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ

سکتے کہ جس کامل قدرت والی ہستی نے یہ ساری چیزیں پیدا کیں، کیا وہ قیامت قائم کرنے اور عالم کو حساب کتاب کے لئے دوبارہ کھڑے کرنے پر قادر نہیں ہے اور جس حکمت و دانائی سے اس جہان کو بنایا ہے اور اس کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی ہر چیز اور ہر کام تو سلسلہ اسباب سے بندھا ہوا ہے اور کوئی نہ کوئی مقصد رکھتا ہے۔ مگر خود یہ عالم بے مقصد ہے؟ آخر اس بات میں کیا تک نظر آتا ہے کہ پہلے تو انسان کو اس بزم کا صدر نشین بنا کر امتیازی اختیارات دے دیئے جائیں اور اپنی نیابت کا منصب حوالہ کر دیا جائے اور آگے چل کر اسے یونہی مہمل طور پر ختم ہونے دیا جائے۔ اچھے کام پر انعام نہ بگاڑنے پر انتقام۔

افبحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔

فرماتے ہیں، تم اقرار کرو یا انکار، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فیصلہ کا دن ٹھیک وقت پر آ کر رہے گا۔ پس صور پھونکنے کی دیر ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، سب کچھ تمہارا سامنے آ کر رہے گا۔

اس کے بعد جھٹلانے والوں کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری ایک ایک حرکت ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہے اور دوزخ الیہوں کی گھات میں لگی ہوئی ہے چھوڑے گی نہیں۔ اسی طرح ذمہ داریوں کا احساس کر کے جنہوں نے دنیا میں رہ کر آخرت سنوارنے کی فکر رکھی اور کوشش کی انہیں بھرپور بدلہ ہی کی نہیں۔ بلکہ زائد انعام و اکرام کی توقع رکھنی چاہئے۔

پھر خاتم سورت پر قیامت کی عدالت عالیہ کا قانون عدل ارشاد فرمایا گیا۔ کہ یہ مت سمجھ لینا کہ دنیا کی طرح وہاں زور زبردستی چل جائے گی۔ اور لوگ اس طرح سزا سے بچ نکلیں گے۔ ہرگز نہیں بلا اجازت کوئی زبان نہیں کھول سکے گا اور نہ بلا استحقاق و اہلیت کسی کی سفارش ہوگی۔ یعنی گنہگار مسلمان سفارش کے قائل ہوں گے۔ باغی کافر و مشرک اس کے مستحق نہ ہوں گے۔

اور اس تنبیہ کے ساتھ سورت ختم کر دی کہ ”یوم الفصل“ کو دور نہ سمجھو بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ اب خواہ اس کو مان کر اللہ تک رسائی کی کوشش کرو اور یا پھر یہاں تک انجام کے لئے تیار ہو جاؤ کہ انکار کے نتیجہ میں، سب کئے دھرے پر پچھتا کر کہنا پڑے گا کہ اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

فضائل سورت: من قرء سورۃ عم سقاہ اللہ برد الشراب یوم القیامۃ۔ (بیضاوی) ارشاد ہوا کہ جو کوئی شخص سورہ عم پڑھے گا۔ اللہ اس کو قیامت کے دن ٹھنڈے پانی سے سیوا فرمائے گا۔

لطا ئف سلوک: ان للمتقین مغازاً۔ جنت کے نعمتوں کو کامیابی فرمانے سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو اپنے کو اس سے مستغنی ظاہر کرتے ہیں اور مغلوب الحال اس سے مستغنی ہیں۔

سُورَةُ النَّازِعَاتِ

سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّ وَأَرْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالنَّازِعَاتِ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِعُ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ عَرْقًا ﴿۱﴾ نَزْعًا بِشِدَّةٍ وَالنَّاسِطَاتِ نَسْطًا ﴿۲﴾ الْمَلَائِكَةُ تَنْسُطُ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِينَ أَيْ تَسْلُهَا بِرَفَقٍ وَالشَّابِحَاتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ الْمَلَائِكَةُ تَسْبَحُ مِنَ السَّمَاءِ بِأَمْرِ تَعَالَى أَيْ تَنْزِلُ فَالَسَّبَحَتْ سَبْقًا ﴿۴﴾ أَيْ الْمَلَائِكَةُ تَسْبِقُ بِأَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى الْجَنَّةِ فَالْمَدَبِّرَاتِ أَمْرًا ﴿۵﴾ الْمَلَائِكَةُ تُدَبِّرُ أَمْرَ الدُّنْيَا أَيْ تَنْزِلُ بِتَدْبِيرِهِ وَجَوَابَ هَذِهِ الْأَقْسَامِ مُحذُوفٌ أَيْ لَتُبْعَثَنَّ يَا كُفَّارُ مَكَّةَ وَهُوَ عَامِلٌ فِي يَوْمٍ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ النَّفْخَةُ الْأُولَى بِهَا يَرْجَفُ كُلُّ شَيْءٍ أَيْ يَتَرَلَزَلُ فَوْ صِفَتْ بِمَا يَحْدُثُ مِنْهَا تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ وَبَيْنَهُمَا أَرْبَعُونَ سَنَةً وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنَ الرَّاجِفَةِ فَالْيَوْمَ وَاسِعٌ لِلنَّفْعَتَيْنِ وَغَيْرُهُمَا فَصَحَّ ظَرْفُهُ لِلْبُعْثِ الْوَاقِعِ عَقِبَ الثَّانِيَةِ قُلُوبٌ يَوْمِيذٍ وَاجِفَةٌ ﴿۸﴾ خَائِفَةٌ قَلَقًا أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ ذَلِيلَةٌ لِهَوْلِ مَا تَرَى يَقُولُونَ أَيْ أَرْبَابُ الْقُلُوبِ وَالْأَبْصَارِ اسْتِهْزَاءً وَإِنْكَارًا لِلْبُعْثِ، أَنَا بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ أَيْ أُنْزِلَ بَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى الْحَيَاةِ وَالْحَافِرَةُ اسْمٌ لِأَوَّلِ الْأَمْرِ وَمِنْهُ رَجَعَ فَلَا نَفْسَ فِي حَافِرَتِهِ إِذَا رَجَعَ مِنْ حَيْثُ جَاءَ إِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ﴿۱۱﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ نَاجِرَةٌ بِأَلِيَّةٍ مُتَفِيسَةً نُحْيِي قَالُوا تِلْكَ أَيْ رَجَعْتَنَا إِلَى الْحَيَاةِ إِذَا إِن صَحَّتْ كَرَّةً رَجَعَةً خَاسِرَةً ﴿۱۲﴾ ذَاتُ خُسْرَانٍ قَالَ تَعَالَى فَإِنَّمَا هِيَ أَيْ الرَّادِفَةُ الَّتِي يَعْقُبُهَا الْبُعْثُ زَجْرَةٌ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَإِذَا هُمْ أَيْ كُلُّ الْخَلَائِقِ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ بِوَجْهِ الْأَرْضِ أَحْيَاءٌ بَعْدَ مَا كَانُوا يَبْطِنُهَا أَمْوَاتًا هَلْ أَتَيْكَ يَا مُحَمَّدُ حَدِيثُ مُوسَى ﴿۱۵﴾ عَامِلٌ فِي إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اسْمُ الْوَادِي بِالتَّوِينِ وَتَرْكِهِ فَقَالَ إِذْ هَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ﴿۱۷﴾ تَجَاوَزَ الْحَدَّ فِي الْكُفْرِ فَقُلْ هَلْ لَكَ أَدْعَاكَ إِلَى أَنْ تَزُكِّي ﴿۱۸﴾

وَفِي قِرَاءَةِ بِتَشْدِيدِ الرَّأْيِ بِادْغَامِ النَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا تَطْهَرُ مِنَ الشِّرْكِ بِأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَأَهْدِيكَ إِلَى رَبِّكَ أَدْلُكَ عَلَى مَعْرِفَتِهِ بِالْبُرْهَانِ فَتَخْشَى ﴿١٩﴾ فَتَخَافُهُ فَارَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَى ﴿٢٠﴾ مِنْ
آيَاتِهِ التَّسْعَ وَهِيَ الْيَدُ أَوِ الْعَصَا فَكَذَّبَ فِرْعَوْنُ مُوسَى وَعَصَى ﴿٢١﴾ اللَّهُ تَعَالَى ثُمَّ أَذْبَرَ عَنِ الْإِيمَانِ
يَسْعَى ﴿٢٢﴾ فِي الْأَرْضِ بِالْفُسَادِ فَحَشَرَ جَمَعَ السَّحَرَةَ وَجُنْدَهُ فَنَادَى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ أَنَارُبُكُمْ الْأَعْلَى ﴿٢٤﴾
لَارَبِّ قَوْفِي فَأَخَذَهُ اللَّهُ أَهْلَكَهُ بِالْغَرَقِ نَكَالَ عُقُوبَةِ الْآخِرَةِ أَيْ هَذِهِ الْكَلِمَةُ وَالْأُولَى ﴿٢٥﴾ أَيْ قَوْلُهُ
قَبْلَهَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي وَكَانَ بَيْنَهُمَا رُبْعُونَ سَنَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ الْمَذْكَورِ لَعِبْرَةً لِمَنْ
يَخْشَى ﴿٢٦﴾ اللَّهُ تَعَالَى أَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَاو تَسْهِيلُهَا وَادْخَالِ الْفِ بَيْنَ الْمُسْهَلَةِ
وَالْأُخْرَى وَتَرْكِه أَيْ مُنْكَرُ وَابْعَثْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ السَّمَاءُ أَشَدُّ خَلْقًا بَنَاهَا ﴿٢٧﴾ بَيَانٌ لِكَيْفِيَّةِ خَلْقِهَا
رَفَعَ سَمَكُهَا تَفْسِيرٌ لِكَيْفِيَّةِ الْبِنَاءِ أَيْ جَعَلَ سَمَتَهَا مِنْ جِهَةِ الْعُلُوِّ رَفِيعًا وَقِيلَ سَمَكُهَا سَقْفُهَا
فَسَوَّيْنَاهَا ﴿٢٨﴾ جَعَلَهَا مُسْتَوِيَةً بِإِعْيَابٍ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا أَظْلَمَهَا وَأَخْرَجَ ضَوْحَهَا ﴿٢٩﴾ أَبْرَزَ نُورَ شَمْسِهَا
وَأَضْيَفَ إِلَيْهَا اللَّيْلَ لِأَنَّهُ ظَلُّهَا وَالشَّمْسُ لِأَنَّهُا سِرَاجُهَا وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَلُهَا ﴿٣٠﴾ بَسَطَهَا
وَكَانَتْ مَخْلُوقَةً قَبْلَ السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دَحْوٍ أَخْرَجَ حَالَ بِاضْمَارٍ قَدْ أَيْ مَخْرَجًا مِنْهَا مَاءَهَا بِتَفْجِيرِ
عُيُونِهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ مَا تَرَعَاهُ النَّعْمُ مِنَ الشَّجَرِ وَالْعُشْبِ وَمَا يَأْكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الْأَقْوَاتِ وَالنِّمَارِ وَاطْلَاقُ
الْمَرْعَى عَلَيْهِ اسْتِعَارَةٌ وَالْجِبَالُ أَرْسُلُهَا ﴿٣٢﴾ أَثْبَتَهَا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ لِيَسْكُنَ مَتَاعًا مَفْعُولٌ لَهُ لِمُقَدَّرٍ
أَيْ فَعَلَ ذَلِكَ مَتْعَةً أَوْ مُصَدَّرٌ أَيْ تَمَتُّعًا لَكُمْ وَلَا نِعَامَكُمْ ﴿٣٣﴾ جَمَعَ نَعِيمَ وَهِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ
فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى ﴿٣٤﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ بَدَلٌ مِّنْ إِذَا مَا سَعَى ﴿٣٥﴾ فِي
الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَبُرُزَّتْ أَظْهَرَتْ الْجَحِيمُ النَّارُ الْمُحْرِقَةُ لِمَنْ يَرَى ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ رَأْيٍ وَجَوَابٍ إِذَا
فَأَمَّا مَنْ طَغَى ﴿٣٧﴾ كَفَرَ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ بِإِتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ﴿٣٩﴾
مَأْوَاهُ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ قِيَامَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَنَهَى النَّفْسَ الْأَمَّارَةَ عَنِ الْهَوَى ﴿٤٠﴾ الْمُرْدَى بِإِتِّبَاعِ
الشَّهَوَاتِ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ﴿٤١﴾ وَحَاصِلُ الْجَوَابِ فَالْعَاصِي فِي النَّارِ وَالْمُطِيعُ فِي الْجَنَّةِ
يَسْتَلُونَكَ أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِهَا ﴿٤٢﴾ مَتَى وَقُوعُهَا وَقِيَامُهَا فِيمَ فِي أَيْ شَيْءٍ
أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ﴿٤٣﴾ أَيْ لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا حَتَّى تَذْكُرَهَا إِلَى رَبِّكَ مُتَتَّبِعًا ﴿٤٤﴾ مُتَتَّبِعًا عِلْمُهَا
لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ إِنَّمَا يَنْفَعُ إِذْ ذَاكَ مَنْ يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾ يَخَافُهَا كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرُونَهَا لَمْ

يَلْبَثُوا فِي قُبُورِهِمْ إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا (۳۶) أَي عَشِيَّةً يَوْمَ أَوْ بُكْرَتُهُ وَصَحَّ إِضَافَةُ الضَّحَى إِلَى الْعَشِيَّةِ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمَلَابَسَةِ إِذْهُمَا طَرَفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الْإِضَافَةَ وَقَوَّعَ الْكَلِمَةَ فَاصِلَةً

ترجمہ: سورہ والنار عات مکہ ہے جس میں ۴۶ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم -

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی جان) سختی (بڑی شدت) سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں (مسلمانوں کی ارداح کو خوش کر دیتے ہیں یعنی آسانی سے روح قبض کرتے ہیں) اور وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں (فرشتے جو حکم الہی سے تیرتے ہیں یعنی آسمان سے اترتے ہیں) پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں (فرشتے مومنوں کی روحوں کو جنت میں لے جانے کے لئے سبقت کرتے ہیں) پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (فرشتے دنیا کے انتظامات کرتے ہیں۔ یعنی انتظام کے لئے اترتے ہیں۔ ان قسموں کا جواب محذوف ہے یعنی اے کلمہ کے نہ ماننے والو! تم ضرور قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور اگلے جملے میں عامل بھی یہی ہے) جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (پہلا صور جس سے ہر چیز بل جائے گی یعنی زلزلہ میں آ جائے گی۔ اس لئے صور کو اسی سے متصف کر دیا) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی (دوسرا صور، ان دونوں کے درمیان چالیس سال فاصلہ رہے گا اور یہ جملہ راجحۃ سے حال ہے قیامت کے دن یہ دونوں مرتبہ صور بھی پھونکیں گے اور دوسرے کام بھی ہوں گے اس لئے دوسرے صور کے بعد جو ”بعث ہوگا یہ اس کا ظرف بھی ہو سکتا ہے) بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے (خوف و قلق میں مبتلا ہوں گے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی (دہشت ناک منظر دیکھ کر کانپ رہی ہوں گی) کہتے ہیں (دل اور آنکھ رکھنے والے بطور مذاق، قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کیا ہم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں جگہ الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (یعنی کیا مرے بعد پھر دہرا کر زندہ ہوں گے۔)

حافض کہتے ہیں اول دفعہ کو، چنانچہ کہا جاتا ہے۔ رجع فلان فی حافرتہ۔ جب کوئی پہلی جگہ پلٹ جائے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (ایک قراءت میں ”ناسخۃ“ ہے ٹوٹ پھوٹ کر پھر جلانے جائیں گے) کہتے ہیں (یہ پہلی زندگی کی طرف واپسی) اس صورت میں یہ واپسی (جب کہ یہ صحیح ہو) بڑے خسارہ کی ہوگی (گھانا رہے گا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بس وہ (یعنی وہ دوسرا نتیجہ جس کے بعد بعث ہوگا) ایک سخت آواز ہوگی (اور جب نچھ ہوگا) پس لوگ (مخلوق) فوراً ہی میدان میں آ موجود ہوں گے (روئے زمین پر زندہ ہو کر، زمین کے اندر سے مردے نکلیں گے) کیا آپ کو (اے محمد!) موسیٰ کا قصہ (یہ فسی میں عامل ہے) پہنچا ہے جب کہ ابن کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوے میں پکارا (وادئ کا نام ہے تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ارشاد فرمایا) کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے (کفر کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے) سو اس سے کہو، کیا تجھ کو اس کی خواہش ہے (تجھ کو اس کی دعوت دوں) کہ تو درست ہو جائے (ایک قراءت میں تشدید ز کرتے ہوئے قائلے ثانیہ کے ادغام کے ساتھ بکہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے شرک سے پاک ہو جائے) اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں (دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کے لئے) تو تو ڈرنے لگے۔ پھر اس کو بڑی نشانی دکھائی (نونشانیوں میں سے، یہ بیضا تھا یا عصا) سو (فرعون نے موسیٰ کو) جھٹلایا اور کہنا نہ مانا (اللہ کا) پھر (ایمان) سے جدا ہو کر کوشش کرنے لگا (ملک میں فساد کی) اور (جادوگروں اور لشکریوں کو) جمع کیا۔ پھر بآواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں) سو اللہ نے اس کو پکڑ لیا (غرق کر کے ہلاک کر دیا) سزا میں اس (بچھلے) کلمہ کی اور پہلی بات کی (یعنی پہلے ما علمت لکم من اللہ غیری کہا تھا۔ ان دونوں باتوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا) بے شک اس (مذکورہ) واقعہ میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہو بھلا تمہارا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدلتے ہوئے۔ اور ہمزہ مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے یعنی اے منکرین

قیامت!) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے) اللہ نے اس کو بنایا (یہ آسمان کی کیفیت کا بیان ہے) کہ اس کی سمت کو بلند کیا (آسمان بنانے کی کیفیت کی تفصیل ہے۔ یعنی اس کے اوپر کا رخ نہایت اونچا بنایا اور بعض نے سمک کے معنی چھت کہتے ہیں) اور اس کو ٹھیک ٹھاک (بلاعیب) بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا (آفتاب کے نور کو چمکایا۔ اور رات کی نسبت آسمان کی طرف کی ہے کیونکہ رات آسمان کا سایہ ہے اور آفتاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف کی ہے) اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا ہے (پھیلادیا ہے۔ جو آسمان سے پہلے پیدا تو ہو چکی تھی مگر پھیلائی نہیں گئی تھی) نکالا (قصد مقدر مان کر حال ہے یعنی مسخر جا) اس کا پانی (اس سے چشمے جاری کر کے) اور چارہ (درخت، گھاس جو چوپائے کھاتے ہیں اور انسانوں کے لئے خوراک اور پھل اور لفظ مرعی بولنا بطور استعارہ ہے) اور پہاڑوں کو قائم کر دیا (زمین کو ٹھہرانے کے لئے ان کو جمادیا) فائدہ پہنچانے کے لئے (فعل مقدر کا یہ مفعول لہ ہے ای فعل ذلک متعہ۔ یا مفعول مطلق ہے بمعنی تمسيعاً) تمہارے اور تمہارے مونیثوں کے (انعام، نعم کی جمع ہے اونٹ، گائے، بکری) سو جب وہ بڑا ہنگامہ (دوسرا فحہ) آئے گا یعنی جس دن انسان یاد کرے گا (یوم اذا سے بدل ہے) اپنے کئے کو (دنیا میں اچھے پرے کام کو) اور دوزخ (جلادینے والی آگ ظاہر کر دی جائے گی دیکھنے والوں کے سامنے) ہر دیکھنے والے کے اور اذا کا جواب آگے ہے) جس شخص نے سرکشی (کفر) کی ہوگی اور دنیا کی زندگی کو (خواہشات کی پیروی کر کے) ترجیح دی ہوگی۔ سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس (امارہ) کو خواہش سے روکا ہوگا (جو خواہشات پر باد کرنے والی ہیں) سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا (خلاصہ جواب یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں اور فرمانبردار جنت میں جائے گا) یہ لوگ (کفار مکہ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی (کس وقت قائم ہوگی) سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق (یعنی آپ کو اس کی خبر نہیں کہ آپ بتا سکیں) آپ کا دامن صرف آپ کے پروردگار کی طرف ہے (یعنی اس کا علم اللہ کو ہے کسی دوسرے کو نہیں) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ڈرانے کا نفع) اس شخص کو ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں (قبروں کے اندر) ٹھہرنا ہوا ہے (یعنی ایک ہی دن کی شام صبح مراد ہے۔ اور صبحی کی اضافت عشیہ کی طرف باہم ملاہست کی وجہ سے صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں دن کے کنارے ہیں۔ اور کلمہ فاصل کی وجہ سے اضافت میں حسن آ گیا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: والنساز عات۔ ان تمام صفات کا موصوف الملائکۃ محذوف ہے۔ نزع کے معنی سختی سے کھینچنے کے ہیں۔ اور غرقا کے معنی اور زیادہ شدت کے ہیں۔ اس لئے بحذف زوائد یہ مفعول مطلق ہو جائے گا۔ یا نفس کا اجسام میں ڈوبا ہوا ہونا مراد ہے۔

والناشطات نشطا کے معنی کسی چیز کو زری سے نکالنے کے آتے ہیں۔ جیسے ڈول کنویں سے سہولت نکالا جاتا ہے۔ نشط السلول من البیر کہا جاتا ہے۔ ارواح مومنین کو بھی فرشتے اسی طرح نکالتے ہیں۔ حضرت علیؑ سے ماثور ہے۔ ہی الملائکۃ تشط ارواح الکفار مابین الاظفار والجلد حتی یخرج۔

السباحات۔ سبح الغواص الذى یخرج الشئ من اعماق البحر۔ کہا جاتا ہے اسی طرح فرشتے انکام الہی نہایت تیزی سے پہنچاتے ہیں۔

السباقات۔ کفار کو دوزخ کی طرف اور مومنین کو جنت کی طرف لے کر لپکتے ہیں۔

الممدبرات۔ یعنی عالم کی تدبیر و انتظامات جو فرشتے کرتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ ثم ان النفوس الشریفۃ لا یبعدان یظهر منها اثار فی هذا العالم سواء کانت مفارقة عن الابدان او لا فتکون مدبرات فاذا کان التدبیر بید الروح وهو فی هذا الموطن فکذا انتقل منه الی البرزخ بل هو بعد مفارقة البدن اشد تاثير الا ان الجسد حجاب

فی الجملة الا ترى ان الشمس اشد احراقا اذا لم يحجبها غيام او نحوه . یا نفوس عازیہ مراویں۔ جن کے یہ اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں۔ یا عازیوں کے گھوڑوں کے صفات بیان کی جا رہی ہیں اور یا ستاروں کی یہ کیفیات ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ جیسا کہ قاضی بیضاویؒ نے بیان فرمایا ہے۔ تدابیر کی اسناد ملائکہ یا نفوس قدسیہ وغیرہ کی طرف مجازی ہے ورنہ مدبر حقیقی حق تعالیٰ ہیں۔ گویا یہ اسباب عادیہ محض عادیہ ہیں اور جواب قسم محذوف کا مخاطب مفسر علام نے کفار مکہ کو مانا ہے۔ کیونکہ مومنین ان باتوں کے منکر نہیں ہیں بلکہ مقرر ہیں۔ اس لئے ان کے لئے قسمیہ جملوں کی حاجت نہیں ہے۔

یوم ترجف الراجفة۔ یہ منصوب جواب قسم محذوف کی وجہ سے ہے راجفة سے مراد بھاری اجسام ہیں۔ جیسے زمین، پہاڑ، وغیرہ جو فتح اولیٰ میں متزلزل ہو جائیں گے۔

تبعها الرادفة۔ یہ حال ہے راجفة سے مراد فتح ثانیہ ہے اور چونکہ قیامت کا دن بڑا وسیع ہوگا۔ اس لئے حال کی مقارنت صحیح ہے اور بعث کی ظرفیت بھی درست ہے۔

واجفة۔ بمعنی شدید الاضطراب۔ وجیف سے ماخوذ ہے قلوب کی صفت ہے۔ اس لئے قلوب باوجود ذکرہ کے مبتداء اول ہے اور ابصار ہا مبتداء ثانی اور خاشعة خبر ہے ابصار ہا کے بعد مضاف محذوف ہے۔ ای ابصار ہا اصحاب القلوب خاشعة۔ المحافرة۔ پہلی حالت کی طرف پلٹنے کے معنی ہیں۔ لے پاؤں واپس ہونا۔ رجع فلان فی حافرتہ ای طریقۃ التی جاء فیہا فحفر ہا یہ اسناد مجازی ہے عیشۃ راضیۃ کی طرح ایک قراء حفرة بمعنی محفورة بھی ہے۔ کہا جاتا ہے حفرة اسنانہ وخفرت حفراً و حفرة۔

اذا کنا عظاما نخره۔ نخرة بمعنی بالیۃ۔ نافع، ابن عامر، کسائی نے اذا کنا پڑھا ہے اور مجازی ابن عامر، شامی، حفصؒ روح کے علاوہ قراء نے ناخرة بھی پڑھا ہے۔ لیکن صفت مشبہ ہونے کی وجہ سے پہلی قراءت ابلغ ہے۔ اذا کرة خاسرة ای ذات خسران او خسران صاحبہا۔ یہ جملہ بطور استہزاء کہیں گے۔ جمہور کے نزدیک اذا حرف جواب و سزا ہے اور بعض کے نزدیک کبھی اذا جواب کے لئے نہیں ہوتا اور حسن خاسره بمعنی کا ذبہ لیتے ہیں۔

زجرة واحدة۔ اس کا تعلق محذوف عبارت سے ہے۔ ای لا تستصعبونها فما هی الا صيحة واحدة او لا تحسبوا تلك الكرة صعبة فانه هنية سهلة فی قدرته۔ اس سے مراد فتح ثانیہ ہے۔

بالساهرة۔ ہموار صاف زمین کو سارہ کہتے ہیں گویا اس میں ریت رواں ہے عین معاہرۃ رواں پانی اور عین نائمة وہ پانی جو رواں نہ ہو یا چھیل میدان کو سارہ اس لئے کہتے ہیں کہ ابروڈر کے مارے سوتا نہیں ہے۔ اور قنادہ نے جہم کا نام کہا ہے اور بعض نے شام کا ایک پہاڑ مانا ہے۔ جس کو اللہ قیامت میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے پھیلائے گا۔ اور بعض نے چاندی کی زمین مانی ہے جو اس وقت اللہ پیدا فرمائے گا۔ لیکن ابن عباسؒ اور قنادہؒ مجاہدؒ اس سے روئے زمین کے معنی مراد لیتے ہیں۔ جس پر سوتے جاگتے ہیں۔ اور سفیان شام کی سرزمین کو۔ اور مہدی وہب بن منہ سے بیت المقدس مراد ہونا نقل کرتے ہیں۔

هل اتاك۔ اگر یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہلے سے معلوم تھی تب تو ہل بمعنی قد ہے ورنہ استفہام کے لئے ہے۔ اذنادا۔ اذ کا عامل حدیث ہے۔ اتاک عامل نہیں ہے کیونکہ دونوں کا وقت ایک نہیں ہے۔

طوی۔ وادی کا نام اس لئے طوی ہے کہ بنی اسرائیل کی شرارتیں یہاں نہ کام ہو گئیں اور برکات نبوت یہاں اتریں اور علماء کہتے ہیں کہ یہاں تو رات نازل ہونے کے بعد عذاب استیصال ختم کر دیا گیا۔ ایلہ اور مصر کے درمیان یہ وادی تھی۔

اذھب۔ ای قلنا اذھب او ان اذھب۔ چنانچہ عبد اللہ کی قرأت بھی ان اذھب ہے اور یہ ان مصدر یہ ہوگا۔ هل لك۔ چونکہ اس کے معنی ادعوک ہیں اس لئے اس کے صلہ میں الیٰ صحیح ہو گیا۔

تذکی بھیجی نے ابن عباسؓ سے اس کے معنی شرک سے بچنا نقل کئے ہیں یعنی کلمہ توحید کا اقرار۔

واہدیلک اس کا عطف تذکی پر ہے۔ حجازیؓ اور یعقوبؓ تذکی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرک سے پاک صاف ہونے کے بعد ہی عرفان حاصل ہو سکتا ہے۔ پس توحید واجب بالذات اور معرفت واجب بالعرض ہوئی۔ نیز حذف مضاف کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فتخشی۔ معلوم ہوا کہ خشیت معرفت کے بعد ہوئی ہے۔

فاراہ الایۃ الکبریٰ۔ اس کا عطف محذوف پر ہے۔ ای فذهب الیہ وقال لہ ما ذکر فطلب منہ ایۃ فراہ الخ ضمیر مستتر کا مرجع حضرت موسیٰ اور ضمیر بارز کا مرجع فرعون ہے۔ جو مفعول اول ہے ارادہ کا اور مفعول ثانی الایۃ ہے تفسیری عبارت وہی الیدو العصا میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے دست مبارک اور عصا میں اگر چہ رنگ کی تبدیلی دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن عصا میں تغیر ذاتی بھی ہو جاتا تھا۔ جو زیادہ عجیب اور نشان قدرت ہے۔ گویا عصا کا سانپ بن جانا اصل معجزہ ہے اور یا کہا جائے کہ دونوں نشان مل کر ایک معجزہ تھے۔

ثم ادبر یسعی۔ ایمان سے برگشتہ ہونا مراد ہے اور یا اژدہ سے ڈر کر بھاگنا مراد ہے۔

فحشر۔ جادو گروں کو برہان سے اور لشکریوں کو سان سے مقابلہ کے لئے جمع کیا۔ جادوگر سترہ اسرائیلی اور بہتر ۷۲ قبیل تھے۔ فقال انار بکم الاعلیٰ۔ حضرت موسیٰ نے فرعون سے جب کہا۔ رب ارسلنی الیک فان امتی بربک تکون اربع مائۃ سنۃ فی النعیم والسورور ثم تموت فتدخل الجنة۔ تو فرعون نے ہامان سے مشورہ کیا۔ ہامان بولا۔ اتصیر عبدا بعد ما کننت ربا۔ اس پر فرعون نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا، یعنی تمام بتوں اور مورتیوں کے مقابلہ میں خود کو سب سے بڑا کہا۔

نکال الاخرۃ۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے وہی دو کلمے مراد ہیں جو تفسیر کی عبارت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ لیکن نکال اولی سے مراد غرق اور نکال آخری سے مراد عذاب دوزخ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو فعل مقدر کا۔

رفع سمکھا۔ آسمان کے دل کو سمک کہا جاتا ہے بمعنی شخن، یازمین سے آسمان تک بلندی مراد ہے جو پانچ سو سال ہے۔

فسوھا۔ یعنی اس کی گولائی برابر کردی ستاروں سے آراستہ کر دیا۔ سوی فلان امرہ کے معنی مکمل طور پر درست کرنے کے ہیں۔

اغطش لیلھا۔ غطش اللیل۔ کے معنی اندھیرا ہونے کے ہیں اور رات آ جانے کی وجہ سے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کر دی گئی ہے۔ مفسر کا اندھیرے کو غل سا کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اندھیرا زمین کا غل ہوتا ہے۔

ضخھا۔ اور سورج کی روشنی چونکہ صبح کو ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کر دی گئی ہے۔

والارض بعد ذلک دحھا۔ آیت ثم استوی الی السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے پیدا ہوئی اور اس آیت

میں بعد ذلک سے بعد میں ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ مفسر نے اس کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہوئی ہے اور اس کی موجودہ ہیئت اور شکل بعد میں ہوئی۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور بخشریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن آیت

هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا بچھنا بھی پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ حاکم کی مرفوع روایت بھی ہے۔ انہ خلق الارض فی یوم الاحد والاثین وخلق الجبال والاکام فی یوم الثالث والاشجار فی الاربعاء وخلق السماء فی الخمیس والجمعة پہلے یہ کہنا چاہئے کہ یہاں الارض فعل مقدر کی وجہ سے منصوب

ہے۔ ای تذکرو تدبر، او اذکر الارض بعد ذلک اور ما اضمر عاملہ علی شرط التفسیر مانا جائے تو اس میں فی نفسہ آسمان کی تخلیق کی طرف نہیں۔ بلکہ آسمان کی تخلیق کے ذکر کی طرف اشارہ ہے۔

اخرج۔ یہ دحہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حرف عطف نہیں لایا گیا۔

مروعاہا۔ انسانی غذا پر اس کا اطلاق مجاز مرسل ہے یعنی مقید ہل کر مطلق مراد لیا گیا ہے یا استعارہ تصریحیہ ہے کہ انسانی غذا کو جانوروں کے چارہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا کافر چوپاؤں کے درجہ میں ہیں۔

والجبال۔ ایک قراءت میں لفظ ارض اور الجبال مرفوع ہیں لیکن یہ مرجوح ہے۔ کیونکہ اس کا عطف فعلیہ پر ہے۔ المطامہ۔ صحاح میں ہے کہ ہر چیز کی زیادتی اور غلبہ مراد ہے۔ الداہیۃ العظمیٰ التي تطعم سائر الطامات اور کبریٰ سے مراد قیامت یا نکلے ثانیہ ہے اور یادہ وقت ہے جس میں جہنمی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ یبذلکروا۔ انسان۔ انسان اپنی غفلت سے جن اعمال کو بھول جائے گا ان کو نامہ اعمال میں مدون و مرتب پائے گا۔ یہ جملہ اذا سے بدل ہے اور ماسعی میں ما موصولہ ہے۔

وبوزت الجحیم لمن یوی۔ ایک قراءت میں بوزت معروف ہے اور یوی کی بجائے رای اور لمن توی ہے اور ضمیر جحیم کی طرف راجع ہے اور یا آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے یعنی آپ کفار کو ملاحظہ فرمائیں گے۔ جواب اذا محذوف ہے اور یا آنسندہ جملہ تفصیلیہ جواب ہے۔

ہی الماوی۔ ای ہی ماواہ الف لام اور اضافت کے قائم مقام ہے۔ اہل کوفہ کے نزدیک اور بصریوں کے نزدیک ہی الماویٰ لہ اصل ہے اور ہی ضمیر فعل یا مبتداء ہے۔

فان الجنة۔ تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اما تفصیلیہ نہیں ہے بلکہ محض تاکید کے لئے ہے۔ تاہم اس میں تکلف ہے بہتر یہی ہے کہ جواب محذوف مانا جائے۔

مرساھا۔ مرسى السفینۃ کے معنی کشتی کے منتقلی اور مستقر کے ہیں۔ مرسى مصدر بمعنی ارساء ہے۔ فیم انت۔ خبر مقدم مبتداء مؤخر ہے اور من ذکر اھا کا تعلق وہی ہے جو خبر متعلق ہے۔ استفہام انکاری ہے۔ ای ما انت من ذکر اھا لہم وتبین وقتھا فی شئ ولیس لک علم بھا حتی تخبر ہم بہ۔

ذکری۔ بمعنی ذکر جیسے بشری بمعنی بشارۃ اور بعض کے نزدیک فیم سے ان کے سوال کا انکار ہے۔ اور انت من ذکر اھا جملہ متانفہ ہے ای انت ذکر من ذکر اھا یعنی آپ چونکہ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس لئے علامت قیامت ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا تعلق کفار کے سوال سے ہے۔ بہر صورت الی ربک منتھا ہا اس کا جواب ہے۔ اس صریح آیت کے بعد یہ کہنا آنحضرت ﷺ کو تمام مغیبات کا علم ہو گیا تھا کس طرح درست ہے؟ چنانچہ انما انت منذر سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ انداز کا حصرا سی وقت صحیح ہوگا جب کہ علم یقینی کی نفی ہو اور انداز میں یقین کو دخل بھی نہیں ہے۔ منذر کو اس کا علم ہوئے بغیر بھی انداز ہو سکتا ہے۔ یقین کے علم پر انداز موقوف نہیں ہے۔

من یخشاھا۔ صاحب خشیت کی تخصیص بلحاظ نفع کے ہے۔ ابو عمر و منذر تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لیکن اصل یہی ہے کہ اسم فاعل جب کہ بمعنی حال ہو تو عامل مانا جائے اضافت نہ مانی جائے۔ البتہ ابو حیان کہتے ہیں کہ اسماء میں اضافت اصل ہے۔ اور ان کا عامل ہونا مضارع کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

الا عشیۃ۔ نصب اور تنوین کے ساتھ ہے مضاف الیہ یعنی نوم کے عوض ہیں۔

او ضحاھا۔ ای ضحیٰ العشیۃ۔ ایک طرف کی اضافت دوسرے طرف کی ضمیر کی طرف مجازی ہے یا ہی ملاہست کی وجہ سے۔ رہا شبہ کی ضحیٰ تو یوم کا ہوا کرتا ہے نہ کہ عشیۃ کا پھر ضحیٰ کی اضافت عشیۃ کی طرف کیسی؟ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای عشیۃ یوم یعنی یوم منصوب ہے عشیۃ کی تغیر ہونے کی وجہ سے اور چونکہ عشیۃ اور ضحیٰ دونوں ایک ہی دن کے ہیں۔ اس لئے دونوں میں ملاہست کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف اضافت صحیح ہوگئی۔ اگر بلا اضافت ذکر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ صبح شام الگ الگ دن کے

صبح شام مراد ہوتے۔ یا عیشیہ سے مراد ایک مستقل دن اور صبحی سے مراد ایک مستقل دن ہوتا۔ تسمیۃ الکحل باسم الجزاء کے طریقہ پر۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں خلاف منشاء ہوتیں اور چونکہ دوسری آیات پر الف آ رہا ہے۔ اس لئے صبحی کی اضافت سے حسن پیدا ہو گیا ہے۔

رابط آیات: سورہ نباء کی طرح اس سورت میں بھی کچھ واقعات اور انتہا اشد الخ میں امکان عذاب اور هل انک الخ میں منکرین کے لئے تخویف ہے اور ان کی تکذیب پر آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔

شان نزول: بقول ابن عباسؓ یہ سورہ نباء کے بعد نازل ہوئی۔ پس اس کے مضمون سے اس کے ابتدائی زمانہ کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿تشریح﴾: والنازعات میں ان فرشتوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو کفار کی رگوں میں گھس کر ان کی جان سختی سے گھیٹ کر نکالتے ہیں اور والناشطات میں ان فرشتوں کی قسم کا ذکر ہے۔ جو مومن کے جسم سے جان کی گرہ کھول دیتے ہیں کہ پھر وہ اپنی خوشی سے عالم بالا کی طرف دوڑتے ہیں۔ یعنی نیک تو خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے اور بد، بدکثا اور بھگتا ہے۔ اور گھسیٹا جاتا ہے۔

والسابعات میں ان فرشتوں کی قسم ہے جو مقربین کی ارواح کو لے کر آسمان کی طرف بسرعت تیرتے ہیں۔ پھر ان ارواح کے بارے میں جو حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لئے بڑی تیزی سے لپکتے ہیں اور دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

فالمدبرات امرا۔ میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو نیک و بد ارواح کے سلسلہ میں تدبیر و انتظام میں لگ جاتے ہیں اور ظاہر یہی معنی ہیں۔ لیکن مطلق فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جو تکوینی تدابیر و انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ نازعات وغیرہ الفاظ کی تشریحات علماء نے اور طرح بھی کی ہے۔ بہر حال فرشتوں کے یہ احوال قیامت و بعثت سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجحہ سے مراد پہلا بھونچال۔ نچھ اولیٰ سے اور رادفہ سے یکے بعد دیگرے مسلسل بھونچال مراد ہیں۔

یا نچھ ثانیہ جب کہ دل مارے دہشت کے دھڑکتے ہوں گے اور آنکھیں مارے ذلت و ندامت کے جھکی پڑیں گی۔ اور زبان سے یہ کہتے جائیں گی۔ یہ قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم اٹنے پاؤں زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ہم تو نہیں سمجھتے کھوکھری ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے گی۔ ایسا ہوا تو ہمارے لئے بڑے خسارہ اور نوٹے کی بات ہوگی۔ پھر تو ہمارا خیر نہیں کیونکہ ہم نے اگلی زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا۔ کفار کا یہ کہنا مسلمانوں کے اس خیال کا مذاق اڑانے کے لئے ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے اور یہ اس زندگی کو ناممکن سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں۔ یہ سب کام ایک دم کے ہیں۔ جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا۔ اسی دم سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔

اللہ کی ایک جھڑکی: هل انک الخ آگے اللہ کی ایک ڈانٹ اور جھڑکی کا ذکر ہے۔ جو فرعون جیسے متکبر کو دی گئی۔ یا منکروں کو سنانا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے بڑے سے بڑے منکروں کا انجام کیا ہوا؟ اور اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بڑی تسلی بھی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب فرعون کے پاس فہمائش کرنے پہنچے۔ تو اس سے فرمایا کہ اگر تو اپنا بھلا چاہتا ہے اور کچھ سنوارنے کا ارادہ رکھتا ہے تو میں تیری رہنمائی کر سکتا ہوں۔ جس سے تیرے دل میں اللہ کا ذکر اور اس کی کامل معرفت حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ کامل معرفت کے بغیر خوف و خشیت نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا مقصد صرف بنی اسرائیل کو آزاد کرانا ہی نہیں تھا۔ بلکہ بڑا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی۔ اسی سلسلہ میں عصا اور ید بیضا کا معجزہ بھی دکھلایا تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔ مگر وہ ملعون کہاں ماننے والا تھا؟ لوگوں کو جمع کرنے اور جادو گروں سے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے چلا اور زور داری سے اعلان کیا کہ سب سے بڑا

رب تو میں ہوں۔ پھر موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے؟ فرعون کا خود کو اعلیٰ کہنا قید احترازی کے طور پر نہیں۔ کہ دوسرے غیر اعلیٰ رب کا ہونا لازم آئے۔ بلکہ بطور مدح قید واقعی کے درجہ میں بڑھایا ہے۔ بس اس نعرہ کا ٹکنا تھا کہ اس کی سرزنش کا پورا انتظام ہو گیا۔ جس نیل کا اس کو ناز تھا اسی میں اس کو ڈبو دیا گیا اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ کسی کے دل میں ڈر ہو تو اس کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہیں اسی درمیانی قصہ کے بعد۔

قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے:..... انتم اشد الخ سے سابقہ مضمون قیامت پر شروع ہو گیا۔ یعنی تمہارا پیدا کرنا اور وہ بھی دوسری مرتبہ آسمان، زمین، پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب اتنی بڑی چیزوں کا پیدا کرنے والا اس کو مانتے ہو۔ پھر اپنے دوبارہ پیدا ہونے میں کیا تردد ہے؟ آسمان ہی کو لے لو۔ کتنا بڑا، اونچا، مضبوط، صاف، ہموار اور کس درجہ مرتب و منظم ہے؟ کس درجہ باقاعدگی اور زبردست انتظام کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات دن کا سلسلہ قائم ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں اس کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ قیامت کے استبعاد کا یہ عقلی جواب ہے اور نقلی جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان بڑی چیزوں کا پیدا کرنا فی نفسہ سخت ہے۔ ورنہ اللہ کی قدرت کے لحاظ سے سب یکساں ہیں اور اصل استدلال اگرچہ آسمان کی پیدائش سے ہے۔ لیکن زمین کو بھی اس لئے شامل کر دیا کہ اس کے سب احوال ہمہ وقت پیش نظر رہتے ہیں۔ پھر وہ آسمان سے کم سہی۔ مگر انسان کی پیدائش سے بہر حال اشد ہے۔

امام راغب کی تحقیق:..... امام راغبؒ نے وحی کے معنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں۔ پس اس سے اس تحقیق میں مدد مل سکتی ہے جو جدید نظریہ کے مطابق یہ ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے آسمانی جرم کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا ہے۔

مناصحا لکم۔ یعنی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے ہے۔ ورنہ تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے؟ اس سے جہاں گھسیں شکر گزاری کا موقع ملتا ہے وہیں اس بات کی شہادت ہے کہ وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ روح پھونک سکتا ہے۔

فاذا جاءت الساعة۔ قیامت کے بڑے ہنگامہ میں تمہارا سب کیا کرایا سامنے آ جائے گا۔ اگر ابھی تیاری نہ کر لی تو پھر پچھتانا پڑے گا۔ اور دوزخ اس طرح منظر عام پر آ جائے گی کہ دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جائے گی اور جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی اور دنیا میں کھوکرا آخرت کو فراموش کر دیا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگی۔ ہاں مگر جو اس بات سے ڈرا کہ مجھے ایک روز حساب کے لئے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس ڈر سے نفس کی لگام تھامے رہا۔ اسے بے قابو ہونے نہیں دیا۔ نہ اس کے تابع رہا۔ بلکہ اس کو اللہ کے تابع رکھا تو اس کا مقام جنت کے سوا کہاں ہو سکتا ہے؟

يسئلونك۔ منکرین قیامت کی گھڑی پوچھتے ہیں؟ اس کا نپا تلا وقت اللہ کے سوا کس کو معلوم؟ یہ آپ کا کام نہیں آپ تو قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرانے۔ اب جس کے دل میں کچھ خوف ہوگا یا اس کی استعداد ہوگی وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر تیاری کر لے گا۔ یہ تخصیص محض نتیجہ اور ثمرہ کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ نا اہل تو انجام سے غافل ہو کر ابھی اسی بحث میں لٹکے ہوئے اور الجھے ہوئے ہیں کہ قیامت کس گھڑی اور کس ساعت میں آئے گی۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں قیامت اور مرنے کے بعد کی زندگی اور اس سے متعلق کچھ احوال کا بیان ہے۔ نیز یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے کا کیا انجام ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ روح قبض کرنے والے فرشتوں کی قسم کھا کر یقین دلایا گیا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہوگی اور مرنے کے بعد والی زندگی ضرور پیش آ کر رہے گی۔ کیونکہ جن فرشتوں کے ہاتھوں آج جان نکالی جاتی ہے ان ہی کے ہاتھوں

دوبارہ جان ڈالی بھی جاسکتی ہے اور جو فرشتے آج اس عالم کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہی فرشتے کل اسی کے حکم سے کائنات کا یہ نظام درہم برہم کر کے ایک دوسرا نظام بھی قائم کر سکتے ہیں۔ یہ فرشتے اگرچہ نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ پھر آگے یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ کام جسے تم ناممکن سمجھتے ہو اللہ کے لئے کیا مشکل ہے؟ کہ اس کے لئے کسی بڑی تیاری کی ضرورت پڑے۔ پس ایک جھٹکے سے یہ سارا نظام لپٹ جائے گا اور دوسرے جھٹکے میں تم یکا یک دوسری زندگی میں آ جاؤ گے۔ اس وقت انکار کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور سہمی ہوئی نگاہوں سے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے جس کو ان ہونی بات سمجھتے تھے۔

پھر حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ مختصر بیان کر کے رسول کو جھٹلانے والوں اور ہدایت سے روگردانی کرنے والوں اور اپنی چالاکیوں اور سازشوں کا تانا بانا بننے والوں کو چونکا یا گیا ہے کہ تم اپنی اس روش سے باز آ جاؤ۔ ورنہ تمہیں بھی یہ روز بد دیکھنا پڑے گا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے کے دلائل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ارشاد ہے کہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا زیادہ سخت کام ہے یا اس عظیم کائنات کو جو آسمان، زمین، پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جس خدا کے لئے یہ کام مشکل نہیں اس کے لئے تمہاری دوبارہ پیدائش آخر کیوں مشکل ہوگی؟ اس کے بعد اس سرور سامان کی طرف توجہ پھیر دی گئی ہے۔ جودنیا میں انسان و حیوان کی زندگی کے لئے فراہم کیا گیا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑی حکمت کے ساتھ کسی نہ کسی مقصد کے لئے بنائی گئی ہے۔ پس کیا اس حکیمانہ نظام میں انسان جیسی برتر مخلوق کو ذمہ داریاں اور اختیارات سونپ کر یہ زیادہ شایان عقل معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اختیارات کے استعمال کا محاسبہ کیا جائے یا اس کو یوں ہی شتر بے مہار چھوڑ دیا جائے کہ وہ زمین میں کھاپی کر اور ہر طرح کے کام کر کے یونہی مر گل کر ختم ہو جائے اور اس سے کچھ حساب نہ لیا جائے؟ اس سوال پر بحث کرنے کی بجائے آئندہ آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب آخرت برپا ہوگی تو انسان کے دائمی اور ابدی مستقبل کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کس نے دنیا میں بندگی کی بجائے خدا سے بغاوت و سرکشی کی اور دنیا ہی کی لذتوں اور فائدوں کو مقصود بنالیا۔ اور کس نے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کی بری خواہشات سے بچا۔ جو شخص خدا اور ہٹ دھرمی سے پاک ہو کر ایمان داری کے ساتھ غور کرے گا۔ اسے خود بخود اوپر کے سوال کا جواب مل جائے گا۔ کیونکہ عقل و منطق اور اخلاق کی رو سے انسان کو ذمہ داریاں سپرد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آخر کار اس سے محاسبہ کیا جائے اور اسے سزا یا جزا کا مستحق گردانا جائے۔ آخر میں کفار کے اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس بات کا تعلق پیغمبر سے کچھ نہیں ہے۔ اس کا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا۔ اس بات میں کوئی اہمیت نہیں کہ کب آئے گا۔ اہمیت اس کی ہے کہ تم نے تیاری کیا کی ہے؟ جس کا جی چاہے اس سے ڈر کر اپنی روش درست کر لے اور جس کا جی چاہے یونہی وقت گنوا دے۔ وقت جب آئے گا تو وہی لوگ جو اس دنیا کی زندگی پر مرمٹے تھے۔ اور اسی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ وہ محسوس کریں گے کہ دنیا میں وہ صرف گھڑی بھر ٹھہرے تھے۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اس چند روزہ زندگی کی خاطر انہوں نے کس طرح ہمیشہ کے لئے اپنا مستقبل برباد کر لیا۔

فضائلِ سورت: من قرأ سورة النازعات كان فيمن حبسه الله في القبر وفي القيامة حتى يدخل الجنة قدر صلوة المكتوبة. فرمایا کہ جو نازعات پڑھے گا اللہ اسے جنت میں داخل ہونے تک برزخ اور قیامت میں صرف ایک فرض نماز کی مقدار محسوس رکھے گا۔ (یہ حدیث موضوع ہے۔)

لطايفِ سلوک: واما من خاف الخ اس میں نفس کو خلافِ شرع کاموں اور خواہشات سے روکنے کی فضیلت ظاہر کی ہے۔

سُورَةُ عَبَسَ

سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ اِثْنَانِ وَاَرْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَبَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَحَ وَجْهُهُ وَتَوَلَّى ﴿١﴾ اَعْرَضَ لِاَجْلِ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمَى ﴿٢﴾ عَبْدُ اللّٰهِ
بْنُ اُمِّ مَكْتُومٍ فَقَطَعَهُ عَمَّا هُوَ مَشْغُولٌ بِهِ مِمَّنْ يَرْجُوْا اِسْلَامَهُ مِنْ اَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِیْ هُوَ حَرِيصٌ عَلٰی
اِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَذَرِ الْاَعْمٰی اَنَّهُ مَشْغُوْلٌ بِذٰلِكَ فَنَادَاهُ عَلِمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَاَنْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِلٰی بَيْتِهِ فَعُوْرَتَبَ فِیْ ذٰلِكَ بِمَآنَزَلٍ فِیْ هَذِهِ السُّوْرَةِ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ یَقُوْلُ لَهُ اِذَا جَاءَ مَرْحَبًا مِّنْ
عَاتِبِیْ فِیْهِ رَبِّیْ وَیَسْطُرْ لَهُ رِذَاءٌ ۚ وَمَا یُذَرِّیْكَ یُعَلِّمُكَ لَعَلَّهُ یَزَكِّیْ ﴿٣﴾ فِیْهِ اِدْعَامُ النَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی
الرَّأٰی اِیْ یَطْهَرُ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا یَسْمَعُ مِنْكَ اَوْ یَذْکُرُ فِیْهِ اِدْعَامُ النَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الدَّالِ اِیْ یَتَّعِظُ
فَتَسْفَعُهُ الذِّكْرٰی ﴿٤﴾ الْبَعْظَةُ الْمَسْمُوعَةُ عَنْكَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبٍ تَنْفَعُهُ جَوَابُ التَّرَجُّیْ اَمَامِنِ
اَسْتَغْنٰی ﴿٥﴾ بِالْمَالِ فَانْتَ لَهُ تَصَدَّى ﴿٦﴾ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِیْدِ الصَّادِ بِاِدْعَامِ النَّاءِ الثَّانِیَةِ فِی الْاَصْلِ فِیْهَا
تُقْبَلُ وَتَتَعَرَّضُ وَمَا عَلَیْكَ الْاِیْزٰكِی ﴿٧﴾ یُؤْمِنُ وَاَمَامِنُ جَاءَ لَكَ یَسْعٰی ﴿٨﴾ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ جَاءَ
وَهُوَ یَخْشٰی ﴿٩﴾ اللّٰهُ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ یَسْعٰی وَهُوَ الْاَعْمٰی فَانْتَ عَنْهُ تَلْهٰی ﴿١٠﴾ فِیْهِ حُذْفُ النَّاءِ الْاُخْرٰی
فِی الْاَصْلِ اِیْ تَشَاغُلُ كَلًّا لَا تَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ اِنَّهَا اِی السُّوْرَةِ اَوِ الْاٰیٰتِ تَذْکِرَةٌ ﴿١١﴾ عِظَةٌ لِلْخَلْقِ فَمَنْ
شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿١٢﴾ حَفِظَ ذٰلِكَ فَاتَّعِظْ بِهِ فِیْ صُحُفٍ خَبَرْتَانِ لِاَنَّهَا وَمَا قَبْلَهُ اِعْتَرَاضٌ مُّكْرَمٌ ﴿١٣﴾ عِنْدَ اللّٰهِ
تَعَالٰی مَرْفُوعَةٌ فِی السَّمَاءِ مُطَهَّرَةٌ ﴿١٤﴾ مُنْزَهَةٌ عَنْ مَسِّ الشَّیَاطِیْنِ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كَتَبَتْ یَنْسَخُوْنَهَا مِنْ
اللُّوْحِ الْمَحْفُوْظِ كَرَامَ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾ مُطِیْعِیْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَهُمْ الْمَلَائِكَةُ قُتِلَ الْاِنْسَانُ لُعِنَ الْكَافِرُ
مَا اَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾ اِسْتَفْهَامٌ تَوْبِیْخٌ اِیْ مَا حَمَلَهُ عَلٰی الْكُفْرِ مِنْ اِیْ شَیْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٨﴾ اِسْتَفْهَامٌ تَقْرِیْرٌ ثُمَّ بَيِّنَةٌ

فَقَالَ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ﴿۱۹﴾ عَلَقَهُ ثُمَّ مُضْغَةً إِلَىٰ آخِرِ خَلْقِهِ ثُمَّ السَّبِيلَ أَىٰ طَرِيقَ خُرُوجِهِ مِنْ بَطْنِ
 أُمِّهِ يَسْرَهُ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿۲۱﴾ جَعَلَهُ فِي قَبْرِ يَسْتُرِهِ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ لَلْبُعْثُ كَلَّا حَقًّا لَمَّا
 يَقْضِ لَمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرَهُ ﴿۲۳﴾ بِهِ رَبُّهُ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ نَظْرَ اعْتِبَارٍ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ كَيْفَ قَدَّرَ وَدَبَّرَ لَهُ
 أَنْ نَصَبْنَا الْمَاءَ مِنَ السَّحَابِ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ بِالنَّبَاتِ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾
 كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَعَنْبًا وَقَضْبًا ﴿۲۸﴾ هُوَالْقَتِ الرَّطْبُ وَوَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَائِقُ غُلْبًا ﴿۳۰﴾
 بَسَاتِينَ كَثِيرَةً الْأَشْجَارِ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿۳۱﴾ مَاتَرَعَاهُ الْبَهَائِمُ وَقِيلَ النَّبْتُ مَتَاعًا مَتْعَةً أَوْ تَمْتِيعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِي
 السُّورَةِ قَبْلَهَا لَكُمْ وَلَنَا نِعَامُكُمْ ﴿۳۲﴾ تَقَدَّمَ فِيهَا أَيْضًا فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ ﴿۳۳﴾ الْبَفْحَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ
 يَقْرَأُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ زَوْجَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ إِذَا وَجَوَابُهَا دَلَّ
 عَلَيْهِ لِكُلِّ أَمْرٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ حَالٌ يَشْغَلُهُ عَنْ شَأْنٍ غَيْرِهِ أَىٰ اشْتَغَلَ كُلٌّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ
 وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ مُسْفَرَقٌ ﴿۳۸﴾ مُضِيئَةٌ صَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ فَرَحَةٌ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ
 عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ غَبَارٌ تَرَهَّقَهَا تَغْشَاهَا قَتْرَةٌ ﴿۴۱﴾ طُلُمَةٌ وَسَوَادٌ أُولَٰئِكَ أَهْلُ هَذِهِ الْحَالَةِ هُمُ الْكَافِرَةُ
 الْفَجْرَةُ ﴿۴۲﴾ أَى الْخَامِئُونَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْفُجُورِ

سورہ عبس مکیہ ہے جس میں ۴۲ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... چیں بہ جیں ہو گئے (پیغمبر ﷺ کی پیشانی پر بل آ گئے) اور منہ پھیر لیا (رخ موڑ لیا، اس بناء پر کہ) جب ان کے پاس نابینا حاضر ہوا (عبداللہ بن ام مکتوم، جن کے آنے سے آپ کی اس توجہ میں خلل پڑا جو آپ اشرف قریش سے اسلام قبول کرنے کی توقع میں صرف فرما رہے تھے اور آپ ان کے مسلمان ہو جانے کے لئے کوشاں تھے حالانکہ نابینا کو آپ کی اس مشغولیت کی خبر نہیں تھی اس لئے عرض گزار ہوئے کہ حضور مجھے احکام الہی سکھائیے۔ حضور ﷺ اٹھ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ اس پر نابینا بدگئی کا اظہار فرمایا گیا ہے جو اس سورت میں عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی وہ نابینا حاضر خدمت ہوتے تو آپ یہ فرما کر خیر مقدم فرماتے کہ مرحبا ہوتہماری وجہ سے حق تعالیٰ نے مجھے سرز لش فرمائی اور اپنی چادر ان کے لئے بچھا دیا کرتے) اور آپ کو کیا خبر (پتہ) شاید کہ وہ سنور جاتا (بزر کسی کی اصل میں تساقی جوڑا میں ادغام ہو گئی۔ یعنی آپ کا ارشاد سن کر ممکن تھا کہ وہ برائیوں سے پاک صاف ہو جاتا) یا نصیحت قبول کر لیتا (بذکر اس کی اصل میں تساقی جس کو ذال میں ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وعظ حاصل کر لیتا) سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ مند ہوتا (یعنی آپ کے وعظ سے نفع ہوتا۔ ایک قرأت میں فستفعہ کا نصب جواب ترجمی کے طور پر ہے) جو شخص (مال کی وجہ سے) بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑ رہے ہیں (ایک قرأت میں تصدی میں صاد کی تشدید ہے اس کی اصل میں تائے ثانیہ کا ادغام ہو رہا ہے یعنی آپ اس کی طرف توجہ فرما رہے ہیں) حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے (ایمان لائے) اور جو شخص آپ کی خدمت میں دوڑتا ہوا آتا ہے (جساء کے فاعل سے حال ہے) اور وہ دوڑتا ہے (اللہ تعالیٰ سے۔ یہ حال ہے فاعل یسعی سے

اس سے مراد ناپینا ہیں) سو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (اس کی اصل سے دوسری تاء کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی آپ بے التفاتی کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہ کیجئے (اس قسم کی باتوں سے احتراز کیجئے) (بلاشبہ) (یہ سورت یا آیات) نصیحت کی چیز ہے (مخلوق کے لئے موعظت ہے) (سو جس کا جی چاہے قبول کر لے) (اس کو محفوظ کر کے فائدہ اٹھائے) (وہ ایسے صحیفوں میں ہے) (ان کی یہ خبر ثانی ہے اور اس سے پہلے جملہ مقررہ ہے۔ اللہ کے یہاں) جو مکرم ہیں بلند مرتبہ ہیں (آسمان میں) مقدس ہیں (شیطان کی پہنچ سے پاک) (جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں) (جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں) (کہ وہ مکرم نیک ہیں) (اللہ کے فرمانبردار فرشتے) (آدمی) (کافر) پر خدا کی ماکہ وہ کیسا ناشکرا ہے (استفہام تو بخ کے لئے ہے یعنی کس وجہ سے وہ ناشکرا ہو گیا) (اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا استفہام تقریر کے لئے، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ) (نطفہ سے، اس کی صورت بنائی، پھر اس کو انداز سے بنایا) (اول) (جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی۔ یہاں تک کہ بناوٹ پوری کر دی) (پھر اس کا رستہ) (ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا) (آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا) (قبر میں ڈال کر چھپا دیا) (پھر جب اللہ چاہے گا تو) (قیامت کے لئے) (دوبارہ اس کو زندہ کر دے گا، ہرگز نہیں) (یقیناً) (جو اس کو حکم دیا گیا تھا) (اللہ کی طرف سے) (اس کو بجا نہیں لایا) (پورا نہیں کیا) (سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر) (عبرت) (کرے) (کہ) (کس طرح اس کے لئے بندوبست اور انتظام کیا ہے) (ہم نے عجب طور پر) (بادل سے) (پانی برسایا، پھر عجب طور پر) (سبزی اگا کر) (پھاڑا۔ پھر اس میں غلہ) (گیہوں، جو) (اور انگور اور سبزی) (تازہ ترکاری) (اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ) (جس میں گھنے درخت ہوں) (اور میوے اور چارہ پیدا کیا) (جس کو جانور کھاتے ہیں اور بعض کے نزدیک بھوسا مراد ہے) (فائدہ کے لئے) (مستاعاً) (یعنی متعہ یا بمعنی اسمتبعاً ہے جیسا کہ اس سے پہلی سورت میں بیان ہو چکا ہے) (تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے) (جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے) (پھر جب کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہوگا) (نفع ثانی) (جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، اپنی بیوی، اولاد سے بھاگے گا) (مسموم بدل ہے اذاکا۔ اس کے جواب پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی مصروفیت ہوگی جو اس کو دوسری طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دے گی) (یعنی ہر ایک کو ایسی حالت درپیش ہوگی جو دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دے گی۔ ہر شخص اپنے کھیرے میں پھنسا ہوگا) (بہت سے چہرے اس روز روشن) (چمکتے ہوئے) (خنداں، شاداں ہوں گے) (خوش، بخوش یعنی مومنین) (اور بہت سے چہروں پر اس روز دھول) (گرد) (پڑی ہوگی، ان پر کدورت) (ظلمت اور سیاہی) (چھائی ہوگی یہی لوگ) (جو اس حالت والے ہوں گے) (کافر، فاجر ہیں) (یعنی کفر و گناہ دونوں کے حامل ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب: عبس۔ آنحضرت ﷺ کو خطاب کی بجائے ضائر غائبہ سے مخاطبت میں جو اکرام آمیز ناگواری ہے اس کا لطف ظاہر ہے۔ ایک قراءت عبس کی تشدید کے ساتھ مبالغہ کے لئے ہے۔

ان جاء ہ۔ مفسر نے اس سے پہلے لاجل نکال کر اشارہ کر دیا کہ عبس و تولی دونوں فعلوں کا تنازع ہو رہا ہے اور ان جاء ہ بتقدیر اللام تولی کی علت ہے بقول بصریین۔ البتہ کو فیوں کے نزدیک عبس کی علت ہے اور ایک قراءت میں اُن دو ہمزہ اور درمیان کے الف کے ساتھ ہے اور اعمی لانے میں عبد اللہ کے معذور اور قابل ہمدردی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ مینا ہونے کی وجہ سے آپ نے لائق التفات نہیں سمجھا۔

وما یدریک۔ اس میں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ ناگواری میں قدرے اضافہ کے لئے۔ ما استفہامیہ ہے اور یدریک جملہ خبر ہے۔ کما ف مفعول اول اور جملہ تہجی مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔ اور تہجی کا تعلق اُمی سے کرنا مناسب ہے۔ آنحضرت ﷺ سے متعلق کرنا شایان شان نہیں ہے۔ اور بعض نے کافر کی طرف ضمیر راجع کی ہے۔ یعنی آپ اس کی ہدایت کی فکر

میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا معلوم وہ ہدایت قبول بھی کر لے گا۔ قرأت عام میں تسنفعہ مرفوع ہے بذکو پر عطف کرتے ہوئے۔ لیکن عام لعل کا جواب مانتے ہوئے منصوب پڑھتے ہیں۔

تصدی۔ اکثر قراء کے نزدیک ایک تاء کے ساتھ ہے۔ لیکن نافع، ابن کثیر کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں تصدی ہے۔

وما علیک الایزکی۔ یعنی کافر اگر اسلام نہیں لاتا تو آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ پھر کیوں اس کی فکر میں پڑے ہو۔ یحشی۔ اللہ سے ڈرنا مراد ہے یا کفار کا خوف یا راستہ کی مشکلات سے گھبرانا مراد ہے۔

فانت عنه تلہی۔ الفاظ تصدی و تلہی میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض امراء کی طرف التفات منشاء عتاب نہیں۔ بلکہ دل سے ان کی طرف جھکنا اور غریب سے بے اعتنائی قابل تنبیہ ہے۔ کلا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ہمیشہ محتاط رہے۔

انہا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ۔ دونوں ضمیریں قرآن یا مذکورہ عتاب کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ پہلی ضمیر کا مؤنث ہونا خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

فی صحف۔ ان کی خبر ثانی ہے یا محذوف کی خبر ہے اور صحف سے انبیاء سابقین کے صحیفے مراد ہیں یا فرشتے جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں اور فمن شاء ذکرہ جملہ مقررہ ہے جس پر بقول صاحب تلوح کا داخل کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن علامہ زحشری بھی اس کو صحیح نہیں مانتے ہیں اور جملہ متانفہ کہتے ہیں۔ حالانکہ سورہ نحل کی آیت فاستلوا اہل الذکر کو جملہ مقررہ کہہ رہے ہیں۔

سفرۃ۔ یہ مسافر کی جمع ہے جیسے کتاب کی جمع کتبۃ آتی ہے۔ سفرت بین القوم اسفر سفارۃ بمعنی اصلحت بینہم۔ اسفرۃ المراء ای کشف نقابہا اور مختار میں ہے کہ سفر الکتاب ای کتبہ۔ ضرب سے آتا ہے۔ انبیاء یا ملائکہ یا امت کے افراد مراد ہیں۔

کرام بررة۔ کرامت بمعنی توقیر۔ یعنی اللہ کے نزدیک محترم اور مومنین پر مہربان۔ اور بررة جمع بار کی ہے جیسے کافرو ساحر، فاجح کی جمع کفرہ و محرہ و حجرہ ہیں۔ کہا جاتا ہے برو بار جب کہ اہل صدق ہو۔ بر فلان فی یمینہ بمعنی صدق اور فلان بر خالقه و بتبررہ بمعنی یطیعہ۔

قتل الانسان۔ بظاہر بددعا عاجز کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔ لیکن اللہ قادر مطلق ہے اس کی طرف سے بددعا کے کیا معنی؟ اسی طرح تعجب ناواقف کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تعجب کیسے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک انسانی روش کلام پر اترا ہے۔ تمام باتوں کی رعایت اسی لحاظ سے ہے۔ اس سے ناراضگی کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ من ای شئ۔ اس میں تحقیر کی طرف اشارہ ہے۔

من نطفۃ۔ حضرت علی کا ارشاد ہے۔ ما لا بن ادم اولہ نطفۃ و اخرہ جیفۃ قدرۃ و هو مائل للقدرۃ۔ خلقہ فقد رہ۔ یعنی اللہ کا انعام ہے کہ انسان کو وجود عطا کیا اور مرحلہ اور وجود کی منزلیں طے کرائیں۔ اعضاء صحیح سلامت، شکل و صورت مناسب عطا فرمائی۔

ثم السبیل یسرہ۔ انسان کی پیدائش حیرت ناک طور پر عجیب و غریب ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی دونوں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ بچہ دانی کا منہ نہ کھلے، بچہ قدرتی طور پر اللہ کے ہوجائے تو کوئی بھی لقمہ اجل بن سکتا ہے۔ یا سبیل کی خیر و شر کی طرف

قدرت انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ اور السبیل ما اضممر عاملہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ مبالغہ فی التیسیر کے لئے اور اضافت کی بجائے الف لام سے معرفہ لانے میں سبیل کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سبیل خیر و شر مراد لیتے ہیں۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا محض ایک رہ گزر ہے منزل مقصود نہیں۔ اسی لئے آگے فرمایا۔

ثم اما قد الخ۔ موت اور قبر کو نعمت شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کا پیش خیمہ ہے اور قبر درندوں وغیرہ سے خش کے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے۔

ثم اذا شاء انشره۔ معلوم ہوا کہ بعث کا وقت متعین نہیں ہے محض تابع مشیت ہے۔

کلا۔ بمعنی حقاً کہہ کر مفسر نے اشارہ کر دیا کہ اس کا تعلق بعد کی عبارت سے ہے۔ اسی لئے اس پر وقف کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ صرف زجر ہے۔ یعنی انسان نے کبر و نخوت کی وجہ سے اب تک اللہ کی اطاعت حسب الامر نہیں کی۔ بلکہ کچھ نہ کچھ کوتاہی ہوتی ہی ہے۔ نطفہ سے لے کر قبر تک، مہمد سے لے کر لحد تک اور آدم سے تا ایں دم ہر شخص کو تاہی کا مرتکب رہتا ہے اور لم یفعل کہہ کر مفسر نے اشارہ کر دیا کہ لحد میں مانا فیه ہے اور لم کی طرح نفی غیر منقطع کے لئے ہے اور بہ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ماسوہ صولہ ہے اور عائد محذوف ہے انسان کا فری طرف ضمیر راجع ہے جس کا ذکر پہلے گزرا۔

فلینظر الانسان۔ انسان کی ذات سے متعلق انعامات کے بعد یہاں سے خارجی انعامات کا ذکر ہے۔ چنانچہ وجود کے بعد ناء وجود کے ہر وسامان کئے۔ کھانا فراہم کیا جو بقاء کا سبب ہے۔

پھر آگے انما صبنا الماء سے کھانے کے اسباب کی بحث شروع کر دی اور کوئیوں نے انا فقہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حام سے بدل استعمال کرتے ہوئے بہر حال مون سون اٹھتا ہے، بارش برستی ہے۔ جو نطفہ کی طرح بظاہر قوت فاعلی اور مؤثر ہے۔

ثم شققنا الارض۔ اور زمین قوت منفعلہ ہے رحم کی مانند۔ جس کے انفعال کا یہ حال ہے کہ ایک معمولی سی کمزور کو نیل سے بٹ جاتی ہے اور شق کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے۔

وقضبا۔ مصدر ہے۔ یکے بعد دیگرے پھلوں کا اترنا۔ جس کو طیبہ بھی کہتے ہیں۔ اور حسن فرماتے ہیں کہ چوپایوں کی گھاس لو کہتے ہیں۔

غلبا۔ غلباء کی جمع ہے۔ جس عورت کی گردن موٹی اور مضبوط ہو۔ قاموس میں ہے کہ غلب، فرج کی طرح ہے۔ موٹی گردن، غلباء، گھنا باغ۔

ابا۔ اب سے ماخوذ ہے بمعنی قصد، چارہ بھی مقصود ہوتا ہے۔

متاعا۔ مفسر نے اشارہ کر دیا کہ مفعول لہ اور مفعول مطلق دونوں ہو سکتا ہے اور عامل محذوف ہے۔ ای فعل ذلک متاعا متعکماً تمتیعاً۔

الصاخۃ۔ معاش کے بعد یہاں سے معاد کا ذکر ہے۔ صاخۃ ایسے شور کو کہتے ہیں جس سے کان چھٹنے لگیں۔ مجازاً فقرہ مراد ہے۔ یفر المرء۔ ہر شخص نفساً نفسی میں مبتلا ہوگا اور دوسروں کے حقوق طلبی کے ڈر سے گریزاں ہوگا۔ یوم بدل الکمل یا بدل بعض ہے اذا سے اور عائد محذوف ہے۔ ای یفر فیہ لیکن لفظ یغنیہ اذا اور یوم میں عامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صفت ہے اور صفت کا معمول اس کے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور ترتیب میں زیادہ محبوب چیزوں کو مبالغہ کے لئے مؤخر کیا گیا ہے۔ گویا ترقی من الا دنیٰ ی الا علی ہو رہی ہے۔ اور ایک قرأت میں یعینہ ہے۔ جس کے معنی فکر مند کرنے کے ہیں۔

مسفرة. اسفار الصبح سے ماخوذ ہے اور وجوہ اگرچہ نگرہ ہے۔ لیکن تقسیم کے موقعہ میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے۔ مسفرة خبر ہے اور یہو منہ متعلق ہے۔ ان آیات میں سعادہ اور اشقیاء کی تقسیم ہے۔ جس طرح یہ لوگ کفر و فجور کا مجموعہ ہیں۔ اسی طرح جزاء بھی غبرۃ اور قفۃ کا مجموعہ ہوگی اور کفار سے بڑھ کر مؤمنین کے لئے تین اوصاف فرمائے۔

مسفرة. ضاحکہ. مستبشرة.

رابط آیات:..... اس سورت کے سیاق و سباق میں جس طرح قیامت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کے آخر میں بھی یہی مضمون ہے اور چونکہ اس میں کافر کی شدید سزا کا ذکر ہے۔ اس لئے سورت کے درمیان میں شکر کے مقتضیات اور موانع کا ذکر کر کے کفر کی شدت بیان فرمادی اور ایسے شدید الکفر لوگوں کی ہدایت کے سلسلہ میں حضور پر نور ﷺ کا اہتمام اور کاوش فرمانے میں چونکہ کوفت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک بار اسی بناء پر ایک نابینا صحابی کا ایسے موقعہ پر آ کر درمیان میں بولنا موجب کلفت ہوا۔ اس لئے شروع سورت میں ایک محبوبانہ انداز سے جس کو لوگ عتاب کہتے ہیں۔ اس درجہ کفار کا اہتمام فرمانے سے منع فرمادیا اور طالبان حق کے حال پر توجہ مبذول فرمانے کا حکم دے دیا۔ اس طرح اول سورت، درمیان سورت کی اور درمیان سورت آخر سورت کی تمہید ہے اور سورت کا آخر مقصود اصلی ہے۔

شان نزول:..... مفسرین و محدثین بالاتفاق اس سورت کا شان نزول بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ رؤسا اور قریش کے ممتاز سردار حاضر تھے۔ بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ یعنی ابو جہل بن ہشام، عقبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ اور حضور ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ فرما رہے تھے۔ کہ اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم ایک نابینا صحابی حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام یا آیات قرآنی کے سلسلہ میں کچھ پوچھنا چاہا۔ حضور ﷺ کو ان کی یہ مدخلت بے جا اور ناگوار معلوم ہوئی۔ اس لئے آپ نے الہی سے بے رخی برتی۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس تاریخی واقعہ سے اس سورت کا زمانہ نزول بآسانی معین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مقبول حافظ ابن حجر اسلم بمکہ قدیمہ اور بقول حافظ ابن کثیرؒ ہو من اسلم قدیمہ۔ یہ ثابت ہے کہ ابن ام مکتوم بالکل ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ اسی طرح جن روایات میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشدنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ علمنی مما علمک اللہ یعنی وہ قرآن کی ایک آیت کا مطلب دریافت کرنا چاہتے تھے ان بیانات سے ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے ادھر آیت ”لعلہ یزکی“ کا مطلب ابن زیدؒ ”لعلہ یسلم“ بیان کرتے ہیں اور ارشاد الہی وما یدریک لعلہ یزکی اویذ کر فتفعہ الذکری اور اما من جاء لث یسعی و هو یخشی بھی اسی طرف مشیر ہے کہ ان میں طلب حق کا صادق جذبہ موجزن تھا۔ پھر جن نمایاں کفار کے نام ابھی گزرے ہیں ان کے شریک مجلس ہونے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ ان کفار کی آمد و رفت آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتی رہتی تھی اور کشاکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ بلکہ کچھ نہ کچھ میل جول تھا۔ یہ سب اس بات کے قرائن ہیں کہ یہ سورت بالکل ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے اور اس سورت کا نام سورہ نازعات اور سورہ عم (نبا) کی طرح پہلے لفظ کے اعتبار سے ہے۔

﴿تشریح﴾:..... حافظ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ حضرت خدیجہؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی ماں ام مکتوم اور حضرت خدیجہؓ کے والد چونکہ دونوں بہن بھائی تھے۔ پس اس رشتہ کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضور ﷺ نے ان کو معمولی اور غریب آدمی سمجھ کر بے رخی برتی ہوگی۔ کیونکہ یہ خاندانی آدمی اور آنحضرتؐ کے نسبتی برادر تھے۔ کوئی گرے پڑے آدمی نہ تھے۔ البتہ کچھ روکار ایسا بن گیا تھا کہ ایک عام آدمی ظاہراً دھوکہ میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ کہ ایک طرف ہر برادر و دروہ لوگوں کی جماعت ہے اور دوسری طرف خستہ حال نایاب شخص گرتا پڑتا آتا ہے۔ آپ اس کی طرف جو التفات نہیں فرماتے۔ اس سے ایک غریب کے مقابلہ میں طاقت و روں کی ترجیح کا تصور ابھرتا دکھائی دیتا ہے جو آئندہ کے لئے بری مثال بن سکتی تھی۔ پھر ابن ام مکتومؓ کے ناپینا ہونے کی وجہ سے دوسروں کے لئے شاید اتنے کارگر ثابت نہ ہوتے۔ جتنا کہ ان سرداروں میں سے کسی کے ہدایت پانے کی صورت میں متوقع ہو سکتی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ کو ابن ام مکتومؓ کی مداخلت بے جا معلوم ہوئی۔

ایک واضح مثال:..... اس کو ایسے سمجھا جائے جیسے طبیب کے سامنے دو مریض ہوں۔ ایک تپ دق کا اور دوسرا نزلہ زکام کا۔ پس طبیب پہلے دق کے مریض کی طرف توجہ کرے گا۔ ایسے میں نزلہ کا مریض اگر اپنی بات شروع کر دے تو طبیب کو ناگوار ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح حضور ﷺ نے کفر کو خطرناک سمجھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے اس کو لائق اہتمام سمجھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس رائے کو اجتہادی لغزش قرار دیتے ہوئے جو ارشاد فرمایا۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ مرض کی شدت اس وقت بعثت تقدیم و ترجیح ہوا کرتی ہے۔ جب کہ مریض علاج کا خواہش مند ہو یا کم از کم مخالف نہ ہو۔ ورنہ خواہش مند مریض کا علاج مقدم ہوگا خواہ مرض خفیف ہو۔ کیونکہ پہلی صورت میں خود علاج اور اس کا فائدہ موہوم ہے اور دوسری صورت میں فائدہ یقینی ہے اور ظاہر ہے کہ ترجیح یقینی کو ہونی چاہئے نہ کہ موہوم کو۔

دو اجتہاد:..... پس ایک اجتہاد کی طرف حضور ﷺ کا ذہن مبارک گیا۔ مگر اس سے زیادہ بہتر رائے کی طرف حق تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ گویا لغزش تو ہوئی، مگر فوراً سنبھال لیا گیا۔ پھر عیسٰی کا انداز بیان ایک عجیب لطف رکھتا ہے۔ گویا دکھلانا یہ ہے کہ ترش روئی اور بے رخی حضور ﷺ سے نہیں بلکہ کسی اور شخص سے سرزد ہوئی ہے۔ اس طرز بیان سے حضور ﷺ کو کو نہایت لطیف طریقہ سے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ کے کرنے کا نہیں تھا۔ آپ کے اخلاق عالیہ کو جاننے والا یہی خیال کرے گا۔ کہ یہ آپ کا نہیں بلکہ کسی اور کا کام ہے یعنی کہنے والا مخاطب کے مرتبہ کی رعایت کرتے ہوئے رو در رو اس بات کے کہنے میں حیا محسوس کرتا ہے۔

محققانہ کلام:..... حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ یہ کلام گویا اور دوں کے سامنے گلہ ہے۔ رسول کا اسی لئے غائب کا صیغہ لیا گیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس میں آپ کی انتہائی تکریم اور مشکلم کی حیا کا اظہار ہے کہ عتاب کے وقت بھی رو در رو آپ کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ اسے کہتے ہیں غصہ میں لگاؤ کی ادا۔

آگے و ما یدر یلک میں بطریق التفات خطاب فرمایا گیا۔ تاکہ حضور ﷺ سے حق تعالیٰ کی بے رخی اور بے التفانی کا شبہ نہ ہو۔ پھر اگلا مضمون بھی پچھلے مضمون سے ہلکا ہے۔ اس لئے خطاب کرنے میں بلاغت آگئی۔

لعلہ یز کسی او یدکر الخ کا حاصل یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کی پوری اصلاح ہو جاتی یا کچھ اصلاح ہوتی۔ بہر حال نفع ہی ہوتا۔ اور ہر چند کہ ذکر کرنا، تذکرہ پہلے ہے۔ مگر تذکرہ یعنی نصیحت قبول کرنا۔ ذکر کی نفع سے بعد میں ہے۔ اس لئے کلمہ لایا گیا اور لعلہ مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی ان صحابی سے نفع کے محض گمان پر بھی بے توجہی نہیں ہونی چاہئے تھی۔ چہ جائیکہ نفع یقینی ہو اور اعلیٰ سے

تعبیر کرنے میں التفات اور توجہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی حالت قابل رحم و کرم ہے۔

تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنو رہا جاتا۔ یا تمہاری تکوینی بات اس کے کان میں پڑتی۔ وہ اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا۔ آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آجاتی۔

وما علیک الا یزکی۔ جو لوگ اپنے غرور و شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے۔ ان کا تکبر انہیں اللہ و رسول کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔ آپ ان کے اسلام لانے کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ ذمہ داری نہیں کہ آپ ان لا پرواہ متکبروں کی فکر میں اس درجہ منہمک ہوں۔

وہی یحسبی۔ یعنی نایب اللہ سے ڈرتا ہے۔ یا اسے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی ملاقات میسر نہ ہو، پھر اندھا ہے۔ کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی سے ٹکرا جائے، یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جا رہا ہے۔ دشمن ستانے لگیں۔

دعوت و تبلیغ کا ایک اہم نکتہ:..... فانست عنه تلہی۔ ان آیات میں آپ کی اجتہادی لغزش اور چوک پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ اگرچہ کفر کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اس کے علاج کو مقدم سمجھ رہے ہیں اور ایک مسلمان کی اصلاح کو غیر اہم اور مؤخر، لیکن یہاں طالب اور غیر طالب کے معاملہ پر اگر آپ نظر فرماتے تو معاملہ برعکس محسوس ہوتا۔ یہی وہ اصل نکتہ ہے جو تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں نگاہ مبارک سے اوجھل ہو گیا۔ اس پر گرفت فرماتے ہوئے ارشاد ہے کہ داعی حق کی نظر میں حقیقی اہمیت کس کی ہونی چاہئے۔ اور کس کی نہیں ہونی چاہئے نظر اس پر ہونی چاہئے کہ کس میں طلب حق کی سچی پیاس اور جستجو ہے اور کس میں حق کے برخلاف جذبات موجود ہیں اس پر نظر نہیں ہونی چاہئے کہ کون مفید ہو سکتا ہے اور کون نہیں! بلکہ اصل صحیح نظر یہ ہونا چاہئے کہ کون سنو رہا ہے اور کون بگڑتا ہے؟ پہلا آدمی کتنا ہی اچانچ اور بظاہر نکما ہو مگر وہی قیمتی ہے اس پر دھیان دینا چاہئے اور توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ دعوت و تبلیغ کا اصل منشاء ہی اصلاح ہے اور اس شخص کا ظاہری حال اصلاح پذیر ہے۔ چنانچہ یہی نایب بزرگ زرہ اپنے جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ برخلاف دوسرے شخص کے وہ معاشرہ میں کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو مگر جب وہ سنورا ہوا نہ ہو بگڑا ہوا ہو تو اس کی ظاہر آروش بتلا رہی ہے کہ جب وہ خود سدھرنا نہیں چاہتا تو اس کی اصلاح کی فکر میں سراسر وقت کو ضائع کرنا ہوگا۔ اگر وہ سنورا نہیں چاہتا نہ سنورے کہ اس کا اپنا نقصان ہے۔ داعی حق پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ وہ جب اس محتاج گراں مایہ کا قدردان ہی نہیں تو اس کو سنبھال کر کیا رکھے گا؟ قدر گو ہر شاہ بداند یا بداند جو ہری۔

دوسرا اہم پہلو:..... یہاں معاملہ کا ایک دوسرا رخ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب امیروں کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں اور شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو نقصان دعوت اسلام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جن کی ان چند متکبروں کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔

کلا انہا تذکرۃ۔ خدا کو بھولے ہوئے اور اپنی دنیوی وجاہت پر پھولے ہوئے لوگوں کو بے جا اہمیت نہ دیجئے۔ اسلام کی دولت ایسی سستی نہیں کہ جو اس سے منہ موڑے اس کے آگے خوشامد کر کے پیش کی جائے۔ اور نہ تمہاری یہ شان ہے کہ ان مغرور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی ایسے انداز سے کوشش کرو جس سے یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ تمہاری کوئی غرض ان سے انگی ہوئی ہے۔ یہ مان لیں گے تو تمہاری دعوت فروغ پا سکے گی ورنہ ناکام ہو جائے گی۔ حق ان سے اتنا ہی بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز ہیں۔

فمن شاء ذكره . یعنی یہ سچی خورے اگر قرآن نہ پڑھیں اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی نقصان کریں گے، قرآن کو کسی کی کیا پرواہ۔ آپ کو اس درجہ ان کے گرویدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک عام نصیحت تھی وہ کر دی گئی۔ جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے اور عمل کرے۔

بغیر طہارت قرآن چھونا جائز نہیں:..... فی صحف مکرمة . کیا ان سر پھرے مغفروں کی وجہ سے قرآن کی عزت وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیات آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوتی ہے اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و احترام اور پاکیزگی کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک خالص حق کی تعلیم پیش کی گئی ہے۔

جن آلودگیوں سے دنیا کی دوسری مذہبی کتابیں لوگوں کی نادانی کی وجہ سے آلودہ کر دی گئی ہیں۔ ان کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی قرآن کریم میں داخل نہیں ہو سکا۔ انسانی تخیلات ہوں یا شیطانی توہمات ان سب سے یہ پاک صاف ہے صحف مطہرة کا مضمون لا یمسہ الا المطہرون کے مطابق ہے۔ آسمانوں میں فرشتے جو قرآن لکھتے ہیں۔ وحی اس کے موافق ہی نازل ہوتی ہے اور دنیا میں بھی قرآن کو اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے بزرگ ترین پاکیزہ، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی تحریف و تبدیلی اور کی بیشی سے اسی کو محفوظ رکھا۔ یہاں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک کرام یعنی معزز اور دوسرے میں بورہ یعنی نیک پہلے لفظ سے تاثر دینا کہ وہ اس قدر معزز ہیں کہ جو امانت ان کے سپرد کی گئی ہے، ذرہ بھر خیانت ان سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے لفظ سے یہ بتانا ہے..... کہ ان صحیفوں کو لکھنے اور ان کی حفاظت کرنے اور ان کو رسول تک پہنچانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا حق پوری دیانتداری سے سرانجام دیتے ہیں۔

قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں:..... اصل سررشتہ کلام سے اگر جوڑا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں محض قرآن مجید کی عظمت، و تعریف مد نظر نہیں ہے۔ بلکہ جو متکبر حقارت کے ساتھ اس دعوت سے منہ موڑ رہے تھے انہیں صاف صاف جھلا دینا ہے کہ یہ عظیم المرتبہ کتاب اس سے بدرجہ ہا بلند اور برتر ہے کہ تمہاری خدمت میں اسے پیش کر کے توقع رکھی جائے کہ تم اسے شرف قبولیت عطا کروں گے۔ یہ تمہاری نہیں بلکہ تم اس کے سر تا سر محتاج ہو۔ خم کر دو۔ ورنہ جس قدر تم اس سے بے نیاز بننے ہو اس سے بہت زیادہ تم سے بے نیاز ہے۔ تمہاری تحقیر سے اس کی عظمت میں ذرہ برابر فرق نہیں آئے گا۔ البتہ تمہاری بڑائی کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا کر رکھ دیا جائے گا۔

قتل الانسان - شروع سورت سے اب تک آنحضرت ﷺ کی طرف روئے سخن تھا۔ اب یہاں سے ان کافروں کی طرف عتاب کا رخ پھر گیا ہے۔ جو حق سے بے نیازی برت رہے ہیں اگرچہ اس سے پہلے کلام میں بھی در پردہ انہیں پر عتاب تھا۔ بلکہ آپ بھی انہی کی وجہ سے گرفت میں آ گئے۔ کیونکہ پچھلے کلام کا انداز بیان یہ تھا کہ اے پیغمبر! ایک طالب حق کو چھوڑ کر آپ یہ کن لوگوں پر اپنی توجہ صرف کر رہے ہیں جو دعوت حق کے نقطہ نظر سے بالکل بے قدر و قیمت ہیں۔ ان کی یہ حیثیت نہیں کہ آپ جیسا عظیم المرتبہ پیغمبر، قرآن جیسی بلند مرتبہ چیز کو ان کے آگے پیش کرے۔

قرآن کا ادیبانہ طرز کلام:..... قرآن مجید میں ایسے مقامات پر انسان سے مراد نوع انسان کا ہر فرد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ناپسندیدہ صفات کی مذمت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ انسان کا لفظ کہیں تو اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کے اکثر افراد

میں وہ مذموم صفات پائی جاتی ہیں اور کہیں اس کے استعمال کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مخصوص لوگوں کو تعین کے ساتھ اگر ملامت کی جائے تو ان میں خد پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے نصیحت کا یہ طریقہ زیادہ مؤثر سمجھا گیا ہے کہ عمومی انداز میں بات کہی جائے گی۔

ما اکفرہ۔ یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ انسان کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟ ایک ناچیز، بے قدر، بلکہ گندی بوند سے جس میں حس و شعور، حسن عقل و ادراک کچھ نہ تھا، سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ پس جس کی حقیقت اتنی ہو، کیا اسے طمطراق زیبا ہے؟ کہ پیدا کرنے والا حقیقی منعم۔ ایسی عظیم الشان نعمت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ احسان فراموش انسان کچھ تو شرمایا ہوتا۔ کفر سے مراد حق کا انکار ہے اور اپنے محسن کی ناشکری بھی اپنے خالق و مالک و رازق کے مقابلہ میں بہیمانہ روش بھی، حاصل یہ کہ آخر کس بل بوتے پر کفر کرتا ہے؟

مغرور انسان اپنی حقیقت پر نظر رکھے:..... من نطفۃ خلقہ فقدرہ۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء ایک خاص ڈھنگ اور انداز سے رکھے۔ کوئی چیز یونہی بے ڈھنگی، بے تکی اور خلاف حکمت نہیں رکھ دی ماں کے پیٹ ہی میں اس کی تقدیر بھی طے کر دی۔ اس کی جنس کیا ہوگی، اس کا رنگ قدر و قامت کیا ہوگا۔ جسامت کیسی اور طاقت کس قدر ہوگی۔ اس کے اعضاء کس حد تک صحیح سالم اور کس حد تک ناقص ہوں گے۔ اس کی آواز کیسی ہوگی۔ اس کے ذہن اور دماغ کی صلاحیتیں کیا ہوں گی۔ کس سر زمین، کس خاندان اور کس ماحول میں پیدا ہوگا اور کس طرح پرورش و تربیت پائے گا۔ کیا بن کر اٹھے گا۔ اس کی شخصیت کی تعمیر میں موروثی اثرات، ماحول کے اثرات اور اس کی اپنی خواص کا کیا اور کتنا اثر ہوگا۔ دنیا کی زندگی میں کیا کردار ادا کرے گا اور کتنا وقت اسے زمین پر نام کرنے کے لئے دیا جائے گا۔ اور اس تقدیر سے بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتا۔ نہ اس میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ پھر کیسی عجیب جرات ہے کہ جس خالق کی بنائی ہوئی تقدیر کے آگے یہ بے بس اتنا ہے اس کے مقابلہ میں کفر کرتا ہے۔

ثم السبیل یسرہ۔ یعنی اچھے برے کی تمیز، نیک و بد کی سمجھ بوجھ، ایمان و کفر کی پہچان انسان کو دے دی جاتی ہے اور وہ تمام اسباب و وسائل فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ جن سے وہ کام لے گا۔ اگر زمین پر اس کے لئے یہ سروسامان مہیا نہ کر دیا جاتا اور یہ امکانات پیدا نہ کر دیئے جاتے تو اس کے جسم کی اور ذہن کی ساری قوتیں بے کار بات ہوتیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو یہ موقع بھی دے دیا کہ ایمان و کفر، طاقت و معصیت میں سے جو راہ بھی اختیار کرنا چاہے کر سکے۔ اس نے دونوں راستے اس کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔ اور ثم السبیل یسرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے انسان کی پیدائش آسان کر دی۔

انسان کی بے بسی:..... ثم اما تد فاقبرہ۔ یعنی انسان اپنی پیدائش اور تقدیر کے معاملہ ہی میں نہیں۔ بلکہ اپنی موت کے معاملہ میں بھی پیدا کرنے والے کے آگے بے بس اور اس کے اٹل قانون کا پابند ہے نہ اپنے اختیار سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ اپنے اختیار سے مر سکتا ہے اور نہ اپنی موت کو ایک لمحہ کے لئے ٹال سکتا ہے۔ جس وقت جہاں جس حال میں بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ اسی وقت، اسی جگہ اور اسی حال پر یہ مر کر رہتا ہے۔ اسی لئے جس نوعیت کی قبر بھی اس کے لئے طے کر دی جاتی ہے۔ اسی نوعیت کی قبر اسے نصیب ہوتی ہے۔ زمین کا گڑھا ہو یا سمندر کی گہرائیاں، آگ کاالا ہو یا کسی درندہ کا پیٹ۔ غرض انسان خود تو درکنار، ساری دنیا بھی مل کر اگر چاہے تو کسی شخص کے معاملہ میں خالق کے اس فیصلہ کو بدل نہیں سکتی۔

ثم اذا شاء انشرہ۔ یعنی جس خدا نے انسان کو جلا یا اور مارا۔ اور اسی کو اختیار ہے کہ جب وہ چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے۔ غرض انسان کی مجال نہیں کہ جب اس کا خالق دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا چاہے تو یہ اٹھنے سے انکار کر سکے۔ آخر جب اسے پہلے

پیدا کیا گیا تھا تو اسے پوچھ کر پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اس سے رائے نہیں لی گئی تھی۔ کہ تو پیدا ہونا چاہتا ہے یا نہیں؟ یہ انکار بھی کرتا تو پیدا ہو کر رہتا۔ اسی طرح اب دوبارہ پیداؤں بھی اس کی مرضی پر موقوف نہیں ہے کہ یہ مر کر اٹھنا چاہے تو اٹھے اور اٹھنے سے انکار کر دے تو یہ نہ اٹھے۔ خالق کی مرضی کے اس معاملہ میں بھی یہ قطعی ہے۔ جب وہ بھی چاہے گا اسے اٹھا کر کھڑا کر دے گا اور اس کو اٹھنا ہوگا۔ خواہ یہ راضی ہو یا نہ ہو۔ بہر حال جس کے قبضہ میں پیدا کر کے دنیا میں لانا، پھر مار کر برزخ میں لے جانا، پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا ہو۔ کیا اس کی نعمت سے اعراض و انکار اور اس کی نعمتوں کا استحقاق کسی آدمی کے لئے زیبا ہے؟

ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرنگوں ہے۔ مگر انسان سرکش ہے: کلا لهما یقض ما امرہ۔ یعنی انسان نے اپنے مالک کا حق ہرگز نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا۔ حکم سے مراد وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے فطری ہدایت کی صورت میں ہر شخص میں ودیعت فرمایا ہے اور وہ حکم بھی ہے جس کی طرف انسان کا اپنا وجود اور زمین سے لے کر آسمان تک کائنات کا ذرہ اشارہ کر رہا ہے۔ اور وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ بھیجا اور ہر دور کے صالحین کے ذریعہ پھیلایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے کلا لهما یقض ما امرہ کو ”ثم اذا شاء انشرہ“ سے متعلق مانتا ہے۔ یعنی اللہ جب چاہے گا۔ زندہ کر کے اٹھا دے گا۔ مگر ابھی ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو تکوینی اور تقدیری حکم ہے وہ پورا نہیں ہوا۔ الغرض جو حقائق اور پرکی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ان کی بناء پر فرض تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق کی فرمانبرداری کرتا۔ مگر اس نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور بندہ ہونے کا جو تقاضا تھا وہ پورا نہیں کیا۔

انسان کی بقا کے لئے سامان زندگی: فلینظر الانسان۔ پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اس کی زندگی اور بقا کے سامان یا دوائے جار ہے ہیں۔ خوراک جس کو وہ ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ اس پر ذرا غور تو کرے کہ آخر یہ پیدا کیسے ہوتی ہے۔ اگر خدا نے اس کے اسباب فراہم نہ کئے ہوتے تو کیا انسان کے بس میں یہ تھا کہ زمین پر غذا وہ خود پیدا کر لیتا۔ اننا صیننا الماء بارش کے تکوینی نظام الہی پر نظر ڈالی جائے تو متعل انسان حیران رہ جاتی ہے۔ سورج کی گرمی سے بے حد و حساب مقدار میں سمندروں سے پانی بھاپ بنا کر اٹھایا جاتا ہے۔ پھر اس سے کثیف بادل بنتے ہیں، پھر ہوائیں ان کو لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلاتی ہیں۔ پھر عالم بالا کی ٹھنڈک سے وہ مون سون از سر نو پانی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور ہر علاقہ میں ایک خاص حساب سے برس جاتا ہے۔ پھر وہ پانی زمین پر تو براہ راست برستا ہی ہے۔ زیر زمین کنوؤں اور چشموں کی شکل بھی اختیار کرتا ہے۔ دریاؤں، ندی نالوں کی شکل میں بہتا ہے اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جم کر پگھلتا ہے اور برسات کے موسم کے علاوہ دوسرے موسموں میں بھی دریاؤں میں رواں دواں ہوتا ہے۔ کیا یہ سارے انتظامات انسان نے خود کئے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا خالق اس کی رزق رسانی کے لئے یہ انتظامات نہ کرتا۔ تو کیا انسان زمین پر جی سکتا تھا؟

قدرت کی کرشمہ سازی: ثم شققنا الارض۔ گھاس کے تنکے کی کیا مجال تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا۔ یہ قدرت کے ہاتھ ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، میوے، پھل، پھلوریاں برآمد ہوتی رہتی ہیں۔ جو بیج یا گھٹلیاں یا نبات کی سبزیاں انسان زمین میں بوتا ہے یا ہواؤں اور پرندوں کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے زمین کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ قدرت کے پوشیدہ ہاتھ ان کی کونپلوں کو باہر نکال دیتے ہیں۔ انسان اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ زمین کو کھود دیتا ہے، زمین میں اہل

چلا دیتا ہے اور خدا کے پیدا کردہ بیج زمین میں بکھیر دیتا ہے۔ اس کے سوا سب کچھ کام خدا کا ہے۔ بے شمار قسم کی نباتات کے بیج پیدا کرنا خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی لئے ان تخموں میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ وہ زمین میں پہنچ کر پھوٹیں اور ہر تخم سے اسی کی جنس کی نباتات اُگے۔ اور اسی نے زمین میں یہ خاصیت پیدا کی کہ پانی سے مل کر وہ ان بیجوں کو کھول دے اور ہر جنس کی نباتات کے لئے اس کے مناسب حال غذا پہنچائے اور ان کو نشوونما دے۔ یہ تخم ان خاصیتوں کے ساتھ اور زمین کی یہ بالائی تمہیں ان صلاحیتوں کے ساتھ خدا نے تمہارے نفع کے واسطے پیدا فرمائی ہیں۔

متاعا لکم ولا نعما لکم۔ بعض چیزیں تمہارے اور بعض چیزیں تمہارے جانوروں کے کام آتی ہیں۔ یعنی خوراک کالیہ سامان خدا نے تمہارے ہی لئے نہیں۔ بلکہ جن جانوروں سے تمہیں گوشت، چربی، دودھ، دہی، مکھن، گھی وغیرہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے لئے بھی ان سے چارہ کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ ان جانوروں سے انسانی معیشت کی ہزاروں اور خدمتیں بھی وابستہ ہیں۔ گویا ان کی خوراک بھی بالواسطہ انسان ہی کی خوراک ہے۔ پس کیا یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ تم اس تمام تر سر و سامان سے نفع اندوز ہوتے رہو اور جس خدا کے رزق پر پل رہے ہو اسی سے کفر کرو؟

فاذا جاء الصاخة۔ نفع صورت کا قیامت خیز کڑکا مراد ہے جس سے کان پھٹ جائیں۔ اس کے بلند ہوتے ہی تمام مردے جی اٹھیں گے۔ صاخہ۔ بظاہر یہ نفعہ اولیٰ کی صفت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس سے عالم کی فنا کا تعلق ہے لیکن یہ واقعات نفعہ ثانیہ کے ہیں تو پھر کافروں کے لحاظ سے نفعہ ثانیہ کی صفت بھی صحیح ہے۔

قیامت کی ہوش ربا حالت کو دیکھ کر قریب ترین عزیز بھی آنکھیں چرا لیں گے۔ یوم یفر المرء۔ اس روز ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی۔ وہ عزیز واقارب جو دنیا میں حب سے زیادہ پیارے تھے ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے۔ بلکہ مصیبت میں مبتلا دیکھ کر ان کی مدد کو دوڑنے کی بجائے انسان النان سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گناہوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالنے لگے۔ یا اس کی نیکیوں میں سے فرمائش نہ کرنے لگے، یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے۔ بھائی کو بھائی سے، اولاد کو ماں باپ سے شوہر کو بیوی سے اور ماں باپ کو اولاد سے خطرہ ہوگا۔ کہ اب ہمارے خلاف مقدمات کے یہ گواہ بننے والے ہیں۔ ان خیالات سے ایک دوسرے سے آنکھ چرائیں گے۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ عجیب نفسا نفسی کا وقت ہوگا۔

لکل امر منہم یومئذ شان۔ انسانی، ترندی وغیرہ میں روایات ہیں کہ حضور اکرمؐ فداہی و ابی نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب ننگ دھڑنگ اٹھیں گے۔ حضرت عائشہؓ یا حضرت سودہؓ یا کسی اور صحابیہ نے گھبرا کر پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس روز ہمارے ستر سب کے سامنے کھلے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمایا کہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ گویا مارے دہشت کے اپنے آپ کی خبر بھی نہ ہوگی۔

وجوہ یومئذ مسفرة۔ قیامت کے دن مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور انتہائی مسرت سے فرحان و شادان ہوں گے اور کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی۔ اس پر فتنہ و فحور کی تاریکی اس ظلمت کو اور تیرہ و تاریک کر دے گی۔ اولئک هم الکفرة الفجرة۔ جو ٹھیک کافر ہیں۔ ان کو کتنا ہی سمجھاؤ، ذرا نہیں سمجھتے، نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ مخلوق خدا سے شرماتے ہیں۔

خلاصہ کلام: سورۃ عبس کے ابتدائی مضمون کے سرسری انداز بیان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک نایاب صحابی سے بے رخی اور بے التفاتی برتنے پر اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے خطاب میں بے رخی برتی گئی ہے۔ مگر مجموعی سورت کے مضمون پر گہری نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل روئے عتاب کفار سرداران قریش کی طرف ہے۔ جو اپنے مغرورانہ گھمنڈ اور اپنی متکبرانہ ہٹ دھرمی کی بناء پر صداقت اور آنحضرت ﷺ کی دعوت حق سے بے نیازی برت رہے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا نایاب صحابی سے بے التفاتی فرمانا کچھ ان کی عزت یا تحقیر کی بناء پر نہیں تھا۔ اور نہ قریش کے سرداروں کی طرف جھکاؤ ان کے مالدار ہونے کی بناء پر تھا۔ اگرچہ بادی النظر میں ایک رخ دیکھنے والے کی نظر میں یہ ہی نکل سکتا ہے۔ مگر دراصل معاملہ کی نوعیت اس طرح ہے کہ جب کوئی داعی اپنی دعوت لے کر اٹھتا ہے تو فطری طور پر اس کا رجحان باثر اور مقتدر لوگوں کی طرف ہوتا ہے۔ تاکہ دعوت کے حلقہ اثر میں زور پیدا ہو جائے اور دعوت عام ہو جائے۔ کیونکہ کمزور بلکہ معذور یا عام لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ابتداء رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی طرز عمل ہوگا۔ جس کا منشاء اس اخلاص اور دعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا۔ بڑے لوگوں کی توقیر اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر ہرگز پیش نظر نہ تھی۔ اللہ نے آپ کے سامنے صحیح دعوت کا یہ طریقہ رکھا کہ اس راہ میں ہر وہ شخص قیمتی ہے اور اہمیت رکھتا ہے جو حق کا جو یا اور طالب راہ مولیٰ ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی بے اثر، کمزور بلکہ معذور ہو۔ لیکن جو شخص حق سے بے نیاز یا کٹنا رہ کش ہو وہ غیر اہم ہے۔ خواہ معاشرہ میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لئے عمومی رنگ میں دعوت تو سب ہی کے لئے ہے۔ مگر مرکز توجہ آپ کے وہ لوگ ہوتے جائیں جن میں قبول حق کی انار کی پائی جاتی ہو اور آپ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فرد تر ہے کہ آپ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں۔ جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ بات سمجھتے ہوں کہ ان کو آپ کی نہیں، بلکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آیت قتل الانسان النخ سے براہ راست عتاب کا رخ ان کفار کی طرف پھر گیا ہے۔ جو حضور ﷺ کی دعوت حق کا انکار کر رہے تھے۔ اس میں پہلے تو ان کے اس رویہ پر ملامت کی گئی ہے۔ جو وہ اپنے خالق و رازق پروردگار کے مقابلہ میں برت رہے تھے۔ اور آخر میں ان کو خبردار کر دیا گیا کہ قیامت کے روز وہ اپنی روش کا ہولناک انجام دیکھ لیں گے۔

فضائل سورت: من قرء سورۃ عبس جاء يوم القيامة ووجهه ضاحكاً مستبشراً فرمایا۔ جو شخص سورۃ عبس پڑھے گا۔ اللہ قیامت میں اس کو ہشاش چہرہ کے ساتھ لائے گا۔ (حدیث موضوع ہے۔)

لطائف سلوک: عبس و تولى۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی شخص سے عذر یا ناواقفی کے باعث کوئی خلاف ادب یا بے تمیزی کی بات سرزد ہو جائے تو اسے درگزر کر دینا چاہئے اس سے روگردانی یا ناراضگی نہیں ہونی چاہئے۔

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ^(١) لَفَّتْ^(٢) وَذُهِبَ بُنُورُهَا وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ^(٣) انْقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ عَلَى
الْأَرْضِ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ^(٤) ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ فَصَارَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا وَإِذَا الْعِشَارُ النُّوقُ
الْحَوَامِلُ غُطِّلَتْ^(٥) تَرَكَتْ بَلَا رَاعٍ أَوْ بَلَا حَلَبٍ لَمَّا دَهَا هُمْ مِنَ الْأَمْرِ وَلَمْ يَكُنْ مَالٌ أَعْجَبَ إِلَيْهِمْ
مِنْهَا وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ^(٦) جُمِعَتْ بَعْدَ الْبُعْثِ لِيَقْتَضَ لِبَعْضٍ مِنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيرُ تَرَابًا وَإِذَا
الْبَحَارُ سُجِّرَتْ^(٧) بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَوْ قَدَتْ فَصَارَتْ نَارًا وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ^(٨) قُرِنَتْ
بِأَحْسَادِهَا وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ الْحَارِيَّةُ تُدْفِنُ حَيَّةً خَوْفَ الْعَارِ وَالْحَاجَةِ سُئِلَتْ^(٩) تَبْكِينًا لِقَاتِلِهَا بِأَيِّ
ذَنْبٍ قُتِلَتْ^(١٠) وَقُرِئَ بِكُسْرِ النَّاءِ حِكَايَةً لَمَّا تَخَاطَبَ بِهِ وَجَوَابُهَا أَنْ تَقُولَ قُتِلْتُ بِلَا ذَنْبٍ وَإِذَا
الصُّحُفُ صُحِفَ الْأَعْمَالِ نُشِرَتْ^(١١) بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ فَتُحَبَّ وَبُسِطَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ
كُشِطَتْ^(١٢) نُرِعَتْ عَنْ أَمَاكِنِهَا كَمَا يُنْزَعُ الْجِلْدُ عَنِ الشَّاةِ وَإِذَا الْجَحِيمُ النَّارُ سُعِّرَتْ^(١٣)
بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أُجِجَتْ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْلِفَتْ^(١٤) قُرِبَتْ لِأَهْلِهَا لِيَدْخُلُوهَا وَجَوَابٌ إِذَا أَوَّلُ
السُّورَةِ وَمَا غُطِفَ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ أَى كُلِّ نَفْسٍ وَقَتْ هَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ مَا
أَحْضَرَتْ^(١٥) مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلَا أَقْسَمُ لَأَزِيدَنَّ بِالْخُنُسِ^(١٦) الْجَوَارِ الْكُنُسِ^(١٧) هِيَ النُّجُومُ
الْخَمْسَةُ زُحَلٌ وَالْمُشْتَرِي وَالْمَرِيخُ وَالزُّهْرَةُ وَعَطَارِدُ تَخْنُسُ بِضَمِّ النُّونِ أَى تَرْجِعُ فِي مَجْرَاهَا وَرَآهَا
بَيْنَاتَرَى النَّجْمَ فِي آخِرِ الْبُرْجِ أَذْكَرَ رَاجِعًا إِلَى أَوَّلِهِ وَتَكْنُسُ بِكُسْرِ النُّونِ تَدْخُلُ فِي كَنَاسِهَا أَى تَغِيبُ
فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي تَغِيبُ فِيهَا وَاللَّيْلُ إِذَا عَسَعَسَ^(١٨) أَقْبَلَ بِظِلَامِهِ أَوْ ادْبَرَ وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ^(١٩)
إِمْتَدَّ حَتَّى يَصِيرَ نَهَارًا بَيِّنًا إِنَّهُ أَى الْقُرْآنَ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ^(٢٠) عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ جَبْرِيْلُ أُضِيفَ إِلَيْهِ

لِنُزَوِّلَهُ بِهِ ذِي قُوَّةٍ اَي شَدِيدِ الْقُوَى عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ اَي اللّٰهُ تَعَالٰی مَكِينٍ (۶۰) ذِي مَكَانَةٍ مُّتَعَلِّقٍ بِهِ
عِنْدَ مُطَاعٍ ثُمَّ اَي تُطِيعُهُ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَوَاتِ اٰمِيْنٍ (۶۱) عَلٰی الْوَحْيِ وَمَا صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم عَظَفَ عَلٰی اَنَّهُ اِلٰی اَعْرِ الْمُقَسِّمِ عَلَیْهِ بِمَجْنُونٍ (۶۲) كَمَا زَعَمْتُمْ وَلَقَدْ رَاَهُ رَاٰی مُحَمَّدٌ
جِبْرِیْلَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَیْهَا بِالْاُلُقِ الْمُبِيْنِ (۶۳) الْبَيِّنَ وَهُوَ الْاَعْلٰی
بِنَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ وَمَا هُوَ اَي مُحَمَّدٌ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی الْغَيْبِ مَا غَابَ مِنَ الْوَحْيِ وَخَبَرَ السَّمَاەءِ
بَضَائِعِ (۶۴) بِمَنْتَهُمْ وَفِي قِرَاةٍ بِالضَّادِ اَي بِبَحِيْلٍ فَيَنْقُصُ شَيْئًا مِّنْهُ وَمَا هُوَ اَي الْقُرْاٰنُ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ
مُّسْتَرِقٍ السَّمْعِ رَجِيْمٍ (۶۵) مَرْجُوْمٍ فَاِنَّ تَذٰهَبُوْنَ (۶۶) فَاٰی طَرِیْقٍ تَسْلُكُوْنَ فِیْ اِنْكَارِكُمْ الْقُرْاٰنَ
وَاعْرَاضِكُمْ عَنْهُ اِنْ مَا هُوَ الْاَذْكُرُ غِظَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۶۷) الْاَنَسِ وَالْجِنِّ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِّنَ
الْعٰلَمِیْنَ بِاِعَادَةِ الْحَارِ اَنْ یُّسْتَقِیْمَ (۶۸) بِاِتِّبَاعِ الْحَقِّ وَمَا تَشَاءُ وَنَ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰی الْحَقِّ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ
اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۶۹) الْخَلَائِقِ اِسْتِقَامَتَكُمْ عَلَیْهِ

سورہ تکویر مکہ ہے اس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: سورج جب بے نور ہو جائے گا (لیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی گل ہو جائے گی) اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر
گریں گے (زمین پر گر کر بھک جائیں گے) اور پہاڑ جب چلائے جائیں گے (زمین سے اکھاڑ کر اڑے پھریں گے) اور دس مہینے کی
گاہن (حاملہ) اونٹنیاں جب چھٹی پھریں گی (بغیر چراہے کے یا دودھ دوہے بغیر دہشت ناک حالات کی وجہ سے۔ حالانکہ اہل عرب
کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عجیب مال نہیں ہے) اور وحشی جانور سب جمع ہو جائیں گے۔ (دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تاکہ ان سے
ایک دوسرے کا قصاص لے کر انہیں مٹی کر دیا جائے) اور جب دریا بھڑکائے جائیں گی (لفظ جحوت تخفیف و تشدید کے ساتھ دونوں
طرح ہے یعنی سمندر دھونکا کر آگ بنا دیئے جائیں گے) اور جب روحمں ملا دی جائیں گی (اپنے اپنے بدنوں سے وابستہ ہو جائیں گی)
اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے (جس کو عار کے خوف یا اجتماعی کی وجہ سے زندہ درگور کر دیا ہوگا) پوچھا جائے گا (اس کے قاتل کو
دہشت زدہ کرنے کے لئے) (کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی) (ایک قرأت میں قتل کسرہ قاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس سے خطاب
کو نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں بلا قصور ماری گئی ہوں) اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے (تخفیف اور تشدید
کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کھول دیئے اور پھیلا دیئے جائیں گے) اور آسمان جب کھینچ دیا جائے گا (اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا
جیسے: بکری سے کھال کھینچ دی جاتی ہے) اور جب دوزخ دہکائی جائے گی (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے، یعنی بھڑکادی
جائے گی) اور جنت جب نزدیک کر دی جائے گی (جنتیوں کے قریب ان کو داخل کرنے کے لئے بلے آئی جائے گی۔ شروع سورت کے
اذا اور اس کے معطوفات کا جواب آئندہ ہے) ہر شخص جان لے گا (یعنی ہر آدمی ان مذکورہ چیزوں کے وقت یعنی قیامت میں واقف
ہو جائے گا۔ ان اچھے برے اعمال سے جو وہ لے کر آیا ہے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں (اس میں لا زائد ہے) ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹے
لگتے ہیں۔ چلتے رہتے ہیں، جا چھپتے ہیں (اس سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ عطارد پانچ ستارے مراد ہیں۔ تین شخص ضمہ نون کے ساتھ
پیچھے لوٹنے کے معنی ہیں۔ ان برجوں میں کہ ستارے آخر برج میں دکھائی دیں تکس کسرہ نون کے ساتھ۔ اپنی جگہ چھپنے کے معنی ہیں۔

یعنی اپنی جگہ پوشیدہ میں غائب ہو جائے) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (اندھیرے کے ساتھ آئے یا جائے) اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔ (پھیلتی چلی جائے، حتیٰ کہ دن چمکنے لگے) کہ یہ (قرآن) ایک فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے جو معزز ہے (اللہ کے نزدیک جبرائیل مراد ہیں، کلام کی نسبت ان کی طرف لانے کی وجہ سے گئی ہے) جو طاقت ور (نہایت قوت والا ہے) ممالک عرش (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک ذی مرتبہ ہے (عزت مند، اس کا تعلق عند کے ساتھ ہے) وہاں (اس کا حکم مانا جاتا ہے آسمانوں میں فرشتے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) امانت دار ہے (وحی لانے کے سلسلہ میں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد ﷺ) مراد ہیں، اس کا عطف انسہ پر ہے آخر مضمون قسم تک ہے) جنون والے نہیں ہیں (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) اور انہوں نے اس کو دیکھا بھی ہے (محمد ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل و صورت میں) صاف کنارہ پر (مشرقی بلندی پر واضح طریقہ سے) اور وہ (محمد ﷺ) مخفی باتوں پر (وحی اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں پر) بکل کرنے والے بھی نہیں ہیں (ظنین کے معنی جہم کے ہیں، البتہ ایک قرأت میں ضنین ضاد کے ساتھ ہے۔ یعنی وحی کے سلسلہ میں بخیل نہیں ہیں کہ کچھ کم کر کے ظاہر کریں) اور یہ (قرآن) شیطان کی بات نہیں (چوری چھپے سنی ہوئی) جو مردود (رانہ) ہے۔ تم لوگ کدھر جا رہے ہو (قرآن کے انکار اور اپنی پہلوئگی کے معاملہ میں کہاں جا رہے ہو) بس یہ تو دنیا جہان کے (انسان و جنات) کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے (یہ عالمین سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ ہے) سیدھا چلنا چاہے (حق کی پیروی کرتے ہوئے) اور تم (استقامت حق کے سلسلہ میں) کچھ نہیں چاہ سکتے۔ بدون اللہ رب العالمین کے چاہے ہوئے (تمہاری استقامت حق کو)۔

تحقیق و ترکیب:..... کورت۔ کورت العمامہ کے معنی پگڑی لپیٹنے کے ہیں۔ مفسر نے معنی مجازی کی طرف اشارہ کیا ہے یہاں مجازی الطرف کے ساتھ مجازی الاسناد بھی ہو رہا ہے یا مضاف مقدر مانا جائے۔ لففت کی بجائے مفسر گولفت کہنا چاہے تھا۔ ای لف بعضہا ببعض ورمی بها فی البحر ثم یرسل علیہا ربحاً دہوراً فتضر بها فتصیر ناراً۔ العشار۔ جمع ہے عشراء کی نفاس اور نساء کی طرح ہے ان دونوں الفاظ کی اور کوئی نظیر نہیں ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ عشراء دس مہینہ کی گاہن اونٹنی کو کہتے ہیں۔

عطلت۔ یعنی ایسی قریب الولادت اونٹنی بڑی قیمتی اور عزیز ہوتی ہے۔ مگر قیامت کی دہشت ناک کے مارے کسی کو بھی اس کا ہوش نہیں رہے گا۔ اس میں اہل عرب کے مذاق کی رعایت سے عشر کی تخصیص کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ صورت نفع اولیٰ کے وقت ہو۔ پھر ان سب جانوروں کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک وہ جانور پھر بھی باقی رہ جائیں گے جن کو لوگ پالتے تھے۔ جیسے مور، کبوتر، چڑیاں وغیرہ۔

مسجرت۔ قرطبیؒ نے جو اس کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک رائے وہ ہے جو مفسر اختیار کر رہے ہیں کہ سمندر پانی سے لبریز ہو جائیں گے اور رمل مل کر سب ایک ہو جائیں گے۔ پھر ان کو آگ میں تبدیل کر کے دھونکا دیا جائے گا سائنس نے پانی سے بجلی نکال کر قرآن کی اس خبر کی تصدیق کر دی ہے۔

الموءدة۔ لڑکی کو اگر باقی رکھنا مقصود ہوتا تب تو اس کو کسبل کا لباس پہنا کر بکرنی، اونٹ چرانے کے لئے جنگلوں میں چھوڑ دیا جاتا۔ ورنہ داماد آنے کی عاریتاً فقر و فاقہ کے اندیشہ سے چھ سال کی عمر میں اس کو اپنے ہاتھوں بنا سنوار کر زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلیت کی رسم قدیم ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی رائج تھی۔ اسلام نے آ کر اس رسم بد کی بیخ کنی کر ڈالی۔

سنت۔ اصل استفسار قاتل، مجرم سے ہونا چاہئے جس کی یہاں نفی نہیں ہے۔ تاہم زندہ درگور لڑکی سے قرین مقدمہ کی حیثیت سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ جس کی پاداش میں اس طرح ماری گئی۔ مگر اس کے بیان سے جس کا انکار مجرم نہیں کر سکے گا ثابت ہوگا کہ بے قصور ماری گئی ہے۔

علمت نفس۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نفس نکرہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔ جیسا کہ تبصرہ خیر من جوارۃ میں

اثبات کے موقع پر عام ہے۔

الخنس۔ الشمس و قمر کے علاوہ پانچ ستاروں کے یہ اوصاف ہیں۔ خنس کے معنی رجعت فقہ قری، گردش اور چلنے کے معنی ہیں۔ قرطبی نے ان ستاروں کی تخصیص کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک وجہ تو بقول بکر بن عبداللہ المزنی یہ ہے کہ یہ وہ ستارے ہیں جو سورج کے سامنے نہیں ہوتے اور دوسری وجہ بقول ابن عباسؓ یہ ہے کہ یہ ستارے صغیرہ کو قطع کرتے ہیں اور حسن وقادہ کہتے ہیں کہ یہ ستارے دین میں چھپے اور رات میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور کنس کا مطلب یہ ہے کہ غروب کے وقت یہ نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

صاحیح میں ہے خنس سے مراد سیارے ہیں، ثوابت مراد نہیں ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ جس طرح ہرن جھاڑیوں میں چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح ان ستاروں کا حال ہوتا ہے یعنی دیکھنے والوں کو آنکھ بچولی کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان کو خنسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ اور یہ ثابت حرکات تدویریہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ سورج میں تدویری حرکت نہیں۔ اس لئے اس کے لئے رجعت بھی نہیں۔ اور چاند میں اگرچہ تدویری صورت ہوتی ہے۔ مگر تیز رفتاری کی وجہ سے رجعت محسوس نہیں ہوتی، یہ سب گفتگو یونانی قدیم فلسفہ کی بنیاد پر ہے۔ جس میں آسمانوں کے لئے حرکات تدویری مانی گئی ہیں۔ سائنسی مشاہدات اگرچہ اس سے مختلف ہیں۔ لیکن قرآن کی بیان کردہ ہمتیں بدستور رہیں گی۔

اذا عسعس۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے آنے جانے کے معنی ہیں۔ لیکن آیت والیل اذا یغشی اور واللیل اذا

سجی کی وجہ سے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

امام راعب کہتے ہیں کہ عسعس کے معنی معمولی تاریکی کے ہیں۔ جو ابتدائی اور آخری شب دونوں حصوں میں صادق آتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک معنوی ہے۔

اذا تنفس۔ اصل معنی سانس باہر آنے کے ہیں۔ صبح ظاہر ہونے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ پہلے جملہ سے مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں اگر ابتدائے شب مراد ہے تو یہاں صبح کا آغاز مراد ہے اور اگر آخر شب مراد ہو تب بھی وہ صبح کے مجاز اور قریب ہوتی ہے۔ ایک کا آخر اور دوسرے کا شروع ہونے کی وجہ سے ذی قوۃ جیسا کہ قوم محمود پر عذاب لانے کے وقت اور آسمانوں پر جانے آنے میں ان کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عند ذی العرش۔ لفظ عند سے مکالمت کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے قرب و مرتبہ مراد ہے۔ اس کا تعلق نحوی یکن کے ساتھ ہے یعنی لمس کا حال ہے۔ اصل میں یہ وصف تھا مگر مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو گیا۔

مطاع ثم۔ ثم ظرف مکان بعید کے لئے ہے۔ مطاع عامل ہے۔

و ما صاحبکم۔ اس سے مراد آنحضرت (ﷺ) ہیں۔ اس کا عطف انہ الخ پر ہے۔ جس سے حضرت جبرائیل مراد ہیں۔

لقد راہ۔ اس کا عطف بھی انہ پر ہے۔ بقول ابن عباسؓ غار حرا پر آنحضرت (ﷺ) نے جبرائیل کو اصل شکل میں دیکھا۔ زمین و آسمان کے درمیان کرسی نشین تھے۔ ان کے بدن چہرہ بارو تھے۔ اور ناحیۃ المشرق سے مراد طلوع آفتاب کی جانب ہے۔ اور بعض حضرات نے اس دیکھنے سے مراد سدرة المنتہی پر دیکھا لیا ہے۔

بضنین۔ ابو عمروؒ اور ابن کثیرؒ اور کسائیؒ ظا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظنہ سے ماخوذ ہے بمعنی تہمت۔ اور باقی قراء کے نزدیک ضنین ہے بمعنی بخیل۔ یعنی آپؐ کو جو حکم دیا گیا اس کو بلا کم و کاست پہنچاتے ہیں بخل نہیں فرماتے۔ ابو عبیدہؓ دو وجہ سے پہلی قراءت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ کہ کفار آنحضرت (ﷺ) کو وحی سے متعلق کذب سے متہم کرتے تھے۔ وحی کے متعلق بخل کا الزام نہیں دیتے تھے۔ اس لئے نفی بخل کے مقابلہ میں نفی تہمت زیادہ مناسب ہے۔ دوسرا قرینہ علی الغیب ہے۔ کیونکہ بخل علی کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا۔

فاین تذهبون۔ این ظرف مکان مبہم کے لئے ہے اور تذهبون سے منسوب ہے۔ یعنی حضور ﷺ پر الزام تراشی کر کے کدھر جا رہے ہو۔

الا ان یشاء۔ مکی کہتے ہیں کہ ان اور انما دونوں با مضمومان کر موضع جرم میں ہیں۔ ای الا بان اور بامصاحبت کے لئے ہوگی یا سیہ ہوگی۔ یہ ترکیب اقرب ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی اور اگلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کا ذکر ہے اور آخر سورت میں اس کی تقویت کے لئے قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس میں قیامت کی تیاری کی تاکید ہے۔

شان نزول و روایات:..... سورت کے انداز بیان اور مضمون سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں۔ اذا الشمس سے لے کر اذا البحار سجرت تک چھ آیات وہ ہیں جن کا نظارہ دنیا میں ہوگا۔ اور اذا النفوس زوجت سے اذا الجنة ازلفت تک چھ آیات آخرت سے متعلق ہیں۔ اسی طرح ابی بن کعب سے تخریج ہے کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے کہ اذا الشمس کورد کا منظر سامنے آجائے گا۔ اسی طرح دوسری نشانیوں کا ظہور ہوگا۔ ”سورہ تکویر“ پہلے جملہ کے لفظ ”کورد“ کی وجہ سے نام ہوا۔ جس کے معنی لپٹی گئی کے ہیں۔

﴿تشریح﴾: اذا الشمس کورد۔ بظاہر اس عالم رنگ و بود کا قیام نظام شمسی سے وابستہ ہے۔ قیامت کا مطلب اس شیرازہ بندی کو کھول دینا ہے۔ اس لئے سورج کے بے نور کر دیئے جانے کے لئے ”تکویر“ ایک بے نظیر استعارہ ہے کیونکہ عمامہ پھیلا ہوا ہوتا ہے جس کو سر کے گرد لپیٹا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس روشنی کو جو سورج سے نکل کر سارے جہاں میں پھیلی ہوتی ہے قیامت کے روز یہ روشنی سورج پر لپیٹ دی جائے گی اور اس کا پھیلنا بند ہو جائے گا۔ گویا اس کی لمبی شغائیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور سورج بے نور ہو کر پیر کی نکیہ کی طرح رہ جائے گا یا بالکل نابود ہو جائے گا۔

واذا النجوم انکدرت۔ تاروں کے منکدر اور منتشر ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس بندش کے ذریعہ اپنے نظام شمسی سے جڑے ہوئے ہیں وہ کھل جائے گی اور سارے ستارے کائنات میں بکھر جائیں گے اور سورج کی طرح ان کی روشنی بھی ماند پڑ کر مائل بکدورت ہو جائے گی۔

زمینی چیزیں بھی تہ وبالا ہو جائیں گی:..... واذا الجبال سیرت۔ پہاڑوں کے ریگ زواں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی کشش ختم ہو جائے گی اور پہاڑ زمین پر یا ہوا میں بادلوں کی طرح بے وزن ہو کر اڑتے پھریں گے۔

واذا العشار عطلت۔ عربوں کے نزدیک اونٹنیاں بہترین مال شمار ہوتی تھیں اور وہ بھی ایسی گا بھن جو بیابان کے قریب ہوں، دودھ اور بچہ کی توقع پر زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ لیکن قیامت کی ہولناکیوں کے وقت ایسے نفیس و عزیز مال کو بھی کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہوگا کہ وہ ایسے بہترین مال کی فکر کرے۔ عربوں کو قیامت کی سختیوں کا تصور دلانے کے لئے اس سے بڑھ کر مؤثر اور کیا طرز بیان ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ ٹرین، ٹرک، بسیں، موٹر چلنے کے بعد..... اونٹنیاں یہ کار ہو گئیں محض ظرافت کی بات ہے۔

واذا لئوحوش حشرت۔ وحشی جنگلی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں۔ مضطرب و بے قرار ہو کر مصیبت کے وقت دوسرے پالتوں جانوروں کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت نہ سانپ ڈستا ہے اور نہ شیر پھاڑتا ہے۔ بعض مفسرین نے

حشرات کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لئے ہیں۔

واذا البحار سجوت۔ تسجیر کے معنی تور میں آگ دھکانے کے ہیں۔ قیامت کے روز سمندروں میں آگ کا بھڑک اٹھنا بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پانی جس کی ترکیب آکسیجن اور ہائیڈروجن دو ایسے گیسوں سے ہوتی ہے جس میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے۔ ان دونوں کی ترکیب سے پانی بنتا ہے جو آگ بجھا دیتا ہے۔ اللہ اپنی قدرت سے اگر پانی کی اس ترکیب کو بدل دے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھڑکنے اور بھڑکانے میں مصروف ہو جائیں جو ان کی اصل بنیادی خاصیت ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی استعجاب نہیں رہتا۔ یا یوں کہا جائے کہ جس طرح وحشی غیر وحشی سب جانور گڈمڈ ہو جائیں گے۔ اسی طرح اول دریاؤں میں طغیانی آئے گی اور زمین میں دراڑ پڑ جائیں گے جس سے شور و شیریں دریا مل کر سب ایک ہو جائیں گی۔ جس کا ذکر اگلی سورت کی آیت واذا البحار فجرت میں آ رہا ہے اس کے بعد سارا پانی انتہائی حرارت کی وجہ سے ہوا، اور پھر آگ میں تبدیل ہو جائے گا۔ جیسا کہ فلاسفہ قدیم استحالہ عناصر کی بحث میں کہتے ہیں۔

قیامت کا دوسرا مرحلہ: واذا النفوس زوجت۔ یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلہ کا بیان ہے۔ اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو مفسر علامہ فرما رہے ہیں کہ جانیں جسموں سے چھوڑ دی جائیں گی۔ یعنی دنیا میں جس طرح انسان جسم و روح کے ساتھ زندہ ہے۔ اسی طرح پھر از سر نو زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اور دوسرا مطلب وہ ہے جو دوسرے مفسرین نے لیا ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اصناف الگ الگ گروہوں میں ملا دیئے جائیں گے۔ یعنی مسلمانوں میں اور کافروں میں، اسی طرح نیک نیکوں میں، بد بدوں میں ملا کر جماعت جماعت بنا دیئے جائیں گے۔ غرض عقائد، اعمال و اخلاق کے لحاظ سے الگ الگ ٹولیاں کر دی جائیں گی۔

زندہ درگور لڑکیوں کی پیتا: واذا المؤدة سئلت۔ یعنی بیٹی کو زندہ گاڑ دینے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل نفرت ہوں گے۔ ان سے رخ دے کر یہ بھی نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم بچی کو آخر کیوں قتل کر دیا؟ بلکہ ان سے نگاہیں پھیر کر خود معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس تصور میں تو بے جاری ماری گئی اور اپنی دکھ بھری پیتا سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے بے بس بے زبان کے ساتھ کیا ستم ڈھایا۔ افسوس کہ جاہلیت نے عرب کو عقی اخلاقی پستی میں لا کھڑا کیا تھا کہ وہ اپنی ہی اولاد کو نہایت بے رحمی سے اپنے ہاتھوں میں کس طرح گڑھوں میں دھکیل دیتے۔ اور حضور اکرم ﷺ معاشرے کے اس ناسور کو مندرل فرماتا چاہتے تو ان کے آڑے آتے۔ نیز یہی بات قیامت کے ضروری ہونے کی دلیل بھی ٹھہرتی ہے۔ آخر اس زندہ درگور لڑکیوں کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہئے اور ایسے ظلموں کی پاداش کا بھی تو کوئی موقع ہونا چاہئے۔ دفن ہونے والی معصوم لڑکی کی چیخ و پکار، فریاد سننے والا تو کوئی دنیا میں نہ تھا۔ نہ ماں باپ کا دل بیسجتا تھا اور نہ خاندان میں کوئی ملامت کرنے والا اور ہاتھ پکڑنے والا تھا۔ دوسروں کو تو خیر کیا پڑی تھی۔ پھر کیا خدا کی خدا کی میں بھی یہ زور و ظلم، بے انصاف ہی رہ جانا چاہئے۔

ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان: حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے اپنی جاہلیت کا واقعہ خود ہی بیان کیا کہ میری ایک بیٹی مجھ سے بہت مانوس تھی۔ ایک روز میں اسے اپنے ساتھ لے کر چلا۔ راستہ میں مجھے ایک کنواں نظر پڑا۔ میں نے فوراً ہی اسے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ وہ ہائے ابابائے ابا کہتی رہی۔ مگر میں نے ایک نہ سنی۔ رحمۃ للعالمین یہ سن کر روئے اور آپ ﷺ کے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا بھئی، تو نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے موت

روکو۔ جس چیز کا اسے شدید احساس ہے اسے پوچھنے دو۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنا واقعہ پھر بیان کر۔ اس نے دوبارہ بیان کیا۔ آپ سن کر اس قدر روئے کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ جو کچھ جاہلیت میں ہو گیا، اللہ نے اسے معاف کر دیا۔ اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔

در اصل معاشی ابتری اور بد حالی بھی عربوں کو مجبور کر رہی تھی کہ وہ اولاد کو کم کریں۔ بیٹوں کو تو اس امید پر پالتے تھے کہ وہ آگے چل کر معاش میں ہاتھ بٹائیں گے۔ مگر بیٹیوں کا بوجھ تو ساری عمر خود اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ ملک کی عام بد امنی میں لڑکے تو قوت بازو اور ڈھال بنتے تھے۔ لیکن لڑکیاں تو اور الٹی و بال جان بنتی تھیں۔ وہ دشمن پر اقدام یا دفاع کیا کرتیں، ان کے اغواء کا شکار ہو جاتیں، اور اپنی بہادری کے بے جا گھمنڈ کے نشہ میں داماد سے دبے کو عار سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ رسم بد پڑ گئی تھی کہ کبھی تو زوجگی کے وقت ہی لڑکی کو دبایا جاتا اور اگر کبھی اس کا موقع نہ ہوتا تو کچھ مدت لڑکی جنجال بنی رہتی اور جب موقع ہاتھ آتا تو پہلی فرصت میں اس کام سے الطمینان کا سانس لیا جاتا۔

عرب میں عام معاشرہ کے بگڑے ہوئے مزاج کی تصویر تو یہی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ لوگوں کو اس کی قباحت کا احساس بھی رہتا۔ چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا مسعصہ بن ناجیۃ الجاشغنیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں۔ مثلاً: میں نے (۳۶۰) لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اور ہر لڑکی کو بچانے کے لئے دو اونٹ فدیہ میں صرف کئے۔ تو کیا اس پر مجھے اجر ملے گا؟ فرمایا: ہاں! اللہ نے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔ یہ اسی کا ثمرہ ہے۔

اسلام کی عظیم الشان برکات: یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ نہ صرف اس نے اس سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا۔ بلکہ بیٹی کو ایک مصیبت کی بجائے ایک نعمت قرار دیا اور اس کی تعلیم و تربیت کے ساتھ پرورش کر کے اس کا گھر بسا دینا بہت بڑی نیکی کا کام قرار دیا۔ اس سلسلہ میں چند ارشادات ملاحظہ ہوں:-

۱. من عادل ثلث بنات او مثلهن من الاخوات فادبهن ورحمهن حتی یغنیهن الله او جب الله له الجنة فقال رجل یا رسول الله او اثنتين قال او اثنتين حتی لو قالوا او واحدة فقال واحدة.

جس نے تین بیٹیوں یا بہنوں کو پرورش کیا۔ ان کو ادب سکھلایا اور ان سے شفقت آمیز برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گئیں تو اللہ اس کے لئے جنت واجب کر دے گا۔ ایک شخص بولا۔ یا رسول اللہ! اور دو؟ فرمایا وہ بھی۔ اور لوگ ایک کے بارے میں کہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ ایک کے بارے میں بھی یہی فرماتے ہیں۔

۲. من كان له ثلاث بنات وصبر عليهن وكساهن من جدته كن له حجابا من النار. جس کے تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے۔ اپنی حیثیت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے۔ تو وہ اس کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔

۳. من عال جاريتين حتی تبلغ جاء يوم القيامة انا وهكذا وهتم اصابعه. جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے دن میرے ساتھ وہ اس طرح ہوگا جیسے یہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔

۴. ان النبي صلى الله عليه وسلم قال سراقه بن جعثم الا ادلك على اعظم الصدقة او من اعظم قال بلى یا رسول

اللہ قال بنتیک المردود الیک لیس لها کاسب غیرک

حضور ﷺ نے سراقہ بن جہم سے پوچھا کہ میں تم سب سے بڑا صدقہ نہ بتا دوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتلائیے۔ فرمایا کہ تیری دو بیٹیاں تیرے گھر ضرور ہیں اور ان کے تیرے علاوہ کوئی کمانے والا نہ ہو۔

۵. من کانت له انثی فلم یندھاو لم یهنھا و لم یؤثر ولده علیھا ادخله الجنة

جس کے یہاں لڑکی ہو اور وہ اس کو زندہ دفن نہ کر دے نہ ذلیل کر کے رکھے اور نہ بیٹے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

اسلام کی یہی تعلیم ہے جس کے متعلق دنیا کی ان تمام قوموں کا نقطہ نظر بدل کر رکھ دیا۔ جنہوں نے اسلام سے فیض حاصل کیا۔

قیامت کی ہولناکی کا نقشہ: واذا السماء کشطت یعنی جس طرح جانور کی کھال اتارنے کے بعد تمام رگ ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کھل جانے کے بعد سب چیزیں نظر آ جائیں گی اور جو کچھ نگاہوں سے اب تک پوشیدہ رہا سب عیاں ہو جائے گا۔ اب تو بادل، چاند، سورج اور ستارے، گرد و غبار غلا نظر آتا ہے۔ لیکن اس وقت خدا کی خدائی سب کے سامنے بے حجاب ہو جائے گی اور غم کا نزول ہوگا۔ جس کا ذکر آیت یوم تشقق السماء بالغمام میں ہوا ہے۔

واذا النجیم سعرت قیامت میں مقدمات کی سماعت کے وقت جہنم کی دہکتی آگ بھی سب کو نظر آ رہی ہوگی اور جنت بھی ساری نعمتوں کے ساتھ سب کے سامنے آ موجود ہوگی۔ تاکہ اچھے برے سب جان لیں کہ اب ہمیں کہاں جانا ہے۔ اور کس چیز سے محروم ہونا ہے۔

فلا اقسیم خض اور کنس دونوں لفظ سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ان ستاروں کی مخصوص چال مراد ہے۔ مغرب سے مشرق کو اگر یہ ستارے چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوتی اور کبھی ٹھنک کر اٹھ پھرتے ہیں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کچھ دن غائب رہتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں کہ و الیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس میں کہ سورج کو تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی گئی ہے اور طلوع سے پہلے اس کے نور پھیلنے کو مچھلی کے سانس سے منسوب کیا کہ جس طرح مچھلی پانی میں چھپ کر چلتی ہے اور اس کے سانس سے پانی اڑ کر پھیلتا ہے۔ یہی حال سورج کا طلوع اور روشنی سے پہلے ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صبح دم سے مراد نسیم صبح ہے جو موسم بہار میں چلتی ہے۔ ان قسموں کی مناسبت اگلے مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، پھرنا، لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے۔ اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت تک اس کے آثار باقی رہنے اور پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے فترت کے تاریک دور کا نمونہ رات کا آنا ہے کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کی پوچھنا حضور ﷺ کی آمد اور قرآن کا نزول ہے جس نے ہر چیز کو روز روشن کی طرح نور ہدایت سے منور کر دیا۔ گویا دوسرے انبیاء اگر مثل ستاروں کے تھے تو آپ ﷺ آفتاب درخشاں

فانه شمس فقل هم کواکبھا یظہرن انوارھا للناس فی الظلم

حتی اذا ظلمت فی الکون عم ہداھا للعالمین و احییت سائر الامم

اور بعض کی رائے ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا نمودار ہونا قرآن کے نور سے کفر کی ظلمت دور ہونے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر سے قسم اور مضمون میں

مناسبت زیادہ واضح ہے۔

جبرائیل امین اور رسول کریم ﷺ:..... انہ لقول رسول کریم یعنی اللہ کا کلام جو بندوں تک پہنچا۔ اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل امین اور دوسرے خود سرور عالم ﷺ یہاں حضرت جبرائیل کی صفات کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں واسطوں کی خوبیاں معلوم ہو جانے کے بعد قرآن کے کلام الہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ آخر راوی کی مضبوطی اور کمزوری روایت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پس جبرائیل جب ”کریم“ یعنی انتہائی متقی اور پاکباز اور قوی الحفظ اور ضابطہ اور قوت بیانیہ رکھنے والے ہیں۔ اللہ کے یہاں سب سے مقرب اور فرشتوں میں مسلم ہیں۔ پھر ان کے معتبر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

اسی طرح وما صاحبکم الخ میں آنحضرت ﷺ کی شان کا ذکر ہے کہ تمہیں ان کے چالیس سالہ دور کا تجربہ ہے۔ کبھی ان میں جھوٹ، فریب، دیوانہ پن کی بات نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ان کی دانائی، امانت، صداقت مسلمہ رہی۔ اب اسے بلا وجہ جھوٹا، دیوانہ کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ ایسے شخص کو دیوانہ کہنا یا سمجھنا خود دیوانگی ہے۔ قرآن کو قول رسول کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جبرائیل کا کلام ہے یا حضور ﷺ کا اپنا تصنیف کردہ ہے۔ بلکہ قول رسول کہنے کا یہ منشاء ہے کہ آپ یہ کلام الہی بحیثیت محمد بن عبد اللہ پیش نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ رسول اور پیغامبر ہونے کے لحاظ سے نقل فرما رہے ہیں۔ پس دونوں واسطے محض ناقل ہیں۔

ولقد راہ۔ بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دو مرتبہ جبرائیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ چھ سو بازوؤں کے ساتھ زمین و آسمان کی ساری فضا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہاں مشرقی کنارہ پر دیکھنا بیان کیا گیا ہے اور صاف طور پر دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو دیکھنے میں کسی طرح کا اشتباہ واقع نہیں ہوا۔ (سورہ نجم میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔)

رسول کریم ﷺ نہ اپنے ظن و تخمین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان کرنے میں بخل کرتے ہیں:..... وما هو علی الغیب بضنین۔ اللہ کے اسماء و صفات ہوں یا احکام شرع گذشتہ اور آئندہ واقعات ہوں، یا موت کے بعد کے احوال اور جنت و دوزخ کے حالات۔ سب غیب کی ہی باتیں ہیں۔ ان کے بتلانے میں آپ ذرہ بھر بخل نہیں کرتے اور نہ نذرانہ بخشش یا اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور بظنن کی قرأت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ وحی کی قطعیت سے فرماتے ہیں۔ ظن و تخمین اور گمان سے نہیں فرماتے۔ برخلاف کاہن کے کہ وہ غیب کی ایک نامکمل جزئی بات اگر بتلاتا بھی ہے تو سو جھوٹ مالا کر کہتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخل ہوتا ہے کہ بغیر مٹھائی یا نذرانہ کے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔ پس کہاں پیغمبر کا مقام اور کہاں ایک کاہن کی حیثیت؟ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

اس آیت سے مسئلہ علم غیب پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ جہاں تک علم ذاتی کا تعلق ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ طور پر حق تعالیٰ کی ساتھ خاص ہے، حضور ﷺ کو علم عطائی حاصل ہے۔ البتہ اس میں گفتگو ہے کہ وہ عطائی علم بھی محیط ہے یا غیر محیط؟ علم محیط ثابت نہیں ہے۔ آیت لا اعلم الغیب اور لو کنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔ اور روایت لا تدری ما احدثوا بعدک کی وجہ سے اور غیر محیط علم ماننا قائلین محیط کے لئے مفید نہیں ہے اور نہ غیر محیط عالم کو عالم الغیب کہا جائے گا۔ ورنہ دوسروں کو بھی عالم الغیب کہنا پڑے گا۔ جو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔

قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جاسکتا ہے: وما هو بقول شیطان رجیم۔ یعنی تمہارا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ شیطان آکر آنحضرت ﷺ کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے۔ بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا۔ جس میں سراسر انسان کا فائدہ اور اس ملعون کی مذمت و قباحت ہو۔ وہ جاہلانہ رسماً اور بد اخلاقی اور بد کرداری سے روک کر پاکیزگی عدل و انصاف اور خدا پرستی اور اخلاق فاضلہ کی طرف رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔

فاین تذهبون۔ یعنی حضور ﷺ کے بارے میں جب جھوٹ، دیوانگی، کہانت وغیرہ کا شائبہ اور احتمال ہی نہیں۔ تو پھر اب حق و صداقت کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے۔ پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر تم لوگ کدھر تکے جا رہے ہو؟ ان ہو الا ذکر للعالمین۔ قرآن کی ہدایت و تعلیمات اور اس کے مضامین و احکام میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچا اور مکمل دستور العمل ہے جس سے فلاح دارین وابستہ ہے۔

لمن شاء منکم ان یستقیم۔ جو لوگ نصیحت کا راستہ چلنا چاہیں اور کجی اور عناد کی راہ چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہی کے لئے خاص طور سے قرآن نفع بخش ہو سکتا ہے۔ وما تشاؤن الخ قرآن کریم اگر چہ فی نفسہ ایک نصیحت نامہ ہے۔ لیکن اس سے اثر پذیری اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ جن میں صلاحیت ہوتی ہے مشیت الہی ان سے متعلق ہو جاتی ہے اور جن میں یہ مادہ اور استعداد نہیں ہوتی، مشیت ان سے متعلق نہیں ہوتی اس لئے وہ محروم ہی رہتے ہیں۔ ان آیات میں یہ دونوں نکتے نہایت اہم ہیں۔

خلاصہ کلام: اس سورت میں آخرت اور رسالت و قرآن سے متعلق تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ شروع کی چھ آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا ذکر ہے۔ پھر واذا النفوس زوجت سے سات آیات میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے۔ آخرت کا یہ سارا نقشہ کھینچ کر انسان کو یہ سوچنے کا موقعہ دیا گیا ہے کہ اس وقت ہر شخص جان جائے گا کہ کون لے کر آیا ہے؟ اس کے بعد آیت فلا أقسم الخ سے رسالت سے متعلق مضمون ہے۔ کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ کسی دیوانہ کی بڑا اور کوئی شیطانی وسوسہ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے عالی مقام بزرگ امانت دار پیامبر کا بیان ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے آسمان کے کنارے پردن کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے صاف صاف دیکھا ہے۔ تم اس کی تعلیم سے کہاں مڑ رہے ہو؟ اور ان ہو الا ذکر سے قرآن کی شان کا ذکر ہے کہ یہ ایک نصیحت نامہ ہے جس سے نفع اٹھانے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک خود انسان کا اپنا ارادہ جو ظاہری سبب ہے اور دوسرے مشیت الہی جو حقیقی سبب ہے۔

فضائل سورت: من قرء سورۃ التکویر اعادۃ اللہ ان یفضحہ حین نشر مخفیثہ فرمایا۔ جو شخص سورۃ تکویر پڑھے اللہ اس کو اعمال نائے کھلنے کے وقت رسوائی سے بچالے گا۔ (حدیث موضوع)

لطا ئف سلوک: واذا النفوس زوجت۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ یقون الرجل الصالح مع الرجل الصالح فبی الجنة ویقون الرجل السوء مع الرجل السوء فی النار فذلک تزویج النفوس۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ المؤمن مع المؤمن احب۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ لوگوں میں باہمی مناسبت دیکھی جاتی ہے۔ اور یہی مناسبت شیخ و مرید کے درمیان مدار نفع ہے۔

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

سورۃ الانفطار مکیہ تسع عشرۃ ایۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِذَا السَّمَاءُ اِنْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ اِنْشَقَّتْ وَاِذَا الْكُوَاكِبُ اَنْثَرَتْ ﴿۲﴾ اِنْقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ
فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ فُتِحَ بَعْضُهَا فِیْ بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَّاحِدًا وَاِذَا الْقُبُورُ
بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ قَلِبَ تُرَابُهَا وَبُعِثَ مَوْتَاهَا وَجَوَابٌ اِذَا وَاَمَاعُطِفَ عَلَیْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ اِیْ كُلُّ نَفْسٍ وَّقَتْ
هَذِهِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَهُوَ یَوْمُ الْقِیْمَةِ مَا قَدَّمَتْ مِنَ الْاَعْمَالِ وَ مَا اَخَّرَتْ ﴿۵﴾ مِنْهَا فَلَمْ تَعْلَمْ لَیَّا یُهَا
الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴿۶﴾ حَتّٰی عَصَيْتَهُ الَّذِیْ خَلَقَكَ بَعْدَ اَنْ لَّمْ تَكُنْ
فَسَوَّكَ جَعَلَكَ مُسْتَوٰی الْخَلْقِ سَالِمِ الْاَعْضَاءِ فَعَدَّلَكَ ﴿۷﴾ بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ جَعَلَكَ مُعْتَدِلَ
الْخَلْقِ مُتَنَاسِبَ الْاَعْضَاءِ لَیْسَتْ یَدٌ اَوْ رِجْلٌ اَطْوَلَ مِنَ الْاُخْرٰی فِیْ اٰی صُوْرَةٍ مَّا زَايَدَةُ شَاءَ
رَكْبِكَ ﴿۸﴾ كَلَّا رَدِّعْ عَنِ الْاِغْتِرَارِ بِكُرْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی بَلْ تُكَذِّبُوْنَ اِیْ كُفَّارُمَكَّةَ بِالْدِّیْنِ ﴿۹﴾ الْجَزَاءِ
عَلٰی الْاَعْمَالِ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحَافِظِیْنَ ﴿۱۰﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِاَعْمَالِكُمْ كِرَامًا عَلٰی اللّٰهِ كَتِبِیْنَ ﴿۱۱﴾ لَهَا
یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ جَمِیْعُهُ اِنَّ الْاَبْرَارَ الْمُؤْمِنِیْنَ الصّٰدِقِیْنَ فِیْ اِیْمَانِهِمْ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ حَنَّةً وَّانَّ
الْفُجَّارَ الْكُفَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ نَارٌ مُّحْرِقَةٌ یَّصْلُوْنَهَا یَدْخُلُوْنَهَا وَیُقَاسُوْنَ حَرَّهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾
الْجَزَاءِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِیْنَ ﴿۱۶﴾ بِمُخْرَجِیْنَ وَمَا اَذْرَكَ اَعْلَمَكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَا اَذْرَكَ
مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾ تَعْظِیْمَ لِّشَانِهِ یَوْمٌ بِالرَّفْعِ اِیْ هُوَ یَوْمٌ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا مِنَ الْمَنْفَعَةِ

وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ﴿۱۹﴾ لَا اَمْرَ لِّغَیْرِهِ فِیْهِ اِیْ لَمْ یُمْكِنْ اَحَدٌ مِّنَ التَّوَسُّطِ بَیْنَهُ بِخِلَافِ الدُّنْیَا

سورہ انفطار مکہ ہے جس میں ۱۹ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... جب آسمان پھٹ پڑے گا اور ستارے جب جھڑ پڑیں گے (ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے) اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (ایک دوسرے میں مل کر سب ایک سمندر ہو جائیں گے۔ شیریں اور شور پانی رل مل جائے گا) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (مٹی الٹ کر مردے زندہ ہو کر، اذا اور اس کے تمام معطوفات کا جواب آگے ہے۔) ہر شخص جان جائے گا (مذکورہ باتوں کے وقت قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا) اپنے پچھلے (اعمال) کو اور اگلے اعمال کو (جو ابھی نہیں کئے) اے انسان! (کافر) تجھے کس چیز نے دھوکا میں ڈال رکھا ہے ایسے رب کریم کے ساتھ (تا آ نکہ اس کا نافرمان ہو گیا ہے) جس نے تجھ کو بنایا ہے (حالانکہ تو پہلے موجود نہیں تھا) پھر تجھے ٹھیک طور پر مکمل کر لیا (ٹھیک طریقہ پر صحیح الاعضاء بنادیا) پھر تجھے اعتدال پر بنایا (تحفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی تیری بناوٹ معتدل اور اعضا متناسب بنائے۔ یہ نہیں کہ ہاتھ یا پاؤں میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہو) جس صورت میں (مسا زائد ہے) چاہا تجھے چھوڑ دیا ہرگز نہیں (اللہ کے کرم کے بھولنے پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ تم (کفار مکہ) جھٹلاتے ہو (سرائے اعمال کو) اور تم پر یاد رکھنے والے (اعمال کے فرشتے) معزز (اللہ کے نزدیک) لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب (تمام) اعمال کو جانتے ہیں۔ نیک لوگ (مومن جو اپنے ایمان میں سچے ہوں) بلاشبہ آسائش (جنت) میں ہوں گے اور یقیناً بدکار (کفار) دوزخ (جلانے والی آگ) میں ہوں گے وہ اس میں بسیں گے (اس میں داخل ہو کر جھلسیں گے) قیامت (بدلہ) کے روز اور وہ اس سے باہر (خارج) ہوں گے۔ اور آپ کو کچھ (پتہ) خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیا ہے؟ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیا ہے؟ (اس میں قیامت کی عظمت شان ہے) وہ ایسا دن ہے (یہ مرفوع ہے ابی ہنیوم) جس میں کسی شخص کے (نفع) کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ کی ہوگی (دوسرے کی کچھ نہ چلے گی یعنی وہاں کسی کا واسطہ نہ رہے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔)

تحقیق و ترکیب:..... انتشارت۔ موتیوں کا لڑی سے بکھر جانا، ستاروں کے ٹوٹنے سے استعارہ ہے۔ مشبہ بہ کہ لوازم میں سے انتشار کا ذکر ہے۔ استعارہ تخیلیہ ہو گیا۔

بعثت۔ قبر کی مٹی کا الٹ پلٹ ہو جانا۔

علمت نفس۔ علم تفصیلی مراد ہے۔ ورنہ اجمالی علم تو رہنے کے وقت ہی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب یہ مذکورہ باتوں کا ظہور ہو چکے گا اور اعمال نامے سامنے آ جائیں گے اس وقت کھل کر نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور تہویل کی غرض سے سب چیزوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ ما قدمت و اخرت۔ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ قدمت سے وہ اعمال مراد ہیں جو فعلیت میں آچکے اور اخرت سے وہ اعمال مراد ہیں جو بالقوۃ نیت واردہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے ما قدمت من خیر و ما اخرت من صدقة صالحة تعمل بعدها۔

ما غرک۔ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور غرک خبر ہے۔ یعنی ای شئی خدعک و جراک علی عصیانہ و امنک من عقابہ۔

عدلک۔ اگر یہ لفظ اعتدال سے ماخوذ ہے تب تو تناسب اعضا بیان کرنا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک آنکھ بڑی، ایک چھوٹی ہو اور نہ یہ کہ فی تقسہ تو دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ مگر پورے جسم کے تناسب سے بہت چھوٹی ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعضا کا تناسب بھی اس انداز سے بنایا ہے۔ لیکن یہ لفظ اگر عدول سے ماخوذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوتا کہ انسان کو اس کی اپنی اصلی صورت نوعیہ یا صغیہ پر بنایا ہے۔

یہ نہیں کہ اس سے عدول کر کے دوسرے جانوروں کو صورت نوعیہ دے دی ہو۔

فی ای صورۃ۔ اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق رکبک کے ساتھ ہو اور ما زائدہ ہو۔ اور شاء صورۃ کی صفت ہے۔ رکبک کا بیان ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے واؤ نہیں لایا گیا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ عدلک رکبک فی ای صورۃ من الصور العجیبۃ الحسنۃ النبی شاء ہا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق مخذوف کے ساتھ حال ہونے کی بناء پر ہو۔ ای رکبک حال کو نک حاصل فی بعض الصور۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق عدل کے ساتھ کیا جائے۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہوگا کہ فی ای استفہام کی وجہ سے صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اس لئے ما قبل کا معمول نہیں بن سکتا۔

ما تفعّلون۔ اس میں ما اگرچہ افعال قلوب و جوارح سب کو عام ہے۔ مگر صرف افعال جوارح مراد ہیں۔ کراماً کاتبین انہیں کی کفایت کرتے۔ دونوں کا بھید اللہ جانتا ہے۔ لیکن کشف الابرار میں لکھا ہے کہ باطنی اعمال کی بھی خوشبو یا بدبو ان کو آ جاتی ہے اور وہ اس لحاظ سے ان کو بھی لکھ لیتے ہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔ کل ذکر یشعر بہ قلبک تسمعه الملائکۃ الحفظۃ فان شعورہم یقارن شعورک حتی اذا غاب ذکرک عن شعورک بذہابک فی المذکور بالکلیۃ غاب عن الحفظۃ ایضاً وما دام القلب یلتفت الی الذکر فهو معرض عن اللہ لان المقصود هو الفناء فی اللہ والفناء لا یحصل الا اذا لم یبق للسالک عین ولا اثر الخ..... والقرب هو ان یکون محوا فی ذاته تعالیٰ فانما فیہ فاذا حصل له القرب لم یبق ذا کر لا ان بقاء الذاکر علامۃ الا ثنینیۃ بل ینعدم ویفنی فی المذکر۔

ان الابرار یہ کتاب اعمال کی وجہ کا بیان ہے ای لیجازی الابرار بالنعیم یصلونہا یہ مجرور سے حال ہے اور جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے۔

ما استفہامیہ مبتداء ہے اور ادراک خبر ہے اور کاف مفعول اول اور ما یوم الدین جملہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔ پہلا استفہام انکاری اور دوسرا تعظیم و تبدیل کے لئے ہے معنی یہ ہوئے کہ آپ کو قیامت کی شدت معلوم نہیں۔ ہمارے بتلانے سے البتہ معلوم ہو سکتی ہے۔

یوم لا تملک۔ لفظ یوم موضوع ہونے کی صورت میں مبتداء مخذوف کی خبر ہے یا یوم سے بدل ہے اور نصب کی صورت میں اذکر مقدر مان کر بدل ہے۔

شیئاً۔ یعنی مستقلاً کوئی مالک نہیں ہے اس لئے شفاعت کی نفی نہیں ہے کیونکہ وہ باجائز ہوتی ہے۔ والا مر یوم منذ للہ۔ یعنی دنیا میں اللہ نے جس طرح مالک بنادیا تھا۔ آخرت میں کسی کو مالک نہیں بنائے گا۔

رابط آیات:..... سورہ انفطار میں بھی پچھلی اور اگلی سورتوں کی طرح قیامت و مجازۃ کا ذکر ہے اور درمیان میں غفلت پر ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

شان نزول:..... سورہ تکویر اور سورہ انفطار کا مضمون بہت حد تک یکساں ہے۔ اس لئے دونوں کا زمانہ نزول بھی قریب قریب ہی ہوگا۔ انفطار کے معنی پھٹنے کے ہیں۔ اس سورت میں آسمان پھٹنے کا ذکر ہے۔

﴿تشریح﴾: واذا البحار فجرت۔ پہلی سورت میں سمندروں میں آگ بھڑکانے کا ذکر تھا۔ اس سورت میں سمندروں کے اہل پڑنے کا ذکر آیا۔ اس کے پردے پھٹ جائیں گے اور ساری زمین پانی کا تختہ ہو کر رہ جائے گی۔ یہ قیامت کے عظیم زلزلہ کا اثر ہوگا۔ اور پردہ پھٹنے سے پانی اندر بھی اتر سکتا ہے۔ جہاں بے انتہا گرم لاداکھول رہا ہے۔ اس طرح تمام سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی۔ غرض کہ ان آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے۔

آگے واذا القبور بعثرت۔ میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے یعنی زمین کی تہ میں بھری ہوئی چیزیں اور قبر کے مردے سب باہر نکل پڑیں گے۔

علمت نفس۔ اچھے برے کام شروع عمر میں پاؤں خرم میں کئے یا نہیں کئے ان کے اثرات اپنے پیچھے چھوڑے یا نہیں چھوڑے۔ غرض کہ انسانی اعمال نامہ ترتیب کے ساتھ تاریخ وار سب کا سب سامنے آ جائے گا۔

انسان کی خود فریبی: یا ایہا الانسان! اول تو اس محسن پروردگار کے عظیم احسان کا تقاضہ یہ تھا کہ تو شکر گزار اور احسان مند ہو کر اس کا فرمانبردار بننا اور اس کی نافرمانی کرتے تجھے شرم آتی۔ مگر تو اس دھوکہ میں پڑ گیا کہ تو جو کچھ بھی بنا ہے خود ہی بن گیا ہے اور تجھے کبھی بھی یہ خیال نہ آیا کہ وجود بخشنے والے کا احسان مانے۔ دوسرا تیرے رب کا یہ کرم ہے کہ دنیا میں تو جو کچھ چاہتا ہے کہ کر گزرتا ہے۔ قدرت کی طرف سے تجھے مجبور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ پوری آزادی دے دی جاتی ہے جسے تو رب کریم کی کمزوری سمجھ بیٹھا ہے۔

انسان خود فریبی کا شکار ہے: الذی خلقک۔ یہ اللہ کے عظیم کرم کا اجمالی ذکر ہے۔ یعنی رب کریم کیا اس بات کا مستحق تھا کہ انسان اپنی حماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہو جائے اور اس کے کرم کا جواب اپنے کفر و طغیان سے دے۔ اس کے کرم کو دیکھ کر تو اسے شرمانا اور اس کے حلم کو دیکھ کر اسے ڈرنا چاہئے تھا۔ یقیناً وہ حلیم و کریم ہے۔ مگر حکیم و منتقم بھی ہے۔ لہذا اس کی ایک صفت پر بھروسہ کر کے دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لینا خود فریبی اور دھوکہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اس نے انسان کو وجود بخشا، اعضاء کے جوڑ بند درست کئے۔ انہیں حکمت آمیز تناسب بخشا۔ مزاج اور اخلاط میں موزونیت بخشی۔ اگرچہ امتیاز کے لئے سب کی صورتیں الگ الگ بنائیں۔ اور تھوڑے فرق سے شکلیں، رنگ روپ مختلف رکھے۔ لیکن بحیثیت مجموعی انسان کو سب جانداروں سے بہتر بنایا۔ وہ چاہتا تو گدھے، کتے، بیلے کی صورت میں بنا دیتا۔ لیکن راست قامت صاف بدن کا بہترین نمونہ تجویز فرمایا۔ پس کیا اس بہترین انعام کا یہی صلہ ہے کہ انسان اس کی سرکشی اور سرتابی کرے۔

انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا: کلاب تکذبون۔ یعنی کوئی معقول وجہ اس دھوکہ اور دھوکے کی نہیں ہے۔ انسان کو وجود خود بتلا رہا ہے کہ وہ خود نہیں بن گیا اور نہ ماں باپ نے اس کو بنایا ہے۔ مختلف عناصر کے جڑ جانے سے اتفاقاً بھی انسان پیدا نہیں ہو گیا۔ دوسرے تمام جانداروں کے مقابلہ میں اس کی بہترین ساخت اور برتر قوتیں اس کی شاہد ہیں کہ خدائے حکیم نے یہ مکمل انسانی شکل بخشی ہے۔ عقل سلیم کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کا سر ان انعامات و احسانات کو دیکھ کر جھک جاتا۔ اللہ کی حکمت و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ جسے عقل دی جائے اسے اس اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جائے، اختیارات دیئے جائیں، خود اس سے حساب بھی مانگا جائے اور جسے نیکی بدی کی طاقت دی جائے اسے ان پر بدلہ بھی ملے۔ یہ تمام حقیقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مگر پھر بھی

انسان یوم الحساب پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ خود کو آزاد سمجھتا ہے اور کسی باز پرس اور جزاء و سزا کا دھیان نہیں کرتا۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ بس مر گئے قصہ ختم ہو گیا۔ زندگی میں جو چاہوں کروں۔ میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ انسان اس حماقت آمیز فریب میں مبتلا ہے کہ اس دارالعمل کے پیچھے کوئی دارالجزاء نہیں ہے۔ اس بے بنیاد خیال نے اسے غافل اور اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد اور خدا کے عدل و انصاف سے بے خوف اور نڈر بنا دیا ہے۔

انسان کی ساری زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے:..... ان علیکم لحافظین۔ یعنی تم حساب و سزا کو جھٹلاؤ، مذاق اڑاؤ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے رب نے تمہیں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ ہر شخص پر راست باز فرشتے نگران مقرر کر رکھے ہیں۔ جو پوری غیر جانبداری سے تمہارے سب اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ تم کہیں بھی ہو تمہاری زندگی کی ہر نقل و حرکت منضبط ہو رہی ہے۔ پھر کیا تمہارا خیال ہے کہ اس قدر اہتمام کے باوجود یہ سارے دفتر یوں ہی بے کار چھوڑ دیئے جائیں گے، ہرگز نہیں، ہر شخص کے اعمال اس کے سامنے آئیں گے اور ان کا اچھا برا پھل چکھنا پڑے گا۔ وہ لکھنے والے فرشتے نہایت دیانت دار ہیں۔ کسی کی رو رعایت ان کے پیش نظر نہیں۔ انہیں کسی سے ذاتی محبت یا عداوت نہیں کہ بے جار عایت یا مخالفت سے کچھ کا کچھ لکھ ڈالیں۔ نہ خائن ہیں کہ غلط سلط اندراجات کر دیتے ہوں۔ رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر مخالف یا موافق جھوٹی رپورٹیں کر دیتے ہوں۔

غرض کہ اس قسم کی ساری اخلاقی کمزوریوں سے وہ بالاتر ہیں۔ اس لئے ان کی جملہ کارروائی قابل اطمینان ہے۔ پھر ان فرشتوں کو انسان کے جملہ حالات کی اطلاع رہتی ہے۔ وہ ہر جگہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں کہ کسی کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ انہیں لوگوں کی نیوٹوں کا حال بھی معلوم رہتا ہے کہ کون کس نیت سے کام کر رہا ہے۔ اس لئے ان کی رونداد کا کوئی پہلو تشنہ اور نامکمل نہیں رہتا۔ بلکہ فائل مکمل قلم بند ہوتی ہے۔ سورہ کہف اور سورہ ق میں بھی یہ تفصیل اس کی گزر چکی ہے۔

انسان کا کامل حال فرشتوں کے سامنے رہتا ہے:..... یعلمون ماتفعلون۔ میں کلمہ کے ظاہر سے عموم معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی کوئی حالت بھی کرانا کاتبین سے مخفی نہیں رہتی۔ لیکن ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے یعنی دلوں کا بعض حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ظاہری اور باطنی اعمال سے واقف ہوتے ہیں۔ مگر بعض اعمال قلبیہ کا علم صرف اللہ کو ہے۔ چنانچہ بدور سافرہ میں علامہ سیوطیؒ سے حدیث موضوع منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر خفی جس کو حفظ بھی نہیں سنتے۔ ذکر جلی سے ستر درجہ فضیلت میں بڑھ کر ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عموماً دلوں کا حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ بعض احوال تک ان کی رسائی نہ ہوتی ہو یہ ممکن ہے۔ چنانچہ احادیث میں صراحت آتا ہے کہ نیکی کے عزم پر بھی ثواب ملتا ہے۔ تبریز شیخ عبدالعزیز دباغ میں اس قسم کے اسرار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن اگر حدیث مذکور صحیح نہ ہو تو پھر استثناء کی کوئی حاجت نہیں رہ جاتی۔

جنت اور اس کی بہار دائمی ہے:..... ان الا برار لفسی نعیم۔ جنت میں ہر قسم کی اور سدا نعتیں ہوں گی۔ وہاں سے نکلنے یا نعتوں کے چھن جانے کا کوئی کھٹکا نہیں رہے گا۔ ورنہ پھر مکمل راحت کیا ہوئی؟ یہی دوزخ کا حال ہوگا کہ ہمیشہ کے لئے عذاب جھگھٹنا ہوگا۔ نہ بھاگ کر دوزخ سے بچ سکیں گے اور نہ اس میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کی کوئی راہ مل سکے گی۔ ورنہ مکمل سزا کیا ہوئی؟ وما ادرائے۔ یعنی دوزخ اور اس کی سزاؤں کی شدت تصور اور عقل کی گرفت میں نہیں آ سکتی۔ تم کتنا ہی سوچو پھر بھی اس ہولناک دن کی کیفیت پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ وہاں عاجزی، خوشامد اور چالپوسی کچھ کام نہ آ سکے گی۔ اور نہ صبر و استقلال کا رگر ہوگا۔ سب رشتے ناٹے بے کار ہو جائیں گے۔ ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا۔

یوم لا تملک وہاں کسی کی یہ مجال نہ ہوگی کہ کسی کو اس کے نتائج اعمال بھگتنے سے بچا سکے۔ کوئی بلا اثر، زور آور یا اللہ کا لاڈلا ایسا نہ ہوگا کہ اللہ کے آگے آڑ لگا کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ دے کہ میرے فلاں عزیز کو بخشا ہی ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں بادشاہوں کا حکم ان کی رعایا پر اور ماں باپ کا اپنی اولاد پر اور آقا کا نوکر پر چلتا ہے۔ مگر وہاں شہنشاہ مطلق کے آگے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ ہر طرح اسی کا حکم چلے گا۔ شفاعت کی نوعیت بھی دھاندلی یا زور آور کی نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:-

من سرہ ان ينظر الى يوم القيامة كأنه رأى عين فليقرء اذا الشمس كورت واذا السماء انفطرت واذا

السماء انشقت.

ترجمہ:- جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں کی طرح دیکھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ سورہ تکویر و انفطار و انشقاق کو پڑھ لے۔ قیامت کی منظر کشی کا حاصل یہ ہے کہ انسان کا سب کچھ کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔ پھر انسان کی اس خود فریبی پر متنبہ کیا گیا ہے جو وہ اپنے رب کریم کے ساتھ برت رہا ہے۔ جس نے اسے وجود بخشا اور بہتر سے بہتر جسم و اعضاء شکل و صورت عطا کی۔ آخر انسان اس دھوکہ میں کیوں ہے کہ اس کا پروردگار بس کریم ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا کہ وہ انصاف کرنے والا بھی ہے۔ اس کی ساری زندگی کی مسل تیار کی جا رہی ہے۔ اس کی ایک ایک نقل و حرکت کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے اور لکھنے والے معتبر غیر جانب دار دیانت دار فرشتے ہیں جو ایک ایک جزئی اعمال نامے میں درج کر رہے ہیں۔ پس یہ سارا طومار کس لئے ہے؟ یقیناً ایک دوسرا جہان حقیقی سامنے آنے والا ہے جس میں نیکیوں کا پھل جنت کی عیش و عشرت کی صورت میں اور بدیوں کا بھگتان دوزخ اور اس کی بے پناہ مصیبتوں کی شکل میں حاصل ہو کر رہے گا۔ اس روز کوئی کسی کے لئے سہارہ نہیں بن سکے گا۔ سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

فضائل سورت: من قرء سورة انفطرت كتب الله له بعدد كل قطرة من السماء حسنة وبعد كل قطرة حسنة. جو شخص سورہ انفطار پڑھے گا اللہ بارش کے قطرات اور قطروں کی تعداد کے برابر نیکیاں اس کی لکھ لے گا۔

اطراف سلوک: وان عليكم لحافظين - اعمال کے اندراج و احتساب کا مراقبہ اور استحضار اصلاح حال میں نہایت مؤثر و مفید ہے۔

سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ

سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ وَثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَيْلٌ كَلِمَةً عَذَابٍ أَوْ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ لِلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَىٰ آيٍ مِنَ النَّاسِ
يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾ الْكَيْلَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَىٰ كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ أَىٰ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ يَنْقُصُونَ
الْكَيْلَ أَوْ الْوِزْنَ إِلَّا اسْتَفْهَامُ تَوْبِيخٍ يَظُنُّ بَيِّنَةً أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ أَىٰ فِيهِ وَهُوَ
يَوْمُ الْقِيَمَةِ يَوْمَ بَدَلٍ مِّنْ مَّحَلٍّ لِّيَوْمٍ فَتَاصِبُهُ مَبْعُوثُونَ يَقُومُ النَّاسُ مِنْ قُبُورِهِمْ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾
الْخَلَائِقُ لِأَجَلِ أَمْرِهِ وَحِسَابِهِ وَجَزَائِهِ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كُتِبَ الْفُجَّارِ أَىٰ كُتِبَ أَعْمَالِ الْكُفَّارِ لَفِي
سَجِينٍ ﴿٧﴾ قِيلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِأَعْمَالِ الشَّيَاطِينِ وَالْكَفَرَةِ وَقِيلَ هُوَ مَكَانٌ أَسْفَلَ الْأَرْضِ السَّابِغَةِ
وَهُوَ مَحَلُّ إِبْلِيسَ وَجُنُودِهِ وَمَا أَذْرَاكَ مَا سَجِينٌ ﴿٨﴾ مَا كِتَابُ سَجِينٍ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ مَخْتُومٌ وَيْلٌ
يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿١١﴾ الْحَزَاءُ بَدَلٌ أَوْ بَيِّنَاتٌ لِلْمُكَذِّبِينَ وَمَا يَكْذِبُ بِهِ
إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ مُّتَجَاوِزِ الْحَدِ أَتَيْهِمْ ﴿١٢﴾ صَبِغَةً مُّبَالِغَةً إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُ الْقُرْآنِ قَالَ آسَاطِيرُ
الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ الْحِكَايَاتُ الَّتِي سَطَرَتْ قَدِيمًا جَمْعُ أُسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ أَوْ أُسْطَارَةٍ بِالْكَسْرِ كَلَّا رَدُّعٌ وَزَجْرٌ
لِّقَوْلِهِمْ ذَلِكَ بَلٌّ سَكَّهُ رَانَ غَلَبَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَعَشَّهَا مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ مِنَ الْمَعَاصِي
فَهُوَ كَالصُّدَاءِ كَلَّا حَقًّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمْ يَحْجُبُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَمْ يَحْجُبُوا عَنْهُمْ ﴿١٥﴾ فَلَا يَرَوْنَهُ ثُمَّ إِنَّهُمْ
لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ لَدَاخِلُوا النَّارِ الْمُحْرِقَةِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُمْ هَذَا آيُ الْعَذَابِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ
تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كُتِبَ الْأَبْرَارِ أَىٰ كُتِبَ أَعْمَالِ الْمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ فِي إِيْمَانِهِمْ لَفِي
عِلِّيْنِ ﴿١٨﴾ قِيلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِأَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمُؤْمِنِي الثَّقَلَيْنِ وَقِيلَ هُوَ مَكَانٌ فِي

السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا عَلَيُّونَ ﴿۱۹﴾ مَا كِتَابٌ عَلَيْنَ هُوَ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ﴿۲۰﴾
مَخْتُومٌ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۱﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَّ الْأَوَّلَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۲۲﴾ حَنَّةٌ عَلَى الْأَرْأَيْلِ السُّرْرِ
فِي الْحِجَالِ يَنْظُرُونَ ﴿۲۳﴾ مَا أُعْطُوا مِنَ النَّعِيمِ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۲۴﴾ بِهِجَّةَ التَّنْعِيمِ
وَحُسْنَهُ يُسْقُونَ مِنْ رَحِيْقٍ خَمْرٍ خَالِصَةٍ مِنَ الدَّنَسِ ﴿۲۵﴾ مَخْتُومٌ ﴿۲۶﴾ عَلَى إِنْثَائِهَا لَا يَنْفُكُ حَتْمَهُ إِلَّا هُمْ
حَتْمَهُ مِسْكَتٌ أَى اخْرُسْرِبُهُ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ وَفِي ذَلِكَ فَلَيْتَنَا فَمِ الْاُمْتَنَفِسُونَ ﴿۲۷﴾
فَلْيَرْغَبُوا بِالْمُبَادَرَةِ إِلَى طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَمِزَاجُهُ أَى مَا يَمِزُجُ بِهِ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿۲۸﴾ فَسَرِّقُولِهِ عَيْنًا فَتَصْبُهُ
بِأَمْدَحٍ مُقَدَّرًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۹﴾ أَى مِنْهَا أَوْضَمَنْ يَشْرَبُ مَعْنَى يَلْتَذُّ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا
كَأَنَّهُمْ جَهْلٌ وَنَحْوُهُ كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا كَعَمَارٍ وَبَلَالٍ وَنَحْوِهِمَا يَضْحَكُونَ ﴿۳۰﴾ اسْتَهْزَاءُ بِهِمْ
وَإِذَا أَمَرُوا أَى الْمُؤْمِنُونَ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿۳۱﴾ أَى يَشِيرُ الْمُجْرِمُونَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ بِالْحُفْنِ وَالْحَاجِبِ
اسْتَهْزَاءُ وَإِذَا انْقَلَبُوا رَجَعُوا إِلَى أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿۳۲﴾ وَفِي قِرَاءَةِ فَكِهِينَ مُعْجِبِينَ بِذِكْرِهِمْ
الْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا رَأَوْهُمْ رَأَوْا الْمُؤْمِنِينَ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿۳۳﴾ لَا يَمَانِيهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالَى وَمَا أَرْسَلُوا إِلَى الْكُفَّارِ عَلَيْهِمْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَفِظِينَ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ أَوْلَاعْمَالِهِمْ حَتَّى
يَرُدُّوهُمْ إِلَى مَصَالِحِهِمْ فَالْيَوْمَ أَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿۳۵﴾ عَلَى
الْأَرْأَيْلِ فِي الْحَنَةِ يَنْظُرُونَ ﴿۳۶﴾ مِنْ مَنَازِلِهِمْ إِلَى الْكُفَّارِ وَهُمْ يُعَذِّبُونَ فَيَضْحَكُونَ مِنْهُمْ
كَمَا ضَحِكَ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا هَلْ تُؤَبِّجُؤُورِ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۷﴾

سورہ مطففین کی یاد دہانی ہے اس میں ۳۶ آیات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ: بڑی خرابی ہے (یہ کلمہ عذاب ہے یا جہنم کی وادی کا نام ہے) ناپ تول میں کوئی کرنے والوں کے لئے کہ جب
لوگوں سے (علیٰ بمعنی من) ناپ کر لیں تو پورا (ناپ) لیں اور جب ان کو ناپ کر (کالوہم کی تقدیر کا لوالہم ہے) یا تول کر
ویں (وزنوہم کی تقدیر ووزنوہم ہے) تو گھٹا دیں (ناپ تول میں کوئی کر دیں) کیا (استفہام تو تھی ہے) ان لوگوں کو اس کا گمان
(یقین) نہیں کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گی ایک بڑے سخت (قیامت کے) دن میں جس روز (یہ لیوم کے کل سے بدل ہے لہذا اس
کا نام جمع و جمعوتون ہے) تمام آدمی (اپنی قبروں سے) کھڑے کئے جائیں گے رب العالمین کے سامنے (تمام مخلوق اللہ کی کچھری میں
حساب کتاب اور صلہ کے لئے) ہرگز نہیں (یقیناً) بدکار (کافر) لوگوں کا اعمال نامہ بحین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ یہ شیاطین اور
کافروں کا دفتر اعمال ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے جہاں ابلیس اور اس کا لشکر رہتا ہے) اور آپ کو معلوم

ہے کہ مسجین (یعنی رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) لگا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے (الذین بدل ہے المکذبین سے) اس کو تو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو، مجرم ہو (مبالغہ کا صیغہ ہے) جب اس کے سامنے ہماری آیات (قرآن) پڑھی جاتی ہیں تو یوں کہہ دیتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو لوگوں سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں (اساطیر اسطورہ یا اسطارہ کی جمع ہے، پرانے قصے کہانیاں) ہرگز ایسا نہیں (ان کی اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے (غالب آ کر چھا گیا ہے) ان کے اعمال کا (گناہوں کا میل کچیل) ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) یہ لوگ اپنے پروردگار سے اس روز (قیامت کے دن) روک دیئے جائیں گے (اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے) پھر یہ دوزخ (کی دہشت آگ) میں داخل ہو جائیں گے پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ یہی (عذاب) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) نیک لوگوں کا اعمال نامہ (سچے ایمانداروں کے اعمال نامے) علیین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ فرشتوں، انسان و جنات کے اچھے اعمال کا دفتر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ایک جگہ ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب (فرشتے) دیکھتے ہیں، بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش (جنت) میں ہوں گے مسہریوں (چھپر کھٹ) پر معائنہ کرتے ہوں گے (عطا کی ہوئی نعمتوں کا) اے دیکھنے والے! تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشارت (نعمتوں کی تروتازگی اور رونق) محسوس کرے گا۔ ان کو پینے کے لئے صری ہوئی شراب (میل کچیل سے صاف ستھری) سر بہر ملے گی (جس کی مہر وہ خود کھولیں گے) اس کا اثر مشک ہوگا (یعنی پینے کے بعد اس میں مشک کی مہک آئے گی) اور حریص لوگوں کو اس میں حرص کرنی چاہئے (لہذا انہیں اللہ کی فرمانبرداری کی طرف لپکنا چاہئے) اور اس کی آمیزش (ملاوٹ) تسنیم سے ہوگا (جس کی تشریح آگے آتی ہے) ایسا چشمہ (امدح مقدر سے منصوب ہے) جس سے سیر۔ بندے پیئیں گے (بہا یعنی منہا ہے یا شرب متضمن ہے معنی بلند کے) جو لوگ مجرم تھے (جیسے: ابو جہل وغیرہ) وہ ایمان والوں (عمار۔ بلال وغیرہ) سے ہٹا کرتے تھے (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) اور جب ان (مومنین) کے سامنے۔ گزر ا کرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے (یعنی مجرمین مومنین کا مذاق اڑانے کے لئے آنکھیں مارا کرتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے (پلٹتے) تو دل لگیاں کیا کرتے تھے (ایک قرأت میں فکھین ہے تعجب کے ساتھ مومنین کا ذکر کرتے تھے) اور جب (مومنین کو) دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (محمد ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ یہ (کفار) ان (مومنین) پر نگران کا رہنا کر نہیں بھیجے گئے (مسلمانوں اور ان کے اعمال کی دیکھ بھال کے لئے کہ ان کو اپنے مصاح کی طرف پھیر دیں سو آج (قیامت کے روز) ایمان دار کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (جنت میں) دیکھ رہے ہوں گے (اپنے محلات سے کفار کو جو جھٹلائے عذاب ہوں گے۔ اس لئے وہ کفار پر اسی طرح ہنسیں گے۔ جس طرح کفار دنیا میں ان پر ہٹا کرتے تھے) واقعی کفار کو اپنے کئے کا خوب بدلہ (صلہ) ملا۔

تحقیق و ترکیب:..... ویل۔ بددعا یہ کلمہ ہے مرفوع ہونے کی صورت میں مبتداء ہے۔ چنانچہ کی کہتے ہیں کہ ویل وغیرہ اگر مضاف نہ ہوں تو ان میں رفع مختار ہوتا ہے۔ اگرچہ نصب بھی جائز ہو۔ لیکن مضاف یا معرفہ ہونے کی صورت میں نصب مختار ہوگا۔ جیسے ویلکم لا تفترو اور ویل دوزخ کی وادی کا نام بھی ہے جس کی گہرائی چالیس سال کی مسافت ہوگی۔ دونوں معانی کا جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

المطففین۔ تطفیف کے معنی ناپ تول میں کمی کرنا۔ طفیف بمعنی حقیر اسی لئے بولا جاتا ہے۔ دون الطفیف ای الشئی الشافہ لقلۃ۔ اذا اکتا لوا علی الناس بقول فراء علی بمعنی من ہے۔ اکتلت منه وعلیہ دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ یا اکتیال

بمعنی تحامل کو حصص من ہے اس لئے علی لایا گیا ہے۔ یا لوگوں پر جو اپنا حق آتا ہے اس کا وصول کرنا مراد ہے۔ اس لئے علی الناس کہنا صحیح ہے، اور بقول زحشری علی کا تعلق یستوفون سے بھی ہو سکتا ہے اور تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔

کالوہم۔ مفسر نے لازم محذوف مانا ہے اور ضمیر ہم منصوب ہے۔ یہ ضمیر مرفوع واؤ کی مؤکد نہیں ہے یا تقدیر عبارت او کالو امکیلہم ہے مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

الایظن۔ الا تنبیہ کے لئے نہیں بلکہ توبیخ کے لئے ہے۔ ظن بمعنی یقین کے لئے ہے۔ لیکن اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ظن لایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ قیامت کے سلسلہ میں یقین تو رہا درکنار، ان کو تو ظن بھی حاصل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یقین تو بجائے خود، قیامت کا تو گمان بھی ڈرانے کے لئے کافی ہے۔

اولثک۔ کفار کے بعد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

یوم یقوم۔ یہ مبعوثوں سے منصوب ہے اور یایوم سے بدل ہے۔ چنانچہ قرأت جر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس آیت میں انکار اور تعجب اور لفظ ظن اور یوم کہنے اور ب العالمین لانے سے کوئی کرنے کے متعلق ممانعت میں مبالغات ہیں۔ کلام بمعنی حقا ہے یعنی کلام متانف ہے۔ اس لئے اس پر سے پہلے وقف ضروری ہے اور یہ کلمہ ردع وزجر بھی ہو سکتا ہے ای لیس الا مر علی ماہم علیہ اس صورت میں اس پر وقف کیا جائے گا۔

کتاب الفجار۔ مفسر نے اعمال مضاف محذوف مانا ہے تاکہ ظرفیت الشی لنفس ملازم نہ آئے۔ لیکن کتاب بمعنی کتب لینے کی بجائے اگر اعمال نامہ مراد لیا جائے تو پھر ظرفیت الكل للجزء ہوگی اور کتاب بمعنی کتابت یا بمعنی مکتوب ہو تو پھر ظرف کتابت یا ظرف اعمال مکتوب ہوگا اور تین ایک خاص مقام کا نام بھی ہے جو شیاطین و بدکاروں کا قید خانہ ہوگا۔

کتاب مرقوم۔ یہ یحییٰ کا بیان نہیں۔ بلکہ کتاب الفجار کی تفسیر ہے یعنی صاف لکھائی یا نشان و علامت کے معنی ہیں جس کو دیکھتے ہی ہر شخص سمجھ لے کہ یہ خراب اعمال نامہ ہے۔

الذین۔ یہ صفت مخصوصہ ہے یا موصیہ یا صفت ذاعہ ہے۔

اساطیر۔ یعنی عقلی دلائل جس طرح ان کے لئے بے کار ہیں۔ اسی طرح نقلی دلائل بھی عبث سمجھتے ہیں۔

دان۔ رین رنگ کو کہتے ہیں۔ حفص کے علاوہ دوسرے قراء نے تشدیداء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معلوم ہوا کہ کام کی کثرت سے ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے خواہ وہ اچھے کام ہوں یا برے کام۔ چنانچہ گناہ کرتے کرتے قلب پر رنگ آ جاتا ہے اور مہر لگ جاتی ہے۔ جس کو دوسری آیات میں بل طبع اللہ اور ختم اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لمحجوبون۔ امام اک، امام شافعی اس سے مومنین کے لئے رویت باری کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دیدار الہی کا انکار کرتے ہیں وہ مضاف مقدر مانتے ہیں۔ ای انہم عن کرامة ربہم لمحجوبون اور بعض کہتے ہیں کہ اول سب کو رویت ہوگی پھر کفار کو حجاب ہو جائے گا جس سے حسرت و ندامت ہوگی۔

لغی علیین۔ اعلیٰ مقام جمع کے صیغہ سے ہے اس کا لفظی مفرد نہیں ہے۔ عشرين وثلثین کی طرح بلند مقام یا بلند مراتب سب ہونے کی وجہ سے اس کو علیین کہتے ہیں۔

ارائک۔ اریکہ اس کو مند کہتے ہیں جو لوہنوں کے لئے سجائی جاتی ہے۔

تعرف۔ یعقوب نے فعل مجہول کے ساتھ اور نصرة مرفوع پڑھا ہے۔

مخبوم۔ سیل بند چیزیں نفیس بھی ہوتی ہیں اور اصلی بھی، ان میں آمیزش کا شبہ نہیں ہوتا۔ سورہ محمد میں اگرچہ انھار من حمر فرمایا گیا ہے۔ لیکن ان پر مہر کرنا مراد نہیں۔ بلکہ شراب کے پیالوں میں مہر لگی ہوئی، اور شراب بھری ہوئی مراد ہے۔

ختامہ مشک کی مہر مراد ہے۔ چنانچہ کسائی ختامہ پڑھتے ہیں اور یا شراب پینے کے بعد مشک کی مہک مراد ہے۔

فلیتنافس۔ تنافس اگر نفسانی ہو تو برا ہے اور رحمانی ہو تو بہترین ہے۔

ومزاجہ۔ مفسر نے اسم آلہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے امام۔

من تسنیم۔ یہ مصدر ہے سمنہ بمعنی دفعہ جنت کا چشمہ مراد ہے جو ہوا میں جاری رہے گا، جیسے شبنم ہوا کرتی ہے، ضرورت کے مطابق اس سے برتنوں میں پانی آ جائے گا۔ یشرّب بها۔ بمعنی من ہے۔ جیسے یشرّب بها عباد اللہ میں ہے یا یشرّب متضمن مانا جائے۔ یلتذ کے معنی کو یا یا کو زائد کہا جائے اور عیناً منصوب ہے بطور مدح کے یا تسنیم سے حال ہونے کی وجہ سے۔ حاصل یہ ہے کہ عام جنتیوں کو شراب میں تسنیم ملا کر پلائی جائے گی۔ لیکن مقررین کو خالص پلائی جائے گی۔ ان الذین اجرّموا۔ ابرار کے بعد مجرمین کا ذکر ہے۔ پھر آگے مومنین کے لئے تسلی کا مضمون ہے۔

یتغامزون۔ آنکھ مارنے اور منکائے کو غمز کہا جاتا ہے۔

فکھین۔ یعنی اپنی بلندی اور کافروں کی پستی پر جنتی خوش ہوں گے۔

وما ارسلوا۔ یعنی خدا نے کافروں کو مسلمانوں پر مسلط کر کے نہیں بھیجا ہے۔

فالیوم۔ یضحکون سے منصوب ہے اور مبتداء پر مقدم کرنے میں یہاں کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں ہے۔ بخلاف زید قام فی الدار کے اس میں فی الدار زید۔ قام کہنا جائز نہیں ہے۔

هل ثوب۔ یہ جملہ استفہامیہ ینظرون سے متعلق ہو سکتا ہے حذف جار کے بعد محلاً منصوب ہے اور قول مقدر بھی مانا جاسکتا ہے۔ اى یقولون هل ثوب الکفار اور پہلی صورت میں تقدیر عبارت ہوگی۔ ینظرون هل جوزی الکفار اور بعض اس کو جملہ مستانفہ کہتے ہیں۔ اور حمزہ کسائی لام کو ثناء میں ادغام کر کے پڑھتے ہیں۔

رابط آیات:..... اگلی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورۃ تطفیف میں بھی مجازات اعمال کا بیان ہے اور چونکہ قیامت میں عدل وانصاف ہوگا اس لئے خصوصیت سے اہتمام کے ساتھ ناپ تول میں انصاف کی تعلیم ہے اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے شروع سورت میں وعید شدید فرمادی۔

روایات:..... اہل مدینہ ناپ تول میں فرق کرتے تھے۔ اس پر اس سلسلہ میں آیت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کے اس طرح فرمانے سے بعض حضرات نے اس کا نزول مان لیا ہے۔ لیکن سورت کے انداز بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ مکہ معظمہ کے ابتدائی حالات میں نازل ہوئی ہے اور حضرات صحابہ تمام یکساں مواقع کو شان نزول ہی میں داخل سمجھتے ہیں۔ مفسر نے دونوں قول بیان کر دیئے ہیں۔

سجین۔ ابن عمرؓ مجاہدؒ قوادہؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے ساتویں طبقہ میں ہے جہاں کفار کی ارواح قید ہوتی ہیں۔ اور براءؓ مرفوع روایت ہے کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور علیین عرش کے نیچے ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ کعبؒ وقادہؒ کہتے ہیں کہ علیین سے قائمۃ العرش مراد ہے۔ ابن عباسؓ جنت، اور ضحاکؒ سدرۃ المنتہیٰ اور بعض اہل معانی کہتے ہیں کہ انتہائی علوا اور شرف مراد ہے۔

بل ران۔ ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے۔ کہ ان العبد اذا اذنب ذنبا فشكت في قلبه نكتة سوداء فان تاب وفرع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتى تعلموا قلبه فذلك الران الذي ذكر الله في القرآن۔
ختمامہ مسئلت۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ الرحيق الخمر اور مختوم کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ذائقہ بے شک مشک کا ہوگا۔

فکھین۔ حدیث میں ہے۔ ان الدين بدا غريبا وسعود غريبا كما بدا يكون القابض على دينه كالقابض على الجمر۔ اور فرمایا گیا۔ کہ یکون المؤمن فيهم اذل من الامة اور فرمایا گیا العالم فيهم اتن من جيف حمار لیکن آخرت میں اس کا رد عمل دیکھ کر مومنین مسرور ہوں گے۔

﴿تشریح﴾..... ویل للمطففين۔ ڈنڈی مارنے والا چوری چھپے کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا۔ بلکہ ناپ تول میں ہاتھ کی صفائی دکھا کر خریدار کے حصہ سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے۔ جس سے اس بے چارہ کو پتہ نہیں لگتا کہ تاجر کتنا گھانا دے گیا اس کٹوتی کے سلسلہ میں کساد بازاری آتی ہے اور اقتصاد دی ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں کئی جگہ ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ ناپ تول کرنے کو فرمایا گیا ہے۔

لیکن دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے:..... اور اگرچہ دوسروں سے اپنا حق پورا لینا برا نہیں ہے۔ لیکن یہاں ذکر کرنے سے مقصود کم دینے کی نفی کرنا ہے۔ پورا لینے کی نفی کرنا نہیں ہے۔ یعنی دینے لینے کے باٹ اور ناپ یکساں ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ خود تو دوسرے کی رعایت نہ کرے اور دوسرے سے رعایت کا خواست گار ہو۔ برخلاف رعایت کرنے والے کے۔ اس میں اگر ایک عیب ہے تو دوسرا نہیں ہے۔ اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ برا نہیں۔ اسی لئے لینے میں صرف ناپ کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ دوسرے یہ کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ تر ناپ رائج تھا۔ نیز اس کے علاوہ اور وجوہ تحقیق بھی نکل سکتی ہیں۔ البتہ کم دینا صحیح ہے۔ اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں شقوں کو صراحۃً الگ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ دونوں کی برائی متظاہر معلوم ہو جائے۔ حدیث میں ارشاد ہے۔

خمس بخمس مانقض العهد قوم الا سلت الله عليهم عدوهم وما حکموا بغير ما انزل الله

الا فتنا فيهم الفقير وما ظهرت فيهم الفاحشة الا فتنا فيهم الرک ولا تطففوا الکيل الا منعوا

النبات واخذوا السنين ولا منعوا الزکوة الا حبس منهم القطر۔

ترجمہ..... پانچ باتیں پانچ باتوں کے بدلہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اس پر اللہ دشمن مسلط کر دیتا ہے اور احکام الہی کے خلاف فیصلے کرنے سے فقر پیدا ہوتا ہے اور فحش کاری سے مری پھیل جاتی ہے۔ ناپ تول میں کمی سے پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ اور قحط سالی آ جاتی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے سے بارش بند ہو جاتی ہے۔

الابطن البخ یعنی اگر انہیں اس کا خیال بھی ہو تو کہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہو کر تمام حقوق و فرائض کا حساب ہے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے اور قیامت کے دن کو بڑا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں کل عالم کا حساب کتاب خدا کی ہدایت میں بیک وقت لیا جائے گا اور ثواب و عذاب کے اہم فیصلے ہوں گے۔

تجسین کیا ہے اور کہاں ہے؟..... کلا ان کعباب الفجار۔ یہ گمان ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دنیا میں جرائم کرنے کے بعد یہ یوں ہی چھوٹ جائیں گے اور ان کو خدا کے سامنے جواب دہی کے لئے حاضر نہ ہونا پڑے گا۔ یقیناً یہ فیصلہ اور پیشی کا دن ضرور آتا ہے اور اس کے لئے سب نیکوں بدوں کے اعمال نامے اپنے دفاتروں میں مرتب کر کے رکھے ہیں۔

مسجین مسجن سے ماخوذ ہے جس کے معنی جیل خانہ کے ہیں۔ یہ ایک دفتر ہے جس میں دوزخیوں کے نام اور کام کے رجسٹر محفوظ ہیں۔ کرلما کاتین ان پر علامات اور نشانات لگا دیتے ہیں۔ جس سے اعمال ناموں میں امتیاز ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کفار کی ارواح بھی محبوس رکھی جاتی ہیں۔ بعض سلف کی رائے یہ ہے کہ یہ مقام زمین کے ساتویں طبق کے نیچے ہے۔

کل معتد ایم۔ یعنی قیامت کا انکار اللہ کی ربوبیت اور اس کے عدل و انصاف اور اس کی قدرت و حکمت کا انکار ہے اور اس انکار کے بعد ظاہر ہے کہ گناہوں پر دلیری جس قدر بھی ہو کم ہے۔

اساطیر الاولین۔ یعنی ایسا شخص قرآن اور اس کی نعمت سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں تو لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں وہی پرانی کہانیاں قصے انہوں نے نقل کر دیئے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور افسانوں سے ڈرنے والے کہاں؟

قرآن افسانہ کی کتاب نہیں ہے..... کلابل دان یعنی قرآن کے انکار کی وجہ فی الحقیقت یہ نہیں کہ وہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کر رہے ہیں ان کا زنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے۔ اس لئے انہیں حقیقت افروز باتیں بھی افسانہ نظر آتی ہیں۔ حقائق صحیحہ کا انعکاس آئینہ دل میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نشان مٹ جاتا ہے۔ ورنہ جوں جوں بندہ گناہ کرتا جائے گا۔ وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کا دل بالکل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کو نیکی بدی، اچھائی برائی کی تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔ بلکہ یہ اثر بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کی نظر میں بھلائی برائی بن جاتی ہے اور برائی بھلائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ انتہائی خطرناک حالت ہے جس میں توفیق و ہدایت بالکلیہ سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اللہم احفظنا منہا۔ ان جھٹلانے والوں کا حال بھی یہی ہو گیا کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے یہ اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

کلا انہم۔ یعنی انکار و تکذیب کرنے والے اپنے انجام بد سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ دیدار الہی کا جو شرف نیک لوگوں کو حاصل ہوگا اس سے یہ بد بخت یقیناً محروم رہیں گے اور صرف یہی حرمان نصیبی نہیں ہوگی۔ بلکہ ان کو دوزخ کا کندہ بنایا جائے گا۔

علیین کیا ہے اور کہاں ہے؟..... کلا ان کتاب الابرار۔ بدکاروں کے بعد نیکوں کا رول کے نتائج کا اعلان ہو رہا ہے۔ یعنی اچھے بروں کا انجام یکساں ہو جائے گا یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ نیکوں کے اعمال نامے اور ارواح مسلمین علیین میں رہیں گے..... اور پہلے ان کی ارواح وہیں رکھی جائیں گی۔ پھر اپنے اپنے مقامات پر پہنچادی جائیں گی۔ اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق رکھا جاتا ہے۔ بہر حال علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے جہاں مقربین کی ارواح قیام پذیر رہتی ہیں۔

شہدہ القربون۔ مقرب فرشتے یا مقرب بندے مؤمنین کے اعمال نامے دیکھنے کے لئے وہاں رہتے ہیں۔ جنت میں

ابراہیم یوں پر بیٹھ کر دیدار الہی اور مناظر کی سیر سے سرور ہوں گے اور عیش و عشرت کے آثار ان کے چہروں سے ٹپکتے ہوں گے۔
 ریحیق مضموم۔ یوں تو شراب کی نہریں ہر جنتی کے گھر میں بہتی ہوں گی۔ لیکن نادر شراب سر بہمرہے گی اور اس اعلیٰ شراب پر مشک کی نفیس ترین سیل لگی ہوگی۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ یہ شراب جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو اس میں مشک کی خوشبو مہکے گی۔ دنیا کی شرابوں کی طرح اس میں بدبو کا بھپکارا نہیں اٹھے گا اور نہ پیتے ہوئے بدذائقہ اور بد مزہ ہوگی اور نہ اس میں سڑاؤ محسوس ہوگا۔ بلکہ دماغ معطر رہے گا۔

وفی ذلک فلیتنافس۔ یعنی دنیا کی گندی شراب تو لائق التفات نہیں ہوتی۔ مگر یہ شراب طہور تو اس لائق ہوگی کہ اس پر طلب گاروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جائیں گے۔
 ومزاجہ من تسنیم۔ تسنیم کے معنی بلندی کے ہیں۔ ممکن ہے نہر تسنیم بلندی سے بہتی ہو۔ مقرب لوگوں کو تو خالص تسنیم کی شراب ملے گی اور ابراہیم کو اس کی ملفوفی دی جائے گی۔ جو بطور عرق گلاب وغیرہ ان کی شراب میں آمیزش ہوگی۔

دوسروں پر ہنسنے کا انجام بد:..... ان الذین اجر مو۔ دنیا میں نیک و بد لوگوں کا جو طرز عمل رہا ہوگا۔ آخرت میں اس کا رد عمل ظاہر ہوگا۔ دنیا میں کچھ بے وقوف لوگ مسلمانوں پر اس لئے ہنستے تھے کہ انہوں نے جنت کی خیالی لذتوں کی خاطر یہاں کی محسوس نعمتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کے پاس سے ہو کر یہ لوگ گزرتے تھے۔ تو تمسخرانہ انداز میں آنکھ مارتے ہوئے جایا کرتے تھے اور جب اپنے گھروں اور مجلسوں میں لوٹتے تو یہ سوچتے ہوئے پلٹتے کہ مسلمان کتنے احمق ہیں کہ جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم ہو گئے اور آج ہم نے مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ بس مزہ آگیا اور ان پر پھبتیاں اور آوازے کس کر خوب لطف آگیا اور ان کی اچھی گت بنادی غرض کہ کافر خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کتے تھے اور اپنے عیش و عشرت پر مغرور و مفتوت ہو کر یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا ہی طور طریق ٹھیک ہے تب ہی تو ہمیں یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

واذا راوہم۔ یعنی مسلمانوں کو دیکھ کر کافر طعن کرتے تھے کہ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ جنت دوزخ کے چکر میں پڑ کر دنیاوی فائدوں اور لذتوں سے محروم ہو گئے۔ اور ہر قسم کی مشکلات و مصائب کو دعوت دے رکھی ہے۔ بھلا نقد کے ہوتے ہوئے ادھار کو ترجیح دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ مومن قوتوں کے خیال سے موجود عیش کو تنج دیا ہے اور اپنی جان جو کھوں میں ڈال رکھی ہے اور خود کو کھپا رکھا ہے اور لا حاصل مشقتوں کو کمالات حقیقی کا نام دے لیا ہے۔ کیا یہ ٹھکی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھربار اور عیش و آرام کو قربان کر کے ایک شخص کے پیچھے ہوئے۔ اور اپنے آبائی مذہب و دین کو بھی چھوڑ بیٹھے۔

ایک سبق آموز نصیحت:..... وما ارسلوا علیہم حافظین۔ اس مختصر جملہ میں ان مذاق اڑانے والوں کو بڑی سبق آموز تنبیہ کی گئی ہے۔ یعنی بالفرض مسلمانوں کی راہ غلط ہے۔ لیکن وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں۔ جس چیز کو وہ حق سمجھتے ہیں وہ اس پر گامزن ہیں تم ان پر فوجدار کیوں ہو۔ آخر یہ لوگ مسلمانوں کے نگہبان کیوں بنے۔ اپنی احمقانہ تباہ کاریوں سے تو آنکھیں بند ہیں۔ اپنی اصلاح کی تو فکر نہیں اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ بتلا رہے ہیں اور جو انہیں نہیں چھیڑتا اسے چھیڑ رہے ہیں۔ اور جو انہیں تکلیف نہیں دیتے، انہیں ستم رہے ہیں۔

فالیوم الدین۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان کافروں پر نہیں گے۔ کہ یہ لوگ کتنے ناسمجھ اور احمق ہیں۔ جنہوں نے

ناپائیدار اور فانی دنیا میں دل لگائے رکھا۔ اور آخرت کی پائیدار باقی رہنے والی نعمتوں کو نظر انداز کئے رکھا۔ نفیس چیزوں کے مقابلہ میں خسیس چیزوں پر اکتفا کر لیا۔ آج دوزخ کا دائمی عذاب کس طرح بھگت رہے ہیں۔ غرض مسلمان اپنی خوش حالی اور کافروں کی بد حالی کا نظارہ کریں گے۔

هل ثوب الکفار۔ یعنی آخرت میں گیانہ کافروں کو اپنی کرنے کا پھل۔ اس فقر میں ایک لطیف طنز ہے کہ جو کافر دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے۔ آج ان کا حال مٹھکھ خیز ہو رہا ہے۔ اب مسلمان ان کی گزشتہ حماقتوں کو یاد کر کے ہنستے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ان کے اعمال کا انہیں خوب ثواب ملے گا۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں بھی زیادہ تر آخرت ہی کا بیان ہے۔ شروع کی چھ آیات میں کاروباری لوگوں کی اس عام بے ایمانی پر گرفت کی جا رہی ہے۔ جو لین دین کے وقت کرتے رہتے ہیں۔ لیتے ہیں تو ناپ تول پورا کرتے ہیں۔ لیکن دیتے وقت دونوں میں کٹوتی کرتے ہیں۔ بہر حال معاشرے کی بے شمار خرابیوں میں سے یہ خرابی بھی آخرت سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب تک لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ خدا کے سامنے سب کو پیش ہونا ہے اور کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہے۔ اس وقت تک یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے معاملات میں کامل امانت و دیانت کا راستہ اختیار کریں۔ آدمی میں کجی دیانت داری صرف خدا کے خوف اور آخرت کے یقین ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد ساتویں آیت سے سترہویں آیت تک واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ بدکار لوگوں کی مسلسل تیار ہو کر محفوظ ہو رہی ہیں۔ جن کے مطابق آخرت میں ان کو انتہائی تباہی سے دو چار ہونا ہوگا۔ پھر اٹھارہویں آیت سے اٹھائیسویں آیت تک نیکو نیکو کاروں کے شاندار نتیجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے دفتر اعمال پر بھی مقرب فرشتے مامور ہیں۔ پھر آخر میں ایمانداروں کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم آج مسلمانوں کا مذاق اڑالو۔ مگر قیامت کے روز اس کا انجام بد بھی تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ اس وقت اہل ایمان تم پر نہیں گے اور اپنی آنکھیں اور دل ٹھنڈا کریں گے۔

فضائل سورت:..... من قرا سورة المطففين سقاها الله تعالى من الرحيق المختوم۔ جو شخص سورہ مطففین پڑھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نفیس سر بہر شراب سے سیراب فرمائے گا۔

لطايف سلوك:..... کلابل ران۔ اس آیت سے گناہوں اور شرک و کفر کی ظلمت کا قلب میں ہونا صراحتہ معلوم ہو رہا ہے صوفیاء کے کلام میں بھی بکثرت اس کا ذکر ہے۔

سُورَةُ الْإِنْشِقَاقِ

سُورَةُ الْإِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثٌ أَوْ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ﴿١﴾ وَأَذِنَتْ سَمِعَتْ وَأَطَاعَتْ فِي الْإِنْشِقَاقِ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ أَيْ حَقَّ لَهَا أَنْ تَسْمَعَ وَتُطِيعَ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾ زِيدَ فِي سَعَتِهَا كَمَا يُمَدُّ الْأَدِيمُ وَلَمْ يَبْقَ عَلَيْهَا بِنَاءٌ وَلَا جَبَلٌ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا مِنَ الْمَوْتَى إِلَى ظَاهِرِهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ عَنْهُ وَأَذِنَتْ سَمِعَتْ وَأَطَاعَتْ فِي ذَلِكَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾ وَذَلِكَ كُلُّهُ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَجَوَابٌ إِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا مَحْدُوفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهُ تَقْدِيرُهُ لِقَى الْإِنْسَانَ عَمَلَهُ يَأْتِيهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ جَاهِدٌ فِي عَمَلِكَ إِلَى لِقَاءِ رَبِّكَ وَهُوَ الْمَوْتُ كَذَخًا فَمَلِكِيهِ ﴿٦﴾ أَيْ مُلَاقٍ عَمَلِكَ الْمَذْكُورُ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ عَمَلِهِ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾ وَهُوَ الْمُؤْمِنُ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ هُوَ عَرَضٌ عَمَلِهِ عَلَيْهِ كَمَا فَسَّرَ فِي حَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ وَفِيهِ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ وَبَعْدَ الْعَرَضِ يَتَجَاوَزُ عَنْهُ وَيُنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِهِ فِي الْجَنَّةِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ بِذَلِكَ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ هُوَ الْكَافِرُ تَعْلُ يُمْنَاهُ إِلَى عَنْقِهِ وَتُجْعَلُ يُسْرَاهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَيَاخُذُ بِهَا كِتَابَهُ فَسَوْفَ يَدْعُوا عِنْدَ رُؤْيَا مَا فِيهِ ثُبُورًا ﴿١١﴾ يُنَادِي هَلَاكُهُ بِقَوْلِهِ يَا ثُبُورَاهُ وَيَبْضُلِي سَعِيرًا ﴿١٢﴾ يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيدَةَ وَفِي قِرَاءَةِ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِيدِ اللَّامِ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ عَشِيرَتِهِ فِي الدُّنْيَا مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ بَطَرًا يَا تَبَا عِ لِهَوَاهُ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ مَخَفَّةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمَهَا مَحْدُوفٌ أَيْ أَنَّهُ لَنْ يَحْوَرَ ﴿١٤﴾ يَرْجِعُ إِلَى رَبِّهِ بَلَى عَ يَرْجِعُ إِلَيْهِ إِنْ رَبُّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾ عَالِمًا بِرَجُوعِهِ إِلَيْهِ فَلَا أَقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ جَا لَشْفَقِي ﴿١٦﴾ هُوَ الْحُمْرَةُ فِي الْأَفْقِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ اجْتَمَعَ

وَتَمَّ نُورُهُ وَذَلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبَيْضِ لَتَرْكَبَنَّ أَيُّهَا النَّاسُ أَصْلَهُ تَرْكَبُونَ خُذِفَتْ نُورُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْأُمُثَالِ وَالْوَاوُ لَا لِيَقَاءِ السَّاكِنِينَ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ حَالًا بَعْدَ حَالٍ وَهُوَ الْمَوْتُ ثُمَّ الْحَيَاةُ وَمَا بَعْدَهَا مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ فَمَا لَهُمْ أَيْ الْكُفَّارِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾ أَيْ أَيْ مَانِعٍ لَهُمْ مِنَ الْإِيمَانِ أَوْ أَيْ حُجَّةٍ لَهُمْ فِي فِرْكِهِ مَعَ وَجُودِ بَرَاهِينِهِ وَمَالَهُمْ إِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿۲۱﴾ السُّجُودُ ۳ يَخْضَعُونَ بِأَن يَوْمِنَا بِهِ لَا عِجَازَ بِهِ لِلَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿۲۲﴾ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿۲۳﴾ يَجْمَعُونَ فِي صُحُفِهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيبِ وَأَعْمَالِهِمُ السُّوءِ فَنَبَشِّرُهُمْ أَخْبِرْهُمْ بِعَذَابِ الْيَمِّ ﴿۲۴﴾ مُؤَلِّمٍ إِلَّا لَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْمَلُوا الصَّلَاحَ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۲۵﴾ غَيْرُ مَقْطُوعٍ وَلَا مَنْقُوصٍ وَلَا يَمُنُّ بِهِ عَلَيْهِمْ

سورہ انشقاق مکہ ہے جس میں ۲۵ یا ۲۳ آیات ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

ترجمہ: آسمان جب پھٹ جائے گا اور سن لے گا (پہنچنے کا حکم سن کر مان لے گا) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یعنی سننا اور ماننا اس کے لئے لائق ہے) اور زمین جب کھینچ کر بڑھادی جائے گی (چمڑے کی طرح اس کی وسعت بڑھ جائے گی، اس پر کوئی عمارت اور پہاڑ نہیں رہے گا) اور اگل دے گی اپنے اندر کی چیزیں (مردے باہر کر دے گی) اور خالی ہو جائے گی اور سن لے گی (سن کر مان جائے گی) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یہ تمام باتیں قیامت کے دن ہوں گی۔ اِذَا اور اس کے معطوف کا جواب محذوف ہے بعد کی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لَقَى الْإِنْسَانَ عَمَلَهُ) اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے (مرنے) تک (کام میں) کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے جا ملے گا (یعنی قیامت میں اپنے اس اچھے برے کام سے جا ملے گا) پس جس شخص کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں آئے گا۔ (یعنی مؤمن) سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا (صرف اس کو نامہ اعمال دکھلا کر درگزر کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ جس کے حساب میں پوچھ گچھ کا سلسلہ ہوگا وہ تباہ ہو جائے گا) اور (جنت میں) اپنے متعلقین کے پاس (اس کی وجہ سے) خوش خوش واپس ہوگا۔ لیکن جس شخص کا اعمال نامہ پیچھے سے ملے گا (یعنی کافر جس کا داہنا ہاتھ گردن پر اور بائیں کمر کے پیچھے بندھا ہوگا جس سے وہ نامہ مل تھا مے ہوگا) سو وہ (دیکھتے ہی) موت کو پکارے گا (ہائے تباہی چلائے گا) اور دوزخ (کی دہکتی ہوئی آگ) میں داخل ہوگا۔

ایک قرأت میں ضمہ یا اور فتح صاد اور تشدید لام کے ساتھ) یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش بخوش رہا کرتا تھا (نفس کی پیروی پر اُتر آیا کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (ان مخفہ ہے جس کا اسم محذوف ہے اصل اللہ تھا) لوٹنا نہیں (اپنے پروردگار کے پاس جانا نہیں) کیوں (رب کے پاس لوٹنا) نہیں؟ اس کا پروردگار اس کو خوب دیکھتا تھا (اس کے پاس نوٹنے کو جانتا تھا) سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں (لا زائد ہے) شفق کی (سورج غروب ہونے کے بعد کی سرخی) اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے (جانور وغیرہ جن پر رات آتی ہے) اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے (اس کا نور مکمل ہو جائے۔ چاندنی راتوں میں) کہ تم لوگوں کو ضرور الٹ پلٹ ہونا ہے (اس کی اصل لُتْر کبوتر تھی۔ نون رفع کو مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور واؤ انعقاد ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا) ایک حالت سے دوسری حالت پر (مختلف کیفیات پر یعنی موت پر دوبارہ زندگی۔ پھر اس کے بعد احوال قیامت) سو ان لوگوں

(کافروں) کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے (یعنی ایمان لانے میں آخر کیا رکاوٹ ہے یا ایمان چھوڑنے کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے۔ جب کہ اس کے موجود ہونے کے دلائل پائے جاتے ہیں) اور (انہیں کیا ہو گیا کہ) جب ان کے رب برقرآن پڑھا جاتا ہے تو کیوں نہیں جھکتے (تواضع اختیار کر کے قرآن کے اعجاز کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے) بلکہ یہ کافر (قیامت وغیرہ کو) جھٹلاتے ہیں، اور اللہ کو سب خیر ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں (اپنے اعمال ناموں میں کفر و تکذیب اور برے اعمال) سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری (اطلاع) سنا دیجئے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے، ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے (نہ موقوف ہوگا اور نہ کم اور نہ اس کا ان پر احسان جتلا یا جائے گا۔)

تحقیق و ترکیب:..... انشقت۔ دوسری آیت میں ہے۔ یوم تشقق السماء بالغمام دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ تشق بالمجرة۔ مجرہ کہکشاں کو کہتے ہیں۔ بہر حال اس کے بعد فرشتے اعمال نامے لے کر اتریں گے۔ واذا الارض۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسری زمین ہوگی اور زمین سے مردوں کی طرح دفائن و خزائن بھی نکل پڑیں گے۔ اس وقت دجال کا ظہور بھی ہوگا۔ یا ایہا الانسان، بقول سعید و قتادہ بعض انسان مراد ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اسود بن عبد اللہ اسد مراد ہو اور بعض کے نزدیک ابی بن خلف اور بعض کے نزدیک تمام کفار مراد ہیں۔

انلث کادح۔ کدحہ بمعنی خدشہ۔ تعب و مشقت اٹھانا۔

فملقیہ۔ اس کا عطف کادح پر ہو سکتا ہے اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ اى فانث ملاقیہ۔ پہلی صورت میں مفرد کا مفرد پر اور دوسری صورت میں جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا۔ اور بعض نے اس کو اذا کا جواب مانا ہے اور ضمیر کا مرجع دب ہے۔ اور یا کدح ہے لیکن کدح کیونکہ فعل ہونے کی وجہ سے غیر باقی ہے۔ اس سے قدح کا ملنا ممکن نہیں۔ اس لئے جزاء قدح مراد ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے ”ملاق عملک“ سے اشارہ کیا ہے۔ اور امام رازیؒ نامہ اعمال کا ملنا مراد لیتے ہیں۔

بالشفق۔ ابن عمرؓ و ابن عباسؓ شفق احمر مراد لیتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور صاحبینؒ اور ایک روایت امام اعظمؒ کی بھی ہے اور اسی پر فتوے ہیں۔ لیکن ابو ہریرہؓ شفق ابیض مراد لیتے ہیں۔ امام اعظمؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ اگرچہ امام صاحبؒ نے اس سے رجوع فرمایا ہے۔

وما وسق۔ وسقہ۔ فاسق۔ واستوسق کے معنی جمع کرنے اور چھپانے کے ہیں۔

مستوسقات لویجدہ ساقا۔ یا وسیقہ سے ماخوذ ہے۔ اونٹوں کو ہٹانا۔

عن طبق۔ طبق کی جمع ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اطباق اور طبقا اطباق السماء بعد طبق کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ جو شب معراج میں ہوا۔ جب کہ لیسر کین۔ ابن کثیرؒ اور حمزہؒ اور کسائیؒ کی قراءت فتحی کی ہے۔ جس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہوں تو اس صورت میں حالات شریفہ اور مہراتب عالیہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

فما لہم۔ فا ترتیب کے لئے ہے۔ تغیرات علویہ اور سلفیہ، عظیم القدرت خالق پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے عاقل سے بعید ہے کہ اس پر ایمان نہ لائے اور اس کی اطاعت نہ کرے۔

لا یسجدون۔ اگر سجدہ تلاوت مراد ہے تب تو سجدہ اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ ورنہ انقیاد اور فرمانبرداری مراد ہے۔ غرض کہ اہل زبان پر تو اس کی بلاغت اثر انداز ہونی چاہئے۔ امام اعظمؒ اس سے سجدہ تلاوت کے واجب ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کو سن کر سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق نقل ہے۔ انه سجد فیہا وقال واللہ ما سجدت فیہا

الا بعد ان رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد فيها وعن ابن عباس ليس في المفصل سجدة وعن الحسن ايضا هي غير واجبة. احنافٌ اور شوافع کے نزدیک قرآن میں چودہ سجدے ہیں۔ البتہ شوافع کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ نہیں ہے اور سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔ لیکن حنفیہ دوسرے سجدے کو سجدہ صلوة کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں رکوع اسی کا قرینہ ہے۔ نیز شوافع کے نزدیک سورہ حم سجدہ میں ان کنتم اياه تعبدون پر سجدہ ہے۔ جیسا کہ ابن مسعود کا قول ہے۔ لیکن حنفیہ کے یہاں بعد کی آیت لا یسئمون پر سجدہ ہے۔ جیسا کہ ابن عمر کا قول ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ بعد کی آیت کو شامل کیا جائے۔ کیونکہ سجدہ کی تاخیر جائز ہے تقدیم جائز نہیں ہے اور حدیث السجدة علی من سمعها وعلی من تلاها کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک قاری اور سامع دونوں پر سجدہ واجب ہے۔ کیونکہ علی وجوب کے لئے آتا ہے اور سامع میں مقتدی کی قید ہے۔ نیز جب اس آیت کی رو سے مطلق سامع پر سجدہ واجب ہے تو قاری پر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ اور سجدہ تلاوت کی شرائط بعینہ شرائط نماز ہیں مثلاً: طہارت۔ استقبال قبلہ ستر عورت وغیرہ۔ البتہ سجدہ تلاوت صرف دو تکبیروں کے درمیان ہوگا نہ تحریم ہے نہ تشہد اور نہ سلام ہوگا خواہ کھڑے ہو کر تکبیر کہتے ہوئے، سجدے میں جائے یا بیٹھے ہوئے۔ انام کے تلاوت کرنے سے خود اس پر اور مقتدیوں اور نماز کے باہر سننے والے پر سجدہ کرنا ضروری ہوگا۔ البتہ رکوع میں سجدہ تلاوت کا داخل ہو سکتا ہے۔ مجلس یا آیت سجدہ بدلنے سے دوسرا سجدہ واجب ہو جائے گا البتہ ایک ہی مجلس میں ایک آیت سجدہ بار بار پڑھی اور پھر بار بار سجدہ نہیں کیا تو آخر میں ایک ہی سجدہ کافی ہو جائے گا۔ البتہ اگر پہلے سجدہ کر کے پھر دوبارہ تلاوت کرے تو دوسرا سجدہ کرنا ہوگا۔ علیٰ ہذا آیت سجدہ ایک ہے اور مجالس متعدد تو سجدے بھی متعدد ہو جائیں گے۔

بما یوعون. ایعاء کے معنی برتن میں جمع کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ، مجاہدؓ، قتادہؓ فرماتے ہیں۔ مما یسرون ویکتفون فی صدورہم من الکفر والعداۃ الا الذین۔ مفسر نے لکن سے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے اور کفار میں سے اگر ایمان لانے والے اور تائب مراد ہوں تو پھر استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے۔

غیر ممنون. من معنی قطع سے ہے اور منۃ سے اگر مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اجر کا احسان نہیں جتایا جائے گا۔ پہلے معنی ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور دوسرے معنی حسن بصریؒ سے نقل ہیں۔ مفسر نے عموم مشترک کے طور پر دونوں معنی لئے ہیں۔

رابط آیات:..... سورہ انشقاق میں بھی پچھلی سورتوں کی طرح مجازات کی تفصیل ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:..... الارض مدت. جابرؓ سے مرفوع روایت ہے۔ تمد الارض یوم القیامۃ مد الا دیم ثم لا یكون لا بن ادم فیہا الا موضع قدمیہ. حسابا یسیرا. صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نوقش فی الحساب عذب قالت فقلنت الیس اللہ یقول فسوف ینحاسب حسابا یسیرا قال ذلک لیس بالحساب لکن ذلک العرض ومن نوقش فی الحساب ہلک. لن یحور. قال ابن عباس ما عرفت تفسیرہ حتی سمعت اعرابیۃ تقول لبنتھا حوری ای ارجعی. لا یسجدون انہ علیہ السلام قراء اقرب فسجد من المؤمنین وقریش تصفق رؤسہم فنزلت وعن انس صلیت خلف ابی بکر و عمرو عثمان فسجدوا وقد صرح فی الحسینی ان ابا ہریرۃ سجد علی قوله لا یسجدون وعلیہ اجمع وسجد بعضهم علی اخر السورۃ.

﴿تشریح﴾:..... اس عبارت کے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ نہیں توڑے گئے تھے۔ بلکہ ان کا سارا زور اور آخرت اور قیامت کے انکار پر تھا۔ وہ اس پر کبھی طرح یقین کر لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کہ قیامت کوئی چیز ہے اور سب کو خدا کے آگے حساب کے لئے پیش ہونا ہے۔

اذا السماء انشقت. آسمان کے پھٹنے کا حکم تکوینی مراد ہے۔ اور یہ کہ آسمان باوجود عالی شان ہونے کے اسی لائق ہے کہ اپنے مالک و خالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چوں چرا نہ کرے۔

پورا کرہ زمین ہموار میدان ہو جائے گا:..... واذا الارض مدت. قیامت کے دن تمام انسانوں کو جو روز اول سے قیامت تک پیدا ہوئے ہوں گے بیک وقت زندہ کر کے خدا کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ اتنی بڑی آبادی کو جمع کرنے کے لیے ظاہر ہے کہ سمندر، دریا، پہاڑ، جنگل، گھاٹیاں، اونچ نیچ سب دور کر کے پورے کرہ زمین کو ایک ہموار میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اور یا اس پوری سر زمین کو بڑی طرح وسیع اور کشادہ کر دیا جائے گا۔ تاکہ اس پر سارے انسان کھڑے ہونے کی جگہ تو پا سکیں جیسا کہ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز زمین ایک دسترخوان کی طرح پھیلا کر بچھا دی جائے گی۔ پھر انسانوں کے لیے اس پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ہوگی۔ آیت ”یوم تبدل الارض“ کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تبدیلی ذاتی اور وصفی بھی ہو یا صرف وصفی۔ والقت. زمین مردوں کے اجزا اور خزانے سب کے سب اگل دے گی اسی طرح اعمال کی جو شہادتیں اس کے اندر موجود ہوں گی وہ بھی سب باہر آجائیں گی کوئی چیز چھپی یا دبی نہ رہ جائے گی بس خالی زمین رہ جائے گی۔

انسان محنت کر کے اپنی عاقبت سنوارتا یا بگاڑتا ہے:..... یا ایہا الانسان. یعنی یہ سارا جہاں جب اللہ کی تکوین کے زیر نگین ہے پھر اے انسان! تجھے کیا ہے کہ تو اس کے حکم تشریحی سے سر تابی کر سکے۔ وہ ساری تنگ و دو اور دوڑ دھوپ جو انسان دنیا میں کر رہے ہیں اور یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے۔ لیکن فی الحقیقت شعوری اور غیر شعوری طور پر کشاں کشاں وہ اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہے اور آخر کار ایک دن وہیں پہنچ کر اعمال کی جواب دہی کے لیے پیش ہونا ہے انسان دنیا میں اپنی استعداد کے مطابق مختلف قسم کی جدوجہد کر رہا ہے کوئی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے اور کوئی اس کی نافرمانی اور بدی میں جان کھاتا ہے اسی طرح گویا اپنے رب کے پاس پہنچنے کا راستہ فراہم کر رہا ہے جہاں پہنچ کر اسے اعمال نامہ کے مطابق جزا یا سزا پہنچتی پڑے گی۔

آسان حساب:..... حساباً یسیراً. آسان حساب کا مطلب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ ”خدا یا مجھ سے ہلکا حساب لے“ آپ نے جب سلام پھیرا تو میں نے اس کا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے کے نامہ اعمال کو دیکھا جائے گا اور اس سے درگزر کیا جائے گا اے عائشہؓ! اس روز جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ مارا گیا مگر حال آسان حساب کی مختلف صورتیں ہوں گی اول تو یہی کہ سرسری طور پر اعمال کی پیشی ہوگی ان پر نہ مناقشہ ہوگا اور نہ عذاب دوسری صورت تو یہ ہے کہ عذاب تو ہوگا مگر دوائی عذاب نہیں۔ بلکہ اعمال کے مطابق وقتی عذاب ہوگا پہلی صورت خواص کے لیے اور دوسری عام مومنین کے لیے ہوگی اور جن بدکاروں سے بات بات پر گرفت ہوگی وہ سخت حساب کا شکار ہوں گے۔

نیکوں اور بدوں کے مختلف انجام:..... وینقلب۔ اپنے لوگوں کا مطلب وہ رشتہ دار متعلقین اور ساتھی ہیں جن کو اسی کی طرح معاف کر دیا ہوگا اور مسرور ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ نہ اسے سزا کا خوف رہے گا اور نہ اللہ کی خفگی کا کھٹکا نہایت اطمینان و سکون سے اپنے عزیزوں دوستوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا۔

وراء ظہرہ۔ بدکاروں کا نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا گویا فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے اور اس طرح کراہیت کا اظہار کیا جائے گا۔ یا پیچھے کو مشکیں بندھی ہوئی ہوں گی۔ اس لیے نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے دینے کی نوبت پیش آئے گی۔ دہنی جانب اور اس کے فرشتے اسی طرح بائیں جانب اور اس سے متعلق فرشتے چونکہ پہلے ہی اچھائی برائی میں امتیاز کے لیے طے شدہ ہیں۔ اس لیے اس کا اظہار اس موقع پر بھی ہوگا۔

بل ہو ثبورا۔ عذاب کی ہولناکی کو دیکھ کر اضطراب موت مانگے کہ شاید اسی کی بدولت اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے۔
انہ کان فی اہلہ ثبورا۔ یعنی بدکار کا حال دنیا میں نیکو کاروں سے مختلف تھا۔ نیک لوگ تو اپنے گھروں میں خوف خدا کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے کہ کہیں انہیں پھنس کر اور ان کی دنیا بنانے کے پیچھے اپنی عاقبت نہ برباد کریں۔ لیکن بدکار آدمی دنیا میں آنند کے تار اور چین کی بانسری بجاتا تھا اور لوگوں کے حقوق مار کر حرام خوریاں کر کے خوب عیش اڑاتا تھا اور بال بچوں کو مزے کی زندگی بسر کراتا تھا اور کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ خدا کو اس کا حساب بھی دینا ہے آج اس کا بدلہ یہ ہے کہ سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اور جو دنیا میں رہ کر آخرت کے غم میں کھلے جا رہے تھے وہ آج مطمئن و مسرور ہوں گے کا فرد دنیا میں مسرور رہتا ہے اور مومن آخرت میں مسرور ہوں گے۔ انہ ظن۔ اس بد بخت کو کبھی یہ خطرہ بھی نہیں گزرا کہ خدا کے پاس مجھے واپس بھی جانا ہے اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اس لیے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

اللہ کے عدل و انصاف کا تقاضا:..... کان بہ بصیرا۔ اللہ کے انصاف اور اس کی حکمت سے بعید تھا کہ جو کرتوت وہ کر رہا تھا ان کو وہ نظر انداز کر دیتا۔ اور اس سے باز پرس نہ کرتا۔ بھلا جو خدا انسان کو پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا رہا۔ کہ اس کا بدن کس کس چیز سے بنا اس کی روح کہاں سے آئی اس نے کیا کیا عقیدے رکھے کیا کیا عمل کئے، دل میں کیا بات رہی زبان سے کیا بات کہی، ہاتھ یا کان سے کیا کام کئے، مرنے کے بعد روح کہاں پہنچی۔ بدن کے اجزا بہہ کر کہاں کہاں گئے؟ کیا اتنی واقفیت کے بعد یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسے یوں ہی جھمل چھوڑ دے گا۔ اور اپنے سامنے دودھ کا دودھ پانی کا پانی نہیں کرے گا۔

بالشفق۔ سورج ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی پھر اجالا پن، دن کے بعد رات کی تاریکی اور اس میں بہت سے انسانوں اور جانوروں کا تلاش معاش میں سرگرداں رہنے اور ادھر ادھر منتشر ہونے کے بعد اپنے ٹھکانوں پر سمٹ آنا۔ اور چاند کا ہلال سے درجہ بدرجہ بڑھ کر بدرجہ کامل ہونا یہ وہ چند چیزیں ہیں جو اس بات کی علانیہ شہادت دے رہی ہیں کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے اس میں کہیں ٹھہراؤ نہیں ہے ایک مسلسل تغیر اور درجہ بدرجہ تبدیلی ہر طرف پائی جاتی ہے لہذا منکرین قیامت کا یہ خیال صحیح نہیں کہ موت کی آخری لپکی آتے ہی معاملہ ختم ہو جائے گا بلکہ جس طرح اس ناسوئی زندگی کے بچپن سے لے کر موت تک مختلف مراحل طے کئے ہیں اسی طرح موت سے برزخ تک اور دوبارہ زندہ ہو کر حشر تک اور وہاں سے حساب کتاب، جزا، سزا تک بے شمار مراحل اور منزلیں طے کرنی لازمی ہیں اس مضمون پر تین قسمیں لکھا کر یقین دلایا گیا ہے۔ فمالہم لایومنون۔ انسان ایک معمولی سفر پر جاتا ہے تو اس کے لیے مناسب تیاری اور زوردار فراہم کرنا ہوتا ہے اور یہ سفر تو نہایت طویل اور منزل انتہائی کٹھن ہے اسکی تیاری تو مکمل اور وہاں کے شکایاں شان تو شہ ہونا چاہیے۔

قرآن کے ادب کا تقاضہ..... واذا قرئ۔ یعنی اگر ان کی عقل ان حالات کا ادراک نہیں کر سکتی تو انہیں لازم تھا کہ قرآن پاک سے روشنی حاصل کرتے۔ لیکن اس کے برعکس ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان سن کر بھی ذرا عاجزی اور انکساری کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ان کے دل میں خوف خدا پیدا نہیں ہوتا اور اس کے آگے نہیں جھکتے۔ حتیٰ کہ مسلمان قرآن کی آیات سن کر جب سجدہ تلاوت کرتے ہیں تو انہیں سجدہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی ان میں سے مغرور سر جھکانے کی بجائے تمسخرانہ انداز سے زمین کی مٹی پیشانی سے لگالیتا ہے۔

بل الذین کفروا۔ یعنی اتنا ہی نہیں کہ قرآن کی آیات سن کر ہنسنے نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ان کو زبان سے جھڑلاتے ہیں اور دلوں میں جو کچھ بغض و عناد اور نفرت کا خمار بھرا ہوا ہے اسے تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔
فہشروہم۔ اس لیے انہیں خوشخبری سنا دیجئے کہ جو کچھ وہ بڑے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا اور نتائج عمل سے محروم نہیں رہیں گے۔

خلاصہ کلام:..... شروع کی پانچ آیات میں قیامت کی کیفیات اور اس کے برحق ہونے کی دلیل فرمائی گئی ہے چنانچہ آسمان کا پھٹنا۔ زمین پھیلا کر ہموار میدان کر دینا، زمین میں جو کچھ چیزیں ہیں۔ ان کو باہر نکال دینا حتیٰ کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا یہ قیامت کی کیفیات ہیں اور دلیل کا حاصل یہ ہے کہ آسمان زمین سب اللہ کے کلام کے آگے مسخر ہیں اور چونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں اس لیے ان کے لیے سراسر یہی موزوں ہے کہ وہ حکم رب کے آگے سربتابی نہ کر سکیں بلکہ سرنگوں رہیں۔

اس کے بعد چھٹی آیت سے انیسویں آیت تک یہ ارشاد ہے کہ انسان خواہی بخوابی اپنی اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں جہاں سے رب کی پیشی میں کھڑا ہونا ہے پھر انسان دو حصوں میں بٹ جائیں گے جن کے اعمال نامے داسنے ہاتھوں میں ہوں گے۔ وہ تو پیشی کے ساتھ ہی چھوٹ جائیں گے اور کچھ تھوڑی بہت سزا ہوگی لیکن جس کا اعمال نامہ ہائیں ہاتھ میں پیچھے پیچھے سے دیا جائے گا۔ ان کا حال تو یہ ہوگا کہ وہ موت کو غنیمت سمجھیں گے۔ لیکن انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اس بھلاوے میں رہے کہ انہوں نے جواب دہی کے لیے کبھی خدا کے حضور حاضر ہونا نہیں ہے۔ حالانکہ ان کا رب سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اعمال کی باز پرس سے بچ جائیں جس طرح سورج چھپنے کے بعد شفق کا نمودار ہونا۔ دن کے بعد رات کا آنا اور اس میں انسان اور حیوانات کا اپنے بیرونوں کا طرف چلنا اور چاند کا ہلالی سے ماہ کامل بننا یقینی ہے اسی طرح ان کا دنیاوی زندگی سے آخرت کی جزا سزا تک مرحلہ وار پہنچنا بھی ہے۔

آخر میں ان کفار کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے جو قرآن سکر اللہ کے آگے سرنگوں ہونے کی بجائے الٹا جھڑلانے لگتے ہیں اسی طرح جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں انہیں بے حساب اجر کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ انشقت اعادہ اللہ تعالیٰ ان یعطیہ کتباً من ورائہ۔
ترجمہ:..... جو شخص سورۃ انشقت پڑھے گا اللہ اسے نامہ اعمال پشت کی جانب سے دیئے جانے سے محفوظ رکھے گا۔

لطائف سلوک:..... لیسر کین طبعا عن طبق۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی مراتب قرب میں مرحلہ وار ترقی مراد ہے آپ کے عرفاء کے مراتب و احوال کی بھی یہی شان ہے۔

سُورَةُ الْبُرُوجِ

سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴿۱﴾ لِلْكَوَاكِبِ اثْنَا عَشَرَ بُرْجًا تَقَدَّمَتْ فِي الْفُرْقَانِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ﴿۲﴾ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَشَاهِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَشْهُودِ ﴿۳﴾ يَوْمَ عَرَفَةَ كَذَا فُتِّرَتِ الثَّلَاثَةُ فِي الْحَدِيثِ فَلَاوَلَّ مَوْعُودٍ بِهِ وَالثَّانِي شَاهِدٌ بِالْعَمَلِ فِيهِ وَالثَّالِثُ يَشْهَدُهُ النَّاسُ وَالْمَلَائِكَةُ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوفٌ صَدْرَهُ أَيْ لَقَدْ قُتِلَ لَعْنُ أَصْحَابِ الْأَخْذُودِ ﴿۴﴾ الشَّقَى فِي الْأَرْضِ النَّارِ بَدَلِ اسْتِمَالٍ مِنْهُ ذَاتِ الْوَقُودِ ﴿۵﴾ مَا تَوَقَّدَ فِيهِ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا أَيْ حَوْلَهَا عَلَى جَانِبِ الْأَخْذُودِ عَلَى الْكَرَاسِيِّ قُعُودٌ ﴿۶﴾ وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ بِإِلَهِ مِنْ تَعَذُّبِهِمْ بِالْإِلْقَاءِ فِي النَّارِ إِنْ لَمْ يَرْجِعُوا عَنْ إِيْمَانِهِمْ شُهُودٌ ﴿۷﴾ حُضُورٌ رَوَى أَنَّ اللَّهَ أَنْجَى الْمُؤْمِنِينَ الْمُلْقِينَ فِي النَّارِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وَقُوعِهِمْ فِيهَا وَخَرَجَتِ النَّارُ إِلَى مَنْ تَمَّ فَاحْرَقَتْهُمْ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْحَمِيدِ ﴿۸﴾ الْمَحْمُودُ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۹﴾ أَيْ مَا أَنْكَرَ الْكُفَّارُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا إِيْمَانَهُمْ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِالْإِحْرَاقِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿۱۰﴾ أَيْ عَذَابُ إِحْرَاقِهِمُ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْآخِرَةِ وَقِيلَ فِي الدُّنْيَا بِأَنْ خَرَجَتِ النَّارُ فَاحْرَقَتْهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿۱۱﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ بِالْكَفَّارِ لَشَدِيدٌ ﴿۱۲﴾ بِحَسَبِ إِرَادَتِهِ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ الْخَلْقَ وَيُعِيدُهُ ﴿۱۳﴾ فَلَا يُعْجِزُهُ مَا يُرِيدُ وَهُوَ الْعَفْوَورُ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُذْنِبِينَ الْوُدُودُ ﴿۱۴﴾ الْمَتَوَدُّ إِلَى أَوْلِيَائِهِ بِالْكَرَامَةِ ذُو الْعَرْشِ خَالِقُهُ وَمَالِكُهُ الْمَجِيدُ ﴿۱۵﴾ بِالرَّفْعِ الْمُسْتَحَقُّ لِكَمَالِ صِفَاتِ الْعُلُوِّ فَعَالٌ لِمَا

يُرِيدُ ﴿١٦﴾ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنُ وَثَمُودُ ﴿١٨﴾ بَدَلٌ مِنَ
الْجُنُودِ وَاسْتَغْنَى بِذِكْرِ فِرْعَوْنَ عَنْ أَتْبَاعِهِ وَحَدِيثُهُمْ أَنَّهُمْ أَهْلَكُوا بِكُفْرِهِمْ وَهَذَا تَنْبِيْهُ لِمَنْ كَفَرَ بِالنَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآنَ لِيَتَّعِظُوا بِلِلِّ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبِ ﴿١٩﴾ بِمَا ذَكَرَ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ
مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ لَا عَاصِمَ لَهُمْ مِنْهُ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ عَظِيمٌ فِي لَوْحٍ هُوَ فِي السَّمَاءِ
السَّابِعَةِ مَحْفُوظٌ ﴿٢٢﴾ بِالْحِجْرِ مِنَ الشَّيَاطِينِ وَمِنْ تَغْيِيرِ شَيْءٍ مِنْهُ وَطُولُهُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَعَرْضُهُ
مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَهُوَ مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

سورۃ بروج مکیہ ہے جس میں ۲۳ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... قسم ہے برجوں والے آسمان کی (ستاروں کے بارہ برج ہیں جن کا بیان سورۃ فرقان میں گزر چکا ہے) اور اس
(قیامت کے) دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے (جمعہ کے) دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے
(یعنی عرفہ کا روز، حدیث میں تینوں کی تفسیر اسی طرح آئی ہے پس قیامت کا دن وعدے کا دن ہے اور دوسرا دن عمل کا شاہد ہے اور
تیسرے دن میں لوگ اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا ابتدائی حصہ محذوف ہے یعنی لقد ملعون ہوئے خندق (گڑھے)
والے، آگ والے (بدل اشغال ہے) بہت سے ایندھن کی (وہ چیز جس سے آگ جلائی جائے) جب کہ وہ اس خندق کے آس
پاس (گڑھے کے ارد گرد کرسیوں پر) بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (ایمان سے نہ ہٹنے کی صورت
میں آگ میں جھونک کر سزا دینا) وہ دیکھ رہے تھے (موجود تھے۔ روایت ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو جنہیں اس آگ میں جھونکا گیا
تھا نجات دے دی۔ اس طرح کہ آگ میں گرنے سے پہلے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ بیٹھے ہوؤں کی طرف لپکی اور انہیں
بھسم کر ڈالا) اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لائے تھے جو (اپنے مسلک
میں) زبردست اور اپنی ذات میں لائق حمد (حمود) ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور اللہ سب دیکھ رہا ہے (یعنی
کفار نے مومنین کا رد صرف ان کے ایمان کی وجہ سے کیا ہے) جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر (آگ میں جلا ڈالنے کا)
ظلم و ستم توڑا ہے۔ اور پھر اس سے تاب نہ ہوئے یقیناً ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے (ان کے کافر ہونے کی وجہ سے) اور ان کے
لیے جلائے جانے کی سزا ہے (جو مسلمانوں کو آگ میں جلانے کے بدلہ میں آخرت میں ہوگی اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا ہی میں یہ
سزا ہو چکی ہے کہ اس آگ نے باہر آ کر انہیں کو بھسم کر ڈالا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل
کئے یقیناً ان کے لئے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور حقیقت (کفار کیلئے تمہارے رب
کی پکڑ بڑی سخت ہے) (اس کے ارادہ کے مطابق) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے (مخلوق کو) اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (وہ اپنے ارادہ
میں عاجز نہیں ہوا ہے) وہی (گنہگار مومنوں کو) بخشے والا ہے (اپنے اولیاء سے کہ امت کے ذریعہ) محبت کرنے والا ہے۔ عرش والا
ہے (اس کا خالق اور مالک ہے) عظمت والا ہے (یہ رفیع کے ساتھ ہے۔ صفات عالیہ کے کمال کا مستحق ہے) جو کچھ چاہے کر ڈالنے
والا ہے (اسے کوئی ہر نہیں سکتا) کیا تمہیں (اے محمد!) لشکر کی خبر پہنچی ہے فرعون اور ثمود کے (جنود سے بدل ہے فرعون کے ذکر کے

بعد اس کے پیر و کاروں کے ذکر کی ضرورت نہیں اور وہ خبر یہ ہے کہ وہ کفر کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے والوں کو اس میں تنبیہ ہے کہ وہ عبرت پکڑیں (بلکہ یہ کافر (ان باتوں کے) جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے (ان کو اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک با عظمت (بلند مرتبہ) قرآن ہے۔ لوح (ساتوں آسمان سے اوپر جو فضا) میں محفوظ ہے (جر کے ساتھ جو شیاطین اور کسی قسم کے رد و بدل سے محفوظ ہے۔ اس کی لمبائی آسمان زمین کے برابر اور چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر سفید موتی کا بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔

تحقیق و ترکیب: البروج۔ برج کے معنی ظاہر کے ہیں۔ برج سے ماخوذ ہے۔ حقیقہ عرفیہ کے طور پر قصر عالی اور قلعہ معلیٰ کو کہتے ہیں۔ یہاں استعارہ تصریح ہے۔ آسمان میں سورج کے منازل سیر مراد ہیں۔ ان بروج و منازل میں ثواب تو مستقل قیام پذیر ہیں اور سیارات کی گردش رہتی ہے جیسا کہ محلات میں اکابر و اشراف کا قیام اور آمد و رفت رہا کرتی ہے۔

علم ہیئت کی رو سے نویں یا آٹھویں آسمان میں اگرچہ یہ برج ہیں۔ لیکن چونکہ تمام آسمان آئینہ کی طرح شفاف اور صاف ہیں اس لیے السماء سے مراد جنس فلک ہے کہ دیکھنے والے کو سب میں نظر آتے ہیں۔ چھ دواہی عرض سے بارہ برج اس طرح متشکل ہوتے ہیں کہ ایک قطر دائرہ معدل النہار اور دائرہ منقطۃ البروج پر گزرتا ہے اور دوسرا خط نقطہ ربیعی اور خریفی پر گزرتا ہے اور باقی خطوط ان کے درمیان مان کر خربوزہ کی قاشوں کی طرح فرض کر لیا جاتا ہے ان بروج کے نام یہ ہیں

حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد منازل قمر ہوں اور وہ اٹھائیس ہیں اس لیے چاند اٹھائیس روز میں ان کو طے کرتا ہے اور ایک تا دو روز نظر نہیں آتا۔ اسی طرح دوسرے بڑے ستارے بھی ان منازل سے گزرتے ہیں ان منازل کو بروج ظاہر ہونے کی وجہ سے کہا گیا۔ حسی طور پر یہ منازل ظاہر نہیں مگر علم ہیئت کے لحاظ سے ظاہر ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے وہ دروازے اور راستے ہوں جن سے مصائب اور بلاؤں کا نزول ہوتا ہے۔

شاهد و منشہود۔ جمعہ اور عرفہ کا دن مراد ہے۔ اور شاہد سے مخلوق اور مشہود سے عجائبات و غرائب ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کو نکرہ ابہام فی الوصف فی الکفرات کے لیے ہوگا۔ اور شاہد سے نبی کریمؐ اور مشہور سے امت محمدیہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یا پھر شاہد سے امت محمدیہ اور مشہور سے دوسری امتیں۔ شاہد سے ہر نبی اور مشہود سے اس کی ذات مراد لی جائے۔ اسی طرح شاہد سے خالق اور مشہود مخلوق یا اس کا برعکس بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ علی ہذا شاہد سے ملائکہ حفظہ اور مشہود سے مکلف بندے اور شاہد سے یوم الآخر یا عرفہ۔ اور مشہود سے حجاب یا روز جمعہ مراد ہوں۔ یا شاہد سے ہر روز اور مشہود سے روزانہ کی مخلوق مراد ہوگی۔ جواب ”ثمۃ قتل اصحاب الاخذود“ سے پہلے مفسر ”لقد مخدوف مان کر نحو کے اس قاعدہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ باضی مثبت اگر معمول مقدم نہ ہو اور اس کو جواب قسم بنایا جائے تو اس پر لام اور قد دونوں لانے ضروری ہیں، ایک پر اکتفاء جائز نہیں۔ الا یہ کہ جواب قسم فاصلہ سے ہو جیسے والشمس وضحہا والقمر اذا تلہا والنہار اذا کے بعد قد افلح بغیر لام آ رہا ہے یا ضرورت کی وجہ سے بھی لام حذف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ”قتل اصحاب الاخذود“ جواب مخدوف کی دلیل ہے۔ ای انہم ملعونون کما لعن اصحاب الاخذود۔ اور جواب قسم مخدوف ہوگا۔ ای الامر حق فی جزاء۔ بہر حال قتل الخ بدعائیہ جملہ نہیں ہے۔

اخذود۔ خدا کو کہتے ہیں جس کے معنی سرنگ کے ہیں۔ جیسا کہ الحق اور الاحقوق کے بھی یہی معنی ہیں۔

بالمومنین شہود۔ بادشاہ حمیرہ کی طرف سے خندق پر پہرہ دار مقرر تھے۔ کہ مومنین بھاگ نہ سکیں یا قیامت میں ہاتھ پاؤں

کی گواہی دینا مراد ہے۔

الان یؤمنوا۔ اگر چنانچہ ایمان لانا ماضی میں ہو چکا تھا لیکن مستقبل کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی اصل ناگواری آئندہ ایمان پر برقرار رہنے میں تھی۔ اگر بالفرض وہ مرتد ہو جاتے تو پھر گزشتہ ایمان لائق درگزر رہتا۔ اور یہ استثناء ایسا ہی ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے۔

لا عیب فیہم غیر ان سیوفہم بہن فلول من خرائب الکتاب العزیز الجمید

غالب ہونے کی وجہ سے اس کے عتاب سے ڈرنا اور محمود ہونے کی وجہ سے اس کے ثواب سے امید رکھنی چاہیے۔

ان الذین فتنوا۔ اس سے عام کافر مراد ہیں جو مسلمانوں کو ستاتے ہوں۔ یا اصحاب الاخذ و مراد ہیں۔ جن پر وہ آگ پلٹ پڑی اور وہ اس میں خود بھی بھسم ہو گئے۔

ان بطش۔ سخت پکڑ کو کہتے ہیں۔

ذوالعرش۔ ایک قرأت ذی العرش ہے۔ رب کی صفت ہو جائے گی اور عرش کے مجازی معنی ملک کے بھی ہو سکتے ہیں۔

المجید۔ حمزہ۔ کسا کی رب یا عرش کی صفت مانتے ہوئے مجرور پڑتے ہیں۔

بل اللین اس میں احزاب ہے کہ کفار مکہ کی حالت سابق کفار کی حالت سے بدتر ہے۔

قرآن مجید۔ ایک قراءت اضافت کے ساتھ بھی ہے۔ ای قرآن رب مجید۔

لوح محفوظ۔ نافع محفوظ رفیع کے ساتھ پڑتے ہیں۔ قرآن کی صفت ہے۔ اور لوح کو لوح بھی پڑھا کیا ہے۔ ساتویں آسمان سے اوپر کی فضا جہاں لوح محفوظ ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی سورتوں میں مومن و کافر دونوں کی مجازات کا بیان تھا۔ سورہ بروج میں کفار کی مخالفت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو تسلی اور کفار کے لیے عذاب کی وعید ہے۔ پہلے لفظ کی وجہ سے اس کا نام سورہ بروج ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ جب مسلمانوں پر انتہائی مظالم کر کے ایمان سے روکا اور برگشتہ کیا جا رہا تھا۔

روایات:..... والیوم الموعود۔ ابو مالک اشعریؓ اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ الشہود سے یوم النہر اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں شاہد سے مراد اللہ اور مشہود سے قیامت کا دن ہے اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں شاہد سے جمعہ اور مشہود سے عرفہ کا دن مراد ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ یوم موعود قیامت کا روز اور یوم مشہود عرفہ اور شاہد جمعہ ہے۔ اور وجہ مناسبت میں مطر ہونا لازم نہیں ہے۔

اصحاب الاہجدود۔ اس بارہ میں مرفوع روایت ہے۔ ان ملک کا کہانہ ساحر فلما کبر ضم الیہ غلاماً یعلمہ وکان فی طریقہ راہب فمال قلبہ الیہ فرای فی طریقہ یومادابۃ عظیمۃ قد حبست الناس فاخذ حجراً وقال اللہم ان کان امر الراہب احب الیک من امر الساحر فاقتل ہذہ الدایۃ حتی یمضی الناس فرماھا فقتلھا وکان الغلام یرى الاکثمہ والابرص ویشفی من الادواء وہی جلیس الملک فابراہ فسالہ عن ابراہ فقال ربی فغضب فعدبہ تدل علی الغلام فعذبہ مذلی علی الراہب فقدم بالمستشار وارسل الغلام الی جبل لیطرح من ذروتہ فدعا فوحیف بالقوم فہلکوا ونجا واجلسہ فی سفینۃ لیفرق فدعا فانکفت السفینۃ بمن معہ ففرقوا و نجا فقال للملک

لست بقاتلی حتی تجمع الناس وتقبلنی وتاخذ سهمان کنانتی وتقول باسم اللہ رب الغلام ثم ترمینی بہ فرماہ فوق فی صدغہ ومات فامن الناس فامر باخادید واوقدت فیہا النار حران فمن لم یرجع منهم طرحہ فیہا حتی جاءت امراة معها صبی فتفاعست فقال الصبی یا اماہ اصیری فانک علی الحق فاقتحمت وعن علیؑ ان بعض ملوک المجوس خطب بالناس وقال ان اللہ احل نکاح الاخوات فلم یقبلوہ فامر باخادید النار وطرح فیہا من ابی وقیل لمانصر نجران خزائم ذونواس الیہودی من حمیر فاحرق فی الاخادید من لم یرتد (بیضاوی)

﴿تشریح﴾:..... ذات السروج۔ ابن عباسؓ، مجاہدؓ، قتادہؓ، حسنؓ، بصریؓ، ضحاکؓ، سدیؓ اس سے آسمانی عظیم الشان ستارے مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ منسر علام نے بیت کی اصطلاح پر تفسیر کی ہے۔ ان قسموں کو جواب قسم سے یہ مناسبت ہے کہ ان قسموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان کا مالک ہے۔ پس ایسے مالک کی مخالفت باعث لعنت و سزا ہو جاتی ہے۔

اصحاب الاخادود۔ متعدد واقعات و روایات میں آئے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اسی طرح کے مظالم بار بار دہرائے گئے ہیں۔ ایک واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ایک بادشاہ کے پاس ایک جادوگر رہتا تھا۔ وہ جب بوڑھا ہوا تو بادشاہ سے عرض گزار ہوا کہ کسی لڑکے کو جادو سیکھنے کے لیے مقرر کیجئے۔ بادشاہ نے مقرر کر دیا۔ وہ لڑکا روزانہ ساحر کے پاس آیا جایا کرتا۔ اتفاق سے راستہ میں ایک درویش راہب بھی رہتا تھا۔ لڑکا اس کے پاس آتے جاتے مانوس ہو گیا اور ایمان لے آیا۔ تا آنکہ اس کی وجہ اور تربیت سے صاحب کرامت ہو گیا۔ بادشاہ نے جب اس کی کرامتوں اور ایمان کا چرچا سنا اور یہ کہ سب راہب کی فقیرانہ صحبت کا اثر ہے۔ تو اس نے پہلے تو راہب کو مار ڈالا۔ پھر لڑکے کو قتل کرنے کی مختلف تدبیریں کیں۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار خود لڑکے نے ہی کہا کہ اگر بادشاہ مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع میں میرے خدا کا نام لے کر میرے تیر مارے تو کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا۔ اس سے لوگوں میں شورش ہوئی اور بیک وقت سب پکائیٹھے۔ کہ ہم بھی اس لڑکے کے خدا پر ایمان لے آئے۔ درباری لوگ بولے کہ یہ آپ نے کیا انقلاب برپا کر دیا..... یہ سن کر بادشاہ غضب ناک ہو گیا۔ اور سڑک کے کنارے گڑھے کھدوا ڈالے۔ پھر ان میں آگ بھروادی اور ایمان لانے والوں کو ان میں جھونک دیا۔

دوسرا واقعہ حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ کسی ایرانی بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے زنا کیا اور دونوں میں ناجائز تعلقات ہو گئے۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ تو بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے بہن سے نکاح حلال کر دیا ہے لوگوں کے گلوں سے جب یہ بات نہ اتری تو طرح طرح سے ان پر جبر کیا گیا۔ یہاں تک کہ جو اس کی اس بات سے انکار کرتا تو اسے پہلے سے تیار کئے ہوئے گڑھے میں دھکیل دیتا۔ چنانچہ بقول حضرت علیؑ اسی وقت سے مجوسیوں میں محرمات سے نکاح کا رواج ہوا ہے۔

تیسرے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حمیر یعنی یمن کا بادشاہ شبان نامی ایک دفعہ یثرب (مدینہ) گیا۔ جہاں اس نے یہود مذہب قبول کر لیا اور پھر یمن پہنچ کر اس مذہب کی زور شور سے اشاعت کی۔ نجران پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنا چاہا مگر لوگ جب نہ مانے تو بہت سوں کو آگ کے گڑھوں میں پھینک دیا اور بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح بیس ہزار لوگ تباہ و برباد ہو گئے لیکن اہل نجران میں بعض لوگ بچ بچا کر بھاگ نکلے اور انہوں نے قیصر روم یا شاہ حبش سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ ان عیسائی سلطنتوں نے یمن پر عظیم حملہ کیا۔ جس میں ستر ہزار افواج نے حصہ لیا۔ شاہ یمن مارا گیا اور اس طرح یمن بھی سلطنت حبشہ کا ایک حصہ بن گیا۔ حبشی عیسائیوں نے نجران پر قبضہ کرنے کے بعد کعبہ کی شکل کی ایک عمارت بنا ڈالی۔ جسکو وہ مکہ کے کعبہ کی جگہ مرکزی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ سلطنت روم بھی اس کعبہ کے لیے مالی اعانت کرتی تھی مناظرہ کی غرض سے آنحضرت ﷺ

کی خدمت میں پادریوں کا جو وفد سعید، عاقب، اسقف کی قیادت میں آیا تھا وہ اسی کعبہ نجران سے متعلق تھا۔ سورہ آل عمران میں جس مہبلہ کا ذکر ہے وہ بھی اسی وفد کے ساتھ پیش آیا تھا۔

وہم علی ما یفعلون۔ یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر مشیر خندقوں کے ارد گرد نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اچھائی کے سوا ان میں کوئی برائی نہ تھی:..... وما نقموا۔ حالانکہ ان بے چاروں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی اندھیروں سے نکل کر ایسے زبردست اور اچھے خدا پر ایمان لے آئے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ حالات سے باخبر ہے۔ پس جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم میں کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلایا جائے۔ تو کیا یہ ظلم و ستم ہی رائے گاں جائے گا؟ بلکہ وہ ان ظالموں کو عبرت ناک سزائیں دے گا۔ چنانچہ ان کی لگائی ہوئی آگ اتنی پھیلی کہ فوراً ان کو جلا کر بھسم کر ڈالا۔ ان خبروں کا ذکر اگرچہ روایات میں نہیں ہے۔ تاہم بعض اکابر نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ان الذین فتنوا۔ یعنی سزا کی خصوصیت کچھ ان سرنگوں والوں کے ساتھ ہی نہیں۔ بلکہ جو لوگ بھی انہیں حق سے برگشتہ کرنے میں لگے رہیں گے اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے جیسے قریش مکہ ان کے لیے بھی آگ کا لاد اتیار ہے۔ اور دوزخ میں طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے یہ دوزخ کی عام آگ کے علاوہ کوئی خاص آگ ہو جو ان کی سزا کے جواب میں انہیں بھگتنی پڑے گی۔

ذلک الفوز الکبیر۔ یعنی مسلمان دنیا کی تکالیف سے گھبراہٹیں آخرت کی بڑی کامیابی انہی کے لیے ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کا عیش یا تکلیف سب بچ ہے۔

ان بطش ربک لشدید۔ ظالم اللہ کی شدید پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

انہ ہو یدئی و یعدی۔ پہلی مرتبہ سے دنیا کا اور دوسری مرتبہ سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ جلائے گا۔ لہذا مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ مرکز جب ہم خاک ہو جائیں گے اور ہمارا نام و نشان نہ رہے گا۔ پھر ہم کیسے ہاتھ لگیں گے۔

اللہ کی شانیں:..... وهو الغفور۔ یعنی اللہ میں جہاں شان جلالی ہے وہیں شان جمالی بھی ہے جس طرح اس کی سخت گیری اور انتقام کی کوئی حد نہیں۔ اسی طرح اس کی بخشش و محبت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ممالک عرش کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی سلطنت کا اصل فرمانروا وہی ہے۔ سرکشی کرنے والا اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اور ”مجید“ کہہ کر انسان کے کمینہ پن پر متنبہ کرتا ہے کہ ایسی بزرگ و برتر ہستی کے مقابلہ میں گستاخی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

فعال لما یرید۔ سے یہ بتلانا ہے کہ وہ اپنے علم و حکمت کے موافق جو چاہے کر ڈالے اسے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اور نہ کوئی اسے روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے۔ پوری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں کہ اللہ جس کام کا ارادہ کرے اس میں وہ ممانع اور مزاحم ہو سکے۔ بہر حال نہ اس کے انعام و اکرام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہیے اور نہ اس کے انتقام سے بے خوف و بے فکر رہنا چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جمالی و جلالی پر نظر پڑتی چاہیے اور خوف کے ساتھ رجا اور رجا کے ساتھ خوف کو دل میں جگہ دیے رکھے۔ الا یمان بین الخوف والرجاء۔

هل انزلنا. ان لوگوں کی طرف سلسلہ کلام کا رخ ہے جو اپنی طاقت کے نشہ میں خدا کی سر زمین پر سرکشاں کر رہے ہیں۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ایک مدت تک ان پر ہمارے انعامات کا دروازہ کھلا رہا اور ہر طرف سے طوح طرح کی نعمتیں پہنچی تھیں۔ گو پھر ان کے کفر طغیان اور اپنے طاقت ور چشموں کے بل پر سرکشی کا انجام بد کیسا دکھانا نصیب ہوا۔

بل الذین کفروا۔ کفار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عتاب الہی سے ذرا نہیں ڈرتے بلکہ اور اگلے ان قصوں اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ اس جھٹلانے کی سزا بھگتنی ضروری ہے۔ اللہ کے قبضہ قدرت سے نہ وہ نکل سکتے ہیں اور نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

بل هو قرآن مجید۔ قرآن جھٹلانے کی چیز نہیں ہے اور نہ وہ احمقوں کے جھٹلانے سے متاثر ہو سکتا ہے کہ اس کی شان میں فرق آجائے۔ اس لیے اس کو جھٹلانا سراسر حماقت ہے۔ بہر حال قرآن کا لکھا منٹ اور اٹل ہے۔ خدا کی اس لوح محفوظ میں جس کے اندر کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ تمام دنیا مل کر بھی اس کی بات توڑنا چاہے تو نہیں توڑ سکتی۔ جو بات اس میں لکھ دی گئی ہے وہ پوری ہو کر رہے گی۔ غرض لوح بھی محفوظ اور قرآن بھی محفوظ۔

خلاصہ کلام:..... سورۃ البروج میں ایک طرف تو کفار کو ان کے انجام بد سے خبردار کیا جا رہا ہے جو وہ اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور دوسری طرف اہل ایمان کو بشرطیکہ وہ ثابت قدمی دکھلائیں بہترین اجر و ثواب کی تسلی دیتا ہے اور یہ کہ اللہ ظالموں سے بدلہ لے کر رہے گا۔

چنانچہ اس ذیل میں خندق والوں کا قصہ سنایا گیا۔ جس میں چند باتیں مومنوں اور کافروں کے ذہن نشین کرائی گئی ہیں ایک یہ کہ جس طرح وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح قریش مکہ بھی اس مار اور پھٹکار کے مستحق بن رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس طرح اہل ایمان نے اس وقت جان دینا گوارا کیا۔ مگر ایمان سے پھرنا منظور نہ کیا۔ اسی طرح اب بھی اہل ایمان کے لیے یہی راستہ کھلا ہوا ہے۔ انہیں دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ خدا ساری کائنات کا مالک اور اپنی ذات میں مستحق حمد ہے۔ وہ کافروں اور مومنوں دونوں کو دکھ رہا ہے۔ وہ کافروں کو کفر کی وجہ سے دوزخ کی سزا تو دے گا ہی لیکن ضروری ہے کہ ان کے ظلم و ستم کی سزا بھی آگ کی صورت میں انہیں بھگتنی پڑے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان و عمل کو جنت کا بہترین بدلہ دیا جائے۔ اس کے بعد کفار کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ تمہیں اگر اپنے طاقتور جنوں کا زعم ہے تو یاد رکھو فرعون اور شمود کا کیا انجام ہوا، جو بڑے جھٹے والے تھے۔ اللہ کی قدرت سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے گھیرے سے نکل کر کہاں جاسکتے ہو۔ اور قرآن کی باتیں اٹل ہیں جس کی تم تکذیب کرتے ہو اور وہ لوح محفوظ میں پوری طرح محفوظ ہے۔ اس لیے رد و بدل کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

فضائل سورت:..... من قرأ سورة البروج اعطاه الله بعدد كل جمعه و عرفة تكون في الدنيا عشر حسنات.

ترجمہ:..... جو شخص سورۃ بروج پڑھے گا اس کو دنیا کے جمعوں اور عرفوں سے دس گنا ثواب ملے گا۔ (موضوع)

لطايف سلوك:..... ذللت الفوز الكبير۔ جنت کو بڑی کامیابی فرمانے سے ان پر زور ہو رہا ہے۔ جو جنت سے بے نیازی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ البتہ غلبہ حال والے اس سے خارج ہیں۔

سُورَةُ الطَّارِقِ

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ سَبْعَ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ أَصْلُهُ كُلُّ ابْنٍ لَيْلًا وَمِنْهُ النُّجُومُ لَطُلُّوْ عَلَيْهَا لَيْلًا وَمَا أَذْرَكَ أَعْلَمَكَ مَا
الطَّارِقِ ﴿٢﴾ مُتَبَدِّلاً وَخَبَرَ حَيْثُ مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِأَدْرَى وَمَا بَعْدَ مَا الْأُولَى خَبَرَهَا وَفِيهِ تَعْظِيمٌ لِشَأْنِ
الطَّارِقِ الْغُفْسِ بِمَا بَعْدَهُ هُوَ النَّجْمُ أَيْ الثُّرَيَّا أَوْ كُلُّ نَجْمٍ الشَّاقِبِ ﴿٣﴾ الْمَضِيءُ لثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِضَوِّهِ
وَجَوَابُ الْقَسَمِ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ بِتَخْفِيفٍ مَا فِيهِ مَزِيدَةٌ وَإِنْ مُخَفِّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ
وَأَسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَيْ أَنَّهُ وَاللَّامُ قَارِقَةٌ وَبِتَشْدِيدِهَا فَإِنَّ نَافِيَةً وَلَمَّا بَعْنَى إِلَّا وَالْحَافِظُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ
يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ نَظَرَ اعْتِبَارٍ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ مِنْ أَيْ شَيْءٍ جَوَابُهُ خُلِقَ مِنْ
مَاءٍ ذَاقِي ﴿٦﴾ ذِي إِنْدِقَاقٍ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِي رَحِمِهَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ لِلرَّجُلِ
وَالْتَّرَائِبِ ﴿٧﴾ لِلْمَرْأَةِ وَهِيَ عِظَامُ الصَّدْرِ إِنَّهُ تَعَالَى عَلَى رَجْعِهِ بَعَثَ الْإِنْسَانَ بَعْدَ مَوْتِهِ لِقَادِرٍ ﴿٨﴾ فَإِذَا
اعْتَبَرَ أَصْلُهُ عَلِيمٌ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى ذَلِكَ قَادِرٌ عَلَى بَعْثِهِ يَوْمَ تَبْلَى تُخْبِرُ وَتُكْشِفُ السَّرَائِرَ ﴿٩﴾ ضَمَائِرُ
الْقُلُوبِ فِي الْعَقَائِدِ وَالنِّيَّاتِ فَمَالَهُ لِمُنْكَرِ الْبَعْثِ مِنْ قُوَّةٍ يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ يَدْفَعُهُ
عَنْهُ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ الْمَطَرِ لِعَوْدِهِ كُلِّ جَبِينٍ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ الشَّقِ عَنِ النَّبَاتِ
إِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لَقَوْلٍ فَضْلٌ ﴿١٣﴾ يَفْصِلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ بِاللَّعِبِ وَالْبَاطِلِ إِنَّهُمْ
أَيَ الْكُفَّارِ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ يَعْمَلُونَ الْمَكَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾
أَسْتَدِرُّهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ فَمَهْلٍ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَافِرِينَ أَمَهُلُهُمْ نَاكِدُهُمْ حَسَنَةً
مُخَالَفَةً اللَّفْظِ أَيْ أَنْظِرْهُمْ رُؤْيَا ﴿١٧﴾ قَلِيلًا وَهُوَ مَصْدَرٌ مُؤَكَّدٌ لِمَعْنَى الْعَامِلِ مُصَغَّرُودًا وَأَرَوَادٌ عَلَى عِ
الترجيم وقد أخذهم الله ببدر ونسخ الإمهال بآية السيف أي بالأمر بالجهاد والقتال

سورۃ طارق مکیہ ہے جس میں ۱۷ آیات ہیں
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والی چیز کی (در اصل رات کو ہر آنے والی چیز کو طارق کہتے ہیں۔ ستارا بھی رات کو نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی طارق کہتے ہیں) اور دیکھ معلوم ہے کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے (یہ منجداؤ و خبر بل کر اداری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے اور اول ما کے بعد لفظ ادرک تا کی خبر ہے اور اس میں طارق کی جملہ عظمت شان ہے۔ جس کی تشریح آگے آرہی ہے کہ وہ) ستارہ ہے (خاص تر یا یا عام ستارہ) روشن (چمک دار جو اپنی روشنی سے اندھیرے کو پھاڑ ڈالتا ہے اور جواب قسم آگے ہے) کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان نہ ہو (لا میں تخفیف ہے اور ملتا ماندہ اور ان مخففہ ہے جس کا اسم مخدوف ہے۔ ای اندہ۔ پس لام ان مخففہ اور ان نافیہ میں فرق کرنے والا ہے اور لما تشدید کے ساتھ ہونے کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اور حافظ سے مراد محافظ فرشتے ہیں جو ان کے اچھے برے کام کی نگرانی کرتے ہیں) پھر انسان (بنظر عبرت) بھی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (اس سوال کا جواب آگے ہے) وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (جو مرد سے اچھل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے) جو (مرد کی) پیٹھ سے اور سینہ کی ہڈیوں سے نکلتا ہے (عورت کی چھائی کی ہڈیوں سے) یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسے دوبارہ پیدا کرنے (انسان کو مرنے کے بعد جلانے) پر قادر ہے (باعتبار اس اصلیت کے معلوم ہوا کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جلا سکتا ہے) جس روز جانچ پڑتال ہوگی (سب قلعی کھل جائے گی) پوشیدہ اسرار کی (جو دلوں میں عقیدے اور نیتیں تھیں) اس وقت (منکر بعث) انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا (عذاب سے بچانے والا) اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا (جو عذاب کو دفع کر دے) قسم ہے آسمان کی جو بارش برسانے والا ہے (بار بار ہونے کی وجہ سے بارش کو مرجع سے تعبیر کیا ہے) اور قسم ہے زمین کی جو (گھاس پھوس نکلنے سے) پھٹ جاتی ہے۔ یہ (قرآن) ایک عجیبی تلی بات ہے (جو حق ناقص کے درمیان فیصلہ کن ہے) اور وہ ہنسی مذاق (کھیل تفریح) نہیں ہے۔ یہ (کفار) کچھ چالیں چل رہے ہیں (آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں) اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں (ڈھیل دے رہا ہوں جس کی انہیں ہوا بھی نہیں ہے) پس چھوڑ دیجئے (اے محمد!) ان کافروں کو چھوڑ دیجئے ان کے حال پر (یہ تاکید ہے جس کا حسن لفظی فرق سے بڑھ گیا ہے۔ یعنی ان کو مہلت دے دیجئے) ذرا کی ذرا (تھوڑی سی یہ معنی عامل کی تاکید کے لیے مصدر ہے۔ رد واد کی تصغیر و بیداد ہے اس کی ترخیم ہو رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے بدلہ میں ان کو سزا دے ڈالی اور مہلت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ آیت سیف یعنی جہاد و قتال کے حکم کے ذریعہ)

تحقیق و ترکیب: الطارق۔ مفسر نے اصل معنی نجم کے اعتبار سے فرمایا ہے ورنہ طارق کے حقیقی معنی دہکنے کے ساتھ مارنے اور کوٹنے کے ہیں۔ طریق راستے کو بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ مطروق ہوتا ہے۔ گویا پہلے سالک طریق کے معنی ہوئے۔ پھر رات کو آنے والے کے معنی ہوئے۔ پھر ستارہ کے معنی میں استعمال ہو گیا۔ اس لیے کہ ستارہ جنات کے مارا جاتا ہے۔

ماادر لک۔ استفہامیہ ہے اور ادرک خبر ہے۔

ما الطارق۔ ما تعظیم کے لیے ہے۔

النجم۔ اس کے تین معنی ہیں۔ مطلق ستارہ یا خاص ثریا۔ یا خاص زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

ان کل نفس لما۔ لما کی دو قراءتیں ہیں۔ تخفیف کی صورت میں ان مخففہ ہوگا جس کا قرینہ لام ہے اور لما مشدد ہونے کی صورت میں ان نافیہ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اول بصریوں کی اور دوسری کو فیوں کی رائے ہے۔

حافظ۔ بمعنی رقیب ہے۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ بعض فرشتے اعمال کی کتابت پر مامور ہوتے ہیں اور بعض فرشتے انسان کی

من بین الصلْب والثرائب - صلب - میں چار لغت ہیں صُلْب - صَلْب - صَالِب - ریزھ کی ہڈی اور ثرائب سینہ کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ قاضی بیضاویؒ یہ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کی منی کا تعلق اگرچہ بدن کے تمامی اعضاء سے ہے۔ کیونکہ منی جو تھے ہضم کا نتیجہ ہے۔ لیکن دماغ سے اس کا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ اس کی تولید میں دماغ کا زیادہ دخل ہے اور نخاع دماغ کی نیابت کرتی ہے۔ جس کی مختلف شاخیں چھاتی میں مل جاتی ہیں اسی لیے قرآن کریم میں ان دونوں اعضاء کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قلب و نخاع اور قوائے دماغیہ سب ہی اس کی تولید میں معاون ہوتے ہیں۔ لیکن تراب کے لفظ سے قلب و جگر اور پیٹھ سے مراد نخاع ہے جو دماغ سے وابستہ ہے۔ اس طرح یہ دونوں اعضاء جامع ہو جائیں گے۔ سارے نظام بدن کو۔

یوم تبلی۔ یہ ظرف ہے رجمہ کا۔ ذات الرجم اس سے حرکات فلکیہ مراد ہو سکتی ہے قدیم فلاسفہ کے نظریہ پر۔ یا بارش مراد ہے کہ اس کے ذریعہ زمینی پانی کا لوٹ پھیر ہوتا رہتا ہے۔

ذات الصدع۔ زمین کھود کر پانی نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کو پھاڑ کر سبزہ و غیرہ کی کونپلیں پھوٹی ہیں۔

واکید۔ جزاء کید مراد ہے یا صورت کید مراد ہے یعنی کفار کے ساتھ استدراجی کاروائی۔

امہلہم، مہل اور امہل کے معنی اگرچہ ایک ہی ہیں، مگر لفظی فرق سے تحسینِ کلام پیدا ہو گئی اور اس تکرار سے تسکینِ خاطر مقصود ہے۔

رویدا۔ مصدر تاکید کے لیے ہے رودا یا ارواد سے حروف زائدہ کی ترخیم کر دی گئی ہے۔

رابط آیات: پچھلی سورت میں مومنین کے لیے تسلی اور کفار کے لیے وعید تھی۔ اس سورت میں وعید کی تحقیق کے سلسلہ میں اعمال کا محفوظ رہنا بیان فرمایا گیا ہے اور بعثت کا امکان بلکہ اس کا وقوع اور بعثت کی دلیل یعنی قرآن کی حقانیت کا بیان ہے اور یہ بیان پچھلی سورت کے اخیر میں بھی تھا۔ اور اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے نیز اس سورت کے انداز بیان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ کفار قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کو رک کر دینے کے لیے ہر قسم کی چالیں چل رہے تھے۔

روایات:..... حافظ ابن عباس فرماتے ہیں۔ من الملائكة من يحفظ عملها من خير و شر۔ اور قنادہ سے منقول ہے۔ يحفظون عملك ورزقك واهلك۔

﴿تشریح﴾:..... حافظ سے مراد جس طرح محافظین فرشتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ حقیقی محافظ وہی ہیں۔ کائنات کی ہر چیز چھوٹی بڑی کی دیکھ بھال اور حفاظت اسی کی ذات سے وابستہ ہے ہر چیز کو اسی سے وجود ملا ہے۔ وہی ہر چیز کو سنبھالے ہوئے ہے۔ زندگی کا سروسامان اسی کی طرف سے ہے۔ اللہ نے اس پر ہر ستارے کی قسم کھائی ہے۔

ستاروں کی شہادت:..... اربوں کھربوں ستارے اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ کوئی ان کو بنانے والا ہے جس نے ان کو نور عطا کیا ہے اور اتنے بڑے کروں کو فضا میں معلق کر چھوڑا ہے۔ کسی ستارے کی مجال نہیں کہ وہ اپنی مقررہ گردش میں کسی سیارے سے ٹکرا جائے۔ بے شمار سیاروں کی بے شمار گردشیں ہیں۔ مگر ان کی رفتار میں سرسوفرق نہیں آسکتا۔ اور ستاروں کا نمودار ہونا گوشب میں معلوم ہوتا

ہے مگر محفوظ ہمہ وقت رہتے ہیں۔ پس جو ذات آسمانی ستاروں کی حفاظت کرتی ہے۔ اسے تمہاری اور تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے۔ یہ اعمال بھی ستاروں کی طرح اگرچہ محفوظ رہتے ہیں۔ مگر نامہ اعمال کا ظہور خاص قیامت میں ہوگا۔ اس لیے انسان کو آخرت کی فکر رکھنی چاہیے۔ اور قیامت کو اگر وہ مستعد سمجھتا ہے تو اس کو اپنی ابتداء پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور وہ کون ہے جو باپ کے خارج ہونے والے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کو اور ماں کے اندر سے بکثرت نکلنے والے بیضوں میں سے ایک بیضہ کا انتخاب کر کے دونوں کو جوڑ دیتا ہے اور اس طرح انسان کا استقرار حمل ہو جاتا ہے۔

علماء طبیعات کہتے ہیں کہ مرد و عورت کے مادہ منویہ کا تعلق تمام بدن سے ہے۔ لیکن صلب و ترائب کی تخصیص اس لیے ہے کہ اعضائے ریسہ قلب و دماغ اور جگر کا اس میں زیادہ دخل ہے۔ پس دماغ کا تعلق بواسطہ نجاع (حرام مغز) ریڑھ کی ہڈی سے اور قلب و جگر کا تعلق ترائب سے ہے اور چونکہ صلب سے صرف دماغ کا تعلق ہے اس لیے اس کو مفرد لیا گیا اور ترائب سے قلب و جگر دونوں کا تعلق ہے۔ اس لیے اس کو جمع لایا گیا ہے۔ چنانچہ اگر ہاتھ پاؤں کٹ جائیں مگر اعضائے ریسہ سلامت رہیں تب بھی مادہ منویہ بدستور بنتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ براہ راست اعضائے ریسہ سے اس کا مخصوص تعلق ہے۔

پھر کون ہے جو استقرار حمل کے بعد درجہ بدرجہ ماں کے پیٹ میں نشوونما دے کر ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتا ہے۔ پھر ماں کے رحم ہی میں اس کے جسم کی ساخت، جسمانی، ذہنی صلاحیتیں عطا کرتا ہے۔ پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک مسلسل اس کی نگرانی کرتا ہے۔ طرح طرح کی آفات اور مصائب و حادثات سے بچاتا ہے اور قدم قدم پر زندگی کے سر و سامان عطا کرتا ہے۔ یہی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ اسے موت کے بعد پلٹ کر وجود میں لاسکتا ہے۔ حالانکہ انسانی نقطہ نظر سے پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور دوسری پیدائش دفعی ہوگی۔ پس دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کے انکار کے لیے آدمی کو سرے سے اس کا انکار کرنا ہوگا کہ خدا اسے وجود میں لایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ ہستی کی حقیقت سے باقی رہنا عقل کے لیے بدرجہا زیادہ قابل قبول ہے اور معقول، بہ نسبت اس کے انسان یا ساری کائنات ایک حادثہ اور اتفاقی حادثہ قرار دیا جائے۔

قیامت کے روز سب کی قلعی کھل جائے گی:..... یوم تبلی السرائر۔ یعنی اس روز سب کی قلعی کھل جائے گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں گی یا چھپ کر کی ہوں گی۔ سب ظاہر ہو جائیں گی اور سب اترے پترے کھل جائیں گے۔ غرض وہ اعمال جو دنیا میں ایک راز بن کر رہ گئے اور وہ معاملات بھی جو ظاہری روکدھ کے ساتھ تو دنیا کے سامنے آئے۔ مگر ان کے پیچھے جو اغراض و خواہشات اور ارادے کام کر رہے تھے اور وہ باغی محرکات جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئے وہاں سب کھل کر سامنے آجائیں گے اور جانچ پڑتال صرف اعمال کی ظاہری سطح کی نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ مقاصد اور نیتیں بھی برملا کر دی جائیں گی۔ بلکہ جو نتائج و ثمرات دنیا میں اس فعل کے بعد پھیلے اور وہ کہاں کہاں پہنچے اور کتنی مدت تک رہے۔ جو بیج دنیا میں بویا گیا تھا اس کی فصل کس کس شکل میں کب تک نکلتی رہی اور کون کون اسے کاٹتا رہا، یہ سب راز و اسرار اُگل دیے جائیں گے۔ کسی جرم کو چھپایا نہ جاسکے گا۔

فما للہ من قوۃ اس وقت نہ محرم اپنی طاقت و قوت سے مدافعت کر سکے گا اور نہ کسی حمایتی کا زور چل سکے گا کہ مزہ سے بچ جائے و السماء ذات الرجوع۔ ذات الرجوع کے معنی پلٹنے اور لوٹنے کے ہیں مراد بارش ہے۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ اور ایک لخت ہی برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ موسم میں یا بے موسم ہر قسم کا برسی ہے۔ یہ زمیں و آسمان کا پانی بھاپ اور مومن و مومن بن کر اٹھتا رہتا ہے اور لوٹ پھر کر وہی برساتا رہتا ہے۔

قرآن سچائی اور حقیقت ہے:..... انہ لقول فصل۔ قرآن جو قیامت کے حالات اور احکام بیان کرتا ہے وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔ بلکہ سچائی، جھوٹ اور حق و باطل میں دو ٹوک فیصلہ ہے جس طرح آسمان سے بارش برسنے اور زمین سے پیداوار اگانا اگر

ایک سچی اور سنجیدہ حقیقت ہے۔ اسی طرح قرآن کا یہ بیان ایک اہل حقیقت ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔ پھر جس طرح بارش کے نتیجہ میں پیداوار اُگتی ہے۔ اسی طرح قیامت سے پہلے ایک غیبی بارش آئے گی جس کے اثر سے مردے زمین سے نکل پڑیں گے اور قسم اور جواب قسم کی مناسبت اس طرح ہے کہ بارش سے مادی سرسبزی آتی ہے اور قرآن کے فیضان سے کشت زار ایمان لہلہا اُٹھتی ہے۔ انھیں ہم یسکیدون۔ مخالفین طرح طرح کے داؤ پیچ کرتے رہتے ہیں اور قسم قسم کے شکوک و شبہات نکال کر حق کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے روکتے ہیں۔ قرآنی دعوت کو پامال کرنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں، ایک سے ایک جھوٹا الزام تراش کر قرآن اور پیغمبر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھونکوں سے یہ چراغ گل ہو جائے اور اللہ کی مخفی تدبیر یہ ہے کہ ان کی چالوں کے تار پود بکھر جائیں اور آخر کار یہ منہ کی کھا کر رہیں اور اپنے بنے ہوئے جال میں خود پھنسن کر رہ جائیں اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بچانے کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ کس کی چال کامیاب رہے گی؟ لامحالہ یہی ناکام و نامراد رہیں گے۔

فمهل الكافرين۔ یعنی ذرا انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو، یہ جو کچھ کرنا چاہیں انہیں کرنے دو آپ جلدی نہ کریں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ جلد ہی انجام ان کے سامنے آجائے گا اور انہیں پتہ لگ جائے گا کہ میری لطیف تدبیر کے آگے ان کی چالیں کہاں تک کارگر ہوئیں۔ خلاصہ کلام:..... اس سورت میں دو باتیں از شاد فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ مرنے کے بعد انسان کو خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن ایک فیصلہ کن بات ہے جسے کفار کی باتیں زک نہیں دے سکتیں۔

آسمانی ستاروں کو دیکھ کر یقین کرو کہ آسمان کے بے شمار ستاروں کے نظام کی نگرانی جس ذات کے ہاتھ میں ہے وہی انسان اور کائنات کی ہر چیز کی نگرانی کر رہی ہے۔ انسان خود اپنی بناوٹ اور اس کے اتار چڑھاؤ پر غور کرے کہ کس طرح ایک بوند سے اسے جیتا جاگتا جاندار بنا دیا ہے۔ پس کیا جو اس کے وجود و عدم کے اتنے مراحل طے کر سکتا ہے کیا وہ اس کو دوبارہ جلانے پر قادر نہیں ہے؟ اور یہ نشاۃ ثانیہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو بہت سے سربستہ راز جن پر دنیا میں پردہ پڑا رہا۔ وہ پردہ اُٹھا کر ان کی جانچ پڑتال کرتی ہے اور انسان کو ان کے نتائج سے دوچار ہونا ہے جسے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔

پھر از شاد ہوا کہ جس طرح آسمان سے بارش برسنے، زمین سے فصلوں اور درختوں کا اگنا ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے کوئی تھیل مذاق نہیں۔ اسی طرح قرآن جن حقائق پر روشنی ڈالتا ہے وہ بھی پختہ اور یقینی بات ہے۔ کفار اگر یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ وہ اپنی چالوں میں کامیاب ہو جائیں گے تو وہ جان لیں کہ اللہ بھی ان سے بے فکر نہیں ہے۔ اب دیکھیں کس کی چال کامیاب رہتی ہے؟ آخر میں یہ کہہ کر حضور کی تسلی فرمائی گئی ہے کہ آپ ذرا ٹھہریں۔ گھبراہٹیں نہیں۔ انہیں اپنی سی کرنے دیں۔ اس میں مخالفین کے لیے درپردہ دھمکی بھی ہے کہ ذرا دیر نہیں لگے کہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پالا ان کے ہاتھ پر ہے یا قرآن اور مسلمانوں کے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ الطارق اعطاه اللہ تعالیٰ بعد ذلک نجم فی السماء عشر حسنات۔ ترجمہ:..... جو شخص سورۃ طارق پڑھے گا اللہ اس کو آسمانی ستاروں سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک:..... ان کل نفس لما علیہا حافظ فلینظر الانسان۔ اس میں مبداء اور معاذ کے مراقبہ کے مفید ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

سُورَةُ الْأَعْلَىٰ

سُورَةُ الْأَعْلَىٰ مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشْرَةِ آيَةٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ أَي نَزَّهُ رَبَّكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ وَلَفْظُ اسْمٍ زَائِدَةٌ **﴿الْأَعْلَى﴾** صِفَةُ لِرَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ
فَسَوَّى **﴿٢﴾** مَخْلُوقَهُ جَعَلَهُ مُتَنَاهِبُ الْأَجْرَاءِ غَيْرَ مُتَفَاوِتٍ وَالَّذِي قَدَّرَ مَا شَاءَ فَهْدَى **﴿٣﴾** إِلَى مَا قَدَّرَهُ
مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى **﴿٤﴾** أَنْبَتَ الشُّعْبَ فَجَعَلَهُ بَعْدَ الْحَضَرَةِ عُثَاءً حَافًا هَشِيمًا
أَحْوَى **﴿٥﴾** إِسْوَدِيَا بِسَا سَنُقْرِئُكَ الْقُرْآنَ فَلَا تَنْسَى **﴿٦﴾** مَا تَقْرُؤُهُ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَنْسَاهُ بِنَسْخٍ
تِلَاوَتِهِ وَحُكْمِهِ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَةِ جَبْرِيلَ خَوْفَ النَّسْيَانِ فَكَانَتْ قِيلَ
لَهُ لَا تَعْمَلُ بِهَا أَنْكَ لَا تَنْسَى فَلَا تُتْعَبُ نَفْسُكَ بِالْجَهْرِ بِهَا إِنَّهُ تَعَالَى يَعْلَمُ الْجَهْرُ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَمَا
يَخْفَى **﴿٧﴾** مِنْهُمَا وَنُيْسِرُكَ لِلْيُسْرَى **﴿٨﴾** لِلشَّرِيعَةِ السَّهْلَةِ وَهِيَ الْإِسْلَامُ فَذَكَرُ عِظَ بِالْقُرْآنِ إِنْ
نَفَعَتِ الذِّكْرَى **﴿٩﴾** مَنْ تَذَكَّرَهُ الْمَذْكُورُ فِي سَيِّدْ كَرُ بِهَا مَنْ يُخْشَى **﴿١٠﴾** يَخَافُ اللَّهُ تَعَالَى كَبَرُ
فَذَكَرُ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدَ وَيَتَجَنَّبُهَا أَيِ الذِّكْرَى يَتْرُكُهَا جَانِبًا لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا **﴿الْأَشْقَى﴾** **﴿١١﴾** سَمِعِي
الشَّقَى أَيِ الْكَافِرِ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى **﴿١٢﴾** هِيَ نَارُ الْآخِرَةِ وَالصُّغْرَى نَارُ الدُّنْيَا ثُمَّ لَا يَمُوتُ
فِيهَا فَيَسْتَرِيحُ وَلَا يَحْيَى **﴿١٣﴾** حَيَاةً هَنِيئَةً قَدْ أَفْلَحَ فَازَ مَنْ تَزَكَّى **﴿١٤﴾** تَطَهَّرَ بِالْإِيمَانِ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ
مُكَبِّرًا فَصَلَّى **﴿١٥﴾** الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَذَلِكَ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ مُعْرِضُونَ عَنْهَا بَلْ تُؤْثِرُونَ
بِالتَّحَنُّنِ وَالْفَوْقَانِيَةِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا **﴿١٦﴾** عَلَى الْآخِرَةِ وَالْآخِرَةُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَى الْجَنَّةِ خَيْرٌ وَأَبْقَى **﴿١٧﴾**
إِنْ هَذَا أَيِ فَلَاحَ مَنْ تَزَكَّى وَكَوْنِ الْآخِرَةِ خَيْرًا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى **﴿١٨﴾** الْمُنَزَّلَةِ قَبْلَ الْقُرْآنِ

﴿١٩﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى **﴿١٩﴾** وَهِيَ عَشْرُ صُحُفٍ لِإِبْرَاهِيمَ وَالتَّوْرَةُ لِمُوسَى

سورۃ اعلیٰ مکہ ہے جس میں انیس آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یعنی نامناسب باتوں سے اللہ کو پاک سمجھئے۔ لفظ اسم زائد ہے) جو عالی شان ہے (یہ ربک کی صفت ہے) جس نے پیدا کیا۔ پھر تناسب کے ساتھ بنایا (اپنی مخلوق کے اجزاء متناسب رکھے انہیں بے جوڑ نہیں رکھا) اور جس نے (جو چاہا) تجویز کیا پھر راہ دکھائی (اچھی بُری اور تقدیر کی طرف) اور جس نے چارہ (گھاس مھوس) اُگایا۔ پھر اس کو (ہریالی کے بعد) کوڑا کرکٹ (خشک) سیاہ (کالا سوکھا ہوا) کر ڈالا۔ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے۔ پھر آپ (پڑھے ہوئے کو) نہیں بھولیں گے۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہے (کہ آپ اس کو بھول جائیں۔ تلاوت یا حکم منسوخ ہونے کی وجہ سے۔ آنحضرت ﷺ حضرت جبرائیل سے زور زور سے پڑھا کرتے تھے بھول جانے کے ڈر سے گویا آپ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے۔ آپ بھولیں گے نہیں۔ اس لیے زور سے پڑھ کر تعجب نہ اٹھائیے) وہ ظاہر (قول اور فعل) کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ (ان میں سے) پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے اور ہم آسان طریقہ (سہل شریعت اسلام) کی سہولت آپ کو دیتے ہیں۔ لہذا آپ (قرآن کی) نصیحت پر عمل کیا کیجئے۔ اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (اس شخص کے لیے جس کو آپ نصیحت کریں جس کا ذکر آگے ہے) وہی نصیحت مانتا ہے جو ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے یہ ایسا ہی ہے جیسے فذکر بالقمران میں من یخاف وعید فرمایا گیا ہے) اور اس سے گریز کرتا ہے (نصیحت کو چھوڑ دیتا ہے اس سے بے توجہی برتتے ہوئے) بد نصیب (بد بخت کافر) جو بڑی آگ میں جائے گا (دوزخ کی آگ سے دنیا کی آگ چھوٹی ہوتی ہے) پھر نہ اس میں مرے گا (کہ آرام پالے) اور نہ جنے گا (مرے کی زندگی) فلاح پا گیا (بامراد ہوا) جس نے پاکیزگی اختیار کی (ایمان کے ذریعہ طہارت حاصل کر لی) اپنے رب کا نام لیتا رہا (تکبیر پڑھتا رہا) اور نماز پڑھتا رہا (تہجد)۔ یہ باتیں آخرت کی ہیں اور کفار مکہ اس سے مکر تے ہیں (مگر تم دنیا کی زندگانی کو (یاء اور تاء کے ساتھ) ترجیح دیتے ہو (آخرت کے مقابلہ میں) حالانکہ آخرت میں (جس میں جنت ہے) بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ مضمون (پاکیزگی اختیار کرنے سے فلاح پانا اور آخرت کا بہترین اور پائیدار ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی ہے (جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکے ہیں) ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں (ابراہیم کے دس صحیفے اور موسیٰ کی تورات)

تحقیق و ترکیب: مکہ۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکہ ہے۔ لیکن ضحاکؒ مدنیہ کہتے ہیں۔

سبح اسم مفسر نے صلہ قرار دیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اسم کو زائد نہ مانا جائے اور علو سے مراد علو مرتبی ہے علوم مکانی مراد نہیں ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ کی ذات کا احترام واجب ہے اس کے نام پاک کا احترام بھی ضروری ہے۔ اسے گندی جگہ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ایک قراءت سبحان ربی الاعلیٰ ہے۔

اعلیٰ رب کی صفت تعلیلیہ ہے۔ حکم تعلیل کی وجہ اس کا عالی مرتبہ ہونا ہے۔ یہ اسم کی صفت نہیں ہے اجنبی کے فعل کی وجہ سے

ورنہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہا جائے۔ جاءنی غلام ہند العاقل الحسنہ

الذی خلق۔ یہ تسبیح کی دلیل ہے یعنی خالق کی تسبیح ہی ہونی چاہئے۔

والذی قدر۔ ہر شخص کی تقدیر الگ الگ بنائی کسائی قدر کو تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

غناء۔ کوڑا کرکٹ۔ خشک گھاس وغیرہ۔ دنیا کی متاع کا بھی ہی حال ہے کہ بہار کے بعد اس پر خزاں آتی ہے۔

نسقر نلت۔ قرآن جس طرح فی نفسہ معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے امی ہونے کے باوجود

اس کو پڑھا۔ یاد رکھا۔ امت کے کسمن بچوں کا یاد کر لینا بھی حیرت ناک ہے اور بعض نے فلا تنسسی کو نبی قرار دیا ہے۔ اس میں الف آیات کے فاصلہ کی رعایت سے ہے۔

الامشاء اللہ۔ منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یا بطور قلت و ندرت کے بھولنا مراد ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز میں بھول گئے۔ ابی ابن کعب نے یہ سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ مگر دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں بھول گیا تھا۔
انہ یعلم الجہر۔ احوال ظاہری باطنی مراد ہیں یا قراءت جہری و سری مراد ہے۔ یا یہ کہ کسی حصہ کا باقی رکھنا اور کسی حصہ کا منسوخ کرنا مصلحت ہے۔ اللہ سب سے واقف ہے۔

ونیسرک لیسری۔ اس کا عطف مستقر ثلث پر ہے۔ یعنی وحی کا حفظ کرنا یا دین کا آسان ہو جانا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فیسرلک نہیں فرمایا گیا۔ ضحاک "یسری" کے معنی شریعت حنفیہ اور سہلہ کے لیتے ہیں۔ اور ابن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ جنت کی سہولت مراد ہے اور بعض عرفیہ یسری یعنی اعمال خیر مراد لیتے ہیں۔

ان نفعت الذکرئ۔ یعنی قبولیت کی صلاحیت نصیحت کے کارگر ہونے کے لیے ضروری ہے ورنہ نصیحت "گوئے برگنبد" کا مصداق رہتی ہے۔ تاہم مطلق نصیحت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ناصح کے لیے تو اجر و ثواب یقینی اور جس کو نصیحت کی جاتی ہے۔ نہ معلوم کون سی گھڑی اور کون سا کلمہ اس کو سنو اور دے۔ اسی لیے قاموس میں ان نفعت میں ان بمعنی قد ہے مفسر نے نفعت کا مفعول "من تذکرہ" محذوف مانا ہے جو صید کر سے مفہوم ہو رہا ہے۔

الاشقی۔ مطلقاً کافر مراد ہیں۔ یا خاص کافر ولید یا عتبہ مراد ہیں۔

لا یموت فیہا ولا یحیی۔ موت و حیات کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مطلق موت و حیات مراد نہیں ہے۔ بلکہ خاص وہ موت جس کی وجہ سے موجودہ حالت ہے آرام مل جائے۔ اسی طرح وہ زندگی جو نافع ہو مراد ہے اور ان دونوں کی نفی ہو سکتی ہے جسے ادھ مرا کہتے ہیں۔ مثلاً آلام شخص کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ تاویلات تجمیع میں ہے کہ اس کے نفس کو نہ بالکلیہ موت آتی ہے کہ عقوبات حجاب سے چھٹکارا مل جائے اور نہ قلب میں حیات ایمانی ہے۔ کیونکہ آخرت دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ اور قاشانی "کہتے ہیں کہ لا یموت لا مشناع انعدامہ ولا یحیی بالحقیقۃ لہلاکہ الروحانی۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس کی روح گلے میں پھنس کر رہ جائے گی نہ نکلتی ہے کہ موت واقع ہو جائے اور نہ واپس ہوتی ہے کہ بدن میں زندگی کی لہر دوڑ جائے۔

من تزکی۔ کفر و معصیت سے تزکیہ مراد ہے یا قوی کی کثرت سے طہارت باطنی۔ یا نماز کے لیے طہارت ظاہری اور زکوٰۃ کی ادائیگی۔ قاضی "اور زکریٰ" اس آیت سے متعدد مسائل نکالتے ہیں۔ تزکی کے ایک معنی کفر و معصیت سے پاک صاف ہونے کے ہیں۔ ایک معنی نماز کے لیے پاکی اور طہارت کے ہیں اور ایک معنی زکوٰۃ کے ہیں۔ اور ایک معنی یہ ہیں کہ ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے تکبیر افتتاح مراد لی ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ فصلی کے عطف سے معلوم ہوا کہ تکبیر افتتاح نماز کا رکن نہیں۔ دوسرے ظہیمی الفاظ سے بھی تحریمہ ہو سکتی ہے۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں معاد اور اللہ کے آگے پیشی مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک صدقۃ الفطر اور تکبیرات عیدین مراد ہیں۔

واذکر اسم ربہ۔ تکبیر تحریمہ یا ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تزکی سے صدقۃ الفطر اور ذکر اسم سے عیدین اور فصلی سے نماز عیدین مراد ہے۔

بل تو فرون۔ ابن مڑ با کے ساتھ پڑتے ہیں۔ اس کا خطاب شقی لوگوں کو ہے یا سب کو کیونکہ دنیا کا انہماک کم و بیش سب میں ہوتا ہے۔

آخرت کی نعمتیں بالذات لذیذ، خالص اور دائمی ہوں گی۔

ان ہذا مضمون سابق امور دیانت کا جامع اور کتب سابقہ کا نچوڑ ہے۔

رابط آیات: پچھلی سورتوں میں مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت اعلیٰ میں فلاح اعلیٰ کا مقصود اصلی ہونا اور اس کی راہ بتلانا ہے۔ یعنی تسبیح، معرفت، ذات، صفات، تزکیہ، ذکر و نماز اور آخرت کی مقصودیت کے ذیل میں دنیا کا فانی اور ناپائیدار ہونا بتلایا گیا ہے اور فلاح کا راستہ قرآن کی تذکیر سے پچھلی سورت میں بھی قرآن کی حقانیت اسی لیے بیان کی تھی۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:.....قالت عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الاولى من الوتر يسبح اسم ربك الاعلى وفي الثانية بقل يا ايها الكافرون وفي الثالثة بقل هو الله احد و المعوذتين رسول الله صلى الله عليه وسلم اس سورت میں علوم و خیرات ہونے کی وجہ سے بکثرت اس کی تلاوت کرتے تھے۔ نیز اس کی کثرت تلاوت سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سبح اسم ربك الاعلى نازل ہونے پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ اجعلوها فی سجود کم۔ ابن عباسؓ سبح کے معنی صل بامر ربك الاعلى فرماتے ہیں۔ فذلک ان نفعتم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تبلیغ و دعوت اور تذکیر و نصیحت میں حد درجہ حریص تھے۔ مگر جس قدر آپ جدوجہد فرماتے اتنی ہی خدی لوگ مخالفت کرتے جس سے آپ بے حد رنجیدہ ہوتے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔ صلاحیت مند لوگوں کو فہمائش کرتے رہئے۔

النار الكبرى. قال عليه السلام نار كم هذه جزء من سبعين جزء من نار جهنم او مافى الدرك الاسفل منها. فصلی۔ حضرت علیؓ بن عبد العزیز نے بچوقتہ نمازیں مراد ہیں اور اس سے تحریمہ کے شرط ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یعنی وہ رکن نہیں ہے۔ ابو سعید خدریؓ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اعطی صدقة الفطر و خرج الی العيد فصلی۔ اور ابن مردودیه نقل ہیں۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقرء الایة ثم یقسم الفطرة قبل ان یغدوا الی الفطر۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں انھا نزلت فی زکوة الفطر نیز وعن ابن مسعودؓ امر و تصدق ثم صلی ثم قرء هذه الایة۔ ممکن ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ سورت جب کہ یکہ ہے پھر صدقة الفطر اور نماز عید کا کیا سوال؟ لیکن اول تو بقول ضحاکؒ سورت مدنی ہے۔ دوسرے جمہور کے قول پر پیشگی احکام بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ محی السنہؒ فرماتے ہیں کہ حکم نافذ ہونے سے پہلے وحی آ سکتی ہے۔ چنانچہ سورۃ بلد کی آیت و انیت حل بهذا البلد کی ہے۔ حالانکہ مکہ میں داخلہ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر ہوا ہے۔

﴿تشریح﴾:..... سبح اسم ربك الاعلى۔ اللہ کے لیے احادیث میں اسماء حسنی ذکر کیئے گئے ہیں۔ وہ ننانوے نام توصیفی ہیں۔ ان لیے اپنی طرف سے کوئی ایسا لفظ اللہ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ جس سے کوئی نقص یا شرک یا گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ یا کسی غلط عقیدے کی نسبت اس کی ذات، صفات افعال کی طرف کی جائے۔ اسی طرح ایسے الفاظ جو مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتے ہوں جیسے: روف، رحیم، کریم، سمیع، بصیر وغیرہ۔ ان میں بھی احتیاط کا پہلو پیش نظر رہنا چاہیے کہ دونوں کے لیے طریقہ استعمال الگ الگ رہنا چاہیے۔ نیز اللہ کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیا جائے جس میں موقعہ محل بھی موزوں ہو اور جگہ بھی مناسب ہو لمسی مذاق یا ناگواری کے ساتھ نام نہ لیا جائے اور نہ بیت الخلا وغیرہ گندی جگہ میں اس پاک نام کی بے حرمتی کی جائے۔ لکھے ہوئے نام کا ادب و احترام بھی

ملاحظہ رہے۔ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کا حکم حضور ﷺ نے اس آیت کے بعد ہی دیا ہے۔

عالم کی ہر چیز نہایت حکمت و دانائی سے بنائی گئی ہے:..... فسوی۔ یعنی ہر چیز کو اللہ نے سچے تے انداز پر پیدا فرمایا ہے کہ اس سے بہتر انداز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جس سے یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ یہ عالم کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ بڑے ہی دانا حکیم کا کارنامہ ہے اور نہ ہی بہت سے خالقوں کی کارگزاری کا یہ ثمرہ ہے۔ ورنہ یہ حسن و خوبی اور کمال و جمال اس کائنات میں پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

والذی قدر: یعنی عالم تقدیر الہی کے تحت بنایا گیا ہے۔ یہاں کی ہر چیز سوچ بچار کر منصوبہ بند طریقہ سے بنائی گئی ہے۔ یہ نہیں کہ کیف ما انفق عالم اور اس کی تمام چیزیں پیدا ہو گئیں بلکہ ٹھیک ٹھیک ہر چیز کا اندازہ اور تخمینہ ہے۔ جس کو سامنے رکھ کر اس کو بنایا گیا ہے۔ فہدی۔ یعنی کسی چیز کو یونہی پیدا کر کے نہیں پھوڑ دیا کہ جس غرض کے لیے اس چیز کو بنایا ہے اور پھر اس کے لیے اس کی پوری پوری رہنمائی کی گئی ہے۔ اس کام کے نفع نقصان کے سارے پہلو کھول دیئے گئے۔ چاند، سورج، ستارے، آسمان، زمین، پہاڑ، درخت، کھیت، آگ، مٹی، ہوا کو بھی اغراض کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی طرف ان کی ہدایت کے سر و سامان بھی فراہم کر دیئے گئے اور وہ چیزیں ان کاموں کو سرانجام دیتی ہیں۔

فطری ہدایت:..... حتی کہ ایک دہریہ بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مختلف قسم کے جانوروں کو ایسا الہامی علم حاصل ہے جو انسان کو اس کے حواس تو درکنار دوسرے آلات کے ذریعہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ آخر جانوروں اور انسانوں کا بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ پینا سیکھ لیتا ہے۔ حالانکہ دنیا بھر کے دانشور مل کر بھی اگر چاہیں تو بچہ کو ماں کے پستان منہ میں تھامنا اور اس سے دودھ کی دھار چوسنا نہیں سکھلا سکتے۔ اسی طرح انسان کی آنکھ، ناک، کان، دل، دماغ، پھیپھڑے، گردے، جگر، معدہ، آنتیں، رگیں، شریانیں، پٹھے سب اسی طرح فطری ہدایت کے مطابق اپنا اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔ جب کہ انسان کو اس کے افعال کی خبر ہی نہیں ہوتی اور نہ اس کے ارادہ سے اعضاء کام کرتے ہیں۔ بچپن، جوانی، بڑھاپے میں جتنے تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں انسان کی حس اور ادراک کو دخل نہیں ہوتا۔ گو فطری ہدایت جو اللہ کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہے وہ برابر اپنا کام انجام دیتی رہتی ہے۔ لیکن ان غیر اختیاری افعال کے علاوہ ایک درجہ انسان کے عقل و شعور کا بھی ہوتا ہے جس میں اس ہدایت کا انداز دوسرا ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ بے بسی اور بے اختیاری کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایک قسم کے انسانی اختیار کو دخل ہو جاتا ہے۔ انسان اس اختیاری ہدایت سے منہ موڑ لینے کے لیے خواہ کتنی ہی جھٹ بازیاں کرے۔ لیکن بات قابل تسلیم نہیں کہ جس خدائے حکیم نے اس کائنات میں ہر ایک چیز کے لیے اس کی ساخت و حیثیت کے مطابق ہدایت کا اعلیٰ انتظام کر دیا ہے۔ اس نے انسان کے لیے یہ تقدیر تو بنادی کہ وہ اپنے اختیار سے دنیا میں تصرفات کرے۔ مگر اس نے انسان کو اس کے اختیار کو صحیح یا غلط استعمال کرنے کے طریقوں سے آگاہ نہ کیا ہو۔ بھلا جس قدرت نے اربوں کھربوں خلخال دنیا میں پیدا کر دیے۔ تاکہ انسان کو دانت کریدنے کے لیے ادنیٰ سی تکلیف نہ ہو کیا وہ قدرت انسان کی ابدی تکلیف رفع کرنے کا بندوبست نہیں کرے گی۔ جس خالق حکیم نے انسان کے جوتے چکانے کے لیے بے شمار پالش ڈبیاں فراہم کر دی ہوں وہ اس کی روح کی جلا کے لیے کوئی انتظام نہیں کرے گی۔

بہار اور خزاں کی کرشمہ سازیاں: اخراج المرعى۔ انسانی غذاؤں کے لیے سبزی اور جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا۔ فجعله غشاءً احوی۔ اللہ اپنی قدرت کے مختلف کرشمے دکھاتا ہے۔ وہ اگر بہار لاسکتا ہے تو خزاں کی بے رونقی بھی لاسکتا ہے۔ وہ تازگی اور شادابی کے لیے اگر ہر طرف ہریالی آگاسکتا ہے تو دوسری طرف خزاں کے پھیروں سے اس ہریالی کو خشکی سے بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ ہواؤں سے ہر طرف خاک اڑنے لگتی ہے۔

فلاحنسی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قرآن کے الفاظ بار بار دہراتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اطمینان دلایا کہ آپ یاد کرنے کی فکر میں نہ پڑیں۔ بلکہ خاموشی سے سنتے رہا کیجئے یہ ہمارا ذمہ ہے کہ ہم بھولنے نہیں دیں گے۔ اس سے پہلے سورہ طہ اور قیامتہ میں بھی یہی مضمون گزر چکا ہے۔ پس جس طرح ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کی یادداشت اور حفظ بھی ایک معجزہ ہے۔ جو کسی دوسری آسمانی اور غیر آسمانی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ الاما شاء اللہ کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ قرآن کا لفظ بلفظ آپ کے حافظہ میں محفوظ ہو جانا آپ کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ اللہ اگر اسے چاہے تو بھلا سکتا ہے۔ ولئن شئنا لنذهبن بالذی او حینا الیٰہ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی وقتی طور پر آپ کو نسیان ہو جاتا اور آپ کا کسی وقت کسی آیت یا لفظ کو بھول جانا اس وعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ ہاں جن آیتوں کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہو گا وہ بھی الاما شاء اللہ میں داخل ہیں۔ گویا وہ ایک قسم کا نسخ ہو گا۔

قرآن کا اللہ حافظ ہے: انه يعلم الجہر وما یخفی۔ اللہ جو چونکہ سب کی مخفی استعداد اور ظاہری اعمال کو جانتا ہے۔ اس لیے وہ اس کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا۔ رہا یہ کہ ایک حکم نازل کر کے پھر اس کو منسوخ کرنے کے کیا معنی؟ سوال اللہ کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے، اور کون سا حکم ہنگامی اور وقتی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ آپ کا زور زور اور بار بار پڑھنا جو ظاہر ہے اور بھول جانے کا کھٹکا جو مخفی ہے وہ سب ہمیں معلوم ہے۔ آپ مطمئن رہیے بھولیں گے نہیں۔ ونیسر لٹ للیسری۔ یعنی قرآن پاک کو یاد رکھنا اور اللہ کی معرفت و عبادت اور معاملات سب آسان و آہل کر دیئے جائیں گے اور مشکلات دور کر دی جائیں گی۔

فذكر۔ اللہ نے جب آپ پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں پس ان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس فیض کو عام کیجئے اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔

ان نفعتم الذکری۔ ایک دعوت و تبلیغ ہوتی ہے یعنی احکام پہنچانا اور نافرمانی کی صورت میں عذاب سے ڈرانا وہ ہر ایک کو ضروری ہے۔ اس میں نفع کے گمان کی قید اور شرط نہیں ہے۔ البتہ وعظ و تذکیر یعنی نصیحت دہرانا یہ اس وقت لازم ہے جب کہ مخاطب کے قبول کر لینے کا گمان غالب ہو اور ممکن ہے یہ شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو۔ یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تذکیر کرنی چاہیے اور یہ یقینی ہے کہ دنیا میں تذکیر کسی نہ کسی کو ضرور نفع دے گی۔ گو ہر ایک کو نفع نہ دے بہر حال حکم کو کسی ضروری چیز پر معلق کرنے سے حکم بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ: یا پہلے جملہ ونیسر لٹ سے مربوط کیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہم آپ کو تبلیغ دین کے معاملہ میں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ سو جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے آپ انہیں سمجھائیں۔ بلکہ آسان طریقہ متعین کیے دے رہے ہیں اور وہ یہ کہ جو سننے کے لیے تیار ہوا اسے سنائیے اور جو ماننے کے لیے تیار ہوا اسے منوائیے۔ اب یہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے

تیار ہے اور کون نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا اندازہ عام تبلیغ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھی جائے مگر اس سے تمہارا مقصود ان لوگوں کی تلاش ہونی چاہیے جو فائدہ اٹھانے کا جوہر رکھتے ہوں۔ ایسے ہی لوگ فی الحقیقت لائق التفات ہونے چاہئیں۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کے پیچھے پڑنا جن کے متعلق تجربہ سے واضح ہو جائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول کرنا نہیں چاہتے لا حاصل ہے۔

سید کو من یخشى! سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خوف خدا اور اپنے انجام کی فکر ہو کہ کہیں میں غلط راستہ پر تو نہیں جا رہا ہوں۔ وہی اللہ کے بندہ کی نصیحت کو توجہ سے سنے گا جو اسے ہدایت و گمراہی کا فرق اور فلاح و سعادت کا راستہ بتلا رہا ہو۔ بت جہبہ الاشیء! بھلا جس بد بخت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے اور اسے خوف خدا اور انجام کا ڈر نہیں وہ کہاں سمجھتا اور نصیحت کی طرف دھیان دیتا ہے؟ اور وہ بے شک ٹھیک بات سمجھنے کی کب کوشش کرتا ہے۔

ثم لایموت فیہا۔ نہ اسے موت ہی آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے اور نہ جینے کی طرح جیے گا کہ زندگی کا لطف حاصل ہو۔ بلکہ ادر میں لٹکا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت کافر و مشرک کی ہے۔ مومن فاسق تو مقرر سزاؤں کے بعد نجات پالیں گے۔

اصل کامیابی کس کی ہے؟..... قد افلح۔ ظاہری، باطنی، حسی، معنوی نجاتوں سے پاک ہو اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیح، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ سے آراستہ کیے ہو تو وہ کامیاب ہے۔ حقیقی کامیابی آخرت کی سرخروئی ہے۔ دنیا کی خوشحالی میسر ہو یا نہ ہو۔ والکفر انسم۔ پاک صاف ہو کر تکبیر تحریمہ کی پھر نماز پڑھی۔ حنفیہ نے اس سے دو مسئلے اخذ کیے ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کہنا فرض نہیں ہے۔ مطلق اللہ کی بڑائی کسی لفظ سے ظاہر کرنا کافی ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی اپنی غرض کا اظہار نہ ہو۔ البتہ احادیث صحیحہ کی وجہ سے اللہ اکبر کہنا سنت یا واجب کہلائے گا۔ دوسرے یہ کہ تکبیر تحریمہ نماز کے لیے شرط ہے رکن نہیں۔ کیونکہ فصلی کا پہلے جملہ پر عطف ہو رہا ہے۔ جس سے مغائرت معلوم ہوتی ہے اور بعض حضرات نے اس جملہ سے صدقہ الفطر، نماز عید، تکبیرات عید مراد لی ہے۔ بہر حال آیت کا منشاء یہ ہے کہ وہ بند صرف اللہ کی یاد کر کے نہیں رہ گیا بلکہ نماز کی پابندی سے اس نے ثابت کر دیا کہ وہ عملاً اللہ کا فرمانبردار، اطاعت گزار ہے۔

یسئل توثرون۔ یعنی تمہیں جب آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام کو بلحاظ اعتقاد یا عمل آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اتنی بہترین چیز کو چھوڑ کر ازل ترین کو اختیار کر رہے ہو۔

ان ہلدا۔ یعنی قد افلح سے وابقی تک یہ مضمون کوئی نادریات یا منسوب حکم نہیں۔ بلکہ پچھلی کتابیں بھی یہ حکم دے رہی ہیں۔ بعض ضعیف روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم کو دس صحیفے اور حضرت موسیٰ کو تورات کے علاوہ دس مزید صحیفے عطا کیے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام..... مضمون سورت پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے۔ کیونکہ سنقر نث فرمانا ایسا ہی ہے جیسے آیت اقرار باسم ربک اور آیت لا تحولک میں فرمایا گیا ہے۔ جس سے آیت کی ابتدائی حالت معلوم ہو رہی ہے۔ چنانچہ پھر بھی آپ کو وحی یا قرآن یاد رکھنے میں دقت پیش نہیں آئی اس سورت میں تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت سبح البخ میں توحید کے مضمون کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ یعنی کوئی بات بھی خداوندی عظمت کے خلاف زبان پر نہیں آنی چاہیے۔ دنیا میں جس قدر بھی فاسد عقائد پیدا ہوئے ہیں ان سب کی جڑ بنیاد اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی نہ کسی غلط تصور پر ہے جس نے غلط فہم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے عقیدہ کا صحیح ہونا سب سے اہم ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ کو صرف اسماء حسنیٰ ہی سے یاد کیا

قرآن کے ادب کا تقاضہ..... واذا قرئ۔ یعنی اگر ان کی عقل ان حالات کا ادراک نہیں کر سکتی تو انہیں لازم تھا کہ قرآن پاک سے روشنی حاصل کرتے۔ لیکن اس کے برعکس ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان سن کر بھی ذرا عاجزی اور انکساری کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ان کے دل میں خوف خدا پیدا نہیں ہوتا اور اس کے آگے نہیں جھکتے۔ حتیٰ کہ مسلمان قرآن کی آیات سن کر جب سجدہ تلاوت کرتے ہیں تو انہیں سجدہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی ان میں سے مغرور سر جھکانے کی بجائے تسخرانہ انداز سے زمین کی مٹی پیشانی سے لگا لیتا ہے۔

بل الذین کفروا۔ یعنی اتنا ہی نہیں کہ قرآن کی آیات سن کر ہنکتے نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ان کو زبان سے جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو کچھ بغض و عناد اور نفرت کا خمار بھرا ہوا ہے اسے تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔
فبشر ہم۔ اس لیے انہیں خوشخبری سنا دیجئے کہ جو کچھ وہ بورہے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا اور نتائج عمل سے محروم نہیں رہیں گے۔

خلاصہ کلام:..... شروع کی پانچ آیات میں قیامت کی کیفیات اور اس کے برحق ہونے کی دلیل فرمائی گئی ہے چنانچہ آسمان کا پھٹنا۔ زمین پھیلنا۔ ہموار میدان کر دینا۔ زمین میں جو کچھ چیزیں ہیں۔ ان کو باہر نکال دینا حتیٰ کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا یہ قیامت کی کیفیات ہیں اور دلیل کا حاصل یہ ہے کہ آسمان زمین سب اللہ کے کلام کے آگے مسخر ہیں اور چونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں اس لیے ان کے لیے سراسر یہی موزوں ہے کہ وہ حکم رب کے آگے سرتابی نہ کر سکیں بلکہ سرنگوں رہیں۔

اس کے بعد چھٹی آیت سے انیسویں آیت تک یہ ارشاد ہے کہ انسان خواہی نخواستہ اپنی اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں جہاں سے رب کی پیشی میں کھڑا ہونا ہے پھر انسان دو حصوں میں بٹ جائیں گے جن کے اعمال نامے داہنے ہاتھوں میں ہوں گے۔ وہ تو پیشی کے ساتھ ہی چھوٹ جائیں گے اور کچھ تھوڑی بہت سزل ہوگی لیکن جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں پیچھے پیچھے سے دیا جائے گا۔ ان کا حال تو یہ ہوگا کہ وہ موت کو غنیمت سمجھیں گے۔ لیکن انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اس بھلاوے میں رہے کہ انہوں نے جواب دہی کے لیے کبھی خدا کے حضور حاضر ہونا نہیں ہے۔ حالانکہ ان کا رب سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اعمال کی باز پرس سے بچ جائیں جس طرح سورج چھپنے کے بعد شفق کا نمودار ہونا۔ دن کے بعد رات کا آنا اور اس میں انسان اور حیوانات کا اپنے بیسروں کا طرف چلنا اور چاند کا ہلالی سے ماہ کامل بننا یقینی ہے اسی طرح ان کا دنیاوی زندگی سے آخرت کی جزا سزا تک مرحلہ وار پہنچنا بھی ہے۔

آخر میں ان کفار کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے جو قرآن سکر اللہ کے آگے سرنگوں ہونے کی بجائے الٹا جھٹلانے لگتے ہیں اسی طرح جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں انہیں بے حساب اجر کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ انشقت اعاذہ اللہ تعالیٰ ان یعطیہ کنا بہ من ورائہ۔
ترجمہ:..... جو شخص سورۃ انشقت پڑھے گا اللہ اسے نامہ اعمال پشت کی جانب سے دیئے جانے سے محفوظ رکھے گا۔

لطايف سلوک:..... لترب کبن طبقا عن طبق۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی مراتب قرب میں مرحلہ وار ترقی مراد ہے آپ کے عرفاء کے مراتب و احوال کی بھی یہی شان ہے۔

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ سِتُّ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ قَدْ أَتَلَكْ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ الْقِيَامَةُ لِأَنَّهَا تَغْشَى الْخَلَائِقَ بِأَهْوَالِهَا وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ عَرَبِيَّهَا عَنِ
الدَّوَاتِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ ذَلِيلَةٌ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ﴿٣﴾ ذَاتَ نَصَبٍ وَتَعَبٍ بِالسَّلَاسِلِ وَالْأَغْلَالِ
تَضَلَّى بِضَمِّ النَّاءِ وَفَتَحَهَا نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقَى مِنْ عَيْنِ انِّيَّةٍ ﴿٥﴾ شَدِيدَةُ الْحَرَارَةِ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ
إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ﴿٦﴾ هُوَ نَوْعٌ مِنَ الشَّوْكِ لَا تَرَعَاهُ دَابَّةٌ لِحُبِّهِ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ﴿٧﴾ وَجُودُهُ
يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ﴿٨﴾ حَسَنَةٌ لِسَعْيِهَا فِي الدُّنْيَةِ بِالطَّاعَةِ رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِي الْآخِرَةِ لِمَارَاتِ ثَوَابِهِ فِي جَنَّةٍ
عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ حَسَا وَمَعْنَى لَا تَسْمَعُ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ فِيهَا لَا غِيَةَ ﴿١١﴾ أَيْ نَفْسٌ ذَاتَ لَغْوٍ أَيْ هِدْيَانٍ مِنَ الْكَلَامِ
فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ بِالْمَاءِ بِمَعْنَى عُيُونٍ فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ ذَاتَا وَقَدَرًا وَمَحَلًّا وَأَكْوَابٌ أَقْدَاحٌ
لَا عَرَى لَهَا مَوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ عَلَى خَافَاتِ الْعُيُونِ مُعَدَّةٌ لِشَرِبِهِمْ وَنَمَارِقُ وَسَائِدُ مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ بَعْضُهَا
بِحَبِّ بَعْضٍ يَسْتَنِدُ إِلَيْهَا وَزُرَابِيُّ يُسْطُ طَنَا فَسَ لَهَا حَمَلٌ مَبْثُوثَةٌ ﴿١٦﴾ مَبْسُوطَةٌ أَفَلَا يَنْظُرُونَ أَيْ كُفْلَرُ
مَكَّةَ نَظَرَ اِعْتِبَارٍ إِلَى الْإِبْلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَالْإِبِلُ السَّمَاءُ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَالْإِبِلُ الْجِبَالُ
كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَالْإِبِلُ الْأَرْضُ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ أَيْ بُسِطَتْ فَيَسْتَدِلُّونَ بِهَا عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى
وَوَحْدَانِيَّتِهِ وَضِدَرَتْ بِالْإِبِلِ لِأَنَّهُمْ أَشَدُّ مَلَابَسَةً لَهَا مِنْ غَيْرِهَا وَقَوْلُهُ سَطَحَتْ ظَاهِرٌ فِي أَنَّ الْأَرْضَ
سَطَحَ وَعَلَيْهِ عُلَمَاءُ الشَّرْعِ لَا كُرَةَ كَمَا قَالَ أَهْلُ الْهَيْئَةِ وَإِنْ لَمْ يَنْقُصْ رُكْنًا مِنْ أَرْكَانِ الشَّرْعِ فَذَكَرَهُمْ
نِعَمَ اللَّهِ وَدَلَائِلَ تَوْحِيدِهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضْطَرٍ ﴿٢٢﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْصَادِ بَدَلُ
السَّيْنِ أَيْ بِمُسْلَطٍ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِلَّا لَكِنْ مَنْ تَوَلَّى أَعْرَضَ عَنِ الْإِيمَانِ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ بِالْقُرْآنِ
فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ عَذَابُ الْآخِرَةِ وَالْأَصْغَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْإِسْرِ إِنْ

۲۶
۱۳

إِنَّا آيَابَهُمْ ﴿۸۸﴾ رُجُوعُهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۸۹﴾ جَزَاءَهُمْ لَا تَنْتَرِكُهُ أَبَدًا

سورۃ غاشیہ مکہ ہے اس میں ۲۶ آیتیں ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ کو اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے (مراد قیامت ہے کیونکہ وہ اپنی ہولناکیوں سے سارے جہان کو گھیرے گی) بہت چہرے اس روز (دونوں جگہ چہروں سے مراد ذوات ہیں) ذلیل ہوں گے سخت مصیبت جھیلنے خستہ ہوں گے (طوق و سلاسل میں مصیبت و تعب اٹھائے ہوں گے) شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تصلیٰ ضد تلہ اور فتح تاء کے ساتھ) کھولتے ہوئے (انتہائی گرم) چشمہ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ خاردار سوکھی گھاس (جس کو انتہائی خراب ہونے کی وجہ سے جانور بھی نہیں چھوتے) کے سوا کوئی کھانا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ جو نہ بھوک مٹائے۔ بہت سے چہرے بارونق (کھلے چہرے) ہوں گے (دنیا میں فرمانبرداری کی) اپنی کارگزاری پر (آخرت میں ثواب دیکھ کر) خوش ہوں گے بہشت برس میں ہوں گے (جو حسی اور معنوی طور پر بلند ہوگی) نہیں سنیں گے (یا اور تا کے ساتھ ہے) وہاں کوئی بیہودہ بات (لفظ چیز یعنی فضول گفتگو) اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (جن میں پانی رواں ہوگا۔ عین بمعنی عیون ہے) اس میں اونچی مسندیں ہوں گی (جو اپنی ذات اور مرتبہ اور نکل کے لحاظ سے بلند ہوں گی) ساغر (ایسے جام جن میں ٹوٹی نہ ہو) رکھے ہوئے ہوں گے (چشموں کے کنارے کنارے پینے کے لیے مہیا) گاؤں کیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوں گی (گدی لگانے کے لیے برابر برابر رکھے ہوئے) اور نفشیں قالین (روئیں دار ریشمی گدے) سب طرف بچھے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا یہ لوگ (کفار مکہ بنظر عبرت) اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ (پھیلائی گئی)۔ غرض کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت سمجھ لینی چاہیے تھی۔ پہلے اونٹ کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سب چیزوں سے زیادہ اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور مسطح سے بظاہر زمین کا سطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی رائے بھی ہے۔ بقول اہل بیت زمین کروئی نہیں ہے۔ اگرچہ اس نظریہ سے بھی شرعی احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا اچھا تو آپ (ان کو) نصیحت کئے چاہیے (اللہ کی نعمتیں اور دلائل تو حید ذکر کر کے) آپ تو بس ہیں ہی نصیحت کرنے والے کچھ ان پر مسلط نہیں ہیں (ایک قراءت میں بجائے سین کے صناد کے ساتھ ہے۔ بمعنی ٹڈیل یہ فرمان جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) ہاں (مگر) جو شخص منہ موڑے گا (ایمان سے روگردانی گا) اور (قرآن سے) کفر کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (آخرت کی اور قتل و قید کی دنیاوی سزا الکی ہے) ان لوگوں کا آنا (مرنے کے بعد پلٹنا) ہمارے ہی پاس ہوگا۔ پھر ان کا حساب لینا ہمارا ہی کام ہے (یعنی اس کا بدلہ جس کو نظر انداز بالکل نہیں کیا جائے گا)

تحقیق و ترکیب: مکہ۔ یہ متفق علیہ کی ہے۔

الغاشیہ۔ غشیان کے معنی چھپانے کے ہیں۔ قیامت کا دن یا دوزخ کی آگ مراد ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یوم یغشاہم العذاب اور تغشی وجوہہم النار۔

وجوہ۔ یہ جملہ متاثر ہے۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای ما حدیث الغاشیہ لفظ وجہ یہاں اور آئندہ آیات میں بطور مجاز مرسل کے مستعمل ہے۔ تسمیۃ الكل باسم اشرف الجزء۔ چہرہ اشرف اجزاء ہونے کے علاوہ بدن کی تکلیف و راحت کا اثر سب سے پہلے اس پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

عاملۃ ناصیہ۔ دوزخ کی مصیبتوں سے تھکا ماندہ ہونا مراد ہے اور دنیا کے لا حاصل محنت و مشقت سے خستہ ہو جانا مراد ہے۔ تصلیٰ۔ ابو عمرو، یقوب، ابو بکرؓ نے غمہ تہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصلاح اللہ سے ماخوذ ہے۔ داخل کرنے کے معنی ہیں۔ اور بعض نے تصلیٰ تشدید کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ پڑھا ہے۔

انیۃ۔ انتہائی گرم کے معنی ہیں۔ من ضریع۔ قریش اس کو شبرق کہتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں۔ ہونیت ذو شوک تسمیہ القریش الشبرق فاذا اهاج سمرہ الضریع وهو اخبث الطعام وابشعہ۔ جب تک یہ گھاس ہری ہوتی ہے تو اونٹ کھا لیتے ہیں لیکن سوکنے کے بعد بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں یہ آگ کا درخت ہوگا جو ان کو کھلایا جائے گا اور قوم و غسلیں دوسرے دوزخیوں کی خوراک ہوگی۔

لا یسمن۔ کھانا کھانے کی یہی دو غرضیں ہوا کرتی ہیں۔ لیکن دوزخ کا یہ کھانا قطعاً ناکارہ ہوگا۔ وجوہ یومئذ۔ دوزخیوں کے بعد جنتیوں کا ذکر ہے۔ اور وجوہ کمرہ ہونے کے باوجود مبتداء ہے۔ کیونکہ موضع تنوین میں ہے۔ لا تسمع نا کے ساتھ تافع پڑھتے ہیں۔ اور ابن کثیر، ابو عمرو، رویش کے ساتھ مجہول پڑھتے ہیں۔ اور لا غیتہ فاعل ہوگا۔ اور پہلی صورت میں ضمیر مخاطب فاعل لا غیۃ مفعول ہوگا اور لا غیۃ بمعنی لغو ہے۔ یا کلمۃ ذات لغو ہے یا بمعنی نفسا تلغوہ ہے۔ بہر حال جنت لغو گوئی کی جگہ نہیں ہوگی۔

عین جاریہ۔ گڑھے کی صورت نہیں۔ بلکہ ابدی چشمہ رواں دواں ہوگا۔ سرور وفوۃ۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ الواحہ من ذهب مکملۃ بالزبرجد والدر والیاقوت مرتفعۃ فی السماء مالم یجئ اهلها فاذا اراد ان یجلس علیہا صاحبہا تراضعت حتی یجلس علیہا ثم ترفع الی موضعہا۔ اکواب۔ بغیر ٹوٹی کا برتن تاکہ جس جانب سے چاہیں پی لیں۔ نمارق۔ نمرق کی جمع ہے بمعنی تکیہ۔

زراہی۔ زربہ کی جمع ہے۔ نفیس فرش جس کے پھندے اور جھار لگے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ ابن عباس کی رائے ہے۔ زختری عمدہ بستر کے معنی لیتے ہیں۔ امام راغب کہتے ہیں کہ مطلق کپڑے کے معنی تھے۔ پھر فرش کے لیے یہ لفظ مستعار ہو گیا۔

افلا ینظرون۔ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے۔ فاعاطفہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اعموا فلا ینظرون۔ استفہام انکاری تو بیخ کے لیے ہے۔ اونٹ کی تحقیق عرب کے عجیب الخلق جانور ہونے کی وجہ سے ذیل ڈول ایسا ہے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ کسی کے قبضہ میں نہیں آئے گا۔ مگر ایک چوہے کا بچہ بھی اگر ٹیل پکڑے تو اس کے پیچھے پیچھے ہو لے۔ بوجھ اٹھانے میں لور سفر طے کرنے میں اٹھک۔ مگر پانی اور خوراک کے معاملہ میں انتہائی صابر و شاکر اور قناعت پسند کہ دو دو ہفتہ بھوک پیاس برداشت کر لیتا ہے۔ اور معمولی خوراک سے بھی خوش ہو جاتا ہے۔ لمبی گردن سے وقار نکلتا ہے مگر نہایت مسکین۔ پاؤں سے کسی کو روندنا نہیں۔ مگر غصہ آجائے تو کانٹ پھانٹ کر رکھ دیتا ہے۔ شتر کینہ مشہور ہے۔ اپنی بیت کذبانی سے نہایت بے ذوق معلوم ہوتا ہے۔ مگر سریلی آواز اور خوش الحانی۔ ہدی خوانی سے خوش مذاق انسانوں کی طرح متاثر ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان ساری خوبیوں کا کوئی جانور نہیں۔ اس لیے عرب اس کو بڑی نعمت سمجھتے ہیں اس کو سفینۃ البر کہا جاتا ہے اور سخت دل بھی ہے اور قتل کی دیت میں اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

ابل۔ اسم جمع ہے اس کا کوئی لفظی مفرد نہیں ہے۔ بعیر ناقہ، جمل مفرد معنوں میں۔ اور بعض کے نزدیک بطور استعارہ ابل سے مراد بادل ہے۔

کیف خلقت۔ کیف منصوب ہے۔ خلقت کا حال ہونے کی وجہ سے اور یہ جملہ الابل بدل الاشتمال ہونے کی وجہ سے محل جزیئیں ہے۔ اور ینظرون متعدی الی کے ذریعہ اور کیف خلقت کی طرف بطور تعلق کے متعدی ہے۔ ابل عرب الی کو کیف پر داخل کر کے کہتے ہیں۔ انظر الی کیف یضع اور کیف حال سے سوال کے لیے آتا ہے۔ اس میں خلقت عامل ہوگا اور تعلق کے بعد استفہام اپنے حقیقی معنی پر نہیں رہتا۔

سطحت۔ ان چاروں افعال کی ایک قراءت مرفوع بھی ہے۔ ضمیر منصوب مرفوع ہوگی۔ ای افلا ینظرون الی انواع المخلوقات من البسائط والمربکات لیتحققوا کمال قدرۃ الخالق فلا ینکروا اقتدارہ علی البعث لہرب چونکہ

اکثر خانہ بدوش رہتے تھے اور سفر پسند تھے۔ اور انسان جب اس طرح آبادی سے باہر ہو کر فضا میں نظر عبرت ڈالتا ہے تو سب سے پہلے اس کی نظر اپنی سواری پر جاتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اوپر دیکھتا ہے تو آسمان پر نگاہ جاتی ہے۔ پھر جب دائیں بائیں نظر ڈالتا ہے تو پہاڑ نظر پڑتے ہیں اور جب نگاہ نیچی کرتا ہے تو زمین دکھائی پڑتی ہے اس سے تنہائی میں نظر و فکر کرنے کا امتحان معلوم ہوا۔

امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا کروی ہونا دلیل سے ثابت ہے اگرچہ بظاہر آیت سے اس کا مسطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زمین چونکہ عظیم کرہ ہے۔ اس لیے کروی ہونا اور زمین کا مسطح ہونا دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ زمین کروی ہے۔ مفسر علامؒ نے کروی ہونے کے نظریہ کی تردید نہیں کی بلکہ گنجائش دی ہے تاہم علمائے بیت یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ سیلابوں، طوفانوں، ہواؤں کی وجہ سے زمین حقیقی کرہ نہیں رہی بلکہ قدرتی طور پر سطحیت آ کر رہائش کی صورت پیدا ہو گئی۔ انما انت مذکور۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔

لست علیہم بمضیطر۔ ہشام وغیرہ اس کو اصل یعنی سین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور حمزہ اشمام کرتے ہیں۔ باقی قراء صداد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مفسر اس کو حکم جہاد کی وجہ سے منسوخ فرما رہے ہیں۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نہیں مانتے۔ کیوں کہ جہاد اس کے منافی نہیں ہے۔ دعوت دین کو قبول کرنا اختیاری ہوتا ہے جبری نہیں۔

الامن تولیٰ۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ الاستثناء منقطع کے لیے ہے۔ لیکن متصل بھی ہو سکتا ہے۔ ای فذکرہم الامن قطع طمعک من ایمانہ۔ اور بعض تقدیر عبارت اس طرح نکالتے ہیں کہ لست بمسلط علیہم الامن تولیٰ گویا کفار سے جہاد کرنا ان پر تسلط ہے۔ اور بعض فذکر سے استثناء مانتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ فذکر الامن تولیٰ وفا جبر فاستحق العذاب الاکبر۔ گویا درمیان میں جملہ مقررہ ہے۔ لیکن الامنیہ کی قراءت پہلے احتمال کی تائید کرتی ہے۔

ایاہم۔ ایک قراءت تشدید یا کی ہے فیعال فیعل کا مصدر ہے۔ ایاب سے ماخوذ ہے یا اوب سے فعال کا وزن ہے دیوان کی طرح پہلا واویا سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پھر سید مری، مہدی کی طرح ادغام کر دیا گیا ہے اور خبر کی تقدیم تخصیص اور مبالغہ فی الوعید کے لیے ہے۔

رابط آیات:..... پچھلی سورت میں آخرت کی تسلی کا بیان ہے۔ اس سورت غاشیہ میں آخرت کی تیاری کرنے، نہ کرنے والوں کی جزاء سزا کا بیان ہے اور قیامت کی تقریر کے لیے قدرت کا اثبات اور آخر میں مکررین کی طرف سے رنجش پر آنحضرتؐ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ آپ تبلیغ عام شروع کر چکے تھے اور بالعموم وہ لوگ اسے سکر نظر انداز کر دیتے تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

﴿تشریح﴾:..... حدیث الغاشیہ۔ یعنی قیامت کی بات سننے کے لائق ہے اور قیامت نام ہے کل نظام عالم کے درہم برہم ہو جانے کا۔ اس لیے غاشیہ فرمایا کہ تمام مخلوق پر چھا جائے گی اور اس کا اثر عالمگیر ہوگا۔

دوزخیوں کا حال:..... وجوہ یومئذ خاشعۃ۔ انسان کا چہرہ چونکہ تمام اعضاء میں نمایاں ہوتا ہے اور اس پر کیفیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اشخاص و افراد کی بجائے پیرایہ تعبیر میں چہرہ مہرہ کو لے لیا جاتا ہے اور خاشعۃ آخرت کی خشکی اور در ماندگی مراد ہے اور یا دنیا کی مصائب سے تھک کر چور ہونا مراد ہے یقیناً بہت سے کافر خسرو الدنیا والآخرۃ ہوتے ہیں کہ نہ یہاں کا چین نہ وہاں کا آرام۔

من عین انیۃ۔ دوزخ کی گرمی سے بے تاب ہو کر پیاس پیاس پکاریں گے تو کھولتا ہوا تیز گرم پانی دیا جائے گا جسے پیتے ہی منہ میں چھالے پڑ جائیں گے اور آنتیں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی پھر ٹھیک کر دی جائیں گی اور یہی ابد تک سلسلہ چلتا رہے گا من ضریع ایک خاردار درخت یا گھاس ہے جو ایلوے سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے بڑھ کر گرم ہوگا جو بھوک سے بلبلائے والے

دوزخیوں کو ہر مار کرنے کے لیے دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں کہیں زقوم فرمایا گیا اور کہیں غسلسین کہا گیا۔ لیکن ان سب بیانات میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے دوزخیوں کو مختلف درجات کے لحاظ سے یہ چیزیں دی جائیں گی اور ایک ہی شخص کو مختلف اوقات میں یا ایک وقت یہ سب چیزیں دی جائیں گی۔ یا ایک ہی چیز پر مختلف کیفیات کی وجہ سے یہ مختلف نام دیئے گئے ہوں۔ کھانا کھانے کا اصل مقصد بھوک کی تکلیف کا دفعیہ اور بدن کی تقویت و فرہی ہوتا ہے۔ سوان دونوں کی صراحت نفی فرمادی۔ رہ گئی لذت سو وہ اس کے نام ہی سے کافی ہے۔

جنتیوں کا حال: وجوہ يومئذ ناعمة۔ دوزخیوں کے بعد یہاں سے جنتیوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ کہ ایمان و عمل کے سلسلہ میں جو محنتیں اور مشقتیں دنیا میں اٹھا کر آئے ہیں۔ ان کے شاندار نتائج دیکھ کر یہ لوگ نہایت مسرور ہوں گے کہ انہوں نے اپنی انتھک کوششوں اور خواہشات نفس کی قربانیوں کا بھرپور صلہ اور احکام الہی کی اطاعت اور معاصی سے بچنے کا انعام پالیا اور سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں ٹھکانے لگیں اور محنتوں کا پھل بہت خوب ملا۔

لا تسمع فیہا لا غیة۔ گالی، گفتار، بدکلامی تو درکنار کوئی لغو بات بھی وہاں نہیں سنی جائے گی۔ ہر شخص چین کی بانسری، بجا رہا ہوگا اور اپنی کھال میں مست اور مگن ملے گا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد
فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے۔ دوزخیوں کا حال اس کے برعکس ہوگا۔ وہ دنیا کی طرح ہر وقت بک بک جھک جھک کریں گے جو مصیبتوں کو دو بالا کر دیتا ہے۔

عین جاریہ۔ کوئی خاص چشمہ ہوگا یا جس مراد ہے کہ پانی کے چشمے بہتے ہوں گے۔
اکواب موضوعہ۔ یعنی جام لبالب تیار ملیں گے کہ جب اور جتنا چاہیں پی لیں۔
ونصارق۔ مسندیں بہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھی ہوئی اور گاؤں ٹکلیئے ترتیب سے لگے ہوئے ہوں گے تاکہ جس وقت اور جہاں چاہیں آرام کر سکیں۔ دنیا میں خوشحال اہل ثروت کے یہاں بھی یہی طور طریقے ہوتے ہیں۔

قدرت کی کرشمہ سازیاں: افلا یظنرون۔ آخرت کی باتیں سن کر کفار کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا جا رہا ہے کیا تم نے دنیا میں قدم قدم پر قدرت الہی کے تماثے نہیں دیکھے۔ کیا انہوں نے بھی نہیں سوچا کہ یہ اونٹ کیسے بن گئے؟ یہ آسمان کیسے بلند ہو گئے؟ یہ پہاڑ کیسے کھڑے ہو گئے؟ جب یہ سب چیزیں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کوئی خواب و خیال نہیں پھر قیامت کے آنے میں کیوں تامل ہے؟ دوزخ اور جنت کی دنیا کیوں نہیں بن سکتی؟ اگر ان کے دماغ ہے اور اس میں بھیجے اور بھیجے میں عقل ہے تو انہیں سوچنا چاہیے کہ جو کچھ چیزیں موجود ہیں آخر کس طرح وجود میں آئیں گی۔ بھلا ”اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی“ کا مصداق عرب میں جن خصوصیات کے جانور کی ضرورت تھی۔ وہی عجیب الخلقت جانور بنا دیا۔ بے ستون آسمان تان دیے۔ چاند، سورج روشنی کے لیے اور ستارے خوشنمائی کے لیے فضا میں معلق کر دیئے۔ اور سانس لینے کے لیے فضا میں ہوا بھری پڑی ہیں۔ مخلوق کے رہنے کے لیے زمین بچھا دی۔ جس کی پیداوار اور پانی کے چشموں پر زندگی کا انحصار ہے۔ کیا یہ سب کچھ قادر حکیم کی کارگیری کے بغیر ہو گیا؟ عقل و انصاف سے کام لیا جائے۔ ضد اور ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح یہ سب ناممکن اس کی قدرت سے ممکن ہو گیا۔ اسی طرح جن چیزوں کے آئندہ ہونے کی خبر دی جا رہی ہے وہ بھی ضرور ہو کر رہے گی۔ مگر تعجب ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ کر بھی اللہ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے۔ جس سے قیامت کے عجیب و غریب انتظامات کا سمجھ میں آ جانا اہل ہو جاتا۔

نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہیئے:..... فذکر۔ یہ لوگ روشن دلائل کے ہوتے ہوئے جب غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں پریشان نہ ہوں۔ یہ نہیں مانتے نہ مانیں۔ آپ کے سپرد نہ ماننے والوں کو منوانا نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کا کام تو صرف یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح اور غلط راستے دکھا دو اور ان کو ان کے انجام سے باخبر کر دو۔ آپ اسی کام کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ سمجھنا نہیں چاہتے تو ان پر دادرغہ بنا کر آپ کو نہیں بھیجا گیا ہے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں۔ یہ کام مقلب القلوب کا ہے۔ آپ کا جو کام ہے جس کو اب تک کیے جا رہے ہو برا بھلا ہی کو کرتے رہیں۔

الامن تولیٰ۔ کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں اور اس کی آیات کا انکار کرنے والوں کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ وہ اس کے سخت ترین عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ انہیں ایک نہ ایک دن ہمارے پاس آنا ہے اور ہمیں ان سے پانی پانی کا حساب چکانا ہے۔ غرض حال کا کام آپ کیے جائیے اور مستقبل ہمارے حوالہ کیجئے۔

خلاصہ کلام:..... شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و دعوت کا زیادہ زور دو بنیادی باتوں پر رکھا ہے۔ ایک توحید۔ دوسرے آخرت۔ مکرین نے بھی زور شور سے ان دونوں حقیقتوں کا انکار جاری رکھا۔ اس سورت میں بھی روئے سخن انہیں لوگوں کی طرف ہے۔ چنانچہ آپ کے واسطے سب سے پہلے ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں اس وقت کی بھی کچھ خبر ہے جب سارے جہان پر چھا جانے والی آفت نازل ہوگی؟ اس وقت تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے اور دونوں کا انجام الگ الگ سامنے آجائے گا۔ دوزخ میں جانے والوں کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا اور جنتی عالی شان محلات میں عیش و عشرت کے ساتھ رہیں گے۔

اس کے بعد عنان توجہ اپنی قدرت کی کرشمہ سازیوں کی طرف پھیر دی گئی ہے۔ فرمایا کہ کیا یہ لوگ جہاں پر نظر ڈال کر ان چیزوں کو نہیں دیکھتے، جن سے ان کو واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ صحرانوردوں کو زندگی بھی اونٹوں سے سابقہ رہتا ہے جو ان کے لیے سفارشی امیر ہیں اور قدرت نے اس عجیب الخلقت جانور کو ایسی خصوصیات کا حامل بنایا ہے۔ جو صحرائی زندگی کے لیے درکار تھیں۔ اسی طرح سفر کرتے وقت آنکھوں کے سامنے ادھر آسمان ہوتا ہے۔ درمیان میں پہاڑ، نیچے زمین۔ ان تینوں چیزوں میں انہیں غور کرنا چاہیئے کہ یہ آسمان کا سا بنان کیسے بن گیا ہے۔ یہ دیو قامت پہاڑ کیسے کھڑے ہوئے؟ زمین کیسے بچھ گئی؟ کیا ان سے اللہ کی قدرت و حکمت کا پتہ نشان نہیں ملتا۔ پس اس سے اس کی یکتائی اور قدرت ثابت ہوتی ہے پھر آخر کون سی معقول بنیاد پر قیامت اور جزا و سزا کا انکار کر رہے ہیں؟ کیا ہماری قدرت میں کچھ فرق آجائے گا؟ یا مقدر، مقدر ہونے سے خارج ہو جائے گا؟

شروع سورت کی طرح پھر آخر میں آپ کی طرف التفات فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ آپ زبردستی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے وہ کہنے جائیے آخر یہ ہمارے پاس تو آئیں گے ہی۔ ہم خود ذمہ لیں گے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ الغاشیۃ حاسبہ اللہ حساباً یسیراً۔

ترجمہ:..... جو شخص سورہ غاشیہ پڑھے گا اللہ اس کا حساب آسان لے گا۔ (حدیث موضوع)

لطاائف سلوک:..... وجوہ یومئذ خاشعۃ۔ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ضلالت اور اہل بدعت بھی اس میں داخل ہیں کہ ان کی عبادت و مساعی بھی رایگاں چلی جائیں گی۔

سُورَةُ الْفَجْرِ

سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ أَيْ فَحَرَّ كُلُّ يَوْمٍ وَلَيْالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ أَيْ عَشْرَ ذِي الْحِجَّةِ وَالشَّفْعِ الزَّوْجِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ بَفَتْحِ
 الْوَاوِ وَكَسْرِهَا لُغَتَانِ الْفَرْدُ وَاللَّيْلُ إِذَا يَسُرُّ ﴿٤﴾ أَيْ مُقْبِلًا وَمُذْبِرًا هَلْ فِي ذَلِكَ الْقَسَمِ قَسَمٌ لِّدِي
 حَجَرٍ ﴿٥﴾ عَقْلٍ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مُحذُوفٌ أَيْ لَتُعَذِّبَنَّ يَا كُفَّارُ مَكَّةَ أَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ يَا مُحَمَّدُ كَيْفَ فَعَلَ
 رَبُّكَ بَعَادٍ ﴿٦﴾ أَوْ مَيَّ عَادُ الْأُولَى فَإِرمَ عَطْفُ بَيَانٍ أَوْ بَدَلٌ وَمُنْعُ الصَّرْفِ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّائِيثِ ذَاتِ
 الْعِمَادِ ﴿٧﴾ أَيْ الطُّوْلُ كَانَ طَوْلُ الطَّوِيلِ مِنْهُمْ أَرْبَعٌ مِائَةً ذِرَاعٍ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾
 فِي بَطْشِهِمْ وَقُوَّتِهِمْ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا فَطَعُوا الصَّخْرَ جَمْعُ صَخْرَةٍ وَاتَّخَذُوهَا بَيُوتًا بِالْوَادِ ﴿٩﴾
 وَادِي الْقُرَى وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ كَانَ يَتَذَرَّبُ أَرْبَعَةَ أَوْتَادٍ يَشُدُّ إِلَيْهَا يَدَيَّ وَرَجُلَى مَنْ يُعَذِّبُهُ الَّذِينَ
 طَغَوْا تَجَبَّرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَكَثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ الْقَتْلَ وَغَيْرَهُ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ
 نَوْعٍ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِا لِمُرْصَادٍ ﴿١٤﴾ يَرِصِدُ أَعْمَالَ الْعِبَادِ فَلَا يَقُوتُهُ مِنْهَا شَيْءٌ لِيُحَازِيَهُمْ عَلَيْهَا
 فَأَمَّا الْإِنْسَانُ الْكَافِرُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ اخْتَبَرَهُ رَبُّهُ فَاعْتَرَمَهُ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ وَنَعَمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾
 وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ ضَيَّقَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا رَدْعٌ أَيْ لَيْسَ الْإِكْرَامُ بِالْغِنَى
 وَالْإِهَانَةُ بِالْفَقْرِ وَأَمَّا هُمَا بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَتَنَبَّهُونَ لِذَلِكَ بَلْ لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾
 لَا يُحْسِنُونَ إِلَيْهِ مَعَ غَنَاهُمْ أَوْ لَا يُعْطُونَهُ حَقَّهُ مِنَ الْمِيرَاثِ وَلَا تَخْضَعُونَ أَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ عَلَى طَعَامِ
 الْمُسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُونَ التُّرَاثَ الْمِيرَاثَ أَكْلًا لَمَّا ﴿١٩﴾ أَيْ شَدِيدًا لِلَّهِمْ نَصِيبُ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ
 مِنَ الْمِيرَاثِ مَعَ نَصِيبِهِمْ مِنْهُ أَوْ مَعَ مَالِهِمْ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ أَيْ كَثِيرًا فَلَا يَنْفِقُونَهُ وَفِي قِرَاءَةِ

بِالْفَوْقَانِيَّةِ فِي الْأَفْعَالِ الْأَرْبَعَةِ كَلَّا رَدَّ عَنْ لَّهُمْ عَنْ ذَلِكَ إِذَا ذُكِّتِ الْأَرْضُ ذِكَّا ذَكَّا (۷) زُلْزَلَتْ حَتَّى يَنْهَدِمَ كُلُّ بِنَاءٍ عَلَيْهَا وَيَنْعَدِمُ وَجَاءَ رَبُّكَ أَيْ أَمْرُهُ وَالْمَلَكُ إِلَى الْمَلَائِكَةِ صَفًّا صَفًّا (۸) حَالٌ أَيْ مُصْطَفَيْنِ أَوْ ذَوِي صُفُوفٍ كَثِيرَةٍ وَجَاءَ يَوْمٌ يُؤْمِذُ بِهِ جَهَنَّمَ تُقَادُ بِسَبْعِينَ أَلْفَ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِأَيْدِي سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ لَهَا زَفِيرٌ وَتَغِيظُ يَوْمٌ يُؤْمِذُ بَدَلٌ مِنْ إِذْ أَوْجَوَّابُهَا يُتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ أَيْ الْكَافِرُ مَا فَرَطَ فِيهِ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى (۹) اسْتَفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ أَيْ لَا يَنْفَعُهُ تَذَكُّرُهُ ذَلِكَ يَقُولُ مَعَ تَذَكُّرِهِ يَا لِلتَّسْبِيهِ لِيَتَنَبَّى قَدَّمْتُ الْحَيْرَ وَالْإِيمَانَ لِحَيَاتِي (۱۰) الطَّبِيبَةُ فِي الْأَحْزَةِ أَوْ وَفَتْ حَيَاتِي فِي الدُّنْيَا فَيَوْمٌ يُؤْمِذُ لَا يُعَذِّبُ بِكُسْرِ الدَّالِ عَذَابُهُ أَيْ اللَّهُ أَحَدٌ (۱۱) أَيْ لَا يَكِلُهُ إِلَى غَيْرِهِ وَكَذًا لَا يُوثِقُ بِكُسْرِ الثَّاءِ وَثَاقَهُ أَحَدٌ وَفِي قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الدَّالِ وَالثَّاءِ فَصَمِيرٌ عَذَابُهُ وَوَثَاقُهُ لِلْكَافِرِ وَالْمَعْنَى لَا يُعَذِّبُ أَحَدًا مِثْلَ تَعَذُّبِهِ وَلَا يُوثِقُ مِثْلَ إِثْقَانِهِ يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۱۲) الْأَمْنَةُ وَهِيَ الْمُؤْمِنَةُ أَرْجِعْنِي إِلَى رَبِّكَ يُقَالُ لِهَذَا ذَلِكَ عِنْدَ الْمَوْتِ أَيْ أَرْجِعْنِي إِلَى أَمْرِهِ وَإِرَادَتِهِ رَاضِيَةً بِالثَّوَابِ مَرْضِيَّةً (۱۳) عِنْدَ اللَّهِ بِعَمَلِكَ أَيْ جَامِعَةً بَيْنَ الْوَصْفَيْنِ وَهُمَا خَالَانِ وَيُقَالُ لَهَا فِي الْقِيَامَةِ فَادْخُلِي فِي جُحْمَةِ عَبْدِي (۱۴) الصَّالِحِينَ وَادْخُلِي جَنَّتِي (۱۵) مَعَهُمْ

سورۃ فجر مکہ ہے یا مدینہ ہے جس میں ۳۰ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: قسم ہے (ہر روز) فجر کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جنت (جوڑ) اور طاق (وتر و او کے فتح اور کسر کے ساتھ دونوں لغت ہیں بے جوڑ عدد کو کہتے ہیں) اور رات کی جب وہ رخصت ہو رہی ہو (یعنی آجاری ہو) کیا اس (قسم) میں کسی صاحب عقل کے لیے کافی قسم ہے (حجر بمعنی عقل جواب قسم محذوف ہے یعنی اے مکہ کے کافرو! تمہیں ضرور سزا دی جائے گی) آپ نے (اے محمدؐ) دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عاد، ارم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا (ارم سے مراد عاد اولیٰ ہے۔ اس لیے یہ اس کا عطف بیان یا بدل ہے۔ عیلت اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے) جو اونچے ستون جیسے قد و قامت والے تھے (عماد سے مراد لمبائی ہے۔ چنانچہ ان میں قد آور آدمی چار سو ہاتھ کا ہوتا تھا) جن کے مثل دنیا میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی (بملاحظہ طاقت و قوت کے) اور قوم شمود کے ساتھ جنہوں نے تراش دیں (کاٹ دیں) چٹانیں (صخرہ کی جمع ہے۔ چٹانیں کاٹ کر گھر بنائے) وادی (قرنی) میں اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (جو سزا دینے کے وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر چومنا کیا کرتا تھا) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرکشی (بربادی) مچا رکھی تھی ملکوں میں اور بہت فساد (قتل و غارت) برپا کر رکھا تھا۔ آخر کار آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا (ایک خاص قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیا) یقیناً آپ کا رب گھات لگائے ہے (بندوں کے اعمال کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ کسی عمل سے نظر چوکتی نہیں۔ لہذا وہ ان اعمال کا بدلہ بھی ضرور دے گا) مگر انسان (کافر) کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش (امتحان) میں ڈالتا ہے اور اسے (مال وغیرہ سے) عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب بے مجھے عزت دار بنا دیا۔ اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ (کم) کر دیتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ میرے رب نے

مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز ایسا نہیں (یہ ڈانٹ ہے یعنی کسی کو مالدار کر دینا اکرام اور فقیر کر دینا اہانت نہیں ہے بلکہ اکرام و اہانت تو فرمانبردار اور نافرمانی کی وجہ سے ہوگی۔ البتہ کفار سکھ اس نکتہ سے بے خبر ہیں) بلکہ یہ لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے (مالدار ہونے کے باوجود اس پر احسان نہیں کرتے یا اس کا حق میراث نہیں دیتے) اور مسکین کو کھانا کھلانے پر اکساتے نہیں (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (اپنے حصہ میں سب عورتوں اور بچوں کے حقوق سمیٹ کر مار لیتے ہو، یا مالدار ہوتے ہوئے انتہائی لالچی ہو) اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہیں (اس میں سے خرچ کرنے کا نام ہی نہیں لیتے ایک قراءت میں چاروں افعال کا ساتھ ہیں) ہرگز ایسا نہیں (ان کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) جب زمین پے بہ پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنلائی جائے گی (زلزلے آئیں گے جن سے ساری عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گی) اور آپ کا رب (اس کا حکم) جلوہ فرما ہوگا۔ اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے (یہ حال ہے یعنی صف بستہ ہو کر لائن لگا کر) اور دوزخ اس روز سامنے لائی جائے گی (ستر ہزار لگاموں میں کھینچ کر، اس طرح کہ ہر لگام ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں تھمی ہوگی۔ بھکتی اور شوشاں کرتی ہوئی) اس روز (اذا کا بدل ہے۔ اس کا جواب آگے ہے) انسان کو سمجھ آئے گی (کا فر اپنی کوتاہی سمجھ لے گا) اور اس وقت سمجھنے کا کیا موقع (استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اس روز سمجھنا مفید نہیں ہوگا) وہ کہے گا (اس سمجھنے کو یاد کر کے) اے کاش (تمنیہ کے لیے ہے) میں نے پیشگی (بھلائی اور ایمان کا) کچھ کام کیا ہوتا اپنی اس زندگی کے لیے (آخرت کی بہترین زندگی کے لیے یا دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے) پھر اس دن نہ تو کوئی عذاب دے سکے گا (لا یسعدک کسرہ ذال کے ساتھ ہے) اللہ کے عذاب جیسا عذاب (یعنی وہ اللہ کے سوا کسی کے حوالہ نہیں کیا جائے گا) اور نہ کوئی باندھنا کوئی باندھے گا (و ثاقہ کسرہ ثا کے ساتھ ہے) اللہ جیسا باندھنا (ایک قرأت میں فتح ذال فتح ثا کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں عذابہ اور وثاقہ کی ضمیر کافر کی طرف راجع ہوگی حاصل یہ ہے کہ اللہ کا سا عذاب کوئی نہیں کر سکے گا اور نہ اس کا سا باندھنا کوئی کر سکے گا) اے نفس مطمئن! (مامون یعنی مومن) چل اپنے رب کی طرف (مرنے کے وقت یہ کہا جائے گا یعنی اللہ کے حکم و ارادہ کی طرف جا) اس طرح کہ تو اس سے (ثواب پر) خوش اور وہ تجھ سے خوش (تیرا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی وجہ سے۔ یعنی تجھ میں دونوں خونیاں ہو گئیں یہ دونوں حال ہیں اور قیامت کے روز اس نفس مطمئن سے کہہ دیا جائے گا) پھر تو میرے (نیک) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں (ان کے ساتھ) داخل ہو جا۔

تحقیق و ترکیب:..... مکیہ۔ جمہور کے نزدیک سورہ فجر کی ہے۔ لیکن علی بن ابی طلحہ کے نزدیک مدنی ہے۔

والفجر۔ بقول ابن عباس روزانہ کی فجر مراد ہے یا نماز فجر یا یوم الآخر یا محرم کے پہلے دن کی فجر مراد ہے۔

لیال عشر۔ امام احمد کی مرفوع روایت میں ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔ مجاہد، قتادہ، بخاک کا قول بھی یہی ہے اور دوسرا قول یہ

ہے کہ عشرہ محرم مراد ہے یا رمضان کا عشرہ اخیر مراد ہے۔

والشفع والوتر۔ تمام عالم مراد ہے۔ کیونکہ کوئی چیز ان دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا شفع سے مراد مخلوق ہو۔ جیسا کہ من کل شیء خلقنا زوجین فرمایا گیا ہے۔ اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ ہوں۔ چنانچہ روایت ہے ان اللہ وتر ویحب الوتر۔ اور بعض نے شفع سے عناصر اربعہ یا بارہ برج مراد لیے ہیں اور وتر سے مراد سات آسمان یا سات سیارے لئے ہیں اور بعض نے شفع اور وتر نمازیں مراد لی ہیں اور بعض نے شفع سے دسویں ذی الحجہ اور وتر سے نویں ذی الحجہ مراد لی ہے۔ مرفوع روایت کی وجہ سے حمزہ اور کسائی کے علاوہ فراء نے الوتر فتح ثانی کے ساتھ پڑھا ہے اور جبر و خبر کی طرح وتر میں بھی دونوں لغت ہیں۔

اذابیسر۔ مطلقاً چلنا یا رات کو چلنا۔ اس میں یہاں تخفیفاً حذف کر دی گئی اور زوس آیات کی وجہ سے کسرہ پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔

لیکن نافع، ابو عمرو اصل کی رعایت کرتے ہوئے صرف حالت وقف میں حذف کرتے ہیں اور ابن کثیر، یعقوب بالکل حذف نہیں کرتے اور قراءت میں یسرتون کے ساتھ ہے۔

فی ذلک قسم: ذلک سے قسم یا قسم بذی اشارہ ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے جیسے کہا جائے اللہ انعم علیک جب کہ مخاطب پر انعام کر چکا ہو۔ یا تاکید مقصود ہو کہ اگر عقل مند ہوگے تو اس قسم کی عظمت کو سمجھو گے۔ حجر کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ عقل بھی چونکہ برائیوں سے باز رکھتی ہے اس لیے عقل کو حجر کہا گیا ہے۔ مفسر جواب قسم محذوف مان رہے ہیں۔

بعاد: یعنی عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح قوم عاد ہوئیں۔ جس طرح بنو ہاشم اپنے جد اعلیٰ کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی طرح عاد قوم کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔

ارم: ارم بن سام کی طرف منسوب عاد اولیٰ مراد ہیں یا ارم شہر کی طرف منسوب عاد آخری مراد ہیں۔ بہر حال بتقدیر مضاف عطف بیان ہوگا یا بدل۔

ذات العباد: بلند عمارت یا بلند مرتبت تھے اور بعض کے نزدیک عاد کے دو بیٹے تھے۔ شدید اور شدید دونوں میں ملکی اقتدار پر جنگ ہوئی۔ شدید مارا گیا اور شدید سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اسی نے اپنے نام پر عدن میں جنت شدا د بنا لی تھی۔ جس کا نام ارم رکھا۔ بد قسمتی یہ ہوئی کہ اپنی اس جنت میں اس کو داخل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ کہ صیغہ آسانی سے ہلاک ہو گیا۔ اور عبداللہ بن قلابہ کہتے ہیں کہ اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا کلا ہلاک ہو گیا۔ لیکن محققین مفسرین ان سب باتوں کو ناقابل اعتبار اسرائیلی افسانے قرار دیتے ہیں۔ وئیسود: پہاڑوں کو تراش کر رہائش بستیاں بنانا سب سے پہلے ثمود نے کیا ہے۔ سترہ سو اور بعض کے نزدیک سات ہزار بستیاں بنائیں۔

وادی قسری: شام کی جانب مدینہ کے قریب حصہ کو وادی قرئی کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک پہاڑوں کے درمیانی حصہ کو وادی کہتے ہیں۔

ذی الاوتاد: وڈ کھونٹے کو کہتے ہیں۔ کھونٹوں کی کثرت سے مراد لشکر ہے یا محرم کو لٹا کر چاروں ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونکنے کی سزا مراد ہے۔ جس کو چومنا کرنا کہتے ہیں۔

سوط عذاب: قسم قسم کا عذاب مراد ہے یا چھڑے کے کوڑوں کی سزا ہے۔ سوط کے معنی غلط کرنے اور ملانے کے ہیں اور بعض اس کو تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ ان کو دنیاوی سزائے اخروی سزا کے مقابلہ میں ایسی ہوئی جیسے کوڑے تلوار کے مقابلہ میں۔ بالمرصاد: رصد سے متعال کے وزن پر لیا ہوا ہے جیسے وقت سے میقات گھات کے معنی میں اور بعض نے اس کو مطعان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ مانا ہے۔ اس میں با تجرید کے لیے ہے۔

فاما الانسان: اس کا تعلق ان ریلٹ لب المرصاد کے ساتھ ہے گویا بقول قاضی عبارت اس طرح ہے۔ لقد بع المرصاد فی الاخرة فلا یزید الا السعی لها فاما الانسان فلا یزید الا الدنيا ولذا اتھا۔ میں فاضل فی شرط کو ہے اور اذا ظریف ہے۔

کلاب لا تمکرمون: فراء کہتے ہیں کہ یہاں کلابا بمعنی لم یکن ینفعی للعبد ان یکون هکذا ہے۔ ابن عامر اور کوئی اکرم اور اہسان وقف اور حمل دونوں حالتوں میں بغیر یا کے پڑھتے ہیں اور نافع حالت وقف میں بغیر یا کے پڑھتے ہیں اور ابن عامر فقیر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولا تحاضون۔ یعنی ان کا فعل ان کے قول سے زیادہ برا ہے۔ اور کوئی لایحاضون کی بجائے لایحاضون پڑھتے ہیں۔ اس کا مفعول تعیم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ مفسر نے اشارہ کیا اور یہی کہہ سکتے ہیں کہ ملزوم کو لازم کر لیا گیا ہے۔

اکالما۔ لما کے معنی جمع کرنے کے ہیں یعنی حرام حلال کو جمع کرنے میں عورتوں اور بچوں کا حق مارتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ حلال و حرام کو جانتے ہوئے بھی دونوں میں فرق نہیں کرتے۔

دکادکا۔ یہ تاکید نہیں ہے بلکہ استیعاب کے لیے جیسے اتینہ با با با کہا جائے۔

وجاء ربک۔ مفسر مضاف مقدر مان رہے ہیں۔ لیکن بغیر تقدیر مضاف کے معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا آنا اس کے شایان شان ہوگا۔ یا جلوہ فرمانے کے معنی ہیں پہلی توجیہ حسن سے منقول ہے اور زخشریٰ فرماتے ہیں کہ یہ اظہار حکومت کا عنوان ہے بطور تمثیل کے۔

وجیسی یومئذ۔ ابن مسعود کی رائے مفسر کی تائید میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوزخ کے آنے سے جمع ہونا مراد ہے اور بعض حضرات اظہار دوزخ مراد لے رہے ہیں۔

وانی لہ الذکریٰ۔ یعنی نصیحت حاصل ہوگی مگر مفید اور نافع نہ ہوگی۔ اب دونوں جملوں میں تضاد نہیں رہا۔ جو حضرات توبہ کے غیر واجب القبول ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تذکر توبہ ہے مگر قبول نہیں ہے۔

لحیاتی لام تعلیلیہ ہے یا توقیت کے لیے ہے۔ جیسے اقم الصلوٰۃ لدلولک الشمس میں لام توقیت ہے۔ صاحب کشف نے اس سے بندہ کے باختیار اور صاحب قدرت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن قاضی بیضاوی نے اس کو رد کر دیا۔ کیونکہ تمنی کے لیے کسی چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ معدوم کی تمنا بھی ہو سکتی ہے۔

لا یغذب عذابه۔ عذابه اور وثاقہ کی ضمیریں اللہ کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قیامت میں عذاب و وثاق کا مکمل اختیار صرف اللہ کو ہوگا اور یہ ضمیریں انسان کی طرف اگر راجع ہوں تو معنی ہوں گے کہ انسان کو اللہ جیسا عذاب کوئی نہیں دے سکے گا۔ کسائی اور یعقوب نے ان دونوں الفاظ کو مجہول پڑھا ہے۔

یا ایہا النفس۔ سلسلہ اسباب و ہیئات میں نفس انسانی واجب الوجود کی طرف ترقی پذیر رہتا ہے اور وصول الی اللہ تک مضطرب رہتا ہے۔ وصول الی اللہ ہونے تک اس کو اطمینانی کیفیت میسر آتی ہے اور اس کا اضطراب اور بے قراری اطمینان سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حق الیقین حاصل ہو جانے کے بعد شکوک و شبہات سے نفس مطمئن ہو جاتا ہے اور ایک قراءت ایہا النفس الامنۃ کی ہے یعنی بے خوف و خطر نفس جس کو آخرت میں رنج و حزن نہیں ہوگا۔ یہ ندامت خوار اللہ یا منجانب اللہ ملائکہ ہوگی۔ ارجعی الی ربک۔ لفظ رجوع سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ارواح عالم قدس میں ابدان سے پہلے موجود تھیں کیونکہ رجوع پہلی حالت پر لوٹنے کو کہتے ہیں۔ لیکن بعث بھی مراد ہے جس میں پہلی جیسی حالت پیدا ہونا ہوگا۔

فادخلی فی عبادی۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے ذات مراد ہے اور بیضاوی نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے روح مراد ہے اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ فی جسد او فی زمرة عبادی اور ابن عباس و مکرّم نے و جماعة فی عبادی پڑھا ہے۔ پہلا فساد خلی انہی کے ذریعہ اور دوسرا فساد خلی متعدی فی نفس ہو رہا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں ظرف حقیقی نہیں ہے۔ دخلت فی غمار الناس کی طرح ہے اور دوسری صورت میں ظرف حقیقی ہے۔ لیکن نفس سے بعض مومنین مراد ہوں گے۔ جو زمرة عباد صالحین میں داخل ہوں گے۔ لیکن نفس سے اگر روح مراد ہو تو پھر ظرفیت حقیقی ہو جائے گی۔ عبادی میں اضافت تشریح کی ہے۔

رابط آیات: سورۃ غاشیہ میں نیک و بد انسانوں کی مجازات کا ذکر تھا۔ سورۃ فجر میں ان اعمال کا ذکر زیادہ تر مقصود ہے جو پھر از سر میں ذیل ہیں اور بطور عقیدہ تباہ قوموں کا ذکر ہے جو اعمال بد کا شکار ہوئے۔ اور آخرت میں تتمہ کے طور پر اچھے بروں کی بعض جزا کا بیان ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے اور وجہ تسمیہ واضح ہے۔

روایات: والفجر۔ ابن عباسؓ روانہ کی صبح مراد لیتے ہیں یا یوم الخریا پہلی محرم کی فجر مراد ہے۔

ولیل عشر۔ امام احمدؒ کی مرفوع روایت ہے کہ ذی الحجۃ کا عشرہ مراد ہے۔ دوسری روایت محرم کے پہلے عشرہ کی ہے۔ والشفع والوتر۔ جابرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ عشرہ سے عشرہ ذی الحجہ مراد ہے۔ اور شفع سے یوم الخر اور وتر سے عرفہ کا دن مراد ہے۔ اور عمرانؓ بن حصین نماز مراد لیتے ہیں۔ خواہ شفع نماز ہو یا وتر رکعت اور بعض شفع سے مخلوق اور وتر سے اللہ مراد لیتے ہیں۔ وجامع یومئذ یجمعہم۔ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ستر ہزار گاموں میں جہنم کو تھام کر لایا جائے گا اور عرش کے بائیں جانب روک دیا جائے گا۔ ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ اس آیت کے اترنے پر آنحضرتؐ کے چہرہ کارنگ فق ہو گیا اور صحابہؓ کو بھی شاق گزرا۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ جہنم کس طرح لائی جائے گی۔ قال یوتی بہا تنقاد بسبعین الف زمام یقود بکل تمام سبعون الف ملک فتشرد شرد قلو ترک لا حترقت اهل الجمع ثم تعرض لی جہنم فیقول مالی ولک یا محمد ان اللہ قد حرم لک حبک علی فلا یبقی احد الا قال نفسی الام محمد فیقول یارب امتی امتی۔

یا ایعنا النفس المظمتة۔ معرفت و یقین اور شہود کے بعد نفس نور قلب سے منور ہو جائے گا۔ اور رؤا کے نفس نکل کر فضائل حمیدہ سے متصف ہو جائے گا۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ اذا توفی العبد المؤمن ارسل اللہ له ملکین وارسل الیہ یتحفیہ من الجنة فیقول اخر جی اینہا النفس المظمتة اخرجی الی روح وریحان وریبک راض فتخرج۔ کا طیب ریح مسک وجہ احد فی انفسہ والسلائک علی ارجاء السماء یقولون قد جاء من الارض روح طیبہ ونسمة طیبہ فلا تمرباب الافتح لها ولا بملک الاصلی علیہا ثم یوتی بہا الی الرحمن جل جلالہ فتسجد له ثم یقال لمیکائیل اذهب بہذہ النفس فاجعلها مع النفس المومنین ثم یومر فیوسع علیہ قبرہ سبعین ذراعا عرضہ وسبعون ذراعا طولہ فان کان معہ شئی من القرآن کفاه نورہ وان لم یکن جعل له نوراً فی قبرہ مثل الشمس ویكون مثله مثل العروس ینام فلا یوقظہ الا احب اہلہ الیہ واذ اتوفی الکافر ارسل اللہ له ملکین وارسل معہا قطعة من کسۃ انتن من کل انتن اخشن من کل خشن فیقال اینہا النفس الخبیثة اخرجی الی جہنم وغذاب الیم وریبک علیک غغغبان وروی عن ابی بکرؓ انه سأل عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان الملک میقول لہا لک عند موتک وقال الحسن اذا اراد اللہ قبضہا اطمانت الی اللہ ورضیت عن اللہ ورضی اللہ عنہا۔

ارجعی الی ربک۔ قال ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ ارجعی یا نفس الی صاحبک ای جسدک الذی کنت فیہ فیامر اللہ الا رواح ان یوجع الی الاجساد۔ عکرمہ ضحاکؒ کہنی کا قول بھی یہی ہے۔ ابن جریرؒ نے ای کو اختیار کیا ہے۔

﴿تشریح﴾:..... اس سورت کا مضمون بتلا رہا ہے کہ مکہ کے مسلمانوں پر ظلم کی چکی چلنی شروع ہو چکی تھی۔ اسی لیے عاد و ثمود اور فرعون کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

چار قسمیں اور ان کی نوعیت:..... والفجر متعدد قسمیں کھا کر یقین دلایا جا رہا ہے کہ محمد رسول اللہ کا پیغام برحق ہے۔ کیا کسی صاحب فہم کے لیے یہ قسمیں کافی نہیں ہیں کہ آپ کے پیغام حق کے یقین دلانے کے لیے کیا پھر بھی کسی قسم کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ و اللیل اذا ہمسو شب معراج میں حضور کے تشریف لے جانے کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ عام مفسرین نے اس کے معنی رات کے گزرنے یا اس کی تاریکی پھیلنے کے لیے ہیں۔ گویا صبح کے مقابلہ میں طاق کی قسم کھائی گئی۔ اور لیسال عشر سے بھی ممکن ہے۔ مطلقاً دس راتیں مراد ہوں۔ چنانچہ ان کے افراد و مصادیق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔ مہینہ کے شروع کی دس راتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اول میں روشن ہوئی ہیں پھر تاریک ہو جاتی ہیں۔ لیکن اخیر کی دس راتوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہو جاتی ہیں۔ اور درمیان کی دس راتوں کا حال..... ان دونوں سے جدا گانہ ہے۔ انسان کو بھی اسی طرح اپنے عیش و آرام میں گن اور مصیبت و آلام کی مستقل ٹھن میں نہیں رہنا چاہیے یہ سمجھ کر کہ اب یہ حالت بدل کر دوسری حالت میں پیش نہیں آسکتی۔ بلکہ یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس طرح عالم میں اللہ نے ہر چیز کا مقابل پیدا کیا ہے۔ اسی طرح مختلف متضاد احوال میں بھی وہ اپنی حکمت کی ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ اس لیے آدمی کو کسی ایک حال پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا چاہیے۔

فجر کا وہ سہانا وقت جب صبح کی پو پھٹتی ہے اور رات کی اندھیری میں سے دن کی روشنی ایک سفید دھاری کی شکل میں مشرق کی طرف دکھائی پڑتی ہے۔ اول اس کی قسم کھائی۔ پھر دس راتوں کی قسم کھائی۔ یہ کون سی راتیں ہیں؟ مہینہ کی تینوں دہائیوں پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ پورے مہینہ کی راتیں اس میں آسکتی ہیں۔ کیونکہ پہلی دس راتوں میں چاند ایک باریک ناخن کی شکل سے شروع ہو کر آدھے سے زیادہ تک روشن ہو جاتا ہے۔ دوسری دہائی میں راتوں کا زیادہ حصہ منور رہتا ہے اور آخری دہائی میں چاند چھوٹے سے چھوٹا اور راتیں تاریک سے تاریک ہوتی جاتی ہیں اس طرح نور و ظلمت کچھ فرق کے ساتھ پورے مہینہ دائر و سائر رہتی ہے۔ پھر جفت و طاق کی قسم کھائی۔ اس میں کائنات کی سب چیزیں آسکتی ہیں۔ کیونکہ ہر چیز یا تو جوڑ والی ہے یا بے جوڑ۔ تاریکی بھی طاق اور جفت ہوتی ہیں۔ غرضیکہ دن و رات کا ہر تغیر ایک نئی کیفیت لے کر آتا ہے۔ آخر میں رات کی قسم کھائی جب وہ سنگ رہی ہوتی ہے اور دنیا پر چھائی ہوئی اندھیری صبح کی پو پھٹنے سے رخصت ہو رہی ہے اور یہ چاروں قسمیں اس پر کھائی گئی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا پیغام جزا و سزا برحق ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کو قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر کائناتی نظام میں بے شکاپن معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر کام میں ایک قرینہ اور سلیقہ معلوم ہوتا ہے۔ کائنات کی ہر نقل و حرکت بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کا پتہ دیتی ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے منصوبہ بند طریقہ پر ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ ابھی دات ہو رہی ہے اور ابھی اچانک سورج سر پر کھڑا ہو۔ یا ہلال یکا یک چودھویں کا چاند بن جائے۔ یا رات مستقل طور پر ڈیرے ڈال لے اور سرکے کا نام ہی نہ لے۔ یا دونوں میں تبدیلی کا کوئی باقاعدہ نظم ہی نہ ہو اور تاریخوں کا کیلنڈر جام ہو کر رہ جائے۔ غرض کہ انسان دن و رات کی اس گردش کی باقاعدگی کو اگر آنکھیں کھول کر دیکھ لے اور دماغ کو کچھ سوچنے کی تکلیف بھی دے تو اسے قدم قدم پر نظر آئے گا کہ یہ زبردست نظم و ضبط ایک قادر مطلق کا قائم کردہ ہے۔ جس کے قیام سے مخلوق کی بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں۔ پس اب بھی اگر کوئی جزا و سزا کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا کو اس ساری کائنات کو ایک بار بنانے پر تو قادر مانتا ہے مگر دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں مانتا۔ کہ اسے سزا و جزا کے لیے پیش ہونا پڑے۔ یا پھر وہ خدا کو حکیم و دانائے نہیں مانتا۔ بلکہ سمجھتا ہے کہ اسے

انسان کو میوں ہی بے مقصد بنا ڈالا۔ کہ کھاپی کریں ہی ایک دن ختم ہو جائے اور کچھ حساب کتاب دینا نہ پڑے۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات سوچ لینے والا شخص بڑا احق ہی ہو سکتا ہے۔

قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے استدلال: الم تر کیف فعل ربك۔ رات دن کے اس تمام سے استدلال کے بعد اب جزا و سزا کے یقینی ہونے پر تاریخی واقعات کو شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان چند معروف قوموں کی افسوسناک بربادی سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ کائناتی نظام کسی اندھے بہرے قانون فطرت پر نہیں چل رہا۔ بلکہ دانش و بینش اور حکمت و مصلحت سے لبریز قانون کا فرما ہے۔ اور قانون فطرت کے ساتھ قانون اخلاقی بھی دائر و سائر ہے۔ جس کا لازمی تقاضا مکافات عمل اور جزا و سزا ہے۔ جن قوموں نے بھی آخرت سے بے فکر اور سزا جزا کے خیال سے بے گانہ ہو کر نظام زندگی بنایا چلایا۔ انہیں انجام کار تباہی و بربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور آخر کار ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ مسلسل تاریخی تجربہ بتلا رہا ہے کہ آخرت کا انکار بالآخر تباہی کا سبب بنتا رہا ہے۔ پس آخرت ایک حقیقت ہے اور جس طرح کسی بھی حقیقت سے ٹکرانے کا انجام بڑا ہوا کرتا ہے اسی طرح عقیدہ آخرت سے ٹکرانے کا انجام بھی یقیناً بڑا ہوگا۔ نیز جن لوگوں پر عذاب کا کوڑا برسایا ان سے صدیوں پہلے بہت سے لوگ اس فساد کے بیج بوی کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان پر کوئی عذاب نہ آیا تھا۔ خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی وقت ان سب کی باز پرس بھی ہو اور وہ بھی اپنے کیے کی سزا پائیں ان دونوں سچائیوں کا سراغ ان گزشتہ واقعات میں صاف طور پر ملتا ہے۔

عاد، ارم کون تھے؟: بعد ارم۔ عادی ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف اس کی نسل کی نسبت کرتے ہوئے قوم عاد کہا جاتا ہے۔ حضرت ہود اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے لیکن قوم نے جب ان کی دعوت کی مخالفت کی تو ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا اور وہ ہلاک ہوئے جن کو سورہ نجم میں وانه اهلك عاد الاذلیٰ کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔

ارم بھی ایک شخص کا نام تھا جو عاد کے اجداد میں سے تھا۔ ”عاد ارم“ کی اضافت متقدمین عاد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور اس قوم کے جو لوگ بچ بچا کر کہیں نکل گئے اور بعد میں ان کی نسل آباد ہوئی۔ ان کو ”عاد اخری“ کہا جاتا ہے۔ یا کہا جائے کہ قدیم عاد کے یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہوئے جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی تھی ”قوم ثمود“ بھی اسی سامی نسل کی ایک ضمتی شاخ ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوم عاد میں شاہی خاندان کو ارم کہا جاتا تھا۔ اور ”ذات العمداد“ ان کو اس لیے کہا گیا کہ سب سے بلند ستونوں یا بلند عمارتوں یا بلند خیموں کے موجد یہی لوگ تھے یا ان کے غیر معمولی ڈیل ڈول کی وجہ سے ان کو یہ لقب ملا۔ دنیا میں غیر معمولی طاقت و قوت اور عالی شان عمارتوں کی وجہ سے ان کو بے مثال سمجھا گیا ہے۔ اس وقت دنیا میں ان کی ٹکر کی دوسری کوئی قوم نہ تھی۔ و ثمود۔ اس قوم نے جن پہاڑوں کو تراش تراش کر مضبوط عمارتیں بنائیں۔ اس حصہ کو وادی قریٰ کا نام دیا گیا۔

و فرعون ذی الاوتاد۔ ذی الاوتاد کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں ممکن ہے اس کے عظیم لشکر کو خیموں سے تشبیہ دیتے ہوئے ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔ تخت سلطنت کے لیے لشکر ہی کیل کاٹے ہوتے ہیں۔ یا لشکروں کی کثرت بیان کرنی ہو کہ جہاں جس طرف نظر اٹھاؤ ان کے کھونٹے گڑے ہوئے اور ان کے خیمے نصب رہتے تھے یا ان کے چومیخا کرنے کی سزا کی طرف اشارہ ہو جس سے لوگوں پر ان کا رعب داب قائم ہو گیا تھا اور ”اہرام مصر“ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو میخوں کی طرح زمین پر صدیوں سے بنے کھڑے ہیں اور فرعون مصر کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔

سرکش قوموں کا انجام:.....الذین طغوا فی البلاد۔ یعنی ان قوموں نے عیش و عشرت اور زور و قوت کے نظریہ میں مست ہو کر دنیا میں خوب اودھم مچائی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا کوئی ان کے سروں پر حاکم ہی نہیں ہمیشہ دنیا میں یوں ہی مزے کرتا ہے اور کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ انہیں بھگتنا نہیں پڑے گا۔ آخر جب ان کے کفر و شرک اور جو رستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ پانی سر سے گزر گیا۔ دفعۃً خدائے قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا اور ان کی سب قوت و طاقت خاک میں ملا دی اور ان کا ساز و سامان کچھ نہ آیا۔

ان رہلت لب المرصاد۔ یعنی جس طرح کوئی موقع تاک کر اور گھات لگا کر بیٹھتا ہے کہ موقع ملنے پر مناسب تدبیر سے چوکتا نہیں ہے۔ یہی صورت حال ان ظالموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہے جو دنیا میں فساد برپا کیے رکھتے ہیں۔ انہیں قطعاً اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ خدا ہماری پوری حرکات کو دیکھ رہا ہے۔ وہ نہایت بے خوفی اور بے فکری سے روز بروز زیادہ سے زیادہ شرارتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ حد آ جاتی ہے جس سے آگے اللہ انہیں بڑھنے نہیں دینا چاہتا۔ اسی وقت اچانک ان پر عذاب کا کوڑا برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی۔

ناشکر اور بے صبر انسان:.....فاما الانسان۔ کردار کے بعد اب انسان کے گفتار کا حال بتلایا جا رہا ہے۔ چنانچہ انسان کی عام اخلاقی حالت پر تنقید کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں پر یہ رویہ ہو بھلا ان سے کیوں نہ باز پرس کی جائے اور عقل کس طرح اس بات کو معقول باور کر سکتی ہے کہ انسان سب کچھ کر کے دنیا سے رخصت ہو جائے اور اسے نتائج عمل بھگتنے نہ پڑیں۔

فیقول ربی اهانن۔ اصل یہ ہے کہ اس دنیا کی موجودہ راحت و تکلیف ہی کو عزت اور ذلت کا معیار سمجھتا ہے اور نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہو رہی ہے۔ نعمت سے نواز کر اس کی شکر گزاری کو اور مصیبت کو بھیج کر اس کے صبر و رضا کی جانچ کی جا رہی ہے۔ یہاں کا عارضی عیش و آرام معزز و مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ بلکہ اصل معیار فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ مگر انسان اپنے اعمال و افعال پر نظر نہیں کرتا اور انا اللہ رب العالمین پر الزام دھرتا ہے۔ انسان کی یہ کتنی کوتاہ نظری ہے کہ دنیا پر اس قدر رجحان ہوا ہے کہ کوئی چیز اسے ملتی ہے تو بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ مجھے خدا نے عزت دار بنادیا ہے اور نہ ملے تو کہتا پھرتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کر دیا۔ حالانکہ اصل وہ نہیں ہے جسے وہ سمجھ رہا ہے۔ بلکہ یہ دنیا صرف آزمائش گاہ ہے۔ کسی کو دے کر آزمائش کی جا رہی ہے اور کسی سے چھین کر آزمائش کی جا رہی ہے۔ دولت و طاقت دینے میں اس کا امتحان ہے۔ کہ دیکھیں یہ شکر گزاری کرتا ہے یا ناشکری۔ تنگ دستی اور اخلاص دے کر یہ جانچ کرنی ہے کہ یہ صبر و قناعت کے ساتھ راضی برضا رہتا ہے۔ یا جزع فزع سے کام لیتا ہے۔ یا شکوے شکایت کرتا پھرتا ہے۔ حدود و جواز میں رہتے ہوئے اپنی مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے یا اخلاق و دیانت کی سب حدیں پھلانگ جاتا ہے اور خدا پر انا الزام دھرنے لگتا ہے۔

ایک بہت بڑا دھوکہ:.....کلاب لا تکر مون الیتیم۔ یعنی جب تم یتیموں، مسکینوں کی عزت نہیں کرتے تو اللہ کے یہاں تمہاری عزت کیوں ہو؟ عزت و ذلت کا معیار وہ نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے، یعنی دنیا کا ملنا نہ ملنا۔ تم سخت دھوکہ اور غلط فہمی میں ہو کر اخلاقی بھلائی اور برائی کی بجائے مالی اونچ نیچ کو معیار بنا رکھا ہے۔ کسی کا باپ زندہ رہتا ہے۔ تب تو تمہارا یرت و انا بچوں کے ساتھ اور ہوتا ہے۔ اور جب باپ مر جاتا ہے تو ایک دم تمہاری نظر پھر جاتی ہے، نگاہیں بدل جاتی ہیں۔ خود اپنے پیسے سے مسکین کی خبر گیری کی توفیق تو کیا ہوتی محتاجوں کی خبر گیری کے لیے دوسروں کو بھی اکسایا نہیں جاتا، غرض نہ خود تم بھوکے گنگوں کو کھلانے پلانے پر آمادہ ہوتے ہو اور نہ

دوسروں کو اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

وتساکسون التراث. مرے مردوں کی میراث لینے میں حلال و حرام حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں کرتے۔ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم رکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میراث صرف مردوں کا حق ہے۔ جو کنبہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ لڑائیاں لڑتے ہیں۔ ان میں جو زیادہ اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ وہ ساری میراث سمیٹ لیتے ہیں۔ یتیموں مسکینوں کا حصہ بھی ہڑپ کر لیتے ہیں۔ حقوق و اخلاق کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں نہیں رہ گئی تھی۔ جس کی لاشی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔

مال کی محبت ہی سب سے بڑا فتنہ ہے: وتحبون المال. یعنی اصل جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل محبت و حرص سے لبریز ہے۔ جائز، ناجائز، حلال و حرام کی تمہیں کوئی فکر نہیں۔ بس کسی طرح مال ہاتھ آتا چاہئے اور ایک پیسہ بھی کسی کار خیر میں خرچ نہیں ہونا چاہیے۔ مال و دولت کی اتنی محبت جو پرستش کی حد تک پہنچ جائے۔ وہ کافر ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ کلا اذاد کت. یعنی تم دنیا میں سب کچھ کرتے رہو اور اس کی باز پرس کا وقت کبھی نہ آئے یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ جز او سزا کی بات کوئی خیالی بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہو کر رہے گی۔ یہ سارا نظام عالم بکھر جائے گا۔ سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور زمین ایک ہموار چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا۔ وجاء ربک. حق تعالیٰ کے آنے کا مطلب اس کی قہری تجلی ہے جو اس کے شایان شان ہوگی اور فرشتوں کی قطاریں انتظامات پر مامور ہوں گی۔ جہنم کو بھی اپنی جگہ سے کھینچ کر لایا جائے گا۔

یوم یبذلک الانسان. اس وقت انسان سمجھے گا کہ میں دنیا میں کیا کر کے آیا ہوں اور اپنی غفلت اور غلطیوں پر نادم ہوگا۔ مگر اس کی ندامت لا حاصل۔ جب سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہاتھ سے نکل چکا۔ آخرت دار العمل نہیں، بلکہ دار الجزا ہے۔ اسے ہوش تو آیا اور وہ سمجھا کہ انبیاء کا راستہ ہی صحیح تھا اور اس کی راہ غلط مگر اس وقت ہوش میں آنے اور نصیحت پکڑنے کا کیا فائدہ؟

يقول يا ليتني قدمت لحياتي. یعنی آخرت میں جب غفلت کا پردہ چاک ہو کر حقیقت سامنے آئے گی اس وقت انسان پکار اٹھے گا کہ افسوس میں نے دنیا سے کوئی نیکی یہاں نہیں بھیجی جو آج یہاں کام آئی۔ کاش خالی ہاتھ آنے کی بجائے کچھ نیکیاں ہاتھ ملے ہوتیں تو یہ پیچھتا وانا ہوتا۔

فیومئذ لا یعذب. اس روز اللہ کی طرف سے ایسی سخت سزا اور قید ہوگی جس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ جسمانی اذیت کے ساتھ انتہائی روحانی کرب و بے چینی ناقابل بیان ہوگی۔

نفس مطمئنہ کیا ہے؟ یا ایہذا النفس المطمئنة. طاغوت اور مجرموں کے حال کے بعد ان اطاعت شعار اور وفا کیش لوگوں کا ذکر ہے۔ جنہیں دنیا میں اللہ کی یاد سے چین و اطمینان ملتا رہا۔ وہاں ان کے نفس سے کہا جائے گا کہ جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے رہا اب اسی کے مقام قرب کی طرف چل۔ اس کے پسندیدہ بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اور جنت العالیہ میں داخل ہو جا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ بشارت مومن کو دنیا ہی میں سادی جاتی ہے۔ بعض عارفین کو اس کا مشاہدہ بھی ہوا ہے اور ممکن ہے کہ بشارت موت کے وقت ہی ہو اور قیامت اور بعث کے وقت بھی ہو اور اللہ کی عدالت میں پیشی کے وقت بھی ہو۔ ہر مرحلہ پر اسے اطمینان دلایا جائے گا کہ تو اللہ کی رحمت کی طرف جا رہا ہے۔ اس لیے گھبرانے کا سوال ہی نہیں۔ نفس مطمئنہ، نفس لواہ، نفس امارہ، کی تحقیق سورہ قیامت میں گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام:..... اہل کلمہ آخرت کی جزاء سزا کے بالکل معسر تھے۔ اس لیے اس سورت میں اس کو استدلال سے ثابت فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حسب سے پہلے چار قسمیں کھا کر سوالیہ پیرایہ میں پوچھا گیا ہے کہ جس چیز کا تم انکار کر رہے ہو۔ کیا یہ سب چیزیں اس کے برحق ہونے کے شہادت دینے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا خدا کے اس حکیمانہ نظام کو دیکھنے کے بعد بھی کسی اور شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ جس خدا نے یہ نظام قائم کیا ہے۔ اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ دوسرا جہان سامنے لائیں جس میں انسان کے اعمال کی باز پرس ہو۔ اس کے بعد بطور مثال قوم عاد و ثمود و فرعون کے تاریخی انجام کا ذکر ہے کہ جب وہ حد سے نکل گئے اور خدا کی زمین کو فساد سے لبریز کر دیا تو ان پر غضاب الہی کا کوڑا برس گیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس کائنات میں ایک حکیم و دانہ فرمانروا کی حکمرانی ہے۔ جس کے عدل و انصاف کی چھاپ انسانی تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ پس جب انسان کو اس نے تصرفات و اختیارات سے نوازا ہے تو اس کا محاسبہ عمل بھی عقل و حکمت کا تقاضا ہے۔ اس کے بعد عام انسانی معاشرہ کی اخلاقی حالت کا جائزہ لیتے ہیں۔ عرب کی دو حالتوں پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ وہ شخص دنیا کی دولت و عزت ہی کو سب کچھ مقصود سمجھتے تھے اور اس کو بھول گئے تھے کہ نہ تو دولت کی فراوانی معراج ترقی ہے اور نہ رزق کی تنگی فقر و قلت بلکہ کبھی یہ دونوں باتیں محض آزمائش کے لیے ہوتی ہیں کہ دیکھیں کون کس حالت میں کیا کرتا ہے؟

دوسری بات یہ کہ باپ کے مرتے ہی ان کی نظریں یتیم سے پھر جاتی تھیں۔ یتیموں، غریبوں کا کوئی پر سالی حال نہیں تھا۔ جس کا بس چلتا مردے کی میراث ہڑپ کر لیتا۔ اور کمزور و حق دار کی آواز دب جاتی۔ اس کی فریاد صد اصرار ہو جاتی۔ غرض حرص و طمع کا نہ ختم ہونے والا چکر چلتا ہی رہتا اور قوی قوی تر، اور کمزور کمزور تر ہو جاتا۔ یہ معاشرہ کا اخلاقی ناسور تھا۔ اخیر میں زور اس طرف دیا گیا کہ محاسبہ ضرور ہوگا اور اس دن ہوگا جب عدالت عالیہ قائم ہوگی اور جو بات آج سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اس روز وہ خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔ مگر بے فائدہ اس دن انسان پکاراٹھے گا کہ کاش میں نے آج کے لیے دنیا میں کچھ کیا ہوتا۔ مگر یہ پچھتا نا سب بے سود۔ البتہ جن خوش نصیبوں نے پوری طمانیت قلب اور شرح صدر کے ساتھ آسمانی صحیفہ ہدایت کو قبول کیا ہوگا۔ خدا ان کی فرمانبرداری سے راضی ہوگا اور وہ خدا کے پسندیدہ بندوں میں جاشامل ہوں اور خاص جنت میں داخل ہو جائیں۔

فضائل سورت:..... من قرء سورة الفجر فى الليالى العشرة غفر له ومن قرء هافى سائر الايام كانت له نورا يوم القيامة.

ترجمہ:..... جو شخص ذی الحجہ کی دس راتوں میں سورۃ فجر پڑھے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

لطائف سلوک:..... فاما الانسان اذا ما ابتلى الخ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے سلسلہ میں داخل ہونے سے مال میں ترقی اور رزق میں برکت ہوگی جو اس کے سلسلہ مقبول ہونے کی دلیل ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ محض جہالت کی بات ہے۔

سُورَةُ الْبَلَدِ

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ عَشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا زَايِدَةَ أَقْسِمُ بِهِذَا الْبَلَدِ (۱) مَكَّةَ وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِلٌّ أَحْلَالَ بِهِذَا الْبَلَدِ (۲)
 بِأَنْ يَحِلَّ لَكَ فَتَقَاتِلَ فِيهِ وَقَدْ أَنْجَزَ لَكَ هَذَا الْوَعْدُ يَوْمَ الْفَتْحِ فَالْحُمْلَةُ إِعْتِرَاضٌ بَيْنَ الْمُقْسِمِ بِهِ وَمَا عَاطَفَ
 عَلَيْهِ وَوَالِدِ أَيْ أَدَمَ وَمَا وَلَدَ (۳) أَيْ ذُرِّيَّتَهُ وَمَا يَمْنَعُنِي مَنْ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ أَيْ الْجِنْسَ فِي كَيْلٍ (۴)
 نَصَبٍ وَشِدَّةٍ يُكَابِدُ مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَشِدَايِدَ الْآخِرَةِ أَيْ حَسَبُ أَيْ يَنْظُرُ الْإِنْسَانُ قُوَّتِي قُرَيْشٍ
 وَهُوَ أَبُو الْأَشَدِّ بْنِ كَلْدَةَ بِقُوَّتِهِ أَنْ مُخَفِّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمَاهَا مُحَدَّوْفٌ أَيْ أَنَّهُ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ (۵)
 وَاللَّهُ قَادِرٌ عَلَيْهِ يَقُولُ أَهْلَكْتُ عَلَى عِدَاوَةِ مُحَمَّدٍ مَا لَا لَهْذَا (۶) كَثِيرًا بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ أَيْ حَسَبُ أَنْ
 أَيْ أَنَّهُ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ (۷) فَيَسَا ائْتَمُّهُ فَيَعْلَمُ قُدْرَهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِقُدْرِهِ وَإِنَّهُ لَيْسَ سَمًا يَتَكَبَّرُ بِهِ وَمَحَارِبُهُ عَلَى
 فِعْلِهِ السَّيِّئِ أَلَمْ نَجْعَلْ أَسْتَيْفُهُنَّامَ تَقْرِيرٍ أَيْ جَعَلْنَا لَهُ عَيْنَيْنِ (۸) وَلِلسَّانِ وَهَفْنَيْنِ (۹) وَهَدَيْنَهُ
 النَّجْدَيْنِ (۱۰) يَسْأَلُهُ طَرِيقِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَلَا فُهْلًا اقْتَحَمَ الْعُقَبَةَ (۱۱) حَاوَرَمَا وَمَا أَذْنُكَ أَعْلَمَكَ
 مَا الْعُقَبَةُ (۱۲) الَّتِي يَقْتَحِمُهَا تَعْظِيمُ لِسَانِهَا وَالْحُمْلَةُ إِعْتِرَاضٌ وَبَيْنَ سَبَبٍ حَوَارِهَا بِقَوْلِهِ فَتُ رَقَبَةٍ (۱۳)
 مِنَ الرِّقِّ بِأَنْ أَعْتَقَهَا أَوْ اطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ (۱۴) مَجَاعَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (۱۵) قَرَابَةٍ أَوْ مُسْكِنًا
 ذَا مَتْرَبَةٍ (۱۶) أَيْ لُصُوقٍ بِالتَّرَابِ لِقَفْرِهِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِدَلِّ الْفِعْلَيْنِ مُصَدَّرَ انْ مَرْفُوعَانِ مُضَافٌ الْأَوَّلُ لِرَقَبَةٍ
 وَيُنَوِّدُ الثَّانِي فَيَقْدُرُ قَبْلَ الْعُقَبَةِ اقْتِحَامَ وَالْقِرَاءَةُ الْمَذْكُورَةُ بَيَانُهُ ثُمَّ كَانَ عَطَفٌ عَلَى اقْتِحَمَ وَتَمَّ لِلتَّرْتِيبِ
 الذِّكْرَى وَالْمَعْنَى كَانَ وَقْتُ الْإِقْتِحَامِ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا أَوْضَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِالصَّبْرِ عَلَى
 الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (۱۷) الرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ أُولَئِكَ الْمُؤَصِّفُونَ بِهِذِهِ
 الصِّفَاتِ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ (۱۸) الْيَمِينِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ (۱۹) الشِّمَالِ
 عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤَصَّدَةٌ (۲۰) بِالْهَمْزَةِ وَيَالُواوِ يَدُلُّهُ مُطَبَقَةٌ

سورۃ بلد مکہ ہے اس میں ۲۰ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: لا..... (زائد ہے میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی کہ آپ کے لئے (اے محمد) اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے) کہ اس میں آپ کے لئے لڑائی جائز ہوگی اور آپ وہاں جنگ کریں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وعدہ پورا ہوا۔ پس یہ جملہ دو قسموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے) اور قسم ہے باپ (آدم) اور اولاد آدم کی (یعنی ذریت آدم کی اور معنی میں من کے ہے) کہ ہم نے (جس) انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (کہ دنیا بھر کی مصائب اور آخرت کی شدائد بھیلتا رہتا ہے) کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے (قریش کا طاقت ور آدمی یعنی ابوالاشد بن مکدہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال کرتا ہے) کہ اس پر (ان خفہ ہے اس کا اسم مخدوف ہے یعنی انسہ تھا) کوئی قابو پانہ سکے گا (حالانکہ وہ اللہ کے بس میں ہے) کہتا ہے کہ میں نے (محمد کی دشمنی میں) اتنا ڈھروں مال (بڑی مقدار میں) خرچ کر ڈالا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا (یعنی اس کے خرچ کرنے کو کہ وہ اس کی مقدار بتلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ اس مال کی مقدار سے واقف ہے اور اس سے بھی کہ وہ مال زیادہ نہیں تھا۔ اور یہ کہ اللہ اس کے برے کروت کا بدلہ ضرور دے گا) کیا ہم نے (استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے بنایا ہے) اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے دونوں راستے اسے دکھائیے ہیں (یعنی بھلائی برائی دونوں کی راہ بتلا دی) مگر اس نے دشوار گھائی سے گزرنے (پارہ ہونے) کی ہمت نہ کی۔ اور آپ کو معلوم (خبر) ہے کہ وہ گھائی کیا ہے (کہ جس کو وہ دشوار سمجھتا ہے۔ اس میں اس کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے پار ہونے کے سبب کو آگے بیان کیا جا رہا ہے) کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا ہے (غلامی سے رہائی دلائی ہے) یا فاقہ (بھوک) کے دن کسی رشتہ (قرباں) کو یا یتیم کو یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے (جو محتاج کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہے۔ اور ایک قرأت میں بجائے دونوں فعلوں کے دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ اول مصدر یعنی فک مضاف ہے رقبہ کی طرف اور ثانی مصدر یعنی اطعام منون ہے۔ لہذا عقبہ سے پہلے اقصیٰ حرام مقدر مانا جائے گا۔ اور مذکورہ قرأت اس کا بیان ہے) پھر ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو (آپس میں) صبر کرنے (طاعت پر جے ہونے اور مصیبت سے رکے رہنے) کی تلقین کی اور ایک نے دوسرے پر ترحم (مخلوق سے رحم دلی) کی فہمائش کی۔ یہی لوگ (جو مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک ہیں) داہنے بازو والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیت کے منکر ہیں وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (موصدۃ ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کے بدلہ میں واو کے ساتھ ہے یعنی تہہ بہ تہہ)۔

تحقیق و ترکیب:..... مکہ اتفاق میں بجز پہلی چار آیات کے اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک پوری سورت مدنی ہے۔ ہذا البلد سے مراد جب مکہ معظمہ ہے تو یہ آخری قول صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ لا اقسام مفسر لا کو زائد کہہ رہے ہیں۔ لیکن لا کو غیر زائد بھی مانا جاسکتا ہے۔ یعنی اگلا مضمون ظاہر و باہر ہونے کی وجہ سے محتاج قسم نہیں ہے۔

بہذا البلد مکہ معظمہ چونکہ مہبط وحی اور رحمت الہی کا گہوارہ ہے اور حرم امن اور مثالیہ للناس اور قبلہ عالم ہے جس کی محاذات میں بیت المعمور ہے اور دنیا بھر کے پھل پھلاری وہاں بھیجنے کا وعدہ ہے۔ وہاں خاص حدود میں شکار کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی فضائل ہیں اس لئے اس بلد امین کی قسم کھائی گئی ہے۔

وانت حل اگر حل حلول سے ماخوذ نہیں تو ایک وجہ فضیلت مزید ہو جائے گی کہ آپ کے تشریف فرما ہونے کی وجہ سے یہ شہر محترم اور لائق قسم ہے کیونکہ مکین کی برتری مکان پر اثر انداز ہوا کرتی ہے۔ اور اگر یہ لفظ حلال سے ماخوذ ہے تو اس میں وقتی طور پر آپ کے لئے جنگ کی اجازت ہوگی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آپ کے لئے فتح مکہ کی پیشین گوئی ہوگی جو اللہ نے حج کر دکھائی۔ کفار میں سے عبد اللہ بن خطلی اور قیس بن خالد وغیرہ قتل ہوئے اور شرمیل بن زید و انت حل بہذا البلد کے یہ معنی لیتے ہیں کہ کفار اس بلد امین میں شکار وغیرہ کو حرام جانتے ہیں۔ لیکن آپ کی آبروریزی، قتل اور اس شہر سے نکالنے کو حلال سمجھتے ہیں۔

ووالد وما ولد والد سے جنس والد یا ابراہیم علیہم السلام مراد ہیں۔ اسی طرح ولد مطلقاً اولاد لسل مراد ہے۔ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ بہر حال انسان جو قدرت کا شاہکار ہے اس کی ان دونوں حالتوں کے عجیب ہونے کی وجہ سے قسم کھائی ہے۔ وہ خاص صورتیں ہوں یا عام انسان۔

فی کبد۔ کبد الرجل۔ اذا وجعت کبدہ یکابد۔ کابدۃ الامر سختی اور شدت کے معنی ہیں۔ چنانچہ انسان کا مبداء ظلمت رحم ہے اور زندگی بھر مصائب دنیا اور اخیر میں موت کی ناقابل برداشت کیفیت یہ سب مکابد ہیں۔ اس میں آنحضرت کے لئے تسلی ہے مکابد قریش کے اعتبار سے۔

ایحسب الانسان ابوالاشد بن مکدۃ اتطا قوتور تھا کہ بیل کے چڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی مل کر چڑے کو کھینچتے تو چڑھ پھٹ جاتا۔ مگر ابوالاشد شس سے مس نہ ہوتا تھا۔ آنحضرت نے کشتی میں کئی مرتبہ اس کو پنگ دیا۔ مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لایا۔ مالا لبدا ریا کاری اور دکھلاوے کے لئے یا آنحضرت کی دشمنی میں خرچ کرتا تھا۔

لسم یرہ احد یعنی کیا ہم اس کے خرچ کئے ہوئے کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زیادہ مال خرچ کو اول تو جھوٹ کہتا ہے دوسرے زیادہ خرچ بھی کرے تو وہ قابل فخر نہیں۔ جب کہ اللہ و رسول کی دشمنی میں خرچ کرتا ہے۔ تیسرے اللہ کی سزا سے بھی واقف ہے۔ اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ کیا اللہ اس کو دیکھ نہیں رہا ہے اور اس سے حساب کتاب نہیں لے گا؟
الم نجعل لہ الخ دو آنکھیں تماشائے قدرت دیکھنے کے لئے اور زبان دل کی ترجمانی کے لئے اور دو ہونٹ اور ان کی حرکت بولنے، کھانے پینے کے لئے ہے۔

النجدین نجد بلند چیز کو کہتے ہیں۔ نجدین مراد ہیں اور طریق خیر و شر مراد ہے۔ جیسے سورہ دہر میں ہے۔ انا ہدیناہ السبیل اما شا کرو اما کفورا ابن عباس اور ابن مسعود کا قول بھی یہی ہے۔

فلا اقتحم العقبة عقبہ پہاڑی گھائی، دشوار گزار راستہ۔ یہ جملہ مقررہ ہے۔ بیان میں یا بدل مبدل منہ کے درمیان یعنی آپ اس کی دشواری اور ثواب نہیں جانتے۔ مفسر فلا کی فہل سے تعبیر کر کے اشارہ کر رہے ہیں کہ لا بمعنی ہلا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ فلا اپنی اصل پر ہے۔ یعنی نفی کے لئے۔ رہا یہ کہ لا استعمال میں مکرر آتا ہے۔ جیسے فلا صدق ولا صلی میں ہے۔ کہا جائے گا کہ یہاں بھی معنی مکرر ہے۔ ای فلا فلک رقبۃ ولا اطعم مسکینا بہر حال طاعت، بجالانا اور محرمات سے بچنا نفس پر نہایت شاق ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے ان بین العبد والجنة سبع عقبات۔

فلک رقبۃ او اطعام۔ ابو عمرو، ابن کثیر، کسائی، کے نزدیک دونوں ماضی کے صیغے ہیں
اقتحم نے بدل ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک دونوں مصدر ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ پہلا مصدر ہے یعنی فلک، رقبۃ کی طرف مضاف ہے اور دوسرا مصدر یعنی اطعام باتوین ہے۔ تفسیری عبارت فیقدر قبل العقبة اقتحام کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ مبتداء محذوف کی عبارت اس طرح ہوگی ما ادراك ما اقتحام العقبة ہو فلک رقبۃ او اطعام اور تقدیر مضاف کی ضرورت اس لئے ہوئی۔ تاکہ مفسر اور مفسر میں مطابقت ہو جائے۔ کیونکہ مفسر یعنی فلک مصدر ہے اور مفسر یعنی عقبہ مصدر نہیں ہے پس عین کی تفسیر مصدر سے لازم آجائے گی جو صحیح نہیں ہے۔ اور مسبغة، مقربة، متربة مفتحات ہیں۔ اول مسغب سے ماخوذ ہے بھوکا ہونا۔ دوسرا قوب سے ماخوذ ہے قرب کسی مراد ہے اور تیسرا قرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی محتاج ہونے کے ہیں۔

ثم کان ثم ترتیب ذکر کی کے لئے ہے۔ ترتیب زمانی کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہوتا ہے۔ زخمی یہ کہتے ہیں کہ ثم ایمان کے بعد ترقی بتلانے کے لئے لایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایمان کا درجہ آزادی اور صدقہ سے بڑھ کر ہے۔

اصحاب المیمنة بمعنی یمن داہنی جانب کے ہیں یا بمعنی یمن و برکت ہے۔ اسی طرح عشمہ بمعنی شمال بائیں جانب ہے یا بمعنی شوم و خست ہے۔ مؤمنین کو اول لشک سے اور کفار کو تیسرہم سے بیان کرنے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

علیہم یہ خبر ثانی ہے یا مستانفہ ہے۔ ناز مؤصدة او صدت الباب دروازہ بند کر دینا۔ ابو عمرو، جزہ، حفص نے ہمزہ کے

ساتھ پڑھا ہے۔ اصدت الباب سے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

رابط آیات: سورۃ فجر کی طرح اس سورۃ بلد میں بھی ان اعمال کا ذکر ہے جن کی سزا جزاء آخرت میں ہوگی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں برے اعمال کا ذکر زیادہ تھا اور یہاں زیادہ تر اچھے اعمال کا ذکر ہے۔ نیز اس سورت کی تمہید میں بعض اچھے اعمال کے مقتضیات کا بیان ہے۔ اور آخر میں اچھے برے کاموں کی جزا سزا کا بیان ہے اس سورت کا اندازہ یہاں بھی اس کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ بھی ابتدائی سورتوں میں ہے۔ جب کہ کفار مکہ حضورؐ کی دشمنی پر تلے ہوئے تھے اور وہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کے اطمینان کے لئے روشن مستقبل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: لا اقسام مفسر تولا کو زند فرما رہے ہیں۔ لیکن بسا اوقات سلسلہ کلام کا آغاز ”نہیں“ سے کیا جاتا ہے۔ اور پھر قسم سے بات شروع کی جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے کوئی غلط بات کہی جا رہی تھی۔ جس کی تردید مقصود ہے پس انکار کا تعلق پچھلے کلام سے ہوگا۔ جملہ تسمیہ سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔ اب رہا یہ کہ کس بات کی تردید کرنی ہے۔ سو اگلا مضمون اس پر روشنی ڈال رہا ہے۔ یعنی کفار یہ کہتے تھے کہ زندگی کا جو ذریعہ چل رہا ہے کہ کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ اور جب وقت آجائے تو مر جاؤ۔ یہی ٹھیک ہے۔ اب خواہ مخواہ محمدؐ کے کہنے سے مرنے کے بعد کا بھی غم سوار کر لینا اور اپنے مزے کو کر کر کر لینا۔ یہ بات گلے سے نہیں اترتی۔ لا کے ذریعہ اس غلط نظریہ کی تردید کی جا رہی ہے۔ اور جزا و سزا کی حقیقت کو قسم سے مؤکد کیا جا رہا ہے۔ ہذا البلد اس سے مکہ معظمہ مراد ہے اور وجہ تخصیص اس شہر کی عظمت و خصوصیات ہیں۔

ایک جملہ کے تین معانی: و انت حل اس جملہ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آپ چونکہ اس بستی میں مقیم ہیں اس لئے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مکہ مکرمہ چونکہ حرم ہے یہاں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی تھی۔ آپ کے لئے مختصر وقت میں قتال کی اجازت ہو گئی تھی۔ چنانچہ بعض سنگین مجرموں کو خاص دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا۔ پھر بعد میں قیامت تک کے لئے سابقہ ممانعت بدستور قائم کر دی گئی۔ تیسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں جنگی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس تک کو تو پناہ ملی ہوئی ہے۔ ان کو مارنے کا نئے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن نہیں امان ملی تو آپ کو نہیں ملی۔ آپ کو مار ڈالنے کے منصوبے ہیں۔ اگرچہ لفظ تینوں معنی کی گنجائش ہے۔ تاہم تیسرا مفہوم زیادہ میل کھاتا ہے۔ پہلی صورت میں قسم کی مناسبت ظاہر ہے کہ شہر پہلے ہی سے محترم مگر آپ کے تشریف فرما ہونے سے اور بھی لائق صدا احترام ہو گیا۔ اور دوسری صورت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان دشمنوں کی طرف سے اس شہر میں بے پناہ سختیاں جھیل رہا تھا۔ بطور جملہ مقررہ و انت حل بھذا البلد فرما کر آپ کی تسلی فرمائی گئی۔ گو آج یہ نادان آپ کے ساتھ ناروا سلوک کر رہے ہیں۔ مگر وہ دن دور نہیں جب آپ کا اس شہر میں فاتحانہ داخلہ ہوگا اور اس مقام کی اصل تقدیر و طہیر کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی آپ کو اجازت ہوگی۔ جس کا ظہور ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔

انسان کی دکھ بھری زندگی: لقد خلقنا الانسان یہ ہے وہ مضمون جس پر تین قسمیں کھائی گئی ہیں۔ یعنی دنیا میں انسان چین کی بانسری بجانے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ ابتداء سے انتہا تک یہ دنیا محنت و مشقت جھیلنے اور سختیاں برداشت کرنے کی جگہ ہے۔ کبھی مرض میں مبتلا ہے۔ کبھی رنج و فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ عمر بھر میں شاید کوئی لمحہ ایسا آتا ہو۔ ب یہ تمام خرخشوں اور آفتوں سے بالکل یکسو ہو کر بے فکری کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ کرنے سے اور انسان کی پیدائشی ساخت پر نظر کرنے سے صاف عیاں ہے کہ وہ ان بکھیرؤں سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ مکہ کا شہر گواہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے اپنی جان کھپائی تھی تب یہ بسا اور عرب کا مرکز بنا۔ اب بھی سنگلاخ زمین میں سب سے برگزیدہ انسان ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اور ایک بڑے مقصد کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں جھیل رہا ہے۔ جنگی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس کے لئے پناہ ہے مگر امن و امان نہیں ہے تو اس بہترین

انسان کے لئے نہیں۔ یوں بھی ماں کے پیٹ سے لے کر قبر کی گود تک انسان قدم قدم پر مشکلات سے دو چار رہتا ہے۔ ایک پریشانی سے نہیں نکلتا کہ دوسری آفت گھیر لیتی ہے۔ کتنا ہی ناز پروردہ اور آرام کے گوارہ میں زندگی بسر کرنے والا شخص ہو مگر پیدائش کے جھیلوں سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتا۔ زچگی کے وقت دیکھا جائے تو موت و حیات کے درمیان بال سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔ پھر پیدا ہونے پر بھی کافی چوکی اور نگہداشت نہ کی جائے تو پڑے پڑے ہی سبک سبک کر دم توڑ سکتا ہے۔ پھر چلنے کے قابل ہونے پر بھی قدم قدم پر گرنا ہے۔ چلتا کم ہے گرنا زیادہ ہے۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی میں کتنے موڑ آتے ہیں اور کتنی گھائیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ غرباء کی پریشانیاں جتنی ہیں۔ ان سے زیادہ الجھنیں امراء اور سلاطین کو پیش آتی رہتی ہیں۔ غرض کوئی شخص بے غل و غش چین کا سانس نہیں لیتا۔ کیونکہ انسان کی پیدائش ہی مشقت میں ہے۔ آیت کا کلہرا انسان کی غم آگیز زندگی کا کتنا بلیغ مرقع ہے۔

انسان کی بڑی بھول..... ایحسب الانسان انسان کی رنج اندوہ سے بھری ہوئی زندگی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس میں خا کساری اور عاجزی پیدا ہوتی اور خود کو وابستہ قضا و قدر سمجھ کر پابند و وفا ہوتا اور وہ ہر وقت اپنے عجز و ضعف کو محسوس کر کے وقف اطاعت رہتا۔ لیکن یہ اس کی کتنی بڑی بھول ہے کہ وہ برابر سرکشی میں مصروف رہتا ہے۔ کیا وہ اس فریب میں مبتلا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں ہے۔ وہ جو کچھ چاہے کرے، کوئی اس کو پکڑنے والا یا نیچا دکھانے والا نہیں ہے۔ کیا وہ نظر نہیں کرتا کہ اللہ کی تقدیر سے کس طرح بندھا ہوا ہے۔ تقدیر کے آگے اس کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ خدائی طاقتوں کے مقابلہ میں اس میں کتنا دم ختم ہے۔ بیماری کا ایک ہی جھکا چانک اسے اپنا بچ بنا کر رکھ دیتا ہے۔ زلزلہ کی ایک جنبش، آندھی کا ایک جھونکا، سمندروں کی ایک لہر انسان کی بے بسی بتلانے کے لئے کافی ہے۔ تقدیر کی ایک گردش اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر انسان کے دماغ میں یہ ہوا کہاں سے بھر گئی کہ وہ مطلق العنان ہے۔ اہلکت مالا لبدا اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور عداوت میں اور گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں بے تکی پن سے بے دریغ مال خرچ کرنے کو بہتر سمجھتا ہے اور آخر یہ کہتا ہے کہ میں نے اتنا مال لٹا دیا۔ اور پھونک دیا ہے اور یہ مال کسی نیک کام میں نہیں۔ بلکہ دولت مندی کی نمائش اور فقر و مہابت کے لئے ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کیا اس کے بعد بھی میرے مقابلہ میں کوئی کامیاب ہو سکتا ہے؟ حالانکہ جلد ہی اسے پتہ لگ جائے گا کہ نہ صرف یہ کہ سارا خرچ برباد ہوا بلکہ اثا و بال جان ہوا۔ اس ایک فقرے میں زمانہ جاہلیت کی فضول خرچیوں کا پس منظر سامنے آ گیا۔

انسان کی فضول خرچیاں..... ایحسب ان لم یمرہ احد کیا یہ فضول خرچیاں کر کے اترانے والا یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے اوپر اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ جتنا مال جس جگہ اور جس وقت سے خرچ کیا ہے اسے سب پتہ ہے۔ دولت کہاں سے آئی۔ کن کاموں میں اسے کھپایا۔ کس مقصد کے لئے یہ سارے جتن کئے۔ سب اللہ کے سامنے ہے۔ جھوٹی سچی بگھارنے سے کوئی فائدہ نہیں کیا وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت ہوگی یا دنیا کی طرح خدا بھی اس کے دھوکہ میں آجائے گا؟ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عِیْنِیْنَ جس نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دیں، کیا وہ دیکھتا نہ ہوگا؟ بینائی دینے والا بینا نہیں ہوگا؟ وَلِسَانًا وَشَفْتِیْنَ بولنے اور کھانے پینے کے لئے زبان اور ہونٹ دیئے۔ وَهَدِیْنَاهُ النُّجْدِیْنَ یعنی اسی طرح اللہ نے انسان کو محض عقل و فکر دے کر چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ برائی بھلائی کے دونوں راستے نمایاں کر کے رکھ دیئے۔ تاکہ وہ سوچ سمجھ کر ان میں سے جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کرے اور بعض نے نجدین سے مراد عورت کے دونوں پستان لئے ہیں۔ جن سے بچے دودھ پی کر پلتے ہیں۔

دشوار گزار گھائی..... فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ اتمام کے معنی خود کو دشواری میں ڈالنے کے ہیں اور عقبہ کے پہاڑی گھاٹی کے ہیں چنانچہ انسان شیطانی اور نفسانی خواہشات کو توج کر راہ حقانی اختیار کرے۔ اس آویزش اور کشاکش کو گھاٹی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اتنے انعامات و احسانات کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ نفس اور انسانی شیطان کو پچھاڑ کر راہ ہدایت قبول کر لیتا۔ گویا اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک پستی کا، اور دوسرا بلندی کا۔ اول راستہ آسان ہے کہ اس میں ہلنے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف لڑکھائی

کافی ہوتا ہے۔ اس نے اسی کو اختیار کر لیا۔ اور بلندی کی راہ دشوار گزار ہے۔ اس میں چڑھنا پڑھنا ہے اس کو ترک کر دیا۔ غلاموں کو آزاد کرانا یا قرضداروں کو روپائی دلانا اور قسط سالی میں بھوکوں کی خبر گیری کرنا یتیموں کی پرورش، قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا، تنگ دست محتاج کی دیکھ بھال۔ یہ ہیں وہ شاق گھائیاں جو نفس پر گراں گزرتی ہیں۔ بقول اہلکست مالا لبد افر و نام آوری کے لئے انسان کی فضول خرچیوں کے ذکر کے بعد اس کے مقابلہ میں مال خرچ کرنے کے جو صحیح مواقع ہیں ان کی نشاندہی ہی جاری ہے۔ ثم کان من الذین امنوا یعنی ان اعمال کے قبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے کہ اس کے بغیر نہ کوئی نیکی، نیکی کہلانے کی مستحق ہے اور نہ وہ قبولیت کا درجہ پا سکتی ہے۔ وہی عمل لائق نجات ہے۔ جو ایمان کے ساتھ ہو۔ و تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمة یعنی وہ ایک دوسرے کو صبر اور رحمہ کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ایک مومن کی پوری زندگی میں قدم قدم پر صبر کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ایمان کا راستہ اختیار کرتے ہی صبر کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ مصائب پر صبر ہو یا طاعات کے بجالانے پر یا گناہ اور فسق و فجور سے بچنے پر، اسی طرح رحمہ کی معاشرۃ ایمانی کا لازمی حصہ ہے۔ ارحموا من فی الارض یرحم من فی السماء اصحاب المیمنة، اصحاب الیمینہ اور اصحاب المشرقہ کا ذکر سورۃ واقعہ میں تفصیلاً آچکا ہے۔

خلاصہ کلام:..... کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر پورے طور پر تلے ہوئے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم کو انہوں نے اپنے لئے حلال کر لیا تھا۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس میں سب سے پہلے شہر مکہ اور اس میں آپ پر کئے گئے مظالم اور پورے انسانوں کی حالت کو شاہد بنا کر یہ کہا گیا ہے کہ دنیا انسان کے لئے عشرت گاہ نہیں ہے کہ محض مزے اڑانا ہی وہ اپنا نصب العین بنالے۔ بلکہ اس کی پیدائش تک مشقت و تکلیف میں ہوئی ہے۔ اس کا اپنا مستقبل بھی محنت و مشقت کا طالب ہے۔ پھر آگے چل کر اس کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ یہاں انسان ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس سے اوپر کوئی بالا طاقت موجود ہے جو اس کے ہر کام کی نگرانی اور اس پر دار و گیر کرنے والی ہے۔ پھر آگے چل کر انسان کی مسرفانہ فضول خرچی پر شکوہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بڑائی کی نمائش کرتے ہوئے اپنی شاہ خرچیوں پر کس طرح فخر کرتا ہے اور کس طرح لوگ اس کو داد دیتے ہیں۔ مگر نہیں دیکھتے کہ کوئی اس کو دیکھ رہا ہے کہ یہ مال کہاں سے آیا اور کہاں خرچ ہو رہا ہے؟ اس کے بعد ایک بہت بڑی حقیقت کو ایک چھوٹے فقرے میں سودیا گیا ہے کہ خدا نے انسان کے لئے سعادت اور شقاوت کے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ ان کو دیکھنے اور ان پر چلنے کے وسائل بھی فراہم کر دیئے ہیں۔ اب یہ انسان کی اپنی کوشش اور محنت ہے کہ وہ سعادت کی راہ چل کر اچھے انجام کو پہنچتا ہے یا شقاوت کی راہ اپنا کر برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ اللہ نے تو اسے علم کے ذرائع اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں دے کر دونوں راہیں بتلا دی ہیں۔ ایک راہ وہ ہے جو اخلاق کی بندیوں کی طرف اسے لے جاتی ہے جو دشوار گزار گھائی کی طرح ہے کہ اس پر چلنے کے لئے انسان کو اپنے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ اور دوسرا راستہ اخلاقی پستیوں کی طرف جاتا ہے۔ وہ آسان ہے اس پر جانے کے لئے کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑتی۔ بلکہ نفس کو خوب لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ پہلی گھائی پر چڑھنے کی بجائے دوسرے کھڈ میں گرنے کو پسند کرتا ہے۔ پھر آگے چل کر اس گھائی کی نشاندہی فرمائی گئی۔ جس پر چڑھ کر انسان بندیوں کو چھو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان فخر و مباہات، ریاء و نمود کی بجائے اپنا سرمایہ یتیموں مسکینوں کی امداد پر خرچ کرے۔ اور اللہ اور اس کے دین پر پورا ایمان رکھے اور ایمانداروں کے ساتھ مل کر صبر و رحمہ کی تلقین کرتا رہے۔ اچھے لوگوں کا راستہ اختیار کرنے سے اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنے گا۔ اور دوسرا راستہ اختیار کرنے سے دوزخ کی آگ نصیب ہوگی۔ جس سے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ سارے دروازے بند ہوں گے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ لا اقسام بهذا البلد اعطاه اللہ تعالیٰ الامان من غضبه يوم القيامة

ترجمہ شخص سورۃ بلد پڑھے گا اسے اللہ قیامت کے دن اپنے غضب سے امان عطا فرمائے گا۔ (حدیث موضوع)۔

لطائف سلوک:..... فلا اقتحم العقبة اس میں مجاہدات کی تلقین ہے۔ اگرچہ اس میں مشقت و دشواری ہے۔

سُورَةُ الشَّمْسِ

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ﴿۱﴾ ضَوْءُهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا ﴿۲﴾ تَبَعَهَا طَالِعًا عِنْدَ غُرُوبِهَا وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ﴿۳﴾ بِأَرْتِفَاعِهِ وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ﴿۴﴾ يَغْطِيهَا بِظُلُمَتِهِ وَإِذَا فِي الثَّلَاثَةِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيهَا فِعْلُ الْقَسَمِ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ﴿۵﴾ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ﴿۶﴾ بِسَطِّهَا وَنَفْسٍ بِمَعْنَى نَفُوسٍ وَمَا سَوَّاهَا ﴿۷﴾ فِي الْخَلْقَةِ وَمَا فِي الثَّلَاثَةِ مُصَدِّرِيَّةٌ أَوْ بِمَعْنَى مَنْ فَالْهَمَّهَا فُجُورُهَا وَتَقْوَاهَا ﴿۸﴾ بَيْنَ طَرِيقِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَآخِرُ التَّقْوَى رِعَايَةُ لِرءُوسِ الْإِنْسَانِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ قَدْ أَفْلَحَ حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ لِطُولِ الْكَلَامِ مَنْ رَزَّكَهَا ﴿۹﴾ طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوبِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ دَسَّهَا ﴿۱۰﴾ أَخْفَاهَا بِالْمَعْصِيَةِ أَصْلُهُ دَسَّسَهَا أَبْدَلَتْ السَّيِّئُ الثَّانِيَةَ الْإِفَا تَخْفِيفًا كَذَبَتْ ثُمُودُ رَسُولُهَا صَالِحًا بِطُغْيَانِهَا ﴿۱۱﴾ بِسَبَبِ طُغْيَانِهَا إِذَا نُبِغَتْ أَسْرَعَ أَشْقَاهَا ﴿۱۲﴾ وَاسْمُهُ قَدَارٌ إِلَى عُقْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ ذُرْوَاهَا وَسُقِيَّهَا ﴿۱۳﴾ وَشَرِبَهَا فِي يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَلَهُمْ يَوْمٌ فَكَذَّبُوهُ فِي قَوْلِهِ ذَلِكَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى الْمُرْتَبِ عَلَيْهِ نُزُولُ الْعَذَابِ بِهِمْ إِنْ خَالَفُوهُ فَعَقَرُواهَا قَتَلُوهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءُ شَرِبَهَا فَلَمَّ دَمْدَمَ أَطْبَقَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ الْعَذَابَ بِدَنَبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿۱۴﴾ أَيُّ الدَّمْدَمَةِ عَلَيْهِمْ أَيُّ عَمَّتِهِمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ أَحَدًا وَلَا بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ يَخَافُ تَعَالَى عُقْبَاهَا ﴿۱۵﴾ تَبَعْتَهَا

سورہ الشمس مکہ ہے جس کی پندرہ آیات ہیں۔

ترجمہ..... بسم اللہ الرحمن الرحیم سورج اور اس کی دھوپ (روشنی) کی قسم اور چاند کی قسم ہے کہ اس کے پیچھے آتا ہے (سورج ڈوبنے کے بعد چاند نکلتا ہے) اور دن کی قسم جب کہ وہ خوب روشن کر دیتا ہے (چڑھ کر) اور رات کی قسم جب کہ وہ ڈھانک لیتی ہے (اپنی اندھیری سے چھپا دیتی ہے) اور خاتونوں جگہ ظرفیت کے لئے ہے۔ (فل قسم اس میں عامل ہے) اور آسمان کی اور اس

ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا ہے اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بچھایا (پھیلا یا) ہے اور نفس انسانی (نفس بمعنی نفوس) اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ہموار کیا (بنناوٹ اور تینوں جگہ ما مصدر یہ ہے یا بمعنی من ہے) پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری اس کو الہام کردی (خیر و شر کے دونوں راستے بتلا دیئے اور تقویٰ کا ذکر آخر میں اس آیت کی وجہ سے کیا ہے اور جواب قسم آگے ہے) یقیناً وہ بامراد ہوا (کلام طویل نہ ہو جائے اس لئے لام حذف کر دیا ہے) جس نے نفس کو پاک کر لیا (گناہوں سے بچالیا) اور نامراد (نا کام) ہوا جس نے اس کو بادیا (گناہ کر کے اس کی صلاحیت کو مخفی کر دیا۔ اس کی اصل دس سہا تھی۔ دوسرا سین تخفیف کے لئے الف سے بدل دیا) قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو) جھٹلادیا۔ اپنی شرارت (سرکشی) کی وجہ سے جب کہ (پھر کر جلدی سے) اٹھا اس قوم کا سب سے زیادہ بد بخت (جس کا نام قدار تھا قوم کی رائے سے اونٹنی کی کوئیں کاٹنے کے لئے) تو اللہ کے رسول نے (صالح) ان لوگوں سے فرمایا کہ خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی سے (اسے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے سے (اس کی باری کے دن کیونکہ ایک روز اس کی باری تھی اور ایک دن اوروں کی) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا (کہ خدا کی طرف سے یہ نہیں ہے کہ اگر انہوں نے مخالفت کی تو ان پر عذاب آئے گا) پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا (پانی اپنے لئے مخصوص کر لینے کی خاطر اونٹنی کو ختم کر دیا) آخر کار ان پر ایسی آفت توڑی (ڈھالی) ان کے رب نے (عذاب کی) ان کے گناہ کی پاداش میں ایک ساتھ سب کو پھونک کر خاک کر دیا (یعنی سب کو ایسا ختم کر ڈالا کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا) اور اللہ نے (واو اور فا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اس کے انجام (نتیجہ) کی پرواہ نہیں کی۔

تحقیق و ترکیب:والشّمس اس سورت میں سات چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔

ضحیٰ کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے ہیں بعض کی رائے ہے ضحّوہ دن چڑھنے کا وقت اور ضحیٰ زیادہ دن چڑھنے کا وقت اور ضحاء قریب دو پہر کا وقت، مفسر ضحیٰ کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے لے رہے ہیں۔ اس کے معنی دھوپ کے اور پورے دن کے بھی آتے ہیں۔ گویا رات کو عالم پر موت اور دن کو زندگی طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح جواب قسم سے مناسبت ظاہر ہے۔

والقمر اذا تلاھا سورج غروب ہونے کے بعد چاند نکلنا اگرچہ شروع مہینہ میں ہوتا ہے۔ مگر مفسر نے والقمر اذا اتسق کی رعایت کرتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ اذا بعض کے نزدیک تینوں جگہ ظرف کے لئے ہے اور خلیل کے نزدیک فاء اور ثم کی طرح عطف کے لئے ہے۔ تاکہ جواب ایک اور قسمیں متعدد نہ ہو جائیں۔ مگر پہلے حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر عطف کے لئے کہا جائے۔ تو عالمین پر عطف لازم آجائے گا۔ کیونکہ و ا لیل واو قسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے اور اذا یغشی فعل اقسام مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ پس اگر والنہار اذا تجلی میں واو عاطفہ ہوگا تو انہار کا عطف اللیل پر مجرور ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور اذا یغشی میں منصوب ہے۔ اس لئے ان فی الدار زیدا والحجرۃ عمر اک ی طرح ہو جائے گا۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ واو قسمیہ بمنزلہ یا اور فعل کے ہے۔ گویا نصب و جرائم کا عمل ہے۔ یہ سمجھا جائے گا کہ ایک عامل کے دو عمل ہو گئے۔ جیسا کہ ضرب زید عمروا و بکرا خالد البتہ آیت فلا اقسام بالخنس الجوار الکس و الیل اذا عسعس سے اشکال ہوگا۔ کیونکہ اس میں فعل قسم مذکور ہے۔ اس لئے اس میں یہ عذر نہیں چل سکے گا۔ تاہم تحقیق بات یہ ہے کہ عامل ظرف فعل قسم سے نہیں ہے۔ کیونکہ حال و استقبال سے زمانہ کی تقید مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ ظرف معمول ہے مضاف مقدر کا۔ تقدیر عبارت ”و تعظمہ اللیل“ ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے قسم کھانے سے اس کی تعظیم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بات بھی بحث طلب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں اظہار عظمت کے لئے مستعار ہوتی ہیں۔ پس ان کی تقید معنی مرادی کے جزو کی حیثیت سے ہو سکتی ہے اور تقدیر عظمت لغو ہو جائے گی۔ پس اس طرح اذا بطور بدل مطلق وقت کے معنی میں ہو جائے گا۔

ای و الیل وقت غشیانہ۔ مفسرؒ اذا کا عامل مقدر فعل قسم کو مان رہے ہیں۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ فعل قسم انشاء ہے جس کا زمانہ حال ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اذا میں کیسے عمل کر سکتا ہے۔ جس کا زمانہ استقبال ہوتا ہے۔ ورنہ عامل اور معمول کے زمانے مختلف ہو جائیں گے جو محال ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ مستقبل چیز کی فی الحال قسم کھانا صحیح ہے مثلاً: کہا جائے۔ اقسام باللہ اذا طلعت الشمس پس قسم کھانا تو اس وقت ہوا اور طلوع شمس مستقبل میں ہوگا۔

وما بناھا بقول فراء اور زجائج ما مصدر یہ ہے لیکن زخشری وغیرہ کہتے ہیں فالہمھا کی وجہ سے معنی ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اور نہ نظم کلام درست رہے گا۔ کیونکہ اس طرح اسم کا فعل پر عطف ہو جائے گا۔ نیز یہاں الہم کا فاعل نہیں ہے نہ ظاہر نہ ضمیر مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ما کے صلہ پر عطف ہے۔ ما اور صلہ دونوں پر عطف نہیں ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ وتسویئھا فالہماھا اور من بناھا کی بجائے ما بناھا اس لئے کہا کہ وصفی معنی لینے مقصود تھے۔ بہر حال سواھا اور الہمھا میں اگر اللہ کو فاعل مضمرا مانا جائے اور نفس کی تنکیر تکثیر کے لئے ہو یا تعظیم کے لئے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔

فالہمھا فجورھا وتقواھا اس میں تعقیب عربی ہے۔ اس لئے اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ نفس کا تسویہ تو روح سے پہلے ہوتا ہے اور الہام بالغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ نفس کے تسویہ سے اعضاء کی تعدیل مراد ہے جس میں قوت مفکرہ بھی داخل ہے اور الہام سے مراد یہ ہے کہ نفس کو اچھائی برائی کی کیفیت معلوم ہو جائے، فجور تقویٰ کی تفسیر ابن عباسؓ نے خیر و شر کے طریقوں سے کی ہے طاعت و معصیت مراد لی جائے۔

قد افلح، لقد افلح تھا لام اختصار ا حذف کر دیا۔

من زکھا مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے اور ضمیر بارز نفس کی طرف راجع ہے اور تطہیر کی اسناد بھی نفس کی طرف ہے۔ جیسا کہ حسنؒ سے منقول ہے۔ لیکن ضمیر مستتر اللہ کی طرف اور ضمیر بارز من کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔ اور تائبیث معنی نفس کی وجہ سے ہے۔ حق تعالیٰ تکمیل نفس کی ترغیب و مبالغہ کے لئے ایسی چیزوں کی قسمیں کھا رہے ہیں۔ جو اللہ کے موجود و جوب اور اس کے کمالات کی دلیلیں ہیں جو قوت نظریہ کا کمال ہے اور اللہ کی بڑی نشانیوں کی تذکیر فرمائی گئی ہے جو قوت عملیہ کا کمال ہے۔

من دسھا تقفی اور تقفیض کی طرح دس کی اصل دسس تھی۔

کذبت ثمود فجور تقویٰ کی مناسبت سے قوم ہو اور حضرت صالحؑ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ دونوں باتوں کا نمونہ سامنے آجائے۔ بطغواھا دراصل طغیاھا تھا۔ اسم و صفت میں فرق کرنے کے لئے یا کو واو سے تبدیل کر دیا اور دجعی کی طرح ایک قرأت میں طغویٰ بھی ہے۔ مضاف مقدر ہے ای ذی الطغویٰ یا طغی سے بطور مبالغہ نفس عذاب مراد لیا جائے۔

اذ انبعث یہ کذبت کا ظرف ہے۔ یا طغویٰ کا اور اشقیٰ انبعث کا فاعل ہے اشقی سے مراد قد ار اور اس کے ساتھی ہیں کیونکہ اسم تفصیل واحد جمع دونوں کی گنجائش رکھتا ہے۔

ناقة اللہ مفسرؒ نے ناصب محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں اضافت تشریفیہ ہے۔

فکذبوہ یعنی سابقہ تکذیب کرنے سے باز نہیں آئے۔

فدمدم ”ناقة مدمومہ“ اونٹنی جب اس پر چربی چڑھ جائے دمدم تکرار فعل کے لئے ہے۔

ولا یخاف میں واو حالیہ ہے نافع بن عامر فلا پڑھتے ہیں عطف کے ساتھ۔

عقبھا یعنی عذاب کے عواقب کی اللہ نے پرواہ نہیں کی۔

رابط آیات: اس سورت کا طرز بیان بتلا رہا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ کی ابتدائی ان سورتوں میں ہے جب کہ آپ کی مخالفت زور شور سے کی جا رہی تھی۔ وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔ پہلی سورت میں ایمان و کفر کے اعمال کی مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں کذب ثمود سے کفار مکہ کو سنانے کے لئے کفری اعمال پر دنیاوی مجازات کو قصداً ذکر کیا گیا ہے۔ اور نفس کی قسم کے ذیل میں کفر و ایمان کے اعمال اور ان کی اخروی مجازات مجمل بیان کر دی گئی ہے۔

روایات: (۱) عن عحران بن حصین قال علیہ السلام مجیباً عن سوال سئل عن القضاء والقدر لای شیء قضی علیہم ومضی فیہم وتصدیق ذلک فی کتاب اللہ ونفس وما سواہا فالہمہما فجورہا وتقوہا۔
(۲) عن الطبرانی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرء فالہمہما فجورہا وتقوہا وقف ثم قال اللہم انت نفسی تقوہا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیہا ومولہا وفی مسلم انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعوا بهذا الدعاء۔

﴿تشریح﴾: ضحیٰ کے معنی وقت چاشت کے ہیں جب کہ سورج کچھ بلند ہو جاتا ہے اور اس میں روشنی کے ساتھ قدرے گرمی آ جاتی ہے۔ اس لئے پورے معانی کی رعایت دھوپ کے ترجمہ میں ہو جاتی ہے۔ اذا تلاھا سورج ڈوبنے کے بعد چاند کی چاندنی پھیل جاتی ہے۔ اذا یغشاھا کی اصل حقیقت سورج کا نیچے اتر جانا ہے۔ جس کی وجہ سے سورج کی روشنی زمین کے اس حصہ میں نہیں پہنچتی جہاں رات آتی ہے۔ اس لئے رات کے آنے، سورج کے ڈوبنے اور اس کی روشنی رات بھر غائب رہنے کی کیفیت کو اس طرح تعبیر کیا کہ رات سورج کو ڈھانک لیتی ہے۔ یعنی رات کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کی روشنی کا کچھ نشان نہ رہے۔ وما بناھا مخلوق کی آرائش کے لئے اللہ نے آسمان کو خیمہ اور چھت کی طرح تان دیا۔ ان تینوں الفاظ بناھا، طحاھا، سواھا میں ما اگرچہ بعض مفسرین نے مصدر یہ لیا ہے۔ لیکن بمعنی من لینا زیادہ اچھا ہے جس سے مراد اللہ ہے۔ نفس کے تسوئہ اور ہموار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بدن انسانی اور اس کے تمام جوڑ بند اور اعضاء متناسب بنائے۔ اسی طرح اندرونی قوتیں بھی موزونیت کے ساتھ عطا کیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فساد و گناہ کو اس کی اصل فطرت نہیں بنایا۔ بلکہ اس کی ساخت فطری طور پر سیدھی راہ چلنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اندرونی یا بیرونی خرابی اگر آتی ہے تو خارجی عوامل سے آتی ہے۔ آیات و روایات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

برائی اچھائی کا الہام: الہمہما فجورہا وتقوہا۔ لہم کے معنی نکلنے کے آتے ہیں لہم الشیء والفہم دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ الہممتہ الشیء کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلاں چیز اس کو منگوادی کسی تصور و خیال کا غیر شعوری طور پر مضامین اللہ کسی کے دل و دماغ میں آ جانا اس کو اصطلاحی طور پر الہام کہا جاتا ہے۔ فطری الہام اللہ نے ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور نوعیت کے اعتبار سے ودیعت فرمایا ہے۔ الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدیٰ چاند، تارے، سورج، آسمان، زمین، ہوائیں، بادل، جمادات، نباتات، جانور سب ہی کو ان کے مناسب فطری الہامات سے قدرت سے نوازا ہے اور وہ اپنے اپنے دائرے میں مصروف عمل ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے۔ اس حیثیت سے اس کو مختلف الہامی علوم دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح اس کا ایک عقلی وجود ہے۔ اس لحاظ سے بھی خدا نے اس کو الہامی رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ جس کی بدولت وہ مسائل اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا ہے۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان میں ایک حیثیت اخلاقی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نفس انسانی میں اللہ نے نیکی بدی دونوں کے رجحانات اور میلانات رکھ دیئے ہیں۔ جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ اجمالی طور پر بھلائی

برائی میں تمیز کرنے کی اللہ نے سمجھ دی ہے۔ پھر انبیاء اور آسمانی تعلیمات نے اسے کھول کھول کر بتلادیا کہ یہ برائی کا راستہ ہے اور یہ نیکی کا طریقہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ نے یہ بات القاء کر دی ہے کہ فلاں اخلاق اچھے ہیں اور فلاں برے ہیں۔ اور یہ کہ اچھے برے اعمال و اخلاق یکساں نہیں ہیں۔ فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے۔ یہ چیز انسان کے لئے اجنبی نہیں ہے بلکہ خالق نے پیدا انہی طور پر برے بھلے کی تمیز اس کو عطا کر دی ہے۔ غرضیکہ دل میں نیکی کا رجحان اور بدی کا میلان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ سابق روایت نشاندہی کر رہی ہے۔ ہاں نیکی کا القاء فرشتہ کے ذریعہ اور بدی کا القاء شیطان کے واسطے سے ہوتا ہے۔ پھر وہ رجحان و میلان کبھی انسان کے ارادہ و اختیار سے عزم کے درجہ میں پہنچ کر فعل صادر ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس افعال کا خالق تو اللہ اور کاسب بندہ ٹھہرتا ہے۔ غرض اللہ نے انسان کو خیر و شر کا امتیاز اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا فرمایا ہے اور یہ ایک عالمی حقیقت ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا خیر و شر کے تصور سے کبھی بھی خالی نہیں رہی۔ دنیا میں کبھی کوئی ایسا معاشرہ نہیں ہوا جس میں بھلائی برائی پر بھلے برے اثرات مرتب کرنے کی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ پس اس حقیقت کا مسلمہ عالمگیر ہونا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے۔

کون کا میاب ہے اور کون نا کام؟..... قد افلح یہ ہے وہ مضمون جس پر ایک دہائی سے زیادہ قسمیں کھائی گئی ہیں۔ قرآن جن حقائق کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس کی تائید میں وہ انسان کے ارد گرد اور خود اس کے اندر کی چیزوں کو شہادت میں پیش کیا کرتا ہے۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر یہاں بھی دو متضاد چیزیں پیش کی گئی ہیں۔ جن کے نتائج و ثمرات بھی ظاہر ہیں۔ کہ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ مختلف ہوں گے۔ ایک طرف سورج اور اس کی تیز اور گرم دھوپ ہے۔ دوسری طرف چاند اور اس کی ہلکی ٹھنڈی روشنی ہے۔ دونوں کے اثرات الگ الگ وقت میں مختلف ہوتے ہیں۔ ایک طرف دن ہے اور دوسری طرف رات ہے دونوں کا وقت بھی الگ الگ اور نتائج و ثمرات بھی متضاد۔ علیٰ ہذا ایک طرف آسمان اور اس کی بلندی ہے اور دوسری طرف زمین اور اس کی پستی ہے۔ دونوں کے اثرات اور کام ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ ان آفاقی شہادتوں کے بعد اب خود انسان کے اندر غور کر لیا جائے تو نظر آجائے گا کہ اعضاء اور حواس اور ذہنی قوتوں کے موزوں امتزاج سے درست کر کے اس میں بھلائی کے رجحانات اور برائی کے میلانات رکھ دیئے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ پس اگر چاند، سورج، دن، رات، آسمان، زمین یکساں نہیں ہیں تو تقویٰ و تزکیہ اور فسق و فجور کیسے یکساں ہو سکتے ہیں؟ انسان اس دنیا میں بھی نیکی بدی کو یکساں نہیں سمجھتا۔ جس چیز کو وہ نیکی سمجھتا ہے وہ اسے قابل قدر مستحسن انعام سمجھتا ہے اور جس چیز کو بدی سمجھتا ہے وہ اس کے نزدیک قابل مذمت اور لائق سرزنش ہوتی ہے۔

کون سی چیز نیکی ہے اور کون سی چیز بدی ہے؟..... لیکن کون سی چیز تقویٰ ہے اور کون سی فجور ہے۔ اس کا فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ بلکہ اس خالق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کو تقویٰ و فجور کا الہام کیا ہے۔ اس نے دونوں کے نتائج بھی الگ الگ رکھے ہیں۔ جو فسق کو پاک رکھے اور سنوارے یعنی قوائے شہوانیہ اور غصبیہ کو قوائے عقلیہ کے آگے جھکا دے اور عقل کو شریعت کے آگے سرخم کر دے۔ اس کا انجام فلاح ہے اس کا قالب تابعدار اور قلب و روح تجلی الہی سے منور ہو جائیں گے۔ لیکن فسق و فجور کا نتیجہ یہ ہے کہ جو فطری صلاحیت اور استعداد کو دبا کر گھونٹ دے گا وہ نامراد ہوگا۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو برائیوں سے محفوظ رکھ کر تقویٰ کی بلندی پر پہنچائے اور بھلائی کی نشوونما کرے اور نفس کے نامراد اور خاک میں ملادینے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی باگ ڈور شہوت و غضب کے ہاتھ میں سر اسر تھما دے، نہ شریعت کی پرواہ کرے اور نہ عقل و دانش کی رعایت رکھے۔ خواہش کی پیروی میں جانوروں کی طرح آزاد

ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نفس میں پائی جانے والی نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور ان کو نشوونما دینے کے بجائے اللہ ان کو دبا دے۔ بلکہ بہک کر برائی کے میلانات کی طرف نفس کی لگام پھیر دے اور برائی کو اپنے اوپر اس طرح طاری کر لے کہ نیکی دب کر اور چھپ کر رہ جائے تو اس سے بڑھ کر نامرادی کیا ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی حکمت بالغہ سے نفس انسانی میں خیر و شر کی متضاد اور متقابل قوتیں رکھی ہیں۔ اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔ اس طرح ان مختلف اعمال پر مختلف نتائج و ثمرات بھی اس نے رکھے ہیں اور اعمال کے مطابق ثمرات کا رکھنا عین حکمت ہے۔

ایک تاریخی نظیر:..... اذ انبعث مذکورہ بالا اصولوں کی وضاحت اور تائید کے لئے ایک تاریخی نظیر بیان کی جا رہی ہے۔ پہلی آیت میں ہر چند کہ یہ بتلایا گیا تھا کہ تقویٰ و فجور کا الہام اجمالی فطری ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی تفصیلات کا تعلق ہے وہ وحی الہی سے ہے۔ جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے اور فجور کا تعلق کن کن چیزوں سے ہے۔ جن سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ انسان اگر وحی الہی کی اس واضح ہدایت کو قبول نہ کرے تو وہ نہ فجور سے بچ سکتا ہے اور نہ تقویٰ کا راستہ پاسکتا ہے۔ اسی طرح ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا لازمی نتیجہ فلاح ہے اور فسق و فجور کا نتیجہ نامرادی اور بربادی ہے۔ چنانچہ قوم ثمود کی تاریخی نظیر سے بھی یہ دونوں باتیں محل کر سامنے آ جاتی ہیں۔ کیونکہ اس قوم کا حال عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا۔ تجارت کے لئے شام کو جاتے ہوئے یہ بستی سراہ پڑتی ہے۔ جس کا ذکر اشعار جاہلیت میں بھی ملتا ہے۔ قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے ان کی بات مان کر ہی نہیں دی۔ اور کسی طرح بھی تقویٰ اور پرہیز گاری کی راہ نہیں اپنائی۔ سورہ اعراف میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے۔

فرمانی معجزہ:..... حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سن کر ان سے قوم نے نشان اور معجزہ کی فرمائش کی۔ اور پتھر سے گائے اور اونٹنی برآمد کرنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ حسب فرمائش بطور معجزہ برآمد ہو گئی۔ چارہ کے لئے تو وہ جنگل نکل جاتی اور پانی کا یہ انتظام ہوا کہ چشمہ کا ایک دن اونٹنی کے لئے مخصوص رہا اور ایک دن دوسرے تمام جانوروں کے لئے باری کا مقرر ہوا اور آگاہ کر دیا گیا کہ کسی نے برے ارادہ سے اونٹنی کو ہاتھ لگایا تو اس پر عذاب آجائے گا۔ کچھ دن تو ڈر کر پابندی کرتے رہے۔ لیکن آخر کار صورت حال سے تنگ آ کر قد ار بن سالف نے اس کی کوئی نیکوئی کاٹ ڈالیں۔ اس طرح وہ غائب یا ہلاک ہو گئی اور اس کا بچہ اس پتھر میں غائب ہو گیا جہاں سے وہ برآمد ہوئی تھی۔

ولا یسخاف عقبہا یعنی دنیا کے فرمانرواؤں کو جس طرح کسی کو سزا دینے کے بعد کبھی اندیشہ لاحق ہوا کرتا ہے کہ کہیں رد عمل کے طور پر ملک میں شورش نہ ہو جائے یا نظم حکومت میں کوئی خلل نہ پڑ جائے۔ اللہ کا اقتدار سب سے اعلیٰ ہے اسے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ یہ قوم یا اس کے حمایتی اس کا پیچھا کریں گے۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت کا عمودی مقصد نیکی بدی کا امتیاز بتلانا تھا۔ اور اس فرق سے انکار اور بدی پر چلتے رہنے اور اصرار کرنے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈرانا ہے۔ اس سورت کی پہلی دس آیات میں تین باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ چاند، سورج، رات، دن، زمین، آسمان جس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار و نتائج میں متضاد ہیں۔ یہی حال نیکی بدی اور ان کے اثرات کے تضاد کا ہے۔ نیکی بدی نہ صورت یکساں ہیں اور نہ حقیقت۔ پھر ان کے نتائج میں یکسانیت کیسے آسکتی ہے۔ دن اگر رات، یا رات اگر دن نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دن کے اثرات رات میں اور رات کے نتائج دن میں اگر نمایاں نہیں ہو سکتے۔ تو نیکی بدی، یا بدی

نیکی کیسے بن سکتی ہے۔ اسی طرح نیکی پر بدی کے اور بدی پر نیکی کے ثمرات کیسے مرتب ہو سکتے ہیں۔ ورنہ کائناتوں کی جگہ پھول اور پھول کی جگہ کانٹے لگنے چاہئیں۔

دوسری بات یہ سمجھائی ہے کہ انسان کو محض جسمانی اعضاء اور ذہنی قوتیں دے کر بالکل بے خبر دنیا میں نہیں چھوڑا بلکہ لاشعوری طور پر فطری الہام سے نیکی بدی کا فرق بتلا دیا۔ اور خیر و شر کا فی نفسہ احساس دلایا کرتا رہا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان اپنا مستقبل بنانا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کرے۔ ہاتھ پاؤں چلائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اچھے برے رجحانات میں سے کس کو ابھارتا اور کس کو دباتا ہے۔ اچھے رجحانات ابھارنے اور برے رجحانات دبانے سے اسے فلاح نصیب ہوگی۔ لیکن اچھائی کے جذبہ کو اگر برائی کا داعیہ ابھارے گا تو یقیناً نامراد ہوگا۔

ان تینوں مضامین کے نصف آخری نیکی بدی کے انجام کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک تاریخی نظریہ پیش کی گئی ہے۔ کہ اللہ کا رسول صالحؑ اپنی قوم ثمود کے پاس یہ پیغام لایا کہ فطری الہامی علم جو نیکی بدی میں فرق کرنے کے لئے انسان کو ملا ہے صرف وہ کافی نہیں ہے۔ اسی لئے انسان نیکی بدی بھلے برے کا معیار تجویز کرنے میں ہمیشہ چونکا رہا اور گمراہی کے غار میں گرفتار رہا۔ اس کا صحیح پیمانہ تو خالق کائنات ہی بتلا سکتا ہے۔ جس طرح آنکھ کی روشنی کے لئے باہر فضا کا روشن ہونا بھی ضروری ہے، باہر اندھیرا ہوگا تو نور نظر بھی کام نہیں دے گا۔ یہی حال نور بصیرت کا ہے کہ اس فطری ہدایت کے ساتھ وحی کی روشنی بھی ناگزیر ہے۔ اگر وحی کی واضح ہدایت نہیں تو کتنے اشرافیہ تباہی کے غار میں جا پڑے۔ حضرت صالحؑ بھی ثمود کے پاس یہی روشنی لے کر تشریف لائے اور ان کا منہ مانگا معجزہ دکھلادیا۔ مگر قوم نے غیبت و خسران کی راہ اپنائی۔ تباہی کا نتیجہ ان کے سامنے تھا۔ اہل مکہ کو صاف طور پر تو یہ نہیں کہا کہ تمہارا حشر بھی یہی ہوگا۔ مگر جب حال ان کا وہی ہے تو نتیجہ بھی ظاہر ہے وہی ہوگا۔

فضائل سورت: من قرء سورة الشمس فكانما تصدق بكل شئ طلعت عليه الشمس والقمر ترجمہ جو شخص سورہ واششمس پڑھے گا تو سمجھا جائے گا کہ جتنی چیزوں پر چاند سورج طلوع ہوئے ہیں۔ اس نے اتنا صدقہ کیا ہے۔

اطراف سلوک: ونفس وما سواها یعنی نفس کو اس طرح سنوارا کہ وہ بارامانت اٹھانے کے لائق ہو گیا۔ آگے چل کر اس کے لئے دو راستے ذکر کئے گئے۔ یعنی تقویٰ اور فجور اور نفس کو ان دونوں کا الہام کیا گیا اور ایک تیسرے نفس کی حیثیت ان دونوں حالتوں کے درمیان بنائی۔ پس نفس اگر نافرمانی اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے ”نفس امارہ بالسوء“ کہا جاتا ہے۔ اور پرہیزگاری کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر نفس گناہ کر کے جلد پشیمان ہو جائے تو اس کو ”لوامہ“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خود کو ملامت اور خواہشوں کی مذمت کرتا ہے اور اپنے شیطان پر لعنت بھیجتا ہے اور اپنی شہوت پر غصہ اور لذتوں پر نفرت کرتا ہے اور جو گناہ کیا اس سے تائب ہو جاتا ہے پھر جب اس کی خالص توبہ کامل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے پھر اپنی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے۔ تاکہ کہیں پہلی حالت کی طرف رجعت نہ ہو جائے۔ اب اس کے لئے اس حالت پر برقرار رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ تاہم چونکہ رہنے کی ضرورت ہے۔ تاوقتیکہ ملکہ راسخہ حاصل نہ ہو جائے۔ پھر بھی جب تک دارالتکلیف میں ہے۔ رجعت کا کھٹکا لگا رہتا ہے اللہ سے ڈرتا ہے۔ نفس پر مختلف احوال اسی طرح طاری رہتے ہیں۔ جس طرح بدن پر مختلف حالات اور عوارض لاحق ہوتے ہیں۔ فالہمہا فجورہا وتقویٰ نفس کی طرف فجور و تقویٰ کی اضافت سے بعض حضرات نے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ نفس کو اس فجور و تقویٰ کا الہام ہو جاتا ہے جس کی اس میں پہلے سے استعداد ہوتی ہے۔

سُورَةُ النَّارِ

سُورَةُ النَّارِ مَكِّيَّةٌ إِحْدَى وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَ النَّارِ إِذَا يُعْشَى ﴿١﴾ بِظُلَمَتِهِ كُلُّ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ﴿٢﴾ تَكْشِفُ وَظَهَرَ وَإِذَا
فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِمُحَرِّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيهَا فَعَلَ الْقَسَمَ وَمَا بِمَعْنَى مِنْ أَوْ مَصْدَرِيَّةٌ خَلَقَ الذَّكَرَ
وَالْأُنْثَى ﴿٣﴾ أَدَمَ وَحَوَاءَ أَوْ كُلُّ ذَكَرٍ وَكُلُّ أُنْثَى وَالْخُنْثَى الْمُشْكِلُ عِنْدَنَا ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى
فِيحِثُ بِتَكْلِيمِهِ مَنْ خَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرٌ أَوْ لَا أُنْثَى إِنَّ سَعْيَكُمْ عَمَلَكُمْ لَشَتَّى ﴿٤﴾ مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ لِلْحَنَةِ
بِالطَّاعَةِ وَعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ فَأَمَّا مَنْ أُعْطِيَ حَقَّ اللَّهِ وَاتَّقَى ﴿٥﴾ اللَّهُ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴿٦﴾ أَيْ
بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ فَسُنِّيَسْرُهُ لِلْيُسْرَى ﴿٧﴾ لِلْحَنَةِ وَأَمَّا مَنْ أَبْخَلَ بِحَقِّ اللَّهِ وَاسْتَغْنَى ﴿٨﴾
عَنْ ثَوَابِهِ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ﴿٩﴾ فَسُنِّيَسْرُهُ نَهْيُهُ لِلْعُسْرَى ﴿١٠﴾ لِلنَّارِ وَمَا نَافِيَةٌ يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا
تَرَدَّى ﴿١١﴾ فِي النَّارِ إِنَّ عَلَيْنَا لِلْهُدَى ﴿١٢﴾ لَتَبِينَ طَرِيقَ الْهُدَى مِنْ طَرِيقِ الضَّلَالِ لِيَتِمَّ أَمْرُنَا بِسُلُوكِ
الْأَوَّلِ وَنَهَيْنَا عَنْ إِرْتِكَابِ الثَّانِي وَإِنَّ لَنَا لِلْآخِرَةِ وَالْأُولَى ﴿١٣﴾ أَيْ الدُّنْيَا فَمَنْ طَلَبَهَا مِنْ غَيْرِنَا فَقَدْ
أَخْطَأَ فَإِنْدَرْتُكُمْ خَوْفَكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ نَارًا تَلْظِي ﴿١٤﴾ بِحَذْفِ إِحْدَى التَّائِينَ مِنَ الْأَصْلِ وَقُرَى بِثُبُوتِهَا
أَيْ تَتَوَقَّدُ لَا يَصْلُهَا يَدْخُلُهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ بِمَعْنَى الشَّقِي الَّذِي كَذَّبَ النَّبِيَّ وَتَوَلَّى ﴿١٦﴾ عَنِ
الْإِيمَانِ وَهَذَا الْحَضَرُ مُؤَوَّلٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَغْفِرُ مَا دُونَهُ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ فَيَكُونُ الْمُرَادُ الصَّبْرُ الْمُؤَبَّدُ
وَسَيُجَنَّبُهَا يَبْعُدُ عَنْهَا لَا تَقَى ﴿١٧﴾ بِمَعْنَى التَّقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾ مُتَزَكِّيًا بِهِ عِنْدَ اللَّهِ بِأَنْ
يُخْرِجَهُ لِلَّهِ تَعَالَى لَا رِبَاءَ وَلَا سُمْعَةَ فَيَكُونُ زَكِيًّا عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى وَهَذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُ لَمَّا اشْتَرَى بِلَا لَا الْمُعَذَّبَ عَلَى إِيْمَانِهِ وَأَعْتَقَهُ فَقَالَ الْكُفَّارُ إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِكَ لِيَدَّ كَانَتْ لَهُ عِنْدَهُ فَتَزَلَّ
وَمَا لِأَحَدٍ بِلَالٍ وَغَيْرِهِ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا لَكِنْ فَعَلَ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهَ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾

أَيُّ طَلَبِ ثَوَابِ اللَّهِ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿۹۲﴾ بِمَا يُعْطَاهُ مِنَ الثَّوَابِ فِي الْحَنَةِ وَالْآيَةُ تَشْتَمِلُ مِنْ فِعْلٍ مِثْلَ فَعَلِهِ فَيَبْعُدُ عَنِ النَّارِ وَيَنَابُ

سورۃ والیل مکیہ ہے، اس میں ۲۱ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (آسمان وزمین کے درمیان فضا کو اندھیرے سے چھپالے) اور دن کی جب کہ وہ روشن (نمایاں) ہو اور چمکے دونوں جگہ اذ انھض طرف کے لئے اور فعل قسم عامل ہے) اور اس ذات کی (ما بمعنی من ہے یا مصدر یہ ہے) جس نے نرا اور مادہ کو پیدا کیا (آدم اور حواء اور ہر مرد و عورت مراد ہے اور واقعی ہجڑہ ہمارے اعتبار سے مشکل سمجھا جائے گا۔ لیکن عند اللہ وہ مرد یا عورت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حلف کرے کہ میں کسی مرد اور عورت سے کلام نہیں کروں گا اور وہ ہجڑہ سے بات کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی) فی الحقیقت تم لوگوں کی کوششیں (اعمال) مختلف قسم کی ہیں (کوئی جنت کے کام کرتا ہے اطاعت کر کے اور کوئی نافرمانی کر کے دوزخ کما تا ہے) سو جس نے مال دیا (اللہ کا حق) اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات (دونوں جگہ کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے) کو سچا سمجھا۔ سو ہم راحت کی چیز (جنت) کے لئے سہولت دیں اور جس نے (اللہ کے حق میں) بخل کیا اور (ثواب سے) بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔ اس کو ہم تکلیف دہ چیز (جہنم) کے لئے سامان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا (ما نافیہ ہے) جب کہ وہ ڈال دیا جائے گا (دوزخ میں) بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے (ہدایت اور گمراہی کا الگ الگ کر دینا۔ تاکہ پہلے راستہ پر چل کر وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرے۔ اور دوسرے کے اختیار سے باز رہے) اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (لہذا جو ہمارے علاوہ دوسرے سے چاہے گا وہ غلطی کرے گا) پس میں نے (مکہ والوں) تمہیں خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے (قلطی کی اصل میں دو تائیں تھیں جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں دونوں کو پڑھا گیا ہے یعنی دکتی ہوئی آگ) اس میں وہی بد بخت داخل ہوگا (اشقی بمعنی شقی ہے) جس نے (پیغمبر کو) جھٹلایا اور گردانی کی (ایمان سے آیت ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء کی وجہ سے اس حصر کی تاویل کی جائے گی۔ لہذا دوزخ میں داخل ہونے سے ہمیشہ کا داخلہ مراد ہوگا) اور اس سے دور (الگ) رکھا جائے گا۔ وہ پرہیزگار (اتقی بمعنی تقی ہے) جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے (مال کے ذریعہ اللہ کے نزدیک ہونے کے لئے صرف اللہ کے لئے پیسہ خرچ کرے، ریا کاری اور دکھاوے کے لئے نہ ہو، جس سے اللہ کے نزدیک پاکیزہ ہو جائے گا۔ یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب کہ انہوں نے بلالؓ کو خرید کر اس وقت آزاد کیا جب انہیں ایمان لانے کی وجہ سے ستایا جا رہا تھا۔ مگر کافر کہنے لگے کہ ابوبکرؓ نے تو اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے جو بلالؓ نے ان پر کیا تھا۔ اس پر اگلا جملہ نازل ہوا) اس پر کسی (بلالؓ وغیرہ) کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ البتہ (لیکن اس نے یہ کیا ہے) صرف اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے لئے (ثواب حاصل کرنے کے لئے) اور وہ ضرور خوش ہوگا (جنت میں جو اسے ثواب عطا ہوگا اور آیت ہر اس شخص کے لئے بھی ہے جو ابوبکرؓ جیسے اعمال کرے گا۔ لہذا اسے بھی دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اسے اجر ملے گا)۔

تحقیق و ترکیب: والیل اذایغشی رات میں چونکہ سکون و اطمینان ہوتا ہے اس لئے اس عظیم نعمت کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور یغشی کی ضمیر الشمس کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ والیل اذایغشی میں گزر چکا ہے۔ یا النہار کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ یغشی الیل النہار میں گزرا ہے یا ہر چھپانے والی چیز کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ اذا وقب میں آرہا ہے۔ وما خلق اگر ما بمعنی من ہو تو اللہ کی ذات مراد ہوگی۔ دوسری صورت ما مصدریہ کی ہے۔ خلقی کا مرد یا عورت ہونا بقول

کشف ہمارے لئے تو اس کا اتنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ اس لئے کیسے تصفیہ کیا جائے۔ مگر اللہ کو صحیح حقیقت حال معلوم ہے کہ فی الواقع وہ مرد ہے یا عورت؟ چنانچہ قسم کھانے سے بیچرہ بھی اس میں داخل ہو جائے گا یعنی اس سے کلام کرنے پر بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ واقع میں وہ مرد عورت میں سے کسی ایک قسم میں داخل ہے۔ کوئی تیسری قسم نہیں کہ قسم میں داخل کرنے میں اشکال ہو۔ برخلاف ابوالفضل ہمدانی کے کہ وہ خنثی کو تیسری قسم مانتے ہیں۔ لیکن آیت یہب لمن یشاء اناثا ویہب لمن یشاء الذکور اس خیال کی نئی کر رہی ہے۔ کیونکہ مخلوق کا انحصار دو ہی قسم پر ہوتا ہے۔ اور ایک صورت بیچراپن کی ہوتی ہے۔ کہ بول چال، حرکات و سکنات میں زنانہ پن ہو۔ وہ مرد ہی سمجھا جائے گا۔

ان سعيکم لشتی یہ جواب قسم ہے شتی شتیت کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرض آتی ہے۔ شتات کے معنی اختلاف کے ہیں۔
فاما من اعطی یہ شتی کی تفصیل ہے۔
بالحسنی پورا کلمہ طیبہ مراد ہے۔

فسنیسرہ۔ یسر الفرس کے معنی گھوڑے کا سامان فراہم کرنے کے ہیں۔ اسی طرح یہاں اسباب جنت مراد ہیں۔ اس میں سین استقبال نہیں۔ بلکہ تحسین کلام کے لئے کیونکہ اسباب کی سہولت فی الحال میسر ہے۔
یسری آسان خصلت اور عسری دشوار خصلت کو کہتے ہیں مائینی مانافہ ہے۔ یا استفہام انکاری کے لئے ہے۔
اذا تردی ردی کے معنی بقول مجاہد ہلاک کے ہیں یا تردی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی قبر یا جہنم میں گرنے کا ہے ان دونوں آیات میں صفت تقابل پائی جاتی ہے۔ پہلی آیت میں جتنے الفاظ آئے ہیں دوسری آیت میں اس کا مقابل ذکر کئے گئے جس سے کلام میں بلاغت و لطافت آگئی۔

ان علینا للہدی ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہونی چاہیے تھی۔ ان علینا للہدی والضلالۃ مفسر اسی کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ہدایت سے یہاں تینیں مراد ہے۔ اور اس کا معمول محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ان علینا التبین طریق الحسن من الباطل جیسے دوسری آیت وعلى الله قصد السبیل ہے۔
للاخرة والاولیٰ بقول مفسر اولیٰ سے مفسر مراد ہے یعنی اللہ جسے اور جس قدر چاہے ثواب دارین عطا کرے۔ یا مہتدین کو ہدایت کا ثواب اور گمراہوں کو گمراہی کی سزا دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دین و دنیا کا مالک چونکہ اللہ ہے لہذا ہدایت پر نہ چلنے کا نقصان اللہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

لا یصلہا الا الاشقی۔ اشقی اور اتقی اسم تفضیل بھی ہو سکتے ہیں۔ بظاہر اس حصہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مؤمن فاسق دوزخ میں نہیں جائے گا صرف کفار جائیں گے۔ لیکن آیت ویغفر ما دون ذلک کی وجہ سے اس حصہ کو ظاہر پر نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہاں دخول ابدی مراد ہے۔ اور وہ کافر کے لئے مخصوص ہے کیونکہ اگر مؤمن کو بالکلیہ معاف کر دیا تب تو وہ جہنم میں جائے گا ہی نہیں۔ اور بغیر سزا معافی نہ ہوئی تو محدود وقت کے لئے داخلہ ہوگا۔ سزا کے بعد پھر نکال لیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اشقی کا مصداق کافر منافق ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مرجعہ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ گنہگار مسلمان بالکل دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ ظاہر حصہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن جب مطلق داخلہ مراد نہیں۔ بلکہ دوائی داخلہ مراد ہے تو پھر یہ استدلال غلط ہو جاتا ہے۔ مفسر نے اس آیت کی بنیاد آیت ویغفر الخ پر جوڑی ہے وہ بلحاظ مفہوم کے ہی صراحتہ نہیں ہے۔ کیونکہ لمن یشاء سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مؤمن کی مغفرت نہ چاہے تو وہ اس کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے۔

یمنز کھی۔ یؤتی سے بدل ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ پہلی آیت میں صلہ ہونے کی وجہ سے محل اعراب میں نہیں ہے۔ کیونکہ صلہ کا اعراب نہیں ہوتا۔ اور ثانی صورت میں محل نصب میں ہے۔ مفسر نے اسی کو اختیار کیا ہے ای متز کیا بہ عند اللہ۔
الا ابتغاء استثناء منقطع ہے یا محذوف کے ساتھ متصل ہے ای لا یؤتی ماله الا ابتغاء وجہ رہہ لا للمکافاة نعمتہ لیکن زخمریٰ بلحاظ معنی مفعول لہ مانتے ہیں اور فراء نصب کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں ما اعطیتک ابتغاء جزائک بل ابتغاء وجہ اللہ عام قرأت نصب کی ہے اور محکی محل نعمتہ سے بدل قرار دیتے ہوئے مرفوع پڑھتے ہیں کیونکہ من نعمتہ فاعل ہے یا مبتداء ہے اور بدل بنانا لغت حمیم پر ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں غیر موجب کلام میں متصل کی جگہ منقطع لاتے ہیں۔

رابط آیات: سورۃ والشمس اور سورۃ واللیل کا مضمون بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ ایک ہی بات کو دونوں میں ایک ایک انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں سورتیں قریب قریب زمانہ کی ہیں۔ دونوں میں اعمال اور ان کی مجازات کا بیان ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

شان نزول: قال ابن الجوزی اجمعوا علی انها نزلت فی ابی بکرؓ لما اشتري بلالا المعذب علی ایمانه کان یعذبه مولاہ امیہ بن خلف علی ایمانه فقال ابو بکرؓ لا تتقی فی هذا المسکین قال انت افسدته فانقذه مما تری فقال ابو بکرؓ افعل عندی غلام اسود اجلا منه واقوی علی دینک اعطیک قال فقد فعلت فاعطاه ابو بکرؓ غلامه فاعتقه فقال الکفار انما فعل ذلك لید ای النعمه کانت له عنده وکان الصدیق رضی اللہ عنه یتنازع الضعفة فیعتقهم فقال له ابوه ای بنی لو کنت تتنازع من یمنع ظهرك فقال یمنع ظهري ارید وقال ابن الجوزی ایضا فیہا التصریح بانہ اتقی من سائر الامه والاتقی هو الاکرم عند اللہ لقوله ان اکرمکم عند اللہ اتقکم والاکرم عند اللہ هو الافضل ینتج انه افضل من بقية الامه وفی معالم التنزیل یتزکی یطلب ان یکون عند اللہ زاکیا لا رباء ولا سمعة یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع۔ عن علیؓ قال کنا فی جنازة فی بقیع الغرقد فاتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففقد ففقدنا حوله ومعه مخصرة فنکس فجعل ینکث بمخصرته ثم قال ما منکم من احد مامن نفس منقوسة الا وقد کتب اللہ مکتبا لہن النار والجنة والنار والا وقد کتبت شقیة اوسعیدة قال فقال رجل یارسول اللہ افلا نمکت علی سکتنا لوزید ع العتق فقال من کان من اهل السعادة فسیصیر الی عمل اهل السعادة ومن کان من اهل الشقوة فسیصیر الی عمل اهل الشقاوة وقالوا اعملوا فکل ميسر اما اهل السعادة فیسرون لعمل اهل السعادة واما اهل الشقوة فیسرون لعمل اهل الشقاوة فاما من اعطی من الغنی والفقیر وصدق بالحسنى فسیسرہ للیسرى واما من یخل واستغنی وکذبت بالعمیة فسیسرہ للیسرى اتی فیہ انہ یصلی فیہ فی

﴿تشریح﴾: واللیل دنیا میں جس رات دن، زمانہ، مختلف اور متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں اور ان سے ہر ذرے کے آثار و نتائج باہم متضاد ہیں۔ اسی طرح تمہارے اعمال اور کوششیں بھی متضاد ہیں اور ان کے مقاصد بھی مختلف ہیں۔

تین جامع بنیادیں: فاما من اعطی یہ سنی کی ایک قسم ہے۔ جس کے ذیل میں تین تاج بنیادوں کو دیکھا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جو شخص کھلے دل سے اپنے ہاں میں سے جو اللہ تعالیٰ سے دیا ہے۔ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی اور ان کی ترستہ میں خرچ کرتے۔ دوسرے اس کے دل میں خوف خدا ہو اور زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہے۔ تیسرے یہ کہ اسلام کی تمام

بھلی باتوں کو دل سے سچا مانتا ہے۔ خواہ عقائد و اخلاق ہوں یا اعمال و معاملات سب کو صحیح مانتا ہو یعنی دہریت شرک و کفر کو چھوڑ کر توحید اپنائے۔ رسالت و آخرت پر ایمان رکھے۔ اسی طرح اچھے اعمال یا اخلاق بے شعوری کے ساتھ محض عادت کے طور پر نہ کرے۔ بلکہ خدائی احکام ہونے کے ناطقان پر عمل پیرا ہو تو ایسے شخص کے لئے وعدہ ہے کہ ہم اس کے لئے نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے اور مقام راحت یعنی جنت میں پہنچا دیں گے۔

راستہ آسان ہونے کا مطلب:..... راستہ کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے جسم، جان، عقل، ذہن پر زبردستی کر کے اور ضمیر سے لڑ کر چلنا نہیں پڑتا اور نہ اسے ہر طرف کی مزاحمت اور کش مکش سے سابقہ پیش آتا ہے۔ بلکہ اسے صلح و آشتی اور قدر و منزلت میسر آتی چلی جاتی ہے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے۔ کہ جو شخص مال سے خدمت خلق کرتا ہو اور لوگوں سے نیک سلوک سے پیش آتا ہے اور اچھے اخلاق برتے۔ کسی سے بے وفائی بدعہدی، ظلم و زیادتی، خیانت نہ کرے تو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دل اس کی طرف کھینچنے لگتے ہیں۔ اس کا اپنا دل بھی مطمئن رہتا ہے اور دوسروں کی نگاہ میں بھی عزت قائم رہتی ہے اور اس آسان راستہ پر چلنے کے لئے سہولت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس راستہ کو اپنانے کا فیصلہ کر لے گا۔ اور برائی کی راہ ترک کرنے کا عزم کر لے گا۔ اور اس کا عمل بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے گا۔ تو اللہ اسے اس پر جنس کی توفیق دیتا رہے گا۔ اسے نیکی کرنا آسان ہو جائے گا۔ راہ کی دشواریاں ایک ایک کر کے دور ہوتی چلی جائیں گی اور گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بدکاری کے مواقع پر ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہیں لپکے گا۔ بدکاری سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ نماز پڑھنے میں اسے سکون ملے گا۔ زکوٰۃ و صدقات ادا کرنے سے قلبی سکون میسر آئے گا۔ غرض ہر قدم پر اسے غیبی تائید و توفیق ملے گی اور حالات اس کے لئے سازگار بنادئے جائیں گے۔ اس راہ کو اختیار کرنے سے پہلے تو یہ انسان کو دشوار گزار گھاٹی معلوم ہوگی اور شیطان ہر طرف ایک ہوا کھڑا کر کے دکھائے گا۔ لیکن جب انسان اس پر چلنے کے لئے کمر ہمت باندھ لیتا ہے تو پھر خدا کی طرف سے اس گھاٹی پر چڑھنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

بخل کا انجام:..... واما من بخل بر خلاف اس کے انسان جدوجہد کی دوسری راہ اگر اپناتا ہے تو اس کے اثرات و نتائج بھی دوسرے ہوتے ہیں۔ بخیلی کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ اگرچہ اپنی ذات، اپنے عیش و آرام، دلچسپیوں، تفریحوں پر پانی کی طرح پینہ بہاتا ہے۔ مگر نیک کام کے لئے اس کی جیب سے دمڑی نہیں نکلتی۔ اور کچھ پیسہ نکالتا بھی ہے تو پہلے یہ اطمینان کر لیتا ہے کہ اس کے بدلے اسے شہرت نام و نمود حاصل ہوگا اور استغناء اور بے نیازی کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی اور خوشیوں کی قطع پر و انہیں کرتا۔ ساری تنگ و دو اپنے مادی فائدوں کے لئے کرتا ہے۔ اس کا کعبہ مقصود اپنے نفس کی غلامی ہوتی ہے۔ اسی طرح اچھائی کے جھٹلانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام و دین کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانتا ہے۔ پس ایسے شخص کے لئے سختی کی طرف رخ موڑ دیا جاتا ہے۔ جس سے روز بروز اس کا دل تنگ اور سخت ہوتا جاتا ہے۔ نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار دھیرے دھیرے عذاب الہی کی انتہائی سختی کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ اس پر چلنے والا اگرچہ دنیاوی لذتوں مادی کامیابیوں میں منہمک رہتا ہے۔ لیکن ہر وقت اپنی فطرت سے صداقت، دیانت، شرافت، عفت و عصمت سے نبرد آزار رہتا ہے اور اخلاقی حدود توڑ کر خواہشات پورا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی نظروں میں بھی آہستہ آہستہ حقیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسروں کی نگاہوں سے بھی گر جاتا ہے۔ تا آنکہ اس سے نفرت عام ہو جاتی ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ کسی کے دل میں بھی اس کے لئے خیر خواہی عزت کی جگہ

نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے ساتھی بھی اس کو بدترین سمجھتے ہیں۔

دشواری کی راہ آسان کر دینے کا مطلب: اور اس سختی کی راہ آسان کر دینے کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ بھلائی کے راستہ پر چلنے کی توفیق اس سے سلب کر لی جاتی ہے۔ اور برائی کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ بدی کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اسباب فراہم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نیکی تو اسے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اس کی جان پر بن رہی ہے۔ نماز روزہ کے نام سے بخار چڑھتا ہے لیکن شیطانی دھندوں میں ہشاش بشاش رہنے لگتا ہے۔ غرض کہ عادت اللہ یہی ہے کہ انسان نیکی اور بدی میں اپنے لئے جس راہ کو پسند اور اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے اس کو آسان فرما دیتا ہے۔ کلا نمد هؤلأء وهؤلأء من عطاء ربك وماکان عطاء ربك محظورا حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کل میسر لما خلق له وما یغنی عنه یعنی جس مال و دولت پر گھنڈ کر کے یہ آخرت کی طرف سے لا پرواہ ہو رہا تھا۔ وہ کچھ کام بھی نہ آئے گا۔ انسان کو ایک روز بہر حال مر جانا ہے۔ اور سارے عیش و عشرت کے سامان کو یہی چھوڑ جانا ہے۔ قبر میں اسکے ساتھ نہ جائے گا۔ آخرت میں تو آخرت ہی کی چیزیں نیک اعمال جائیں گے۔

اللہ کا نام اور انعام: ان علینا للهدی یعنی جب اللہ نے انسان کو بتایا ہے تو اس نے اسے بے خبر نہیں رکھا۔ بلکہ اس نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ فلاں راہ اچھی ہے اور فلاں راستہ خراب۔ اللہ نے تو اپنی حکمت کے پیش نظر کسی کو نیک و بد بننے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ البتہ اپنے ذمہ یہ لیا ہے کہ سب چیزیں کھول کھول کر بیان کر دیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ کونسا راستہ اختیار کر کے وہ اطاعت گزار ہوگا اور کون سا طریقہ اپنانے سے وہ نافرمان بن جائے گا؟ اب یہ تو بندہ کا کام ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس راستہ کو چاہے اختیار کرے آخرت میں اسی کے موافق اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ وان لنا للآخرۃ والاولیٰ یعنی چونکہ دنیا و آخرت کے ہم ہی مالک ہیں۔ اس لئے کسی حالت میں بھی انسان ہمارے قبضہ و قدرت سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح تم نیکی کی راہ اپناؤ یا برائی کا راستہ اختیار کرو، تمہارا اپنا نفع و نقصان تو ہوگا۔ مگر اس سے ہماری ملکیت اور حاکمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مگر اہی اختیار کرو گے تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔ ہمارا کیا بگڑ سکتا ہے۔ اور راہ راست پر چلو گے تو اس سے ہمارا کوئی نفع نہیں ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی ہے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم دنیا کی بھلائی چاہو گے تو وہ بھی ہمارے پاس ہے اور آخرت کی بہتری کے خواہاں ہو گے تو ہمارے خزانوں میں اس کی بھی کمی نہیں ہے۔

لا یصلہا نہایت بد بخت سے مراد کافر ہے۔ اور نہایت متقی سے مراد پکا مؤمن ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ کافر کے سوا کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور کامل مؤمن کے سوا کوئی اس سے نہ بچے گا۔ بلکہ دونوں کے دو انتہائی اعمال کے انتہائی نتائج بیان کرنے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو ہر طرح اللہ و رسول کا باغی ہو۔ اور ایک شخص وہ ہے جو مکمل طور پر اللہ و رسول کا وفادار و فرمانبردار ہو۔ پس دوسرے کردار والا نہیں بلکہ پہلے کردار والا آگ میں جھلسے گا۔ اور سدا اس سزا کو بھیتا رہے گا۔ لیکن جس کی حالت درمیانی ہو کہ بغاوت کا مرتکب تو نہیں البتہ بد عملی کا مجرم ہے۔ اس کے ثمرات بھی اسی طرح ملے جلے ہوں گے۔ برائی کا بھگتن کر کے ہی فلا حیا ہوگا۔ یہ تو قانونی عدل کا تجربہ رہا۔ آئین فضل سووہ جو چاہے کرے۔ کون لب کشائی کر سکتا ہے۔

یؤتی مالہ یتزکئ یعنی مال خرچ کرنا کسی طرح کی ریاء و نمود و نمائش کے لئے نہیں۔ بلکہ بخل و طمع جیسے رذائل نفس سے پاک ہونے کے لئے ہوتا ہے۔ کسی کے احسان کا بدلہ چکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف رحمت الہی اور دیدار خداوندی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے۔ تو ایسا شخص یقین رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائے گا اور اس کی یہ خواہش و تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ گویا کہ یہ اس رہزگار

آدمی کے خلوص کی اور زیادہ وضاحت کرتی ہے۔ کہ اس کی یہ مالی قربانی کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے یا آئندہ کسی نفع کی توقع پر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اللہ کی رضا جوئی پیش نظر ہے۔ جس کی بہترین مثال حضرت ابو بکرؓ کا کردار ہے۔ جس کو دیکھ کر ایک مرتبہ ان کے والد نے یہ کہہ کر ان کو ٹوکا تھا کہ تم کمزور لوگوں پر روپیہ خرچ کر رہے ہو۔ اگر مضبوط جوانوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لئے قوت بازو بنتے؟ جس کا جواب ابو بکرؓ نے یہ دیا کہ انما ارید ما عند اللہ ولسوف یرضی رضایہ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے گا اور دوسرے یہ کہ اللہ اس کو اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔ گویا یہ ”ولسوف یرضیہ“ کی بشارت کا انعکاس ہے جو آگے آ رہی ہے۔

خلاصہ کلام:..... زندگی کے دو مختلف راستوں اور ان کے نتائج و انجام کا فرق اس سورت میں ظاہر کرنا مقصود ہے۔ شروع سورت سے ”اذ اتردی“ تک یہ بتلایا جا رہا ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ بھی اچھی بری جدوجہد اور عمل کر رہا ہے۔ وہ اخلاقی نوعیت سے ایسے ہی مختلف ہیں جیسے رات دن، زمانہ مختلف ہوا کرتے ہیں۔ نیکی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ اور بدی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ الگ الگ نتائج لئے ہوئے زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پہلی خصوصیات ایک خاص طرز زندگی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور دوسری خصوصیات پہلی سے مختلف طرز زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لئے مال خرچ کرے، خدا ترسی اور پرہیزگاری کو اختیار کرے اور بھلائی کو بھلائی مانے اللہ تعالیٰ اس کے لئے زندگی کے صاف اور سیدھے راستہ کو ہل کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے لئے نیکی آسان اور بدی مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن جو شخص دوسرے طرز زندگی کو اپنائے گا۔ یعنی خدا کی راہ میں بخل کرے گا اور اللہ کی رضا جوئی اور ناراضگی سے بے پرواہ ہو جائے اور بھلی بات جھٹلانے لگے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے زندگی کے سخت راستہ کو آسان کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے بدی آسان اور نیکی مشکل ہو جائے گا۔ اور یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیا گیا کہ یہ مال جس کے پیچھے آدمی جان دے دیتا ہے۔ قبر میں اس کے ساتھ نہیں جائے گا کہ مرنے کے بعد بھی اس کے کام آئے۔ بلکہ یہیں رہ جائے گا اور دوسرے لے اڑیں گے۔ آیت انا علینا للہدیٰ سے لے کر آخری سورت تک مختصر طریقہ پر تین حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ (۱) اللہ نے انسان کو دنیا میں بے خبر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ اپنے ذمہ یہ لے لیا ہے کہ وہ اسے جملہ دے کہ زندگی میں کون سا راستہ سیدھا ہے۔ (۲) دنیا و آخرت دونوں کا مالک اللہ ہے۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تمہیں دنیا چاہیے یا آخرت لیکن جو کچھ چاہو گے وہ سب کچھ اس کے پاس موجود ہے۔ (۳) جو بد بخت الہی تعلیمات کو جھٹلائے گا اور اللہ کی ہدایت سے منہ موڑے گا۔ اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے۔ لیکن جو خدا ترس انسان پوری بے غرضی کے ساتھ صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنا مال راہ مولیٰ میں صرف کرے گا۔ اس کا رب اس سے راضی ہوگا اور اسے اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ واللیل اعطاه اللہ تعالیٰ حتی یرضی و عافاه من العسر و یسرہ البیسریٰ جو شخص سورۃ واللیل پڑھے گا اس کو اللہ اتنا دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا اور اسے سختی سے محفوظ اور سہولت سے نوازے گا۔ (حدیث موضوع)

اطا نف سلوک:..... فسنبیہ لیسریٰ معلوم ہوا کہ اصل دار و مدار اللہ کی توفیق اور خذلان پر ہے۔ حدیث کل میسر لما خلق له بھی اس کی مؤید ہے۔

سُورَةُ الضُّحَى

سُورَةُ وَالضُّحَى مَكِّيَّةٌ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً وَلَمَّا نَزَلَتْ كَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ فَسَنَّ التَّكْبِيرَ أَخْرَجَهَا وَرَوَى
الْأَمْرُ بِهِ خَاتِمَتَهَا وَخَاتِمَةَ كُلِّ سُورَةٍ بَعْدَهَا وَهُوَ اللَّهُ أَكْبَرُ أَوْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالضُّحَى ﴿۱﴾
أَوَّلَ النَّهَارِ أَوْ كُلَّهُ وَاللَّيْلَ إِذَا سَجَى ﴿۲﴾ غَطَّى لِظُلَامِهِ أَوْ سَكَنَ مَا وَدَّعَكَ يَامُحَمَّدُ
رَبُّكَ وَمَا قُلَى ﴿۳﴾ أَبْغَضَكَ نَزَلَ هَذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَأَخُّرِ الْوَحْيِ عَنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا إِنَّ رَبَّهُ
وَدَّعَاهُ وَقَلَاهُ وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَكَ لِمَا فِيهَا مِنَ الْكَرَامَاتِ مِنَ الْأُولَى ﴿۴﴾ الدُّنْيَا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ
رَبُّكَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَيْرَاتِ عَطَاءً جَزِيلًا فَتَرْضَى ﴿۵﴾ بِهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَا أَرْضَى
وَوَاحِدٌ مِنْ أُمَّتِي فِي النَّارِ إِلَى هِنَاتِمَ جَوَابُ الْقَسَمِ بِمُثْبِتِينَ بَعْدَ مُنْفِيَيْنِ أَلَمْ يَجِدْكَ إِسْتَفْهَامُ تَقْرِيرِ أَى
وَجَدَكَ يَتِيمًا بِفَقْدِ أَبِيكَ قَبْلَ وَلَادَتِكَ أَوْ بَعْدَهَا فَسَاوَى ﴿۶﴾ بِنَاؤُكَ ضَمَكَ إِلَى عَمِكَ أَبِي طَالِبٍ
وَوَجَدَكَ ضَالًّا عَمَّا أَنْتَ عَلَيْهِ الْآنَ مِنَ الشَّرِيعَةِ فَهَدَى ﴿۷﴾ أَى هَذَاكَ إِلَيْهَا وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَقِيرًا
فَأَغْنَى ﴿۸﴾ أَغْنَاكَ بِمَا قَنَعَكَ بِهِ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَغَيْرِهَا وَفَى الْحَدِيثِ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ
الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ بِأَخْذِ مَالِهِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ تَزَجْرُهُ
لِفَقْرِهِ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنَّبُوءَةِ وَغَيْرِهَا فَحَدَّثَ ﴿۱۱﴾ أَخْبَرُوا حَذِيفَ ضَمِيرُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ الْأَفْعَالِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ

ترجمہ:..... سورۃ الضحیٰ مکہ ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں یہ سورت جب نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
تکبیر پڑھی۔ اس لئے اس سورت کے ختم پر تکبیر پڑھنا مسنون ہے۔ اور اس سورت کے اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کے خاتمہ پر
تکبیر کے پڑھنے کا حکم منقول ہے۔ اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسم ہے روز روشن کی (اول حصہ یا پورا دن مراد ہے) اور رات کی جب کہ وہ طاری ہو جائے (چھپا جائے اندھیرے کے ساتھ یا قرار پکڑ لے) کہ (اے محمد!) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (خفا) ہوا (پندرہ روز تک وحی موقوف رہنے پر جب کفار کہنے لگے کہ محمدؐ کے رب نے اس کو چھوڑ دیا، اس سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور یقیناً آخرت آپ کے لئے بدرجہا بہتر ہے (کرامتوں کے لحاظ سے) بہ نسبت دنیا کے اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا (یعنی آخرت میں تمہیں بڑی بھلائی نصیب ہوگی) کہ تم خوش ہو جاؤ گے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا میں اس وقت خوش نہیں رہوں گا جب تک میرا ایک بھی امتی دوزخ میں رہ جائے گا۔ دو منفیوں کے بعد دو مثبت چیزوں کو بیان کرنے کے بعد یہاں آکر جواب قسم پورا ہوا) کیا اس نے نہیں پایا (استفہام تقریری ہے یعنی پایا ہے) آپ کو یتیم (آپ کی ولادت سے پہلے یا بعد میں آپ کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے) پھر ٹھکانا فراہم کیا (آپ کو آپ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا کر) اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا (اس شریعت سے جس پر اب آپ ہیں) پھر ہدایت بخشی (آپ کو اس کی رہنمائی کی) اور اللہ نے آپ کو نادار (غریب) پایا اور پھر آپ کو بے نیاز بنایا (غنیمت وغیرہ کے ذریعہ آپ کو قناعت دے کر بے پرواہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ مالدار کی سامان کی زیادتی کا نام نہیں۔ اصل مالدار کی نفس کا غنا ہے) لہذا یتیم پر سختی نہ کیجئے (مال وغیرہ لے کر) اور سائل کو (اس کی غریبی کی وجہ سے) نہ جھڑکنے اور اپنے رب کی نعمتوں کا (نبوت وغیرہ کے سلسلہ میں اظہار کرتے رہا کیجئے) بیان کرتے رہنے اور بعض افعال سے فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے وہ ضمیریں حذف کر دی گئی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں)۔

تحقیق و ترکیب:..... کبر تکبیر کے یہ الفاظ ہیں لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد شکر نعمت کے طور پر آپ نے تکبیر پڑھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ ان ترکات التکبیر فقد ترکت سنة من سنن نبیک اس میں اختلاف ہے کہ والصلحی کے شروع میں تکبیر کی جائے یا آخر میں۔ اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ سورۃ والناس کے شروع میں اس کو ختم کیا جائے یا اس کے ختم پر کیا جائے۔ اسی طرح اس میں بھی دو رائیں ہیں کہ حضورؐ کے قول سے یہ سنت لی گئی ہے یا عمل سے۔

والصلحی دن چڑھے کا وقت اور اس وقت کی تخصیص یا اس لئے ہے کہ اس وقت دن میں مضبوطی آ جاتی ہے۔ اور یا اس لئے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہمکلامی سے مشرف ہوئے اور جادوگران کے مقابلہ میں ہار کر سجدہ میں گر گئے تھے۔ لیکن پورا دن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس سورت میں پہلے دن کو اور اس سے پہلی سورت میں پہلے رات کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں فی الجملہ دن کو فضیلت ہے اور اس میں فی الجملہ رات کو اس لئے دونوں سورتوں میں دونوں سورتوں کی رعایت کر لی گئی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ پہلی سورت میں حضرت ابوبکرؓ سے متعلق آیات ہیں۔ اور ایمان لانے سے پہلے ان کی حالت کفر تھی۔ اس لئے رات کا ذکر پہلے کیا اور اس سورت میں حضور پر نورؐ کا ذکر خیر ہے اور آپ کی ساری زندگی نور ایمان سے معمور ہے۔ اس لئے دن کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اور اگر صبحی سے مراد معین وقت لیا جائے تو اس سورت میں دن کے ایک حصہ کے اور پچھلی سورت میں پوری رات کا ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہوگا کہ ساری رات مل کر دن کے ایک حصہ کے برابر ہے۔ جیسا کہ تنہا حضورؐ سارے عالم کے برابر ہیں۔ نیز چاشت کا وقت سرور و نشاط کا ہوتا ہے اور رات کا وقت وحشت کا۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کا سرور اس کے شرور سے کم ہوتا ہے۔

اذ اسبحی .. سحی البحر سجوا کے معنی سمندر کی موجیں ہٹ جانے کے ہیں۔ لیل سانج کے معنی بھی سکون پذیر ہونے کے ہیں۔ یہاں رات کا سناٹا مراد ہے۔ نئی کی اسناد لیل کی طرف مجازی ہیں۔ وما قلنی مفسر نے ابغضک سے حذف مفعول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ فواصل کی رعایت منظور تھی۔

یعطیٰک اس میں غموم مراد لینا بہتر ہے۔ دنیاوی اور اخروی نعمتیں مراویں۔ جس میں کمال نفس اور کمال دین بھی داخل ہیں اور سوف میں لام ابتداء تاکید کے لئے ہے۔ مبتداء محذوف ہے۔ ای لانت سوف یعطیٰک لام قسم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نون تاکید کے بغیر اور جملہ خبریہ کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ حرف تاکید اور حرف تاخیر دونوں کیوں جمع کئے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ تاثر دینا ہے کہ وعدہ الہی ضرور پورا ہوگا۔ گو اس میں کسی مصلحت سے تاخیر ناگزیر ہو جائے۔

الم یجدک وجود بمعنی علم ہے۔ یتیم مفعول ثانی ہے۔ لیکن اگر جو بمعنی مصادفت ہو تو یتیم مفعول سے حال ہو جائے گا۔ آنحضرتؐ کے والد ماجد کی وفات بقول ابن سعد آپؐ کی ولادت سے پہلے ہو گئی تھی۔ ابن اسحاق، ذہبی، ابن کثیرؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ولادت کے دو تین یا نو ماہ بعد یا دو تین سال کے بعد ہوئی ہے۔

ضالاً بعض نے کہا ہے کہ بچپن میں آپؐ مکہ میں کہیں گم ہو گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شام کے سفر میں اندھیری رات کے وقت آپؐ راستہ سے بچل گئے تھے۔ پھر جبریلؑ نے رہنمائی کی۔ ضالاً کے معنی عربی میں کئی آتے ہیں۔ مگر اسی کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ حیران ہونے کے معنی بھی ہیں اور کھو جانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ ضل الماء فی اللبن دودھ میں پانی گم ہو گیا۔ ضالۃ اکیلہ درخت کو بھی کہتے ہیں ضلال کا لفظ ضائع ہونے کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور غفلت کے معنی میں بھی آتا ہے لا یضل ربی ولا یضنی۔ فاما الیتیم فلا تقهر یتیم منصوب ہے لا تقهر کی وجہ سے۔ فاسیہ اس میں مانع نہیں ہے۔ چنانچہ رضیؒ کہتے ہیں کہ مفعول یہ فعل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے اما کے جواب میں فا آئے۔ کیونکہ اما شرطیہ کے بعد قائم مقام شرط محذوف ہوتا ہے۔ آپؐ کی تین حالتیں بیان کر کے اب تین احکام ان حالات پر مرتب کئے جا رہے ہیں۔ عرب میں یتیموں کے مال پر قبضہ کر کے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے آپؐ کو ہدایت دی جا رہی ہے۔ کہ آپؐ چونکہ یتیمی کا تکلیف دہ دور دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے آپؐ یتیموں کے بجا و ناوٹی بنئے۔ ایک قرأت فلا تلہر بھی ہے یعنی ترش روئی نہ کیجئے۔

فلا تلہر ابراہیم بن ادھمؒ کا ارشاد ہے نعم القول سوال یحلون زادنا الی الآخرۃ اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ السائل طالب العلم۔

فحدث تحدیث نعمت اس شخص کے لئے مناسب ہے جو ذائل سے محفوظ ہو ورنہ ذلیلہ میں نفس مبتلا ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو ستر بہتر ہے احادیث رسولؐ کو بھی اس تحدیث نعمت پر محمول کیا جائے گا۔ گویا آپؐ کی زندگی کی مثل و حرکت اللہ کی نعمتوں کا اظہار ہے۔ تاکہ امت سیرت پاک کی پیروی کر سکیں۔

ربط آیات..... سورۃ السیل کی آیت فاما من اعطی الی العسریٰ تک مہمات اصول و فروع کا کلی عنوان کے ساتھ بیان ہوا تھا اور ان کی تصدیق یا تکذیب پر وعدہ و وعید مذکور تھیں۔ اس طرح وہ آیت گویا پچھلے تمام مضامین قرآن کا جہاں ایک جامع خلاصہ ہے وہیں سورۃ الضحیٰ سے سورۃ الناس تک کے مضامین کی ایک مختصر تفصیل بھی ہے۔ چنانچہ انہی مہمات میں ایک رسالت کا مسئلہ بھی ہے۔ جس کا بیان اس سورۃ الضحیٰ میں ہے۔ اس میں حضورؐ پر بعض انعامات کا اور ان کے مناسب بعض احکام کا ذکر ہے۔ اسی طرح بعد کی تمام سورتوں میں بعض ان مہمات کی خاص جزئیات کا بیان آ رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت اگلی اور پچھلی سورتوں کے درمیان ایک برزخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے آئندہ سورتوں کا یہ ایک مجموعی مختصر ارتباط بھی ہو گیا۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اس کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ جب وقفہ وقفہ کے ساتھ رک رک کر وحی آتی تھی۔ وقفہ جب زیادہ ہوا اور شوق و بے قراری بڑھی تو آپؐ کو یہ خطرہ گزرا کہ کہیں مجھ سے کوئی قصور تو نہیں ہو گیا۔ کہ حق تعالیٰ نے ناراض ہو کر مجھے چھوڑ دیا۔ ”محبت

سنت و ہزار بدگمانی، اس پر تسلی آمیز کلمات نازل ہوئے اور آپ کو مطمئن کیا گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ وحی کی شدت اور نظام بدن کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے تدریج ملحوظ رکھی گئی ہے۔ لیکن بعد میں جب طبع گرامی عادی ہوگئی اور باروحی کو برداشت کرنے کا تحمل ہو گیا۔ تو پھر موسلا دھار بارش کی طرح وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

روایات:..... قال عکرمۃ بن ابی سلیمان قال قرأت علی اسماعیل بن عبد اللہ المکی فلما بلغت والضحی قال لینی کبر حتی تحتّم فانی قرأت علی عبد اللہ بن کثیر فامرنی بذلك واجبر مجاهد انه قرأ علی ابن عباس فامرہ بذلك واجبر عن ابن عباس انه اخبر عن ابی ابن کعب فامر بذلك۔

ما و دعلث ربلٹ بارہ یا پندرہ یا چالیس روز تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا۔ تو کفار کہنے لگے۔ ان رہہ ودعہ وقلاہ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی فسر ضعی ابن عباسؓ سے دو روایات منقول ہیں (۱) من رضی محمد ان لا یدخل من اہل بیت النار (۲) لا یرضی محمد و واحد من امتی فی النار لیکن مواہب میں ہے کہ اس سے جاہل شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر مغرور نہ ہو جائیں۔

﴿تشریح﴾:..... ضحی کے معنی روشن کے ہیں۔ چاشت کے وقت اور رات کے مقابل ہونے کی وجہ سے دن کے معنی ہیں سبھی کے معنی تاریکی اور سکوت و سکون کے ہیں۔ رات میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ ما و دعلث وحی کا سلسلہ کچھ روز منقطع رہا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انقباضی کیفیت طاری رہی۔ سورہ اقرآن نازل ہونے کے بعد فترۃ وحی کا زمانہ متد ہو گیا۔ جس میں حکمت الہی یہ مضمر ہوگی کہ ثقل وحی کا تحمل آپ کر سکیں۔ اور طبعی جذبہ اور شوق کے لئے بھی مہمیز کا کام دے سکے۔ اس لئے آپ سخت مضطرب اور بے چین اور مغموم رہے۔ تا آنکہ یا ایہا المدثر آیات نازل ہوئیں۔ لیکن مخالفین نے اس کو دوسرا رنگ دے دیا۔ ممکن ہے اسی دوران وہ واقعہ بھی ہوا ہو جو صحیح روایات میں ہے کہ آپ بیماری کی وجہ سے دو تین رات اٹھ نہ سکے۔ تو ایک ناخوار عورت ام جمیل ابواہب کی بیوی اور آپ کی چچی بولی کہ اے محمد! العیاذ باللہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپ سے کسی نے کوئی بات دریافت کی۔ تو آپ نے وعدہ فرمایا کہ کل وحی کے بعد اس کا جواب دوں گا۔ مگر وعدہ کرتے وقت آپ نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ جس پر وحی وعدہ کے مطابق نہ آئی۔ آپ وعدہ خلافی کے خیال سے منتظر اور بے چین رہے اس پر سورہ کہف کی آیت ولا تقولن لشأئی انی فاعل ذلک عدا الا ان یشاء اللہ نازل ہوئی۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپ کی بے خبری میں آپ کی سرین کے نیچے کتے کا پلہ پڑا رہا۔ جس سے جبریل کی آمد میں دیر ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کے آگاہ کرنے پر آپ نے اس کو نکلوا کر جگہ کو دھلوا یا۔ پھر وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت:..... غرض کہ اس جملہ میں غلط فہمیوں اور افواہوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر آپ کو تسلی دینی گئی ہے۔ کہ آپ ان مخالفانہ چہ میگوئیوں سے متاثر نہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان و کفر کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد جو اس جانسل کشمکش کے منجھدار میں آپ کے لئے واحد سہارا تھا۔ بظاہر اس محبوب کی بے التفاتی ظاہر ہے کہ کس درجہ جاگنداز ہو سکتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ جس طرح دن و رات کی دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مصلحت کے تحت آتی جاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح آپ پر وحی کی آمد اور انقطاع بھی بڑی مصالحہ پر مشتمل ہیں اس کا تعلق اس سے ہرگز نہیں کہ وحی کا آنا تو خوشی کی علامت ہے اور نہ آنا ناراضگی کی وجہ سے ہوا ہے۔ بلکہ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح مسلسل دن کی روشنی اگر رہے تو

انسان کو تھکا دے۔ اس لئے دن کے بعد رات کا آنا ناگزیر ہوا کہ انسان سکون و راحت حاصل کر کے تازہ دم ہو جائے۔ اسی طرح وحی جیسی ثقیل چیز کا اگر تسلسل رہے تو اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں۔ اس سے فترت وحی بمنزلہ سکون شب ہے۔ پس جس طرح دن کا آنا اللہ کی رضامندی اور رات کی آمد اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں ہے۔ نہ اس کا ثبوت ہے کہ رات کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ اسی طرح چندے وحی کے موقوف ہونے سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ آج کل خدا پیغمبر سے ناراض ہے اور ہمیشہ کے لئے اب وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ نے جس کو نبی بنایا ہے اس کو پتہ نہیں تھا کہ وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ یہ تو درپردہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوا۔

حالات کے مد و جزر کی مصالح..... وللأخوة خیر لک من الاولی یعنی فترت وحی میں اللہ کا ناراض ہونا تو کیا معنی؟ بلکہ آپ کی بعد کی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ یعنی یہ وقفہ تنزل و انحطاط کا باعث نہیں بلکہ آپ کے لئے عروج و ارتقاء کا عظیم ذریعہ ہے۔ چنانچہ قبض میں انحطاط نہیں بلکہ عروج ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گواہتاء میں آپ کی بے سرو سامانی رہی ہے۔ ساری قوم مخالف اور حالات نا سازگار۔ بظاہر کامیابی کے آثار دور دور نہیں معلوم ہوتے۔ مکہ میں اسلام کی شمع ٹنٹھارہی ہے اور اس کو بجھا دینے کے لئے ہر طرف ہواؤں کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں کہ آپ کا مستقبل نہایت روشن و تابناک ہے۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔ اسلام کا نور پھیلتا چلا جائے گا اور آپ کا نام بلند ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ ابن عباس کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش ہوئیں۔ جو میرے بعد میں میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بھی بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفعت دنیا ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کا سلسلہ آخرت تک چلتا رہے گا۔ جب کہ ساری اولاد آدم آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔

حضور پر انعامات الہی کی بارش..... ولسوف یعطیک یعنی خفا ہو کر آپ کو چھوڑ دینا تو کیا معنی؟ ابھی تو آپ کا پروردگار آپ کو دنیا و آخرت کی اس قدر نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ گو کچھ مصالح کی وجہ سے چندے اس میں دیر لگے۔ وہ وقت دور نہیں کہ آپ عطاء ہی سے سرور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضور کی زندگی ہی میں سارا ملک عرب آپ کے زیر نگین ہو گیا۔ تاریخ میں پہلی بار یہ سرزمین ایک باضابطہ اور قانون کے تابع ہو گئی۔ اور جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو گئی۔ تو لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھکے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ جاہلیت و وحشیت میں ایک ڈوبی ہوئی بڑی قوم صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اتنی بدل گئی ہو کہ نہ صرف خود اس رنگ میں رنگی گئی بلکہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصہ کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کے اثرات پھیلتے چلے گئے اور آپ کا نام دنیا میں روشن ہو گیا۔ یہ کچھ تو دنیا میں اللہ نے آپ کو مرحمت فرمایا اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ حضور کا ارشاد ہے کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا۔

یتیموں پر تو مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر..... الم یجدک یتیمًا یعنی ہم تو اس وقت سے مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کو چھوڑ دینے یا آپ سے ناراض ہونے کا سوال ہی کیا؟ حضور کی ولادت سے پہلے آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ اس لئے آپ دنیا میں یتیم بن کر تشریف لائے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی رحلت کر گئیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے۔ آٹھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ وہ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انہیں آپ سے خاص لگاؤ اور تعلق خاطر تھا حتیٰ کہ فخر یہ لوگوں سے

کہا کرتے تھے۔ کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں نام پیدا کرے گا۔ اس کے بعد قرعہ فال آپ کے شفیق چاچا ابوطالب کے حق میں نکلا۔ انہوں نے اس درتیم کی جسمانی تربیت و پرورش کا بار اٹھایا اور انہوں نے ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ زندگی بھر آپ کی حمایت و نصرت میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا۔ حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی تو دس سال تک برابر آپ کی حفاظت و حمایت میں سینہ سپر رہے مگر ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ آخر یہ امانت الہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی اور اس طرح آپ کی بدولت ”اوس خزرج“ کا ستارہ چمک اٹھا۔ انہوں نے اس امانت کی حفاظت اس طرح دل و جان سے کی کہ چشم فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ غرض بقول حافظ ابن کثیر ”قد رت نے آپ کے ٹھکانہ دینے کی یہ سب صورتیں پیدا کر دیں اور غیبی ہاتھ نے آپ کو بے سہارا نہیں ہونے دیا۔

نازک مقام: ووجدك ضالا. ضالا یہ معنی تو یہاں نہیں ہو سکتے کہ گمراہ تھے۔ کیونکہ بچپن سے لے کر قبل نبوت تک آپ کے جو حالات دنیا کے سامنے ہیں۔ ان میں کہیں بھی دہریت، شرک، بت پرستی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ یا قوم کی جاہلانہ رسوم میں آپ شریک ہوئے ہوں۔ بلکہ نبوت سے پہلے آپ اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے آپ قائل تھے۔ اور آپ کی زندگی گناہوں سے پاک اور آپ فضائل اخلاق سے آراستہ تھے۔ البتہ جب آپ نے عقل و ہوش کی آنکھ کھولی اور قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و رواج دیکھے تو سخت بے زار ہوئے اور قلب مبارک میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور شور کے ساتھ موجزن تھا اور سینہ بے کینہ میں عشق الہی کی آگ بھڑک رہی تھی اور خدمت خلق اور وصولی الی اللہ کا چشمہ اندر ہی اندر ابل رہا تھا۔ لیکن کوئی کھلی ہوئی راہ اور صاف واضح راستہ اور مفصل دستور العمل سامنے نہ تھا۔ جس سے تسکین خاطر اور اطمینان قلب ہوتا۔ بس ایک مجمل جذبہ اور مبہم ولولہ اصلاح کا تھا۔ جس میں آپ سرگرداں اور بے قرار تھے۔ تفصیلی احکام اور اصول کا علم نہ تھا کہ پروگرام کو آگے بڑھاتے۔ ایک معاشرے میں گم سے ہو کر رہ گئے تھے۔ حیران تھے کہ کیا کریں۔ ایک ہونے والے رہبر کی حیثیت سے آپ کی شخصیت نمایاں نہیں ہو رہی تھی۔ گویا جاہلیت کے صحرا میں ایک اکیلے درخت کی طرح کھڑے تھے جس میں پورا پھل لانے کی حیثیت بلکہ پورا باغ اگانے کی استعداد تھی۔ یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے آپ کو غیر معمولی قوتیں عطا کی تھیں۔ وہ جاہلیت کے ماحول میں ضائع سی ہوئی نظر آرہی تھیں اور سخت وحشت محسوس کر رہے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ ابھی آپ ان تفصیلات اور علوم و حقائق سے بے خبر تھے۔ جس سے نبوت کے بعد اللہ نے آپ کو آگاہ فرمایا تھا۔ اسی بے قرار اور اضطراری کیفیت میں پہاڑوں اور غاروں میں جا کر آپ مستغرق ہو جاتے اور مالک حقیقی کو پکارتے اور محبوب حقیقی کو یاد کرتے۔ تا آنکہ مربی حقیقی نے دستگیری کی اور جبریل کی صورت میں بذریعہ وحی اصلاح خلق اور وصول الی اللہ کی تفصیلی راہیں کھلنی شروع ہو گئیں۔

ناداری کے بعد غنا: ووجدك عانلا اپنے والد کے ترکہ میں آپ کو صرف ایک اونٹنی اور ایک باندی ملی تھی۔ اس طرح نہایت عسرت سے آپ کی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر پھر وہ وقت بھی آیا کہ قریش کی سب سے مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے پہلے آپ کو اپنی وسیع تجارت میں شریک کیا اور پھر وہ خود آپ کے حوالہ نکاح میں آ گئیں۔ اس طرح آپ نے تجارتی کاروبار سنبھال لیا اور ظاہری غنا بھی آپ کو حاصل ہو گئی۔ اس تمول میں صرف بیوی کا سرمایہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ آپ کی محنت، قابلیت، دیانت و امانت کو بھی بڑا دخل تھا۔ اسی کے ساتھ آپ غنائ قلبی کا حال غنی العالمین ہی جان سکتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ بس جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی کیا وہ آپ کو یونہی خفا چھوڑ سکتا ہے؟

قییموں کا ٹھکانا:..... فاما الیتیم یعنی آپ چونکہ خود یتیمی کا داغ اٹھا چکے ہیں۔ اس لئے آپ کو یتیموں کے دکھ درد کو محسوس کرنا چاہیے اور یتیمی کی حالت میں بھی چونکہ آپ پر اللہ کا فضل رہا کہ تمہیں بھٹکانہ دیا۔ اس لئے تم بھی اس کے شکر یہ میں قییموں کا ٹھکانا دو۔ انہیں تنگ نہ کرو۔ بلکہ ان کی خبر گیری اور غم خواری کرو، اس طرح اگر کوئی حاجت مند سائل تمہارے پاس آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو اور اگر کسی وجہ سے معذوری ہو تو نرمی سے اس کو سمجھا دو۔ وہ اگر لچڑھو کر بھی لپٹے تو آپ کسی حالت میں بھی اسے جھڑکے نہیں۔ کیونکہ اپنی ابتدائی ناداری پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو صاف سمجھ میں آجائے گا۔ کہ نادار کا شیشہ دل کتنا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی جھڑکی سے چکنا چور ہوتا ہے۔ غرض آپ جیسے شکر گزار بندہ کا حوصلہ یہی ہونا چاہیے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہوں اور ضرورت مندوں کے سوال سے گھبرا کر نہ جھڑکے اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کیجئے۔ بلکہ فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ چنانچہ آپ کی سیرت طیبہ بتلاتی ہے کہ آپ قییموں کا بلجا اور غریبوں کا ماویٰ بنے۔ ارشاد ہے انا و کافل الیتیم کھاتین و اشار الی السبابة و الوسطی غریبوں کی اعانت و امداد کے جو واقعات سیرت پاک میں درج ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالفین کو آپ کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔ حسب تصریح روح المعانی۔ سائل اگر نرمی سے مان جائے تو جھڑکنے کی اجازت نہیں لیکن اگر کسی طرح نہ مانے اور اڑ لگا کر بھڑا ہو جائے تو مناسب انداز سے جھڑکنے کی اجازت۔ تاہم یہ کہاوت پیش نہ آنے پائے۔ مسائل اللہیم یرجع دوسرے مسائل۔

سوال کا جواب تشفی بخش ہونا چاہیے:..... اور اگر سائل سے مراد مسائل دریافت کرنے والا ہو تب بھی یہ حکم ہے کہ اس کو خوش اسلوبی سے جواب دیا جائے۔ ایسا شخص کیسا ہی جاہل، اجڈ، گنوار ہو اور بظاہر کتنے ہی نامعقول انداز میں سوال کرے یا بھونڈی ذہنیت کا مظاہرہ کرے۔ تب بھی حلم و بردباری کا دامن نہ چھوڑے۔ خوش اخلاقی اور شفقت سے اس کے سوال کا جواب دیجئے۔ پندار علم میں مبتلا لوگوں کی طرح جھڑک کر مغرور نہ جواب نہ دیجئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت حسن بصریؒ، سفیانؒ وغیرہ اکابر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ پہلے معنی کا ربط اگر عائلا کے ساتھ ہے تو اس معنی کا ارتباط ضالا فہدی سے بھی مناسب ہے۔

نعمتوں کی شکر گزاری:..... بسمعة ربك فحدث نعمت سے مراد عام ہے۔ خواہ ظاہری نعمتیں یا باطنی پہلی ہوں یا بعد کی اسی طرح ان کے اظہار کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ تاہم مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور دل سے بھی اعتراف کرے کہ میرے کسی ذاتی کمال کو اس میں دخل نہیں۔ جو کچھ ہے سب اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔ فخر و مباهات کی ادنیٰ جھلک بھی حرکت میں نہ آنے پائے۔ مثلاً نعمت ہدایت کا اظہار اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو سیدھا راستہ بتلایا جائے۔ اور نعمت قرآن کا اظہار اس طرح ہو کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات پھیلانی جائیں۔ نعمت نبوت کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ حق دعوت و تبلیغ پورے طور پر ادا کیا جائے اور رسول اللہ کی کتاب زندگی کے ساتھ کھلی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال کو جو حدیث کہا گیا ہے ممکن ہے وہ اسی لفظ فحدث کی تعمیل ہو، یعنی آپ اپنے حال، قال سے تحدیث نعمت کرتے جانیے وہی حدیث رسول ہوتی جائے گی۔

خلاصہ کلام:..... وحی کا سلسلہ کچھ دنوں تک رک جانے سے حضورؐ کو جو بے چینی اور اضطراب لاحق ہوا تھا۔ اس سورت میں اس کا ازالہ کرنا اور آپؐ کو تسلی و تشفی دینا مقصود ہے پہلے تو روز روشن اور شب و سحر کی قسم کھا کر یقین و اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔ ہے اور نہ وہ آپؐ سے ناراض ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد آپؐ کو بشارت سنائی گئی ہے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں تھوڑے دنوں کی مشکلات سے بچیں۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ فتوحات اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے۔ اس وقت ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر بے شمار نعمتوں اور عطاؤں کی اتنی بارش کرے گا کہ آپؐ خوش ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کی اعجاز بیانی ہے کہ اس کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حالانکہ اس کے نزول کے وقت کہیں دور دور بھی اس کے آثار نہیں نظر نہیں آتے تھے۔ کہ مکہ میں جو بے یار و مددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کو لٹکا رہا ہے۔ اسے اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرما رہا ہے کہ جب ہم تمہاری پیدائش سے لے کر اب تک مسلسل مہربانیاں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپؐ یتیم پیدا ہوئے تو ہم نے آپؐ کی پرورش اور دیکھ بھال کا مناسب انتظام کر دیا۔ آپؐ ناشناس راہ تھے۔ ہم نے شناسا بنا دیا۔ آپؐ نادار تھے، ہم نے آپؐ کو مالدار کر دیا۔ غرض ان ساری باتوں سے صاف واضح ہے کہ آپؐ شروع سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ ہماری رحمت ہمیشہ آپؐ کے شامل حال رہی ہے۔ پھر یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم نے آپؐ کو چھوڑ دیا ہے یا آپؐ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

فضائل سورت:..... من قرأ سورة الضحیٰ جعلہ اللہ فیمن یرضی الحمد ان یشفع لہ وعشر حسنات یرضیہا اللہ لہ بعدد کل یتیم و مسائل جو شخص سورۃ الضحیٰ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں داخل کرے گا کہ حضورؐ کی خوشنودی کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی اور تمام یتیموں اور ناداروں کی تعداد سے دس گونہ زیادہ ثواب دے گا۔

اطلا ف سلوک:..... وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ میں الف لام استغراقیہ ہے یعنی ہر پچھلی حالت پہلی سے بہتر ہے۔ پہلے وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ پھر موقوف ہوا، پھر جاری ہو گیا۔ اس طرح جاری ہونا اصطلاح صوفیاء کے مطابق ببط اور موقوف ہونا قبض کہلائے گا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ پچھلا قبض پہلے ببط سے بہتر ہے اور پھر بعد کا ببط پہلے قبض سے بہتر ہے۔ سادک کو یہی یقین کر کے مجاہدات میں مشغول رہنا چاہیے اور قبض سے مغموں اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث اہل اللہ جو اپنے کمالات کا اظہار بغیر فخر و ریا کریں جن سے صرف شکر نعمت مقصود ہوتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ

سُورَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ثَمَانِ اَيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتَفْهَامُ تَقْرِیرِ اَی شَرَحْنَا لَكَ يَا مُحَمَّدُ صَدْرَكَ (۱) بِالنَّبُوَّةِ وَغَیْرِهَا وَوَضَعْنَا حَظَطُنَا عَنْكَ وَزُرَكَ (۲) الَّذِیْ اَنْقَضَ اَثْقَلَ ظَهْرَكَ (۳) وَهَذَا كَقَوْلِهِ تَعَالٰی لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۴) بِاَنَّ تَذَكَّرَ مَعَ ذِكْرِیْ فِی الْاَذَانِ وَالْاَقَامَةِ وَالتَّشْهِدِ وَالْحُطْبَةِ وَغَیْرِهَا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (۵) سَهْوَةً اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (۶) وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاسَى مِنَ الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْیُسْرُ بِنَصْرِهِ عَلَیْهِمْ فَاِذَا فَرَّغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَاَنْصَبْ (۷) اِتَّعَبَ فِی الدُّعَاءِ وَالِی رَبِّكَ فَارْغَبْ (۸) تَضَرَّعْ

ع ۱۹

ترجمہ: آیا ہم نے (اے محمد!) آپ کی خاطر (نبوت وغیرہ کے لئے) آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (یعنی کھول نہیں دیا ہے استفہام تقریری ہے) اور آپ پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا (ہلکا کر دیا) جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر میں فرمایا گیا ہے) اور ہم نے آپ کا آوازہ بلند کر دیا (اس طرح کہ اذان، اقامت، تشہد، خطبہ وغیرہ میں آپ کا نام لیا جاتا ہے) پس حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مشکلات (شدت) کے ساتھ آسانی (سہولت) بھی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے اول مشکلات جھیلی پڑیں۔ پھر اللہ نے آپ کی مدد فرما کر آپ کے لئے سہولت پیدا فرمادی) لہذا جب آپ (نماز سے) فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیجئے (خوب دعا کیجئے) اور اپنے پیر و روگار کی طرف متوجہ ہو جائیئے (گڑ گڑائیئے)۔

تحقیق و ترکیب: اَلَمْ نَشْرَحْ استفہام تقریر کا مطلب یہ ہے کہ نفی پر ہمزہ انکاری واقع ہو رہا ہے اور نفی کی نفی اثبات ہے جس کو دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیئے کہ نفی یعنی اثبات کی تقریر ہو رہی ہے۔ جس کو مفسر شروحنا سے تعبیر کر رہے ہیں۔ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ مناجات حق اور خدمت خلق کے لئے قلب وسیع اور سینہ کشادہ کر دیا۔ جس سے وہ حضور و غیاب کی کیفیات کا تحمل ہو گیا۔ ناواقفیت اور بے خبری کی تنگدلی سے نکال کر علوم و حکمت سے سینہ کو لبریز کر دیا۔ اور گنجینہ اسرار بنا دیا۔ یا یہ کہ ابتداء میں وحی کے ثقل سے

آپ پر جو گرانی ہوتی تو اعصاب متاثر ہو جاتے تھے۔ اب اس کی کیفیت کی بجائے طبیعت میں نشاط اور سوخ پیدا کر دیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے شق صدر کے وہ واقعات مراد لئے ہیں جو چار مرتبہ جبریل امین کے ذریعہ آپ کے ساتھ پیش آچکے ہیں۔ پہلی مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے یہاں رہتے ہوئے تین چار سال کی عمر میں ہوا۔ پھر سن شعور میں داخل ہونے کے وقت تیسری مرتبہ واقعہ معراج سے پہلے اور چوتھی بار واقعہ ہجرت سے پہلے قلب مبارک سینہ بے کینہ سے نکال کر کوثر سے دھویا گیا۔ اور علم و ایمان کا خزانہ اس میں بھر دیا گیا۔ اور لک میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرح صدر کے منافع آپ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ منافع اور اغراض سے پاک ہیں۔ چونکہ الم نشرح بقول مفسر علامہ جملہ مشتبہ ہے۔ اسی لئے وضعنا کا اس پر عطف ہے۔

وزرا گرانی اور بوجھ۔

انقض ظہرک: انقاض کہتے ہیں پالان اور بوجھ رکھنے کے وقت جو چڑچڑاہٹ ہوتی ہے اس سے وہ گھٹن اور غم مراد ہے۔ جو ایک طرف قوم کی بد حالی اور دوسری طرف اپنے پاس تفصیلی پروگرام اور لائحہ عمل نہ ہونے اور تیسرے قوم کی طرف سے ایذا رسانی کی ملی جلی کیفیات کا بوجھ کم توڑے دے رہا تھا۔ اس آیت میں استعارہ کی زبان استعمال کی گئی ہے جس طرح آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر میں من ذنبک کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ بلکہ تقدیر عبارت اس طرح ہے ما تقدم من ذنبک لو کان یا ذنب سے مراد سہو و غفلت، بھول چوک ہو یا ذنب امت مراد ہو۔ یا ذنب کے معنی بشری تقاضہ ہے۔ خلاف اولی باتیں ہوں۔ یہاں بھی وزر میں یہی توجیہات ہوں گی۔ لیکن روح البیان میں وضعنا کے معنی رفعنا لئے ہیں یعنی وزر اور گناہ سے ہم نے آپ کو پاک رکھا ہے۔ پس اس سے عصمت ثابت ہوئی۔

ورفعنا لک ذکرک نبوت کا مرتبہ بلند مراد ہے۔ یا اطاعت رسول مراد ہے۔ یا اللہ اور فرشتوں اور مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ و سلام کا پیش ہونا یا حضور کو القاب و خطابات سے نوازا یا اذان و اقامت، خطبات، نمازوں میں اللہ کے نام کے ساتھ آپ کا نام لیا جانا مراد ہے۔ ابو سعید کی روایت ہے کہ جبریل نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے ذکر کا بلند ہونا کیا آپ کو معلوم ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ یا پچھلی آسانی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر مراد ہے یا ختم نبوت کا منصب جلیل۔ بہر حال ازل سے ابد تک اور فرش سے عرش تک اللہ نے آپ کا نام روشن فرمادیا۔ اور لک کے ایہام میں مبالغہ ہے۔

فان مع العسر يسرا: عسر سے وہ جاں گسل حالات مراد ہیں جو مخالفین کی طرف سے آپ کے خلاف پیدا کئے جارہے ہیں۔ جن کی گھٹن سے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ مگر اللہ نے اپنے فضل سے ان حالات کو آہستہ آہستہ آسانیوں میں تبدیل فرمادیا دوسرا جملہ تاکید ہے یا تاسیس پر محمول کیا جائے۔ گویا عسر ایک ہے مگر یسر دو ہیں۔ ارشاد نبوی ہے لن يغلب عسر يسرين کیونکہ العسر معارف ہونے کی وجہ سے تکرار کے باوجود ایک ہی ہوگا۔ اور یسر نکرہ ہونے کی بناء پر الگ الگ لیا جائے گا۔ لیکن تاکید پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اول تو مذکورہ بالا ضابطہ کلیہ نہیں۔ بلکہ اکثر یہ ہے۔ دوسرے مصحف ابن مسعود میں یہ جملہ ایک بار ہے۔ نیز یسرین سے مراد یسر دارین بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے حدیث اللصائم فرحان فرحة عند الافطار و فرحة عند لقاء الرب اور مع کے لانے میں تسلی میں مبالغہ ہے۔ گویا عسر و یسر میں بالکل اتصال رہتا ہے تاخیر نہیں ہوتی اور یسر کا نکرہ ہونا تعظیم کو ظاہر کرتا ہے۔

فاذا فرغت اگر غزوہ اور جہاد سے فراغت مراد ہے تب تو فائز و فائز میں نماز کا حکم ہے اور نماز سے فراغت مراد ہے تو پھر دعا میں مشغول ہونے کا حکم ہے۔ لیکن بقول حسن بہتر یہ ہے کہ تبلیغی کاموں سے فراغت کے بعد عبادات کا حکم ہے جس سے تبلیغ کی اہمیت واضح ہے کہ اس کا نفع متعدی ہے اور عبادات کا نفع ذاتی اور لازمی ہے۔ مفسر کی تائید ابن عباس، قتادہ، ضحاک، مقاتل کی روایات سے ہو رہی ہے۔ اب وہ دعا نماز کا سلام پھیرنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ والی ربک یعنی توجہ الی اللہ بکمال رکھے۔ غیر کی طرف دھیان نہ کیجئے۔ ایک قرأت فرغ ہے۔ یعنی لوگوں کو ترغیب دیجئے۔

رابط آیات:..... روی ان جبریل علیہ السلام اتاہ وهو عند مرضعته حلیمہ وهو ابن ثلاث سنین او اربع فشق صدره واخرج قلبه وغسله ونقاہ وملاہ علما وایمانا ثم رد فی صدره۔ ورفعنا لک ذکرک عن ابی سعید انه قال صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال ان ربک یقول اتدری کیف رفعت ذکرک قلب اللہ اعلم قال اذا ذكرت ذكرت معی۔ ﴿تشریح﴾..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو ہر طرف سے مشکلات میں گھر گئے اور ایک سخت قسم کی گھن محسوس کرنے لگے۔ اس لئے ان آیات میں آپ کو تسلی بخشی دی گئی کہ جب ہماری عنایات آپ پر گونا گوں ہیں پھر آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔

شرح صدر کا مطلب کیا ہے؟..... شرح صدر کا وہی مفہوم ہوگا۔ جو آپ آیت فممن یرد اللہ ان یریدہ یشرح صدرہ للاسلام اور آیت افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ اپنی تنگ دلی کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔ رب انی اخاف ان یکذبون ویضیق صدری اور درخواست کی تھی زب اشرح لی صدری ویسری امیری سینہ یاد دل کی تنگی یہ ہے کہ نبوت کا بار عظیم جب کندھوں پر ہوا تو تنہا کفر و طغیان کی جابرانہ طاقتوں کی طرف سے قدم قدم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جائیں تو کام کرنے والے کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ ادھر شریعت کا تفصیلی نظام سامنے نہیں ہوتا۔ تو جب گھٹن پیش آتی ہے۔ اس صورت میں شرح صدر یہ ہوگا کہ ہر قسم کے ذہنی خلجان سے نجات مل جائے اور یہ اطمینان ہو جائے کہ یہ راستہ برحق ہے۔ عقائد و اعمال و اخلاق سب درست اور صحیح ہیں۔ اور یہ کہ حالات کی ناسازگاری وقتی ہے۔ محنت کرنے سے ماحول بدل جائے تو اس سے حوصلہ بلند ہو جاتا ہے اور انسان ہر بڑی سے بڑی مشکل مہم سر کرنے کے لئے اور سخت سے سخت کام انجام دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کچھ حالت تھی اس کو دیکھ دیکھ کر آپ کڑھتے تھے۔ لیکن خود آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی اصلاح کا صحیح راستہ کیا ہے؟ اس لئے سخت خلجان سے دوچار تھے۔ اللہ نے نبوت عطا کر کے یہ خلجان دور کر دیا اور علوم و معارف کے سمندر آپ کے قلب مبارک میں اتار دیئے اور فرائض رسالت اور لوازم نبوت برداشت کرنے کا آپ کو بڑا حوصلہ عنایت فرمادیا اور اس وسعت قلبی سے نواز دیئے گئے جو اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے درکار تھی اس جہان علم سے ناواقف ہو گئے جو آپ کے سوا کسی اور انسان کا ذہن اس کی وسعت نہ رکھتا تھا۔ اور اس حکمت ربانی کے حامل بن گئے جو بڑے بڑے بگڑے ہوئے ماحول کو درست کرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔ اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ نے شرح صدر کی یہ بیش بہا دولت عطا فرمادی تو آپ ان مشکلات پر دلگیر اور قلب گرفتہ کیوں ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین نے شرح صدر کے معنی لئے ہیں۔ لیکن اول تو عربیت کے لحاظ سے بقول علامہ آلوسی شرح صدر کو شق صدر کے معنی میں لینا محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دوسرے اس معجزہ کا تعلق روایات و تعبیر سے ہے۔ لیکن بظاہر وہ آیت کا دل معلوم نہیں ہوتا۔

بوجھ اتارنے کا کیا مطلب ہے؟..... ووضعننا عنک وزرک وزر کے جہاں گناہ کے معنی آتے ہیں۔ وہیں اصل معنی بھاری بوجھ کے بھی آتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور عفت مآب زندگی جس پر دشمن بھی کبھی انگشت نمائی نہیں کر سکے۔ اس کے پیش نظر اس کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ عیاذ باللہ آپ گناہوں کی وجہ سے پریشان تھے۔ بلکہ وہی بھاری بوجھ مراد ہے۔ جو قوم کی بد حالی کی وجہ سے آپ کے لئے سوبان روح بنا ہوا تھا۔ اور کام کی اہمیت کے پیش نظر آپ کی کمر بوجھ محسوس کر رہی تھی۔ منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے خاطر اشرف پر گرانی ہو رہی تھی۔ یا بعض جائز کاموں کی نسبت آپ اپنے اجتہاد سے ایک رخ اختیار فرما لیتے تھے۔ مگر جب بعد میں اس کا خلاف مصلحت و حکمت ہونا آپ پر واضح ہوتا تھا۔ تو پہلی رائے پر آپ کو تنکد پیش آتا اور آپ مغموم ہو جاتے اور انتہائی عالی مرتبہ اور صاحب عزیمت ہونے کی وجہ سے اس پر رنجیدہ ہو جاتے کہ مجھ سے یہ خلاف اولی بات کیوں سرزد ہوئی۔ جس طرح کوئی گناہ کر کے پچھتا تا ہے اسی طرح آپ خلاف اولی کر کے پچھتاتے حسنات الابرار سیات المقربین

یا بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنی عالی حوصلگی اور اولوالعزمی کی وجہ سے جن کمالات اور مقامات پر پہنچنے کی آپ میں امنگ ہوتی تھی۔ مگر جسمانی عواقل اور نفس کی تشویشات بعض دفعہ اس میں حائل ہو جاتیں تو اس سے آپ دل مسوس کر رہ جاتے اور لول اور رنجیدہ رہتے۔ مگر جب اللہ نے سینہ کھول دیا، قلب کشادہ کر دیا۔ تو پھر طبیعت میں انشراح حاصل ہو گیا۔ اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اور اگر وضعنا کے معنی رفعت لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ہر قسم کی کوتاہی قصور گناہ سے آپ کو بچا لیا۔ جس سے آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔

ذکر خدا اور ذکر رسول: ورفعنا لک ذکرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عالمی شہرت کا یہ اعزاز بخشا گیا اللہ نے بہت سے عوائل کے ذریعہ یہ کام لیا۔ سب سے پہلے اللہ نے آپ کے دشمنوں سے یہ خدمت لی، عام مجامع، میلوں، ٹھیلوں اور حج کے موقعوں پر جہاں ہر طرف سے لوگ جمع ہوئے مخالفین آپ کے خلاف پروپیگنڈے کرتے اور طرح طرح کی خبریں پھیلاتے۔ جادوگر، کاہن، شاعر کہہ کر بدنام کرتے۔ مگر انسان حریص فیما منع مشہور مقالہ کی صداقت مسلمہ ہے۔ چنانچہ اس سے لوگوں میں آپ کو دیکھنے اور سننے کا شوق پیدا ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشہ گوشہ میں آپ کا نام پہنچ گیا اور گوشہ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپ کو عرب کے تمام قبائل سے متعارف کرا دیا۔

خدا شہرے برانگیز دکہ خیر مادر آید: کفار مکہ جتنا زور لگاتے رہے لوگوں میں یہ جستجو بھی اتنی ہی بڑھتی گئی کہ وہ شخص کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اس کے جادو کا کیا اور کن لوگوں پر اثر پڑا؟ اس جستجو کے نتیجہ میں لوگوں کو جب آپ کے اخلاق، اعمال دیکھنے اور کلام سننے کا موقع ملا تو انہیں پتہ چلا کہ آپ کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور ان کا لوگوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟ اور آپ کے پیروکاروں کی زندگیوں اور دوسروں سے کتنی مختلف ہو گئیں۔ اس طرح یہ پھیلائی ہوئی بدنامی نیک نامی میں تبدیل ہو گئی اور عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا جس میں کوئی نہ کوئی اسلام کا قبول کرنے والا نہ رہا ہو۔ یہ تو شہرت کا ایک رنج ہوا جو کی زندگی سے وابستہ تھا۔ دوسرا رخ ہجرت کے بعد شروع ہوا۔ جہاں پرانے مشرک دشمنوں میں یہودی منافقین کا اضافہ ہو گیا۔ ان دونوں نے مل کر آپ کا نام اچھالنے میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی۔

حضور کی شہرت و مقبولیت: دوسری طرف آنحضرتؐ اور آپ کے جاں نثاروں کی پاکیزہ نفسی، خدا ترسی، حسن اخلاقی، عدل و انصاف، انسانی مساوات وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی۔ جس سے لوگوں کے دل مسخر ہوتے چلے گئے تھے۔ ہر چند کہ مخالفین نے جنگیں برپا کر کے اس فضا کو ملکر کرنا چاہا اور حضورؐ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانا چاہا۔ مگر آپ کے بے مثال تحمل اور بے نظیر سوجھ بوجھ نے اپنی برتری ثابت کر دکھائی۔ اور آپ کی بنائی ہوئی مقدس جماعت کے نظم و ضبط، شجاعت و ایثار نے لوگوں کے دلوں پر سکھ بھجایا اور وہی ملک جس نے آپ کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا تھا۔ صرف ایک دہائی میں اس کا گوشہ گوشہ اشہد ان محمد رسول اللہ کی صدا سے گونج اٹھا اور زمین سے اٹھ کر فضاؤں میں آپ کے نام کی مہک پھیلی۔

حضور کی غیر معمولی شہرت: اس کے بعد پھر تیسرا مرحلہ وہ آیا جب سارے عالم میں آپ کے نام کا غلغلہ ہوا۔ ان میں پانچ بار اذانوں، اقامتوں، نمازوں اور خطبوں کے ذریعہ نام مبارک بلند ہوا اور انشاء اللہ قیامت تک بلند ہوتا ہی رہے گا۔ چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہوگا جب کہ روئے زمین پر کہیں نہ کہیں حضورؐ کا نام مبارک زبانوں پر نہ آتا ہو۔ اس سے قرآن کی صداقت اور اعجاز نمایاں ہے۔ کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت کوئی اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کا مبارک نام اتنی بلند یوں کو چھو لے گا۔ مگر تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس کا حرف بحرف پورا ہوا۔

مشکلیں اتنی پڑیں کہ آسان ہو گئیں: فان مع العسر یسرا فرمایا کہ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر جتنی تکلیفیں آپ نے گوارا کیں، صعوبتیں برداشت کیں، سختیاں جھیلیں، یقیناً وہ بڑا عالی شان کارنامہ ہے۔ مگر یہ دور زیادہ نہیں چلے گا۔ اچھے

حالات ابھی آنے والے ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔ تسلی رکھیں جس طرح ہم نے روحانی کلفت دور کر کے راحت روحانی عطا کی ہے۔ اسی طرح مادی مشکلات میں بھی غمگین نہ رہیں اور کامرانیوں آپ کے قدم چومنے والی ہیں اور بار بار چوں کہ انسان مشکلات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ہم بھی مکرر تاکید سے کہتے ہیں کہ سختی محض وقتی ہوگی۔ آسانی اس سے ہمکنار ضرور ہو کر رہے گی۔ بلکہ ایک سختی بہت سی آسانیوں کو جنم دیتی ہے۔ عادت اللہ یہی ہے کہ مصیبت میں صبر کرنے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ کرنے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ سے لو لگانے سے آسانیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور صبر سخت و لے بر شیریں دارد۔ حدیث میں ہے لو کان العسر فی حجر لطلبہ حتی یدخل علیہ آنہ لن یغب عسر یسرین۔

فاذا فرغت ہر چند کے دعوت و تبلیغ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ لیکن فی الجملہ مخلوق کی طرف دھیان کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مطلوب یہ ہے کہ نصیحت و فہمائش کے فریضہ سے آپ فارغ ہوا کریں تو براہ راست بھی اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اسی میں ٹھو جائے۔ اور عام مشغولیت بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ منشاء یہ ہے کہ مشاغل سے جب بھی آپ کو فرصت ملے تو آپ ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف لو لگالیا کیجئے۔ یوں تو سارے قرآن میں سیرت پاک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن ان دونوں سورتوں میں اجمالاً زندگی کے سب اہم موڑ آ گئے ہیں۔

خلاصہ کلام..... سورۃ الفتحی اور الم نشرح دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی وقت میں نازل ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ الم نشرح والضحیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی لئے اس میں حضورؐ کی تسلی و تسکین کا پہلو نمایاں ہے۔ نبوت سے پہلے آپؐ اپنی قوم کی آنکھ کا تارہ تھے۔ بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے لوگ آپؐ کو دیکھتے تھے۔ مگر نبوت کا اظہار کیا تھا کہ قیامت کا صور ثابت ہوا۔ سارے معاشرہ میں کھلبلی مچ گئی۔ خاندانوں میں اٹھل پھٹل ہونے لگی۔ وہی قوم اب آپؐ کی جانی دشمن بن گئی جو لوگ آپؐ کے قدموں کے تلے آنکھیں بچھاتے تھے۔ اب وہ آپؐ کے سر پر پاؤں رکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور فضاقتی زہریلی ہو گئی کہ سانس لینا مشکل ہو گیا۔ قدم قدم پر الجھنیں کھڑی کر دی گئیں۔ آپؐ کو اس صورت حال کا پہلے سے اندازہ نہیں تھا۔ اس لئے شروع شروع میں بڑی دشواری رہی اور حوصلہ ٹھنکی ہوتی رہی۔ اس لئے سورت الفتحی کی طرح اس سورت میں بھی تسلی پر زور دیا گیا ہے۔ ایسے مواقع پر انعامات کا استحضار ایک فطری کاہنہ گزشتہ ہے۔ چنانچہ تین نعمتوں کا تذکرہ فرمایا گیا۔ ایک شرح صدر کی دولت کہ سب کی طرف سے دل ٹھنڈا رہے، اس میں کسی کی خلش نہ رہے دوسرے نبوت اور اس کے رہنمائیانہ اصول دے کر طبیعت کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔ تیسرے آپؐ کے نام کی اتنی سر بلندی کہ دنیا میں نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اس لئے شکستہ دل بالکل نہ ہو جائے۔ ان آفتوں کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھئے کہ یہ مشکلات کا دور بہت جلد ختم ہو جانے والا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فراخی اور کشادگی کا دور چلا آ رہا ہے۔ پھر آخری بات یہ ہے کہ اس مشغولیت اور غم سے جب بھی موقع ملے دل اللہ کی طرف لگائیے کہ دلوں کی چینیں اسی سے دل لگانے میں ہے۔

فضائل سورت..... من قرء سورۃ الم نشرح فکانما جاءہ فی وانا غنم ففرج عنی۔ ترجمہ: جو شخص سورۃ الم نشرح پڑھے گا۔ گویا وہ میری غم کی حالت میں میرے پاس آ گیا۔ اور مجھے اس سے نجات دے دی۔

لطائف سلوک..... الم نشرح وصول سے پہلے سالک کو جو ضیق اور تنگی گھٹن پیش آتی ہے کہ جس سے گویا اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ بھی دوز میں داخل ہے اور جو نشاط، دلجمعی اور طمانیت و وسعت وصول کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ شرح صدر میں داخل ہے۔ جس میں حق اور خلق دونوں کی طرف توجہ یک جا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ارشاد و اصلاح کی مصلحت سے اگر اس کو شہرت عطا فرمادی جائے تو اس کو رنج ذکر سمجھنا چاہئے اور ان منع العسر یسر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والے کے لئے عادت اللہ یہی ہے کہ وہ ان دولتوں سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ فاذا فرغت معلوم ہوا کہ افادہ و افادہ اور ارشاد سے فراغت کے بعد شیخ کو بھی خلوت میں ذکر و فکر و مناجات میں مشغول رہنا چاہئے۔ اور خود کو مجاہدہ سے مستغنی نہیں سمجھنا چاہئے۔

سُورَةُ التِّينِ

سُورَةُ وَالتِّينِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ﴿١﴾ أَيِ الْمَأْكُولَيْنِ وَجَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبِتَانِ الْمَأْكُولَيْنِ وَطُورِ سَيْنِينَ ﴿٢﴾ الْجَبَلُ الَّذِي كَلَّمَ اللَّهُ تَعَالَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَمَعْنَى سَيْنِينَ الْمُبَارَكِ أَوْ الْحَسَنِ بِالشَّجَارِ الْمُثْمِرَةِ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴿٣﴾ مَكَّةَ لِأَمْنِ النَّاسِ فِيهَا جَاهِلِيَّةً وَاسْلَامًا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ الْحَسَنَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٤﴾ تَعْدِيلِ لُصُورَتِهِ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ فِي بَعْضِ أَفْرَادِهِ أَسْفَلَ سَفَلَيْنِ ﴿٥﴾ كِنَايَةً عَنِ الْهَرَمِ وَالضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ الْمُؤْمِنِينَ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُونُ لَهُ أَجْرُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى إِلَّا أَيُّ لَكِنِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٦﴾ مَقْطُوعٌ وَفِي الْحَدِيثِ إِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِنُ مِنْ الْكِبَرِ مَا يُعْجِزُهُ عَنِ الْعَمَلِ كُتِبَ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ فَمَا يُكَذِّبُكَ أَيُّهَا الْكَافِرُ بَعْدُ أَيُّ بَعْدَ مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ الْإِنْسَانِ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ ثُمَّ رَدَّهَ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمُرِ الدَّالِّ عَلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبُعْثِ بِالَّذِينَ ﴿٧﴾ بِالْحَزَاءِ الْمَسْبُوقِ بِالْبُعْثِ وَالْحِسَابِ أَيُّ مَا يَجْعَلُكَ مُكْذِبًا بِذَلِكَ وَلَا جَاعِلٌ لَهُ إِلَّا يَسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَكَمِينَ ﴿٨﴾ أَيُّ هُوَ أَقْضَى الْقَاضِينَ وَحُكْمُهُ بِالْحَزَاءِ مِنْ ذَلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ مَنْ قَرَأَ بِالتِّينِ إِلَى آخِرِهَا فَلَيْقُلْ بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ

ترجمہ..... قسم ہے انجیر اور زیتون کی (جو دونوں کھانے کی چیزیں ہیں یا شام کے دونوں پہاڑ ہیں جن پر یہ کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں) اور طور سینا کی (جس پہاڑ پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور سینین کے معنی مبارک کے ہیں یا پھلدار درختوں سے جو جگہ خوبصورت ہو) اور اس پر امن شہر کی (مکہ مراد ہے جو اسلام سے پہلے اور بعد ہمیشہ امن کی جگہ رہا ہے) ہم نے انسان (کی جنس) کو بہت خوبصورت سانچے (بہترین ساخت) میں ڈھالا ہے۔ پھر ہم اس کے بعض افراد کو پست حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں (بڑھاپے اور کمزوری سے کنایہ ہے چنانچہ مومن کامل جوانی کے مقابلہ میں کم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا

ثواب بدستور رہتا ہے۔ اگلی آیت کی وجہ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے وہ ختم ہونے والا ثواب ہے (ممنون یعنی مقطوع، حدیث میں ارشاد ہے کہ مؤمن بڑھاپے کی وجہ سے جب عمل سے عاجز ہو جاتا ہے تب بھی اس کا عمل لکھا جاتا ہے) پھر تجھ (اے کافر!) کون جھٹلانے والا بتا رہا ہے اس کے بعد (یعنی انسان کا اچھی شکل پر پیدا ہونا پھر انتہائی گھٹیا عمر کی طرف پلٹ جانا جس سے قیامت پر اللہ کی قدرت کا ہونا معلوم ہوا) جزا کے بارے میں (جو بحث و حساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھ کو بدلہ کے جھٹلانے پر آمادہ کیا ہے۔ جب کہ کوئی اس کا باعث ہی نہیں ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ (وہ سب سے بڑھ کر حاکم ہے اور اس کا فیصلہ قیامت کے متعلق ہو چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص سورۃ والتین پڑھے تو اسے ختم پر ہلی وانا علی ذلک من الشاہدین کہنا چاہیے۔

تحقیق و ترکیب: مکیۃ ابن عباسؓ کی رائے مفسر نے نقل کی ہے۔ لیکن قتادہؓ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے اور جمہور اس کو کی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہذا البلد الامین سے بھی اشارہ ہو رہا ہے۔

والنین بہترین میوہ ہے جس میں فضلہ کا نام و نشان نہیں ہے۔ سر بلع البضم غذائے لطیف ہے اور مفید ترین دوا ہے۔ طبیعت میں فرحت پیدا کرتی ہے۔ بلغم کو تحلیل کرتا ہے۔ گردوں کو پاک صاف رکھتا ہے۔ مثانہ کے سنگریزہ کے لئے کاسر ہے۔ جگر اور تلی کے سروں کو صاف کرتا ہے۔ بدن میں فربہ لاتا ہے۔ حدیث میں اس کو قاطع بواسیر اور درنقرس کے لئے مفید بتایا گیا ہے۔

اسی طرح زیتون بھی پھل ہی ہے اور سالن اور دوا کے کام بھی آتا ہے۔ اس کا تیل نہایت لطیف اور مفید ہے۔ اور پہاڑوں میں اگر چہ نہایت نہیں ہوتی۔ پھر بھی وہاں یہ درخت پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ دونوں پہاڑوں کے نام ہیں۔ ایک وہ پہاڑ جو مصر و ایلہ کے درمیان ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ کو شرف ہمکاری حاصل ہوئی۔ دوسرا پہاڑ جس پر بیت المقدس ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے مواقع ہونے کی وجہ سے ان کی قسم کھائی گئی ہے۔ جیسا کہ آگے طور پہاڑ کا ذکر ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے کی جگہ ہے۔ پہلا قول حضرت ابن عباسؓ، حسن، مجاہد، عطاء کا ہے اور دوسرا قول عکرمہؓ کا ہے۔ سریانی زبان میں ان پہاڑوں کو طور زینا کہا جاتا ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تین حلوان و ہمدان کے درمیان کے پہاڑ کا نام ہے۔ اور زیتون شام کا پہاڑ ہے اور بعض نے ان سے مسجد دمشق اور بیت المقدس مراد لئے ہیں یاد و شہروں کے نام ہیں۔

و طور سینین سینا اور سینین کے دونوں لغت ہیں وہ جگہ جہاں حضرت کلیم اللہ، اللہ سے ہمکلام ہوئے اور مجاہد برکتہ کے معنی اور قتادہ حسن کے معنی اور مقاتل پھلدار درختوں کا پہاڑ مراد لیتے ہیں۔

البلد الامین امین بمعنی امن کہا جاتا ہے۔ امن الرجل امانۃ فهو امین یا بمعنی مامون ہے۔ مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اسفل سافلین جہنم یا جہنم کا نچلا طبقہ مراد ہے۔ اور بقول مفسر بعض نے ارذل العمر کے معنی لئے ہیں۔ غیر ممنون غیر منقطع اور مسلسل کے معنی ہیں۔ اسی صورت میں استثناء متصل ہوگا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان پر اس اجر کا احسان نہیں جتلا یا جائے گا۔ فمما یکذب آنحضرت کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔ یعنی آپ کو قیامت کے بارہ میں جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ما بمعنی من ہے اور بطور التفات انسان کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔ لا عاجل کہہ کر مفسر نے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الیس اللہ یعنی اتنی بڑی قدرت والا کیا قیامت برپا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

﴿تشریح﴾: تین یا بیسویں کے پھل یا وہ علاقے جہاں بکثرت ان پھلوں کے درخت پائے جاتے ہیں۔ شام و فلسطین اللہ نے ان کی اور طور سینا اور مکہ مکرمہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ جہاں کے مقدس مقامات سے اولوالعزم پیغمبر اٹھے ہیں کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں ڈھالا ہے اور ظاہر و باطن میں کمال تناسب دیا۔ اگر انسان صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں پر بھی سبق لے جائے۔ بلکہ مجبوراً ملکہ بنے۔ اس کو اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا گیا ہے۔ جو کسی اور جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اور ایسی اندرونی خوبیاں اور قابلیتیں عنایت کی گئیں جو کسی مخلوق کو نہیں ملیں۔ پھر منصب نبوت سے انسان کو زینت بخشی گئی۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس پر انہی مقدس مقامات کی قسمیں کھائی گئیں ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے انسان کو ایسی بہترین تقویم پر بنایا۔ کہ اس میں نبوت جیسے عالی مرتبہ منصب سے سرفراز ہونے والے افراد پائے جاتے ہیں۔

انسان اگر فرشتوں سے بڑھ سکتا ہے تو شیطان سے بھی بازی لے جاسکتا ہے۔ ثم رد دناہ مفسر علامہ تو اسفل سافلین سے ارذل العمر یعنی بڑھاپے کا وہ مرحلہ مراد لیتے ہیں۔ جس میں انسان سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں رہتا۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس نے جوانی اور تندرستی کے وقت ایمان لا کر نیک عمل کئے اور بڑھاپے میں معذور ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ خدمت سے معذوری کے باوجود بخشش کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور رحمدل آقا بدستور اس کی کارکردگی شاکر کرتے ہوئے بخشش جاری رکھتا ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین اس سے جہنم یا جہنم کا بالکل نچلا درجہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی ایماندار نیکو کار اسفل السافلین سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن مقصد سورت یعنی جزا و سزا کی حقیقت کا جہاں تعلق ہے اس کے لحاظ سے بالخصوص یہ دونوں مفہوم کچھ زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ بہتر یہ ہے کہ عام مفہوم مراد لیا جائے اور وہ یہ کہ ایک طرف تو انسان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان کہ اس نے سب سے بہتر سانچہ میں اس کو ڈھالا۔ مگر دوسری طرف انسان اگر خود سے اس کو ناکدری کی نذر کر کے برائی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ تو بالآخر گراتے گراتے اس انتہا تک پہنچا دیتا ہے کہ شیطان بھی اس سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ حرص و طمع، خود غرضی، نشہ بازی، شہوت پرستی، کمینہ پن، غیظ و غضب جیسی گھناؤنی بیماریوں میں جو لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ درندوں اور چوپاؤں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ شکل و صورت سے انسانی لباس آراستہ و پیراستہ، مگر اندر دیکھو تو سینکڑوں شیطان بھرے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ اشراف المخلوق، ارذل المخلوق بن جاتا ہے۔

قیامت کا انکار باعث حیرت ہے: فما یکذبک یعنی ان روشن دلائل کے ہوتے ہوئے پھر یہ کافر جزا و سزا کا کیسے انکار کر رہے ہیں۔ اے پیغمبر! آخر کس بنیاد پر یہ آپ کو قیامت کے سلسلہ میں جھٹلارہے ہیں۔ یعنی انسان جب دو گروہوں میں بٹ گیا۔ ایک پست ترین گروہ، دوسرا اعلیٰ ترین طبقہ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان دونوں کو ان کے کئے کا کچھ بھی پھل نہ ملے یا دونوں کے کاموں پر ایک ہی طرح کا ثمرہ مرتب ہو۔ عقل و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں کو ان کے کاموں کے مطابق صلہ ملے افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون ورنہ پھر نیکی کی کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ خیال تو کرو کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور ایسی عجیب و غریب تقویم پر پیدا کیا کہ نیکی اور بدی کرنے کی دونوں صلاحیتیں اس میں رکھ دیں اور آخری حد تک رکھ دیں۔ وہ چاہے تو ترقی کر کے اعلیٰ علیین تک پہنچ سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کی گرد کو نہ پہنچ سکیں۔ جن کے کامل نمونے شام، بیت المقدس، طور سینا، مکہ مکرمہ میں دنیا دیکھ چکی۔ جن مقامات مقدسہ کی قسمیں ہم نے کھائی ہیں۔ ان کے نمونوں کے مطابق انسان چلے تو فلاح دارین کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو سکتا ہے۔ لیکن خود بے ایمانی اور مدعملی کر کے ذلت و ہلاکت کے گڑھوں میں گرنا چاہے تو اسفل السافلین اس کے پاؤں تلے ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے جزا و سزا کے سلسلہ میں ایسے معقول ضابطوں کو جھٹلا سکے۔ ہاں دنیا کو لا قانونیت

کا ایک جنگل فرض کر لیا جائے۔ جس میں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ قانون؟ تو پھر ایسے بے ہنگم اور بے نیکی باتوں کی گنجائش ہے۔

شہنشاہ کائنات:..... ایس اللہ باحکم العاکمین دنیا کی معمولی سے معمولی حکومتوں اور حاکموں سے بھی جب یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ انصاف کریں۔ یعنی مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائیں اور بہترین کارگزاری کرنے والوں کو انعام و اکرام سے نوازیں۔ پھر بھلا خدا کی نسبت کیا خیال ہے جو کائنات میں سب سے بڑا حاکم اور منصف ہے۔ کیا وہ انصاف نہیں کرے گا۔ اور بھلائی اور برائی کو ایک ہی پلہ میں رکھ دے گا۔ یا ساری محنتوں کو اکارت کر دے گا۔

خلاصہ کلام:..... ہذا البلد الامین کہنے سے نیز اس کے اس انداز بیان سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ یہ بھی مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جنہیں نہایت اختصار کے ساتھ مجازات پر کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں بھی ان چار مقامات مقدسہ کی پہلے قسمیں کھائی گئی ہیں۔ جہاں اللہ نے اعلیٰ ترین انسان بھیجے تھے۔ اور بڑی تاکید کے ساتھ زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو اعلیٰ ترین سانچہ میں ڈھال کر بھیجا ہے اور اس کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ اس میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیتیں علی وجہ الکمال رکھ دی ہیں۔ برے کر تو تکر کے کوئی اس فطری خوبی ہی کو ختم کر دے اور قہر مذلت میں گرنا چلا جائے تو اس کا ٹھکانہ اسفل السافلین ہوگا اور کوئی اپنی فطرت خوبی کو ایمان و عمل کی جلا سے روشن کرے گا تو اس کا مقام اعلیٰ علیین ہوگا۔ آخر میں ارشاد ہے کہ انسان جب خوبی اور خرابی کے دو حصوں میں بٹ گیا۔ تو کیا یہ قرین انصاف نہیں کہ اس کے کاموں کا حقیقی صلہ اس کے سامنے آجائے۔ اور اس طرح دونوں اپنے آخری انجام تک پہنچ جائیں۔ دنیا کی عدالتوں میں جب عالمگیر قانون رائج ہے۔ تو اللہ کی کچھری سے بڑھ کر کس کی کچھری ہو سکتی ہے بلاشبہ نہیں ہو سکتی۔

فضائل سورت:..... من قرء سورة والتین اعطاه الله العافیه والیقین مادام حیا فاذا مات اعطاه من الاجر بعدد من قرء هذه السورة ترجمہ: جو شخص سورۃ واتین پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی بھر عافیت و یقین عطا فرمائے گا اور مرنے کے بعد اس سورت کے پڑھنے والوں کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

اطائف سلوک:..... لقد خلقنا الانسان یعنی انسان ظاہر باطن معتدل الخلق ہے۔ راست قامت خوبصورت نقشہ صفات الہیہ کا مظہر ہے اور خلق اللہ ادم علی صورۃ کا مصداق ہے۔ اپنی جامعیت کے پیش نظر غیب و شہادت کے لحاظ سے مجمع البحرین ہے اور افادہ اور استفادہ کا سنگم ہے۔ ثم رد دناہ اگر ضعف پیری مراد ہے تو قویٰ کے انحطاط سے عمل میں اضمحلال آتا ہے۔ اور وہ اجر و ثواب کی کمی کا سبب ہونا چاہیے۔ مگر معذوروں کو مستثنیٰ فرمادیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر واقعی عذر کی وجہ سے اوراد و وظائف میں حرج ہو جائے۔ تو انشاء اللہ اجر میں کمی نہیں ہوگی۔ اس لئے محقق مشائخ ایسے مواقع پر مسترشدین کو تسلی دیا کرتے ہیں۔

سُورَةُ اِقْرَأْ

سُورَةُ اِقْرَأْ مَكِّيَّةٌ تَسَعُ عَشَرَ اَيَّةً صَدْرُهَا اِلَى مَا لَمْ يَعْلَمْ اَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ

وَذَلِكَ بِغَارِ حِرَاءٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِقْرَأْ اَوْحِدًا لِقِرَاءَةٍ مُّبْتَدِئًا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴿۱﴾ الْخَلَائِقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ جَمْعُ عَلَقَةٍ وَهِيَ الْقِطْعَةُ الْيَسِيرَةُ مِنَ الدَّمِ الْغَلِيظِ اِقْرَأْ تَاكِيدٌ لِلْاَوَّلِ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِي لَا يُوَازِيهِ كَرِيْمٌ حَالَ مَنْ ضَمِيرٍ اِقْرَأْ الَّذِي عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ وَاَوَّلَ مَنْ خَطَّ بِهِ اِدْرِيسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾ قَبْلَ تَعْلِيْمِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْكِتَابَةِ وَالصَّنَاعَةِ وَغَيْرِهَا كَلَّا حَقًّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ﴿۶﴾ اَنْ رَّاهُ اَيُّ نَفْسِهِ اسْتَغْنَى ﴿۷﴾ بِالْمَالِ نَزَلَ فِيْ اَبِيْ جَهْلٍ وَرَأَى عِلْمِيَّةً وَاسْتَغْنَى مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَاَنْ رَّاهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ اِنَّ اِلَى رَبِّكَ يَا اِنْسَانَ الرَّجْعِي ﴿۸﴾ الرَّجُوعُ تَحْوِيْفٌ لَهُ فَيَحْاْزِي الطَّاعِيَ بِمَا يَسْتَحِقُّهٗ اَرَاَيْتَ فِيْ مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعَجُّبِ الَّذِي يَنْهَى ﴿۹﴾ هُوَ اَبُوْ جَهْلٍ عَبْدًا هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى ﴿۱۰﴾ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ اَيُّ الْمَنْهَى عَلَى الْهُدَى ﴿۱۱﴾ اَوْ لِلتَّقْسِيْمِ اَمَرَ بِالتَّقْوَى ﴿۱۲﴾ اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَبَ اَيُّ النَّبَاهِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَلَّى ﴿۱۳﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ مَا صَدَرَ مِنْهُ اَيُّ يَعْلَمُهُ فَيَحْاْزِيهِ عَلَيْهِ اَيُّ اَعْجَبَ مِنْهُ يَامُخَاطَبُ مِنْ حَيْثُ نَهَيْهِ عَنِ الصَّلٰوةِ وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ الْمَنْهَى عَلَى الْهُدَى اِمْرٌ بِالتَّقْوَى وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ النَّاهِيَ مُكَذِّبٌ مُّتَوَلٍّ عَنِ الْاِيْمَانِ كَلَّا رِدْعٌ لَهُ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ لَنَحْرُقَ بِنَاصِيَتِهِ اِلَى النَّارِ نَاصِيَةٌ بِدَلٍّ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ وَوَصَفَهَا بِذَلِكَ مَجَازًا اَوَّالُ الْمُرَادِ صَاحِبُهَا فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۱۷﴾ اَيُّ اَهْلِ نَادِيِهِ وَهُوَ الْمَجْلِسُ يَتَدَيُّ يَتَحَدَّثُ فِيْهِ الْقَوْمُ كَانَ قَالٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَرَهُ حَيْثُ نَهَاهُ عَنِ الصَّلَاةِ لَقَدْ عَلِمَتْ مَا بَهَا رَجُلٌ أَكْثَرَ نَادِيًا مَنِيَّ لَا مَلَأَ عَلَيْكَ
هَذَا الْوَادِي إِنْ شِئْتَ خَيْلًا جُرْدًا أَوْ رِجَالًا مُرَدًّا سَنَدُغُ الزَّبَانِيَةِ (۱۸) الْمَلَكُ الْغَلَاظُ الشِّدَادُ لَا هَلَكَ بِهِ
فِي الْحَدِيثِ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَأَخَذَتْهُ الزَّبَانِيَةُ عَيَانًا كَلَّا رَدَّعَ لَهُ لَا تَطْعُهُ يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
تَرْكِ الصَّلَاةِ وَاسْجُدْ صَلِّ لِلَّهِ وَاقْتَرِبْ (۱۹) مِنْهُ بِطَاعَتِهِ

ع ۲۱

سورۃ اقرأ مکیہ ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں، شروع سے مالم یعلم تک سب سے پہلی آیات ہیں جو غار حراء میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: پڑھئے (پڑھنا شروع کیجئے) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا (جنس) انسان کو خون کے کوٹھڑے سے پیدا کیا (علق، علقہ کی جمع ہے۔ خون بستہ کی ایک پھلک) پڑھئے (پہلے کی تاکید ہے) اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جس کے برابر کوئی کریم نہیں ہو سکتا۔ افسر اکی ضمیر سے حال ہے) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھلایا (سب سے پہلے اور ایسے نے لکھنا شروع کیا) انسان (کی جنس) کو اس نے وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا (یعنی ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ) سچا (یقیناً) انسان (مطلقاً) بلاشبہ حد سے گزر جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ (خود) کو (مال کی وجہ سے) مستغنی سمجھتا ہے (ابو جہل کے متعلق ہے اور رای میں رویت قلیبہ ہے اور استغنی اس کا مفعول ثانی ہے اور ان راہ مفعول لہ ہے) یقیناً (اے انسان) تیرے رب کی طرف پلٹنا ہوگا (یہ اس کو ڈراتا ہے۔ لہذا سرکش کو مزائلے گی جس کا وہ مستحق ہوگا) تم نے دیکھا (تینوں جگہ اراہ است تعجب کے لئے) جو منع کرتا ہے (مراد ابو جہل ہے) ایک بندے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر وہ بندہ (جس کو روکا جا رہا ہے) راہ ہدایت پر ہو یا (او تقسیم کے لئے ہے) پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو۔ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ شخص جھٹلاتا ہو (یعنی روکنے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور منہ موڑتا ہو؟ (ایمان لانے سے) کیا اس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے (جو کچھ اس سے سرزد ہو رہا ہے یعنی وہ باخبر ہے لہذا وہ اس کو اس پر سزا دے گا۔ یعنی اے مخاطب حیرت کی بات ہے کہ وہ نماز سے روکتا ہے جب کہ منع کیا ہوا بندہ راہ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہے۔ نیز منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا شخص ہے) ہرگز نہیں (اس کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) اگر یہ شخص (لام قسمیہ ہے) باز نہ آیا (اپنے کفریہ طور طریق سے) تو ہم اس کے پٹھے پکڑ کر کھینچیں گے (پیشانی کے بال سے گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے) وہ پیشانی (یہ کمرہ بدل ہے معرف سے) جو جھوٹی اور خطا کا رہے (پیشانی کی یہ صفت مجاز ہے۔ لیکن مراد پیشانی والا ہے) وہ بلا لے اپنے حمانیوں کی ٹوٹی کو (نادی سے اہل نادی مراد ہیں۔ اس کے معنی مجلس کے ہیں۔ کیونکہ اس میں قوم کی بات چیت کے وقت آواز دی جاتی ہے۔ ابو جہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا جمعہ میرے جمعہ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔ میں چاہوں تو بہترین گھڑ سواروں اور پیدل فوج سے اس میدان کو بھر سکتا ہوں) ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے (اس کو تباہ کرنے کے لئے) اکھڑ مضبوط فرشتے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنی فوج کو بلا لیتا تو دوزخ کے دربان اسے پکڑ لیتے) ہرگز نہیں (ڈانٹ ڈپٹ ہے) آپ (اے محمد! نماز چھوڑنے میں) اس کی بات نہ مانئے اور سجدہ کیجئے (اللہ کے لئے نماز پڑھئے) اور قرب حاصل کرتے رہئے (اس کی فرمانبرداری کر کے)۔

تحقیق و ترکیب:..... اقرار مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اقرار ہمزہ لازم ہے۔ اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مفعول مقدر مانا جائے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا مفعول اسم ربک ہے اور بازائدہ ہے۔ لیکن تفسیری عبارت مبتدأ میں اشارہ ہے کہ بالمطلبہ کے لئے ہے اور ظرف مستقر موضع حال ہے۔ ای قل بسم الله ثم اقرء۔ خلق مفسر نے الخلاق سے اشارہ کیا ہے کہ خلق کا مفعول حذف کرنے میں عموم کی طرف اشارہ ہے۔ اور بقول خطیب مفعول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ خلق اللہ ہی سے سرزد ہے اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ خلق الانسان انسان کے شرف کی وجہ سے بالتخصیص انسان کو یہاں بیان کیا ہے۔

من علق انسان جنس ہونے کی وجہ سے معنی جمع ہیں۔ اس لئے علق بھی جمع لایا گیا ہے۔ اور علق کو جمع کہنا مجازا ہے ورنہ یہ اسم جنس ہے جیسے نمر نمرۃ میں ہے۔ یا اس کو ھقیقہ جمع کیا جائے۔ چونکہ اللہ کی معرفت اول واجبات میں سے ہے۔ اس لئے اس کے وجود اور انتہائی قدرت کمال حکمت بیان کرنے کے لئے اس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا۔ اقراراً مبالغہ کے لئے تکرار ہے یا اولی مطلق قرأت کے لئے اور یہ تبلیغ کے لئے ہے یا نماز کی قرأت کے لئے یا یہ کہا جائے کہ پہلے اقرأ کے جواب میں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا انا بقاری اس پر فرمایا گیا۔ اقرأ۔ ان راہ دونوں ضمیروں کا مرجع انسان ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ راہی نفسہ قتل نفسہ کی طرح کہنا چاہئے تھا۔ مگر یہ بتلانے کے لئے کہ ”راہی“ ظن و حسان کی طرح ان افعال میں سے ہے۔ جو کہ اسم و خبر کو چاہتے ہیں۔ اہل عرب لفظ نفس کو حذف کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ راہ کی طرح راہی و طنتنی و حسبتنی کہا جاتا ہے۔ گویا رویت علیہ ہے، رویت بصریہ نہیں ہے۔ اس لئے فاعل و مفعول دونوں ضمیریں ہو سکتی ہیں۔ جن کا مرجع ایک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ رویت بصریہ کو رویت علمیہ کا حکم دے دیا گیا ہے۔ جیسے حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے۔ لقد رأیتنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما کنا من طعام الا الاسودان۔

وان الی ربک اس میں انسان کو سرکشی پر دھمکی ہے۔

رجعی بشری کی طرح مصدر ہے۔

استغنیٰ سورت کی ابتداء میں علم کی تعریف اور آخر سورت میں مال کی مذمت کی گئی ہے۔

نزل فی ابی جہل سے کشاف کی اس بات کا رد ہو گیا کہ حضرت حسنؑ سے منقول ہے کہ امیہ بن خلف حضرت سلمان فارسیؑ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت سلمانؑ مدینہ میں مسلمان ہوئے ارایت بمعنی اخیرنی اور ان کان جملہ شرطیہ دوسرے ارایت کا مفعول ثانی ہے۔ اور ان کان کا جواب محذوف ہے جس پر ان کذب کا جواب دلالت کر رہا ہے کیونکہ ارایت کا مفعول ثانی جملہ استفہامیہ یا قسمیہ ہوا کرتا ہے۔ شرط ثانی کے جواب پر اکتفا کرتے ہوئے اس شرط کا جواب حذف کر دیا گیا ہے۔ ای اخیرنی عمن ینہی بعض عباد اللہ عن صلواتہ ان کان ذلک الناهی علی الہدیٰ فیما ینہی عنہ او امر یتقی فیما یرہ من عبادۃ الارکان کما یعتقدہ یا ان کان علی التکذیب للحق والتولی عن الصواب تقدیر عبارت ہے، جیسے کہا جائے الم یعلم بان اللہ یری و یطلع علی احوالہ من ہدایۃ و ضلالۃ اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں ارایت الذی یصلی والنہی علی الہدیٰ امر بالتقویٰ والناهی مکذب متول فما اعجبه من ذا اور بعض کی رائے ہے کہ دوسرے ارایت میں کافر کو اور تیسرے ارایت میں آنحضرتؐ کو خطاب ہے۔ جیسے حاکم کے ہامنے عدالت میں فریقین موجود ہوں۔ حاکم کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو خطاب کرتا ہے۔ اور تعجب کے موقع پر تقویٰ اور توبخ کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ لیکن انہی میں اس سے تعرض کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ارایت الذی ینہی میں نبی کا تعلق نماز اور تقویٰ کے حکم کے ساتھ تھا۔ لہذا نماز پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز دعوت فعلی

ہے اور امر دعوت قولی ہوتا ہے اور دعوت فعلی قوی ہوتی ہے یا کہا جائے کہ نماز کی حالت میں بندہ کو روکنے سے مراد عام ہے نماز سے روکنا ہو یا دوسری نیکیوں سے۔ درآنحالیکہ عام احوال کی صرف دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اپنے نفس کی تکمیل تو عبادت کے ذریعہ اور دوسروں کی تکمیل دعوت کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔

لنسفعا. سفح کے معنی کسی چیز پر قبضہ کرنے اور گھسیٹنے کے آتے ہیں۔ ایک قرأت لنسفعن اور لا سفعن بھی ہے۔ لیکن مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ وقف کے حکم میں کرتے ہوئے اور بالناصیۃ لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے مضاف الیہ کے عوض میں۔ ای ناصیۃ الناهی. ناصیۃ کا ذبہ مکرمہ موصوف ہونے کی وجہ سے الناصیۃ معرفہ سے بدل ہے اور ایک قرأت میں ناصیۃ رفع کے ساتھ ہے۔ ای ہی ناصیۃ اور ایک قرأت نصب کے ساتھ ہے بطور مذمت کے اور ناصیۃ کو مناصیۃ کہنا محجاز ہے بطور مبالغہ کے۔
الزبانیۃ. زبن سے ماخوذ ہے بمعنی دفع یا زبنی سے ہے جو دراصل زبانی تھا یا کے عوض میں تا آگئی۔ زبانیۃ کا مفرد زبانیۃ سے ہے۔ جیسا کہ غفریۃ مرغ کی گردن کے معنی میں ہے۔ لا تطعه واسجد واقترب یہ تینوں امر کے صیغہ دوام اور استمرار کے لئے ہیں۔

رابط آیات: سورۃ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں سے عطاء نبوت اور تعلیم وحی بھی ہے۔ جو توحید کے بعد تمام دین کی اساس ہے۔ اس سورت میں اس کا بیان ہے اور وحی اور صاحب وحی کے مخالفین پر سخت رد و قدح کرنا ہے۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ مالم یعلم تک امت کی بڑی اکثریت کے مطابق سب سے پہلی وحی ہے اور آخری حصہ بھی مکی ہے اور اس زمانہ سے متعلق ہے جب حضور نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابو جہل نے دھمکیاں دے کر آپ کو روکنا چاہا اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی سچے اور اچھے خوابوں کی شکل میں ہوتی ہے حضرت خدیجہ الکبریٰ کا ارشاد ہے کہ آپ کے خواب صبح کی طرح ہوتے تھے آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ ایسا ہوتا جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہوں۔ احادیث میں حب الیہ الخلاء، تحنث کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کئی روز غار حراء میں رہ کر مراقب اور معتکف رہتے۔ بعض مرتبہ آپ کے دادا عبدالمطلب بھی ساتھ ہوتے جو دین حنیف کی رو سے حقیقۃ حیات کی طرف مائل تھے۔ بلکہ آپ کے ان حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی۔ کہ میرا بیٹا آگے چل کر دنیا میں نام آور ہوگا۔ خدیجہ الکبریٰ کو کئی کئی روز کے لئے خورد و نوش کا سامان آپ کے لئے مہیا کر دیتیں اور جب وہ ختم ہو جاتا۔ پھر کبھی آپ خود آکر لے جاتے اور کبھی کسی کے ذریعہ پہنچ جاتا۔ اس میں یکا یک ایک روز حضرت جبریل نے متمثل ہو کر آپ سے کہا افسر! حضرت عائشہ نے حضور کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ما انا بقاری۔ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا۔ حتیٰ کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا اقرا میں نے دوسری اور تیسری بار وہی جواب دیا۔ مگر جب تیسری بار چھوڑنے پر فرشتہ نے اقرا باسم رب الذی خلق علم الانسان مالم یعلم تک پڑھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کانپتے، لرزتے واپس ہوئے اور گھر پہنچ کر فرمایا زمسونسو زملونسو آپ کو کھل اوڑھادیا گیا۔ فرشتہ کی عظیم ہیکل دیکھنے اور وحی کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر یہ طبعی خوف و دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب زائل ہو گئی۔ تب آپ نے فرمایا۔ اے خدیجہ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے پھر سارا قصہ آپ نے ان کو سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ مگر غمگسار اور جاں نثاری بیوی نے یہ کہہ کر تسلی دی۔ کہ ہرگز نہیں آپ خوش ہو جائیے۔ خدا کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آخر آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں، امانت دار ہیں، بے سہارا لوگوں کا سہارا اور ناداروں کا مددگار ہیں، مہمان نواز، نیکیوں میں مددگار ہیں۔ پھر نفسیات شناس بیوی آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن

نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی ہو گئے تھے اور عربی و عبرانی میں انجیل کہتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ بولیں بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے کا حال سنئے۔ ورقہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ بھتیجے تمہیں کیا نظر آیا؟ چنانچہ جب آپ نے ساری روئیداد سنائی، تو ورقہ بولے کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے۔ جو پہلے اللہ نے موسیٰؑ پر اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب آپ کی قوم کے لوگ آپ کو نکالیں گے۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے۔ ورقہ کہنے لگے ہاں! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ بات لے کر آیا۔ جو آپ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو میں ضرور آپ کی مدد کروں گا مگر کچھ دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ اقرا باسم ربک سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر شروع کرنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے آیت اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ دونوں حکم اپنے مقصد صلی یعنی توکل و استقامت کے لحاظ سے تو واجب ہیں۔ البتہ زبان سے کہنا مسنون ہے۔ بسم اللہ کے متعلق اگرچہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اول ما نزل جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا محمد استعذ ثم قل بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تاہم بسم اللہ کا اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ کلا ان الانسان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ان ابا جہل قال فی ملاء من طفاۃ قریش لئن رأیت محمدا لا طان عنقه وفی بعض الروایات انه ینہی محمدا عن الصلوۃ وهم ان یلقی علی رأسہ حجرا فراہ فی الصلوۃ وہی صلوۃ الظهر فجاءہ ثم نکس علی عقبہ فقالوا مالک فقال ان بینی و بینہ خندقا من نار وھو لاء واجنحة۔ ارایت تین دفعہ تعجب کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ وجوہ تعجب مختلف ہیں۔ مثلاً (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے لئے دعا کی تھی۔ اللھم اعز الاسلام بابی جہل واما لعمر بن الخطاب مگر یہ بد بخت حضور کو نماز سے روکتا ہے۔

(۲) ابو جہل معزز ہونے کی وجہ سے ابوالحکم لقب رکھتا ہے۔ مگر حضور کو نماز سے منع کرتا ہے تو نام یہ اور کام وہ۔ (۳) دوسروں کو احکام دے کر پابند کرتا ہے اور خود اللہ کے حکم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ فلیدع نادیه عن ابن عباس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فجاءہ ابو جہل فقال الم انھک عن هذا الم انھک عن هذا فانصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فزجرہ فقال ابو جہل انک لتعلم ما بہا نادا اکثر منی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: سورہ اقرأ کی ابتدائی آیات کے شان نزول سے واضح طور پر یہ بات سامنے آ جاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے سے نبوت کا طلب گار یا امیدوار ہونا تو درکنار، آپ کو وہم گمان بھی نہیں تھا۔ کہ آپ اس منصب طلیل سے سرفراز کئے جائیں گے۔ بلکہ آپ خالی الذہن تھے۔ چنانچہ جب اچانک اس ناگہانی صورت حال سے آپ کو دوچار ہونا پڑا۔ تو پہلا تاثر آپ پر وہی ہوا، جو ایک بے خبر انسان پر دفعۃً اتنے بڑے حادثہ کے پیش نظر آ جانے سے فطری طور پر ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تو اعتراضات ڈھونڈنے والوں میں سے کسی نے یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ پہلے سے یہ منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ پھر جبریل علیہ السلام کے ایک دم مہیب اصلی شکل میں رونما ہونے سے خوف و دہشت کی وہی اضطرابی کیفیت آپ پر طاری ہوئی۔ جو حضرت موسیٰؑ پر لکڑی کے اثر دہانے سے ہو گئی تھی۔ جس کے بعد حق تعالیٰ نے لاف تخف تسکین آمیز جملہ فرمایا۔ اس لئے اس بے شان نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور نہ کمال ایمانی میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ اگر اچانک کسی کے سامنے شہر آ جائے اور وہ دیکھتے ہی گھبرا جائے تو کیا نبی کے لئے ایسی گھبراہٹ قابل اعتراض ہو سکتی ہے؟ نیز حضرت خدیجہؓ جیسی معر خاتون اور ان کے سن رسیدہ چچا۔

ورقہ بن نوفل..... ورقہ بن نوفل کے توصیفی کلمات اس بات کی بڑی شہادت ہیں کہ آپ کی زندگی پہلے ہی سے نہایت پاکیزہ تھی۔ بیوی سے شوہر کی کوئی کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی۔ مگر انہوں نے پندرہ سالہ آپ کی رفاقت سے یہ اثر لیا کہ بے ساختہ ان کی زبان پر آپ کی زندگی کے تابناک پہلوؤں کا ذکر آ گیا۔ اور انہوں نے پورے وثوق سے کہہ دیا کہ اللہ ایسے قیمتی شخص کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح ورقہ نے بھی اسی قرابت قرینہ کی وجہ سے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے کیفیت سنتے ہی کہہ دیا۔ کہ یہ وہی ناموس اکبر (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ پر بھی نازل ہوا تھا۔ گویا انہوں نے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کر دی۔ اس سے آپ کو مزید اطمینان ہو گیا۔ یہ نہیں کہ پہلے تردید تھا پھر اطمینان ہوا۔

خود اقرأ بھی اقرأ کے حکم میں داخل ہے:..... اقرأ باسم ربك میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس رب نے پیدائش سے لے کر اب تک ایک عجیب والی شان سے آپ کی تربیت فرمائی۔ جو پتہ دے رہی ہے کہ آپ سے کوئی بہت بڑا کام لیا جانے والا ہے۔ کیا وہ رب آپ کو ادھر میں چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ جس نے تربیت فرمائی، وہی تعلیم بھی فرمائے گا اور باسم ربك کا مطلب جب بسم اللہ الفتح سے شروع کرنا ہے تو یہ آیات بھی اس حکم میں داخل ہو جائیں گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے۔ اسمع ما اقولک تو خود اس جملہ کا سننا بھی مطلوب ہوگا۔ اسی طرح اس آیت کا سننا بھی یہی ہوگا۔ کہ ان آیات کو اور آئندہ نازل ہونے والی آیات کو بسم اللہ سے پڑھنا چاہیے اور اس علم کا وحی اور قرآن ہونا علم بدیہی کے طور پر معلوم ہو گیا ہے اور جبریل کے بار بار پڑھنے کو فرمانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ جو پہلے سے آپ کو یاد ہو وہ پڑھئے۔ بلکہ آئندہ پڑھنے کی آمادگی مقصود تھا۔ جیسے معلم متعلم سے کہا کرتا ہے۔ کہ پڑھو یہاں پڑھو، اس لئے یہاں تکلیف ملا اطلاق کا سوال کھڑا نہیں ہوگا۔ اور آپ کا بار بار عذر فرمانا تو اس لئے تھا کہ آپ کو اس جملہ کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں گے۔ اور یہ بات کسی طرح بھی شان کے خلاف نہیں ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اکثر لکھی ہوئی چیز پڑھنے کو چونکہ قرأت کہتے ہیں۔ صرف زبانی سن کر پڑھنے کو نہیں ہے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس جملہ کی مراد متعین ہونے کے باوجود آپ نے اس لئے عذر فرمادیا کہ آپ حرف شناس نہیں تھے اور کسی طور پر لکھنا یا لکھے ہوئے کو پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے آپ کا لقب امی ہوا۔ اور حضرت جبریل کا آپ کو زور سے دبا ناظرین غالب یہ ہے کہ وحی کی استعداد قوی کرنے کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ صوفیاء تصرف باطنی کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں۔

تخلیق کا انعام پہلے اور تعلیم کا انعام اس کے بعد ہے:..... الذی خلق جس نے سب کچھ پیدا کیا، کیا وہ امی میں علم و قرأت پیدا نہیں کر سکتا؟ اور سب نعمتوں کی جڑ بنیاد وجود ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کیا۔ نیز خلق ہی سارے دین کی اولین اساس ہے اور چونکہ انسان افضل المخلوقات ہے۔ اس لئے بطور خاص پھر اس کا ذکر کیا۔ علق۔ علقہ کی جمع ہے جس کے معنی جبنے ہوئے خون کے ہیں۔ یہ وہ ابتدائی حالت ہے جو استقرار حمل کے بعد شروع کے حلیہ میں رونما ہوتی ہے۔ پھر علقہ مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد بتدریج مرحلہ وار انسانی شکل بننے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ گویا علقہ ایک برزخی حالت ہے۔ اس سے پہلے نفطہ اور غذا اور عنصری حالات ہیں۔ اور بعد میں مضغہ اور ہڈیوں کا ڈھانچہ، پھر اس پر گوشت پوست کے راجل، پس اللہ ان کا آخر تک نگران رہتا ہے۔ آگے پھر اقرأ فرما کر اشارہ فرمادیا کہ قرأت محض اس قید کے ساتھ مطلوب نہیں۔ بلکہ فی نفسہا خود قرأت بھی مقصود ہے۔ کیونکہ وہ تبلیغ کا ذریعہ ہے۔ اور تبلیغ ہی آپ کا اصل کام ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر سے تخلیق کی ابتداء کر کے انسان کو مکمل بنادیا۔ اور یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے بے حس اور بے شعور اور بے علم وادراک حقیر چیز کو عالم بنادیا۔ جس شان سے آپ کی

تربیت فرمائی گئی اس سے آپ کی کامل استعداد نمایاں ہوگئی۔ پس جب استعداد بھی کامل ہے اور ادھر مبتداء فیاض بھی بخیل نہیں۔ بلکہ سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر فیوض علیہ میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ اور عالم ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بنادیا۔ قلم ہی وسیع پیمانے پر علم کی اشاعت و ترقی اور نسلاً بعد نسل علم کی حفاظت فرمانے کا اہم ذریعہ اللہ نے بنادیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر الہامی طور پر انسان کو قلم کا اور فن کتابت کا یہ علم نہ دیا ہوتا تو انسان علمی صلاحیتیں اور قابلیتیں ٹھہر کر رہ جاتیں اور اسے نشو و نما پانے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم کے خزانے منتقل ہونے اور مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقعہ ہی نہ ملتا۔ جس طرح مفیض اور مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ اور محمد کے مابین جبریل واسطہ ہے۔ اور جس طرح قلم کا واسطہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو۔ اسی طرح یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

اسباب علم:..... علم الانسان مالم يعلم اس میں قلم کے علاوہ دوسرے اسباب علم کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ یہ اسباب بالذات مؤثر نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقی اور مؤثر سبب دراصل وہ ذات ہے کہ جس کا علم ذاتی اور محیط ہے۔ اسے جو کچھ علم ملا ہے اللہ کے دینے سے ملا ہے۔ ایک بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے۔ پس وہی علیم وخبیر ایک امی کو عارف کامل، بلکہ عارفوں کا امام بنا سکتا ہے۔ یہاں تک یہ آیات سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ یہ پہلا تجربہ اتنا سخت تھا کہ حضور اس سے زیادہ کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں آپ کو نبوت کا فرض منصبی بتلایا گیا ہے۔ کلا ان الانسان یعنی انسان اپنی اصل حقیقت کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک جے ہوئے خون سے بنایا گیا ہے اور جاہل محض تھا، خدا نے اسے علم دیا۔ مگر اپنے مال کی مستی میں اتنا مغرور ہو جاتا ہے۔ کہ سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ ابوہبل نے حضور کو حرم میں نماز پڑھتے دیکھا، تو بولا کہ میں تمہیں بار بار اس سے منع کر چکا ہوں۔ آپ نے اسے جھڑک دیا۔ تو کہنے لگا کہ تمہیں معلوم نہیں میرے ساتھ کتنے لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اب کی بار اگر نماز پڑھتے دیکھا تو العیاذ باللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ اس ارادہ سے بڑھا بھی مگر پھر رک گیا، بلکہ پیچھے ہٹ گیا، لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا، آگ کی خندق ہے جس میں کچھ پرداز چیزیں بھی نظر آرہی ہیں، آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے۔ اگر آگے بڑھتا تو اس کی بوٹی بوٹی نوح ڈالتے۔ اس پر یہ آیات اتریں۔ ان آیات میں کلا تین جگہ آیا ہے۔ پہلا مذمت کے لئے، دوسرا ڈانٹ ڈپٹ کے لئے اور تیسرا اس کی تاکید کے لئے۔ ان راہ استغنیٰ یعنی دنیا کی مال و دولت، عزت و وجاہت سب اللہ کی دی ہوئی ہے۔ مگر انسان اس پر شکر گزار ہونے کے بجائے سرکشی کرتا ہے۔ ان الی ربک الرجعی اول بھی خدا نے پیدا کیا۔ اور آخر بھی اسی کے پاس جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔ اور اس کا انجام معلوم ہوگا۔

مقام عبدیت سب سے ارفع ہے:..... ارایست الذی اس انسان کی سرکشی دیکھو کہ خود تو اپنے رب کریم کے آگے جھکنے کی کیا توفیق ہوتی۔ دوسرا بندہ بھی اگر خدا کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے تو اسے بھی روکتا ہے، ڈراتا دھمکاتا ہے۔ بندے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یہ ایک خالص انداز محبت ہے۔ جس سے حضور کو نوازا گیا ہے۔ اس سے مقام عبدیت کی رفعت بھی معلوم ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ منصب نبوت پر سرفراز فرمانے کے ساتھ آپ کو نماز پڑھنے کا طریقہ بھی سکھلا دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس طریقہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی جس کو حدیث رسول کہا جاتا ہے۔ ارایست ان کسان بظاہر یہ خطاب عام ہے ہر منصف مزاج آدمی سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے ان دو آدمیوں کی متضاد حالتوں کو دیکھا؟ ایک وہ ہے جو خدا کی عبادت سے ایک بندہ کو روکتا ہے۔ حالانکہ وہ بندہ راہ راست پر ہے اور لوگوں کو خدا سے ڈراتا ہے اور برے کاموں

سے روکتا ہے اور پہلا شخص حق کو جھٹلاتا ہے اور اس سے روگردانی کرتا ہے بھلا بتلاؤ اگر اسے یہ احساس ہوتا کہ خدا اس بندہ کو بھی دیکھ رہا ہے۔ جو نیکی کرتا ہے اور حق کو جھٹلانے والے اور روگردانی کرنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ تو کیا پھر بھی یہ روش اختیار کر سکتا تھا؟ کیونکہ ظالم کے ظلم کو اور مظلوم کی مظلومی کو دیکھنا بتلا رہا ہے کہ اللہ ظالم کو سزا دے گا اور مظلوم کی داد دے کرے گا۔

ابو جہل کان کھول کر سن لے:..... کلا لسن لم ینتہ یعنی رہنے دو، یہ سب کچھ جانتا ہے پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو نہایت ذلت کے ساتھ سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جس سر پر بالوں کی یہ چوٹی اور لٹ ہے اور جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ گویا بال بال میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔

فلیدع نادیه ابو جہل اپنی مجلس بٹلا لے ہم بھی اس کی سرکوبی اور گوشمالی کے لئے اپنے سپاہی بلائے لیتے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے؟ چند روز نہیں گزرے کہ بدر کے معرکے میں اسلام کے سپاہیوں نے ابو جہل کی نعش کو گھسیٹ کر بدر کے گڑھے میں پھینک دیا اور اصل گھسیٹنا تو دوزخ میں ہو گا یہاں دنیا میں بھی اس کا نمونہ دکھلا دیا۔

نماز سب سے زیادہ قرب الہی کا ذریعہ ہے:..... واسجد واقترب یہ آخری آیت سجدہ تلاوت ہے اور سجدہ سے مراد نماز ہے۔ یعنی آپ ہرگز کسی کی پرواہ نہ کیجئے۔ اور نہ کسی کی بات پر دھیان دیجئے۔ بے خوف و خطر اسی طرح نماز پڑھتے رہئے۔ جیسے اب تک پڑھتے آ رہے ہو۔ جہاں چاہو شوق سے عبادت کرو۔ اور بارگاہ الہی میں سجدہ ریز رہو۔ تاکہ بیش از بیش قربت خداوندی حاصل ہو۔ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔ گو بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اس وقت زیادہ قریب ہوتا ہے، جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ نیز مسلم کی روایت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تھے تو سجدہ تلاوت فرماتے تھے۔ امام مالکؒ پر یہ روایات حجت ہیں۔ جو مفصلات میں سجدہ نہیں مانتے۔

خلاصہ کلام:..... سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات صحیح روایات اور اکثریت کے اتفاق سے سب سے پہلی وحی ہے جو حضورؐ پر غار حرا میں نازل ہوئی۔ آپؐ غار حرا کو اپنی خلوت نشینی اور عبادت کے لئے اس لئے منتخب کیا کہ کعبۃ اللہ جو مرکز تجلیات ربانی ہے ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ جو ایک مستقل قربت ہے۔ دوسرا حصہ کلا سے آخر سورت تک اس وقت نازل ہوا۔ جب آپؐ نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ اور ابو جہل کی رگ جہالت پھڑکتی تھی۔ سورت کے پہلے حصہ میں جہاں علم کی فضیلت و برتری معلوم ہو رہی ہے وہیں دوسرے حصہ سے مال و دولت کی رذالت و حقارت معلوم ہوتی ہے۔ نیز ایک طرف سورت کے شروع میں علم کی اہمیت پر اگر زور ہے تو آخر میں عمل و عبادت پر زور ہے۔ حضورؐ نے پہلی وحی نازل ہونے کے بعد اولین اظہار عبادت نماز ہی سے کیا تھا اور کفار کی مذہبیت کا آغاز بھی اسی واقعہ نماز سے ہوا تھا۔

فضائل سورت:..... من قرأ سورۃ العلق اعطی من الاجر کأنما قرأ المفصل کله جو شخص سورۃ علق پڑھے گا اس کو سورۃ حجر سے لے کر آخر تک پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔

لطاائف سلوک:..... واسجد واقترب اس میں اشارہ ہے کہ سجدہ اصل روح خشوع متضرع اور مدارقرب ہے۔ اور کمال خشوع فنایت ہے۔ پس فنایت کا اصل مدارقرب ہونا معلوم ہوا۔

سُورَةُ الْقَدْرِ

سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ خُمُسٌ أَوْ سِتُّ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ آيِ الْقُرْآنِ حُمْلَةً وَاحِدَةً مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ آيِ الشَّرَفِ وَالْعَظَمِ وَمَا أَذْرَبَكَ أَعْلَمَكَ يَا مُحَمَّدُ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ تَعْظِيمُ لِّشَانِهَا وَتَعْجِيبُ مِنْهُ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ لَيْسَ فِيهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فَالْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا خَيْرٌ مِنْهُ فِي أَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ فِيهَا تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ بِحَذْفٍ إِحْدَى التَّائِيْنِ مِنَ الْأَصْلِ وَالرُّوحِ آيِ جَبْرِيلُ فِيهَا فِي اللَّيْلِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ بِأَمْرِهِ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ قَضَاهُ اللَّهُ فِيهَا لِتِلْكَ السَّنَةِ إِلَى قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٍ بِمَعْنَى الْبَاءِ سَلَّمَ فَهِيَ خَيْرٌ مِنْ مُقَدَّمٍ وَمُبْتَدَأٍ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾ بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا إِلَى وَقْتِ طُلُوعِهِ جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ السَّلَامِ فِيهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَا تَمُرُّ بِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ

ترجمہ: ہم نے اس کو (قرآن کو ایک دم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) نازل کیا ہے شب قدر میں (جو عزت و بزرگی والی ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے (اے محمد آپ کو پتہ ہے) کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ (اس کی تعظیم شان اور تعجب کے لئے ہے) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ ہو لہذا شب قدر میں نیکی کرتا۔ ان ہزار مہینوں میں نیکی کرنے سے بہتر ہوگا۔ جن میں شب قدر نہ ہو؟ فرشتے اترتے ہیں (تسزل کی اصل میں دو قاتھیں۔ جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) اور روح القدس (جبریل) اس (رات) میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (جو سال بھر کے لئے اللہ تعالیٰ نے طے کئے ہوتے ہیں۔ اور من سبیہ بمعنی با ہے) سراپا سلام ہے وہ (خبر مقدم ہے اور مبتداء آگے ہے) شب قدر طلوع فجر تک رہتی ہے (مطلوع لام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ وقت طلوع فجر رات کو سلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اس میں بکثرت سلام کرتے ہیں کسی مؤمن مرد و عورت پر ان کا گزر نہیں ہوتا مگر اس کو سلام کرتے ہیں)۔

تحقیق و ترکیب: مکیہ او مدنیہ ابو حیان اکثریت کی رائے مدنی ہونے کی کہتے ہیں اور ماوردی کی رائے اس کے

برعکس ہے۔ واحد ہی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی سب سے پہلی سورت ہے۔ اتقان میں اس کے متعلق دونوں قول ہیں۔ لیکن اکثریت کا قول مکی ہونے کا ہے۔ مدنی ہونے کی دلیل میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو امام ترمذی نے حسن بن علی سے نقل کی ہے۔

انزال لسانہ قرآن کے دو وصف ہیں۔ ایک انزال دوسرے تنزیل، انزال ایک دم اترنے کو کہتے ہیں اور تنزیل تھوڑا تھوڑا اترنے کو۔ مفسر نے تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ غرض دفعی نزول شب قدر میں ہوا۔ لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اور تدریجی نزول بیس، تیس سال کی مدت میں ہوا۔ نزول سے آپ کی مسرت و دلجمعی مقصود تھی اور تدریجی نزول سے امت کو سہولت دینی اور احکام کا واقعات پر مکمل طور پر منطبق کرنا تھا۔

لیلۃ القدر قدر کے معنی قابل قدر ہونے کے ہیں۔ خواہ یہ زمانہ قابل قدر ہو یا اس میں نیک کام کرنے والے یا قرآن پاک نازل کرنے والی پاک ذات ہو۔ اسی طرح قدر کے معنی تقدیر بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اس شب میں سالانہ تقدیرات لکھی جاتی ہوں۔ جو ازلی طے شدہ تقدیرات کے مطابق ہوتی ہیں۔ لیلۃ القدر کا مصداق رمضان کے عشرۃ اخیر کی طاق راتیں ہیں۔ یا ساتویں شب، اس بارہ میں چالیس سے زائد اقوال ہیں۔ تقدیر کی طرح شب قدر کو بھی حکمت الہی کے پیش نظر مبہم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ تعیین کی صورت میں بے فکری پیدا ہو جاتی جو بے عملی کا سبب بنتی۔ اس لئے اسرار الہی کو پردہ میں رکھا گیا ہے۔ تاہم روایات اور امت کے تعامل کے پیش نظر ترجیح ستائیسویں شب کو ہے۔ بعض نے بطور لطیفہ علمی یہ کہا ہے کہ لفظ لیلۃ القدر میں نو حروف ہیں اور یہ لفظ تین بار آیا ہے۔ اس طرح ستائیس کا اشارہ سورت سے نکل آتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ تراویح اگر ایک ایک رکوع کے التزام کے ساتھ بیس رکعات پڑھی جائیں تو ستائیسویں شب کو قرآن پورا ہو جاتا ہے۔ ہزار مہینوں سے مراد یا تو تکثیر ہے۔ کیونکہ عرب میں الف سے زیادہ عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے اور یا اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ حضور کسی اسرائیلی مجاہد کا ذکر فرما رہے تھے۔ کہ ایک ہزار مہینے تک وہ فی سبیل اللہ تھیار بند رہا۔ اور بعض روایات میں اسی سال۔ صحابہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اور وہ اپنے مجاہدات کو اس عظیم مجاہدہ کے ساتھ حقیر سمجھنے لگے۔ اس پر تسلی کے لئے شب قدر عطا کی گئی۔

الف شہر سے قمری حساب کی طرف اشارہ ہے جو عرب میں رائج تھا اور احکام شرع ہی اس سے وابستہ ہیں۔ مفسر نے ہزار مہینوں کو شب قدر سے اس لئے خالی فرض کیا ہے تاکہ تفصیل الہی علی نفسہ لازم نہ آئے۔

تنزل الملائکۃ فرشتوں کا عام طور سے اور روح القدس کا خاص طور سے اترنا زمین پر ہوتا ہے یا آسمان دنیا پر، اور یا مومنین سے قریب ہونا مراد ہے اور روح سے جبریل مراد ہیں یا فرشتوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق ہوگی۔ من کل امر ایک قرأت کل امری ہے ای من کل انسان اور من کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو وہی جو مفسر نے بیان فرمائی ہے۔ یعنی بقول ابو جاتم من بمعنی ہا ہے جو تعدیہ کے لئے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ من بمعنی لام ہے اور تنزل سے متعلق ہو۔ ای تنزل من کل امر نفی انی العام القابل اور بعض کی رائے ہے کہ من کل امر کا تعلق تنزل سے نہیں۔ بلکہ سلام ہی سے ہے۔ لیکن اس میں یہ اشکال ہوگا سلام مصدر ہے اس کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ محذوف سے متعلق ہے۔ جس پر یہ مصدر دلالت کر رہا ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب کے متعلق بھی آیت لیلۃ مبارکۃ فیہا یفرق کل امر حکیم فرمایا گیا ہے۔ وان الالجال تقطع من شعبان حتی ان الرجل ینکح ویولد وقد خرج اسمہ فی الموتی دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ شعبان کی شب برات میں احکام کی تجویز ہوتی ہوگی اور شب قدر میں تنقید۔

سلام یعنی اس رات میں تمام تر سلامتی آتی ہے۔ اور دوسری راتوں میں سلامتی اور بلا دونوں اترتی ہیں یا بقول مفسر ملائکہ بکثرت

سلام بھیجتے ہیں۔ سلام کی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام تسلیم ہو اور وہی کا مرجع ملائکہ ہو۔ ای الملائکہ ذات تسلیم علی المؤمنین والمؤمنات اور دوسرے یہ کہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف راجع ہے اور سلام بمعنی سلامتہ ہو۔ ای لیلۃ القدر ذات سلامۃ من کل حزن پھر ان دونوں سورتوں میں سلام خبر مقدم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوا اور وہی مبتداء مؤخر مشہور بھی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بقول آنحضرت سلام مبتداء ہوا اور وہی اس کا فاعل اور بعض نے باذن ربہم پر کلام تام مانا ہے۔ اور من کل امر کا متعلق بعد کی عبارت سے ہے۔

مطلع الفجر مفسر نے الی وقت طلوعہ سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ غایت مغیا کی جنس سے ہو جائے فتح لام کی صورت میں مصدر میمی ہے اور کسرہ کی صورت میں اسم زماں ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر میں حق تعالیٰ سلامتی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر شیطانی عمل سے سالم رہتی ہے۔

ربط آیات: سورۃ الفطحي میں جن مہمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے قرآن کی حقانیت و عظمت بھی ہے۔ اس سورۃ قدر میں اسی کا بیان ہے۔ اس سورت کے مضمون سے مکی ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: عن مجاهد انه صلى الله عليه وسلم ذكر رجلا كان يقوم الليل حتى يصبح ثم يجاهد العدو بالنهار حتى فعل ذلك الف شهر فعجب المسلمون من ذلك فانزل الله ليلة القدر خير من الف شهر وفي المؤطا انه صلى الله عليه وسلم ارى اعمال الناس قبله فكانه تقاصر امته عن ان لا يبلغوا من العمل مثل الذي بلغ غيرهم في طول العمر فاعطاه الله ليلة القدر خير من الف شهر، قال مالك انه بلغه ان سعيد بن المسيب كان يقول من شهد العشاء بالجماعة من ليلة القدر فقد اخذ بحظه منها وزوى من الطبراني عن ابى امامة مرفوعا من صلى العشاء في جماعة فقد اخذ بحظ من ليلة القدر۔ حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جبریل فرشتوں کے ساتھ شب قدر میں آتے ہیں اور جن کو نماز و ذکر میں مشغول پاتے ہیں ان پر صلوة و سلام بھیجتے ہیں۔ خیر سے مراد بھی یہی ہے۔ نیز روایات میں توبہ کا قبول ہونا اور آسمان کے دروازوں کا کھلنا بھی آیا ہے۔

﴿تشریح﴾: سورۃ علق کی ابتدائی آیات میں جس وحی اور قرآن کے نازل ہونے کا ذکر تھا۔ اس سورت میں اس قرآن کریم کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ جانتے ہو یہ کیسی تقدیر ساز رات تھی۔ جس میں یہ جلیل القدر عظیم الشان کتاب نازل ہوئی اور کس نے نازل کی؟ ہم نے اتاری ہے۔ محمد رسول اللہ کی تصنیف یا ان کا طبع زاد کلام نہیں ہے۔ اس سے قرآن کی عظمت و شان و شوکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ شب قدر کب ہوتی ہے اور قرآن کب نازل ہوا؟

قرآن کب اور کتنی مدت میں نازل ہوا؟ اس سلسلہ میں نزول قرآن سے متعلق ایک آیت تو یہی ہے۔ دوسری آیت سورۃ دخان کی ہے۔ انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ اور تیسری آیت سورۃ بقرہ کی شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہے۔ اسی کے ساتھ یہ واقعہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ قرآن بیس یا تیس سال کی مدت میں نازل ہوا۔ اور حضور کی وفات کے قریب تک وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں باہمی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں آیات کا مصداق ایک ہی ہے۔ اور چونکہ شب قدر کا تعلق رمضان سے ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ اب رہ گئی تیس سال والی مدت کی بات سو اس کی تطبیق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بقول ابن عباسؓ یہ کہ اس رات میں سارا قرآن ملائکہ وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔ جس کو انزال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور

پھر حالات و واقعات کے مطابق وفاقاً حضرت جبریل کے ذریعہ آیات اور سورتیں آتی رہیں۔ اس طرح تیس سال کی مدت میں قرآن پورا ہو گیا۔ جس کو تنزیل کہا جاتا ہے۔ امام شعبیؒ بھی ایک مطلب تو یہی لیتے ہیں اور دوسری تطبیق کی صورت آیات و سورتوں کی تالیف نہیں فرماتا تھا۔ جب کہ انہیں حضورؐ پر نازل کرنا ہوتا۔ بلکہ کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی ازل میں اللہ کا کلام مکمل تھا۔ شب قدر میں صرف یہ ہوا کہ پورا قرآن حاملین وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔

شب قدر پر دو اشکال اور ان کا جواب:..... قدر کے معنی تعظیم کے ہیں اور بعض مفسرینؒ نے تقدیر کے معنی لئے ہیں یعنی اس رات میں تقدیر کے فیصلے متعلقہ فرشتوں کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ سورہ دخان کی آیت فیہا یفرق کل امر حکیم میں اس کا ذکر ہے۔ اور ایک رات کا ہزار مہینہ سے بہتر ہونا اس کا درایتی نکتہ اور روایتی پہلو گزر چکا ہے۔ یہاں دو اشکال باقی رہ گئے ایک یہ کہ ان ہزار مہینوں یا بعض روایات کے مطابق بخلاف کس اسی سال میں بھی تو شب قدر ہوگی اور آیت کے مطابق وہ بھی ہزار مہینہ سے افضل ہونی چاہیئے۔ پس اس سے تو لاتنا ہی مقدار لازم آتی ہے۔ اس کا بے تکلف جواب وہی ہے جو مفسرؒ نے بیان فرمایا ہے کہ ان ہزار مہینوں میں شب قدر فرض نہ کی جائے۔ اس لئے تسلسل لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ ان ہزار مہینوں میں مضاعف نہ ہوگی۔ یہ جواب دوسرے مواقع پر بھی کارآمد ہو جائے گا۔ مثلاً: احادیث میں سورہ یٰسین کا پڑھنا اس قرآن کے برابر یا سورہ اخلاص کا ایک تہائی قرآن کے برابر ثواب ملنا آیا ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ دنیا کے مطالع و مغارب مختلف ہیں۔ اس لئے شب قدر بھی ہر جگہ مختلف ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا عذر نہیں کہ اس کی برکات کسی کو کسی وقت ملیں اور کسی کو کسی وقت۔ اور فرشتے بھی مختلف جگہ مختلف اوقات میں آئیں۔ آخر نماز روزوں میں اوقات اور تاریخ کا اختلاف کوئی بات نہیں ہے۔

خلاصہ کلام:..... سورہ علق کی ابتدائی آیات کی طرح سورہ قدر میں بھی قرآن کی عظمت و اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ عظیم المرتبہ کتاب ایک عظیم الشان شب میں نازل کی گئی ہے اور اس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ محمد کا کلام اور تصنیف نہیں ہے۔ شب قدر نام اس کے قابل ہونے کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ اس میں تقدیروں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ قسمتوں کا بگاڑ اور سنوار اس رات میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ قوموں اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ ہو یا افراد و اشخاص کی۔ چنانچہ قرآن کا نزول ساری دنیا کی قسمت پلٹ کر رکھ دے گا۔ اور جہاں تک اس کے قابل قدر ہونے کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ رات ہزار مہینوں اور بعض روایات کے مطابق اسی سال سے زیادہ بہتر ہے۔ اس میں عبادات و اعمال کا قیمتی ہونا تو ہے ہی۔ اہم بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں قرآن کے نزول کا فیصلہ وہ نادر فیصلہ ہے کہ ہزار مہینوں میں انسان کی بھلائی کے لئے وہ کام نہیں ہوا تھا جو اس رات میں کیا گیا۔ اس رات میں روح القدس اپنے رب کے حکم سے خیر اور بھلائی کی باتیں لے کر آتے ہیں۔ شام سے صبح تک سلامتی ہی کا سلسلہ رہتا ہے۔ اس میں شر کا دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ کے فیصلوں میں خیر ہی مقصود ہوتی ہے شر مقصد نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ کسی قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ بھی اگر ہوتا تو خیر کے لئے ہوتا ہے شر کے لئے نہیں۔

فضائل سورات:..... من قرء سورۃ القدر اعطی من الاجر کمن صام رمضان و اخی لیلۃ القدر ترجمہ: جو شخص سورہ قدر پڑھے گا۔ اسے رمضان کے روزوں اور شب قدر کا حق ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

لطاائف سلوک:..... لیلۃ القدر خیر من الف شہر اس سے بہترین اوقات میں عبادت کا خاص اہتمام معلوم ہو رہا ہے۔ اہل طریق اس کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔ الایہ کہ کوئی عارض پیش آجائے۔

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تَسَعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ أَيْ عِبَادَةَ الْأَصْنَامِ عَطْفٌ عَلَى أَهْلِ مُنْفَكِّينَ
خَبَرٌ يَكُنْ أَيْ زَائِلِينَ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ حَتَّى تَأْتِيَهُمْ أَيْ آتَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ أَيْ الْحُجَّةُ الْوَاضِحَةُ رَسُولٌ مِّنَ
اللَّهِ يَدُلُّ مِنَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿٢﴾ مِنَ الْبَاطِلِ
فِيهَا كُتِبَ أَحْكَامٌ مَّكْتُوبَةٌ قِيَمَةٌ ﴿٣﴾ مُسْتَقِيمَةٌ أَيْ يَتْلُو مَضْمُونُ ذَلِكَ وَهُوَ الْقُرْآنُ فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ
وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ فِي الْإِيمَانِ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ
مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾ أَيْ هُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوِ الْقُرْآنُ الْحَاقِي بِهِ مُعْجَزَةٌ لَهُ وَقَبْلَ مَخِيضِهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا مُحْتَمِلِينَ عَلَى الْإِيمَانِ بِهِ إِذَا جَاءَ فَحَسَدُهُ مِنْ كَفَرٍ بِهِ مِنْهُمْ وَمَا أَمَرُوا فِي
كِتَابِهِمُ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ أَيْ أَنْ يَعْبُدُوهُ فَحُذِفَتْ أَنْ وَزِيدَتْ اللَّامُ مُخْلِصِينَ لَهُ
الَّذِينَ مِنَ الشِّرْكِ حُنَفَاءَ مُسْتَقِيمِينَ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ وَدِينِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ فَكَيْفَ
كَفَرُوا بِهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْمِلَّةِ الْقِيَمَةُ ﴿٥﴾ الْمُسْتَقِيمَةُ إِنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا حَالٌ مَّقْدَرَةٌ أَيْ مَقْدَرًا خُلُودُهُمْ
فِيهَا مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ الْخَلِيقَةُ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ عَدْنٌ إِقَامَةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
عَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرِضْوَانِهِ بِرَوَايَةِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾ خَافَ عِقَابَهُ
فَانْتَهَى عَنِ مَعْصِيَتِهِ تَعَالَى

سورۃ بینہ مکہ اور مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے (من بانیہ) اور مشرکین (یعنی بت پرست۔ اس کا اہل پر عطف ہو رہا ہے) وہ باز آنے والے نہیں تھے (یہ خبر ہے۔ کسن کی یعنی اپنی حالت چھوڑنے والے نہیں تھے) جب تک ان کے پاس واضح (روشن) دلیل نہ آجائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول (یہ بیسہ کا بدل ہے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) جو (باطل سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں تحریریں (لکھے ہوئے احکام) ہیں راست (درست) یہی قرآن کا مضمون پڑھ کر سناتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور بعض کفر کرتے ہیں (اور انہیں فرقہ بندی کی اہل کتاب نے) آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) مگر کھلی دلیل آئے بعد (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد یا قرآن پاک پیش کرنے کے بعد جو آپ کا ایک کھلا ججزہ ہے حالانکہ آپ کی آمد سے پہلے سب آپ پر ایمان لانے کو تیار رہتے۔ مگر کچھ لوگ حسد کے مارے آپ سے مکر گئے) اور ان کو (ان کی کتابوں تو رات و نازل میں) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں (بعبدوا ان بعدوہ تھا۔ ان خذف کر کے لام زیادہ کر دیا گیا ہے) اپنے دین کو اس کے لئے (شرک سے) پاک کر کے بالکل۔ یکسو ہو کر (دین ابراہیم پر چمے رہیں اور حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کے دین پر، پھر کیسے اس سے پھر گئے) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور یہی صحیح (درست) دین (طریقہ) ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے (حال مقدورہ ہے اللہ کی طرف سے۔ اس میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے کی تجویز ہوگی) یہ لوگ بدترین خلافت ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے، وہ یقیناً بہترین خلافت ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے یہاں دائمی ہمیشیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا (اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اس کے بدلہ پر) یہ کچھ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (اس کی سزا سے خائف رہے۔ اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے)۔

تحقیق و ترکیب: مکہ ابن عباسؓ اس کو کہی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

من اهل الكتاب من بانیہ ہے بعضی نہیں ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ اس سے بعض مشرکین کا کافر نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اہل کتاب سے مراد بقول ابن عباسؓ یہود و مدینہ ہیں اور ان کا کافر ہونا آپ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے۔ اپنی کتابوں اور نبیوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے نہیں۔ یا یہود و نصاریٰ دونوں کو صفات الہیہ میں الحاد کی وجہ سے کافر کہا گیا ہے۔

والمشبرکین یہ عام ہے کیونکہ سب مشرک بت پرست تھے۔

منفکین اس کے خبر ہونے سے معلوم ہوا کہ لم یکن میں کان ناقصہ ہے الذین کفروا اس کا اسم ہے۔ اور من اهل الكتاب فاعل کفروا سے حال ہے۔ اور کفروا کو ماضی لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل کتاب پہلے سے کافر نہیں تھے۔ بعد میں ہوئے۔ برخلاف مشرکین کے وہ روز اول سے بت پرست کافر رہے ہیں۔

البینۃ مفسر نے جیہ نکال کر اشارہ کر دیا موصوف مقدر کی طرف۔

کسب قیحة مفسر نے یتلوا کے مضامین سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے یا اسناد بخاری مانی جائے اور یتلوا کی نسبت حضور کی طرف ہے یا جبریل کی طرف ہے اور صحف مطہرہ کہنا اس لئے ہے کہ اس میں نہیں باطل کا گز نہیں ہے یا اس لئے کہ اس کو ہاتھ لگانے کے لئے پاکی شرط ہے۔

وما تفرق مشرکین و اہل کتاب میں کفر مشترک ہونے کے باوجود یہاں اہل کتاب کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ باوجود اہل

علم ہونے کے بگڑ گئے۔ اس لئے زیادہ ملامت کے مستحق ہیں یا اس کے برعکس یوں کہا جائے کہ جب اہل علم مستحق ملامت ہوئے تو مشرک جاہلین بدرجہ اولیٰ مستوجب ملامت ہیں۔

لیعبدوا مفسر نے اشارہ کیا کہ لام معنی ان ہے۔ جیسے یسید اللہ لیسین لکم میں ہے۔ اب یہ اشکال نہیں رہا کہ لام غرض کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے افعال غرض سے پاک ہیں اور یہ استثناء مفرغ ہے۔ ای ما امروا بشی الا لعبادۃ اللہ یا تقدیر عبارت اس طرح مانی جائے۔ ما امروا الشی من الاشیاء الا لاجل عبادۃ اللہ وطاعته یعنی احکام میں تبدیلی کر دی اور نافرمانی اختیار کر لی۔ دین القیمۃ مفسر نے ملۃ سے قیمہ کے موصوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاکہ اضافت الشی الی صفتہ لازم نہ آئے۔ فی نار جہنم جہنم کے مشترک عذاب کے باوجود ممکن ہے کہ ہر ایک کی نوعیت عذاب مشترک نہ ہو۔ بلکہ مختلف ہو۔

ہم شر البریۃ نافع اور ابن ذکوان نے برئیہ ہمزہ کے ساتھ بطور اصل پڑھا ہے۔ جزاء ہم یہ مبتداء ہے۔ عند ربہم حال اور ”جنات عدن“ خبر ہے۔ یہاں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ انقسام احاد علی الاحاد کے لئے ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے جنت ہوگی۔ لیکن جمع کو حقیقہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے متعدد جنتیں ہوں گی۔ جیسے آیات وللمن خاف مقام ربہ جنتان ومن دونہما جنتان میں فرمایا گیا ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے چار چار جنتیں ہوں گی۔ جیسے الحسنۃ بعشر امثالہا فرمایا گیا ہے۔ خال الدین فیہا اس کا عامل محذوف ہے ای ادخلوہا جزاء ہم کی ضمیر سے حال بنانا صحیح نہیں ہے ورنہ مصدر اور اس کے معمول میں فصل بالاجنبی لازم آجائے گا اس آیت کے کئی مبالغے جمع ہیں۔

(۱) ہم خیر البریۃ کے ذریعہ مدح کو مقدم کیا گیا۔

(۲) جزاء سے اعمال صالحہ کے بدلہ کو کہا گیا۔

(۳) عند ربہم کے ساتھ جزاء کو مقید کیا گیا۔

(۴) جنات کو جمع لایا گیا ہے۔

(۵) عدن کی طرف اضافت کی گئی۔

(۶) تنجری کے ذریعہ جنت کی خوبی بیان کی گئی ہے۔

(۷) خلود اور تابید کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

(۸) اس کے بعد رضی اللہ فرما کر انتہائی انعام فرمایا گیا۔

لمن خشی ربہ خشیت ہی دراصل دین کی جڑ اور خیر پر ابھارنے والی صفت ہے۔

رابط آیات: سورۃ والضحیٰ کی مہمات کی طرح سورۃ بینہ میں رسالت اور اس کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی مجازات کا بیان ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس کا مکی ہونا جمہور کا قول ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مدنی ہونا جمہور کا قول ہے۔ حضرت عائشہؓ کو مکی اور ابن زبیر اور عطاء بن یسارؓ اس کو مدنی کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے دونوں قول ہیں۔ اور ابو حیانؒ وغیرہ نے اس کے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے۔ سورۃ علق میں پہلی وحی کا بیان تھا اور سورۃ قدر میں اس کا نزول شب قدر میں بتلایا گیا اور اس سورت میں ارشاد ہوا کہ اس کتاب کے ساتھ صاحب کتاب کا بھیجنا کیوں ضروری ہوا۔ یا اس لحاظ سے سورتوں کی یہ ترتیب نہایت موزوں رہی۔

روایات: ؟..... عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بن کعب ان اللہ امرنی اقرأ علیک

لم یکن الذین کفروا فقال ابی سمانی لک قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعم فیکئی ابی فقرأھا صلی اللہ علیہ وسلم اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) اکابر کا اصغر کو سنانا جیسا کہ اس کا برعکس سورۃ نساء کا عبد اللہ بن مسعودؓ سے حضورؐ کا سننا

معلوم ہوا تھا۔ یعنی اصغر کا اکابر کو سنانا (۲) اکابر کا اصغر کو سنانے سے استکاف نہ کرنا (۳) اہل حفظ و علم کو خصوصی امتیاز بخشنا (۴) اس سے ابی بن کعب کا شرف بھی معلوم ہوا کہ وہ مستحق عنایات و التفات ٹھہرے۔

﴿تشریح﴾:..... یہود و نصاریٰ اور عرب کے بت پرست کفر میں مشترک ہونے کے باوجود یہاں الگ الگ ناموں سے ذکر کئے گئے ہیں۔ اہل کتاب کے متعلق قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کے شرکیہ عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ تاہم ان کو مشرک کا نام نہیں دیا گیا۔ جیسے کہ بت پرستوں کو مشرک کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اصل دین تو حید ہی کو گردانتے تھے۔ اور پھر برخلاف مشرک بت پرستوں کے کہ ان کو بطور اصطلاح مشرک کہا گیا۔ کیونکہ وہ اصل دین شرک ہی کو قرار دیتے تھے اور تو حید کے قطعی منکر تھے۔

بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام کا فرق:..... اور ان دونوں گروہوں میں یہ فرق محض اصطلاح ہی کا نہیں بلکہ احکام شرع میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی مسلمانوں کے لئے حلال کہا گیا ہے۔ جب کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں۔ اسی طرح کتابیہ عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ وہ واقعی اہل کتاب ہوں دہریہ نہ ہوں۔ لیکن بت پرستوں کے ساتھ یہ امتیاز نہیں برتا گیا کیونکہ اصل دین کی بہت سی بنیادوں میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ تو حید و رسالت، قیامت، مجازات، جنت و جہنم کو کسی نہ کسی درجہ میں مانتے تھے۔ صرف دین اسلام کی مجموعی شکل اور پیغمبر اسلام کو نہیں مانتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو بھی کافر کہا گیا۔ خواہ بت پرستوں کے مقابلہ میں نمبر دو کے ہی سہی۔

مراتب کفر بھی مراتب ایمان کی طرح مختلف ہیں:..... گویا کفر وسیع معنی میں مستعمل ہے۔ جس کے تحت مختلف صورتیں آجاتی ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو سرے سے اللہ ہی کو نہیں مانتا۔ دہریہ ہے۔ ایک وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے مگر اسے اکیلا نہیں مانتا، اس کی ذات یا صفات میں اور ہستیوں اور قوتوں کو شریک کر کے کسی نہ کسی طرح ان کو بھی معبود گردانتا ہے۔ کوئی اللہ کو ایک بھی مانتا ہے۔ مگر کوئی چھوٹی شرکیہ صورت بھی اس کے ساتھ لگا دیتا ہے۔ ایک وہ ہے جو خدا کو ہر طرح مانتا ہے مگر بتوں کا قائل نہیں ہے اور نہ ان کی ہدایتوں کو قبول کرتا ہے۔ کوئی نبوت کو تو مانتا ہے مگر کسی نبی کا قائل، کسی کا منکر، ایک وہ ہے جو قیامت اور مجازات کو تسلیم نہیں کرتا، غرض یہ مختلف قسم کے کافر ہوئے۔ بعض اکابر نے ہنود کو درجہ احتمال میں اگر اہل کتاب کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مشرک اور کافر نہیں یا وہ متعارف اہل کتاب ہیں۔ لہذا ان کی عورتوں سے شادی کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔ کیونکہ بت پرستی کی صورت میں متعارف اہل کتاب بلکہ ٹھکانہ عقائد کے رکھنے والے نام کے مسلمانوں کا بھی یہ حکم نہیں رہے گا۔ پھر اکابر کے کلام کا اصل منشاء یہ ہے کہ اس احتمال کے ہوتے ہوئے کہ کسی زمانہ میں ان کو کتاب ملی ہوگی۔ یا ان کے پاس نبی آئے ہوں گے۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کو برا نہ کہا جائے۔ اور من اہل الکتاب میں من تعجیضہ نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ بعض اہل کتاب کافر اور بعض غیر کافر ہیں۔ بلکہ من بیانہ ہے یعنی سب کافر تھے۔ ہاں اگر کہا جائے کہ جن اہل کتاب نے حضور کو نہیں مانتا تھا۔ صرف وہ اہل کتاب تھے تب من تعجیضہ ہو سکتا ہے۔ حتیٰ تاتہم البینۃ میں حضور کی تشریف آوری سے پہلے سب ہی گمراہی کے گڑھوں میں گرے پڑے تھے۔ ہر ایک اپنی غلطی پر نازاں تھا۔ کسی حکیم دانشور، حکیم بادشاہ کے بس میں نہیں تھا کہ ان کو سدھار سکے ان کے اس کفریہ حالت سے نکلنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ عظیم الشان رسول ایک روشن دلیل اور اللہ کی پاکیزہ کتاب لے کر آئے اور راہ راست کو ان کے سامنے واضح اور مدلل طریقہ سے پیش کر دے اور اپنی زبردست تعلیم اور

ہمت و عزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ دے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ رسول کریم اور کتاب مبین آجانے کے بعد وہ سب کفر سے باز آجائیں گے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اس کے بغیر کسی صورت سے اس حالت کو چھوڑ دینا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ اور آپ کے آجانے کے بعد بھی ان میں سے جو لوگ اپنے کفر پر قائم رہیں گے۔ اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔ پھر شکایت نہیں کر سکیں گے۔ کہ اے اللہ! آپ نے ہماری ہدایت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سرور کائنات کو روشن دلیل کہنا اس معنی کو ہے کہ آپ کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ امی ہونے کے باوجود ایسی عجیب و غریب کتاب لائے۔ آپ کی تعلیم و تربیت سے آپ پر ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں عظیم انقلاب آیا۔ آپ کا بہترین اسوہ ہے۔ جس میں علم و عمل کی مکمل مطابقت ہے اور ہر قسم کی مخالفتوں کے باوجود انتہائی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنا۔ یہ ساری باتیں آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی علامات تھیں۔ کسب قیمۃ اس سے علوم و مضامین عالیہ مراد ہیں۔ یعنی جو کتابیں پہلے آچکی ہیں۔ ان سب کے جزوی خلاصے قرآن پاک میں موجود ہیں اور صحیح و درست ہیں یا قرآن کی ہر سورت کو ایک مستقل کتاب اور مضمون سمجھنا چاہیئے۔ اور پاک صحیفوں کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی گمراہی اور اخلاقی گندگی کی آمیزش موجود نہیں ہے۔ چنانچہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان میں صحیح باتوں کے علاوہ ایسی باتیں بھی لکھی ہوئی ملیں گی۔ جو حق و صداقت پر پوری نہیں اترتیں، عقل سلیم اور فہم مستقیم سے ہٹی ہوئی ہیں۔ اور اخلاقی معیار سے بھی گری ہوئی ہیں۔ ان کا قرآن پاک کے ساتھ موازنہ کرنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کتنی پاکیزہ تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

اہل کتاب پر اتمام حجت ہو چکا ہے: وما تفرق الدین یعنی آنحضرت کی آمد سے پہلے یہ اہل کتاب مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اگرچہ اللہ نے اس وقت بھی ان کی رہنمائی کے لئے اپنی طرف سے روشن دلیل بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ مگر اپنی نفسانی خواہشات میں پڑ کر یہ گروہ بندی کا شکار ہو گئے۔ اس گمراہی کے وہ خود ذمہ دار تھے۔ خدا کی حجت ان پر تمام ہو چکی تھی۔ لیکن اب جب کہ ان کی کتابیں ان کی تحریفات کا شکار ہو چکی ہیں اور پاک صحیفے ان کے پاس محفوظ نہیں رہے اس لئے اللہ نے ایک روشن دلیل کی حیثیت سے اپنا رسول بھیج کر اور پاک صحیفوں کا صحیح مجموعہ پیش کر کے ان پر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب بھی اس گروہ بندی میں اگر یہ پھنسے رہے تو اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔ چنانچہ اہل کتاب کی مخالفت کسی شبہ کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ ضد نفسانیت اور حسد کی وجہ سے ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جس آخری پیغمبر کا انتظار کیا جا رہا تھا ان کے آنے کے بعد اپنے سب اختلافات ختم کر کے سب ایک راستہ پر ہو لیتے مگر ہوا یہ کہ جو لوگ سادہ لوح اور حق کے طالب تھے وہ تو آپ پر ایمان لے آئے۔ مگر جن پر بدبختی کی مہر لگ چکی تھی وہ برابر ہٹ دھرمی سے مخالفت پر چلے رہے اور جب پڑھے لکھے اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکین کا کیا پوچھنا؟ حضرت شاہ عبد العزیز البینۃ سے حضرت مسیح مراد لے رہے ہیں کہ وہ کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ مگر یہ ہودان کے دشمن ہو گئے اور عیسائی بھی دنیاوی اغراض میں پھنس کر الگ الگ فرقے ہو گئے۔ آخری پیغمبر اور آخری کتاب کے بعد بھی جن لوگوں کو توفیق نہ ہو سکتے ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں لوگ اسی طرح خسارہ میں پڑے رہتے ہیں بلکہ ایک قدم اور آگے۔ وما امر و العینی ابراہیم حنیف کی طرح سب سے ہٹ کر ایک مالک حقیقی کے بندے بن جائیں اور ہر قسم کے باطل سے الگ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور کسی لحاظ سے بھی دوسرے کو خود مختار اور کار ساز نہ سمجھیں نماز و زکوٰۃ میں لگ کر بدنی اور مالی عبادات سرانجام دیں۔ مگر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔ یہ تو اسی تعلیم کا خلاصہ ہے جو پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں نے پیش کی تھیں۔ مشرکین اگرچہ پہلی کتابوں کو نہیں مانتے

تھے۔ مگر ملت ابراہیمیہ کے دعویدار تھے۔ اس لئے ان پر بھی جنت قائم کی گئی ہے۔ ان الدین کفروا یعنی حضور اور ان کی تعلیمات کا انکار خواہ علم کا پندار رکھنے والے اہل کتاب کریں یا جاہل مشرک سب کا انجام ایک دوزخ ہے جس سے کبھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ ہر البریۃ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں وہ عقل نہیں رکھتے۔ پھر بھی مالک کے وفادار ہیں اور یہ عقل رکھتے ہوئے بھی مالک حقیقی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اولئک کالانعام بل هم اضل۔

اہل ایمان کے بہترین مخلوق ہونے کی وجہ:..... ان الدین امنوا جو لوگ تمام پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے اور بھلے کاموں میں لگے رہے وہ بہترین خلایق ہیں۔ حتی کہ فرشتوں سے بھی بازی لے جاتے ہیں۔ کیونکہ فرشتے نافرمانی کا اختیار نہیں رکھتے اور یہ اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں اس لئے ان کو سدا بہار جنتوں کے علاوہ اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہوگی جو ساری نعمتوں کی جان ہے وہ ہے تو سب کچھ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ذلک لمن خشی ربہ یعنی یہ بلند مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو دنیا میں قدم قدم پر اس بات سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارتے رہتے کہ کہیں کوئی ایسا کام ہم سے سرزد نہ ہو جائے جو خدا کے ہاں پکڑ کا موجب بنے اس لئے اس کی نافرمانی کے پاس تک نہیں جاتے۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں پہلے پیغمبر اعظم کے بھیجے کا بیان ہے۔ یعنی عرب اور ساری دنیا میں لوگ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک سب جتلائے کفر و ضلالت تھے۔ ان کا بری حالت سے نکلنا اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ایک ایسا پیغمبر آئے جو بذات خود ایک روشن دلیل ہو اور لوگوں کے آگے خدا کی کتاب کو اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے۔ جو پاکیزہ تعلیمات پر مشتمل ہونے کی صورت میں باطل کی آمیزش سے پاک ہو۔ پھر آگے چل کر اہل کتاب کی برائیوں کو واشگاف کیا گیا۔ وہ مختلف راستوں میں اس لئے نہیں بھٹک رہے کہ ان کے پاس ہدایت نہیں آئی تھی۔ اللہ نے تو ان پر رحمت پوری کر دی تھی۔ مگر وہ خود ہی نفس کے پھندوں میں پھنس گئے۔ اب پھر اللہ نے سب پر کرم کیا اور آخری پیغمبر اور آخری کتاب بھیج کر حجت مکمل کر دی۔ اب یہ بہکیں گئے تو ان پر اور بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوگی۔ پہلے تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ بھی وہی تھا۔ جس کی دعوت آپ دے رہے تھے کہ خالص اللہ کی بندگی کی جائے۔ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا جائے۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔ اور اس سے ہٹنے والے بھٹکنے والے ہیں۔ اس کے بعد آخری بات یہ ہے کہ جو اہل کتاب اور مشرک لوگ اب بھی نہیں مانیں گے۔ وہ بدترین خلایق ہیں۔ جن کی سزا ابدی جہنم ہے اور جو لوگ ایمان و عمل صالح کو اپنائیں گے وہ بہترین خلایق ہیں۔ وہ ہمیشہ جنت بدارمال رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش اور ایسے خوش نصیب اللہ سے ڈرنے والے ہی ہو سکتے ہیں۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ لم یکن کان یوم القیامۃ مع خیر البریۃ مساء و مقیلا جو شخص سورۃ لم یکن پڑھے گا اسے قیامت کے دن بہترین مخلوق کے ساتھ رکھا جائے گا دو پہر اور شام یعنی ہر وقت۔

لطايف سلوك:..... وما امرنا اخلاص اور اس کے مراتب کی تکمیل میں یہ آیت نص ہے جس کو حقیقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رضی اللہ عنہم روح المعانی میں ہے کہ اس سے یہ اشارہ نکلا کہ آخرت کے انتہائی مرتبہ یعنی رضائے حق کے لئے خشیت ضروری ہے اور وہ موقوف ہے معرفت حق پر اس لئے وہ بھی ضروری ہوئی۔

سُورَةُ زُلْزَلَتْ

سُورَةُ زُلْزَلَتْ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تَسْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ حُرْكَتْ لِقِيَامِ السَّاعَةِ زُلْزَالَهَا ﴿١﴾ تَحْرِيكُهَا الشَّدِيدُ الْمُنَاسِبُ لِعَظَمِهَا
وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ كُنُوزَهَا وَمَوَاتِنَهَا فَالْقَتُّهَا عَلَى ظَهَرِهَا وَقَالَ الْإِنْسَانُ الْكَافِرُ بِالْبَعْثِ
مَالَهَا ﴿٣﴾ انْكَارًا لِّلْكَالِ الْحَالَةِ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ إِذَا وَجَوَابُهَا تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ تُخْبِرُ بِمَا عُمِلَ عَلَيْهَا
مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ بِأَنْ يَسْبَبِ أَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا ﴿٥﴾ أَيْ أَمَرَهَا بِذَلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ تَشْهَدُ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ
أَمَةٍ بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلَى ظَهَرِهَا يَوْمَئِذٍ يَصْلُرُ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ مِنْ مَّقَافِ الْحِسَابِ اشْتَاتًا مُتَفَرِّقِينَ فَآخِذًا
ذَاتِ الْيَمِينِ إِلَى الْجَنَّةِ وَآخِذًا ذَاتِ الْبَیْمَالِ إِلَى النَّارِ لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ أَيْ جَزَاءُهَا مِنَ الْجَنَّةِ أَوْ النَّارِ فَمَنْ
يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ نَمْلَةً صَغِيرَةً خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ يَرِثُ ثَوَابَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾ جَزَاءُهُ

سورۃ زلزلت مکیہ یا مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: جب زمین ہلادی جائے گی (قیامت کی وجہ سے بھونچال آجائے گی) اپنی پوری شدت کے ساتھ (اپنی وسعت کے لحاظ سے سخت جنبش کرے گی) اور زمین کے اندر کے سارے بوجھ وہ نکال کر باہر ڈال دے گی (خزانوں اور مردوں کو اوپر اگل دے گی) اور انسان (قیامت کا منکر) بولے گا اسے کیا ہوا؟ اس روز (اذا کا بدل ہے اور اس کا جواب آگے ہے) وہ اپنے حالات بیان کرے گی (جو اچھے برے کام اس پر کئے گئے ان کی اطلاع دے گی) کیونکہ (اس وجہ سے کہ) آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (یعنی اس کو خبر دیے کو کہا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ زمین شہادت دے گی ان اعمال کی جو کسی مرد و عورت نے اس پر کئے ہوں گے) اس روز لوگ پلٹیں گے (حساب کے مقام سے لوٹیں گے) مختلف جماعتیں ہو کر (مختلف سمتوں کی طرف دائیں اعمالانے والے جنت کی طرف اور بائیں اعمالانے والے دوزخ کی جانب) تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں (یعنی ان کا بدلہ جنت یا جہنم) سو جس نے ذرہ (چھوٹی چوٹی) برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے ثواب کو) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر

بدی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے بدلہ کو) دیکھ لے گا۔

تحقیق و ترکیب:..... مکہ عبد اللہ بن مسعود، عطاء اور جابر کا قول ہے۔ لیکن عباس اور قتادہ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ زلزالہا اس سے حاصل مصدر یا مصدر مبنی للمفعول مراد ہے۔ تاکہ فعل مجہول کا یہ مفعول مطلق بن سکے۔ اس میں اضافت کی توجیہ بھی ہے۔ یعنی یہ زلزلہ زمین کی جسامت کے لحاظ سے نہایت سخت ہوگا۔ فقہ اولی کے وقت یہ زلزلہ ہوگا یا فقہ ثانیہ کے وقت، یا یوں کہا جائے کہ جو بھی زلزلہ کی ممکنہ صورت ہو سکتی ہے یا جس کا تقاضہ حکمت الہی کرے گی۔ وہ ہو جائے گا۔ ایک قرأت زلزالہا فقہ زاء کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر نہیں ہوگا۔ بلکہ حرکت کا نام ہوگا۔ نیز فعلال کا وزن مضاعف کے سوا نہیں آتا۔

اخرجت الارض جس طرح زمین کو درخت، گھاس اگانے کی طاقت دی گئی ہے۔ اسی طرح تمام اندرونی چیزوں کو اپنی سطح پر اگل دینے کی صلاحیت اس میں پیدا کر دی جائے گی۔

وقال الانسان اس سے کافر مراد ہے۔ کیونکہ مومن کی زبان پر تو خدا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون ہوگا اور کافر کی زبان پر ہوگا من بعثنا من مرقدا تا ہم مطلق انسان بھی مراد ہو سکتا ہے۔

تحدث اخبارها تحدث کا مفعول اول الناس محذوف ہے اور اخبارها مفعول ثانی ہے۔ تھیہ زمین بولے گی یا زبان حال سے مجازاً بولنا مراد ہے۔

یومئذ بدل ہے اور تحدث ناصب ہے اور اگر یومئذ بدل کے بجائے اصل ہو تو اذا کا ناصب مضر ہوگا۔

بان ربك یہ اخبارها سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور لہا میں لام بمعنی الی ہے یا اپنی اصل پر نفع کے لئے ہے گویا گنہگاروں کے گناہوں کی شہادت زمین دے گی۔

لیروا یہ معروف بھی پڑھا گیا ہے۔

یروہ یہ آیت یروا کی تفصیل ہے۔ اسی لئے ایک قرأت میں یروہ بھی ہے اور ہشام سکون ہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ کافر کی سزا میں اس کے نیک کاموں کی وجہ سے تخفیف ہو جائے۔ اسی طرح بڑے گناہوں سے بچنے والے مومن کے چھوٹے گناہوں کی وجہ سے ثواب میں کمی ہو جائے اور بعض کی رائے ہے کہ پہلا حصہ سعداء کے ساتھ اور دوسرا حصہ اشقیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور ذرۃ چھوٹی چیونٹی کے معنی ہیں اور ہوا کے ذرات کو بھی کہتے ہیں۔

رابط آیات:..... سورۃ الفصحی میں جن مہمات کا ذکر تھا۔ ان میں مجازات و قیامت بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:..... حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا، جانتے ہو کہ زمین کے وہ حالات کیا ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ ورسولہ اعلم فرمایا ہر بندے کے اعمال کی گواہی زمین دے گی۔ جو اس کی پیٹھ پر کئے گئے ہوں گے، وہ کہے گی اس نے فلاں فلاں دن کام کیا تھا۔ یہ زمین حالات بیان کرے گی۔ حضرت ربیعہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ذرا زمین سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے، اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے، اچھا ہو یا برا۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن زمین ہر عمل کو لے کر آئے گی جو اس کی پشت پر کیا گیا ہو۔ حضرت علیؓ جب بیت المال کا

سب روپیہ اہل حقوق میں بانٹ دیتے تو آخر میں دو نفل ادا کرتے اور زمین کو خطاب کر کے فرماتے تھے، گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔ (۱) حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ جب آیت فمن يعمل مثقال الذر نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنا عمل دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا یہ بڑے بڑے گناہ؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا اور یہ چھوٹے گناہ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا پھر تو میں مارا گیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اے ابوسعید! کیونکہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ ابوسعید خدریؓ چونکہ مدنی ہیں غزوہ اُحد کے بعد یہ سن بلوغ کو پہنچے۔ اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر صحابہ کرام اور حضرات تابعین کا جو طرزِ شان نزول کے سلسلہ میں رہا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے کسی صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں موقعہ پر نازل ہوئی۔ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ اس کا نزول اسی وقت ہوا تھا۔ جس پر اس سورت کا مضمون اور انداز بیان بھی کئی سورتوں سے ملتا جلتا ہے۔

(۲) مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ آیت فمن يعمل الخ دو آدمیوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ ایک شخص ایسا تھا کہ اس کے پاس اگر کوئی سائل آتا تو وہ معمولی چیز دینے سے ہچکچاتا اور دوسرا آدمی معمولی گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔ اور کہا کرتا کہ دوزخ تو بڑے گناہوں کی وجہ سے ہوگی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں چھوٹی نیکی کی ترغیب اور چھوٹی برائی کی ممانعت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فمن لم یجد فیکلمۃ طیبۃ اور صغائر سے بچنے کے لئے حضرت عائشہؓ کو فرمایا ایاک ومحقرات الذنوب فان لها من اللہ طالبا۔

﴿تشریح﴾:..... زلزلہ کہتے ہیں بھونچال کو پے درپے زور سے حرکت کو، یعنی فحۃ ثانیہ کے وقت حق تعالیٰ ساری زمین کو ہولناک اور سخت زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس سے کوئی عمارت، پہاڑ، درخت زمین پر نہیں رہ سکیں گے۔ سب نشیب و فراز برابر ہو کر میدان حشر ہموار اور صاف ہو جائے گا۔ اور قیامت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا کہ سارے انسان دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اور بعض مفسرین اس کو فحۃ اولیٰ یعنی قیامت کے پہلے مرحلے پر محمول کرتے ہیں۔ جب ساری مخلوق ہلاک ہو کر نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اگل دے گی:..... واخرجت الارض سورۃ انشقاق میں فرمایا گیا ہے والقت ما فیہا وتخلت زمین میں جو بھی ہوگا۔ انسان ان کے اعضاء و اجزاء اچھے، برے اعمال اور دفائن خزانے سب کچھ اگل کر رکھ دے گی۔ اور جس مال و دولت پر دنیا میں لڑائیاں کٹائیاں ہوا کرتی ہیں وہ یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔ کسی کو دھیان نہیں ہوگا اور معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر بے کار چیز ہے۔

وقال الانسان زندہ ہوتے ہی ہوش میں آنے کے بعد ہر شخص ہکا بکا ہو کر پکارا اٹھے گا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ بعد میں اس پر یہ حقیقت کھلے گی کہ یہ تو میدان حشر پاپا ہے اور انسان سے مراد منکر آخرت کا فر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان سب باتوں کو ناممکن سمجھ کر مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اب یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان ہوگا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ ہو کیا رہا ہے؟ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں البتہ اہل ایمان پر دوسری کیفیت طاری ہوگی۔ ان کے سامنے جو کچھ نقشہ پیش ہو رہا ہوگا۔ وہ چونکہ ان کے عقیدہ اور یقین کے مطابق ہوگا، اس لئے انہیں طمانیت ہوگی۔

قیامت کے روز زمین عالمی خبریں نشر کرے گی:..... یومئذ تحدث یعنی انسان نے کو کچھ پہلے برے کام زمین پر رہ کر کئے ہوں گے وہ سب اترے پترے اگل دے گی۔ جتنے اعمال دنیا میں کئے گئے ان سب کا ریکارڈ زمین کی پلیٹ پر ریکارڈ ہو گیا ہوگا۔ وہ سب وقت پر کھول دیا جائے گا۔ کسی زمانہ میں تو زمین کا بولنا اور انسان کی کہانی بیان کرنا عجوبہ بنا ہوا تھا۔ لیکن آج سائنسی ایجادات اور علوم طبعی کے انکشافات نے یہ مراحل آسان اور قابل فہم بنا دیئے ہیں۔ آخر انسان جو کچھ منہ سے نکالتا اور بولتا ہے وہ ہواؤں، دریائی لہروں، گھروں کے درود یوار، فرش اور فرش کے ذرے ذرے میں جذب ہوا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا۔ ان ساری آوازوں کو ٹھیک اسی طرح ان چیزوں سے دھروا سکتا ہے جس طرح وہ کبھی انسان کے منہ سے نکلتی تھیں۔ اس وقت انسان اپنے کانوں سے سن کر صاف پہچان لے گا کہ یہ اسی کی اپنی آواز ہے۔ دنیا میں کوئی اپنی آواز نہ پہچان سکتا ہے اور نہ اپنی صورت ذہن نشین رکھ سکتا ہے مگر اس عالم کو اس عالم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں یہ سب کچھ ممکن ہوگا۔ اس کے سبب جان پہچان والے بھی سمجھ جائیں گے کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں وہ اسی شخص کی آواز اور اسی کالب دلچہ ہے۔

زندگی کی ریل تیار ہو رہی ہے:..... آج انسان جہاں کہیں بھی جو کچھ کر رہا ہے اس کی تمام نقل و حرکت کا عکس اس کے گرد و پیش کی تمام چیزوں پر پڑ رہا ہے اور اس کی تصویر ان پر نقش ہو رہی ہے۔ بالکل گھپ اندھیرے میں بھی جو کچھ کرتا ہے۔ خدا کی خدائی میں ایسی شعاعیں موجود ہیں جن کے لئے اندھیرا جالاسب برابر ہے۔ ایک سرے مشین اور ریکارڈ مشین ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ وہ ہر حالت میں اس کی تصویر لے سکتی ہے۔ یہ ساری تصویریں قیامت کے دن متحرک صورت میں انسان کے سامنے آ جائیں گی اور مکمل ریل پیش کر دی جائے گی۔ انسان دیکھ لے گا کہ وہ زندگی بھر کہاں، کیا کرتا رہا ہے؟ یوں سب کچھ اللہ جانتا ہے اس کے علم سے کائنات کے ذرہ بھی باہر نہیں ہے مگر آخرت کی سب سے بڑی عدالت جب قائم ہوگی تو انصاف کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں گے یہی وجہ ہوگی کہ ناقابل انکار اور قطعی صریح ثبوت سامنے آ جانے کے بعد انسان دم بخود ہو کر رہ جائے گا۔

بلحاظ اعمال لوگوں کی ٹولیاں بنادی جائیں گی:..... یصدر الناس یعنی اس روز لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر ٹولیاں بن کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔ مثلاً یہ گروہ شرایہوں کا ہے۔ یہ گروہ زانیوں کا ہے۔ یہ گروہ چوروں اور ڈاکوؤں کا ہے اور یہ مطلب ہے کہ حساب کتاب سے فارغ ہو کر جب لوٹیں گے تو درجہ وار کچھ جماعتیں جنتیوں کی ہوں گی۔ جو جنت کی طرف رواں دواں ہوں گی اور اسی مرحلہ وار کچھ گروہ دوزخیوں کے ہوں گے جو دوزخ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص نفسا نفسی میں مبتلا ہوگا۔ کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ خاندان اور برادری کے لوگ سب تتر بتر ہو جائیں گے۔ ہر فرد اپنے غم میں پناہوا ہوگا۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

زندگی بھر کا کچا چھٹا سامنے آ جائے گا:..... لیرو اعمالہم اعمال دکھلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے اعمال اپنے سامنے دکھائی پڑیں گے اعمال، ایمان کی صورت میں متشکل ہوں گے تاکہ نیکیوں کو سرخروئی اور بدوں کو رسوائی کا سامنا ہو یا اعمال کا دکھانا ان کا مکمل استحضار کرنا ہے کہ ہر شخص پورے یقین اور وثوق سے سمجھ جائے گا کہ یہ میرے ہی کئے ہوئے کام ہیں۔ یہ مطلب ہے کہ ان کے ثمرات و نتائج سامنے نظر آ جائیں گے۔ فمن یعمل یہ لیرو اعمالہم کی تفصیل ہے یعنی کسی آدمی کی کوئی ذرہ بھرنیکی یا بدی ایسی نہیں ہوگی۔ جو نامہ اعمال میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔ لیکن اعمال دیکھنے کا مطلب اگر اعمال کی جزاء اور سزا کا دیکھنا ہو تو پھر بقول قاضی بیضاوی اس تفصیل کا یہ مطلب لینا صحیح نہ ہوگا۔ کہ آخرت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بدی کی سزا ہر شخص کو دی جائے گی۔ اس طرح وہاں کوئی شخص بھی اپنی کسی نیکی کی جزاء سے اور کسی بدی کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ پھر تو اس کے معنی

یہ ہوں گے کہ ایک ایک اچھے عمل کی جزا اور ایک ایک برے کام کی سزا الگ الگ مل کر رہے گی۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا صالح مومن بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کی سزا پانے سے نہ بچ سکے گا۔ اور کوئی بدترین ظالم و کافر اور بدکار انسان بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے اچھے فعل کا اجر پائے بغیر نہیں رہے گا۔

علامہ زکھشریؒ پر قاضی بیضاویؒ کا رد: حالانکہ یہ دونوں باتیں قرآن و حدیث کی تصریحات کے تو خلاف ہیں ہی عقل کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ کون سی عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ کا ایک نہایت وفادار خدمت گزار خادم ہو۔ مگر آپ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کو بھی معاف نہ کریں۔ بلکہ اس کی ایک ایک خدمت پر انعام و اکرام کے ساتھ اس کے ایک ایک قصور کو گن گن کر ہر ایک کی سزا بھی دیں۔ اسی طرح یہ بھی بات قابل فہم نہیں کہ آپ کا پروردہ شخص جس پر آپ کے بے شمار احسانات ہوں وہ آپ سے غداری اور بے وفائی کرے اور آپ کے احسانات کا جواب نمک حرامی ہی سے دیتا رہے مگر آپ اس کے مجموعی رویہ کو خیر انداز کر کے اس کی ایک ایک غداری کی سزا الگ، اور اس کی ایک ایک معمولی ہی سہی، خدمت کا صلہ الگ دیں، علامہ زکھشریؒ اور ان کے رفقاء معتزلہ اپنی عقلمندی کے زعم میں ان حقائق تک رسائی نہیں پاسکے۔ بیضاویؒ نے اس کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر نیکی اور بدی کے ثمرات دیکھ لے گا۔ بشرطیکہ اس وقت تک وہ نیکی اور بدی باقی رہی ہو۔ ورنہ اگر کفر کی وجہ سے وہ خیر فنا ہو چکی ہو۔ یا تو یہ اور ایمان ہے وہ شرذائل ہو چکا ہو وہ اس کلمہ میں داخل ہی نہیں۔ کیونکہ وہ خیر خیر نہ رہی اور وہ شر شر نہ رہا۔ اور جب حکم کا مدار ہی نہ رہا تو حکم ہی ثابت نہ ہوگا۔

خلاصہ کلام: اس سورت کا حاصل مرنے کے بعد دوسری زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ جب انسان کا کچا چھٹا اس کے سامنے آجائے گا۔ اور وہ اعمال کے ہو بہو سامنے آنے سے ہکا بکا رہ جائے گا۔ اور کسی ایک بات کا بھی انکار نہیں کر سکے گا۔ اور یہ زمین جس پر انسان نہایت بے فکری اور آزادی سے دندناتا پھرتا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں کبھی بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ بے جان چیز اور بے عقل چیز کسی وقت اس کی ہر نقل و حرکت کی گواہی دے گی۔ اور ہر انسان کی پوری سرگذشت کی بولتی فلم پیش کرے گی۔ آگے چل کر ارشاد ہے کہ زمین کے چپے چپے سے لوگ گروہ در گروہ اپنے مرقدوں سے نکل نکل کر آئیں گے۔ اور ان کی ٹولیاں بن کر پیش ہوں گے۔ یا ہر شخص انفرادی طور پر بارگاہ الہی میں پیش ہوگا۔ عزیز و اقرباء سب منتشر ہوں گے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اور لوگوں کے اعمال اور نتائج دکھلا دیئے جائیں گے۔ اور عدالت عالیہ میں ایسی مکمل و مفصل روئیداد پیش ہوگی، کہ ذرہ برابر نیکی یا بدی پیش ہونے سے نہیں رہ جائے گی۔ اور ہر ایک کے ثمرات بھی دیکھ لے گا، بشرطیکہ اس وقت تک وہ خیر و شر باقی رہی ہو۔

فضائل سورت: من قرء سورة اذا زلزلت اربع مرات كان كمن قرأ القرآن كله جو شخص سورۃ اذالزلزلت چار مرتبہ پڑھے گا۔ اس کو پورے قرآن کے برابر سمجھا جائے گا۔

لطايف سلوك: يومئذ تحدث اس سے صاف معلوم ہوا کہ جمادات بھی بولتے ہیں۔ اور بولنا عادتہ حیات و ادراک پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں باتیں بھی جمادات میں ثابت ہوئیں اور دوسری نصوص کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں بولنے اور حیات و ادراک کا صرف اظہار ہوگا۔ ورنہ اب بھی ان میں یہ چیزیں موجود ہیں۔

سُورَةُ الْعُنَيْدِ

سُورَةُ الْعُنَيْدِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعُنَيْدِ الْخَيْلُ تَعْدُوْنَ فِي الْعَزْوِ وَتَضْبَحُ صُبْحًا ﴿١﴾ هُوَ صَوْتُ أَحْوَا فِيهَا إِذَا عَدَتْ فَالْمُورِيَتِ الْخَيْلُ
تُورِي النَّارَ قَدْ حَا ﴿٢﴾ بِحَوَافِرِهَا إِذَا سَارَتْ فِي الْأَرْضِ ذَاتِ الْحِجَارَةِ بِاللَّيْلِ فَالْمُعِيرِ تِ صُبْحًا ﴿٣﴾
الْخَيْلُ تُغَيِّرُ عَلَى الْعَدُوِّ وَقْتَ الصُّبْحِ بِإِغَارَةِ أَصْحَابِهَا فَاتَّوْنُ هَيْجَنَ بِهِ هَيْجَنَ بِمَكَانٍ عُدُوْهُمْ أَوْ بِذَلِكَ
الْوَقْتِ نَقْعًا ﴿٤﴾ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرَكَتِهِمْ فَوْسَطُنَ بِهِ بِالنَّقْعِ جَمْعًا ﴿٥﴾ مِنَ الْعَدُوِّ أَيْ صِرْنَ وَسَطَهُ وَعَظَفَ
الْفِعْلُ عَلَى الْأِسْمِ لِأَنَّهُ فِي تَأْوِيلِ الْفِعْلِ أَيْ وَاللَّائِي عَدُوٌّ فَأَوْرَيْنَ فَاعْرَنَ إِنَّ الْإِنْسَانَ أَيْ الْكَافِرَ لِرَبِّهِ
لَكُنُودٌ ﴿٦﴾ لَكُفُورٍ يَحْمَدُ نِعْمَةَ تَعَالَى وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ أَيْ كُنُودِهِ لَشَهِيدٌ ﴿٧﴾ يَشْهَدُ عَلَى نَفْسِهِ
بِصَنِيعِهِ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ أَيْ الْمَالِ لَشَدِيدٌ ﴿٨﴾ أَيْ لِشَدِيدِ الْحُبِّ لَهُ فَيَنْخَلُ بِهِ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ
أُتِيرَ وَأُخْرِجَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿٩﴾ مِنَ الْمَوْتِ أَيْ بُعْثُوا وَحُصِّلَ بَيْنَ وَأَفْرِزَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١٠﴾ الْقُلُوبِ مِنَ
الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾ لَعَالِمٌ فَيَحْزَارِيهِمْ عَلَى كُفْرِهِمْ أَعْيَدَ الضَّمِيرُ جَمْعًا نَظَرًا
لِمَعْنَى الْإِنْسَانِ وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلَى مَفْعُولٍ يَعْلَمُ أَيْ إِنَّا نَحْزَارِيهِ وَقْتَ مَا ذَكَرَ وَتَعَلَّقَ خَبِيرٌ بِوَيْ مُدِّ
وَهُوَ تَعَالَى خَبِيرٌ دَائِمًا لِأَنَّهُ يَوْمُ الْمُحَازَاةِ

ترجمہ: قسم ہے ان گھوڑوں کی جو (جہاد میں دوڑتے اور پھنکارے مارتے ہیں) ہانپتے ہیں (گھوڑا دوڑنے کے وقت جو آواز اس کے اندر سے نکلتی ہے) پھر ٹاپوں سے (وہ گھوڑے آگ کی) چنگاریاں جھاڑتے ہیں (اپنے کھروں سے رات کے وقت پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے) پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں (گھوڑے اپنے سواروں کے ساتھ شب خون مارتے ہوئے) پھر اڑاتے ہیں۔ وہاں (اس جگہ یا اس وقت) گردوغبار (گھوڑا دوڑے دھول) پھر اسی (گردوغبار کی) حالت میں کسی مجمع کے اندر جا گھستے ہیں (دشمن کے یعنی ان کے بیچ میں گھستے چلے جاتے ہیں اور فعل کا اسم پر عطف ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ اسم فعل کی تاویل

نہیں ہے۔ عمارت اس طرح ہو جائے گی۔ واللاتی عدون فاو رین فاغرن (حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر) اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے) (اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے) اور اس کو خود اس (ناشکری) کی خبر ہے (اپنے کثرت سے اپنے اوپر گواہ ہے) اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے (مال سے انتہائی محبت رکھتا ہے اس لئے بخل کرتا ہے) کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا۔ جب نکال لیا جائے گا (اکھاڑ، برآمد کر لیا جائے گا) قبروں میں جو کچھ ہے (یعنی مردے ان کو زندہ کر کے اٹھا دیا جائے گا) اور آشکارا (ظاہر اور واضح) ہو جائے گا۔ جو کچھ دلوں میں ہے (کفر و ایمان) یقیناً ان کا رب اس روز ان سے باخبر ہوگا (لہذا ان کے کفر کی سزا دے گا۔ جمع کی ضمیریں انسان کی طرف بلحاظ معنی کے ہیں۔ یہ جملہ یعلم کے مفعول پر دلالت کر رہا ہے۔ ایسا نجاہیہ وقت ما ذکر اور خبیثہ کا تعلق یومئذ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ وہ بدلہ کا دن ہے۔ اگرچہ اللہ کا باخبر ہونا دائمی ہے)۔

تحقیق و ترکیب:..... مکیہ ابن مسعود وغیرہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ اور ابن عباس وغیرہ کے نزدیک مدنی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ آنحضرتؐ نے کہیں گھوڑے روانہ کئے۔ لیکن ایک مہینہ گزر گیا کہ ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تب یہ سورت نازل ہوئی۔ جس میں ان کے حال کی طرف اشارہ ہے۔

والعنکبوت عادیه کی جمع ہے۔ تیز گام۔ جہاں اللہ نے تین قسمیں کھا کر مقسم بہ کی تعظیم اور مقسم علیہ کی تشنیع ظاہر کی ہے۔ ضبحا مفسر نے فعل محذوف ناصب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور عادیات کے ذریعہ بھی یہ منصوب ہو سکتا ہے کیونکہ دلالت التزامی کے ساتھ اس کے معنی ضاحات ہی کے ہیں یا اس کو حال کی وجہ سے منصوب مانا جائے ضابحة۔

فالموریت ایراء کے معنی چنگاری جھاڑنے کے ہیں اور قدح کے معنی مارنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے قدح الزند فاوری گھوڑوں کی ٹاپ سے شرارے اٹھنا مراد ہیں۔ اس کے اعراب میں بھی پہلی صورت جاری ہوگی ای بقدح قدحا اگرچہ بظاہر قدحا موریت سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایراء قدح پر دلالت کرتا ہے۔ اور تیز کی وجہ سے بھی نصب ہو سکتا ہے۔

فالمغیرات اغارہ کے معنی غارت گری، لوٹ مار کرنا۔

فائرن بمعنی برا ہیختہ کرنا بہ کی ضمیر ضبحا کی طرف راجع ہے باظرفیہ ہے لیکن اگر اغارۃ کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو باسیت یا ملاہست کے لئے ہوگی۔ اور چونکہ عادیات، موریت، مغیرات باوجود اسماء ہونے کے فعل کی تاویلات میں ہیں۔ جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ فرمادیا ہے۔ اس لئے وسطین اور اثرون افعال کا عطف باعث اشکال نہیں رہا۔ ان اسماء پر الف، لام موصولہ ہے۔ ان قسموں کے متعلق یہ بھی ممکن ہے کہ نفس کی تین حالتوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔ قاضی بیضاوی کی عبارت یہ ہے۔ ویحتمل ان یکون القسم بالنفوس العادیه اثر کمالہن الموریات بافکارہن انوار المعارف والمغیرات علی الهوی والعادات اذا لظہر لہن مبتداً انوار القدس فائرن بہ نقعا فوسطن بہ جمعا من جموع العلمین لکنود بمعنی کفور کند النعمۃ کنودا سے ماخوذ ہے اور لغت کندہ میں اس کے معنی نافرمان کے اور بنی مالک کے لغت میں بخیل کے معنی ہیں۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ الکنود الذی یاکل وحده ویمنع رفده ویضرب عبده۔ ذوالنوی مصری فرماتے ہیں الہلوع والکنود هو الذی اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخیر منوعا۔

وانہ ضمیر کا مرجع انسان ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، اس صورت میں وعید ہوگی۔

لحب الخیر مال اگرچہ خبیث ہوتا ہے۔ مگر طاعت و عبادت میں معین ہونے کی وجہ سے اس کو خیر کہا گیا۔

اذا بعثر ایک قرأت بحث اور بحث بھی ہے۔

حاصل بقول امام راغبؒ بخصیل کے معنی چھلکے سے مغز کو اور بھوسہ سے دانے کو اور سونے کو کان سے نکالنے کے لیتے ہیں۔
فی الصدور قلبیہ کی تخصیص اصل ہونے کی وجہ سے ہے۔
یومئذ لخبیر حق تعالیٰ ہمہ وقت ہر چیز سے اگرچہ واقف ہیں۔ لیکن قیامت کی تخصیص اعمال کے بدلہ کی وجہ سے ہے۔

رابط آیات: منجملہ سورہ والضحیٰ کی مہمات کے بڑے کاموں سے بچنا بھی ہے۔ سورہ والعنکبوت میں برائیوں کی برائی اور ان کی سزا کا ذکر ہے۔ اس کا کلی مدنی ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن مسعودؓ، جابرؓ، حسن بصریؓ، عطاءؓ تو مکی کہتے ہیں۔ انسؓ، مالکؓ اور قتادہؓ مدنی مانتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے دونوں قول ہیں۔ مگر مضمون سورت سے مکی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ ابتدائی دور سے متعلق ہوگی، وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿تشریح﴾ والعنکبوت دوڑنے والوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں۔ اور بعض حضرات دوڑنے والے اونٹ مراد لیتے ہیں۔ لیکن اگلے الفاظ سے یہی نکلتا ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں اور یوں بھی عرب جنگ پسند ہونے کی وجہ سے تیز رو گھوڑوں کو عزیز رکھتے تھے۔
فما المودیت رات کے وقت گھوڑوں کی ٹاپوں سے شب خوں مارنے کے وقت شرارے اور چنگاریاں جھڑتی تھیں۔
شب خوں صبح کے جھرمٹ کے اندھیرے میں ہوتا تھا۔ فوسطن بہ جمعاً وہ گھوڑے اتنے جری اور دلیر ہیں کہ بے خوف و خطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ ان آیات میں جہاں گھوڑوں کی قسموں کا احتمال ہے وہیں یہ ممکن ہے کہ مجاہدین اور فوجی رسالوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔

شریف گھوڑے کو ایک چابک اور شریف انسان کو ایک بات کافی ہے: لکنود۔ یہ ہے وہ بات جس پر گھوڑوں یا مجاہدین کی قسمیں کھائی گئی ہیں یعنی جہاد میں مجاہدین کی سرفروشی اور جان بازی بتلائی گئی ہے کہ شکر گزار و فادار ایسے ہوا کرتے ہیں۔ لیکن جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور مال و دولت کو خرچ نہیں کرتا۔ وہ پرلے درجے کا ناشکر اور نالائق ہے۔ بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور ان کی بے شمار نعمتوں سے دن رات فائدے اٹھاتے ہیں۔ پھر اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شریف گھوڑے کو مالک گھاس اور کچھ دانہ دینا کھلا دیتا ہے۔ تو وہ اتنی سی بات پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر ہی دوڑ جاتا ہے۔ اور ہانپتا ہوا۔ ٹاپیں بھرتا ہوا، غبار اڑاتا ہوا گھسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں اور سنگینوں اور تلواروں کے سامنے پڑ کر سیدہ نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ان گھوڑوں سے کچھ سبق لیا۔ کہ اس کا پالنے والا بھی مالک ہے۔ جس کی وفاداری میں اسے جان و مال سے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ انسان کی کتنی ناشکری ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے سے بھی وفاداری میں گیا گزرا ہے۔

انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے: وانہ علی ذلک لشہید انسان کا ضمیر خود اس کی اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ ذرا بھی کسی کے ضمیر میں احساس اور دل زندہ ہو تو اسے اندرونی آواز سے اپنا ناسپاس ہونا واضح ہو جائے گا۔ اور وانہ کی ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ انسان کے احسان ناشناسی اور کفران نعمت کو دیکھتا ہے اور بعض نے یہ مفہوم لیا ہے

کہ گھوڑوں کی جاں نثاری اور وفاداری سب انسان کے سامنے ہے۔ لہٰذا الخیر لشدید مال میں خیر و شر کے دو پہلوؤں میں سے یہاں خیر کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لالچ اور مال کی محبت نے انسان کو اتنا اندھا کر دیا ہے اور مال و زر کی محبت میں اتنا گرفتار ہے کہ سچے اور حقیقی مالک کو بھی بھلا بیٹھا ہے اور نہیں سمجھتا کہ آگے اس کا انجام کیا ہوگا۔

انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا:..... افلا یعلم وہ وقت بھی آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کئے جائیں اور دلوں میں جو باتیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ مال کتنا کام آتا ہے؟ اور ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائیں گے۔ اگر یہ بے حیا اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر اس طرح کی حرکتیں نہ کرتے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندے کے ظاہر و باطن کو ہر وقت اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ لیکن قیامت کے دن ہر شخص پر کھل جائے گا اور کسی کو جال انکار نہ رہے گی۔ اور اس وقت یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ فیصلہ صرف ظاہر کو دیکھ کر نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو بھی نکال کر دیکھا جائے گا۔ دنیا کی کسی عدالت میں ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ جن کی مدد سے نیت کی صحیح تحقیق ہو سکے۔ صرف خدا ہی کی عدالت عالیہ ہوگی۔ جہاں انسان کے ہر ظاہری عمل کے پیچھے جو باقی محرکات رہے ہیں۔ ان کی بھی پوری جانچ ہوگی۔ اور چچا تھلا فیصلہ کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت کا ماحصل انسان کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ آخرت کا انکار کر کے اور اس سے غافل ہو کر کیسی اخلاقی پستی میں گھر جاتا ہے۔ اور مال کی محبت میں متوالا بن کر اپنے سچے مالک کی وفاداری اور شکرگزاری سے منہ موڑ لیتا ہے۔ گھوڑا مالک کی احسان شناسی میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔ اور سوار کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر انسان اس سے بھی گیا گزرا ہے اور اس پر بھی انسان کو خبردار کیا گیا ہے کہ آخرت میں صرف ظاہر ہی پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اندر کے اترے پترے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔ آخر انسان ہے کس ہوا میں؟ اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورة والعاديات اعطى من الاجر عشر حسنات بعدد من بات بالمز دلفة وشهد جمعا. جو شخص سورۃ والعادیات پڑھے گا اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ جو مز دلفہ اور جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

اطراف سلوک:..... ان الانسان لربه لکنود اس میں انسان کی طبعی خاصیت کا ذکر ہے۔ اگرچہ جس پر اللہ کا فضل ہو وہ اس کے مقتضی پر عمل نہیں کرتا۔ اور بقول عصام مجاہدین کے ذیل میں اس کا لانا مجاہدین کی اس میں تعریف کا پہلو ہے کہ خلاف طبع سعی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان میں طبعی موانع رکھے ہوئے ہیں۔ جن سے اس کو زیادہ اجر ملتا ہے۔

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَارِعَةُ (۱) اِی الْقِیَامَةُ الَّتِی تَقْرَعُ الْقُلُوبَ بِأَهْوَالِهَا مَا الْقَارِعَةُ (۲) تَهْوِيلٌ لِّشَانِهَا وَهُمَامُتُهَا وَخَبَرٌ خَبِرُ الْقَارِعَةِ وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا الْقَارِعَةُ (۳) زِيَادَةُ تَهْوِيلٍ لَهَا وَمَا الْأَوَّلَى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهَا خَبْرَةٌ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبَرُهَا فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِأَدْرَى يَوْمَ نَاصِبُهُ دَلٌّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ اِی تَقْرَعُ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ (۴) كَغَوْغَاءِ الْحَرَادِ الْمُتَشِيرِ يُمُوجُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ لِلْحَيْرَةِ اِلَى أَنْ يُدْعَوْ لِلْحِسَابِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (۵) كَالصُّوفِ الْمُنْدُوفِ فِي خِفَّةٍ سَبَرِهَا حَتَّى تَسْتَوِيَ مَعَ الْأَرْضِ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ (۶) بِأَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ (۷) فِي الْحَنَةِ اِی ذَاتِ رِضَابٍ اِنْ يَرْضَاهَا اِی مَرْضِيَّةً لَهُ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (۸) بِأَنْ رَجَحَتْ سَيِّئَاتُهُ عَلَى حَسَنَاتِهِ فَأَمَّهُ فَنَسَكُنُهُ هَاوِيَةً (۹) وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَةٌ (۱۰) اِی مَا هَاوِيَةٌ هِيَ تَارٌ حَامِيَةٌ (۱۱) اِی شَدِيدُ الْحَرَارَةِ وَهِيَ لِلْسَّكَنِ تَثَبُّتٌ وَصَلًا وَوَقْفًا وَفِي قِرَاءَةِ تَحْدُفٌ وَصَلًا

سورۃ القارعہ کیلئے ہے اس میں آٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت جو اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو جھڑکھڑا دیتی ہے) کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت کی دہشت بتلائی ہے۔ ما القارعة مبتداء خبر سے مل کر جملہ القارعة اول کی خبر ہے) آپ کو کچھ معلوم (پتہ) ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ دہشت ناک ہے۔ ما ادراک میں ما مبتداء ہے ادراک اس کی خبر ہے اور ما القارعة میں ما اور اس کی خبر ادراک کے مفعول ثانی کی جگہ ہے) جس روز (اس کا ناصب محذوف ہے جس پر لفظ القارعة دلالت کر رہا ہے یعنی تفرع) لوگ سرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے (منتشر پروانوں کی طرح پھیلے ہوئے حیرت کے مارے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے یہ حالت حساب کی پیشی تک رہے گی) اور پہاڑ (دھنکی ہوئی رتیلین اون کی طرح ہو جائیں گے) دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑے ہوئے پھریں گے (حتی کہ زمین میں مل جائیں گے) پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (نیکیاں، بدیوں پر غالب ہوں گی) وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (جنت کے اندر، یعنی پسندیدہ جس میں وہ مگن ہوگا یعنی آرام سے بھاتا ہوگا) اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا (اس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی) اس کا ٹھکانہ (جائے قیام) گہری کھائی ہوگی اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے (یعنی وہ گہری کھائی کیسی ہوگی) ایک دھکی ہوئی آگ ہے (بھڑکتی ہوئی اور ہیہ کی ہا سکتہ کی ہے جو وقت

دو وصل دونوں حالت میں برقرار رہتی ہے اور ایک قراءت کے اعتبار سے بحالت فصل حذف ہو جاتی ہے۔

تحقیق و ترکیب:..... القارعة قرع کے معنی کھڑکھڑانے اور ٹھوکنے کے، سخت حادثہ پر بولا جاتا ہے قرعہم القارعة کے معنی یہ ہیں کہ فلاں قبیلہ پر سخت آفت آگئی۔ قرآن میں بھی سخت مصیبت کے معنی میں آیا ہے۔ ولا یزال الذین کفروا تصیہم بما صنعوا قارعة قیامت سے بڑھ کر اور کیا آفت اور مصیبت ہوگی۔

ما القارعة تفسیر ابوالسعود میں یہ ہے کہ ما استفہامیہ خبر مقدم ہے۔ اور القارعة مبتداء ہے۔ کیونکہ اصل محط فائدہ خبر ہوا کرتی ہے نہ کہ مبتداء۔ چنانچہ یہاں ما کی فحامت مقصود ہے نہ کہ قارعه کی تحویل۔ یوم اس کا ناصب۔ مفسر نے اول القارعة کو نہیں مانا۔ مفصل کی وجہ سے اور دوسرا اور تیسرا القارعة بھی عامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بلحاظ معنی طرف ان سے جو نہیں بیٹھتا۔ اس لئے مفسر نے تفرع عامل محذوف مانا ہے اور یکون ناقصہ کی خبر کالفراش ہے۔ ای یکون الناس مشہین بالفراش اور یکون اگر تادمہ ہو تو پھر اس کے فاعل سے حال ہو جائے گا ای یوجدون و یحشرون حال کونہم مشہین بالفراش پروانوں کے ساتھ تشبیہ دینے میں مختلف مبالغے ہیں۔ ان کی کثرت اور منتشر ہو کر ایک دوسرے میں گھسنا اور ضعف و تذلل اور بے قراری سے اڑنا حتیٰ کہ آگ کی نذر ہو جانا۔ قاموس میں ہے کہ غوغا کہتے ہیں پروانوں کے جب پر ٹکل آئیں۔

وتکون العجیال یعنی قیامت کے اثر سے پہاڑ جیسی مضبوط چٹانیں بھی دھنی ہوئی روٹی کی طرح اڑتی پھریں گی۔ پس انسانوں کا کیا حال ہوگا۔ جو مکلف بھی ہیں اور کمزور بھی۔ موازنہ یہ موزوں کی اگر جمع ہے تب تو اعمال مراد ہوں گے۔ جس سے ان کا وزنی ہونا اور اللہ کے نزدیک قابل قدر ہونا ہوا۔ اور اگر موازن میں ان کی جمع ہے تو اس کا ثقل ہونا اس کا جھکاؤ ہے اور موازن تعظیم کے لئے جمع ہے یا ہر مکلف کی میزان الگ ہونے کی وجہ سے یا موزونات کے اختلاف یا کثرت کی وجہ سے ہے۔

فی عیشۃ راضیۃ اسناد مجازی ہے سبب کی طرف کیونکہ خوشنودی کا سبب عیش ہے یا یہ حکم نسبت کے لئے ہے یا بمعنی مفعول ہے۔ خفت موازنہ نیکوں کے کم ہونے کی وجہ سے جب پہلے ہلکا ہوگا۔ تو حسنات بالکل نہ ہونے کی صورت میں بدرجہ موزوں ہلکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس پر یہ شبہ ہو کہ مؤمن کے گناہ اگر غالب ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سے غلو ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ گناہوں کی سزا کے بعد پھر انہیں جہنم سے نکال کر ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور بعض حضرات نے موازن کے ہلکا ہونے سے ان کا بالکل خالی ہونا مراد لیا ہے یعنی کافر مراد ہیں جن کے پاس نہ ایمان ہوگا اور نہ اعمال صالحہ۔ اسی طرح پہلی آیت میں کامل مؤمنین کا اور اس آیت میں کافر کا بیان ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں۔ ان کے لئے آسان حساب ہوگا۔ البتہ جس مؤمن کے گناہ نیکوں سے زیادہ ہوں گے وہ اللہ کی مرضی پر ہوں گے۔ چاہے وہ معاف فرمادے اور چاہے تو بقدر جرم سزا دیدے اور پھر جنت میں داخل کر دے اور جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بے حساب جنت میں جائیں گے۔

فماہاویہ جہنم کے ناموں سے ہاویہ بھی ہے جیسا کہ نار حامیہ سے مفہوم ہو رہا ہے۔ مفسر نے ام کا ترجمہ مسکن کے ساتھ کیا ہے، ماں کی گود بچہ کے لئے مسکن بھی ہوتی ہے۔

رابط آیات:..... سورۃ القارعة میں بھی مجازات ہی کا بیان ہے۔ چنانچہ اس کا زمانہ نزول بھی مکہ معظمہ میں اسلام کا ابتدائی دور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:..... فمن ثقلت موازنہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم انه میزان لہ لسان و کفتان لا یوزن فیہ الا الاعمال۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ میزان میں صحائف اعمال رکھ کر تولے جائیں گے پھر ان صحائف سے اعمال کے زیادہ کم ہونے کا

اندازہ کیا جائے گا۔ یا اعمال یہاں جو اعراض ہوتے ہیں۔ آخرت میں ایمان و جوہر اس کی صورت اختیار کر لیں گے۔ پھر ان جوہر کا وزن ہو جائے گا۔ جن کے اچھے اعمال کا وزن زیادہ ہوگا وہ اصحاب العیش ہوں گے، یعنی مؤمن اور جن کے اعمال کے غلبہ کی وجہ سے اچھے اعمال کا وزن بالکل نہیں ہوگا۔ یا ہوگا مگر کم وہ دوزخی ہوں گے یعنی کافر۔

﴿تشریح﴾:..... القارعة قیامت مراد ہے جو دلوں کو سخت گھبراہٹ سے اور کانوں کو اپنے کڑا کے سے کھڑکھڑاڈالے گی حاصل یہ ہے کہ اس حادثہ عظیمہ کا ہولناک منظر ناقابل بیان ہے۔ تاہم اس کے کچھ آثار بیان کئے جا رہے ہیں۔ جن سے اس کی شدت کا قدرے اندازہ ہو سکے گا۔ کمال فرائض المبعوث یعنی پروانوں کی طرح ہر آدمی پریشان اور سرگرداں پھرتا ہوگا۔ جسے کسی سمت ہی کا پتہ نہیں ہوگا۔ ضعف و کثرت، حیرانی و سرگردانی میں پروانوں کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے۔ یہ قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے جب سارا نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اور لوگ پروانوں کی طرح تتر بتر ہو کر پھریں گے اور رنگ برنگ کی دھنی ہوئی روئی کی طرح پہاڑ ہر طرف اڑتے پھریں گے۔ جن کے رنگ مختلف ہوں گے۔ ومن الجبال جدد بیض وحممر مختلف الوانها و غرابیب سود۔

وزن اعمال:..... فاما من ثقلت موازينه میزان اور موزون دونوں کی جمع آئی ہے۔ اگر میزان کی جمع ہے تب تو مطلوب یہ ہوگا کہ جس کے ایمان و عمل کا پلہ بھاری ہوگا وہ عیش میں ہوگا اور جس کے ایمان و عمل کا پلہ ہلکا ہوگا وہ دوزخی ہوگا۔ لیکن اگر موازن موزون کی جمع ہے جس سے مراد ایمان و عمل ہوں گے۔ تب بھی مدعا وہی رہتا ہے۔ بہر حال اعمال کا وزن ایمان و اخلاص کی نسبت سے ہوگا۔ دیکھنے میں کوئی کٹناہی بڑا عمل ہو۔ مگر اس میں اخلاص کی روح نہ ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کچھ وزن نہیں ہے۔ اللہ کی عدالت میں فیصلہ اسی بنیاد پر ہوگا۔ کہ آدمی اعمال کی جو پوچھی لے کر آیا ہے، وہ وزنی ہے یا بے وزن یا اس کی بھلائوں کا وزن اس کی برائیوں کے وزن سے زیادہ ہے یا کم کفر اور حق سے انکار بجائے خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو لازماً جھکا دے گی۔ اور کافر کی کوئی نیکی ایسی نہ ہوگی کہ بھلائوں کے پلڑے میں اس کا کوئی وزن ہو۔ جس سے اس کی نیکی کا پلڑا جھک سکے۔ البتہ مؤمن کے پلڑے میں ایمان کا وزن بھی ہوگا اور اس کے ساتھ ان نیکیوں کا وزن بھی ہوگا جو دنیا میں اس نے کیں۔ دوسری طرف اس کی جو بدی بھی ہوگی۔ وہ بدی کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی۔ پھر دیکھا جائے گا کہ آیا نیکی کا پلہ جھکا ہوا ہے یا بدی کا۔

امہ ہاویہ۔ ام کے معنی اصل جز اور مان کے آتے ہیں اور ہاویہ کے معنی گڑھے کے ہیں۔ پس جس طرح ماں کی گود بچہ کا ٹھکانہ ہوتی ہے، اسی طرح آگ کا یہ گڑھا دوزخیوں کا ٹھکانہ ہوگا۔ جس میں انتہائی تیز تپش ہوگی۔ وزن اعمال کی بحث پہلے ہی گزر چکی ہے اور سائنسی ایجادات نے موزون اعمال کا سمجھنا بہت سہل کر دیا ہے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورة القارعة ثقل الله له ميزانه يوم القيامة۔ جو شخص سورۃ القارعہ پڑھے گا۔ اللہ اس کے پلہ کو قیامت میں بھاری رکھے گا۔

لطايف سلوك:..... فاما من ثقلت ظاهراً نصوص سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود اعمال تو لے جائیں گے اور چونکہ عادتہ وزن، جوہر و ایمان کا ہونا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ بظاہر اعراض کو آخرت میں ایمان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ جس استحالہ کو فلاسفہ محال کہتے ہیں۔ وہ وجوب و امکان و امتناع تینوں کے حقائق میں محال ہے۔ لیکن آگ، ہوا، پانی، مٹی ان عناصر میں باہمی استحالہ محال نہیں ہے بلکہ فلاسفہ اس کو مشاہدہ مانتے ہیں۔

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمْ سَخَلَكُم مِّنْ طَاعَةِ اللّٰهِ التَّكْوِيْنِ ﴿۱﴾ التَّفَاخُرُ بِالْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَالرِّجَالِ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ بَاَنَّ مَتَّكُمْ فِدْفِنتُمْ فِيْهَا اَوْ عَدَدَدْتُمْ اَلْمَوْتٰى تَكَاثُرًا كَلَّا رَدَّعْ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ سُوْءٌ عَاقِبَةٌ تَفَاخُرْكُمْ عِنْدَ النَّزْعِ ثُمَّ فِى الْقَبْرِ كَلَّا حَقًّا لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾ اِىْ عِلْمًا يَّقِيْنًا عَاقِبَةُ التَّفَاخُرِ مَا اسْتَغْلَتْكُمْ بِهٖ لَتَرُوْنَ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ لَنَارَ جَوَابِ الْقَسَمِ مُحْذُوْفٌ وَحُذِفَ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْنُهُ وَالْقٰى حَرَكْتُهَا عَلٰى الرَّاءِ ثُمَّ لَتَرُوْنَهَا تَاكِدٌ عَيْنِ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾ مَّضَدَّرٌ لَّا رَاٰى وَعَايِنَ بِمَعْنٰى وَاَحَدٍ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِىَ التَّنَوُّاتِ وَاَوَا الضَّمِيْرِ الْحَمْعِ لِاَلْتِقَآءِ السَّآكِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ اَعْيُنٌ رُّوْىَتْهَا عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ مَا يَلْتَذِيْهِ فِى الدُّنْيَا مِنَ الصَّحْحَةِ وَالْفَرَآغِ وَالْاَمْنِ وَالْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

سورۃ التکاوین مکیہ ہے جس میں آٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے (اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹا رکھا ہے) ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے (مال و اولاد اور جتھہ کے گھمنڈ نے) یہاں تک کہ تم لب گورتک پہنچ جاتے ہو (مرکز زمین میں دفن ہو جاتے ہو یا فخر کرنے کی وجہ سے تم مردوں میں شمار ہونے لگو) ہرگز نہیں (ڈانٹ ہے) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے گھمنڈ کا انجام جان کنی کے وقت پھر قبر میں جا کر) ہرگز نہیں (بالیقین) اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی گھمنڈ کے انجام کو یقین سے جان لیتے تو ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم ضرور دوزخ دیکھ کر رہو گے (یہ جواب ہے قسم محذوف کا۔ لتسرون میں لام اور عین حذف کر کے اس کی حرکت واؤ کو دے دی گئی ہے) پھر واللہ تم ضرور اس کو ضرور دیکھو گے (یہ تاکید ہے) بالکل یقین کے ساتھ (یہ مصدر ہے کیونکہ رای اور عا سین دونوں لفظ ہم معنی ہیں) پھر تم لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی (اس میں تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کر دیا گیا ہے اور دوسا کن اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) اس روز (دوزخ نظر آنے پر) نعمتوں کے متعلق (دنیا میں جن چیزوں سے تم لذت اندوز رہے یعنی تندرستی فارغ البالی، امن و امان، کھانا پینا وغیرہ)۔

تحقیق و ترکیب: مکیہ قاضی بیضاویؒ اس کو مختلف فیہ کہتے ہیں۔ یعنی ایک قول مدنی ہونے کا بھی ہے۔

الہکم الہی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی غافل ہونے کے ہیں۔ الہی کے معنی کھیل کود کی طرف مائل ہونے کے بھی ہیں۔

التکاثیر کثرت پر گھمنڈ کرنا۔

حتیٰ زرتم المقابر مقابر جمع ہے مقبرہ کی۔ مفسر علام نے زیارت قبور کے دو معنی لئے ہیں۔ ایک یہ کہ زیارت قبر کنایہ ہے موت سے بولتے ہیں زار قبرہ ای مات و دفن حاصل یہ ہے کہ تم دنیا میں منہمک رہتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آجاتی ہے۔ اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ زیارت تو ایک ساعت میں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن قبروں میں رہنا صدیوں اور قرونہا قرن ہوتا ہے۔ کیونکہ جواب دیا جائے گا کہ قبر میں رہنا دوا می نہیں ہے۔ بلکہ وہاں سے حساب کتاب کی طرف منتقل ہونا ہوگا۔ اور وہ اتنی طویل مدت ہوگی۔ کہ قبر میں رہنا اس کے آگے زیارت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس جملہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم تفاخر میں مبتلا رہتے ہو۔ تا آنکہ قبروں میں جا کر تفاخر کرتے ہو۔ یعنی تمہارے تفاخر و نکار کا سلسلہ قبرستان میں بھی جاری رہتا ہے۔ قبرستان میں زیارت قبور کا منشاء تو عبرت و موعظت ہونا چاہیے۔ مگر تم وہاں بھی اظہار فخر کے لئے جاتے ہو۔ آرائش و زینت کرتے ہو۔ گویا مقصود کے برعکس کرتے ہو اس صورت میں۔ حتیٰ غایت کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ سبب کے لئے ہوگا، جیسے اسلمت حتیٰ ادخل الجنة حاصل یہ ہے کہ زیارت قبور بجائے نصیحت کے استغراق دنیا کا ذریعہ بناتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور مستحسن چیز ہے۔ مگر تمہارے رویہ پر تعجب ہے۔ مانا کہ قبرستان میں تمہارے مردے زیادہ ہیں۔ جس سے تمہاری کثرت معلوم ہوتی ہے۔ مگر تمہیں اس سے کیا حاصل؟ دنیا میں انہماک کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ رہے ہو؟ یعنی دین کی طرف توجہ مگر اس کو تعظیم شان کے لئے عبارت سے حذف کر دیا ہے۔ اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم مال و اولاد کی کثرت کے پیچھے اپنی عمریں ضائع کر دیتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آجاتی ہے۔

کلا اس پر تنبیہ کرنی ہے کہ دنیا کے فانی پر تمام تر اپنی توجہ صرف کر دینا عاقل کی شان سے بعید ہے۔ کیونکہ سوائے حسرت و ندامت کے اس کا کچھ انجام نہیں ہے۔

ثم کلا اس سے پہلے کلا کی تاکید مقصود ہے۔ اور ثم سے اشارہ ہے کہ دوسرا کلا پہلے کلا سے ابلغ ہے۔ یا پہلی تنبیہ موت کے وقت یا قبر میں اور دوسری تنبیہ حشر و نشر کے وقت ہوگی۔

لو تعلمون اس کا مفعول محذوف ہے ای عاقبة التفاعر ما اشغلتکم لو کا جواب محذوف ہے۔ لترون الجحیم لو کا جواب نہیں ہے کیونکہ یہ محقق الوقوع ہے۔ بلکہ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ جس سے وعید کی تاکید اور ڈرانے کی وضاحت کرنی ہے۔ ابن عامر اور کسائی ضمہ تا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ثم لترونها یہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا پہلے کا تعلق اس وقت سے ہے۔ جب جہنم دور سے دکھائی دے گی اور دوسرے دیکھنے کا تعلق دوزخ میں داخل ہونے سے ہے یا پہلے سے دوزخ کا علم و معرفت اور دوسرے سے اس کا نظر آ جانا مراد ہے۔

عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور حق الیقین کا درجہ ہوتا ہے۔ اس طرح یقین کے تین مراتب ہوئے۔ اول علم الیقین، پھر عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو جو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور پھر حق الیقین عن الیقین یعنی ان نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ جنہوں نے انسان کو لہو و لعب میں ڈال رکھا تھا اور اس جملہ میں ان لوگوں کو خطاب خاص ہے جو دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہیں۔ اول تو قرآن اس خصوصیت کی دلیل ہیں۔ نیز دوسری آیات بھی اس کی دلیل ہیں۔ چنانچہ کہیں ارشاد ہے من حرم زينة الله اور کہیں کلو امن الطيبات فرمایا گیا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عام نعمتیں ممنوع نہیں ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ تمام نعمتوں کے بارے میں ہے اور سب سے پوچھا جائے گا۔ کہ تم نے نعمتوں کا شکر یہ ادا کیا یا نہیں؟ اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے، یعنی ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔

رابط آیات: سورۃ الضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہے ان میں سے دنیا کے اٹھاک اور آخرت کی غفلت کو چھوڑنا بھی ہے۔ سورۃ النکاح میں اسی کا بیان ہے اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: ابو حیان، شوکانی، علامہ سیوطیؒ اس سورت کو لکھی کہتے ہیں اور بعض روایات کی وجہ سے اس کو مدنی کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے ان بنی عبد مناف و بنی سہم تفاخروا بالکثرة فکثرہم بنو عبد مناف فقال بنی سہم ان البغی اہلکننا فی الجاہلیۃ فعادونا بالاہیاء والاموات فکثرہم بنو سہم۔ دونوں قبیلوں نے پہلے اپنے زندہ آدمیوں کے مفاخر بیان کئے۔ پھر قبرستان جا کر اپنے مرے ہوئے لوگوں کے مفاخر پیش کئے۔ اس پر آیات نازل ہوئیں۔ مگر صحابہؓ اور تابعینؓ کا طریقہ شان نزول کے سلسلہ میں توسع کا تھا۔ اس کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ واقعہ کے ساتھ تحدید مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آیات اس واقعہ پر چسپاں ہیں۔ اسی طرح حدیث لو ان لابن ادم وادیس من مال لعمنی وادیثا ثالثا ولا یملأ جوف ابن ادم الا الشراب کے متعلق حضرت ابی ابن کعبؓ کے اس زمانہ سے کہ ہم اس حدیث کو قرآن سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ النکاح نازل ہوئی۔ سورۃ النکاح کا ذکر مدنی ہونے کی دلیل سمجھنا محض اس بنیاد پر کہ وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو حضرات اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ جب انہوں نے پہلی مرتبہ حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ سورت سنی تو یہ سمجھے ہوں گے کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے اور حضورؐ کے ارشاد کے متعلق ان کو یہ خیال ہوا کہ وہ اس سورت سے ناخوذ ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے ارشاد کہ ”ہم عذاب قبر کے متعلق برابر شک میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ النکاح نازل ہوئی“ سے یہ نکالنا کہ سورۃ مدنی ہے۔ کیونکہ عذاب قبر کا ذکر مدینہ میں ہوا ہے مکہ میں نہیں ہوا۔ درست نہیں ہے آخر کی سورتوں میں کتنی جگہ عذاب قبر کا تذکرہ آیا ہے۔ جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان سورتوں سے پہلے نکاح نازل ہو چکی تھی۔ اس سے عذاب قبر کے متعلق صحابہؓ کا شک دور ہو گیا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان روایات کے باوجود مفسرین کی بڑی اکثریت اس کے مکی ہونے کی قائل ہے۔ چنانچہ مضمون کلام اور انداز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿تشریح﴾: الہکم کسی غیر ضروری شغل میں اس درجہ مصروف ہو جانا کہ ضروری چیزیں فوت ہو جائیں ابو کہلاتا ہے اور الہکم کے یہ معنی ہیں کہ تم فضول کام کی دھن میں ایسے گھر گئے ہو کہ تمہیں ضروریات کا ہوش ہی نہیں رہا۔

فخر و مباہات کا انجام: اور نکاح کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مطلق کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ دوسرے یہ کہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر کرنا اور یہ کہ میں دوسروں سے بڑھ جاؤں۔ تیسرے یہ کہ ایک دوسرے سے فخر جتانے میں مقابلہ آرائی کرنا۔ یہ سب صورتیں نکاح میں داخل ہیں۔ بس اس جملہ کا مطلب عام ہے کہ مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی طمع آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے۔ نہ اللہ کی طرف دھیان جاتا ہے اور نہ آخرت کی فکر ہوتی ہے۔ دن رات یہی دھن رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو۔ اور میرا کتبہ اور جھہ سارے کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔ غفلت کا یہ پردہ پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ نہ اخلاقی حدود کا خیال آتا ہے۔ نہ ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے، نہ خدایوں کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے، نہ اس کا دکھ ہوتا ہے کہ ہماری ان حرکتوں سے انسانیت کا معیار گر رہا ہے۔ نہ آخرت کا غم، نہ خدا کی محبت و خشیت۔ بس ہر وقت یہی نشہ سوار ہے کہ میں کسی سے پیچھے نہ رہ جاؤں اشخاص و افراد ہوں یا جماعت اور قوم سب پر یہی دھن سوار

ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ دولت ملے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ جسمانی لذتیں اور سامان عیش و عشرت مہیا ہوں۔ اس ہوشیار جذبہ میں اوب کر وہ قطعاً اس سے غافل ہیں کہ اس روش کا انجام کیا ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت اور شوکت چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ فوجیں و ہتھیار چاہئیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ برابر جاری ہے۔ انہیں اس کی فکر نہیں کہ یہ سب خدا کی زمین کو ظلم سے بھر دینے اور انسانیت کو تباہ و برباد کر دینے کا سامان ہے۔ حدیث میں ہے عن مطرف عن ابیہ قال ائیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یقرأ الہکم التکاثر قال یقول ابن ادم مالی مالی قال وهل لک یا ابن ادم الا ما اکلت فافیت اولیست نابلیت او تصدقت فامضیت وعن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول العبد مالی وان مالہ من سالت لک ما اکل فافنی او لبس فابلی او اعطی فافتنی وملسوی ذلک فهو ذاہب وتارکہ للناس عن انس بن مالک یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتبع المیت ثلثۃ فیرجع اثنان ویبقی معہ واحد یتبعہ اہلہ ومالہ وعملہ یرجع اہلہ ومالہ ویبقی عملہ۔ حاصل یہ ہے کہ کٹاکر کی بے شمار صورتیں ہیں۔ جنہوں نے اشخاص اور قوموں کو اپنے اندر ایسا مشغول کر رکھا ہے کہ انہیں دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں سے بالآخر کسی چیز کا ہوش نہیں رہا۔ حدیث میں بالکل سچ فرمایا گیا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مگر دو شخصیتیں اس میں جوان ہو جاتی ہیں۔ ایک خرم اور دوسری لمبی امیدیں دونوں کا سلسلہ لایتناہی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے۔ جب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں ہم بڑی بھول اور غفلت میں پڑے رہے۔ وہ چند روزہ چہل چہل تھی۔ اب مرنے کے بعد نظر آ رہا ہے۔ کہ یہ سب سامان و مال جان تھے۔ اور دو قبیلوں کی روایت کو پیش نظر رکھا جائے۔ تب تو حکاکر کی حماقت و جہالت سے لبریز ایک اور بھی گھٹاؤنی صورت نکل آتی ہے۔ انسان گڑے مردوں کی کثرت پر بھی گھمنڈ کرنے لگے اور یہ کہہ کر قبریں گننے لگے کہ دیکھو ہمارا جتھہ کتنا زیادہ ہے اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزرے ہیں کوئی حد ہے اس جہالت و نلاذت کی۔

کلا سوف تعلمون یعنی مرتے ہی تمہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ کہ مال و اولاد کی بہتات اور سامان عیش کی فراوانی کچھ کام آنے والی نہیں ہے۔ تمہیں بار بار متنبہ کیا جا رہا ہے کہ فانی اور زائل چیزیں ہرگز لائق فخر و مباہات نہیں۔ تمہیں کس قدر غلط فہمی ہے کہ دنیا کی یہ کثرت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا ہی ترقی اور کامیابی ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری یہ کتنی بڑی بھول تھی جس میں تم ساری عمر مبتلا رہے۔ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس کا انکار کیا جائے یا اس سے غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر بہت جلد کھل جائے گا کہ اصلی عیش و آرام آخرت کا ہے اور چین کی زندگی وہیں کی ہے اور دنیا کی زندگی اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگرچہ بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت یہ حقیقت کھل جاتی ہے۔ لیکن قبر میں پہنچ کر سب کو پوری حقیقت کھل جائے گی۔ اور قریب سے مراد آخرت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اگرچہ ہمارے لحاظ سے بہت دور ہے۔ مگر جس ہستی کی نگاہ ازل سے ابد تک تمام زمانوں تک حاوی ہو اس کے لئے کروڑوں سال بھی پورے زمانہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔

انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے:..... کلا لو تعلمون یعنی تمہارا خیال یہ بھی صحیح نہیں کہ اگر تمہیں قطعی دلائل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان بچ ہیں۔ تم ہرگز غفلت میں نہ پڑتے۔ کیونکہ دلائل قطعیہ تو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر جب تم دیکھنے کا ارادہ ہی نہ کرو۔ تو تمہیں کہا نظر آئیں گے۔

ثم لیسرونها اس غفلت اور انکار کا نتیجہ دوزخ ہے۔ وہ تمہیں ضرور دیکھنا پڑے گا۔ جس کا اثر برزخ میں سامنے آ جائے گا۔ پھر آخرت میں تو کھلی آنکھوں دیکھ کر پورا یقین حاصل ہو جائے گا۔ یعنی آخرت میں یقین استدلالی نہیں ہوگا کہ وہ کبھی دیر میں بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ مشاہدہ کا یقین ہوتا ہے۔ اسی لئے بذات خود دیکھنے کو یقین فرمایا۔ حالانکہ دیکھنا یقین کا سبب ہوتا ہے۔

ثم لتسئلن یعنی اس وقت کہا جائے گا۔ کہ اب بتلاؤ دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت ہے یا اس وقت اس پر جواب بھی ہوگا۔ کہ دنیا میں تمہیں جو ہر قسم کی ظاہری و باطنی، آفاقی و انفسی، جسمانی، روحانی نعمتیں عطا کی گئی تھیں تم نے ان کا کیا حق ادا کیا۔ اور نعم حقیقی کو کہا تک خوش رکھنے کی کوشش کی؟ ہم کا یہ مطلب نہیں کہ دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد یہ پوچھ گچھ ہوگی۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ پھر ہم تمہیں یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ عدالت الہی میں یہ سوال حساب کتاب کے وقت ہوگا۔

نعمتوں کی پرسش سب سے ہوگی:..... اور احادیث کی رو سے یہ سوال مؤمن و کافر سب سے ہی ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مؤمن جواب دہی میں کامیاب اور کافر ناکام رہیں گے۔ پس اس صورت میں ثم ترقی کے لئے ہے کہ جب اچھے لوگوں سے سوال ہوگا جنہیں ان کا ضرر بھی نہیں تو مجرمین سے کیوں نہیں پوچھا جائے گا۔ جب کہ اس پر ان کا ضرر بھی مرتب ہونے والا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی خدمت میں تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ نے نوش فرما کر لتسئلن یومئذ عن النعم آیت پڑھی۔ اسی طرح ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے ابو بکرؓ و عمرؓ سے فرمایا۔ کہ ابواکشم انصاری کے یہاں چلیں۔ چنانچہ تینوں حضرات ان کے باغ میں پہنچے تو انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ لا کر سامنے کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کھجوریں کیوں نہ توڑ لائے؟ عرض کیا کہ آپ حسب منشاء خود چھانٹ کر نوش فرمالیں۔ کھجوریں کھا کر اور ٹھنڈا پانی نوش فرما کر ارشاد ہوا ہم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ ٹھنڈا سا یہ، یہ ٹھنڈی کھجوریں، یہ ٹھنڈا پانی ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن جواب دہی کرنی ہوگی۔ ان روایات سے واضح ہوا کہ مؤمنین سے بھی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں انسان پر براہ راست ہیں وہ تو ان گنت ہیں ہی۔ بہت سی نعمتیں تو وہ بھی ہے جو بالواسطہ اور مخفی ہیں۔ انسان کو اس کی خبر ہی نہیں۔ وان تعدلوا نعمة الله لا تحصوها پھر بہت سی وہ نعمتیں ہیں جن میں انسان کے کسب کو بھی دخل ہے۔ ان کے بارے میں یہ جواب دہی بھی کرنی ہوگی۔ کہ یہ کن طریقوں سے اس نے حاصل کی ہیں۔ پھر کہاں کہاں ان کو صرف کیا اور کتنا خرچ کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ کلام:..... دنیا کے مال و دولت، اولاد اور خویش و اقارب اور جاہ و اقتدار کے پیچھے انسان جو اندھا دھند بھاگ رہا ہے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لئے سرپٹ دوڑ رہا ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھتا نہیں۔ بلکہ الٹا اس ترقی پر فخر کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ میرا کوئی مالک بھی ہے۔ مجھے حساب و کتاب کے لئے اسکے پاس پیش ہونا بھی ہے؟ اس صورت میں اس غفلت و بے ہوشی کے انجام بد سے لوگوں کو متنبہ اور آگاہ کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب انسان اس غفلت کا نتیجہ کھلی آنکھوں دیکھ لے گا۔ اور جن نعمتوں میں یہاں کھوئے ہوئے ہو۔ ان میں سے ایک ایک کے بارے میں مکمل باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے اس کا کچھ حق ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ اس بات کا خیال کرو کہ اگر تمہیں جواب نہ آیا تو کیا ہوگا؟۔

فضائل سورت:..... من قرء الہکم لم یحاسبہ اللہ بالنعم الذی انعم بہ علیہ فی دار الدنیا واعطی من الاجر کما قرء الف ایۃ۔ جو شخص سورۃ الہکم پڑھے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا۔ جو اس نے اس پر دنیا میں کی ہیں اور ایک ہزار آیات پڑھنے کا اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

لطاائف سلوک:..... الہکم التکاثر تفاخر و مباہات کی برائی اس میں منصوص ہے۔

سُورَةُ الْعَصْرِ

سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلْيَسِّرُوا فِي حُسْرَانٍ وَقَوَّاصُوا أَوْصَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا
بِالْحَقِّ أَيُّ الْإِيمَانِ وَقَوَّاصُوا بِالصَّبْرِ ﴿٢﴾ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ

سورۃ العصر مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں تین آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: زمانہ کی قسم (مطلق زمانہ مراد ہے یا زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت اور یا نماز عصر) کہ انسان (مطلقاً) بڑے خسارہ میں ہے (اپنے کاروبار کے لحاظ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (وہ ٹوٹے میں نہیں ہیں) اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے (آپس میں نصیحت جاری رکھیں) حق (ایمان) کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (کہ طاعت پر جمے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں)۔

تحقیق و ترکیب: والعصر ابن عباس مطلق زمانہ مراد لیتے ہیں۔ عجائبات قدرت اور کمالات حکمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور زوال کے بعد دن ڈھلنے یا عصر کے وقت کی قسم میں یہ نکتہ ہے کہ اس وقت حضرت آدمؑ، اول انسانؑ پیدا ہوئی تھی۔ اور زمانہ نبوت بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اپنی عظمت کی وجہ سے لائق قسم ہے اس میں خسران کی نفی بھی تعریفاً ہو جائے گی۔ ان الانسان الف لام جنس کے لئے اور خسر مکرہ تعظیم کے لئے ہے اور جنس واستغراق کا قرینہ الا اللذین استثناء بھی ہے۔ لیکن بقول ابن عباس الف لام عہد کے لئے بھی ہو سکتا ہے کہ خاص افراد مراد ہوں۔ اور خسارہ تجارت میں ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی انسان کی عمر رأس المال کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا زیاں سب سے بڑھ کر خسارہ ہے۔ وقت کی مثال برف کی سلی جیسی ہے جو پگھلتی رہتی ہے۔ ارحموا علی من رأس مالہ یداب۔

الا الذین آمنوا مؤمن خسارہ میں نہیں کیونکہ اس نے فانی کے بدلہ باقی چیز حاصل کر لی ہے۔

حق سے مراد ایمان ہے یا قرآن یا ہر خیر ہے۔ اور صبر کی تین صورتیں ہیں۔ ایک طاعت پر۔ دوسرے گناہوں سے صبر۔ تیسرے مصائب پر صبر کرنا۔ چونکہ بے صبری جزع فزع معصیت ہے۔ اس لئے مفسر نے اس کو الگ شمار نہیں کیا۔ بلکہ دوسری قسم میں داخل کر رکھا ہے اور صبر اگرچہ حق میں داخل ہے۔ لیکن اہمیت کی وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا۔ عطف خاص علی العام کے طور پر۔ یا کہا جائے کہ حق میں تو مرتبہ

عبادت ہے یعنی ایسے کام جن سے اللہ راضی ہو اور صبر میں مرتبہ عبودیت ہے۔ جس میں اللہ کے افعال سے بندہ راضی اور مطمئن رہتا ہے۔ کیونکہ صبر کا حاصل صرف اتنا ہی نہیں کہ خواہشات نفس کو روک دیا جائے۔ بلکہ افعال الہی کو دل سے قبول کر لینا بھی ہے۔ پس یہ آیت حق اللہ اور حق العبد کی جامع ہو گئی۔

رابط آیات: سورۃ الفتحی میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں عمر کو بربادی سے بچانا اور اعمال و طاعات میں صرف کرنا بھی ہے۔ اس سورۃ عصر میں اسی کا بیان ہے اور بعض مفسرین مجاہد، قتادہ، مقاتل اگرچہ اس سورت کو مدنی کہتے ہیں لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اسے مکی مانتی ہے۔ اس کا مضمون بھی یہی بتلا رہا ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور سے اس کا تعلق ہے۔ جب کہ مختصر بول اور دلنشین فقرہوں میں اسلامی افکار پیش کئے جاتے تھے۔ جو حافظوں میں مرتسم ہو کر زبان زد ہو جائیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان سے مخصوص افراد مراد ہیں۔ جیسے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب اور بقول مقاتلؓ ابولہب مراد ہے اور ہر نوع روایات میں ابو جہل کا نام آیا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا۔ ان محمد الفی خسرو اس کی تردید میں یہ آیات آئیں۔

﴿تشریح﴾: والعصر زمانہ کی قسم کھائی جس میں خود انسان کی عمر بھی داخل ہے۔ جو کمالات اور سعادات حاصل کرنے کے لئے ایک متاع گراں مایہ ہے۔ زمانہ اور وقت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ”گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں“ اسی کے لحاظ سے نعمتوں کی قدر و منزلت اور ان میں باہمی فرق مراتب رہتا ہے۔ کسی حکیم نے کیسی حکیمانہ بات کہی ہے۔ لذة الطعام ساعة ولذة اللباس يوما ولذة المرأة شهرا ولذة الدار دھرا اگرچہ ہر بھی دنیا کی طرح ناپائیدار ہے۔ اصل دار القرار اور دار الخلد تو آخرت ہے۔

زمانہ کا ہے؟ زمانہ کی حقیقت کیا ہے؟ عقلاء اور فلاسفہ میں اک معرکہ الآراء نزاعی بحث اس میں شروع ہو گئی ہے عام طور پر فلک الافلاک کی مقدار حرکت کو زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے بعض اکابر محققین کی رائے ہے کہ افعال الہی کی مقدار کا نام زمانہ ہے۔ کچھ بھی ہو اس کا جو حصہ سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ اسے ماضی اور جو ابھی سامنے نہیں آیا ہوتا اس کو استقبال کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جو نامعلوم حصہ سامنے آتا ہے اس وقت کو حال کہتے ہیں۔ گویا ماضی و مستقبل تو موجود رہتے ہی نہیں۔ لیکن حال بھی برائے نام ہی موجود ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ مطلق زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس لئے دونوں طرح کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ گزرے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کے معنی یہ ہیں کہ انسانی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جو لوگ بھی ان خوبیوں سے خالی تھے جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ ٹوٹے میں رہے۔ ہم جو کچھ اچھا یا برا کام کرتے ہیں سب کچھ اسی محدود وقت میں ہوتا ہے جو دنیا میں ہمیں دیا گیا ہے۔ اگر غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارا اصل سرمایہ یعنی وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔

زندگی کی مثال برف جیسی ہے: چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں سورۃ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا۔ جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ تب میری سمجھ میں والعصر ان الانسان لفی خسرو کا مطلب آ گیا۔ واقعی عصر کی جو مدت انسان کو دی گئی وہ برف کی طرح تیزی سے پگھلتی جا رہی ہے۔ اس کو بے کار و برباد کرنا اور فضول کاموں میں لگا دینا یہی انسان کا خسارہ ہے۔ غرض ماضی کی قسم کھانے کا حاصل یہ

ہوا کہ تیز رفتار زمانہ بشارت دے رہا ہے کہ جو انسان ان خوبیوں سے محروم ہو کر وقت بتا رہا ہے وہ خسارہ میں ہے۔ ہاں! جو لوگ ان چاروں خوبیوں سے مشغف ہیں ان کا وقت نفع بخش گزر رہا ہے۔ والعصر میں خاص زمانہ یعنی نماز عصر کا بھی وقت ہو سکتا ہے۔ جو کاروبار کی انتہائی مشغولیت کا ہوتا ہے۔ اور شرعی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت بھی حدیث میں ہے۔ کہ جس کی نماز عصر چھوٹ گئی۔ گویا اس کا گھر بار لٹ گیا۔ یا پیغمبر اعظم کی رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا زمانہ مراد ہو۔ جس میں نور نبوت بڑی آب و تاب سے چمکا۔ ان خاص اوقات کی قسم کھائی گئی ہے۔ انسان کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس کا اطلاق، افراد، گروہ، قوم پوری نوع انسانی پر یکساں ہوگا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ زہر انسان کے لئے مہلک ہے۔ یعنی خواہ اس کو ایک فرد کھائے یا پوری قوم یا ساری دنیا کے انسان لٹ کر رہ کر کھائیں۔ زہر بہر حال مہلک ہے۔ اس کی یہ خاصیت اپنی جگہ اٹل ہے۔ اسی طرح کہا جائے گا کہ جس انسان میں یہ چار باتیں نہ ہوں وہ فی الواقع خسارہ میں ہے۔ اس کلی ضابطہ میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کوئی ان صفات سے خالی ہو۔ یا کسی قوم کے افراد یا دنیا بھر کے انسانوں نے کفر، بد عملی اور ایک دوسرے کو باطل پر آمادہ کرنے اور بے صبری کی تلقین کرنے پر اتفاق کر لیا ہے

زندگی کا نفع نقصان:..... بلحاظ لغت اگرچہ خسران نفع کے مقابلہ میں آتا ہے جو کاروباری اصطلاح ہے۔ لیکن قرآن کی اصطلاح میں خسران فلاح کی ضد ہے۔ پس جیسے فلاح میں صرف دنیاوی کامیابی ملحوظ نہیں بلکہ فلاح کا تصور عام ہے۔ دنیاوی اور دینی کامیابی۔ اسی طرح خسران کا مفہوم بھی عام ہی ہوگا۔ یعنی دونوں جہاں کی ناکامی لہذا جو انسان ان چاروں صفات سے خالی ہوگا وہی حقیقی خسران میں ہے۔ اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف پیچھے والے کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں۔ دم بدم کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس روروی میں اگر کوئی ایسا کام نہ کر لیا۔ جس سے عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے۔ بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کارآمد بن جائے۔ تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں۔ تاریخ کے جھروکہ میں دیکھئے کہ جن لوگوں نے انجام نبی سے کام نہیں لیا اور وقت کے تقاضا سے بے پرواہ ہو کر محض خیالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد ہوئے۔ اس لئے انسان کو وقت کی قدر و قیمت پہچانی چاہئے اور عمر عزیز کو فضولیات میں برباذ نہیں کرنا چاہئے۔ خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہے جو اس عمر فانی اور ناکارہ زندگی کو بانی اور کارآمد بنانے کے لئے سعی میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

زندگی کو خسران سے بچانے کے لئے چار باتیں ضروری ہیں:..... الا الذین امنوا انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

(۱) اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان وعدوں پر یقین رکھنا اور ہدایت و احکام کو ماننا جو دین و دنیا سے متعلق ہوں۔
(۲) اس یقین کا اثر قلب و دماغ تک محدود نہ رہے۔ بلکہ اعضاء میں بھی ظاہر ہونا چاہئے۔ اس طرح کہ اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو جائے۔

(۳) محض اپنی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے۔ بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ دو مسلمان جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔

(۴) ایک دوسرے کو یہ نصیحت و وصیت کرتا رہے۔ کہ حق کے معاملہ میں اور قومی اصطلاح کے سلسلہ میں جس قدر سختیاں، ہشاریاں پیش آئیں۔ پورے صبر و استقامت سے برداشت کریں۔ ہرگز نیکی کے راستہ سے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ جو انسان ان چار وصف کے جامع ہوں گے اور اپنے ساتھ دوسروں کی بھی تکمیل کریں گے۔ ان کا نام صفات عالم پر زندہ و جاوید رہے گا۔ اور جو آثار دنیا سے جائیں گے وہ باقیات صالحات بن کر ہمیشہ ان کے اجر و ثواب کو بڑھاتے رہیں گے۔

ایمانیات: ایمان کا تعلق تین چیزوں سے ہے: (۱) اللہ پر ایمان لانا (۲) پیغمبر پر ایمان لانا (۳) آخرت پر ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ذات و صفات و افعال میں نہ صرف یہ کہ اس کو ایک تسلیم کرنا۔ اس کی مکمل طور پر فرمانبرداری کا عہد کرنا۔ اور پیغمبر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو تعلیمات الہی سمجھنا اور اس کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھنا اس میں سب پیغمبر اور تعلیمات آئیں۔ وہ سب اپنے اپنے وقت میں برحق تھے۔ اب آخری طور پر ہدایت آپ کی پیروی میں مضمر ہے۔ اسی طرح آخرت ماننے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اور جس طرح زندگی گزاری ہے اس کا پورا حساب و کتاب اللہ کو دینا ہے اور ان کے مطابق ہمیشہ کی زندگی گزارنا یہ ایمان، اخلاق و کردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو۔ اس کا حال ایک بے لنگر جہاز کا سا ہوتا ہے جو موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔

اعمال صالحہ: ایمان کے بعد دوسرے درجہ کی چیز صالح اعمال ہیں۔ جن کا وزن ایمان کے بغیر کچھ نہیں۔ عمل صالح اگر ایک ڈھانچہ ہے تو ایمان اس کی جان اور روح ہے۔ لیکن سچا ایمان وہی ہے جس کے ساتھ صالح اعمال ہوں۔ شجر ایمان اسی وقت بار آور ہو سکتا ہے جب اس پر اعمال کے پھول، پتے، ڈالیاں اور شاخیں ہوں، ایمان و عمل صالح کی ان دوامی خوبیوں کے علاوہ خسارہ سے بچنے کے لئے دو وصف اور بھی ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ ہر ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتا رہے۔ دوسرے یہ کہ آپس میں صبر کی تلقین کی جائے۔ یعنی انسان خود بھی ایمان دہی سے آراستہ ہو اور اپنے ماحول اور معاشرہ کو بھی نیک اور ایک بنانے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے کو الگ تھلک فرد نہ سمجھے۔ بلکہ معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہر فرد کو اپنے جیسا بنانے کی ذمہ داری قبول کر لے۔ حق کی پیروی اور حمایت میں جو مشکلات پیش آئیں اور جن نقصانات اور محرومیوں سے سابقہ پڑے ان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرے۔ ایک دوسرے کی ہمت اور ڈھارس بندھائے۔ یہ چھوٹی سی سورت فی الحقیقت سارے دین و حکمت کا انچوڑ ہے۔ امام شافعیؒ نے صحیح فرمایا کہ اگر قرآن میں صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تب بھی کافی تھی۔ بقول عبد اللہ بن حصن دارمی بزرگان سلف میں یعنی صحابہ میں جب دو آپس میں ملتے تھے۔ تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام: یہ سورت مختصر اور جامع کلام کا ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ گویا سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ چند ننچے تلے جملوں میں دو ٹوک طریقہ سے بتا دیا گیا ہے۔ کہ انسان کی فلاح و بہبود کا راستہ کون سا ہے؟ اور اس کی تباہی و بربادی کی راہ کون سی ہے؟ جو شخص ان چار بنیادوں کو استوار کر لے وہ کامیاب اور فلاح یاب ہے۔ لیکن اس کے سوا دوسرا راستہ خسارہ اور ٹوٹنے کا ہے۔

فضائل سورت: من قرأ سورة العصر غفر الله له و كان ممن تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر جو شخص سورۃ عصر پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور وہ حق کی نصیحت کرنے والوں اور صبر کی تلقین کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

لطائف سلوک: والعصر اس میں وقت کو نعمت اور غنیمت سمجھنے پر تنبیہ ہے۔ چنانچہ اہل اللہ اس راز کو سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں کمالات حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر الا الذین الخ میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس تکمیل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر تواصوا الخ میں کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الْهُمَزَةِ

سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تَسْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ كَلِمَةً عَذَابٍ أَوْوَادٍ فِي جَهَنَّمَ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿١﴾ أَي كَثِيرُ الْهُمَزِ وَاللُّمَزِ أَيِ الْغِيْبَةِ نَزَلَتْ فِي مَنْ كَانَ يَغْتَابُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ كَأُمِّيَّةِ بْنِ خَلْفٍ وَالْوَلِيدُ بْنُ مُغِيرَةَ وَغَيْرَهُمَا ۚ الَّذِي جَمَعَ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مَالًا وَعَدَدَهُ ﴿٢﴾ أَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عَدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ يَحْسَبُ لِجَهْلِهِ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴿٣﴾ جَعَلَهُ خَالِدًا لَا يَمُوتُ كَلَّا رَدَعَ لَيْبُذَنَّ حَوَابٍ قَسَمَ مَحْذُوفٌ أَي لِيُطْرَحَنَّ فِي الْحُطْمَةِ ﴿٤﴾ الَّتِي تَحْطِمُ كُلُّ مَا أَلْقَى فِيهَا وَمَا أَذْرَبْتَ أَعْلَمَكَ مَا الْحُطْمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ﴿٦﴾ الْمُعَسَّرَ الَّتِي تَطْلُعُ تَشْرِيفٌ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ﴿٧﴾ الْقُلُوبُ فَتُحْرِقُهَا وَالْمُهْمَا أَشَدُّ مِنْ أَلَمٍ غَيْرِهَا لِلطُّفْهِهَا إِنَّهَا عَلَيْهِمْ جَمَعَ الضَّمِيرَ رِعَايَةً لِمَعْنَى كُلِّ مُؤَصَّدَةٍ ﴿٨﴾ بِالْهُمَزَةِ وَبَالُوا وَبَدَلَهُ مُطَبَّقَةً فِي عَمَدٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا مُمَدَّدَةٌ ﴿٩﴾ صِفَةً لِمَا قَبْلَهُ فَتَكُونُ النَّارُ دَاخِلَةً الْعَمَدِ

سورۃ ہمزہ مکئیہ ہے یا مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... بڑی تباہی ہے (کلمہ عذاب ہے یا دوزخ کے کسی میدان کا نام ہے) ہر اس شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے والا اور منہ درمنہ لوگوں پر طعن کرنے والا ہو (یعنی بہت زیادہ عیب جوئی اور نکتہ چینی یعنی غیبت کرنے والا ہو یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ جیسے امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ) جس نے جمع کیا (اس کی قرأت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے) مال اور اسے گن گن کر رکھا (شمار کیا اور ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا) وہ (اپنی حماقت سے) سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (مال اسے سدا رہنے والا بنادے گا۔ اور وہ مرے گا نہیں) ہرگز (ڈانٹ ہے) وہ پھینک دیا جائے گا (قسم محذوف کا جواب ہے۔ ای لیطرحن) چکنا چور کر دینے والی جگہ میں (ایسی جگہ جہاں جو چیز گرے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے) اور آپ کو کچھ پتہ (علم) ہے کہ توڑ پھوڑ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی گئی (دکاتی ہوئی) ہے جو دلوں تک جا پہنچے (سلگ جائے) گی (دلوں کو بھسم کر ڈالے گی۔ دل چونکہ نرم و نازک چیز ہے اس لئے اس میں تکلیف کا احساس سب اعضاء سے زیادہ ہوا کرتا ہے) وہ ان پر (ضمیر جمع لفظ کل کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہے)..... ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ واؤ کے ساتھ بمعنی مطبقہ) ستونوں میں (دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے) (جواو نچے اونچے ہیں (یہ پہلے کی صفت ہے چنانچہ وہ آگ ستونوں کے اندر ہوگی)۔

تحقیق و ترکیب: مکئیہ مفسر اس کو مختلف فیہ کہتے ہیں۔ لیکن قاضی صرف مکی مانتے ہیں۔ ویل کلمہ عذاب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ناگواری اور غصہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ ہمزہ لمزہ قاموس میں ہے کہ ہمزہ ہمزہ بمعنی غماز اور لمزہ عیب جو کہتے ہیں یا وہ شخص جو رو پر و طعنہ زن ہو۔ اور ہمزہ غیبت کرنے والا۔ ہمزہ اور ہزم کے معنی توڑنے کے، لمزہ اور لمز کے معنی طعن کے ہیں اور فعلیہ کا وزن عادت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ ضحکہ اور لعبہ اس شخص کو کہیں گے۔ جس کی عادت ہنسی مذاق کھیل تفریح کی ہو اور ایک قرأت ہمزہ لمزہ سکون کے ساتھ ہے مفعول کا صیغہ، مسخرہ کے معنی ہوں گے۔ بقول مقاتل، امیہ، ولید، اخنس بن شریق کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

جمع مالا: جمع اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور ابن عامر، حمزہ، کسائی کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ ترکیب میں لفظ کل سے بدل ہے یا مذمت کے طور پر منصوب یا مرفوع ہے۔

عددہ مفسر نے دو تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک بار بار گننا۔ دوسرے بحفاظت رکھنا۔

یجمع جملہ متانفہ ہے سوال کا جواب ہے ای ما بالہ یجمع المال ویہتم بہ اور جمع کے فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

اخلد ماضی ہے مگر وہ مضارع کے معنی میں ہے۔ ای یظن لجهله ان ماله یخلده اس جملہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مال کی محبت میں موت ہی سے غافل ہو گیا یا مال کی وجہ سے لمبی امید کرنا مراد ہے۔ کہ گویا ہمیشہ دنیا ہی میں بیٹھا رہے گا۔ اس میں اس طرف تعریض ہیں کہ حیات ابدی کا حقیقی سبب آخرت کی فکر میں لگ جانا ہے۔ نہ کہ دنیا کہ بکھیروں میں پڑنا۔

الخطمة توڑ پھوڑ کر دینے والی چیز۔

بار اللہ ظاہر ہے کہ اللہ کی آگ اللہ کے سوا کون بچھا سکتا ہے۔

علی الافئدة دل جس طرح نظام بدن کا مرکزی مقام ہے۔ اس کی تکلیف سے تمام بدن متاثر ہوتا ہے۔ اس طرح عقائد و اعمال کی جڑ بنیاد بھی ہے۔ اسی لئے آگ کا براہ راست دل کو نشانہ بنایا جائے گا۔ مؤصدة۔ اوصدت الباب دروازہ بند کر دیا۔ ابو عمر، حمزہ، حفص کے ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے قراء کے نزدیک واو کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ مملدة ای موثقین فی اعمدة معدودة جیسے چوروں کو ستونوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ حفص کے علاوہ قراء کوفہ نے عین اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

رابط آیات: سورۃ الفصّٰحٰی میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں سے عذاب میں مبتلا ہونے کی خصلتوں سے بچانا بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ اور مضمون یہ بتلا رہا ہے کہ یہ سورت مکی ہی ہوگی اور بالکل ابتدائی دور کی۔ اور وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: ہمزہ لمزہ یہ دونوں لفظ اتنے قریب المعنی ہیں کہ کبھی یہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی فرق کے ساتھ اور فرق بھی ایسا کہ بعض حضرات جو مفہوم ہمزہ کا بیان کرتے ہیں۔ دوسرے حضرات وہی مفہوم لمزہ کا بیان کرتے ہیں اور بعض حضرات اس کا برعکس بتلاتے ہیں۔ اور چونکہ دونوں لفظ ایک ساتھ آئے ہیں۔

بد خصلت انسان کے لئے تباہی ہے: اس لئے دونوں کا مفہوم مل کر یہ ہوگا کہ اس شخص کی عادت ہی یہ ہوگئی ہے کہ دوسروں پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ کسی کی ذات میں کیڑے نکالتا ہے۔ کسی پر انگلیاں اٹھاتا ہے۔ کسی پر منہ در منہ چوٹیں کرتا ہے۔ آنکھیں منکاتا ہے۔ کسی کے پیٹھ پیچھے برائیاں کرتا ہے۔ چغلیاں کر کے لگائی بچھائی کرتا ہے۔ کہیں بھائیوں میں نفرت کے بیج بو کر لڑاتا اور پھوٹ ڈالتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اپنی خبر نہیں لیتا۔ اور دوسروں کے واقعی غیر واقعی عیوب بیان کر کے تحقیر و تذلیل کرتا رہتا ہے۔ الذی جمع مالا یعنی اس میں طعنہ زنی، عیب جوئی کی بری خصلتیں تکبر کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور کبر کا سبب مال و دولت کی فراوانی ہے۔ جس کے لالچ میں ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور روپیہ پیسہ کی پرستش کا یہ حال ہے کہ اسے گن گن کر اور سنبھال کر

رکھتا ہے۔ چڑی چلی جائے پر دمڑی پر آج نہ آئے۔ گویا کینچی اور لالچ کی تصویر بنارہتا ہے۔ بگل کے مارے پیسہ پیسہ کو گن گن کر رکھتا ہے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ زر پرست آدمی کو پیسہ جوڑنے کے ساتھ اس کے گننے میں بھی مزہ آتا ہے۔ مال سدا ساتھ نہیں رہتا:..... واخلدہ یعنی اس کے طرز عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا نہ مال اس سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ اسی کے سدا کام آتا رہے گا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے حیات جاودانی بخشے گا۔ غرضیکہ اسے کبھی بھولے سے بھی یہ دھیان نہیں آتا کہ ایک وقت یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کو خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جانا پڑے گا اور چوروں ڈاکوؤں کو اللہ ہدایت دے۔ وہ تو ذرا سی دیر میں مال کا سارا نشہ ہرن کر دیتے ہیں۔ کلا لیبندن یعنی اس کا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ مال کسی کے ساتھ قبر تک نہیں جاتا۔ چہ جائیکہ اگلے مراحل میں کام آئے۔ سب دولت یونہی پڑی رہ جائے گی اور اس بد بخت کو اٹھا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ حطم کے معنی توڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں۔ یعنی دوزخ اس کا ڈھانچہ توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی۔

خدائی آگ:..... نار اللہ دوزخ بندوں کی آگ نہیں بلکہ اللہ کی سلگائی ہوئی ہے۔ پھر اس کی حدت و شدت کا کیا پوچھنا۔ براہ راست دلوں پر اس کی زد ہوگی۔ جو کفر و فسق کا محل ہے اور دل جل کر کباب ہو جائیں گے پر موت پھر بھی نہیں آئے گی۔ بدلسناہم جلودا غیوہا اسی لئے دوزخی بے تاب ہو کر آرزو کریں گے۔ کہ کاش موت آکر ہی اس مصیبت کا خاتمہ کر دے۔ افقدہ فؤاد کی جمع ہے جس کے معنی دل کے ہیں۔ تاہم یہ لفظ اس عضو کے لئے استعمال نہیں ہوتا جو سینہ کے اندر دھڑکتا ہے۔ بلکہ انسان کے شعور و ادراک اور جذبات و خواہشات عقائد و افکار میں اور امدادے جہاں پیدا ہوتے ہیں وہ مقام مراد ہے پس یہ آگ اس مرکز تک پہنچے گی جہاں برے خیالات، فاسد عقائد، ناپاک خواہشات و جذبات خبیثتیں، برے ارادے تھے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک مجرم کے دل تک پہنچ کے اس کے جرم کی نوعیت معلوم کر کے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق عذاب دے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح اندھی نہیں ہوگی کہ مستحق غیر مستحق سب کو جلا دے۔ مؤصدة کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ نکلنے کا راستہ تو کیا کوئی جھری تک نہ رہے گی۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔ فی عمد ممفدة بقول ابن عباس آگ کے لیے لیے ستون ہوں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دوزخیوں کو لیے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائے گا۔ تاکہ بے بس ہو کر رہ جائیں اور ذرا حرکت نہ کر سکیں کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہو سکے یا یہ مطلب ہے کہ لیے ستون ڈال کر دوزخ کے منہ کو بند کر دیا جائے گا۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں اخلاقی برائیوں پر گرفت کی گئی ہے جن سے عرب جاہلیت کا معاشرہ گہرا ہوا تھا اور وہ گھن کی طرح ساری قوم کو چاٹ رہی تھیں۔ ان کے اس گھناؤنے کردار کو پیش کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ آخرت میں ایسے بد کرداروں کا کیا انجام ہوگا؟ اور اس کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ سننے والا خود سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا انجام بھی بھیانک ہونا چاہیئے۔ اور دنیا میں چونکہ بسا اوقات اس قماش کے لوگوں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ بلکہ وہ جھلٹے پھولتے ہی نظر آتے ہیں۔ اس لئے آخرت کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہاں نہ یہ مال و منال کام آئے گا۔ اور نہ دوسرے کی عیب جوئی اور الزام تراشی بلکہ دوزخ کی بے پناہ آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو اسے توڑ پھوڑ کر جہنم کر ڈالے گی۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ الہمزہ اعطاه اللہ عشر حسنات بعدد من استہزء بمحمد واصحابہ جو شخص سورۃ ہمزہ پڑھے گا اللہ اسے اتنا ثواب عطا فرمائے گا۔ جو حضور و صحابہ کا مذاق اڑانے والوں کے دس گنا زیادہ ہوگا۔

اطائف سلوک:..... الذی جمع مالا وعددہ اس میں مال کی محبت و شغف کی ندامت ہے۔ جس کے آثار میں سے بار بار گن گن کر رکھنا ہے۔

سُورَةُ الْفِيلِ

سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَمْ تَرَ اِسْتَفْهَامُ تَعْجِيبٍ اِىْ اِعْجَبَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ ﴿۱﴾ هُوَ مَحْمُودٌ اَصْحَابُهُ
اِبْرَهَةَ مَلِكُ الْيَمَنِ وَحَيْشُهُ بَنَى بَصْنَعَاءَ كَنِيسَةً لِيُصْرَفَ اِلَيْهَا الْحَاجُّ مِنْ مَكَّةَ فَاَحْدَثَ رَجُلٌ مِنْ كَنَانَةَ
فِيهَا وَلَطَخَ قِبَلَتَهَا بِالْعَدْرَةِ اِحْتِقَارًا بِهَا فَحَلَفَ اِبْرَهَةُ لِيَهْدِيَ مِنَ الْكُعْبَةِ فَجَاءَ مَكَّةَ بِحَيْشِهِ عَلَى اَفْيَالٍ
مُقَدَّمُهَا مَحْمُودٌ فَحِينَ تَوَجَّهُوا اِلَهِدَمِ الْكُعْبَةَ ارْسَلَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَاقَصَةً فِي قَوْلِهِ اَلَمْ يَجْعَلْ اِىْ جَعَلَ
كَيْدَهُمْ فِي هَدْمِ الْكُعْبَةِ فِي تَضْلِيلٍ ﴿۲﴾ خَسَارٌ وَهَلَاكٌ وَّارْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ﴿۳﴾ جَمَاعَاتٍ
قِيلَ لَا وَاَحْدَلَهُ وَقِيلَ وَاَحَدُهُ اَبُولُ اَوْ اِبَالٌ اَوْ اَبِيلٌ كَعُجُولٍ وَمِفْتَاحٌ وَسَكِينٌ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ
سِجِّيلٍ ﴿۴﴾ طِينٍ مَطْبُوحٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوْلٍ ﴿۵﴾ كُورِقٍ زَرْعٍ اَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَاَفْتَتَهُ اِىْ
اَهْلَكَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى كُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرِهِ الْمَكْنُوبِ عَلَيْهِ اِسْمُهُ وَهُوَ اَكْبَرُ مِنَ الْعَدْسَةِ وَاَصْغَرُ مِنَ الْحُمْصَةِ
يَخْرُقُ الْبَيْضَةَ وَالرَّجُلَ وَالْفِيلَ وَيَصِلُ اِلَى الْاَرْضِ وَكَانَ هَذَا عَامَ مُوَلَّدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سورة فیل کیلئے ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... کیا آپ کو معلوم نہیں (استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی آپ کو تعجب ہوگا) کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ (ہاتھی کا نام محمود اور ہاتھی والا ابرہہ نامی یمن کا راجہ تھا۔ اس کے فوجیوں نے صنعاء شہر میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تاکہ مکہ کے لوگ بھی آکر اس کا حج کریں۔ بنو کنانہ کے ایک شخص نے آکر اس میں پاخانہ کر دیا۔ پھر اس نئے کعبہ کی توہین کے لئے اس پر پاخانہ لگا بھی دیا۔ اس پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کر دی۔ آگے آگے محمود ہاتھی تھا۔ کعبہ اللہ پر حملہ کی تیاری کر رہی تھی کہ اللہ نے ان پر اپنی فوج بھیج دی۔ جس کا واقعہ آگے ہے) کیا (کعبہ ڈھانے کی) ان کی تدبیر کو ہم نے اکارت نہیں کر دیا (تباہ و برباد کر دیا ہے) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیج دیئے (جھنڈ کے جھنڈ اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ ابابیل کا کوئی مفرد نہیں ہے۔ اور بعض اس کو ابول، ابال، ابیل کی جمع مانتے ہیں۔ جیسے غول کی عجاہیل اور مفتاح کی جمع مفتاح اور مسکین کی جمع مساکین آتی ہے) جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے (جو مٹی کی مگر آگ پر پکی ہوئی اینٹیں) سو اللہ نے ان کا حال کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ دیا (جیسے کھیت کا چارہ جس کو جانور کھا کر چھوڑ دیں، روند ڈالیں، چورا چورا

کردیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ ان پتھریوں کے ذریعہ جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جو سور سے بری اور چنے سے چھوٹی تھیں۔ وہ سر پر رکھی ٹوہیں، خود اور سوار ہاتھی کو چیرتی ہوئی نکل کر زمین پر گرتی تھی۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال ہوا ہے۔

تحقیق و ترکیب: الم تر ایک قرأت سکون را کے ساتھ بھی ہے۔ جزم کی زیادہ اظہار کے لئے اگر رویت قلبیہ مراد ہے اور مخاطب خاص حضور ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ اسی طرح اگر مخاطب عام ہو اور رویت خواہ قلبیہ ہو یا رویت بصریہ تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن اگر رویت بصریہ مراد لی جائے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو تو پھر یہ اشکال ہوگا کہ واقعہ فیل حضور کی ولادت سے پچاس دن پہلے پیش آچکا ہے۔ پھر آپ کے دیکھنے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ قریبی زمانہ کی وجہ سے ابھی تک اس کے اثرات چونکہ موجود تھے۔ نیز تو اتر کی حد تک اس کے دیکھنے اور نقل کرنے والے موجود تھے۔ اس لئے وہ بھی گویا آپ کا دیکھنا ہی ہوا۔

کیف فعل کا معمول ہے الم تر کا معمول نہیں ہے، معنی استفہام ہونے کی وجہ سے۔

باصحاب الفیل دراصل یہودی فرمانروا ذونواس نے ایک زمانہ میں عیسائیوں پر سخت مظالم کئے تھے۔ جن کا بدلہ چکانے کے لئے حبشی بادشاہ عیسائی نے یمن پر حملہ کر کے حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کارروائی میں قسطنطینیہ کی رومی سلطنت بھی حبشہ کے ساتھ تھی۔ حبشہ نے اگرچہ اپنی ستر ہزار فوج لا اتاری۔ مگر پھر بھی رومی بحری بیڑا کی مدد سے ایسا کیا جاسکا۔ یہ سب کچھ محض کسی مذہبی جذبہ کے تحت نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں سیاسی اور معاشرتی اغراض بھی کارفرما تھیں۔ چنانچہ روما کی سلطنت جب مصر و شام پر قابض ہوئیں تو انہوں نے عربوں کی صدیوں پرانی تجارتی منڈیوں پر بھی قبضہ کرنا چاہا جو مشرقی افریقہ، ہندوستانی، انڈونیشیا اور محض رومی مقبوضات میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن عرب کے جغرافیائی شکلی حالات نے اس تیل کو منڈھے چڑھنے نہیں دیا۔ تا آنکہ رومی اپنا جنگی بیڑا بحر احمر میں لے آئے اس سے عربوں کی تجارت ختم ہو کر رہ گئی جو وہ بحری راستے سے کیا کرتے تھے البتہ خشکی کا راستہ اب بھی تھا اس سے عربوں کی کچھ تجارت رہ گئی تھی۔ مگر رومی سلطنت نے ان کی بری تجارت کو مفلوج کرنے کے لئے حبشی عیسائی سلطنت سے ساز باز کر لی اور انہیں یمن پر قابض کر دیا۔ یمن پر حبشی فوج کشی ہوئی اس کی کمان دو کرنیل جرنیل کر رہے تھے۔ ایک ابرہہ اور دوسرا اریاط۔ مگر کسی بات پر ان دونوں میں باہم مدد بھیڑ ہو گئی۔ جس میں اریاط مارا گیا اور ابرہہ فوج پر قابض ہو گیا اور اس نے شاہ حبشہ کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کر دے۔ اس طرح رفتہ رفتہ اس کا اثر و رسوخ بڑھتا چلا گیا اور وہ خود کو یمن کا خود مختار بادشاہ کہنے لگا۔ برائے نام بادشاہ کی بالادستی ہو گئی۔ یمن میں اقتدار مضبوط کرنے کے بعد اس نے اسی منصوبہ کو رو بہ عمل لانا شروع کر دیا۔ جو رومی سلطنت اور حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا۔ چنانچہ جہاں ایک طرف وہ عیسائیت کو پھیلا رہا تھا وہیں دوسری طرف عربوں کی تجارت پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی سلسلہ میں اس نے دار السلطنت صنعاء میں اقلیس یا اقلیس نام کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ یونانی لفظ معرب کر لیا گیا ہے۔ اردو میں کلیسا اسی سے ماخوذ ہے یمن پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں کی مسلسل یہ کوشش رہی ہے کہ کعبہ کے مقابلہ میں ایک دوسرا کعبہ بنا کر عرب میں اس کی مرکزیت قائم کر دیں۔ نجران میں بھی انہوں نے ایک کعبہ کی بناء ڈالی تھی۔ اب ابرہہ نے اصحہ شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔

چنانچہ یمن میں بھی اس کی منادی کرادی جس سے اس کا مقصد عربوں کو غضب ناک بنا کر مکہ پر حملہ کرنے کا موقع فراہم کرانا تھا۔ اور یہ کہ کعبہ کو منہدم کرنے کا اسے بہانہ ہاتھ آجائے۔ چنانچہ بقول محمد بن اسحاق اس اعلان پر قبیلہ کنانہ کے ایک آدمی نے اس کلیسا میں جا کر پاخانہ کر دیا۔

ابن کثیرؒ اس کو ایک قریشی کی حرکت بتلاتے ہیں۔ اور مقاتل بن سلیمان کے مطابق کسی قریشی نے کلینا میں آگ لگا دی اور واقعہ یہ ہے کہ اس اشتعال انگیز اعلان کے بعد عربوں کا غضب ناک ہو جانا قابل تعجب نہیں اور عجب نہیں کہ خود ابرہہ نے اپنے کسی آدمی سے خفیہ طور پر یہ حرکت کرا دی ہو۔ تاکہ مکہ پر اسے چڑھائی کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ لہٰذا وہ اس طرح عربوں کا کس بس نکال دے۔ جب اسے پتہ لگا کہ اس کے کلینا کی یہ درگت ہوئی تو اس نے کعبۃ اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجائے کی قسم کھائی چنانچہ ۵۷ھ میں ساٹھ ہزار فوج اور نو یا تیرہ ہاتھی لے کر وہ اس مہم پر روانہ ہوا۔ راستہ میں کچھ عرب سرداروں سے اس کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ مگر بالآخر انہیں شکست دے کر آگے بڑھا۔ طائف کے نزدیک پہنچا تو بنی ثقیف کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ ان کے لات کے مندر مسمار نہ کر دے۔ اس لئے مسعود نامی سردار ایک وفد کے ساتھ ابرہہ سے ملا اور اس سے کہا جس کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ ہے وہ یہ ہمارا بت کدہ نہیں ہے۔ وہ تو مکہ میں ہے۔ اس لئے آپ ہمارے مندر کو چھوڑ دیں۔ ہم آپ کے لئے کچھ زادراہ پیش کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ ابرہہ نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ بنی ثقیف نے ابورغال نامی ایک شخص کو بھی رہنمائی کے لئے ہمراہ کر دیا۔ لیکن مکہ جب تین کوس رہ گیا تو ابورغال اس مقام پر پہنچ کر مر گیا۔ مدتوں عرب بنی ثقیف کو طعنے دیتے رہے اور ابورغال کی قبر پر پتھر مارتے رہے کہ انہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ میں مدد دی تھی۔

محمد بن اسحاقؒ کی روایت کے مطابق پھر ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لئے۔ جن میں عبدالمطلب کے بھی دو سوانٹ تھے۔ اور اپنے اپنی کے ذریعہ اہل مکہ کو پیغام بھجوایا کہ میرا ارادہ تم سے لڑنے کا نہیں۔ صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم مزاحم نہ ہوئے تو میں بھی کسی جان و مال سے تعرض نہیں کروں گا۔ اور اپنی کو ہدایت کر دی کہ اگر وہ لوگ بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ اس وقت عبدالمطلب سب سے بڑے سردار تھے اپنی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا اور کہا آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ وہ اپنی کے ساتھ ہوئے۔ عبدالمطلب اس درجہ وجہ اور شاندار شخص تھے کہ ابرہہ دیکھتے ہی اپنے تخت سے اتر گیا اور متاثر ہو کر ان کے پاس آ بیٹھا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا میرے جواوٹ پکڑ لئے گئے ہیں۔ وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ ابرہہ حیرت سے بولا کہ میں تو آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا۔ مگر آپ کی اس بات نے تو آپ کو نظروں سے گرا دیا۔ آپ اپنے معمولی اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مگر اس گھر کی نسبت کچھ نہیں کہتے جو تمہارے اور تمہارے آباء و اجداد کا مرجع ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔ رہا یہ گھر سو وہ گھر وانا جانے۔ یہ گھر اللہ کا ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔ ابرہہ بولا کہ وہ اس کو مجھ سے بچانے سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ گئے۔ اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔

ابن عباسؒ سے جو مختلف حضرات نے روایات نقل کیں وہ اس سے مختلف ہیں۔ ان میں ہے کہ ابرہہ جب عرفات و طائف کے درمیان حدود حرم کے قریب مقام الصفا پر پہنچا۔ تو عبدالمطلب خود اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت؟ آپ کو اگر کوئی چیز درکار تھی تو ہمیں کہلا بھیجتے وہ ہم خود لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ ابرہہ بولا میں نے سنا ہے کہ یہ امن کا گھر ہے۔ میں اس کا امن ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اس نے آج تک کسی کو اس پر مسلط ہونے نہیں دیا۔

ابرہہ کہنے لگا کہ ہم اس کو منہدم کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں مگر اس نے انکار کر دیا اور لشکر کو آگے بڑھا دیا۔

اس میں شک نہیں کہ ابرہہ کے ۶۰ ہزار کے لشکر جرار کو اچانک مقابلہ کر کے قریش یا مکہ والے کعبہ کو نہیں بچا سکتے تھے۔ محمد بن اسحاق کے بیان کے مطابق ابرہہ کے لشکر سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریشیوں کو ہدایت کی کہ تم اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ تاکہ ان کا قتل عام نہ ہو اور خود چند سرداروں کے ساتھ حرم میں حاضر ہوئے اور کعبہ کی چوکھٹ اور کنڈا پکڑ کر اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے تین سوساٹھ بتوں کو اس نازک گھڑی میں سب بھول گئے اور صرف اللہ کے آگے دست سوال پھیلائے رہے۔ سیرت ابن ہشام میں عبدالمطلب کے یہ دعائے اشعار منقول ہیں۔

لاہم ان العبد یمنع رحلہ فامنع حلالک لا یغلبن صلیہم ومحالہم غدوا محالک

ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر ما بدالک وانصرنا علی ال الصلیب وعابدیہ الیوم الک

اور روض الانف میں یہ آخری شعر منقول ہے اور ابن جریر نے یہ آخری شعر بھی نقل کئے ہیں

یار رب لا ارجوا لہم سواک یا رب فامنع منہم جماکا

ان عدوا البیت من عادا کا مامنہم یخربوا قراکا

عبدالمطلب اور ان کے ساتھی یہ دعائیں مانگ کر خود بھی پہاڑوں میں چلے گئے۔ اگلے روز ابرہہ اپنے خاص ہاتھی محمود نامی پر چڑھ کر مکہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر یکا یک اس کا ہاتھی رک گیا۔ ہر چند آن کس مارے گئے، جھالے لگائے گئے۔ حتی کہ ہاتھی زخمی ہو گیا۔ مگر وہ نہ ہلا۔ اسے دوسری طرف ہلانے کی کوشش کی جاتی تو چل پڑتا اور دوڑنے لگتا مگر مکہ کی طرف رخ موڑتے ہی بیٹھ جاتا۔ اور کسی طرح بڑھنے کا نام نہ لیتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنچوں میں سنگریزے لئے اڑتے ہوئے آئے اور لشکر پر ان پتھریوں سے بارش کر دی۔ اس طرح ان سنگریزوں نے گولیوں کا کام کیا کہ جس کے لگ جاتی وہ ختم ہو جاتا۔ اس افراتفری میں لشکریوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ نفیل بن حبیب شعی کو انہوں نے ستلاش کر کے واپسی کا راستہ معلوم کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ

این المفسروا لا لہ الطالب والاشرم المغلوب لیس الغالب

یعنی اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب خدا تعالیٰ میں ہے اور نکلا (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔ یہ وہی نفیل ہے جسے بدرقہ طریقہ پر ابرہہ کے لشکر کی اپنے ساتھ رات میں قبیلہ ثعلب سے پکڑ لائے تھے۔ بقول محمد بن اسحاق وہ اپنی آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرتا ہے

ردینہ لورایت ولا تریہ لدی جنب المحصب مارأینا

حمدت اللہ اذا بصرت طیرا وخفت حجارة تلقی علینا

وکل القوم یسئل عن نفیل کان علی للحبشان دینا

محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ چچک کا مرض تھا۔ جو اسی سال سب سے پہلے بلاد عرب میں محسوس ہوا۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کتھر گرتی اسے سخت کھلی شروع ہو جاتی جس سے کھال پھٹنی اور گوشت نکلتا شروع ہو جاتا۔ اور ان کی دوسری روایت ہے کہ خون اور گوشت پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب اسی وقت ہلاک نہیں ہوئے۔ بلکہ کچھ بھاگ کھڑے ہوئے اور راستے میں گرتے چلے گئے۔ چنانچہ ابرہہ بھی بلاد خشم میں جا کر ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ محرم میں مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی محصب کے قریب مقام محسر میں پیش آیا۔ اسی لئے حجاج کو وہاں

سے جلد گزر جانے کی ہدایت ہے اور ٹھہرنے کی ممانعت ہے۔ اس کے پچاس دن بعد ربیع الاول میں حضور کی ولادت ہوئی۔ گویا آپ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو صرف اتنی ہی سزا دینے پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ تین چار سال میں یمن سے حبشی اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ جگہ جگہ یعنی سرداروں نے بغاوت برپا کر دی۔ اور ایک یعنی سردار سیف بن ذی یزن نے شادایہ ان سے فوجی مدد حاصل کر لی۔ چنانچہ ایرانی چھ ہزار فوج نے چھ جہازوں کے ساتھ حملہ کمر کے حبشی حکومت کا ۵۷۵ء میں خاتمہ کر دیا اور اس طرح ۱۰۰۰۰ فیل کا انجام نہ صرف حملہ آوروں کی تباہی کی سورت میں نکلا۔ بلکہ ان کی حکومت کا تختہ ہی الٹ کر رکھ دیا گیا۔ ابراہمہ کے شخصیات بھی محمولہ کی کنیت ابوالعباس تھی۔ دشمن کے اتنے طاقت ور ذیل ڈول کے جانوروں کو اللہ نے معمولی پرندوں کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا۔ ۵۰ ایک چوہنی سے بھی کو ہلاک کر سکتا ہے۔ ابراہمہ حبشی لفظ ہے جس کے معنی گورے چٹے کے ہیں۔ اور اشرم کے معنی نکلے کے ہیں۔

طیرا ابابیل، اساطیر، شماطیط اور عیادید کی طرح ابابیل ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ آسمانی پرندے تھے۔ دنیاوی پرندے نہیں تھے۔

اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ابابیل خطاطیف کے مشابہ تھیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وطایط جیسے سیاہ سرخ مخصوص جانور ہیں اور بعض ان کو مشہور عنقا مغرب کہتے ہیں اور ابالہ کی جمع اگر مانی جائے جس کے معنی لکڑیوں کے بڑے گٹھ کے ہیں تو چونکہ پرندوں کی لکڑیاں بکثرت تھیں اس لئے جمع استعمال کی گئی۔

من سخیل یہ سنگ گل کا مغرب ہے اور بعض بحیل کے معنی بڑے ڈول کے لیتے ہیں۔ یا اسجال بمعنی ارسال ہے یا سکل بمعنی دفتر و مہر سے ماخوذ ہے۔ یعنی ان پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا۔

کعصف ماکول گھاس چارہ مراد ہے جو کھایا جاتا ہے۔ یا اناج کا بھوسہ مراد ہے جو پہلے جانور روند کر دانوں سے الگ کرتے ہیں پھر کھاتے ہیں۔

رابط آیات :..... سورۃ الضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں عذاب الہی سے ڈرانا بھی ہے۔ اس سورت میں بیت اللہ کی بے حرمتی کا جو وبال حبشیوں پر آیا ہے اس سے استدلال ہے۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس کے تاریخی پس منظر پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر و باہر ہے۔

روایات :..... حافظ ابن کثیر اور محمد ابن اسحاق وغیرہ نے جو تفصیلات درج کی ہیں۔ ان کا ذکر ابھی گزرا۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ ۶۰ ہزار کا لشکر جرار لے کر ہاتھیوں کے ساتھ ابراہمہ آندھی کی طرح مکہ پر چڑھ آیا۔ اور عبدالمطلب سردار قریش کے سمجھانے بچھانے پر بھی اپنی فہم سے باز نہ آیا۔ تو عرب مکہ جنہوں نے دیوشکل ہاتھیوں کی یلغار کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اتنے بڑے لاولشکر کے دفاع کا انتظام جن کے پاس نہیں تھا۔ عبدالمطلب کے مشورہ کے مطابق تباہی سے بچنے کے لئے پہاڑوں پر چلے گئے۔ دشمن ابھی مزدلفہ کے قریب وادی حمر میں تھا کہ سمندر کی طرف سے کچھ سبز اور زرد پرندے کبوتر سے کچھ چھوٹے غول کے غول امند آئے۔ جن کی چونچوں اور پنہوں میں مسور اور چتا کے برابر کنکریاں تھیں۔ انہوں نے لشکر پر ان کنکریوں کو چھوڑا۔ قدرت الہی کہ انہوں نے گولیوں کا کام کیا۔ کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور جو کچھ نکل بھاگے۔ وہ بھی بلک بلک کر مر گئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے محمود ہاتھی کے قائد اور سائیس کو اندھا بھیک مانگتے دیکھا۔ اور نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ انہوں نے وہ کنکریاں دیکھیں ہیں۔ ان کنکریوں کے اثر سے خارش کا ہونا اور چیچک کا ہونا

اور اسی میں ہلاک ہو جانا بھی ممکن ہے۔ اسی طرح کنیہ کو نجاست آلود کرنے کے ساتھ آگ لگانے کا واقعہ بھی ممکن ہے۔

﴿تشریح﴾: الم تسو چونکہ تازہ تھا۔ حضور کی ولادت باسعادت سے پونے دو ماہ پہلے کا ہے۔ پھر بچہ بچہ کی زبان پر مشہور تھا۔ اسی لئے اس کے علم کو دیکھنے سے تعبیر فرمادیا اور اسی لئے قرآن ان سب تفصیلات میں نہیں گیا کہ یہ ہاتھی والے کون تھے اور کیوں آئے تھے؟ اور کتنے تھے اور کتنی مدت رہے؟ کیونکہ اس وقت یہ باتیں سب کو معلوم تھیں۔

الم يجعل ہر چند کے وہ اللہ کے گھر کو اجازت کر اپنے مصنوعی کعبہ کو اس کی جگہ دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ نے ان کی ساری تدبیریں توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور سب داؤ پیچ بکھیر دیئے۔ نیا کعبہ تو کیا آباد ہوتا خود ہی برباد ہو گئے۔

کید کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں۔ ایک تدبیر ابرہہ نے کی اور ایک اللہ کا ہاتھ مخفی انتظامات کر رہا تھا۔ ابرہہ کی فوج ظاہر اتو اپنے کنیہ کی بے حرمتی کا بدلہ لینے کے لئے تھی۔ مگر اصل ناپاک منصوبہ چھپائے ہوئے تھا۔ یعنی کعبہ اللہ کو مٹا کر اپنا کعبہ آباد کرنا اور قریش کا زور توڑ کر اور تمام عرب کو مرعوب کر کے ان سے مصر و شام کی تجارت چھین لینا۔ مگر اللہ کی مخفی تدبیر کے آگے وہ اور اس کی پوری اسکیم خاک میں مل گئی۔ طبرہ ابابیل عکرمہ اور قنادرہ کہتے ہیں کہ واقعی پرندوں کے جھنڈے جھنڈے بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس طرح کے پرندے نہ کبھی پہلے دیکھے گئے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔ یہ نہ نجد کے تھے نہ حجاز اور تہامہ کے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان کی چونچیں پرندوں جیسی اور منجے کتے جیسے تھے اور بقول عکرمہ ان کے سر شکاری پرندوں کے سر جیسے۔ غرض ان عجیب و غریب پرندوں کی چھوڑی ہوئی ٹنگریاں ان کے لگتی تھیں۔ اور کوئی بھی مادہ ایسا چھوڑتی تھیں جس سے کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور کچھ ان کے اثر سے چپک اور کھجلی میں مبتلا ہو کر ختم ہو گئے اور کچھ افراد کا بیج کر نکل بھاگنا بھی اگر ثابت ہو جائے۔ تب بھی اکثریت کے لحاظ سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور ہر چند کہ واقعہ عجیب و غریب اور بظاہر مستبعد ہے۔ لیکن بیت اللہ کی حرمت کے علاوہ اگر آنحضرت کی آمد کا لحاظ بھی کیا جائے تو اس خارق عادت واقعہ کو ارباض کہا جائے گا۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور کی ولادت شریفہ کے دن ہی یہ واقعہ پیش آیا ہے اور پچاس دن کے کا فصل بھی کچھ فصل نہیں۔ کیونکہ آثار نبوت اور برکات رسالت تو آخر شروع ہو ہی چکے تھے۔ کعبہ اور خدام کعبہ کی حفاظت منجانب اللہ ہوگی۔ اس لئے ان آیات میں دو راز کارناویات قطعاً غیر موزوں ہیں۔

خلاصہ کلام: حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اصحاب فیل کی تباہی و بربادی کا تذکرہ فرما کر اس پر زور دینا چاہا ہے کہ خاص طور پر قریش اور عام طور سے سارا عرب جہان غور کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ یہی تو ہے کہ سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اور یہ بھی سوچ لیا جائے کہ اس وحدت کو دبانے کے لئے اگر انہوں نے زبردستی سے کام لیا تو جس طرح خدا نے اصحاب الفیل کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اس کے غضب میں تم بھی گرفتار ہو سکتے ہو۔ چنانچہ چند سال تک قریشی اس واقعہ سے اتنے متاثر رہے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔ حضرت ام ہانی اور حضرت زبیرؓ کی روایت ہے کہ قریش نے سات یا دس سال اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی۔ پھر جوں جوں یہ احساس کم ہوتا چلا گیا لوگ اپنے پرانے ڈگر پر آتے چلے گئے اور واقعہ چونکہ تازہ تھا بچہ بچہ کی زبان پر۔ اس لئے نہ اس کی تفصیل ضروری سمجھی گئی اور نہ اس کو بار بار دہرانا چنداں ناگزیر سمجھا گیا۔

فضائل سورث: من قرء سورۃ الفیل عافاه اللہ ایام حیاته من الخسف والمسخ جو شخص سورۃ فیل پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں خسف و مسخ سے بچالے گا۔

اطاف سلوک: وارسل علیہم اس میں اشارہ ہے کہ اسباب حقیقہ مؤثر نہیں۔ بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

سُورَةُ قُرَيْشٍ

سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا يَلْفُ قُرَيْشٌ ۝۱ الْفِهْمُ تَاكِيدٌ وَهُوَ مَصْدَرُ الْفِ بِالْمَدِّ رِحْلَةُ الشِّتَاءِ إِلَى الْبَيْتِ وَ رِحْلَةُ الصَّيْفِ ۝۲ إِلَى الشَّامِ فِي كُلِّ عَامٍ يَسْتَعِينُونَ بِالرَّحْلَتَيْنِ لِلتَّجَارَةِ عَلَى الْإِقَامَةِ بِمَكَّةَ لِحُدُومَةِ الْبَيْتِ الَّذِي هُوَ فخرُهُمْ وَهُمْ وَلَدُ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ فَلْيَعْبُدُوا تَعَلَّقَ بِهِ لَا يَلْفُ وَلَفَاءً زَائِدَةٌ رَبِّ هَذَا الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ ۝۴ مِنْ جُوعٍ أَيْ مِنْ أَجْلِهِ وَأَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝۵ أَيْ مِنْ أَجْلِهِ وَكَانَ يُصَيِّهُمُ الْجُوعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بِمَكَّةَ وَخَافُوا حَيْشَ الْفِيلِ ۳۱

سورۃ قریش مکہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چار آیات ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: چونکہ قریش خور ہو گئے ہیں یعنی ان کا خور ہونا (یہ تاکید ہے ایلاف کا مصدر ہے) جائزے میں (بین کے) اور گرمی میں سفر کے لئے (شام کی طرف سال بھر میں دو تجارتی سفر کر کے پھر مکہ میں باطمینان قیام پذیر رہتے۔ تاکہ بیت اللہ کی خدمت کر سکیں جو ان کے لئے باعث فخر تھیں۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں) لہذا ان کو چاہئے کہ عبادت کریں (لا یلف کا تعلق فل یعبدوا سے ہے اس میں فازائد ہے) اس گھر کے مالک کی جس نے انہیں بھوک میں (بھوک کی وجہ سے) کھانے کو دیا۔ اور خوف سے ان کو امن دیا (مکہ میں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے تھے اور اصحاب الفیل سے ڈرے ہوئے تھے)۔

تحقیق و ترکیب: سورۃ قریش ای السورۃ النبی ذکر فیہا الامتنان علی قریش قریش تصغیر ہے قریش کی جس کے معنی بقول ابن عباس سمندری جانور کے ہیں۔ جو نہایت طاقت ور ہوتا ہے اور جہازوں اور کشتیوں تک کو خاطر میں نہیں لاتا۔ البتہ شیر کی طرح آگ سے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔ وہ دوسرے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے جانوروں کے قبضہ میں نہیں آسکتا۔ اس کی تصغیر تعظیم کے لئے کر لی گئی ہے۔ پھر نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جانے لگا۔ کیونکہ عرب میں ان کی حیثیت وہی تھی جو شیر اور اس دریائی جانور کی ہے۔

اور بعض فہر بن مالک کو قریش کہتے ہیں۔ قریش تفرش کے معنی کسب اور جمع کے ہیں۔ فلاں یفوش بعیالہ کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے قرشہ بقرشہ بمعنی قطعہ وجمعه من ہھنا وھنا وضم بعضہ الی بعض قریش کو مختلف جگہوں سے جمع ہونے کی وجہ

سے قریش کہتے ہیں یا مختلف سامان خرید کر جمع کرتے تھے اور تجارت کرتے تھے یا نضر بن کنانہ ایک دن کپڑے میں جمع ہو کر بیٹھا تو کہنے لگے نقرش۔ یا ایک دن قوم کے پاس آیا تو لوگ کہنے لگے۔ کانہ حمل قرش ای شدید۔

مکیہ مفسر علام تو اس کو مختلف فیہ کہہ رہے ہیں اور قاضی صرف اس کو مکی مانتے ہیں۔

لایلاف: ایلاف الف سے ہے جس کے معنی مانوس اور خوگر ہونے۔ پھیلنے کے بعد مل جانے اور کسی چیز کو اختیار کرنے کے ہیں اس کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ایک بچھلی سورت کے آخری جملہ فجعلہم کعصف ما کول سے اس کا تعلق ہے۔ ای جعلہم کعصف ما کول لایلاف اور بقول زحشریؑ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شعر کی تقصین کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصحف ابی میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے نماز مغرب کی پہلی رکعت میں سورۃ والتین اور دوسری رکعت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا۔ انخفشؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بقول کوئی علماء کی ایک جماعت نے یہ کہہ کر اس بات کو رد کر دیا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا بلا فصل ایک سورت ہونا خلاف اجماع ہے۔

(۲) اس کا متعلق محذوف مانا جائے مثلاً اعجبوا لایلاف قریش یا فعلنا اہلاک اصحاب الفیل

(۳) اس کا متعلق فلیعبدوا کو مانا جائے اس صورت میں فاشرطیہ ہو جائے گی۔ ای فان لم یعبدوا السائر نعمہ فلیعبدوا لایلافہم۔ لایلاف میں لام تعجب ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ مثلاً: عرب کہتے ہیں لزید وما صنعاہ یعنی ذرا اس زید کو دیکھو کہ ہم نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اور اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ پس یہاں لایلاف قریش کے یہ معنی ہوں گے کہ قریش کا یہ رویہ بڑا ہی تعجب خیز ہے کہ اللہ ہی کے فضل کی بدولت وہ منتشر ہونے کے بعد جمع ہوئے اور وہ اللہ کے فضل کے بدولت ہی وہ تجارت کے خوگر ہوئے جو ان کی خوشنمائی کا سبب ہے۔ مگر پھر اللہ کی بندگی ہی سے وہ روگردانی کر رہے ہیں۔ ابن جریرؒ، انخفشؒ، کساییؒ، فراہیؒ اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب جب اس لام کے بعد کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ تو وہی بات یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ہوتے جو شخص کوئی رویہ اختیار کر رہا ہے وہ قابل تعجب ہے۔ لیکن خلیل اور زحشریؑ لام کو تعلیل کے لئے مانتے ہوئے اس کا تعلق فلیعبدوا سے مان رہے ہیں۔ یعنی قریش پر یوں تو اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ لیکن اگر کسی اور نعمت کی بناء پر نہیں تو کم از کم اس نعمت کی وجہ سے ہی وہ اللہ کی عبادت کر لیں کہ وہ اس کے فضل سے تجارت کے خوگر ہوئے۔ جو ان کی خوشحالی کا باعث بنی۔

الفہم دوسرے مفسرین اس کو بدل قرار دے رہے ہیں کہ پہلے ایلاف مطلقاً ذکر کیا۔ پھر مفعول عنہ کی قید تعظیم کے لئے لاکر بطور بدل ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ اس کو تائید کرتے ہیں۔ ابن عامر کی قرأت لا لاف ہے بغیر یا کے۔ رحلۃ الشتاء مفعول بہ ہے ایلافہم کا۔ اور ایلاف منصوب بزرع الحافض بھی ہو سکتا ہے۔ ای للرحلۃ او علی الرحلۃ۔ قبیلہ ہاشم ملک شام میں اور قبیلہ مطلب یمن میں اور قبیلہ نفل و عبد شمس مصر و حبشہ میں تجارتی سفر کیا کرتے تھے یا یوں کہا جائے کہ موسم سرما میں گرم علاقوں کا اور موسم گرما میں سرد علاقوں کا سفر کرتے تھے۔ اس لئے رحلتی الشتاء والصیف عبارت ہونی چاہیے تھی۔ لیکن التباس کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے مفرد لایا گیا۔ قریش کے تجارتی سفروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس سے سورۃ ایلاف اور سورۃ فیل کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ قصی بن کلاب سے پہلے تو قریش حجاز میں منتشر تھے۔ لیکن قصی نے سب کو مکہ میں یکجا کر دیا۔ اس طرح کعبۃ اللہ کی تولیت ان کے ہاتھ آگئی۔ اس لئے قصی کو جمع کا لقب دیا گیا۔ انہوں نے نہایت دور اندیشی سے ایک نظام ترتیب دیا اور حجاج کی خدمت کے لئے ایک عمدہ نظم قائم کیا۔ جس کے اثرات پورے ملک میں اور اطراف و اکناف میں پھیل گئے۔ پھر ان کی اولاد عبد مناف اور عبدالدار میں کچھ

مناصب تقسیم ہو گئے۔ لیکن ان میں عبد مناف شروع ہی سے نمایاں ہوئے۔ جس کی وجہ سے اہل عرب ان کا لوہا ماننے لگے۔ پھر ان کے چار بیٹوں۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل میں اول الذکر حضورؐ کے پردادا کو خیال آیا۔ کہ عرب کی بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے۔ یہ وقت تھا کہ جب ایرانی حکومت بین الاقوامی تجارت پر قابض تھی۔ اس سلسلہ میں پہلے تو قریش کو راہداری کی وہ سہولتیں حاصل تھیں جو دوسروں کو حاصل نہیں تھیں۔ دوسرے خدام بیت اللہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اسی لئے یہ چاروں بھائی متحرکین یعنی تجارت پیشہ سمجھے جانے لگے۔ اور مختلف قبائل سے روابط کی وجہ سے ”اصحاب الایلاف“ بھی کہا جانے لگا۔ جس کے معنی تعلقات پیدا کرنے والے کے ہیں۔ اس کا روبرو کی وجہ سے شام، مصر، عراق، ایران، یمن، حبش تمام ممالک سے قریش کے تعلقات وسیع ہو گئے۔

من جوع تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور بعض نے کہا قسط سالی کی شدت مراد ہے جس میں لوگوں نے مردار جانور اور ہڈیاں کھالی تھیں۔ من خوف خوف عام ہے خواہ لوٹ مار کا ہو یا اصحاب فیل کا یا جذا ممرض کا۔

رابط آیات:..... منجملہ مہمات والضحیٰ کے انعامات الہیہ پر شکر کرنا بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے کہ شکر نعمت کے لئے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ ضحاک اور کلبی اگرچہ اس کو مدنی سورت کہتے ہیں۔ لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اس کو مکئی مانتی ہے۔ چنانچہ دہ ہذا البیت بھی اس کا قرینہ ہے۔ اسی طرح سورۃ فیل کے مضمون سے اس کا اتنا گہرا ربط ہے کہ غالباً اس کا نزول حصلاً ہوا ہوگا۔ حتیٰ کہ بعض سلف دونوں کو ایک ہی مانتے رہے۔ لیکن یہ رائے تو اس لئے قابل قبول نہیں کہ حضرات صحابہؓ کی بڑی تعداد کی مدد سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر قرآن کریم کے نسخے اسلامی مراکز میں بھجوائے۔ ان میں دونوں سورتوں کو بسم اللہ کا فصل دے کر الگ الگ لکھا ہوا ہے۔ اور اسی کے مطابق امت کا تعامل رہا ہے۔ نیز دونوں کا انداز بیان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے جس سے واضح ہے۔ کہ دونوں سورتیں جمہور کے مطابق مستعمل ہیں۔

﴿تشریح﴾:..... مکہ مکرمہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے قریش یہ کرتے کہ سال میں دو بڑے تجارتی سفر کرتے تھے۔ سردیوں میں یمن کی طرف کہ وہ گرم علاقہ ہے اور گرمیوں میں شام کے ٹھنڈے علاقہ کی طرف جو شاداب حصہ ہے۔ نیز لوگ ان کو اہل حرم اور خدام بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے اور دل و جان سے ان کی خدمت کرتے۔ نہ ان سے ٹکیں وصول کیا جاتا اور نہ ان کی جان و مال سے تعرض کیا جاتا۔ تیسرے حج کے زمانہ میں قریش حاجیوں کی جو خدمت نہایت فیاضی کے ساتھ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے سب ان کے احسان مند اور شکر گزار تھے۔ بادشاہوں اور امراء سے ان کے اچھے خاصے روابط قائم ہو گئے۔ شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے یمنی امراء سے مطلب نے اور عراق و فارس کی حکومت سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں۔

قریش کی تجارت اور اس کا پس منظر:..... اس طرح ان لوگوں کی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گئی اور مختلف ملکوں سے براہ راست ثقافتی اور تہذیبی رشتوں کے استوار ہونے کی وجہ سے ان کی سوجھ بوجھ کا معیار بھی اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کی ٹکر کا نہ رہا۔ اور مال و دولت کے اعتبار سے بھی وہ عرب میں سب پر فائق ہو گئے اور مکہ عرب کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ اس طرح قریش نہایت امن و چین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ حرم سے باہر لوٹ کھسوٹ اور چوری و کمیتی کا بازار گرم رہتا۔ مگر کعبہ کے پاس ادب سے کوئی قریش پر ہاتھ صاف نہ کر سکتا۔ اس انعام کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ اس گھر کے طفیل ہم نے تمہیں

روزی دی، امن چین، دیا۔ ہاتھیوں کے لشکر جہاد کی زد سے محفوظ رکھا۔ تمہیں خود بھی اعتراف ہے کہ اس گھر کا مالک صرف اللہ ہے۔ وہ تین سو ساٹھ بت نہیں جن کی تم پوچھا کر رہے ہو۔

جس گھر کی بدولت عزت و روزی اس کا حق ادا کرو:..... فلیعبوا اس خانہ خدا کی پناہ میں آجانے کے بعد تمہیں پناہ ملی، ورنہ پہلے ترہتر اور پھر پچاس ہوئے تھے اور تمہاری کوئی حیثیت نہ تھی۔ مگر بیت اللہ کی خدمت نے تمہیں محترم بنا دیا۔ تمہارے سرواچے کر دیئے اس لئے اور کچھ نہیں تو اسی نعمت کا لحاظ کرتے ہوئے گھر کے مالک کی بندگی کرو۔ جس کا واحد طریقہ اللہ کے رسول کی پیروی ہے۔ ہذا البیت الذی اطعمہم یعنی تم پہلے بھوکوں مر رہے تھے۔ یہاں آنے کے بعد تمہارے لئے رزق کے دروازے کھل گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی وہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی جو انہوں نے رب انبی اسکنک منی ذریعتی بواہ غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم کے الفاظ میں کی تھی۔ وامنہم من خوف عرب کی مشہور بے ادبی ہر جگہ عام تھی۔ کوئی ہستی کوئی راستہ مامون نہیں تھا۔ ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا۔ نہ معلوم کب کوئی گروہ حملہ کر دے۔ کوئی شخص اپنے قبیلہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اکاد کا آدمی اول تو محفوظ نہیں تھا اور محفوظ بھی رہتا تو غلام بنالیا جاتا۔ تجارتی قافلے ڈاکوؤں کے حملوں کا شکار ہو جاتے تھے۔ الہتہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ یہ قافلہ حرم کے خادموں کا ہے۔ انہیں چھیڑنے کی کوئی جرات نہ کر سکتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اکیلا قریش بھی اگر کہیں سے گزر جاتا تو کوئی اس سے تعرض نہ کرتا اور اس کے لئے صرف لفظ ”رحمی“ یا ”انما من حرم اللہ“ کہہ دینا ہی کافی ہو جاتا تھا یہ سنتے ہی اٹھے ہوئے ہاتھ فوراً رک جاتے تھے۔

خلاصہ کلام:..... قریش اور عرب کے پچھلے حالات، اور بیت اللہ کی وجہ سے جو ان کی شاندار زندگی بن گئی تھی۔ وہ چونکہ کوئی دھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سب پر عیاں اور روشن تھی۔ اس لئے سورت میں بھی ان کی تنبیہات میں نہ جاتے ہوئے صرف چار فقروں میں ان کی اتنی سی بات کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ جب تم خود اس گھر کو اللہ کا اور صرف اللہ کا گھر مانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں اسی گھر کے طفیل یہ امن و چین عطا کیا۔ تجارت کے ذریعہ تمہیں یہ فروغ بخشا۔ اور فاقہ کی زندگی سے نکال کر یہ خوش حالی نصیب فرمائی۔ تو پھر تمہیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اور اس کا حق ادا کرنا چاہیئے۔

فضائل:..... من قرء سورۃ لایلاف قریش اعطاه اللہ تعالیٰ عشر حسنات بعدد من صاف الکعبۃ اتمنکف بہا جو شخص سورۃ لایلاف پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ طواف کعبہ اور اعتکاف کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک:..... لایلاف الخ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو دین کی وجہ سے دولت و اقتدار حاصل ہو جائے جیسا کہ قریش کو بیت اللہ کے تعلق سے حاصل ہوا تو اس کا حق یہ ہے کہ تقاضا اور دعویٰ استحقاق کے بجائے اللہ کے شکر اور اس کی اطاعت کا زیادہ اہتمام کرے۔

سُورَةُ الْمَاعُونِ

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَوْ نَصْفُهَا وَنَصْفُهَا سِتُّ أَوْ سَبْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَرَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْدِّينِ ﴿۱﴾ بِالْحِسَابِ وَالْحِزَاءِ أَى هَلْ عَرَفْتَهُ أَوَلَمْ تَعْرِفْهُ فَذَلِكَ بِتَقْدِيرِهِ هُوَ
بَعْدَ الْفَاءِ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ﴿۲﴾ أَى يَدْفَعُهُ بِعُنْفٍ عَنْ حَقِّهِ وَلَا يَحْضُ نَفْسَهُ وَلَا غَيْرَهُ عَلَى طَعَامِ
الْمُسْكِينِ ﴿۳﴾ أَى إِطْعَامِهِ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ أَوِ الْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ﴿۴﴾ الَّذِينَ
هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿۵﴾ عَافِلُونَ يُؤَخِّرُونَ نَهَا عَنْ وَقْتِهَا الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ﴿۶﴾ فِي الصَّلَاةِ
وَعِوَانِهَا وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿۷﴾ كَالْإِبْرَةِ وَالْفَاسِ وَالْقَدْرِ وَالْقَصْعَةِ

یہ سورت الماعون کیلئے یاد دہانی ہے یا نصف نصف اور اس میں ۶ یا ۷ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ نے کیا اس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے (حساب اور بدلہ کو یعنی آپ اس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟) وہی تو ہے (فہاء کے بعد ہو مقدر ہے) جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی اس کا حق دینے کے بجائے جھڑک دیتا ہے) اور نہیں اہکساتا (نہ خود کو اور نہ دوسروں) مسکین کو کھانا دینے پر (یعنی اس کو کھلانے کے لئے یہ آیت عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سوتا ہی ان نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (غفلت برتتے ہیں نماز بے وقت پڑھ کر) جو ریا کاری کرتے ہیں (نماز وغیرہ میں) اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں (جیسے سوئی، کلہاڑی، ہانڈی، پیالہ)۔

تحقیق و ترکیب: منکیۃ ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ عطاء اور جابر کی رائے بھی یہی ہے۔ مگر ابو حبان نے ابن عباس اور قتادہ اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور تیسرا قول مفسر نے نصف نصف کا نقل کیا ہے۔ یعنی اول نصف مکہ میں ابن وائل کے متعلق اور آخری نصف عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔

ارایت مفسر نے روایت عملیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور روایت بصریہ بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مخاطب عام بھی ہو سکتا ہے۔ روایت عملیہ کی صورت میں سمجھنے اور غور کرنے کے معنی ہیں اردو میں بھی یہ استعمال ہے۔ کہتے ہیں ”دیکھ رہا ہوں یا ذرا یہ بھی تو دیکھو“ یعنی سمجھ رہا ہوں یا سمجھو یہاں استفہام بمعنی تعجب ہے ایک قرأت ارایت مضارع کی طرح بغیر ہمزہ کے ہے اور ایک قرأت ارایت تک۔

الذی، یکذب الذی جنس اور عہد دونوں کے لئے ہو سکتا ہے۔ البتہ فذلک دوسرے احتمال کی تائید کرتا ہے، دین کے معنی جزاء کے اور اسلام کے ہو سکتے ہیں۔

فلذلک الذی مفسر نے فاء کے بعد ہو جو مقدر مانا ہے۔ وہ ضروری نہیں ہے یہ مبتداء بھی ہو سکتا ہے اور الذی يدع اس کی خبر ہے۔

بہر صورت یہ جملہ اسمیہ ہوگا۔ جس پر فاشتر مقدر کے جواب میں ہے۔ ابو جہل یا ولید یا ابن ابی مراد ہے ایک قرأت یدع بمعنی بترکب بھی ہے۔
الذین ہم عن صلاحہم یہ مرفوع اکل اور منصوب اکل اور مجرد اکل تینوں طرح ہو سکتا ہے۔ نعت یا بدل یا بیان کی صورت
میں۔ اسی طرح آئندہ الذین میں بھی تینوں احتمال ہیں اور یہ مصلین کے تابع ہو سکتا ہے۔ اور موصول کے تابع بھی ہو سکتا ہے۔

یسراؤن اس کی اصل یسرائیون ہے صر فی تعلیل ہو گئی ہے۔ باب مفاعلت سے اس کا لانا واضح ہے۔ کیونکہ ریا کار لوگوں کی
تعریف کے لئے عبادت کو دکھلاتا ہے۔ اور لوگ دیکھ کر تعریف کرتے ہیں۔

الماعون معنی سے ماخوذ ہے فاعول کے وزن پر معتبر چیز ”مسالہ معن“ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ قُطِرَب
کہتے ہیں کہ اعالتہ سے مفعول ہے قلب کر کے تصرف کر لیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؓ، قتادہؓ، حسن بصریؓ، محمد بن حنفیہؓ
، ضحاکؓ، ابن زبیرؓ، عکرمہؓ، مجاہدؓ، عطاء رحمہم اللہ کے نزدیک زکوٰۃ مراد ہے اور اب عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؓ، ابو مالک وغیرہ معمولی
ضرورت کی چیزیں مراد لیتے ہیں جو عام طور پر لی دی جاتی ہیں۔

رابط آیات: منجملہ مہمات والضحیٰ کے کفر و نفاق سے بچتا ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ پوری سورت کو اگر کی مانا
جائے تو کفار مکہ مخاطب ہوں گے اور ان کو مصلین کہنا اس معنی کو ہے کہ ایمان کے ساتھ نماز وغیرہ بھی ان پر فرض ہے۔ اور مدنی کہنے کی
صورت میں منافقین مخاطب ہوں گے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ منافقین اور ریا کاری کے ساتھ نماز پڑھنے والے مدینہ ہی میں تھے۔ مدینہ
میں چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو اتنی طاقت حاصل ہو گئی تھی کہ بعض لوگ محض مصلیہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ان کو مجبوراً مسجد کا رخ کرنا
پڑتا تھا۔ اس کے برعکس مکہ میں ایسے حالات سرے سے موجود ہی نہیں تھے کہ وہاں کسی کو دکھاوے کی نماز پڑھنی پڑے۔ وہاں تو نماز وہی
پڑھتا جس کی جان ہتھیلی پر ہوتی اور وہ بھی چھپ چھپ کر پڑھتا تھا۔ اس میں دکھاوے کا کیا سوال، کھلم کھلا نماز پڑھنا دکھاوے کے لئے
نہیں۔ بلکہ جان جو کھوں میں ڈالنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہاں اگر منافقین کی کوئی قسم پائی جاتی تھی۔ تو وہ ریاکارانہ نماز پڑھنے والوں کی
نہیں بلکہ ان لوگوں کی تھی۔ جودل میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر حق سمجھتے تھے۔ مگر اپنی وجاہت و شخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے
اور اپنا بھرم باقی رکھنے کے لئے کفر سے چپے ہوئے تھے۔ اور کوئی خطرہ مہمل لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ رہا آدھی سورت کا کلی اور آدھی
کامدنی ہونا سو اس کی توجیہ ظاہر ہے۔ یعنی سابقہ دونوں توجیہات کا مجموعہ۔ وجہ تسمیہ بھی ظاہر ہے۔

روایات: یدع الیتیم کان ابو جہل وصیا لیتیم فحاء عربا ناسالہ من مال اخیہ فدفعہ وابو سفیان
نحرجزورافسالہ یتیم لحما فقرعہ بغصاء او الولید او منافق تحیل۔ قاضی نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی
تفصیل یہ ہے کہ ابو جہل جس یتیم بچہ کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس بد حالی میں اس کے پاس آیا کہ تن بدن پر کپڑا تک نہ تھا اور التجا کی
میرے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دے دے۔ مگر ظالم نے اس طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر
کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہ شرارت اس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر۔ وہ
ابو جہل سے سفارش کر کے تیرا مال تجھے دلا دیں گے۔ بچہ صورت حال سے ناواقف تھا۔ وہ سیدھا حضور کے پاس پہنچا اور اپنا دکھڑا کہہ
بنایا۔ آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابو جہل کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ دیکھتے ہی اٹھ
کھڑا ہو گیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچہ کو اس کا حق دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر دے دیا۔ سرداران قریش کو جب پتہ
چلا تو انہیں حیرت ہوئی ابو جہل کے پاس آ کر ملامت کرنے لگے کہ تو بھی دین سے پھر گیا۔ ابو جہل بولا کہ بخدا میں نے دین نہیں چھوڑا
۔ مگر میں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں ہاتھیں ایک حربہ ہے اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی تو وہ
ہتھیار میرے اندر گھس جائے گا۔ ساہون سعد بن وقاصؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم المنافقون بترکون الصلوٰۃ فی
السری یصلونہا فی العلانیۃ اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ عن صلوتہم فرمایا اور فی صلوتہم نہیں فرمایا۔ ورنہ کون

مسلمان ہے جس کو نماز میں سہونہ ہوتا ہو۔ اس لئے مفسر نے غفلت کے ساتھ تفسیر فرمائی ہے۔ الماعون عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کنا بعد الماعون علی عہد صلعم عاریۃ الدلو والقدر وزاد البزار الفاس ولا بن ابی حاتم بلفظ الماعون منع الدلو واشباه ذلک ولا بن ابی حاتم وعن عکرمہ راس الماعون زکوۃ المال وادناہ المنحل والدلو والابرة وقیل الماعون ما لا یحل المنع عنه مثل الملح والنار۔

﴿تشریح﴾..... الدین۔ اکثر مفسرین نے دین کے معنی آخرت اور بدلہ کے لیے ہیں یعنی یہ لوگ آخرت اور اللہ کے حساب کتاب کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نیکی اور بدی کا بدلہ نہیں ملے گا اور انصاف نہیں ہوگا آخرت کا انکار ہی انسان کو بے لگام اور بدکردار بنا دیتا ہے لیکن ابن عباس دین سے اسلام مراد لیتے ہیں یعنی یہ لوگ اسلام اور مذہب ہی کو جھٹلاتے ہیں گویا ان کے نزدیک دین کوئی چیز نہیں ہے اس صورت میں پوری سورت کا مدعا اسلام کی اہمیت کو واضح کرنا ہے یعنی اسلام منکرین کے برخلاف سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتا ہے پس اندازہ کلام بتلا رہا ہے کہ یہاں یہ پوچھا نہیں ہے کہ تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ تاثر دینا ہے کہ آخرت کی جزائز کا انکار آدمی میں کسی قسم کا کردار پیدا کر دیتا ہے جس سے آخرت کے عقیدہ کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔

اخلاقی پستی کی انتہا:..... فلذلک الذی یعنی یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بد اخلاقی سے پیش آتا ہے اور آپ ایسے شخص کو نہیں جانتے تو دیکھ لو یہی تو ہے وہ شخص جو یتیم کا حق مارتا ہے اور اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بھی بے دخل کر کے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اسی طرح اگر کوئی یتیم خود اس سے کچھ مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کی بجائے اسے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور پھر بھی کوئی آفت کا مارا ارامید لیے کھڑا ہی رہے تو سال اللہیم پر جمع و دسہ سنائل کا منظر سامنے آ جاتا ہے اور بالفرض اپنا ہی کوئی یتیم رشتہ دار اپنے گلے پڑ جائے تو اس بد نصیب کے حصہ میں گھر بھر کی خدمت گزاری اور بات بات پر جھڑکیاں اور ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہر قسم کے مظالم کے لئے وہ تختہ مشق بنا رہتا ہے اور ستم یہ کہ اس ظالم کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خود بھی زمانہ کی ستم نظریانی کا شکار ہو سکتا ہے۔ بلکہ یتیم کو ایک بے بس اور بے جان مخلوق سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کا حق مارنے یا اس کو دھککارنے یا ظلم و جور کے لئے تختہ مشق بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تمثیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے:..... ولا یحضر یعنی غریب محتاج کو خود دینا تو کیا معنی؟ وہ کسی اور دینے والے کو بھی نہیں اکساتا۔ حالانکہ غریبوں پر ترس کھانا ہر مذہب و ملت میں پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ لیکن جو شخص انسانی جذبہ ہمدردی سے بھی بے بہرہ ہو۔ سمجھو کہ وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ بھلا ایسے شخص کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا سروکار؟ مفسر نے طعام المسکین کے معنی اطعام المسکین کے لئے ہیں۔ یعنی مسکین کو کھانا کھلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ لیکن طعام المسکین کو اپنے ہی ظاہر پر رکھا جائے تو زیادہ مبلغ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی کو اپنا کھانا دینے کی ترغیب دینا تو بجائے خود مسکین کو اپنا کھانا اور اس کا حق..... جو دوسرے پر آتا ہے اس کو دلانے کی توفیق بھی سلب کر لی جاتی ہے اور وہ مسکین کو اس کا اپنا کھانا بھی دلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ اس کے لئے نہ خود کو آمادہ کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اکساتا ہے۔ یہاں دو چیزوں کے ذکر سے مقصود صرف انہی دو چیزوں کی برائیاں بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دو خرابیاں بطور تمثیل ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ان نمونوں سے ہر شریف طینت انسان سمجھ لے گا کہ نہایت قبیح رذائل ہیں اور اس کے ساتھ اس پر بھی زور دینا ہے کہ جسے اللہ کے دربار میں حاضری کا خوف و ڈر ہوگا تو اس سے یہ کمینی حرکتیں سرزد نہ ہوں گی۔

نمازیوں پر نماز کا ادب بار:..... فویل للمصلین اس میں فالانے کا مطلب یہ ہے کہ کھلے ہوئے منافقین کا حال تو تم نے ابھی سن لیا ہے۔ اب ان کا حال سنو جو خود کو نماز پڑھنے والے مسلمانوں میں سمجھتے ہیں۔ مگر آخرت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اس لئے دیکھو تو وہ

اپنے لئے کس تباہی کا سامان کر رہے ہیں اور مصلحین کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خود کو نمازیوں میں شمار کرتے ہیں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ یہ نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے؟ اور اس سے کیا مقصود ہے؟ اور اس کا کتنا اہتمام ہونا چاہیے۔ بھلا یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ گندے دار و چار ٹکریں مار لیں وقت بے وقت کھڑے ہو گئے۔ دنیا کے بکھیڑوں میں اس قدر رکھوئے ہوئے ہیں کہ نماز کا ہوش ہی نہیں جب جی میں آگیا۔ آگئے اور آئے تو یہ خبر نہیں کہ کہاں آئے ہیں، کیوں آئے ہیں؟ کس کے آگئے کھڑے ہیں؟ احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے، بیٹھنے، سیدھے ہونے، جھک جانے کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی نظروں پر نہیں ہے کہ ان میں کتنا خلوص اور خشوع ہے؟ یہ سب باتیں ساہون میں آ جاتی ہیں۔ اور فی صلوٰتہم کے بجائے عن صلوٰتہم میں نکتہ یہ ہے کہ لائق عتاب اور قابل ملامت نماز سے اعراض و غفلت ہے کہ نماز کو بالکل بے بھول بھلیاں بنا دے۔ نماز میں سہو و نسیان پیش آنا نفاق یا گناہ نہیں ہے۔ بلکہ ارشاد نبوی رفعت عن امتی الخطاء و النسیان کی رو سے وہ کوئی عیب اور لائق سرزنش بات بھی نہیں ہے۔ انبیاء و اولیاء میں کوئی اس سے بچا نہیں۔ نماز میں سجدہ سہو کا ایک مستقل باب ہے۔ بلکہ وہی گندے دار نماز پڑھنا یا ٹال مٹول کرتے رہنا اور وقت جب بالکل ختم ہونے لگے تو اٹھ کر دو چار تھوٹکیں مار لینا یا اس طرح نماز پڑھ لینا کہ کوئی مصیبت نازل ہو رہی ہے۔ بے دلی کے ساتھ کپڑوں سے کھینا۔ جمائیاں لیتے جانا۔ بادل خواستہ کچھ ٹکریں مار لینا۔ یا ایسی ہیئت سے نماز پڑھنا کہ معلوم ہوتا ہے پہلو والی کی جلدی ہے۔ ورزش ہو رہی ہے۔ خدا کی یاد کا کوئی شائبہ دل کے اندر نہیں ہوتا۔ پوری نماز میں نماز کا احساس ہوتا ہے اور نہ یہ خیال کہ کیا پڑھا ہے۔ جسم نقل و حرکت کر رہا ہے۔ مگر دل ہے کہ کہیں اور پڑا ہوا ہے۔

نماز بے حضوری:..... گویا ایک مشین ہے جس کو چابی دے دی گئی ہے اور وہ اس سے چل رہی ہے چابی فٹم۔ و جائے گی نقل و حرکت بھی رک جائے گی۔ مارا مار اس طرح نماز پڑھی جا رہی ہے کہ نہ قیام ٹھیک نہ رکوع و سجود قرینہ کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صاحب نماز میں ڈارچی کے بالوں کو چھیڑ رہے تھے آپ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشیت اور خوف ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا بس کسی نہ کسی طرح الٹے سیدھے نماز کا پوتھ اتارنے کی کوشش ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کی نماز اللہ سے قریب نہیں کرتی اسے اور دور پھینک دیتی ہے۔ جہاں تک نماز میں وسوس اور دوسرے خیالات کے خود بخود آ جانے کا تعلق ہے وہ اور بات ہے اور نماز جی لگا کر نہ پڑھنا اور اس میں دوسری باتیں سوچتے رہنا بالکل دوسری چیز ہے۔ پہلی حالت تو بشریت کا تقاضا ہے انبیاء و اولیاء بھی اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں نہ اس پر کوئی عتاب اور مواخذہ ہے بلکہ ارادہ دوسرے خیالات آ جاتی ہیں۔ لیکن مومن کو جب بھی احساس اور متنبہ ہو جاتا ہے۔ کہ نماز سے اس کا دھیان ہٹ گیا ہے۔ تو وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے یہ حالت قابل ملامت نہیں لائق افسوس جو بات ہے وہ غفلت ہے کہ نماز شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک ایک لمحہ کے لئے دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جن خیالات کو لئے ہوئے نماز میں آیا تھا انہی میں مستغرق رہتا ہے اور انہی افکار میں نماز سے باہر آ جاتا ہے۔

ریا کاری ایک طرح کا شرک ہے:..... الذین ہم یوافون یعنی ایک نماز جی سیان کے دوسرے اعمال بھی ریا کاری اور نمائش و نمود سے خالی نہیں ہوتے گویا ان کا مقصود خالق سے قطع نظر مخلوق کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ کوئی بھی نیک کام خلوص نیت سے خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں دکھلاوے کے لئے کرتے ہیں۔ کہ لو! ابن و نیک سمجھیں اور ان کی تعریفیں ہوں، ان کی دینداری کا دنیا میں دستدرائے اور پھر اس کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں انیا ہی میں ان بول جائے۔ لیکن ابن عباس اور بالعموم دوسرے مفسرین نے اس جملہ کا تعلق پہلے سے مانا ہے۔ اور باذی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ مراد وہ منافقین ہیں جو محض دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اگر لوگ دیکھ رہے ہوں۔ تو نماز پڑھ لیتے ہیں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو نہیں پڑھتے تھے۔ بہر حال غور سے دیکھا جائے تو ریا کاری ایک طرح سے شرک و کفر ہے کہ ریا کار کے پیش نظر غیر خدا ہوتا ہے قیامت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ انہی سے صلہ اور بدلہ لو

جن کو دکھلانے کے لئے عبادت و اطاعت کی تھی۔ یوں اعمال کی صورت بھی بے کار نہ ہو اور وہ اس پر بھی فضل و انعام فرمادیں۔ وہ الگ بات ہے مگر خالص توحید ریا کاری کو گوارا نہیں کرتی۔

کنجوس کے لئے مال، جان و آن سے زیادہ عزیز ہے:..... و یمنع الماعون یعنی زکوٰۃ و صدقات تو کیا ادا کرتے معمولی برتنے کی چیزیں سوئی دھاگہ نمک، پانی، ہنڈیا، دہی، کلہاڑی، ڈول، رسی تک اور وہ بھی عاریتہ دینے میں جان نکلتی ہے خست و بخل کا جب یہ حال ہو تو ریا کاری کی نماز ہی سے کیا فائدہ ہوگا ایک آدمی خود کو مسلمان کہتا ہے اور نمازی کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا تو اس کا مسلمان ہونا لفظی ہے اور نمازی ہونا بے حقیقت ہے یہ ریا کاری اور بد خلقی ایک سچے مسلمان کا شیوہ نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کا و طیرہ ہے جو اللہ اور دین پر اعتقاد نہیں رکھتے جھوٹی موٹی چیزیں جو عادت، ہمسائے ایک دوسرے سے مانگتے رہتے ہیں اور ان کا مانگنا عرف میں کوئی ذلت کی بات نہیں سمجھتا۔ امیر غریب سب ہی کو کبھی نہ کبھی ایسا اتفاق پیش آتا رہتا ہے البتہ ایسی چیزوں کو نہ دینا اور بخل کرنا اخلاقاً ذلیل حرکت سمجھا جاتا ہے حضرت علیؑ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ماعون سے مراد زکوٰۃ بھی اور معمولی ضروریات کی چیزیں بھی ہیں۔ کہ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ کسی کو چھانی، ڈول، سوئی عاریتہ دی جائے۔

دو نکلتے:..... بہر حال دین کی تکذیب اگر کفر کے طریقہ پر ہو جیسا کہ سورت کے نصف اول میں ہے یا بطور نفاق کے تکذیب ہو جیسا کہ سورت کے نصف آخر میں ہے تب یہ تو مذمت اول درجہ کی ہے اور اگر بلا تکذیب کے ان افعال کا ارتکاب ہو تو یہ مذمت دوسرے درجہ کی ہے آیت فویل للمصلین کی تقریر سے یہ شبہ کیا جائے کہ اس سے حقوق اللہ کا حقوق العباد پر مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ فقہانے حقوق العباد کو مقدم مانا ہے جواب یہ ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ حیثیت سے درست ہیں حقوق العباد بلحاظ احتیاج و الزام کے مقدم ہیں اور حقوق اللہ اعظم ہونے کی وجہ سے مقدم ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو حقوق العباد میں بھی حقوق اللہ ہیں۔ کیونکہ اللہ ہی کے حکم سے ان کے حقوق مقرر ہوئے پس اصل حقوق اللہ ہی ہوئے۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت کا ماحصل یہی ہے کہ انسان آخرت کا انکار کر کے کیا کھوتا ہے اور کیا پاتا ہے چنانچہ دوسری تیسری آیت میں ان کافروں کی حالت کا بیان ہے جو آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور آخری چار آیات میں ان منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے جو ظاہر انماز پڑھتے ہیں مگر دل میں نہ آخرت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ اس کی سزا جزا کا کوئی دھیان انہیں آتا ہے اور ان دونوں قسم کے لوگوں کی حالت بیان کرنے سے اسی حقیقت کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ آخرت کے انکار سے انسان کا اخلاق و کردار تباہ ہو جاتا ہے لہذا اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے لئے آخرت کا اعتقاد ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو منافقین میں نفاق اعتقادی اور عملی دونوں تھے ان کا حکم تو کافروں ہی جیسا ہے مگر بعد میں کسی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ اعتقادی نفاق کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے اللہم احفظنا منها اور نفاق عملی کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہے۔

فضائل سورت:..... من قراء سورة ارايت غفر له ان كان للزكوة موديتا۔ جو شخص سورۃ ارايت پڑھے گا حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہو (مرفوع)۔

لطايف سلوك:..... فذلک الذی یدع الیتیم اس میں قساوت، غفلت، ریا، بخل کی مذمت واضح ہے۔

سُورَةُ الْكَوْثَرِ

سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ هُوَ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ أَوْ هُوَ حَوْضُهُ تَرْدُ عَلَيْهِ أُمَّتُهُ أَوِ الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ
مِنَ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ وَالشَّفَاعَةِ وَنَحْوَهَا فَصَلِّ لِرَبِّكَ صَلَاةَ عِيدِ النَّحْرِ وَانْحَرُ ﴿۲﴾ نُسُكُكَ إِنَّ
شَانِكَ أَيْ مُبِغْضِكَ هُوَ الْآبَتَرُ ﴿۳﴾ الْمُنْقَطِعُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ أَوِ الْمُنْقَطِعُ الْعَقْبُ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ مَرْيَمَ
وَإِثْلَ سَمَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْتَرَّ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ

سورۃ کوثر مکہ ہے یا مدنیہ اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمد!) کوثر عطا فرمائی ہے (یہ جنت کی نہر یا حوض ہے جہاں امت محمدیہ لے جائی
جائے گی۔ یا کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شفاعت وغیرہ خیر کثیر ہے) سو آپ اپنے پروردگار کے لئے (بقرعید کی) نماز پڑھئے اور
قربانی کیجئے یقیناً آپ کا دشمن (مخالف ہی) بے نام و نشان ہے (ہر طرح کی خیر سے محروم، یا منقطع النسل ہے یہ آیت عاص بن وائل
کے متعلق نازل ہوئی جب اس نے آپ ﷺ کے صاحبزادہ قاسم کی رحلت پر آپ کو ابتر کہا تھا)۔

تحقیق و ترکیب:..... اعطینا ایک قرأت انطینا ہے، بتویم اور اہل یمن کا یہ لغت ہے۔

الکوثر حوض کوثر مراد ہے یا فوعل کا وزن کثرت اور مبالغہ کے لئے ہے جیسے: نقل سے نفل کوثر کا موصوف خیر محذوف ہے
اس میں علم و عمل اور دونوں جہان کی ہر قسم کی بھلائی داخل ہے بعض نے آپ کی اولاد اور پیروکار اور علماء امت اور قرآن کریم کو بھی اس
میں داخل کیا ہے۔

صحاح میں کوثر کی دونوں تفسیریں آئی ہیں حوض کوثر اور خیر کے معنی ہیں اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا بھی آیا ہے اور
بعض احادیث سے اس نہر کا جنت میں ہونا اور بعض سے میدان حشر میں ہونا معلوم ہوتا ہے تطبیق کی صورت یہ ہے اصل نہر جنت میں اور
اس کی شاخ حشر میں ہوگی۔

وانحرو اونٹ عرب کے نزدیک بہترین مال سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے ذبح کے لئے لفظ انحرو خاص استعمال کیا گیا

مراد مطلقاً قربانی ہے خواہ اونٹ کی قربانی ہو یا گائے بکری کا ذبیحہ، نماز اور قربانی دونوں کو جمع کرنے میں بدنی، مالی، عبادات کی طرف اشارہ ہے اور نماز کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسی نماز نہیں ہونی چاہیے جو غفلت و ریاکاری پر مشتمل ہوتی ہے اور قربانی کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسا نکل نہیں ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ و میراث سے سب سے محروم رہتے ہیں بلکہ آپ غریبوں کے لئے خوراک بہم پہنچائیے اس طرح اس سورت کا مضمون پہلی سورت کے مقابل ہو جاتا ہے لیکن مفسر نے نماز سے نماز عید قربانی اور نحر سے عید کی قربانی مراد لیتے ہیں۔

ان شانئتک شانی سے ماخوذ ہے جس کے معنی بغض و عداوت کے ہیں جس کے نتیجہ میں بدسلوکی کی جائے۔ ولا یجبر منکم شنان قوم۔

ہو الا بئتر۔ بتر کے معنی دم بریدہ کے ہیں مراد ایسا شخص ہے جس کی نسل نہ چلے اور گنہام ہو جائے یہ استعارہ کیا گیا ہے بتر قطع کرنے اور کاٹنے کے معنی ہیں یعنی الگ تھلگ آدمی۔

حدیث میں آتا ہے۔ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتیراء۔ یعنی اکیلی ایک رکعت پڑھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس طرح دوسری حدیث۔ کل امر ذی بال لم یبدء فیہ بحمد اللہ فہو ابتر۔ یعنی بغیر اللہ کی حمد کے جو کام شروع کیا جاوے وہ بے برکت اور بے نتیجہ رہتا ہے دشمن کے ابتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نسل رہے نہ رہے پر دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی نہ رہے گا بر خلاف حضور ﷺ کے آپ کی پسری نسل نہ سہی اس سے جو مقصود ہے وہ بدرجہ اتم حاصل ہے۔

رابط آیات: سورۃ الصحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت اور آپ کے مخالف کے ساتھ بغض و عداوت ہے اس سورت کے شروع اور آخر میں اس کے موجبات کا ذکر ہے اور درمیانی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی نعمت پر شکر کا حکم ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، مقاتلؓ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے لیکن حسن بصریؓ، مکرمہؓ، مجاہدؓ اور قتادہؓ اس کو مدنی کہتے ہیں علامہ سیوطیؒ اور علامہ نوویؒ نے اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ پر کچھ غنودگی کے آثار طاری ہوئے پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے اور آپ نے بسم اللہ پڑھ کر سورۃ کوثر پڑھی پھر پوچھا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ عرض کیا اللہ و رسول کو زیادہ معلوم ہے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے جنت میں عطا کی ہے چونکہ حضرت انسؓ اپنا اس مجلس میں شریک ہونا بیان کرتے ہیں اور وہ مکہ میں نہیں تھے بلکہ مدینہ میں تھے پس یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اول تو اس سورت کا مضمون بجائے خود اس کا شاہد ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں ہر قسم کے دلخراش تیر چلائے جا رہے تھے دوسرے حضرت انسؓ کی روایت میں یہ تفصیل موجود نہیں ہے کہ حضورؐ نے کسی سلسلہ کلام میں یہ ارشاد فرمایا پہلے سے کیا گفتگو چل رہی تھی؟ ممکن ہے کسی مسئلہ میں آپؐ کچھ ارشاد فرما رہے ہوں اور اسی ذیل میں تائیداً آپؐ نے سورت کوثر پڑھی اس قسم کے واقعات اور واقعہ نیز پیش آئے ہیں جن کی نسبت مفسرین نے بعض آیات کے متعلق کہا کہ وہ دومرتبہ نازل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سورت اگرچہ پہلے نازل ہو چکی ہے مگر پھر کسی موقع پر حضورؐ کو وحی کے ذریعہ توجہ دلائی گئی ہے اور آپؐ نے بطور استشہاد ان آیات کو عداوت فرمادیا۔ تیسرے خود حضرت انسؓ ہی سے متعدد روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہر کوثر معراج میں دکھائی گئی اور

ظاہر ہے کہ معراج مکہ معظمہ میں ہوئی تھی پھر مدینہ طیبہ میں کوثر کی خوشخبری دینے کا کیا مطلب؟ نیز اسنے صحابہؓ اور جمہور کے مقابلہ میں تنہا حضرت انسؓ کی بات کیسے وزنی ہوگی آخر یہ حضرات بھی مجالس نبویؐ کے حاضر باش تھے جو اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں کفار قریش کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری قوم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی حیثیت ایک بے کس و بے بس انسان کی سی ہوگئی ہے عکرمہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کی دعوت اسلام کے جواب میں قریش کے لوگ کہنے لگے بتو محمد متابعی محمدؐ اپنی قوم سے کٹ کر ایسے ہو گئے جیسے درخت اپنی جڑ سے کٹ گیا ہو ظاہر ہے کچھ مدت بعد وہ درخت سوکھ کر پیوند خاک ہو جائے گا محمد بن اسحقؒ کی روایت ہے کہ عاص بن وائلؓ بھی کے سامنے جب حضورؐ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا اجدی چھوڑا انہیں وہ تو ابتر ہیں ان کے زیرینہ اولاد نہیں کہ گھر کا چراغ روشن ہو، مرجائیں گے تو کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں رہے گا ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیطؓ بھی اس قسم کی باتیں کہا کرتا تھا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کعب بن اشرفؓ مکہ میں آیا سرداران قریش نے اس سے کہا الاتری الا هذا الصبی المنبئ من قومہ یزعم انه خیر منا ونحن اهل الحجج واهل السدامة واهل السقاية حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسمؓ تھے ان سے چھوٹی حضرت زینبؓ تھیں ان سے چھوٹے حضرت عبداللہؓ تھے ان سے چھوٹی ام کلثومؓ، پھر فاطمہؓ پھر رقیہؓ تھیں پہلے حضرت قاسمؓ کا پھر حضرت عبداللہؓ کا انتقال ہوا اس پر عاصؓ بولا ان محمد ابتر لا ابن له یقوم مقامہ بعدہ فاذا مات انقطع ذکرہ واسترحم منہ یہ موقع دشمن کے خوش ہونے کا نہیں تھا مگر خوش ہو رہے ہیں کون؟ آپؐ کے چچا ابو جہلؓ و ابولہبؓ اور برادری کے عقبہ بن ابی معیطؓ وغیرہ کچھ ٹھکانہ ہے اس کمینہ بین اور دناست کا ان حوصلہ شکن اور دنگداز حالات میں سورۃ کوثر نازل ہوئی جس میں آپؐ کو بڑی تسلی دی گئی اور آپؐ کے طبعی ملال و تکدر کو دور فرمایا گیا۔

﴿تشریح﴾:..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ توحید خالص کی دعوت دیتے اور صرف اللہ کی عبادت و طاعت کی تلقین فرماتے تھے اور لوگوں کے شرکیہ اعمال کا کھلے بندوں رد فرماتے تھے جس سے قریش اور عرب کے لوگ آپؐ سے بگڑ گئے تھے اور نبوت سے پہلے قوم کی نظروں میں جو آپؐ کا مقام تھا وہ آپؐ سے چھین لیا گیا اور لوگوں نے آپؐ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا آپؐ کے مٹھی بھر سا تھی بھی الگ تھلک کر دیئے گئے۔

سرور کائناتؐ کے حالات کا دلگداز رخ:..... اس پر مزید دو صاحبزادوں کی وفات نے غموں کا پہاڑ تو ردیا ایسے وقت جب کہ دشمن کا جگر بھی شق ہو جائے عزیزوں، رشتہ داروں، قبیلہ اور برادری کے لوگوں اور ہمسایوں کی طرف سے ہمدردی اور دل سوزی کے بجائے الٹی خوشیاں منائی جا رہی ہوں اور وہ حرکتیں کی جا رہی ہوں جو ایک غیرت مند شریف انسان کے لئے دل توڑنے والی تھیں جس نے اپنے غیروں تک سے ہمیشہ نیک سلوک کیا تھا بہر حال حسب عادت حق تعالیٰ نے اس مختصر ترین سورت میں آپؐ کی دلداری فرمائی اور وہ خوشخبری دی جو دنیا کے کسی انسان کو بھی کبھی نہیں دی گئی اور یہ کہ آپؐ گھبرائیں نہیں آپؐ کی مخالفت کرنے والوں ہی کی جڑیں کٹ جائیں گی۔

کوثر کیا ہے؟:..... الکوتر کسی دوسری زبان میں ایک لفظ ہے اس کے پورے مفہوم کو ادا نہیں کیا جاسکتا چنانچہ البحر المحیط میں اس کے متعلق چھپیس اقوال ذکر کیے گئے ہیں اور آخر میں اس کو ترجیح دی گئی ہے کہ اس لفظ میں اتنی وسعت ہے کہ ہر قسم کی دینی و دنیاوی راحتیں، حسی اور معنوی نعمتیں اس میں داخل ہیں جو حضورؐ کو اور آپؐ کے طفیل آپؐ کی امت کو ملنے والی تھیں ان میں ایک بہت بڑی نعمت

وہ حوض کوثر بھی ہے جس سے آپ امتیوں کو سیراب فرمائیں گے۔ اللہم اعطنا منها۔ کوثر کثیر سے ماخوذ ہے مبالغہ کا صیغہ ہے مگر موقعہ استعمال کے لحاظ سے محض کثیر ہی کے معنی نہیں ہیں بلکہ خیر کثیر کے معنی ہیں یعنی بے شمار بھلائیوں اور نعمتوں کی کثرت مراد ہے۔

گرد و پیش کے حالات :..... چنانچہ آپ کے چاروں طرف کے حالات پر نظر ڈال کر دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ہر حیثیت سے تباہ ہو چکے ہیں قوم سے کٹ کر تنہا رہ گئے تجارت پر باد ہو گئی نرینہ اولاد سے بھی ہاتھ دھو چکے ہیں بات بھی ایسی لے کر اٹھے کہ مکہ تو درکنار پورے عرب میں بھی چند گنے پنے آدمیوں کو چھوڑ کر کوئی اس کو سننا تک گوارا نہیں کرتا تھا اس لیے آپ کے مقدر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ جیتے جی ناکامی و نامرادی سے دوچار ہیں اور جب وفات پا جائیں تو دنیا میں آپ کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہو ایسی حالت میں جب آپ سے یہ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو بہت بڑی خیر عطا کی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے مخالف جن خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ جو نعمتیں ہم نے آپ کے لئے مقدر کی ہیں ان پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کو بہت کچھ عطا ہوا ہے نبوت و رسالت، علوم و حکمت، قرآن و اخلاق کی دولت سے سرفراز فرمایا گیا دین و شریعت کا مکمل اور جامع نظام عنایت کیا گیا جس سے ایسی نسل اور امت تیار ہوگی جو رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن کرے گی اور آپ کے پیغام کو عالمگیر بنالے گی اور ہمیشہ کے لئے دین حق کی علمبردار بن جائے گی جس سے زیادہ نیک و پاکیزہ اور بلند پایہ انسان دنیا میں کسی امت کو نہیں ملا اور بگاڑ کی حالت کو پہنچ کر بھی دنیا کی سب قوموں کی سب سے بڑھ کر خیر اپنے اندر رکھے گی۔

پیشین گوئی پوری ہو گئی :..... حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اپنی دعوت کو انتہائی کامیاب دیکھ لیا اور آپ کے ہاتھ ایسی جماعت تیار ہو گئی جو دنیا پر چھا جانے کی طاقت رکھتی ہے آپ کی نرینہ اولاد نہ رہنے سے دشمن یہ سمجھتے تھے کہ آپ کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے گا مگر اللہ نے صرف یہی نہیں کہ روحانی اولاد کے ذریعہ آپ کا نام اور کام زندہ جاوید بنا دیا بلکہ آپ کی صرف ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ خاتون جنت سے جسمانی اولاد دنیا میں پھیلا دی جس کے لئے آپ کا انتساب بڑا سرمنا یہ افتخار ہے یہ تو دنیا کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے حبیب پاکؐ فدائے ابی و امی کو یہاں عطا فرمائی ہیں جن کو مخالفین نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا لیکن کوثر کے سلسلے میں جو آخرت کی نعمتیں اور مراتب عالیہ آپ کو ارزانی ہوں گے ان کا کوئی شمار نہیں۔ منجملہ ان کے حوض کوثر ہے جس کا ذکر اتنی روایات میں آیا ہے کہ ان کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے حوض کوثر ہو یا نہر کوثر شفاعت کبریٰ ہو یا مقام محمود مقصود آپ کی مرتبت شان کا اظہار ہے جس کا ظہور نبوت کبریٰ کی صورت میں دنیا میں ہو چکا ہے اور عرب کی سنگلاخ زمین جہاں پانی کی ایک ایک بوند کو لوگ قیمتی نعمت سمجھتے ہیں حوض کوثر کی بخشائش لطف دے رہی ہے۔

بطور شکر گزاری جان مال اللہ کے لیے وقف کیجئے :..... فصل لربك۔ یعنی اتنے عظیم الشان انعامات اور احسانات کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے اس لیے جسم و روح کے ساتھ نہایت فروتنی اور عاجزی سے اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیے بدنی عبادات میں نماز ایک اہم حیثیت رکھتی ہے اسی طرح مالی عبادات میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور روحانیت کا پہلو دونوں میں قدر مشترک ہے نماز سے بعض حضرات نے بیچ وقتہ نمازیں مراد لی ہیں اور بعض بقرعید کی نماز مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ بجائے خود مطلق نماز مراد ہے اسی طرح و انسحر سے مراد جانوروں کی قربانی کرنا ہے اور بعض نے نماز میں بحالت قیام سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر نیت باندھنا مراد لیا ہے اور بعض نے تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تکبیرات انتقالیہ کے

وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا مطلوب ہے مگر تحریمہ کے وقت رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے لیکن موقعہ محل کے لحاظ سے غور کر کے دیکھا جائے تو صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے دنیا بھر کے مشرکین تو اپنے خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور استہانوں اور مندروں پر قربانیاں چڑھاتے ہیں مگر آپ ان کے برعکس اپنے موجدانہ رویہ پر بدستور مضبوطی سے جیسے رہے کہ آپ کی نماز بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور قربانی بھی اللہ ہی کے لئے ہوئی چاہئے۔ البتہ یہ بات بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے جب مدینہ طیبہ میں بحکم الہی بقرعید کی نماز اور قربانی کا طریقہ جاری کیا تو چونکہ آیت ان صلواتی و نسکی اور آیت فصل لربک و انحر میں نماز کو پہلے اور قربانی کو بعد میں ذکر فرمایا گیا اس لئے آپ نے خود ہی اسی کے مطابق عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ پہلے نماز پڑھیں پھر قربانی کریں گویہ حدیث اس آیت کا شان نزول یا تفسیر نہیں ہے تاہم حضور کا ان آیات سے استنباط ہے اور آپ کا استنباط بھی وحی کی ایک قسم ہے اور گوانسان کو اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرنی تھی تاہم حضرت ذبیح اللہ کے صدقہ میں جانوروں کو فدہ یہ بتا دیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی اپنی یا اولاد کی قربانی کی نذر بھی مانے تب بھی جان دینے کی اجازت نہیں بلکہ جانور کی قربانی کرنی ہوگی۔

ذلت و گمنامی حضور کے مخالفین کے حصہ میں آئی..... ان شاء اللہ ہو الا بتو۔ ابتر دم کئے لڑے جانور کو کہا جاتا ہے عرب کے محاورہ میں جن کے بیٹا نہ ہو اس کو ابتر کہتے ہیں حضور کے صاحبزادہ کی رحلت پر دشمن بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے تھے کہ اسلام کا جھگڑا بس محمد کے دم تک ہے اس کے بعد تو گھر میں چراغ بھی روشن نہیں ہو گا نام تو کیا روشن ہوتا اس کا جواب دیا گیا کہ ابتر تو وہ شخص ہے جو آپ کی عداوت اور دشمنی میں اندھا ہو گیا ہو آپ پر عیب لگا تا ہو آپ کے خلاف بد گوئی کرتا ہو آپ کی اہانت کرتا پھرتا ہو آپ ہر طرح طرح کی باتیں چھانٹ کر اپنے دل کا بخار نکالتا ہو آپ کی انگنت روحانی اولاد اور بے شمار جسمانی دختر و اولاد جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور آپ کا دین اور اس کے آثار و انوار جو عالم میں چمک رہے ہیں اور آپ کی وہ یاد جو نیک نامی اور محبت و عقیدت کے ساتھ ارب ہزار انسانوں کے دلوں کو گرم رہی ہے دوست دشمن سب آپ کا لوہا مان رہے ہیں پھر آخرت کی ان گنت نعمتوں میں حوض کوثر اور شفاعت کبریٰ مقام محمود جیسے بیش بہا اعزازات اور مقبولیت عامہ جو علیٰ روس الاشہاد حاصل ہوگی جب ان پر نظر کی جائے تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ابتر حقیقت بس وہ ہے جو آپ کو ابتر کہے اور یہ محض جوابی حملہ نہ سمجھا جائے بلکہ قرآن کریم کی یہ اہم پیشگوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی جس وقت یہ پیش گوئی کی گئی تھی اس وقت تو لوگ حضور کو ہی ابتر سمجھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اور کسی کو مان گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ قریش کے بڑے بڑے سردار ابتر ہو جائیں گے جو صرف مکہ میں نہیں بلکہ سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے اولاد اور کنبہ جتھہ کے ساتھ مال و دولت بھی رکھتے تھے حج کے انتظام اور حجاج کی خدمات کی وجہ سے بڑے نامور تھے اور قبائل عرب سے وسیع تعلقات رکھتے تھے۔

چند سال میں عرب کی کایا پلٹ..... لیکن چند سال ہی میں ایسی کایا پلٹ ہو گئی کہ ایک وقت وہ تھا کہ ۵۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقعہ پر قریش بہت سے قبائل عرب و یہود کو لے کر جب مدینہ پر چڑھے ہیں تو حضور کو محصور ہو کر اور شہر کے گرد خندق کھود کر مدافعت کرنی پڑی تھی یا تین سال بعد ۸ھ میں پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب آپ نے مکہ پر چڑھائی کر دی تو قریش کا کوئی حامی، مددگار نہ تھا اور انہیں نہایت بے بسی کے ساتھ ہتھیار ڈال دینے پڑے یہاں تک کہ بہت سے فقہاء اور محدثین کو یہ کہنا پڑا کہ مکہ بطور لڑائی

کے فتح ہو گیا کوئی ادنیٰ مزاحمت نہیں ہوئی پھر اس کے ایک سال کے اندر پورا ملک عرب حضور کی مٹھی میں تھا ملک کے گوشہ گوشہ سے قبائل کے وفود آ کر رہے تھے اور آپ کے دشمن مخالفین بالکل بے بس اور بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے اور ایسے بے نام و نشان ہوئے کہ ان کی اولاد اگر دنیا میں رہی بھی تو ان میں سے آج کوئی یہ نہیں جانتا کہ وہ ابو جہل یا ابولہب یا عاص بن وائل یا عقبہ بن ابی معیط وغیرہ دشمنان اسلام کی اولاد میں سے ہیں اور جانتا بھی ہو کوئی یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ اس کے اسلاف یہ لوگ تھے۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد پر دنیا بھر میں برابر درود بھیجا جا رہا ہے اربوں انسانوں کو آپ ہی سے نسبت پر فخر نہیں بلکہ آپ کے خاندان اور آپ کے ساتھیوں کے خاندانوں تک انتساب سے عزت و شرف ہے کوئی سید ہے کوئی عباسی ہے کوئی صدیقی ہے کوئی فاروقی، کوئی عثمانی، کوئی زبیری، کوئی انصاری مگر نام کو بھی کوئی ابو جہلی یا ابولہسی پایا جاتا۔ بلکہ آپ کی نسبت سے شہرت ان دشمنوں کو بھی مل گئی لیکن نسبت چونکہ مقابلہ کی تھی اس لیے شہرت بھی نفرت و حقارت کے ساتھ نصیب ہوئی حتیٰ کہ ابو جہل و ابولہب اور نفرت و حقارت دونوں لازم و ملزوم ہو گئے قرآن کریم کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ ابتر حضور نہیں بلکہ آپ کے دشمن ہی تھے اور ہیں۔

خلاصہ کلام:..... سورہ کوثر کا مرکزی نقطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری اور دلہی کرنا ہے اور یہ کہ دشمنوں کی یلغار اور شور سے ہراساں ہو کر سر اسیمہ نہ ہو جائے ان کی طعنہ زنی سے لول نہ ہو جائے آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہو کر رہے گا درمیان میں بطور شکریہ کے نماز اور قربانی کی صورت میں بدنی اور مالی عبادت کا حکم ہے خواہ عام طور پر یا عید اضحیٰ کے موقع پر۔

فضائلِ سورت:..... من قرأ سورة الكوثر سقاہ اللہ من کل نہر فی الجنة ویکتب لہ عشر حسنات بعدد کل قربان قربہ العباد فی یوم النحر۔ جو شخص سورہ کوثر پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی ہر نہر سے سیراب فرمائے گا اور ہر عید میں جس قدر لوگوں نے قربانی کی اس سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

اطلاکِ سلوک:..... ان شانئک ہو الا بشر۔ اس کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مخالف ہر قسم کی خیر سے محروم رہے گا نہ اس کی زندگی میں برکت ہوگی کہ زاد آخرت جمع کر لے نہ اس کے قلب میں خیر ہوگی کہ اس میں حق تعالیٰ کی معرفت و محبت پیدا ہو یا حق بات کو سمجھے نہ اس کے اعمال میں برکت ہوگی کہ توفیق و اخلاص نصیب ہو اور یہی حالت ہوتی ہے آپ کے درخوا کی مخالفت کرنے والے کی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ آيَاتٍ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَ رَهْطٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ إِلَهَتَنَا سَنَةً وَنَعْبُدُ إِلَهَكَ سَنَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ﴿۲﴾ لَا أَعْبُدُ فِي الْحَالِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۳﴾ مِنَ الْأَصْنَامِ
وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ فِي الْحَالِ مَا أَعْبُدُ ﴿۴﴾ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَحْدَهُ وَلَا آنَا عَابِدٌ فِي الْأَسْتِقْبَالِ مَا
عَبَدْتُمْ ﴿۵﴾ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ فِي الْأَسْتِقْبَالِ مَا أَعْبُدُ ﴿۶﴾ عَلِمَ اللَّهُ مِنْهُمْ أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَإِطْلَاقُ مَا
عَلَى جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ لَكُمْ دِينُكُمْ أَلْشِرْكُ وَلِي دِينٌ ﴿۷﴾ الْإِسْلَامُ وَهَذَا قَبْلُ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْحَرْبِ وَحَذَفَ يَاءُ
الْإِضَافَةِ السَّبْعَةِ وَقَفَا وَوَصَلًا وَأَثْبَتَهَا يَعْقُوبُ فِي الْحَالِ

سورۃ کافرون مکہ ہے یا مدنیہ ہے چھ آیات ہیں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ایک سال آپ
ہمارے معبود کی پرستش کیجئے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں (فی الحال) تمہارے معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم (فی الحال)
میرے معبود (اللہ یگانہ) کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی
پرستش کرو گے (اللہ کو معلوم تھا کہ یہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ کے لئے لفظ ما کا استعمال تقابل کی وجہ سے ہوا ہے) تمہارے لیے
تمہارا دین (شرک) ہے اور میرے لئے میرا دین (یعنی اسلام یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے قرأت سبعہ میں دینسی کی یا وقف و وصل کی
حالت میں محذوف ہے اور یعقوب دونوں حالتوں میں باقی رکھتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب: مکیہ مفسر علام نے اس سورت کو مختلف فیہ کہا ہے چنانچہ ابن مسعود، حسن بصری، عکرمہ غر ماتے ہیں
کہ یہ سورت مکی ہے اور ابن زبیر کہتے ہیں کہ مدنی ہے ابن عباس اور قتادہ سے دونوں قول منقول ہیں لیکن جمہور مفسرین اس کو مکی مانتے
ہیں اور خود سورت کا مضمون بھی اس کی شہادت دے رہا ہے

قل یا ایہا الکفرون چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہی مسجد حرام میں تشریف لے جا کر تعمیل ارشاد کرتے ہوئے کفار
کے سامنے یہ اعلان فرمایا۔ لا اعبد مفسر اس کو حال پر محمول کر رہے ہیں لیکن قاضی بیضاوی اس کو استقبال پر محمول کرتے ہیں کیونکہ لا
مضارع کی نفی کے لئے آیا کرتا ہے جب کہ استقبال کے معنی میں ہو جیسا کہ ما اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو اور
لن اس نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے جو لا کے ذریعہ سے کی جائے اور ظلیل یہ کہتے ہیں کہ لن کی اصل لا ہے یعنی مستقبل کی نفی مقصود ہے
البتہ تفسیر کبیر میں یہ ہے کہ سورۃ کافرون میں پہلے جملے سے حال کی نفی اور دوسرے بعد کے جملہ سے استقبال کی نفی مقصود ہے کیونکہ ”انما

قاتل زید“ کے معنی آئندہ قتل کرنے کے ہیں اسی طرح انا عابد کے معنی آئندہ عبادت کے ہیں پس لا انا عابد کے معنی بھی آئندہ عبادت کی نفی کے ہوں گے تیسری صورت بعض حضرات نے یہ اختیار کی ہے کہ یہ دونوں جملے نفی حال و استقبال دونوں کے لیے آتے ہیں لیکن تکرار سے بچنے کے لیے کسی ایک جملہ کو حال کی نفی کے لیے اور دوسرے کو استقبال کی نفی کے لیے خاص کر لیا جائے گا اور کلام میں تکرار پر کلام سورۃ الرحمن میں گزر چکا ہے تاہم تاکید پر بھی اس تکرار کو محمول کیا جاسکتا ہے۔

ولا انا عابد ما عبد تم۔ اس میں زمانہ ماضی بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی زمانہ ماضی میں میں نے تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کی لیکن اس صورت میں عبارت ولا انا عابد ما عبد تم ہونی چاہئے تھی لیکن بحث سے پہلے چونکہ حضور کے متعلق اللہ کی عبادت کی شہرت نہیں تھی جس طرح کفار کا بت پرست ہونا معروف تھا اس لیے عبادت کی روش تبدیل کر دی گئی ہے تاکہ یہ فرق ظاہر ہو سکے۔

اور ما عبد میں دونوں جگہ من کی جگہ ما استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ذات کے بجائے یہاں صفت مراد ہے گویا عبارت اس طرح ہے لا اعبد الباطل ولا تعبدون الحق دوسری توجیہ یہ ہے کہ ما تعبدون اور ما عبد تم کی مطابقت کی رعایت کرتے ہوئے دونوں جگہ ما عبد میں بھی ما استعمال کیا گیا ہے تیسری توجیہ یہ ہے کہ چاروں جگہ ما مصدر یہ ہے اور چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ما بمعنی الذی ہیں اور آخر کے دونوں ما مصدر یہ ہیں بہر حال یہ قطعی مایوسی ان کفار کے بارے میں ظاہر کی گئی ہے جن کے متعلق علم الہی میں ایمان نہ لانا طے ہے ورنہ جو کفار بعد میں ایمان لے آئے وہ اس کے مخاطب نہیں ہیں ولسی دین نافع ابن کثیر حفص کے نزدیک لمی فتح یا کے ساتھ اور باقی قرآن کے نزدیک سکون یا کے ساتھ ہے اور دین قرآن کے نزدیک وقف و وصل دونوں حالتوں میں یا محذوف ہے اور یعقوب کے نزدیک محذوف نہیں مفسر نے اس حکم کو آیات جہاد سے منسوخ مانا ہے لیکن قاضی بیضاوی اس مشارکت پر محمول کرتے ہوئے یہ معنی لیتے ہیں کہ تم اپنی حالت پر رہو گے اور میں اپنے حال پر یعنی جب تم میری حق بات کو قبول نہیں کر رہے ہو تو تمہارے باطل کو میرے قبول کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے اس میں نہ کفر کی اجازت نکل رہی ہے اور نہ جہاد کی ممانعت کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور نسخ خبر میں نہیں ہوا کرتا یہ مضمون تو ایسا ہی ہے جیسے لا اکسراہ فی الدین فرمایا گیا ہے پس ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے تبلیغ و جہاد بھی جاری رہے اور لوگوں کو تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائے کیونکہ تبلیغ و جہاد تو ایک طرح کی سعی اور کوشش ہے اس کے لیے کامیابی ضروری نہیں۔

رابط آیات: سورۃ النحل کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں توحید ہے اور شرک سے پرہیز سورۃ کافرون میں اسی کا بیان ہے اس سورت کا مضمون صاف بتلا رہا ہے کہ یہ سورت مکہ کے بالکل ابتدائی اسلامی دور کی ہے جب کفار یہ اس لگائے ہوئے تھے کہ کسی مرحلہ پر ہم میں توافق ہو سکتا ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز ہو چکا تھا اور مخالفتیں بھی شروع ہو چکی تھیں اور کسی حد تک ان میں گرمی بھی آچکی تھی لیکن ابھی قریش کے سردار یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی صورت سے آپ کو مصالحت پر آمادہ کیا جائے گا اس لیے وقتاً فوقتاً مختلف تجویزوں کے ساتھ سلسلہ جنائی کرتے رہتے تھے مثلاً: حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قریشیوں نے حضور سے عرضداشت کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ مکہ میں سب سے زیادہ آپ مالدار ہو جائیں گے اور سب سے حسین عورت سے شادی کیے دیتے ہیں ہم آپ کے پیچھے چلنے کو تیار ہیں پس ہماری اتنی سی بات مان لیں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور یہ منظور نہیں تو پھر ایک تجویز اور پیش کرتے ہیں جس میں ہم دونوں کی بھلائی ہے آپ نے پوچھا وہ کیا؟ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کو لات، و عزی کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں کہ میرے رب کا کیا حکم آتا ہے تب یہ سورت نازل ہوئی حضور کے جواب کا نشانہ کسی قسم کا تردد نہ تھا بلکہ یہ تاثر دینا تھا کہ جو کچھ ہم میں کرتا ہوں خود رائی سے نہیں، بلکہ امر الہی کی

تعمیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ حاکم اعلیٰ کے آگے تمہیں بھی گردن جھکا دینی چاہیے اس کا حکم قطعی اور اٹل ہوتا ہے اس میں چون و چرا لیا رے زنی کا کوئی سوال بھی نہیں رہتا گویا حتی طور پر با یوسی سے رخ پھیرنا تھا۔ دوسری روایت سعید بن جبیرؓ کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، امیہ بن خلف نے آپ سے مل کر گفتگو کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آؤ ہم تمہارے معبود کی عبادت کرتے ہیں اور تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو تو ہم تمہیں اپنے سارے کاروبار میں شریک کئے لیتے ہیں اگر تمہاری لائی ہوئی بات ہماری چیز ہے بہتر ہوئی تو ہم تمہارے ساتھ اس میں شریک ہو جائیں گے اور اپنا حصہ پالیں گے اور اگر ہماری چیز بہتر ہوئی تو تم شریک ہو جانا تم اپنا حصہ پالو گے اس پر آیت قبل یناہیا الکفرون۔ نازل ہوئیں تیسری روایت وہب بن منہ کی ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ پسند کریں تو ہم آپ کے دین کے پیروکار رہیں اور ایک سال آپ ہمارے طریقہ پر رہیں غرضیکہ مختلف اوقات میں لوگوں نے اسی طرح کی پیش کش کی جس میں کچھ دو کچھ لوگ اصول کو پیش نظر رکھا تھا مگر اس سورت میں ہمیشہ کے لیے دو ٹوک فیصلہ سنا دیا گیا کہ حق و باطل میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی یہ تلمیس کا راستہ ہے اور پیغمبر کا راستہ مدہنت کا راستہ نہیں ہوتا۔

﴿تشریح﴾: بظاہر اس سورت میں فصل سے اگرچہ خطاب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاہم آپ کے توسط سے ہر مومن بھی اگر اس کا مخاطب اور مکلف ہو کہ وہ کفر و شرک سے بے زاری کا اعلان کر دے تو غلط نہیں ہوگا اسی طرح بہت سے مفسرین اگرچہ اس سورت میں کفر کا مصداق مخصوص وہی لوگ لیتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی پیش کش کی تھی لیکن بہتر یہی ہے کہ ذوات کے بجائے وصف کفر کا لحاظ کیا جائے جب تک یہ وصف کسی میں موجود ہوگا وہ اس کا مخاطب رہے گا اور جب وہ وصف ایمان سے بدل جائے گا تو خطاب بھی متوجہ نہیں رہے گا۔

خطاب عام ہے یا خاص۔ اسی طرح آیات کا مصداق خاص کفار ہیں یا عام: اس لیے جو لوگ بعد میں ہدایت پر آگئے ان کی وجہ سے اس قسم کی آیات پر کوئی اشکال نہیں رہتا نیز وہ کافر اور نافرمان خواہ قریشی ہوں یا کسی حاصل یہ کہ کفار و مشرکین کے طور و طریق سے کلیتہً اظہار بے زاری کیا گیا ہے خدا کا پیغمبر جن کا پہلا کام شرک و کفر کی جڑیں کاٹنا ہے وہ ایسی نایاب تجویزوں پر کب راضی ہو سکتے ہیں جہاں تک اللہ کے معبود ہونے کا تعلق ہے اس میں تو مشرکین کو بھی اشکال نہیں تھا وہ بتوں کی اگر پرستش کرتے تھے تو اپنے خیال میں اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہی کرتے تھے ما نعبدہم الا لیقربونا الی اللہ ذلنہی اختلاف اور گفتگو جو کچھ ہے وہ غیر اللہ کی پرستش میں ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں نیز واقعی اسی سے اللہ کا تقرب ہوتا ہے یا نہیں؟ گفتگو سے صلح کا حاصل یہی ہے کہ وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہیں، اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کرتے رہیں، وقتی اور غیر وقتی کا فرق تو ایک بہانہ تھا ورنہ اصل منشاء آپ کو اپنی جگہ سے ہٹانا تھا مگر اس سورت میں مدہنت اور تلمیس کا پردہ چاک کر دیا گیا اور پہلے ہی مرحلہ پر بات صاف کر دی گئی کہ جس کو آنا ہو وہ صاف اور کھلے دل پر آئے۔

اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں: ما نعبدون اس میں دنیا بھر کے تمام معبود آگئے جن کی کسی نہ کسی طریقہ پر لوگ پرستش کرتے ہوں خواہ وہ خیالی دیویاں اور دیوتا ہوں، یا بت، دریا، درخت، جانور ہوں چاند، سورج، ستارے ہوں یا فرشتے، زندہ، مردہ انسان ہوں یا اولیاء اور انبیاء اور سب مذہب رکھنے والے خواہ آسمانی مذہب کے دعوے دار ہوں یا خود ساختہ مذہب کے حامل اگرچہ ان میں خدا کو بھی شامل مانتے ہوں لیکن وہ ماننا چونکہ صحیح اور اصلی حالت میں نہیں اس لیے ان کے اقرار کو بھی انکار پر محمول کر کے ان کو منکر و کافر کہا جائے گا مومن کا مطلب ہے بلا شرکت غیرے تمنا اس کو ایک ماننا۔ ان آیات میں چار جگہ لفظ مسمیٰ، مجامسن کے لایا گیا ہے جن کی مختلف توجیہات گزر چکی ہیں تاہم سہل اور بے تکلف توجیہ یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ لفظ مسمیٰ سے ذات کا اظہار ہوتا ہے لیکن اگر وصف مراد ہو تو اس کے لیے ما ہی مناسب ہوتا ہے جیسے ہم کسی کی ذات کا تعارف چاہیں گے تو کہا جائے گا کہ آپ کون ہیں؟ یعنی آپ کا ذاتی تعارف مطلوب ہے مگر جب

وصفی تعارف مقصود ہوگا تو بولا جائے گا کہ آپ کیا ہیں؟ یعنی آپ کے اوصاف کیا ہیں؟ اسی طرح یہاں بھی لا اعبدا ما تعبدون۔ کے بجائے اگر من تعبدون کہا جاتا تو بات غلط ہو جاتی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم اس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں بس اس کے جواب میں کفار و شرکین یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ کی ہستی تو مسلمہ اور متفق علیہ ہے اس کو تو ہم بھی مانتے ہیں اور اس کی عبادت بھی کرتے ہیں پھر تم کیسے انکار کر کے ہم پر الزام لگا رہے ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا مذہبی اہم ہو جو اللہ کی ذات میں شرک کا قائل ہو یعنی دو یا زائد ذاتوں کو پرستش کے لائق مانتا ہو سب کی تان ایک ہی پر ٹوٹی ہے جہاں بھی کہیں بھی شرک ہے وہ صفات کا شرک ہے پس جب یہ کہا گیا۔ لا انتم عابدون ما اعبد تو مطلب یہ ہوا کہ جن صفات کے معبود کی میں عبادت کرتا ہوں ان صفات کے معبود کی تم عبادت نہیں کرتے اور یہی وہ اصل گرفت ہے جس کی وجہ سے آپ کا دین دہریوں کو چھوڑ کر تمام کفار کے دین سے قطعاً الگ ہو جاتا ہے اس طرح اس اعلان کے بعد شرک کا بالکل یہ استیصال ہو جاتا ہے اور ایک حقیقی معبود کی پرستش کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

کلام میں تاکید اگرچہ بلاغت ہے لیکن تائیس ابلغ ہے: ولا انتم عابدون ما اعبد۔ کچھ مفسرین بعد کی ان دونوں آیتوں کو پہلی دونوں آیتوں کی تاکید مانتے ہیں اور کسی بات پر زور دینے کے لیے تکرار اور تاکید سے کلام کیا جاتا ہے لیکن بہت مفسرین نے ان آیات کو تاکید کے بجائے تائیس پر محمول کیا ہے والنا سس اولیٰ من التاکید اس صورت میں دونوں جملوں میں فرق کرنے کے لیے کہنا پڑے گا کہ ایک جملہ کا حاصل تو فی الحال دونوں کے عمل میں فرق بتلانا ہے کہ دونوں کی راہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور دوسرے جملہ میں آئندہ کے لیے بھی دونوں راہوں کا اور ان پر چلنے والوں کا ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں چلنا بتلایا ہے خلاصہ یہ ہے میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد قرار نہیں دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ اب دونوں جملوں کا مفاد الگ الگ ہو گیا اور تکرار نہیں رہا۔

زمخشریؒ کی تصریح کے مطابق بعض علماء نے پہلے دونوں جملوں سے حال و استقبال کی نفی اور اخیر کے دونوں فقرہوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے اسی طرح بعض محققین نے پہلے دونوں جملوں میں ما کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں ما کو مصدر یہ لے کر یہ تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے اور نہ طریق عبادت ایک ہے کیونکہ تم بتوں کو پوجتے ہو جو میرے معبود نہیں اور میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان اور صنعت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور ایسے خدا کو تم نہیں مانتے اسی طرح تمہارا طواف کعبہ کے گرد نگانا چاروں طرف اللہ کی جگہ بیٹیاں اور تالیاں اور میرا یہ طریقہ عبادت نہیں ہے اور میں جس کیفیت سے اللہ کی عبادت کرتا ہوں اس کی تمہیں توفیق نہیں لہذا دونوں کی راہیں بھی مختلف اور دونوں کی منزلیں بھی الگ الگ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے: اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ پہلے جملہ کو حال و استقبال کی نفی کے لیے اور ولا انما عابد ما عبد تم کا مطلب یہ لیا جائے کہ خلقت نبوت کے بعد اب آئندہ مجھ سے شرک کی کیا توقع ہوتی۔ نزول وحی سے پہلے بھی تم سب جب پتھروں اور درختوں کی پوجا کرتے تھے اس وقت بھی میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی اب نور نبوت کے بعد تو خیر اس کا کیا سوال کہ میں تمہارا ہمنوا بن جاؤں۔ ممکن ہے اس لیے ولا انما عابد جملہ اسمیہ اور ما عبد تم میں ماضی کا عنوان اختیار فرمایا ہو بر خلاف کفار کے کہ ان کا حال دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے بیان فرمایا یعنی ولا انتم عابدون ما اعبد جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تم اپنی بد اعتقادی اور بد ہمتی کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور حال میں خدائے واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو حتیٰ کی عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا لگائے رکھتے ہو۔

علمی نکتہ: اور کفار کے حال میں ایک جگہ ما تعبدون اور دوسری جگہ ما عبدتم لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ ان کے معبود تو آئے دن بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی دکھائی دی یا کوئی خوب صورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کہ معبود بنا لیا اور پہلے کو چلتا کر دیا پھر

سفر کا معبود الگ ہے حضر کا الگ، کوئی روٹی دینے والا اور کوئی اولاد دینے والا کوئی عزت و دولت دینے والا غرض بھانت بھانت کے خدا بنا رکھے ہیں افرایت من اتخذ اللہ ہواہ۔ علامہ ابن قیمؒ کی بدائع الفوائد نیز اس سورت کے لٹائف پر کلام کیا گیا ہے (فوائد عثمانی) لکم دینکم یعنی جب تم نے قہر باندھ رکھی ہے تو اب سمجھانے سے کیا فائدہ تم نے اپنی بدبختی سے اپنے لیے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک، اللہ نے جو دین تمہیں ازراہ عنایت مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم خوش، آخر فیصلہ اللہ ہی کرے گا اس میں کفار کو رواداری کا پیغام نہیں بلکہ اظہار بیزاری اور لاقلمی کا اعلان ہے جیسے انتہائی مایوسی میں کسی سے کہا جائے کہ تم جانو تمہارا کام جانے بس ہمارا تو سلام لو۔

ائمہ کرام کی رائے:..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ و ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت لا یتوارث اہل ملتین شتیٰ کی رو سے امام مالک، امام اوزاعی، امام احمد اگرچہ اس کے قائل ہیں کہ ملتوں اور مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے مگر امام اعظم، امام شافعی دونوں آیت لکم دینکم ولی دین کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ کافروں کے مذاہب باہم کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن بحیثیت مجموعی چونکہ الکفر ملۃ واحده ہے اس لیے اگر کافروں کے درمیان نسب یا نکاح وغیرہ اسباب کی بناء پر وراثت کا تعلق ہو تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں چنانچہ مشہور حنفی علامہ سرحدیؒ لکھتے ہیں کہ ان اسباب کی بناء پر کفار بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بعض ایسی صورتوں میں بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں بس دو ہی دین ہیں ایک دین حق، دوسرے دین باطل لکم دینکم ولی دین۔ حدیث لا یورث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم۔ سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس سورت کا مقصد ہرگز کفار سے رواداری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے ”موسےٰ بدین خویش، عیسیٰ بدین خویش“ بلکہ بنیادی نقطہ جس پر پورا زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ دونوں طریقہ پر اعلان کر دیا جائے کہ جس طرح دن رات، روشنی، اندھیرا الگ الگ ہیں اسی طرح حق و باطل، اسلام و کفر دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں ان میں باہم مل جانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا نہ انتہا یا تلخیص کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔ پس یہ آیت تبلیغ دین اور جہاد وغیرہ مساعی کے منافی نہیں ہیں کہ ان کو منسوخ کہنے کی نوبت پیش آئے اور نہ پیشگوئی پر محمول کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہر قسم کی مساعی بدستور جاری رہیں گی اور ساتھ ہی ضدی لوگوں سے تو یہ کہا جائے گا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ضد کا فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا آگے تم جانو تمہارا کام جانے ”براد ما نصیحت بود کردیم و رفتیم“۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ الکفرون فکانما قرء ربع القرآن وتباعدت غسرة الشیاطین وبری من الشریک۔ جو شخص سورۃ کافرون پڑھے گا گویا اس نے چوتھائی قرآن پڑھ لیا اس سے سرکش شیطان دور رہے گا۔ اور وہ شرک سے بری رہے گا۔ اس سورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا حضورؐ کو نماز فجر سے پہلے اور نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے ہوئے دیکھا حضرت خوابؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کرو اور خود حضورؐ کا بھی یہی معمول تھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھی یہی ارشاد ہوا نوفل بن معاویہ اور جبکہ بن حارثہ سے بھی یہی ارشاد فرمایا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو تمہیں شرک سے محفوظ رکھے والا ہے سوتے وقت قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کرو۔

لٹائف سلوک:..... لا اعبدا تعبدون۔ اس میں گمراہوں سے لاقلمی اور مشارکت کی تصریح ہے اور یہی بغض فی اللہ ہے۔

سُورَةُ النَّصْرِ

سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَنَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَعْدَائِهِ وَالْفَتْحُ ﴿۲﴾ فَتَحَ مَكَّةَ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَيْ الْإِسْلَامِ أَفْوَاجًا ﴿۳﴾ جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فِيهِ وَاحِدٌ وَاحِدٌ وَذَلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ طَائِعِينَ فَسَبَّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ أَيْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفَرُوهُ أَنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿۴﴾ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نَزُولِ هَذِهِ السُّورَةِ يُكْبِّرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَاتُّوبَ إِلَيْهِ وَعُلِمَ بِهَا أَنَّهُ قَدْ اقْتَرَبَ أَجَلُهُ وَكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ سَنَةِ ثَمَانٍ وَتُوْفِيَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَبِيعِ الْأَوَّلِ سَنَةِ عَشَرَ

سورة نصر مدنیہ ہے اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:..... جب اللہ کی طرف سے مدد (دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) اور فتح (مکہ) آپہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (فوج در فوج در آنحالیکہ پہلے ایک ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف سے لوگ بر غمت مسلمان ہو گئے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے (جو حمد پر مشتمل ہو) اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد بکثرت سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ پڑھتے تھے اور اس سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا ہے چنانچہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور آپ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی)

تحقیق و ترکیب:..... اذا جاء۔ مجنی ایسی چیز کو کہتے ہیں جو موجود مگر غائب ہو کر سامنے آجائے مراد حصول و تحقق ہے اس میں استعارہ متبیعہ ہے کیونکہ وقت آنے پر مدد حاصل ہونے کو مجنی سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اس سے جاء بمعنی حصل مشتق کیا گیا ہے اور اس کو مجنی سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ امور ازل سے بروقت ظاہر ہونے کے لیے متوجہ ہے اور گویا مقدرات الہی موجودات ہیں جو پہلے غائب تھے پھر سامنے آ گئے اور اذا ظرف زمان مستقبل کے لیے ہے جو منصوب ہے سبوح کے ذریعہ جو اذا کا جواب ہے اور شرط سے پہلے فاعل میں رکاوٹ نہیں ہوگا اگر یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے تب تو اذا اپنی اصل پر ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ خیبر سے لوٹتے ہوئے اس کا نزول ہوا ہے اور خیبر فتح مکہ سے پہلے ہے اور قتادہ کا قول ہے کہ حضور اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے پس اگر ان دو سالوں کو تخمین پر محمول نہ کیا جائے تو اس کا فتح مکہ سے قبل نازل ہونا ثابت ہوتا ہے پس اہل اہل کے دو سال بعد زندہ رہے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہو اور جن روایات میں اس کا نزول فتح

مکہ کے بعد ہوا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے نازل شدہ حکم کو کمر یاد دلایا گیا لیکن اگر فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اذہا بمعنی اذہا ہے یا یوں کہا جائے کہ مکہ اذہا محض نصرو فتح کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مجموعہ کے لحاظ سے ہے جس کا ایک جزوید خلون بھی ہے اور اس سے پہلے جس کا نزول ہو چکا ہے اگر اس کا نزول اس جزوید خلون کے بعد بھی ہوا ہو جیسا کہ ایک روایت کے مطابق اس کا نزول حجۃ الوداع میں آیا ہے تو اذہا کو بمعنی مائلے لیا جائے گا یعنی چونکہ یہ امور ہو چکے ہیں اس لیے آپ کو یہ حکم کیا جاتا ہے۔

بہر صورت اذہا کا متعلق محذوف ہے ای اکمل اللہ الامر و اتم النعمۃ علی العباد۔

والفتح فتح مکہ مراد ہے لیکن نصرت سے وہ ملکوتی امداد اور قدی تائید بھی ہو سکتی ہے جو اسماء و صفات کی تجلیات کے ذریعہ سے ہو اور فتح سے مطلق فتح مراد ہو یعنی حضرت الوہیت واحدیت کے باب کا فتح ہونا اور کشف ذاتی کا حاصل ہونا اور افعال نفس کا افعال حق میں فنا ہو جانا پس مقام قلب میں جب نفسانی حجاب اٹھ جاتے ہیں تو اس سے یقیناً ملکوتی افعال فتح ہو جائے ہیں اور یہ فتح اول کہلاتی ہے۔ دوسری فتح جبروت صفات کہلاتی ہے جو صفات نفس کو صفات حق میں فنا کر دینے سے حجاب خیال اٹھ کر مقام روح میں حاصل ہوتی ہے۔

اور تیسری فتح لاہوت ذاتی کی مقام سر میں حاصل ہوتی ہے جو ذات نفس کو ذات حق میں فنا کر کے اہر وہم کا پردہ چاک کر کے مقام سرنصب ہوتا ہے اور جس کو یہ فتح و نصرت باطنی حاصل ہو جاتی ہے اسے فتح و نصرت ظاہری بھی میسر ہو جاتی ہے کیونکہ نصرو فتح دونوں باب رحمت سے ہیں پس نہایت انتہائیات پر پہنچنے کے بعد تاراضی کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔

ورایت الناس اگر رویت بصریہ ہے تب توید خلون حال ہے اور رایت بمعنی علمت لینے کی صورت میں ید خلون مفعول ثانی ہے اور افواجا کا مصداق اہل مکہ، اہل طائف اور قبیلہ یمن و ہوازن اور قبائل عرب مصداق ہیں۔

فسبح بحمد ربک یعنی تعجب کیجئے کہ اللہ نے ایسا کام جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا اس کو بہولت حاصل کر دیا اور بحمد ربک ای حامداً لل تعالیٰ علیہ او فصل لہ حامداً علی نعمہ او فترہ عما کانت الظلمۃ یقولون حامداً لہ علی ان صدق وعدہ او فائز علی اللہ بصفات الجلال حامداً علی صفات الاکرام۔

وامہتغفرہ یعنی کسر نفسی کرتے ہوئے اور اپنے عمل کو تفریح سمجھتے ہوئے اور غیر اللہ کی طرف التفات ہو جانے کی وجہ سے قلب پر جو تکدر ہوا ہے اس کے ازالہ اور تلافی کے لیے استغفار کیجئے چنانچہ حضور روزانہ ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھتے تھے یا امت کے لیے استغفار کا بھی حکم ہے اور تسبیح و تحمید اور استغفار کی ترتیب میں خالق سے مخلوق کی طرف نزول کی طرف اشارہ ہے جس کو سرمن اللہ کہا جاتا ہے جو صوفیا کے سیر الی اللہ سے عالی مرتبہ ہے سیر الی اللہ کو عروج سے تعبیر کرتے ہیں جب سالک مقام الوہیت کی سیر کرتا ہے اور سیر من اللہ نزول کہلاتا ہے جس میں سالک مقام عبدیت میں آ جاتا ہے جو سب سے اونچا مقام ہے صوفیا کا مقولہ ما رایت شیئا الا و رایت اللہ قبلہ اسی مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

انہ کان توابا یعنی ازل ہی میں استغفار کرنے والوں کی بخشش فرما چکا ہے۔

ربط آیات:..... سورۃ والضحیٰ کی تمہیدی مہمات میں سے اللہ کی نعمتوں پر بالخصوص تکمیل فیوض کے انعام پر شکرگزاری بھی ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے اور اسی کے ضمن میں نبوت کی تقریر بھی ہو گئی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:..... حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی آخری سورت ہے یعنی اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایام تشریق کے درمیان مثنیٰ میں نازل ہوئی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض آیات نازل ہوئیں

لیکن سب سے آخر آیت کون سی نازل ہوئی اس میں اختلاف ہے براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ سورۃ نساء کی آخری آیت یستفتونک آخر میں نازل ہوئی ہے ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیت ربوا آخری آیت ہے امام زہریؓ اور سعید بن المسیبؓ کا قول ہے کہ آیت ربوا اور آیت دین آخری آیات میں سے ہیں اور ایک قول ابن عباسؓ کا یہ بھی ہے کہ آخری آیت واتقوا یو ما آخ ہے اور یہ کہ حضورؐ کی وفات سے ۸۱ روز پہلے نازل ہوئی ہے اور سعید بن جبیر کا قول ۹ روز پہلے کا ہے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ نصر حضورؐ کی وفات سے تین ماہ کچھ دن پہلے نازل ہوئی، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے اور ابن عباسؓ کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے سے حضورؐ نے سمجھ لیا تھا کہ آپؐ کو دنیا سے رخصت کی اطلاع دی گئی ہے حضرت ام حبیبہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اس سال میرا انتقال ہونے والا ہے یہ سن کر حضرت فاطمہؓ رو دیں مگر جب آپؐ نے فرمایا کہ خاندان میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی، یہ سن کر حضرت فاطمہؓ نہیں، نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھ کو بدر میں شریک ہونے والے بڑے بڑے شیوخ کے ساتھ اپنی مجلس میں شامل رکھتے تھے بعض بزرگوں کو یہ بات ناگوار گزری، وہ کہنے لگے ہمارے لڑکے بھی اسی لڑکے جیسے ہیں پھر ان کی کیا خصوصیت ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علم کے لحاظ سے اس کے مقام سے آپؐ لوگ واقف ہیں؟ پھر ایک روز مجھے شیوخ بدر کے ساتھ بلایا میں سمجھ گیا کہ مجھے کیوں بلایا ہے؟ دوران گفتگو حضرت عمرؓ نے شیوخ بدر سے پوچھا کہ آپؐ حضرات اذا جاء کے متعلق کیا کہتے ہیں بعض بولے کہ اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی نصرت و فتح آنے پر حمد و استغفار کریں بعض نے کہا کہ شہروں اور قلعوں کی فتح کی خبر دی گئی ہے اور بعض خاموش رہے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں! فرمایا پھر کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت ہے اور حضورؐ کو بتلادیا گیا ہے کہ جب اللہ کی نصرت و فتح نصیب ہو جائے تو یہ اس کی علامت ہے کہ آپؐ کا وقت پورا ہو چکا ہے اب آپؐ اللہ کی حمد و استغفار میں لگے رہیں اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں جانتا جیسا کہ تم نے کہا ہے پھر حضرت عمرؓ شیوخ بدر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مجھے کیسے ملامت کر سکتے ہو جب کہ اس لڑکے کو اس مجلس میں شریک ہونے کی وجہ آپؐ نے دیکھ لی، بلکہ قاضی بیضاویؒ نے نقل کیا ہے، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قراہا بکی العباس فقال علیہ السلام ما یسکیک قال نعت الیک قال انما لکما تقول اور چونکہ اس سورت میں اتمام دعوت اور اکمال دین کی اطلاع آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کے مطابق دی گئی ہے اس لیے اس کو وفات کی پیشین گوئی پر محمول کیا گیا ہے یا استغفار کے حکم سے وفات کے قریب ہونے پر تنبیہ سمجھی گئی اس لیے اس سورت کا نام سورۃ التودیع بھی ہے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے سبحانک اللہم و بحمدک استغفرک و اتوب الیک بکثرت پڑھا کرتے تھے میں نے عرض کیا یہ کیسے کلمات ہیں جو آپؐ نے اب پڑھنے شروع کر دیئے ہیں؟ فرمایا میرے لیے ایک علامت مقرر کر دی گئی ہے کہ جب میں اس کو دیکھوں تو یہ الفاظ کہا کروں اور وہ ہے اذا جاء نصر اللہ و الفتح اور حضرت عائشہؓ سے بعض روایات میں یہ ہے کہ آپؐ رکو و سجود میں بکثرت سبحانک اللہم و بحمدک اللہم اغفر لی پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں ہے کہ آخری زمانہ حیات میں اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے بکثرت آپؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری رہتے سبحان اللہ و بحمدہ میں نے ایک وجہ پوچھی فرمایا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ صورت پڑھی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد بکثرت آپؐ یہ ذکر کرتے تھے سبحانک اللہم و بحمدک اللہم اغفر لی، سبحانک ربنا و بحمدک اللہم اغفر لی انک انت التواب الغفور حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ

آخرت کے لیے محنت و ریاضت کرنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ پہلے کبھی نہ تھے۔

﴿تشریح﴾: والفتح۔ فتح سے مراد اگر فتح مکہ ہے تو وہ اس لحاظ سے فیصلہ کن تھی۔ کہ اس نے مشرکین عرب کی ہمتیں پست کر دی تھیں۔ تاہم اس کے بعد بھی ان میں کافی دم غم باقی تھا۔ طائف و حنین کے معرکے اسی کے بعد ہی پیش آئے اور عرب پر اسلام کا مکمل غلبہ ہونے میں دو سال کے قریب لگے۔ اس لیے اس کو عام رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ یعنی ایسی فیصلہ کن فتح حاصل ہو جائے جس کے بعد ملک میں کوئی طاقت اسلام سے ٹکر لینے کی ہمت نہ کر سکے۔ اور یہ بات کھل کے سامنے آجائے کہ اب عرب میں اسی دین کو غالب ہو کر رہنا ہے۔

فتح سے عام مراد لینا زیادہ عمدہ ہے۔ جہاں تک فتح کی داغ بیل کا تعلق ہے وہ تو حدیبیہ میں پڑ چکی تھی۔ اور خیبر سے فتوحات کا آغاز ہو گیا تھا۔ لیکن مکہ معظمہ جو زمین پر گویا اللہ کا دار السلطنت ہے۔ وہ ایسا اہم مقام تھا کہ قبائل عرب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جونہی مکہ معظمہ فتح ہوا پھر تو سارا عرب اُمڈ پڑا اور جو قزاق و جوق لوگ حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ سارا عرب اسلام کا کلمہ پڑنے لگا اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایک ایک دودو کر کے لوگ اسلام لاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا اور وہ میں جس کو عام الوفود کہا جاتا ہے یہ کیفیت ہوئی کہ گوشے گوشے سے وفود حاضر خدمت ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۰ھ میں جب حضور ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت پورا عرب اسلام کے زیر نگیں ہو چکا تھا اور ملک میں کوئی مشرک باقی نہ رہا تھا۔

فسبح بحمد ربك۔ یعنی حضور اقدس ﷺ تکمیل دین اور خلافت کبریٰ کی تمہید کے مقصد عظیم کی خاطر دنیا میں تشریف لائے۔ جب وہ پورا ہولیا سمجھ لیجئے کہ سفر آخرت قریب ہے لہذا اب ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیں اور پہلے سے زیادہ تسبیح و تحمید کے لیے وقف ہو جائیں۔

اسلام کی فتح کا ایک اور پہلو: ایک پہلو اس میں یہ بھی نکل سکتا ہے کہ اس عظیم کامیابی کو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ آپ کا اپنا کارنامہ ہے بلکہ اس کو سراسر اللہ کا فضل و کرم سمجھئے اور زبان و دل سے اس کا اعتراف کیجئے کہ اس تمام کارنامہ پر ساری تعریف اللہ ہی کو پہنچتی ہے اور یہ نہ سمجھو کہ اعلاء کلمۃ اللہ کچھ تمہاری کوششوں کا مرہون منت ہے۔ بلکہ اس کے برعکس تمہارا دل اس یقین سے لبریز رہے کہ خود تمہاری تمام تر جدوجہد اللہ ہی کی تائید و نصرت پر موقوف ہے۔ وہ اپنے بندہ سے جو چاہے کام لے سکتا ہے اور یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے یہ خدمت تم سے لے لی اور اپنے دین کا بول بالا تمہارے ہاتھوں کر دیا۔ اور ایک پہلو اس میں یہ بھی نکل سکتا ہے کہ انسان کسی حیر العقول کارنامہ پر بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کا مطلب اظہار تعجب ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر کرتا کہ اللہ کی قدرت سے ایسا حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا ہے۔ ورنہ دنیا کی کسی طاقت کے بس میں نہ تھا کہ اس سے ایسا کرشمہ سرزد ہوتا۔

حضور کے استغفار کرنے کا مطلب: واستغفرہ یعنی اس عظیم کام کے سرانجام دینے میں ممکن ہے کوئی بھول چوک ہوئی ہو یا اس کام میں لگنے کی وجہ سے اور خلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے مشغولیت حق کے انہماک سے جو فرق پڑا ہے گو وہ بھی تعمیل ارشاد کی حیثیت سے مشغولیت حق بھی ہے۔ تاہم کچھ نہ کچھ اس سے طبیعت میں ٹکدر ہوا۔ جس کو لسان نبوت نے وانہ لیفان علی قلبی سے ظاہر فرمایا اس لیے استغفار کیجئے اور اللہ سے دعا مانگیئے کہ اس بھول چوک سے درگزر فرمائیے اور اس ٹکدر کو دو و فرما دے۔ یہ ہے اسلام کا وہ بہترین ادب جو اس نے اپنے بہترین ماننے والے انسان کو سکھایا ہے کسی انسان نے اللہ کے دین کی خواہ کتنی بڑی

خدمت انجام دی ہو اور اس کی راہ میں خواہ کتنی ہی قربانیاں اس نے دی ہوں اور اس کی عبادت و بندگی بجالانے میں خواہ کتنی ہی جانفشانیاں اس نے کیں اس کے دل میں کبھی خیال نہیں آتا چاہئے کہ میں نے آپ کے دین کا حق ادا کر دیا بلکہ ہمیشہ اسے یہ خیال کرنا چاہئے کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہئے تھا وہ میں نہیں کر سکا اور اسے اللہ سے یہی دعا مانگنی چاہئے کہ اس کے حق ادا کرنے میں جو کوتاہی مجھ سے ہوئی ہو اس سے درگزر فرما کر یہ حقیری خدمت قبول فرمائے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا:..... یہ ادب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا گیا جن سے بڑھ کر خدا کی راہ میں جدوجہد اور سعی کرنے والے کسی انسان کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا تو دوسرے کسی کی یہ مجال کہاں کہ وہ اپنے عمل کو کوئی بڑا عمل سمجھے اور اس غرہ میں مبتلا ہو کہ اس نے اللہ کا حق ادا کر دیا ہے اللہ کا حق اس سے بہت بالا ہے کہ کوئی مخلوق اسے ادا کر سکے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے یہ سبق دیتا ہے کہ اپنی کسی عبادت و ریاضت اور کسی خدمت دین کو بڑی چیز نہ سمجھیں بلکہ اپنی جان راہ خدا میں کھپا دینے کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں کہ ”حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا“ اسی طرح جب کبھی انہیں کوئی فتح نصیب ہو اسے اپنے کسی کمال کا نہیں بلکہ اللہ ہی کے فضل کا نتیجہ سمجھیں اور اس پر فخر و غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے رب کے سامنے عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر حمد و تسبیح اور توبہ و استغفار کریں۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شایان شان ادب عالیہ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جب یہ دیکھ لیں کہ جس مقصد عظیم کے لیے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اس کے اثرات اتنے نمایاں ہو گئے ہیں کہ لوگ جوق در جوق رجوع و رغبت سے قبول کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی مساعی کے نتیجہ میں اللہ کی نصرت و فتح آن پہنچی ہے لہذا آپ ہمد تن اللہ کی تسبیح و حمد میں وقف ہو جائیے اور شکر کیجئے کہ اللہ کے فضل سے آپ اتنا بڑا کام سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور باطنی فتح کے ساتھ ظاہری فتح بھی آپ کو نصیب ہو گئی ہے اور اپنے اور اپنی امت کے حق میں دعا کیجئے کہ اس خدمت کی انجام دہی میں کوئی بھول چوک یا لغزش ہوئی تو اس سے درگزر فرمائیے دنیا کے انقلابی ایسے موقعوں پر جشن فتح مناتے ہیں اور خوشی میں آپ سے باہر ہو جاتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے ہیں لیکن اللہ کے محبوب اور دین کے رہنمائے اعظم کو اس انقلاب عظیم اور بے مثال کارنامہ سرانجام دینے پر جشن منانے کا نہیں بلکہ اللہ کے آگے سرفراغ بندہ ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے اور کوتاہیوں پر تسامح کی عاجزانہ درخواست کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے اور یہ کہ اب رخت سفر باندھنے اور آخرت کی تیاری میں لگنے چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کا مرا نیوں میں کھوئے نہیں گئے بلکہ پورے طور پر یاد حق میں لگ گئے طاب حیا و میتا۔

فضائل سورت:..... من قرء سورة اذا جاء اعطى من الاجر كمن شهد مع محمد يوم فتح مكة. سورة اذا جاء جو شخص پڑھے گا اس کو اللہ اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ گویا وہ حضور کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر شریک رہا (مرفوع)۔

لطاائف سلوک:..... اذا جاء نصر الله اولى طريق كوايى چاہئے کہ جب وہ وظائف ارشاد سے فارغ ہو جائیں تو قریب الہی میں منہمک ہو جائیں اور تسبیح و تحمید و استغفار میں وقف ہو جائیں۔

سُورَةُ الْاٰلِهٰبِ

سُورَةُ اٰبِیْ لَهَبٍ مَّکِّيَّةٌ خَمْسُ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَمَّا دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهُ وَقَالَ اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ يَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ فَقَالَ عَمُّهُ اَبُو لَهَبٍ تَبًا لَّكَ اِلَهٰذَا دَعَوْتَنَا نَزَلَتْ تَبَّتْ حَسِرَتُ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ اِیْ جُمْلَتُهُ وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْبَدَنِ مَجَازًا لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهِمَا وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاءٍ وَتَبَّدَلَتْ حَسِرَتُهُمْ وَهٰذِهِ خَبَرٌ كَقَوْلِهِمْ اَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ اِنْ كَانَ مَا یَقُوْلُ اِبْنُ اِخِیْ حَقًّا فَاِنِّیْ اَقْتَدِیْ مِنْهُ بِمَا لِیْ وَوَلَدِیْ نَزَلَ مَا اَغْنِیْ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ (۲) وَكَسَبُهُ اِیْ وَلَدُهُ وَاعْنٰی بِمَعْنٰی یُغْنِیْ سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۳) اِیْ تَلَهَّبُ وَتَوْقَدُ فَهٰی مَالٌ تَكْنِیْتُ لِتَلَهَّبَ وَجْهَهُ اِشْرَاقًا وَحُمَرَةً وَاَمْرًا اِنَّهُ عَطَفَ عَلٰی ضَمِیْرِ یَصْلٰی مَوْعَةً الْفَصْلُ بِالْمَفْعُولِ وَصِفَتُهُ وَهٰی اُمُّ حَمِیْلِ حَمَالَةٌ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ الْحَطْبِ (۴) الشُّوْكَ وَالسَّیْعَدَانِ تُلْقِیْهِ فِی طَرِیْقِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جِیْدِهَا عَنُقُهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۵) اِیْ لَیْفٌ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ حَمَالَةِ الْحَطْبِ الَّذِیْ هُوَ نَعْتُ لِامْرَاَتِهِ اَوْ خَبَرٌ مُّبْتَدَأٌ مُّقَدَّرٌ

۵۳

سورۃ الی لہب مکہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ..... (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی اور فرمایا کہ انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید آپ کا چچا ابولہب بولا : اے اللہ! دعوتنا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) ٹوٹ گئے (برباد ہو جائیں) دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی وہ پورا تباہ ہو جائے مجازاً اس کو ہاتھوں سے تعمیر کر دیا ہے کیونکہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کیے جاتے ہیں یہ جملہ دعائیہ ہے) اور وہ برباد ہو جائے (یہ اس کی بربادی کی اطلاع ہے جیسے کہا جائے اہلک اللہ وقد هلك اور چونکہ حضور نے عذاب کی دھمکی دی تھی اس لیے ابولہب کہنے لگا کہ میرے بچے کی بات اگر ٹھیک نکلی تو میں اپنے مال و اولاد کو فدیہ کر دوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی) اس کو مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا (کسب سے مراد اس کی ہولناکی دہے اور اغنی بمعنی یعنی ہے) غریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا (یعنی دہکتی ہوئی پٹیش اٹھتی ہوئی سرخ و سفید رونق دار چہرہ کی وجہ

سے ابولہب اس کی کنیت تھی یہ اس کا انجام ہے) اور اس کی جو رو بھی (یصلیٰ) کی خبر پر حلف ہے مفعول اور اس کی صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے اس عطف کی گنجائش ہے بیوی کا نام ام جمیل تھا) جو اٹھا کر لانے والی ہے (رفع اور نصب کے ساتھ) لکڑیاں) کانٹے اور سعدان کی لکڑیاں لا کر حضور کے راستہ میں بکھیر دیتی تھی) اس کی گردن (گلے) میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (یعنی بل دی ہوئی) یہ جملہ حمالة الحطب کا حال ہے جو امراتہ کی صفت ہے یا مبتدا مقدر کی خبر ہے۔

تحقیق و ترکیب: تب تب..... تب تب ایسے نقصان و خسارہ کو کہتے ہیں جو تباہ کن ہو۔

ید اابی لہب . ہاتھوں کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے لا تلقوا ابایدیکم الی التہلکۃ میں ہے دوسرے ابولہب کی بات کا جواب ہے اس نے پہلے تباہ لک کہا اور ہاتھ بے پتھر اٹھا کر آپ کے پھینک مارا پس اول تب کا لفظ اس نے استعمال کیا اور ایک ہاتھ سے پتھر مارا اس لیے جواب میں دونوں ہاتھوں کو بربادی میں شریک کر لیا اور بعض نے یدین سے دنیا و آخرت بطور کنایہ کے لی ہیں یعنی یہ دونوں برباد ہو گئیں اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور بظاہر کنیت تعظیم کے لیے ہوا کرتی ہے مگر یہاں اس کا نام لینے میں کراہت سمجھی گئی کیونکہ وہ فی الحقیقت عبد اللہ تھا نہ کہ عبدالعزیٰ اور مشہور ہونے کی وجہ سے کنیت پر اکتفا کر لیا گیا دوسرے لہب کے لفظ سے التہاب ناری کی طرف کنایہ کیا گیا ہے جس سے اس کا دوزخی ہونا معلوم ہو جائے ایک قرأت ابولہب ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے ”علی بن ابوطالب“ کہا جائے اور ابن کثیر لہب سکون ہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

وتب . یہ دونوں لفظ خبر ہیں اور ماضی کے صیغے محقق الوقوع ہونے کی وجہ سے لائے گئے ہیں جیسے یہ شعر ہے

جزانی جزاء اللہ شر جزائہ جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

چنانچہ دوسری قراءت ”وقد تب“ ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلا لفظ ہاتھوں کے کروت کی اطلاع ہے اور دوسرا لفظ خود اس کے کروت کی خبر دیتا ہے۔ وما کسب . ما مصدر یہ یعنی اس کا کسب ضائع ہو گیا یا کسب بمعنی مکسوب ہے یعنی مال داری کے منافع و جاہت نو کر چا کر وغیرہ یا عمل مراد ہے جس کو وہ اپنے لیے نفع بخش سمجھتا تھا یا اس کا بیٹا عقبہ مراد ہے جس کو شیر نے پھاڑ ڈالا تھا گویا یہ باتیں بطور پیشگوئی کے فرمائی گئی ہیں۔

سیصلی . اس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا پھر اس کو ایمان کا مکلف قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے پس اجتماع نقیضین کی وجہ سے یہ بھی محال ہے اور محال کا مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے جو عقلاً گوجاز ہے مگر اہل سنت کے نزدیک شرعاً جائز نہیں آیت لا یکلف اللہ الخ کی وجہ سے پس اس شبہ کا جواب قاضی بیضاویؒ نے تو یہ دیا ہے کہ لفظ سیصلیٰ سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اس لیے ضرور جہنم میں جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے اسی لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلف ہے لیکن پھر دوزخ میں جانا وہ فسق و فجور کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک وقتی دخول ہوگا ابدی داخلہ نہیں جو مقترض نے سمجھا تھا۔

لیکن قاضیؒ کا یہ جواب ان لوگوں نے ناپسند کیا ہے جو آیت لا انسا عبد ما عبدتم اور لکم دینکم ولی دین کے معنی یہ لیے ہیں کہ ان کافروں کا دوزخی ہونا طے شدہ ہے وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جس سے پھر اشکال بدستور متوجہ ہو جائے گا جس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ سیصلیٰ تو زمانہ استقبال کے لیے بھی نص نہیں ہے چہ جائیکہ زمانہ استقبال کا استغراق و دوام لیا جائے پس ممکن ہے اس سے دنیوی سزا مراد ہو گویا عذاب دوزخ کا یہاں ذکر نہیں کہ اشکال ہو لیکن اچھی توجیہ یہ ہے کہ انسان ایمان اجمالی کا مکلف ہے اور مرتبہ اجمالی میں اجتماع نقیضین جائز ہے اور ایک قراءت میں سیصلیٰ تخفیف و تشدید کی صورت میں بھی ہے۔

وامرأه۔ اس کا عطف سیصلیٰ کی ضمیر متصل پر ہے اور مفعول مع صنعت کے فاعل ہونے کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے یا اس کو مبتدا کہا جائے۔ یہ عورت ارونجی ہے جس کی کنیت ام جمیل ہے ابوسفیان کی بہن اور حرب کی بیٹی تھی۔
حمالہ العال حطب۔ اس سے مراد بقول ابن حجر و رزخ کا گٹھ ہے جو ایذائے رسول کے کام کر کے وہ گناہوں کا بوجھ لا دیتی تھی۔ یا بقول مجاہد و قتادہ پھلخوری مراد ہے جس سے دشمنی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے چنانچہ فارسی میں ہیزم کش پھلخور کو کہتے ہیں یا بقول ابن عباس و ضحاک لکڑیوں کا بوجھ مراد ہے جو جنگل سے جن جن کر وہ لاتی تھی اور حضور کی راہ میں رات کو کانٹے بچھا دیتی تھی عاصمؓ نے اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔

سبل من مسدانی من ماسد اور مسد کے معنی بٹنے کے آتے ہیں رجل ممسود الخلق یعنی مضبوط ہے اس میں استعارہ ترشیحیہ ہے یا ام جمیل کو ایسی فرضی عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس کا یہ حال ہوا یا دوزخ میں اس کی حالت کا ذکر ہے کہ بقول ابن عباس آگ کی زنجیر میں زقوم اور ضریح کی لکڑیاں باندھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا یعنی جیسا کر رہی ہے ویسا ہی بھگتے گی۔
فی جیدھا۔ موضع حال میں ہے یا خبر ہے اور حبل ظرف کی وجہ سے مرفوع ہے۔

رابط آیات:..... والضحیٰ کی تمہید میں بیان کردہ مہمات میں سے مخالفت اور ایذا رسول سے بچنا بھی ہے اس صورت میں اسی کا بیان ہے یہ سورت مکی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس وقت سے ہے کہ خاندان بھر میں آپ کے حقیقی چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب کا بغض و عناد اور غصہ و عداوت کھل کر لوگوں کے سامنے آچکی تھی اور کھلم کھلا اس نے دشمنوں کا ساتھ دیا یہی وجہ ہوئی کہ جب سکے چچا کی زیادتیوں کا علانیہ سب کے سامنے آگئیں تو قرآن نے بھی کھل کر پوری مذمت کی۔ ورنہ ایک صحیحہ کے منہ سے چچا کی کھلم کھلا برائی اخلاقی حیثیت سے لوگوں کی نظروں میں معیوب سمجھی جاتی مگر پانی جب سر سے گزر گیا تو مجبوراً زبان کھولنی پڑی اسی لیے قرآن میں نام کی صراحت کے ساتھ اسی ایک جگہ مذمت کی گئی ہے حالانکہ مکہ مدینہ میں کتنے ہی دشمنان اسلام ایسے تھے جو آپ کے قربت دار بھی تھے مگر انہوں نے ابولہب سے کم کردار ادا نہیں کیا۔ پھر بھی نام بھی لے کر رسوا نہیں کیا گیا سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔

روایات:..... اسلام سے پہلے پورے عرب میں طوائف الملوکی، غارت گری، بد امنی پھیلی ہوئی تھی اس لیے سینکڑوں سال سے یہ معمول بن گیا تھا کہ کوئی شخص اپنے خاندان اور قربت داروں کے بغیر امن و چین کی زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے عربی معاشرہ میں صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اخلاقی قدروں میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور رشتہ دار سے بدسلوکی اور قطع رحمی کو بہت برا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو قریش کے مختلف خاندانوں نے گو آپ کی شدید مخالفت کی حتیٰ کہ نبوت کے ساتویں سال کلی مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں آپ کو محصور کر دیا۔ یہ مقاطعہ چھ ماہ تک دو سال رہا اور فاقوں تک نوبت پہنچ گئی مگر بنی ہاشم اور بنی المطلب دونوں خاندانوں نے اس وقت بھی کھلم کھلا اور بھرپور طریقہ پر آپ کی حمایت کی اگرچہ ان میں سے بہت سوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر قربت داری اور خاندانی تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔ اسی لیے دوسرے قریشیوں نے کبھی بنو ہاشم و بنو مطلب کو یہ طعنہ نہیں دیا کہ آبائی دین سے پھرنے والے شخص کی تم کیوں حمایت کر رہے ہو لیکن اس اخلاقی برتاؤ کو جسے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں نے ملحوظ رکھا مگر پوری برادری میں جس شخص نے اس اصول کو تو ذکر علانیہ دشمنوں کا ساتھ دیا ہو عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب جس کی کنیت ابولہب تھی اس کا یہ حال تھا کہ مکہ میں اگر باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آ جاتا اور ان محصورین میں

سے کوئی خوراک کا سامان خریدنے پہنچ جاتا ابولہب تاجروں سے پکار کر کہہ دیتا کہ ان سے اتنی قیمت مانگو کہ خرید نہ سکیں تمہیں جو خسارہ ہوگا اس کو میں پورا کروں گا چنانچہ وہ بڑھا چڑھا کر مول کر دیتے جس سے بے چارہ خریدار اپنے تڑپتے ہوئے بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ پلٹ جاتا پھر ابولہب وہ چیزیں بازار کے بھاؤ خود خرید لیتا۔

غرض لوگ جب ہچکا کا یہ طرز عمل اپنے بھتیجے کے ساتھ دیکھتے تو وہ اپنی معروف روایات کے پیش نظر یہ بات خلاف توقع سمجھتے تھے کہ کوئی چچا بلاوجہ بھی دوسروں کے سامنے خود اپنے بھتیجے کو برا بھلا کہے اور اسے پتھر مارے اس لیے وہ ابولہب کی بات سے متاثر ہو کر رسول اللہ کے بارے میں شک میں پڑ جاتے۔

عرب معاشرہ میں چچا باپ کی جگہ سمجھا جاتا تھا خاص طور پر جب بھتیجے کا باپ مر چکا ہوتا تو چچا ہی کے ذمہ ہر قسم کی دیکھ بھال پرورش و حمایت و نصرت آجاتی تھی لیکن ابولہب نے اسلام دشمنی میں تمام روایات کو پامال کر دیا اب وہ عرب معاشرہ کی نظروں میں اس درجہ میں آگیا کہ بھتیجے کے دکھی دل سے اس کے خلاف آہ نکلے تو لوگ سمجھ لیں کہ بھتیجے اس کہنے میں حق بجانب ہے اور لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ کی مخالفت میں جو ابولہب اول فول بکتا ہے وہ اپنے بھتیجے کی دشمنی میں دیوانہ ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آیت واندلو عشرین تبا الاقر بین نازل ہونے پر آپ صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھے اور عربی رواج کے مطابق ”یا صفا“ کی صدا لگائی تو اس پر قریش کے خاندانوں کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے جو خود آسکتا تھا وہ آگیا اور جو نہ آسکتا تھا اس نے اپنی طرف کسی کو بھیج دیا جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے ایک ایک خاندان کو نام بنام پکارا کہ اے بنی ہاشم! اے بنی مطلب! اے فلاں، اے فلاں اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک حملہ آور لشکر ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟ لوگوں نے اقرار کیا اور کہا کہ کبھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا پھر آپ نے فرمایا انسی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید اس پر ابولہب نے سب سے پہلے بگڑ کر کہا تبا لک الہذا دعوتنا۔

اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ گومارنے کے لیے اس نے پتھر بھی اٹھایا دوسرے مواقع پر بھی جب آپ پیغام حق سناتے تو یہ بد بخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہو لہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! محمد کی بات نہ سنو! کہ یہ جھوٹا بد دین ہے پھر بھی اپنے دونوں طرف اشارہ کر کے کہتا تبا لکم ما اری فیکما شینا ممایقول محمد، اور عذاب کی دھمکی کے جواب میں کہتا کہ اگر سچ ہے یہ بات ہوئی تو میں اپنے مال و اولاد کے بل بوتہ پر بیخ کنوں گا غرضیکہ کفر و عداوت اور غرور و شقاوت میں یہ شخص انتہا کو پہنچ گیا تھا حسب بیان ابن زید ایک روز ابولہب نے حضور سے پوچھا کہ اگر تمہارے دین کو مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو اور ایمان لانے والوں کو ملے گا کہنے لگا میرے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے؟ حضرت نے فرمایا اور کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا تبا لہذا الدین تبا ان اکون وھولاء سواہ۔ حضور کے اور ابولہب کے مکان کے بیچ میں صرف ایک دیوار تھی اسی طرح عقبہ بن ابی معیط، حکم بن عاص، عدی بن حمر سب آپ کے قریبی ہمسائے تھے مگر ایسے کہ گھر میں بھی حضور کو چین لینے نہیں دیتے تھے کبھی نماز کی حالت میں آپ پر اوجھڑ پھینک دیتے کبھی محن میں ہنڈایا پکتی ہوئی ہوتی تو اس پر فضا طت پھینک دیتے آپ باہر نکل کر حسرت سے فرماتے اے بنی عبد مناف! یہ کیسی ہسائیگی ہے؟ اس کی بیوی ہم جیل تو ایسی آفت کی پرکالہ تھی کہ دشمنی کی جواگ ابولہب بھڑکا تا یہ عورت گویا اس کے لیے ایذا من فرام کر کے اور تیز کر دیتی تھی اور اس نے مستقل یہ وطیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ رات کو آپ کے دروازے پر کانٹے دار جھاڑیاں لاکر ڈال دیتی تاکہ اندھیرے میں جب آپ نکلیں تو وہ کانٹے چھپ چھپیں اور کتوس اتنی کہ جنگل سے خود ہی لکڑیوں کا گٹھ سر پر لا کر لاتی تھی۔

ادھر حضور کی دوصاحبزادوں کا نکاح نبوت سے پہلے ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عصبہ سے ہوا تھا مگر آپ کی دعوت

شروع ہونے کے بعد اس نے اپنے بیٹوں سے کہہ دیا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میرے لیے تم سے ملنا حرام ہے جس پر دونوں نے طلاق دے دی۔ بلکہ عتیبہ نے تو یہاں تک کیا کہ ایک روز حضورؐ کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ میں التجم اذا هوى اور دنسی لحد لی کا انکار کرتا ہوں یہ کہہ کر حضورؐ کی طرف تھوک دیا بے ساختہ آپؐ کی زبان سے بدعا یہ جملہ نکلا۔ اللهم سلط علیہ کلب من کلابک۔ اس کے بعد اپنے باپ کے ساتھ سفر شام کے لیے روانہ ہو گیا راستہ میں کہیں پڑاؤ ہوا تو لوگوں نے بتلایا کہ یہاں رات کو درندے آتے ہیں ابولہب نے قافلہ کے فریشیوں سے کہا کہ میرے بیٹے کی حفاظت کرو۔ کیونکہ مجھے محمدؐ کی بدعا کا اندیشہ ہے۔ اس پر اس کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیا گیا اس کے چو طرف سامان لگا کر پھر اس کے گرد اونٹوں کو بٹھادیا پھر سو گئے۔ رات کو ایک شیر آیا اور حلقہ کو چرتا ہوا بیچ میں پہنچ گیا اور عتیبہ کو پھاڑ ڈالا لیکن اس کا بڑا بھائی عتبہ فتح مکہ کے بعد اسلام لے آیا تھا خود ابولہب کا حال یہ ہوا کہ بدر کے ساتویں روز کھٹی جس کو عربی عدسہ کہتے ہیں نکل آئی اور بیماری لگنے کے خیال سے گھر والوں نے اس کو الگ ڈال دیا۔ یہاں تک یہ اسی حال میں مر گیا اور تین روز تک یونہی لاش پڑی سڑتی رہی جس پر لوگوں نے طعنے دیئے تب کچھ لوگوں کو بلا کر اٹھوایا انہوں نے ایک گڑھے میں لکڑی سے دھکیل کر اوپر سے پتھر بھر دیئے۔

﴿تشریح﴾:..... نسبت یدا ابی لہب۔ یہ کوئی کوٹنا نہیں ہے جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔ بلکہ فی الحقیقت ایک پیش گوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کی حقیقتوں سے بیان کیا گیا ہے گویا اس کا ہونا ایسا یقینی ہے کہ گویا وہ ہو چکی ہے یعنی یہ ابولہب کیا ہاتھ نچا رہا ہے اور ہاتھ جھٹک جھٹک کر باتیں بناتا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس اور معصوم رسولؐ کی طرف دست درازی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے ہیں حق رہا ہے کہ اس کے سلسلہ میں اس کی سب کوششیں برباد ہو چکی ہیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا ہے۔

حق سے جو بھی ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا..... ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسب۔ اس میں ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل اور بیٹے عتیبہ تینوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا گیا ہے کہ ہر مرد یا عورت، اپنا ہو یا بے گانہ بڑا ہو یا چھوٹا، جو بھی حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہو کر رہے گا بغیر کسی قریبی قرابت بھی اسے بچانہ سکے گی۔ یہ قرابت ایمان و عمل کے ساتھ تو مفید ہو سکتی ہے مگر اس کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتی اس کی شکست اور ناکامی پر آخری مہم آس طرح لگی کہ جس دین کی تیغ کٹی کے لیے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا سب سے پہلے اس کی بیٹی درہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں اور اسلام قبول کیا پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب حضرت عباسؓ کی وساطت سے حضورؐ کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لا کر آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ اولاد کا حصہ ہوا جہاں تک اس کی مالداری کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وہ مکہ کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا قاضی رشید بن زبیر کا بیان ہے کہ وہ قریش کے ان چار امیروں میں سے تھا جو ایک قطار سونے کے مالک تھے مگر اس کے ساتھ وہ انتہائی کنجوس اور زر پرست تھا چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر جب اس کے دین کی موت و زیست کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا قریش کے تمام سردار خود لڑنے کے لیے نکلے مگر اس نے اپنی طرف سے عاص بن ہشام کو لڑنے کے لیے بھیجا اور کہا کہ یہ اس چار ہزار درہم قرض کا بدل ہے جو میرا تم پر آتا ہے اس طرح اس نے اپنے اس قرض کے وصول کرنے کی یہی ترکیب نکالی کہ جس کی عاص کے دیوالیہ ہونے کی وجہ سے وصول یابی کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی اسی طرح اس پر ایک مرتبہ یہ الزام بھی لگا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانہ سے سونے کے دو ہرن چرا لیے ہیں اگرچہ بعد میں وہ ہرن دوسرے شخص کے پاس سے برآمد ہوئے تاہم یہ الزام

لگنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔

بڑے وقت پر نہ مال کام آتا ہے اور نہ اولاد:..... غرضیکہ وما کسب سے مراد مالی منافع ہو یا اولاد۔ چند سال ہی کے اندر لوگوں نے اس پیش گوئی کو اس طرح پورے ہوتے دیکھ لیا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد۔ و امیرانہ اس عورت کا نام اردی اور ام جمیل اس کی کنیت تھی۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جمیل نے اس کو سنا تو وہ بھڑکی ہوئی حضورؐ کی تلاش میں نکلی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے۔ حضورؐ کی جگہ میں کچھ اشعار پڑھتی جاتی تھی حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکرؓ کیساتھ حضورؐ شریف فرما تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ آرہی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آپ کو دیکھ کر کوئی بے ہودگی کرے گی۔ حضورؐ نے ایسی خاص کیفیت سے فرمایا کہ یہ مجھ کو نہیں دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ حضورؐ کے موجود ہوتے ہوئے بھی آپ کو نہ دیکھ سکی اور حضرت ابوبکرؓ سے بولی کہ میں نے سنا ہے تمہارے صاحب نے میری جگہ کی ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس گھر کے رب کی قسم! انہوں نے تمہاری کوئی جھوٹ نہیں کی۔ یہ سن کر وہ واپس چلی گئی۔ منشاء یہ تھا کہ آپ نے جھوٹیں کی ایک وقتی فتنہ سے بچنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے تو یہ سورت سے کام لیا۔

بی حمالو کا کردار:..... حمالة الحطب کے معنی قادی، بکرہ، حسن، مجاہد، سفیان ثوریؒ نے چغل خوری کے لیے ہیں یعنی وہ بی حمالو تھی۔ اور سعید بن جبیرؒ لکھتے ہیں کہ بوجھ کے معنی لیتے ہیں۔ فلان یحطب علی ظہرہ کہا جاتا ہے کہ وہ گناہ پیٹھ پر لا رہا ہے۔ فی جسدھا۔ جید ایسی گردن جس میں زیور پہنا گیا ہو۔ حسن بصریؒ اور قادیؒ کہتے ہیں کہ وہ ایک قیمتی ہار پہنا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ لات وعزٰی کی قسم! میں اس کو بیچ کر محمدؐ کی عداوت میں خرچ کر دوں گی اس لیے یہاں طنزیہ فرمایا گیا ہے کہ دوزخ میں اس کی جگہ گلے میں مونجھ کی بٹی ہوئی مضبوط رسی پڑی ہوگی۔ یا لوہے یا اونٹ کی کھال یا درختوں کی چھال کی بنی ہوئی رسی ڈالی جائے گی۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبرؐ سے عداوت رکھنے کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس سلسلہ میں قرابت داری کا لحاظ بھی نہیں ہوگا۔ من عاد لی ولیا فقد اذنتہ بالحراب۔ انتساب اسی وقت کا اگر ہو سکتا ہے جب ایمان و عمل کی دولت پاس ہو ورنہ سب بیچ ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دین کے معاملہ میں مدافعت یا جانب داری نہیں برتی جب علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی بھی رعایت نہیں کی تو لوگ سمجھ گئے کہ یہاں کسی لاگ لپیٹ کی گنجائش نہیں ہے ایمان لے آئے تو غیر اپنا ہو سکتا ہے اور اس سے محروم ہو تو اپنا بھی غیر ہے ”دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست“۔

فضائل سورت:..... من قراء سورہ تبت رجوت لا یجمع اللہ بینہ و بین ابی لہب فی دار واحدہ۔ ترجمہ: جو شخص سورہ تبت پڑھے گا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ابولہب کے ساتھ ایک جگہ نہیں رکھے گا۔

اطا کف سلوک:..... تبت ید ابی لہب۔ جس طرح انبیاء مقبولین کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں اسی طرح اولیائے مقبولین کے مخالفین سے بھی انتقام لیتے ہیں (مرفوع) نیز اس سورت سے یہ بھی واضح ہوا کہ ایمان کے بغیر اپنے بھی پرانے ہیں۔

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ اَيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبِّهِ فَنَزَلَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ فَاللّٰهُ خَبَرُ هُوَ وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنْهُ اَوْ خَبَرُ ثَانِ اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ مُبْتَدَأٌ وَخَبَرُ اَيِّ الْمَقْصُودِ فِي الْحَوَائِجِ عَلَى الدَّوَامِ لَمْ يَلِدْ لَا يَنْتَفَاءُ مُجَانَسَةً وَلَمْ يُولَدْ ﴿۳﴾ لَا يَنْتَفَاءُ الْحَدُوثُ عَنْهُ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ اَيُّ مُكَافِئًا وَمِمَّا ثَلَا فَلَهُ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا عِجْ وَقَدَّمَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مَحَطُّ الْقَصْدِ بِالنَّفْيِ وَآخِرَ اَحَدٌ وَهُوَ اسْمٌ يَكُنْ عَنْ خَبَرِهَا رِعَايَةً لِلْفَاصِلَةِ
سورۃ اخلاص مکہ یا مدنیہ ہے اس میں چار یا پانچ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب کے متعلق پوچھا گیا تو یہ سورت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے (اس میں اللہ خبر ہے ہو کی اور احد اللہ کا بدل ہے یا ہو کی خبر ثانی ہے) اللہ بے نیاز ہے (یہ مبتدا خبر ہے یعنی تمام حوائج میں سدا وہی مقصود ہے) نہ اس کے اولاد ہے (اس کا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے (اللہ کے حادث نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور لیکن کے اسم احد کو اس کی خبر کے بعد لایا گیا ہے فاصلہ آیات کی رعایت کرتے ہوئے)۔

تحقیق و ترکیب: ہو اللہ احد۔ دو ترکیبیں مفسر نے بیان فرمائی ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ ہو کو ضمیر شان کہتے ہیں ہو زید منطلق کی طرح ابتدا کی وجہ سے یہ مرفوع ہے اور اللہ احد جملہ اس کی خبر ہے اور ہو کے ہوتے ہوئے عائد کی ضرورت نہیں ہے لفظ اللہ الہی ذات ہے جو صفات اکرام کی جامع ہے اور احد کے معنی یہ ہیں کہ وہ صفات جلال کا جامع ہے کیونکہ واحد حقیقی وہی ہوتا ہے جو ترکیب و تعدد اور ان کے لوازم حمیت و تحیز اور مشا رکت سے منزہ ہو اور جو ہے اور قدرت ذاتیہ اور حکمت تامہ سے متصف ہو جو صفات متفقہ الوہیت ہیں ایک قرأت میں بغیر قل کے صرف ہو اللہ احد ہے البتہ قل ینا ایہما الکافرون میں بالاتفاق قل موجود ہے لیکن نسبت کے شروع میں لفظ قل کہنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ سورۃ کافرون میں آپ کے دشمنوں سے اظہار بیزاری کیا گیا ہے اور نسبت میں آپ کے چچا کو لکارا گیا ہے اس لیے آپ کی طرف سے چچا کو عتاب آمیز خطاب مناسب نہیں لیکن سورت اخلاص میں توحید ہے جس کا قائل خود بھی حضور کو ہونا چاہیے اور دوسروں کو بھی دعوت دینی چاہیے۔

اللہ الصمد۔ صمد بمعنی قصد یہاں صمد بمعنی مصمود الیہ ہے فعل بمعنی مفعول جیسے قصص بمعنی مقصود اور خلق بمعنی مخلوق، صمد بلند مقام سطح مرتفع اور وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو اور وہ ہر ذار جس کی طرف حاجتوں میں رجوع کیا جائے وہ شخص جس

سے بالا تر کوئی نہ ہو ٹھوس چیز جس میں نہ خول ہو نہ جھول جس سے کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ اس میں داخل ہو سکتی ہو۔

الصمد۔ ٹھوس مقصود مرجع، بیت مصمد، حاجتوں کا مرجع، بناء مصمد، بلند عمارت صمدہ صمد الیہ صمداً۔ اس کی طرف جانے کا قصد کیا۔ الصمد الیہ الامر۔ اس کے آگے معاملہ پیش کر دیا اللہ مقصود مطلق ہے مستغنی مطلق ہے دوسرے سب ہر طرح اس کے محتاج ہیں صمد اصل ٹھوس پہاڑ کو کہتے ہیں اللہ سے بڑھ کر کون مضبوط ہو گا اور چونکہ مشرکین عرب اللہ کی صمدیت کے قائل تھے اس لیے الصمد معرف باللام لایا گیا برخلاف احدیت کے وہ اس کے قائل نہ تھے اسکو نکرہ لایا گیا ہے اور لفظ اللہ تکرار میں یہ نکتہ ہے کہ جو ان صفات سے متصف نہیں وہ اللہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اللہ فی الحقیقت ایسا جامع لفظ ہے کہ اس کا کوئی صحیح بدل کسی زبان میں نہیں ہے اور ان دونوں جملوں کے درمیان عاطفت نہیں لایا گیا۔ کیونکہ دوسرا جملہ پہلے کا گویا نتیجہ یا دلیل ہے۔

لم یلد۔ اللہ کے اولاد نہیں ہے کیونکہ اولاد اول تو ہم جنس ہونی چاہیے اور واجب الوجود کا ممکن ہم جنس نہیں ہے اور غیر جنس اولاد باعث عیب ہے اور اللہ عیب سے بری ہے دوسرے اولاد ادعائے کے لیے ہوتی ہے اللہ اس سے بھی بری ہے تیسرے اولاد باپ کا خلف ہوتی ہے اور اللہ فنا سے پاک ہے کہ اسے خلیفہ کی ضرورت ہو اور لم یلد ماضی لانے میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اسی طرح یہود پوردے جو حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور نصاریٰ پروردے جو حضرت مسیح کو ابن اللہ مانتے تھے یا اگلے جملہ لم یولد کے مطابق کرنے کی وجہ سے لم یلد ماضی لایا گیا ہے۔

ولم یولد۔ اللہ کسی کی اولاد نہیں کیونکہ اول تو اولاد حادث ہوتی ہے دوسرے وہ محدث کی محتاج ہوتی ہے اور اللہ ان باتوں سے پاک ہے کیونکہ وہ واجب بالذات ہے۔

ولم یکن لہ کفو احد۔ یعنی بیوی ہو یا اور ہستی کوئی اس کے برابر نہیں ہے لہٰذا طرف کو اہمیت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور کفو کی ضمیر مستتر سے یہ حال بھی ہو سکتا ہے تیسری ترکیب یہ ہے کہ اس کو خبر بھی بنایا جاسکتا ہے اور کفو احد۔ سے حال ہو جائے گا ان تینوں جملوں میں عطف کے ذریعے ربط کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی وحدت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ چھوٹے بڑے برابر تینوں کی نفی ایک ہی درجہ میں ہے جزئہ، یعقوب، نافع نے کفو تخفیف کے ساتھ اور حفص نے کفو حرکت اور واو کے ساتھ پڑھا ہے یہ مختصر ترین سورت ہے مگر تمام معارف الہیہ کو حاوی ہے اور طہرین پروردے حدیث میں اس کو ثلث قرآن میں رکھا گیا ہے کیونکہ مقاصد قرآن میں اول عقائد کا درجہ ہے دوسرے احکام کا حصہ ہے تیسرے قصص ہیں پس اس سورت میں عقائد کی بنیاد آگئی اور صاحب کشف تو اس سورت کو قرآن کے برابر کہہ رہے ہیں پس مقاصد اصلہ یعنی عقائد اصلہ کے لحاظ سے یہ بھی صحیح ہے۔

ربط آیات: والضحیٰ کی تمہیدی مہمات میں تو حید بھی ہے اس سورت میں تو حید خالص کا بیان ہے اسی لیے اس کا نام سورت اخلاص ہے اگرچہ اس میں کہیں اخلاص کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا ہے پس جو شخص اس کی تعلیم پر ایمان لائے گا وہ شرک سے خلاصی پالے گا۔

روایات: حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بتلائے اس پر سورت نازل ہوئی نسب بتلانے کا مطلب تعارف ہے اجنبی سے تعارف کے لیے عرب انسابہ لنا بولتے ہیں یعنی کون ہے، کیسا ہے، کس قبیلہ خاندان سے ہے؟ حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے اسی کے قریب قریب روایات ہیں جن سے اس سورت کا کلی ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہود کا ایک گروہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں کعب بن اشرف اور جی بن اخطب وغیرہ بھی تھے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کا رب جس نے آپ کو بھیجا ہے کیسا ہے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کچھ یہودی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے اے ابوقاسم! اللہ نے فرشتوں کو نور حجاب سے آدم کو مٹی کے سنے ہوئے گارے سے۔ ابلیس کو آگ کے شعلے سے آسمان کو دھوئیں سے زمین کو پانی کے جھاگ سے بنایا اب ہمیں اپنے رب کے متعلق بتائیے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جبریلؑ آئے نہوں نے کہا اے محمد! ان سے کہیے ہو اللہ احد اسی

طرح عامر الطفیل نے حضورؐ سے کہا کہ اے محمد! آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف عامر بولا کہ اچھا تو بتلائیے کہ وہ سونے سے بنا ہے یا چاندی سے یا لوہے سے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی علیٰ ہذا ضحاک، قتادہ، مقاتل کہتے ہیں کہ یہود کے کچھ علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! اپنے رب کی کیفیت ہمیں بتلائیے شاید ہم آپ پر ایمان لے آئیں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تورات میں نازل کی ہے آپ بتلائیے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کی جنس کیا ہے سونے کا ہے، تانبے کا ہے پتیل کا ہے یا لوہے کا ہے چاندی کا ہے؟ اور کیا وہ کھاتا پیتا بھی ہے؟ اور اس نے دنیا کس سے وراثت میں پائی ہے اور اس کے بعد کون اس کا وارث ہوگا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی ابن عباسؓ کی روایت یہ بھی ہے کہ نجران کے ساتھ عیسائیوں کا وفد حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ آپ کا رب کیسا ہے؟ کس چیز سے بنا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرا رب کسی چیز سے نہیں بنا ہے وہ ہر چیز سے الگ ہے تب یہ سورت اتری ان روایات سے اس کا مدنی ہونا معلوم ہوتا ہے بہر حال سوال ایک ہی ہے جو مختلف موقعوں پر مختلف لوگوں نے آپ سے کیا اور سب کا جواب ایک ہی آیا ان میں کوئی تضاد یا ٹکراؤ نہیں ہے ہر مرتبہ آپ نے اس سورت کو پڑھ دیا مگر راوی اس کو اسی واقعہ کے ساتھ خاص کر کے نقل کر دیتے ہیں دراصل یہ سورت مکی ہے اور اس کی مضمون سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بالکل شروع میں جب اللہ کی ذات و صفات سے متعلق تفصیلی آیات نازل ہوئی تھیں لوگوں نے آپ کی دعوت سن کر پوچھنا چھ شروع کر دی دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت بلالؓ کو ان کے آقا امیہ بن خلف نے دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر جب ستایا تو ان کی زبان پر ادا حد جاری تھا جو اس سورت سے ہی ماخوذ ہے۔

﴿تشریح﴾..... سورۃ کافرون کی طرح یہاں بھی لفظ قسلاً کا براہ راست خطاب حضورؐ کو ہے لیکن آپ کی وساطت سے پھر یہ خطاب عام ہے ہو اللہ احد۔ ہو سے مراد وہی رب ہے جس کے متعلق استفسار کیا جا رہا تھا یعنی میرا رب وہی اللہ ہے جو تمہارے نزدیک بھی معروف ہے کوئی نیارب لے کر نہیں آیا ہوں جس کی عبادت کی دعوت دے رہا ہوں بلکہ اللہ کی وہی جانی پہچانی مسلمہ ہستی ہے جس کا نام تمہاری زبانوں پر بھی ہے یہ ان کے سوال کے پہلے دو کا جواب ہوا اس سے خود بخود اس کا جواب نکل آیا کہ وہ سونے، چاندی کا ہے یا کس چیز سے بنا ہے؟

خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بنا وہ ان چیزوں کو بنانے والا ہے..... ظاہر ہے کہ جب وہ اللہ ہے تو ان میں سے کسی چیز سے بھی نہیں بنا ہے بلکہ وہی ہے جسے تم بھی ساری کائنات کا خالق رازق مدبر، منتظم مانتے ہو اور سخت وقت پڑنے پر سب کو تھوڑ چھاڑ کر اسی کو مدد کے لئے پکارتے ہو اس جواب میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ آپ سے آپ آجاتی ہیں کیونکہ یہ بات سرے سے ناقابل تصور ہے کہ جس ذات میں سارے گن ہوں وہ نہ زندہ ہو، نہ مٹتا ہو، نہ دیکھتا ہو، نہ قادر مطلق ہو، نہ علیم و حکیم، رحیم و کریم ہو، اور نہ سب پر غالب ہو اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے احد کا لفظ جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں غیر معمولی ہے یوں تو اس کا استعمال بہت سے طریقوں سے ہوتا ہے لیکن قرآن کے علاوہ عربی زبان میں محض وصف کے طور پر اس کے استعمال کی کوئی نظیر نہیں ملتی قرآن نے صرف اللہ کی ذات کے لیے اس کا استعمال کیا ہے اس غیر معمولی استعمال طرز بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ اور یکتا ہونا اللہ کی خاص صفت ہے یعنی وہ اکیلا رب ہے وہی اکیلا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے پس مشرکین اور اہل کتاب کے سوالات کا مختصر اہل اس طرح ہوا کہ وہی اکیلا رب ہے وہی اکیلا اللہ ہے وہی اکیلا خالق، مالک الملک، مدبر، منتظم، رازق وغیرہ ہے خدائی کے ان کاموں میں جن کو تم مانتے ہو کہ یہ اللہ ہی کے کام ہیں اس کا کوئی شریک سہیم نہیں ہے انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کا نسب کیا ہے اس کی جنس کیا ہے؟ وہ کس کا وارث ہے؟ اس کا وارث کون ہوگا؟

اللہ کی احدیت اور واحدیت:..... ان سارے سوالات کا جواب بھی لفظ احد میں آگیا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا خدا کی کوئی جنس نہیں کہ یہ اس کا فرد

ہو بلکہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ہم جنس نہیں ہے اسکی ذات محض واحد نہیں بلکہ واحد ہے جس میں کوئی کسی حیثیت سے بھی کثرت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور چونکہ وہ اجزا سے مرکب وجود نہیں ہے اس لیے نہ اس کی تقسیم ہو سکتی ہے نہ اس کے اجزا ہو سکتے ہیں نہ وہ کوئی شکل و صورت رکھتا ہے نہ رنگ و جہت، نہ زمان و مکان کا پابند ہے نہ تغیر و تبدل کو قبول کرتا ہے غرض تمام کثرتوں سے پاک صاف ایک ذات ہے جو ہر اعتبار سے احد ہے۔ واحد کے معنی تو ایک کے ہیں خواہ ایک فرد ہو یا مجموعی حیثیت سے ایک ملک ایک قوم ایک دنیا ایک عالم ایک جہاں اور کسی مجموعہ کے ہر جزو کو بھی واحد اور ایک کہا جاسکتا ہے لیکن احد کا استعمال صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے کسی اور کے لیے یہ مخصوص نہیں ہوتا چنانچہ قرآن میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد لفظ استعمال ہوا ہے وہاں الہ واحد اللہ الواحد القہار کہا گیا ہے محض واحد کہیں نہیں کہا گیا کیونکہ یہ لفظ ان چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کے لیے اور صرف اللہ ہی کے لیے احد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے جس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے۔

فرق باطلہ پر رد:..... پس لفظ اللہ سے تو دہریوں اور منکرین خدا پر رد ہو گیا۔ جو بالکل خدائی کے قائل ہی نہیں ہیں اور وہ اس کائنات کو محض لخت و اتفاق کا ایک نتیجہ قرار دیتے ہیں یا مادہ اور اتھیر کو قدیم مانتے ہیں جو تمام کمالات سے عاری ہے اسی طرح لفظ احد سے ان لوگوں پر رد ہو گیا ہے جو ایک سے زائد معبود مانتے ہیں خواہ وہ مجوس ہوں جو خالق خیر و شر، یزدان و اہرمن الگ الگ مانتے ہیں یا ہنود جو بتیں کوورد ہونا مانتے ہیں الصمد صمد کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں حضرت علیؓ، عکرمہؓ، کعبؓ، کے نزدیک صمد وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابو وائلؓ، شقیق بن سلمہ کے نزدیک سردار کامل کے معنی ہیں اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا سردار جو اپنی سیادت شرف و عظمت، علم و بردباری حکمت میں کامل ہو وہ صمد کہلائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سردار جس کی طرف لوگ مصیبت میں رجوع کریں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اس کے محتاج ہوں عکرمہؓ کے اور بھی اقوال ہیں مثلاً وہ چیز کہ جس میں سے نہ کبھی کوئی چیز نکلی ہو نہ نکلتی ہو اور جو نہ کھاتا نہ پیتا ہو سدی کہتے ہیں کہ جو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو یا مصائب دور ہونے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جائے سعید بن جبیرؓ کے نزدیک جو صفات و اعمال میں کامل ہو زینج بن انسؓ کے نزدیک کوئی آفت نہ آتی ہو اور مقاتل بن حیانؓ کے نزدیک بے عیب کے معنی ہیں۔ ابن کيسانؓ کے نزدیک وہ کہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا متصف نہ ہو سکے حسن بصریؓ قتادہؓ کے نزدیک جو باقی رہے والا لازوال ہومرۃ الہمدائی کے نزدیک وہ جو اپنی مرضی اور کام میں خود مختار، آزاد ہو۔ اس کے حکم اور فیصلہ کے آگے دم مارنے کی مجال نہ ہو۔ ابراہیم نخعیؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جس کی طرف حاجات میں رجوع کریں۔ ابو بکر انباریؓ کا کہنا یہ ہے کہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی سردار نہ ہو اور جس کی طرف لوگ اپنے معاملات و ضروریات میں رجوع کریں۔ زجاجؓ کہتے ہیں کہ جس پر سرداری ختم ہو گئی ہو اور لوگ اپنی حاجتوں میں اس کی طرف رجوع کریں۔

صمد کی جامع تفسیر:..... طبرانی ان سب اقوال کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ وکل هذه صحيحة وهي صفات ربنا

عز وجل هو الذي يصمد اليه في حوائج وهو الذي قد انتهت سودوه وهو الصمد الذي لا جوف ولا كل ولا يشرب وهو اليافي بعد خلقه۔ اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ احد جو اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے اس لئے نکرہ لانا کافی سمجھا گیا۔ لیکن صمد کا لفظ چونکہ مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے الصمد معرفۃ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی صمد اللہ ہے۔ اور مخلوق کو اگر کسی حیثیت سے صمد کہا بھی جائے تو جزوی لحاظ سے ہوگا۔ کیونکہ مخلوق اللہ کی طرح لازوال نہیں بلکہ فانی ہے۔ مرکب ہوتی ہے۔ جس میں تقسیم و تجزیہ ہو کر کسی وقت اس کے اجزاء بکھر سکتے ہیں مخلوقات میں احتیاج بھی ہے اور ان کی سیادت

بھی اضافی ہے اور اس کی برتری بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔ اسی طرح مخلوق کی حاجت برآری اور حاجت روائی بھی اضافی ہوگی۔ بر خلاف اللہ تعالیٰ کے اس کی وحدیت ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے۔ اس لیے وہی الصمد کا مصداق ہے۔ اس سے آن جاہلوں پر رد ہو گیا۔ جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں اختیار رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح فرقہ آریہ کا بھی رد ہو گیا۔ جو مادہ اور روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان دونوں کی طرف اللہ کو محتاج مانتے ہیں۔ ان دونوں کو اللہ کا محتاج نہیں مانتے۔

خدا کے بارے میں قدیم تصورات :..... لہم یولد ولم یولد۔ زمانہ قدیم سے راجہ مہاراجہ، بادشاہوں کی پوجا اور پرستش کی جاتی رہی ہے اور زمانہ جاہلیت کے بارے میں بھی لوگوں کا یہی تصور بندھ گیا کہ جس طرح انسان کی جنس ونوع ہوتی ہے جن میں بہت سے افراد ہوتے ہیں۔ اور ان میں مرد و عورت پائے جاتے ہیں۔ جن میں شادی، بیاہ، اولاد، نسل ہوتی ہے۔ اسی طرح خداؤں کی بھی جنس ہوتی ہے۔ ان کے بیوی اولاد ہوتی ہے۔ اسی جاہلانہ نظریہ سے اللہ رب العالمین کو بھی دیکھا، اس کے اولاد تجویزی کی عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور جنات کو خدا کی بیویاں مانتے تھے۔ اہل کتاب بھی اس جہالت سے محروم نہیں رہے انہوں نے کسی بزرگ کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ پھر ان میں سے کسی نے تو حقیقی نسبیت پر مبنی قرار دیا اور کسی نے بڑا تیر مارا تو متنبی کہہ لیا۔ اگرچہ ان میں سے کسی نے کسی کو اللہ کا باپ قرار دینے کی جرات نہیں کی۔ مگر ظاہر ہے کہ جب کسی ذات کے بارے میں یہ تصور کر لیا جائے کہ وہ تو والد و متاسل سے پاک نہیں یا انسان کی طرح وہ بھی ایسی کوئی ہستی ہے جس کے اولاد ہوتی ہے یا وہ کسی کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں متنبی بیٹا لیتا ہے۔ تو پھر انسانی ذہن کس طرح اس تصور سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کو کسی کی اولاد نہ سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے۔ سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اللہ کا نسب کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ کس کا وارث ہے یا اس کا وارث کون ہوگا۔

خدا جاہلانہ خیالات سے پاک ہے :..... ان جاہلانہ تصورات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پھر ان چیزوں کو مان لینے سے کچھ اور چیزوں کو ماننا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ خدا ایک نہ ہو بلکہ خداؤں کی جنس ہو۔ جس کے افراد خدائی، اوصاف، افعال و اختیارات میں شریک ہوں۔ یہ بات جس طرح خدا کے نسبیت اور اولاد فرض کرنے سے لازم آتی ہے۔ اسی طرح اس کے متنبی فرض کرنے سے بھی لازم آتی ہے۔ کیونکہ متنبی بھی لامحالہ ہم جنس ہی ہوتا ہے۔ اور جب خدا کا ہم جنس ہوا تو وہ خدائی کے اوصاف کا حامل بھی ہونا چاہئے۔ دوسرے تو والد و متاسل فرض کر لینے سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ نر و مادہ ہوں۔ ان کا اتصال ہو اور خود مادہ سے خارج ہونے والا مادہ بھی ہو جو اولاد کی شکل اختیار کر لے۔ پس اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ وہ ایک مادی اور جسمانی وجود ہو۔ پھر اس کی ہم جنس کوئی بیوی بھی ہو اس کے جسم سے کوئی مادہ بھی خارج ہو۔ تبہرے تو والد و متاسل اس لیے ہوتا ہے کہ افراد فانی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی جنس باقی رکھنے کے لیے اولاد پیدا ہونا ناگزیر ہوتا ہے کہ نسل آگے چلے۔ اسی طرح اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ بذات خود معاذ اللہ فانی ہو اور باقی رہنے والی چیز خداؤں کی نسل ہونے کے لیے اللہ کی ذات۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیاذ باللہ اللہ کی بھی ابتداء انتہا ہو۔ جو تھے یہ کہ متنبی بنانے کی غرض یہ ہے کہ لا ولد شخص اپنی زندگی میں کسی مددگار اور اپنی وفات کے بعد کسی وارث کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ پس کیا خدا کے متنبی فرض کر لینے سے یہ سب خرابیاں لازم نہیں آئیں گی۔ ان تمام مفروضات کی جزا اگرچہ اللہ کو احد و صمد کہنے ہی سے کٹ جاتی ہے لیکن لہم یولد ولم یولد کہنے کے بعد اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ ولہم یکن لہ کفواً احد۔ کفواً کے معنی جوڑا برابر، مماثل، مشابہ نظیر کے ہیں۔ نکاح میں بھی کفو کے یہی معنی ہیں کہ مرد اور عورت کی حیثیت اور جوڑا برابر ہو۔ بس جب اللہ کا کوئی جوڑہ نہیں تو بیوی یا اولاد کا سوال کہاں سے ہو۔ غرض عانی کی تین ہی صورتیں عقلاً ہو سکتی ہیں، چھوٹا، بڑا، برابر ان تین آیتوں میں تینوں احتمالات کی نفی فرمادی گئی ہے۔ لہم یولد میں چھوٹے کی لہم یولد میں بڑے کی لہم یکن لہ کفواً میں برابر کی اس طرح اللہ کی احدیت کی اچھی طرح تقریر توضیح ہو گئی۔

خلاصہ کلام: حضور کی بعثت کس پس منظر اور ماحول میں ہوئی؟ اس وقت خدا کے بارے میں دنیا کے مذہبی معتقدات و تصورات کیا تھے؟ بہت پرست تو لکڑی پتھر، چاندی سونے کی صورتوں کی شکل میں خدا کو پوج رہے تھے۔ ان کے نزدیک دیوتاؤں اور دیویوں کو باقاعدہ نسل تھی۔ کوئی دیوتا بغیر بیوی کے، کوئی دیوی بغیر شوہر کے نہ تھی۔ ان خداؤں کی خوراک، کھانے پینے کا بندوبست ان کے پرستار کرتے تھے کچھ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ انسان اس کے اوتار ہوتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی اگرچہ ایک خدا ماننے کے دعویٰ دار تھے۔ مگر خدا کو باپ اور اس کے لیے ایک بیٹا ضرور مانتے تھے۔ اور عیسائیوں نے روح اللہ کو خدائی میں شریک کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ خدا کی ماں اور ساس بھی تھی۔ اسی طرح یہودیوں کا خدا اٹھلتا بھی تھا اور انسانی شکل میں بھی نمودار ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی بندے سے کشمی بھی لڑ لیتا تھا۔ اہل کتاب کے علاوہ آتش پرست مجوسی اور ستارہ پرست صابی بھی تھے۔ اس پس منظر میں جب توحید کامل کی دعوت پیش کی گئی تو اس قسم کے سوالات کا ذہنوں میں ابھرنالازی تھا۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے ایک مختصر ترین سورت کے چند بلوں میں اللہ کی ہستی کا ایک واضح مرقع پیش کر دیا۔ جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کی یگانہ ذات کو صفات میں بھی یگانہ پیش کرتا ہے۔ منکرین توحید کی طرح کے ہیں۔ ایک منکرین وجود باری۔ دوسرے منکرین وجوب باری۔ تیسرے منکرین صفات کمال چوتھے مشرکین فی العبادت، لفظ احد میں ان سب پر رد ہو گیا۔ رہ گئے مشرکین فی الاستعانت ان کا رد الصمد میں ہو گیا۔ اسی طرح ایسا کعبہ کا مضمون لفظ احد میں اور ایسا کعبہ کا مضمون الصمد میں آ گیا۔ اسی طرح لم یلد میں اللہ کے اولاد ماننے والوں پر اور لم یولد میں ان لوگوں پر رد ہو گیا جو کچھ انسان اور جنت کو الوہیت میں شریک گردانتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب مولود ہیں اور اللہ مولود ہونے سے پاک ہے۔ ورنہ اس کو حادث ماننا پڑے گا۔ اور لم یکن لہ کفو سے آتش پرست مجوسیوں کا رد ہو گیا۔ جو اللہ کے لیے مماثلت کے قائل ہیں۔

فضائل سورت: ۱۔ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً یقرأھا فقال وجبت قیل یا رسول اللہ وما وجبت قال وجبت لہ الجنة۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو یہ سورت پڑھتے سنا۔ فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پوچھا کہ کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت واجب ہوگئی۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو ایک ہم پر افسر بنا کر روانہ فرمایا۔ وہ پورے سفر میں ہر نماز میں قرات قل هو اللہ احد پر ختم کرتے تھے۔ واپسی میں ان کے رفقاء نے حضور سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ خود ان سے پوچھ کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں چونکہ رحمن کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے مجھے اس کا بڑھنا بہت محبوب ہے۔ حضور نے یہ بات سنی تو ان شکایت کرنے والوں سے فرمایا۔ اخیر وہ ان اللہ تعالیٰ یحبہ۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مسجد قبا میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہ ہر رکعت میں پہلے قل هو اللہ احد پڑھتے۔ پھر کوئی اور سورت پڑھتے۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کسی ایک جگہ سے پڑھو۔ دونوں کو کیوں پڑھتے ہو؟ مگر انصاری نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تم چاہو تو میں نماز پڑھاؤں۔ ورنہ امامت چھوڑ دوں؟ لیکن لوگ ان کی جگہ کسی اور کو امام بنانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر کار معاملہ حضور کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے امام صاحب سے پوچھا کہ نمازی جو کچھ چاہتے ہیں اس کو قبول کرنے میں تمہیں کیا مانع ہے؟ تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ فرمایا جبک ایسا ہا ادخلک الجنة۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت و محبت صحابہ کے دلوں میں جا گزیر کر دی تھی۔ کیونکہ اس میں اسلام کے اولین بنیادی عقیدہ توحید کو مختصر چار فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جو فوراً ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور آسانی سے زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

اطلا فہ سلوک: قل هو اللہ احد۔ یہ حجت نہایت مختصر ہونے کے باوجود عقائد و معارف توحید کی انواع پر مشتمل ہے۔

سُورَةُ الْفَلَقِ

سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ

نَزَلَتْ هَذِهِ وَالَّتِي بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَ لَبِيدُ الْيَهُودِيِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَتْرِهِ إِحْدَى عَشْرَةَ عُقْدَةً فَأَعْلَمَهُ اللَّهُ بِذَلِكَ وَبِمَحَلِّهِ فَأَخْضَرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِالْعُقُودِ بِالسُّورَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَأَ آيَةً مِنْهُمَا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتَّى انْحَلَّتِ الْعُقْدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَأَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عُقَالٍ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ (۱) الصُّبْحِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۲) مِنْ حَيَوَانَ مُكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ (۳) أَيْ اللَّيْلِ إِذَا أَظْلَمَ أَوْ الْقَمَرِ إِذَا غَابَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ السَّوَاحِرِ تَنَفُّثُ فِي الْعُقَدِ (۴) الَّتِي تَعْقِدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفُخُ فِيهَا بِشَيْءٍ تَقُولُهُ مِنْ غَيْرِ رِيْقٍ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهُ كَبَنَاتٌ لِبَيْدِ الْمَذْكُورِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (۵) أَظْهَرَ حَسَدَهُ وَعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ كَلْبَيْدِ الْمَذْكُورِ مِنَ الْيَهُودِ الْحَاسِدِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الثَّلَاثَةَ الشَّامِلَ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهُ لِيَشُدَّ شَرِّهَا

ترجمہ: سورۃ الفلق مکہ یا مدینہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی اس وقت نازل ہوئیں۔ جب کہ لیبید نامی یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا۔ ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سحر اور اس کے مقام سے باخبر فرما دیا۔ تب وہ چیزیں آپ کے سامنے لا حاضر کی گئیں اور حضور کو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کو فرمایا گیا۔ چنانچہ جب آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تو گرہ کھل جاتی اور آپ کی طبیعت ہلکی ہو جاتی۔ حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھن کھل گئے ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم آپ کہتے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی تمام مخلوق کے شر سے (خواہ حیوان مکلف ہو یا غیر مکلف یا جمادات زہر وغیرہ ہوں) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے (یعنی رات جب اندھیری ہو جائے یا چاند جب غائب ہو جائے) اور گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں (جادوگرہیوں کی جھاڑ پھونک) کے شر سے (جو ڈوروں میں گرہیں باندھ کر کچھ پڑھ کر بغیر تھوک کے پھونکتی ہیں۔ زخمی نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے جیسے لیبید مذکور کی لڑکیاں) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اپنے حسد کو ظاہر کر دے اور اس کے متعصبی پر عمل کرنے لگے۔ جیسے حاسد یہودیوں میں سے لیبید مذکور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ مطلق میں داخل نہیں۔ مگر اس کی شدت شرکی وجہ سے ان کو بعد میں الگ ذکر کیا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: قل اعوذ: تعوذ کے معنی پناہ جوئی کے ہیں۔ سورۃ فلق اور سورۃ ناس دونوں سورتوں کو معوذتین اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں تعوذ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تعوذ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

الفق: فلق بمعنی خرق پھٹنا فعل مفعول اس کا اطلاق تمام کائنات پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عدم کو پھاڑ کر وجود میں آتی ہے۔ گویا عدم تاریکی ہے اور وجود ایک نور ہے تو ظلمت کو پھاڑ دیتا ہے۔ بالخصوص ان چیزوں پر فلق کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی اصل سے نکلتی ہیں۔ جیسے: چشمے، بارش، نباتات، اولاد، لیکن عرف میں صبح کے ساتھ مزید تخصیص ہو گئی ہے۔ کیونکہ صبح کو حالات میں تغیر ہو جاتا ہے اور رات کی تاریکی کی وحشت نور صبح سے مسرت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جس طرح قبروں سے قیامت کے لیے اٹھنا ہوگا۔ اس کا منظر سو کر صبح اٹھنے والے پیش کرتے ہیں۔ گویا صبح قیامت کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ عالم پر چھایا ہوا رات کا اندھیرا جو سستی دور کر سکتی ہے۔ وہ پناہ چاہنے والے کے خوف و خطر کو بھی دور کر سکتی ہے اور لفظ رب دوسرے اسماء کے مقابلے میں زیادہ لطافت رکھتا ہے کیونکہ مضرت سے بچانا بھی تربیت ہے۔

من شر ما خلق: عالم کی دو قسمیں ہیں عالم امر عالم خلق ”الا له الخلق والامر“ عالم امر تو خیر ہی خیر ہے۔ اس میں شر کا نام و نشان نہیں۔ البتہ عالم خلق میں خیر بھی پایا جاتا ہے اور شر بھی جہاں تک شر اختیار کی کا تعلق ہے وہ بھی لازمی ہوتا ہے جیسے کفر اور بھی متعدی جیسے ظلم۔ اور بھی شرعی ہوتا ہے جیسے آگ کا محرق اور زہر کا مہلک ہونا۔ پس ما خلق کی تخصیص اسی لیے ہے کہ شر اسی میں منحصر ہے۔ عالم امر شر سے خارج ہے۔

من شر غاسق: غسق کے معنی امتلاء اور بھرنے کے ہیں۔ غسقت العین آنسوؤں سے آنکھ ڈبڈبائی اور بعض نے غسق کے معنی سیلان کے لیے ہیں۔ غسق العین کے معنی آنکھ بہنے کے ہیں۔ بہر صورت یہاں رات کا سخت تاریک ہونا مراد ہے۔ اذا وقب: وقب کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کے اندر اندھیری گھس جائے جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرا کہتے ہیں۔

ما خلق: کے بعد رات اندھیری کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس میں نقصان زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دفعیہ بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ مشہور ہے۔ اللیل اخفی الاولیل اور بعض نے غاسق سے چاند مراد لیا ہے کہ کسوف کے بعد تاریک ہو جاتا ہے اور غاسق سے وہ چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ جو نور سے خالی ہوں۔ جیسے: توئے نفسانیہ جو باعث انکشاف ہونے کی وجہ سے نور کے مشابہ ہیں اور نور سے خالی ہونے کی مثال جیسے: معدنیات۔

ومن شر النفث: نفثات سے نفوس مراد ہیں۔ نفثا علامہ کی طرح ہے اور اگر مؤنث کے لیے مانا جائے تو جادو گر نیاں مراد ہیں۔ جو گندوں میں جھاڑ پھونک کر گرہیں لگاتی ہیں۔ نفث وہ پھونک جس میں کچھ تھوک بھی شامل ہو اور نفثات سے نباتات بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ گویا ان کے طویل و عرض و عمق میں پڑھنے کو نفث سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عقد: جمع ہے عقدۃ کی جس کے معنی گرہ کے ہیں۔

اور عام شر کے بعد اس شر کی تخصیص شان نزول کی وجہ سے ہے۔ یعنی جو واقعہ حضور پر جادو کرنے کا پیش آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو جانا کمال کے منافی نہیں ہے۔ جیسے اور حوادث و امراض و نقصانات کا پیش آ جانا منافی کمال نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر جو حضور پر مسحور ہونے کا الزام لگاتے تھے وہ اس میں سچے نکلے۔ کیونکہ ان کا مقصد جنون کی صورت میں آپ کا مسحور ہونا تھا اور وہ الزام غلط ہے۔ اور بعض نے ”نفثت فی العقد“ کے یہ معنی لیے ہیں کہ مکار عورتیں جو مردوں کے عزائم فیل کر دیتی ہیں اور اپنی حیلہ سازی سے اپنے ارادے میں ناکام بنا دیتی ہیں۔ نفث عقدہ سے ماخوذ ہے تھوک لگا کر گرہ کو زہر مادی جس سے اس کا کھلنا اہل ہو جائے اور نفثات کو علیحدہ معرفہ کے ساتھ لانا اس لیے ہے کہ ہر نفثا شریر چالاک ہوتی ہے بخلاف ہر غاسق و حاسد کے۔ ومن شر حاسد اذا حسد: شر ما خلق کے بعد اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ حسد کا نقصان سب سے زیادہ ہے

انسان ہی نہیں بلکہ جانوروں وغیرہ کو بھی حسد کا نقصان پہنچ جاتا ہے اور ادا حسد کی قید اس لیے لگائی کہ محسوس کو اسی وقت حسد کا ضرر ہوتا ہے۔ جب کہ حاسد اس کے مشتعلی پر عمل کرے۔ ورنہ حاسد کا اپنا نقصان تو بہر صورت ہے کہ وہ حسد کی آگ میں بھٹتا رہتا ہے اور ناسور کی طرح سنکھتا رہتا ہے اور حاسد سے جانور بھی مراد ہو سکتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ستاتے رہتے ہیں۔

رابط آیات: سورۃ الفصحیٰ میں تمہیدی طور پر جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں اللہ پر توکل اور اس سے پناہ جوئی ہے۔ اور دلائل نبوت۔ یہ بھی میں ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام معوذتین رکھا گیا ہے۔ ان کے مضامین بھی ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں۔ تاہم یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحف عثمانی میں الگ الگ ناموں سے لکھی ہوئی ہیں۔ پہلی سورت جس میں پانچ آیات ہیں۔ دنیاوی مضمرات سے استعاذہ کیا گیا ہے اور دوسری سورت جس میں چھ آیات ہیں۔ دینی مضرتوں سے استعاذہ کا بیان ہے۔ اس طرح تمام شرور سے استعاذہ اور اللہ پر توکل کی تعلیم ہے۔

شان نزول: حضرت حسن بصریؒ، عکرمہؒ، عطاء جابر بن زیادؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت بھی یہی ہے مگر ان کی دوسری روایت اور ابن زبیرؒ، قتادہؒ کا قول ان کے مدنی ہونے کا ہے۔ چنانچہ عقبہ بن عامرؓ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ السلام علیہ ایات انزلت الیہ لعلہ یبطل منہم اعوذ برب الفلق اعوذ برب الناس اور وجہ تائید یہ ہے کہ حضرت عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد و نسائی کی بیان کردہ روایات میں خود ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح درمنثور اور روح المعانی میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ لعید یہودی اور اس کی لڑکیوں نے آنحضرت ﷺ پر جادو کیا تھا۔ جس کے اثر سے آپ پر مرض کی سی کیفیت عارض ہو گئی تھی۔ تب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ بلکہ آپ کو بذریعہ وحی جادو کی جگہ بھی بتلا دی گئی تھی۔ چنانچہ حضور نے حضرت علیؓ وغیرہ صحابہؓ کو ہدایات دے کر بھیجا تو حیلہ تانت وغیرہ چیزیں برآمد ہوئیں۔ حضرت جبریلؑ ان سورتوں کو تلاوت فرماتے جاتے اور تانت کی ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ حتیٰ جادو کا اثر بالکلیہ زائل ہو گیا۔ ابن سعدؒ نے واقعہ کی حوالہ سے بیان کیا ہے۔ ہ کا واقعہ ہے۔ اسی لیے سفیان بن عیینہؒ نے بھی ان سورتوں کو مدنی کہا ہے۔ لیکن ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ابتداء مکہ میں معوذتین اس وقت نازل ہوئی ہوں۔ جب حضور کی مخالفت زوروں چل رہی تھی اور پھر بعد میں مدینہ میں بھی منافقین و مشرکین اور یہودی مخالفت کے طوفان جب اٹھے تو حضور پر جادو کیا گیا تو پھر حکم الہی جبریل امینؑ نے آکر پھر ان سورتوں کے پڑھنے کی ہدایت کی۔ غرضیکہ اول اور اصل نزول مکہ ہوا۔ اور شان نزول میں توسیع کرتے ہوئے مدینہ میں نازل ہونا بھی کہا جائے گا۔

لیکن ایک بڑا اشکال معوذتین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ مگر وہ ان سورتوں کو قرآنی سورتیں نہیں مانتے تھے۔ اور انہوں نے اسے مصحف سے ان سورتوں کو خارج کر دیا تھا۔ بلکہ یہ بھی فرماتے تھے کہ قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جزو نہیں ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ حضور کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان الفاظ سے خدا کی پناہ مانگیں اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز میں ان سورتوں کو نہیں پڑھتے تھے۔

اسلام اور قرآن کی مخالفت کرنے والوں کو ہرزہ سراہیوں کا خوب موقع ملا۔ اور انہوں نے یہ کہہ کر شہادت کو خوب اچھالا کہ جب ایسے جلیل القدر صحابی کے متعلق معوذتین جب الحاقی ہوئیں تو نہ معلوم قرآن میں کیا کیا حذف و اضافے کیے ہوں گے؟ پس معلوم ہوا کہ لغو باللہ قرآن تحریف سے محفوظ نہیں ہے۔ قاضی ابوبکر باقلائیؒ اور قاضی عیاضؒ وغیرہ تو اس کے جواب میں اس واقعہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کی قراءت کے منکر نہ تھے۔ البتہ اپنے مصحف میں ان کو درج نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انہی چیزوں کو قرآن میں درج کرتے تھے جن کے درج کرنے کی اجازت حضورؐ نے دی ہے۔ مگر یہ توجیہ بظاہر اس لیے نہیں چل سکتی کہ ابن مسعودؓ

معوذتین کو قرآنی سورتیں بھی نہیں مانتے تھے۔ لیکن علامہ نوویؒ، علامہ ابن حزم طاہریؒ، امام رازیؒ تو اسی لیے سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کوئی اس قسم کی بات کہی ہو۔ اس لیے ان حضرات کے نقطہ نظر سے تو ابن مسعودؓ جمہور ہی کے ہم خیال ہیں۔ ان پر کوئی اشکال ہی نہیں کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔ لیکن مستند روایات کے ہوتے ہوئے محض رائے سے کسی چیز کا انکار تو درست نہیں ہے۔ اس اشکال کے جواب کے سلسلہ میں قابل قبول توجیہ یہ ہے کہ حافظ بزار یہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اس کے اس قول کی تائید نہیں کی۔ چنانچہ تمام صحابہؓ کا اجماع مصحف عثمانیؓ پر ہے۔ جن کی نقول سرکاری طور پر تمام اسلامی مراکز میں بھجوا دی گئیں۔ ان میں یہ دونوں سورتیں درج نہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضورؐ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک تمام دنیائے اسلام میں جس قرآن پر اجماع ہے اس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔ اس لیے ابن مسعودؓ کی جلالت قدر اپنی جگہ پر مگر اس اجماع عظیم کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ یہ رائے کیا وزن رکھ سکتی ہے؟ پھر نہایت صحیح اور مستند روایات سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعوذ ہی کو نماز میں پڑھا ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور نہائی سورتوں کی حیثیت ہی سے آپؐ نے دوسروں کو تعلیم فرمائی۔

لیکن رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابن مسعودؓ کو آخر یہ غلط فہمی ہوئی کیوں؟ سو جہاں ابن مسعودؓ کا یہ قول کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپؐ اس طرح تعوذ کریں۔ انہی معتبر سندوں کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے۔ جو علوم قرآنیہ کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ زر بن حبیشؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابیؓ سے سوال کیا کہ آپؐ کے بھائی عبد اللہ بن مسعودؓ ایسا ایسا کہتے ہیں۔ آپؐ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ مجھے کہا گیا تھا تو میں نے بھی کہا تھا اس لیے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ کہتے تھے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابیؓ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے قل اعوذ برب الفلق کہا تھا۔ اس لیے آپؐ نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ اور انہوں نے قل اعوذ برب الناس کہا تھا اس لیے آپؐ نے بھی کہا۔ لہذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ اس صریح روایت کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن مسعودؓ دونوں سورتوں میں لفظ قل دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی ہو کہ یہ حکم خاص حضورؐ ہی کو دیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے حضورؐ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔ البتہ حضرت ابیؓ کے ذہن میں بھی یہی سوال ابھر اگر انہوں نے یہ حضورؐ سے دریافت کر لیا۔ حضورؐ نے بتا دیا کہ چونکہ حضرت جبریلؑ نے قل کہا تھا اس لیے میں بھی قل کہتا ہوں۔ پس ان دونوں سورتوں کے شروع میں قل ہونے سے تو صراحت یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کلام وحی ہے۔ جسے حضورؐ بعینہ انہی الفاظ میں پہنچانے کے پابند تھے جن الفاظ میں آپؐ کو یہ حکم ملا تھا۔ اس کی حیثیت محض حکم کی نہیں تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو۔ اور بلکہ حضورؐ کو اس پیغام وحی کے پہنچانے کا پابند اور ذمہ دار بھی قرار دیا گیا۔ اور دوسرے بھی اسی کی تعمیل کے مکلف قرار دیئے گئے ورنہ اگر قل محض ایک حکم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ قل کو ساقط کر کے صرف وہ بات کر دیتے۔ جس کے کہنے کا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور اسے قرآن میں درج نہ کیا جاتا۔ غرض جمہور صحابہؓ نے ٹھیک وہی سمجھا جو حضورؐ کا مشاء تھا۔ مگر ابن مسعودؓ اس کو دعا اور استعاذہ پر محمول کرتے رہے اور یہ سمجھے کہ معوذتین کی حقیقت و وظیفہ کی ہے۔ روح البیان میں ہے کہ انہ کان لا یعد المعوذتین من القرآن و کان لا یکتبہما فی مصحفہ یقول انہما منزلتان من السماء ہما من کلام رب العلمین و لکن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یرقی و یعوذ بہما فاشبہ علیہ انہما من القرآن او یسا منہ فلم یکتبہما فی المصحف۔ قاضی ابوبکر باقلائیؒ لکھتے ہیں۔ لم ینکر ابن مسعود کو نہما من القرآن و انما انکر اثباتہما فی المصحف فانہ کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیئا الا ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی کتابتہ فیہ و کانہ لم یتلغہ الاذن۔ حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ لم یکن

اختلاف ابن مسعود مع غیزہ فی قرائنتھا وانما کان فی صفتہ من صفاتہما۔ بہر حال یہ رائے بھی ایسی مسعودی انفرادی اور شخصی تھی۔ شرح مواقف میں ہے۔ ان اختلاف الصحابة فی بعض سور القرآن مزوی بالاحاد المفیدة للظن ومجموع القرآن منقول بالتواتر المفید للیقین الذی یضمحل الظن فی مقابلتہ فتلک الاحاد مما یتلفت الیہ ثم ان سلما اختلافہم فیما ذکر قلنا انہم لم یختلفوا فی نزولہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی بلوغہ فی البلاغۃ حد الا عجاز بل فی مجرد کونہ من القرآن وذلك لا یضر فیما نحن بصددہ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ و احیاب باحتمال انہ کان متواترا فی عصر ابن مسعود لکن لم یتواتر عند ابن مسعود فانحلت العقدہ بعون اللہ تعالیٰ الخ صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ و فعل ابن مسعود رجح عن ذلك۔

﴿تشریح﴾:..... قل اعوذ برب الفلق۔ لفظ قل بھی پیغام کا ایک حصہ ہے۔ جس کی تبلیغ کا بذریعہ وحی حضور کو حکم ہوا ہے۔ سورہ کافرون کی طرح معوذتین میں بھی اگرچہ اولین مخاطب حضور ہیں۔ مگر آپ کے توسط سے تمام مومن بھی مخاطب ہیں۔ جہاں تک پناہ چاہنے کا تعلق ہے۔ اس کے تین اجزاء ہیں۔ ایک بجائے خود پناہ چاہنا۔ دوسرے مانگے والا۔ تیسرے جس کی پناہ مانگی جائے۔ فی نفسہ خوف ناک چیز سے بچنے کے لئے کسی کا سہارا لیا جائے۔ رہا پناہ چاہنے والا سو وہی شخص ہوتا ہے جو حضرت سے خود بچا نہیں سکتا۔ تاوقتیکہ کسی کے دامن میں پناہ نہ لے۔ پھر پناہ دینے والا۔ ظاہر ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہی بچا سکتا ہے۔

پناہ میں آنے کے دو طریقے:..... پھر پناہ کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو عالم اسباب میں طبعی قانون کے تحت کسی محسوس مادی چیز یا کسی شخص یا کسی طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں ہرگز اور کسی طاقتور سے مدد لیتا ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ہر طرح کے خطرات اور ہر طرح کی مادی، اخلاقی، روحانی مضرتوں اور نقصان رساں چیزوں سے کسی فوق الفطرت ہستی کی پناہ اس اعتقاد کے ساتھ مانگی جائے کہ وہی ہستی کائنات پر حکمران ہے اور اور اک وحس سے بالاطریقوں سے وہ پناہ جو کی حفاظت کر سکتی ہے۔ قرآن وحدیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنے کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد یہی پناہ کی دوسری قسم ہے اور تو حید کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے پناہ نہ مانگی جائے۔ مادہ پرست لوگ کسی فوق الفطرت ہستی کے چونکہ قائل ہی نہیں۔ اس لیے وہ مادی اسباب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح بد عقیدہ لوگ جنات دیوی دیوتاؤں کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ انہی چیزوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ مگر مومن ایسی تمام آفات و بلیات میں جن کو رجوع کرنے پر وہ خود کو قادر نہیں سمجھتے، صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے پناہ چاہتا ہے۔

مخلوق کا شر:..... مفسرین کی اکثریت فسلق سے مراد رات کی تاریکی پھاڑ کر سپید صبح نکالنے رہی ہے۔ کیوں کہ فسلق الصبح کا استعمال عربی میں طلوع صبح کے لیے بکثرت آتا ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فالق الاصباح جملہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فلق کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔ دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر ہی نکلتی ہیں۔ چنانچہ تمام نباتات اپنے بیج اور زمین کو پھاڑ کر اپنی کوٹلیں نکالتی ہیں۔ تمام حیوانات یا انڈوں کو پھاڑ کر نکلتے ہیں۔ یا رحم مادر سے برآمد ہوتے ہیں یا کسی اور رکاوٹ کو چیر کر باہر آتے ہیں۔ تمام چشمے پہاڑوں یا زمین کو شق کر کے بہتے ہیں۔ اسی طرح دن کو دیکھنے کے رات کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتا ہے حتیٰ کہ زمین و آسمان بھی پہلے ایک ڈھیر تھے جس کو پھاڑ کر الگ الگ کیا گیا۔ کائنات تقفاً ففتقنا ہما پس فلق کے معنی اگر خاص صبح کے لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں اور فلق کے معنی اگر عمومیت کے ساتھ لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام مخلوق کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ یہاں اسم ذات اللہ کے بجائے صفت ربوبیت کا لانا پناہ جوئی کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ کے تمام خیر افعال خیر ہیں: من شر ما خلق یعنی ہر مخلوق کی بدی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس فقرہ میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ مخلوق کو پیدا کرنے کی نسبت تو اپنی طرف کی گئی۔ مگر شر کو پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی گئی۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان شرور سے پناہ چاہتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی مخلوق کو شر کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کا ہر کام خیر و مصلحت ہی کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اس نے اس لیے پیدا کیے ہیں کہ ان کی تخلیق کی مصلحت پوری ہو۔ ان سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے۔ پس اس اعتبار سے فی نفسہ شر کا پیدا کرنا بھی شر نہ ہوا۔ جبکہ بے شمار مصالح اس میں مضمر ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں دنیا ہی کے نہیں۔ آخرت کے ہر شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ فقرہ اگر چہ عام ہے جس میں تمام مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے لیکن بعد کے فقروں میں چند ایسے شرور سے خاص طور پر پناہ چاہی گئی ہے جس کا ذکر سورۃ فلق کے باقی جملوں اور سورۃ ناس کی آیات میں کیا گیا ہے وہ ایسے فتنے ہیں جن سے خدا کی پناہ چاہنے کا بندہ بہت زیادہ محتاج ہے۔ تیسرے یہ کہ مخلوقات کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لیے موزوں اور موثر ترین استعاذہ یہی ہے کہ ان کے خالق کی پناہ مانگی جائے کیونکہ بہت سے شرور ایسے ہیں جنہیں ہم بالکل نہیں جانتے۔ لیکن خالق کائنات سب سے واقف ہے۔ لہذا اس کی پناہ کے بعد کسی مخلوق میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے چوتھے یہ کہ شر کا لفظ جہاں ہر قسم کے نقصان و ضرر اور تکلیف و الم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہیں ان اسباب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو تکلیف و ضرر کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے کفر و شرک اور گناہ کہ اگرچہ فی الوقت ان سے کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ بلکہ بعض گناہوں سے لذت ملتی یا نفع حاصل ہوتا ہو۔ لیکن انجام ان کا تباہی اور بربادی ہے اس لیے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ دونوں مفہوم آجائیں گے۔ پانچویں یہ کہ شر سے پناہ مانگنے میں وہ شر بھی داخل ہے جو واقع ہو چکے ہیں۔ ان سے پناہ مانگنے کا مطلب ان کے دفعیہ کی دعا کرنا ہے۔ اور وہ شر بھی اس میں شامل ہیں کہ جو ابھی واقع نہیں ہوئے۔ پس ان سے بچاؤ کی استدعا ہے۔

تین خاص شرور سے پناہ: ومن شر غاسق اذا وقب۔ تمام مخلوقات کے ہر قسم کے شرور سے پناہ جوئی کے بعد اب خاص طور سے بعض مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

غاسق کے لغوی معنی تاریک ہیں۔ اقم الصلوۃ لدلولک الشمس الی غسق الیل اور وقت کے معنی داخل ہونے یا چھپائے جانے کے ہیں۔ چونکہ اکثر جرائم و مظالم رات ہی کو ہوتے ہیں۔ موزی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے والے بھی رات ہی کو حرکت میں آتے ہیں۔ چھاپہ ماری اور شب خون کی کارروائیاں بھی رات کی تاریکی میں ہوتی ہیں۔ حضورؐ کے قتل کی سازشیں بھی رات ہی کے اندھیرے میں ہوتی تھیں۔ غرض رات کی تاریکی میں ہونے والے ان تمام شرور سے خاص طور سے پناہ مانگی گئی ہے اور اندھیری رات کے شر سے طلوع فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ سحر وغیرہ رات ہی کو کیے جاتے ہیں۔ چاند کا گرہن یا غروب آفتاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور ظاہر و باطن کی تاریکیاں، تنگدستی، پریشانی اور گمراہی سب اس میں داخل ہیں۔ ومن شر النفث فی العقد۔ نفثات تمام مفسرین کے نزدیک یہ لفظ بطور استعارہ مجاز و گرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ عموماً جادوگر کسی ڈورے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جاتے ہیں۔ پس اس جملہ میں جادوگروں یا جادوگریوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ معوذتین میں یہی ایک فقرہ ہے۔ جس کا براہ راست جادو کے واقعہ سے تعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا۔

بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبد الرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردودیہ، ابن ابی شیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہ محدثین نے اپنی مختلف اور کثیر سندوں سے حضورؐ پر جادو کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہ ایک ایک روایت بجائے خود خیر

واحد ہیں۔ لیکن ان کا مضمون تو اثر کی حد کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انہیں مجموعی طور پر مرتب کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

حضورؐ کے جادو کے واقعہ کے سلسلہ میں اعتراضات کا جواب:..... لیکن اس پر قدیم و جدید زمانہ کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوا یا ہوگا؟ اور اس کی تعلیمات میں کتنی باتیں خدا کی طرف سے ہوئی اور کتنی جادو کے اثر سے؟ بلکہ مخالفین جہاں تک کہتے ہیں کہ اس بات کو صحیح مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ نبی کو نبوت کے دعوے پر اکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے پاس فرشتہ آیا ہے اور ان کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ روایات قرآن مجید سے متصادم ہیں۔ قرآن کریم میں تو کفارہ کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہیں۔ لہذا اس کی پیروی نہ کرو۔ یقول الظالمون ان تصعون الا رجلاً مسحوراً۔ پس یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر جادو کا کیا اثر ہوا ہے؟

اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ آیا جادو کا واقعہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا یا نہیں؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد دیکھا جائے کہ جو کچھ روایات سے ثابت ہے اس پر کئے گئے اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں؟

محمدؐ میں اور علماء امت کی یہ راست گوئی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور معروضات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جو کچھ واقعات کی صورت میں پیش آیا تھا۔ اسے جو کائوں آنے والوں تک پہنچا دیا اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ ان حقائق سے اگر کوئی ان سے نتائج نکالنے پر آمیز آئے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اس کے کام آسکتا ہے۔ اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحب علم کے لیے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اس بناء پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قبائل رونما ہوئی ہیں اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہو اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔

حضورؐ پر جادو کا اثر نبوت کے خلاف نہیں ہے:..... جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی کریمؐ پر جادو کا اثر ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔ اگر علمی تنقید کے ذریعہ اس کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ روایات اور واقعات کی کڑیاں ملانے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ پر سحر کیا گیا۔ اور آپؐ پر اس کا اثر بھی ہوا۔ مگر وہ اتنی ہی حد تک ہوا جیسے: کسی بیماری سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ کچھ مزاج میں تبدیلی آگئی۔ گویا یوں محسوس ہوا کہ آپؐ گھلتے جا رہے ہیں یا کسی کام کے متعلق خیال کیا کہ وہ کر لیا ہے گو نہیں کیا ہوتا تھا یا ازواج مطہرات کے بارے میں خیال کرتے کہ آپؐ ان کے پاس گئے ہیں۔ مگر نہیں گئے ہوتے تھے۔ یا کسی وقت آپؐ کی نظر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام آپؐ کی ذات تک محدود ہے۔ دوسروں کو یہ محسوس نہیں ہو سکا کہ آپؐ پر کیا گزر رہی ہے۔

اس سے آپؐ کے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا نہ آپؐ کے فرائض میں کوئی خلل آیا تھا کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپؐ کسی آیت کو بھول گئے ہوں یا کوئی آیت غلط پڑھ دی ہو یا نبی مجلسوں، خطبوں، وعظوں میں آپؐ کی تعلیمات میں کسی طرح کا فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کام آپؐ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپؐ پر نازل نہ ہوا ہو یا آپؐ کی نماز چھوٹ گئی ہو اور اس

کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ معاذ اللہ ایسی کوئی بات پیش آجائی تو دھوم مچ جاتی اور پورا ملک حرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چٹ نہ کر سکتی تھی اسے ایک جادوگر نے چٹ کر دیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی حیثیت نبوت قطعاً اس سے محفوظ اور غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں اپنی جگہ محسوس کر کے آپ اس سے پریشان ہوتے رہے۔

جادوگر کے مقابلہ میں وحی کے اثرات:..... آخر کار ایک روز آپ حضرت عائشہ کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اس حالت میں آپ کو غنودگی ہوگئی یا نیند آگئی۔ پھر جب بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے رب سے پوچھی وہ اس نے مجھے بتلا دی ہے۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی (مراد فرشتے) میرے پاس آئے۔ ایک سرہانے کی طرف اور دوسرا پاکتی کی طرف، ایک نے پوچھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔ اُس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن عامر نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کبھی اور بالوں میں، ایک زنجبور کے خوشہ کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ بنی زریق کے کنوئیں میں ذی اردان لی تہہ کے پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا کہ کنوئیں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر سے نیچے سے اس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ جبیر بن ابیاس الزرقی اور قیس بن محسن الزرقی بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں خود حضور بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور خوشہ کا غلاف برآمد کر لیا گیا اس میں کبھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چھوئی ہوئی تھیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور ایک ایک گرہ کھلتی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی۔ معوذتین ختم ہوتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا۔

پیغمبر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا:..... اس کے بعد آپ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اس لیے آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ اپنی ذات کے لیے کبھی آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ایک یہودی کی طرف سے زہر خورانی کے واقعہ میں بھی آپ نے بعض صحابہؓ کے شہید ہو جانے کی وجہ سے اس سے قصاص لیا۔ اپنے معاملہ کو نظر انداز فرما دیا۔ یہی نہیں بلکہ سحر کے معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر آپ نے روک دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے۔ اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔ یہ ہے جادو کے واقعہ کی تفصیل۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے مصعب نبوت کے خلاف یا آپ کے کمال کے منافی ہو۔ اگر آپ کو غزوہ احد میں زخمی کیا جاسکتا ہے، اگر خیبر کی واپسی پر آپ گھوڑے سے گوسکتے ہیں، اگر آپ کے پچھوکاٹ سکتا ہے، اگر آپ کو نماز میں سہو نسیان ہو سکتا ہے۔ انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ نے آپ سے وعدہ کیا تھا تو آپ اپنی ذاتی حیثیت سے جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے ہیں۔

کافر حضور کو سحر زدہ کہتے تھے:..... رہا یہ اعتراض کہ اس سے تو کفار کے الزام کی تصدیق ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کو سحر زدہ آدمی کہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپ کو اس معنی کہ سحر زدہ نہیں کہتے تھے۔ کہ آپ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ آپ مجنون ہو گئے ہیں۔ اور معاذ اللہ کسی جادوگر نے آپ کو پاگل کر دیا ہے اور اسی پاگل پن میں آپ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور جنت و دوزخ کے افسانے سنا رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا۔ جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف محمدؐ کی ذات پر ہوا۔ آپ کی نبوت اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی اور دعویٰ

نبوت کو سحر کا اثر قرار دینا اس لیے غلط ہے کہ نبوت کے پندرہ سال گزرنے پر سحر کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا اثر زائل ہونے کے بعد بھی بدستور منصب پر فائز رہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض ادھام کی چیز قرار دیتے ہیں۔ اس کی بنیاد محض یہ ہے کہ اس کے اثرات کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ لیکن دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہیں مگر سائنسی طریقہ سے نہیں بیان کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں۔ اسی طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا ہی انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔

جادو محض شعبہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے:..... جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کر سکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے۔ مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں تھر تھری چھوٹ جاتی ہے۔ جادو کی ایک قسم سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان کا نفس اور اس کے حواس اس سے متاثر ہو کر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادو گروں نے جولاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تھیں وہ واقعہ میں سانپ نہیں بن گئیں تھیں۔ مگر ہزاروں کے جمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواس تک اس سے متاثر ہو گئے۔ سحر و العین الناس، فاذا حبالہم وعصیہم یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعی فوا وجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ والقد مافی ہمینک تلقف ماصنعوا۔ اس طرح بائبل میں لوگ ہاروت و ماروت سے ایسا جادو سیکھتے تھے جو خاوند بیوی میں جدائی ڈال دے۔ یہ بھی ایک نفسیاتی اثر تھا اور ظاہر یہ ہے کہ اگر تجربہ سے لوگوں کو اس عمل کی کامیابی معلوم نہ ہوتی تو وہ اس کے خریدار نہیں بن سکتے تھے۔ بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ ہندوئی کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مگر جو چیز ہزار ہا سال سے انسان کے تجربہ اور مشاہدہ میں آ رہی ہو۔ اس کے وجود کو جھٹلادینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔ جادو کی بعض قسمیں نظر بندی اور خیال بندی سے بڑھ کر انقلاب خالق پر مشتمل ہوتی ہیں۔ سورہ بقرہ اور سورہ طہ میں سحر کی کچھ بحث گزر چکی ہے۔

بعض جادو کفر ہے اور بعض معصیت:..... جادو کے متعلق یہ جان لینا چاہئے کہ اس میں چونکہ دوسرے شخص پر برا اثر ڈالنے کے لیے شیاطین یا ارواح خبیثہ یا ستاروں کی مدد مانگی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن میں اسے کفر کہا گیا ہے۔ وما کفر سلیمان ولکن الشیطنین کفروا یعلمون الناس السحر۔ لیکن اگر کلمہ کفر نہ بھی کہا جائے یا کوئی فعل شرک نہ بھی کیا جائے تب بھی بالاتفاق حرام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہے۔ جو انسان کی آخرت برباد کر دینے والے ہیں۔ اسی ذیل میں جھاڑ پھونک کی بحث آتی ہے کہ آیا اسلام میں جھاڑ پھونک کی گنجائش ہے؟ اور یہ کہ جھاڑ پھونک بجائے خود موثر بھی ہے یا نہیں؟ بکثرت احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سوتے وقت اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں معوذتین یا معوذات (قل ہو اللہ اور معوذتین) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر جہاں جہاں بھی آپ کے ہاتھ پہنچ سکتے انہیں پھیرتے تھے۔ آخری بیماری میں جب آپ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہؓ نے یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے دست مبارک کی برکت کے خیال سے آپ ہی کے ہاتھ لے کر آپ کے جسم پر پھیرے۔ اس مضمون کی روایات صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی بھی حضورؐ کی خانگی زندگی سے واقف نہ ہو سکتا تھا۔

شروع میں جھاڑ پھونک کی ممانعت تھی..... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ابتداء میں جھاڑ پھونک سے بالکل منع فرمایا تھا۔ لیکن بعد میں اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ اس میں شرک نہ ہو۔ اللہ کے پاک ناموں یا اس کے کلام سے جھاڑ اجائے اور کلام ایسا ہو جو سمجھ میں آجائے اور یہ معلوم کیا جاسکے کہ اس میں کوئی گناہ کی چیز نہیں اور پھر وہ جھاڑ پھونک پر نہ کیا جائے کہ وہ بجائے خود شفا دینے والی ہے۔ بلکہ اللہ پر اعتماد کیا جائے کہ وہ چاہے گا تو اسے نافع بنادے گا اس بارے میں مندبجہ ذیل روایات سے روشنی پڑتی ہے۔

جھاڑ پھونک کی اجازت کے واقعات :..... ۱۔ عون بن مالک اشجعیؓ کی روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے حضورؐ سے پوچھا کہ اس بارے میں حضورؐ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ جن چیزوں سے تم لوگ جھاڑتے تھے وہ میرے سامنے پیش کرو۔ جھاڑ نے میں مضائقہ نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔

۲۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے جھاڑ پھونک سے روک دیا تھا۔ پھر حضرت عمرو بن حزمؓ کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا۔ جس سے ہم پھوکا لٹے کو جھاڑتے تھے۔ مگر آپؐ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔ پھر انہوں نے وہ چیز آپؐ کو سنائی جو وہ پڑھتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔ تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

۳۔ حضرت میر مولیٰ ابی الاعم سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں میرے پاس ایک عمل تھا۔ جس سے میں جھاڑا کرتا تھا۔ میں نے حضورؐ کے سامنے اسے پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس میں سے فلاں فلاں چیزیں نکال دو اور باقی سے تم جھاڑ سکتے ہو۔

۴۔ جابرؓ کی دوسری روایت ہے کہ آل حزم کے پاس سانپ کے کانٹے کا عمل تھا۔ حضورؐ نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۵۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے اشعاد کے ایک خاندان کو ہرزہ ہریلے سانپ کے کانٹے کو جھاڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت انسؓ سے بھی روایات منقول ہیں کہ حضورؐ نے ہرزہ ہریلے جانوروں کے کانٹے اور ذباب کے عرض اور نظر بد سے جھاڑنے کی اجازت دی۔

۶۔ حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز حضورؐ میرے یہاں تشریف لائے اور میرے پاس شفا نامی ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جو نملہ (ایک بیماری) کو جھاڑا کرتی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حفصہؓ کو بھی وہ عمل سکھلا دو۔ اور ایک روایت میں ہے شفا کہتی ہیں کہ حضورؐ نے مجھے فرمایا کہ جس طرح تم نے حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھلایا ہے نملہ کی جھاڑ بھی سکھلا دو۔

۷۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو ایک دفعہ نماز کی حالت میں بچھونے کاٹ لیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ بچھو پر خدا کی لعنت، نہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ کسی اور کو۔ پھر پانی نمک منگوایا اور جہاں بچھونے کاٹا تھا، وہاں آپؐ نمک ملتے جاتے تھے اور معذات پڑھتے جاتے تھے۔

۸۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ حضرات حسنینؓ پر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اعیذ کما بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة۔

۹۔ عثمان بن ابی العاصؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے ایک درد محسوس ہوتا ہے جو مجھ کو مارے ڈالتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اپنا سیدھا ہاتھ اس جگہ پر رکھو جہاں درد ہوتا ہے۔ پھر تین دفعہ بسم اللہ کہہ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے ہاتھ پھیر دے۔ اعوذ باللہ و قدرہ من شر ما اجدو احاذر۔ عثمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرا وہ درد جاتا رہا اور اس کی تعلیم میں گھر والوں کو دیتا ہوں۔

۱۰۔ ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ بیمار ہوئے تو جبریلؑ نے آکر پوچھا کہ اے محمدؐ! کیا آپؐ بیمار ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ انہوں نے کہا۔ باسم اللہ ارقیک من کل شیء یو ذیک من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک باسم اللہ ارقیک۔

۱۱۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ بیمار تھے۔ میں مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا۔ تو آپؐ کو سخت تکلیف میں پایا۔ شام کو گیا تو

آپ بالکل تندرست تھے۔ میں نے اس قدر جلد تندرست ہو جانے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جبریل آئے تھے اور انہوں نے مجھے چند کلمات سے جھاڑا۔

۱۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ ہم عرب کے ایک قبیلہ پر جا کر ٹھہرے۔ اور قبیلہ والوں سے کہا کہ ہماری میزبانی کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اتنے میں قبیلہ کے سردار کو بچھونے کاٹ لیا۔ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے پاس کوئی دوا یا عمل ہے۔ جس سے تم ہمارے سردار کا علاج کرو؟ حضرت ابوسعیدؓ بولے۔ ہے تو سہی مگر چونکہ تم نے ہماری میزبانی سے انکار کیا ہے اس لیے جب تک تم کچھ دینا منظور نہ کرو ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے ۳۰ بکریوں کا ریوڑ دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے جا کر اس پر سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور لعاب دہن اس پر ملتے گئے۔ آخر کار بچھو کا اثر زائل ہو گیا اور قبیلہ والوں نے جتنی بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ لا کر دے دیں۔ مگر ان حضرات نے آپس میں کہا کہ جب تک حضورؐ سے معلوم نہیں کر لیں گے اس وقت تک ہم ان بکریوں سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ نہ معلوم اس کام پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے ہنس کر فرمایا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ سورت جھاڑنے کے کام بھی آ سکتی ہے بکریاں لے لو اور ان میں میرا حصہ بھی لگاؤ۔

جھاڑ پھونک پر اجرت کی اجازت :..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دوا علاج کی اجازت دی اور فرمایا کہ لے سکل داء دواء بلکہ خود بھی علاج کیا اور دوسروں کو بھی دوائیں بتلائیں۔ جیسا کہ احادیث کی کتاب الطب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے جھاڑ پھونک کی اجازت بھی دی۔ بلکہ عمل خود اپنے لئے اور دوسروں کے لیے جھاڑ پھونک کی اور جس طرح دوا اور علاج پر اجرت کی اجازت ہے اسی طرح جھاڑ پھونک پر بھی اجرت کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن دوا جھاڑ پھونک دونوں ہی اللہ کے حکم سے نفع بخش ہوتی ہیں۔ ورنہ سب ہسپتالوں میں اور جھاڑ پھونک کے بعد کوئی نہ مرنے۔ نیز جس طرح ہر دوا کی اجازت نہیں ماسجعل اللہ فی الحرام شفاء اسی طرح ہر جھاڑ پھونک کی اجازت نہیں ہے۔ اب اگر علاج دوا کے ساتھ اللہ کے کلام اور اس کے اسماء حسنی سے بھی استفادہ کیا جائے یا ایسی جگہ جہاں طبی امداد میسر نہ ہو۔ اللہ ہی کی طرف رجوع کر کے اس کے کلام اور اسماء و صفات سے استعانت کی جائے تو مادہ پرستوں کے علاوہ کسی کی بھی عقل کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ دوا علاج کو جہاں وہ میسر ہو جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ اور صرف جھاڑ پھونک سے کام لینے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ کتنی ہی جانیں اس جہالت کی نذر ہو گئیں اور کچھ لوگ عملیات اور تعویذ گنڈوں کے مطب کھول کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو کمائی کا ذریعہ بنالیں۔ اس کی کوئی نظیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ و تابعین اور ائمہ سلف کے یہاں نہیں ملتی اور یہ تعویذ گنڈوں کا اعتقاد نہیں۔ بلکہ اعتقاد کا غلو ہے۔ خیر الامور اوساطھا۔

اعلیٰ درجہ کا توکل :..... چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی طویل روایت ہے کہ جس کے آخر میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے وہ لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ جو نہ داغنے کا علاج کرتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں۔ بلکہ اپنے زب پر توکل کرتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے داغنے سے علاج کرایا اور جھاڑ پھونک کرائی۔ وہ اللہ پر توکل سے بے نیاز بے تعلق ہو گیا۔

ومن شر حاسد اذا حسد۔ حضورؐ پر سحر کرنے کی بنیاد دراصل یہود کا حسد تھا۔ اس لیے اس جملہ میں حاسد کے حسد سے پناہ چاہی گئی ہے۔

سورۃ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت :..... آخری چیز جو معوذتین کے بارے میں قابل توجہ ہے وہ قرآن کریم کے اول و آخر میں تناسب ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کی ایک نزولی ترتیب ہے کہ ۲۳ سال کی مدت میں مختلف واقعات اور حالات اور

ضروریات کے لحاظ سے آیات اور سورتیں اُترتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی رائے سے نہیں بلکہ قرآن نازل کرنے والے خدا کے حکم سے اس شکل میں مرتب فرمایا۔ جس میں ہم اب اس کو پاتے ہیں جسے ترتیبِ ثنویٰ کہا جاتا ہے۔ اس ترتیب کے لحاظ سے قرآن کا آغاز سورۃ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام سورۃ معوذتین پر ہے۔ اب ذرا دونوں پر نظر ڈالیں۔ ابتداء میں بندہ اللہ رب العلمین ورحمن ورحیم مالک یوم الدین کی حمد ثنا کر کے عرض کرتا ہے کہ میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور سب سے بڑی مدد یہ مطلوب ہے کہ مجھے سیدھا راستہ بتا دیجئے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھانے کے لیے اسے پورا قرآن دیا جاتا ہے۔ اب اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو رب العلمین رب الناس ملک الناس الہ الناس ہے عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنہ اور شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ شیاطین جن و انس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو سیدھے راستے کی پیروی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس آغاز کے ساتھ یہ اختتام جو مناسبت رکھتا ہے۔ وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

حسد کا نقصان:..... حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہے۔ اس پر کوئی دوسرا شخص جلع اور یہ چاہے کہ وہ اس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے یا کم از کم یہ کہ اس سے ضرور چھین جائے۔ البتہ حسد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے۔ وہ مجھے بھی مل جائے۔ جہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اس حالت میں مانگی گئی ہے جب کہ وہ حسد کرے۔ یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے کوئی اقدام کرے۔ کیونکہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کا جلنا بجائے خود چاہے بڑا ہی مگر محسود کے لیے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ اس کے ساتھ حاسد کے شر سے امان پانے کے لیے چند چیزیں اور بھی مددگار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ پر بھروسہ کرے اور یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے گا کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ حاسدوں کی باتوں پر صبر کرے۔ بے صبر ہو کر ایسی باتیں یا کارروائیاں نہ کرنے لگے۔ جن سے وہ خود بھی اخلاقی طور پر حاسد ہی کی سطح پر آجائے۔ تیسرے یہ کہ حاسد اگر چہ خدا سے بے خوف اور خلق سے بے شرم ہو کر کیسی ہی بے ہودہ حرکتیں کرتا رہے۔ محسود بہر حال تقویٰ پر قائم رہے چوتھے یہ کہ اپنے دل کو اس فکر سے بالکل فارغ کر لے اور اس کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ گویا وہ ہے ہی نہیں کیونکہ اس فکر میں پڑنا حاسد سے مغلوب ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنا تو درکنار جب کبھی ایسا موقع آئے کہ محسود اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا برتاؤ کر سکتا ہو تو ضرور ایسا ہی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ حاسد کے دل کی چیخ محسود کے اس رویہ سے مٹی ہے یا نہیں؟ چھٹے یہ کہ محسود توحید کے عقیدہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پر ثابت قدم رہے۔ کیونکہ جس دل میں توحید بسی ہوئی ہو اس کے دل میں خدا کے خوف کے ساتھ کسی اور کا خوف جگہ ہی نہیں پاسکتا۔ ساتویں یہ کہ محسود ہونے کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر خوش ہو۔ حدیث میں ہے۔ اللہم اجعلنی محسوداً ولا تجعلنی حاسداً۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ ایسی نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یا اس سے زائد مل جائے۔ جیسے فلاں کو ملی ہے۔ حسد میں داخل نہیں بلکہ غبطہ ہے۔ حدیث الا فی اثنین میں لفظ حسد سے مجازاً غبطہ مراد ہے۔ غبطہ محسود اور مطلوب ہے اور حسد مذموم اور مٹروک ہے۔

خلاصہ کلام:..... اسلام کی دعوت شروع ہوتے ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا بھڑوں کے چھتے ہاتھ میں ڈال دیا ہے۔ جوں جوں آپ کی دعوت پھیلتی گئی۔ مخالفین کی مخالفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ جب تک انہیں یہ امید رہی کہ شاید کسی طرح کی سودے بازی کر کے یا بہلا بھسلا کر آپ کو اس کام سے باز رکھ سکیں گے۔ اس وقت تو کسی حد تک عناد کی شدت

میں کمی رہی۔ لیکن جب حضورؐ نے ان کو اس طرف سے بالکل مایوں کر دیا کہ آپ ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے۔ اور سورۃ کافرون میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ ہمارا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ دونوں متضاد راستے ایک نہیں ہو سکتے۔ تو کفار کی دشمنی پورے عروج پر پہنچ گئی۔ خصوصیت سے جن خاندانوں کے مردوں، عورتوں، بچوں، بیویوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے دلوں میں تو حضورؐ کے خلاف ہر وقت بھڑکیاں سلگتی رہتی تھیں۔ گھر گھر آپ کو کوسا جارہا تھا۔ خفیہ مشورے کیے جا رہے تھے۔ کہ کسی وقت رات کو چھپ کر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ تاکہ آپ کے خاندان والوں کو قاتل کا پتہ نہ چل سکے۔ اور وہ بدلہ نہ لے سکیں۔ آپ کے خلاف جادو ٹوٹنے کے جا رہے تھے۔ تاکہ یا تو آپ وفات پا جائیں یا سخت بیمار پڑ جائیں یا دیوانے ہو جائیں۔ شیاطین جنس و انس ہر طرف پھیل گئے تھے۔ ہمارے عوام کے دلوں میں آپ کے خلاف اور آپ کے لائے ہوئے دین و قرآن کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیں۔ جس سے لوگ شبہات و وساوس میں مبتلا ہو کر بدگمان ہو جائیں اور آپ سے دور بھاگنے لگیں۔ بہت سوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھی جل رہی تھی کہ وہ اپنے یا اپنے قبیلہ کے کسی آدمی کے سوا دوسرے شخص کا چراغ نہ دیکھ سکتے تھے اور کی زندگی سے گزر کر مدینہ طیبہ میں بھی آپ کو سکون و چین نصیب نہ ہوا۔ آئے دن مخالفتیں، لڑائیاں جاری رہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو محمدؐ کے ہاں خیر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن عاصم سے ملا۔ جو انصار کے قبیلہ بنی رزین سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ لبید سے کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم نے ان پر جادو کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ کیونکہ تم ہی ہم سے بڑے جادوگر ہو، لہذا یہ تین اشرفیاں لو۔ انہیں قبول کرو اور محمدؐ پر ایک زور کا جادو کر دو۔ اس زمانہ میں حضورؐ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گزار تھا۔ اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضورؐ کی تکلیف کا ایک ٹکڑا حاصل کیا۔ جس میں آپ کے مئے مبارک تھے۔ انہی بالوں اور تکلیف پر جادو کیا گیا۔ بعض روایات میں لبید کی بہنوں کا جادو کرنا آیا ہے جو اس سے زیادہ جادوگر نیاں تھیں۔ اس جادو کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتے ہوتے پورا ایک سال لگا۔ دوسری ششماہی میں مزاج کے اندر کچھ تغیر محسوس ہونا شروع ہوا۔ آخر میں دن سخت اور آخری تین دن بہت سخت گزرے۔ مگر یہ اثر صرف ذات کی حد تک رہا۔ آپ کے نبوت کے کاموں میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ ان حالات میں معوذتین کا نزول ہوا اور آپ کو پیش آمدہ حالات سے نبٹنے کے لیے اور اللہ اور اس کے اسماء و صفات کی پناہ طلبی کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تمام تر بے سرو سامانی کے باوجود انتہائی نامساعد حالات اور دشمنوں میں گھرے ہوئے بھی رب کائنات کی پناہ میں آ جانے کو کافی سمجھ لینا۔ ظاہر ہے کہ یہ اولوالعزمی اور ثابت قدمی وہی شخص دکھلا سکتا ہے جس کو یقین ہو کہ اس رب کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس کے مقابلہ میں ساری طاقتیں ہیچ ہیں اور اس کی پناہ جسے حاصل ہو جائے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ میں کلمہ حق کے اعلان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔ تم جو چاہو کر لو۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ میں رب کائنات کی پناہ لے چکا ہوں۔

فضائل سورت: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد انزلت علی سورتان ما انزل مثلهما وانک لن تقرأ سورتین احب ولا ارضی عند اللہ منھما یعنی المعوذتین۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر یہ دوسورتیں بے مثل اتریں ہیں اور تم ان سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ سورت اللہ کے نزدیک کوئی اور سورتیں نہیں پڑھ سکو گے۔

اطلائف سلوک: ومن شر النفس۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق پر بھی اہل باطل کے اسباب طبعہ کا اثر ہو سکتا ہے اور ایسی تاثیر حق و باطل کا معیار نہیں بن سکتی تھیں۔ لوگ اس کو کمال سمجھ کر دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور بتلائے وبال ہو جاتے ہیں۔ ومن شر حاسد۔ اس میں حسد کی قباحیت نہایت واضح ہے۔

سُورَةُ النَّاسِ

سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۲﴾ خَالِقُهُمْ وَمَالِكُهُمْ خَصُّوا بِالذِّكْرِ تَشْرِيفًا لَهُمْ وَمُنَاسِبَةً لِلْإِسْتِعَاذَةِ مِنْ شَرِّ الْمُوسُوسِ فِي صُدُورِهِمْ مِلِكِ النَّاسِ ﴿۳﴾ إِلَهَ النَّاسِ ﴿۴﴾ بَدَلَانِ أَوْ صِفَتَانِ أَوْ عَطْفًا بَيَانٍ وَأَظْهَرَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ فِيهِمَا زِيَادَةُ اللَّيَاقِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بِالْحَدِيثِ لِكَثْرَةِ مَلَاسِئِهِ لَهُ ﴿۵﴾ الْخَنَاسِ ﴿۶﴾ لِأَنَّهُ يَخْنُسُ وَيَتَخَرَّعُ الْقَلْبُ كُلَّمَا ذَكَرَ اللَّهُ الَّذِي يُوسُوسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿۷﴾ قُلُوبِهِمْ إِذَا غَفَلُوا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۸﴾ بَيَانٌ لِلشَّيْطَانِ الْمُوسُوسِ أَنَّهُ حَيٌّ وَأَنْسَى كَقَوْلِهِ تَعَالَى شَيَاطِينُ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ بَيَانٌ لَهُ وَالنَّاسُ غَطَفَ عَلَى الْوَسْوَاسِ وَعَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَرٌّ لِبَيْدٍ وَبَنَاتِهِ الْمَذْكُورِينَ وَاعْتَرَضَ الْأَوَّلُ بِأَنَّ النَّاسَ لَا يُوسُوسُ فِي صُدُورِهِمْ النَّاسُ إِنَّمَا يُوسُوسُ فِي صُدُورِهِمُ الْجِنُّ وَأَجِيبَ بِأَنَّ النَّاسَ يُوسُوسُونَ أَيْضًا بِمَعْنَى يَلِيْقُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ وَسُوسَتُهُمْ إِلَى الْقَلْبِ وَتَثْبُتُ فِيهِ بِالطَّرِيقِ الْمُؤَدِّي إِلَى اللَّهِ أَعْلَمُ

سورۃ ناس مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ کہے، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب (ان کے خالق و مالک سے انسانوں کی تخصیص ان کے شرف کی وجہ سے ہے اور دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی مناسبت سے) انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود حقیقی کی (یہ دونوں الفاظ بدل یا صفت یا عطف بیان ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ کا اظہار زیادہ وضاحت کے لیے ہے) اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (مراد شیطان ہے جس کا نام حدیث ہے بکثرت وسوسہ اندازی کی وجہ سے) جو بار بار پلٹ کر آتا ہے (ذکر اللہ کے وقت دل سے ہٹ جاتا ہے اور پیچھے ہو جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (ذکر اللہ سے غافل ہونے پر) خواہ وہ جن ہو یا آدمی (وسوسہ انداز شیطان کا بیان ہے کہ وہ جن ہو یا انسان، جیسے دوسری آیت میں ہے۔ شیطا طین الانس و الجن یا صرف من الجنة بیان ہو۔ اور الناس کا الوسواس پر عطف ہے۔ بہر صورت یہ لبید اور اس کی لڑکیوں کو بھی شامل ہے۔ پہلی ترکیب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے دلوں میں انسان وسوسہ نہیں ڈالتے۔ بلکہ جن وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ انسان بھی وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں ایسے انداز سے جو ان کے مناسب ہو۔ پھر

وہ وسوسہ دلوں تک پہنچ کر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

تحقیق و ترکیب:..... سورۃ الناس۔ یہ بھی سورۃ فلق کی طرح مختلف فیہ ہے۔ لیکن واقعہ سحر پر نظر کی جائے جو ھ میں پیش آیا۔ تو ان کا مدنی ہونا رائج معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی پہلے گزر چکی ہے۔ قل اعدو ذ دونوں سورتوں میں یہ لفظ حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام پر منتقل کر کے بھی پڑھا گیا ہے۔ سورۃ کافرون و اخلاص و معوذتین کے شروع میں لفظ قتل آنے کی وجہ سے عوام ان کو چاروں قل کہتے ہیں۔ سورۃ فلق کی طرح یہاں بھی اعدو باللہ کی بجائے اللہ کی تین صفات کے ذریعہ استعاذہ کیا گیا ہے۔ ایک رب الناس، دوسرے ملک الناس، تیسرے الہ الناس۔ اللہ کے معنی فرضی معبود کے بھی آتے ہیں اور حقیقی معبود کے بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ سورۃ فلق میں بدنی مضرتوں سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ انسان کی طرف سے ہوں یا دوسرے مخلوق کی طرف سے۔ لیکن سورۃ ناس میں صرف انسانی نفوس کو جو مضرتیں عارضی ہوتی ہیں ان سے استعاذہ کیا گیا ہے۔

لہذا رب الفلق میں اضافت عام اور رب الناس میں اضافت خاص ہوگی۔ اور اللہ اگر چہ رب العالمین ہے۔ لیکن انسان کی تخصیص اس کے شرف کی وجہ سے ہے کہ جب اللہ انسانوں کا رب ہے تو دوسری مخلوق کا بدرجہ اولیٰ ہے۔ نیز جب وہ انسانی شرارت سے پناہ دے سکتا ہے۔ تو دوسری مخلوق کی شر سے بدرجہ اولیٰ پناہ دے گا۔ اور وسوسہ جن کے دلوں میں ہوتا ہے وہ بھی انسان ہیں۔ ان تینوں لفظوں کی ترتیب بڑی لطیف ہے۔ کہ اول اللہ کی ربوبیت، پھر اس کی بادشاہت پھر اس کی معبودیت کا ذکر کیا گیا۔

اور صلیٰ اللہ الناس الہ الناس دونوں لفظ رب الناس سے عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ رب ممکن ہے بادشاہ نہ ہو اور بادشاہ ممکن ہے کہ معبود نہ ہو۔ اگرچہ اضافت ضمیر کی طرف ہو سکتی تھی۔ لیکن مزید بیان یا تعظیم کے لیے مضاف الیہ اسم ظاہر لایا گیا ہے اور بعض نے توجیہ کی ہے کہ رب الناس میں بچے اور ملک الناس بڑے آدمی مراد ہیں۔ کیونکہ بچے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور بڑے وساوس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور الہ الناس میں بوڑھے مراد ہیں۔ کیونکہ وہ مصروف عبادت رہتے ہیں۔ اس صورت میں لفظ الناس مکرر نہیں رہتا۔

من شر الوسواس الخناس۔ اس کا تعلق اعدو سے ہے۔ سورۃ فلق میں مستعاذ منہ تین چیزیں تھیں اور مستعاذ ایک تھا۔ لیکن سورۃ ناس میں اس کے برعکس مستعاذ منہ ایک یعنی وسوسہ ہے اور مستعاذ تین صفات الہیہ ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ پچھلی سورت میں بدنی مضرت کا بیان تھا اور وہ متعدد ہیں اور اس سورت میں نفسانی مضرت کا بیان ہے۔ اور وہ ایک ہے۔ اور چونکہ بدن کی سلامتی کا پیش خیمہ اور وسیلہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ وسواس اور وسوسہ، زلزال اور زلزلہ کی طرح دونوں مصادر ہیں۔ اگر فطال کو اوزان مصدر میں مانا جائے۔ ورنہ اسم مصدر ہے۔ یا وسواس اور خناس کو مبالغہ کہا جائے۔ شیطان کو وسواس یا وسوسہ زید عدل کی طرح مبالغہ کے لیے کہا گیا ہے۔ یا مضاف محذوف مانا جائے۔ ای ذالوسواس، الخناس، خن کے معنی مٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔ فی صدور الناس۔ جس طرح قوت واہمہ قوت عاقلہ کی معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح وسوسہ شیطان کا مددگار ہے۔ انسان جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان موقع سے فائدہ اٹھا کر وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ یہ محل جرم میں ہے صفت کی وجہ سے یا محل نصب ورنہ میں ہے مذمت کے طور پر۔

من الجنة والناس۔ یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے یا وسوس سے متعلق ہے اور بعض نے اس کو الناس کا بیان کہا ہے۔ جب کہ الناس سے مراد عام ہو۔ انسان اور جن دونوں شامل ہے۔ لیکن اس صورت میں تکلف کر کے کہنا پڑے گا۔ ناس بمعنی ناسی ہے۔ جیسے یوم یبع الداع میں داع بمعنی داعی ہے اور نسیان انسان اور جن دونوں کو ہوتا ہے۔ مفسر علام نے دوسری ترکیب یہ فرمائی۔ کہ من الجنة بیان قرار دیا جائے اور الناس کا عطف الوسواس پر کہا جائے۔ اس کے بعد پہلی ترکیب یعنی من الجنة والناس کو وسواس کا بیان قرار دینے پر یہ اعتراض کیا۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ حالانکہ وسوسہ اندازی

شیطان کا کام ہے۔ پھر اس کا جواب دیا کہ انسان بھی وسوسہ کر سکتا ہے۔ اس طرح وسوسہ کے اسباب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً: چغلی خوری کرتا ہے۔ دوسرا اس چغلی خوری کو سنتا ہے۔ جس سے دل میں وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گویا انسان ہی نے وسوسہ ڈالا ہے۔

رابط آیات و روایات:..... اس کی مفصل تقریر سورہ فلق میں گزر چکی ہے۔

﴿تشریح﴾: قل اعوذ الخ اللہ کی شانِ ربوئیت و حاکمیت وغیرہ اگرچہ تمام مخلوق کو شامل ہے لیکن ان صفات کا کامل ظہور انسانوں میں ہو رہا ہے۔ اس لیے ان تینوں صفات کی اضافت انسان کی طرف فرمائی گئی ہے۔ ان تین صفات کی ترتیب بھی نہایت دقیق ہے۔ عارف جب اپنے ارد گرد ظاہری باطنی نعمتوں کو پائے گا تو سمجھ لے گا کہ اس کا کوئی رب ہے۔ جو اس کی ترتیب اعلیٰ درجہ کی کر رہا ہے۔ پھر جب نظر کو گہرا کرے گا تو اسے دکھائی دے گا کہ اللہ سارے عالم سے بے نیاز اور کلی اختیارات کا مالک ہے پھر اسی لیے اس کی رہنمائی ہوگی کہ معبود حقیقی بھی وہی ہے۔ یہاں اختلافات صفات کو بمنزلہ اختلاف ذات قرار دے لیا ہے۔ تاکہ ان صفات کی بڑائی کا اندازہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ چونکہ وہی رب اور بادشاہ اور الہ ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں جس سے میں پناہ مانگوں اور جو حقیقت میں پناہ دے بھی سکتا ہو۔

خناس کا انسان پر تسلط:..... من شر الوسوس الخناس۔ شیطان نظروں سے اوجھل رہ کر آدمی کو بہکاتا ہے چھپے ہوئے دشمن کی طرح گھات میں رہتا ہے۔ جب موقعہ لگتا ہے چوکتا نہیں ہے۔ جو نبی ذکر اللہ سے غفلت ہوتی ہے۔ یہ اپنا تسلط قائم کر لیتا ہے۔ لیکن انسان جب غفلت سے بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرتا ہے فوراً شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ وسوسہ کہتے ہیں غیر محسوس طریقہ پر کسی بُری بات کو دل میں ڈال دینے کو وسوسہ کے لفظ میں، خود بار بار کا مفہوم شامل ہے۔ جیسے زلزلہ حرکت کی تکرار کو کہتے ہیں۔ انسان چونکہ ایک دم بہکائے میں نہیں آتا۔ اس لیے شیطان مسلسل کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے ایسی کوشش کرنے والے کو وسوسا کہا جائے گا۔ خناس، خنوس سے ہے ظاہر ہونے کے بعد چھپنا یا آنے کے بعد ہٹ جانا۔ خناس مبالغہ کا لفظ ہے جس میں بار بار کے معنی ملحوظ ہیں۔ دونوں لفظوں کے ملانے سے یہ مفہوم نکلا کہ ایک دفعہ ناکامی سے وہ تھکتا نہیں ہے۔ بلکہ وہ برابر تک و دو میں لگا رہتا ہے۔ اس سے پناہ مانگنے کا مطلب تو یہ ہے کہ کہیں دل میں وسوسہ ڈال کر اس کے شر میں مبتلا نہ کر دے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے خلاف جو شخص بھی لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے اس کے شر سے داعی حق خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ کیونکہ داعی حق کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ دعوت حق کا کام بھی کرے اور ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں جو اس کے خلاف وسوسے ڈالے گئے ہیں ان کے پیچھے پھرے۔ اور ایک ایک غلط فہمی کو دور کرتا پھرے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ اصل دعوت حق کا کام چھوڑ کر لوگوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں اور الزام تراشیوں کے ازالہ کی فکر کرتا پھرے اور یہ بات تو اس کے مقام سے نہایت فروتر ہے کہ جس سطح پر مخالفین اُترے ہوئے ہیں اسی پر خود بھی اُتر آئے۔ اس لیے رب الناس ملک الناس اللہ الناس کی پناہ میں آنے کی شدید ضرورت ہے۔

وسوسہ بد عملی کا نقطہ آغاز ہے:..... وسوسہ دراصل بُرے عمل کا نقطہ آغاز ہوتا ہے۔ کسی غافل یا خالی الذہن آدمی کے اندر جب یہ اثر انداز ہوتا ہے تو شروع میں بُرائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پھر مزید وسوسہ اندازی اس بُری خواہش کو بُری نیت اور بڑے ارادے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پھر اس سے آگے جب وسوسہ کی تاثیر بڑھتی ہے تو ارادہ عزم بن جاتا ہے اور آخری قدم پھر عمل شر ہے۔ اس لیے وسوسہ اندازی کے شر سے خدا کی پناہ مانگنے کا مطلب ہے کہ شر کا آغاز جس مقام سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقام پر اس کا قلع

فرمادے۔ انسان کے دل میں وسوسہ اندازی صرف باہر ہی سے شیاطین جن و انس نہیں کرتے۔ بلکہ انداز سے خود انسان کا اپنا نفس بھی کرتا ہے۔ اس کے اپنے غلط نظریات اس کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں اور باہر کے شیاطین بھی انسان کے اندر اس کے اپنے نفس کا شیطان بھی اس کو بہکا تا ہے۔ پھر جس قماش کا آدمی ہوتا ہے اس کے وساوس بھی اسی قماش کے ہیں۔ بد قماش لوگوں کو شیطان کفر و شرک کے وساوس میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن نیک لوگوں کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ اس قسم کے وساوس کی دال یہاں نہیں گلے گی۔ انہیں نیکی کی راہ سے مارتا ہے۔ بدکردار لوگوں کو کھلے گناہ اور بدعات کی ترغیب دیتا ہے۔ بڑے گناہ نہیں تو چھوٹے گناہوں ہی میں انہیں پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ غفور الرحیم ہے۔ اور منشاء یہ ہوتا ہے کہ اگر کثرت سے چھوٹے ہی گناہ سرزد ہو جائیں تو اسی بار سے انسان لد جائے گا۔ اس سے بھی آدمی بچ نکلے اور نیکی اختیار کر لے۔ تو پھر بدرجہ آخر یہی کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی محدود رہے۔ دوسروں کو ترغیب نہ دے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان تمام چالوں کو ناکام کر دے تو پھر شیاطین کی پوری پارٹی ایسے آدمی پر پل پڑتی ہے۔ لوگوں کو اس کے خلاف اُکساتی بھڑکاتی ہے۔ اسے رُسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وساوس کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کی بحث سورہ بقرہ کے آخر میں اور سورہ حق کے پہلے رکوع کے آخر پر گزر چکی ہے۔

وساوس صرف انسان کو پیش آتے ہیں مگر وسوسہ انداز حیات بھی ہوتے ہیں:..... من الجنة والناس۔ وساوس اگرچہ صرف انسان ہی کے دل میں آتے ہیں لیکن وسوسے ڈالنے والے جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ انسان و جن دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا جاتا ہے۔ اس بات کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو لفظ ناس انسان و جن دونوں پر بولا جائے گا۔ جیسا کہ رجال اور تفریق اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن اس رائے کے تسلیم کرنے میں اس لیے تامل ہے کہ انسان، انس، ناس تینوں الفاظ جن کے مقابل استعمال ہوتے ہیں۔ انسان، انس، ناس میں ظہور کے معنی ہیں کہ جن میں ستر و خفا کے معنی ہیں۔ چنانچہ جنة، جنت، جنان، جان، جنون، جنایت سب میں یہی معنی ملحوظ ہیں اس لیے اس تضاد کے ہوتے ہوئے انسان کا اطلاق جن پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس لیے صحیح معنی یہی ہوں گے کہ اس وسوسہ انداز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ دوسری آیت و كذلك جعلنا لكل نبي عدوا شيطيين الانس والجن يوحى بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ابوذرؓ! نماز پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ اٹھو نماز پڑھو۔ میں نماز پڑھ کر پھر حاضر ہو گیا۔ فرمایا۔ یا اباذرؓ! تعوذ باللہ من شر شيطيين الانس والجن۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں فرمایا کہ ہاں!

معوذتین پر محققانہ کلام:..... معوذتین پر محقق علماء نے قیمتی موتی بکھیرے ہیں۔ لیکن شیخ کبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہ العزیز نے اپنے ایک فارسی مکتوب پر جو پیش بہا مضمون سیر و قلم فرمایا ہے۔ فوائد عثمانی نے تبرکاً اس کی تخلص پیش کی ہے۔ زمین کا جگر شق ہو کر دانہ سے جب کو نپل پھوٹی ہے تو فطرت کا مالی اس کی رکھوائی کرتا ہے اور حد کمال پر پہنچنے تک ہر طرح کی آفات سے اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور عموماً وہ آفات چار قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ موزی جانوروں سے حفاظت۔ ۲۔ درخت کی زندگی کے اسباب پانی، ہوا، دھوپ کی فراہمی۔ ۳۔ برقی، اولہ وغیرہ آفات سماوی سے بچاؤ۔ ۴۔ مالک باغ کے دشمن اور حاسد سے حفاظت۔ ان چاروں چیزوں کی خاطر خواہ ہندو بسنے لگے بعد پودہ اور باغ کے بار آور

ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس چمنستانِ عالم کے حقیقی مالک و مربی سے ایمان کے پودہ کی حفاظت کے لیے چار آفتوں سے بچاؤ کی درخواست کرنی چاہئے۔ پہلی آفت شرِ مخلوق ہے یعنی مخلوق کے طبعی اور فطری شر سے جو اس کی طبیعت میں اسی طرح ودیعت ہے۔ جیسے سانپ بچھو وغیرہ مباح و بہائم میں خلقی طور پر ہوتا ہے اور یہ نکتہ شرکی اضافت سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ دوسری آفت شرِ غاسق ہے۔ جب رات اندھیری ہو جائے یا آفتاب غروب ہو جائے۔ یا چاند گرہن میں آجائے۔ یعنی ان چیزوں کے فوائد سے ہم محروم ہو جائیں جو ان کے ظہور کے وقت ہمیں حاصل تھے اب وہ ہاتھ نہ آئیں۔ گویا یہ چیزیں پانی، ہوا، دھوپ کی طرح اسبابِ زندگی کے درجہ میں تھیں۔ ان کا فقدان ظاہر ہے کہ پیغامِ موت ہوگا۔ تیسری آفت شرِ نفاثات ہے۔ جس سے مراد ساحرانہ اعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ سحر کے اثر سے محسوس کو ایسے عوارض پیش آ جاتے ہیں۔ جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر ڈب جائیں۔ یہ آفت ایسی ہے جیسے درخت کے لیے اولہ اور برف باری کی آفت۔ چنانچہ سحر کاری کی وجہ سے حضورؐ کے طبعی افعال متاثر ہو گئے تھے۔ جب اس آفت کا ازالہ ہو گیا تو فقیہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نما انشط من عقلا۔ چوتھی آفت شرِ حاسد ہے یعنی عداوت و حسد کی آگ ایمان کے پودا کو بھسم کر ڈالے۔ آفات کی اس تفصیل میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی بیج کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ البتہ روئیدگی سے پہلے ہی کچھ بیجوں یا اس بیج کے اندر سے وہ خاص جو ہر چوس لیتی ہیں۔ جس سے بیج کی روئیدگی ہوتی ہے یا اندر ہی اندر گھٹن لگ کر بیج کھوکھلا ہو جاتا ہے اور بالیدگی کے لائق نہیں رہتا۔ شاید اسی سرسری کمی کے لیے سورۃ ناس میں الوسواس الخناس کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ وسواس انہی فاسد خطرات کا نام ہے۔ جو ظاہر ہو کر بلکہ اندرونی طور پر ایمان میں رخنہ ڈالتے ہیں اور چونکہ وسواس کا مقابلہ ایمان سے ہے اس لیے وسواس کے دفعیہ کے لیے اللہ کی انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوگی جو مبادی ایمان گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔ تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان (تسلیم و انقیاد) کا نشو و نما اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اللہ مالک الملک اور احکم الحاکمین بھی ہے۔ کیونکہ جسمانی روحانی تربیت وہی ذات کر سکتی ہے جو منبع الکمالات ہو اور دنیا کی کوئی چیز بھی اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہ ہو۔ پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں اس کے مالک مطلق ہونے سے اس کی الہیت و معبودیت کا سراغ ملتا ہے۔ غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد اس کی مالکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص شیطانی وسواس سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اللہ کے دامن میں پناہ چاہے گا۔ اسے درجہ بدرجہ انہی منزلوں سے گزرنا ہوگا اور عجیب بات ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب یہاں تین صفات بغیر عطف اور بغیر اعادہ جار کے ذکر کی گئی ہیں۔ اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ جو صفت در صفت کی صورت میں ہیں۔

فضائلِ سورت: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرء المعوذتین فکانما قرء الکتاب التی انزل اللہ۔ جو شخص معوذتین پڑھے گا گویا اس نے پچھلی سب کتابیں پڑھ لی ہیں۔

لطا ئفِ سلوک: من شر الوسواس الخناس۔ حدیث میں ہے کہ شیطان ذکر اللہ سے غفلت کے وقت وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ لیکن ذکر کے وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ غفلت کا علاج ذکر ہے۔ من الجنة والناس۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسواس تو انسان کو پیش آتے ہیں۔ مگر وسوسہ ڈالنے والے شیطان اور انسان دونوں ہو سکتے ہیں۔

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ سَبْعُ آيَاتٍ بِالْبُسْمَلَةِ إِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الَّذِينَ إِلَى
آخِرِهَا وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ إِلَى آخِرِهَا وَيُقَدَّرُ فِي أَوَّلِهَا قَوْلُوا
لِيَكُونَ مَاقَبِلَ آيَاكَ نَعْبُدُ مُنَاسِبًا لَهُ بِكُونِهِ مِنْ مَقُولِ الْعِبَادِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ جُمْلَةً خَبَرِيَّةٌ قُضِدَ بِهَا الشَّاءُ عَلَى اللَّهِ بِمَضْمُونِهَا مِنْ أَنَّهُ
تَعَالَى مَالِكٌ لِجَمِيعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ أَوْ مُسْتَحَقٌّ لِأَن يُحْمَدَ وَهُوَ وَاللَّهُ عِلْمٌ عَلَى الْمَعْبُودِ بِحَقِّ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿۲﴾ أَيْ مَالِكٌ جَمِيعِ الْخَلْقِ مِنَ الْإِنْسِ وَالْحَيِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَالذَّوَابِ وَغَيْرِهِمْ وَكُلٌّ مِنْهُمْ
يُطْلَقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الْإِنْسِ وَعَالَمُ الْحَيِّ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ وَغُلِبَ فِي جَمْعِهِ بِالْيَاءِ وَالتَّوْنِ أَوْلُوا الْعِلْمِ
عَلَى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِأَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلَى مُوجِدِهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۳﴾ أَيْ ذِي الرَّحْمَةِ وَهِيَ
إِرَادَةُ الْخَيْرِ لِأَهْلِهِ مِلَّةٌ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۴﴾ أَيْ الْحِزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَخُصَّ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ لَا مَلِكَ ظَاهِرًا
فِيهِ لِأَحَدٍ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى بِدَلِيلٍ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ وَمَنْ قَرَأَ مَالِكٌ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ الْأَمْرِ كُلِّهِ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ
أَيْ هُوَ مَوْصُوفٌ بِذَلِكَ دَائِمًا كَغَافِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وَقُوعُهُ صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ
نَسْتَعِينُ ﴿۵﴾ أَيْ نَخْصُصُكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْحِيدٍ وَغَيْرِهِ وَنَطْلُبُ مِنْكَ الْمَعُونَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ وَغَيْرِهَا إِهْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۶﴾ أَيْ ارْشِدْنَا إِلَيْهِ وَيُبدَلُ مِنْهُ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بِالْهَدَايَةِ وَيُبدَلُ
مِنْ الَّذِينَ بِصَلَتِهِ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ﴿۷﴾ وَهُمْ الْيَهُودُ وَلَا وَغَيْرِ الضَّالِّينَ ﴿۸﴾ وَهُمْ النَّصَارَى وَنُكْتَةُ يَعْ
الْبَدَلِ إِفَادَةُ أَنَّ الْمُتَهْدِينَ لَيْسُوا يَهُودًا وَلَا نَصَارَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَابِ صَلَّى اللَّهُ عَلَى
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ صَلَوةً وَسَلَامًا دَائِمِينَ مُتَلَازِمِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

سورۃ فاتحہ مکئیہ ہے۔ جس میں سات آیات ہیں۔ بسم اللہ سمیت۔ اگر یہ فاتحہ کا جز مانی جائے تو ساتویں آیت صراط الہدین سے آخر
سورت تک ہوگی اور اس کو جز شمار نہ کیا جائے تو پھر ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہوگی۔ اور اس سورت کے شروع میں

صراط الدین سے آخر تک ساتویں آیت ہوگی۔ ورنہ پھر ساتویں آیت غیر المعصوب سے آخر تک ہوگی۔

علامہ زمخشری یہ کہتے ہیں آیات کا علم توفیقی ہے۔ بسم اللہ کے متعلق ضروری تفصیل یہ ہے کہ آیت سورۃ روم انشاء میں سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ اسی سورت کا بھی جزو ہے اور قرآن کا جز بھی ہے۔ اس کے علاوہ بسم اللہ کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے قرآن کریم کا جز ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ مائین الدفتین جو کچھ ہے اس کے کلام اللہ ہونے کا اجماع ہے۔ نیز قرآن کریم میں اس کا لکھا ہونا بھی اس کے جزو قرآن ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ غیر قرآن کو قرآن میں لکھا نہیں جاتا اور اس احتیاط میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ لفظ اعین سن بھی قرآن میں لکھا نہیں جاتا۔ حالانکہ اس کو سورۃ فاتحہ کے ختم پر پڑھنا مسنون ہے۔ البتہ اسی کے ساتھ مکہ و کوفہ کے قراء و فقہاء اور عبد اللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ اور تمام سورتوں کا جزو مانتے ہیں۔ حدیث ابو ہریرہؓ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال فاتحۃ الكتاب سبع آیات اولهن بسم الله الرحمن الرحيم۔ پھر شوافع میں اختلاف ہے۔ بعض بسم اللہ کو مستقل آیت کہتے ہیں۔ حدیث ام سلمہؓ کی رو سے قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحہ و غد بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت اور بعض شوافع بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین کو ایک آیت کہتے ہیں۔ لیکن مدینہ طیبہ، بصرہ شام کے قراء اور فقہاء امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ بسم اللہ کو نہ تو سورۃ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں اور نہ کسی دوسری سورت کا بقول قاضی بیضاویؒ امام اعظمؒ سے کوئی تصریح نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی کسی سورت کا جز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔ مائین الدفتین کلام اللہ یہ مسئلہ دراصل تجوید و قرات کا ہے، فقہ کا نہیں ہے۔ احناف کی دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اقسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین، يقول العبد الحمد لله رب العالمین۔ اس میں حضورؐ نے بسم اللہ کو شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث انسؓ ہے۔ صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وخلف عمر فلم یجهر احد منهم بسم الله الرحمن الرحيم۔ اس سے جہاں بسم اللہ کی عدم جزئیات ثابت ہوئی۔ وہیں نماز میں عدم جہر بھی ثابت ہوا۔ بسم اللہ دراصل فصل بین السور کے لیے نازل کی گئی ہے وہ کسی سورت کا جز نہیں ہے۔ حدیث ابن عباسؓ ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا يعرف فصل السورتین حتی یزل بسم الله الرحمن الرحيم۔

اور شوافع کی حدیث ابو ہریرہؓ سے سورۃ فاتحہ کے علاوہ ہر سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اور حدیث ام سلمہؓ سے بھی جزئیات ثابت نہیں ہوتی۔ ممکن ہے بسم اللہ کو تہر کا حضورؐ نے پڑھا ہو۔ رہا شوافع کا مائین الدفتین کے کلام اللہ ہونے کو جزئیات کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے ہر سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی طرح بسم اللہ کی کتابت کو جزئیات کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے تو قرآن کی سورتوں میں فصل کے لیے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مفسر علامؒ نے زمخشریؒ اور امام راغبؒ کے مطابق مشورہ دیا ہے کہ الحمد للہ سے پہلے قولوا مقدر ماننا چاہئے۔ تاکہ ایسا نعت کے مضمون سے تناسب رہے۔ گویا الحمد للہ بھی بندہ ہی کا مقولہ ہے۔ ورنہ اگر اللہ کا مقولہ ہوتا تو الحمد للیٰ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن دوسرے حضرات تقدیر عبارت کی ضرورت نہیں سمجھتے اور الحمد للہ، اللہ کا مقولہ ہے بندوں کو تلقین و تعلیم ہے۔ یہ جملہ لفظاً خبریہ ہے اور معنی انشائیہ ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حقیقت یہ جملہ خبریہ ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ حقیقتہ انشائیہ تھا۔ مجازاً خبریہ ہو گیا۔ الفاظ حمد، مدح، شکر میں فرق ہے، حمد کہتے ہیں۔ اچھے اختیاری کاموں پر کسی کی تعریف کرنا۔ یہ تعریف خواہ اس کے انعام کے جواب میں یا بغیر انعام کے ستائش ہو۔ اور مدح کہتے ہیں مطلقاً کسی کی تعریف کرنا۔ خواہ اختیاری تعریف پر ہو یا غیر اختیاری پر۔ اسی طرح نعمت کے بدلہ میں یا بغیر نعمت کے۔ پہلے قاعدہ کی مثال حمدت زیداً علی علمہ و کرمہ۔ اور دوسرے قاعدہ کی مثال مدحت زیداً علی حسنہ ہے۔ یہاں حمدت زیداً علی حسنہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک حمد و مدح دونوں مترادف ہیں اور شکر کہتے ہیں کسی کی نعمت پر تعریف کرنا نوا۔

زبان سے ہو یا دل سے اور اعتقاد سے یا اعضاء کے ذریعہ عملی طور پر

افادتکم النعمان منی ثلثہ : بدنی ولسانی والضمیر المحجبا

شکر کی نسبت حمد و مدح کے ساتھ عموم و خصوص من وجہ کی ہے۔ اور چونکہ حمد، شکر کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ الحمد راس الشکر ما شکر الله من لم يحمدہ اور لفظ ذم، حمد کی نقیض ہے اور کفران شکر ان کی نقیض ہے الحمد لله مبتداء خبر ہے۔ دراصل الحمد پر نصب ہے ایک قرات نصب کی بھی ہے۔ چونکہ حمد کا عموم اور ثبو • دوام مقصود ہے۔ اس لیے نصب سے رفع کی طرف عدول کر لیا اور حمد ان افعال میں سے جن کا ناصب محذوف ہوا کرتا ہے۔ اس میں الف لام تعریف جنسی کا ہے اور بعض نے اس کو استغراقیہ مانا ہے یعنی بلا واسطہ اور بالواسطہ حمد کے تمام افراد اللہ کے لیے ہیں۔ ایک قرات الحمد لله اور الحمد لله کی بھی ہے۔ دونوں لفظوں کو ایک کلمہ مان کر ایک کی حرکت دوسرے کے موافق کر لی گئی ہے۔ لفظ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ عربی یا غیر عربی مشتق ہے یا غیر مشتق۔ غرض بہت سے اقوال ہیں۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے۔ دون صفاتہ تحیر الصفات وضل هناك تصاریف اللغات۔

قاضی بیضاویؒ نے اس سلسلہ میں چار قول نقل کیے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اصل میں الا لہ تھا۔ ہمزہ حذف کر کے الف لام اس کے عوض میں آ گیا۔ اس لیے یا اللہ ہمزہ قطعی کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ الہ تو ہر معبود کو کہتے ہیں۔ لیکن غالب استعمال معبود حقیقی کے لیے ہے۔ یہ قول اشتقاق کا ہے۔ اس میں پھر کئی رائیں ہیں۔

۱۔ الہ الہ الہ الوہۃ الوہیۃ سے مشتق ہو بمعنی عبد تالہ اور استعمالہ بھی اس سے ماخوذ ہے۔

۲۔ الہ بمعنی تحیر سے مشتق ہو۔

۳۔ الہت الی فلان بمعنی سکنت الیہ سے مشتق ہو۔

۴۔ الہ بمعنی فزع سے مشتق ہو۔ پناہ چاہنے والا گھبرا کر اس کی طرف آتا ہے اور وہ حقیقتہً یا اعتقاداً اس کو پناہ دیتا ہے۔

۵۔ الہ الفصل بمعنی اولع بامہ سے مشتق ہو۔

۶۔ ولہ بمعنی تحیر سے مشتق ہو۔ اللہ دراصل ولہ تھا واد پر کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے اس کو ہمزہ سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ پس اعضاء اور اشباح کی طرح الہ ہو گیا۔

لیکن اس قول کو اس لیے رد کر دیا گیا کہ اس کی جمع اولہۃ آتی چاہئے تھی۔ حالانکہ اس کی جمع الہۃ آتی ہے اور بعض نے اللہ کی اصل لاہ مانی ہے جو لاہ بلیہ کا مصدر ہے بمعنی اجتنب وارتفع۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ مشتق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسم ذاتی ہے۔ اسی لیے یہ موصوف بنتا ہے۔ مگر صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوتا۔ نیز اس لیے بھی کہ خدا کے لیے کوئی ایسا نام ضروری ہے جس پر صفات باری کا اجراء کیا جائے اور وہ بجز اللہ کے اور کوئی لفظ نہیں ہے۔ نیز اگر لفظ اللہ کو رحیم وغیرہ الفاظ کی طرح صفت مانا جائے تو پھر لا الہ الا الرحمن کی طرح لا الہ الا اللہ بھی کلمہ توحید نہیں رہے گا۔ حالانکہ بالاتفاق کلمہ توحید ہے۔ پس ان تینوں وجوہ سے ثابت ہوا کہ اللہ علم ذات ہے۔

تیسرا قول سب سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ اللہ اصل میں وصف کے لیے تھا۔ لیکن پھر خدا کے لیے خاص طور پر غلبہ استعمال ہو گیا اور الشریا اور الصعق کی طرح علم ہو گیا۔ اب اس کو موصوف بنایا جائے گا۔ مگر بطور صفت استعمال نہیں ہوگا اور نہ اس میں شرکت احتمال رہے گا۔ ورنہ محض اللہ کی ذات کا ادراک بغیر کسی حیثیت کے ناممکن ہے اس لیے کوئی لفظ بھی اس کی تعبیر نہیں کر سکتا۔ نیز لفظ اللہ محض ذات کے مقابلہ میں ہوگا۔ تو آیت وهو اللہ فی السموات کے کوئی صحیح معنی نہیں رہتے۔ امام محمدؑ امام شافعیؒ اور سیبویہ وغیرہ

لفظ اللہ کو علم مانتے ہیں۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اللہ اصل میں لاہوتا تھا سریانی زبان میں لیکن اخیر کا الف حذف کر کے اس پر لام داخل کر دیا گیا ہے۔ لفظ اللہ کے لام کو حذف کرنا محض جلی ہے۔ جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بغیر الف کے اللہ کہنے سے صریحی قسم بھی منعقد نہیں ہوگی۔ البتہ ضرورت شرعی وجہ سے الف کا حذف جائز ہے۔ جیسے الا لا بارک اللہ فی سہیل اذا ما اللہ بارک فی الرجال۔ رب العالمین۔ رب دراصل مصدر ہے بمعنی تربیت۔ امام راغب اس کے معنی لکھتے ہیں۔ تبلیغ الشیء الی کمالہ شیئاً فشیئاً اس کے بعد صوم اور عدل کی طرح بطور مبالغہ اللہ کی صفت ہو گئی اور کہتے ہیں کہ نم نیم نم کی طرح یہ رب رب سے ماخوذ ہے۔ بہرہ و صورت اس کا اطلاق مالک کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ملوک چیزوں کی حفاظت و تربیت کرتا ہے۔ مطلقاً رب اللہ کے لئے خاص ہے۔ دوسرے کے لئے استعمال جائز نہیں۔ لایہ کہ مقید کر کے استعمال کیا جائے۔ جیسے ارجع الی ربک فرمایا گیا ہے اور عالم، حاکم اور قالب کی طرح اسم آلہ ہے بمعنی ذریعہ علم ہے۔ پوری کائنات اللہ کے وجود کی علامت ہے اور اسی لفظ کا جمع لانا مختلف قسم کے عالم کا ارادہ کرنے کے لیے ہے۔ مثلاً: عالم انس، عالم جن، عالم ملائکہ وغیرہ اور ذوی العقول کی رعایت کرتے ہوئے یانوں کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔ دوسری صفات باری میں بھی اس کی رعایت کی گئی ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم کا اطلاق وصفی صرف انسانوں، فرشتوں، جنات کے لیے ہے۔ دوسری مخلوقات تابع کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں عالمین سے مراد صرف انسان ہیں۔ کیونکہ ہر فرد اس کا عالم صغیر ہے۔ جو عالم کبیر کا حصہ ہیں۔ انسان میں بھی عالم کبیر کی طرح صانع عالم کے کمالات معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں عالم صغیر اور عالم کبیر دونوں پر نظر کرنے کو براہر کہا گیا ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون ایک قرأت میں رب العلمین بطور مدح یا نداء کے منصوب پڑھایا گیا ہے۔ لفظ الحمد سے فعل مقدر مان کر بھی اس کا نائب ہو سکتا ہے۔ لفظ اللہ سے ممکنات کا حدوث کے وقت جس طرح محدث کی طرف محتاج ہونا معلوم ہوا۔ اسی طرح رب العالمین سے معلوم ہوا کہ عالم اپنے بقاء میں بھی متغی کا محتاج ہے۔

الرحمن الرحیم۔ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جو رحم سے ماخوذ ہیں۔ جیسے غضبان، غضب سے اور عظیم عالم سے مبالغہ کے آتے ہیں۔ رحمة دراصل کہتے ہیں۔ قلب کی رقت و میلان کو فضل و احسان کی جانب، عورت کا رحم بھی بچہ پر منعطف ہوتا ہے۔ صلہ رحمی اسی سے ماخوذ ہے۔ اسماء الہیہ بلحاظ آیت بولے جاتے ہیں جو افعال کا درجہ ہے بلحاظ مبادی استعمال نہیں ہوتے۔ کیونکہ مبادی انفعالات ہوتے ہیں۔ اور رحم میں چونکہ ایک حرف رحیم سے زیادہ ہے۔ اس لیے مبالغہ میں بھی زیادتی ہو جائے گی۔ جیسے قطع، قطع اور کبار، کبار میں وزن کی زیادتی سے معافی میں زیادتی ہو رہی ہے اور یہ زیادتی اگر بلحاظ کیت ہے تو یا رحمٰن الدنیا و الرحیم الاخرۃ کہا جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں تو اللہ کی رحمت مومن و کافر سب پر ہوتی ہے۔ لیکن آخرت کی نعمت مومنین کے ساتھ ہے۔ اور زیادتی بلحاظ کیفیت لی جائے تو کہا جائے گا۔ یا رحمٰن الدنیا و الاخرۃ و رحیم فی الدنیا۔ کیونکہ اخروی نعمتیں سب بڑی ہیں۔ لیکن دنیاوی نعمتیں بڑی بھی ہوتی ہیں اور چھوٹی بھی۔ البتہ رحمٰن کے لفظ پہلے اور رحیم کا لفظ بعد میں لایا گیا۔ اگرچہ ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کا قیاس یہ چاہتا ہے کہ ترتیب اس کے برعکس ہونی چاہئے تھی۔ یعنی الرحیم الرحمن۔ لیکن اول تو دنیا کی رحمت بہ نسبت آخرت کی رحمت کے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے لفظ رحمٰن پہلے لایا گیا اور رحیم بعد میں۔ دوسرے یہ کہ رحمٰن اللہ کیساتھ خاص ہونے کی وجہ سے گویا علیست کے درجہ پر آ گیا۔ یہ بات رحیم میں نہیں ہے۔ کیونکہ رحمٰن اس منعم حقیقی کو کہتے ہیں۔ جو رحمت کی انتہا پر پہنچا ہوا ہو۔ دوسرا کوئی اگر رحم دلی کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ خواہ صلہ اور بدلہ کی توقع ہو یا تعریف و ستائش کا لالچ اور بھی کچھ نہیں۔ تو انسانی دسوزی اول سے مال کی محبت دور کرنے کے لیے انسان رحم دلی کرتا ہے۔ لیکن اللہ کا رحم ان سب غرضوں سے پاک ہے۔ پس گویا ایک طرف لفظ اللہ علم خالص ہے۔ دوسری طرف رحیم

خالص صفت ہے۔ درمیان میں رحمن ہے جو بمنزلہ علمیت کے اور وصفیت کے ہے۔ دوسری دلیل اللہ کے معنی حقیقی ہونے کی یہ ہے کہ تمام نعمتیں اور ان کا وجود اور ان پر قدرت اور ان سے انتفاع کی قدرت اور وہ قوتیں جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں دوسرا کوئی ان پر قادر نہیں ہے۔ تیسرا نکتہ رحمن کے مقدم لانے کا یہ ہے کہ تمام بڑی نعمتیں اور ان کے اصول لفظ رحمن میں آگئے۔ اب جو کچھ نعمتیں چھوٹی موٹی رہ گئیں وہ بطور قمتہ لفظ رحیم میں آگئیں۔ پس گویا لفظ رحیم قمتہ اور ردیف ہے۔

اور چوتھا نکتہ تقدیم کا یہ ہے کہ یہ وہی آیت کی حفاظت کے لیے رحمن پہلے اور رحیم بعد میں لایا گیا ہے۔ لفظ رحمن میں غیر منصرف ہونا زیادہ واضح ہے۔ اگرچہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس کا مؤنث فعلی یا فاعلانہ کے وزن پر نہیں آتا۔ لیکن فاعلان کے وزن پر اکثر الفاظ غیر منصرف آتے ہیں۔

مالک یوم الدین۔ عاصم، کسائی، یعقوب نے مالک پڑھا ہے۔

۱۔ یوم لا تملک سے اس کی تائید ہوتی ہے اور باقی قراء نے ملک پڑھا ہے۔ حرمین کی قرأت کی وجہ سے یہ اور آیت لمن الملک سے اس کی تائید ہے۔ نیز اس لفظ میں زیادہ تعظیم ہے۔

۲۔ مالک ملک سے ماخوذ ہے جو اپنی ملکات میں جو چاہے تعریف اور ملک ملک سے ماخوذ ہے۔ جو حکومت کرنے میں پورے طور پر با اختیار ہوں دو قراتوں کی طرح اس میں اور قراءتیں بھی ہیں۔

۳۔ ملک تخفیف کے ساتھ۔

۴۔ ملک ماضی کے ساتھ۔

۵۔ مالکا مدح یا حال کے طریقہ پر منصوب ہو۔

۶۔ مالک رفع اور تنوین کے ساتھ۔

۷۔ مالک یوم اضافت کے ساتھ مبتداء مجزوف کی خبر۔

۸۔ ملک یوم اضافت کے ساتھ رفع اور نصب کی صورت میں یوم الدین کے معنی روز جزاء کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کما تدين تدان۔ حمارہ کا یہ شعر بھی اسی معنی پر ہے۔

ولم یبق سوى العدوان۔ دناہی ہم کما دانوا۔

مالک یوم میں اسم فاعل کی اضافت ظرف توسعا ہو رہی ہے۔ مفعول بہ کے درجہ میں قرار دیتے ہوئے جیسے یا سارق اللیلۃ اهل الدار اور معنی یہ ہوں گے۔ ملک الامور یوم الدین اس صورت میں اضافت لفظیہ ہوگی۔ لیکن اگر معنی یہ ہوئی کہ الملک فی هذا اليوم علی وجه الاستمرار تو پھر اضافت حقیقیہ کہلائے گی اور اللہ معرفۃ کی صفت ہو جائے گی۔ دین کے معنی شریعت اور طاعت کے بھی ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے۔ یوم جزاء الدین اور مالک کی اضافت خاص یوم کی طرف اس کی تعظیم کی پیش نظر کی گئی ہے اور یا اس لیے کہ اس دن صرف اللہ ہی کی حاکمیت رہ جائے گی۔ ان آیات میں اللہ کی چار صفات کا ذکر ہے۔ پہلی صفت رب العالمین ہے۔ جس میں یہ بتانا ہے کہ اللہ کی تعریف کا سبب اس کی ایجاد و تربیت ہے اور دوسری تیسری صفت رحمن و رحیم میں یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ یہ ایجاد و تربیت محض اس کے فضل و اختیار کی وجہ سے ہے۔ اس سے انکا صدور نہ تو بقول فلاسفہ ایجاب بالذات کی وجہ سے ہے اور نہ بقول معتزلہ اللہ پر ایسا کرنا واجب تھا۔

اور چوتھی صفت مالک یوم الدین میں یہ واضح کرنا ہے کہ اس دن اللہ ہی کی سلطنت اور مالکیت کا ظہور ہوگا۔ کسی کی اس میں شرکت نہیں رہ جائے گی۔ اور اس صفت میں حاسدین کے لیے وعدہ اور تارکین کے لیے وعید بھی ہے۔ غرض جہاں ان صفات کے

لانے میں یہ تاثیر دیتا ہے کہ جس ذات میں یہ چاروں خوبیاں ہوں وہ مستحق حمد ہے اور مفہوم مخالف یہ بھی نکلتا ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ مستحق عبادت تو کیا مستحق حمد بھی نہیں ہے۔

ایات نعبد و ایاک نستعین۔ اب تک اللہ کا ذکر بصریہ غائب ہو رہا تھا۔ لیکن جب ان چاروں صفات سے اللہ کا اختیار نام اور کامل استحضار ہو گیا تو ایات میں خطاب کی طرف التفات ہو گیا۔ جس سے زیادہ اختصاص ہو گیا اور برہان سے عیان کی طرف اور غیبت سے مشہود کی جانب ترقی ہو گئی۔ اب گویا معلوم محسوس اور معقول مشاہدہ ہو گیا اور غیبت حضور میں تبدیل ہو گئی۔ ان آیات میں پہلے تو عارف کے ابتدائی حالات ذکر فکر و تامل اسماء اللہ کی نعمتوں میں نظر اور صانع کی عظمت شان اور قہر و غلبہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے بعد معنی امر کا بیان ہے یعنی وصول الی اللہ حاصل ہو جانا اور عارف کا صاحب مشاہدہ ہو جانا۔ گویا کہ تجلیات ربانی اس کے سامنے ہیں۔ لفظ ایما ضمیر متفصل ہے جس میں یائے کاف، ہا حروف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ تکلم خطاب اور غیبت کے مواقع پر اور جیسے انت کی تا اور اربعہ کا کاف محل اعراب میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ حروف زوائد بھی محل اعراب میں نہیں ہوتے۔ لیکن ظلیل نحوی کی رائے ہے کہ لفظ ایما ان حروف زائد کی طرف مضاف ہے اور استدلال میں عرب کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں۔ اذا بلغ الرجل سنین فایاہ وایا الثواب۔ لیکن جواب دیا جائے گا کہ یہ شاذ ہے لائق استدلال نہیں ہے۔

تیسرا قول کو فیوں کا ہے کہ اصل ضائر ہوتی ہیں اور ایما ان کے لیے سہارا ہوتا ہے۔ کیونکہ ضائر کو عامل سے الگ کرنے کے بعد بولا نہیں جاسکتا۔ اس لیے لفظ ایما بڑھادیے ہیں تاکہ ضائر اس کی وجہ سے مستقل ہو جائیں۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ لفظ ایما ک پورا ضمیر ہے اور ایما ک، معیاک بھی پڑھا گیا ہے۔ عبادت کے معنی انتہائی پستی اور ذلت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے طریق معبد پامال راستہ ثوب ذو عبادۃ مستعمل اور خستہ کپڑا۔ اسی لیے عبادت کا لفظ اللہ کے لیے انتہائی خضوع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور استعانت کے معنی مددگار طلب کرنے کے ہیں۔ خواہ ضروری مدد ہو یا غیر ضروری۔ معونت ضروری کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بغیر فعل مرز نہیں ہوتا۔ ان شرائط ضروری کے فراہم ہونے پر صاحب استطاعت کہا جائے گا۔ اور اس کے بعد انسان افعال کا مکلف ہو جاتا ہے اور مونت غیر ضروری اس کو کہتے ہیں جس سے فعل کا حصول سہل اور آسان ہو جائے۔ جیسے پیدل چلنے پر قدرت رکھنے والے کے لیے سواری کی فراہمی یا فاعل کو فعل سے قریب کر دینے والی ہوا اور باعث فعل ہونے جس کو قدرت میسر نہ کہنا چاہئے۔ اس پر تکلیف شرعیہ متوقف نہیں ہوتی۔ یہاں آیت میں ہر قسم کی معونت مطلوب ہو رہی ہے یا ادائیگی عبادات میں اعانت مطلوب ہے۔ اور نعبد اور نستعین کی ضمیر جمع میں قاری اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ خواہ وہ محافظ فرشتے ہوں یا دوسرے نمازی۔ اس میں اجتماعی عبادت اور نماز یا جماعت کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور آیت میں مفعول کا مقدم ہونا تعظیم و اہتمام کے لیے ہے اور خسر کے لیے مفید ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اس کے معنی نعبد ولا نعبد غیر کہ لیتے ہیں۔

اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ وجود میں مقدم ہے۔ اسی کو ذکر میں مقدم کہا گیا ہے۔ اور چوتھا نکتہ یہ ہے کہ عابد کی نظر پہلے معبود پر ہونی چاہئے۔ پھر عبادت کی طرف جانی چاہئے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ یہ عبادت مجھ سے سرزد ہو رہی ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ عبادت کی نسبت اللہ کی طرف ہو رہی ہے اور یہ بندہ اور اللہ کے درمیان ایک علاقہ اور واسطہ کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ بندہ جب ہمہ تن اللہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اسے معبود کے سوا اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا ہے تب اسے وصول میسر آتا ہے۔

یہی فرق مراتب ہے جو حضرت موسیٰ کے مقولہ ان معی ربی سیہدین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا تعجزن ان اللہ معنا میں ہے۔ پہلے اول خود پر اور پھر اللہ پر نظر گئی ہے۔ لیکن دوسرے مقولہ میں اس کے برعکس اول اللہ پر پھر خود پر نظر گئی ہے۔ پہلی سیرالی اللہ اور دوسری سیر من اللہ کہلاتی ہے اور ایما ک کا تکرار اس طرف مشیر ہے۔ کہ صرف اللہ ہی مستعان ہے اور نعبد کو نستعین سے پہلے لانا یا روس آیات کی حفاظت کے لئے ہے اور یا اس لئے کہ حاجت طلب کرنے سے پہلے عبادت کو وسیلہ بنانا اجابت دعا کے لئے زیادہ مفید

ہے یا یوں کہا جائے کہ بندہ نے جب عبادت کی نسبت اپنی طرف کی تو اس میں ایک طرح کا ادعا پایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ عبادت بھی بغیر آپ کی توفیق و اعانت کے انجام پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور بعض نے اس کو وادحا لہ کہا ہے۔ ای نعبثہ مستعینین بک ایک قراءۃ میں دونوں الفاظ میں نون مکسور ہے۔ بتوہیم کے لغت میں یا کے علاوہ مضارع کی علامات میں کسرہ آتا ہے۔ بشرطیکہ مابعد منضم نہ ہو۔

اهدنا الصراط المستقیم یہ معونت مطلوبہ کا بیان ہے۔ گویا نستعین کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کیف اعینکم؟ اس سلسلہ میں بندوں کی درخواست کا بیان ہے کہ سیدھے راستہ کی طرف ہماری رہنمائی فرمادیجئے۔ یا یوں کہا جائے کہ اهدنا نہیں مقصود اعظم کو الگ بیان کرنا ہے۔

ہدایت کہتے ہیں لطف کے ساتھ رہنمائی کرنے کو اسی لئے ہدایت کا استعمال خیر کے مواقع پر ہوتا ہے۔ لیکن آیت فاهدوہم الی صراط الجحیم میں ہدایت بطور جہنم کے ہے۔ ہدیہ بھی اس لئے لیا گیا۔ اس میں محبت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اور ”ہوادی الوحش“ بھی اسی سے ہے۔ اس کا تعدیہ لام اور الی کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہاں اهدنا بغیر لام اور بغیر الی کے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اختار موسیٰ قومہ میں اختار بغیر من کے استعمال ہوا ہے تو ہدایت کی انواع بے شمار ہیں۔ لیکن اس کی جنسیں چار ہیں علی الترتیب۔

(۱) ان تو اے ظاہرہ باطنہ کا عطا ہونا جن سے مصالح کی طرف رہنمائی مل سکے۔ جیسے قوت عقلیہ اور حواس باطنہ اور اعضاء ظاہرہ۔
(۲) حق و باطل، صلاح و فساد کے درمیان فرق کرنے والے دلائل کا قائم کرنا۔ چنانچہ آیات و ہدیناہ النجدین اور فہدیناہم فاستحبوا العفی علی الہدیٰ میں اسی جنس ہدایت کا بیان ہے۔

(۳) انبیاء و رسل کو بھیجنا، کتب الہیہ نازل ہونا آیت و جعلنا ہم ائمة یہدوون بامرنا اور ان هذا القرآن یہدی للتی ہی اقوم میں اسی کا بیان ہے۔

(۴) قلوب کے لئے کشف سرائر ہو جائے اور وحی، الہام، سچے خوابوں کے ذریعہ اشیاء کا اور اک کما ہی ہو جائے۔
ہدایت کی یہ قسم انبیاء، اولیاء کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ آیت اولئب الذین ہدی اللہ فبہداهم اقتدہو الذین جاهدوا فینا لنہدینہم سبلنا میں اسی کا ذکر ہے۔ لہذا دعائے ہدایت کا منشاء یا تو موجودہ ہدایت میں ثبات و زیادت ہوگی۔ یا ان مراتب عالیہ کا حصول ہوگا۔ چنانچہ عارف واصل جب یہ دعا کرے گا تو مقصد یہ ہوگا کہ سیر فی اللہ میں رہنمائی فرمائیے۔ تاکہ ظلمات احوال محو ہو جائیں اور حجابات بدن اٹھ جائیں تو انوار قدس سے منور ہو کر نور الہی جلوہ گر ہو جائے۔ امر اور دعاء لفظاً و معنی متشاکر ہیں۔ مگر اس لحاظ سے متفاوت بھی ہیں کہ امر میں استعلاء ہوتا ہے۔ اور دعاء میں تسفل یا واقعی دونوں میں رتبہ کا فرق ہوتا ہے۔

الصراط یہ سراط الطعام سے ماخوذ ہے۔ یعنی کھانا نگل لیا۔ ایسے ہی راستہ کو سراط کہتے ہیں۔ گویا وہ راگیر کو نگل جاتا ہے۔ اسی لئے لقمہ بھی راستہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ السراط کا سین صا سے بھی تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ اور صا کو ذاء کی آواز میں اشام کر کے بھی پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ بروایت قبل اور رولسؒ بروایت یعقوبؒ اصل کے ساتھ اور ہمزہ اشام کے ساتھ اور باقی قراء صا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ قریش کا لغت یہی ہے اور مصحف عثمانیؒ میں بھی یہی لکھا ہے۔ سراط کی جمع سراط ہے جیسے کتاب کی جمع کتب ہے اور سراط اور طریق دونوں مذکر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔

المستقیم بمعنی مستوی طریق حق مراد ہے اور بعض نے ملت اسلامیہ مراد لی ہے۔

صراط الذین انعمت علیہم یہ بدل الکل ہے۔ الصراط المستقیم سے جو نکرار عامل کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ مقصود دراصل بدل ہی ہوتا ہے اور بدل کا فائدہ تاکید ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کا راستہ ہی استقامت کی راہ ہے اور بعض نے کہا

ہے کہ الذین انعمت علیہم سے مراد انبیاء ہیں اور بعض نے اصحاب موسیٰ و عیسیٰ مراد لئے ہیں جب تک وہ صحیح راہ پر رہے۔ ایک قراءت میں صراط من انعمت علیہم ہے۔ انعام کے معنی نعمت پہنچانے کے ہیں۔ دراصل انعام اچھی حالت کو کہتے ہیں۔ پھر لذت نعمت پر بھی بولنے لگے۔ یوں تو انعامات الہی بے شمار ہیں۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوها تاہم انعام کی دو جنسیں ہیں۔ دنیوی، اخروی۔ دنیوی کی دو قسمیں ہیں وہی اور کسی۔ پھر وہی کی دو قسمیں ہیں روحانی جیسے روح کا بدن میں سرایت کرنا۔ عقل و فہم، فکر و نطق سے اس کو روشن کر دینا اور جسمانی جیسے بدن کا پیدا کرنا اور اس میں مختلف قوتیں و دیعت کر دینا اور عارضی کیفیات تندرستی اور کمال اعضاء کا دیا جانا۔ اسی طرح کسی نعمت جیسے نفس کا تزکیہ و رذائل سے اخلاق فاضلہ اور ملکات باطنہ سے آراستہ پیراستہ کر دینا۔ اور بدن کی آراستگی، بہترین ہیئت اور نفیس لباس سے اور جاہ و مال کا حاصل ہونا۔ اور اخروی نعمتیں کوتاہیوں کی بخشش اللہ کی خوشنودی، ملائکہ مقررین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہمیشہ کے لئے ہمیشینی میسر آنا۔ آیت میں اخروی نعمتیں مراد ہیں۔ کیونکہ دنیوی نعمتوں میں تو مؤمن و کافر سب شریک ہیں۔

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین یہ الذین سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منعم علیہم وہ لوگ ہیں جو غضب الہی اور گمراہی سے محفوظ رہے ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو الذین کی صفت مانا جائے۔ خواہ صفت بیانیہ ہو یا مقیدہ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ حضرات دو نعمتوں کے جامع ہیں۔ ایک نعمت ایمان، دوسرے غضب و ضلال سے سلامتی کی نعمت۔ ممکن ہے غیر کو الذین کی صفت بنانے پر کوئی یہ شبہ کرے کہ غیر میں انتہائی ابہام ہونے کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح غیر مبہم ہے۔ اسی طرح الذین بھی جب کہ معین افراد مراد نہ ہوں مبہم ہے۔ پس صفت موصوف دونوں میں یکسانیت ہوگئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ غیر چونکہ ایسی چیز کی طرف مضاف ہو رہا ہے جس کی طرف ایک ضد ہے۔ اس لئے غیر مبہم نہیں رہا بلکہ معرفہ ہو گیا۔ حاصل یہ کہ صفت موصوف میں یکسانیت ہے اس لئے صفت بنانا صحیح ہو گیا۔ ابن کثیر غیر کو حال کی وجہ سے منصوب پڑھتے ہیں۔

علیہم کی ضمیر مجرور ذوالحال ہے اور انعمت عامل ہے یا اعنی، مضمّر مان کر منصوب مانا جائے یا استثناء کی وجہ سے منصوب مانا جائے۔ بشرطیکہ نعمتوں سے عام نعمتیں مراد ہوں۔ جو مسلم و کافر دونوں کو شامل ہوں۔

الغضب غضب کہتے ہیں انتقام کے ارادہ سے نفس کا بھڑک جانا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے منطقی اور غایت مراد ہوگی۔ پہلا علیہم تو محل نصب میں ہے۔ لیکن دوسرا علیہم نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو جائے گا۔

لا زائد ہے غیر کے معنی نفی کی تاکید کے لئے گویا عبادت اس طرح ہوگی۔ لا المغضوب علیہم ولا الضالین یہی وجہ ہے کہ انسا زید اغیر ضارب کہنا جائز ہے۔ کیونکہ غیر ضارب انا کی خبر ہے۔ اور زید مفعول مقدم ہے ضارب کا۔ اور غیر لا کے معنی میں ہے گویا اضافت نہیں ہے۔ لیکن انسا زید ا مثل ضارب کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مثل مضاف ہے ضارب کی طرف۔ پس مضاف الیہ ضارب کے معمول زید کا مقدم کرنا لازم آئے گا۔ مضاف یعنی غیر پر جو صحیح نہیں ہے۔ ایک قراءت غیر الضالین بھی ہے۔ الضلال ضلال کہتے ہیں دانستہ نادانستہ صحیح راستہ چھوڑ دینے کو گمراہی کے بے شمار درجے ہیں اعلیٰ، اوائی۔ مغضوب علیہم کا بعض حضرات کے نزدیک یہود ہیں اور ضالین کا مصداق نصاریٰ ہیں۔ حدیث میں بھی یہی تفسیر آئی ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ عام رکھا جائے۔ مغضوب علیہ سے سرکش، نافرمان مراد ہوں۔ خواہ یہود ہوں یا دوسرے۔ اور ضالین سے مراد اللہ کے مرتبہ سے ناواقف، غلط کار، خواہ نصاریٰ ہوں یا دوسرے۔ بہر حال پہلا درجہ بڑھا ہوا ہے بہ نسبت دوسرے درجہ کے۔ کیونکہ منعم علیہم میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ ایک اللہ کی معرفت، دوسرے عمل خیر۔

بد عمل شخص مفضوب علیہ ہوگا۔ اور علم سے کوراگرا کہلائے گا۔ ایک قراءت ولا الضالین ہمزہ کے ساتھ بھی ہے۔ ان لوگوں کی لغت پر جو اتقاء سائنین سے بچتے ہیں۔

امین اسم فعل ہے بمعنی اسعجب این کی طرح مبنی علی الفتح ہے۔ اتقاء سائنین سے بچنے کے لئے الف ممدودہ کے ساتھ اور الف مقصورہ کے ساتھ دونوں طرح استعمال ہے۔ پہلے کی مثال ویرحم اللہ عبدنا قال امینا اور دوسرے کی مثال جیسے امین فزاد اللہ ما بیننا بعدا ابن عباسؓ نے حضورؐ سے اس کے معنی دریافت کئے فرمایا۔ افعّل۔ امین بالاتفاق قرآن میں داخل نہیں ہے۔ مگر سورت کے خاتمہ پر اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے علمنی جبریل امین عند فراغی من قراءۃ الفاتحۃ اور فرمایا کہ انہ کا الختم علی الكتاب حضرت علیؓ کا ارشاد ہے امین خاتم رب العالمین ختم بہ دعا عبدہ شوافع وائل بن حجرؒ کی روایت کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرء ولا الضالین قال امین ورفع بها صوته کی رو سے آمین بالجمر کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ ابن مفضل اور انس کی روایتوں کی وجہ سے آمین بالسر کے قائل ہیں۔ آیت اذعوا ربکم تضرعا وخفیۃ بھی حنفیہ کی مؤید ہے اور حدیث اذ قال الامام ولا الضالین فقولوا امین فان الملائکۃ تقول امین فمن وافق تاملینہ تاملین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ سے بھی آمین بالسر کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر جبری آمین ہوتی تو آپ یہ فرماتے اذ قال الامام امین قولوا امین۔

نیز روایات سے ثابت ہے کہ ثناء، تعوذ، تسمیہ، تائین سب میں انشاء کیا جاتا تھا۔ اور حدیث وائل کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ حضورؐ نے تعلیم کے لئے زور سے آمین کہی ہوگی۔ یا ممکن ہے ابتداء میں جبری آمین کہی ہو لیکن بعد میں نماز کے سلسلہ میں جہاں بہت سی اصلاحات ہوئیں انہی میں جبری آمین بھی ہو۔ اور یہ اختلاف جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے۔ لہذا آمین بالجمر اور آمین بالسر کو بہانہ بنا کر معرکہ آرائی کرنا تفرقہ بازی کہلائے گا۔

رابط آیات و شان نزول: قرآن کریم کی صرف ترتیب تدوینی ہی کے لحاظ سے یہ سورت پہلے نہیں ہے۔ بلکہ نزول کے لحاظ سے بھی سب سے اول۔ اسی لئے اس کا نام فاتحہ الکتاب ہے۔ گویا قرآن کا سرنامہ، دیباچہ اور عنوان ہے۔ معتبر روایات سے واضح ہے۔ سب سے پہلی مکمل سورت جو آنحضرتؐ پر نازل ہوئی وہ یہی سورت ہے۔ اس سے پہلے متفرق آیات نازل ہوئیں۔ سورہ علق، سورہ مزمل، سورہ مدثر وغیرہ میں۔ لیکن بحیثیت سورت اولیت کا شرف اسی کو حاصل ہے۔ ممکن ہے بعد میں مدینہ میں بھی اس کی تجدید کردی گئی ہو۔ اس لئے اس کو مثنائی کہا گیا۔ یا نماز میں ہر رکعت میں پڑھنے کی وجہ سے مثنائی کہا گیا ہو۔ اب وہ پڑھنا چاہئے ہیچہ ہو یا حکما ہو۔

﴿تشریح﴾: الحمد للہ سورہ فاتحہ دراصل ایک دعاء ہے۔ دعا کا ادب یہ ہے کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو پہلے اس کی تعریف، خوبی اور احسانات بیان کر کے اس کے مرتبہ کا اعتراف کرو اور پھر اس سے مانگو۔ یہ کوئی تہذیب کی بات نہیں کہ منہ کھولتے ہیں جھٹ اپنا مطلب پیش کر دو۔ شائستگی یہی ہے کہ اول اس کی حمد و ثنا کرو۔ جس کے آگے دست سوال دراز کر رہے ہو کہ وہ مائل بہ کرم پوری طرح متوجہ ہو جائے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت: معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ جہاں تک صرف متفرق آیات کا تعلق ہے جیسے سورہ علق، سورہ مزمل، سورہ مدثر وہ اگرچہ اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ لیکن بحیثیت مکمل سورت کے یہی پہلی سورت ہے۔ ذرا صل کسی کی تعریف مختلف وجوہ سے

کی جاتی ہے۔ کبھی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ہم پر اس کے فعا کمل کا کیا اثر ہے۔ بجائے خود محض اس کی حسن و خوبی و کمالات کی بناء پر تعریف کی جاتی ہے اور کبھی اس لئے تعریف کی جاتی ہے کہ وہ ہمارا محسن ہے۔ اس کے احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم اعترافِ نعمت کے طور پر اس کی خوبی بیان کریں۔ انسان کی قدر شناسی اور احسانِ مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان دونوں حیثیتوں سے اللہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو اور صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کے لئے تعریف ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر نعمت کا عطا کرنے والا وہی ہے۔ خواہ براہِ راست عطا فرمائے یا بواسطہ۔ اس لئے عمدہ اور اول سے آخر تک سب تعریفیں جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی۔ وہ اللہ ہی کے لئے ہیں۔

تعریف کا مستحق خالقِ کمال ہے نہ کہ صاحبِ کمال: یہ کہہ کر ایک بڑی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ یعنی دنیا میں جہاں جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن، کوئی خوبی، کوئی کمال ہے تو اس کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ کسی مخلوق کا کمال ہی ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ پس اگر کوئی ذات اس کی مستحق ہے کہ ہم اس کے گرویدہ، پرستار، احسان مند اور شکر گزار اور خدمت گار بنیں تو وہ خالقِ کمال کی ہستی ہے نہ کہ صاحبِ کمال شخصیت۔ رب کے معنی مالک و آقا، مربی اور حاکم کے ہیں۔ اللہ تینوں معانی کے لحاظ سے رب ہے۔ اور عالم کے معنی مجموعہ مخلوقات کے ہیں۔ لیکن ہر جنس کو مستقلاً شامل کرنے کے لئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ رحمن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن اللہ کی رحمت و مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لئے مزید رحیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یوم الدین اس دن کو خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس میں بڑے بڑے واقعات پیش آئیں گے۔ ایسا خوفناک دن نہ کبھی پہلے ہوا، نہ ہوگا۔ دوسرے اس روز اللہ کی حکومت کے سوا کسی اور کی ظاہری سلطنت بھی نہ ہوگی یعنی اللہ اس دن کا مالک ہوگا۔ جب کہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامہ زندگی کا حساب کیا جائے گا۔ اور انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔ رحمن و رحیم کے بعد مالک یوم الدین کہنے سے یہ بات نکلے گی کہ اللہ بڑا مہربان ہی نہیں بلکہ منصف بھی ہے۔ اور منصف بھی ایسا با اختیار کہ پورے اقتدار کا مالک ہوگا۔ نہ اس کی جزاء میں کوئی مانع ہوگا اور نہ سزا میں کوئی مہمراہ ہو سکے گا۔ لہذا اللہ محض اپنی ربوبیت و رحمت کی بناء پر بھی لائقِ محبت نہیں۔ بلکہ اس کے اصناف سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ ”فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں“۔

عبادت و استعانت کا نقطہ اتصال: ایسا کثرتِ عبادت کا لفظ تین معنی میں آتا ہے (۱) پرستش اور پوجا (۲) طاعت و فرمانبرداری (۳) غلامی۔ یہاں تینوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اے اللہ! ہم آپ کے پرستار بھی ہیں اور غلام و فرمانبردار بھی ہیں اور فی الحقیقت یہ خصوصی تعلق تیرے ہی ساتھ ہے۔ کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے۔ ایسا کثرتِ استعین اور یہ خصوصی تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ استعانت کا بھی ہے۔ کیونکہ ساری کائنات کا رب تو وہی ہے اور ساری طاقتوں کا سرچشمہ تیرے ہی ہاتھ ہے اور ساری نعمتوں کا تو اکیلا ہی مالک ہے۔ اس لئے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیرا ہی رخ کرتے ہیں۔ تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے۔ اور اس لئے ہم یہ درخواست لے کر حاضر بارگاہ ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگی بالکل ناجائز ہے یا کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی سمجھ کر ظاہری استعانت کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ اللہ ہی سے استعانت ہے۔ مقبول بندہ تو محض وسیلہ ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم سیدھی راہ دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خیال، عمل، برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتلا جو بالکل صحیح ہو۔ جس میں نہ غلط بینی کا خطرہ ہے اور نہ غلط کاری اور بد انجامی راہ

ہے۔ بلکہ وہ راستہ نجات و فلاح کا ضامن ہو۔ اے اللہ! آپ ہماری راہنمائی فرمائیں کہ خیالات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ہم حقیقت کی شاہراہ پر آجائیں اور زندگی کی بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان ہمیں سیدھی اور صاف شاہراہ دکھلا۔

انعام حقیقی مطلوب ہے ظاہری انعام صورتہ مہر اور باطناً قہر ہوتا ہے:..... صراط الدین النعمت علیہم جس سیدھی راہ کی درخواست پیش کی جا رہی ہے وہ ان لوگوں کا راستہ ہے جس پر آپ کے پسندیدہ اور برگزیدہ لوگ چل کر منزل مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک جو لوگ اس بے خطا راستہ پر چلے ہیں۔ وہی اس کے انعامات سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ ان انعامات سے نوازے گئے لوگوں سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بظاہر عارضی طور پر دنیوی نعمتوں سے ہمکنار ہوتے ہیں اور فی الحقیقت اللہ کے غیظ و غضب کے مستحق ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنی سعادت و فلاح کی راہ گم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بس سلیبی پہلو سے یہ بات بخوبی کھل جاتی ہے کہ انعامات سے ہماری مراد حقیقی اور پائیدار انعامات ہیں جو راست روی اور خدا کی خوشنودی کے صلہ میں ملا کرتے ہیں۔ جن کا مصداق انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے چار گروہ ہیں۔ وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو بطور استدراج پہلے بھی فرعونوں اور نمرودوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں کو مل رہے ہیں۔ وہ مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا ظاہر آرام ہے اور باطن آلام۔

غوایت و ضلالت کا فرق:..... آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ سیدھی راہ سے محرومی دو طرح سے ہوا کرتی ہے۔ جان بوجھ کر غلط راہ اختیار کرنا یا بے خبری میں گمراہ ہو جانا۔ اگلا پچھلا کوئی گمراہ فرقہ ان دو قسموں سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یہود پہلی قسم میں اور نصاریٰ دوسری قسم میں ممتاز رہے ہیں۔ اس سورت کے نصف اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور نصف آخر میں بندوں کی طرف سے دعا اور استدعا ہے۔ اس سورت کے آخر پر آمین کہنا مستحسن ہے۔ اگرچہ یہ لفظ قرآن سے خارج ہے۔ اور نماز میں مقتدیوں کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کی بحث مفسرین نے اس سورت کے ذیل میں بیان نہیں کی۔ بلکہ آیات و اذا قرء القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا اور فاقروا واما تیسر من القرآن کے تحت میں بقدر ضرورت یہ بحث گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام:..... سورۃ فاتحہ کو قرآن پاک کا عنوان سرنامہ اور دیباچہ سمجھنا چاہیے۔ سورۃ فاتحہ کا مضمون دعائیہ ہے بالکل شروع میں اس کے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے خداوند عالم سے رہنمائی کی درخواست کرو۔ جب ہی اس کتاب ہدایت کی راہیں تم پر کھلیں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں جس بات کی طلب و خواہش ہوتی ہے۔ وہ اس کی آرزو اور دعا کرتا ہے۔ اور ایسی ذات سے کرتا ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ مدعا اسی کے قبضہ قدرت اور اختیار میں ہے۔ لہذا کتاب ہدایت کی ابتداء میں اس دعا کی تعلیم دے کر گویا انسان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اسی نیت اور ارادہ سے قرآن کریم کا مطالعہ اور تلاوت کرے۔ کیونکہ صاحب کلام ہی اس پر اپنی مرادات واضح کر سکتا ہے۔ پس گویا سورۃ فاتحہ بندہ کی طرف سے دعا ہے اور بقیہ قرآن اس دعا کا جواب ہے۔ بندہ پروردگار عالم سے دعا کرتا ہے کہ میری رہنمائی فرما۔ حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی صورت میں اس کی دعا کی قبولیت نمایاں ہوتی ہے۔ سورۃ فاتحہ کی جامعیت اور ایجاز پر نظر ڈالی جائے تو نظر آئے گا کہ جس طرح پورے درخت کا وجود اجالی بیج میں ہوتا ہے۔ اس کے پھل پھول، پتے، شاخیں، تنہ، ڈالیں سب بیج میں مندرج ہوتی ہیں۔ اسی طرح پورے قرآن کریم کے مضامین کا نیز سورۃ فاتحہ میں مضمر ہے الحمد للہ رب العالمین میں ذات و صفات کی طرف اشارہ ہے۔ جو مبداء عالم ہونے کے ساتھ بنیاد ہے تمام عقائد اور علم کلام کی جس میں آلاء اللہ اور انعامات الہی آجاتے ہیں۔ اور مالک یوم الدین سے مابعد الطبیعات اور منطقی عالم، برزخ و قیامت کی طرف

اشارہ ہے اور ایسا کہ نعبہ میں عبادت و بندگی کے نظام کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں علم الاحکام اور فقہ آجاتا ہے اور ایسا کہ نستعین میں سلوک و احسان کی بنیاد فراہم ہو جاتی ہے۔ اس طرح عقائد و فقہ و سلوک کے مجموعہ سے شاہراہ ہدایت تیار ہوتی ہے۔ جس پر چل کر اور جس سے کٹ کر اربوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پس صراط الہدین میں ایام اللہ اور اچھی بری کچھلی تاریخ نکل آئی۔ جس کی تفصیل قرآن کے تہائی حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور قرآن کریم کا تمام تر بنیادی اور مرکزی نقطہ عابد و معبود کا صحیح ربط تعلق ہے۔ یعنی بندہ کی طرف سے بندگی اور نیاز مندی اور معبود کی طرف سے اس کی پوری پوری اعانت و تائید ہے۔ اور یہ مڑ ہون منت ہے اللہ کی شان ربوبیت کی۔ اور ربوبیت پر ابھارنے والی رحمت کی صفت میں۔ پس سارے مضامین قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں آگیا۔ اور سورۃ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ میں آگیا اور بسم اللہ کا اصل نچوڑ اس کی ب میں ہے۔ جو استعانت کے لئے آتی ہے اور حروف متشکلہ میں ب کا امتیاز اس کے نقطہ میں مرکوز ہے۔ اس طرح گویا سارا کلام الہی ایک نقطہ کی ڈبیہ میں بند ہے۔

فضائل سورۃ فاتحہ: عن ابی ہریرۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی الاخبرک بسورۃ لم تنزل فی التورۃ والانجیل والقرآن مثلها قلت بلی یا رسول اللہ قال فاتحۃ الكتاب انھا السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ حضرت ابو ہریرۃ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ سے ارشاد فرمایا۔ کہ میں ایسی سورت نہ بتلا دوں جو نہ پہلے تورات و انجیل میں اتری اور نہ قرآن میں۔ عرض کیا ضرور فرمائیے۔ ارشاد ہوا کہ سورۃ فاتحہ جو سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے مجھے عطا ہوئی ہے۔ عن ابن عباس قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتاہ ملک فقال ابشر بنورین اوتیتہما لم یوتہما نبی قبلك فاتحۃ الكتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ لن تقرأ بحرف منهما الا اعطیتہ ثوابا۔ ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ کہ فرشتہ نے آ کر بشارت دی کہ آپ کو دو نور عطا فرمائے گئے ہیں۔ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات جو حرف آپ ان میں سے پڑھیں گے اس کا ثواب ملے گا۔

عن حذیفۃ بن الیمان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال القوم یبعث اللہ علیہم العذاب حتما مقضیا فیقرء صبی من صبیانہم فی الكتاب الحمد للہ رب العالمین فیسمع اللہ فیرفع عنہم بذلك العذاب اربعین سنۃ۔ ترجمہ: حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے۔ مگر اس قوم کا کوئی بچہ الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہے۔ اللہ اس کو سن کر ان سے چالیس سال کے لئے عذاب موقوف فرمادیتا ہے۔

لطائف سلوک: ساکین کا مقام ایسا کہ نعبہ پر تمام ہو جاتا ہے اس کے بعد ایسا کہ نستعین سے وہ مقام تمکین کا طالب ہوتا ہے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ سالک کا نفس و قلب جب پہلے اللہ کی حمد و ثناء سے منور ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس میں انوار عنایت درخشاں ہو جاتے ہیں۔ جن سے مقام ولایت حاصل ہوتا ہے۔ پس اس سے نفس مرکب کا مقصود ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اوپر انعامات الہیہ کے آثار کو کامل اور اس کے الطاف کو لا متناہی دیکھتا ہے۔ اور وہ اس پر حمد الہی اور ذکر باری کرتا ہے۔ جس سے رب العالمین کے ذریعہ تجاہات کبریائی مکشوف ہو جاتے ہیں اور وہ ماسوی اللہ کو فنا اور خود کو بقا میں مربی کا محتاج دیکھتا ہے۔ اس لئے وہ بے التفاتی کی وحشت اور اغیار کی طرف التفات کی ظلمت سے گلو خلاصی پانے کے لئے ترقی کرتا ہے تو اس پر رحمن کے الطاف کے جھونکے چلتے ہیں۔ جن سے وہ جمال الہی کی چھاؤں میں اور جلال خداوندی کی چمک دمک کی طرف آنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ایسا کہ نعبہ کہہ کر وہ مقام عبودیت میں پہنچ جاتا ہے جس میں مقام فنا کی طرف اشارہ ہے اور پھر ایسا کہ نستعین سے وہ مقام تمکین کا طلب گار ہوتا ہے اور

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم سے بھی گزشتہ سالکان تمکین کی طرف اشارہ ہے اور پھر غیر المفضوب علیہم ولا الضالین عرض کر کے اہل تکوین کے طریقوں سے پناہ مانگی گئی ہے اور اس طرح سالک عروج و نزول کی منزلیں طے کر لیتا ہے اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین کہا گیا ہے۔ نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صراط مستقیم اس وقت تک میسر نہیں آسکتی۔ جب تک کامیاب اہل طریق کی اتباع اور پیروی نہ کی جائے اور اسکے لئے صرف کتابیں اور اوراق کافی نہیں ہیں۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تشریحی صراط مستقیم مطلوب ہے جو منعم علیہم کے ساتھ خاص ہے۔ نگوینی مطلوب نہیں ہے کہ وہ صرف منعم علیہم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ساری مخلوق کو عام ہے (ماخوذ من مسائل السلوک حقق التھانوی)

الہی! تیرے کلام پاک کی ایک نہایت حقیر سی خدمت جو اس ذرہ خاک نے تیرے نام پاک سے ۱۳۸۱ھ میں شروع کی تھی۔ وہ محض آج تیرے فضل و کرم سے پوری ہو رہی ہے۔ جو تیری بارگاہ بے نیاز میں بصد عجز و نیاز پیش ہے۔ الہی! تفسیر بالرائے کے خوف سے اس ظلم و جہول نے کچھ بھی اپنی طرف سے لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ نقول و اقوال کے انتخاب یا ان کے سمجھنے میں بلاشبہ رائے کا دخل رہا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کتنی خطائیں اس پر تقصیر سے شعوری، غیر شعوری، دانستہ، نادانستہ سرزد ہوئی ہوں گی۔ علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ الہی! جب تو نے اس بے خود کو بلا استحقاق بود و وجود کی دولت سے مالا مال کیا اور زندگی بھر کی بے شمار نعمتیں بخشیں تو الہی! اس بے بہبود کو بہبود عطا فرمانے میں بھی انتظار استحقاق نہ فرما۔ الہی تیری شان کریبی سے سینات بھی حسنت میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اور ایک نیکی کم از کم دس نیکیوں تک ترقی کر سکتی ہے۔ تو الہی! اس حقیر سی خدمت کو قبولیت و مقبولیت سے نوازنے میں بھی بس تیرے کرم کی ہی دیر ہے۔ الہی قرآن اور علم کے حق شفاعت کی بدولت اس روسیہ اور اس کے والدین، مشائخ، اساتذہ، اقارب و احباب اور ان کی جنہوں نے اس کو منصفہ شہود پر لانے میں کسی درجہ میں بھی حصہ لیا ہے۔ بلکہ سب مسلمانوں کی نجات و مغفرت فرما کر فردوس بریں سے ہمکنار فرما۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔ سبحان رب العزۃ عما یصفون

وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

اللهم انس وحشتی فی قبری اللهم ارحمنی بالقران العظیم واجعله لی اماناً و نوراً و هدی و رحمةً اللهم

ذکرنی منه ما نسیت و علمنی منه ما جهلت و ارزقنی تلاوته اثناء اللیل و اثناء النهار واجعله لی حجة یارب

العلمین العبد الایثم المکنی بابی عبد اللہ المدعو بحمد نعیم الدیوبندی خدام التدریس العربی

دارالعلوم الدیوبندیہ

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ ۵ جون ۱۹۷۸ء ایوم الاثنين، دارالسلام ابو البرکات دیوبند

﴿الحمد للہ کہ تیسویں پارے کی شرح و تفسیر مکمل ہوئی﴾